کارواں
زندگی کی پرپیچ راہوں کے مسافر کی تلخ و شیریں داستان

ایم۔ اے۔ راحت

کارواں

زندگی کی پرپیچ راہوں کے مسافر کی تلخ و شیریں داستان

ایم اے راحت

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔اُردو بازار، لاہور

فون 37352332-37232336

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	....	کارواں (حصہ اوّل و دوئم)
مصنف	....	ایم اے۔ راحت
ناشر	....	گل فراز احمد (علم و عرفان پبلشرز، لاہور)
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
پروف ریڈنگ	....	محمد زاہد ملک
کمپوزنگ	....	ابرار، انیس احمد
سن اشاعت	....	جون 2014ء
مکمل سیٹ	....	1500/- روپے

بہترین کتاب چھپوانے کیلئے رابطہ کریں 0300-9450911

..........ملنے کے پتے..........

ویلکم بک پورٹ	رشید نیوز ایجنسی
اُردو بازار، کراچی	اخبار مارکیٹ اُردو بازار، کراچی
خزینہ علم و ادب	مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور	الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
اشرف بک ایجنسی	کتاب گھر
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی	اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی
کلاسیک بکس بوہڑ گیٹ، ملتان	کشمیر بک ڈپو، تلہ گنگ روڈ، چکوال

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

دن کے ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا' لیکن بادلوں نے اجالے کو کچھ اس طرح نگل لیا تھا کہ وقت کا صحیح اندازہ ہی نہیں ہو پاتا تھا۔لندن کی فضاؤں میں ویسے بھی وقت صرف گھڑیوں کا محتاج ہوتا ہے۔کبھی کبھی پتا ہی نہیں چل پاتا کہ کیا وقت ہوا ہے لیکن بہر حال اس وقت بھی خوب گھرے بادلوں نے آسمان کو ڈھکا ہوا تھا' زمین کی شکل کچھ عجیب سی ہو رہی تھی۔خاص طور نیو ایج کے قبرستان میں ماحول کچھ زیادہ ہی عجیب ہو گیا تھا۔

نیو ایج کا یہ علاقہ انسانوں کا نہیں' پرانی گاڑیوں کا قبرستان تھا۔ایسی ناکارہ گاڑیاں جو اپنے مالکان کے لیے قابل قبول نہیں ہوتی تھیں' نیو ایج کے قبرستان میں لا کر پھینک دی جاتی تھیں اور یہاں متعلقہ کمپنی کے ٹھیکیدار بڑی بڑی کرینوں کے ذریعے انہیں پیک کر کے اسٹیل ملوں کو بھجوا دیا کرتے تھے۔ایک باقاعدہ کام تھا سب کے لیے لیکن آج ہفتے کا دن تھا اور ہفتہ اور اتوار کی چھٹی ہوا کرتی ہے۔چنانچہ آج بھی چھٹی کا دن تھا اور نیو ایج کے اس قبرستان میں مکمل خاموشی طاری تھی لیکن یہ خاموشی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ایک تیز نسوانی چیخ فضا میں لہرائی اور ہنگامہ شروع ہو گیا۔

وہ لڑکی ایک پرانی گاڑی سے اتر کر دوڑ پڑی تھی۔نجانے وہ اس لڑکی کو کہاں سے لے کر آئے تھے اور اس سے کس طرح کود کر لڑکی کو بھاگنے کا موقع مل گیا تھا لیکن لڑکی کی رفتار بے پناہ تھی۔غالباً کوئی ایسا ہی مسئلہ تھا کہ وہ اس دوڑ کو زندگی اور موت کی دوڑ بنا لینا چاہتی تھی۔جگہ جگہ ٹوٹی ہوئی گاڑیاں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں لیکن لڑکی اس طرح ان رکاوٹوں کو پھلانگ رہی تھی جیسے وہ رکاوٹوں کی دوڑ کی ماہر ہو۔اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑا ہوا تھا' آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں' ہونٹوں سے بار بار آہ آہ کی آواز نکل جاتی تھی اور اس کے ساتھ ہی کبھی کبھی چیخ بلند ہو جاتی تھی۔

"بچاؤ...... بچاؤ...... مجھے بچاؤ......"

گنجے سر والے غنڈے غصے سے سرخ ہو رہے تھے اور ایک دوسرے کو غیرت دلا رہے تھے کہ ایک نرم و نازک سی لڑکی کو کوئی بھی نہیں پکڑ پا رہا لیکن دوڑ ان کی بھی مخدوش تھی' ٹوٹی ہوئی گاڑیوں کے پرزے اور رکاوٹیں کسی بھی لمحے کسی حادثے کا سبب بن سکتی تھیں۔پانچ گنجے سر والے اور ایک لڑکی...... کئی بار ان کے اور لڑکی کے درمیان فاصلہ کم بھی ہوا تھا لیکن لڑکی چھلاوا بنی ہوئی تھی اور ابھی تک ان کے ہاتھ نہیں آ پائی تھی لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد ان میں چھٹے کردار کا اضافہ ہو گیا۔

یہ خوب صورت بدن کا مالک بڑھی ہوئی شیو والا کوئی مشرقی انسان تھا جو اچانک ہی گاڑیوں کے ایک ڈھیر کے پیچھے سے نمودار ہوا تھا۔لڑکی اس کے بالکل قریب سے گزری تو نوجوان بوکھلا کر ایک طرف ہٹ گیا۔لڑکی تو آگے بڑھ گئی لیکن گنجے سر والے نوجوان کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے پھر ان میں سے دو وہیں رک گئے اور تین لڑکی کے پیچھے دوڑنے لگے اور شاید یہ لمحے لڑکی کے لیے بدقسمتی کے لمحے تھے کیونکہ دوڑنے والے تینوں جوانوں نے آخر کار لڑکی کو پکڑ لیا تھا اور لڑکی اب ان کی گرفت میں مچل رہی تھی۔

"کک' کک' کیا بات ہے بھائی صاحب۔" نوجوان نے ہکلائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ زبان اردو تھی اور لہجہ خوفزدہ۔ وہ دو گنجے جو یہاں رک گئے تھے' ان میں سے ایک نے نوجوان کے گال پر ایک بھرپور تھپڑ رسید کیا اور نوجوان کے ہونٹوں سے خون کی لکیر باہر آ گئی۔

"ابے...... ابے...... مارتے کیوں ہو' تم...... میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

جواب میں دوسرا تھپڑ اس کے دوسرے گال پر پڑا اور نوجوان کی آواز روہانسی ہو گئی۔

"بیڑہ غرق ہو تمہارا' کتے کی موت مرو' حرام زادو' کیوں مار رہے ہو مجھ غریب کو' میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

ادھر وہ تینوں جوان لڑکی گھسیٹتے ہوئے ان دونوں کے پاس آ گئے۔ گنجے سر والوں میں سے ایک نے انگریزی میں کہا:

"کتیا کی بچی! ہمیں دھوکا دے کر بھاگ رہی تھی۔ چل اچھا ہوا تو نے ہمیں جگہ بھی بتا دی۔ وہ دیکھو جیک وہ بس کھڑی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے وہ ہمارے لیے ہنی مون پیلس بن سکتی ہے۔"

پانچوں قہقہے لگانے لگے لیکن بس ایک لمحے کی غفلت ہو گئی تھی' نوجوان جسے وہ دونوں پکڑے ہوئے تھے' مچھلی کی طرح نکل کر ان دونوں کے ہاتھوں سے نکل گیا اور دوسرے لمحے اس نے ایک الٹی چھلانگ لگائی۔ وہ کوئی ماہر جمناسٹ معلوم ہوتا تھا۔ دونوں گنجے سر والے اس کی جانب لپکے' نوجوان نے دونوں ہاتھ جوڑے اور فضا میں اچھل کر ان دونوں کے سینے پر دولتی رسید کر دی۔ وہ بری طرح گر پڑے تھے۔ اس کوشش میں اچانک ہی لڑکی کو بھی موقع مل گیا اور وہ جو اس کے ارد گرد کھڑے ہوئے تھے' ایک لمحے کے لیے غافل ہوئے تھے کہ لڑکی پھر نکل بھاگی۔ اب دو صورتیں ہو گئی تھیں۔

ایک طرف تو وہ نوجوان تھا جو ٹوٹی ہوئی گاڑیوں پر چڑھ چڑھ کر ان لوگوں کو چکر دے رہا تھا' دوسری طرف لڑکی تھی جو پھر بے تحاشا بھاگ نکلی تھی۔ اسی وقت گنجوں میں سے ایک نے لوہے کا وزنی پرزا اٹھایا اور پوری قوت سے گھما کر لڑکی کی طرف پھینکا۔ نصیبوں کی بات ہے لوہے کا وہ وزنی ٹکڑا جس کا وزن کم از کم پانچ چھ پاؤنڈ ہو گا' لڑکی کی گردن کے پچھلے حصے پر پڑا اور دوسرے لمحے لڑکی زمین پر اوندھے منہ گر پڑی۔ اس کے بدن نے ہلکی سی جنبش بھی نہیں کی تھی۔

نوجوان جو اس وقت ایک گاڑی کی چھت پر کھڑا ہوا تھا' یہ منظر دیکھ کر نیچے اترا لیکن پانچوں گنجے سر والے بھرا مار کر اس پر پل پڑے اور اس بار نوجوان بھی ان کے نرغے میں آ گیا۔ وہ جیسے ہی اپنی جگہ سے اچھلا' دو گنجے سر والوں نے اسے لپک لیا اور پھر پانچوں اس پر ٹوٹ پڑے۔ ماحول بے حد خوفناک ہو گیا تھا۔ وہ نوجوان کو بری طرح پیٹ رہے تھے مگر بڑی دلچسپ صورت حال تھی کیونکہ کچھ ہی لمحوں کے بعد نیم تاریک ماحول میں دو عجیب و غریب چیزوں کا مزید اضافہ ہو گیا۔ یہ سرخ کپڑے میں لپٹے ہوئے انسان ہی معلوم ہوتے تھے لیکن ان کی آمد بڑی ناقابل یقین سی تھی۔ وہ دونوں فضا میں اس طرح اچھل رہے تھے جیسے گیندیں اچھالی جا رہی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی وہ فضا ہی میں قلابازیاں کھاتے اور اس طرح آگے بڑھتے جیسے ہوا میں ہی اڑ رہے ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی ان کے حلق سے خوفناک آوازیں بلند ہونے لگیں۔ یہ ایک غیر انسانی آوازیں تھیں جو لگتا تھا کہ دو سرخ لبادوں میں لپٹی ہوئی روحیں چنگاڑتی ہوئی ان کی جانب بڑھ

رہی ہوں۔ بڑا عجیب و غریب منظر اور بڑا عجیب و غریب ماحول تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ان پانچوں گنجے سر والوں کے پاس پہنچ گئے اور پھر گنجے سر والے گدھوں کی طرح پٹنے لگے۔

وہ دونوں سرخ لبادوں والے جن کے چہرے تک لبادوں میں ڈھکے ہوئے تھے' صرف آنکھیں کھلی ہوئی تھیں' اس بری طرح انہیں مار رہے تھے کہ گنجے سر والوں کو یقین ہو گیا کہ اگر وہ تھوڑی دیر اور پٹے تو شاید وہ اپنے پیروں پر کھڑے بھی نہ ہو سکیں۔ اس لیے انہوں نے برق رفتاری سے دوڑنا شروع کر دیا اور اس طرح دوڑتے ہوئے اس گاڑی تک پہنچے کہ راستے بھر پٹتے بھی رہے تھے لیکن کچھ لمحوں کے بعد وہ گاڑی میں گھسنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور پھر وہ اس طرح ہوا ہوئے کہ ان کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ نیو ایج کا علاقہ کچھ لمحوں کے لیے پھر سنسان ہو گیا تھا۔ سرخ لبادوں میں لپٹے ہوئے ان انسانوں نے سب سے پہلے لڑکی کو دیکھا جس کا بھیجا باہر نکل آیا تھا۔ وہ شاید پہلے وار کے ساتھ ہی دم توڑ چکی تھی۔ اس کے آس پاس خون بری طرح پھیلا ہوا تھا۔ سرخ لبادے والوں نے اس کی نبض دیکھی اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا:

''مر گئی......''

''اوہ......'' دوسری آواز نسوانی تھی۔ پہلا سرخ لبادے والا سست قدموں سے اس نوجوان کی طرف بڑھا جو اب اوندھا پڑا ہوا تھا۔ اس نے نوجوان کی نبض دیکھی۔ اس کے زخموں پر غور کیا اور پھر بولا:

''نہیں یہ ٹھیک ہے۔ شاید کسی ضرب سے بے ہوش ہو گیا ہے۔''

''لڑکی کی لاش کا ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے' لیکن اسے لے چلو۔''

''ہاں...... میں اٹھاتا ہوں تم گاڑی سنبھالو۔''

یہ دوسری گاڑی بھی بس قدرت کا عجوبہ ہی تھی۔ نجانے کیسے کیسے پرزے جوڑ کر انہوں نے بنایا ہو گا۔ وہ مختلف کمپنیوں کی گاڑیوں کا مجموعہ تھی لیکن چلنے میں بے مثال۔ نوجوان کو پچھلے حصے میں لٹا کر دوسرا شخص اس کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا اور اب دونوں نے اپنے چہرے کھول لیے تھے۔ جو شخص نوجوان کو لیے بیٹھا تھا اس کی عمر تقریباً 60 سال کی تھی' وہ چینی باشندہ تھا۔ اس کی آنکھوں چہرے کے رنگ' بقیہ نقوش' باریک مونچھیں اور ایک چھوٹی سی داڑھی سے یہی پتا چلتا تھا اور دوسری اس کی ساتھی عورت تھی جس کی عمر 50 سال سے کم نہیں ہو گی۔ وہی ڈرائیونگ کر رہی تھی۔

یہ دونوں کردار بھی عجیب و غریب تھے۔ گنجے سر والے برطانیہ کے باشندے' نوجوان ایشین اور یہ دونوں چینی باشندے تھے۔ گاڑی سفر کرتی رہی لیکن اس کا سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ ویسے ہی ایک بدنما اور ناکارہ چیزوں کے علاقے میں پہنچ کر انہوں نے وہ گاڑی ایک بہت بڑے پائپ لائن کے قریب کھڑی کر دی جو غالباً کسی گٹر کی لائن تھی اور ٹوٹ چکی تھی اور اب اسے ناکارہ علاقے میں ڈال دیا گیا تھا۔ گٹر لائن کے پاس گاڑی روک کر وہ نیچے اترے۔ مرد نے بے ہوش نوجوان کو کندھے پر اٹھایا اور اس کے بعد عورت کے ساتھ اس پائپ

لائن میں داخل ہو گیا۔

پائپ لائن کے ٹوٹے ہوئے آخری سرے کے نیچے سیڑھیاں چلی گئی تھیں۔ بوسیدہ اور ناہموار اور ان سیڑھیوں کا خاتمہ بھی اس جگہ ہوا تھا جہاں پہلے عظیم الشان گٹر کا مرکز تھا۔ کچھ ٹیکنیکل سی بات ہے۔ یہ مرکز اب ناکارہ ہو چکا تھا۔ اگرچہ گٹر لائن تبدیل کر دی گئی تھی۔ یہ جگہ ایک بیکار اور ناہموار جگہ کے طور پر پڑی ہوئی تھی اور غالباً حکومت کے پاس اس کا کوئی مصرف نہیں تھا سوائے یہ کہ جب بھی ضرورت ہو تو اس زمین کو صاف ستھرا کر کے کسی کام میں لایا جا سکے۔ لیکن اس عظیم الشان گٹر لائن میں جو ماحول بنایا گیا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ یہ ایک بہت بڑی ہال نما جگہ تھی جس کی بلندی کوئی بیس فٹ کے قریب ہوگی اور لمبائی چوڑائی کوئی ساٹھ ستر فٹ کے قریب لیکن اس جگہ کو ایسی ایسی چیزوں سے آراستہ کیا گیا تھا کہ دیکھنے والا دیکھے تو دنگ رہ جائے۔

وکٹورین طرز کا فرنیچر لیکن ملکہ وکٹوریہ ہی کے دور کا یقینی طور پر اس سے کہیں ایسی جگہ سے ہی اٹھا کر لایا گیا تھا' جہاں پرانی چیزیں ضائع کر دی جاتی ہیں۔ جیسے گاڑیوں کا وہ قبرستان جہاں مردہ گاڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ فرنیچر ہر چیز پر مشتمل تھا۔ کھانے کی میز کرسیاں جس میں سے چند کرسیوں کے پائے بھی ٹوٹے ہوئے تھے اور ان کے نیچے الگ سے لکڑیاں ٹھونک دی گئی تھیں لیکن اتنی مضبوط کہ اصل پائے ٹوٹ جائیں لیکن ٹھونکی ہوئی لکڑی دوبارہ نہ ٹوٹے۔

قدیم طرز کے پردے جن کے سوراخوں کو اتنی خوبصورتی سے پیوند لگا کر بند کیا گیا تھا کہ یہ پیوند اصل پردوں سے زیادہ حسین لگیں غرضیکہ ہر طرح کی چیزیں موجود تھیں۔ رنگ برنگے قالین جو یقیناً بوسیدہ ہونے کے بعد پھینک دیئے گئے ہوں گے لیکن انہیں جگہ جگہ سے تراش کر کے ڈیزائن بنائے گئے ہوں گے اور وہ کارآمد ہو گئے تھے۔

یہ تمام چیزیں یہاں موجود تھیں۔ ایک دو الماریاں جیسی چیزیں بھی تھیں۔ وہ لوگ اندر داخل ہو گئے۔ عمر رسیدہ چینی حیرت انگیز طور پر طاقتور ثابت ہوا تھا کیونکہ وہ نوجوان کچھ اس طرح اٹھا کر اندر لے آیا تھا کہ کوئی جوان آدمی بھی اتنی مہارت سے یہ کام نہ کر سکے۔ پھر اس نے اسے ایک آرام دہ بستر پر لٹا دیا اور اس کی چوٹوں کا جائزہ لینے لگا۔ اس دوران عورت نے اپنا سرخ لبادہ اتار دیا تھا۔ اس کے نیچے ایک انتہائی سادہ قسم کا چینی لباس جوان لوگوں کی عمر کی طرح بوسیدہ تھا' عجیب وغریب چینی جوڑا تھا' مرد نے نوجوان کے زخم دیکھے، کوئی خاص ایسا زخم نہیں تھا بس ضربیں تھیں جنہوں نے نوجوان کو بے ہوش کر دیا تھا۔ وہ ان کا جائزہ لینے کے بعد اپنی جگہ سے اٹھا پھر اس نے چمڑے سے بنی ہوئی ایک شیشی اٹھائی اس میں ایک پھریری جیسی چیز موجود تھی اس نے شیشے کا محلول نوجوان کے زخموں پر لگایا اور پھر عورت سے بولا:

"جاؤ وہ لاؤ۔"

"ٹھیک ہے......" اور پھر ایک اور شیشی الماری سے اٹھا لائی۔ بوڑھے چینی نے شیشی کا ڈھکن کھولا اور اس کو نوجوان کے نتھنوں سے لگا دیا۔ دو تین بار اس نے یہ عمل کیا تو نوجوان نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک لمحے تک ماحول کا جائزہ لیتا رہا اور اس کے بعد پھرتی سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ تب بزرگ چینی نے نرم لہجے اور اردو زبان میں کہا:

''مجھے یقین ہے کہ تم اردو زبان جانتے ہو گے۔ تمہارے چہرے کے نقوش بتاتے ہیں کہ تمہارا تعلق پاکستان سے ہے۔''

نوجوان خاموش نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے ماحول کا جائزہ لیا اور اس کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے تھے۔ وہ حیرت سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

''یہ ہمارا گھر ہے، ہم یہیں رہتے ہیں۔ میرا نام لیمپو آن ہے تم مجھے لیمپو کہہ کر پکار سکتے ہو اور یہ میری بیوی کائی شی ہے اور یہ جگہ لندن کے قدیم علاقے سیڈان اسکوائر کا وہ کٹرا امپوریم ہے جو اب خشک ہو چکا ہے اور ادھر آنے والی ساری لائنیں کاٹ دی گئی ہیں۔ یہ ایک بہترین رہائش گاہ ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تمہارے کسی زخم میں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔'' نوجوان جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور پھر اس کے چہرے پر دوبارہ عجیب سی کیفیت پھیل گئی۔ اس نے اپنے جسم کی ان چوٹوں کو محسوس کیا جن میں اب تکلیف نام کی کوئی چیز نہیں تھی حالانکہ اسے پانچ آدمیوں نے بری طرح مارا تھا لیکن نجانے اس کا جسم اس طرح اتنا پرسکون کیسے ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا:

''آپ لوگ...... آپ لوگ......'' اور پھر اس کی نگاہ ان سرخ لبادوں پر پڑی جو ایک طرف پڑے ہوئے تھے۔ اس نے تعجب بھرے لہجے میں کہا:

''تو یہ تم تھے جنہوں نے ان پانچوں سے میری جان بچائی۔ آہ لیکن تم تو کمال کی شخصیت ہو۔ میں نے زیادہ دیر نہیں دیکھا لیکن یہ ضرور دیکھا کہ تم لوگوں نے ان کے حواس خراب کر دیئے تھے۔ یہ سرخ لبادے تمہارے ہی جسموں پر تھے۔''

''بھوک لگی ہے تو بتاؤ اور بیٹھ جاؤ تم میرے مہمان ہو۔''

''تم نے جواب نہیں دیا کیا واقعی تم......''

''اگر ہماری جگہ تم ہوتے اور اس طرح سے وہ لوگ ہمیں مار رہے ہوتے تو کیا تم ہماری مدد نہ کرتے۔''

''میں چاہے کچھ بھی ہو جاتا تمہاری مدد ضرور کرتا۔''

''پاکستان ہمارا دوست ہے اور ہماری یہ دوستی بہت قدیم ہے۔ ویسے بھی ساری باتیں اپنی جگہ لیکن تم قابل ہمدردی تھے اور اصول کی بات بھی ہے کہ انسان کوئی بھی ہو بس اتنا کافی ہے' کائی چلو کھانے کا انتظام کرو۔ پھر جو کھانا کائی نے ان کے سامنے لا کر رکھا' وہ آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی تھا۔ بہت ہی عمدہ قسم کے انگریزی کھانے تھے' انتہائی قیمتی اور شاندار۔ نوجوان نے پھر ایک بار عجیب سی نگاہوں سے ان لوگوں کو اور اس ماحول کو دیکھا اور پھر شانے ہلا کر کھانے میں مصروف ہو گیا۔ کافی دیر تک وہ کھانے کھاتا رہا اور اس کے بعد چونک کر بولا:

''معافی چاہتا ہوں' میں نے آپ لوگوں سے کھانے کو نہیں کہا۔ شاید مجھے بہت زیادہ بھوک لگ رہی تھی۔''

''اس سے بھی زیادہ سنگین تمہارا جرم یہ ہے کہ سب کچھ ہوا لیکن تم نے ہمیں اپنا نام نہیں بتایا۔''

''آہ...... آپ کتنی خوبصورت اردو بولتے ہیں آپ دونوں' معافی چاہتا ہوں میں اس بات کی' میرا نام شہروز ہے۔''

''میں اردو زبان میں شاعری بھی کرتا ہوں۔'' لیمپو آن فخریہ انداز میں بولا:

''واقعی کرتے ہو گے' تمہارا لہجہ' تمہارا تلفظ اور تمہارے الفاظ اس بات کا یقین دلاتے ہیں مجھے کہ میری خوش بختی ہے اور شاید تم مارشل آرٹ کے ماہر بھی ہو کیونکہ ان لوگوں کو زیر کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ پانچوں کے پانچوں انتہائی خوفناک لوگ تھے اور مجھے یہ اندازہ ہو رہا تھا مگر...... مگر...... مگر آہ...... ذرا ایک بات تو بتاؤ۔'' اچانک نوجوان کو وہ لڑکی یاد آ گئی جو نجانے کون تھی اور کس طرح اپنی عزت بچانے کے لیے ان غنڈوں سے بھاگ رہی تھی۔

''وہ مر گئی۔ انہوں نے اسے ہلاک کر دیا۔ ہم اس کی لاش وہیں چھوڑ آئے کیونکہ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ ہر شخص کو اپنی زندگی عزیز ہوتی ہے۔ مقامی پولیس نجانے ہمارے بارے میں کیا سوچتی ویسے بھی یہ لوگ تنگ نظر ہیں اور غیر ملکیوں پر کچھ زیادہ ہی شک کرتے ہیں۔'' لیمپو آن نے جواب دیا اور شہروز خاموش ہو گیا۔

''کافی پیو گے نوجوان؟'' عورت نے پوچھا۔

''جب اس قدر شاندار کھانا کھلایا ہے تو کافی پینے سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا۔'' شہروز کا پیٹ بھر گیا تھا۔ عورت نے ایک گوشے میں جا کر کچھ برتن نکالے اور کافی کے لیے پانی چڑھا دیا۔ ادھر لیمپو آن نے ایک خوبصورت قالین کا ٹکڑا آگے سرکایا اور اس پر پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا:

''تم نے جس جگہ کے بارے میں بتایا اس کے بارے میں' میں بھی سن چکا ہوں آج پہلی بار دیکھ رہا ہوں لیکن کیا تم یہاں قانونی طور پر رہتے ہو لیمپو......''

''ہم اس قانون کو نہیں مانتے' جو کسی کو کوئی تحفظ نہیں دے سکتا اور جب ہم یہاں کے قانون کو نہیں مانتے تو پھر وہی کرتے ہیں جو ہمارے حق میں بہتر ہے۔ ہم یہاں رہتے ہیں اور بہت عرصے سے رہتے ہیں۔ نہ ہمیں کسی پر اعتراض ہوا اور نہ کسی کو ہم پر......''

''آپ لوگ میرے لیے بڑی عجیب و غریب شخصیت ہیں کیونکہ میں نہیں جانتا کہ آپ کے ہاں رہائش کا انداز کیا ہے؟''

''بتا دیں گے...... بتا دیں گے۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ ان لوگوں سے تمہارا کیا جھگڑا تھا؟''

''میرا کوئی جھگڑا نہیں تھا ان لوگوں سے' میں تو وہاں اپنے ایک دوست کی گاڑی کے لیے ایک پرانا پرزہ تلاش کرنے آیا تھا اور اسی کی تلاش میں کاروں کے قبرستان کی سیر کر رہا تھا۔ ایک گاڑی کے پیچھے مجھے وہ پرزہ نظر آیا تو میں اسے دیکھنے بیٹھ گیا۔ اسی وقت میں نے لڑکی کی چیخ سنی اور اس کی مدد کے لیے دوڑ پڑا۔ میں نے ان لوگوں کو روکا اور لڑکی وہاں سے بھاگ نکلی لیکن پھر میں ان کا شکار ہو گیا کیونکہ وہ تعداد میں پانچ تھے۔''

''ہم نے تمہارا طریقہ جنگ دیکھا۔ تم واقعی بڑے پھرتیلے نوجوان ہو اور سچی بات یہ ہے کائی شی تمہاری پھرتی سے سب سے زیادہ متاثر ہو گئی۔ اس نے کہا کہ لیمپو کچھ بھی ہو جائے ہمیں اس کی مدد کرنی ہے۔''

"اور تم نے مسز لیمپو... جس طرح میری مدد کی شاید میں اسے زندگی کے کسی مرحلے پر فراموش نہ کرسکوں۔"

"نہیں...... نہیں...... ہم نے ایسا کوئی خاص کام نہیں کیا۔" لیمپو نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر تک وہ سوچتا رہا پھر بولا:

"یہاں کہاں رہتے ہو اور کیا کرتے ہو...... تم نے بتایا کہ تم اپنے کسی دوست کے لیے کاروں کے قبرستان سے کوئی پرزہ تلاش کرنے آئے تھے۔"

"ہاں، میرا تعلق پاکستان سے ہے۔ کچھ ایسے حالات کا شکار ہوا جو میرے مزاج کے مطابق نہیں تھے چنانچہ میں نے اپنا وطن چھوڑ دیا اور اب یہاں لندن میں رہتا ہوں۔ ایک چھوٹی سی کمپنی ہے اس میں نوکری کرتا ہوں۔ یوں میرا گزارا ہو رہا ہے۔ کچھ دوستوں کے ساتھ ایک جگہ لے رکھی ہے جس میں رات کو سو جاتا ہوں اور بس...... یہ زندگی ہے میری۔"

"میں تمہارے ماضی کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں اور وہ بھی اس لیے کہ میں نے تمہاری پھرتی دیکھی ہے۔ تمہارا جسم بھی شاندار ہے، لگتا ہے باقاعدہ ورزش کرتے ہو۔"

"ہاں، یہ میرا شوق ہے۔ میں کسی باقاعدہ جم میں نہیں جاتا لیکن میں نے کچھ جگہیں مخصوص کر رکھی ہیں جہاں میں ہلکی پھلکی ورزش کرتا ہوں تاکہ میں فٹ رہوں۔"

"کتنے دوست ہیں تمہارے ساتھ؟"

"میرے علاوہ تین، میرا مطلب ہے کہ جن کے ساتھ میرا قیام ہے۔"

"میرا نام جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ لیمپو آن ہے۔ اپنے وطن میں مجھے ایک نمایاں حیثیت حاصل تھی لیکن پھر مجھ پر بغاوت کا الزام عائد ہوا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے حکومت وقت سے بغاوت کی تھی لیکن میرا ایک نظریہ تھا، مجھے جرم سے نفرت رہی ہے اور جرم کو ختم کرنے کے لیے میں نے اسی انداز میں کام کیا، جس انداز میں جرم کیا جاتا ہے۔ بے شمار افراد میرے ہاتھوں قتل ہوئے اور میری اس بات کو کسی نے پسند نہیں کیا لیکن میں نے کبھی کسی بے گناہ کو نہیں مارا۔ وہ گنہگار جو اپنے ہاتھ سے کام لے کر بچ جایا کرتے تھے میرا شکار رہے اور یہی میرا جرم قرار پایا...... لیکن میں نے اس بات کی پرواہ نہیں کی اور جب میں نے یہ دیکھا کہ میرا بچنا اب مشکل ہے تو پھر میں نے راہ فرار اختیار کی۔ میں اور میری بیوی کائی شی پانی کے ایک سرنگ کے ذریعے بچ کر باہر نکل آئے۔ وہ سرنگ ایسی تھی کہ اس میں کسی انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں تھا لیکن میں اور میری بیوی بہ آسانی وہاں سے آ گئے۔ ہم نے زندگی بھر اپنے جسم کو پالا ہے اور اب ہم یہی سب کچھ کرتے ہیں، دنیا بھر کی سیر کرتے ہوئے آخر کار ہم یہاں پہنچ گئے۔ عمر اتنی آگے بڑھ گئی تھی کہ دنیا سے لڑائی ملتوی کرنی پڑی۔ یہاں انگلینڈ میں بھی کئی ایسے واقعات پیش آئے، ان لوگوں نے اس معصوم لڑکی کو قتل کر دیا۔ پتا نہیں بیچاری کون تھی اور کیسے حالات کا شکار تھی۔ ہم اگر اب اس کے بارے میں کھوج کریں تو بے مقصد ہوگی۔ کوئی فائدہ تو اسے نہیں، چنانچہ جانے دو وہ پانچوں بھی بچ گئے ورنہ ایسے کسی شخص کو میں زندہ چھوڑنے کا قائل نہیں ہوں......"

شہروز نے بوڑھے شخص کو دیکھا پھر بولا:

''بہرحال' ٹھیک ہے جانے دو کوئی ایسی بات نہیں ہے۔''

''تم نے اپنا نام شہروز بتایا نا۔''

''ہاں......''

''تو مائی ڈیئر شہروز! اگر تم کچھ وقت میرے مہمان رہو تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔''

''فائدہ......'' شہروز نے سوال کیا۔

''میں بتاتی ہوں......'' کائی شی اتنی دیر میں پہلی بار مخاطب ہوئی تھی' شہروز اس کی جانب متوجہ ہوگیا۔ پھر اس نے کہا:

''لیسوآن' ان لوگوں میں سے ہے جو اپنی شخصیت کو کبھی نہیں تبدیل کرتے' وہ ہمیشہ دنیا سے لڑتا رہا ہے اس نے کبھی یہ سوچ کر کسی سے جنگ نہیں کی کہ وہ کون ہے؟ مثلاً چینی ہے' جاپانی ہے' امریکن ہے' برٹش ہے' فرنچ ہے' وہ صرف جرم کا دشمن ہے اور شاید یہ تمہاری منزل نہیں ہے لیکن میں تمہیں بتاؤں وہ بہت کچھ کرتا رہا ہے۔ تم مجھے اس بات کا جواب دو کہ کیا تمہیں مارشل آرٹ سے دلچسپی ہے؟'' شہروز نے گردن اٹھا کر کائی شی کو دیکھا پھر گردن جھکالی پھر وہ مدھم لہجے میں بولا:

''ہاں ہے اور میں نے تم لوگوں کو جس عالم میں دیکھا وہ میرے لیے بہت دلکشی کا باعث تھا۔ تم دونوں نے ان پر سیر گن سے حملہ نہیں کیا۔'' لیسوآن نے کائی شی کو دیکھا' کائی شی کے آنکھوں میں حیرت کے نقوش تھے۔ پھر وہ کہنے لگی:

''سیر گن کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟''

''پیروں کے انگوٹھوں کا استعمال......صرف انگلیاں کام کرتی ہیں سیر گن میں۔''

''نوجوان......نوجوان......نوجوان تم جوتوں سمیت ہماری آنکھوں میں گھستے چلے آرہے ہو۔ جو شخص سیر گن کے بارے میں اتنا کچھ جان سکتا ہے وہ مارشل آرٹ سے اتنا ناواقف نہیں ہو سکتا......بتاؤ تم کون ہو اور جو کچھ تم نے کہا اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''کچھ نہیں......'' شہروز ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا:

''تمہیں کون سی بڑی قسم دلائی جاسکتی ہے' شہروز نام ایک مسلمان لڑکے کا ہے۔ بے شک تمہاری عمر اتنی زیادہ نہیں معلوم ہوتی' لیکن اب جب میں تمہارے چہرے پر غور کرتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے تم بہت تجربے کار انسان ہو اور دنیا کے بارے میں کافی حد تک جانتے ہو۔ مجھے صرف ایک بات کا جواب دے دو۔ اگر تم مارشل آرٹ کے ماہر ہو تو پھر تم نے ان پانچوں کو اس طرح کیوں جانے دیا؟''

اور پہلی بار شہروز کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آئے پھر اس نے گھمبیر لہجے میں کہا:

''میں تمہیں اپنے بارے میں نہیں بتانا چاہتا لیسوآن' لیکن تم مجھے مجبور نہ کرو میں نے دنیا سے لڑنا چھوڑ دیا ہے۔''

''مطلب......''

”زندگی نے اتنے تجربات دیئے ہیں مجھے کہ میں سونے کی طرح تپ کر کندن بن چکا ہوں۔ دنیا کے بے شمار ممالک دیکھے ہیں میں نے' دنیا کے بے شمار لوگوں سے میرا مقابلہ رہا ہے۔ یہ پانچ گنجے سر والے بھلا مجھے کیا نقصان پہنچا سکتے تھے' میں اب اس منزل میں داخل ہو گیا ہوں جہاں نقصان اٹھانے میں مزہ آتا ہے۔“

لیمپو آن اس طرح اپنی چھوٹی چھوٹی لکیروں جیسی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا' جیسے دنیا کا کوئی بہت بڑا عجوبہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہو۔“ اس نے کہا:

”آہ تو تم...... تم تو کمال کی شخصیت نکلے' یقین کرو میں نے تمہارے بارے میں اس انداز میں نہیں سوچا تھا' تم جس طرح پھرتی اور جمناسٹک کا مظاہرہ کر رہے تھے' اس سے مجھے یہ احساس ہوا کہ تم بے حد پھرتیلے اور شاندار آدمی ہو اور یقین کرو' میں نے یہ سوچا تھا کہ میں تمہیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کروں گا۔“

”اپنا مقصد۔“

”میں بتاتی ہوں۔“ کائی شی نے ایک بار پھر درمیان میں مداخلت کی اور شہروز اس کے بولنے کے انداز پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ کائی شی کہنے لگی:

”جیسا کہ تمہیں لیمپو نے بتایا کہ وہ ایک باغی رہ چکا ہے' اس نے جرم سے نفرت کی' پہلے چھوٹے چھوٹے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا اور اس کے بعد ان بڑے بڑے سیاسی مجرموں کو جو انسانی اصولوں سے بغاوت کرتے تھے اور اس کے بعد ان بڑے بڑے سیاسی مجرموں کو جو انسانی اصولوں سے بغاوت کرتے تھے اور اس کے بعد وہ دنیا کے کئی ممالک کو درکار ہو گیا۔ بات چھوٹی سی نہیں تھی' بہت بڑی تھی۔ اگر ہم کنارہ کشی نہ اختیار کرتے ان معاملات سے تو یقین کرو اب تک نہ جانے کس طرح زندگی گزار رہے ہوتے' کسی جیل میں پڑے سڑ رہے ہوتے یا موت کے گھاٹ اتر چکے ہوتے۔ یہ میں تھی جو لیمپو کو ان راستوں سے ہٹا کر ان راستوں پر لے آئی اور ہم لوگوں نے فقیرانہ زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا لیکن لیمپو کے دل میں آج بھی امنگ ہے کہ اگر اسے کوئی اس جیسا مل جائے تو وہ اس کی تربیت کرے اور تربیت کر کے اسے کوئی نہ کوئی حیثیت دے دے' وہ اس کا جانشین بن جائے۔“

جواب میں شہروز ہنسنے لگا پھر اس نے کہا:

”بات بہت چھوٹی سی ہے میں اسے کوئی بڑی بات بنانا نہیں چاہتا لیکن اگر لیمپو مجھ سے زیادہ پھرتیلا اور ذہین ہے تو میں اس کی ہر بات مان لوں گا۔“

”ہو گئی...... ہو گئی...... ہو گئی۔“ لیمپو آن اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے اچھلتا ہوا بولا' بالکل ایسا لگا تھا جیسے کوئی مینڈک پھدک رہا ہو' شہروز پھر ہنس پڑا۔ کائی شی بولی:

”نہ کرو ایسی بات...... نہ کرو میرے بچے' یہ بہت باصلاحیت انسان ہے۔“

''اور میں نے زندگی بھر باصلاحیت لوگوں کی قدر کی ہے۔'' شہروز نے جواب دیا۔

''تب تو پھر واقعی ہوگئی...... ہوگئی...... ہوگئی۔'' لیمپوآن نے پھر اس انداز میں کہا اور بولا:

''چلو ہمارے درمیان مقابلہ ہو جاتا ہے' تم جس طرح سے بھی کہو گے میں تیار ہوں......'' شہروز ہنسنے لگا پھر اس نے کہا:

''تم روز میری مارشل آرٹس کلب کے بارے میں جانتے ہو......'' جواب میں لیمپو ہنس پڑا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا:

''نہیں' نہیں میں نے تو صرف اس کا نام سنا ہے۔''

''تم یوں سمجھ لو کہ روز میری مارشل کلب میں' میرا اپنا ایک بہت بڑا مقام تھا۔''

''اچھا' کیا واقعی! کون سے سن کی بات کر رہے ہو؟''

''چھوڑو ان باتوں کو۔''

''میں تمہیں بتاؤں کہ روز میری مارشل آرٹس کلب میں یہ شخص کافی عرصے سے انسٹرکٹر رہ چکا ہے اور انسٹرکٹر بھی ایسا جو......

جو......'' دفعتاً ہی شہروز کے پیشانی پر شکنیں نمودار ہوگئیں اسے روز میری مارشل کلب جو دنیا میں اپنی طرح کا واحد کلب کہلاتا ہے' میں ان اساتذہ کی تصویروں میں سے ایک تصویر یاد آ گئی جس کے نیچے لیمپوآن لکھا ہوا تھا' شکل تو یاد نہیں تھی لیکن یہ نام روز میری مارشل آرٹس کلب کے حوالے سے اس کے ذہن میں آ گیا تھا۔ تاہم اس نے کسی قدر حیرانی سے سوال کیا:

''لیکن جب لیمپو دنیا کے اتنے ممالک کو درکار تھا' تو پھر وہ مارشل آرٹس کلب میں انسٹرکٹر کی حیثیت سے کیسے پہنچ گیا۔''

''اٹھائیس دن' صرف اٹھائیس دن' وہ وہاں انسٹرکٹر رہا' یہ بھی ایک گیم تھا۔'' کائی شی بولی۔

''گیم......''

''ہاں......''

''وہ کیا؟''

''لیمپوآن کسی کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتا تھا ایک ایسے دشمن کو جس کو وہ تڑپا تڑپا کر مارنے کا خواہش مند تھا اس نے روز میری مارشل آرٹ کلب میں اپنے فن کا ایک مظاہرہ کیا اور اس کے بعد اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی' لیکن جب اس نے اپنا کام کر لیا اور وہ حکام اس کی جانب متوجہ ہوئے جو اس کی زندگی چاہتے تھے تو ہم دونوں نے وہ جگہ چھوڑ دی لیکن روز میری مارشل آرٹس کلب میں لیمپوآن نے اپنی شخصیت کو اس قدر یادگار بنا دیا تھا کہ کوئی اسے نظر انداز نہیں کر سکا اور وہ وہاں سے نکل آیا' بعد کی زندگی وہاں سے الگ گزری' لیکن تمہاری معلومات کے مطابق لیمپوآن کو روز میری کلب میں آج تک نہیں بھلایا گیا۔''

شہروز نے ایک گہری سانس لی' ماضی کے بہت سے نقوش اس کی آنکھوں کے سامنے اجاگر ہو گئے...... لیکن کائی شی نے اس کا طلسم توڑ دیا وہ کہنے لگی:

"اور ہم اب دنیا سے کنارہ کش ہو چکے ہیں، ہم نے وہ سب کچھ چھوڑ دیا ہے مگر لیمپو آن آج بھی اپنے ماضی میں جانے کے لیے تڑپتا رہتا ہے۔"

"آپ لوگ بہت اچھی زندگی گزار رہے ہیں، یہ جگہ بے شک آپ نے بہت عجیب و غریب منتخب کی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں لیمپو آن جیسے مزاج کے آدمی کے لیے یہ جگہ بے حد مناسب ہے۔ کھانا وغیرہ آپ نے ہی تیار کیا تھا یہ۔" ایک دم ہی شہروز کو وہ کھانا یاد آ گیا، جو تھوڑی دیر پہلے اس نے کھایا تھا۔ وہ کائی شی کو دیکھ یہ سوال کر رہا تھا کہ کائی شی کو ہنسی آ گئی پھر بولی:

"اس کا جواب یہ کمینہ دے گا۔"

"کمینہ......"

"ہاں...... اس سلسلے میں تم مجھے کمینہ ہی کہہ سکتے ہو، اصل میں میں نے ان تمام بڑے بڑے ہوٹلوں سے رابطے قائم کر رکھے ہیں، جن میں فرانسیسی ہوٹل، امریکن ہوٹل، چائنیز ہوٹل ہر طرح کے ہوٹل قائم ہیں، جب یہ لوگ اپنا بچا ہوا کھانا ضائع کرنے کے لیے لے جاتے ہیں تو وہ کھانا میں حاصل کر لیتا ہوں، میرے ان لوگوں سے تعلقات ہیں۔"

شہروز کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا تو یہ لوگوں کے آگے کا جھوٹا کھانا تھا جو اس نے کھایا لیکن کائی شی شاید شہروز کے چہرے پر وہ تاثرات پڑھ رہی تھی، اس نے پھر جلدی سے کہا:

"نہیں تمہارا خیال غلط ہے، یہ وہ جھوٹا کھانا نہیں ہوتا جو پلیٹوں میں بچتا ہے بلکہ وہ ہوتا ہے جو پیٹ بھرے امیر زادے جوں کا توں چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ عام طور سے ویٹر اس کھانے کو دوسرے کھانے میں شامل کر دیتے ہیں لیکن بہت بڑے بڑے ہوٹلوں میں اس کی اجازت نہیں ہوتی۔ اس کے لیے انہوں نے ایک جگہ منتخب کر رکھی ہے، ہماری پہنچ بس اسی جگہ تک ہے۔"

شہروز گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا...... لیمپو آن نے کہا:

"نوجوان دوست کیا تم اپنے دوستوں میں واپس جانے کے لیے بے چین ہو رہے ہو؟"

"نہیں! تم لوگوں نے مجھ پر ایسا سحر پھونک دیا ہے کہ میں تھوڑا سا وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"

"یہی تو ہم بھی چاہتے ہیں۔"

"پتا نہیں اس لڑکی کی لاش دستیاب ہوئی ہو گی یا نہیں کون تھی، کیا تھی، کچھ نہیں معلوم......"

"تم چاہو گے تو میں اس کا پتا لگا لوں گا لیکن اگر ہم براہ راست اس میں دلچسپی لے کر ملوث ہوتے ہیں تو تم یقین کرو ایسی مصیبت میں پھنس جائیں گے کہ اس سے نکلنا ہمارے لیے ناممکن ہو جائے گا۔"

"یہ بات میں جانتا ہوں۔ تو کیا اب میں تمہارے لیے آرام کا بندوبست کروں؟" لیمپو نے کہا۔

"اگر غیر مناسب نہ ہو کیونکہ یہ جگہ مجھے بہت ہی پسند آئی ہے۔" شہروز نے کہا۔ لیمپو آن نے بڑی عمدگی کے ساتھ ایک بستر کا

بندوبست کر دیا۔ ان کے بارے میں بھی انہوں نے ہی بتایا تھا کہ انہوں نے اپنی اس رہائش گاہ کو ان تمام جگہوں سے سامان اٹھا کر آراستہ کیا ہے' جہاں لوگ اپنی چیزیں ضائع کرنے کے لیے پہنچا دیا کرتے ہیں۔

''اور ہمیں جب بھی ایسی کسی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے' ہم اپنے علاقوں میں جا کر ایسی چیزیں مہیا کر لیتے ہیں۔ اتفاق کی بات یہ کہ میں بھی اپنی گاڑی کے لیے ہی کچھ چیزوں کی تلاش میں گیا تھا۔ یہ گاڑی میں نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہے۔'' لیمپو آن نے کہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کھٹارا گاڑی دیکھنے میں بڑی عجیب وغریب تھی لیکن اس کے چلنے کا انداز بڑا با کمال تھا' بہر حال شہروز آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا اور جب انسان ایسے حالات میں ہوتا ہے تو پھر ماضی کی کتاب اس کے سامنے ہمیشہ ہی کھل جاتی ہے۔

اسے خیال آباد یاد آ گیا۔ خیال آباد جہاں اس کا خاندان ایک مثالی حیثیت رکھتا تھا لیکن یہ مثالی حیثیت صرف دنیا کے سامنے تھی اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا ماضی اس کے زندگی کے ایک ایک لمحے کو عجیب وغریب بنائے ہوئے تھا۔ یہ خیال آباد ایک خوبصورت آبادی تھی اور اس آبادی میں میاں مہروز ایک اعلیٰ درجے کی حیثیت کے مالک تھے لیکن اچانک ہی یہ خاندان برے حالات کا شکار ہو گیا۔ ان لوگوں کو خیال آباد میں ایک زبردست حیثیت حاصل تھی۔ ان کی بڑی ساکھ تھی اور اس ساکھ کو قائم رکھنے کے لیے اس خاندان کے بزرگوں نے کافی جدوجہد کی تھی۔ خاندانی دولت اور روایت کا تحفظ کیا تھا اور پھر معمول کے مطابق اولاد در اولاد منتقل ہونے والی عزت' دولت اور شہرت دو بھائیوں میں منتقل ہو گئی۔ ان میں سے ایک کا نام مہروز عالم تھا اور دوسرے کا فیروز عالم...... لیکن اس خاندان کی بدقسمتی تھی کہ یہ دونوں تو جوان بزرگ عمر کے اس حصے میں پہنچ گئے جہاں بزرگی کا احساس ہوتا ہے اور نہ خاندانی روایت برقرار رکھنے کا اور پھر جب برتری اور دولت اچانک ہاتھ آ جائے تو عمر کا تجربہ تو سہارا دے سکتا ہے' جوانی کا طوفان نہیں' بڑے بھائی مہروز عالم کی شادی خاندان کی ایک لڑکی سے ہوئی تھی اور اس سے مستقبل کے اس خاندان کا بزرگ یعنی میں بھی پیدا کر لیا تھا لیکن جدید سوچ کے حامل تو جوانوں کو خاندان کی دولت کے سہارے سے کھیلنے کا موقع مل گیا' فاحشائیں تو ایسے موقعوں کی تاک میں ہی رہتی ہیں چنانچہ انہوں نے دونوں بھائیوں پر حسن وجمال سے لیس ہو کر حملہ کر دیا اور ان سے اس طرح لپٹ گئیں جیسے تازہ کھلے ہوئے پھولوں پر شہد جمع کرنے والی مکھیاں' پھول آزاد تھے اور مکھیوں کو پورا پورا موقع ملا تھا۔ انہوں نے اس خاندان کا سارا رس چوس لیا' کچھ عرصے ساکھ نے ساتھ دیا لیکن خالی ساکھ کہاں تک ساتھ دے سکتی تھی۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس خاندان کی دیواریں ہلنے لگیں۔

یہ دیواریں اندر سے کھوکھلی ہوتی جا رہی تھیں اور پھر وہ وقت آ گیا جب بُرے وقت کی آمد کا اعلان کر دیا جاتا ہے جب کہ میری عمر اس وقت بہت زیادہ نہیں تھی لیکن اتنی کم بھی نہیں تھی کہ میں سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے دور ہوتا حالانکہ ابھی عمر پختگی نہیں دے سکتی تھی' لیکن سوچ سمجھ لینا ہی کافی ہوتا ہے' اتنا اندازہ تو ہو ہی جاتا ہے انسان کو کہ اعلیٰ ترین تعلیمی اداروں سے تعلیم حاصل کرنے کے بجائے اب ایک معمولی سے اسکول میں جانا پڑے گا اور اعلیٰ ترین کوٹھی سے منتقل ہو کر اب ایک چھوٹے سے مکان میں گزارا کرنا پڑے گا۔ قیمتی کار میں سفر کرنے کے بجائے اب سائیکل کے ذریعے اسکول جانا ہو گا۔

حسین ترین لباس چھوڑ کراب معمولی کپڑے استعمال کرنے پڑیں گے' اس طرح زندگی کے ہر شعبے میں بے کسی اور بے بسی کے عالم میں عمر گزارنی ہوگی بے شک عمر کی پندرہویں منزل میں پہنچا تھا لیکن یہ پتا چل گیا تھا کہ اس کے ذمہ دار اس خاندان کے موجودہ بزرگ ہیں جو اب غم میں ڈوبی ہوئی زندگی گزار رہے ہیں انہوں نے وہ سب کچھ ختم کر دیا ہے جو پشتوں سے خاندان کی ملکیت چلا آ رہا تھا اور اب خود ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے ہیں۔

بہرحال ہر خاندان میں دوست و دشمن بہت ہوتے ہیں بلکہ دوست کم اور دشمن زیادہ ہوتے ہیں اور ان دشمنوں کو اگر موقع مل جائے تو دل کی بھڑاس ایسے ہی موقعوں پر نکالتے ہیں' لوگ مجھ سے ہمدردی کرتے تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ میرے جذبات کو ہوا دے رہے تھے تاکہ میں ان بزرگوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ خاندان کی دولت تو پشتوں سے منتقل ہوتی چلی آ رہی تھی جنہوں نے اس کو ضائع کر دیا وہ تو صرف اس کے امانت دار تھے اور ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ اس کو میرے سپرد کر دیں اور میں اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر اسے آگے بڑھاؤں اور پھر اسے اپنی آئندہ نسل کے سپرد کر دوں...... لیکن ان بزرگوں نے تو آئندہ کی نسلوں کو ہی برباد کر دیا تھا۔

وہ دونوں میرے باپ اور چچا تھے۔ یہ جرأت تو میں نہیں کر سکتا تھا کہ ان سے جواب طلب کروں...... ہاں میں نے دوسری طرح سے اپنے غصے کا اظہار کرنا شروع کر دیا' جس طرح عام انسان زندگی گزارتے تھے' مجھے اس طرح کی زندگی گزارنے کا ایک لمحہ بھی پسند نہیں تھا جو کچھ وہ ضائع کر چکے تھے سو وہ واپس نہیں لا سکتا تھا' میں نے سوچا کہ میں کیوں اپنی زندگی کو ان کے بنائے ہوئے اصولوں پر چلاؤں' مجھے اپنے لیے زندگی تلاش کرنی ہے' دل پر ایک بغاوت سوار ہو گئی تھی اور میرا ناپختہ ذہن فیصلے کر رہا تھا' مجھے اب اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ اس خاندان کا سب نے ساتھ چھوڑ دیا ہے اور جب میں جوان ہوں گا تو کوئی بھی یہ سوچ کر مجھے سہارا نہیں دے گا کہ میں ایک اتنے بڑے خاندان کا فرد ہوں' میری زندگی میرا مستقبل ایک اعلیٰ خاندان کے نوکر جیسا ہوگا' لوگ قطعی نہیں سوچیں گے کہ پہلے وہ اس خاندان کے نوکر تھے' میں نے سوچا کہ میں غلامی میں زندگی بسر کیوں کروں' اگر اس خاندان کا وقار برقرار رہنے دیا جاتا تو میں اپنی صلاحیتوں سے اس میں چار چاند لگا سکتا تھا' چنانچہ اب ان صلاحیتوں کو میں نے اپنے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا' چنانچہ پہلی بار خیال آباد کے اس علاقے میں داخل ہوا' جو مجرموں' چوروں' اچکوں اور بری عورتوں کا علاقہ تھا۔

میری عمر اب سترہ سال تھی' لیکن واقعات اور پچھلے ماحول نے مجھے اپنی عمر سے دس سال آگے کر دیا تھا' بہرحال میری نشستیں معمولی جرائم پیشہ لوگوں میں ہونے لگیں' لیکن خداداد پھرتی اور چالاک ہونے سے میں نے بہت جلد ان کے درمیان نمایاں مقام بنا لیا تھا' وہ لوگ جو سوچتے تھے میں وہ کر ڈالتا تھا' تجربات نے انہیں بزدلی بخشی تھی اور ناتجربہ کاری نے مجھے انتہائی بہادر بنا دیا تھا' چنانچہ میں نے ایک معقول حیثیت اختیار کر لی تھی اور مجھے داداشاہ کے نام سے مخاطب کیا جانے لگا...... داداشاہ کی شہرت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی' میں بڑی عمدگی کے ساتھ اپنی اس حیثیت کو قائم رکھے ہوئے تھا اور اس سلسلے میں بہت سے دلچسپ تجربات بھی ہو رہے تھے' جن میں زیادہ تر

تجربات لڑائی جھگڑے سے متعلق تھے' لیکن بہرحال میری اس حیثیت کی اطلاع میرے بزرگوں کو بھی مل گئی' چنانچہ ایک دن مجھے بزرگوں کی عدالت میں طلب کر لیا گیا۔ والد صاحب' چچا جان' والدہ اور دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے بارے میں ان افواہوں کا تذکرہ کیا جو ان تک پہنچی تھی' مجھ سے سوال کیا گیا...... کہ کیا میں واقعی علاقے کا دادا شاہ ہوں...... لیکن میرا جواب ان لوگوں کے لیے ناقابل یقین تھا۔ میں نے کہا:

''مجھے خوشی ہے کہ میرے بارے میں صرف وہ باتیں آپ لوگوں کے سامنے آئی ہیں جنہیں میں نے چھپانا مناسب نہیں سمجھا' میں جن باتوں کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا' وہ آج تک محفوظ ہیں' قابل احترام بزرگو! کیا آپ کو اس بات کا احساس ہے کہ ہماری عزت و حیثیت اب کیا رہ گئی ہے؟'' میرے اس سوال پر چہرے سکڑ گئے اور مجھے چونک کر دیکھا گیا۔ پھر میرے خاندان کے ایک بزرگ نے کہا:

''بے شک ہمارا دور خراب ہو گیا ہے' ہمارے مالی حالات تباہ ہو گئے ہیں لیکن لوگ آج بھی ہمیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔''

''جھوٹ بول رہے ہیں آپ...... عزت ان کی کی جاتی ہے جو اپنی عزت کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لوگ جانتے ہیں کہ اس خاندان کی تباہی کے ذمہ دار کون ہیں۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے اس کا بہرحال میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ آپ لوگوں کے کیے کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے' چلیں چھوڑیں' مجھے کچھ کہنا چاہتے ہیں آپ۔ تو پہلے اپنے گریبانوں میں جھانک لیجئے' میں جو کچھ کر رہا ہوں شاید اس سے اب اس خاندان کی ساکھ دوسری شکل میں بحال ہو جائے......'' جھکی ہوئی نگاہوں اور بند ہونٹوں نے کچھ نہ کہا میں اپنے طور پر ایسی زندگی گزارتا رہا اور دادا شاہ کا نام منظر عام پر آتا رہا پھر ایک رات جب میں ایک جوئے خانے سے اپنی جیبوں میں موجود ساری رقم ہار کر باہر نکل رہا تھا تو اچانک ہی میں نے پولیس کی گاڑیوں کے سائرن بجتے ہوئے سنے۔

اس کے ساتھ ہی آگے جاتی ہوئی ایک کار کی تیز روشنیاں ایک موڑ کی دیوار پر پڑیں' پھر اس کے ساتھ ہی ایک دھماکہ سنائی دیا۔ آگے جانے والی کار جس کا پیچھا پولیس والے کر رہے تھے' ایک موڑ مڑتے ہوئے ایک دیوار سے ٹکرا گئی تھی' میں زیادہ فاصلے پر نہیں تھا جس دیوار سے وہ کار ٹکرائی تھی' وہ مجھ سے چند ہی گز کے فاصلے پر تھی' میں نے محسوس کیا کہ کوئی کار کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہے۔ نجانے کیوں میرے دل میں ایک رحم کی سی لہر ابھری' پیچھے پولیس کی گاڑیاں آ رہی تھیں۔ وہ اسی شخص کا تعاقب کر رہی ہوں گی' میں پھرتی سے آگے بڑھا اور میں نے کار کا دروازہ کھول دیا۔ پھر میں نے اس شخص کو باہر کھینچا جو کار سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اسے کار سے باہر نکالا۔

وہ شخص اپنے ہاتھ میں کوئی چیز سنبھالے ہوئے تھا۔ اس وقت تو میں نے اس پر غور نہیں کیا لیکن بعد میں احساس ہوا کہ وہ ایک بریف کیس ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کار دیوار سے ٹکراتے ہوئے اس شخص کے بدن پر کوئی زخم لگا ہے یا نہیں' لیکن میں نے پوری طرح اسے اپنے بدن پر سنبھال لیا تھا اور اس کے بعد میں برق رفتاری سے اس گلی کی طرف لپکا جو میرے بائیں سمت تھی اور گلی میں گھستا چلا گیا۔ اس شخص کو مجھے پوری طرح اپنے بدن میں سنبھالنا پڑا تھا۔ پولیس کی گاڑیوں کے سائرن اب بالکل قریب آ گئے تھے۔ انہیں صورت حال کا صحیح طور پر اندازہ نہیں ہوگا لیکن میں جانتا تھا کہ چند لمحوں کے بعد انہیں یہ پتا چل جائے گا کہ جس کا وہ پیچھا کر رہے ہیں' وہ اس کار سے تو

نکل بھاگا تھا جس شخص کو میں گھسیٹ رہا تھا اس شخص کے منہ سے کراہیں تو نکلی تھیں' جس سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ زخمی ہے۔

اچانک ہی گلی میں مجھے بائیں سمت ایک زینہ سا نظر آیا' جس کا دروازہ نہیں تھا۔ میں نے اسے زینے کی طرف گھسیٹا تو وہ زور سے بولا:

''نہیں ادھر نہیں ہم پھنس جائیں گے۔''

''آ جاؤ پولیس زیادہ فاصلے پر نہیں ہے آؤ......'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا اور اسے گھسیٹتے ہوئے سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔

ان سیڑھیوں کا خاتمہ ایک دروازے پر ہوا تھا۔ میں نے دروازے پر دستک دی ایک بار' دوسری بار تیسری بار دستک پر قدموں کی چاپ سنائی دی اور کسی نے کہا:

''کون ہے بھائی' رات کے اس حصے میں......'' لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی سوال پوچھنے والے نے دروازہ بھی کھول دیا تھا اور یہ اس کی غلطی ہی تھی کیونکہ میرا خوفناک گھونسہ اس کی پیشانی پر ہی پڑا تھا اور دوسرے لمحے میں اپنے ساتھی کو لیے ہوئے جلدی سے اندر گھس گیا تھا پھر میں نے اسی ہاتھ سے اندر موجود نیک آدمی' جس نے اپنی نیکی کا بڑا صلہ پایا تھا خبر لی اور میری ایک مخصوص ضرب نے اس سے اس کے حواس چھین لیے...... میں نے اپنے ساتھی سے کہا:

''اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرو' میں ذرا اس کا کریا کرم کر دوں' کیا تمہارے پاس پستول ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے ہلکی آواز میں جواب دیا۔

''کوئی بات نہیں ہے' تم یہاں اس دیوار کے ساتھ ٹک کر کھڑے ہو جاؤ۔'' میں نے کہا اور پھر اس شخص کو دیکھنے لگا جسے غالباً دوسری ضرب کی ضرورت نہیں تھی' جب وہ زمین پر گر پڑا تو میں نے دیوار کے ساتھ کھڑے ہوئے آدمی سے کہا:

''آؤ......'' اس کے بعد میں آگے بڑھ گیا۔ یہ دو کمروں کا فلیٹ تھا تقریباً دونوں ہی کمرے خالی تھے یعنی وہاں ہلکا پھلکا فرنیچر تو تھا لیکن انسان کوئی اور نہیں تھا میں ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ میں نے اس سے سوال کیا:

''تم زخمی ہو؟''

''معمولی سی چوٹ ہے کوئی سنجیدہ بات نہیں ہے۔''

''پولیس اس طرف بھی آئے گی کیونکہ زینے میں دروازہ نہیں ہے اگر تمہارے جسم کے کسی حصے سے خون نکل رہا ہے تو ہو سکتا ہے پولیس کو خون کے دھبے مل جائیں۔'' ایک بار پھر اس شخص کے حلق سے آواز نکلی لیکن اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا:

''اوہو ایک منٹ' ایک بہت بڑی غلطی کر آئے ہیں ہم' تم یہاں بیٹھو۔'' میں نے اس سے کہا اور پھرتی سے دروازے سے باہر نکل گیا۔ سب سے پہلے میں نے فلیٹ کا دروازہ بند کیا تھا' جسے غلطی سے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بعد میں نے اس شخص کو دیکھا جو بے ہوش پڑا ہوا تھا اور جو اس فلیٹ کا مالک تھا۔ پھر میں نے اسے اٹھایا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

سامنے ہی کچن کا دروازہ نظر آیا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر کچن میں داخل کیا۔ کچن کافی بڑا تھا۔ یہ کام کر کے میں واپس کمرے میں

آیا۔ وہ شخص ایک کرسی پر خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ بریف کیس اس کے پاس ہی رکھا ہوا تھا لیکن ابھی ایک لمحہ ہی نہیں گزرا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور میری ساری جان آنکھوں میں سمٹ آئی۔ یہ پولیس کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا لیکن اب میں بہت آگے کی چیز بن چکا تھا چنانچہ میں نے بال بکھرائے' آنکھیں ملیں اور شکل بگاڑی' میرا اجنبی ساتھی حیران ہو کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ تب میں نے اس سے کہا:

''تم معاملات سے ہوشیار رہو میں کوشش کروں گا کہ سب ٹھیک کر لوں۔'' تیسری دستک پر میں نے دروازہ کھولا اور پھر دیوار میں لگا سوئچ آن کر دیا اور زور سے چیخا۔

''کون ہے کیا دروازہ توڑو گے۔ آ رہا ہوں ایک منٹ......'' اور پھر میں بڑبڑاتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا۔ میرے منہ سے زور زور سے آوازیں نکل رہی تھیں۔

''کمال ہے' رات دیکھو اور لوگوں کی مستیاں دیکھو میں کہتا ہوں آخر تم ہو کون؟''

''پولیس......''

''ہاں ہاں قاتل ہوں میں' چوری کی ہے' ڈاکے ڈالے ہیں میں نے' پکڑ لو مجھے......'' میں نے دروازہ کھول کر کہا۔

''سنو' بہت زیادہ بگڑنے کی ضرورت نہیں ہے' ہم کسی کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔''

''تو لو بابا پکڑ لو مجھے' ارے کمال ہے' تمہیں کیا معلوم کہ رات کی نیند لینے کے لیے میں کتنی گولیاں کھا کر سوتا ہوں اور تم نے میری نیند اچاٹ کر دی' ساری رات تڑپتا رہوں گا' تمہارا کیا ہے؟''

''دیکھو بات سنو' فضول باتوں سے گریز کرو' ادھر کوئی آیا تو نہیں ہے۔''

''دیکھ لو اندر آ کر' شوق پورا کر لو اپنا......'' میں دروازے کے پاس سے ہٹ کر بولا اور پولیس والے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر وہ پلٹ کر نیچے اتر گئے۔ میں نے بہت زور سے دروازہ بند کیا تھا تا کہ انہیں میرے بگڑنے کا احساس ہو۔ اس کے بعد میں واپس کمرے میں آ گیا تھا۔ پھر میں نے کہا:

''جی سر اجازت دیں تو میں روشنی کر دوں۔''

''یار ایک منٹ رک جاؤ انہیں دور چلے جانے دو۔'' اس نے کہا لیکن میں اس کی آواز میں کمزوری صاف محسوس کر چکا تھا۔

''وہ اب واپس نہیں آئیں گے۔''

''میں تو تمہاری باتیں سن چکا ہوں' تم تو واقعی بہت ذہین آدمی ہو۔''

''جی ہاں' آپ کو بھی تو ذرا دیکھوں کہ آپ کیا کارنامہ سرانجام دے کر بھاگے ہیں۔'' میں نے کہا اور کمرے میں سوئچ آن کر دیا۔ روشنی ہونے کے بعد میری نگاہ پہلے جس چیز پر پڑی وہ پستول کی نالی تھی اور پستول اس کے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا اور پھر مجھے وہ بریف کیس نظر آیا جو اس کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ اس آدمی کی عمر تقریباً 45 سے 50 کے درمیان ہوگی مگر چہرے سے برا آدمی

معلوم نہیں ہوتا تھا۔ خاصا پروقار چہرہ تھا اور دلکش نقوش تھے۔ اس کے ہونٹوں سے ایک سرد آواز ابھری۔

''جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا ہے میں اس کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں لیکن تم کہاں سے میرا پیچھا کر رہے تھے؟'' ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں گرمی سی آ گئی تھی۔ میں خود بھی اس وقت ایک کرسی کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے اور کہا:

''تم نے کہا تھا کہ تمہارے پاس پستول نہیں ہے۔''

''ہاں میں تمہیں اپنے پاس کسی ہتھیار کے بارے میں نہیں بتا سکتا تھا کیا تمہیں یہ بتانے کے بعد میں اپنے اس پستول کو اپنے ہی خلاف استعمال کرنے کی کوشش کرتا۔''

''لیکن میں تو تمہارا مددگار تھا؟''

''پھر بھی مجھے تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم میں نہیں جانتا کہ تم کہاں سے میرا تعاقب کر رہے تھے؟''

''تو تمہارا خیال یہ ہے کہ میں تمہارے پیچھے پیچھے ہی......'' یہ کہتے ہی میں نے اچانک ہی اپنے پاؤں کو جنبش دی اور جو کرسی میرے پاس رکھی ہوئی تھی وہ اچھل کر اس کے ہاتھ سے ٹکرائی اور پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔ میں نے اطمینان سے آگے بڑھ کر وہ پستول اٹھا لیا تھا لیکن شاید میری ضرب نے اسے کافی نقصان پہنچایا تھا کیونکہ اب وہ بری طرح کراہ رہا تھا۔ میں اس سے کچھ فاصلے پر تھا اور پھر میں اسے دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر تک وہ کراہتا رہا پھر اس نے پاس رکھے ہوئے بریف کیس کو دیکھا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ تب میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور میں نے بریف کیس اٹھا لیا پھر اس کے سامنے پہنچ کر پستول کا چیمبر کھولا اور اس کی گولیاں نکال لیں۔ اس کے بعد پستول اس پر رکھ کر اس کے سامنے کر دیا۔ میرے اس عمل کو بھی اس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ پھر اس کے بعد میں نے کہا:

''اور تم صرف کرسی کی ضرب سے نہیں کراہ رہے، مجھے بتاؤ' کیا تم زخمی ہو...... کہاں چوٹ لگی ہے؟''

وہ کچھ لمحے مجھے دیکھتا رہا پھر بولا:

''میرا بایاں ہاتھ ٹوٹ چکا ہے۔''

''آؤ اٹھو یہاں زیادہ دیر رکنا مناسب نہیں ہے۔''

''پولیس ابھی آس پاس ہی ہوگی اور پھر میں انتہائی کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔''

''تب پھر آرام سے بیٹھو'' میں نے کہا اور پھر اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے اس کے بازو کو دیکھا۔ بازو بے شک ٹوٹ گیا تھا لیکن باہر سے کوئی زخم نہیں تھا اور یہ اچھی بات تھی کیونکہ اگر زخم ہوتا تو پولیس کو خون کے دھبے ملتے اور پھر اس کے بعد سب کچھ بے کار ہو جاتا۔ بہرحال میں نے کام شروع کر دیا۔ چادر پھاڑ کر میں نے اس کے بازو پر اچھی طرح کسی۔ وہ کراہ رہا تھا پھر ایک پٹی بنائی اور اسے

بازو پر لگا کر گرہ باندھ کر گلے میں ڈال دیا۔ وہ میری حرکات کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے بریف کیس کی طرف اشارہ کر کے کہا:

”اس بریف کیس میں تقریباً پونے تین کروڑ کے نوٹ ہیں۔ میں نے یہ رقم بینک سے اڑائی ہے۔“

”ٹھیک ہے......“ میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ پھر بولا:

”یہ صرف اور صرف تمہاری امانت ہے۔ بے فکر رہو میں اگر تم سے کوئی کام لوں گا تو وہ کم از کم یہ نہیں ہوگا۔“

”اگر ایسا ہے تو واقعی تم کمال کے انسان ہو پتا نہیں کیوں تم نے میری مدد کی ہے؟“

”چھوڑو ان باتوں کو بعض اوقات انسان حماقتیں کرتا ہے اور تم مسلسل حماقت کیے جا رہے ہو؟“

”کوئی اور حماقت کی ہے میں نے؟“ وہ بچوں کی طرح بولا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے کہا:

”چھوڑو کیا نام ہے تمہارا؟“

”میرا نام جمال خان ہے......اور تم؟“

”دادا شاہ کے نام سے جانا جاتا ہے مجھے۔“

”ایک کام کر سکتے ہو؟“

”بولو۔“

”میں تمہیں ایک ٹیلی فون نمبر دے رہا ہوں، پتا نہیں اس فلیٹ میں فون ہوگا کہ نہیں' لگتا ہے نہیں ہوگا کیونکہ معمولی سا تو فلیٹ ہے اور جس شخص کو ہم نے اس فلیٹ کے مالک کی حیثیت سے دیکھا ہے وہ اس قابل نہیں معلوم ہوتا کہ ٹیلی فون رکھ سکے' تمہیں باہر کسی ٹیلی فون بوتھ پر جا کر رنگ کرنا ہوگا۔“

”ٹھیک ہے میں یہاں سے نکلوں گا تو تم آرام سے بریف کیس لے کر کھسک لو گے، دوست اگر ایسا ہے کہ میں تم سے آخری بار کہہ رہا ہوں کہ تم جہاں چاہوں وہاں چھوڑ سکتا ہوں' تم زخمی ہو' کیا سمجھے!“ اس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولا:

”جاؤ......“

”نہیں جاؤں گا' وعدہ کرتا ہوں تم سے اگر یقین آئے تو کر لو ورنہ چھوڑو ان باتوں کو۔“

”نمبر دو۔“ میں نے کہا اور اس نے مجھے ایک نمبر بتا دیا پھر بولا:

”یاد رہے گا۔“

”کوشش کرتا ہوں۔“ میں اسے چھوڑ کر فلیٹ سے باہر نکل آیا اور سیڑھیاں طے کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس علاقے کے بارے میں زیادہ معلومات تو نہیں تھیں لیکن تھوڑی سی کوشش کے باوجود ٹیلی فون بوتھ مجھے مل گیا اور میں اس نمبر کو ڈائل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک نسوانی آواز سنائی دی جو نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''کون ہے؟ کیا بات ہے؟''

''مس شہناز بول رہی ہیں؟'' میں نے سوال کیا تو دوسری طرف خاموشی طاری ہو گئی۔

''ٹھیک ہے آپ اپنے نام کو قبول کریں یا نہ کریں' میں ایک شخص کا پیغام آپ کو دینا چاہتا ہوں۔ اس کا نام جمال خان ہے اور وہ ایک حادثے کا شکار ہو گیا ہے۔''

''کیا' کیا کہہ رہے ہیں آپ......''

''جس علاقے کا نام میں آپ کو بتا رہا ہوں' وہاں اس کی کار ایک دیوار سے ٹکرا گئی ہے لیکن وہ وہاں سے فرار ہو گیا ہے اور ایک الگ جگہ پہنچ گیا ہے۔ میں بڑا چھپ چھپا کر اس ٹیلی فون بوتھ تک آیا ہوں کیونکہ پولیس اس کی کار کے پاس موجود ہے اور وہاں پہرہ دے رہی ہے۔ آپ کو میں جس جگہ بلا رہا ہوں وہ یہی ٹیلی فون بوتھ کے برابر ہے اور یہ ٹیلی فون بوتھ اس گلی کے دوسرے سرے پر ہے۔ جس کے ایک فلیٹ میں جمال خان موجود ہے۔ آپ اگر چاہیں تو وہاں پہنچ جائیں بلکہ اس بارے میں مجھے بتا دیجئے گا تا کہ میں جمال خان کو اطلاع دے دوں۔''

''میں آ رہی ہوں' مگر میں فلیٹ کا پتا نہیں جانتی' مجھے بتا دیجئے کہ کہاں آنا ہے؟''

''آپ صرف اس بوتھ کے پاس پہنچ جایئے لیکن احتیاط کے ساتھ پولیس آپ کو نہ دیکھنے پائے کیونکہ رات خاصی ہو گئی ہے۔''

''اوہ میرے خدا' پتا نہیں جمال خان...... اوکے میں آ رہی ہوں' آپ پلیز۔''

''آپ اطمینان رکھئے۔'' میں ٹیلی فون بند کر کے واپس ایک لمبا چکر طے کرنے لگا کیونکہ میں نے فلیٹ سے باہر نکل کر جھانک کر دیکھا تھا تو مجھے حادثے والی کار کے پاس کچھ سائے نظر آئے تھے۔ ظاہر ہے وہ پولیس والوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ بہر حال واپسی کا راستہ طے کرتے ہوئے میں یہی سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں کار جمال خان کی ہی ملکیت ہے یا پھر کسی اور کی' میں نے ابھی تک یہ سوال جمال خان سے نہیں کیا تھا' پھر میں خیریت سے اس فلیٹ پر پہنچ گیا۔ فلیٹ میں داخل ہو کر میں نے کمرے میں قدم رکھے اور جمال خان کو اسی طرح موجود دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی میرے قدموں کی چاپ پر اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

''کیا رہا......'' وہ بے اختیار بولا۔

''مس شہناز آ رہی ہیں۔''

''اوہ میرے خدا' بہر حال یہ تو ہونا تھا۔''

''جو ہونا تھا یا نہ ہونا تھا مجھے صرف ایک بات بتاؤ۔ کار تمہاری ہے۔'' وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر بولا:

''کیوں......؟''

''اس لیے کہ پولیس وہاں موجود ہے اور کار اب پولیس کے قبضے میں ہے وہ اس سے چھان بین کرے گی۔''

"بے حد شکریہ تم نے میری مدد بھی کی ہے اور آدمی بھی ذہین معلوم ہوتے ہو' کار میری نہیں ہے بلکہ میری کار اس بینک میں موجود ہے بس یہ بازو اگر نہ ٹوٹتا تو پورے پروگرام میں کوئی گڑبڑ نہ ہوتی لیکن خیر کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے' بینک میں ایک میٹنگ ہو رہی تھی اور میں اس میٹنگ میں باقاعدہ شریک تھا اس دوران مجھے اپنا کام بھی کرنا تھا۔ یہ کار کسی اور کی ہے' میں نے بڑی چالاکی سے اپنا منصوبہ بنایا تھا لیکن بس چوک ہو گئی' شہناز کتنی دیر میں پہنچ رہی ہے؟"

"بہت جلد۔" میں نے اسے تفصیل بتا دی۔

"تو پھر ہمیں اس کے پاس پہنچ جانا چاہئے۔"

"پیدل چلنے میں کوئی دقت تو نہیں ہو رہی۔"

"خدا کا شکر ہے کہ میرے جسم سے خون نہیں بہا ورنہ کافی کمزوری ہو جاتی البتہ تکلیف بہت زیادہ ہے۔" ہم دونوں فلیٹ سے باہر نکل آئے' اس نے بریف کیس میری طرف بڑھا دیا اور بولا:

"پلیز میں ذرا......" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ دور پولیس والوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بہر حال ہم مطلوبہ جگہ پہنچ گئے اور زیادہ دور نہیں تھے کہ ایک کار کی روشنیاں نظر آئیں پھر کار قریب پہنچ گئی اور جمال خان نے گردن ہلائی' ہم دونوں کار کے پچھلے دروازے کو کھول کر اندر بیٹھ گئے۔ لڑکی نے یوٹرن لیا اور پوری رفتار سے کار آگے بڑھا دی۔ میں پیچھے دیکھ رہا تھا پولیس والوں نے کم از کم اس کار کی آواز تو سنی ہو گی ویسے بھی کبھی پولیس کی اعلیٰ کارکردگی بھی بڑے اطمینان کا باعث ہوتی ہے......لڑکی نے عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا:

"تم ٹھیک تو ہو جمال۔"

"ہاں ڈارلنگ ٹھیک ہوں لیکن پلیز جتنی جلدی ہو سکے' یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو ہو سکتا ہے پولیس ہمارا پیچھا کرے۔"

"اوہ مائی گاڈ۔" لڑکی لرزتی ہوئی آواز میں بولی اور کار کی رفتار طوفانی ہو گئی...... اس دوران میں اور خود جمال خان بھی پیچھے کا جائزہ لیتے رہے تھے اور ہم نے کسی گاڑی کو اپنے تعاقب میں نہیں دیکھا تھا تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک بنگلے کے سامنے رک گئی' دروازے پر چوکیدار موجود تھا' کار اندر داخل ہو گئی اور اس کے بعد ہم اس بنگلے میں داخل ہو گئے' شہناز کافی خوبصورت لڑکی تھی۔ اس نے کمرے میں جانے کے بعد جمال خان کی کیفیت دیکھتے ہوئے کہا:

"غالباً تم زخمی ہو۔"

"ہاں میرا بازو ٹوٹ گیا ہے۔"

"میں دیکھتی ہوں۔" اس نے کہا اور باہر نکل گئی۔ جمال خان بولا:

"شہناز ڈاکٹر ہے اور باقاعدہ ایک ہسپتال میں کام کرتی ہے۔" بعد میں یہ ثابت ہو گیا' شہناز نے پتا نہیں کیسے کیسے ٹیپ لگا کر

اس کے بازو کو بینڈیج کیا تھا‘ جب وہ بینڈیج کر رہی تھی تو جمال خان نے کہا:

”یہ میرے تازہ دوست داداشاہ ہیں۔“

”داداشاہ، یہ نام میں نے پہلی بار سنا ہے۔ ویسے اس صورت سے تو داداشاہ معلوم نہیں ہوتے، بلکہ پوتے شاہ معلوم ہوتے ہیں۔“ اس نے مذاق کیا۔

”ہاں بظاہر یہ پوتے شاہ لگتے ہیں لیکن میرے خیال میں انہیں پرداداشاہ ہونا چاہیے تھا چونکہ یہ اتنے ہی ذہین ہیں۔“

”گڈ ویسے یہ حادثہ......“

”شہناز‘ میں نے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنا دیا ہے اور مائی ڈیئر داداشاہ بہت جلد میں اور شہناز شادی کرنے والے ہیں۔“

”گڈ ویسے مجھے یہ بتاؤ‘ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“

”نہیں میں اپنے اس چھوٹے سے عمل کے لیے کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا۔“

”پھر میں تمہارے لیے کیا کروں؟“

”کیا مطلب ہے تمہارا‘ کیا تم میرے اس چھوٹے سے کام کو احسان سمجھ رہے ہو اور اسے احسان سمجھ کر ہی اتارنا چاہتے ہو۔“

”نہیں دوست! اصل میں کچھ لوگ اس طرح سامنے آتے ہیں کہ ہم ان پر یقین نہیں کر پاتے‘ تم اسی طرح کے انسان ہو‘ خیر رات تو ہمارے ساتھ گزار لو۔“

”نہیں مائی ڈیئر! تم فکر مت کرو اگر ضرورت ہوئی تو میں تم سے دوبارہ رابطہ قائم کروں گا۔“

”دیکھو بات اصل میں یہ ہے کہ...... کہ یار پلیز مجھے مشکل میں مت ڈالو اس بریف کیس میں جو رقم ہے‘ اس کے بارے میں‘ میں تمہیں بتا چکا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم جب چاہتے اس رقم کو اپنی ملکیت بنا سکتے تھے لیکن تم نے......“

”اور تم مجھے اس میں سے کچھ دینا چاہتے ہو۔ نہیں جان مجھے کچھ نہیں چاہیے نہ میں دوبارہ تمہارے گھر میں چوری کی نیت سے گھسوں گا اور نہ تمہارا بریف کیس اڑانا چاہوں گا‘ چلتا ہوں اپنا خیال رکھنا۔“ یہ کہہ کر میں وہاں سے نکلنے لگا تو جمال خان نے کہا:

”شہناز! اسے روکو ایک منٹ کے لیے روکو۔“

”مسٹر شاہ پلیز......“ شہناز بولی۔

”ایک بات کا وعدہ کرو گے تو میں تمہیں جانے دوں گا۔ ورنہ یقین کرو تمہارے خاموشی سے چلے جانے سے دکھ ہوگا۔“

”بولو۔“

”کل دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ گے؟“

میں نے اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھا اور کہا:

''اصل میں تمہاری خیریت بھی لینا چاہتا ہوں' اس لیے آ جاؤں گا۔''

''شکریہ......'' وہ بولا اور میں وہاں سے باہر نکل آیا...... وقت نے جس حال میں پہنچا دیا تھا' داداشاہ بن کر جس طرح کی زندگی گزارنے لگا تھا' وہ بے شک میرے خاندانی معیار سے بالکل مختلف تھا لیکن شاید خاندانی وقار ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا جو انداز میں نے اختیار کیا تھا وہ نا تجربہ کاری پر مشتمل تھا اور وقت مجھے کچھ اور ہی سمجھانا چاہتا تھا' چنانچہ میں نے جمال شاہ سے کچھ لینا مناسب نہیں سمجھا تھا اور یہ بھی حقیقت تھی کہ بریف کیس میں جو رقم موجود تھی' وہ میری تقدیر کو بہت بڑا سہارا دے سکتی تھی لیکن میں نے اپنے ضمیر کے خلاف کسی فیصلے کو قبول نہیں کیا تھا البتہ دنیا مجھے کچھ اور سکھانا چاہتی تھی۔

داداشاہ کوئی اچھا انسان نہیں تھا' اس کے علاوہ وہ شہروز' جو اپنے گھر سے بلند و بانگ دعوے کر کے نکلا تھا کسی گھٹیا پن کو قبول نہیں کرنا چاہتا تھا' چنانچہ میں نے جمال خان اور اس کی محبوبہ کے بارے میں کوئی بُری بات نہیں سوچی تھی' البتہ اس وقت مجھے اپنے آپ پر بہت ہنسی آئی' جب دوسرے دن دوپہر کو میں جمال شاہ کی دعوت پر اس کے فلیٹ پہنچا' فلیٹ پر تالا لگا ہوا تھا۔ میں حیرانی سے اس تالے کو دیکھنے لگا' ابھی میں فلیٹ کے پاس سے ہٹا بھی نہیں تھا کہ کوئی چھ سالہ بچہ سامنے والے فلیٹ کے دروازے سے باہر نکلا اور اس نے مجھے ایک لفافہ دیتے ہوئے کہا:

''انکل...... بڑے انکل نے کہا ہے کہ جیسے ہی آپ آئیں میں آپ کو یہ لفافہ دے دوں۔''

''بڑے انکل......'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں' وہ جو یہاں رہتے ہیں۔'' بچے نے معصومیت سے کہا اور میں نے عجیب سے احساس کے ساتھ لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا' پھر میں نے وہیں کھڑے کھڑے وہ لفافہ کھول لیا اس میں بس ایک سلیپ رکھی ہوئی تھی' جس پر تحریر تھا۔

''مائی ڈیئر داداشاہ وقت کو سمجھنا بڑا مشکل کام ہے' کبھی کبھی ہمیں وہ کرنا ہوتا ہے جو ہم نہیں چاہتے' تمہارے لیے میرا ایک مشورہ ہے کہ دنیا پر بھروسا کرنا چھوڑ دو' میں صرف تمہیں اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کیا ہے وہ میری زندگی کا اہم ترین مقصد تھا' شہناز میری محبوبہ ہے اور ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اگر ہم اپنے لیے اچھا مستقبل تلاش نہ کر سکے تو خودکشی کر لیں گے۔ اچھا مستقبل مجھے مل گیا ہے لیکن ایک ٹوٹے ہوئے بازو کے ساتھ جو بہرحال ٹھیک ہو جائے گا لیکن دنیا ہمیں تلاش نہیں کر سکے گی۔ کیونکہ ہم نے اپنے لیے ایک ایسا راستہ منتخب کیا ہے جو ہمیں دنیا سے دور کر دے گا لیکن تمہارا شکریہ ضرور ادا کروں گا۔ دعوت دے کر غائب ہو جانے کی معافی ضرور چاہتا ہوں...... جمال خان۔''

میرے حلق سے قہقہہ آزاد ہو گیا' میں نے وہ لفافہ جیب میں رکھا' دل تو چاہا تھا کہ اسے پرزے پرزے کر کے پھینک دوں لیکن اس میں داداشاہ کا نام لکھا ہوا تھا' چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ اسے کہیں اور ڈال دوں گا لیکن جمال خان سے میں پوری طرح اتفاق کرتا تھا اسے یہی کرنا چاہیے تھا جو اس نے کیا۔

جمال خان کو ذہن سے نکال کر میں وہاں سے واپس چل پڑا' البتہ جمال خان نے مجھے ایک سبق ضرور دے دیا تھا' داداشاہ کی حیثیت سے میں چھوٹے موٹے جرائم کر رہا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ اس طرح میں کوئی نمایاں مقام حاصل نہیں کر سکوں گا' چنانچہ میں نے ملک چھوڑ دیا' ہاں جمال خان کا دیا ہوا سبق اب مجھے یاد تھا اور اس سبق نے مجھے کافی فائدے پہنچائے' میں نے مختلف ناموں سے مختلف کام کرنا شروع کر دیئے' داداشاہ کا نام میں نے پیچھے چھوڑ دیا تھا اور اب دنیا کے کئی ملکوں میں مجھے مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا اور ایک فراڈیئے کے طور پر تصور کر لیا جاتا تھا' میری ذہانت بھی بڑھتی چلی جا رہی تھی' دنیا شہروز کو بھول گئی تھی لیکن شہروز اپنے خاندان کو نہیں بھولا تھا' میں نے مختلف قسم کے جرائم کئے اور انتہائی کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے کام جاری رکھے' لیکن میں نے ایک نظریہ ترتیب دے لیا تھا' میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ میں جس وقت بھی اپنے مشن کی تکمیل کرنے میں کامیاب ہو گیا' میں جرائم کی زندگی چھوڑ دوں گا اور ایک معمولی انسان کی حیثیت سے زندگی بسر کروں گا' مسٹر لیپو آن شاید میرے اس جذبے کی پرکھ کے لیے وقت نے مجھے موقع دیا اور آخر کار میں بڑی رقم جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس کے بعد میں آخری کام کر لینا چاہتا تھا' میں نے ایک بہت بڑے بینک میں اپنا اکاؤنٹ کھول لیا اور اس طرح میں اس بینک میں ہونے والی نقل و حرکت سے بخوبی واقف ہوتا چلا گیا' میرے کام اب انتہائی صاف ستھرے ہوا کرتے تھے' میں جانتا تھا کہ مجھے اب کیا کرنا ہے' بہر حال کام نہایت سکون سے کیا جاتا رہا اور پھر وقت مقررہ پر میں نے بینک لوٹ لیا' جس قدر کرنسی کا میں نے تعین کیا تھا' اس سے زیادہ ایک کوڑی بھی نہیں لی' حالانکہ بینک میں بہت کچھ موجود تھا لیکن دولت دیکھ کر حواس قابو میں رکھنا سب سے بڑی دانشمندی ہے' ان لوگوں کو بھی چکر میں پڑنا چاہیے تو اس سلسلے میں تفتیش کریں' کرنسی کے تھیلے میرے قبضے میں آ گئے اور میں نے انہیں صحیح طور پر محفوظ کرنا شروع کر دیا۔

بہر حال پھر میں دنیا کے کئی ملکوں میں ہوتا ہوا آخر کار اپنے وطن میں داخل ہو گیا' میں وہ کچھ کر لایا تھا جس کے لیے میں نے گھر چھوڑا تھا اور بہت بلند و بالا دعوے کئے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ میں اس سلسلے میں اپنا سب سے بڑا دوست جمال خان کو ہی مانتا تھا جو دنیا کے کسی گوشے میں آرام کی زندگی بسر کر رہا ہو گا' بہر حال اپنے وطن کی سرزمین کی خوشبو الگ ہی ہوتی ہے' میرے دل میں آندھیاں چل رہی تھیں' میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا' دولت کے تمام کاغذات میرے پاس موجود تھے جسے میں نے بڑی چالاکی کے ساتھ اپنے وطن میں منتقل کیا تھا اور اس سلسلے میں وہ تمام آسانیاں اپنے آپ کو فراہم کر دی تھیں جو میں حاصل کرنا چاہتا تھا' کچھ وقت میں نے سکون سے اپنے وطن میں اجنبی کی حیثیت سے گزارا' میرے دل میں اپنے والدین کا خیال تھا اور میں نفرت و محبت کی عجیب سی کشمکش میں گرفتار ہو گیا تھا حالات یاد آتے تو ان لوگوں کے لیے دل میں نفرت کا جذبہ ابھر آتا' لیکن پھر خود بخود نرم ہو جاتا کیونکہ بہر حال میں ان کا خون ہی تھا اور میری نفرت ہی ان کی خوشحال زندگی کی علامت تھی۔

تیسرے دن میں ان لوگوں کے حالات معلوم کئے' پتا چلا کہ میرا خاندان بڑی بے کسی کی زندگی گزار رہا تھا' خیال آباد میں اب وہ انتہائی پسماندہ خاندان کی حیثیت سے زندگی گزار رہا تھا' میاں مہروز عالم' میاں فیروز عالم اور باقی تمام لوگ' بس اس علاقے کے معمولی

لوگوں میں سے تھے اب میرے خاندان کو لوگ بھولتے چلے جا رہے تھے' مجھے افسوس ہوا لیکن یہ سب انہی کا کیا دھرا تھا لیکن میں اب کیا کر سکتا ہوں میں نے پہلی توجہ اپنی جائیداد پر دی اور مختلف لوگوں کے ذریعے میں نے ان لوگوں سے رابطہ قائم کیا جو اس جائیداد کے مالک تھے' خاص طور سے اس جائیداد کے سب سے بڑے مالک مسٹر بشیر احمد صاحب جائیداد فروخت کرنے پر آمادہ نہیں ہیں' بروکر ہی نے مجھے بتایا کہ یہ جائیداد خیال آباد کے ایک بہت بڑے خاندان کی تھی' جو اب تباہی کے غار میں داخل ہو چکا ہے' بشیر احمد بیگ صاحب کے ساتھ اس خاندان کی کوئی ذاتی چپقلش بھی تھی چنانچہ وہ اس جائیداد کو اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے ہیں۔

''لیکن میں اس جائیداد کو خریدنا چاہتا ہوں آپ یہ بتایئے کہ اس کا طریقہ کار کیا ہوگا؟''

''جناب آپ بےفکر رہیں' میں اس سے شاندار عمارتیں آپ کو دکھاتا ہوں' آپ ان کے حصول کے لیے کام کریں۔''

''ہوں' سنو میں وہی جائیداد یں خریدنا چاہتا ہوں' چاہے اس کے لیے مجھے کوئی بھی قیمت ادا کرنا پڑے۔''

''تو پھر آپ بےفکر رہے' وہ تھوڑے سے لالچی آدمی ہیں میں انہیں تیار کرلوں گا۔''

بہر حال بشیر احمد صاحب واقعی لالچی آدمی تھے' جب انہیں اس عمارت کے سلسلے میں رقم کی پیشکش ہوئی تو وہ مجھ سے ملاقات کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور پھر ان سے میری ملاقات اسی شاندار عمارت میں ہوئی' جس میں میں نے زندگی میں پہلی بار آنکھ کھولی تھی یعنی میری جائے پیدائش......!

مجھے اس عمارت کے در و دیوار سے بےحد محبت تھی' میں اس وقت جذباتی ہو رہا تھا اس لیے مجھے یوں لگا جیسے ان در و دیوار کی خاموش نگاہوں میں میرے لیے محبت ہو' انہیں بھی طلب ہو کہ میں واپس آ جاؤں۔

''حالانکہ میں اس جائیداد کو فروخت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا لیکن اگر آپ اسے خریدنا چاہتے ہیں تو آپ کو میرے مسائل مدنگاہ رکھنے ہوں گے۔''

''آپ اس رقم کا تعین کریں جو آپ مجھ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔'' میں نے کہا اور انہوں نے اتنی رقم بتائی جس سے اس جیسی چار عمارتیں خریدی جا سکتی ہیں' آخر کار میں نے ان کی منہ مانگی رقم انہیں ادا کر دی اور عمارت میرے قبضے میں آ گئی۔

میں نے اپنی جائے پیدائش کو اپنے آبائی رنگ میں لانے کا کام شروع کر دیا' اپنے اجداد کی تصاویر حاصل کیں' جو فروخت ہو چکی تھیں اور کباڑیوں کی دوکانوں پر پڑی ہوئی تھیں' میں نے ان کے رنگ و روغن درست کیے اور انہیں ان کی جگہ واپس دے دی' سارے انتظامات مکمل کرنے کے بعد میں نے ایک گمنام شخصیت کی حیثیت سے اپنے سارے خاندان کو دعوت نامے جاری کر دیئے۔ ان میں میرے والد' چچا وغیرہ بھی شامل تھے۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ ایک شام گزارنے کی دعوت دی تھی اور عاجزانہ درخواست کی تھی کہ میری اس دعوت کو قبول کر لیں۔ میں یہ ڈرامائی کیفیت پیدا کر کے اپنی زندگی کے لیے جو سب کچھ حاصل کرنا چاہتا تھا' جس کا چیلنج کر کے میں گھر سے باہر گیا تھا' حالانکہ میرا دل عجیب سی جذباتی کیفیت سے گزر رہا تھا' وہ لوگ بےشک اپنا منصب' اپنی اہلیت کھو بیٹھے تھے لیکن پھر بھی

میرے اپنے تھے' آخر کار انہوں نے آنے کا فیصلہ کیا میں نے اپنے اعصاب کو بہتر حالت میں کیا اور یہ فیصلہ کرنے لگا کہ ان لوگوں کے ساتھ میرا رویہ کیا ہوگا' غرضیکہ وہ لوگ آگئے اور میں نے بہت عرصے کے بعد انہیں دیکھا' میں نے سوچا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے' بے چارے لوگ بُرے ہیں' لیکن اپنے ہیں' میرے بزرگ ہیں بہر طور میں ان سے کھیلنا چاہتا تھا اور جب میں اپنی جگہ سے نکل کر ان کے سامنے پہنچا تو ان کی شکلیں بدل گئیں' میں نے کہا:

''میرا نام شہروز ہے اور میرا خیال ہے کہ میں اسی خاندان کا ایک فرد ہوں......'' وہ سب مجھے دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے' بے شک میری صحت بھی تبدیل ہوگئی تھی اور میری حیثیت بھی' میں نے انہیں اس عمارت کی سیر کرائی اور ان کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ میرے والد صاحب نے آگے بڑھ کر کہا:

''تم شہروز تم...... یہ عمارت......''

''ہاں' یہ میری ملکیت ہے اور وہ دوسری عمارت بھی جو میری ہی ملکیت تھی لیکن......''

''یہ...... یہ...... میرا مطلب ہے کہ...... کہ......''

''آپ کا مطلب بالکل ٹھیک ہے بہرحال میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ میرا کوئی قصور نہیں تھا' میرے قابل احترام باپ اور قابل عزت چچا' میرا تم سے سوال ہے جواب دو...... تم نے جب مجھ کی وادیوں میں رقم رکھا تھا تو میری مانند تھے' کیا میری عمر میں تم نے وہ زندگی نہیں گزاری تھی جو ہر نوجوان کی آرزو ہوتی ہے اور کیا اس زندگی کے حصول میں تمہاری کاوشیں کارفرما تھیں اور اگر تمہیں وہ زندگی تمہاری باپ دادا سے ملی تھی تو کیا میں اس خاندان کی جائز اولاد نہیں تھا' تم نے میرا حق کیوں مارا' تم نے میری امانت لوٹ کر کون سا کردار سرانجام دیا۔ کیا اس خاندان کے روشن چراغ گندی گلیوں کو منور کرتے تھے۔ کیا اس سے پہلے اس نسل کی کوئی ایسی مثال تمہارے سامنے موجود تھی۔ مجھے بتاؤ' آج تم گلیوں میں پڑے ہوئے ہو اب بھی اس شہر میں اس خاندان کے لوگوں کے شناسا موجود ہیں' جواب تمہیں دیکھ کر صرف مسکراتے ہیں۔ میں اپنے خاندان کی روایتوں سے پیار کرتا ہوں کیونکہ میں نے ان روایتوں کو نہیں دیکھا' میں نے صرف ان کے بارے میں سنا ہے' شہزادوں کی ان کہانیوں کی مانند جو انوکھی ہوتی ہیں' میرے دادا میری عمر میں شہزادے تھے اور جب وہ کوئی ضد کرتے تھے تو بے شمار افراد ان کی خواہش پوری کرنے میں مصروف ہو جاتے تھے' مجھے وہ کہانیاں بہت پسند تھیں اور میں نے بھی انہی شہزادوں کے خواب دیکھے تھے لیکن میرے لیے ان باتوں کو کہانی بنا دیا گیا ان کہانیوں میں سے ایک شہزادے کی کہانی گم ہوگئی ہے جس کا نام شہروز تھا لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس کے بعد یہ کہانی پھر سے جاری ہو جائے۔ میں نے اس کہانی کے اوراق کس طرح ترتیب دیئے ہیں یہ ایک الگ کہانی ہے' بہرحال یہ ساری جائیداد واپس لے لی گئی ہے اور میرے قابل عزت والد صاحب یہ میں نے یہ سب آپ کے نام سے خریدی ہے' سارا کاروبار واپس لے لیا ہے میں آنے' میری طرف سے یہ تحفہ قبول فرمایئے۔''

اسی وقت والد صاحب کے رونے کی آواز ابھری اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ والدہ روتے روتے نڈھال ہوگئیں۔ چچا

کی گردن بھی جھکی ہوئی تھی۔ سب کے چہرے فق تھے' میں خاموشی سے یہاں سے باہر نکل گیا اب میں ان لوگوں کی صورتیں نہیں دیکھنا چاہتا تھا حالانکہ وہ سب میرے سامنے سر جھکائے ہوئے تھے۔ میں نے وہ جگہ چھوڑ دی' ایک عزم کر کے گھر سے نکلا تھا اس عزم کی تکمیل ہو گئی تھی اب میری زندگی کا مقصد کیا ہے' میں نہیں جانتا تھا۔

☆......☆......☆

''بس اس کے بعد مسٹر لیمپو آن میں اپنی زندگی کے لیے کوئی مناسب مقصد تلاش نہیں کر سکا' جگہ جگہ مارا مارا پھرتا رہا' کوئی ایسی بات ذہن میں نہیں آئی' اپنے گھر واپس نہیں جانا چاہتا تھا جن لوگوں کو چھوڑ دیا انہیں چھوڑ دیا پھر ان سے کوئی واسطہ رکھنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے' نجانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا زندگی کو کوئی سہارا نہیں مل سکا تھا' چنانچہ لاا بالی انداز میں ادھر سے ادھر گھومتا رہا' لندن آ نکلا یہاں کچھ اپنے ہم وطنوں سے ملاقات ہو گئی' اپنے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا...... کیا بتاتا اور پھر ان لوگوں میں تو واپس جانا ہی نہیں چاہتا تھا جنہیں چھوڑ دیا تھا چنانچہ معمولی سی زندگی اختیار کر لی اور اس کے بعد آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ واقعہ پیش آ گیا یہاں کچھ لوگوں کے ساتھ رہتا ہوں اور یوں وقت گزاری ہو رہی ہے' کوئی مقصد نہیں ہے' زندگی گزارنے کے لیے گزارا ہو رہا ہے۔''

لیمپو آن اور کائی شی خاموشی سے یہ کہانی سن رہے تھے اور ان کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا۔ کائی شی نے لیمپو آن کو دیکھتے ہوئے کہا: ''لیمپو آن کیا اس نوجوان میں تم اپنے آپ کو نہیں دیکھ رہے؟''

لیمپو آن بڑی خوشی کے ساتھ مسکرایا اس کے پھدکنے کا انداز بڑا عجیب ہوا کرتا تھا' اس نے زور زور سے گردن ہلاتے ہوئے کہا: ''لیمپو آن ٹو...... لیمپو آن ٹو...... لیمپو آن ٹو......'' شہروز ہنس پڑا تھا۔

''تم کیا کہہ رہے ہو لیمپو آن میں نہیں جانتا۔''

''کچھ نہیں......؟''

''کچھ نہیں......!''

''کھانے پینے کے لیے کیا کرتے ہو؟''

''عام طور سے حرام خوری کرتا ہوں' دوستوں کا لایا ہوا کھا لیتا ہوں۔''

''خیر بری بات نہیں ہے' بری بات نہیں ہے' بری بات نہیں ہے۔''

''لیکن ایک سوال بتاؤ۔''

''جی مسٹر لیمپو آن۔''

''کوئی عورت......؟''

''عورت...... میں سمجھا نہیں۔''

''زندگی میں کوئی عورت نہیں آئی۔''

''زندگی کے بارے میں جو کچھ آپ کو بتایا ہے اس سے مختلف کچھ نہیں ہے اور وہ بھی اس لیے بتا دیا کہ آپ سے متاثر ہوا ہوں۔''

''اگر تمہاری زندگی میں کوئی عورت آ جائے تو تم یہ سمجھ لو کام کے آدمی بن سکتے ہو۔''

''میں اپنی زندگی میں کسی عورت کا وجود نہیں چاہتا' مجھے خود اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''بیٹا کہہ سکتا ہوں تمہیں عمر کے لحاظ سے کوئی ہرج بھی نہیں ہے۔ بیٹے زندگی کھونے کی چیز نہیں ہے۔ زندگی کا مقصد کبھی پورا نہیں ہوتا' مقاصد تو تمہاری عمر سے کہیں زیادہ بڑے ہوتے ہیں' صرف انہیں تلاش کرنا پڑتا ہے اور جب تک زندگی کا کوئی مقصد نہ مل جائے' زندگی کو ختم کرنا ہی مناسب نہیں ہوتا۔''

''ساری باتیں سوچنے کی حد تک ہوتی ہیں مسٹر لیمپوآن......''

''نہیں مائی سن...... نہیں مائی سن ایسی بات نہیں کی ہے' کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب زندگی سے بےزاری ہو جائے تو اسے کسی کے حوالے کر دینا چاہیے۔''

''یعنی کسی عورت کے حوالے......!''

''بالکل نہیں...... عورت اگر کسی ایسی محبوبہ کی صورت میں سامنے آئے' جیسی کائی شی ہے تو پھر یوں سمجھ لو کہ سب کچھ اسی کا ہوتا ہے اور اگر راستے میں آ جائے تو پھر یہ بھی سمجھ لو کہ وہ صرف راستے کی چیز ہے آگے پیچھے کچھ نہیں۔ میں اسے موضوع نہیں بنانا چاہتا۔ ہاں یہ میں جلدی کر رہا ہوں۔'' لیمپوآن نے کائی شی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ سے مل کر واقعی بہت خوشی ہوئی مسٹر لیمپوآن' اب اجازت دیجئے۔''

''دیکھو اس طرح دل توڑ کے نہ جاؤ۔ میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں کہ آج تک کبھی اس بات کا خیال نہیں آیا کہ کوئی زندگی میں آئے لیکن تمہارے آنے کے بعد نجانے کیوں دل میں ایک بار پھر زندگی کی امنگ پیدا ہو گئی ہے...... آؤ میں تمہیں اپنا یہ کارخانہ دکھاتا ہوں۔''

شہروز نے بہت دن کے بعد جی ہلکا کیا تھا جو کہانی کبھی کبھی سینے میں تڑپتی رہتی تھی' اسے مکمل طور پر کبھی کسی کے سامنے نہیں لایا تھا لیکن نجانے کیوں ان دو بڑھیا بڈھوں کے سامنے دل خود بخود کھل گیا تھا۔ شہروز کو ایک دم شدید حیرت ہوئی' اس نے اپنے دل میں ایک عہد کیا تھا' خیال آبادی کہانی ختم ہونے کے بعد اس نے سوچا تھا کہ اب اس کہانی کو دوبارہ اپنے ہونٹوں پر نہیں لائے گا' آج یہ کیا ہو گیا تھا اس نے حیران ہو کر لیمپوآن کو دیکھا اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے لیمپوآن کی آنکھوں میں کوئی پراسرار گہری چمک ہے' کیا لیمپوآن کسی پراسرار قوت کا مالک ہے اس نے اس قوت کے ذریعے ہی شہروز کی زبان کھولی ہے۔ اس خیال کے تحت اس نے لیمپوآن کو دیکھتے ہوئے کہا:

''مسٹر لیمپوآن ایک سوال کرنا چاہتا ہوں آپ سے؟''

"پوچھو میرے بچے پوچھو۔"

"کیا آپ کچھ پراسرار قوتوں کے مالک ہیں؟" لیمپو آن خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا: "دیکھو ہر قوت پراسرار ہوتی ہے تم اگر اپنے بازو کی طاقت سے کوئی چیز گرا سکتے ہو یا توڑ سکتے ہو تو ہم اسے پراسرار قوت ہی کہیں گے کیونکہ بازو تو بہت سے طاقتور نظر آتے ہیں لیکن ہر بازو میں کچھ توڑنے کی صلاحیت نہیں ہوتی میرا مطلب یہ ہے کہ میں کسی پراسرار قوت کا مالک نہیں ہوں تم پراسرار کہتے ہو لیکن میرے دل میں ایک طلب ہوتی ہے ایک آرزو ہوتی ہے اور جب میں اپنی اس طلب اس آرزو کو اپنے وجود پر طاری کر لیتا ہوں اور یہ سوچتا ہوں کہ جو کام میں سوچ رہا ہوں اسے ہو جانا چاہئے تو وہ ہو جاتا ہے اور یہ قوت ہر شخص کے اندر ہوتی ہے تمہارے اندر بھی۔"

"گویا تم نے مسٹر لیمپو آن۔"

"ہاں میں نے تم پر اپنی ذہنی قوت مرکوز کر کے تمہارے بارے میں جاننا چاہا اور تم نے مجھے اپنے بارے میں تفصیل بتا دی۔"

"حالانکہ یہ تفصیل میں کسی کو نہیں بتاتا۔"

"کسی میں اور مجھ میں فرق ہے۔ ہاں ہے میں جانتا ہوں میرے پیارے بچے اب یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے مجھے کہ ہم تمہاری قربت تمہارا ساتھ چاہتے ہیں۔"

"بے مقصد......" شہروز نے سوال کیا۔

"نہیں اس کے پس منظر میں ایک گہرا مقصد ہے' میں جانتا ہوں کوئی شخص بے مقصد کسی کو اپنے قریب نہیں لاتا' یہ بھی ایک سچائی ہے اور اس کے بارے میں تم سے کتنی ہی بار کہہ چکا ہوں کہ میں تمہارا اندر ماضی کا لیمپو آن چھپا دیکھ رہا ہوں۔"

"یار تم لوگ مجھے نیو ایج میں ملے ہو۔ میں اپنے ایک دوست کی گاڑی کے لیے پرزہ تلاش کر رہا تھا کہ وہ لڑکی والا واقعہ پیش آ گیا اور تم مجھے یہاں تک لے آئے اب اس کا یہ مقصد تو نہیں ہے۔"

"نہیں بیٹے یہ مقصد ہے تم سمجھ لو کہ یہ مقصد ہی تمہیں گھیر گھار کر لندن لایا اور پھر لندن سے نیو ایج تک اور نیو ایج سے میرے گھر تک تم جاننا چاہتے ہو۔"

"ہاں! میں جس لاابالی زندگی کا عادی ہو گیا ہوں اب اس سے ہٹنا نہیں چاہتا۔ یہ ممکن نہیں ہے کیوں اس لیے کہ تم ایک بیزار زندگی گزارنے کے لیے پیدا ہوئے۔"

"چھوڑو بڑے میاں چھوڑو میں چلتا ہوں۔"

"جاؤ......" لیمپو آن نے سادگی سے کہا اور شہروز واپسی کے لیے مڑ گیا لیکن پھر وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا واپسی کا کوئی دروازہ نہیں تھا اس نے دروازہ تلاش کرنے کی سر توڑ کوشش کی اور جب وہ نہیں ملا تو وہ غصیلے انداز میں لیمپو آن کی طرف پلٹا۔

"تم شاید مجھ پر اپنی جادوگری کا رعب ڈالنا چاہتے ہو؟"

”نہیں میرے اور تمہارے درمیان ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک شرط بھی ہوئی تھی جسے تم نے اپنی گفتگو کے دوران نظر انداز کر دیا' بابا میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ زندگی میں میں نے بہت کچھ حاصل کیا ہے تم جسے میں اپنا ایک بزرگ مانتا ہوں بہت پھرتیلے اور بڑے شاندار آدمی ہو لیکن اگر شہروز کو زندہ کر کے اس سے کسی قسم کا مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو یقین کرو تمہیں کامیابی حاصل نہیں ہوگی اور مجھے شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ اپنی شکست کی شکل میں۔“ بوڑھے لیمپو آن نے غصہ دلانے والے لہجے میں کہا اور شہروز اسے دیکھ کر مسکرانے لگا پھر کائی شی سے بولا:

”ان بابا جی کو سمجھاؤ تم لوگ یقین کرلو تم مجھے بہت اچھے لگے ہو اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ مجھ سے مقابلہ مت کرو مجھ سے کوئی ہاتھا پائی مت کرو جو میں کرتا ہوں وہ کر کے دکھا دو تو کر پاؤ تو مجھے تسلیم کر لینا۔“

”تم کیا کر کے دکھا سکتے ہو؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ تم دروازہ نہیں تلاش کر سکے ہاں یہ طلسم خانہ بڑا عجیب ہے اس طلسم خانے میں جو جو کچھ موجود ہے میرے بیٹے اگر میں تمہیں اس کے بارے میں بتا دوں تو تم یقین نہیں کرو گے۔“

”چلو ٹھیک ہے بتا دو۔“

”نہیں میں چاہتا ہوں کہ تم میرا ساتھ دو۔“

”عجیب آدمی ہو زبردستی مجھے مجبور کر رہے ہو۔ دیکھو وہ ادھر دیکھو کئی ہتھیار یہاں پر موجود ہیں مجھ پر غصہ آ جائے تو ان میں سے کوئی ہتھیار لے کر میری گردن اتار کر ایک طرف پھینک دینا۔ کائی شی بھی تمہارے خلاف کسی سے کچھ نہیں کہے گی اور اگر کچھ نہ کر پاؤ تو تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں میری بات مان لو۔“

لیمپو آن گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے' نجانے شہروز کو اس کی شکل میں کیا نظر آیا وہ دوڑ کر آگے بڑھا اور اس نے لیمپو آن کے ہاتھ ایک دوسرے سے جدا کر دیئے۔

”اب یہ تم میرے ساتھ زیادتی نہیں کر رہے مسٹر لیمپو آن۔“ اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

”نہیں نہیں میں زیادتی نہیں کر رہا بلکہ تم مجھ سے بہت زیادہ گریز کر رہے ہو۔“ لیمپو آن بولا۔

شہروز کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا پھر اس نے کہا: ”چلو بتاؤ کیا کر سکتے ہو تم اور کس چیز سے مجھے متاثر کرو گے؟“

لیمپو آن کے دانت باہر نکل آئے' اس نے خوشی سے گردن اٹھائی کائی شی کی طرف دیکھا اور پھر اچانک ہی وہ بھاگا اور ایک سیدھی دیوار پر چڑھتا چلا گیا۔ شہروز کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں' لیمپو آن ایک چھوٹی سی کیل پر لٹکا' یہ کیل دیوار سے صرف ایک انچ آگے نکلی ہوئی تھی وہ وہاں کوئی تیس سیکنڈ تک کھڑا رہا اس کے بعد اس نے پھرکی کی طرح گھومتے ہوئے دیوار پر چکر لگانے شروع کر دیئے لیکن سب سے زیادہ خوفناک عمل یہ تھا کہ وہ چھت پر پہنچ گیا' اس کے پاؤں چھت سے لگے ہوئے تھے اور باقی بدن نیچے لٹکا ہوا تھا لیکن وہ چھت پر دوڑ لگا رہا تھا البتہ یہ دوڑ بڑی تیز رفتاری کی تھی وہ ایک دیوار پر سے اتر کر نیچے آ گیا۔

”یہ میرا پہلا کھیل تھا چلو کھیل کر دکھاؤ۔“ لیکن شہروز کھڑا سر کھجا رہا تھا' دیوار پر چڑھنے کا بھلا کیا سوال پیدا ہوتا ہے اور چھت پر!

''کیا سوچ رہے ہو؟''

''یہ سوچ رہا ہوں کہ تم انسان ہو یا چھلاوے۔''

''ہر مذہب کے خدا کی قسم خالص انسان ہوں بس یہ رفتار کا کمال ہے' میں نے اسپیڈ کو کنٹرول کیا ہے اور جب اسپیڈ کنٹرول ہو جاتی ہے تو جسم کا کوئی وزن نہیں ہوتا پھر تمہاری قوت ارادی ہوتی ہے جو تمہیں ہر جگہ لیے پھرتی ہے۔''

''اور کیل پر جو رک کر کھڑے ہوئے تھے؟''

''نا صرف کیل پر میں پانی کی دھار پر رک سکتا ہوں' تیز دوڑتی ہوئی کار کی چھت پر اپنے آپ کو روک سکتا ہوں' برق رفتاری سے بہتے ہوئے دریا کے پانی پر اپنی مرضی سے الٹا دوڑ سکتا ہوں میں نے اس کی مشق کی ہے اور یہ سب اسپیڈ کا کمال ہے' رفتار میری زندگی ہے رفتار۔ اور اس رفتار پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ ہاں لیکن طویل وقت گزار کر اس کے علاوہ تم یہ سمجھ لو کہ میں ماہر جنگ ہوں' ماچس کی ایک تیلی سے اپنے مدمقابل کو شکست دے سکتا ہوں صرف اس کا صحیح استعمال ضروری ہے۔ کبھی وقت آیا تو تمہیں دکھاؤں گا۔''

شہروز کے سارے وجود میں سنسنی دوڑ رہی تھی درحقیقت اس نے اپنے آپ کو سلا دیا تھا لیکن نجانے کیوں لیمپو آن کی ان حرکتوں سے سویا ہوا شہروز جاگ رہا تھا۔

''مجھے سونے دو لیمپو آن۔''

''جاگو میرے بچے جاگ جاؤ۔''

''کیا کروں گا جاگ کر؟''

''زندگی کو خراج پیش کرو کیونکہ اس لیے کہ یہ زندگی تمہیں کسی اور نے نہیں دی تمہارے خدا نے دی ہے اور وہ جو میری زندگی کا ذریعہ بنے تھے وہ فنا بھی ہو جاتے ہیں' اولاد کو ختم کر دینے سے دنیا سے چلے جاتے ہیں حادثوں کا شکار بھی ہو جاتے ہیں لیکن وہ جو تمہیں اس کائنات میں بھیج کر تمہاری طرف دیکھتا ہے کہ تم دنیا کو کیسے گزارتے ہو وہ ہمیشہ باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا کیا تم اس کے انعام سے انکار کرو گے اس نے تمہیں یہ جسم یہ طاقت یہ توانائی اور یہ عمر بخشی۔''

''کیا کروں ان تمام چیزوں کا......؟''

''اس کے حکم کی تعمیل کرو۔ کیسے اس توانائی کو دنیا کے لیے خرچ کرو۔''

''کیسے......؟'' شہروز کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔

''ہر مصیبت زدہ کی مدد کر کے...... جس طرح وہ ایک لڑکی دنیا سے چلی گئی کاش ہم اس کی زندگی بچا سکتے۔ نجانے وہ کون تھی۔''

''میں کیوں بچاتا اس کی زندگی مجھے بتاؤ۔'' شہروز کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔

''اس لیے کہ وہ زندگی اسے خدا نے دی تھی اور خدا کی دی ہوئی زندگی کی حفاظت انسان پر فرض ہے۔''

''اور یہ جو ہتھیار بنا رہے ہیں، ایٹم بم بنا رہے ہیں، انسانیت کو سلا دینے کے لیے کوشش کر رہے ہیں ان کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟''

''خدا کے مجرم ہیں انہیں ان کے جرم کی سزا دو۔''

''میں دوں......''

''ہاں......''

''تمہا دوں......''

''نہیں اس کارواں کے ساتھ جو تمہاری طاقت کی شکل میں تمہارے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔''

''کارواں...... ہاں کارواں تم اپنے ان بازوؤں کو کیا سمجھتے ہو جن سے تم وزن اٹھا لیتے وہ یہ تمہارے ہم سفر ہیں۔ تم اپنے ان پیروں کو کیا سمجھتے ہو جو تمہیں رفتار دیتے ہیں وہ طاقت بخشتے ہیں کہ تم یہاں سے وہاں چلے جاؤ، یہ کارواں ہے تمہارے ساتھ اس معبود الٰہی کی طرف سے کیا سمجھتے ہو تم ان آنکھوں کو جس سے تم دنیا کی اچھائیاں اور برائیاں دیکھتے ہو۔ کیا سمجھتے ہو اس دل اور دماغ کو جو تمہیں اچھائی برائی کی تمیز کراتا ہے یہ سب تمہارے ہم سفر ہی تو ہیں اور تم اس کارواں کے ساتھ زندگی کا سفر طے کر رہے ہو، فیصلہ کرو کہ تمہیں یہ سفر کس انداز میں جاری رکھنا ہے۔''

شہروز کے بدن میں ایک ہلکی سی کپکپی پیدا ہو گئی تھی، وہ گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا تھا۔ بہت ہی نڈھال ہو رہا تھا وہ یوں لگ رہا تھا اسے جیسے ایک شدید تھکن اس پر سوار ہو گئی ہو اور یہ تھکن اس پر اس طرح حاوی ہوئی کہ وہ زمین پر بیٹھ گیا۔

''مجھے سونے دو لیمپوآن مجھے سونے دو میں سو چکا ہوں، میں سوتے رہنا چاہتا ہوں پلیز مجھے سونے دو۔''

''نہیں اپنا قرض اتار دو تمہاری سانسوں پر جو قرض ہے اسے اتار دو اس کے بعد قبر میں گہری مزے اور آرام کی نیند سونا۔'' شہروز نے چونک کر اس شخص کو دیکھا نہ یہ تو کوئی مذہبی انسان تھا نہ کوئی مبلغ لیکن جو کچھ کہہ رہا تھا پتا نہیں کس رنگ میں کہہ رہا تھا کہ یہ رنگ دل پر اثر انداز ہوتا تھا اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا: ''مجھے سونے کی جگہ بتاؤ میں واقعی سونا چاہتا ہوں۔''

''کائی شی دیکھو تمہارا بچہ کیا کہہ رہا ہے؟'' لیمپوآن نے اس محبت بھرے لہجے میں کہا کہ شہروز کے دل سے آنسو ٹپکنے لگے۔ لیمپوآن تو ایک جادوگر تھا اسے لفظوں کی جادوگری آتی تھی، اس کے منہ سے نکلا ہر لفظ براہ راست دل پر حملہ کرتا تھا آٹھ نو دن گزر چکے تھے کس محبت کا سلوک کیا تھا انہوں نے اس کے ساتھ کہ وہ نڈھال ہو کر آ گیا تھا اور فیصلہ نہیں کر رہا تھا کہ اب کیا کرے اس نے عاجز آ کر کہا:

''اب میں کیا کروں؟''

''جانا چاہتے ہو؟'' لیمپوآن نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' شہروز بولا۔

”تم جانتے ہو لیمپو آن ہاں میں جانتا ہوں تو مجھے بتاؤ۔ اپنا گھر کیوں چھوڑ دیا۔“

”میں بتا چکا ہوں۔ اپنا دیس کیوں چھوڑ دیا گھر والوں کی طرف سے۔ مچھلی کے بارے میں جانتے ہو کہاں زندہ رہتی ہیں، صرف اور صرف پانی میں لوگ اپنے مفادات کے لیے اپنا گھر بار نہیں چھوڑ دیتے ہیں دیار غیر میں اپنے آپ کو بڑا خوش اور مطمئن محسوس کرتے ہیں اصل میں وہ اپنے دل کے اندر جھانکنا چھوڑ دیتے ہیں ان کا دل انہیں اسی دیس کی یاد دلاتا ہے جہاں آنکھ کھول کر وہ زندگی کی پہلی سانس لیتے ہیں جہاں کے ماحول میں وہ اپنے آپ کو تلاش کرتے ہیں وہ ہی ان کا دیس ہوتا ہے وہ ہی ان کا گھر ہوتا ہے اور وہ وہیں انہیں زندگی کا سکون ملتا ہے بیٹے یہ مت سمجھنا کہ میں اپنے کسی مفاد کے لیے تمہیں کسی خاص کام پر آمادہ کرنا چاہتا ہوں، میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ لیمپو آن نے جب زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا تو صرف یہ سوچا کہ دکھی انسانیت کی خدمت کرے اب اس کے لیے ٹیڑھی انگلیاں استعمال کرنا پڑیں وہ ایک الگ بات ہے تم دنیا سے بد دل ہو گئے ہو صرف چند انسانوں کی وجہ سے لیکن دنیا کا کیا قصور ہے وہ تو آج بھی تمہیں خوش آمدید کہنے کو تیار رہتی ہے تم اس سے کیوں بد دل ہو گئے ہو؟ اگر تمہارے مالک نے تمہیں ذہن کی قوت دی ہے سوچنے سمجھنے کی قوت دی ہے تو پھر اس پر قبضہ کیوں جمائے بیٹھے ہو جس نے جو عطا کیا اسے واپس کرواسے اس کا خراج دو کیا سمجھے کیسے اپنے دیس واپس جاؤ۔ اس کے بعد دیش باسیوں کی سیوا کرو خدمت کرو ان کی۔“

”کیا ان کے گھر کے سامنے سے کوڑے کے انبار ہٹاؤں؟“

”ہاں لیکن گھر کے سامنے سے نہیں اس غلاظیت کو صاف کرو جو دیس کے نام کو داغدار کرتی ہے بروں کو برائی کے ساتھ مٹا دو انہیں ان کی منزل تک پہنچا دو موت کی منزل تک تم ہر طرح سے اپنے وطن کی خدمت کر سکتے ہو۔“

”آخر تم چاہتے کیا ہو لیمپو آن؟“

”جو کچھ تمہیں ملا ہے اس کا استعمال چاہتا ہوں میں...... میں تمہیں تربیت دوں گا اس کے بعد تم اپنے وطن واپس جاؤ اور جس طرح بھی بن پڑے اپنے وطن والوں کی خدمت کرو، یہی زندگی ہے اور یہی وہ کارواں جس کے ساتھ تم آگے بڑھ سکتے ہو۔“

”ٹھیک ہے لیمپو آن میں نے بھی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے میں کبھی زیادہ وقت نہیں صرف کیا۔“

”تم بالکل ٹھیک کہتے ہو لیکن ایک بات سنو یہاں لندن میں جو زندگی میں گزار رہا ہوں اس میں نہ کوئی روشنی ہے نہ اندھیرا بس وہ زندگی ہے اور میں اس زندگی کے بارے میں کوئی اچھا یا برا فیصلہ نہیں کرنا چاہتا میں نے تو بس زندگی کو گزارنے کا ایک ذریعہ سمجھا ہے اگر تم مجھے اس طرف واپس لانا چاہتے ہو تو میں ایک شرط پر اس کی واپسی کر سکتا ہوں۔“

”شرط بتاؤ۔“ کائی شی نے کہا۔

”تم نے اپنے آپ کو یہاں کیوں محدود کر لیا ہے؟“ شہروز نے سوال کیا اور وہ دونوں نا سمجھنے والے انداز میں اپنی باریک باریک لکیروں جیسی آنکھوں سے چونک کر شہروز کو دیکھنے لگے۔ پھر کائی شی بولی: ”آگے تو بولو۔“

"میرے ساتھ میرے وطن چلو گے؟"

"ہم دونوں......" وہ بیک وقت بولے۔

"ہاں تم میری ماں اور میرے باپ کی حیثیت سے، بولو جواب دو۔" اور شہروز نے ان دونوں کو سسک سسک کر روتے ہوئے دیکھا۔ وہ کچھ نہیں بولا۔ اس نے انہیں رونے دیا تب کائی شی نے کہا:

"یہ خواب ہی آخری عمر میں پورا ہو جائے گا یہ ہم نے نہیں سوچا تھا۔ میں عورت ہوں ہمیشہ عورت رہی میں نے تو صرف اپنے شوہر کا ساتھ دیا لیکن ایک بچے کی آرزو ہمیشہ میرے دل میں تڑپتی رہی اور آخر کار میں نے خود کو یہ سوچ کر خاموش کر لیا کہ میں وہ نہیں جسے وہ ملے' مل رہا ہے لیمپو آن کیا کہتے ہو؟"

لیمپو آن نے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا: "اور جو ملتا ہے اسے چھوڑنا نہیں چاہئے ہم تیار ہیں۔"

شہروز چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ اس کے ذہن میں ایک لہر سی دوڑ گئی تھی۔ ماں باپ واقعی یہی ماں باپ ہو سکتے ہیں وہ دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا پھر اس نے سر بلند کر کے کہا: "میں تھوڑی سی رہنمائی چاہتا ہوں۔"

"بولو بیٹے بولو۔"

"وہاں اپنے شہر میں ایک نام سے مشہور ہو گیا تھا اور وہ نام تھا داداشاہ۔"

"ہاں تم نے ہمیں بتایا تھا۔"

"مجھے وہاں جا کر کیا کرنا ہو گا؟"

"داداشاہ کو دوبارہ زندہ کرنا ہو گا اور پھر بُروں کی برائیاں ختم کرنا ہوں گی۔"

"آپ لوگ میرا ساتھ دو گے؟"

"ہاں ساری پلاننگ ہماری ہو گی ایک اور سوال بولو یہ آپ جانتے ہو کہ انسان اگر نیکیوں کا پتلا بن جائے تو اس کے راستے دشوار سے دشوار تک ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مجھے انگلیاں ٹیڑھی رکھنا ہوں گی کیا مجھے اس کی اجازت ملے گی؟"

"ہاں لیکن ایک اصول ایک ضابطے کے ساتھ۔"

"وضاحت کریں مسٹر لیمپو آن۔"

"کسی مظلوم کو تمہارے ہاتھوں کبھی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تم کسی کو ناجائز طریقے سے نہیں دباؤ گے اور......"

"بس باقی سب ٹھیک ہے۔ تو پھر یہ مقام حاصل کرنے کے لیے ہمیں رقم کی ضرورت ہو گی۔"

"ہاں ہو گی لیکن اس کے لیے میں تمہیں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔"

"وہ کس طرح......؟"

''بہت سی باتیں وقت سے پہلے پوچھنے کی نہیں ہوتیں۔''

''تو پھر مجھے بتاؤ کہ ہم رقم کا بندوبست کیسے کریں؟''

''کائی شی جب قدرت نے ہمیں اس عمر میں اولاد دے دی ہے تو پھر اس اولاد کے ساتھ ایسی جگہ رہنے سے کیا فائدہ چلو آؤ یہ جگہ چھوڑتے ہیں اور دیکھو شہروز میرے پاس یہ تھوڑی سی رقم موجود ہے یہ رقم فی الحال ہمارے کام آسکتی ہے چار سے چھ دن تک ہم کسی ہوٹل میں رہ سکتے ہیں اس کے بعد میں بتاؤں گا کہ تمہارے وطن واپسی کے لیے رقم کیسے اکٹھی کرنی ہے۔''

جس ہوٹل میں انہوں نے قیام کیا تھا وہ ایک چھوٹا اور نچلے درجے کا ہوٹل تھا جہاں ملے جلے لوگ ٹھہرے ہوئے تھے ان میں انہیں ایک ایسا کمرہ مل گیا جو تین آدمیوں کے لیے کافی ہوسکتا تھا لیکن اس طرح کہ لیمپوآن کے پاس جو رقم تھی وہ ایک ہفتے کے دوران ایڈوانس کے طور پر دے دی گئی اور کھانے کے لیے ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ تب لیمپوآن نے مسکراتے ہوئے کہا:

''یہ چلتے پھرتے بینک آخر کس کام آئیں گے آؤ میرے ساتھ۔'' شہروز بالکل نہیں سمجھ سکا تھا کہ یہ چلتے پھرتے بینک کون سے ہیں۔

لیمپوآن شہروز کے ساتھ ایک بھری پڑی سڑک پر نکل آیا اور پھر دوکانوں کے شوکیسوں میں سجی ہوئی چیزیں دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا اس کے بعد وہ ایک اسٹور میں داخل ہوا۔ یہ ایک بڑا اسٹور تھا۔ وہ اسٹور کے شوکیسوں میں لگی ہوئی اشیاء کو دیکھتا رہا کچھ چیزیں باہر نکلوا کر دیکھیں اور اس کے بعد اسٹور سے بھی نکل آیا پھر اس نے ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو روکا اور شہروز حیران رہ گیا' ہوٹل کا ایڈوانس کرایہ ادا کرنے کے بعد نہ تو شہروز کے پاس کچھ تھا اور نہ لیمپوآن کے پاس ٹیکسی کا بل یہ شخص کہاں سے دے گا لیکن جب وہ اس ہوٹل کے سامنے اترے جس میں ان کا قیام تھا تو لیمپوآن نے جیب سے کرنسی نکالی اور بڑے اطمینان سے ٹیکسی کا بل ادا کردیا پھر وہ بولا: ''آؤ......''

شہروز حیران حیران سا اس کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے کمرے میں داخل ہوگئے جہاں کائی شی کوئی گیت گنگنا رہی تھی اور خوش نظر آرہی تھی۔ شہروز نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن اس کے پوچھنے سے پہلے ہی لیمپوآن نے اپنی جیب سے تین چار پرس نکال کر میز پر رکھ دیئے اور شہروز کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ لیمپوآن ان پرسوں سے کرنسی نوٹ نکالنے لگا اور شہروز کو چکر آنے لگے اس نے حیرت بھری آواز میں کہا:

''یہ......یہ......یہ......''

''اور تم یقین کرو بلکہ ان پرسوں میں ان لوگوں کے پتے ضرور مل جائیں گے جن کی جیب سے میں نے یہ پرس نکالے ہیں۔ سب صاحب حیثیت تھے مثلاً اس کراؤن اسٹور میں تم نے ایک جوڑے کو دیکھا ہوگا وہ نوجوان لڑکا جو اپنی گرل فرینڈ کے لیے دھڑا دھڑ خریداری کررہا تھا۔ یہ دیکھو یہ اس کا پرس ہے اور اس میں اچھی خاصی رقم موجود ہے۔ ساری کی ساری وہ اس پر خرچ کرنے کے لیے نکلا تھا۔ اس کا مقصد ہے کہ صاحب حیثیت ہے اور وہ جو ایک دھواں دھار انجن چلا جارہا تھا' بہت موٹا تھا وہ بھی اپنی ساتھی نوجوان لڑکی پر اپنی دولت کا رعب مارنے کے لیے نکلا تھا لیکن اس کا رعب میری جیب میں منتقل ہوگیا اور اب وہ کسی سڑک پر کھڑا جوتے کھا رہا ہوگا۔ میں نے کسی بھی

ایسے شخص کی جیب سے کوئی چیز نہیں نکالی جس کے چہرے پر پریشانی کی ایک بھی لکیر ہو۔"

"خدا کی پناہ تو گویا تم نے جیب تراشی کی ہے۔"

"ہرگز نہیں میں نے جیب خلاصی کی ہے۔"

لیمپو آن نے جواب دیا اور کائی شی منہ پھاڑ کے ہنسنے لگی۔

"اس کا مطلب ہے یہ مسٹر لیمپو آن تم اس کام میں بھی ماہر ہو۔"

"اور تمہیں بھی ماہر بنا دوں گا۔ اصل میں یہ بہت بڑی ضرورت ہے' ہم دنیا کے کسی بھی ملک میں نکل جائیں ہمارا یہ فن ہمارے وقت کی کفالت کرتا ہے کیا سمجھے؟"

"سمجھ گیا۔"

"اور اس طرح مجھے تمہارے وطن واپسی کے لیے رقم بھی اکٹھی کرنی ہے اور سارے انتظامات کرنے ہیں۔" دوسرے دن لیمپو آن خود نکل گیا تھا اور پھر ایک ہفتے کے اندر اندر اس نے پاسپورٹ اور وطن واپسی کے لیے تمام تیاریاں مکمل کر لیں اور آخر کار ایک دن تمام کاغذات کے ساتھ شہروز لیمپو آن اور کائی شی شہروز کے وطن چل پڑے۔

سرزمین وطن ہزاروں احساسات کا مرکز۔ خیال آیا چھوڑے ہوئے کافی دن گزر گئے لیکن شہروز نے ادھر کا رخ ہی نہیں کیا تھا ابتداء ایسے ہوئی کہ انہوں نے ایک معمولی سے ہوٹل میں دو کمرے حاصل کیے تھے۔

"اپنے آپ کو نمایاں کرنا دنیا کی سب سے بڑی بے وقوفی ہے' اور دوسروں کی کفالتوں سے محفوظ رہو اور ضرور اپنا کام کرو یہ میری پہلی نصیحت ہے۔" لیمپو آن نے کہا۔

"دوسری نصیحت......" شہروز بولا۔

"تمہیں ہنستے دیکھ کر دلی خوشی ہوتی ہے میں جانتا ہوں۔"

"لیمپو آن حقیقت یہ ہے کہ تم لوگوں نے مجھے دوبارہ ہنسا دیا ہے' میرے اپنوں نے مجھ سے میری ہنسی چھین لی تھی لیکن اب مجھے ہنستے ہوئے کوئی دقت نہیں ہوتی۔" کائی شی نے آنسو بھری آواز میں کہا:

"ایک بات بتاؤ مائی سن۔"

"جی......"

"تم نے ہمیں ایک درجہ دیا تھا کیا ہمارا وہ مقام ہم سے چھن گیا؟"

شہروز نے چونک کر کائی شی کو دیکھا اور بولا: "میں سمجھا نہیں۔"

"اور ایک بات اور کہوں آپ سے کبھی میں نے اپنے آپ کو کوئی ذہین انسان نہیں سمجھا غلطیاں ہر شخص سے ہو سکتی ہیں جب تم

لوگ مجھے نصیحت کرنے کا حق رکھتے ہو تو میں تم سے یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ اگر کہیں مجھ سے کوئی بھول یا نادانی ہو جائے تو بالکل اس طرح میری سرزنش کرو جیسے اپنے بچوں کی کر سکتے ہو تم نے مجھے یہ مقام دیا ہے تو سیدھا سیدھا مجھے فادر کہو اور کائی شی کو مما کہو۔ ماں باپ کا نام لیتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔"

شہروز ہنس پڑا اور اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا: "سوری مما' سوری فادر۔"

"کوئی بات نہیں بیٹے اچھا تم ایک کام کرو ہمارے پاس فی الحال اتنی دولت نہیں ہے کہ ہم کوئی گھر خرید سکیں لیکن تمہیں ایک ایسا گھر تلاش کرنا ہے جو ہمارے مقاصد کے لیے کارآمد ہو۔ تم ایک ایسے جوڑے کا تذکرہ کرو گے جو دولت مند ہے اور یہاں طویل عرصے قیام کرنا چاہتا ہے' اسے ایک گھر کی ضرورت ہے یہ گھر تمہیں پراپرٹی ڈیلر سے مل سکے گا خواہ کتنا ہی کرایہ ہو' کتنی ایڈوانس رقم ہو اس کی پرواہ مت کرنا میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہمارے بینک جگہ جگہ موجود ہیں اور میں اس بات کو پروف بھی کر چکا ہوں۔"

شہروز ہنس پڑا پھر بولا: "کام تو ہم بڑے بڑے ہی کرنا چاہتے ہیں لیکن میں اتنا بڑا فنکار نہیں ہوں صحیح معنوں میں فوری ضرورت پوری کرنے کا بہترین نسخہ تو یہ بینک ہیں۔ بدترین کام ہے اور ہم حالت مجبوری صرف چند روز ایسا کریں گے' اس کے بعد نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

کائی شی کو اس جگہ چھوڑ دیا گیا اور شہروز اپنے کام پر نکل گیا۔ لیپو آن اپنے کام پر وہ جس قدر تھکا ہوا بوڑھا نظر آتا تھا اسے دیکھ کر کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے اندر ایک آگ چھپی ہوگی اتنا پھرتیلا اور مستعد ہوگا یہ کہ بڑے بڑے جوان بھی اس کا پیچھا نہ کر سکیں۔ رات کو جب ہوٹل میں دونوں کی ملاقات ہوئی تو دونوں ہی اپنا کام کر چکے تھے۔ لیپو آن نے مختلف کرنسی کی شکل میں ایک اچھی خاصی رقم شہروز کے سامنے رکھ دی اور شہروز نے ایک مکان کا پتہ بتاتے ہوئے کہا:

"وسیع وعریض مکان ہے اصل میں ایک نواحی آبادی کے پاس کچھ زمینیں فروخت ہوئی ہیں اور وہاں مکانات بنا دیئے گئے ہیں ایک پراپرٹی ڈیلر نے ہی اپنا ایک مکان بنایا ہے اس علاقے میں اتنی قیمت کے مکان کرائے پر نہیں اٹھتے لیکن میں نے اسے دلاسا دے کر کہا ہے کہ میں شاید اس مکان کو لے لوں بہت اچھا مکان ہے۔ چار بیڈروم' ڈرائنگ' ڈائننگ' ٹی وی لاؤنج اور سب سے بڑی چیز جو ہمارے کام کی وہاں ہے وہ ایک تہہ خانہ ہے۔ بڑے مکان کے آدھے حصے میں پھیلا ہوا اور انتہائی محفوظ یعنی اسے اندر سے نہیں کھولا جا سکتا بلکہ وہ باہر ہی سے کھلتا ہے اور اس قدر مضبوط ہے کہ اسے نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔"

لیپو آن کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ "یہ لڑکا تو بڑے کام کا ثابت ہو رہا ہے۔"

"تو تم خود کو ہی سمجھتے ہو لیپو آن وہ میرا بیٹا ہے۔" کائی شی نے فخریہ انداز میں کہا۔

یہ باتیں شہروز کو اچھی لگتی تھیں اور وہ یہ سوچتا تھا کہ انسان کی زندگی میں بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو بظاہر معمولی نوعیت کی ہوتی ہیں لیکن ان کا اتنا بڑا مقام ہوتا ہے کہ وہ محسوس نہیں کر سکتا۔ بہرحال مکان کا مسئلہ حل ہو گیا۔ شہروز نے اسے ضرورت کے مطابق سجانا شروع کر

دیا۔رقم کا کوئی مسئلہ نہیں تھا پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ لیپو آن نے اس میں بڑی ترمیمیں کی تھیں۔ایک ایسی جگہ بنائی تھی اس نے اسی تہہ خانے میں جہاں وہ بالکل الگ تھلگ رہ سکتا تھا پھر اس نے شہر گردی کر کے نجانے کیا کیا الم غلم وہاں جمع کر لیا تھا۔بحری جہازوں کے پرانے کمپیوٹر کا بہت سا سامان طرح طرح کی مشینری جو صرف کباڑ خانے سے حاصل کی گئی تھی۔اتنی رقم اکٹھی کر لی گئی تھی کہ وہاں انہیں اپنی کفالت کرنے میں کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔لیپو آن ابھی تک کامیابی سے اپنا کام کر رہا تھا اور اکثر شہروز اس سے کہتا تھا کہ فادر کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی وقت تم ادھر لیٹ جاؤ اور کوئی مسئلہ بن جائے۔اب یہاں تمام تر معلومات حاصل کر کے میں نے اپنی ایک چھوٹی سی دوکان بنائی ہے۔اس دوکان میں ایک چینی ڈینٹسٹ کی حیثیت سے میں کام کروں گا لیکن میرا اصل کام کچھ اور ہو گا یوں سمجھ لو وہ دوکان ہمارا برانچ آفس ہو گی اور میں یہاں اپنا کام پورا کروں گا۔اس شہر میں کافی عرصے تک رہا ہوں اور داداشاہ کی حیثیت سے یہاں کا ایک خاص طبقہ مجھے جانتا ہے۔استاد دور رہنا اس سے جتنا پانی سے آگ داداشاہ ایک شناسا ہے۔میں تمہیں داداشاہ کی حیثیت سے دیکھنا ہی نہیں چاہتا۔“

کائی شی نے فوراً دخل دیا۔”کیسی باتیں کرتے ہو لیپو آن آخر تمہیں عقل دینے والی میں ہی ہوتی ہوں داداشاہ کو داداشاہ کی حیثیت سے سامنے آنے دو اصل میں ہمارا تعلق تو اسی طبقے سے پڑے گا۔ہاں یہ الگ بات ہے کہ داداشاہ ان پر کچھ خرچ ہی کرے گا ایسے لوگوں کی قربت بڑی کامیاب ہوتی ہے۔“

لیپو آن سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر اس نے مسکرا کر شہروز کو آنکھ ماری اور بولا:”حالانکہ عورت کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی عقل نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے لیکن اس عورت کے بارے میں ذرا سوچو شہروز یہ کچھ زیادہ نہیں سوچتی ہے۔تو پھر کیا خیال ہے۔ٹھیک کہتی ہے یہ تمہیں اس طبقے میں اپنے آپ کو دوبارہ روشناس کرانا ہو گا۔جیسے کہو ویسے یہ ڈینٹسٹ کی دوکان تمہارے ذہن میں خوب آئی۔“

”کیا تم دانتوں کے بارے میں کچھ جانتے ہو فادر؟“

”اچھی طرح جانتا ہوں وہ یہ کہ دانت منہ کے اندر ہوتے ہیں کھانے چبانے کے کام آتے ہیں اگر صفائی نہ کی جائے تو گندے ہو جاتے ہیں اور جب خراب ہو جاتے ہیں تو کیا کرنا پڑتا ہے نکال کر ہاتھ پر رکھ دینا ہوتے ہیں۔“

”آتا ہے نکالنا۔“

”نکال کر دکھاؤں؟“لیپو آن نے ہنس کر کہا۔

”نہیں میرے ابھی تک دانت ٹھیک ہیں فادر۔“شہروز جلدی سے بولا بہرحال یہ لوگ اپنی کاوشوں میں مصروف تھے۔واقعی لیپو آن نے ایک عمدہ سی دوکان بھی بنالی اور وہ وہاں ایک چینی دندان ساز کی حیثیت سے نظر آنے لگا ابھی تک یہ بالکل صحیح انداز میں جا رہے تھے۔شہروز بھی اس نئی زندگی سے خوش تھا اور اس بات کو دل سے تسلیم کرتا تھا کہ اپنا دیس سب سے اچھا اور اس سے اچھا کچھ ہوتا ہی نہیں ہے۔یہ لوگ کیا تھے اس بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا تھا لیپو آن بھی کسی نہ کسی طرح اپنی ڈینٹسٹ کی دوکان چلاتا ہی رہا تھا۔آخر کار شہروز نے کہا:

''دادا شاہ کی حیثیت سے میں ایک پھر اپنے حلقے میں پہنچ گیا ہوں' اب یہ بتاؤ آگے کیا کرنا ہے فادر؟''

''لندن سے چلتے ہوئے ہم نے ایک خیال کو دل میں جنم دیا تھا میں جو زندگی گزار چکا ہوں اس کے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں شہروز کہ بڑے بڑے بین الاقوامی معاملات پر میں نے کام کیا ہے لیکن اب اس سطح تک نہیں جانا چاہتا ورنہ انسانیت کو انسانوں کی ضرورت تو ہر جگہ ہے میرے ذہن میں ایک خاص تصور ہے وہ یہ کہ جو لوگ جرم کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو آسمانی مخلوق سمجھ لیتے ہیں ان کی گردنیں جھکائی جائیں ایک فلسفہ ہے میرے بچے اور وہ یہ ہے کہ احساس ندامت انسان کو انسانیت کی معراج تک لاتا ہے کوئی چھوٹا سا غلط کام کر لیا جائے تو اندر کا محاسب سوال ضرور کرتا ہے اور جواب بھی مانگتا ہے لیکن اسے نظر انداز کر دیا جائے تو انسانیت کی توہین ہوتی ہے جبکہ ایک شخص سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہوتا ہے' دنیا والوں کے ساتھ بھیانک ترین رویہ رکھتا ہے اور آرام کی زندگی جی کر مر جاتا ہے وہ کیا سمجھے گا کہ گناہ و ثواب کیا ہے ایسے لوگوں کو ان کے گناہ کا احساس دلانا انسانیت کی بہترین خدمت ہے۔''

''عجیب تصور ہے۔'' شہروز نے کہا: ''لیکن ہمیں سب سے پہلے اپنے لیے کچھ ایسے افراد تلاش کرنا ہوں گے جو ہمارے لیے کار آمد ثابت ہوں اور ہم جس کام کا آغاز کریں' اس کے لیے ہماری معاونت کرتے ہوں۔ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ درجے کے لوگ نہیں اس کچی دنیا کے باسی جہاں انسانیت دکھوں میں پلتی ہو جہاں احساس محرومی ہو ایسے لوگ سچے وفادار اور بہترین کارکن ثابت ہوتے ہیں۔''

''تلاش کون کرے گا؟''

''میں اور تم مل کر ہمیں ابھی اپنے کام کا آغاز کرنا ہے اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ ہمارے پاس کیا کیا ذرائع آتے ہیں ایسے لوگوں کا انتخاب کروں گا بلکہ مل جل کر کریں گے پھر اس کے بعد ہم ان بڑی مچھلیوں کو دیکھیں گے جو دنیا کو اپنی مٹھی میں سمجھتی ہیں۔ اگر کوئی ملک و ملت کے خلاف ہوا تو اسے قانون کے حوالے کر دیں گے اور اگر کوئی قابل معافی ہوا تو اس سے خراج وصول کریں گے بے شمار ایسے لوگ ہمیشہ مل جائیں گے۔''

''آہ...... واقعی دلچسپ کام ہوگا یہ تو......''

''لیکن ایک بات کہے دیتا ہوں لیمپو آن نے زندگی میں کبھی اس شخص کو معاف نہیں کیا جس نے اپنے آپ کو ہر قانون سے بلند سمجھا اور یہ سوچا کہ اسے شکست دینے والا کوئی نہیں ہے تم مجھے اجازت دو گے۔''

دوپہر کے دو بجے تھے لیمپو آن ڈینٹل آرک کے آفس میں چینی دندان ساز لیمپو آن بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دیو قامت سیاہ فام گھنگھریالے بالوں والا اندر داخل ہوا' دائیں رخسار پر اپنا ہاتھ رکھ کر وہ اندر آیا تھا۔

''اڑے بابا چن من وڈی جلدی سے میرا دانت نکالو نی اڈے ماں کسم اپن کا جان نکلا جارہا ہے۔''

لیمپو آن اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور اسے سیٹ پر لے آیا پھر اس نے اس کے دانت دیکھے جتنا وہ مضبوط تھا اتنے ہی مضبوط اس کے دانت تھے۔ معمولی سی بات تھی۔ لیمپو آن نے کہا: ''دانت نکالنے کی ضرورت نہیں ہے' میں ان کا علاج کیے دیتا ہوں۔''

''اڑے او چن جی بابا ضرورت میرا ہے یا کہ تیرا میں مرا جا رہا ہوں اور تم بولتا ضرورت نہیں ہے۔ اڑے جلدی کرو بابا۔''

''ٹھیک ہے تمہاری مرضی پہلے انجکشن لگانے ہوں گے پھر نکالنا پڑے گا۔ او بابا...... لگاؤ...... اپن جلدی کرو تمہارے کو اللہ کا واسطہ۔'' لیمپوآن کے بارے میں یہ بات کہی جا سکتی تھی کہ وہ ہرفن مولا تھا۔ دنیا کا ہر فن جانتا تھا ڈینٹل آرک اس نے ایسے ہی نہیں کھول لی تھی اور پھر نسلاً چینی تھا نجانے کہاں کہاں سے اس نے دانتوں کے بارے میں معلومات حاصل کی تھی بہرحال ایک ایسا انجکشن لگایا کہ اس نے کہ چند ہی منٹ کے بعد مکرانی کے دانت کا درد غائب ہو گیا' معمولی سی خرابی تھی بس تھوڑا سا پس پڑ گیا جس کی وجہ سے دانتوں میں شدید درد ہو رہا تھا۔ تھوڑی سی دوائیں اس کے دانتوں کو ٹھیک کر سکتی تھیں مگر دانت کا درد ایسی ہی بری چیز ہوتی ہے کہ انسان اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ لیمپوآن کرسی پر لیٹے ہوئے سیاہ فام کو دیکھتا رہا اور نجانے اس کے ذہن میں کیا کیا منصوبے آتے رہے۔ لمبے چوڑے بدن کا مالک یہ شخص ایک نگاہ دیکھنے سے ہی لگتا تھا کہ پھرتیلا اور طاقتور آدمی ہے تھوڑی دیر کے بعد وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور بولا:

''اڑے بابا قسم تم تو جادوگر ہے اڑے بابا اپن کو پتا ہی نہیں چلا کہ تم نے دانت نکال دیا۔''

''کیا نام ہے تمہارا؟'' لیمپوآن نے پوچھا۔

''قادر بخش' باپ کا نام نبی بخش' دادا کا نام اللہ بخش ابھی اس کے آگے کے بارے میں اپن کو کوئی معلومات نہیں ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

پھر ڈرتے ڈرتے اپنے دانتوں کو ہاتھ لگایا اور بولا: ''ماں قسم منہ میں دلی دروازہ بن گیا ہوگا۔''

لیمپوآن نے کوئی جواب نہیں دیا پھر اس نے اس دلی دروازے کو تلاش کیا لیکن اپنے دانتوں کو اپنی جگہ پا کر وہ حیرت سے اچھل پڑا۔

''اڑے ماں قسم ادھر تو کوئی دروازہ نہیں ہے ابھی تم نے ہمارے دانت نہیں نکالے۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو قادر بخش مجھ جیسے بوڑھے آدمی کی ہمت پڑ سکتی ہے کہ وہ ایک جوان آدمی کے دانت نکال دے۔''

قادر بخش حیرت سے منہ پھاڑے لیمپوآن کو دیکھتا رہا پھر بولا: ''اڑے یار اپن یہ درد کدھر گیا؟''

''درد اب کبھی تمہارے دانتوں میں نہیں ہوگا تمہارے دانت بالکل مضبوط ہیں۔ میں تمہیں ایک دوا دوں گا جس سے ہمیشہ کے لیے درد ٹھیک ہو جائے گا اور دوبارہ کبھی نہیں ہوگا۔''

''اڑے بابا میں تمہارے کو سچ بولتا پڑا میرے کو بڑا دکھ تھا لوگ میرے کو بولے گا کہ قادر بخش یار تیرا تو جوانی میں ہی دانت نکل گیا پن بابا آپ جادوگر ہو آپ کو سلام ابھی اپن جائے دیکھو ایک بات میں تمہارے کو بولوں میرے غصہ مت مارنا۔''

''بیٹھو قادر بخش میں تمہیں چائے پلاتا ہوں۔''

قادر بخش نے لالچی نگاہوں سے لیمپوآن کو دیکھا اور بولا: ''آپ صاحب خدا کی قسم میں بھی صبح سے چائے نہیں پیا۔''

لیمپو آن نے اس کے لیے چائے منگوائی۔ قادر بخش نے مزے سے چائے پی پھر بولا: ''اب تمہارے کو وہ بری بات بولے جو میں تمہارے کو بولنا چاہتا ہوں۔''

''بری بات؟''

''ہاں۔''

''بولو......گالیاں دینا چاہتے ہو مجھے۔'' لیمپو آن نے نرم لہجے میں کہا۔

''اڑے نہیں بابا ابھی گالیاں تو تم اپن کو دے گا چن جو۔''

''یہ تم مجھے مختلف ناموں سے کیوں پکار رہے ہو؟'' لیمپو آن نے کہا اور قادر بخش ہنس پڑا پھر بولا:

''یہ جو تمہارا آنکھ چھوٹا سا ناک اور چوں چوں داڑھی ہی ہے نا یہ میرے کو بولنا ہے کہ تمہیں چیچو پیچو کچھ کہوں۔'' قادر بخش منہ پھاڑ کر ہنسنے لگا۔

''خیر جو تمہارا دل چاہے کہو وہ بری بات کیا ہے؟''

''ابھی خدا کی قسم میں برا آدمی نہیں ہوں اپن کیا کریں بابا دانت کا درد تو انسان کو بھیک مانگنے پر مجبور کر سکتا ہے دیکھو میں گدھا گاڑی چلاتا تھا۔ میرا کوئی نہیں ہے اس دنیا میں بس ایک وہ گونا تھا گونا اپن کے گدھے کا نام ہے چن جو جی ہمارے گونا کو سانپ نے کاٹ لیا' برسات میں اپن کے علاقے میں سانپ نکل آتا ہے گونا مر گیا یار خالی گدھا گاڑی اتنے دن سے کھڑا ہے خود مارکیٹ میں جا کر بوریاں اٹھاتا ہے اور ٹرک پر لوڈنگ کراتا ہے مگر وہ کام روز نہیں ملتا چھ دن سے اپن کو کام نہیں ملا تھا۔ پر یہ سالا پیٹ کدھر مانتا ہے چلو بھوک برداشت کر لیتا مگر دانت کا درد برداشت نہیں ہوا تمہارے پاس آیا دوکان دیکھا تو سوچا کہ زیادہ سے زیادہ گالیاں دو گے دھکے دے کر نکال دو گے پر دانت تو نکل جائے گا دیکھو بڑا صاحب خدا کی قسم اپن کے پاس پیسے نہیں ہیں ابھی آپ کو یہ بات بولنا مانگتا تھا کہ آپ نے چائے کا بول دیا۔ پانچ دن سے اپن کو کام نہیں ملا' اپن ایک وعدہ آپ سے کرتا ہے آپ میرے کو پیسے بتا دو' دھندا لگ گیا تو دو چار دن میں آپ کے پیسے دے جاؤں گا۔''

لیمپو آن کے ہونٹوں پر باریک سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے کہا:

''قادر بخش میرا نام لیمپو آن ہے۔''

''اڑے ماں کی قسم منہ میٹھا ہو گیا۔ چیکو......چیکو یار اپن تمہارے کو چیکو ویسا ہی کریں گا۔''

''نوکری کرو گے میرے پاس؟''

''نوکری!''

''ہاں۔''

''دانت نکالنا پڑے گا۔''

''نہیں۔ مردوں کی نوکری کرنی ہوگی۔''

''اڑے خدا کی قسم میرا جاننے والا میرے کو بولتا ہے کہ یار قادر بخش مرد لگتا ہے تو مرد پن یہ نوکری کیسی ہوگی؟ یہ میرے کو معلوم نہیں۔''

''تمہیں ایک اچھی رہائش گاہ دی جائے گی اور قادر بخش تمہیں جاسوسی کرنا ہوگی۔''

''ڈھشم ڈھشم ......ڈھس ڈھس......ٹھوں......ٹھا......ایسا مافق......'' قادر بخش نے دانت نکال دیئے۔

''ہاں۔''

''اڑے بابا کاہے کو مرواتا ہے میرے کو......کوئی گولی والا مار دے گا چھٹی ہو جائیں کسی دشمن کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔''

''بالکل نہیں تمہیں بعد میں بتاؤں گا کہ تمہیں کیا کرنا ہے بس جیسا میں کہوں ویسا کرنا اور سنو یہ ایک ہزار روپے ایڈوانس رکھ لو جاؤ کل میرے پاس آ جانا اگر تم ایماندار آدمی ہوئے اور یہ ہزار روپے لے کر بھاگ نہ گئے تو سمجھ لو زندگی بھر عیش کرو گے۔'' قادر بخش کھوئی کھوئی نگاہوں سے ہزار روپے کے نوٹ کو دیکھنے لگا پھر بولا:

''جیب میں رکھ لوں۔''

''ہاں جاؤ بس اب جاؤ۔'' قادر بخش باہر نکل گیا پھر تھوڑی دیر کے بعد پلٹ کر آیا اور بولا:

''کل کس ٹیم کو آنا ہے؟''

''گیارہ بجے صبح۔''

''آجائیں گے۔'' اور دوسرے دن قادر بخش گیارہ بجے صبح اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس دوران لیپوآن شہروز کو اپنے پاس بلا چکا تھا اور شہروز کو تھوڑی بہت تفصیل بتائی تھی اس نے اس سے کہا تھا:

''شہروز اس کارواں کے سفر کے لیے ہم اکیلے کچھ نہیں کر سکتے ہمیں کچھ لوگوں کی ضرورت تو ہوگی نا اور قادر بخش ہمارے گروپ کا پہلا آدمی ہے۔''

''پروگرام کیا ہے مسٹر لیمپوآن؟''

''پھر لیچوآن......قادر۔''

''سوری' پروگرام کیا ہے قادر؟'' شہروز نے پوچھا۔

''بس جو نئی رہائش گاہ حاصل کی ہے ہم نے وہاں ہمارا یہ گروپ رہے گا' تربیت دیں گے' مارشل آرٹس سکھائیں گے اور اس کے بعد اپنا کام کریں گے۔ تم سمجھ رہے ہونا۔'' قادر بخش آ گیا تو شہروز نے خود بھی پسندیدگی کی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ لیمپوآن نے اس کا

تعارف کراتے کراتے ہوئے کہا:

''یہ قادر بخش ہے ہمارا نیا گروپ ممبر۔'' قادر بخش اب بالکل نرم نظر آ رہا تھا۔ شہروز نے اسے اپنے ساتھ اس نئی رہائش گاہ پر لے گیا جو انہوں نے اپنی پہلی رہائش گاہ سے ہٹ کر کرائے پر حاصل کی تھی یہ بھی ایک الگ تھلگ مکان تھا جو ایک درمیانے درجے کی آبادی میں تھا اور اس کے حصول میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ قادر بخش کو شہروز نے تفصیل سمجھائی اور کہا:

''تم یہاں پر رہو گے قادر بخش ضرورت کی تمام کی تمام چیزیں تمہیں فراہم کر دی جائیں گی۔''

''اڑے خدا کی قسم میرے کو اور کیا چاہئے۔ بوجھ اٹھاتے اٹھاتے کمر دکھ گیا اور پھر اپنا کھوتا مر گیا بس اپن کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔'' بہرحال شہروز اور لیمپو آن قادر بخش کو تربیت دیتے رہے لیکن اس گروپ کو مکمل کرنے کے لیے اور بھی بہت سے افراد کی ضرورت تھی اور اس گروپ کے ایک نئے ممبر کی تفصیل کچھ یوں ہوئی۔

زمین پر شام جھک آئی تھی، سورج ڈھلنا شروع ہو گیا تھا۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی بھکارن نے کچھ فاصلے پر لگے ہوئے کیبن کی طرف دیکھا یہاں رنگین بوتلوں میں نہ جانے کیا کیا سجا ہوا تھا اور دوکان دار تھوڑی دیر کے بعد درمیان میں رکھا ہوا تانبے کا کلسہ بجا کر ٹھنڈا شربت بیچ رہا تھا اور اس وقت بھی دو لڑکے کھڑے ہوئے شربت پی رہے تھے۔ بھکارن نے آسمان کی طرف دیکھا اور اپنا تھیلا سمیٹنے لگی اس درخت کے نیچے وہ بہت دیر سے بیٹھی ہوئی تھی مگر وہ جگہ اچھی نہیں تھی۔ بہت کم لوگ ادھر سے گزرتے تھے۔ کئی گھنٹے میں دس بارہ روپے کا دھندا ہوا تھا۔ پریشانی الگ اٹھائی پڑی تھی ایک ریڑھی والا قریب آ کر کھڑا ہو گیا تھا تھوڑی دیر تک وہ ریڑھی کا سامان درست کرتا رہا اسے گھورتا رہا پھر بولا:

''بٹے کھائے گی؟''

''تیری شکل بھی بٹے جیسی ہی ہے پہلے بوتھی ٹھیک کرلو۔''

''شکل سے کیا لینا ہے تجھے دیکھا کتنا سٹہ نکلے گا یہ......''

''نہیں کھانی مجھے یہ بیماریوں کی جڑ۔''

''لیموں اور مصالحہ لگا کر دوں گا اور پیسے تھوڑی لوں گا تجھ سے۔''

''کیوں ماں لگتی ہوں تیری۔'' بھکارن بولی اور ریڑھی والا بوکھلا کر کپڑے سے مکھیاں اڑانے لگا شاید اس بات کا جواب سوچ رہا تھا مگر پھر دو پولیس والوں کو سڑک عبور کرتے دیکھ کر اس نے ریڑھی آگے بڑھا دی۔

''سالا۔'' بھکارن نے فخریہ لہجے میں کہا اور اپنے تھیلے سے کچھ نکالنے لگی اس طرح کے لوگوں سے دن بھر واسطہ پڑتا رہا تھا ایک صاحب اچھے خاصے ادھر سے گزر رہے تھے۔ اسے دیکھا تو رک گئے جیب سے ایک روپے کا نوٹ نکال کر قریب آئے اور اسے قریب سے دیکھا پھر بولے:

''اتنی اچھی خاصی تو ہے بھیک کیوں مانگتی ہے؟''

''تو پھر کیا کروں؟'' وہ بولی۔

''بہت کچھ کر سکتی ہے۔'' ان صاحب نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''نکاح کر لوں تم سے کیا؟'' وہ تڑسے بولی۔

''نکاح کرنا ضروری ہے کیا؟'' وہ معنی خیز لہجے میں بولے۔

''ابھی بتاتی ہوں۔'' بھکارن نے قریب رکھے ہوئے تھیلے کو سرکایا اور پھر اس میں ہاتھ ڈال کر ایک پھٹی ہوئی پشاوری چپل نکال لی جس میں ٹائر کا تلا لگا ہوا تھا۔ وہ صاحب جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹے اور ایک اور صاحب سے ٹکرا گئے پھر جلدی سے بولے:

''بھائی صاحب وہ مراد منزل یہاں کوئی ہے۔''

''مراد منزل تو وہ سامنے ہے مگر شاید آپ نامرادی کی منزل میں داخل ہو چکے ہیں میری پسلی توڑ دی آپ نے......''

''مم معافی چاہتا ہوں۔ مم معافی چاہتا ہوں......مم......'' مراد پھرتی سے سڑک عبور کر کے غائب ہو گیا۔

دن میں کئی وارداتیں ہوئی تھیں اور اب شام ہو گئی تھی قرب و جوار میں اور دوکانیں سجنا شروع ہو گئی تھیں۔ بادلوں کے سیاہ آوارہ ٹکڑوں نے شرارتیں شروع کر دیں۔ بھکارن نے قریب رکھا تھیلا اٹھایا اور کھڑی ہو گئی۔ پیروں میں اسفنج کی پرانی چپلیں ٹھونسیں جن میں جگہ جگہ دھاگوں سے سلائی کی گئی تھی پھر اس کے بعد اس نے اپنا کچیلا گھیر دار لہنگا سنبھالا تھیلا ہاتھ میں پکڑا اور آگے بڑھ گئی لہنگے کے اوپر اس نے نجانے کیا کیا گہنے پہنے ہوئے تھے گلے میں شیشے کی موتیوں کی رنگین مالائیں ہاتھوں میں اور میلے شیشے ہی کے کڑے جو کہنیوں تک جاتے تھے۔ ناک میں بھدی سی بالی یہ اس کے زیورات تھے بہر حال یہ عمر بھی ایسی تھی کہ خود کو سجانے کی آرزو سب سے بڑی آرزو ہوتی ہے باقی رہی وسائل کی بات تو مجبوری اپنی جگہ ہوتی ہے۔

نوجوان بھکارن کے نقوش بہت خوبصورت تھے مگر بس رنگ گہرا کالا تھا لیکن سفید سفید ڈیلوں والی ابلتی ہوئی آنکھوں کا حسن بھلا کیسے چھپ سکتا تھا جوانی کے بوجھ سے جھکی جھکی ہوئی پلکوں والی سیاہ آنکھیں اب اگر دیکھنے والے اس کی خدمت پر آمادہ نہ ہو جائیں تو کیا کریں بھلا ان کا کوئی قصور......چال بھی مست تھی گو اسفنج کی چپل پہن کر چلنے میں اسے کافی دقت ہو رہی تھی لیکن اپنے آپ سے مطمئن نظر آتی تھی وہ بہر حال وہ فٹ پاتھ پر چلتی رہی شاید آج کا دھندہ پورا ہو چکا تھا اور اب وہ اپنے گھر جانا چاہتی تھی۔ چنانچہ رکے بغیر چلتی رہی فٹ پاتھ ختم ہوا سڑک عبور کرنی پڑی پھر سامنے کا حصہ آ گیا یہاں سے بھی لمبا فاصلہ طے کرنا تھا اس سڑک کے آخری حصے پر قبرستان تھا۔ بڑے بڑے بنگلے قبرستان تک چلے گئے تھے لیکن قبرستان کے پیچھے کا حصہ آزاد تھا اور یہاں طویل عرصے سے فقیروں نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے لکڑیوں کی پیٹیوں سے بنے ہوئے ٹوٹے ہوئے جھونپڑے۔ ٹاٹ اور چٹائیوں سے بنائے ہوئے کھوکھلے اور ان کے درمیان رواں دواں زندگی اپنی دھن میں مست نہ کسی موسم کی پرواہ نہ کسی نقصان کا خدشہ جو ہوگا دیکھا جائے گا وقت پڑے تو آدمی سوچے وقت

پڑنے سے پہلے سوچنا بے معنی ہے اپنے آپ کو ہلکان کرو جینے کا مزہ بھی ختم ہو جائے گا۔

وہ فقیروں کے ڈیرے کی جانب بڑھ رہی تھی لیکن اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ پیچھے سے آنے والی کار کی رفتار بہت سست ہے وہ وہیں سے پیچھے چلی آ رہی تھی جہاں سے اس نے اپنے دن بھر کی کمائی سمیٹ کر اپنے سفر کا آغاز کیا تھا ہو گا کوئی سر پھرا کمبخت بڑی بڑی جگہوں پر تو دال گلتی نہیں ہو گی میں ایسے ہی تازہ لینا ہو گا مگر کہیں لینے کے دینے پڑ جائیں۔ بھکارن نے چور نگاہوں سے پیچھے آنے والی کار کو دیکھا اور بنگلوں کے سامنے بنی ہوئی فٹ پاتھ کی دوسری جانب اتر کر چلنے لگی۔ فقیروں کی بستی قریب آتی جا رہی تھی بس تھوڑا سا فاصلہ اور طے کر لیا جائے تو مشکل ختم ہو جائے گی لیکن قبرستان کے پاس پہنچتے ہوئے اچانک کار تیزی کے ساتھ آگے بڑھی۔ یہ بہت خوبصورت اور قیمتی کار تھی۔ کار اس کے قریب آ کر رک گئی اور بھکارن کے منہ سے ہلکی سی آواز نکل گئی اس نے سہم کر کار میں جھانکا اور کار کے اندر بیٹھی ہوئی عورت کو دیکھنے لگی آگے کی سیٹ پر ایک چوڑے بدن والا ڈرائیور تھا اور پچھلی سیٹ پر ایک عمر رسیدہ عورت بیٹھی ہوئی تھی جس نے تھوڑا سا کھسک کر کھڑکی کے پاس چہرہ نکالا اور آواز لگا کر بولی:

"اے لڑکی بات سنو۔" چاروں طرف سناٹا تھا قرب و جوار میں کوئی چلتا پھرتا نظر نہیں آ رہا تھا کسے پڑی تھی کہ باہر کا منظر دیکھے بھکارن پہلے تو خوفزدہ ہو گئی تھی لیکن اس نے اس عورت کی شکل دیکھی تو اسے کچھ سہارا ملا اور آہستہ آہستہ کار کے قریب پہنچ گئی۔

"اللہ سلامت رکھے دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو سولاج کرائے اللہ مدینے کی زیارت کرائے لاکھوں دے تجھے تقدیر اچھی کرے......دے اللہ کے نام پر۔" بھکارن نے فوراً ہی اپنا کاروبار شروع کر دیا۔

"خاموش ہو جاؤ' قریب آؤ تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" بھکارن نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور اپنے آپ کو صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیار کرنے لگی۔ اگر اچانک دروازہ کھل جائے اور عورت پکڑ کر اسے اندر گھسیٹ لے تو دقت نہیں ہو گی لیکن اس کے ہاتھ کی پہنچ سے دور رہنا زیادہ مناسب تھا اس نے پھر آواز لگائی:

"بچے جئیں اللہ چاند سا بیٹا دے۔"

"تو سنے گی یا اپنی ہی کہے جائے گی۔ خاموش ہو کر میری بات سن' کیا نام ہے تیرا؟"

"اللہ رکھی بی بی جی۔"

"کہاں رہتی ہے اللہ رکھی؟"

"وہ جی قبرستان کے پاس۔"

"قبرستان کہاں ہے؟"

"وہ ہے نا کیا جی سامنے جانا ہے کیا دے دو اپنا کام کرو ہمیں اپنا کام کرنے دو اگر کچھ دینا ہے تو اللہ کے نام پر دے دو۔"

"مانگنا تیری عادت معلوم ہوتا ہے۔ میں تجھ سے چپ رہنے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ یہ بتا کون کون رہتا ہے تیرے ساتھ؟"

''تم اپنی بتاؤ؟''

''او پاگل تیری شادی ہوگئی ہے کیا؟''

''رشتہ لے کر آئی ہو؟'' بھکارن کافی تیز طرار معلوم ہوتی تھی۔ پھر اس نے کہا:

''دینا ہے تو کچھ دو بی بی اپنے بچوں کا صدقہ اللہ کرے تیرے بچے جئیں۔''

''خدا تجھے سمجھے اری باؤلی مجھے تجھ سے ایک کام ہے اور اس کے بدلے میں تجھے اتنے پیسے دوں گی کہ تو سال بھر میں بھی نہ کما سکے کیا سمجھی۔''

''پر دوگی کب بی بی جی۔''

''ابھی ابھی اسی وقت۔''

''اللہ تمہارا بھلا کرے یہ بتاؤ کام کیا ہے مجھ غریب بھکارن سے......''

''تو یہ بتا تیری شادی ہوگئی؟''

''نا جی نا ماں پیو ہی نہیں ہیں شادی کون کرے گا؟''

''اکیلی رہتی ہے؟''

''ہاں جی ہاں میرے ساتھ۔'' بھکارن نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا عورت کچھ سوچنے لگی پھر اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے آدمی سے کہا:

''کیا کہتے ہو روشن؟''

''جیسا آپ مناسب سمجھیں۔''

''مجھے بات نہیں بتاؤ گی بیگم جی؟''

''یہ دیکھ یہ کتنے نوٹ ہیں۔'' عورت نے اپنے پرس سے سو سو روپے کے کچھ نوٹ نکالے اور اس کے سامنے کر دیئے۔ بھکارن کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

''دیکھا تو نے گڈی ہے پوری کی پوری لے رکھ لے اپنے پاس۔'' بھکارن نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سو سو کے سیدھے بے نشان نوٹوں کو دیکھا اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی اور منہ سے ہلکی ہلکی رال ٹپک رہی تھی پھر اس نے بمشکل تمام خود کو سنبھالا اور بولی:

''مذاق نہ کرو بی بی جی غریب سے۔''

''میں مذاق نہیں کر رہی پہلے تو یہ گڈی اپنے لباس میں رکھ لے اور اس کے بعد میرا کام کر دے۔''

''کام کیا ہے بی بی جی؟'' عورت نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا پھر اس کے بعد دروازہ کھول دیا۔ بھکارن مزید کئی قدم پیچھے

ہٹ گئی تھی۔عورت نے کار کی پچھلی سیٹ سے ایک گٹھڑی سی نکالی اسے بھکارن کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی:

''دیکھ کتنی پیاری بچی ہے گٹھڑی میں۔''

ایک ننھی سی خوبصورت بچی آنکھیں بند کیے ہوئے سو رہی تھی۔بہت خوبصورت بچی تھی بالکل شوکیس میں سجی ہوئی گڑیوں کی مانند۔بھکارن نے حیرت ومسرت سے اس بچی کو دیکھا تو معمر عورت نے کہا:''تجھے یہ بچی اپنے پاس رکھنا ہوگی۔''

''جی......''

''ہاں!نوٹوں کی گڈی جتنی بڑی ہے تو سال بھر میں بھی اتنی دولت نہیں کما سکتی یہ گڈی تو اپنی مرضی سے خرچ کرنا بس اس بچی کا دودھ وغیرہ خرید لینا اس میں سے اس کے لیے تجھے اور بھی پیسے دے سکتی ہوں۔''

''مگر بی بی جی یہ بچی ہے کس کی؟''

''بالکل فکر مت کرو کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے تجھے نقصان اٹھانا پڑے گا یا کوئی تکلیف۔''

''مگر بی بی جی مجھے یہ کب تک رکھنا ہوگی؟''

''زیادہ دن نہیں بعد میں ہم اسے واپس لے لیں گے مگر ایک بات کان کھول کر سن لے لڑکی اس بچی کی حفاظت کرنا ہوگی تجھے اس ڈرائیور کی صورت پہچان لے'یہ کبھی کبھی تجھ سے آکر مل لیا کرے گا اور بچی کی خیریت معلوم کر لیا کرے گا اور سن بچی کو اپنی ہی بچی بنا کر رکھنا تیرے ساتھ رہنے والے تجھ سے پوچھیں گے تو سہی کہ تیرے پاس یہ بچی کہاں سے آگئی کیا تو اس بات کو سنبھال لے گی؟''

''اتنے پیسوں میں تو سب کچھ سنبھال لوں گی بی بی مگر یہ بچی کس کی ہے؟''

''جس کی بھی ہے میں اسے کچھ دن کے لیے اپنے آپ سے الگ رکھنا چاہتی ہوں۔''

''بی بی جی یہ بتا دو کب اسے واپس لو گی؟''

''میں نے کہا نا بس مہینہ پندرہ دن اس سے زیادہ نہیں تجھے اور بھی پیسے دوں گی۔''

''ٹھیک ہے بی بی جی آپ بالکل فکر مت کریں میں ڈیرے والوں سے کہہ دوں گی کہ میری بہن کی بچی ہے وہ مجھے دے گئی ہے اور خود کسی کام سے گئی ہے مگر بی بی جی بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''بے وقوف لڑکی بات سمجھ میں نہ آنے کے ہی تجھے اتنے پیسے دے رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے جی سودا پکا ہو گیا ہم اسے جان سے پیارا رکھیں گے اور بی بی جی تھوڑے سے کھلے ہوئے پیسے اور دے دو۔''

''پیسوں کی تو تو بالکل پرواہ مت کر یہ اور پیسے رکھ لے۔''عورت نے اپنے پرس سے بہت سے نوٹ نکالے اور بھکارن نے مزید منافع سمجھ کر انہیں جلدی سے لیا اور اپنی چولی میں ٹھونس لیا۔

''اللہ زندگی سلامت رکھے بال بچے جئیں جی۔''

"فضول باتیں مت کرو میری تمام باتیں غور سے سن لی ہیں تو نے۔"

"جی بی بی جی۔"

"اور یہ بات سمجھ لے کہ اگر بچی کو کوئی نقصان پہنچایا تو نے یا کسی اور کو اس کے بارے میں بتایا تو پھر تیری زندگی ہی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"مگر لو جی ہم کسی کو کیوں بتانے لگے۔"

"اچھا تو اب میرے ساتھ کار میں بیٹھ رہی ہے یا پیدل جائے گی؟"

"نا جی نا کار میں نہ بیٹھیں گے کار والوں پر ہمیں بھروسہ نہیں ہے تم نے ہمیں یہ لالچ دیا کار میں بٹھالیا اور لے اڑیں پھر کر دیا تم نے ہمارا خانہ خراب تو ہم کیا کریں گے جی۔" عورت آہستہ سے ہنسی پھر بولی:

"نہیں اللہ رکھی تو جس طرح سے میرے کام آ رہی ہے بھلا تیرے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرے گا اچھا تو یوں کر کہ چل پڑ اپنے ڈیرے کی طرف ہم تھوڑی دیر یہاں رکیں گے اور پھر تیرے پیچھے پیچھے آ جاتے ہیں جب تو اپنے ڈیرے میں داخل ہو گی تو میرا ڈرائیور تیرا پیچھا کر کے جھونپڑا دیکھ لے گا یہ بھی میں صرف اس لیے کر رہی ہوں کہ تیرے جھونپڑے کا ہمیں پتا چل جائے اور ہم تیری خبر گیری کرتے رہیں۔"

"ٹھیک ہے بی بی جی چلی آؤ۔" بھکارن نے کہا اور بچی کو گود میں سنبھالے وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے ڈیرے میں داخل ہو گئی تھی گاڑی اس نے دیکھی تھی جو ڈیرے کے قریب آ کر رک گئی تھی پھر ڈرائیور نیچے اترا بھکارن کو اب اطمینان ہو گیا تھا کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہے چنانچہ وہ اپنے ڈیرے پر پہنچ گئی۔ ڈرائیور قریب آیا تو اس نے ایک جھونپڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"وہ ہے میرا جھونپڑا اس میں رہتی ہوں اب تو جا ہم لوگ بھی عزت والے ہوتے ہیں دوسرے تجھے میرے ساتھ دیکھیں گے تو تیری بھی مصیبت آ جائے گی اور میری بھی۔"

"تو اسی پیڑ کے نیچے بیٹھتی ہے نا جہاں سے اٹھ کر آئی ہے۔" بھکارن نے چونک کر اسے دیکھا اور آہستہ سے بولی:

"ہاں بیٹھتی تو وہیں تھی مگر اب بیگم جی نے اتنے پیسے دے دیئے ہیں اب تو میری جوتی بھیک مانگے انہی سے عیش کروں گی کپڑے بناؤں گی اور میں بھی بیگم بن جاؤں گی۔"

"اگر تو نے بیگم صاحبہ کا کام کر دیا اور وہ تجھ سے خوش ہو گئیں تو سمجھ لے کہ ایسی ایسی بہت سی گڈیاں تجھے مل جائیں گی بیگم صاحبہ کے پاس پیسے کی کمی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے جی میں تو جان لگا دوں گی اس بچی کا نام کیا ہے؟"

"کوئی نام نہیں ہے اچھا اب میں چلتا ہوں پھر آؤں گا تیرے پاس۔"

"ٹھیک ہے جی اللہ تیرا بھلا کرے دے دو کچھ اللہ کے نام پر۔" بھکارن نے حسب عادت ہانک لگائی اور ڈرائیور کے ہونٹوں پر

خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی اس کے بعد وہ واپس مڑ گیا بھکاری عجیب سی نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی پھر اس نے بچی کا چہرہ غور سے دیکھا معصوم بچی گہری نیند سو رہی تھی۔ بھکارن نے ایک گہری سانس لی اور پھر جھونپڑے کی جانب چل دی جس طرف اس نے اشارہ کیا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر پہنچ کر وہ رکی۔ ڈرائیور گاڑی کی طرف جا رہا تھا اور پھر اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ بھکارن اسے وہیں کھڑے ہو کر دیکھتی رہی۔ قرب و جوار میں اکا دکا لوگ آ جا رہے تھے یہ سب فقیر ہی تھے لیکن انہوں نے کسی بھکارن کی طرف توجہ نہیں دی جب گاڑی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو بھکارن جھونپڑے میں داخل ہونے کے بجائے ایک سیدھے سے راستے پر چل پڑی۔ فقیروں کے جھونپڑے کے اس طرف اس نے ایک چھوٹا سا میدان عبور کیا۔ یہ میدان سامنے بنگلوں کے پاس جا کر ختم ہو جاتا تھا بھکارن اس میدان کو عبور کر کے اس کے آخری سرے پر پہنچ گئی پھر وہاں سے اس نے ایک اور راستہ اختیار کیا اور بنگلوں کی دوسری طرف چوڑی سڑک کے پاس پہنچی جہاں چھوٹی چھوٹی دو کانیں بنی ہوئی تھیں۔ بھکارن دو کانوں سے آگے ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں ایک مکینک نے موٹر گیراج بنا رکھا تھا۔ اس کے برابر کوڑے کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ یہاں ایک بہت ہی شاندار اور قیمتی کار کھڑی ہوئی تھی۔ بھکارن نے ایک ہاتھ سے بچی کو سنبھالا پھر اپنا تھیلا آگے کیا اور اس میں سے گاڑی کی چابی نکال لی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے گاڑی کے قریب پہنچی اس کے دروازے میں چابی ڈال کر گھمائی اور دروازہ کھول لیا پھر بچی کو آہستہ سے اسٹیرنگ کے پاس سے نکال کر دوسری سمت کی سیٹ پر لٹا دیا بچی تھوڑی سی کلبلائی تھی پھر گہری نیند سو گئی تھی آخر کار بھکارن اسٹیرنگ پر بیٹھ گئی اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اس کے بعد ریورس کر کے اسے سڑک پر لے آئی اور پھر چند لمحوں کے بعد گاڑی برق رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ بھکارن نے جلدی جلدی اپنے بال سنوارے تھے اور ایک چشمہ اٹھا کر آنکھوں پر لگا لیا تھا کہیں باہر سے دیکھے جانے پر اب وہ بھکارن نظر نہیں آ رہی تھی حالانکہ اس کے بدن پر چیتھڑے اب بھی جھول رہے تھے۔

شام آہستہ آہستہ گہری ہوتی جا رہی تھی اور قرب و جوار کی روشنی جل اٹھی تھیں۔ بھکارن ایسی سڑکیں اختیار کر رہی تھی جہاں رش کم ہو بہر حال وہ سفر کرتی رہی اور پھر ایک علاقے میں پہنچ گئی یہاں بلڈنگیں بنی ہوئی تھیں اور فلیٹ نظر آ رہے تھے۔ درمیانے درجے کے خوبصورت فلیٹ تھے۔ ایک جگہ بھکارن نے گاڑی روک دی اور اسے پارک کر کے نیچے اتر آئی پھر بچی کو دوسری سائیڈ سے اٹھا کر گود میں لیا اور وہ دروازہ بھی لاک کر دیا اب اس کے چہرے پر کسی قدر اطمینان کے نقوش پیدا ہوئے تھے وہ بچی کو گود میں لیے عمارت میں داخل ہو گئی چوڑی سیڑھیوں سے اوپر جاتے ہوئے اس نے ایک دو بار بچی کو دیکھا تھا آخر کار وہ ایک فلیٹ کے دروازے پر رک گئی اور اس نے بیل بجائی کچھ لمحوں کے بعد ایک عمر رسیدہ عورت نے دروازہ کھولا اور بھکارن کو دیکھ کر مسکرا دی۔

”فوزیہ ہے۔“ بھکارن نے پوچھا۔

”ہاں بی بی کیوں نہیں آیئے۔“ ملازمہ نے کہا اور بھکارن اندر داخل ہو گئی جس لڑکی کا نام فوزیہ لیا گیا تھا وہ باہر کی آواز سن کر باہر نکل آئی تھی دبلے پتلے قد و قامت کی ایک خوبصورت لڑکی جس کے چہرے سے سخت گیری عیاں تھی اور جس کے نقوش بڑی چنگی لیے ہوئے تھے اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے بھکارن کو دیکھا اور گہری سانس لے کر بولی:

"جی! آیئے اندر تشریف لے آیئے اور یہ آپ کی گود میں کیا ہے؟"

"بریانی کی دیگ ہے سمجھ گئی آج جمعرات کا دن ہے لوگ ذرا فیاضی سے کام لیتے ہیں ارے...... یہ...... یہ......" یہ دفعتاً ہی آنے والی لڑکی کو ایک ننھا سا خوبصورت ہاتھ نظر آیا تھا اور اس کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ وہ تیزی سے بھکارن کی جانب لپکی اور پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی پھر اس نے بھکارن کے چہرے کو دیکھا اور حیرت سے بولی:

"خدا کی پناہ! کیا اب لوگ اس قدر فراخ دل ہو گئے ہیں کہ بھیک میں اپنے بچے دے دیا کرتے ہیں۔"

"اب بکواس کرو گی ذرا میرا حلیہ دیکھو کیا ہو رہا ہے؟"

"لاؤ تو سہی ذرا اسے دو تو سہی میری گود میں ہائے کیا ہے یہ کتنی خوبصورت بچی ہے ارے کمبخت کہاں سے اٹھا لائی۔ یہ پاگلوں کا خاندان کا خاندان ہے پورا۔"

"بکواس بند کرو۔" بھکارن نے کہا اور آگے بڑھ گئی وہ ایک خوبصورت سی خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ فوزیہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہی آ رہی تھی۔ بھکارن بولی:

"کپڑے کہاں ہیں میرے یار میرا حلیہ تو دیکھو خدا کی پناہ۔"

"باتھ روم میں ہیں مری کیوں جا رہی ہو پورا دن اس حلیے میں گزار لیا اور اب ڈرامہ کر رہی ہو پہلے مجھے اس کے بارے میں بتاؤ نہیں جانے دوں گی باتھ روم۔"

"تمہیں خدا کا واسطہ فوزیہ میری حالت خراب ہو رہی ہے۔ گرد مٹی تیز ہوائیں پسینہ ارے باپ رے باپ توبہ توبہ۔"

"کیوں بس اوقات سامنے آ گئی۔" فوزیہ نے کہا لیکن بھکارن باتھ روم میں داخل ہو گئی اور تھوڑی دیر کے بعد خوبصورت لباس میں ملبوس باہر نکلی تو اس کا حلیہ ہی بدل چکا تھا۔ دودھ جیسا سفید چہرہ، روشن آنکھیں سبک نقوش بھیگے ہوئے بالوں سے ابھی پانی کے ہلکے ہلکے قطرے ٹپک رہے تھے اور وہ انہیں تولیے سے خشک کرتی ہوئی باہر آ رہی تھی۔

"خدا کی قسم زندگی کے کتنے رخ ہیں انسان اگر اس طرح اس کا تجربہ کرلے تو ولی ہو جائے۔ دینے والا کچھ لوگوں کو زندگی کی اتنی خوشیاں دے دیتا ہے کہ وہ کبھی اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے لوگوں پر توجہ ہی نہیں دیتے ہاں اگر انہیں چند روز ان جیسی زندگی گزارنے کو مل جائے تب ان کے دل میں خدا جاگتا ہے۔ توبہ...... توبہ...... توبہ......" خوبصورت لڑکی کہہ رہی تھی اور ادھر فوزیہ اس بچی کو دیکھے جا رہی تھی جس نے ایک لمحے کے اندر اندر اس کا دل مٹھی میں لے لیا تھا۔

"یار ناہید پلیز پہلے مجھے اس بچی کے بارے میں بتا دے تو تو پاگل ہے۔ بہت اچھی طرح تیری دیوانگی کو جانتی ہوں۔ کسی دن مجھے بھی مصیبت میں گرفتار کر دے گی جانے دو یار اپنی سالا زندگی کو دوسرے رنگ میں دیکھتا ہے اپنی حالات سے مقابلہ کرنا جانتا ہے میں ابھی تم میرے کو ایسا بات مت بولو میں کہتی ہوں یہ بچی ہے کون جواب دے۔" فوزیہ غرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''بڑی پراسرار اور عجیب کہانی ہے اس کی سچ جانو میں تم سے مذاق نہیں کر رہی مگر یہ سو کیوں رہی ہے جاگے گی تو اس کی آنکھیں کتنی خوبصورت لگیں گی۔'' ناہید نے کہا۔

''نہیں بالکل ٹھیک ہے۔ بس گہری نیند سونے کی عادی معلوم ہوتی ہے چلو خیر اب بتاؤ یار بتادو۔''

''بتا رہی ہوں بابا ذرا کچھ چائے شائے کا بندوبست ہو جائے۔''

''چائے بن گئی ہے بابا آ رہی ہے اب تو ذرا پلیز مجھے اس بچی کے احوال سنا دے۔''

''کتنی خوبصورت ہے تو نے غور سے اسے دیکھا فوزیہ۔''

''ہاں دیکھا ہے۔''

''چلو اسے لٹا دو ایک جگہ۔'' انہوں نے بچی کا خوبصورت لباس دیکھا جو کافی قیمتی تھا اس کے خدوخال اور نقوش ایک عجیب سی جاذبیت لیے ہوئے تھے چہرے کی گلابی رنگت میں ہلکا سا سنہرا پن تھا بال گھنگھریالے اور بالکل سونے کے بنے معلوم ہوتے تھے' آنکھیں بہت خوبصورت تھیں بند ہونے کے باوجود یہ احساس دلا رہی تھیں کہ جب وہ کھلیں گی تو قیامت برپا ہو جائے گی ہاتھ پاؤں ایک دلکش اور دل موہ لینے والی حیثیت رکھتے تھے۔

''ہائے خدا تجھے غارت کردے ناہید زبان بند کیے بیٹھی ہے بتا نہیں رہی کہ کیا قصہ ہے؟''

''یار بڑا عجیب قصہ ہے تو سوچ بھی نہیں سکتی۔'' ناہید نے کہا۔

''بتائے گی نہیں تو جانتی ہے آج کل میں کیا کر رہی ہوں؟''

''ہاں بزمی صاحب کہہ رہے تھے کہ یہ لڑکی کہیں کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے ایک گندے سے علاقے میں بھکارن بنی بھیک مانگ رہی ہے ارب باپ رے باپ بزمی صاحب نے مجھے دیکھا تھا وہاں وہ بہت فکرمند رہتے ہیں تمہارے لیے بالکل اپنی بیٹیوں کی طرح سمجھتے ہیں تمہیں۔''

''خیر تقدیر نے مجھ سے بہت کچھ چھینا لیکن بہت کچھ دے بھی دیا ہے میں اس کی شکر گزار ہوں فوزیہ جیسی پیار کرنے والی بہن بزمی صاحب جیسے پیار کرنے والے مالک اور کیا چاہئے زندگی میں ہر طرح سے میرا خیال کرتے ہیں۔''

''پھر ادھر ادھر لے دوڑی۔''

''اب میں بتا تو رہی ہوں میں بھکارن کی حیثیت سے اپنی معلومات حاصل کر رہی تھی جب شام کے جھٹپٹوں میں بھیک مانگنے کے بعد اپنی جگہ چھوڑ کر آگے بڑھی تو ایک شاندار کار میرے پیچھے لگ گئی اور ایک ایسی سنسان جگہ میرے قریب آ کر رک گئی جہاں آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔'' ناہید نے ساری تفصیلات اسے بتائیں اور فوزیہ اسے غصے بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''پھر کہانی...... پھر کہانی...... اب تو یہ کہے گی کہ تو بالکل سچ بول رہی ہے۔''

"بک بک مت کرو۔" ناہید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یار ایسی پراسرار کہانیاں میں خود نے بہت سنی اور لکھی ہیں دیکھو خدا کی قسم مجھے سب کچھ بتا دے۔"

"محترمہ کرائم رپورٹر صاحبہ میرے سامنے ذرا ہوش و حواس قائم رکھ کر گفتگو کیا کریں۔ میں الٹے دماغ کی لڑکی ہوں اگر کوئی میرے سچ کو جھوٹ سمجھتا ہے تو خونخوار بھی ہو جاتی ہوں کیا تمہیں اپنا یہ چہرہ عزیز نہیں ہے۔" ناہید غرا کر بولی۔

"یار سچ کہہ رہی تو......"

"ایک ایک لفظ سچ ہے اس کہانی کا اور اب یہ بات بالکل مت کہنا کہ کیا میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"کیا عجیب سی بات نہیں ہے؟"

"سب سے عجیب بات یہ ہے کہ چائے نہیں آئی۔"

"آ گئی بیٹی آ گئی۔" ملازمہ کی آواز ابھری چائے کے ساتھ اور بھی بہت کچھ تھا۔

"بس خالہ جی اللہ تعالیٰ چاہے یہ پوری دنیا ختم کر دے صرف مجھے اور آپ کو زندہ رکھے باقی ہمیں اور کیا چاہئے۔" ملازمہ مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔

فوزیہ نے کہا: "یار ایک بات اور سن اگر یہ سب کچھ درست ہے تو کیا یہ خطرناک اور سنسنی خیز واقعہ نہیں ہے مجھے تو اس پر غور کرنے کا ابھی تک موقع ہی نہیں ملا۔ دیکھ کوئی بہت بڑی گڑبڑ لگ رہی ہے بلاوجہ تو یہ سب کچھ نہیں ہوا وہ رقم کہاں ہے؟"

"ہاں مجھے پتا ہے تو حصہ مانگے گی اس میں سے یہ لے یہ رکھی ہے میرا خیال ہے اس گڈی میں دس ہزار اور دو ڈھائی ہزار یہ الگ سے بٹور لیے میں نے یار بارہ ساڑھے بارہ ہزار کی آمدنی ہوگی اور فیچر میں کیا ہم اس رقم کا تذکرہ کریں گے ضرور کریں گے فالتو باتیں مت کر مگر تو اس فیچر کو فوری طور پر پلیس کرے گی۔"

"تو اور کیا ایک ایسا پراسرار اور انوکھا تجربہ ہے اس کے علاوہ بچی کی تصویر پر بھی اخبار میں شائع کرائیں گے بہت ساری باتیں سوچی جا سکتی ہیں بچی کو کہیں کسی اونچی جگہ سے اغوا ہی کیا جا سکتا ہے ویسے میں تجھے ایک بات بتاؤں گاڑی تو بہت شاندار تھی وہ...... ہائے میں مر جاؤں......" اچانک ہی ناہید نے کہا۔

"نہیں نہیں ابھی تھوڑے دن تک زندہ رہو ابھی تو تجھے میرا بہت سا قرض ادا کرنا ہے۔" فوزیہ نے کہا۔

"ہاں یار خدا کی قسم لعنت ہے میری شکل پر۔"

"وہ تو ہے اس میں شک کی بات ہے۔"

"یار مجھے اس کار کا نمبر نوٹ کرنا چاہئے تھا۔"

"نہیں کیا؟" فوزیہ چونک کر بولی۔

''تمہیں کیا خیال ہی نہیں آیا تھا ذہن اس معاملے میں الجھ گیا تھا۔'' ناہید نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

''خیر یہ بہت بڑی بے وقوفی ہے میں سمجھتی ہوں تمہاری تربیت میں ابھی یہی کمی باقی رہ گئی ہے۔''

''اور میں مانتی ہوں واقعی۔''

''خیر ہم یہ کہہ رہے تھے کہ یہ کوئی اغوا شدہ بچی بھی ہو سکتی ہے' اغوا برائے تاوان لوگ مجرمانہ کاروائیاں کرنے میں اتنے ماہر ہو گئے ہیں کہ ایک سے ایک شاندار طریقہ اختیار کرتے ہیں اگر کسی دولت مند آدمی کی بچی کو اغوا کر کے اپنے پاس رکھنا ممکن نہ ہو تو اس کے لیے یہ کاروائی بھی کی جا سکتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ انہیں تیرے بھکارن ہونے پر شک ہوگا وہ تیرا ڈیرہ دیکھ آئے ہیں اور تجھے وہیں تلاش کریں گے اور یہ ہو سکتا ہے کہ یہ بچی واقعی کسی بے حد دولت مند شخص کی بچی ہو اور اس عورت نے اسے اغوا کر لیا ہو ویسے وہ عورت تیرا خیال ہے کیا اس بچی کی ماں محسوس ہوتی تھی۔''

''بالکل نہیں اچھی خاصی عمر تھی اس کی اور اس عمر میں......'' ناہید نے شرما کر دانتوں میں انگلی دبا لی اور فوزیہ اسے تشویش بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

فوزیہ کچھ دیر ناہید کے بولنے کا انتظار کرتی رہی' پھر جھلا کر بولی۔

''اب کچھ بھونکے گی بھی' یا یونہی اداکاری کرتی رہے گی۔''

''یار جس عمر کی وہ عورت تھی اس عمر میں بچے پیدا کرنا تو بڑا مشکل کام ہے۔''

''بکواس مت کر وہ عورت اس دولت مند آدمی کی شناسا بھی ہو سکتی ہے کوئی ایسی قریبی شناسا جس پر شک نہ کیا جا سکے اور اب وہ وہاں کی کارروائیاں بھی دیکھے گی اور اگر وہ لوگ مطلوبہ دولت ادا کرنے پر تیار ہو گئے تو وہ فقیروں کے ڈیرے سے اس بچی کو تلاش کرنے کے لیے تیرے پاس آنے کی کوشش کریں گے' یار مجھے تو یہی لگ رہا ہے۔''

''چلو ایسا ہے بھی تو کیا فرق پڑتا ہے' کل کے اخبارات میں اس کے بارے میں اغوا کی خبر شائع ہو جائے گی' پتا بھی لکھا جائے گا ہم رابطہ کر لیں گے۔ کون سا مشکل کام ہے۔''

''ناہید خدا تجھے ہر مشکل سے محفوظ رکھے۔ چل اب چھوڑ فیچر تیار کرتے ہیں۔''

''میں پوری تفصیل لکھوں گی۔''

''ہاں کیوں نہیں' بہرحال ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ وہ لوگ تیرے دشمن ہو جائیں گے۔''

''چھوڑو بابا چھوڑو اپن نے آج تک دشمن کی پرواہ نہیں کی ہے دیکھ لیں گے اگر کوئی دشمن ہو گیا تو......''

''بہرحال کچھ نہ کچھ غور کرنا ہی پڑے گا۔'' فوزیہ نے کسی قدر الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

چائے کے بعد ناہید فیچر لکھنے بیٹھ گئی اور فوزیہ بچی میں کھو گئی تھی جو اب جاگ گئی تھی۔ اتنی حسین اتنی پیاری کہ بس جان جائے۔ فوزیہ دل میں سوچ رہی تھی کہ اس بچی کو واپس بھی کرنا پڑے گا۔ اتنا اسے دل سے لگانا مناسب نہیں ہے۔ فیچر تیار کرنے کے بعد ناہید فوزیہ کے پاس آگئی اور اسے اپنا فیچر پڑھانے لگی پھر اس نے فوزیہ کو دیکھا اور بولی۔

''یار تو شادی کر لے وہ تیرے دفتر میں ایک بونگڑہ ہے نا کیا نام ہے اس کا شاید قاسم۔''

''تو کیوں بکواس کرتی ہے۔ تو خود کر لے اس سے شادی۔''

''ہائے قسم خدا کی تیری طرف وہ ایسی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے اسے روپے بارہ آنے دے دوں۔''

''کیا مطلب۔'' فوزیہ ہنس پڑی۔

''بس کچھ عجیب سی شکل ہے اس کی مگر وہ تجھ سے محبت کرتا ہے میں صرف اس لیے کہہ رہی تھی کہ اگر بچوں سے تجھے اتنا ہی لگاؤ ہے تو پھر شادی کر لے اس بے چارے سے اس کا بھی بھلا تیرا بھی بھلا۔''

''یار دیکھو ناہید مذاق تھوڑا سا کم از کم ایسا تو ہو کہ بندے کے دل کو لگے۔''

''دل کی لگی تو تیری نظر میں آ رہی ہے میرے...... دیکھ میں نے یہ فیچر تیار کر لیا ہے۔'' ناہید نے کہا اور اپنی لکھی ہوئی رپورٹ پڑھ کر سنانے لگی جو فقیروں کی زندگی کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے کی رپورٹ تھی یہ ناہید ہی کا دل جگر تھا کہ وہ اس طرح کے کام با آسانی کر لیا کرتی تھی۔

درمیانے سے گھر کی ایک لڑکی تھی' ماں باپ ایک حادثے میں مر گئے تھے۔ اکلوتی بیٹی تھی۔ درمیانے سے درجے کے لوگ تھے کوئی دولت پاس نہیں تھی' بے حد خوب صورت تھی جوان ہو چکی تھی اور گریجویشن کر چکی تھی' مشکل حالات پیدا ہوئے تو نوکری کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی اور یہاں فرشتہ صفت بزمی صاحب مل گئے۔ انسان کی خوب صورتی بہرحال مدمقابل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ بزمی صاحب کے دل میں سو فیصدی بزرگی تھی اور انہوں نے اسی بزرگی کے ناطے جب ناہید نے کہا۔

''سر میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے' آپ یوں سمجھ لیجیے کہ اگر مجھے کہیں سے کوئی سہارا نہ ملا تو پتا نہیں بھٹک کر کہاں سے کہاں جا پہنچوں' تجربہ بھی کچھ نہیں ہے دنیا کے بارے میں آپ مجھے ملازم رکھ لیجیے صرف اتنے پیسے دے دیجیے کہ اپنا گزارا کر لوں' رہنے کا ٹھکانہ بھی نہیں ہے گھر کرائے کا تھا۔ بولیں کیا کہتے ہیں۔'' کچھ ایسا بے ساختگی کا انداز تھا اور کچھ ایسا تھا بچپن اس آواز اور چہرے کے اس تاثر میں کہ بزمی صاحب پانی پانی ہو کر رہ گئے۔ سر پر ہاتھ رکھا اور بولے۔

''بیٹی کل سے آ جاؤ۔'' بزمی صاحب ہی نے ناہید کو فوزیہ کے گھر میں رہنے کی ہدایت کی تھی اور فوزیہ نے بھی اس پیاری سی لڑکی کو گلے لگا لیا تھا۔ بزمی صاحب نے فوزیہ ہی کو ہدایت کی کہ اسے پریس رپورٹنگ سکھائی جائے۔ اخبار کے لیے کام کرے گی لیکن ناہید نے

ایسے پر پرزے نکالے کہ بزمی صاحب کے دل میں بس کر رہ گئی۔ وہ انتہائی نڈر اور بے باک لڑکی تھی۔ خطرات میں اس طرح کود پڑتی تھی کہ انسان سوچ بھی نہ سکے۔ ایسے ایسے خطرناک کام سرانجام دے ڈالے تھے کہ بزمی صاحب دنگ رہ گئے تھے۔ بہر حال پھر اسے دفتر سے مراعات ملنا شروع ہو گئیں۔ اخبار بہت اچھی طرح چل رہا تھا' بہت سا اسٹاف تھا اس کا لیکن ناہید کی بات ہی اور تھی۔ بزمی صاحب اکثر اسے اپنی کار دے دیا کرتے تھے۔ ناہید کا کہنا تھا کہ اگر کسی خاص طبقے کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہے تو پھر اس میں داخل ہو کر کام کیا جائے اور ایک بار ناہید نے ایک ایسا عمل کر ڈالا تھا کہ بزمی صاحب تو اس کے گرویدہ ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ چوروں کی ایک بستی میں جا گھسی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ ایک گھر میں چوری کی تھی اس نے اور وہاں سے بھاگی تھی اور پولیس کو اپنے پیچھے لگا لیا تھا' کچھ چوروں ہی نے اس کی مدد کی اور اسے چھپا لیا۔ ایک لمبی کہانی تھی ایک شاطر چور نے اسے سامان سمیت اپنے ہاں منتقل کر لیا اور دو دن تک چھپائے رکھا۔ چونکہ خوب صورت لڑکی تھی اور چور ایک نوجوان آدمی' چنانچہ اس نے باقاعدہ ناہید سے اظہار عشق کر دیا اور ناہید نے کہا کہ وہ سوچ کر بتائے گی۔ پھر تقریباً چودہ دن وہ اس چور اور اس گروہ کے ساتھ رہی اور چوروں کے بارے میں مکمل تفصیلات معلوم کرتی رہی اور اس کے بعد اس نے فیچر لکھ کر اخبار کو دے دیا اور خود روپوش ہو گئی۔ چوروں کا وہ پورا گروہ اس کی وجہ سے پکڑا گیا تھا اور محکمہ پولیس نے بزمی صاحب کو دلی مبارک باد دی تھی اور اس پریس رپورٹر کا دلی شکریہ ادا کیا تھا۔ جس نے چوروں کے درمیان رہ کر چوروں کی تمام مصروفیات کے بارے میں ایک تفصیلی فیچر لکھا تھا۔ اس کے بعد تو بزمی صاحب کو جب بھی کسی خاص شعبے میں معلومات کی ضرورت ہوتی ناہید اس کے سلسلے میں اپنے آپ کو پیش کر دیتی۔ اب پچھلے کچھ دنوں سے وہ فقیروں کے بارے میں معلومات حاصل کر رہی تھی اور کافی معلومات حاصل کر چکی تھی۔ اس نے اس وقت جو فیچر تیار کیا تھا وہ انہی معلومات پر مبنی تھا۔

بہر حال فوزیہ نے اس کے فیچر کو بہت پسند کیا اور کہا۔

"بزمی صاحب کو ٹیلی فون پر بتا دیتے ہیں اور ملاقات کا وقت لے لیتے ہیں۔ تھوڑا سا ان سے مشورہ بھی ضروری ہے۔"

"او کے او کے۔" اور فوزیہ بزمی صاحب کا نمبر ڈائل کرنے لگی لیکن ایک دوسری اطلاع ان کی منتظر تھی وہ یہ کہ بزمی صاحب آؤٹ آف سٹی تھے اور غالباً دو دن کے بعد ان کی واپسی تھی۔

"یار اب کیا کریں۔ بچی کو اتنی دیر اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکتے' بہر حال کسی کی بچی ہے اسے کم از کم پولیس کے حوالے تو کرنا ضروری ہوگا۔ میں چاہتی تھی اس سے پہلے ہی یہ فیچر شائع ہو جائے اور پولیس خود بزمی صاحب سے رجوع کرے۔"

"تو پھر ایسا ہی کریں گے۔ فیچر شہاب صاحب کو دے دیتے ہیں اور یہ بات تو تم جانتی ہی ہو کہ میرے لکھے ہوئے فیچر کو کوئی بھی رد نہیں کر سکتا بلکہ شہاب صاحب نے اس کے لیے جگہ رکھی ہوئی ہے۔"

"میں بات کرتی ہوں۔" فوزیہ نے کہا۔

شہاب صاحب سب ایڈیٹر تھے اور بزمی صاحب کے دست راست تھے۔ ناہید کے بارے میں انہیں یہ معلوم تھا کہ آج کل

فقیروں پر کام کر رہی ہے۔ جب ان سے بات کی گئی تو انہوں نے کہا کہ فوراً فیچر حوالے کر دیا جائے۔ وہ بندہ بھیج رہے ہیں اور یہ خوفناک فیچر اخبارات تک پہنچ گیا۔

☆......☆......☆

قادر بخش زبان کا پکا تھا۔ بڑی ذمے داری کے ساتھ وہ لیمپوآن کے پاس پہنچ گیا تھا اور لیمپوآن نے اسے شہروز کے حوالے کر دیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قادر بخش کیچڑ کا پھول تھا' جسمانی طور پر وہ کسی دیو سے کم نہیں تھا۔ شہروز نے اس کے لیے کئی لباس سلوائے تھے جو اس کی شخصیت کو نمایاں کرتے تھے۔ طاقت میں وہ بے پناہ تھا' لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں موڑ سکتا تھا۔ بہت وزن اٹھا سکتا تھا اور پھر یہاں جس طرح لیمپوآن نے اس کے لیے کام شروع کیا تھا وہ تو قادر بخش کے لیے بہت ہی شاندار تھا۔ وہ کہتا تھا۔

''اڑے ماں کسم...... میرے کو اگر بچپن سے پیٹ بھر کر روٹی مل جاتا تو ابھی میں بہت کچھ ہوتا اور کسی بھی طرح سے کم نہیں ہوتا۔'' اسے اپنی طاقت پر بہت ناز تھا لیکن یہ کہانی اس دن ختم ہو گئی جب اسے پہلی بار شہروز کے سامنے آنا پڑا۔ لیمپوآن اور کائی شی بھی موجود تھے۔ لیمپوآن نے کہا۔

''تم ہمارے گروپ کے پہلے ممبر ہو' تمہیں جو تربیت دی جا رہی ہے اسی کے تحت تمہیں کام کرنا ہے۔''

''اڑے بابا چیکو میکو ابھی اپن سب کام کرے گا جو تمہارا کھوپڑی میں آئے' میرے کو بتاؤ۔''

''دیکھو تمہیں فائٹ بھی کرنا پڑے گی۔'' اس بات پر قادر بخش کے دانت نکل آئے۔ وہ بولا۔

''خدا کا کسم بابا ابھی چار آدمی کا گردن مروڑ کر پھینک دیں گا۔ میرے کو اشارہ کرو' چار آدمی کو تم میرے پر چھوڑ دو ان کو بولو کہ وہ میرا پٹائی کریں' اگر چاروں کو لمبا نہ کر دیا تو اپن کا نام قادر بخش نہیں۔''

''نہیں قادر بخش اپنے آپ پر اتنا بھروسا کرنا اچھی بات نہیں ہے' یہ تمہیں میرا پہلا سبق ہے۔ تم بے شک جسمانی طور پر بہت طاقتور ہو لیکن عقل کی طاقت ایک الگ چیز ہوتی ہے۔ ایک دبلا پتلا آدمی تمہاری وہ ٹھکائی کر سکتا ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔'' جواب میں پھر قادر بخش کے دانت نکل آئے۔

''دیکھو چیکو میکو اپن کو ایسا چیلنج مت دو' ابھی میں تمہارے کو جو بولا میرے پر غور کرو۔ ایسا کرو ٹرائی مار لو اگر کوئی بندہ تمہارے پاس ہے تو مجھے بتاؤ۔''

''سوچ لو بعد میں یہ مت کہنا کہ میرے ساتھ دھوکا ہو گیا۔'' جواب میں قادر بخش نے صرف ہنسنے پر اکتفا کی اور لیمپوآن نے شہروز کو اشارہ کر دیا۔ شہروز مارشل آرٹس کا لباس پہن کر جب قادر بخش کے سامنے آیا تو واقعی قادر بخش اس کے سامنے ایک دیو کی طرح لگ رہا تھا۔ وہ ہنس کر بولا۔

''یار شہروز بھائی اپن کو تمہارے اوپر ہاتھ اٹھاتے ہوئے اچھا نہیں لگے گا۔ پر چیکو میکو بولتا ہے کہ اپن اپنی طاقت کا نمونہ دکھائے

تو آپ صرف ایسا کرو اپن کو مارو اپن آپ کو بتائے گا کہ قادر بخش کیا چیز ہے۔" اس سے پہلے کہ شہروز کچھ بولتا' کائی شی کہنے لگی۔

"ٹھیک ہے قادر بخش لیکن ایک شرط ہے جب مقابلے پر دو افراد آتے ہیں تو پھر کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہوتی' تمہارے اگر کوئی چوٹ لگ جائے تو نہ تو تم غصے میں آؤ گے نہ شکایت کرو گے۔"

"ابھی ٹھیک ہے جیسا آپ بولو اماں جی' اپن راضی ہے۔"

لیمپو آن نے شہروز کو اشارہ کیا اور شہروز گردن خم کر کے آگے جھک آیا۔ پھر اس نے دو تین پینترے بدلے۔ قادر بخش اس طرح کھڑا ہوا تھا جیسے شہروز کی ان حرکتوں کو مذاق اڑانے والی نگاہوں سے دیکھ رہا ہو۔ شہروز بھی اس پر کوئی ایسی ضرب نہیں لگانا چاہتا تھا جو قادر بخش کو تکلیف پہنچائے' چنانچہ اس نے اس کے گھٹنوں کے جوڑ پر جوجسٹو کا ایک داؤ مارا اور قادر بخش کے دونوں پاؤں زمین سے اکھڑ گئے۔ وہ دھڑ سے چت زمین پر گرا لیکن جتنی پھرتی سے وہ دوبارہ اٹھ کر کھڑا ہوا تھا وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ البتہ اس کے چہرے پر حیرت تھی' اس نے آگے بڑھ کر سر کی ایک ٹکر شہروز کے سینے پر رسید کرنا چاہی لیکن شہروز نے اس کے سر کو بغل میں دبا لیا اور قادر بخش دونوں ہاتھوں سے شہروز کو ڈھکیلنے لگا لیکن اس وقت لیمپو آن اور کائی شی کے حلق سے بھی تحسین آمیز آوازیں نکل گئیں' جب قادر بخش اپنی پوری قوت صرف کرنے کے باوجود شہروز کے پاؤں زمین سے نہ ہٹا سکا۔ شہروز پتھر کے ستون کی طرح قادر بخش کی گردن بغل میں دبائے اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ جبکہ قادر بخش کے پورے بدن کا زور شہروز کو رگیدنے میں لگا ہوا تھا اور پھر اس کے پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ سر پر گرفت بھی کافی سخت تھی جس سے اس کا سر چکرا رہا تھا۔ چند لمحات کے بعد شہروز نے اسے پیچھے دھکیل دیا اور اس کا سر چھوڑ دیا۔ قادر بخش اپنے دونوں ہاتھ سر پر مار رہا تھا۔ اس کے بعد ایک بار پھر اس نے اسی طرح جھک کر اڑنے بھینسے جیسی ٹکر شہروز کے سینے پر مارنے کی کوشش کی۔ قادر بخش کا سر اس قدر طاقت ور تھا کہ لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ سر کی ٹکر سے دیواریں ہلا دیتا ہے۔ شہروز نے یہ ٹکر اپنے سینے پر تو ابھی تک برداشت نہیں کی تھی لیکن اس بار اس نے زمین پر بیٹھ کر دونوں پاؤں سیدھے کیے اور فوراً ہی پلٹی کھا کر قادر بخش کی بغل میں ہاتھ ڈال کر اسے اوندھے منہ زمین پر گرنے سے روک لیا لیکن اس کے ہاتھ قادر بخش کی گردن پر جم گئے تھے۔ قادر بخش کو خود بھی احساس تھا کہ اگر وہ اس اوندھے منہ زمین پر گرتا تو بھیجا ہل جاتا لیکن پھر بھی اس نے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ یہ الگ بات ہے کہ شہروز نے اپنی بے پناہ قوت سے قادر بخش کو بالکل زچ کر کے رکھ دیا۔ تھوڑی دیر تک قادر بخش ہی کوشش کرتا رہا اور جب وہ ڈھیلا پڑنے لگا تو شہروز نے اسے چھوڑ دیا۔ قادر بخش چت لیٹ کر شہروز کو گھورنے لگا پھر اس کے حلق سے آواز نکلی۔

"ماں کسم ڑے تم آدمی ہے یا جنجال پورہ۔"

"اٹھو...... اٹھو...... اٹھ جاؤ۔ پھر مجھ پر حملہ کرو۔"

"اڑے یار تم نے کھوپڑی گھما دیا اپن کا' ابھی کیا حملہ کرے...... او بابا چیکو میکو یہ کیا چیز پکڑا ہوا ہے تام نے۔"

"قادر بخش دیکھو اچھا انسان وہی ہوتا ہے جو اپنی شکست کو تسلیم کرے۔"

''اڑے بابا تسلیم تسلیم ابھی اپن کب بولتا ہے' یار خدا کسم میرے کو بڑا حیرت ہوا ہے' تمہارا بوتھی پر قادر بخش ابھی یار تم اپنے آپ کو کچھ نہ بولنا۔''

''نہیں قادر بخش تمہیں اپنے آپ کو بہت کچھ بولنا ہے۔ کیا سمجھے۔''

''اڑے چھوڑو بابا ابھی کدھر کا بات کرتا ہے تم۔''

''قادر بخش تم ہمارے ساتھی ہو ہمارے گروپ کے ایک اہم ممبر ہو' ایسا مت کہو۔''

''پر باپ میرے کو بتاؤ یہ سب ہے کیا۔''

☆......☆......☆

''میں نے تم سے کہا نا ہم ایک ایسا گروپ بنا رہے ہیں جس کا نام ہوگا کارواں گروپ۔ کارواں گروپ ایسے لوگوں کی مدد کرے گا جو کسی مشکل میں پھنسے ہوئے ہوں اور ان کی فریاد سننے والا کوئی نہ ہو۔ ہم اس گروپ کے اخراجات ایسے دولت مند لوگوں سے وصول کریں گے جن کی پاس بے پناہ دولت ہے اور یہ دولت ناجائز طریقوں سے ان تک آئی ہے۔ کیا سمجھے' بات اصل میں یہ ہے کہ ہمیں اس طرح سے اپنا کام نکالنا ہے کہ قانون کی بڑائی بھی متاثر نہ ہو اور ان لوگوں کو سزائیں بھی ملیں جو اپنے آپ کو بہت بلندیوں پر سمجھتے ہیں تم ہمارے ایک ساتھی ہو گے۔''

قادر بخش کا چہرہ پر جوش نظر آنے لگا' وہ جلدی سے بولا۔

''اڑے ماں کسم ایسا پہلے کاہے کو نہیں بولا۔ ٹھیک ہے چیکو میکو صاب اپن تیار ہے۔ آپ جیسا حکم کرو گے۔''

''بس تو تمہیں شہروز سے مارشل آرٹس کی تربیت لینی ہے۔ ہمیں ابھی کارواں گروپ میں دوسرے لوگوں کو بھی شامل کرنا ہے' ہم کام کے لوگوں کی تلاش میں ہیں۔''

''بابا ٹھیک ہے...... بالکل ٹھیک ہے۔ اپن کارواں گروپ کا ممبر۔ شہروز بھائی ہاتھ ملاؤ میرے سے' ویسے خدا کسم اپن تیرے کو مان گیا' ابھی اپن تمہارے کو استاد جی بولے گا۔'' شہروز ہنسنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

کار واپس چل پڑی۔ عمر رسیدہ عورت خاموشی سے پچھلی سیٹ پر گردن ٹکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ کار کی رفتار مناسب تھی کچھ لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

''کیا کہتے ہو اس بارے میں تم۔'' عورت نے یہ لفظ ڈرائیور کو مخاطب کر کے کہے تھے۔

''میڈم آپ نے کمال کا فیصلہ کیا ہے لیکن بہت بڑا رسک ہے' کیا وہ بھکارن لڑکی اسے سنبھال کر رکھ سکتی ہے۔''

''اتنا ہی بڑا رسک بنا لینا تھا ورنہ اور کیا کر سکتے تھے ہم' مصیبت تو ہم پر اچانک ہی پڑی ہے۔ اصل میں ابتداء ہی غلط ہو گئی۔ ہم

شروع ہی سے کوئی اور جگہ منتخب کر لیتے کوئی فلیٹ وغیرہ کرائے پر لے لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ یہی بات نہیں سوچی گئی تھی اور یہی نقصان دے گئی جو ذمہ داری ہمارے سپرد کی گئی ہے اس کی کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا چنانچہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا لیکن تم پریشان کیوں ہو۔ میرے خیال میں تو کوئی تصور بھی نہیں کر سکے گا کہ بچی کسی ایسی جگہ پہنچ گئی ہوگی۔ آہ میں کتنی پریشان ہوں تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مجھے جو ذمہ داری سونپی گئی ہے میرا دل کہتا ہے کہ میں اسے پورا کروں' لیکن مجھے خوف ہے' بہت زیادہ خوف ہے۔''

''ہمیں بڑی احتیاط سے ہر کام کرنا ہوگا۔''

''ویسے تمہارا کیا خیال ہے وہ بھکارن اپنا کام دل سے سرانجام نہیں دے گی۔ البتہ یہ ہے کہ اتنی ساری رقم پا کر وہ وہاں سے کہیں نکل نہ جائے' بچی بہت خوب صورت ہے اور کسی کا بھی دل اس پر آسکتا ہے' بھکارن یہ سوچے گی کہ اس بچی کو واپس نہ کیا جائے' کہیں اور رکھ کر پالا جائے۔''

''سوچ تو سکتی ہے' جوان لڑکی ہے۔''

''یہ سب سے زیادہ خوفناک بات ہوگی میرے لیے۔''

''آپ نے اسے لالچ تو کافی دے دیا ہے۔ بس اگر وہ کچھ نہ بھی کرے تو اس کا خوف ضرور ہے کہ اس کے ساتھی فقیر اس سے الٹے سیدھے سوالات نہ کریں اور وہ گھبرا کر یہ بات کسی اور کو بتا دے۔''

''یہ خطرہ مول لینا پڑے گا۔ ویسے تم میرے ساتھ ہو نا۔''

''میڈم آپ مجھ سے میری زندگی بھی مانگیں تو آپ پر قربان کر دوں گا۔ ویسے معافی چاہتا ہوں معاملات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئے۔''

''دیکھو ہماری اپنی جو اوقات ہے ہمیں اسی کے مطابق عمل کرنا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ مالکوں کا حق نمک ادا کروں۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ میرا دل بھی لرز رہا ہے لیکن تم خود بتاؤ میں اور کیا کر سکتی تھی۔''

''آپ اتنی پریشان نہ ہوں۔ ہم نے نیک نیتی سے اپنے فرائض پورے کرنے کی کوشش کی ہے اللہ ہماری مدد کرے گا۔'' عورت نے ٹھنڈی سانس بھری پھر بولی۔

''کچھ کھانے پینے کیلئے خرید لو میں بھوکی ہوں۔'' ڈرائیور نے گردن ہلائی اور پھر ایک ریستوران کے سامنے گاڑی روک دی۔

''جاؤ جو دل چاہے لے آؤ' لو یہ پیسے رکھ لو۔''

''پیسے موجود ہیں میرے پاس میڈم۔'' ڈرائیور اندر گیا اور پھر اس نے شاید کچھ چیزیں پیک کرائی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد وہ چیزیں لے کر واپس آگیا اور کار واپس چل پڑی۔ بہت سی سڑکیں طے کرتی ہوئی آخر کار وہ ایک خوب صورت علاقے میں داخل ہوگئی۔ ایک شاندار عمارت کے سامنے کار رکی۔ ڈرائیور نے خود ہی اٹھ کر گیٹ کا لاک کھولا اور اس کے بعد گیٹ کھول دیا کار کو اندر داخل

کیا' نیچے اتر کر دروازہ بند کیا اور پھر دونوں اندرونی حصے کی جانب چل پڑے۔ بہت شاندار عمارت تھی لیکن بالکل خالی لگ رہی تھی۔ رات جھک آئی تھی لیکن عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ڈرائیور نے گیٹ کھولا اور اندر پہنچ کر روشنی کر دی۔ عمر رسیدہ عورت ایک بیڈ روم کے دروازے پر پہنچ کر رکی اور اس نے کہا۔

''تم بھی آرام کرو۔ کھانے پینے کی ان چیزوں میں سے آدھی تم لے جاؤ۔''

''میں نے الگ پیکنگ کرالی ہے بیگم صاحب۔'' ڈرائیور نے کہا اور خاموشی سے واپسی کے لیے مڑ گیا۔ وہ باہری دروازے سے باہر نکل کر سرونٹ کوارٹر کی جانب چل پڑا۔ اس کے جانے کے بعد عمر رسیدہ عورت اپنے بیڈ روم کے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ اندر پہنچ کر اس نے چٹ کی آواز کے ساتھ روشنی کی اور تھکی تھکی سانسیں لیتی ہوئی دروازہ بند کرنے لگی۔ پھر وہ واپس پلٹی اور اچانک ہی اس کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی۔ سامنے لگی ہوئی آرام کرسی پر دو افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں دبے ہوئے پستولوں کا رخ عورت کی جانب ہی تھا۔ عمر رسیدہ عورت کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھٹ گئیں۔ وہ منہ پھاڑے انہیں دیکھتی رہی اور اس کے بدن میں ہلکی ہلکی لرزشیں طاری ہو گئیں۔

کچھ دیر وہ اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

''کون ہو تم ...... اور یہاں ...... یہاں۔'' وہ دونوں بڑے پرسکون انداز میں اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''براہ کرم آپ اطمینان سے رہیں اور یہاں آرام سے تشریف رکھیں۔''

''میں پوچھتی ہوں تم کون ہو اور یہاں میری غیر موجودگی میں۔''

''ایک منٹ میڈم ایک منٹ۔ کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گی کہ اس قدر شاندار عمارت میں آپ یہاں تنہا کیوں ہیں۔''

''فضول باتوں سے گریز کرو' اگر تم ڈاکو ہو تو تم نے یہاں کی تلاشی ضرور لے لی ہو گی۔''

''ہم جو کچھ بھی ہیں آپ اچھی طرح سمجھ رہی ہیں۔ کیا سمجھیں۔''

''میں کچھ نہیں سمجھ رہی' کیا سمجھے اگر تم نے زیادہ بدتمیزی کی تو میں ...... میں۔''

''ہاں ...... آپ اگر آپ نے شور مچانے کے لیے منہ کھولا تو اس پستول سے ایک شعلہ نکلے گا اور دہکتا ہوا انگارہ آپ کے دانتوں کو توڑتا ہوا آپ کے نرم و ملائم حلق سے گزر کر گدی سے باہر نکل جائے گا اور آپ خون میں شرابور ہو جائیں گی۔ یہ دیکھیے پستولوں میں سائیلنسر بھی لگے ہوئے ہیں۔ کوئی آواز نہیں ہے' کیا سمجھیں اور آپ جانتی ہیں کہ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے' اسے بچانے کے لیے انسان ہر خطرہ مول لے لیتا ہے۔''

''میں پوچھتی ہوں تم چاہتے کیا ہو۔'' عورت نے نروس لہجے میں کہا۔ وہ ان کے چہرے دیکھ چکی تھی جن پر اتنی سفاکی بکھری ہوئی

تھی کہ عورت کا بدن کانپ رہا تھا۔

''آیئے اب آپ آرام سے تشریف رکھیے۔ آپ کی مسہری آپ کا انتظار کر رہی ہے۔''

''دیکھو میں۔'' یہ کہہ کر عورت نے دروازے کی طرف بھاگنے کی کوشش کی لیکن ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر اس کے بال پکڑے اور اسے زور سے گھسیٹ کر مسہری پر دھکا دیا کہ عورت کے حلق سے ایک اضطرابی چیخ نکل گئی۔ وہ بری طرح مسہری پر گری تھی۔ پھر اس نے خود کو سنبھالا ہی تھا کہ اچانک دروازے پر آہٹ ہوئی اور عورت کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ اس نے اپنے ڈرائیور کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ ڈرائیور کو دیکھتے ہی اس کے بدن میں جان آ گئی۔ وہ مسہری سے اٹھی اور ایک دم بولی۔

''دیکھو...... دیکھو...... یہ۔'' لیکن اس کا جملہ منہ میں ادھورا ہی رہ گیا تھا۔ کیونکہ ڈرائیور تنہا نہیں تھا ایک تیسرا آدمی اس کی گدی پر پستول رکھ کر اسے اندر لایا تھا۔ ڈرائیور کے چہرے پر خوف کے تاثرات تھے۔ تیسرے آدمی نے اندر داخل ہونے کے بعد پاؤں سے دروازہ بند کر دیا۔ پھر اس نے زور سے ڈرائیور کی کمر پر لات رسید کی اور ڈرائیور اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ البتہ دوسرے پستول بردار نے ڈرائیور کو فرش پر گرنے سے روکا تھا اور اسے سیدھا کھڑا کر دیا تھا۔ ڈرائیور کے چہرے پر شدید بدحواسی نظر آ رہی تھی اور عورت جو مسہری پر آدھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی، اس طرح ساکت رہ گئی تھی۔ تیسرے آنے والے شخص نے کہا۔

''پوری عمارت میں کوئی نہیں ہے سوائے ان دونوں افراد کے۔''

''اس سے کچھ پوچھا۔'' پہلے سے اندر موجود آدمی نے سوال کیا۔

''نہیں...... اب یہ دونوں ایک جگہ ہیں، آرام سے تفصیلات بتا سکیں گے۔''

''ہوں...... تم ڈرائیور ہو۔''

''جی...... جی...... صاحب۔'' ڈرائیور کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

''اور یہ۔''

''یہ مم...... میڈم...... میڈم ہیں۔''

''کیا کرتی ہیں یہ یہاں۔''

''اس عمارت کی دیکھ بھال انہی کے سپرد ہے جناب۔''

''ہوں...... بچی کہاں ہے۔'' اس شخص نے سوال کیا اور ڈرائیور بری طرح چونک پڑا۔ عورت اب سہمی ہوئی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ ڈرائیور نے آہستہ سے کہا۔

''کک...... کون سی بچی، کون سی بچی کی بات کر رہے ہیں آپ۔''

سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے اپنا پورا ہاتھ سیدھا کیا۔ ڈرائیور کے فرشتوں کو بھی یہ بات نہیں معلوم تھی کہ یہ اس کی زندگی کے

آخری لمحات ہیں۔ پستول سے ڈھس کی آواز نکلی اور ڈرائیور کی پیشانی میں گہرا سوراخ بن گیا۔ اس کے حلق سے بس ایک سسکی سی نکلی تھی اور اس کے بعد وہ دونوں ہاتھ فضا میں لہراتا ہوا اوندھے منہ زمین پر آرہا تھا۔ عورت کے منہ سے ایک دل خراش چیخ نکل گئی اور اس کے قریب کھڑا ہوا آدمی اس کی جانب متوجہ ہو کر انتہائی خونخوار لہجے میں بولا۔

"اگر تمہارے منہ سے دوسری چیخ نکلی تو تمہارا حشر بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا' کیا سمجھیں۔ اسی لیے اب خود پر قابو رکھو۔"

عورت کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تم نے...... تم نے اسے مار دیا۔ درندو' وحشیو' تم نے اسے مار دیا۔ میں...... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" میڈم پر دیوانگی سی طاری ہوگئی وہ مسہری سے نیچے اتری' لیکن قریب کھڑے ہوئے شخص کا الٹا ہاتھ اس کے چہرے پر پڑا اور ایک بار پھر وہ مسہری پر گر پڑی اسے چکر آگیا تھا۔ تیسرا آدمی جو ڈرائیور کو لے کر آیا تھا اس کے پاؤں کی ٹھوکر سے ڈرائیور کی لاش کو ڈھکیلتا ہوا کمرے کی دیوار کے قریب لے گیا تھا۔ فرش پر بچھا ہوا قیمتی قالین ڈرائیور کے خون سے سرخ ہو رہا تھا لیکن ان تینوں سنگدلوں کے چہروں پر ذرا بھی تعصب کے خون سے سرخ ہو رہا تھا لیکن ان تینوں سنگ دلوں کے چہروں پر ذرا بھی تعصب کے آثار نہیں تھے۔

پھر کمرے کی فضا میں ایک اور تبدیلی ہوئی' چوتھا شخص اندر داخل ہوا' یہ ایک بھاری بھرکم آدمی تھا۔ نہایت قیمتی لباس میں ملبوس' آنکھوں پر بہت خوب صورت عینک لگی ہوئی تھی اور وہ بے حد شاندار نظر آرہا تھا۔ وہ سب مودب ہو گئے اور میڈم آنکھیں بھینچ کر ایک دم رک گئیں۔

"سر...... سر آپ...... سر' سر یہ دیکھیے یہ سر آپ یہاں کیسے۔ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔" عورت شاید اس شخص کو پہچانتی تھی۔ وہ سنجیدگی سے عورت کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے سرد اور آہستہ لہجے میں کہا۔

"بچی تمہارے پاس تھی' کہاں ہے اس وقت وہ' اسے ہمارے حوالے کر دو اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"سر یہ لوگ۔ سر یہ دیکھیے انہوں نے ہمارے ڈرائیور کو قتل کر دیا' یہ اس کی لاش۔"

"سنو تم بے وقوف نہیں ہو جو صورت حال تم نہ سمجھ سکی ہو۔ یہ سب میرے ہی آدمی ہیں اور میرے اشارے پر ہی یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ بچی میرے سپرد کر دو مجھے اس کی ضرورت ہے۔"

"آپ کے...... آپ کے آدمی ہیں یہ سر آپ مجھے پہچانتے ہیں نا...... سر' سر۔"

"گویا ابھی تک تم سمجھداری سے کام نہیں لے رہیں۔"

"آپ ہمیں اجازت دیجیے جناب' ہم اس کی زبان کھلوائے دیتے ہیں۔"

"نہیں یہ خود بتا دے گی اچھی عورت ہے۔ یہ مجھے جانتی ہے اور میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ ہاں بتاؤ بچی کہاں ہے۔"

اچانک ہی عورت کے چہرے پر سختی نمودار ہوگئی اس کے رونے کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا تھا اس نے آنسو خشک کیے اور آہستہ سے بولی۔

''میں اپنے مالکان کی دوست نہیں ہوں بلکہ ان کی وفادار ملازم ہوں سمجھے آپ...... آپ لوگ بڑے لوگ ہیں لیکن میں ایک نمک خوار خادمہ ہوں' میری زبان کبھی اپنے مالکان کی مرضی کے خلاف نہیں چلے گی۔ سمجھ رہے ہیں آپ۔ مجھے تعجب ہے مجھے حیرت ہے لیکن شاید میں غلط لفظ استعمال کر رہی ہوں۔ مجھے حیرت ہے نہیں بلکہ تھی۔ آپ بہت بڑے بڑے لوگ ایک دوسرے سے کبھی مخلص نہیں ہوتے لیکن ہم غریب لوگ چھوٹے لوگ خلوص کی پوٹ ہوتے ہیں ہم اپنے مالکان سے غداری نہیں کر سکتے۔'' بھاری بھرکم آدمی کے چہرے پر ایک زہریلی مسکراہٹ نظر آئی پھر اس نے ایک آدمی سے کہا۔

''اس کے کپڑے اتار دو۔''

''یس سر۔'' اس نے جیب سے چاقو نکالا اور میڈم کی طرف بڑھ گیا۔ میڈم پھرتی سے اٹھ کر مسہری سے دروازے کی طرف بھاگ گئی تھیں لیکن درمیان میں اس شخص نے جسے یہ ہدایت کی گئی تھی ایک بار پھر اس کے بال پکڑ لیے اور زوردار جھٹکے کے ساتھ اسے کسی جانور کی طرح زمین پر گرا دیا۔ پھر اس کی چاقو کی تیز دھار نے میڈم کے گریبان کو نیچے تک چاک کر دیا۔ میڈم اپنے لباس پکڑنے کی کوشش کرنے لگیں لیکن ان شیطانوں کو اجازت مل گئی تھی۔ میڈم کی نگاہیں اس شخص کی جانب دہشت زدہ انداز میں اٹھی ہوئی تھیں جس نے یہ مکروہ عمل کیا تھا کہ عقب سے دوسرے شخص نے اپنی کاروائی کر ڈالی اور میڈم کا نچلا لباس اس کے قدموں میں آ رہا۔ اس نے دہشت زدہ انداز میں اپنے نچلے لباس کو سنبھالنا چاہا تو عقب سے اس شخص نے اس کے لباس کے دوسرے حصے کو نیچے سے چاقو سے کاٹ دیا اور اب میڈم کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں رہی تھی۔ اس نے سہمی ہوئی آوازیں نکالتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اپنا بدن چھپانے کی کوشش کی اور اس کے حلق سے رونے کی آوازیں نکلنے لگیں۔ اس نے رحم طلب نگاہوں سے سامنے کھڑے ہوئے بھاری بھرکم شخص کو دیکھا تو وہ بولا۔

''اور اس کے بعد میں انہیں جو دوسرا حکم دینے والا ہوں اس بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ تمہارا پسندیدہ عمل ہو گا یا پھر شاید تم اسے سب کی موجودگی میں ناپسند کرو۔ تم میرا مطلب سمجھ گئی ہو گی۔ عمر کے اس حصے میں بھی بعض عورتیں بڑی رنگین مزاج ہوتی ہیں۔ وہ اپنی رنگین مزاجی کا اظہار نہیں کر پاتیں لیکن اندر سے ان کی فطرت کچھ اور ہوتی ہے۔ اگر تم اس فطرت کی مالک بھی ہو تب بھی کم از کم ایسے ماحول کے لیے کچھ اور ضرورتیں ہوتی ہیں لیکن افسوس یہ لوگ صرف میرے حکم کے غلام ہیں' یہ اپنی پسند سے نہیں بلکہ میرے حکم سے تمہارے ساتھ وہ وحشیانہ سلوک کریں گے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ بولو کیا میں اجازت دے دوں۔''

''نہیں' نہیں خدا کے لیے نہیں۔ آہ میرا لباس مجھے دے دیجئے۔'' لیکن لباس اب اس قابل کہاں تھا کہ جسم پر سجایا جا سکتا۔ میڈم کو اچانک کچھ یاد آیا وہ برق رفتاری سے اپنی برہنگی کو نظرانداز کر کے مسہری کی طرف لپکی اور اس نے مسہری سے چادر گھسیٹ کر اپنے بدن کو اس سے ڈھک لیا۔ بھاری بھرکم شخص مسکرایا اور پھر بولا۔

''مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بھلا اس چادر کو تمہارے بدن سے علیحدہ ہونے میں کتنی دیر لگے گی۔ اب بھی اگر ہوش و حواس ساتھ دیں تو مجھے بتاؤ بچی کہاں ہے۔''

عورت کے چہرے پر غم کے شدید آثار نظر آئے اس نے کہا۔

"میں نے...... میں نے اسے ایک بھکارن کے سپرد کر دیا ہے۔ میں نے اسے ایک بھکارن کو دے دیا ہے اور کچھ رقم دے کر اس سے کہا ہے کہ وہ اس کی پرورش کرے۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ بچی کے بارے میں تم سے کیا کہا گیا تھا۔ ویسے میں نے تمہاری بات پر یقین نہیں کیا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں کہا گیا مجھے۔ اسے میرے حوالے کرنے کے بعد یہ کہا گیا تھا کہ میں اس کا تحفظ کروں' لیکن میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ میں بچی کا مناسب تحفظ نہیں کر سکتی چنانچہ میں اسے لے کر نکل گئی۔ پھر مجھے سڑک پر ایک بھکارن نظر آئی اور میں نے اسے اچھی خاصی رقم دے کر کہا کہ بھیک مانگنا چھوڑ کر وہ کچھ دن کے لیے اس بچی کو اپنے پاس رکھے۔"

"کہانی کافی خوب صورت ہے' لیکن اب مجھے اصلیت بھی بتادو۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہی جناب۔"

"کیا تمہیں اس بھکارن کا پتا معلوم ہے۔"

"ہاں میں اس کا پتا جانتی ہوں۔"

"بتاؤ۔"

"م...... مگر میری۔"

"دیکھو بات سنو میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں وہ سب کچھ کرنے والا ہوں۔"

"سر میں اس کا پتا بتائے دیتی ہوں۔" عورت نے بے چارگی سے کہا اور پھر بھکارن کے ڈیرے کے بارے میں تفصیلات بتادیں۔

"اور اگر یہ غلط نکلا تو۔"

"تو پھر آپ کو اختیار ہے کہ میرے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں' میں جھوٹ نہیں بول رہی۔"

"بھکارن کا نام تو پوچھا ہوگا تم نے۔"

"نام نہیں پوچھا۔"

"ڈیرے کے بارے میں تفصیل بتاؤ۔" بھاری بھرکم شخص نے کہا۔ عورت کو اب اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے اس ڈیرے کے بارے میں تفصیلات بتادیں۔

"بہرحال اگر یہ بات غلط نکلی تو تم خود مجھے اجازت دے چکی ہو۔"

"ٹھیک ہے اب اس کا کھیل ختم ہو گیا اور چونکہ یہ مجھے جانتی ہے اس لیے اس کی زندگی ہمارے لیے غیر مناسب ہے چلو کام ختم کرو۔" بھاری بھرکم شخص واپسی کے لیے مڑا اسی وقت ڈھس ڈھس کی تین آوازیں ابھریں اور میڈم کے سینے میں تین سوراخ ہو گئے۔ چند

ہی لمحوں کے بعد وہ ختم ہو گئی تھی اور پھر وہ لوگ واپسی کے لیے مڑ گئے۔

☆......☆......☆

لیپو آن شہروز کائی شی اور قادر بخش سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے درمیان میں اخبار رکھا ہوا تھا۔ لیمپو آن نے کہا۔

”کہانی واقعی بے حد دلچسپ ہے۔ یقیناً اس بچی کے پیچھے کچھ لوگ لگے ہوئے ہوں گے اور اس عورت نے وہ بچی اس بھکارن کی تحویل میں دے دی ہوگی لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ بھکارن کیا غضب کی چیز ہے۔ ایسی کوئی شخصیت اگر کارواں گروپ میں ہو تو کیا یہ مناسب نہیں ہوگا۔“ کائی شی کہنے لگی۔

”یہ ساری باتیں تو تم لوگ سوچ رہے ہو لیکن تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ عورت نے اگر بچی کے تحفظ کی خاطر اسے اس صحافی لڑکی یا بھکارن کے سپرد کیا ہے تو اس فیچر کے شائع ہونے کے بعد کیا وہ لوگ اس بھکارن لڑکی کو چھوڑ دیں گے جو اصل میں پریس رپورٹر ہے۔“ شہروز ایک دم سے کھڑا ہو گیا اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

”ہمیں سب سے پہلے اس لڑکی کی حفاظت کا بندوبست کرنا چاہیے۔“ کائی شی کہنے لگی۔

”ٹھیک کہتے ہو شہروز اس ساری کہانی پر غور کرنے کے بجائے لڑکی کا تحفظ بے حد ضروری ہے۔ اخبار میں فیچر شائع ہو چکا ہے اور اس بات کے قوی امکانات ہیں کہ جو لوگ لڑکی کا حصول چاہتے ہیں وہ اس صحافی لڑکی کے پیچھے لگ جائیں تاکہ بچی حاصل کی جا سکے۔“

”بے شک یہ ایک مفروضہ ہے اور ہم صرف قیاس کی بنیاد پر یہ بات کہہ رہے ہیں کہ کچھ لوگوں کو لڑکی کی ضرورت ہوگی۔ صحافی لڑکی نے بھی یہی بات کہی ہے کہ بچی اس بات کے امکانات ہیں کہ کسی کو مطلوب ہو اور اسے صرف تحفظ کے لیے اس بھکارن کے سپرد کیا گیا ہو۔ خیر بچی کے ساتھ تو جو کچھ بھی ہوگا وہ ایک الگ بات ہے لیکن وہ صحافی لڑکی ضرور ماری جائے گی۔“

”تم لوگوں میں سے کوئی میرے ساتھ کھڑا نہیں ہوا جبکہ میں کہتا ہوں اس سلسلے میں دیر کرنا......“

”اڑے ماں کسم میں تیار ہوں نی۔“ قادر بخش نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

”قادر بخش چلو جلدی سے گاڑی نکالو۔“ شہروز نے کہا اور پھر بولا۔

”مسٹر لیمپو آن۔“

”نہیں ہم دونوں تم سے اتفاق کرتے ہیں۔“ لیمپو آن نے گردن خم کر کے کہا اور شہروز نے قادر بخش کی طرف رخ کر کے کہا۔

”چلو قادر بخش گاڑی نکالو۔“

”ابھی لو۔“ قادر بخش بولا اور اس نے دروازے کی جانب چھلانگ لگا دی۔ اس دوران قادر بخش کی خوب تربیت کر دی گئی تھی۔ اسے ڈرائیونگ بھی سکھا دی گئی تھی اور قادر بخش بہت خوش تھا۔

☆......☆......☆

"دیکھیے میں ناہید آپی سے بات کرنا چاہتی ہوں' آپ پلیز میری بات کرا دیجیے۔ میرا نام صوفیہ ہے۔ جی...... جی وہ کیا کر رہی ہیں۔ خبر تیار کر رہی ہیں۔ آپ پلیز ان سے ذرا میری بات کرا دیجئے۔ آپ کو یقین ہے کہ وہ خبر تیار کر رہی ہیں۔" پھر اس نے فون بند کر دیا۔ اسے اس بات کا پتا چل گیا تھا کہ ناہید اس وقت اخبار کے دفتر میں ہی موجود ہے۔

لیمپو آن گہری سنجیدگی کے ساتھ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ قادر بخش اب بھی شہروز کی بات پر حیران تھا کہ شہروز لڑکی کی آواز میں بھی بول سکتا ہے۔ پھر وہ لوگ اخبار کے دفتر کے سامنے پہنچ گئے اور انہوں نے کار تھوڑے فاصلے پر کھڑی کر دی۔ لیمپو آن نے کہا۔

"اب کیا ارادہ ہے۔"

"آپ بتایئے سر۔" شہروز نے کہا اور لیمپو آن ہنسنے لگا پھر بولا۔

"تم مجھے سر مت کہا کرو۔ انکل کہہ دینا کافی ہے۔"

"بتایئے انکل اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"میرے خیال میں تم اخبار کے دفتر میں چلے جاؤ۔ اس لڑکی کی چہرہ شناسی ضروری ہے اور اس کے بعد ہمیں اس کی نگرانی کرنا ہوگی۔ مجھے تعجب ہے اخبار کا ایڈیٹر یا دوسرے ذمہ دار لوگ اتنے بے وقوف کیوں ہیں۔ ایک بات طے ہے کہ اس عمر رسیدہ عورت نے اس لڑکی کو بلاوجہ اس بھکارن کے سپرد نہیں کیا ہوگا۔ اس کا کوئی پس منظر ہے اور اب جن لوگوں کو اس لڑکی کی تلاش ہوگی میری مراد اس بچی سے ہے۔ وہ اس فیچر کے شائع ہونے کے بعد بڑی آسانی سے اس اخباری رپورٹر کو یہ بتانے کے لیے مجبور کر سکتے ہیں کہ لڑکی کہاں ہے اسے ان کے حوالے کر دیا جائے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں انکل یقیناً کوئی جرم ہو رہا ہے۔"

"مائی ڈیئر شہروز میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں میرے بچے کہ اس قسم کے جرائم پیشہ افراد کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہونا چاہیے۔ ایک چھوٹی سی بچی کے سلسلے میں اس قدر جدوجہد کیوں کی جا رہی ہے۔"

شہروز جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ کوئی بہانہ ہی کرنا تھا اسے اخبار کے دفتر میں۔ پورا اسٹاف مصروف عمل تھا۔ اس نے ایک چپڑاسی سے کہا۔

"میں ناہید آپی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"وہ ان کا کیبن ہے۔ آپ چلے جایئے۔" اخبار کا دفتر تھا۔ لوگ ایک دوسرے سے ملنے آتے جاتے ہی رہتے تھے۔ شہروز اس دفتر کی جانب بڑھ گیا۔ دفتر میں داخل ہو کر اس نے جس لڑکی کو میز پر جھکا ہوا کام کرتے ہوتے دیکھا اسے دیکھ کر شہروز کے دل میں پہلی بار ایک عجیب سی کلبلاہٹ سی پیدا ہو گئی۔

لڑکی کے بالوں کی لٹیں اس کے ماتھے پر آئی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے کے نقوش بے حد دلکش لگ رہے تھے۔ شہروز نے ایک

لمحے تک اسے دیکھا اور پھر آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔

"میں حاضر ہو سکتا ہوں۔" لڑکی نے چونک کر گردن اٹھائی۔ شہروز کو دیکھا اور بولی۔

"حاضر تو آپ ہو چکے ہیں۔ تشریف لائیے۔"

"شکریہ۔" شہروز نے کہا۔

"بیٹھیے پلیز۔" لڑکی بولی اور وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"فرمائیے کیا خدمت کر سکتی ہوں۔"

"میرا نام شہروز ہے۔"

"جی! میرے لیے کیا حکم ہے۔"

"نہیں میں آپ کے فیچر بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔"

"شکریہ۔"

"آپ کو اتنے اچھے فیچر لکھنے کی مبارک باد پیش کرنے آیا ہوں۔"

"بس۔"

"جی۔"

"مبارک باد کا شکریہ۔ میرے لیے اور کوئی خدمت۔"

"نہیں بس وہ آپ سے بات چیت کرنا تھی۔"

"سوری شہروز صاحب یہ میرا دفتر ہے میں یہاں کام کرتی ہوں اور ضرورت کی چند باتوں کے علاوہ کسی اور سے کوئی بات نہیں کر سکتی اس لیے کہ میرے ایڈیٹر صاحب کا حکم نہیں ہے۔"

"اگر وہ اتنی اتنی سی باتوں پر آپ کو روکتے ہیں تو آپ یہ نوکری چھوڑ دیں۔" شہروز نے کہا اور لڑکی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"مشورے کا شکریہ غور کروں گی۔ میرے لائق اور کوئی خدمت۔"

"آپ بھگانے پر تلی ہوئی ہیں تو چلا جاتا ہوں۔" شہروز نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ مقصد پورا ہو گیا تھا۔ اسے ناہید کو دیکھنا تھا کیونکہ اس کے خیال کے مطابق ناہید نے اپنے لیے بہت سے خطرات مول لے لیے تھے اور اسے کوئی بھی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اخبار کے دفتر سے باہر نکل آیا لیکن ایک عجیب سا احساس اس کے دل میں تھا' ناہید کا جھکا ہوا چہرہ اسے بہت اچھا لگا تھا۔ جبکہ اس سے پہلے وہ زندگی کی بہت سی لطافتوں سے بہت دور ہو چکا تھا۔ دل میں کون سا جذبہ کس وقت جاگ اٹھ سکتا ہے انسان کو کچھ نہیں معلوم ہوتا۔

بہر حال وہ واپس پہنچ گیا۔ لیمپو آن اور قادر بخش آرام سے کار میں بیٹھے ہوئے سڑکوں کا نظارہ کر رہے تھے۔ لیمپو آن نے کہا۔

''ہاں......کیا صورت حال ہے۔''

''میں نے لڑکی کا چہرہ دیکھ لیا ہے اور اس بات کو میں نظر انداز نہیں کر سکتا کہ وہ خطرے میں ہے۔ بس عام سی جذباتی لڑکی معلوم ہوتی ہے جو کوئی بھی کام کرنے کے بعد یہ سوچتی ہے کہ اس کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہ غلط بات ہے انکل اسے خطرہ پیش آسکتا ہے۔''

''میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔'' لیمپوآن نے کہا۔

''تو اب اس کے بارے میں بتایئے کیا کیا جائے۔''

''دیکھو دو باتیں ہیں' ہمارے علم میں کچھ انوکھے واقعات آرہے ہیں۔ جن کا پس منظر جرم کے سوا کچھ نہیں ہے اور کارواں گروپ یہی سب کچھ کرنا بھی چاہتا ہے۔ چنانچہ آغاز کے لیے ایک اچھی کہانی ملی ہے۔ تم ایسا کرو شہروز کہ لڑکی کو نگاہ میں رکھو اور ان حالات سے نمٹنے کی کوشش کرو جو اسے پیش آئیں۔''

''تب پھر مجھے یہیں رہنا ہوگا۔ آپ واپس چلے جایئے۔ قادر بخش آپ کو لے جائے گا۔''

''ناسمجھی کی بات کر رہے ہو' اس کا تعاقب کرنے کے لیے تمہیں گاڑی کی ضرورت ہے میں کسی آٹو رکشہ سے چلا جاتا ہوں۔'' لیمپوآن نے کہا۔

''اڑے ماں کسم اپن بھی شہروز بھائی کے ساتھ ہی رہیں گا' یہ ضروری ہے نا۔'' قادر بخش نے کہا اور لیمپوآن نے گردن ہلادی۔

''ہاں! تمہیں شہروز کے ساتھ ہی رہنا ہوگا۔'' اس کے بعد لیمپوآن گاڑی سے اتر گیا تھا۔ قادر بخش نے راز داری سے کہا۔

''شہروز ابھی کوئی مار اماری کا چانس ہے۔''

''دیکھیں گے۔'' شہروز نے پر خیال لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

بزمی صاحب کافی دیر سے دفتر پہنچے تھے۔ آؤٹ آف سٹی گئے ہوئے تھے۔ دفتر میں آنے کے بعد انہوں نے اسسٹنٹ ایڈیٹر صاحب کو بلایا اور انہیں سامنے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اخبار میں دیکھ چکا ہوں' سب ٹھیک ہے لیکن مجھے صرف ایک بات کا جواب دیجئے گا' یہ ناہید کا فیچر جو چھپا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔''

''بڑا سسپنس ہے بزمی صاحب' صبح سے کئی ٹیلیفون آچکے ہیں اس سلسلے میں' لوگوں کو بڑا تجسس ہے۔ ہم پولیس کی طرف سے رجوع کرنے کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''تعجب کی بات ہے' آپ اتنے سینئر ہیں' لیکن آپ کو اس کے پس منظر کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔''

''کیا مطلب۔؟''

''جناب عالی آپ کو اس بات کا خیال نہیں ہے کہ ناہید کو کیا خطرات پیش آ سکتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ قانونی عمل کے بارے میں آپ جانتے ہیں بچی کو ہمیں فوراً پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے تھا۔''

''میں سمجھا نہیں بزمی صاحب ناہید کو کیا خطرات پیش آ سکتے ہیں۔'' اسی وقت ناہید کمرے میں داخل ہو گئی۔ بزمی صاحب ویسے بھی اسے بہت زیادہ چاہتے تھے اور اپنی بیٹیوں جیسا انداز اختیار کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ ناہید بے تکلفی سے بزمی صاحب کے کمرے میں آ جایا کرتی تھی۔ ناہید نے کہا۔

''جی سر مجھے کیا خطرات پیش آ سکتے ہیں۔''

''ناہید بعض اوقات تم بالکل بچوں جیسی حرکت کرتی ہو اور دوسرے بھی تمہارے ساتھ بچے ہی بن جاتے ہیں' تم مجھے بتا سکو گی کہ اس عمر رسیدہ عورت نے بچی تمہارے حوالے کیوں کی تھی۔''

''بہت سے خیالات دل میں ہیں جناب۔ وہ اغواء برائے تاوان بھی ہو سکتا تھا' ہو سکتا ہے عمر رسیدہ عورت نے اپنے ڈرائیور کے ساتھ مل کر اس بچی کو اغواء کیا ہو' بچی جس قدر خوب صورت ہے اور جتنا عمدہ لباس پہنے ہوئے ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے وہ کسی بڑے گھرانے کی ہے۔ عورت باقاعدہ ان لوگوں کو بلیک میل کر کے ان سے رقم طلب کر سکتی ہے۔ دوسری بات میں نے یہ اندازہ بھی لگایا ہے کہ بچی عورت کی کسی بہت ہی قریبی شناسا کی ہو سکتی ہے عورت نے اسے اپنے پاس اس لیے نہیں رکھا کہ کہیں اس کی طرف سے شبہ نہ ہو جائے۔''

''تم بہت ذہین ہو ناہید' ایسا ہو سکتا ہے' لیکن اس فیچر کو ابھی شائع نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بہتر یہ ہوتا کہ بچی کو پولیس کے حوالے کر دیا جاتا۔ کہاں ہے اب وہ۔''

''سر میرے پاس ہے۔''

''تمہارے پاس۔''

''جی۔''

''تمہارے گھر میں۔''

''نہیں سر۔''

''تو پھر۔''

''میری ایک دوست کے پاس۔''

''تمہیں اندازہ ہونا چاہیے ناہید یہ الگ کیس بھی بن سکتا ہے۔ پولیس تم سے یہ پوچھ سکتی ہے کہ تم نے اسے فوراً پولیس کی حفاظت میں کیوں نہیں دیا۔''

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی بزمی صاحب' پولیس اس بچی کا کیا اچار ڈالتی۔ اتنی خوب صورت بچی ہے کہ اسے اپنے آپ سے الگ کرنے کو دل بھی نہیں چاہتا۔"

"بچپن...... بچپن...... بچپن...... خدا کے لیے ناہید وقت کی ضروریات کو سمجھو۔"

"سر آپ سے ایک عرض کروں میں...... میں اس بچی کی زندگی کے لیے کوئی رسک نہیں لے سکتی۔ پولیس بھلا اس طرح سے اس کی حفاظت تھوڑی کر سکتی ہے جیسے میں کر سکتی ہوں۔ میں نے فوزیہ سے کہہ دیا کہ وہ پوری حفاظت سے اس کو اپنے پاس رکھے۔ گھر سے نکلنے کی کوشش بھی نہ کرے۔ جو اس کا ہرج ہوگا وہ میں دے دوں گی اسے۔"

"فوزیہ۔" بزمی صاحب نے کہا اور ناہید نے زبان دانتوں کے نیچے دبالی۔ جیسے اسے احساس ہو کہ اس سے غلطی ہوگئی ہے۔

☆......☆......☆

سفاک چہرے والا بھاری بھرکم آدمی بے چینی سے ایک صوفے پر بیٹھا ہوا ایک کاغذ دیکھ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر تک اس کاغذ پر نگاہیں دوڑائیں۔ اس کے بعد ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس کاغذ کو قریب رکھے ہوئے فائل پر رکھ دیا اور ٹیلیفون پر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے ریسیور میں کہا۔

"ہاں...... کیا تم سب مر چکے ہو غیرت کا نام ونشان نہیں ہے تمہارے اندر ہمیں دھوکے پر دھوکہ ہو رہا ہے۔ نا تم بچی کو تلاش کر سکے اور نہ اور کچھ کر سکے۔ اس عورت کو قتل کر دینا اتنا بڑا کارنامہ نہیں ہے کہ تم اس پر بغلیں بجاؤ۔ میں کہتا ہوں بھکارن کا کوئی پتا چلا۔"

"سر اس ڈیرے پر اسے کوئی نہیں جانتا۔ نہ ہی آس پاس کے فقیروں کو اس بچی کے بارے میں کوئی تفصیل معلوم ہے۔ سر بات بالکل سمجھ میں نہیں آرہی۔ ہم نے نکمے لوگوں کو تو زندہ رہنا بھی نہیں چاہیے۔"

"سر آپ مالک ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں' صرف ہمیں حکم دے دیجئے کہ ہمیں یہ کرنا ہے۔ اگر اس سے ذرا بھی الگ قدم اٹھا جائیں تو۔"

"باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھ لے۔ میرے بھائی مجھے صرف وفاداری نہیں چاہیے کام چاہیے۔ تم جانتے ہو کہ بچی کا حصول یا اس کی موت میرے لیے زندگی موت کا مسئلہ ہے۔ اگر وہ زندہ رہی تو مجھے مرنا پڑے گا سمجھے۔"

"ہم اس کی تلاش میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔"

"تلاش کرو...... تلاش کرو مجھے آج شام تک وہ بچی زندہ یا مردہ چاہیے۔"

"جی سر۔" دوسری طرف سے جواب ملا اور بھاری بھرکم آدمی نے فون بند کر دیا۔ اسی وقت ایک درمیانی شکل وصورت کی بھرے بھرے بدن والی لڑکی کمرے میں داخل ہوگئی اور بھاری بھرکم شخص نے منہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"محمود صاحب یہ اخبار دیکھیے پلیز۔"

''کیوں خیریت تمہارے رشتے کی کوئی خبر آئی ہے۔''

''آپ دیکھیے تو سہی پلیز' یہ فیچر پڑھیے ذرا۔''

''تمہیں میرا دماغ۔''

''میری بات سنیے پلیز میری بات سنیے یہ فیچر پڑھیے۔'' لڑکی غالباً بھاری بھرکم شخص کی منہ چڑھی معلوم ہوتی تھی۔ وہ اس کی کیفیت سے خوفزدہ نہیں تھی۔

''زوبی اگر تم نے کوئی فضول بات کی تو۔''

''پلیز...... پلیز...... پلیز آپ دیکھیے تو سہی۔'' زوبی بولی اور وہ شخص فیچر دیکھنے لگا۔ کچھ لائنیں پڑھیں اور اس کے بعد اس کی پوری توجہ اس جانب ہوگئی اس نے پورا فیچر پڑھا اور حیران لہجے میں بولا۔

''مائی گاڈ...... مائی گاڈ' پھر وہ بھکارن میرے آدمیوں کو کہاں سے ملے گی۔ زوبی پلیز میرا دماغ گھوما ہوا ہے تم ان سب کو واپس بلالو۔''

''بہت بہتر ہے جناب۔'' زوبی نے کہا پھر بولی۔

''میں جاؤں۔''

''یہ تو بڑا عجیب واقعہ ہوا ہے' لیکن ہمیں کچھ پتا تو چلا۔ اوکے اوکے تم جاؤ سب کو بلالو'' وہ لوگ جنہوں نے عمر رسیدہ عورت کو قتل کیا تھا تھوڑی دیر کے بعد بھاری بھرکم شخص جس کا نام محمود لیا گیا تھا' کے سامنے پہنچ گئے۔

''بچی کے بارے میں پتا چل گیا ہے' کیس ہی دوسرا ہوگیا تھا۔ وہ کسی اجنبی جگہ ہے' لیکن یہ جگہ اجنبی نہیں رہے گی۔ اخبار کے دفتر کو ٹریس کرو اور اس لڑکی کو اٹھا لاؤ یا پھر کہہ دو کہ یہ کام بھی مشکل ہو جائے گا۔''

''نہیں جناب ذرا ہمیں تفصیل بتا دیجیے۔'' آنے والوں میں سے ایک شخص نے کہا۔ جو باقی لوگوں کا چیف معلوم ہوتا تھا اور اس کے بعد وہ فیچر پڑھنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''سر مشکلیں آسان ہوتی جا رہی ہیں۔ آپ بے فکر رہیے ہم اس لڑکی کو اٹھا لیں گے۔''

''اور سنو اسے نیو ہاؤس لے جاؤ۔ میں یہاں کوئی کارروائی نہیں چاہتا۔ نیو ہاؤس میں اسے دیکھو۔''

''ٹھیک ہے سر۔'' سربراہ نے جواب دیا۔

اخبار کے دفتر میں چھٹی ہو چکی تھی۔ اسٹاف کے وہ لوگ جن کی چھٹی اس وقت ہو جاتی تھی باہر نکل رہے تھے۔ شہروز نے ناہید کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ شوخ سی کھلنڈری سی لڑکی تھی اور ہنستی مسکراتی چلی آ رہی تھی۔ ایک بے وقوف سا آدمی اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور وہ اسی سے بات کر رہی تھی۔ شہروز نے قادر بخش کا شانہ دبایا۔

''وہ ہے وہ جو گلابی رنگ کی شلوار اور سفید قمیض پہنے ہوئے ہے۔''

''اڑے ماں کسم فنٹوش ہے' شہروز بھائی۔''

''میں نے یہ لفظ سننے کے لیے اسے تمہیں دکھایا ہے۔''

''نہیں اڑے ابھی ایسے ہی بولا۔''

شہروز نے ناہید کو پیدل چلتے ہوئے دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آٹو رکشہ قریب آ کر رک گیا اور وہ اس میں سوار ہو گئی۔ رکشہ آگے بڑھ گیا اور پھر شہروز کی عقابی نگاہوں نے دیکھا کہ جیسے ہی رکشہ آگے بڑھا ایک چوڑی گلی سے سفید رنگ کی ایک سوک باہر نکلی اور آہستہ روی سے رکشہ کے پیچھے چل پڑی۔ اس دوران قادر بخش نے اپنی کار اسٹارٹ کر دی تھی۔

''اڑے یہ سفیدہ کدھر سے بیچ میں آ مرا۔'' قادر بخش اس سفید کار کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''قادر بخش ہوشیار' یہ سفید کار اس رکشہ کے تعاقب میں چلی ہے۔''

''اڑے غضب اڑے۔ مار ماری ٹھوں ٹھاں فش فش ڈوں ڈھاں۔''

''قادر بخش ہوشیاری سے اس کا پیچھا کرو' خبردار کوئی جلد بازی کرنے کی کوشش نہ کرنا۔''

''اڑے بابا جیسا آپ حکم کریں گا قادر بخش ایسا ہی کریں گا۔'' شہروز خاموش ہو گیا اس کی نگاہیں سفید رنگ کی گاڑی پر جمی ہوئی تھیں۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ رکشہ کا تعاقب کر رہی ہے۔ ورنہ جب وہ لوگ چاہتے باہر نکل سکتے تھے اس دوران شہروز غور کر رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے' اگر وہ لڑکی کا پیچھا کر کے اس بچی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو لڑکی کو چھیڑیں گے نہیں اور اگر ان کا منصوبہ کچھ اور ہے تو پھر واقعی قادر بخش کی بات ماننا پڑے گی یا پھر صورت حال سے تھوڑی سی آگہی حاصل کرنا ہو گی۔ غرض یہ کہ یہ لوگ تعاقب کرتے رہے مگر سفید کار والوں نے زیادہ عقلمندی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ ہونا یہی چاہیے تھا کہ اگر انہیں بچی کا سراغ چاہیے تھا تو وہ ناہید کا پیچھا کرتے لیکن ایک سنسان سڑک پر اچانک سفید کار آگے بڑھی اور اس نے آٹو رکشہ کو روک لیا۔ سفید کار سے چار افراد نیچے اترے تھے۔ قادر بخش ذہانت کے ساتھ گاڑی سائڈ کی اور اسے روک لیا۔

''کام شروع ہو گیا شہروز صاحب۔''

''بالکل خاموشی سے صورت حال کا جائزہ لو۔'' اور صورت حال کا جائزہ یہ تھا کہ لڑکی آٹو رکشہ سے کود پڑی تھی اور اس کے بعد ایک دلچسپ کھیل شروع ہو گیا تھا۔

وہ چار تھے اور کافی خونخوار تھے لیکن لڑکی مارشل آرٹ کی ماہر معلوم ہوتی تھی۔ قادر بخش کے منہ سے بار بار آوازیں نکل رہی تھیں۔

''اڑے جیو ماں کسم چھن چنی اڑے دیکھو نا یار شہروز بھائی اس نے ان لوگ کو ناچ نچا دیا ہے۔'' اور حقیقت یہ ہے کہ لڑکی انتہائی

برق رفتاری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ وہ اسے پکڑنا چاہتے تھے لیکن وہ ان کے ہاتھ نہیں آ رہی تھی۔ کئی بار اس نے اس طرح چھلانگیں لگائی تھیں کہ ان کے سروں پر سے گزر کر دوسری طرف جا گری تھی۔ ایک بار ایک شخص نے اسے پکڑ لیا اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اس کی گردن پر جمائے لیکن لڑکی کی الٹی لات اس کے شخص کے پیٹ پڑی اور اسے تارے نظر آ گئے۔ لڑکی اب انہیں مار رہی تھی لیکن آخر کار وہ لڑکی تھی۔ ایک شخص کو فلائنگ کک لگا کر جب وہ زمین پر آئی تو دو افراد نے اسے دبوچ لیا اور پھر کسی ایک نے اس کے سر پر کوئی ضرب لگا دی۔ لڑکی کے ہاتھ فضا میں پھیلے اور اس کے بعد اس کی گردن اٹک گئی۔

''اڑے چلو یار اب بھی انتظار مارتا ہے۔'' قادر بخش نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''شیٹ اپ قادر بخش جیسا میں کہہ رہا ہوں ویسا کرو۔''

''ٹھیک ہے بابا' وہ چار ہے اور تم ڈرتا ہے ان لوگ سے۔'' شہروز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لڑکی غالباً بے ہوش ہو چکی تھی۔ ان لوگوں نے اسے بری طرح کار کے پچھلے حصے میں ٹھونسا اور اس کے بعد ڈرائیور کے سر پر ایک ضرب لگا کر انہوں نے اسے رکشے میں ڈال دیا۔ پھر سفید کار اسٹارٹ ہو کر چل پڑی تو شہروز نے قادر بخش سے کہا۔

''اس کا پیچھا کرو۔''

قادر بخش نے بچوں کے سے انداز میں منہ پھلاتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔ وہ ایک معصوم سی فطرت کا انسان تھا۔ جتنا عیش و عشرت اسے لیمپوآن کے پاس آ کر ملا تھا اس کا اس نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔ پوری طرح سے ان لوگوں کا وفادار تھا اور کارواں گروپ میں ایک بہترین اضافہ تھا' شہروز کو پہلے اس نے کوئی حیثیت نہیں دی تھی' اپنے چوڑے چکلے جسم اور واقعی پھرتیلے اور طاقتور وجود کو اس نے بہت کچھ مانا تھا لیکن شہروز نے پہلی ہی کوشش میں اسے یہ احساس دلا دیا تھا کہ وہ اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے اور یہ بھی اس کی فطرت کا ایک حصہ تھا کہ وہ کسی کو مان لیتا تھا تو پھر اس کے لیے ایک وفادار کتے کی حیثیت اختیار کر جاتا تھا۔ یہ ضروری ہے کہ اس کی فطرت میں بچپن تھا۔ ہر شخص کا ایک ماضی ہوتی ہے ایک کہانی ہوتی ہے اس فطرت کی بھی کوئی نہ کوئی کہانی ضرور ہوگی۔

بہرحال وہ انتہائی کامیابی کے ساتھ ان لوگوں کا تعاقب کرتا رہا اور آخر کار آگے جانے والی کار ایک ایسے نواحی علاقے کے مکان کے سامنے رک گئی جہاں ابھی تعمیر ہو رہی تھی اور لوگوں نے باقاعدہ آبادی نہیں شروع کی تھی' بس کہیں اکا دکا مکان جو تعمیر ہو کر مکمل ہو چکے تھے ان میں رہائش اختیار کر لی گئی تھی۔ یہ بھی ایک ایسا ہی مکان تھا۔ گیٹ پر کوئی موجود تھا جس نے دروازہ کھولا اور کار اندر داخل ہو گئی۔

شہروز کی اب اپنی فطرت جاگ اٹھی تھی۔ لیمپوآن نے زندگی گزارنے کا جو منصوبہ اس کے سامنے پیش کیا تھا شہروز کو وہ بہت دلچسپ محسوس ہوا تھا اور اس نے اسے خلوص دل سے اپنا لیا تھا۔ اس کے اپنے خاندان کے افراد بھی اسی ملک میں آباد تھے لیکن اس نے اس سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور اب یہاں ان حالات میں مطمئن تھا۔ زندگی جدوجہد سے بھرپور تھی۔ ابھی وہ کاروان گروپ تشکیل دے رہے تھے اور لیمپوآن بڑی ذہانت کے ساتھ ان کی راہنمائی کر رہا تھا۔

قادر بخش نے گاڑی روک دی اور بولا۔

''اڑے اب بولو ناباپ' ابھی اپن بھی اندر چلے۔''

''یار کیوں ناراض ہو رہے ہو قادر بخش۔''

''اڑے بابا وہ چھوکری موکری کو اٹھا کرلے آیا ہے' ابھی وہ اس کے ساتھ پتا نہیں کیا سلوک کرے گا اور اپن صرف اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔''

''اندر چلتے ہیں۔'' شہروز نے کہا۔

''ہاں اڑے' اپنے باپ کی جاگیر ہے نا۔''

''نہیں قادر بخش' تم ایسا کرو کار کو اس درخت کے نیچے لے جا کر کھڑا کردو۔'' شہروز نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔

''پھر ادھر کیا ڈانس مانس کرے۔''

''ڈانس دونوں مل کر کریں گے چلو آ جاؤ۔''

''آ جاؤ......'' قادر بخش منہ بنا کر بولا اور کار کو آگے بڑھا کر اس درخت کے نیچے لے گیا جو کافی گھنا تھا اور اس کے دامن میں جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ کار ادھر تقریباً پوشیدہ ہو گئی تھی۔ فاصلہ بھی اس گھر سے زیادہ نہیں تھا۔

''آ جاؤ بھئی اب وہاں کیوں کھڑے رہ گئے۔'' شہروز نے ہاتھ کے اشارے کے ساتھ کہا اور قادر بخش منہ پھلائے اس کے پاس پہنچ گیا۔

''اب تمہیں آزادی ہے کیا سمجھے' مگر دیکھو قادر بخش جاسوسی ایسے ہی ہوتی ہے۔''

''کیسے۔''

''جیسے میں بتا رہا ہوں۔''

''تو اپن جاسوسی کر رہے ہیں۔''

''لو تو اور کیا کر رہے ہیں۔''

''اڑے بابا پہلے بولا ہوتا نی۔'' قادر بخش کا موڈ ٹھیک ہو گیا۔ بچوں کی طرح تھا۔ راستہ چلتے ہوئے اس نے کہا۔

''ہم گیٹ پر جا رہے ہیں' ہوشیار رہنا۔''

''اڑے اب تو تم پرواہ ہی نہ کرو باپ۔'' قادر بخش نے خوشگوار موڈ میں کہا۔ اور وہ دونوں آگے بڑھتے ہوئے گیٹ کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ چوکیدار نے گیٹ کھولا ہے۔ سب سے پہلا شکار یہ چوکیدار ہی ہونا چاہیے تھا۔ گیٹ کے پاس ہی چوکیدار کا کیبن بنا ہوا تھا لیکن اس نے ان دونوں کو دیکھ لیا تھا وہ جالی کی کھڑکی کھول کر باہر جھانکنے لگا۔

''کیا بات ہے۔'' چوکیدار نے پوچھا۔

''سلام صاحب۔'' شہروز بولا۔

''سلام، کون ہو تم۔''

''ابھی اپن رشید صاحب سے ملنے کو مانگتا۔'' شہروز نے قادر بخش کی زبان میں کہا۔

''کون رشید صاحب۔ یہاں کوئی رشید صاحب نہیں رہتے۔''

''ابھی دیکھو یہ پتا دیکھو۔'' شہروز نے یہ کہہ کر جیب سے ایک کاغذ نکال لیا اور اسے کھول کر چوکیدار کے سامنے کیا۔ چوکیدار نے کاغذ کی تحریر پڑھنے کے لیے گردن باہر نکالی تو اچانک ہی شہروز کے دونوں ہاتھ اس کے چہرے کے دونوں سمت پڑے اور ساتھ ہی شہروز نے اسے پکڑ کر آگے گھسیٹ لیا۔ قادر بخش نے کچھ آؤ دیکھا نہ تاؤ چوکیدار کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا اور قادر بخش جیسے دیو کے چنگل میں آنے کے بعد بھلا کس کی مجال کہ اپنے ہوش وحواس قائم رکھ سکے چند ہی لمحوں کے بعد چوکیدار کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔

''گیٹ تھوڑا سا کھولو قادر بخش۔'' شہروز نے کہا اور قادر بخش نے جلدی سے گیٹ کھول دیا۔ شہروز چوکیدار کو گھسیٹتا ہوا اس کے کیبن میں لے گیا پھر اس نے چوکیدار ہی کے کندھے پر پڑے ہوئے ایک رومال سے چوکیدار کا منہ باندھا اور رومال کا تھوڑا حصہ اس میں ٹھونس دیا۔ اس کے بعد اس کی قمیض اتار کر اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں باندھ کر اسے کیبن ہی میں کھڑا کر دیا۔ پھر وہ دونوں باہر نکل آئے۔ قادر بخش بہت خوش تھا اس دوران اس نے گیٹ دوبارہ بند کر دیا تھا۔ شہروز نے کہا۔

''آؤ۔'' قادر بخش کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہاں جاسوسی ہو رہی ہے تو پتا نہیں اس کے سر میں کیا سمایا وہ بڑی خوشی خوشی سارے کام کرنے لگا۔ شہروز اسے ساتھ لے کر چھپتا چھپاتا مین عمارت کے پاس پہنچ گیا اور پھر ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں سے اندر داخل ہوا جا سکے۔ چھوٹی سی جگہ اسے نظر آ گئی ایک دیوار کودنی پڑی تھی۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ عمارت بہت زیادہ بڑی نہیں تھی۔ آخر کار انہوں نے وہ جگہ تلاش کر لی جہاں وہ لوگ لڑکی کو لے کر گئے تھے۔

ناہید کو ایک کرسی سے باندھ دیا گیا تھا اور وہ لوگ اسے ہوش میں لانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ یہاں سے جہاں یہ دونوں چھپے ہوئے تھے اندر با آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ لوگ اس کے چاروں طرف کھڑے ہوئے تھے۔ لڑکی نے ہوش میں آنے کے بعد ان دونوں کو دیکھا اور پھر ایک دم اچھل کر کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن اس کی کرسی اٹھتے اٹھتے بچی اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر بولی۔

''تم لوگ...... تم کمینوں...... تم مجھے۔''

''جی بیگم صاحبہ آپ کی یہاں آمد ہمارے لیے باعث مسرت ہے اور ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔''

''میرے ہاتھ پاؤں کھول دو پھر میں خود بھی تمہیں خوش آمدید کہوں گی۔''

''پاگل سمجھا ہے آپ نے' ویسے مارشل آرٹس کی تربیت آپ نے کہاں سے لی۔''

''جہنم سے۔''

''اچھا جہنم میں بھی مارشل آرٹس کلب ہوتے ہیں۔''

''بہت زیادہ چہک رہے ہو۔''

''جی ہاں! ویسے آپ بہت اچھی رپورٹر ہیں۔ آپ کا لکھا ہوا فیچر ہم نے پڑھا' ہمارے لیے تو بڑی کام کی چیز ثابت ہوئی وہ اب ہم آپ سے تھوڑی سی تفصیلات معلوم کرنا چاہتے ہیں اس سلسلے میں۔ آپ یہ بتایئے کہ ان خاتون نے جو بچی آپ کو دی تھی اس کے بارے میں کیا کہا تھا آپ سے۔''

''کتو...... میرے ہاتھ پاؤں کھول دو' میں تم سے کہہ چکی ہوں' تمہارا بہت برا حشر ہوگا۔''

''کیا آپ جادو جانتی ہیں۔'' وہ شخص طنزیہ انداز میں بولا اور ناہید دانت پیس کر رہ گئی۔ شہروز اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی اس وقت بھی اسے بہت اچھی معلوم ہوئی تھی جب اس نے اسے اخبار کے دفتر میں دیکھا تھا اور اس وقت بھی وہ شہروز کے لیے ایک آئیڈیل شخصیت اختیار کر گئی تھی' اس لیے کہ ان حالات کے باوجود وہ بالکل خوفزدہ نظر نہیں آتی تھی۔ وہی شخص جو اس سے سوالات کر رہا تھا ایک قدم آگے بڑھا اور اس نے لڑکی کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔

''تمہاری گردن پر چھری پھیرنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوگی' حالانکہ تم بہت خوب صورت ہو' لیکن بدقسمتی سے ہماری جو ڈیوٹی لگائی گئی ہے وہ ایسی ہے کہ ہم تمہاری خوب صورتی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے ورنہ ہمیں سزا بھگتنی ہوگی۔'' لڑکی نے اسے گھور کر دیکھا' مگر اس بار وہ خاموش ہی رہی تھی۔ اس کے چہرے سے اب بے بسی ٹپکنے لگی تھی۔

''اڑے ماں کسم اپن کو بولو شہروز بھائی اپن ان سالوں کا چٹنی بنا کر رکھ دے گا۔''

''بنائیں گے بنائیں گے۔ فکر مت کرو تھوڑا سا انتظار کر لو۔''

''ہاں بیگم صاحبہ بچی کہاں ہے۔''

''وہ امریکا چلی گئی۔'' لڑکی نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا اور وہ چاروں چونک پڑے۔

''امریکا......''

''ہاں۔''

''کیسے گئی۔''

''بذریعہ ہوائی جہاز۔''

''نہیں میرا مطلب ہے کون لے گیا۔''

"فرشتے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"اوہو...... تو آپ مذاق فرما رہی ہیں۔"

"جی ہاں فرما رہی ہوں آپ فرمایئے آپ کیا کہتے ہیں۔"

"دیکھو لڑکی شرافت سے بچی کا پتا دو۔ کیوں اپنی جان کا نقصان کر رہی ہو تم ایک صحافی لڑکی ہو تم نے اپنے لیے فیچر تیار کیا بس اس سے زیادہ اور کیا چاہتی ہو تم۔"

"میں چاہتی ہوں کہ تمہاری گردنیں کاٹ دوں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نہیں بتاؤ گی۔ چلو ٹھیک ہے، دیکھو ذرا سی غلطی انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔ ہم تمہیں فی الحال ماریں گے نہیں، میں تمہیں ایک چیز دکھاؤں، ایک منٹ رکو۔" وہ شخص آگے بڑھا اور ایک الماری کے قریب پہنچ گیا۔ الماری سے اس نے ایک شیشی نکالی۔ شیشی نکال کر وہ پھر واپس آیا۔ اس کے بعد اس نے زمین پر اس شیشی کی ڈاٹ کھول کر دو قطرے ٹپکائے تو اس میں سے دھواں اٹھنے لگا۔

"یہ تیزاب ہے، انتہائی تیز اور خطرناک تیزاب۔ ہم تمہارے اوپر تیزاب نہیں ڈالیں گے بلکہ ایک لکڑی تیزاب میں ڈبو کر تمہارے چہرے پر لکیریں بنائیں گے۔ پھر یہ لکیریں زندگی بھر ختم نہیں ہو سکیں گی۔ ذرا سی حماقت سے تم اپنے چہرے کا یہ سارا حسن کھو بیٹھو گی اور اگر تمہیں مزید اذیتیں دینا پڑیں تب بھی ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا چونکہ ہمارے باس کا یہی حکم ہے۔"

"جو تمہارا دل چاہے کرو، سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو۔ چلو شروع ہو جاؤ۔" لڑکی نے بے خوفی سے کہا اور قادر بخش نے پھر شہروز کے کان میں سرگوشی کی۔

"اڑے باپ ابھی دیکھو نی یارا اگر ان لوک نے ایسا کام کر دکھایا تو کیا ہوگا۔" اسی وقت شہروز نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور وہ سب چونک پڑے۔

"کون ہے۔"

"چوکیدار صاحب دروازہ کھولیے۔" شہروز نے آواز بنا کر کہا اور قادر بخش شہروز کی صورت دیکھنے لگا۔ قادر بخش نے بھی چوکیدار کی آواز سنی تھی جس میں اس نے ان لوگوں سے پوچھا تھا کہ کیا بات ہے۔ اس وقت جو آواز شہروز کے منہ سے نکلی تھی وہ سو فیصدی چوکیدار ہی کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ شہروز نے قادر بخش کو اشارہ کیا اور وہ دروازے کے دونوں طرف ہو گئے۔ دروازہ کھولنے والے شخص نے گردن نکال کر آگے جھانکا تو شہروز کا بھرپور گھونسا اس کے منہ پر پڑا۔ یہ وہی آدمی تھا جو لڑکی سے سوالات کرتا رہا تھا اور جس کے ہاتھ میں تیزاب کی بوتل تھی۔ اس گھونسے نے اسے زمین چٹا دی لیکن سب سے خوفناک بات یہ ہوئی کہ وہ تیزاب اس کے اوپر الٹ گیا اور وہ حلق سے دہاڑے نکالتے ہوا زمین پر لوٹنے لگا۔ اسی دوران وہ تینوں آدمی بھی آگے بڑھے تھے اور اس کے

بعد قادر بخش کو بھلا کون روک سکتا تھا۔

قادر بخش نے ان میں سے دو کو پکڑ لیا۔ شہروز نے تیسرے کے پیٹ پر لات ماری اور وہ منہ سے آواز نکال کر اوندھا ہوا تو شہروز کا گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا اور وہ زمین چاٹ گیا ادھر قادر بخش نے ان دونوں کو پکڑا ہوا تھا۔ شہروز نے پھرتی سے آگے بڑھ کر ان دونوں کی جیبوں کی تلاشی لی اور ان میں سے دونوں پستول برآمد ہو گئے۔ اس کے بعد وہ زمین پر گرے ہوئے لوگوں کی جانب متوجہ ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے انہیں نہتا کر دیا' چاروں ہی کے پاس عمدہ قسم کے پستول موجود تھے۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد شہروز نے اس ایک شخص کو سنبھال لیا جس کے پیٹ پر اس نے لاتے ماریں تھیں۔ لڑکی دلچسپ نگاہوں سے شہروز اور قادر بخش کو دیکھ رہی تھی۔ آن کی آن میں وہ چاروں زیر ہو گئے۔ وہ شخص تو بے ہوش ہی ہو گیا تھا جس کے اوپر تیزاب پڑا تھا۔ اس کے بدن کے کئی حصوں سے دھواں نکل رہا تھا۔ اندازہ یہ تھا کہ اس کا زندہ بچنا مشکل ہو گا۔ ادھر قادر بخش نے ان دونوں کو بھی بے ہوش کر دیا تھا اور وہ اب زمین پر اوندھے سیدھے پڑے ہوئے تھے۔ وہ شخص اب بھی درد سے کراہ رہا تھا جس کے پیٹ میں شہروز کی لات پڑی تھی۔ بس ایک وہی ہوش میں تھا۔ شہروز نے قادر بخش سے کہا۔

''تم لڑکی کو کھولو۔'' قادر بخش لڑکی کے پاس پہنچ گیا اس نے چند منٹ میں اسے بندشوں سے آزاد کر دیا۔

''بولو باپ اب کیا کرنا ہے۔'' قادر بخش نے شہروز سے پوچھا۔

''آپ کا نام ناہید ہے نا۔''

''اور آپ وہ ہیں جو مجھ سے دفتر میں ملنے آئے تھے۔'' ناہید نے کہا۔

''ہاں......آیئے۔''

''چلو۔''

''ان لوگ کا کیا کرے شہروز بھائی۔'' قادر بخش نے بے ہوش آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''پڑا رہنے دو' ہمیں ان سے کوئی غرض نہیں ہے۔ مگر اسے ساتھ لے چلو۔''

''کسے۔''

''یہ۔'' شہروز نے کہا اور اچانک ہی وہ پھر اس شخص پر ٹوٹ پڑا جسے اس نے خود قابو میں کیا تھا۔ اس نے اس کی کنپٹیاں دبائیں اور چند منٹ کے بعد وہ شہروز کے بازوؤں میں جھول گیا۔

''اسے لے جا کر کیا کرو گے۔'' ناہید نے سوال کیا۔

''یہ بہت سے انکشافات کرے گا مس ناہید' آپ کے اخبار کے نئے فیچر کے لیے۔'' ناہید نے آنکھیں پھاڑ کر شہروز کو دیکھا اور بولی۔

''تم لوگ مجھے حیران کن طریقے سے شاندار لگ رہے ہو۔''

''لگ رہے ہیں نا' آیئے۔'' شہروز بولا اور اس کے بعد وہ تینوں آگے بڑھ گئے۔ قادر بخش نے اس بے ہوش شخص کو کندھے پر

ڈال لیا تھا۔

مکان سے باہر نکل کر وہ کار کی جانب بڑھ گئے۔ قادر بخش نے کہا۔

"شہروز بھائی اس بے ہوش چوکیدار کا کیا کیا جائے۔"

"جہنم میں رسید کرو یا پچھے لوگ تو نہیں تھے۔" شہروز نے کہا اور اس کے بعد وہ کار تک پہنچ گئے۔ کار کی پچھلی سیٹ پر بے ہوش آدمی کو ٹھونسا گیا اور قادر بخش اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ لڑکی کو شہروز نے آگے بیٹھنے کی پیش کش کی تھی۔ وہ اطمینان سے شہروز کے ساتھ بیٹھ گئی اور اس بار اسٹیرنگ شہروز نے سنبھالا تھا اور اس کے بعد کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی۔

"آپ لوگ آخر یہاں کیسے پہنچ گئے۔"

"آپ کا پیچھا کرتے ہوئے۔" شہروز نے جواب دیا۔

"پیچھا۔"

"ہاں۔"

"مگر میرا پیچھا آپ نے کہاں سے کیا۔"

"آپ کے اخبار کے دفتر کے باہر سے۔"

"مطلب یہ کہ اس وقت جب ان لوگوں نے مجھے قابو میں کیا تھا۔"

"ہاں۔"

"آپ وہاں کیا کر رہے تھے۔"

"آپ کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔" شہروز نے جواب دیا اور لڑکی کے چہرے پر الجھن کے آثار پھیل گئے۔ پھر وہ بولی۔

"آخر آپ ہیں کون، بتائیں گے نہیں اپنے بارے میں۔"

"بتا دیں گے اگر آپ کو جلدی نہیں ہے تو۔"

"نہیں مجھے کوئی جلدی نہیں ہے، ویسے یہ لوگ مجھے بے ہوش کر کے یہاں تک لائے تھے۔"

"ہوش میں لا بھی نہیں سکتے تھے۔"

"کیا مطلب۔"

"آپ نے ان لوگوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ ہم نے دیکھا تھا۔"

"بس چار تھے، ابھی اتنی ماہر نہیں ہوئی ہوں میں مارشل آرٹس میں کہ ان چاروں کو نیچا دکھا سکتی۔"

"پھر بھی آپ نے انہیں کافی نیچا دکھا دیا تھا۔"

"اڑے ماں کسم میرے کو تو اتنا خوش ہوا جب میں نے ان لوگ کو آپ کے ہاتھ سے پٹتے ہوئے دیکھا۔" قادر بخش پیچھے سے بولا اور ناہید مسکرا کر رہ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد کار اس عمارت میں داخل ہو گئی جو لیمپو آن نے آپریشن ہاؤس یا پھر کارواں گروپ کے ہیڈ کوارٹر کے طور پر بنائی تھی۔ سب سے پہلے قادر بخش بے ہوش شخص کو لیے ہوئے نیچے اترا۔ اس کے بعد ناہید اور شہروز نیچے اتر آئے۔ ناہید اس عمارت کا جائزہ لے رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔"

"مس ناہید آپ اگر چاہیں تو یہیں سے واپس جا سکتی ہیں آپ کو یہاں لانے کا مقصد یہ تھا کہ تھوڑا سا کام کر لیا جائے۔ آپ یہ نا سمجھیے کہ یہاں آپ کو کسی قسم کی ذہنی الجھن کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"نہیں خیر اس کا تو مجھے خود اندازہ ہے۔ آپ براہ کرم میری بات کو محسوس نہ کریں۔"

"مجھے صرف ایک بات کا جواب دے دیجیے' اگر آپ کو تھوڑا سا وقت یہاں لگ جاتا ہے تو آپ کو تو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

"نہیں جناب' میں ایک آزاد پنچھی ہوں اور مجھ پر کہیں سے بھی کسی طرح کا دباؤ نہیں ہے۔"

"آیئے پلیز۔" شہروز نے کہا اس دوران قادر بخش بے ہوش آدمی کو لیتے ہوئے اندر داخل ہو گیا تھا۔ شہروز ناہید کو لیتے ہوئے جس بڑے ہال میں پہنچا وہاں لیمپو آن اور کائی شی بھی موجود تھے۔ ناہید نے دلچسپ نگاہوں سے اس چینی جوڑے کو دیکھا۔ لیمپو آن اور کائی شی نے گردن جھکا کر ناہید کو خوش آمدید کہا تھا۔ قادر بخش بے ہوش آدمی کو ایک اسٹیل بیڈ پر لٹا چکا تھا اور وہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ناہید دلچسپی سے مسکرائی اور بولی۔

"یہاں کا تو ماحول مجھے بڑا عجیب سا لگ رہا ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ میرا کسی سے کوئی تعارف نہیں ہو سکا۔ میں یہاں آکر اپنے آپ کو بڑا مطمئن محسوس کر رہی ہوں۔"

"ہم یہی چاہتے تھے مس ناہید کہ آپ ہمارے درمیان اپنے آپ کو مطمئن محسوس کریں۔" لیمپو آن نے جب شفاف اردو میں کہا تو ناہید کے چہرے پر مزید حیرت کے آثار نمودار ہو گئے۔

"اوہ میرے خدا' یہ سب کچھ تو آئیڈیل لگ رہا ہے۔"

"اس کے لیے ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔" اس بار کائی شی بولی اور ناہید مسکراتی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی۔

"آپ سب سے مل کر مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ ہم سب سے پہلے وہ رسم ادا کر لیتے ہیں جو انسانوں کے درمیان بنیادی حیثیت رکھتی ہے یعنی تعارف۔"

"گڈ ویری گڈ۔ بڑا خوب صورت انداز ہے تمہارا بیٹے۔ آخر کیوں نہ ہو صحافی ہو۔"

''آپ تو میرے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہیں۔''

''ہاں' تمہارا فیچر پڑھنے کے بعد جو تم نے اس بچی کے بارے میں اور اپنی تحقیق کے بارے میں لکھا تھا۔ ویسے میں تم سے ایک سوال کروں بیٹی' تمہارے ایڈیٹر نے تمہیں اس فیچر کو شائع کرنے کی اجازت کیسے دے دی اور اگر اجازت دے بھی دی تو انہوں نے تمہاری حفاظت کے لیے کیا کچھ کیا یہ بتا سکتی ہو تم مجھے۔''

''لمبی کہانی ہے جناب بتادوں گی آپ کو اور ابھی بتادوں گی۔ ایک بات بتائیں یہ جو بندہ بے ہوش پڑا ہوا ہے' کیا اس کے ہاتھ پاؤں باندھنا ضروری نہیں ہیں۔''

''وہ جو تمہارے سامنے ایک دیوار کھڑی ہے اس کا نام قادر بخش ہے' اس بندے نے جو بھی کوشش کی' وہ اس کے ہاتھ پاؤں توڑنے میں معاون ثابت ہوگی اور جہاں تک وہ سامنے والا دروازہ ہے اسے جب تک کھولنے کی ٹیکنیک معلوم نہ ہو اسے کھولا نہیں جا سکتا۔'' لیمپو آن نے جواب دیا۔

''گڈ مجھے پر اعتماد لوگ بہت پیارے لگتے ہیں۔ ناموں کی بات رہ گئی میرا نام ناہید ہے جیسا کہ آپ کو علم ہو چکا ہے اور بزرگ میں آپ سے ابتداء کرتی ہوں۔ آپ کا نام کیا ہے۔''

''لیمپو آن اور یہ میری بیوی کائی شی ہے۔''

''گڈ اور یہ صاحب۔'' اس بار ناہید نے شہروز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''خادم کو شہروز کہتے ہیں اور وہ قادر بخش ہے۔''

''کیا آپ لوگوں کا تعلق خفیہ سیل سے ہے۔''

''نہیں...... آؤ اب بیٹھو بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔'' وہ لوگ صوفوں پر جا بیٹھے۔ بے ہوش شخص کو واقعی نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ لیمپو آن نے کہا۔

''اگر تمہارے پاس وقت ہے تو ہم تمہیں خاطر مدارات کے بعد واپس کریں گے۔ بچے کے بارے میں بتاؤ جو فیچر تم نے لکھا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے نا۔''

''سو فیصدی مسٹر لیمپو آن لیکن معاف کیجیے گا' ایک اور خیال میرے دل میں گردش کر رہا ہے۔''

''کیا......''

''دیکھیے' برا نہ مانیں میری بات کا' کیا آپ اس دوسرے گروپ میں سے نہیں ہو سکتے جو بچی کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ میرا اعتماد حاصل کر کے آپ مجھ سے اس بچی کے بارے میں معلومات تو حاصل کرنا چاہتے۔''

''اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ بچی بالکل محفوظ ہے تو ہم بالکل یہ تقاضا نہیں کریں گے کہ اسے ہمارے پاس لے آؤ' نا ہی یہاں سے جانے

کے بعد تمہارا تعاقب کریں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے۔"

"گڈ...... ویسے بھی آپ لوگ مجھے اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن براہ کرم مجھ سے بچی کا مطالبہ نہ کیجیے گا۔"

"یہ تمہاری ذہانت ہے۔ بہر حال یہ ہمارے ایک گروپ ہے جسے ہم کارواں گروپ کا نام دیتے ہیں۔ ہم اس گروپ کی تشکیل کر رہے ہیں۔ شہروز' قادر بخش' میں اور کائی شی کارواں گروپ کے ابھی یہ صرف چار ممبر ہیں۔ ہم اس گروپ میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں اور تمہیں بھی اس کی پیشکش کرتے ہیں لیکن اس وقت جب تمہارے اور ہمارے درمیان اعتماد کے رشتے قائم ہو جائیں۔ تم ہمیں کچھ وقت دو' اس شخص کو اسی لیے اٹھا کر لایا گیا ہے کہ اس سے معلومات حاصل کی جاسکیں۔ کیا تم ہمیں وقت دے سکو گی۔"

"اگر میں ان لوگوں کی قید میں ہوتی اور آپ لوگ مجھے رہا کرا کر نہ لائے ہوتے تو وقت دینے یا نہ دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ میں تو ان کی قید میں ہی پڑی ہوتی۔ اس لیے آپ بے فکر رہیں' میں ہر طرح سے موجود ہوں۔"

"گڈ...... اچھا کائی شی ہمارا تعارف ہو گیا' اب تم ناہید کی خاطر مدارات کا بندوبست کرو۔" ابھی اتنا ہی کہا گیا تھا کہ اچانک ہی بے ہوش شخص ہوش میں آ گیا اور اس نے مسہری پر سے چھلانگ لگائی۔ سب لوگ چونک کر ادھر دیکھنے لگے تھے۔ ناہید تو مضطرب ہوئی لیکن لیمپو آن' شہروز' قادر بخش اور کائی شی وغیرہ اطمینان سے بیٹھے رہے تھے۔ وہ شخص سیدھا دروازے کی طرف بھاگا اور پھر وہ دروازے پر زور آزمائی کرنے لگا۔ یہ لوگ پر اطمینان نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے' یہ کوشش کر کے وہ ناکام ہو گیا تو اس نے اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن جیب بھی خالی تھی۔ وہ دروازے سے کمر لگا کر بے بسی سے ان لوگوں کو دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہیں قادر بخش اور شہروز کا جائزہ لے رہی تھیں پھر اس نے لیمپو آن وغیرہ کو بھی دیکھا اور چند قدم آگے بڑھایا۔

"مجھے جانے دو یہاں سے۔" کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ اور آگے بڑھایا۔

"سنا نہیں تم لوگوں نے' مجھے جانے دو۔"

"جاؤ۔" لیمپو آن دروازے کی جانب اشارہ کر کے بولا۔

"دروازہ نہیں کھلتا۔"

"تمہاری تقدیر......"

"میں تم سب کو قتل کر دوں گا۔"

"کر دو۔" لیمپو آن نے کہا اور وہ واقعی جنونی میں ادھر ہی دوڑ پڑا۔ رخ لیمپو آن کی طرف ہی تھا لیکن ناہید نے اس وقت بھی ایک کمال کا منظر دیکھا جب لیمپو آن نے دونوں انگلیاں سیدھی کر کے اس کے سینے پر ماری تھیں اور وہ ایک ہولناک کراہ کے ساتھ زمین پر جا پڑا تھا۔

☆......☆......☆

وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ ناہید نے حیرت سے کہا:

”یہ کیا ہوا خود بخود۔“

”نہیں خود بخود نہیں۔ سینے کی جس رگ پر میں نے دونوں انگلیاں جمائی ہیں' وہ مڑ گئی ہے۔ دس منٹ تک یہ تڑپتا رہے گا اور اس کے بعد ٹھیک ہو جائے گا کیونکہ اس دوران رگ اپنی جگہ واپس آ جائے گی۔“

وہ شخص واقعی بری طرح تڑپ رہا تھا' یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا دل نکل جائے گا لیکن یہ حیران کن منظر سب سے زیادہ ناہید کے لیے تعجب خیز تھا' دوسرا شخص جو اس سے متاثر تھا وہ قادر بخش تھا جو آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا:

”اڑے ماں کسم' خدا کا کسم یہ تو لیٹے لیٹے ڈانس مار رہا ہے' وڈی کمال کی بات ہے۔“ یہ کہہ کر قادر بخش اپنے سینے کو مسلنے لگا۔

وہ شخص تھوڑی دیر کے بعد نارمل ہو گیا تھا' لیکن وہ زمین پہ بیٹھا ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا پھر اس کی آواز ابھری:

”مجھے جانے دو پلیز میں جانا چاہتا ہوں۔“

”دنیا سے......“ شہروز نے سوال کیا۔

”دیکھو......میں......میں......“

”بکری کے بچے مت بنو۔ کھڑے ہو جاؤ اور ادھر آ جاؤ۔“ لیپو آن نے کہا اور وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ لڑکھڑاتے قدموں سے ان کے قریب پہنچ گیا۔

”دیکھو میں تو ایک کرائے کا آدمی ہوں۔“

”کیا نام ہے کرائے کے آدمی؟“

”نوید......نوید خان۔“

”نوید خان' تھوڑی سی تفصیل معلوم کرنی ہے تم سے' اس کے بعد ہو سکتا ہے' ہم تمہاری رہائی کا فیصلہ کر لیں۔“ لیپو آن نے کہا۔

”میں کوئی تفصیل نہیں جانتا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے' تم لوگ مجھے مروانے پر تلے ہوئے ہو۔“

”مر تو تم گئے ہو، وہ لوگ نہیں ماریں گے' تمہیں ہم مار دیں گے اور تمہیں اس کا اندازہ ہے کہ یہاں بہت سے قاتل موجود ہیں۔ تم جس کے ہاتھوں قتل ہونا پسند کرو۔ تم لوگوں نے مس ناہید کو اغوا کیا تھا ناں۔“

”ہاں۔“

”کیوں؟“

”ان سے بچی کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے۔“

”بچی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟“

''ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''پھر......؟''

''ہم کسی کے کہنے پر یہ کام کر رہے تھے۔''

''کس کے کہنے پر؟''

''یہ نہیں بتایا جا سکتا۔''

''بتاؤ گے......تم بتاؤ گے۔''

''دیکھو تم مجھ پر تشدد مت کرنا۔ میں مر جاؤں گا مگر زبان نہیں کھولوں گا۔'' جواب میں لیمپو آن اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا:

''اچھا دیکھو......ہاں بے بی ناہید دیکھو زبان کیسے کھولی جاتی ہے۔ میں تمہیں بتاؤں چلو اٹھو آؤ......شہروز اسے پکڑ کر باندھ دو۔''

''مم......میں نہیں میں۔'' نوید خان نے کہا لیکن شہروز اور قادر بخش نے اسے پکڑ لیا اور ایک بار پھر اسے اسٹیل کے اس پلنگ سے خاص طریقے سے باندھ دیا گیا۔ پلنگ میں غالباً اس طرح کا انتظام پہلے سے موجود تھا۔ اس کے نیچے سے زنجیریں اور کڑے نکال کر نوید خان کے پہلے دونوں ہاتھ کسے گئے اور اس کے بعد پاؤں۔ وہ تڑپ رہا تھا۔ پتا نہیں یہ لوگ اسے کس طرح اذیت دینا چاہتے تھے۔ ناہید پوری دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ لڑکی ضرور تھی لیکن اس کے سینے میں غالباً فولاد کا دل تھا کیونکہ وہ کسی بھی منظر سے بہت زیادہ متاثر نظر نہیں آ رہی تھی۔

لیمپو آن واپسی کے لیے مڑ گیا۔ ناہید نے آہستہ سے شہروز کے کان میں کہا:

''کیا اسے اذیتیں دی جائیں گی؟''

''یہ میں نہیں جانتا......کیوں؟''

''نہیں نہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں مسٹر شہروز کہ......'' اچانک ہی ناہید خاموش ہو کر شہروز کو دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا:

''آپ شہروز......آپ کون ہیں؟''

''ارے......ارے یہ اچانک ہی میری طرف خیال کیسے مڑ گیا۔''

''معافی چاہتی ہوں۔ میں نے اب تک آپ کو غور سے دیکھا ہی نہیں تھا۔''

''اور اب......'' ناہید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش ہو کر اس شخص کی طرف دیکھنے لگی جو گالیاں بک رہا تھا اور بار بار تڑپ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد لیمپو آن ایک ڈبہ لیے ہوئے قریب پہنچ گیا۔ لکڑی کا ڈبہ تھا۔ اس نے ڈبے کا اوپری ڈھکن کھولا ایک سبز رنگ کا

کافی بڑا مینڈک اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے مینڈک کو اٹھا کر بندھے ہوئے شخص کے سینے پر رکھ دیا۔ وہ شخص ایک دم ساکت ہو گیا۔ اس کی آنکھیں مینڈک کو دیکھنے لگیں۔ مینڈک کی زبان بار بار باہر نکل رہی تھی اور اس شخص کے چہرے کو چھو رہی تھی۔ لیمپو آن نے آگے بڑھ کر اس کے ہونٹوں پر کوئی سیال لگا دیا۔ مینڈک تھوڑا آگے بڑھا اور اپنی زبان سے اس سیال کو صاف کرنے لگا۔ اس شخص کے حلق سے دہشت کی آواز نکلی اور وہ پھر زور لگانے لگا۔ لیکن مینڈک اس طرح اس کے سینے پر جم کر بیٹھ گیا تھا جیسے اسے کیل سے گاڑ دیا گیا ہو۔ البتہ اس کی زبان بار بار اس شخص کے ہونٹوں کو چھو رہی تھی اور وہ چیخنے سے بھی گریز کر رہا تھا کہ کہیں زبان اس کے منہ میں داخل نہ ہو جائے لیکن مینڈک اس کے ہونٹوں پر لگا ہوا سیال صاف کر رہا تھا اور جب یہ سارا سیال صاف ہو گیا تو لیمپو آن نے دوبارہ اس شیشی سے وہ سیال اس کے ہونٹوں پر لگا دیا۔

"کتے...... کتے کے بچے۔ ہٹا لے اسے یہاں سے ورنہ میں تجھے جان سے مار دوں گا۔"

لیمپو آن باریک آواز میں ہنسنے لگا۔ ناہید بھی حیران نگاہوں سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی اور اس میں کافی دلچسپی لے رہی تھی۔ سیال دوبارہ ختم ہوا تو لیمپو آن نے دوبارہ شیشی کھولی۔

"ہٹا لے اسے ہٹا لے تجھے خدا کا واسطہ اسے ہٹا لے۔ میں بتا دوں گا سب کچھ بتا دوں گا۔ آہ اسے ہٹا لے میں مر جاؤں گا۔ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔"

لیمپو آن نے آگے بڑھ کر ڈبے کا اوپری ڈھکن کھولا' مینڈک کو اٹھا کر اس میں رکھا اور ڈبہ بند کر دیا۔ پھر وہ پیار بھرے لہجے میں بولا:

"ہاں میری جان بتا دو سب کچھ بتا دو۔" ناہید بڑے عجیب سے انداز میں باری باری ان سب کو دیکھ رہی تھی۔

نوید خان پھٹی پھٹی آنکھوں سے لیمپو آن کو اور اس ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ پھر یوں لگا جیسے وہ سب کچھ بتانے پر آمادہ ہو گیا ہو۔

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں تو کرائے کا آدمی ہوں' ان سارے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یقین کرو میں جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"یار کرائے کے آدمی' کس نے تمہیں کرائے پر حاصل کیا اور جس نے تمہیں حاصل کیا وہ تم سے کیا چاہتا تھا؟"

"ہمارا ایک گروپ ہے جو پانچ افراد پر مشتمل ہے۔ اس گروپ کا لیڈر ڈانگے ہے۔ نئی گلی میں رہتا ہے' نئی گلی کا ڈانگے مشہور آدمی ہے۔ لوگ کرائے پر اس سے کام کرالیا کرتے ہیں۔ اس معاملے میں ڈانگے ہی سب کچھ جانتا ہے۔"

"ٹھیک' چلو تمہاری بات مانے لیتے ہیں۔ لڑکی کو اغوا کر کے تم کہاں لے جاتے؟"

"جس گھر میں ہم نے اسے رکھا تھا بس وہیں تک اسے پہنچانا ہماری ڈیوٹی تھی۔ ہم اسے وہاں چھوڑ کر چلے جاتے اور اس کے بعد ہمارا کام ختم ہو جاتا۔"

لیمپو آن نے شہروز کی طرف دیکھا اور شہروز نے گردن ہلا کر کہا:

''ڈانگے۔''

''لے آؤ گے؟''

''ہاں کیوں نہیں۔''

''یہ پیاری سی بچی اسے کیا یونہی چھوڑ دو گے۔'' لیمپو آن نے ناہید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''آپ لوگوں نے بے شک میری مدد کی ہے لیکن میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپ مجھے کوئی خاص حیثیت نہیں دے رہے۔''

''یہ بات نہیں ہے ناہید بیٹے' میں تمہیں تھوڑی سی تفصیل بتا دوں شہروز' قادر بخش' کائی شی اور میں جیسا کہ میں نے کچھ لمحے پہلے تمہیں بتایا ہے کہ ہم نے ایک چھوٹا سا گروپ بنایا ہے جسے ہم کارواں گروپ کا نام دیتے ہیں' ہمارے مقاصد یہ ہیں کہ ہم اس شہر میں ہی سبھی جرائم کے خلاف کام کریں۔ ویسے تو یہ وطن ہمارا ہے' اس کے کسی بھی گوشے میں ہونے والا کوئی بھی جرم ہمارے لیے ایک بدترین چیلنج ہے۔ کارواں گروپ اسی چیلنج کے خلاف کام کرنا چاہتا ہے۔ پولیس اور دوسرے محکمے بے شک اپنا کام سرانجام دیتے ہیں لیکن ان پر بے پناہ دباؤ ہوتا ہے۔ کبھی کسی بڑے آدمی کا' کبھی کسی بڑی شخصیت کا کبھی اس کے اپنے اغراض و مقاصد ہوتے ہیں۔ ہم ان سب سے ہٹ کر صرف اپنا کام سرانجام دینا چاہتے ہیں۔ یہ ہی ہمارا مقصد ہے۔''

''یہ تو بڑا زبردست کام ہے ایڈونچر سے بھرپور۔'' ناہید نے دلچسپی سے کہا۔

''ہاں بیٹے اور کارواں گروپ ایسے اعلیٰ کارکنوں کی تلاش میں رہتا ہے جو اس کے ساتھ مل کر کام کر سکیں۔''

''ایک بات کہوں مسٹر لیمپو آن۔'' ناہید بولی۔

''ہاں کہو۔''

''کیا مجھے اس گروپ میں جگہ مل سکتی ہے؟''

''چاہتی ہو؟''

''دل سے۔''

''مل گئی۔''

''کیا واقعی؟''

''ہاں۔ اگر تم اس بات کی خواہش مند ہو تو سمجھ لو کہ تم کارواں گروپ میں شامل ہو گئی۔''

''مجھے کیا کرنا ہو گا؟''

''اخبار کی ملازمت کرتی رہو پیسوں کے لیے نہیں بلکہ اپنی شخصیت کو قائم رکھنے کے لئے۔ ہمیں اس بات کی خوشی ہو گی کہ ملک کے یا وطن کے کسی بھی اخبار میں ہماری آواز ہو' طریقے...... طریقے سے۔''

''بزمی صاحب بہت اچھے انسان ہیں۔ مجھے بیٹی کی طرح چاہتے ہیں میں ان سے جو چاہوں کرا سکتی ہوں۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ مجھے اس قسم کا کوئی موقع مل رہا ہے۔ آپ براہ کرم مجھے بتایئے کہ مجھے کارواں گروپ کے لیے اور کیا کیا کرنا ہوگا؟''

''چلو اسی موضوع پر بات کر لیتے ہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ تمہاری ملازمت کے اوقات کیا ہیں؟''

''بالکل نہیں' مجھے صرف اپنے چھوٹے چھوٹے سے کام کرنا ہوتے ہیں اور اس کے بعد آؤٹ ڈور نکل جاتی ہوں۔ خبروں کی تلاش میں آوارہ پھرتی ہوں بلکہ میں نے زندگی کے مختلف شعبے اپنائے ہوئے ہیں' بہت سے لوگوں پر کام کر چکی ہوں۔ میرا ایک بہت ہی مشہور کارنامہ ایک نمبر اور دو نمبر کی جو پروڈکٹس تیار ہوتی ہیں' ان کے بارے میں تحقیقات کرنا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں کافی کام کیا اور بہت سی معلومات حاصل کیں۔ پھر میں نے اپنے اخبارات میں فیچر چھاپے۔ اصل میں ایک نمبر مال بنانے والے ہی دو نمبر مال بھی بناتے ہیں۔ خود اپنے خلاف پبلسٹی کرتے ہیں۔ ایک باقاعدہ نیٹ ورک ہے ان کا...... پھر میں نے فقیروں پر چوروں پر اور کئی اوروں پر کام کیا اور ان کے درمیان شامل ہو کر ان کی کھوج کی اور اخبارات کو اس کی تفصیل دی۔ اس سے بڑے فائدے ہوئے۔ ذاتی طور پر بھی اگر کوئی جرائم پیشہ شخص ہے تو میں اس کے پیچھے لگ کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتی ہوں اور اپنے اخبار کو خبریں دیتی ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم پیدا ہی کارواں گروپ کے لیے ہوئی ہو۔''

''آپ لوگ یقین کریں اگر مجھے کوئی ایسا گروپ مل جاتا ہے تو یہ تو میری خوش بختی ہوگی۔''

''میں نے کہا نا مل جاتا نہیں تمہیں مل چکا ہے۔ ہمارے درمیان رہ کر تمہیں تھوڑی سی ٹریننگ حاصل کرنا ہوگی۔ ویسے یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ تم مارشل آرٹس کی ماہر ہو اور یہ ہمارے لیے بہت اچھی بات ہوگی۔ بس تھوڑی سی ذہنی تربیت' کچھ امتحانات اور اس کے بعد میدان عمل۔''

''اس بچی کے لیے کیا کیا جائے؟''

''فی الحال نوید خان کو یہیں بند رہنے دیتے ہیں' وہ بھاگ نہیں سکے گا۔ اسے خوب آور دوائیں دی جاتی رہیں گی۔ اب اس سلسلے میں میرا ایک بالکل ہی الگ نظریہ ہے۔''

''وہ کیا جناب؟''

''فوزیہ بتایا تھا ناں تم نے اپنی دوست کا نام......؟''

''جی۔''

''فوزیہ اور اس بچی کو ہم یہیں کارواں ہاؤس میں لے آتے ہیں اور اس وقت تک اسے یہاں رکھتے ہیں جب تک کہ ساری صورت حال سمجھ میں نہ آ جائے۔''

''خدا کی قسم آپ بڑا نیک کام کریں گے ورنہ نہ صرف وہ بچی بلکہ فوزیہ بھی خطرے میں پڑ جائے گی' جن لوگوں نے اس قدر

خوفناک صورت حال پھیلائی ہے وہ آسانی سے اس بچی کو نہیں چھوڑیں گے۔"

"ہمارا بھی یہی خیال ہے۔ یہ کام میں فوراً کئے دیتا ہوں تم ساتھ جاؤ گی اور فوزیہ اور بچی کو اپنے ساتھ لے آؤ گی۔ قادر بخش اور شہروز تمہاری نگرانی کریں گے۔ ہم جب ان لوگوں سے فارغ ہو جائیں گے تو پھر ڈانگے کو یہاں پکڑ کر لائیں گے اور اس سے صورت حال معلوم کریں گے۔"

"ٹھیک ہے...... تو پھر اب۔"

"تمہیں اجازت ہے۔"

قادر بخش اور شہروز ناہید کو لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ ناہید نے دو تین بار شہروز کی صورت حال دیکھی تھی لیکن یہ محسوس کیا تھا کہ شہروز اس سے آنکھیں نہیں ملاتا۔

شہروز پہلی ہی نگاہ میں اس لڑکی سے متاثر ہوا تھا۔ ناہید کے دل میں اس کے لیے کچھ تھا یا نہیں وہ یہ نہیں جانتا تھا لیکن خود وہ ناہید سے متاثر ہو گیا تھا۔ البتہ اپنی فطرت کے مطابق شاید وہ زندگی بھر ناہید سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

فوزیہ اس بچی سے بہت زیادہ محبت کرنے لگی تھی۔ پھر جب ناہید نے اسے تمام تر صورت حال بتائی تو فوزیہ خوفزدہ ہو گئی۔

"ارے باپ رے اس کا مطلب ہے کہ اگر کسی کو یہ پتا چل گیا کہ یہ محترمہ میرے پاس ہیں تو میری تو گردن بھی کاٹ ڈالی جائے گی۔"

"ایسا ہی ہے۔" ناہید نے کہا۔

"کیوں ڈرا رہی ہو یار۔ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

"مشکل ہے۔" ناہید بولی۔

"ارے بک بک کئے جا رہی ہے تو' مروانا ہے کیا مجھے؟"

"نہیں زندہ رہنا چاہتی ہو تو مجھے بتاؤں۔"

"ناہید پلیز خدا کی قسم میں ڈر رہی ہوں۔"

"چلو اٹھو تیار ہو جاؤ' تمہیں کچھ دن کسی کے ہاں مہمان رہنا ہوگا۔"

"کس کے ہاں؟"

"یار ایک تو تیری بحث کرنے کی عادت بہت بری ہے۔ ظاہر ہے میں تجھے کسی غلط جگہ نہیں لے جاؤں گی۔"

فوزیہ بچی کو لے کر ناہید کے ساتھ آئی۔ قادر بخش اور شہروز انتظار کر رہے تھے۔ فوزیہ کافی خوفزدہ تھی۔ بہر حال وہ لوگ ان کو لے کر چل پڑے۔ ابھی تک کسی طرف سے کسی کاروائی کا شبہ نہیں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ وہ منزل پر پہنچ گئے۔ فوزیہ بچی کو سینے سے لگائے ڈری ڈری اندر داخل ہوئی تھی اور کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو اس کے لیے الجھن کا باعث ہو۔ بہر طور وہ لیپو آن کے سامنے پہنچ گئی ان دونوں

کو دیکھ کر وہ بھی کسی قدر حیران ہوئی تھی اور جب اس نے ان کی زبان سے بہترین اردو سنی تو مزید حیران ہو گئی۔

''بچی کے بارے میں تمہیں بتایا جا چکا ہو گا بیٹی۔ ہم اس وقت تک اسے اپنا مہمان رکھیں گے جب تک کہ اس کی اصلیت کا پتا نہ چل جائے۔ ورنہ اندازہ تو یہ ہو رہا ہے کہ اس کے کچھ دشمن اسے ختم کرنے کے درپے ہیں۔''

''جی جناب۔''

''بیٹا تمہیں یہاں ہمارے ساتھ وقت گزارنا ہو گا۔''

''میں تیار ہوں۔ کیا کیا جائے؟'' ناہید بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا:

''میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''یہ بتاؤ تم راتیں کہاں گزارتی ہو؟''

''ایک چھوٹا سا گھر ہے میرا بھی۔''

''تنہا ہو وہاں؟''

''ہاں بالکل۔''

''تو پھر یہاں ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہتیں۔''

''رہو گی تو خیر نہیں لیکن عارضی طور پر یہاں رہا جا سکتا ہے کیونکہ میری دوست بھی یہاں موجود ہے۔''

''چلو جیسے بھی صحیح۔''

اس کے بعد لیمپو آن نے تنہائی میں شہروز اور قادر بخش سے کہا تھا۔

''ڈانگے کو پکڑ کر لانے کے لیے منصوبہ بنا لو۔ تمہیں خود اسے لے کر آنا ہے۔''

''منصوبہ میرے پاس موجود ہے۔''

شہروز نے کہا اور لیمپو آن کو اپنے منصوبے کے بارے میں تفصیل بتانے لگا۔ لیمپو آن نے ان سے اتفاق کیا تھا۔

قادر بخش اور شہروز بہت ہی قیمتی لباس میں ملبوس ہو کر نئی گلی میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے جو انتظامات کئے تھے وہ دلچسپ حیثیت رکھتے تھے۔

قادر بخش ایک مخصوص لباس میں موجود تھا۔ لمبے چوڑے قد و قامت کا مالک کوئی شاندار ریسلر معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ایک چست لباس پہنا ہوا تھا جس سے اس کے جسم کے مسلز نمایاں تھے۔ دونوں سائیڈ ہولسٹر میں پستول لٹکے ہوئے تھے۔ ادھر شہروز نے گلے میں سونے کی زنجیر پہنی ہوئی تھی' کانوں میں سونے کے ٹاپس تھے' کلائی پر انتہائی قیمتی ہیروں کے ڈائل والی گھڑی بندھی ہوئی تھی' لباس بھی بہت خوبصورت تھا۔ دونوں ہاتھوں کی آٹھ انگلیوں میں انگوٹھیاں نظر آ رہی تھیں۔ سج دھج کے ساتھ نئی گلی جیسی بدنام جگہ میں داخل ہونا ایک

مجوبہ ہی تھا۔

یہ گلی جرائم پیشہ افراد سے بھری پڑی ہوئی تھی۔ یہاں سب سے مشہور جگہ ڈانگے کا ہوٹل تھا۔ بظاہر تو یہ ایک چائے خانہ نظر آتا تھا لیکن زیرزمین تہہ خانے میں دنیا بھر کی منشیات دستیاب ہو جاتی تھیں۔ ڈانگے معمولی شخصیت کا مالک نہیں تھا۔ اس کا اصل گروپ پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ لیکن شہر بھر میں اس کے درجنوں افراد کام کرتے تھے۔

یہ لوگ پیشہ ور قاتل بھی تھے' اسمگلر بھی تھے' اغوا برائے تاوان بھی کر لیا کرتے تھے ظاہر ہے ایسے کام وہ تنہا ہی نہیں کرتے تھے ان کے سرپرست بھی تھے اور ڈانگے کو بڑی بڑی قوتوں کی سرپرستی حاصل تھی۔

جس وقت یہ لوگ ڈانگے کے ہوٹل میں داخل ہوئے تو میزوں پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر ان دونوں کو دیکھنے لگے۔ ڈانگے بھی عام طور سے اپنے ہوٹل کے اوپری حصے میں ایک ایسے کیبن میں رہا کرتا تھا جس میں تین چار ٹیلی ویژن سیٹ لگے ہوئے تھے اور نیچے ہی نہیں بلکہ اس پوری گلی میں جگہ جگہ بجلی کے کھمبوں پر نصب کیمرے گلی میں داخلے سے لے کر دوسرے سرے تک ہونے والے واقعات کی خبر اسی کیبن میں دے دیا کرتے تھے۔

ڈانگے عام طور سے ان کیمروں سے حاصل ہونے والی تصاویر دیکھتا رہتا تھا اور اپنے آدمیوں کو احکامات جاری کرتا رہتا تھا۔ اس طرح اس نئی گلی میں یا مجرم گلی میں ڈانگے کی حکومت قائم تھی۔

ٹیلی ویژن کے ایک سیٹ پر اس نے ان دونوں جگروں کو دیکھا اور فوراً ہی بیل بجادی۔ دو پستہ قامت کے شاطر سی شکلوں والے آدمی اندر داخل ہو گئے تھے۔

"یہ کون ہیں؟" اس نے ٹی وی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی ...... ابھی ہوٹل میں داخل ہوئے ہیں استاد۔"

"پولیس والے تو نہیں ہیں۔"

"استاد پانچ بڑے شہروں میں موجود ایک اسپیشل آفیسر کی رپورٹ ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ ان میں سے کوئی نہیں ہیں۔"

"بندے بڑے امیر معلوم ہوتے ہیں' نئی گلی میں کیا کرنے آئے ہیں؟"

"ابھی پتا چل جاتا ہے استاد۔ جا بھئی نذیرے ذرا دیکھ جا کر اور رپورٹ لے کر آ۔"

دوسرے آدمی نے کہا اور ایک آدمی فوراً باہر نکل گیا۔ دوسرا آدمی سامنے ہی کھڑا رہا تھا۔ ڈانگے ٹی وی سیٹ پر ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ نذیرے خوش اخلاقی سے ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"ہوشیار رہنا ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم لوگ حفاظت سے ہیں اور کوئی پریشانی نہیں ہے ہمارے لیے لیکن پھر بھی ہوشیار رہنا ضروری ہوتا ہے۔ سیر کو سوا سیر مل ہی جاتا ہے۔"

وہ لوگ ٹی وی پر آواز بڑھا کر نذیرے اور مہمانوں کے بارے میں بات چیت سننے کی کوشش کرنے لگے لیکن ہال میں شور بہت زیادہ تھا' اس لیے کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

نذیرے تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گیا۔

''استاد کنگن نگر سے آئے ہیں' وہاں کے زمیندار ہیں' وہ جو دوسرا ہے' اس کا نام الیاس خان ہے اور کالا آدمی اس کا باڈی گارڈ ہے۔''

''یہاں کیوں آئے ہیں؟''

''ہمارے کسی ایجنٹ نے بھیجا ہے' نشے' اور چیزوں کے شوقین ہیں' مالدار معلوم ہوتے ہیں۔''

''اچھا ایسا کرو انہیں تہہ خانے میں لے آؤ' ذرا دیکھتے ہیں کیا صورت حال ہے۔''

''ٹھیک ہے استاد میں چلتا ہوں۔'' نذیرے نے کہا اور ایک بار پھر وہاں سے باہر نکل آیا۔

دونوں یہاں کا ماحول دیکھ رہے تھے۔ قادر بخش نے کہا:

''اڑے بابا اپن تو اس شہر میں جھک ہی مارتا رہا ہے۔''

''کیوں قادر بخش؟''

''یار یہ تو باقاعدہ مجرموں کا اڈہ ہے' ابھی اپن کو اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوتا پڑا۔ ہمارا بہت سا جاننے والا لوگ چرس مرس پیتا پڑا تھا' اپن ان کو بھی ایسے کسی اڈے کے بارے میں نہیں معلوم۔ ادھر تو ماں کسم بڑے آرام سے سارا کاروبار ہوتا ہے۔''

''بنیاد تو پڑ گئی ہے۔ اب دیکھو...... اوہو وہ پھر آ رہا ہے۔''

شہروز نے کہا اور نذیرے کو دیکھنے لگا۔ نذیرے اس کے پاس پہنچ گیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا بولا:

''بڑے صاحب جی پتا نہیں کیوں دل آپ سے کچھ زیادہ ہی لگ رہا ہے۔ اصل میں آپ بڑے معصوم لوگ معلوم ہوتے ہو' ورنہ ایسی جگہوں پر اتنی ساری چیزیں ساتھ لے کر نہیں آنا چاہئے۔ یہاں دیکھیں تمام ہوس بھری نگاہیں آپ ہی کو تک رہی ہیں۔ ان میں جیب کترے بھی ہیں' اٹھائی گیرے بھی ہیں' نوسر باز بھی ہیں۔ آیئے آپ لوگوں کو میں الگ جگہ لے چلتا ہوں۔''

''کہاں؟'' شہروز نے کہا۔

''آ جائیں نذیرے کبھی کسی سے دوستی نہیں کرتا' لیکن جب کرتا ہے تو جی بھر کے کرتا ہے۔ آیئے آپ کو اسپیشل جگہ' اسپیشل چیزیں پلاؤں گا۔''

''یار ہم ہوش میں تو رہیں گے نا؟''

''آپ فکر ہی نہ کریں' میں جو ہوں۔''

''آؤ سیکرٹری۔'' شہروز نے قادر بخش سے کہا اور قادر بخش کھڑا ہو گیا۔

نذیرے ان دونوں کو لے کر ہوٹل کے عقبی حصے میں آیا۔ ایک کمرے میں داخل ہوا اور پھر اس نے کسی مکینزم کے تحت تہہ خانے کا دروازہ کھولا اور انہیں لے کر نیچے اتر گیا۔ بہت بڑا ہال تھا جو ایئر کنڈیشنڈ تھا۔ یہاں میزیں بھی لگی ہوئی تھیں اور کوئی اور موجود نہیں تھا۔

''اچھی جگہ ہے۔''

''بیٹھئے آپ اور اب یہ بتایئے کیا پلاؤں آپ کو؟''

''یار کوئی نئی چیز ہو جائے۔''

''میں منگواتا ہوں۔''

نذیرے نے کہا اور گھنٹی بجا کر ایک شخص کو بلایا۔ یہ ویٹر تھا جو کافی عمر رسیدہ تھا۔

''شاہ جی بابا فن دکھایئے' بڑے معزز مہمان آئے ہیں' آپ کو بھی ٹپ ملے گی۔''

''اچھا اچھا ابھی لاتا ہوں۔''

یہ اسپیشل چیز دو پیالوں میں بھری تھی۔ گہرے سبز رنگ کا کوئی سیال جس میں بلبلے اٹھ رہے تھے۔ نذیرے نے کہا:

''اس کا ایک ایک قطرہ آپ کو آسمانوں کی سیر کرائے گا۔''

''واقعی کمال کی بات ہے۔''

ابھی اتنی ہی بات ہوئی تھی کہ ایک لفٹ نیچے آئی۔ یہ ایک چھوٹی سی لفٹ تھی۔ ڈانگے اس لفٹ سے اتر کر ان کے قریب پہنچ گیا۔ نذیرے نے ادب سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا:

''یہ اس ہوٹل کے مالک ہیں۔''

''اچھا اچھا بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ بڑا کام کیا ہے آپ نے واقعی کمال کی بات ہے۔''

''شکریہ' آپ لوگ تو کسی ریاست کے نواب معلوم ہوتے ہیں۔''

''اماں چھوڑو کہاں کی باتیں کرتے ہو۔ یہ قادر بخش مکرانی ہے' گدھا گاڑی چلاتا تھا یہاں اس پورے شہر میں' میں نے اس کا حلیہ بدل دیا ہے اور میرا نام چھمن خان ہے۔ میں بس یار کیا بتاؤں' اللہ کی دین ہے۔ لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ ایک درخت کے نیچے سے خزانے کی دیگ مل گئی اور بس وارے نیارے ہو گئے اپنے۔''

شہروز نے کہا' اس طرح دانتوں میں زبان دبالی جیسے غلطی سے یہ الفاظ منہ سے نکل گئے ہوں۔

''لیں...... لیں آپ نے اسپیشل چیز منگوائی ہے پئیں ویسے کتنا بڑا خزانہ ہے وہ؟''

''یار بس یوں سمجھ لو کہ...... کہ......''

''آپ یہ لے کیوں نہیں رہے؟'' ڈانگے نے پیالوں کی طرف اشارہ کیا۔

''اگر بہت زیادہ دیر ہوئی تو ہم اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکیں گے۔''

''ایک ایک گھونٹ لیجئے۔ دیکھئے تو سہی۔''

شہروز نے قادر بخش کی طرف دیکھا اور قادر بخش نے آنکھ سے اشارہ کر دیا۔ انہوں نے اس نشے آور چیز کو ہونٹوں تک لا کر لگایا' ڈانگے چونکہ نگرانی کر رہا تھا اس لیے کوئی ایسا ویسا کام وہ نہیں کر سکتے تھے البتہ اچانک ہی شہروز کو سوجھ گئی۔ اس نے کوشش کر کے آنکھیں لال کیں اور ناک سے شوں شوں کرنے لگا پھر اس نے قادر بخش کی طرف دیکھ کر کہا:

''قادر بخش اماں نے کیا کہا تھا تو بھول گیا کس طرح رو رو کر اس نے ہم سے فریاد کی تھی اور کہا تھا کہ بچو تمہیں اماں کی قسم کبھی کسی نشے کی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔''

''ایں۔'' قادر بخش بھی اب بہت تیز ہو گیا تھا۔ انہوں نے پیالے نیچے رکھ دیئے۔ قادر بخش آنکھیں ملنے لگا اور تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''ہاں ٹرے ماں کو تو اپن بھولتا ہی پڑا ہے یار کسم دلائے گی وہ تو کیا کہیں گے اس سے۔''

''منہ چھپاتے پھریں گے اور کیا کہیں گے۔''

''آپ لوگ کس طرح کی باتیں کرنے لگے؟'' ڈانگے نے کہا۔

''نئیں صاب جی مسکل کام ہے اپن کے لئے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن تھوڑی تھوڑی ایک ایک گھونٹ سہی۔''

''نہیں صاحب جی کسم تو کسم ہی ہوتی ہے۔''

''تو پھر کیا آپ لوگ یہاں جھک مارنے آئے تھے۔''

''پتا نہیں کیا کرنے آئے تھے۔ پاگل ہو گئے ہیں ہم تو۔ آپ کا کیا نام ہے بھائی صاحب؟''

''ڈانگے......''

''ڈانگے صاحب' آپ ایسا کرو آپ کا مہربانی ہو گا ہم غلطی پر تھے' ہمیں باہر بھجوا دو۔''

''اچھا......'' ڈانگے نے اپنے آدمی کی طرف دیکھا اور بولا:

''آپ لوگوں کو میں خود چھوڑ آتا ہوں۔ کہاں جائیں گے آپ؟''

''آپ کی بڑی مہربانی ہمیں ماں یاد آ گئی ہے بس قبرستان چھوڑ دیجئے۔ ماں کی قبر پر بیٹھ کر اسے بتائیں گے کہ اماں ہم نے تیری ہدایت پر عمل کیا ہے۔''

''قبر پر بیٹھ کر آپ تو ابھی کہہ رہے تھے کہ وہ آپ کا انتظار کر رہی ہو گی۔''

''تو کیا مائیں مرنے کے بعد بھی زندہ نہیں ہوتیں۔ لوگ کہتے ہیں وہ مر چکی ہے مگر وہ ہم سے ایک ایک بات کرتی ہے۔ ہم لوگ روزانہ اس کی قبر پر جاتے ہیں۔ آج بھی یہاں سے اٹھ کر وہیں جاتے۔''

''کمال کے لوگ ہیں آپ' چلو انتظام کروں میں ان لوگوں کو ان کی ماں کی قبر پر چھوڑ دوں۔''

تھوڑی دیر کے بعد ڈانگے انہیں ایک بند گاڑی میں لیے ہوئے جا رہا تھا اور وہ دونوں مسکرا رہے تھے۔ پیچھے ایک اور گاڑی آ رہی تھی جس میں ڈانگے کے دو آدمی موجود تھے۔ ان دونوں کو دیکھ لیا گیا تھا۔

''قبرستان کا راستہ بتاتے رہیں؟''

اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک قبرستان میں پہنچ چکے تھے۔

''یہاں تک تو آپ لوگ آ گئے ہو لیکن ایک مشکل پیش آ گئی ہے آپ کو۔''

''کیا؟''

''وہ جگہ کہاں ہے جہاں آپ نے درخت کی جڑ سے ملنے والا خزانہ بند کر رکھا ہے؟''

''کیوں تم کیا کرو گے؟''

''آپ نے تو بڑے عیش کر لیے اس کے ذریعے۔ ہمارا بھی تو اس میں حصہ ہے۔''

''ارے واہ...... تمہارا حصہ کیسے ہو گیا؟''

اتنی دیر میں پچھلی گاڑی کے لوگ بھی آ کر رک گئے تھے اور یہ دونوں انہیں دیکھنے لگے تھے۔ شہروز دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ کام جتنی آسانی سے بن گیا تھا اتنی آسانی کی اسے خود امید نہیں تھی۔ ڈانگے نے کہا:

''اس خزانے میں سے تھوڑا سا حصہ ہمیں دے دو پیارے بھائی ورنہ یہاں کئی قبریں خالی ہوں گی۔ ہم تم دونوں کو خاموشی سے ان میں بند کر کے چلے جائیں گے۔''

''ارے باپ رے یہ تو گڑبڑ ہو گئی۔ ڈانگے بھائی ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ لے لیجیے اور ہماری جان چھوڑ دیجیے۔''

''وہ تو خیر میں لے ہی لوں گا لیکن خزانے چلو خیر وہ بھی کام ہو جائے گا۔ ذرا تلاشی لو ان صاحب کی اور ان کے پاس جو کچھ ہے وہ نکال لو۔''

سب سے پہلے قادر بخش کے ہولسٹروں سے پستول نکالے گئے تھے جو نقلی تھے۔

''استاد پستول نقلی ہیں۔''

ڈانگے کے ایک آدمی نے دونوں پستولوں کو دیکھتے ہوئے کہا اور ڈانگے انہیں گھورنے لگا۔

''کیوں...... یہ پستول نقلی کیوں ہیں؟''

''تو ہم کون سے اصلی ہیں ڈانگے صاحب۔ ہم دونوں بھی تو نقلی ہی ہیں۔''

''چلو دیکھتا ہوں تمہیں، ساری چالاکی نکال دوں گا دو منٹ میں۔''

ڈانگے نے غصیلے لہجے میں کہا اور اس کے آدمی شہروز کے پاس پہنچ گئے۔ پہلے شہروز ہی کے لباس کی تلاشی لی تھی۔ شہروز نے اس طرح دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے جیسے اپنی تلاشی دینا چاہتا ہو لیکن اس کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی دونوں کہنیاں اس پہلے آدمی کے کانوں میں پڑیں جو تلاشی لینے کے لیے جھکا تھا۔

یہ کوئی معمولی عمل نہیں تھا۔ شہروز نے ایک شاندار داؤ لگایا تھا اور اسے مکمل طور پر کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس شخص کے حلق سے ایک آواز نکلی اور دوسرا چونک کر شہروز کی جانب متوجہ ہوا لیکن شہروز کی لات اس کے پیٹ پر پڑی اور اس کے بعد جیسے ہی وہ جھکا شہروز کے گھونسے نے اسے زمین چٹا دی۔ وہ پہلا شخص جس کے کانوں پر ہاتھ مارا گیا تھا اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے بری طرح لہریں لے رہا تھا پھر وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔

اسی وقت ڈانگے نے بغلی ہولسٹر سے پستول نکالا لیکن اس موقع کے لیے قادر بخش تیار تھا۔ اس نے پلٹ کر ایک لات ڈانگے کی بغل پر ماری اور ڈانگے کے حلق سے ایک دہشت بھری چیخ نکل گئی۔ پستول اس کے ہاتھ سے اچھل کر تھوڑے فاصلے پر ایک ٹوٹی ہوئی قبر میں جا پڑا۔ قادر بخش نے فوراً ہی پلٹ کر ڈانگے کے بغلوں میں ہاتھ ڈالا اور اس کی گردن پر جما دیا۔ ڈانگے بری طرح ہاتھ پاؤں چلانے لگا لیکن قادر بخش اسے مخصوص انداز میں جھٹکے دے رہا تھا اور ڈانگے کے اوسان خطا ہوتے جا رہے تھے۔ قادر بخش نے اسے زور سے ایک زوردار جھٹکا دیا اور ڈانگے کے حلق سے ایک دہشت بھری چیخ نکل گئی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کے ہوش و حواس رخصت ہو گئے تھے۔ قادر بخش نے شہروز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''ابھی اپن اس کو لٹا دے شہروز بھائی۔''

''نہیں قادر بخش اسے ہی تو لے جانا ہے ہمیں۔''

''اڑے ٹھیک ہے تو ان لوک کا دفن کرو اور اس پیارے سے ڈانگے کو لے چلو۔''

قادر بخش نے اسے اٹھا کر اس طرح کندھے پر ڈال لیا جیسے کوئی معمولی سا کپڑے کا مجسمہ ہو اور وہ کار کی جانب چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈانگے کو کار کی ڈگی میں ٹھونس لیا گیا اور وہ لوگ کار میں بیٹھ کر چل پڑے۔

کارواں ہاؤس میں شاید ان کا انتظار ہو رہا تھا۔ لیپو آن، کائی شی اور ناہید تینوں موجود تھے۔ ناہید تو اب اس گھر کی دیوانی ہو گئی تھی۔ فوزیہ اور بچی یہاں بالکل محفوظ تھے۔ لیپو آن اور کائی شی ان لوگوں کو ذرا بھی اجنبی نہیں لگتے تھے حالانکہ وہ چینی نژاد تھے لیکن پھر بھی اس طرح ان لوگوں سے گھلے ملے ہوئے تھے۔ خاص طور سے ان کی اپنی زبان وہ جس روانی سے بولتے تھے اس نے ان لوگوں کو اور متاثر کر دیا تھا۔

بہرحال قادر بخش ڈانگے کو کندھے پر رکھے اندر پہنچ گیا اور پھر اسے اس کمرے میں لے جایا گیا جہاں ڈانگے کا آدمی قید تھا اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے وہاں ڈال دیا گیا۔ ڈانگے کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ خوفزدہ لہجے میں بولا:

''استاد کیا یہ مر گیا؟''

''مرا نہیں ہے تو مر جائے گا۔'' لیمپوآن نے پُرمسرت لہجے میں کہا پھر بولا:

''اور تم اسے استاد کہتے ہو؟''

''یہ ہمارا باس ہے پتا نہیں آپ لوگوں نے کس طرح اسے زخمی کر کے بے ہوش کر دیا ورنہ چار چھ بندوں کے قبضے میں یہ کبھی نہیں آتا۔''

''وہ تو خیر تم بھی نہیں آتے ہو گے لیکن تم دیکھ لو کس طرح تم آرام سے یہاں بندھے پڑے ہوئے ہو۔''

''تقدیر ہی خراب ہے ورنہ آپ لوگ۔''

''چلو...... چلو ٹھیک ہے۔''

بہرحال اس کے بعد ڈانگے کو بھی اسی طرح کس دیا گیا اور وہ لوگ وہاں سے باہر نکل گئے۔ ڈانگے کا آدمی خود بندھا ہوا پڑا تھا اور لیمپوآن جیسے فنکار کی بندشیں ایسی نہیں ہوتی تھیں کہ کوئی آسانی سے ان سے نکل سکے۔

بہرحال اس کے بعد یہ لوگ ڈانگے کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ فوزیہ بھی یہاں خوش تھی جیسے ہی اسے موقع ملا اس نے ناہید سے کہا:

''ناہید یہ کون سی دنیا کے لوگ ہیں؟''

''اپنے سیارے کا نام ڈھچوں بتاتے ہیں۔'' ناہید نے پُرمزاح لہجے میں کہا۔

''مجھے تو واقعی یہ سب کے سب ڈھچوں ہی لگتے ہیں۔''

''کمال کے لوگ ہیں۔''

''خاص طور سے یہ دونوں چینی میاں بیوی' یہ تو یقین کرو واقعی کسی دوسری دنیا کی مخلوق لگتی ہے لیکن بڑے مخلص اور محبت کرنے والے لوگ ہیں۔''

بہرحال اس کے بعد اطلاع ملی کہ ڈانگے کو ہوش آ گیا ہے اور وہ بڑی اچھل کود مچا رہا ہے۔

''آؤ' اب تم سب لوگوں کے سامنے آپریشن کر لیا جائے۔'' لیمپوآن نے کہا۔

سب لوگ کھانے پینے سے فارغ ہو گئے تھے۔ کائی شی سب سے پہلے اندر داخل ہوئی اور ڈانگے اسے دیکھ کر دہاڑا۔

''او کتیا کی بچی تیرے ساتھی کہاں گئے؟ مجھے کھول دے ورنہ تم ڈانگے کو نہیں جانتیں۔''

''میرے پیارے بچے میں جس کتیا کی بچی ہوں شکر ہے تمہیں اس کتیا کے پیٹ سے جنم نہیں لینا پڑا۔''

''زیادہ باتیں بناتی ہے تو تو چائنیز معلوم ہوتی ہے۔ یہ اردو کیسے بول رہی ہے؟''

''چلو چھوڑو ان باتوں کو اپنے اور دوستوں سے ملو۔''

ڈانگے ایک ایک کو حیرت سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے قادر بخش اور شہروز کو دیکھا اور بولا:

''کتے کے بچو میرے آدمی کہاں گئے؟''

''کچھ نہیں ڈانگے بھائی ہم نے انہیں وہیں ایک خالی قبر میں لٹا کر مٹی برابر کر دی تھی۔''

''اوہ کیا انہیں مار ڈالا تم لوگوں نے؟''

''یہ تو نہیں دیکھا کہ وہ مرے تھے یا زندہ رہے۔''

''کک...... کیا مطلب۔ تم نے انہیں زندہ ہی دفن کر دیا۔''

''یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔''

''بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہو دھوکے سے مار لیا تھا مجھے ہاتھ پاؤں کھول دو پھر دیکھتا ہوں۔''

''نہیں بھائی آنکھوں سے دیکھ لو تو زیادہ اچھا ہے۔'' شہروز نے کہا۔

''کھول دے مجھے تو نہیں جانتا ڈانگے کیا ہے؟''

''کیوں بھئی ڈانگے کیا ہے؟''

''یہ ڈانگے ہی نہیں ہے اسے ڈینگی بخار کہا جاتا ہے۔'' ڈانگے کے آدمی نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اچھا اچھا مینڈکی کو بھی زکام ہو گیا۔'' لیمپو آن نے کہا۔

''او بھائی چنکو منکو تمہاری باتیں بڑے مزے کی ہوتی ہیں۔'' قادر بخش نے پر مزاح لہجے میں کہا اور خواہ مخواہ قہقہے لگانے لگا۔

ڈانگے بولا:

''میں کہتا ہوں مجھے کھول دو کیوں تم لوگوں کو اپنی موت بلانا مقصود ہے۔''

''کون مقصود ہے؟'' لیمپو آن نے کہا اور ڈانگے پھر اچھل کود مچانے لگا۔ لیمپو آن اس کے قریب اکڑوں بیٹھ گیا۔

''پیارے ڈینگی بخار تیرے ساتھی نے تجھے اسی نام سے مخاطب کیا ہے تجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ میں کون ہوں میں کانگو وائرس ہوں کانگو سمجھا۔''

وہاں موجود لوگ ہنس پڑے تھے۔

''میرے ہاتھ پاؤں کھول دے پھر میں تجھے کانگو وائرس دکھاتا ہوں۔''

''کیوں بھائی کیا خیال ہے ہاتھ پاؤں کھول دیئے جائیں اس کے؟''

''رہنے دو مسٹر لیمپو آن' تماشا کرنے سے کیا فائدہ۔ خواہ مخواہ ایک فلمی سچوایشن ہو جائے گی۔''

''اچھا پھر ٹھیک ہے۔ چلو پھر کام کی بات کرتے ہیں' ہاں بھئی ڈانگے بھائی تمہیں اس بچی کی تلاش تھی۔''

''تم' تم اس بچی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''بچی ہمارے پاس موجود ہو' پہچانتے ہو اسے۔''

''کیا؟''

''یار بچی ہمارے پاس موجود ہے۔''

''تمہارے پاس کہاں سے آئی؟''

''فوزیہ ذرا سامنے آؤ بیٹا۔'' اور فوزیہ اس بچی کے ساتھ سامنے آ گئی۔ ڈانگے کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ پھر اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی۔

''ہاں یہ ہی یہ ہی بچی ہے۔''

''اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو' تم نے ہماری ایک مشکل حل کر دی وہ یہ کہ تم نے اس بچی کو پہچان لیا۔ اب ذرا یہ بتا دو کہ یہ بچی کس کی ہے اور تمہارا اس سے کیا واسطہ ہے؟''

''ہاتھ پاؤں کھولو گے تو بتاؤں گا؟''

''لیکن یہ لوگ منع کر رہے ہیں ورنہ واقعی ایک شریف آدمی کو باندھ کر رکھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ یار تھوڑی دیر کے لیے کھول دیں اگر تم اجازت دو تو۔''

''آپ اسے میرے حوالے کر دیں مسٹر لیمپو آن' میں اس کی زبان کھلوا لیتا ہوں۔''

''نہیں بھائی یہ کھلوانے اور بند کرنے کا کام میرا ہے۔ ٹھہرو یہ بے چارہ بول پڑے گا۔ ڈانگے بھائی ہمارے کچھ سوالات ہیں جن کے جواب آپ کو دینے ہیں۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔''

''میں...... میں کہتا ہوں تم لوگوں کو ہوش میں آ جانا چاہئے۔''

''آ جاتے ہیں آ جاتے ہیں اور بلکہ تمہیں بھی ہوش میں لے آتے ہیں۔'' لیمپو آن نے کہا پھر بولا:

''ہاں بھئی دوستو! کیا تم زبان کھلوانے کا نیا طریقہ دیکھنا چاہتے ہو؟''

''تم مجھ پر تشدد کرو گے؟'' ڈانگے دہاڑا۔

''بالکل نہیں' تمہارے بدن میں گدی گدی کریں گے۔''

لیمپو آن بولا اور اس نے جیب سے جو شیشی نکالی تھی اس کا ڈھکن کھول لیا۔ پھر اس نے ایک تیز چاقو سے ڈانگے کے بدن کا

اوپری لباس کاٹ دیا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈانگے کے اوپری جسم کو برہنہ کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ڈانگے کے ٹخنوں کو پنڈلیوں تک کھول دیا اور پھر شیشی سے ہلکا سا سفوف ڈانگے کے بدن پر چھڑکنے لگا۔

"یہ کیا کر رہا ہے بڈھے چینی؟"

"نقطہ چینی کر رہا ہوں یعنی نقطے ڈال رہا ہوں۔ ایک چینی کے ہاتھ سے کسی کے بدن پر کچھ نقطے پڑ جائیں تو اسے نقطہ چینی ہی کہا جاتا ہے۔" لیپو آن نے جواب دیا۔ بڑا خوش مزاج انسان تھا۔

ڈانگے عجیب سی نگاہوں سے اس کی کاروائی کو دیکھتا رہا۔ ایک منٹ' دو منٹ' لیپو آن پیچھے ہٹ گیا تھا' تیسرے منٹ میں ڈانگے کے چہرے میں تبدیلی رونما ہونے لگی۔ وہ اپنے بدن کو ادھر سے ادھر سمیٹ رہا تھا۔ پھر اس کے حلق سے دہاڑ نکلی۔

"یہ..... یہ..... کیا؟"

"اسے مس کھجلی کہتے ہیں۔" لیپوں آن نے کہا۔

"میرے بدن میں کھجلی ہو رہی ہے۔"

"ہو رہی ہے بلکہ یوں کہو ذرا شاعری کی زبان میں کہ کھجلی رقص کر رہی ہے۔"

"دیکھ باز آ جا کتے کے بچے۔"

"یار تمہیں اس کے علاوہ اور کوئی لفظ نہیں آتا۔"

"ارے میں مر گیا۔ یہ ہو کیا رہا ہے؟ ہو کیا رہا ہے؟"

ڈانگے کے جسم میں شدید کھجلی ہونے لگی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ ریشے اس کے بدن میں گھستے جا رہے ہوں۔ وہ بری طرح بے چین ہو رہا تھا لیکن اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے بدن کو کھجا نہیں سکتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چہرہ سرخ ہونے لگا وہ بری طرح تڑپ رہا تھا مچل رہا تھا اور باقی لوگ حیرانی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"مر جاؤں گا' میں مر جاؤں گا۔"

"مرنے سے پہلے اگر تم یہ بتا دو کہ بچی کا کیا قصہ ہے تو ہو سکتا ہے کہ تمہیں اس کھجلی سے نجات مل جائے۔"

"بتا دوں گا..... بتا دوں گا۔ میرے بدن سے یہ دوا یا جو کچھ بھی تم نے ڈالا ہے صاف کر دو۔ میں واقعی مر جاؤں گا دیکھو میں مر رہا ہوں۔"

"نہیں مرنے کا تو خیر کوئی چانس نہیں ہے۔ بس ہاں ذرا ڈانس اور فاسٹ ہو جائے گا۔ کیوں بھئی تم لوگ ذرا فاسٹ ڈانس دیکھنا چاہتے ہو؟"

"چھوڑ دے مجھے خدا کیلیے چھوڑ دے۔ چھوڑ دے میں کہتا ہوں چھوڑ دے معاف کر دے مجھے۔ آہ یہ کھجلی' یہ..... یہ تو..... یہ تو۔"

ڈانگے کی آنکھوں سے پانی نکلنے لگا تھا۔ اس کے منہ سے رال بہنے لگی تھی۔ لیپوں آن نے ایک چھوٹا سا اسفنج کا ٹکڑا نکالا اسے پانی میں بھگویا اور ڈانگے کے بدن کے کچھ حصوں کو صاف کر دیا۔

"جہاں جہاں یہ پانی لگا ہے تیری کھجلی بند ہو گئی ہو گی۔ اب بول دے سب کچھ سچ سچ بول دے ورنہ پورے بدن کو کھجلی کا شکار بنا دوں گا۔"

"نہیں خدا کے لیے نہیں۔ پہلے تم میرے بدن سے یہ سب کچھ صاف کر دو۔ بتا دوں گا وعدہ کرتا ہوں اگر نہ پورا کروں تو دوبارہ یہ چیز ڈال دینا۔"

لیپوں آن نے گردن ہلائی اور پھر اس کے بدن کے ان حصوں کو پانی سے جس میں اس نے کوئی دوا ملائی تھی صاف کر دیا۔ ڈانگے کا پورا بدن سرخ ہو گیا تھا اور جگہ جگہ کھال ابھرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

نجانے لیپوں آن کے پاس ایسی کیا چیز تھی انہوں نے لیپوں آن کے اذیت دینے کے طریقوں کو بڑی حیرانی سے دیکھا تھا۔ پہلے اس نے اس شخص کے بدن پر ایک مینڈک رکھ دیا تھا جو اس کے ہونٹوں کو چاٹ رہا تھا اور اب یہ ڈانگے کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا۔ پتا نہیں ایسے کون کون سے حربے اس کے پاس موجود تھے۔ ڈانگے آہستہ آہستہ پرسکون ہو گیا۔ پھر اس نے کہا:

"ایک بات تم لوگ کان کھول کر سن لو۔"

"کان کھول کر نہیں کان بند کر کے سن رہے ہیں ہم لوگ یہ لے۔" یہ کہہ کر لیپو آن نے پھر شیشی نکال لی اور ڈانگے دہاڑا۔

"نہیں خدا کے لیے نہیں بتا رہا ہوں سب کچھ..... محمود علی کو جانتے ہو؟"

"محمود غزنوی کو جانتے تھے مگر وہ اب اس دنیا میں کہاں؟" لیپو آن نے کہا۔

"اس کا نام محمود علی ہے۔ سترہ ڈاؤن اسٹریٹ میں رہتا ہے۔ بہت دولت مند آدمی ہے بچی شاید اس کے کسی عزیز کی بچی ہے وہ اس عزیز کی دولت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ بچی اس کی دولت کی وارث ہے وہ اس بچی کو ہلاک کر دینا چاہتا ہے' شاید اس کے ماں باپ بھی ہلاک ہو چکے ہیں۔"

"سترہ ڈاؤن سٹریٹ۔"

"ہاں وہیں رہتا ہے وہ۔ ہم لوگ کرائے پر سارے کام کرتے ہیں۔ چنانچہ اس نے بچی کو ہلاک کرنے کی ذمہ داری ہمیں سونپی تھی۔ مگر بچی کے ماں باپ کی کوئی پرانی ملازمہ اس کو لے کر اڑ گئی اور بچی کو کہیں چھوڑ آئی۔ ہمیں یہ پتا چلا تھا کہ وہ بچی کو کسی فقیر عورت کے حوالے کر آئی ہے مگر وہ فقیر عورت ہمیں حاصل نہیں ہو سکی۔ دس لاکھ روپے معاوضہ طے ہوا تھا جس میں سے اس نے پانچ لاکھ روپے ہمیں ادا کر دیئے تھے۔ بہر حال اس کے بعد اس نے ہمیں حکم دیا کہ اس عورت کو قتل کر دیں اور میرے دو آدمیوں نے اسے قتل کر دیا۔"

"کون سی عورت؟"

"وہی جو بچی کی ملازمہ تھی۔"

"کہاں قتل کیا تم نے اسے؟"

جواب میں ڈانگے نے ان لوگوں کو اس عمارت کا پتا بتایا جہاں اس عورت کو اور ڈرائیور کو قتل کر دیا گیا تھا۔ وہ تمام تر تفصیل بتا کر بولا:

"ہم تو کرائے کے لوگ ہیں جس کا دل چاہے ہم سے کوئی کام کرا لے۔"

"ہوں...... محمود علی کا حلیہ بتاؤ۔"

"بھاری سے بدن کا آدمی ہے' مگر ایک بات کان کھول کر سن لو وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے' پورا پورا جرائم پیشہ معلوم ہوتا ہے کیا سمجھے؟"

"ہوں ٹھیک ہے ڈانگے اپنا یہ بیان ہمیں لکھ کر دے دو۔"

"کبھی نہیں دوں گا' میرے پیشے کے خلاف ہے۔"

"چلو ریکارڈ کرا دو۔ ورنہ پھر کھجلی کے بارے میں تو جانتے ہی ہو۔"

"دیکھو مجھ سے جھگڑا مول مت لو۔ اگر زندہ بچ گیا تو تم لوگوں کو مٹی میں ملا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے اگر تم یہ بیان نہیں لکھو گے یا نہیں ریکارڈ کراؤ گے تو زندہ نہیں بچو گے۔"

"اور اگر میں ریکارڈ کرا دوں تو۔"

"پندرہ دن تک ہم تمہیں اپنے ساتھ رکھیں گے اس وقت تک جب تک محمود علی کو پوری طرح گرفت میں نہ لے لیں اس کے بعد دیکھیں گے کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔"

"اگر چھوڑنے کا وعدہ کرو مجھ سے تو میں تمہیں پوری تفصیل اور بتاؤں گا۔"

"چلو ٹھیک ہے ہم تمہیں چھوڑ دیں گے لیکن اس عورت کے قتل کے الزام میں تو تمہیں سزا ہوگی ہی۔"

"وہ میں نے نہیں کیا بلکہ میرے دوسرے آدمیوں نے کیا تھا۔"

"خیر وہ سب بعد کی باتیں ہیں۔"

کافی دیر تک یہ لوگ ڈانگے سے محمود علی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ ڈانگے کا پورا بیان ٹیپ ریکارڈ پر ریکارڈ کر لیا گیا تھا جس میں اس نے بتایا تھا کہ اس نے کیا کیا...... کیا ہے۔ کھجلی کی دوا نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے تھے۔ پورا بدن اب بھی سوجا ہوا تھا اور اس کی کیفیت نجانے کیا ہو۔ ظاہر ہے ڈانگے اس کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔

بہر حال یہ کام کی بات معلوم ہوئی تھی اس کے بعد انہوں نے ڈانگے کو اور مضبوطی سے کس دیا اور پھر اسے تہہ خانے میں چھوڑ کر وہاں سے باہر نکل آئے۔

کارواں گروپ اپنی زندگی کے ایک اہم مشن کو سرانجام دے رہا تھا جو لیمپو آن کے کہنے کے مطابق ان کی زندگی کا پہلا مشن تھا۔ نہ صرف شہروز بلکہ قادر بخش اور ناہید بھی بے پناہ خوش تھی۔ فوزیہ کو کچھ دن کے لیے روک لیا گیا تھا تاکہ وہ بچی کے ساتھ حفاظت سے رہے۔

اس کے بعد انہوں نے آگے کے بارے میں فیصلے کرنے تھے۔ محمود علی کی شخصیت کے بارے میں معلومات حاصل کرنی تھی کہ وہ بذات خود کیا ہے۔

اس دوران سبھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ چار پانچ دن تک خاموشی اختیار کی گئی۔ دونوں قیدیوں کو تہہ خانے میں رکھا گیا تھا اور ان کی بھرپور دیکھ بھال ہو رہی تھی۔ قادر بخش تو اس مسئلے میں سب سے زیادہ شاندار ثابت ہوا تھا' اس کے بدن میں اتنی قوت تھی کہ دس بارہ افراد کو بخوبی سنبھال سکے۔ چنانچہ یہ دو آدمی اس کے لیے کیا حیثیت رکھتے تھے۔ تہہ خانہ بھی مضبوط بنیادوں پر بنا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے انہیں کسی قسم کا کوئی خطرہ یا خدشہ نہیں رہا تھا۔

بہر حال یہ ساری باتیں کافی دلچسپ تھیں اور عمدگی کے ساتھ ہو رہی تھیں۔ پھر ایک دن ناہید نے ان لوگوں کو مشورہ دیا۔

''میرے اخبار کے ایڈیٹر بزمی صاحب بہت نفیس انسان ہیں ہر طرح سے قابل بھروسہ اور ہمت والے۔ کبھی آپ لوگ میرے اخبار کی پالیسی پر نگاہ ڈالیں تو ایک طویل عرصے سے ہم صرف سچ کے پرستار ہیں اور وہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں جو سچ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے بہت سے مخالف بھی بنا ڈالے ہیں۔ بزمی صاحب کو کئی بار شدید ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے لیکن ان کے اپنے بھی تعلقات ہیں۔ دو افراد میری نگاہوں میں آئے ہیں جنہیں ہم اپنے ساتھ شریک کر سکتے ہیں یعنی کارواں گروپ میں دو افراد کا اضافہ اور میں سمجھتی ہوں کہ دونوں کارآمد ہیں۔'' لیمپو آن نے کہا:

''ہماری کہانی کا آغاز عجیب و غریب انداز میں ہوا ہے ناہید...... کبھی تفصیل سے تمہیں اس کے بارے میں بتائیں گے۔ لیکن اس کے بعد کارواں گروپ ایک طرح سے یوں کہو تو غلط نہیں ہوگا کہ قدرتی طور پر تخلیق پا رہا ہے۔ تم ہماری بہترین ممبر ثابت ہوئیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ آگے چل کر تم ہمارے لیے انتہائی کارآمد ثابت ہو گی۔ خیر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

''سر میری خواہش ہے کہ بزمی صاحب اور ان کے سالے کو بھی کارواں گروپ میں شامل کر لیا جائے۔ ہمیں دونوں کی اشد ضرورت ہے۔''

''یہ سالے صاحب کون ہیں؟'' شہروز نے سوال کیا۔

''یہ سپرنٹنڈنٹ پولیس شیر جنگ صاحب ہیں۔ اس شخص کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کم از کم ڈی آئی جی کے عہدے تک پہنچ چکا ہوتا کیونکہ اس کے اپنے کارنامے اور معاملات ایسے ہی ہیں لیکن صرف اپنے الٹے دماغ کی وجہ سے اپنے عہدوں کو ٹھکراتا رہا ہے۔ ابھی ڈی ایس پی سے ایس پی ہوا ہے لیکن یقین کے ساتھ تھوڑی عرصے کے بعد اس کا یہ عہدہ پھر گھٹا دیا جائے گا۔''

لیمپو آن' کائی شی اور شہروز نے دلچسپی سے ناہید کی یہ بات سنی۔

"وجہ؟" شہروز نے پوچھا۔

"بس سچائیوں کا پرستار' سچ کی طرف دوڑنے والا۔ خود چھوٹا آدمی ہے اچھے اچھوں کی پرواہ نہیں کرتا اور نقصان اٹھاتا رہتا ہے۔"

"ایسا شخص تو ہمارے لیے بے حد کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔"

"اور پھر سچ بات یہ ہے کہ ہمارا کوئی قانونی معاملہ نہیں ہے' ہم قانون کو اپنے ہاتھ میں تو نہیں لے سکتے' کسی کو اس کے جرم کی سزا دلانے کے لیے قانون ہی متحرک ہوتا ہے۔ اگر ہمیں ایک ایسا قانونی شخص مل جائے جسے ہم حقائق سے آگاہ کریں اور وہ ہماری قانونی مدد کرے تو کیا یہ ہمارے لیے مناسب اور ضروری نہیں ہے۔" کائی شی نے کہا۔

"بالکل ہے۔" سب بیک آواز بولے۔

"اس لحاظ سے تو ناہید کی تجویز بہت مناسب ہے۔" شہروز نے کہا۔

"مجھے خود پسند ہے بلکہ بارہا میں نے اس بارے میں سوچا کہ کوئی قانون دان یا پولیس کا کوئی آفیسر بھی ہمارے ساتھ ہوتا کہ ہمیں یہ حیثیت بھی حاصل رہے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے' ہو جائے ایک میٹنگ۔" ناہید نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہو جانی چاہیے۔"

"میں آغاز کر دوں؟"

"کر دو۔"

ناہید کو گرین سگنل مل گیا تو اس نے سب سے پہلے بزمی صاحب سے بات کی۔

"بزمی صاحب اس بچی کے بارے میں ایک فیچر چھپا تھا اخبار میں جو میں نے لکھ کر آپ کو دیا تھا' مجھے تعجب ہے کہ آپ نے دوبارہ کبھی مجھ سے اس بارے میں نہیں پوچھا۔"

"یقین کرو آج میں تم سے یہی پوچھنے والا تھا کہ اس بے چاری بچی کا کیا ہوا؟"

"چلیے ٹھیک ہے آج میں بھی آپ کو اس کے بارے میں بتانے والی تھی۔"

"تو پھر بتاؤ۔"

"بزمی صاحب' عجیب و غریب واقعات پیش آئے ہیں۔ میرے ساتھ جن کی پوری تفصیل میں آپ کو نہیں بتا سکی۔" ناہید نے اس وقت سے جب اسے آفس سے نکلنے کے بعد اغوا کیا گیا تھا آج تک کے تمام واقعات پوری تفصیل سے بزمی صاحب کو سنا دیئے اور بزمی صاحب حیرت سے منہ کھول کر رہ گئے۔

بہت دیر تک ان کا منہ کھلا رہا اور پھر جب ایک مکھی ان کے منہ کے آس پاس منڈلانے لگی تو انہوں نے جلدی سے ہاتھ سے

اسے جھاڑ کر منہ بند کر لیا۔ ناہید ہنس پڑی تھی۔

''اور اتنی بڑی بات تم نے مجھ سے آج تک چھپائے رکھی۔''

''ایک فیچر تیار کرنا چاہتی تھی میں۔''

''مجھ سے اڑ رہی ہو۔''

''نہیں وہ تو آپ کے منہ کے سامنے اڑ رہی تھی۔''

''یہ کمبخت مکھیاں بڑی ڈھیٹ ہوتی ہیں۔''

''میری طرح۔''

''نہیں تم تو میری زندگی ہو۔''

''بڑی صاحب میں نے آپ کو محمود علی اور کارواں گروپ کے بارے میں پوری تفصیل بتائی' ڈانگے اور اس کا ساتھی ابھی تک لیمپو آن کی قید میں ہے۔''

''میں تمہیں ایک مشورہ دوں۔''

''جی۔''

''شیر جنگ سے رابطہ قائم کرو۔''

''ایک منٹ آپ رک تو جایئے' کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ آپ بھی کارواں گروپ میں شامل ہو جائیں۔''

''میں۔''

''ہاں۔''

''وہ لوگ مجھے اپنے ساتھ شامل کر لیں گے؟''

''میں جو کہہ رہی ہوں۔''

''اچھا' تمہاری اتنی پاور ہے وہاں۔''

''جی ہے۔''

''بھئی قسم خدا کی میں تو خلوص دل سے تیار ہوں۔ ایسا کوئی گروپ ہونا چاہئے کیونکہ بے شمار ایسے مواقع ہوتے ہیں جب قانون بے بس ہو جاتا ہے اور عدم ثبوت یا بڑے تعلقات کی بناء پر اسے اپنے ہاتھ پیچھے کرنا ہوتے ہیں' ایسے حالات میں ایک ایسا گروپ جو جارحانہ طور پر آگے بڑھ کر عمل کرے۔ وہ بڑی اہمیت کا حامل ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر آپ شیر جنگ صاحب سے بھی بات کر لیجئے' آپ کے سالے ہیں نا۔''

"ہاں بھئی جوڑو کا بھائی ہے۔"

"سب سے بڑی چیز اعتماد کی ہے آپ یہ بتایئے کہ کیا کسی ایسے گروپ کو وہ ہضم کر سکیں گے۔"

"وہ سرپھرا آدمی ہے یہ بات تو تم جانتی ہو ایک دفعہ اس کے دماغ میں بات بٹھا دی جائے تو سمجھ لو کہ اس سے زیادہ کارآمد اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"تو یہ کام کون کرے گا؟"

"میں۔" بزمی صاحب نے کہا اور دوسرے ہی دن انہوں نے ناہید کو رپورٹ دی کہ انہوں نے شیر جنگ کو ساری تفصیل بتا دی ہے اور پوری خوشی سے کارواں گروپ میں شامل ہونے کے لیے تیار ہے۔

"تو ٹھیک ہے پھر آج ہی شام کو ایک میٹنگ رکھ لی جاتی ہے جگہ بتایئے؟"

"میرا گھر اس سلسلے میں سب سے زیادہ موزوں ہے۔" بزمی صاحب نے پیشکش کر ڈالی۔

"ٹھیک ہے پھر وقت دے دیجیے۔"

"رات کا کھانا سب لوگ میرے ساتھ ہی کھا لو۔"

"آپ تیاریاں کرا لیجیے' میں ساڑھے آٹھ بجے پہنچ جاؤں گی۔ شیر جنگ کو بھی وہیں پر بلا لیا جائے۔"

"ٹھیک ہے' لیکن کیا تم اعتماد سے یہ بات کہہ سکتی ہو کہ ان سے بات کیے بغیر تم۔"

"جی...... جی...... جی بالکل۔"

"بڑی بات ہے' واقعی بڑی بات ہے۔"

بزمی صاحب نے تعریفی انداز میں کہا۔ ناہید کو مایوسی نہیں ہوئی۔ جب اس نے لیمپو آن' کائی شی اور شہروز کے سامنے یہ تجویز رکھی تو وہ سب خوشی سے تیار ہو گئے اور پھر رات کو ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے بزمی صاحب کی خوبصورت رہائش گاہ پر یہ میٹنگ منعقد ہوئی۔

بزمی صاحب نے لیمپو آن' کائی شی اور شہروز کا پرتپاک استقبال کیا تھا۔ قادر بخش بھی ایک عمدہ سوٹ میں ملبوس انتہائی شاندار نظر آ رہا تھا۔ جسمانی طور پر وہ دیوقامت تھا اور کوئی بھی لباس پہن لیتا تھا اس میں پوری طرح جچتا تھا۔ شیر جنگ صاحب بھی موجود تھے۔ بھاری بھرکم بدن کے مالک لیکن یہ بدن کسرتی تھا اور ان کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ ان کا گھونسہ مشہور باکسر محمد علی کے گھونسے کی طرح مضبوط تھا اور جس کے جبڑے پر پڑ جاتا تھا اسے زندگی میں کوئی دوسرا کام نہیں رہ جاتا تھا۔ ویسے بھی مارتے خان تھے اور مارو اور قبول کرالو کے شوقین۔

بہرحال یہ سب کے سب وہاں جمع ہو گئے۔ ایک دوسرے سے تعارف ہوا اور سب نے ایک دوسرے سے مل کر خوشی کا اظہار کیا۔ بزمی صاحب نے کہا:

"مسٹر لیمپو آن مجھے جس قدر تفصیل آپ کے بارے میں معلوم ہو چکی ہے میں اسے بالکل ناکافی سمجھتا ہوں۔ کبھی اگر وقت ہمارے درمیان اس طرح کے تعلقات پیدا کر دے کہ ہم اور آپ ایک دوسرے سے کھل کر بات چیت کر سکیں تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ خوشی کسی کو نہیں ہوگی اور میڈم کائی شی آپ لوگ جس طرح خوبصورت اردو بولتے ہیں یا بول رہے ہیں وہ میرے لیے ایک بے مثال حیثیت رکھتی ہے۔ بہرحال آپ لوگوں سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

"اور مجھے بھی۔" شیر جنگ بہادر نے اپنا بھاری بھرکم ہاتھ سب کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے کہا۔

اس طرح ایک خوشگوار ماحول میں اس میٹنگ کا آغاز ہوا اور پھر بات محمود علی تک آ گئی۔

"وہ بچی کہاں ہے؟" شیر جنگ نے سوال کیا۔

"میرے پاس محفوظ ہے۔"

"اخبار میں خبر شائع ہونے کے بعد پولیس کو خود اس بچی کی تلاش کرنی چاہیے تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس سلسلے میں کیا کاروائی ہو رہی ہے لیکن بہرحال ٹھیک ہے۔ آپ نے اچھا کیا اسے محفوظ رکھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ہماری راہنمائی اس شخص تک ہو چکی ہے جو اس بچی کے حصول کا خواہش مند ہے اور اس سلسلے میں اس نے جس طرح کی مجرمانہ کاروائی کی ہے وہ بہت آگے کی بات ہے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"خیر اب ہم یہ طے کر لیں گے کہ ہمیں اس سلسلے میں کیا کرنا ہے لیکن بہرحال ایک بات ضروری ہے جو سب سے پہلے ہونی چاہیے۔" بزمی صاحب نے کہا: "اور وہ بات یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو کارواں گروپ کے ایک ممبر کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتے ہیں۔"

لیمپو آن نے چینی انداز میں خم ہوتے ہوئے کہا:

"اور ہم آپ جیسے کارآمد انسانوں کو اپنے درمیان شامل ہونے پر مبارکباد پیش کر سکتے ہیں۔"

"طریقہ کار کیا ہوگا؟"

"دنیا کی کائنات میں سب سے قیمتی شے زبان ہے' اس زبان سے جو بات تسلیم کر لی جائے وہی ابتداء اور انتہا ہوتی ہے۔"

"آپ تو واقعی باکمال اردو بولتے ہیں مسٹر لیمپو آن۔"

"مجھے اردو سے عشق ہے۔" لیمپو آن نے کہا۔

"بہت عمدہ بات کہی ہے آپ نے' ساری دوسری کاروائیاں دوسرے نمبر پر ہی آ جاتی ہیں۔ بنیادی چیز یہ ہے کہ ہم خلوص دم سے ایک چیز کا اعتراف کر لیں۔"

لیمپو آن نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو اس نے شہروز' کائی شی اس کے بعد ناہید اور پھر بزمی صاحب اور شیر جنگ ان کی خواہش کے مطابق اپنا ہاتھ رکھ دیا گویا یہ ایک طرح سے اعتراف تھا کہ وہ سب ایک ہیں اور ایک ہو چکے ہیں اس بات پر ایک دوسرے کو مبارکباد دیں

پیش کی گئیں اور پھر لیمپو آن نے کہا:

"میں آپ کو اس گروپ میں شامل ہونے پر خوش آمدید کہتا ہوں اور بہت خوش ہوں اس بات پر کہ ہمارے درمیان انتہائی بڑے لوگوں کا اضافہ ہوا بڑے اور کار آمد۔"

"بے شک ایسی ہی بات ہے۔" کائی شی نے تائید کی اور پھر لیمپو آن مسکرا کر بولا:

"اور سچ بتاؤں اس تحریک کا آغاز کرنے والا شہروز ہے جس نے اپنی زندگی کا بہترین وقت کارواں گروپ کو دیا ہے۔"

"اب ہمیں اس سلسلے میں اپنے لائحہ عمل کا تعین کر لینا چاہیے۔"

"فی الحال ہمارے پاس یہی شخص یعنی محمود علی ہے۔ سب سے پہلے اس کے بارے میں تھوڑی سی تفصیلات معلوم ہونی چاہئیں۔"

"یہ کام میں کر لوں گی۔" ناہید نے کہا۔

"ہاں ایک پریس رپورٹر بخوبی یہ کام کر سکتی ہے۔"

پھر کچھ اور ضروری امور طے ہوئے اور بات اس وقت تک کے لیے ملتوی کر دی گئی جب ناہید اس سلسلے میں اپنی رپورٹ پیش کرے۔ ان لوگوں کے ممبر بن جانے کے بعد اور شہروز سے آدھے گھنٹے تک تفصیلی بحث ہونے کے بعد یہ بات طے پا گئی کہ دوسری میٹنگ کارواں ہاؤس میں ہی ہو گی۔

کارواں ہاؤس میں کائی شی اور لیمپو آن نے روایتی انداز میں پہلی بار شیر جنگ اور بزمی صاحب کا استقبال کیا۔ بچی کو ان کے سامنے پیش کیا گیا اور بزمی صاحب نے بچی کو بہت زیادہ پیار کیا اس کے علاوہ فوزیہ کو بھی اس سلسلے میں مبارکباد دی گئی کہ وہ بڑی کامیابی سے اپنا فرض سرانجام دے رہی ہے۔ اس کے بعد ناہید نے محمود علی کے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا:

"محمود علی ایک سخت گیر انسان ہے اس کا ماضی کبھی سامنے نہیں آسکا لیکن وہ ایک اچھی حیثیت کا مالک ہے اور ایک شاندار کوٹھی میں رہتا ہے۔ اس کا بڑا بھائی ناصر علی لندن میں ہے اور وہیں کی شہریت رکھتا ہے شادی شدہ ہے۔ اکثر وطن آتا جاتا رہتا ہے۔ یہاں اس کے بہت سے اثاثے ہیں کئی مل اور فیکٹریاں ہیں جنہیں محمود علی چلا رہا ہے۔ یہ اس کے بارے میں تفصیل ہے۔ خود زیادہ اچھا آدمی نہیں لگتا۔ بہر حال یہ اس کی ابتدائی تفصیل ہے اندرونی معاملات کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہو سکیں۔"

"یہ معلومات خود محمود علی ہمیں دے گا۔" شیر جنگ نے کہا اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ شیر جنگ تو خاموش رہا لیکن بزمی صاحب نے اس کے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا:

"یہ سالا یعنی میرا سالا ایک اندھے عقیدے پر یقین رکھتا ہے اور وہ اندھا عقیدہ یہ ہے کہ مارو اور اگلواؤ۔"

"بہت اچھا عقیدہ ہے یہ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے حیثیت والوں کو کیا۔" کائی شی نے کہا تو شیر جنگ ہاتھ اٹھا کر بولا:

"دیکھیں میڈم کائی شی وہ چھوٹے چھوٹے جنہیں مار پیٹ کر پولیس والے یوں سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا

ہے ان کا تو کوئی دیکھ بھال کرنے والا ہوتا ہی نہیں ہے سوائے اس کے کہ بے چارے لواحقین ان کی لاشیں اٹھا کر لے جاتے ہیں اور ان کی تدفین کر دیتے ہیں' روتے پیٹتے ہیں' سڑک پر دو چار ٹائر جلا لیتے ہیں اور بس کوئی داد رسی نہیں ہوتی ان کی' لیکن وہ لوگ جو قانون کے درخت کو ہلانا جانتے ہیں اصل نشانہ ہونے چاہئیں۔ بہت سے ایسے واقعات ہوئے ہیں جن میں قانون کو بڑی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہے اور معافی چاہتا ہوں میں نے ایسے کئی کیسوں میں شیر جنگ کو آواز دی ہے اور شیر جنگ نے اپنا کام سرانجام دیا ہے۔''

''وہ کیسے؟'' لیمپو آن نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

''مسٹر لیمپو آن وہ لوگ قانون کو شکست دے کر عدالتوں سے اپنے لیے رہائی لے کر سینہ تان کر پھرتے ہیں میں نے انہیں اپنی عدالت میں طلب کر کے سزا دی ہے اور ان سزاؤں کے نتیجے میں وہ زمین میں منوں مٹی نیچے دبے ہوئے ہیں اور ان کے لواحقین انتظار کر رہے ہیں کہ اغوا کنندگان کب تاوان طلب کرتے ہیں۔''

شیر جنگ کے لہجے میں بے حد سفا کی تھی۔ اس سے اس کی شخصیت کا پتا چلتا تھا۔ لیمپو آن مضحکہ خیز انداز میں ہنسنے لگا اور سب اسے دیکھنے لگے وہ بولا:

''آپ کا نظریہ بالکل ٹھیک ہے شیر جنگ صاحب ایسا ہونا چاہئے لیکن تھوڑے سے چھوٹے چھوٹے چٹکلے میں نے بھی ایجاد کر رکھے ہیں۔ اگر بندہ خود زبان کھول دے تو کیا یہ زیادہ اچھا نہیں ہوتا۔''

''اس سے اچھی تو کوئی بات نہیں ہوتی مگر آپ کے چٹکلوں کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا۔''

''وقت آپ کو بتا دے گا۔'' لیمپو آن نے کہا اور پھر سب ہنسنے لگے۔ بزمی صاحب نے کہا۔

''اچھا ایک بات بتائیے مسٹر لیمپو آن یہ سوال مستقل میرے ذہن میں گردش کر رہا ہے کہ کارواں گروپ اپنا کام تو سرانجام دے گا وہ اپنے ساتھ افراد کو بھی بڑھاتا جا رہا ہے جیسا کہ ہم اس سے واقف ہو چکے ہیں لیکن ہر چیز کے لیے سرمایہ تو درکار ہوتا ہے' ہمیں کافی رقم بھی چاہئے جس سے ہم ضرورت مندوں کی مدد کر سکیں۔ اب سب کے سب تو ہمارے درمیان ایسے نہیں آئیں گے جو مالی طور پر اطمینان بخش ہوں۔'' لیمپو آن ہنسنے لگا پھر بولا:

''بڑی اچھی بات کہی ہے آپ نے۔ اس سے ایک اور بات بھی سامنے آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کارواں گروپ کے ممبروں کی ضرورتیں کیسے پوری ہوں گی؟''

''نہیں میرا مطلب یہ نہیں ہے یعنی ہم لوگ تو اپنا کام چلا لیں گے۔''

''نہیں' ہم ایسے ہر موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے جس میں ہمیں کچھ آمدنی کی توقع ہو۔ میں مثال کے طور پر یہ پہلا کیس پیش کرتا ہوں یعنی محمود علی دولت مند آدمی ہے۔ بہت کچھ ہے اس کے پاس سب سے پہلے ہم اس سے اس کے جرائم کے بارے میں تفصیلات معلوم کریں گے اور اس کے بعد اس سے معاوضہ طلب کریں گے اسے چھوڑنے کا وہ معاوضہ ہمارے درمیان تقسیم ہو جائے گا

لیکن ہم یہ معاوضہ ہر اس شخص سے وصول کریں گے جو مجرم ہوگا اور بڑے بڑے جرائم کر کے اپنی جان چھڑانے کی کوشش کرے گا۔"

"لیکن اس کے بعد ہمیں کیا کرنا ہوگا؟" ناہید نے فوراً سوال کیا۔

"اسے کیفرِ کردار تک پہنچا دینا ہوگا کیونکہ وہ مجرم ہے کوئی شریف آدمی نہیں ہے کہ اس سے کی ہوئی پابندی پوری ہی کی جائے۔"

سب لوگوں نے قہقہے لگائے اور پھر سبھی نے لیمپو آن کی بات سے اتفاق کیا تھا کیونکہ یہ بہت ضروری بات تھی۔

بہر حال وہ لوگ خاصی خوش گپیاں کرتے رہے اور اس کے بعد طے یہ پایا کہ محمود علی کو اغوا کر کے کارواں گروپ کے تہہ خانے میں لے آیا جائے جہاں تشدد کے لیے جگہ بنائی گئی تھی۔

"اور ہم سب کو اس میں شامل ہونا چاہیے۔"

یہ ایک دلچسپ عمل تھا جسے بڑی خوش اسلوبی سے طے کر لیا گیا۔ محمود علی واقعی کافی سخت جان ثابت ہوا تھا لیکن ان لوگوں نے پھندہ ایسا لگایا تھا کہ اسے پھنستے ہی بن پڑی۔ اس کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کر کے ایک ایسے کاروباری گروپ کی طرف سے دعوت دی گئی جس کی تاک میں محمود علی بڑے عرصے سے لگا ہوا تھا۔

ایسی کارروائی ناہید کی ہوتی تھی جو ایک پرائیویٹ اخبار کی صحافی بھی تھی اور اس کے ساتھ ہی ایک انتہائی ذہین لڑکی بھی۔ محمود علی کے بارے میں اس نے تمام تفصیلات معلوم کرنے کے ساتھ ساتھ ہی اس کاروباری گروپ کے بارے میں بھی تفصیلات معلوم کی تھیں جس کے چکر میں محمود علی بہت دن سے لگا ہوا تھا۔

محمود علی کو ایک جگہ دعوت دی گئی۔ وہاں قادر بخش نے اس کے ڈرائیور کو گھونسا مار کر بے ہوش کیا اور محمود علی کو کسی مردہ چوہے کی مانند پکڑ کر ایک بند ویگن میں ڈالا گیا اور بند ویگن میں ہی کارواں ہاؤس پہنچا دیا گیا جہاں قادر بخش اور شہروز نے اسے تہہ خانے میں پہنچایا تھا۔ اسی تہہ خانے میں جہاں ڈانگے اور اس کا ساتھی قید تھے۔

محمود علی نے ڈانگے کو پہچان لیا اور آنکھیں پھاڑ کر بولا:

"تو تو یہ تھا کتے جس نے میری نشاندہی کی اور مجھے چکر میں پھنسایا۔"

"رہنے دو محمود علی صاحب رہنے دو۔ اس کتے سے بات مت کرو ورنہ یہ کاٹ کھائے گا۔ انتہا عاجز کیا ہے ان لوگوں نے کہ زندگی عذاب بن کر رہ گئی ہے۔"

"ابے اُلو کے پٹھے تو ان کے چنگل میں پھنسا کیسے؟"

"اُلو کے پٹھے کیا تو اپنے بارے میں نہیں بتائے گا کہ تو کیسے ان کے چنگل میں پھنسا۔"

آخر کار ڈانگے کی قوت برداشت جواب دے گئی اور اس نے محمود علی ہی کے انداز میں کہا۔ محمود علی غصے سے سرخ ہو گیا اور کہا:

"تیری یہ مجال ڈانگے' تو مجھے جانتا نہیں ہے کہ میں کون ہوں۔"

''جان لیا..... جان لیا جان لیا بیٹے۔ اب تمہارے ساتھ جو کچھ ہوگا اس کے بعد ذرا مجھے بھی بتا دینا کہ تم کون ہو؟''

اچانک ہی محمود علی کو ہوش آ گیا واقعی ڈانگے یہ بات تو بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ آخر یہ کون لوگ ہیں اور یہ کون سی جگہ ہے جہاں اسے لایا گیا ہے۔ جس کاروباری گروپ کی جانب سے اسے دعوت دی گئی تھی وہ بہر حال جرائم پیشہ تو نہیں تھا پھر آخر یہ کون ہیں لیکن اس کے لیے انتظار کرنا پڑا تھا۔

جو لوگ محمود علی کے سامنے پہنچے تھے' محمود علی ان میں سے کسی کو نہیں پہچانتا تھا اور ناہید وغیرہ اس وقت سامنے نہیں آئی تھیں' نا ہی بچی کو سامنے لایا گیا تھا۔ ایس پی شیر جنگ' بزمی صاحب' لیمپو آن' کائی ٹی' قادر بخش اور شہروز تہہ خانے میں پہنچے تھے اور محمود علی ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا۔

''کون ہو تم لوگ؟ کیا کسی غلط فہمی کا شکار ہو؟ کیوں مجھے یہاں لایا گیا ہے؟''

''محمود علی صاحب آپ سے تھوڑی بہت معلومات درکار ہیں۔ براہ کرم آپ ہمیں یہ معلومات فراہم کر دیجئے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ اسی میں آپ کی نجات ہے ورنہ دوسری شکل میں آپ کے لیے بہت سی مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔''

''آخر تم لوگ ہو کون؟ کیا چاہتے ہو؟ کیوں مجھے اغوا کیا ہے؟''

''آپ کو پتا ہے کہ آپ کو کیوں اغوا کیا گیا ہے مگر ہم نے آپ کی قیمت صرف ایک کروڑ روپے لگائی ہے۔ ہم زیادہ بھی طلب کر سکتے تھے' لیکن ہم یہ بات سمجھتے ہیں کہ رقم اتنی مانگنی چاہیے' جتنی ادا کر دی جائے۔ اب آپ یہ بتایئے کہ آپ کے ہمدردوں میں ایسا کون ہے جو یہ رقم ادا کر دے۔''

''ہوں..... تو تم جرائم پیشہ افراد ہو' مگر پھر یہ ڈانگے اور اس کا یہ ساتھی یہاں کیوں موجود ہیں؟ ان کا کیا قصہ ہے؟''

''یہ قصہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ ہم نے انہیں اغوا کیا انہوں نے رقم ادا کرنے کی بجائے آپ کی طرف اشارہ کر دیا اور بتایا کہ وہ تو معمولی سے جرائم پیشہ لوگ ہیں لیکن آپ بہت بڑے جرائم پیشہ آدمی ہیں۔ اب بتایئے یہ رقم ہمیں کہاں سے اور کیسے مل سکتی ہے؟''

''اچھا تو یہ بات ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں میرے عوض اتنی رقم کوئی نہیں دے گا۔''

''چلیے پھر ایسے آدمی کا جینا بالکل بیکار ہے' جس کی اتنی سی حیثیت بھی نہ ہو۔''

''مجھے چھوڑ دو' جو کچھ میں کر سکتا ہوں' کروں گا۔''

''آپ کوئی کتے ہیں جو آپ کو چھوڑ دیا جائے اور پھر کس پر چھوڑیں آپ کو؟'' شہروز نے ہنستے ہوئے کہا اور باقی لوگ بھی ہنس پڑے۔

''دیکھو میں بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ تم یہ مت سمجھنا کہ مجھے آسانی سے زیر کر لو گے۔''

''چلیں آپ کو زیر کیے لیتے ہیں۔ چلو بھئی ان کو اوپر اٹھاؤ اور چھت سے لٹکا دو۔'' شہروز نے کہا اور قادر بخش آگے بڑھ آیا۔

''ابے او کیا کر رہا ہے پیچھے ہٹ۔'' محمود علی غصے سے بولا۔

''اڑے ماں کسم میرے کو بولتا اے ابھی دینگا ایک جبڑہ ٹوٹ جائیں گا' کیا سمجھا۔'' قادر بخش نے غصیلے لہجے میں کہا۔ شہروز نے آگے بڑھ کر محمود علی کو بالوں سے پکڑا اور اسے اٹھا کر بٹھا دیا پھر وہ سنگین لہجے میں بولا:

''بس اب مذاق ختم محمود علی صاحب' اب آپ کو وہ ساری حقیقتیں اگلنی ہیں جن کا تعلق آپ کی ذات سے ہے۔ ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ بچی جسے اغوا کرانے کے لیے آپ نے ڈانگے کو مخصوص کیا تھا اور وہ عورت جسے اس کے ڈرائیور سمیت آپ کے حکم پر قتل کر دیا گیا تھا ان کا پورا قصہ کیا ہے۔ تفصیل بتانی ہے آپ کو محمود علی صاحب ورنہ اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔''

محمود علی کے چہرے کا رنگ تبدیل ہونے لگا تھا۔

☆......☆......☆

محمود علی کے بارے میں ابھی تک کوئی خصوصی تفصیل تو سامنے نہیں آئی تھی لیکن اس کی شخصیت سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ کافی خطرناک آدمی ہے۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ کبھی کبھی اونٹ پہاڑ تلے آ ہی جاتا ہے اور اس وقت تو وہ پہاڑیوں تلے تھا۔ سات پہاڑیاں اس کے آس پاس کھڑی ہوئی تھیں اور سب کے سب عجیب و غریب صورت حال رکھتے تھے۔ جو تفصیل ابھی تک محمود علی کے سامنے آئی تھی اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ صورت حال اس قدر معمولی نہیں ہے، جتنی سمجھی جا رہی ہے۔ حالات خاصے گڑبڑ ہیں۔ وہ ان لوگوں کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا:

''دیکھو، میں نہیں جانتا تم کون لوگ ہو اور کیا چاہتے ہو۔ بظاہر تو صاف پتا چل رہا ہے کہ تم جرائم پیشہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم نے کافی کام کیا ہے لیکن تم مجھے نہیں جانتے''محمود علی ہے میرا نام۔''

''اڑے ماں کسم...... اس کا نام محمود علی ہے۔'' اچانک ہی قادر بخش نے پر مزاح لہجے میں کہا اور وہ جس طرح اچانک بول پڑا تھا' اس سے سب کو ایک دم ہنسی آ گئی۔

''واہ ڑے محمود علی صاب' وڑی ٹھیک ہے آگے بولو۔''

''تم لوگ میرا مذاق اڑا رہے ہو۔''

''اڑے...... بابا...... ہم تو بسنت پر پتنگ بھی نہیں اڑاتا' آپ مذاق اڑانے کی بولتے ہو۔''

''یار اس کی بات سننے دو۔'' شہروز نے قادر بخش کو خاموش کیا۔

''سوری اے سوری۔'' قادر بخش نے کہا اور ناہید ہنس پڑی۔

''یہ سوری کیا ہے؟''

''اڑے بابا انگریزی اے انگریزی۔''

''کیا مطلب یہ کون سی انگریزی ہے؟''

''دیکھو! جب عوت لوک کوئی غلطی کرتا ہے تو سوری بولتا ہے۔ وڑی کچھ تو فرق ہونا چاہئے انگریزی میں۔''

''یار تو خاموش نہیں ہوگا۔'' شہروز نے ہنستے ہوئے کہا۔

''چلو ٹھیک اے بابا......''

''اگر تم لوگ اپنے آپ کو تیس مار خان سمجھتے ہو تو میں دیکھ لوں گا تمہاری تیس مار خانی۔ بگاڑ لو تم سے جو کچھ بگاڑا جا سکتا ہے میرا۔''

''ٹھیک اے بابا ٹھیک اے جیسا آپ بولو۔'' قادر بخش نے کہا۔

لیمپو آن آگے بڑھ کر بولا:

''ٹھیک ہے آپ یہاں آرام فرمایئے محمود علی صاحب' یہ جگہ آپ کو پسند آئے گی۔ آپ ذرا یہ فرما دیجئے کہ صبح ناشتے میں آپ کیا کھانا پسند کریں گے۔ دوپہر کو کھانا کس طرح کھاتے ہیں' تھوڑی بہت ورزش وغیرہ آپ ضرور کرتے ہوں گے۔ ہم اس کا معقول انتظام کر دیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔ شام کی چائے اور پھر رات کے کھانے کے بارے میں بھی ایک فہرست بنا کر دے دیجئے'' آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی البتہ ایک بات ضرور ہے کہ اگر آپ کل تک ہمیں ایک کروڑ روپے کی رقم مہیا کر دیں گے تو یہ رقم صرف ایک کروڑ روپے ہی رہے گی' دوسرا دن ہو جائے گا تو یہ دو کروڑ ہو جائے گی' تیسرا دن ہوگا تو تین کروڑ رہے گی۔ اسی طرح سے آپ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ رقم ایک کروڑ روپے روزانہ کے حساب سے بڑھتی رہے گی اور اگر آپ اس پر بھی نہ مانے تو پھر آپ پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی جائے گی۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری' بچی ہمارے پاس ہے۔ ہم دیکھ لیں گے کہ اس کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔''

''تم سے جو کچھ کیا جا سکتا ہے کر لو۔''

محمود علی کی اکڑ ختم نہیں ہوئی تھی۔ بہر حال اسے ڈانگے کے ساتھ ہی بند کر دیا گیا۔ باہر آنے کے بعد لیمپوآن نے کہا:

''رقم میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ ہم کوشش کریں گے کہ کچھ ہاتھ لگ جائے' نہ لگا تو پھر شیر جنگ صاحب آپ جو مناسب سمجھیں۔''

''ٹھیک ہے میں تم لوگوں سے اتفاق کرتا ہوں۔'' شیر جنگ نے کہا۔ البتہ جب بارہ گھنٹے کی قید گزر گئی تو ڈانگے نے کہا:

''محمود علی صاحب آپ جن لوگوں کو معمولی آدمی سمجھ رہے ہیں' وہ معمولی نہیں ہیں۔ بنی گلی کے ڈانگے کو اس طرح اٹھا لینا عام لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے اور پھر آپ بھی چوہوں کی طرح ان کے قبضے میں آ گئے ہیں۔''

''مگر میں چوہا نہیں ہوں حرام زادے۔ سارا کھیل تو نے بگاڑا ہے۔ ابے کتے کے بچے تجھے میرے بارے میں انکشاف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

ڈانگے خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا محمود علی کے پاس پہنچ گیا۔

''کتے کا بچہ کہا آپ نے مجھے۔''

''میں کہتا ہوں تو۔'' محمود علی کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ ڈانگے کا الٹا ہاتھ ان کے منہ پر پڑا اور وہ گرتے گرتے بچے۔ غالباً وہ بھی تیز مزاج آدمی تھے۔ چنانچہ انہوں نے ڈانگے پر حملہ کر دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ ڈانگے کے دو چار ہاتھوں نے انہیں زمین پر لمبا لٹا دیا تھا۔ غصہ تو انہیں بہت زیادہ آ رہا تھا لیکن یہ اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ اس وقت ان کا مددگار کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ سنبھل گئے۔

پہلا دن گزر گیا۔ دوسرے دن وہ کسی قدر پریشانی کا شکار ہو گئے تھے لیکن ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ البتہ ڈانگے ان سے بار بار کہہ رہا تھا۔

''دولت لے کر قبر میں جاؤ گے کیا تم؟ وہ پیسے لیے بغیر تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو۔''

''نہیں دوں گا حرام زادوں کو کچھ بھی نہیں دوں گا۔''

"دے دو بابا ورنہ تمہاری زندگی کی کہانی میں خود ہی ختم کر دوں گا۔ میں بھی تمہاری وجہ سے ہی مصیبت میں پھنسا ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔ تم سے جو کچھ کیا جا سکتا ہے کر لو۔" محمود علی نے کہا لیکن تیسرا دن بہت برا ثابت ہوا تھا۔ لیمپو آن شہروز اور ناہید کے ساتھ اندر آیا تھا۔ اصل میں ناہید ایسے معاملات میں بڑی دلچسپی لے رہی تھی۔ اس کے لیے یہ ایک شاندار ایڈونچر تھا۔ شیر جنگ اور بزمی صاحب بھی تقریباً روزانہ ہی ان لوگوں سے رابطہ کرتے تھے۔ تیسرے دن لیمپو آن اپنے ساتھ چمڑے سے بنا ہوا ایک ڈبہ لے کر آیا تھا۔ اس ڈبے میں کیا تھا' یہ کوئی نہیں جانتا تھا لیکن ناہید نے ہنستے ہوئے کہا تھا:

"یقیناً اس میں کوئی ایسی ہی چیز ہو گی۔ خدا کی پناہ مسٹر لیمپو آن آپ کے یہ کام مجھے بڑے عجیب لگتے ہیں۔ میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ زمانہ قدیم کے چین میں جو پراسرار ماسٹر ہوا کرتے تھے' ان میں سے ایک میرے سامنے ہے۔"

لیمپو آن اس بات پر ہنسا تھا۔ اس ڈبے میں کیا تھا یہ بات ابھی تک کسی کو معلوم نہیں تھی۔ بہرحال وہ محمود علی کے پاس پہنچ گئے۔

"کمال ہے محمود علی صاحب۔ آپ جیسے لوگ بھی اس دنیا میں کم ہوتے ہیں۔ آپ کو پتا ہے کہ ادائیگی کی رقم کیا ہو گئی۔ آج تک تین کروڑ اور یہ رات گزارنے کے بعد کل چار کروڑ۔ ابھی تک آپ مزے سے کھا پی رہے ہیں اور عیش کر رہے ہیں۔ آپ نے ضرور یہ سوچا ہو گا کہ آخر کار ہم لوگ آپ کو کھلا کھلا کر تنگ آ جائیں گے۔ ہم تنگ نہیں آئیں گے۔ آج سے آپ کا امتحان شروع ہو رہا ہے۔ مقصد یہ کہ آپ کی قوت برداشت کا امتحان' لو ناہید یہ ماسک منہ پر لگا لو اور شہروز تم بھی۔"

لیمپو آن نے جیب سے دو ماسک نکالے اور ان دونوں کو دے دیئے۔ تیسرا ماسک اس نے اپنے چہرے پر لگا لیا تھا۔ پھر اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ڈبے کو ایک خاص قسم کی جالی کی مدد سے چھت میں لٹکایا اور اس کے بعد اس کا ڈھکن کھول دیا۔ اچانک ہی کمرے میں انتہائی مکروہ بدبو اتنی تیز تھی کہ دماغ پھٹے جاتے تھے۔ ان تینوں نے تو ماسک لگائی ہوئی تھی لیکن ڈاگے اور محمود علی نے دونوں ہاتھوں سے منہ بند کر لیا تھا۔ انہیں کھانسی اٹھ رہی تھی لیکن کھانسنے کے لیے منہ سے ہاتھ ہٹاتے تو بدبو کے بھبکے ان کی ناک سے ٹکراتے۔

"چلتے ہیں ہم لوگ...... یہ ایک مائیکروفون رکھا ہوا ہے۔ آپ لوگ اگر اس بدبو سے تنگ آ جائیں تو رقم کی ادائیگی کی تفصیل اور ہماری خواہش کے مطابق جو کچھ ہم چاہ رہے ہیں وہ کر لیں ورنہ پھر عیش کریں۔ ایک دو دن میں آپ اس بدبو کے عادی ہو جائیں گے تو پھر ہم آپ کو خوشبو سنگھائیں گے۔ آؤ۔"

لیمپو آن نے کہا۔ ناہید کا سر چکرا رہا تھا۔ اس نے ذرا سی ماسک ایک لمحے کے لیے ہٹائی تھی اور بدبو کی شدت کو محسوس کیا تھا۔ باہر نکل کر وہ کھلی ہوا میں لمبی لمبی سانسیں لینے لگے۔ ناہید نے کہا:

"خدا کی پناہ...... خدا کی پناہ مر جائیں گے کتے تھوڑی ہی دیر میں۔"

"یہی تو مزے کی بات ہے ناہید بیٹے...... کہ کتے تھوڑی دیر میں مریں گے نہیں اس بدبو میں کوئی زہریلی چیز نہیں ہے بلکہ یہ غلاظت سے کشید کی گئی ہے اور اسی کی بدبو ہے۔"

"غلاظت سے کشید کی گئی ہے۔"

"ہاں! ایسے کام کا ئی شی بخوبی کر لیتی ہے۔"

ناہید نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔ وہ لوگ اسٹرونگ روم میں پہنچ گئے۔ اندازہ یہی تھا کہ ایک آدھ گھنٹے میں کام ہو جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ محمود علی کی کراہتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

"خدا تم لوگوں کو غارت کر دے...... خدا تم لوگوں کو اس روئے زمین سے مٹا دے۔ خدا کے لیے یہ بدبو بند کر دو۔ خدا کے لیے آ جاؤ ورنہ ہم لوگ مر جائیں گے۔ خدا کے لئے...... خدا کے لئے......"

"ٹھیک ہے...... آؤ شہروز! قادر بخش کو بھی بلا لو۔"

پھر وہ لوگ ایک بہت ہی شاندار قسم کی ریکارڈنگ مشین لے کر وہاں پہنچ گئے تھے۔ جہاں ڈانگے اور محمود علی قید تھے۔ ماسک دوبارہ لگا لیے گئے تھے۔ ڈانگے اور محمود علی کی حالت بری ہو رہی تھی۔ ان کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا اور منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔ بہت بری حالت میں تھے وہ۔ چہرے انگارہ بنے ہوئے تھے۔ لیپوآن کے اشارے پر کا ئی شی نے [illegible] بدبو آہستہ آہستہ باہر نکلنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی لیپوآن کی ہدایت پر [illegible] گیا تھا۔

تقریباً بیس منٹ انتظار کرنا پڑا تھا۔ بیس منٹ کے بعد یہاں [illegible] اسپرے کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہاں کا ماحول بالکل [illegible]

لیپوآن نے نرم لہجے میں کہا:

"ہاں مسٹر محمود علی۔ اب آپ مکمل تفصیل بتا دیجئے گا۔ [illegible]"

"ہاں! میں تیار ہوں اب میں مزید برداشت نہیں کر سکتا۔" محمود علی نے کہا [illegible]

"میرا نام محمود علی ہے۔ کاروبار کرتا ہوں۔ میرا پارٹنر ظفر علی ایک [illegible] کاروبار کرتے تھے لیکن میں ڈیڈلاک ہو گیا اور تقریباً ساڑھے تین ارب روپے [illegible] فرم کے نام پر ہی میں نے یہ رقمیں حاصل کی تھیں اور مختلف معاملات [illegible] ساری صورت حال معلوم ہو گئی تو اس نے مجھ سے سخت باز پرس کی۔ [illegible] ہوں۔ چنانچہ اس نے ایک وصیت نامہ لکھا اور اپنی ایک خاص ملازمہ [illegible] جائیداد و دولت پوری تفصیل کے ساتھ بچی کے نام کر دی تھی اور پھر میں [illegible] طریقے سے قتل کر دیا۔ یہ کام میں نے ڈانگے کی مدد سے کیا۔ ڈانگے [illegible]

"ابے او الو کے پٹھے تو نے اب بھی میری موت کا سامان کر [illegible]

"کتے کے بچے جو کام تو نے کیا ہے اور جس کا معاوضہ وصول کیا ہے میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔ خیر اس کے بعد وہ بچی میرے لیے مشکل کا باعث بن گئی جسے دانیہ اور اس کے ڈرائیور کو بھی قتل کر دیا لیکن بچی مجھے ابھی تک حاصل نہیں ہو سکی اور میں اس کی تلاش میں تھا کہ مجھے اس طرح قبضے میں کر لیا گیا۔"

محمود علی خاموش ہو گیا۔ شہروز نے لیمپو آن کی طرف دیکھا تو لیمپو آن نے مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا:

"ٹھیک ہے۔" اور اسکے بعد مشین بند کر دی گئی۔ پھر محمود علی کی آواز اس کی تصویر کے ساتھ اسے سنائی گئی اور اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔

"تم لوگوں نے میری موت کا بھرپور سامان کر لیا ہے۔ کیا تم مجھے زندہ رہنے کا موقع دو گے؟"

"تین کروڑ ہو چکے ہیں' ادائیگی کل تک ہو جانی چاہیے ورنہ رقم بڑھتی رہے گی اور مسئلہ وہی کا وہی رہے گا۔"

"اگر میں تمہیں تین کروڑ ادا کر دوں تو تم نے جو بیان مجھ سے لیا ہے وہ مجھے واپس کر دو گے۔"

"پہلے تین کروڑ ادا کرو اس کے بعد فیصلہ کریں گے۔"

"میں انتظام کرتا ہوں۔"

محمود علی نے کہا اور پھر اس نے اپنے منیجر کو فون کیا اور تین کروڑ روپے کی رقم ادا کرنے کی ہدایت کی۔ ادائیگی کے لیے لیمپو آن نے اپنا ایک طریقہ کار پیش کر دیا تھا جو انتہائی محفوظ تھا۔

چوتھے دن تین کروڑ روپے کی رقم وصول ہو گئی اور اس کے بعد بقیہ کاروائی کے بارے میں فیصلہ کیا گیا۔ محمود علی سے کہا گیا تھا کہ اسے اور ڈانگے کو اس کی تقدیر کا فیصلہ جلد سنا دیا جائے گا۔

"اب بھی کوئی ایسی بات ہے جو تم مجھے بعد میں سناؤ گے۔"

"ہاں میرے دوست بہت الگ طریقہ کار اختیار کیا ہے ہم نے...... تم آرام کرو۔"

یہ کہہ کر وہ سب باہر نکل گئے۔ اسی رات بزمی صاحب اور شیر جنگ کو بھی طلب کر لیا گیا تا کہ اس سلسلے میں آخری فیصلہ کر لیا جائے کہ آگے کیا کرنا ہے۔ لیمپو آن نے بات کا آغاز کیا۔

"کارواں گروپ کوئی اصلاحی گروپ نہیں ہے۔ ہم لوگ غیر ملک میں تھے اور وہاں جو زندگی گزار رہے تھے' اس کے بارے میں شہروز کو معلوم ہے۔ اچھی زندگی تھی ہماری' میں نے اپنی زندگی میں جو کچھ بھی کیا اس سے غیر مطمئن نہیں رہا۔ اب بھی مجھے اطمینان ہے۔ شہروز کا ماضی جو کچھ بھی رہا ہے' میں اس کی تفصیل میں اس لیے نہیں جاؤں گا کہ خود شہروز کی طرف سے میں نے کوئی اجازت حاصل نہیں کی۔ دوستو! میرا ایک نظریہ ہے۔ چونکہ شہروز مجھے اور کائی شی کو اپنے بچوں کی طرح عزیز ہے' اس لیے ہم اس وطن کو اپنا وطن سمجھتے ہیں اور یہاں کے مفادات کو اپنا مفاد۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ ہم لاقانونیت کے خلاف ہر قدم اٹھائیں گے اور اس وطن کے کسی بھی مفاد کو نقصان پہنچانے کی ہر کوشش کو اپنی بساط بھر کچلیں گے۔ ہاں اس کے ساتھ ساتھ ہی ہم اپنے گروپ کو زندہ رکھنے کے لیے ایسے لوگوں سے رقوم بھی

وصول کریں گے جو غیر قانونی کام کرتے ہیں لیکن اس کا مقصد یہ نہیں کہ ان رقومات کو وصول کر کے ہم ان کے غیر قانونی اقدامات سے چشم پوشی کریں گے۔ نہیں شیر جنگ صاحب سے رابطہ اس لیے قائم کیا گیا ہے اور انہیں کارواں گروپ میں ایک اہم جگہ اسی لیے دی گئی ہے کہ ایسے لوگوں سے اپنا حصہ وصول کرنے کے بعد انہیں قانون کے حوالے کر دیا جائے۔ اگر اس سلسلے میں کسی بھی شخص کو کوئی اعتراض ہے یا کوئی بھی ہمیں بہتر مشورہ دینا چاہتا ہے تو کارواں گروپ کا ہر شخص کسی کا محکوم نہیں ہے۔ یہ دوستوں کا گروپ ہے اور دوستی کی بنیاد پر ہمیں مشورے بھی درکار ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے جو یہ تجویز پیش کی ہے اور کارواں گروپ کی جس شکل کا اظہار کیا ہے اگر اس میں کوئی ترمیم ضروری ہو تو مجھے دی جائے۔"

شیر جنگ نے مسکراتے ہوئے کہا:

"پہلی ترمیم تو یہ ہے مسٹر لیمپو آن کہ آپ ہمیں اردو سکھایئے' جتنی خوبصورت اردو آپ بول رہے ہیں لگتا ہے آپ کے اندر کوئی ٹیپ ریکارڈ لگا ہوا ہے۔ جیسے کسی اردو ادب کے ماسٹر کی آواز نکل رہی ہے۔"

سب لوگ اس بات پر ہنسنے لگے تھے۔ لیمپو آن نے کہا:

"شکریہ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ یہ میری آپ کے وطن سے محبت ہے اور آپ کی زبان کو خراج عقیدت ہے۔ خیر تین کروڑ روپے کی یہ رقم اس وقت ہمیں آپس میں تقسیم کرنی ہے۔ میں کائی شی' شہروز' قادر بخش' ناہید بزمی صاحب اور شیر جنگ' فوزیہ نے بھی چونکہ اس سلسلے میں ہماری مدد کی ہے اس لیے اس رقم کا پانچ پرسنٹ ہم اس کے لیے نکالیں گے۔ پندرہ پرسنٹ ایک فنڈ کی حیثیت سے الگ کر دیا جائے گا۔ یہ فنڈ ایسے نادار اور بے بس لوگوں کے لیے ہوگا جو کسی طرح لاقانونیت کی زد میں آئے ہوں گے اور انہیں مالی مدد کی ضرورت ہوگی۔ باقی 80 پرسنٹ ہم سات آدمیوں میں تقسیم ہو جانا چاہیے۔ ابھی اور اسی وقت۔"

ان سب کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ ناہید بزمی اور شیر جنگ صاحب خاص طور سے متاثر ہوئے تھے۔ شیر جنگ صاحب نے کہا:

"نہیں مسٹر لیمپو آن...... یہ بہت بڑی رقم ہے۔"

"بعض معاملات میں اپنی عمر اور بزرگی کے حساب سے میں آپ لوگوں پر حکمرانی کی اجازت چاہتا ہوں' وہ یہ کہ ایسے اخلاقی معاملات میں میرے فیصلوں کو اہمیت دی جائے۔ اس کے لیے میں آپ کا شکریہ ادا کروں گا۔ شہروز بیس فیصد رقم نکال کر باقی رقم کے حصے کر دیے جائیں۔"

شہروز نے لیمپو آن کی ہدایت پر عمل کیا تھا اور رقم فوری طور پر تقسیم کر دی گئی چونکہ نقد شکل میں تھی۔ اس کے بعد تھوڑی دیر کے لیے خاموشی اختیار کی گئی۔ شہروز خاص طور سے ناہید کی حالت کو خراب محسوس کر رہا تھا۔ ناہید کے گھریلو حالات سب کو معلوم تھے۔ وہ اخبار میں نوکری کرتی تھی اور اپنے چھوٹے سے خاندان کو پال رہی تھی۔ آزاد منش اور نڈر لڑکی تھی۔ اتنی بڑی رقم شاید زندگی میں پہلی بار اسے حاصل ہوئی تھی' اس لیے اس کے اندر ایک کپکپاہٹ اور گھبراہٹ سی تھی۔ شہروز کو اس کی گھبراہٹ پر بہت پیار آیا۔ اسی وقت لیمپو آن کی آواز ابھری:

"یہ ایک مرحلہ طے ہوا ہے۔ اب اس کے بعد ہم آگے کے معاملات طے کرتے ہیں۔ شیر جنگ صاحب محمود علی کے سلسلے میں چونکہ آگے کا کام آپ کو کرنا ہے۔ اس لیے ہم آپ کی رائے کو زیادہ حیثیت دیں گے۔"

"جناب عالی! کارواں گروپ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے میں اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح محسوس کرتا ہوں اور میں نے اس سلسلے میں تھوڑا سا کام کیا ہے مثلاً ایک رپورٹ تیار کی ہے میں نے دائیہ نامی عورت اور اس کے ڈرائیور کا قتل جس علاقے میں ہوا ہے وہ بے شک میرا علاقہ نہیں ہے لیکن وہاں کے متعلقہ تھانے میں اس قتل کی رپورٹ درج ہے اور نامعلوم قاتلوں کے خلاف ایف آئی آر لکھی جا چکی ہے۔ اس گھر سے جب بدبو اٹھی تو محلے والوں نے اس کی اطلاع متعلقہ محکمے کو دی اور محکمہ پولیس نے لاشیں وہاں سے برآمد کر کے ان کے بارے میں تحقیقات کیں۔ مکان کرائے پر حاصل کیا گیا تھا اور رحمان نامی ڈرائیور نے اس کا ایڈوانس وغیرہ مالک کو اور پراپرٹی ڈیلر کو ادا کیا تھا۔ یہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے بہرحال کوئی خاص تفصیل نہیں معلوم ہو سکی تھی کہ ایک دن مجھے ایک نامعلوم فون کال موصول ہوئی جس میں اس قتل [illegible] اور اس کے بارے میں اطلاع دی گئی تھی۔ ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے میں نے اپنا فرض پورا کیا اور تحقیقات شروع کر دیں۔ اس تحقیقات کے نتیجے میں میں محمود علی اور ڈانگے تک پہنچا اور اس کے بعد میں نے اپنے مخصوص طریقہ کار سے کام لیتے ہوئے ان سے معلومات حاصل کیں اور محمود علی اور ڈانگے کو گرفتار کر لیا۔ جناب عالی! ہمارے پاس محمود علی کا اعترافی بیان کیسٹ میں ریکارڈ ہے۔ یہ میں عدالت میں پیش کروں گا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اس طرح ہم محمود علی تک پہنچے ہیں۔ اب اگر محمود علی عدالت میں مجھ پر کچھ الزامات لگاتا ہے اور کچھ نام پیش کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اعترافی مجرم ہے اور پھر بچی اور ساری کہانی موجود ہے۔ بچی کو ہم نے محمود علی کے پاس سے ہی برآمد کیا ہے اور میں نے اسے اپنی تحویل میں رکھا ہے۔ میں فوری طور پر آپ کی ہدایت کے مطابق بچی کو عدالت میں پیش کر دوں گا۔ ہم اس کے لیے کوئی اٹارنی مقرر کر دیں گے، یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ مجھے حکم دیا جائے کہ کیا میں اس کیس کی رپورٹ کو اس طرح تیار کر لوں......"

لیپوآن کی ہونٹوں کی مسکراہٹ بتاتی تھی کہ اسے شیر جنگ کا کردار بہت پسند آیا ہے اور اس کی بنائی ہوئی کہانی بھی۔ اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا:

"اور مجھے صرف اس بات کی خوشی ہے کہ کارواں گروپ اپنے راستوں پر بالکل صحیح جا رہا ہے۔ ہمارا ایک ممبر ہمارے لیے بڑی کارآمد حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کام مسٹر شیر جنگ آپ کر لیجیے گا۔"

"ٹھیک ہے جناب۔"

فوزیہ کو بھی پانچ پرسنٹ کی جو رقم ملی تھی وہ اس کے لیے بڑی حیثیت رکھتی تھی۔ ناہید نے بھی اپنا طرز زندگی تبدیل کیا تھا۔ بڑی صاحب بھی خوش تھے، قادر بخش البتہ مست مولا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا:

"اڑے ماں قسم میرا دل تو چاہتا اے کہ بیس گدھا گاڑی خرید کر بچے لوک میں بانٹ دوں۔ چلو ڑے اپنا اپنا گدھا گاڑی چلاؤ اور

قادر بخش زندہ باد کا نعرہ لگاؤ۔"

"قادر بخش تم اس رقم کا کیا کرو گے؟" شہروز نے پوچھا۔

"یار بیس گدھا گاڑیاں کتنے کی آ جائیں گی' وہ خرید لوں گا۔ باقی سے تھوڑے سے کپڑے...... وپڑے بناؤں گا۔" قادر بخش نے کہا اور سب اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

شہروز نے زندگی کا اب ایک مقصد بنا لیا تھا۔ کائی شی نے کتنی ہی بار کہا کہ وہ اپنے اہل خاندان سے ملے لیکن شہروز نے اس کے جواب میں کہا:

"دیکھیں میڈم میرا خاندان تو آپ نے بنا دیا ہے' میرا تو کام صرف اتنا ہے کہ آپ لوگوں کی زندگی کے لیے دعا مانگوں۔ مجھے میرے ماضی کی طرف متوجہ کر کے کیوں میرا دل دکھانا چاہتی ہیں آپ......" کائی شی نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"سوری ڈیئر شہروز...... سوری۔ اس کے بعد خیال رکھوں گی۔"

بہر حال ان لوگوں کی ملاقاتیں دوستوں کی طرح سے ہوتی رہتی تھیں اور لیپو آن بھی کبھی باقاعدہ میٹنگ طلب کر لیا کرتا تھا۔ کوئی بھی نئی جگہ منتخب کر لی جاتی تھی۔ کارواں ہاؤس کو وہ لوگ نگاہوں میں نہیں لانا چاہتے تھے۔ اس لیے وہاں صرف ضرورت کے تحت ہی جمع ہوا جاتا تھا۔

پھر شیر جنگ اور ناہید نے بزمی صاحب کے مشورے سے ایک مسئلے پر گفتگو کی' پچھلے کچھ دنوں سے منشیات کی اسمگلنگ کی بے شمار کہانیاں علم میں آ رہی تھیں۔ اخبارات میں متعدد واقعات چھپتے رہتے ہیں۔ شیر جنگ نے اس صورت حال کی نشاندہی کی تھی۔ اہم واقعہ تھا' اس لیے کارواں ہاؤس میں ہی میٹنگ طلب کر لی گئی تھی۔ شیر جنگ نے کہا:

"اصل میں منشیات کے بارے میں ایسے بدنام علاقوں پر غور کیا جاتا رہا ہے' جہاں جرائم پیشہ افراد یہ چھوٹے موٹے کام کرتے ہیں۔ ہم اگر انہیں چھوٹا موٹا کام نہ بھی کہیں تب بھی وہ ایسی جگہیں ہیں جہاں سے عام لوگ منشیات کی خریداری کرتے ہیں یا پھر چھوٹی موٹی اسمگلنگ ان جگہوں کے ذریعے ہوتی ہے لیکن تازہ ترین رپورٹ یہ ہے کہ یہ کام اب انتہائی اعلیٰ پیمانے پر بھی ہونے لگا ہے اور بڑے بڑے شاندار ہوٹلوں میں سے بعض ہوٹل یہ کام کر رہے ہیں۔ میرے علم میں ایک نام آیا ہے اور میرا خیال ہے کہ ہمیں اس نام کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ یہ ایک شاندار ہوٹل ہے اور اس کا نام ایکسل ہے۔ ایکسل لارڈ...... ایکسل لارڈ ایک انتہائی ماڈرن ہوٹل ہے اور ہمیں اس کے بارے میں کچھ اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ اگر آپ لوگوں کی اجازت ہو تو اس سلسلے میں باقاعدہ کام کیا جائے۔"

لیپو آن نے پر مسرت انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا:

"پچھلے دنوں سے میں بھی اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ ہم اپنے کام کا طریقہ کار کیا رکھیں۔ کس طرح اسے آغاز کریں۔ یہ بہت اچھی بات ہے' بلکہ کہنا تو یہ چاہئے کہ یہ ایک طریقہ کار منتخب ہوا ہے یعنی کارواں گروپ کا ہر شخص کسی نہ کسی شکل میں ایسے جرائم تلاش کرے۔

منشیات کی اسمگلنگ ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ بڑے بڑے لوگ، بڑے بڑے ممالک اعلیٰ پیمانے پر اس سلسلے میں جو کام ہو رہا ہے وہ اعلیٰ پیمانے کا کام ہے لیکن تھوڑی سی ذمہ داری ہمیں بھی قبول کرنی چاہئے اور ہم لوگ اپنی اس ذمہ داری کو پورا کریں۔ یہ طریقہ کار مناسب ہے۔"

"تو پھر آپ یہ بتایئے مسٹر لیمپو آن کہ ہمیں کس طرح اس کام کا آغاز کرنا چاہئے۔" شیر جنگ نے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں ناہید اور شہروز اس سے آغاز کریں۔ ہمارا یہ نوجوان جوڑا اپنا ایک لائحہ عمل ترتیب دے لے اور کام کا آغاز کر دے۔"

"میں اس سلسلے میں اپنی خدمات پیش کرتی ہوں۔ اب تو میری اپنی بھی ایک حیثیت بن چکی ہے۔ میں اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں آ جا سکتی ہوں۔"

ناہید نے خوشی کے عالم میں کہا۔ اس نے ایک بہت ہی خوبصورت کار خرید لی تھی اور اس کا اپنا طرز زندگی بدلتا جا رہا تھا لیکن اخبار کی ملازمت جوں کی توں تھی۔ شہروز نے کہا:

"ٹھیک ہے ناہید میں اور تم مل کر ایک طریقہ کار طے کر لیتے ہیں۔"

"تم لوگوں کو ایکسل لارڈ ہی سے کام شروع کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

پھر ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ناہید اور شہروز نے اس بارے میں میٹنگ کی۔

"جی مس ناہید آپ بتایئے۔ کام کا آغاز کس طرح کیا جائے؟"

"میں سمجھتی ہوں شہروز کہ ہمیں کوئی گھریلو طریقہ کار نہیں اختیار کرنا چاہئے۔ میرے پاس پریس کارڈ ہے۔ میں جب اور جہاں چاہوں گی اسے استعمال کر سکتی ہوں لیکن اب ایسا ہے کہ میں ہوٹل کے ایک گاہک کی حیثیت سے وہاں کے بارے میں معلومات حاصل کرتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے...... مجھے یہ تجویز پسند ہے۔"

ناہید نے تقریباً پانچ دن ہوٹل میں لارڈ میں صرف کئے اور چھٹے دن اس نے شہروز کو رپورٹ دی۔

"سو فیصدی ایکسل لارڈ سے کچھ پراسرار کام ہوتے ہیں۔ وہاں کچھ لوگوں کو دیکھا گیا ہے۔ ہم ابھی تک کوئی ایسا کلیو نہیں حاصل کر سکے، میرا مطلب ہے جسے حتمی کہا جائے لیکن ایک بات میں کہے دیتی ہوں کہ ایسا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم وہاں سے اپنا کام ختم کر دو ناہید۔ میں اپنا کام شروع کرتا ہوں۔" شہروز نے کہا اور اس کے بعد وہ باقاعدگی سے ہوٹل لارڈ جانے لگا اور ناہید نے جن شکوک و شبہات کا اظہار کیا تھا ان کی تصدیق کرنے لگا۔

اس وقت بھی وہ ایکسل لارڈ کی ایک نیچی دیوار پر دونوں ہاتھ ٹکائے' جھکا ہوا نیچے دیکھ رہا تھا۔ یہ لارڈ کی تیسری منزل تھی اور اس تیسری منزل کو بھی انتہائی خوبصورت بنا دیا گیا تھا۔ چاروں طرف چار چار فٹ اونچی دیواریں تھیں اور فرش پر تقریباً ایک فٹ اونچی مٹی ڈال کر گھاس اگائی گئی تھی۔ دیواروں سے ملی ہوئی پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ بعض جگہ لکڑی کے بڑے بڑے گملے بھی نظر آ رہے تھے۔ جن میں انتہائی خوبصورت پودے لگائے گئے تھے۔ سورج غروب ہو جانے پر ہوٹل کا یہ حصہ بے حد پر رونق نظر آنے لگتا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں ساری میزیں بھر جاتی تھیں۔ آرکسٹرا حسین موسیقی بکھیرنے لگتا تھا اور میزوں کے درمیان شوخ رقاصائیں تھرکتی نظر آتیں۔ ہوٹل لارڈ کی اس منزل کی میزیں پہلے ہی ریزرو کرالی جاتی تھیں اور یہاں مشکل ہی سے جگہ ملتی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ یہاں آنے کے شوقین اس پر بھی یہاں آ جاتے تھے اور اپنا وقت کسی نہ کسی طرح گزار لیا کرتے تھے۔ اس وقت بھی شہروز کے علاوہ اور بھی چند افراد تھے جو اسی طرح آس پاس نظر آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ دیوار کے قریب کھڑے ہو کر کھانے پینے میں بھی جھجک محسوس نہیں کی جاتی تھی۔

بہر حال اس وقت بھی یہ سب کچھ اسی طرح ہو رہا تھا۔ شہروز کو ایک دن بھی کوئی میز خالی نہیں ملی تھی لیکن چونکہ وہ یہاں اپنا کام کر رہا تھا اس لیے عام طور سے وہ اسی دیوار کے قریب کھڑا ہو جاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ مشروب کے ایک گلاس سے چھوٹے چھوٹے سپ لے رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بڑی بے تکلفی سے ہیلو کہا۔ شہروز چونک کر پلٹا۔ یہ ایک لمبے قد و قامت کا کوئی غیر ملکی تھا جس نے شہروز کے کندھے پر اس بے تکلفی سے ہاتھ رکھ کر ہیلو کہا تھا۔ شہروز بے اختیار مڑا تو اس شخص نے حیرت سے اس کی شکل دیکھی اور پھر انگریزی میں بولا:

''اوہ......سوری' سوری...... مجھے غلط فہمی ہو گئی۔ میرا دوست ہیڈل بھی آپ کے قد و قامت اور آپ ہی کی جیسی شخصیت کا مالک ہے۔ میں سمجھا کہ......کہ......''

''کوئی بات نہیں......'' شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن نجانے کیوں اس کی چھٹی حس یہ بتانے لگی کہ اس شخص کا طریقہ کار کچھ غیر حقیقی سا ہے۔ وہ شخص معذرت کر کے واپس مڑا تو شہروز کی نگاہیں اس کا تعاقب کرنے لگیں۔ تبھی وہ افراد اس کی نگاہوں میں آئے جو خاص طور سے شہروز کی جانب متوجہ تھے۔

شہروز کو ایک دم یہ احساس ہوا کہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے مڑنے کے لیے مجبور کیا گیا ہے تا کہ وہ لوگ جو اس کی جانب متوجہ ہیں اس کی شکل دیکھ لیں۔ غالباً کسی شخص آدمی کی تلاش تھی انہیں۔

''کیوں؟'' یہ خیال شہروز کے ذہن میں فوراً ہی ابھرا تھا۔ اسی وقت فلور پر تھرکنے والی نرم و نازک سی لڑکی شہروز کے بالکل قریب سے گزری اور اس نے ایک مسکراتی ہوئی نگاہ شہروز پر ڈالی۔ شہروز نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور اس کے بعد اس غیر ملکی کو نگاہوں میں لانے لگا

شمار لوگ آیا جایا کرتے تھے۔ خود اس کا آنا کوئی نئی بات نہیں تھی۔

بہرطور وہ تھوڑی دیر تک صورت حال کا جائزہ لیتا رہا۔ یہ احساس اس کے دل میں حیثیت رکھتا تھا کہ اس کی آمد کو خاص طور سے محسوس کیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ ہوٹل ہی کے افراد ہوں جو ایسے مشکوک لوگوں پر نگاہ رکھتے ہوں جو منشیات کی اسمگلنگ کے سلسلے میں یا اس کاروبار کے سلسلے میں کوئی الگ مقام رکھتے ہوں۔ ویسے ابھی تک شہروز کو ایسا کوئی اشارہ موصول نہیں ہوا تھا۔ جس سے اسے کوئی صحیح اندازہ ہوسکے کہ ڈرگز کا کاروبار کس انداز میں چلایا جا رہا ہے اور اس کا طریقہ کار کیا ہے۔

وہ سرسری نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لیتا رہا۔ اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ وہ تینوں آدمی صرف اسی کی نگرانی کر رہے ہیں۔ جب کہ وہ شخص جس نے انہیں اس جانب متوجہ کیا تھا' جا چکا ہے۔ شہروز نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا مشروب کا گلاس دیوار پر رکھ دیا اور پھر دل میں ایک فیصلہ کرنے کے بعد اس نے ایک لیڈی ویٹر کو اشارہ کیا جو چند لمحوں میں اس کے قریب پہنچ گئی تھی۔

''بل......'' اس نے کہا اور لیڈی ویٹر گردن خم کرکے چلی گئی' کچھ لمحوں کے بعد اس نے بل لاکر شہروز کو دے دیا۔ شہروز نے بل کی رقم تھوڑی سی زیادہ رقم کے ساتھ پلیٹ میں رکھی اور ویٹر کا شکریہ ادا کرکے چلی گئی۔

بہرحال شہروز ایکسل لارڈ کو اچھی طرح ذہن میں رکھے ہوئے تھا۔ اسے جو اطلاع ملی تھی اس کے کچھ کچھ شواہد مل رہے تھے لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ کوئی خاص طور سے اس کی جانب کیوں متوجہ ہوا ہے۔ دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں۔ منشیات کا کاروبار کرنے والے بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے اور اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں جس طرح اس کام کا آغاز ہوا تھا' لازمی بات ہے یہاں زیادہ بہتر طریقے سے اس بات کی نگرانی کی جاتی ہوگی کہ کون نیا آدمی کیا حیثیت رکھتا ہے اور وہ اس کاروبار کے لیے کس طرح نقصان دے سکتا ہے۔

بہرحال ابھی تک اس سلسلے میں کوئی بڑا کام نہیں ہوسکا تھا۔ شہروز تھوڑی دیر تک اسی طرح کھڑا رہا پھر زینوں کی جانب چل پڑا۔ اس کی رفتار چہل قدمی کی سی تھی۔ دوسری منزل پر رہائش کرتے تھے۔ وہاں کی ایک راہداری سے وہ ان زینوں کی طرف بڑھ گیا جو پہلی منزل پر ڈائننگ ہال تک لے جاتے تھے۔ نیچے ڈائننگ ہال میں کافی چہل پہل تھی۔ وہ یہاں بھی نہیں رکا اور وہاں سے باہر نکل آیا مگر اب اس کا رخ اس حصے کی طرف نہیں تھا جہاں اس نے اپنی کار پارک کی تھی۔ بلکہ وہ سوئمنگ پول والے ویران حصے کی طرف جا رہا تھا۔ اصل میں اسے اس بات کا شبہ ہوگیا تھا کہ وہ شخص جس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ کیا تھا' ان تین افراد کو اس کی صورت دکھانا چاہتا ہے جو بدستور اس کی نگرانی کر رہے تھے۔ شہروز نے سوچا کہ کم از کم اس شبے کی تصدیق کرلے کہ وہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہیں یا یہ صرف اس کا وہم ہے لیکن تھوڑی دور چل کر اسے پتا چل گیا کہ وہ تینوں آدمی بھی اس کے تھوڑے فاصلے پر آ رہے ہیں۔ اسی لیے اس نے سوئمنگ پول کے ویران حصے کی جانب رخ کیا تھا تاکہ اگر وہ لوگ اس سے کچھ چاہتے ہیں تو ان کی چاہت سامنے آجائے البتہ ایک خطرہ اسے مول

ہوگئی تھیں۔ اچانک اسے پیچھے سے آواز سنائی دی۔

''سنئے جناب سنئے۔ ایک منٹ ذرا رکئے پلیز۔''

شہروز رک گیا' وہ ان لوگوں کی اس احمقانہ حرکت پر مسکرایا بھی تھا۔ وہ تینوں قریب آ گئے۔

''جی فرمایئے۔'' شہروز نے کہا اور اسی وقت اس نے محسوس کیا کہ وہ کوئی عمل کرنا چاہتے ہیں۔ شہروز نے اپنے بدن کو جھکائی دی اور داہنے ہاتھ سے ایک زوردار گھونسہ اس شخص کے جبڑے پر رسید کر دیا جس نے آگے بڑھ کر اس پر جھپٹنے کی کوشش کی تھی۔ پھر بایاں ہاتھ اس کی ناک پر پڑا جو ایک دم آگے بڑھا تھا۔ تیسرے نے بھی حملہ کیا لیکن مدمقابل شہروز تھا جس نے بڑے بڑے مارشل آرٹس کے ماہروں کو زمین چٹا دی تھی۔ شہروز کا گھٹنا اس کے پیٹ پر پڑا اور اس کے منہ سے اوہ کی آواز نکلی لیکن وہ تینوں بھی ظاہر ہے چوہے نہیں تھے۔ اب انہوں نے متحد ہو کر شہروز پر حملہ کیا تھا' لیکن شہروز ان کے درمیان سے نکل گیا تھا اور وہ تینوں آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے تھے اور اس کے بعد شہروز نے انہیں گھونسوں پر رکھ لیا' وہ باکسنگ کا بھی ماہر تھا اور کک باکسر کی حیثیت سے کافی نام کما چکا تھا۔ اس کے ہاتھ اور لاتیں ان لوگوں پر پڑ رہی تھیں اور ان کے حلق سے طرح طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ وہ صرف پٹ رہے تھے اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی وقت کچھ اور آوازیں ابھریں۔

''کون ہے...... کیا ہو رہا ہے؟ کون ہے؟'' ان آوازوں میں بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی شامل تھیں اور وہ تینوں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب شہروز نے اس قدر ہیرو بننے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ ان کا تعاقب کرتا' البتہ سامنے سے کئی ٹارچوں کی روشنیاں شہروز پر ہی پڑی تھیں۔ وہ خاموش ہو کر کھڑا ہو گیا۔ آنے والے قریب آ گئے۔ یہ ہوٹل کے منتظمین میں تھے' ان کی تعداد بھی چار پانچ تھی۔ البتہ ان میں سے ایک ذرا دوسری حیثیت کا مالک معلوم ہوتا تھا یا تو وہ ہوٹل کا منیجر یا پھر کوئی اور شخص کیونکہ ایک اعلیٰ درجے کے لباس میں ملبوس تھا۔ اس نے سب سے پہلے آگے بڑھ کر کہا:

''کیا ہو گیا...... کیا بات ہے؟'' اس نے شہروز کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔

''کچھ نہیں' چند لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ آپ لوگوں کی آوازیں سن کر بھاگ گئے۔''

''حملہ......'' اس شخص نے حیرت سے کہا اور ٹارچ کی روشنی شہروز کے چہرے پر ڈالی۔ شہروز کے انداز سے ذرا بھی نہیں پتا چلتا تھا کہ تین آدمیوں سے اس کی جنگ ہوئی ہے اور اس نے تینوں کو زمین چٹا دی ہے۔

''حملہ آور کس طرف گئے؟'' اس نے کچھ دیر کے بعد پوچھا۔

''پتا نہیں لیکن کیا آپ کو ٹارچ کی روشنی میرے چہرے پر ڈالنی چاہئے۔''

''اوہ...... سوری سوری۔'' اس شخص نے کہا

کے چاروں منتظم پیچھے تھے۔ وہ راستے میں بولا:

''میں ابھی ابھی اپنی گاڑی سے اترا تھا' اچانک شور سنائی دیا' میری ساتھی مجھے روک رہی تھی لیکن چوکیداروں کو اس طرف دوڑتے دیکھ کر میں خود بھی ادھر آ گیا۔ اصل میں میری ساتھی لڑکی بہت سیدھی سادھی ہے وہ سوچ رہی تھی کہ پتا نہیں کیا ہوا ہو۔ ویسے حملہ آور کتنے تھے؟''

''تین......'' شہروز نے جواب دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ صاحب بھی بے مقصد نہیں ہیں۔ چلیں ہوٹل کے منتظمین کی تو بات الگ ہے۔ شور شرابے کی آواز سن کر آ گئے لیکن ان کا فرمانا ہے کہ ان کا تعلق ہوٹل سے نہیں ہے بلکہ یہ اپنی کار سے نیچے اترے تھے۔

''کتنے افراد تھے؟''

''تین......''

''تعجب ہے۔''

''کیا مطلب؟ تین افراد کا ہونا کوئی تعجب کی بات ہے؟'' شہروز بولا۔

''نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہے۔''

پھر وہ روشنی میں آ گئے اور شہروز نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ وہ ایک درمیانی عمر کا آدمی تھا۔ اچھی خاصی شکل وصورت کا مالک۔ اس نے کہا:

''مجھے اس پر حیرت ہے کہ حملہ آور تین تھے اور آپ نے انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔''

''مجبوری تو مجبوری ہی ہوتی ہے۔ میں کیا عرض کر سکتا ہوں؟'' شہروز نے کہا۔

''نہیں...... میرا خیال ہے آپ معمولی آدمی نہیں ہیں۔''

''چلئے آپ کے خیال کی بھی تردید نہیں کروں گا میں آپ سے۔''

''آپ میرا مطلب ہے...... آپ...... آپ۔''

''جی میں...... میں۔''

''نہیں میرا مطلب ہے اس وقت آپ وہاں اندھیرے میں کیوں گئے تھے؟''

''آپ محکمہ پولیس سے تعلق رکھتے ہیں؟''

''نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ اصل میں دیکھئے نا بڑی عجیب سی صورت حال ہوتی ہے۔ ویسے کوئی خاتون تھیں ادھر۔'' اس شخص نے آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے کہا پھر بولا:

چھپ کے ملنے میں ہے۔''

''جی......'' شہروز نے ایک بار پھر سے اسے دیکھا۔ وہ اپنی عمر سے بہت چھوٹی باتیں کر رہا تھا۔

بہر حال وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں گاڑیاں پارک کی جاتی تھیں۔ یہاں گیراج بھی موجود تھے اور انتظام بہت اعلیٰ قسم کا تھا لیکن گاڑیاں عام طور سے اوپن ایئر لاٹ پر ہی کھڑی کی جاتی تھیں۔ وہ ایک سیاہ رنگ کی خوبصورت سی کار کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ یہاں ایک نوعمر لڑکی موجود تھی۔

''اوہو......کیا ہوا......کیا ہوا تھا۔ کچھ پتا چلا مارٹن۔'' لڑکی بولی اور پھر گہری نگاہوں سے شہروز کا جائزہ لینے لگی۔

''بس تین چار آدمیوں نے ان صاحب کو گھیر لیا تھا لیکن کمال شخصیت ہے ان کی۔''

''اوہ......آپ ٹھیک ہیں نا سر۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی آپ کو؟''

''جی......ابھی تک تو نہیں۔'' شہروز نے جواب دیا۔

''تم تکلیف کی بات کر رہی ہو لوسیا......ذرا دیکھو ادھر دیکھو۔ تین آدمیوں نے ان پر حملہ کیا تھا اور جو آوازیں میں نے سنی تھیں، اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ خاصی اٹھا پٹخ ہو رہی ہے، لیکن انہوں نے اپنا لباس تک خراب نہیں ہونے دیا۔''

''بڑی بات ہے......لیکن کون تھے وہ تینوں؟''

''اگر میں جانتا تو اب تک ان کے گھر پہنچ چکا ہوتا۔'' شہروز نے جواب دیا۔

''اوہو......اس کا مطلب ہے......کمال ہے......بڑی بات ہے۔ بڑی بات ہے۔ یہ میرا کارڈ ہے مسٹر میں آپ سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ آپ نے تو اپنا نام مجھے نہیں بتایا لیکن کوئی بات نہیں ہے، یہ پلیز میرا کارڈ رکھ لیجیے۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنا ایک کارڈ نکال کر اس کو دیا۔ اس پر مارٹن ویل لکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی پتا وغیرہ تھا۔

''مارٹن ویل......یہ نام سنا ہوا ہے۔ اوہو کہیں آپ چیمبر آف کامرس کے۔''

''ہاں! میں وہی مارٹن ویل ہوں۔''

''آپ تو بہت بڑے آدمی ہیں جناب۔''

''چھوڑیئے......بڑا آدمی انسان اپنے اعمال سے بنتا ہے لیکن آپ یقین کریں کہ میں بچپن ہی سے اس طرح کے لوگوں سے بہت متاثر ہوتا ہوں جو اس قدر پھرتیلے اور کام کے لوگ ہوتے ہیں۔''

''کام کے لوگ؟'' شہروز نے چونکتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''نہیں میرا مطلب ہے عام لوگوں سے ذرا ہٹ کر۔ اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہے کہ میرا تعلق چیمبر آف کامرس سے ہے، ذمہ داری بھی میرے اوپر کافی ہے لیکن لوسیا آپ کو بتا سکے گی......یہ لوسیا ہے۔ لوسیا آپ کو بتا سکے گی کہ مجھے ایکشن فلموں سے عشق ہے۔''

''گڈ ویری گڈ۔''

''اور آپ نے جو کام کیا ہے قابل فخر ہے۔''

''لیکن آپ نے تو میرا کام دیکھا بھی نہیں۔''

''ارے صاحب یہ کیا کم ہے کہ تین آدمی آپ کے ہاتھوں سے پٹ کر نکل گئے۔ خیر چھوڑیئے ان باتوں کو۔ آپ شاید اندر جا رہے تھے۔''

''ہاں بے شک۔ کیا آپ میرے ساتھ آنا پسند کریں گے تیسری منزل پر میری میز مخصوص ہے۔''

''سوری...... آپ کو تکلیف ہوگی۔''

''بالکل نہیں...... بالکل نہیں۔ ہم تھوڑی سی بات چیت کریں گے۔ ویسے ڈائننگ ہال میں بھی ہمارے لیے ایک بڑا کیبن مخصوص ہے۔''

''اگر آپ مجبور کرتے ہیں تو ٹھیک ہے۔''

شہروز کو یہ سب کچھ بہت عجیب لگ رہا تھا۔ تین آدمی جنہوں نے اس پر حملہ کیا وہ شخص جس نے اس کی چہرہ شناسی کرائی اور اس کے بعد یہ مسٹر مارٹن ول جو درحقیقت اگر مارٹن ویل ہی ہیں یعنی وہ چیمبر آف کامرس والے تو ان کی بھی بہت بڑی حیثیت ہے۔ یہ بہت سے شعبوں میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے۔ ذرا دیکھیں تو سہی کہ ان حضرات کا مقصد کیا ہے۔ ویسے بھی شہروز سوچ رہا تھا کہ اس دلچسپی کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے۔

بہر حال وہ ادھر آ گئے' جہاں ڈائننگ ہال تھا اور پھر انہوں نے اس کیبن کا رخ کیا جو کافی کشادہ تھا۔ لڑکی بار بار شہروز کو گھور رہی تھی لیکن شہروز نے اس کی جانب زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔

''آیئے بیٹھیے۔''

''شکریہ...... بہر حال آپ نے مجھے اتنی حیثیت دی ہے میں سوچ رہا ہوں کہ میں آپ کو اس کا کیا جواب دوں۔''

''آپ سے جواب لیا جائے گا۔ معافی چاہتا ہوں مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ مجھے ایک ایسا ساتھی چاہیے جو آپ جیسا ہو۔ میں ایک بہت بڑے جنجال میں پھنس گیا ہوں۔ ایک ایسے جنجال میں جس کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکتا کسی کو۔''

''مارٹن...... مارٹن کیا یہ جگہ ایسی باتوں کے لیے مناسب ہے؟''

''ہاں! مناسب تو نہیں ہے۔''

''تو پھر تم کیوں اس بے چارے کو پریشان کر رہے ہو' جن سے ابھی ہمارا صحیح طور پر تعارف نہیں ہوا۔ ہم ان کا نام تک نہیں جان سکے۔''

''میرا نام شہروز ہے۔''

''مسٹر شہروز پلیز اگر آپ کو ذرا بھی ہماری باتوں سے دلچسپی ہے تو آپ ہمارے گھر آئیے۔ کارڈ پر پتا وغیرہ موجود ہے۔''

شہروز محسوس کر رہا تھا کہ لوسیا ذرا مختلف قسم کی عورت ہے، وہ شہروز کو جس انداز میں دیکھ رہی تھی وہ بڑا گھٹیا انداز تھا۔ حالانکہ حیثیت والی معلوم ہوتی تھی اور پھر واقعی یہ شخص مارٹن ویل جتنا بڑا آدمی ہے وہ بھی معمولی بات نہیں ہے۔ اسی وقت کیبن کے دروازے پر ایک شخص نمودار ہوا۔ اس نے کہا:

''معافی چاہتا ہوں جناب لیکن مجبوری ہے۔''

''ہاں! کہو کیا بات ہے؟''

''سر یہ آپ کے لئے۔'' اس نے ایک لفافہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''لفافہ...... چلو ٹھیک ہے اوکے تم جاؤ۔'' مارٹن ویل نے کہا اور پھر لفافے میں سے کوئی کاغذ نکال کر دیکھنے لگا۔ پھر اچانک ہی مارٹن ویل کے انداز میں ایک تبدیلی رونما ہوئی۔ لفافہ اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا اور اس کے حلق سے ایک ہچکی سی نکلی تھی۔ چند لمحوں کے اندر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چھت کو دیکھتا ہوا بے ہوش ہو گیا۔ لفافے سے ایک بڑا سا کاغذ نکل کر نیچے گر پڑا تھا۔ اس کاغذ پر ایک لائن میں تین ستارے بنے ہوئے تھے۔ جس میں سے ایک سرخ تھا اور دو سفید۔ یہ بڑی عجیب و غریب سی بات تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ تین ستارے اس سے پہلے بھی ایک بار نگاہوں کے سامنے آ چکے ہیں اور ان کے بارے میں ناہید نے ایک چھوٹی سی کہانی سنائی تھی لیکن اس وقت یہ کہانی یاد کرنے کا وقت نہیں تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے لوسیا کے حلق سے چیخ نکلنے والی ہو۔ اس نے جلدی سے وہ کاغذ اٹھا کر لفافے میں رکھا اور لفافہ اپنے پرس میں پھر مارٹن کا بازو پکڑ کر ہلانے لگی۔

''ڈارلنگ...... ڈارلنگ...... ہوش میں آؤ ڈارلنگ...... ہوش میں آؤ پلیز ہوش میں آؤ۔ آہ...... انہیں کیا ہو گیا...... انہیں کیا ہو گیا......''

''کیا میں باہر سے کسی کو بلاؤں؟''

''ایک منٹ...... ایک منٹ میں انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرتی ہوں۔'' لوسیا بولی اور تھوڑی دیر کے بعد مارٹن ویل کی آنکھیں پٹپٹانے لگیں۔ پھر وہ ایک کراہ کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہیں ادھر ادھر پڑیں اور اس نے جلدی سے لفافہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔

''تمہارا لفافہ میرے پاس محفوظ ہے۔'' لوسیا بولی۔

[illegible]

''کوئی بات نہیں مجھے بتایئے میں آپ کی کیا مدد کروں؟''

''پلیز ہمیں ہماری گاڑی تک پہنچا دیجئے۔''

لوسیا نے کہا اور اس کے بعد شہروز مارٹن ویل کو سنبھال کر اس کی شاندار گاڑی تک لایا۔

''گاڑی کون ڈرائیو کرے گا؟''

''میں کر لیتی ہوں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ ایک بات اور بتایئے پلیز؟''

''جی......'' شہروز نے کہا۔

''کیا آپ مجھے اپنا ٹیلی فون نمبر دیں گے؟'' شہروز نے ایک لمحے تک کچھ سوچا اور اس کے بعد اس نے اپنا موبائل نمبر اسے دے دیا۔

''بہت بہت شکریہ میں آپ سے رابطہ قائم کروں گی۔'' لوسیا بولی اور پھر اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کی۔

مارٹن ویل کا چہرہ بری طرح اترا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے کوئی سخت صدمہ پہنچا ہو۔ شہروز کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ کوئی بھی خطرہ پیش آ سکتا تھا۔ کسی نامعلوم سمت سے آنے والی کوئی گولی اسے چاٹ سکتی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ کچھ لوگ خصوصی طور پر اس کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ پھر اس کے بعد اس نے واپسی ہی کا فیصلہ کیا تھا۔

☆......☆......☆

کارواں ہاؤس میں بزمی صاحب' قادر بخش' شہروز' لیمپو آن اور کائی شی موجود تھے۔ ناہید ایک پین اور کاغذ کی مدد سے کوئی تصویر بنا رہی تھی' یہ ایک سیدھ میں تین ستاروں کی تصویر تھی۔ وہ سب غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''ہاں' اصل میں یہ تین ستارے میرے سامنے اس وقت آئے تھے جب میں ایک رپورٹنگ کے سلسلے میں نیاز گڑھ گئی تھی۔ نیاز گڑھ کے بارے میں تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔ یہاں سے ایک سو چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ نیاز گڑھ میں ایک اہم سرکاری میٹنگ تھی' اس کی کوریج کرنی تھی۔ وہ بھی شاید منشیات ہی کے سلسلے میں تھی۔ وہاں پر ایک ہنگامہ ہوا تھا۔ ایک آدمی کے حلق سے اچانک چیخ نکلی تھی اور اس نے دم توڑ دیا تھا۔ اس وقت یہ تینوں ستارے سرخ تھے۔ تین سرخ ستارے۔ ایک کارڈ ایک بار پھر میرے سامنے آیا تھا جو ایک شخص کے سامنے تھا اور اس پر تین ستارے ہی تھے' وہ زخمی پڑا ہوا تھا اور اس کا صرف ایک ستارہ سرخ تھا۔ بہت عرصے تک میں ان سرخ ستاروں کے چکر میں پڑی رہی لیکن کوئی ٹھوس بات سامنے نہیں آ سکی۔''

''نیاز گڑھ میں وہ جگہ کون سی تھی؟''

''ہما امپوریم...... یہ وہاں کی ایک مشہور عمارت ہے۔ اس میں میٹنگیں وغیرہ ہوتی رہتی ہیں۔''

''کیا ہمیں وہاں سے کسی طرح کی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں؟''

''ہما امپوریم کے بارے میں؟''

''ہاں......!''

''آپ کوشش کرلیں۔ وہ عمارت کوئی پرائیویٹ عمارت ہے اور وہاں اکثر میٹنگیں وغیرہ ہوتی رہتی ہیں۔''

''ٹھیک...... وہ میٹنگ کس سلسلے میں تھی؟'' شہروز نے سوال کیا اور ناہید اسے مکمل تفصیل بتانے لگی۔ بزمی صاحب بولے:

''تم یہ سوالات کیوں کررہے ہو؟''

''اصل میں ان سب کا آپس میں رابطہ تلاش کرنا ہے۔''

''تو پھر اس کے لیے تمہیں نیاز گڑھ ہی جانا پڑے گا۔''

''یہی سوچ رہا ہوں۔ ویسے ہوسکتا ہے لوسیا میرے موبائل پر مجھ سے رابطہ قائم کرے۔''

''بات صرف اتنی سی سمجھ میں آتی ہے کہ کچھ لوگ تمہاری طرف متوجہ ہوگئے ہیں۔ تمہیں ذرا سا خیال کرنا پڑے گا۔''

''شیر جنگ صاحب کو اس سلسلے میں کچھ اطلاع دینی ہے؟'' کائی شی نے سوال کیا۔

''کوئی اہم اطلاع نہیں...... کہیں سے کوئی ٹھوس بات سامنے آئے تو پھر بات کو آگے بڑھایا جائے۔''

''میں نیاز گڑھ جانا چاہتا ہوں۔ وہاں میں ہما امپوریم سے معلومات حاصل کروں گا۔''

''مناسب فیصلہ ہے۔'' لیمپوآن نے شہروز کے الفاظ کی تائید کردی۔

☆......☆......☆

اس بات کو شدت سے محسوس کیا جارہا تھا کہ کارواں گروپ میں ایکشن مین صرف شہروز ہی ہے۔ لیمپوآن اور کائی شی تو ڈائریکشن میں تھے اور صرف ہدایت دے سکتے تھے حالانکہ لیمپوآن اس عمر میں بھی اس قدر شاندار کارکردگی کا مالک تھا کہ اگر کبھی کسی سے اس کا واسطہ پڑ جاتا تو شاید وہ حیرت سے ہی دم توڑ دیتا کہ ایسی عمر، ایسی شکل وصورت اور حلیے کا مالک شخص کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح کائی شی بھی بہت زیادہ ایکٹو تھی لیکن وہ لوگ وہ کام نہیں کرسکتے تھے جو ایک نوجوان شخص کا ہوسکتا تھا۔ لیمپوآن اپنی ڈینٹل شاپ خوش اسلوبی سے چلا رہا تھا اور کوئی بھی اسے دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ محض ایک تجربے کار دندان ساز ہی نہیں ہے بلکہ اس کا دوسرا رخ اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ اکثر یہ بات کہی جاتی تھی اور وہ لوگ گفتگو کرتے ہوئے کہتے تھے۔

''ہاں واقعی بڑی شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کوئی اور ایسا شخص بھی جو کارواں گروپ میں ایک نوجوان ایکشن مین کی حیثیت رکھتا ہو۔ ہمیں ایک ایسے ایکشن مین کی ضرورت ہے۔ ناہید لڑکی ہے وہ بے شک شاندار کارکردگی دکھا سکتی ہے لیکن پھر بھی لڑکی لڑکی ہی ہوتی ہے۔ شیر جنگ اور بزمی صاحب بڑے کارآمد مہرے تھے لیکن ان کا مسئلہ بالکل مختلف تھا۔ چنانچہ یہ طے کرلیا گیا تھا کہ ایک ایسے شخص کی تلاش کی جائے جو اس سلسلے میں کارآمد اور ذمہ دار آدمی ثابت ہو۔ فی الحال انہوں نے جو ذمہ داری قبول کی تھی اس

کے لیے کام کرنا چاہتے تھے۔

شہروز نیاز گڑھ کے لیے تیاریاں کر رہا تھا۔ جہاں اسے ہما امپوریم سے معلومات حاصل کرنی تھیں۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ تھوڑے سے انتظامات کے بعد اسے نیاز گڑھ روانہ ہونا ہے۔ یہ کام آج' کل' پرسوں میں ہوسکتا تھا لیکن لوسیا کے فون نے اس کام میں تھوڑی سی مداخلت کی۔ شہروز کو اپنے موبائل پر لوسیا کا فون موصول ہوا تھا۔

"مسٹر شہروز آپ نے تو اس طرح جان چھڑا لی جیسے ہم لوگ انتہائی بور کریکٹر ہوں۔"

"نہیں میڈم کہاں میں اور کہاں آپ۔ میں آپ سے کس بنیاد پر ملتا۔"

"اب ایسی باتیں کریں گے آپ مسٹر شہروز' کاش آپ کو آنکھوں کا تجربہ بھی ہوتا۔"

"آنکھوں کا......؟"

"ہاں......!"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں آپ کو صرف ایک بات سمجھاؤں۔ بڑے بڑے لوگوں کا کہنا ہے کہ انسان کا سارا چہرہ جھوٹ بول سکتا ہے' آنکھیں کبھی جھوٹ نہیں بولتیں۔"

"میں نے آنکھوں کو بولتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔"

"دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی ہوگی۔"

"شاید ایسا ہے۔"

"ہماری ملاقات چند لمحوں کی ملاقات تھی' لیکن میں نے آپ سے سب کچھ کہہ دینے کی کوشش کی۔"

"جی۔" شہروز بولا۔

"ہاں۔"

"تب پھر میں معافی چاہتا ہوں میڈم واقعی میں نے آپ کی آنکھوں پر غور ہی نہیں کیا۔"

"بے عزتی کرنا چاہتے ہو؟" لوسیا نے ذرا سی بے تکلف ہونے کی کوشش شروع کر دی۔

"سوچ بھی نہیں سکتا اس بارے میں۔"

"میں اس قابل نہیں ہوں۔"

"کس قابل؟"

"یہی کہ کوئی مجھے دیکھے۔"

"کون......؟"

"آپ......"

"میں نے تو آپ کو دیکھا ہے۔"

"میری آنکھوں میں میرا پیغام نہیں پڑھا۔"

"میں نے اس کے لیے پہلے ہی آپ سے معذرت کی ہے۔"

"تو پھر آ جاؤ۔"

"جی......!"

"ہاں آ جاؤ......"

"کک......کک......کہاں......؟"

"ہوٹل نیولائٹ میں۔"

"ہوٹل نیولائٹ......"

"دیکھا ہے......؟"

"نہیں، میں اس معیار کا انسان نہیں ہوں جو اعلیٰ درجے کی ہوٹل بازی کر سکے۔ اس دن بھی بس ایک دوست کی تلاش میں وہاں کھڑا ہوا تھا کہ عجیب سی صورت حال پیش آ گئی۔"

"آج بھی ایک دوست کی تلاش میں نیولائٹ آ جاؤ۔ نیولائٹ رابسن اسٹریٹ پر واقع ہے اور خوبصورت ترین ریستورانوں میں شمار ہوتا ہے۔"

"مگر میں اسے......"

"دیکھو! ایسی باتیں مت کرو۔ بتاؤ کس وقت آ رہے ہو؟" لوسیا کی آواز میں بہت کچھ پیدا ہو گیا تھا۔

"آپ حکم دے رہی ہیں تو جس وقت آپ کہیں۔"

"شام کی چائے پر، وقت بھی زیادہ نہیں رہ گیا۔ چھ بجے تک وہاں پہنچ جاؤ۔"

"بہتر......" شہروز نے جواب دیا۔ اب فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس سلسلے میں اس نے لیپوآن سے بات کی تو لیپوآن مسکرا کر بولا:

"یہی کھیل تو ہوتے ہیں جوانی کے۔ انسان کو ایسے راستے خود بخود مل جاتے ہیں جو اسے اس کے کام میں بھی کامیاب کر دیا کرتے ہیں۔ کاش مجھے بھی کچھ عرصے کے لیے جوانی واپس مل جائے۔"

''مجھے جانتے ہو۔'' کائی شی نے لیمپوآن کو گھورتے ہوئے کہا۔

''نہیں' ہم...... میرا مطلب نہیں سمجھیں آپ۔ مجھے سے میری مراد ہے ہم دونوں کو......'' لیمپوآن جلدی سے بولا اور کائی شی قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

''دیکھا تم نے شہروز' یہ مرد کسی بھی عمر کو پہنچ جائیں ہمیشہ اتنے ہی خود غرض اور چالاک ہوتے ہیں۔''

شہروز بھی ہنسنے لگا پھر اس نے لوسیا کے فون کے بارے میں تفصیل بتائی اور کائی شی پر خیال انداز میں گردن ہلاتی رہی پھر بولی:

''میرا خیال ہے تمہیں اس سے مل لینا چاہیے۔''

''آپ کا یہی خیال ہے میڈم؟''

''ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں۔ کھیل تو ہوا ہے' ایکسل لارڈ ہماری نگاہوں میں مشکوک ہے۔ وہاں تم پر حملہ ہوا۔ ہوسکتا ہے وہ لوگ تمہیں بے ہوش کر کے اغوا کرنا چاہتے ہوں۔ ہوسکتا ہے انہیں کسی طرح سے تم پر شبہ ہوگیا ہو اور وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہوں کہ تم کس کے لیے کام کر رہے ہو۔ لوسیا اور مارٹن ویل خاص طور سے تمہاری جانب متوجہ ہوئے تھے۔ مارٹن ویل نے تم سے جو باتیں کی تھیں وہ ایک حیثیت رکھتی تھیں۔ میرا مطلب ہے کہ تمہیں اس سلسلے میں کام کرنا چاہیے۔''

''ہاں ہے تو سہی۔ میرا خیال ہے کہ پھر نیاز گڑھ کا پروگرام تھوڑے وقت کے لیے ملتوی کرنا ہوگا۔''

''ہم چونکہ ان تمام معاملات کو ایک ہی سلسلے کی کڑی قرار دے رہے ہیں' اس لیے تمہیں نیاز گڑھ کا پروگرام فوری طور پر ملتوی کر کے پہلے لوسیا سے مل لینا چاہیے۔ ذرا دیکھو تو سہی کہ وہ کہنا کیا چاہتی ہے؟''

ایک بہت ہی خوبصورت لباس میں ملبوس ہو کر شہروز آخر کار نیولائٹ پہنچ گیا۔ لوسیا نے مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا تھا اور اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی:

''یہ ٹیلیفون ہم جیسے لوگوں کے لیے کس قدر کارآمد ہے۔ آؤ بیٹھو بہت پیارے لگ رہے ہو۔''

وہ قربان ہو جانے والی نگاہوں سے شہروز کو دیکھ رہی تھی لیکن بہرحال شہروز بھی نرم چارہ نہیں تھا۔ زندگی کے بہت سے نشیب و فراز دیکھے ہوئے تھے اس نے۔ لوسیا نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ پھر بولی:

''ٹیلیفون کی بات میں اس لیے کر رہی تھی کہ انسان جو بات آمنے سامنے بیٹھ کر نہ کر سکے' ٹیلیفون پر آسانی سے کہہ سکتا ہے۔ خیر چھوڑو۔ میرے بارے میں تمہاری اپنی کیا رائے ہے؟''

''معاف کیجئے گا میڈم۔ میں نے آپ پر اتنا غور نہیں کیا۔''

''جی......!''

''مارٹن بہت اچھا آدمی ہے۔ حالانکہ تم نے غور نہیں کیا ہوگا' میری اور اس کی عمر میں کافی فرق ہے لیکن اس کے باوجود میں اس کے لیے ایک اچھی بیوی ہوں' وہ بے پناہ دولت مند بھی ہے اور مجھے معاف کرنا عورت کی پہلی خواہش دولت ہوتی ہے اور دوسری خواہش ہے خوبصورت مرد۔''

''جی......''

''اس کے علاوہ ایک ایسا مرد بھی جو کسی کی حفاظت کرنا جانتا ہو۔ مجھے معاف کرنا ڈیئر شہروز تم ہر لحاظ سے ایک شاندار مرد ہو۔ کیا تم میری مدد کرو گے؟''

''کس طرح......؟''

''ہمارے محافظ کی حیثیت سے۔''

''محافظ......؟''

''ہاں......!''

''مطلب یہ کہ باڈی گارڈ......''

''خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی۔''

''کیا مطلب......؟''

''باڈی گارڈ تو ایک الگ چیز ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ تمہاری مالی حیثیت کیا ہے' اس لیے بھول کر بھی یہ بات مت سوچو کہ میں تمہیں کوئی ایسی پیشکش کرنا چاہتی ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ مارٹن ویل ایک انتہائی دولت مند آدمی ہے۔ بے شمار لوگ اس کی دولت کے بارے میں جانتے ہیں اور انسان کے دل میں لالچ پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ بہرحال میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ تم سے کیا چاہتی ہوں لیکن ایک درخواست کے ساتھ تم پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر رہی ہوں' میرے بھروسے کو مت توڑنا۔''

''جی آگے کہیے۔'' شہروز نے سنجیدگی سے کہا اور وہ سوچ میں ڈوب گئی۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی:

''مارٹن ویل کو کچھ عرصے پہلے ایک عجیب و غریب بات کا علم ہوا وہ یہ کہ اس کے دفتر میں ایک گندہ بزنس ہو رہا ہے' وہاں سے ڈرگز کی اسمگلنگ ہوتی ہے لیکن یہ کام کون کرتا ہے یہ پتا نہیں چل سکا۔ مارٹن کی کیفیت جو ہوئی ہوگی اس کا تو اندازہ تم بھی لگا سکتے ہو۔ دفتر پر جس شخص کا پوری طرح ہولڈ ہے اس کا نام جون گوال ہے۔ جون ہمارا جنرل منیجر ہے۔ وہ واقعی ایک برا آدمی ہے لیکن ہم کوئی ثبوت حاصل نہیں کر سکے آج تک اس کے پاس سے۔ مارٹن کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے جون سے پوچھ گچھ کی۔ جون بری طرح بگڑ گیا اس نے بہت سی ایسی باتیں کیں جن کی بنا پر اصولی طور پر مارٹن کو جون کو باہر نکال کھڑا کرنا چاہئے تھے لیکن پتا نہیں مارٹن نے یہ خاموشی کیوں

اختیار کی۔ ویسے میں تمہیں ایک بات بتاؤں شہروز مارٹن کی جو حالت خراب ہوئی تھی وہ اس کارڈ کو دیکھ کر ہوئی تھی جس پر تین ستارے بنے ہوئے تھے۔ ان میں ایک ستارے کا رنگ سرخ تھا۔''

''ہاں......!'' شہروز نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ ایک وارننگ ہے۔ ایک سرخ ستارے کا مطلب ہے کہ کسی کو ہوش میں آ جانا چاہئے بہر حال میں تمہیں تفصیل سے بتا رہی ہوں۔ ایک دن مارٹن نے اپنے آفس میں کچھ پیکٹ رکھے ہوئے دیکھے۔ اس نے انہیں اٹھا کر بھی دیکھا۔ مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر وہاں سے گزرا تو پیکٹ وہاں نہیں تھے البتہ شیلف پر تھوڑا سا سفید رنگ کا سفوف بکھرا ہوا نظر آیا تھا۔ اس نے اس پر شبہ محسوس کیا اور اس کے بعد اس کے بارے میں معلومات حاصل کی۔ یہ ہیروئن تھی۔ مارٹن نے اس سلسلے میں انتہائی سخت اقدامات کئے اور خوب شور مچایا لیکن اس کے بعد اچانک ہی وہ خوفزدہ ہو گیا۔ کیونکہ ایک صبح جب وہ سو کر اٹھا تو اس نے دیکھا کہ اس کے تکئے میں ایک بڑا خنجر پیوست ہے۔ اس کے قریب ہی ایک لفافہ ملا جس پر اسی طرح کے تین ستارے بنے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ ہی کوئی تحریر بھی تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ وہ اپنے آپ کو لگام دے اور اپنی زبان بند رکھے۔ آفس میں وہ کسی پر بھی جرم ثابت نہیں کر سکے گا لیکن اگر اس نے اپنی زبان بند نہیں کی تو اتنی ہی آسانی سے قتل کر دیا جائے گا جتنی آسانی سے اس کے تکئے میں خنجر پیوست کیا گیا ہے۔ یہ خنجر تکئے کی بجائے اس کے سینے میں بھی ہو سکتا تھا۔ مارٹن ایک امن پسند آدمی ہے' وہ خاموش ہو گیا لیکن اس دن سے وہ انتہائی خوفزدہ رہنے لگا ہے۔ ایک دو بار میرے اور اس کے درمیان گفتگو بھی ہوئی۔ وہ یہ کہتا ہے کہ پولیس کو اطلاع دینا بالکل بے کار ہے' الٹی مصیبت گلے پڑ جائے گی۔ بہر حال یہ انتہائی خوفناک بات ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ اور ایسی باتیں ہیں جو میں تمہیں کیا بتاؤں بس یہ سمجھ لو کہ ہم دونوں میاں بیوی سخت خطرے میں ہیں۔''

''کون سی ایسی بات ہے جو آپ مجھے نہیں بتائیں گی۔ اتنا سب کچھ تو آپ نے بتا دیا ہے۔''

''ایک دن مارٹن نے اپنے کسی شناسا سے اس بارے میں بات چیت کی تھی اور کہا تھا کہ وہ کیا کرے کس سے مدد مانگے۔ دوسری صبح وہ اپنے بستر پر بے ہوش پڑا ہوا تھا اور اس کا اوپری بدن برہنہ تھا۔ اوپری جسم پر کئی جگہ سگریٹوں کے جلے ہوئے نشانات تھے۔ کئی دن تک مارٹن بستر سے نہیں اٹھ سکا تھا۔ بڑا عجیب سا مسئلہ تھا۔ یہ ساری صورت حال بڑی پریشان کن ہے۔ بہر حال اب یہ بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہئے؟''

''ایک سوال صرف ایک سوال۔ آپ نے اس سلسلے میں مجھے راز دار بنانے کا فیصلہ کیسے کیا؟''

وہ شہروز کی صورت دیکھتی رہی۔ ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں عاشقانہ سے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ اس نے مدھم لہجے میں کہا:

''بس میرا دل چاہا تھا۔''

شہروز عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ وہ اس عورت کے اندر جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا:

''ایک سوال اور میڈم......''

''کیا میں میڈم کہنے کے قابل ہوں؟''

''میں سمجھا نہیں۔''

''میرا نام لوسیا ہے' کیا تم مجھے لوسیا کے نام سے مخاطب کرنا پسند نہیں کرتے۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔ ہر بڑی شخصیت کا احترام کرنا ضروری ہوتا ہے۔''

''اتنی بڑی ہوں میں۔'' وہ مسکرائی۔

''نہیں میرا مطلب ہے عمر کی بات نہیں کر رہا شخصیت کی بات کر رہا ہوں۔''

''ایک بات کہوں......؟'' وہ تھکے تھکے سے انداز میں بولی۔

''ضرور۔''

''شخصیتیں بعض اوقات انسان کو ایک دوسرے سے اتنا دور کر دیتی ہیں کہ پھر حسرتوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔''

''میں اتنی گہری باتیں سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔''

''غلط کہتے ہو۔''

''کیوں......؟''

''تم سمجھ بھی رہے ہو لیکن مجھ سے اجتناب کر رہے ہو۔ جانتے ہو کیوں......؟''

''میرے دل کی ساری باتیں اگر آپ ہی بتانا پسند کرتی ہیں تو بتا دیجئے۔''

''مجبوری بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔''

''مجبوری......''

''تو اور کیا......''

''کون سی مجبوری......؟''

''جب تم اپنے دل کی باتیں مجھے اپنی زبان سے نہیں بتانا چاہتے تو پھر میں ہی نہ کہوں گی تو اور کون کہے گا۔''

''شاید ایسا ہو......''

''یہ اجنبیت توڑ دو شہروز۔''

''تھوڑا سا وقت تو دیجئے گا۔'' شہروز نے کہا اور اس کے لہجے میں انداز پر وہ کسی قدر مطمئن ہوگئی۔ پھر بولی:

''میں تمہیں سچ بتا رہی ہوں تمہاری ضرورت مارٹن ویل کو نہیں بلکہ مجھے ہے۔ مارٹن ویل تمہاری بہت تعریف کر رہا ہے اور کہہ رہا تھا کہ ایسا کوئی شخص اگر ہمارے ساتھ شامل ہو جائے تو بہت سے کام بن سکتے ہیں۔ وہ تمہاری اعلیٰ صلاحیتوں کا معترف ہے۔''

"مسٹر مارٹن ویل نے میری کون سی صلاحیتیں دیکھ لی ہیں......؟" شہروز نے کہا۔

"اپنے آپ کو وہ بہت زیرک سمجھتا ہے اور ہے بھی۔ میں تمہیں ایک بات بتاؤں جو شخص اپنے بل بوتے پر اتنی دولت کما سکتا ہے، وہ معمولی آدمی نہیں ہو سکتا اسے انسانوں کو پرکھنے کی صلاحیتیں بھی ہوتی ہیں۔"

"خیر...... مجھے بتایئے میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"دیکھو، ہم لوگ اس سلسلے میں کوشش کر رہے ہیں۔ مارٹن ویل نے یہ بات مجھ سے ضرور کہی ہے کہ اگر تم ہماری مدد کرنے پر آمادہ ہو جاؤ تو بہت سے مسئلے حل ہو سکتے ہیں لیکن ذاتی طور پر میں بھی یہی چاہتی ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔"

شہروز نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا:

"میڈم بلکہ محترمہ لوسیا۔"

"محترمہ نہیں صرف لوسیا۔"

"اوکے لوسیا میں تو ایک عام سا آدمی ہوں۔ فرض کرو اگر میں تمہارے لیے کام کرنے بھی لگوں تو پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"وہ میں تمہیں بتا دوں گی۔"

"کیا مطلب......؟" شہروز نے چونک کر کہا۔

"مطلب یہ کہ کام میں تمہیں بتا دوں گی۔ تم مارٹن ویل کے دشمنوں کو تلاش کرو گے۔"

"اچھا......!"

"ہاں! میں تمہیں ایک آدمی کا پتا دے سکتی ہوں، لیکن اس وقت جب تم ہمارے لیے کام کرنے پر آمادہ ہو جاؤ اور سنو سیدھی سیدھی سی بات میں تمہیں بتا دوں اگر تم مارٹن ویل کے دشمنوں کو منظر عام پر لے جاؤ گے تو مارٹن ویل تمہیں پچاس لاکھ کی پیشکش کرتا ہے۔ یہ رقم تم جس طرح چاہو وصول کر سکتے ہو۔ تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کرا دی جائے، تمہارے لیے سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔"

"یعنی ایڈوانس جمع کرا دی جائے......؟" شہروز نے سوال کیا۔

"ہاں! چونکہ تم کروڑوں کی مالیت کے انسان ہو۔ یہ کام اگر تم ہمارے لیے کچھ بھی نہ کرو تو میں کر سکتی ہوں، اگر تم چاہو۔" لوسیا بدستور اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

شہروز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ لوسیا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"پلیز میری بات مان جاؤ۔"

"مجھے تعجب ہے، تم لوگوں نے یقین کیسے کر لیا کہ میں تمہارے کام آ سکوں گا۔"

"میں نے تو کر لیا ہے۔" وہ لگاوٹ بھرے انداز میں بولی۔

"ٹھیک ہے، میں تمہیں اپنا اکاؤنٹ نمبر دیئے دیتا ہوں لوسیا۔ رقم جمع کر دو۔ دولت کی ضرورت کسے نہیں ہوتی۔"

"ہو جائے گی پچاس لاکھ...... سچ بتاؤں تمہیں ہمارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اگر مارٹن ویل کی حالت بہتر ہو جائے اور وہ مطمئن ہو جائے تو میرا خیال ہے تمہیں کروڑوں دیئے جا سکتے ہیں۔ ہمارے پاس بے پناہ دولت بے کار پڑی ہوئی ہے۔ اس میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اس لیے اتنی معمولی سی رقم ہمارے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔"

"بڑی بات ہے۔ اچھا خیر چلئے ٹھیک ہے میں نے آپ کی امداد کا وعدہ کر لیا، جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا کروں گا۔ کرنا کیا ہو گا مجھے؟"

وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے رازداری سے کہا:

"تمہیں یہاں سے باہر جانا ہو گا۔"

"کہاں......؟"

"نیاز گڑھ......" لوسیا نے پراسرار لہجے میں کہا اور شہروز کے اعصاب کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا لیکن وہ مضبوط انسان تھا۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا:

"نیاز گڑھ......"

"ہاں......!"

"نیاز گڑھ میں کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں......!"

"کیا......؟"

"وہاں ایک عمارت ہے ہما امپوریم...... ہما امپوریم میں تمہیں ایک شخص سے ملنا ہو گا۔ بس یوں سمجھ لو کہ وہ تمہاری اس سلسلے میں کافی مدد کر سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"لیکن تمہیں اس سلسلے میں اپنے طور پر کام کرنا ہو گا۔ کسی پر بھی زیادہ بھروسہ کرنا حماقت کی بات ہوتی ہے۔"

"چلئے میں نے آپ کی پیشکش قبول کر لی ہے۔ مجھے کب روانہ ہونا ہو گا؟"

"آج...... آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

"مگر نیاز گڑھ تو کافی دور ہے۔"

"تم جس طرح بھی چاہو تمہاری مدد کی جا سکتی ہے۔ رینٹ اے کار سے ایک کار حاصل کرو۔ میں تمہیں ایک پتا دے دیتی ہوں۔ ٹیلیفون بھی کر دیتی ہوں۔ وہاں سے تمہیں تمہاری پسند کی کار مل جائے گی۔ بس اس پر چل پڑو۔ جو باتیں میں نے بتا دی ہیں وہ تو تم نے سمجھ ہی لی ہیں مزید کچھ باتیں اور بتائے دیتی ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک شہروز کو بریف کرتی رہی اور اس کے بعد شہروز سے بولی:

"رقم کل تمہارے اکاؤنٹ میں منتقل ہو جائے گی۔ کیا سمجھے؟ اپنا اکاؤنٹ نمبر بتاؤ۔"

شہروز نے اسے اپنا اکاؤنٹ نمبر بتا دیا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھ گئے تھے۔ شہروز کافی دیر تک ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا اور اس کے بعد وہ جب یہ یقین کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ کوئی اس کا تعاقب نہیں کر رہا ہے تو اس نے کارواں ہاؤس کا رخ کر لیا۔

دلچسپ صورت حال چل رہی تھی۔ پچاس لاکھ کا سودا کر آیا تھا اور بہر حال لیمپوآن کی طرف سے یہ اجازت تھی کہ وہ اس طرح کی رقمیں وصول کرتے رہیں۔ کسی کی مجبوری سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا تھا۔ یہ دولت کے انبار پر بیٹھے ہوئے لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے سے معاملات میں بہت کچھ کر لیا کرتے تھے۔ تو پھر کیوں نہ ان سے یہ رقمیں وصول کی جائیں۔ البتہ شہروز یہ بھی سوچ رہا تھا کہ نیاز گڑھ اور ہما امپوریم اس کے لیے واقعی اہمیت اختیار کر گئے ہیں اور اس سلسلے میں جو ہو رہا ہے وہ خاصا پراسرار معلوم ہوتا ہے۔ منشیات کی سوداگری کرنے والے خاصے باعمل ہیں۔

بہر حال نیاز گڑھ ایک ہی شخص سے ملاقات کے لیے جانا پڑ رہا تھا۔ لیمپوآن' کائی شی' قادر بخش موجود تھے۔ راستے میں شہروز نے ناہید کو بھی فون کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایمرجنسی میٹنگ کا آغاز ہو گیا جس میں ناہید بھی پہنچ گئی تھی۔ شہروز نے تمام صورت حال سامنے رکھ دی تو لیمپوآن نے مسکراتے ہوئے کہا:

"اس کا مطلب ہے کہ ہم لوگ اچھے کاروباری بنتے جا رہے ہیں۔ میری رائے ہے کہ تم ایک بالکل الگ شخصیت اختیار کر لو اور اس سلسلے میں کام جاری رکھو۔ خفیہ طور پر تمہارے دوسرے معاملات کی نگرانی کی جائے گی۔"

"اڑے ماں کسم...... میرے کو تو تم لوک نے دودھ کا مکھی کا مافق نکال دیا۔ میں بھی شہروز کے ساتھ جائیں گا۔" قادر بخش نے کہا۔

"قادر بخش' تم اتنی اچھی اردو مت بولا کرو' دودھ کا مکھی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" کائی شی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اڑے پھر بھی بابا......"

"سنو بات سنو۔ یہ کوئی جذباتی مسئلہ نہیں ہے۔ ہم لوگ ایک ذمہ دار گروپ کے آدمی ہیں اور اب تو پولیس بھی ہماری معاونت کر رہی ہے یعنی شیر جنگ صاحب۔ کتنی آسانیاں حاصل ہو گئی ہیں ہمیں۔ ابھی کچھ لوگوں کی مزید ضرورت ہے۔ اسے بھی اپنے ساتھ شامل کریں گے لیکن پھر بھی دیکھ لیتے ہیں' کیا سمجھے۔"

"لیکن ایک بات میں کہوں مسٹر لیمپو آن، میں ایک آزاد رپورٹر کی حیثیت سے۔"

"بی بی...... بی بی...... بی بی بری باتیں نہیں کرتے۔" کائی شی نے ناہید کو دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں شرم کے تاثرات پیدا ہو گئے۔

"نن...... نہیں...... مم...... میرا مطلب ہے۔"

"ہم میں سے کوئی مطلبی نہیں ہے۔ ابھی صرف شہروز کو اس سلسلے میں کام کرنے دو، ضرورت کہیں بھی پڑ سکتی ہے کسی بھی معاملے میں بچگانہ پن اچھا نہیں ہوتا۔"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" ناہید نے کہا اور خاموش ہو گئی۔ بہر طور یہ بات طے ہو گئی تھی کہ شہروز لوسیا کی بتائی ہوئی جگہ سے کار حاصل کرے۔ اور اس کے بعد نیاز گڑھ روانہ ہو جائے۔

اس سلسلے میں اور بھی بہت سے پروگرام ترتیب دیئے گئے تھے۔ شہروز بہر حال مطمئن تھا۔ کام خوش اسلوبی سے ہو رہا تھا اور زندگی انتہائی دلچسپ رخ اختیار کر گئی تھی۔ ماضی ذہن سے فراموش ہو گیا تھا۔ اچھا خاصا وقت ہو گیا تھا لیکن بہر طور نیاز گڑھ روانگی میں کوئی ایسی رکاوٹ نہیں تھی۔ اس نے ہلکے پھلکے سے انتظامات کیے تھے اور پھر اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے اس نے کار حاصل کرنی تھی۔ وہاں اس کی ملاقات جس شخص سے ہوئی اس نے فوری طور پر کار اس کے حوالے کر دی تھی اور شہروز اسے لے کر چل پڑا تھا۔

نیاز گڑھ اس سے پہلے بھی جا چکا تھا ایک آدھ بار۔ راستے میں وہ بہت سی باتیں سوچ رہا تھا۔ شیر جنگ نے اس طرف توجہ دلائی تھی اور شہر میں کسی ایسے پراسرار گروہ کی سرگرمیوں کا پتا چلا تھا جو منشیات کی اعلیٰ پیمانے پر تجارت کر رہا تھا۔ اس گروہ کا ایک آدمی بھی ابھی تک پولیس کے ہاتھ نہیں لگ سکا تھا۔ اکثر لوگوں پر شبہ کیا جاتا۔ پولیس انہیں سختی سے چیک کرتی مگر قریب سے دیکھنے پر ان کے ہاتھ صاف نظر آتے تھے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی منظر عام پر آئی تھی کہ اس بار جو لوگ اس کاروبار میں شریک ہیں وہ معمولی لوگ نہیں ہیں اور یہ خرید و فروخت اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں سے ہو رہی ہے لیکن ہوٹل کی انتظامیہ براہ راست اس میں ملوث نہیں تھی۔ بلکہ کچھ کالی بھیڑیں درمیان میں شامل ہو گئی تھیں۔ اس سلسلے میں شیر جنگ کی ہدایت پر جو کارروائی شروع ہوئی تھی وہ یہاں تک آ پہنچی تھی کہ مارٹن ویل، لوسیا اس کے بعد نیاز گڑھ اور ہما امپوریم اور پھر جون گوال نامی آدمی جس کے بارے میں کچھ شبہات تھے اور دلچسپ بات یہ تھی کہ ایک طرف لوسیا نے بھی امپوریم ہی کی نشاندہی کی تھی۔

ان تمام باتوں کو سوچتا ہوا شہروز سفر کر رہا تھا۔ رات اچھی خاصی ہو چکی تھی اور راستے سنسان پڑے ہوئے تھے۔ سڑک البتہ بہتر تھی۔ پچھلے کچھ عرصے سے ملک بھر کی سڑکوں پر کافی کام ہوا تھا اور وہ خراب ترین سڑکیں جو بہت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی تھیں وہ بھی اب شاندار ہو چکی تھیں۔ ان تمام باتوں کو سوچتا ہوا شہروز آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک کار نے دو تین جھٹکے لیے اور وہ چونک پڑا۔ بظاہر کار نئی تھی، اس کی خرابی کے امکانات نہیں تھے لیکن یہ جھٹکے شہروز کے ذہن کو جھنکا دے رہے تھے یہاں تک کہ انجن بند ہو گیا۔

چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔ جنگل کی اندھیری رات تھی۔ سڑک کے دونوں طرف گھنیرے درختوں کی قطاریں تھیں‘ اس لیے تاروں کی چھاؤں بھی یہاں نہیں تھی۔ شہروز اپنی جگہ سے نیچے اتر گیا۔ کار کا بونٹ کھولا اور انجن کا جائزہ لینے لگا۔ کاروں کے بارے میں کافی معلومات تھی اسے۔ وہ کٹ تلاش کرنے لگا‘ تیز روشنی والی ٹارچ تو مل گئی لیکن ٹول بکس موجود نہیں تھا۔ شہروز ناچ کر رہ گیا۔ یہ تو بڑی خوفناک بات ہوئی ہے۔ نیاز گڑھ ابھی خاصی دور ہے اور جنگل کی یہ ویران رات خاص طور سے یہ بات کہ نیاز گڑھ کی جانب زیادہ سفر بھی نہیں ہوتا تھا۔ اس پورے سفر کے دوران صرف دو گاڑیاں اسے نظر آئی تھیں۔ ایک نیاز گڑھ کی طرف سے آ رہی تھی اور دوسری نیاز گڑھ کی جانب جا رہی تھی اور بس اب ہر طرف سناٹا ہی سناٹا تھا۔ کیا کروں کیا نہ کروں۔ اس نے ٹارچ نکالی اور انجن پر جھک پڑا۔ اس کے منہ سے مدھم مدھم آوازیں نکل رہی تھیں۔

”تمہیں خدا کا واسطہ اس ویرانے میں میرا ساتھ نہ چھوڑ۔ مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں گا۔“

رینٹ اے کار کی گاڑی تھی۔ کچھ سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا۔ انجن پر جھکتے ہوئے اس نے ٹارچ روشن کی اور بے بسی سے روشنی کے دائرے کو چکر دینے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس کی جیب میں تو اس وقت کچھ بھی نہیں تھا۔ کوئی چاقو وغیرہ ہی ہوتا تو کام چل جاتا۔ پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ گاڑی سے سر ٹکرانا شروع کر دے۔ پھر اچانک ہی وہ اچھل کر پیچھے ہٹا۔ کوئی اس سے ٹکرایا تھا اور پھر کسی نے اس کی گردن اپنے بازوؤں میں جکڑ لی تھی۔

☆......☆......☆

ایک لمحے کے لیے تو شہروز بوکھلا سا گیا‘ لیکن دوسرے لمحے وہ اپنی پوزیشن میں آ گیا اور پھر مدمقابل کی تقدیر ہی اچھی تھی کہ شہروز نے اپنا کام نہیں دکھایا تھا۔ اس کے ہاتھ بالکل غیر ارادی طور پر حملہ آور کے بدن کے ایک ایسے حصے سے ٹکرائے تھے جس سے شہروز کو فوراً یہ احساس ہو گیا کہ اس پر ہاتھ ڈالنے والی کوئی عورت ہے۔ شہروز نے بمشکل تمام اپنے آپ کو سنبھالا اور عورت کے بازوؤں کو اپنی گردن سے نکال لیا۔ عورت اس کے منہ پر ہاتھ جمانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”کیا بدتمیزی ہے‘ موت آئی ہے تمہاری۔“ شہروز کی غراہٹ ابھری۔

”خدا کے لئے...... خدا کے لئے...... کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو جاؤ میرا مقصد تم پر حملہ کرنا نہیں تھا۔ میں تو صرف تمہارا منہ بند کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کہیں تم چیخ نہ پڑو۔“

”کیوں......؟“ شہروز نے سوال کیا۔

”بس ایک سیکنڈ ایک سیکنڈ...... میں ذرا جائزہ لے لوں۔“

”تم آئی کہاں سے ہو......؟“ شہروز نے کہا۔

”ان جھاڑیوں میں چھپی ہوئی تھی۔ بہت دیر سے میں تمہیں کار کے ساتھ جدوجہد کرتے دیکھ رہی تھی۔“

"مجھے خاموش کیوں کرنا چاہتی ہو؟"

"کچھ لوگوں سے جان بچانا چاہتی ہوں۔"

"کہاں ہیں وہ......؟"

"یہی تو اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

شہروز نے اس کے ہاتھ آہستگی کے ساتھ اپنی گردن سے ہٹائے اور پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک لمحے کے اندر اندر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ انتہائی خوبصورت لڑکی ہے' بہت ہی حسین' دیکھنے دکھانے سے تعلق رکھنے والی' لباس بھی انتہائی شاندار پہنا ہوا تھا لیکن بتا چکی تھی کہ جھاڑیوں میں چھپی ہوئی تھی' اس لیے لباس میں جگہ جگہ کانٹے چبھے ہوئے تھے۔ بازوؤں پر بھی ایک دو لکیریں نظر آ رہی تھیں۔ وہ کہنے لگی:

"خرابی کیا ہو گئی ہے کار میں؟"

"جو کچھ بھی ہے ابھی ٹھیک ہو جائے گی' لیکن میڈم اس ویران علاقے میں آپ......"

ابھی شہروز نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک قریب کی جھاڑیاں کھڑکھڑائیں اور کئی ٹارچوں کی روشنیاں فضا میں گردش کرنے لگیں۔ پھر ایک زوردار آواز ابھری۔

"وہ ادھر......ادھر اس طرف......" اور اس کے ساتھ ہی تین چار افراد چھلانگیں لگاتے ہوئے سڑک پر آ گئے۔

"بھاگو......"

لڑکی نے شہروز کا ہاتھ پکڑا اور دوڑنے کی کوشش کرنے لگی لیکن دوسرے لمحے شہروز نے ریوالور نکال لیا اور لڑکی کو کھینچ کر کار کی آڑ میں کر لیا۔ پھر اس کے بعد اس نے ہاتھ اوپر اٹھا کر ایک ہوائی فائر کیا اور وہ لوگ جہاں تھے وہاں رک گئے۔ پھر ان میں سے ایک کی آواز ابھری:

"اے تم کون ہو؟......ہمارے راستے میں مت آؤ ورنہ......"

"کیا بات ہے......؟ تم اس لڑکی کا تعاقب کیوں کر رہے ہو......؟"

"شرافت سے اسے ہمارے حوالے کر دو ورنہ......ریوالور کی دھمکی مت دینا کسی کو......ٹھیک کر دیں گے تمہیں۔"

"تو پھر آؤ مجھے ٹھیک کر دو۔"

لڑکی نے اس دوران کسمساتے ہوئے شہروز سے ہاتھ چھڑا لیا تھا اور اس کے پیچھے ہو گئی تھی۔ شہروز نے اپنی پوزیشن تبدیل کر لی' اگر ان لوگوں کے پاس بھی ہتھیار ہوئے تو گاڑی تباہ ہو جائے گی۔ وہ لوگ فائرنگ کریں گے اور نشانہ گاڑی ہی ہو گی۔

چنانچہ وہ گاڑی کے پیچھے سے ہٹا' ادھر ادھر دیکھا اور پھر جھکتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اس نے سرگوشی کے لہجے میں کہا:

''تم گاڑی کے پیچھے ہی چھپی رہو۔''

شہروز تھوڑا سا آگے بڑھا اور اس نے ایک بار پھر فائر کیا لیکن دوسری طرف سے جواب نہیں ملا۔ ان لوگوں نے اپنی ٹارچیں بجھا دی تھیں۔ شہروز انتظار کرتا رہا لیکن پھر اچانک ہی اس کی کھوپڑی ناچ کر رہ گئی۔ اس کی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہوا تھا اور وہ بری اچھل پڑا تھا۔ سوچنا ہی غلط تھا کہ کوئی اور ہوگا۔ لڑکی ہی نے گاڑی اسٹارٹ کی ہوگی' ویسے بھی بہت تیز اور اسمارٹ نظر آتی تھی۔ اب شہروز کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ گاڑی کی طرف لمبی چھلانگ لگائے اور اس نے ایسا ہی کیا۔

وہ انتہائی برق رفتاری سے ایک نپی تلی چھلانگ کے ذریعے گاڑی تک پہنچ گیا' اس کی کھڑکی سے لٹکا پھر پچھلا دروازہ کھول کر غڑاپ سے اندر داخل ہوگیا۔ لڑکی نے گاڑی کو ایک ٹرن دیا۔ شہروز نے اپنے آپ کو سنبھال کر دوسری کھڑکی سے اس پر ایک فائر جھونک مارا لیکن جواب میں ادھر سے بھی فائرنگ شروع ہوئی تھی۔

''تھینکس گاڈ' تم اندر آ گئے ورنہ مجھے زندگی بھر افسوس رہتا کہ میں نے ایک محسن کو اس طرح تنہا چھوڑ دیا۔''

''ظاہر ہے میڈم ان کی تعداد تین چار تھی' آپ تو میری گاڑی لے کر دفع ہوگئی تھیں۔ وہ لوگ مار مار کر میری چٹنی بنا دیتے اور اس وقت میں نے جس طرح جان کی بازی لگا کر کار کی کھڑکی میں ہاتھ ڈال کر کار کا دروازہ کھولا تھا اگر ذرا سی لغزش ہو جاتی تو میں اپنی ہی کار کے پہیوں کے نیچے آ کر کچلا بھی جا سکتا تھا۔''

''تم یقین کرو اس بات کی میں زندگی بھر داد دیتی رہوں گی اتنی نپی تلی چھلانگ اور پھر اس طرح اپنے حواس کو قائم رکھنا کسی معمولی آدمی کے بس کی بات نہیں تھی اور ویسے بھی اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہو۔''

''میں تمہیں کیا کہوں سوائے اس کے کہ تم میری خراب تقدیر ہو۔''

''دیکھو تم یقین کر لو اس وقت تم نے میری مدد کر کے بہت نیک کام کیا ہے۔ ورنہ میری زندگی کا کوئی امکان نہیں تھا۔''

شہروز خاموش ہوگیا۔ اس نے پچھلی سیٹ سے پشت لگا لی تھی اور خاموشی سے سوچ رہا تھا کہ کار کا رخ کس جانب ہے۔ اسے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ کار نیاز گڑھ ہی کی جانب جا رہی ہے۔ اسے خود بھی ادھر ہی جانا تھا۔ جب چند منٹ خاموشی سے گزر گئے تو لڑکی کی آواز ابھری۔

''کیا تم سو گئے.......؟''

''نہیں جاگ رہا ہوں۔''

''تو باتیں کرو اس طرح خاموش بیٹھے رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا اور ایک بات کہوں تم سے.......؟''

''پہلے جتنی باتیں تم نے کی ہیں' کیا اس کے لیے مجھ سے اجازت لی تھی.......؟''

''میں تمہیں سنجیدگی سے ایک بات بتا رہی ہوں' اگر تم کوئی چالاک آدمی ہو.......اور.......''

اچانک ہی شہروز سنبھل کر بیٹھ گیا......اس نے ایک لمحے کے اندر اندر کچھ سوچا تھا اور پھر اس نے اگلی سیٹ پر منہ رکھ کر کہا:

''دیکھو لڑکی نا مجھے تمہارے حسن سے کوئی دلچسپی ہے نا تمہاری اپنی حیثیت سے' میں نہیں جانتا تم کون ہو اور کس سے دشمنی مول لے بیٹھی ہو' میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو' میں تمہارے لیے اتنا حلوہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔''

''ارے تم مرد ہو......ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو؟''

شہروز کا ہاتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ لڑکی کی برابر والی سیٹ پر ایک ہینڈ بیگ رکھا ہوا ہے۔ اس نے پھرتی سے ہاتھ آگے بڑھا کر ہینڈ بیگ اٹھا لیا۔ لڑکی کو اس کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔ کار بدستور دوڑتی رہی۔ آگے سڑک سنسان تھی اور پیچھے سے بھی کوئی تعاقب نہیں کر رہا تھا۔ پھر شاید لڑکی نے بائیں ہاتھ سے اپنا ہینڈ بیگ ٹٹولنے کی کوشش کی تھی کیونکہ اس کے بعد ہی اس نے کار روک دی اور مڑ کر غرائے ہوئے لہجے میں بولی:

''میرا ہینڈ بیگ......''

''اچھا ہے' خوبصورت ہے۔ میں اصل میں پچھلے کچھ دنوں سے اس طرح کے ہینڈ بیگ بنا کر سپلائی کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

شہروز نے کہا۔ اس دوران وہ ہینڈ بیگ کی تلاشی لے کر وہ چھوٹا سا پستول اپنی جیب میں رکھ چکا تھا جو ہینڈ بیگ سے برآمد ہوا تھا۔ لڑکی تھوڑی دیر خاموش رہی پھر بولی:

''دیکھو......زندگی میں اس طرح کے حادثے ہوتے ہیں اور بعض اوقات اتنی پکی دوستیاں ہو جاتی ہیں کہ انسان زندگی بھر ساتھ نہیں چھوڑتا۔''

''ارے باپ رے باپ۔ تو اس طرح کے حادثے میں اس قسم کے خطرات ہوتے ہیں۔''

''تمہیں خدا کا واسطہ' میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔''

''اب تک جتنی باتیں بتا چکی ہو وہ کافی نہیں ہیں کیا۔ جو ایک بات اور بتاؤ گی۔ چلو بتا دو وہ بھی۔''

''کیا تمہارا تعلق تھری اسٹار سے ہے؟''

''نہیں میرا تعلق فائیو سٹار سے ہے' عام طور سے فائیو سٹار ہوٹلوں میں ٹھہرا کرتا ہوں۔''

''تم یقین کرو' میں تمہیں ہوشیار کرنا چاہتی ہوں' اگر تمہارا تعلق ان لوگوں سے ہے تو خدا کے واسطے انہیں چھوڑ دو۔ وہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ تمہیں بری طرح مروا دیں گے۔''

''بس فضول باتوں سے گریز کرو۔ یہ بتاؤ جاؤ گی کہاں......؟''

لڑکی چند لمحے خاموش رہی پھر بولی:

''ٹھیک ہے مجھے یہیں اتار دو...... میں یہیں اتر جاؤں گی۔''

''تو پھر دفع ہو جاؤ......'' شہروز نے کہا اور لڑکی نے کار ایک سائیڈ پر روک دی۔ وہ سچ مچ نیچے اترنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ پھر اس نے نیچے اترتے ہوئے کہا:

''پلیز میرا پستول مجھے واپس کر دو۔''

قرب و جوار میں مکمل خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ شہروز سوچ رہا تھا کہ لڑکی یہاں اس ویرانے میں اتر کر کیا کرے گی لیکن پھر بھی اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر آیا۔

''یہ لو اپنا پستول اور دفع ہو جاؤ۔''

اس نے پستول کا کارٹریج نکال لیا اور دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ پر جا بیٹھا۔ پھر اس نے گاڑی گیئر میں ڈالی اور ابھی اسے فرسٹ گیئر میں آگے اٹھایا ہی تھا کہ لڑکی کی چیخیں سنائی دیں۔

''ٹھہرو...... ٹھہرو...... خدا کے لیے رک جاؤ...... خدا کے لئے۔'' اس کی آواز میں رو دینے کا سا انداز پیدا ہو گیا تھا۔ شہروز نے گاڑی روک دی اور لڑکی اس کے قریب پہنچ گئی۔

''مجھے یہیں چھوڑ دو گے؟ تم دیکھ رہے ہو کہ قرب و جوار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر وہ لوگ یہاں بھی پہنچ گئے تو مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''تب پھر تم ایک کام کرو...... یہ لو اپنی پستول کا میگزین اسے فٹ کرو اور تمام میگزین میری کھوپڑی میں خالی کر دو۔''

''آخر کیوں......؟''

''تم بے وقوفی کی باتیں نہیں کر رہیں، تمہیں کیا معلوم کہ میں کتنی مشکل میں ہوں اور اگر مجھے دیر ہو گئی تو میں نیاز گڑھ نہیں پہنچ سکوں گا۔ مجھے وہاں بہت ضروری جانا ہے۔''

''تو پھر ایسا کرو نا مجھے بھی نیاز گڑھ چھوڑ دینا۔''

''بیٹھو، لیکن شرط یہ ہے کہ میرے کان مت کھانا۔''

''میں پچھلی سیٹ پر نہیں بیٹھوں گی۔''

''ارے بابا اگلی سیٹ پر آ جاؤ، یار کمال ہے دنیا میں لڑکیاں کسی بھی شکل میں اور کیسی ہی ہوں کان کھانے میں ماہر ہوتی ہیں۔''

وہ اگلی سیٹ پر اس کے برابر ہی بیٹھ گئی اور شہروز نے کار کے اندر روشنی کر دی۔ پھر گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا:

''خدا کی پناہ، کتنی مصیبت میں ڈال دیا ہے تم نے مجھے۔ اول تو گاڑی ہی خراب ہو گئی، یہ کمبخت...... بس بس کیا کہوں اور کیا نا کہوں۔''

''تم پلیز مجھ پر ناراض نہ ہو۔تم اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔'' لڑکی نے کہا اور اس کے بعد شہروز نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

''تم نے میرا ہینڈ بیگ کس پھرتی سے اڑا لیا؟''

''ہاں!اگر تمہارے ہینڈ بیگ میں کچھ بھی نہیں نکلا۔''

''اگر نکلتا تو کیا تم چرا لیتے......؟''

''ظاہر ہے ہاتھ آئی ہوئی دولت کو کون چھوڑتا ہے۔ویسے تم ہو کیا چیز......؟''

''کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔اچھا ایک بات بتاؤ یہ تھری اسٹار کا کیا چکر ہے؟''

لڑکی تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی:

''تم مجھے یقین دلاتے ہو کہ تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔''

''گاڑی روک کر یقین دلاؤں......؟'' شہروز نے سوال کیا۔

''میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ میری جانب سے جہنم میں جاؤ۔میں تمہیں اپنے آپ پر اعتماد دلانا بھی نہیں چاہتا۔''

''بڑے لڑاکے معلوم ہوتے ہو۔'' لڑکی بولی اور اس کے بعد پھر خاموشی طاری ہو گئی۔

اچانک ہی شہروز کے ذہن میں ایک خیال آیا۔اس نے اچانک ہی اس کا بیگ چھین کر اپنی داہنی ران کے نیچے دبا لیا اور بولا:

''اب میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اپنا اطمینان نہ کر لوں۔ہو سکتا ہے تمہارا تعلق پولیس سے ہو۔''

''پپ......پولیس سے......؟''

''ہاں تو اور کیا......'' شہروز نے کہا۔

''اگر میرا تعلق پولیس سے ہوتا تو تم......تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے......؟''

''پہلے ثابت ہو جائے کہ تمہارا تعلق پولیس سے ہے یا نہیں۔''

''کیسے ثابت ہو گا؟'' لڑکی مسکرا کر بولی۔

''تمہارے بیگ کی باقاعدہ تلاشی لوں گا۔'' شہروز نے کہا اور لڑکی کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔

''چلو ٹھیک ہے اب مجھے تمہاری طرف سے اطمینان ہوتا جا رہا ہے۔'' شہروز نے کوئی جواب نہیں دیا تھا البتہ اس کی سوچوں کے دائرے پھیل اور سکڑ رہے تھے۔کار کی خرابی تو خیر ایک حقیقی بات تھی اس میں کسی کی کوئی کوشش نہیں ہو سکتی ظاہر ہے کار شہروز کی اپنی نہیں تھی' رینٹ اے کار سے لی تھی۔اس کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں تھا لیکن لڑکی ہو سکتا ہے یہ کوئی اہم کاروائی ہی ہو اور اب اس سلسلے میں شہروز کو مزید معلومات حاصل کرنی ہیں۔

کار نیاز گڑھ کے قریب پہنچتی جا رہی تھی۔نیاز گڑھ ایک اچھا خاصا بڑا شہر تھا۔اعلیٰ درجے کے ہوٹل بھی یہاں موجود تھے۔ایک

بہت بڑا گالف گراؤنڈ بھی تھا اور ایسی کچھ چیزیں لوسیا مارٹن ویل نے بھی اسے ہما امپوریم میں کسی سے ملاقات کرنے کے لیے کہا تھا اور اپنے طور پر بھی وہ منشیات کے ناجائز تجارت کے سلسلے میں یہاں معلومات کرنے کے لیے آیا تھا۔

ہوٹل شائن بہت ہی خوبصورت ہوٹل تھا اس کا پورا نام ایورشائن تھا اور وہ سمندر کے کنارے واقع تھا۔ نیاز گڑھ خاص طور سے بندرگاہ کی وجہ سے بہت مشہور تھا اور یہاں بڑی بڑی حسین جگہ بنائی گئی تھیں۔ ہوٹل ایورشائن کے بارے میں شہروز کو پہلے زیادہ نہیں معلوم تھا لیکن یہاں آ کر اس نے جب ایورشائن کو دیکھا تو اس کا دل خوش ہو گیا۔ لڑکی کسی بلا کی طرح اس سے چپک کر رہ گئی تھی۔ بہرحال ہوٹل میں اسے کمرہ حاصل کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ ایورشائن کو تو دیکھ کر اس کی طبیعت ہی خوش ہو گئی تھی۔ یہاں دور دور تک چھوٹی عمارتوں کی ایک قطار تھی اور یہ عمارتیں بھی شہر سے آنے والوں کے لیے گیسٹ ہاؤس کا کام دیا کرتی تھیں اور ایورشائن کا حسن اس سے کافی بڑھ جاتا تھا۔

بہرحال وہ ایورشائن میں آ گئے۔ لڑکی عجیب سی کیفیت کا شکار تھی' شہروز نے اسے دیکھا اور بولا: ''غالباً تم سوچ رہی ہو کہ میرے ساتھ تمہیں اس کمرے میں رہتے ہوئے......''

''ایسا ویسا مت سوچنا میں اپنی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے پھر اطمینان سے اپنی حفاظت کرو اور مجھے کسی بھی طرح تنگ مت کرنا۔''

شہروز بستر پر لیٹ گیا' ڈبل بیڈ تھا لڑکی بستر پر لیٹ گئی تھی لیکن شہروز نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ اگر لڑکی کسی چکر میں ہے تو اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

صبح ہو گئی اور شہروز غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر روم سروس کو ٹیلی فون کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ناشتہ آ گیا تھا۔

لڑکی نے کہا: ''ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ تم ایک شریف آدمی ہو۔''

''اس سے پہلے شک تھا۔''

''دیکھو ناوقت کتنا برا ہے اس کا اندازہ تمہیں بھی ہو گا۔''

''میں تم پر لعنت بھیجتا ہوں سمجھیں۔''

''یہی تو تمہاری خوبی ہے ورنہ لوگ لڑکیوں کو دیکھ کر دنیا پر لعنت بھیج دیتے ہیں۔ ویسے ایک بات بتاؤ تم کیا کرتے ہو؟''

''جھک مارتا ہوں یہاں نیاز گڑھ میں ایک بینک میں ڈاکہ ڈالنے کے لیے آیا تھا تم نے سارا کام خراب کر دیا۔''

''جھوٹ بولتے ہو تم ڈاکو ہو ہی نہیں سکتے۔''

''میں جو کچھ بھی کہتا ہوں تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔'' شہروز نے جواب دیا۔

لڑکی اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی۔ کچھ لمحے وہ اسے دیکھتی رہی پھر بولی:

''ہم لوگ ایک رات گزار چکے ہیں۔''

''اللہ نہ کرے۔''شہروز نے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟''

''رات گزارنے کا مطلب جانتی ہو۔''

''نہیں پلیز ایسی گھٹیا باتیں مت کرو میرے ذہن میں تمہارا ایک معیار قائم ہوا ہے۔''لڑکی نے دل سوزی سے کہا۔

''اچھا......!''

''ہاں! اتنے اچھے لوگ ہوتے ضرور ہیں لیکن کم ہوتے ہیں تم اگر چاہتے تو مجھے نقصان پہنچا سکتے تھے۔''

''میں خود اس بات سے خوفزدہ تھا۔''

''کس بات سے؟''

''یہی کہ کہیں تم مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا دو۔''شہروز نے کہا اور لڑکی بے اختیار ہنس پڑی۔

''خوش مزاج بھی ہو نام نہیں بتاؤ گے اپنا......''

''پوچھا تھا تم نے اب تک؟''

''یہی تو میں کہہ رہی تھی کہ ہم لوگ ایک رات گزار چکے ہیں' ایک ساتھ تم مجھے معیاری آدمی معلوم ہوتے ہو ہر لحاظ سے اپنے کردار کے لحاظ سے بھی اور اپنی شخصیت کے لحاظ سے بھی ورنہ ایورشائن میں قیام معمولی بات نہیں ہوتی۔''

''پھر......''

''میرا مطلب یہ ہے کہ اتنا وقت گزارنے کے باوجود ہم لوگ ایک دوسرے کے نام تک سے واقف نہیں ہیں۔''

''میرا نام شہروز ہے۔''

''شہروز بہت پیارا نام ہے۔''لڑکی بولی۔

''تم چاہو تو اپنا نام بتا دو اور اگر پسند نہ کرو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔''

''ایسے پیش آؤ گے میرے ساتھ؟''

''مطلب؟''

''اس طرح پوچھتے ہیں کسی کا نام؟''

''تو پھر بتاؤ کیسے پوچھا جائے؟''

''چھوڑو ان باتوں میں کیا رکھا ہے میرا نام نیشا ہے۔''

''اب میں اگر یہ کہوں کہ چھوٹا سا پیارا سا خوبصورت کہہ سکتے ہو۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ ویسے اور بھی کچھ نہیں بتاؤ گے اپنے بارے میں۔''

''ارے بابا پوچھو گی تو ضرور بتاؤں گا۔ بغیر پوچھے شروع ہو جاؤں۔'' شہروز نے کہا۔

''تو پھر تم نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کون لوگ تھے جو رات کو میرا پیچھا کر رہے تھے اور مجھے نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔''

''بہرحال میں تمہیں ایک بات بتا دوں نیشا' میں فضولیات سے گریز کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم کسی خاص کام میں ملوث ہو لیکن اب تم مجھے ایک بات بتاؤ میں اگر تم سے یہ بات پوچھوں تو مجھے کیا فائدہ ہو گا تم رات کو بے شک میرے ساتھ ہوٹل میں رک گئی ہو لیکن وقت ایسا تھا کہ میں تم سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں سے چلی جاؤ لیکن بہرحال میں اپنے کام سے یہاں آیا ہوں اور تم اپنے کام سے بہتر یہ ہو گا کہ ہم دونوں اب الگ ہو جائیں۔''

''ایک بات بتاؤ گے؟''

''وہ بھی بتاؤں گا اگر تم پوچھو گی۔''

''میں تمہارے ذہن پر بار بنی ہوئی ہوں نا۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''تو پھر مجھ سے اس طرح کیوں پیش آ رہے ہو۔ اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ میں تمہارے ساتھ اس ہوٹل میں زیادہ وقت قیام کرنا چاہتی ہوں تو چاہتی تو ہوں ایسا لیکن اس لیے نہیں کہ تم میرے اخراجات اٹھاؤ۔''

''لعنت بھیجو اخراجات پر بات صرف اتنی سی ہے نیشا کہ تمہیں خود مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے' تم مجھے معیاری آدمی بھی کہہ چکی ہو اور تھوڑی بہت مدد بھی کی ہے' میں نے تمہاری...... اس کے بعد اگر تم چاہو تو مجھے اپنے بارے میں بتا دو اگر کچھ اور بھی چاہتی ہو مجھ سے مثلاً یہ کہ کسی مسئلے میں میں تمہاری مدد کروں تو وہ بھی ہو سکتا ہے۔ میں ایک بے فکر آدمی ہوں لیکن کچھ ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے یہاں نیاز گڑھ آیا ہوں۔ میرا خیال ہے اس سے زیادہ تم مجھ سے میرے بارے میں نہ پوچھو۔ اس وقت تک جب تک تم مجھے تفصیل سے اپنے بارے میں نہ پوچھو اس وقت تک جب تک تم مجھے تفصیل سے اپنے بارے میں نہ بتا دو۔'' وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ کافی دیر تک وہ اسی انداز میں بیٹھی رہی' پھر شہروز کی طرف دیکھ کر بولی:

''مجھے ایک ایسے ساتھی کی ضرورت ہے جو میری مدد کر سکے۔'' یہ الفاظ ادا کر کے وہ خاموش ہو گئی۔ شہروز بھی غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی کے بارے میں یہ اندازہ تو اسے پہلے ہی ہو چکا تھا کہ وہ کوئی معمولی شخصیت کی مالک نہیں ہے بلکہ اچھی خاصی جرائم پیشہ ہے۔ شہروز کے ذہن میں ایک تصور اور بھی ابھرا تھا۔ بعض اوقات اتفاقات بڑی صحیح راہنمائی کر دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس لڑکی کا کوئی تعلق بھی منشیات کے انہی سوداگروں سے ہو جس کے لیے وہ نیاز گڑھ آیا تھا۔ ایک چین سی بنتی جا رہی تھی۔ مارٹن ویل جو چیمبر آف کامرس کا ایک

بہت بڑا آدمی تھا اس کی بیوی لوسیا تین ستاروں کا کھیل ہما امپوریم نیاز گڑھ اور اس قسم کے اب تک جو معاملات ہوئے تھے وہ لوسیا نے پچاس لاکھ روپے اس کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیئے ہوں گے۔ گویا معاوضہ مل چکا ہے چند لمحوں کے بعد اس نے لڑکی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا:

''تم خاموش کیوں ہو گئیں نیشا؟''

''سوچ رہی تھی کچھ......''

''کیا؟''

''یہی کہ تم اچھے خاصے ذہین آدمی ہو اگر میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاؤ تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔''

''قصہ کیا ہے کیا کوئی شکار ہے تمہاری نگاہوں میں؟''

''نہیں۔''

''تو پھر......''

''اسے ایک انتقامی کارروائی سمجھ لو ویسے شکار سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''شکار سے ایک ہی مراد ہوتی ہے۔''

''پلیز کھل کر بتاؤ۔''

''رقم......'' کیش شہروز نے کسی باقاعدہ مجرم کی طرح کہا۔

''اس کے بھی امکانات ہیں۔''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے کہ ہم کسی بڑی رقم پر بھی ہاتھ مار سکیں۔''

''کیسے......؟''

''یہ حالات پر منحصر ہے وہ شکاری کتوں کی طرح چاروں طرف بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ پچھلی رات بھی میں نے ان کی ایک اسکیم خاک میں ملانے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہوئی اور پھر مجھے بھاگنا پڑا۔''

''کون لوگ ہیں؟''

''معمولی نہیں ہیں بلکہ ایک پورا منظم گروہ ہے جو منشیات کی تجارت کرتا ہے۔''

''اوہو اچھا مگر یہ انتقام والی بات کیا کہی تم نے......''

''میں اس گروہ میں اپنی خوشی سے نہیں پھنسی تھی بلکہ مجھے زبردستی اس میں شامل ہونا پڑا تھا۔''

''بات سمجھ میں نہ آنے والی ہے جب تک سمجھائی نہ جا سکے۔''

''سنو گے؟''

''یقیناً کیوں نہیں۔''

نیشا ایک بار پھر خاموش ہوگئی' تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی:

''میں اداکارہ بننے کے لیے آئی تھی ایک ایسے شخص سے میری ملاقات ہوگئی جس نے اپنے بارے میں بہت سی کہانیاں سنائی تھیں ویسے وہ ایک ہسپتال میں میڈیکل سپرنٹنڈنٹ تھا۔ اس نے کافی عرصہ تک میری کفالت بھی کی اور مجھے اپنے ساتھ رکھا لیکن بعد بہت مجھے پتا چل گیا کہ وہ صرف میرے ساتھ وقت گزاری کر رہا ہے۔ بہرحال میرے حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے پھر ایک ایکسٹرا سپلائر سے ملاقات ہوئی اور اس نے مجھے ایکسٹرا گرل بنا دیا میرے خدا اس سے زیادہ گھناؤنی زندگی ہو نہیں سکتی۔ ایکسٹرا لڑکیاں بس ان کے لیے کوئی برا الفاظ کہنے کو دل نہیں چاہتا' وہ انسان ہوتی ہی نہیں ہیں بس تم یہ سمجھ لو کہ وہ صرف ایک ذریعہ ہوتی ہیں مختلف لوگوں کو اپنی شناخت کرانے کا......''

''پھر کیا ہوا؟'' شہروز نے سوال کیا۔

''بس میں ایک بیمار زندگی گزار رہی تھی۔ لیکن پھر اس دوران مجھے ایک فرشتہ مل گیا بالکل ایسا ہی جیسے تم ہو۔''

شہروز نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر مسکرا دیا پھر بولا:

''اچھا...... مجھ پر یہ نیا انکشاف ہوا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔ برا مت ماننا میری بات کا میں نے تمہارے بارے میں کچھ اور سوچا تھا۔''

''مثلاً......''

''ہوٹل کا کمرہ اور وہ بھی فائیو سٹار ہوٹل کا' تنہائی ایک مرد ایک عورت۔''

''شٹ اپ......'' شہروز نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''اسی کی تو تعریف کر رہی ہوں۔''

''میرے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟''

''ابھی تک تم میرے لیے صرف ایک اتفاق ہو لیکن ہو سکتا ہے تمہارے ذہن میں میرے لیے کچھ ہو۔''

''ہاں ہے۔''

''واقعی......'' وہ چونک کر مسکرائی۔

''میں نے کہا نا ہے۔''

''لیکن پھر تم نے......''

''بے وقوف ہو تم میں نے نہ تم سے بے پروائی ظاہر کی ہے نا یہ سوچا ہے کہ تمہارے بغیر زندہ رہنے کا ارادہ ترک کر دوں قصور تمہارا نہیں بلکہ اس ماحول کا ہے جس میں تم اب تک رہی ہو کیا سمجھیں۔''

''بس......بس......بس تم تو واقعی فرشتہ بننے کی کوشش کرنے لگے۔ ویسے ایک بات کہوں دل ہی چاہتا ہے کہ تم پر اعتماد کرلوں خیر چھوڑو ان باتوں کو بہر حال میں جس فرشتے کا تذکرہ کر رہی تھی وہ مجھے ملا اور اس نے مجھے ایکسٹرا اسپلائر کے چنگل سے نکال لیا اب میں تفصیل کیا بتاؤں کہ وہ کتنا شریف آدمی ثابت ہوا تھا یوں سمجھ لو اس کے ذریعے میں اس گروہ تک پہنچی۔'' شہروز پھر چونک پڑا پھر بولا:

''اور تم اسے مجھ جیسا کہہ رہی ہو۔''

''چھوڑو کچھ دنوں تک تو میں نے بے دلی سے ان کا یہ کام کیا اور پھر میں نے ایک فیصلہ کیا کہ جینا تو ہے اس کے علاوہ انہوں نے مجھے ایسے شکنجے میں جکڑا کہ میں انہیں چھوڑ ہی نہیں سکتی تھی میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ موجودہ زندگی پچھلی زندگی سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی تھی کیونکہ جو کام مجھ سے کرایا جا رہا تھا اس کے نتیجے میں مجھے پولیس کا بھی سامنا کرنا پڑتا اور میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتی تھی جس میں پولیس کے چنگل میں پھنس جاؤں۔ میں تمہیں اپنے گھر اپنے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی کیونکہ برائی میرے اندر ہے میرے اہل خاندان کے اندر نہیں ہے میں ان لوگوں کا نام لے کر ان کی توہین نہیں کرنا چاہتی۔''

''میں تم سے ان کا نام پوچھوں گا بھی نہیں۔'' شہروز کو غالباً اپنا ماضی یاد آ گیا تھا پھر وہ بولا:

''لیکن وہ کون سی مجبوریاں تھیں جنہوں نے تمہیں ان کے چکروں میں پھنسا دیا۔''

''ہاں میں بتانا چاہتی ہوں۔''

''یعنی کوئی اور بھی خاص بات ہے۔''

''اتنی خاص بات ہے کہ میں کسی سے کہہ بھی نہیں سکتی اگر میں ان سے پیچھا چھڑانے کے لیے پولیس سے بھی فریاد کرتی تو مجھے جیل کی ہوا کھانی پڑتی اس سے پہلے بھی گروہ کے کئی آدمیوں نے ان سے ٹوٹ کر پولیس سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن صرف وہ جیلوں میں نظر آتے تھے گروہ بدستور کام کر رہا تھا۔''

''گویا تمہارا کہنا یہ ہے......''

''کچھ بھی نہیں کہنا چاہتی میں کچھ بھی نہیں کہنا چاہتی میں جن مشکلوں میں پھنسی۔''

''لیکن تمہیں پولیس پر اعتماد کرنا چاہئے تھا۔'' شہروز نے کہا اور جواب میں نیشا بڑی دیر تک ہنستی رہی اور اس کے بعد بولی:

''کیا تھا اعتماد کا معاوضہ بھی وہ دینا پڑا جو ان لوگوں کو دیتی رہی تھی۔''

''کک......کیا مطلب؟'' شہروز نے کہا۔

''دیکھو کیوں مجھے بے آبرو کر رہے ہو...... آبرو تو میری ہے ہی نہیں۔ میں نے تمہیں تفصیل سے بتا دیا ہے لیکن پھر بھی کم از کم عورت پن تو قائم رہنے دو۔''

شہروز ایک دم سے سنبھل گیا۔لڑکی کے الفاظ میں بہت ہی کرب تھا۔وہ بولی:

''ایک میں ہی نہیں گروہ میں اور بھی بے شمار پڑھی لکھی اور حسین لڑکیاں ہیں جو ان کے لیے ضرورت کے سارے کام کرتی ہیں اب تم پھر مجھے بتاؤ کہ میں کہاں فریاد کرتی۔''

شہروز کو اب واقعی دکھ کا احساس ہوا تھا۔ نیشا گردن جھکا کر سوچ میں ڈوب گئی۔اچانک ہی اس کے چہرے پر خون ہی خون نظر آنے لگا۔اس نے گردن اٹھائی اس کی آنکھیں شیشے کی گولیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔اس نے دانت پیس کر کہا:

''لیکن چیونٹی بھی ایک دن خطرناک ہو سکتی ہے میں تنہا ان سے مقابلے پر آ گئی ہوں خود سمجھ لوں گی اب تک میں انہیں اتنے بڑے بڑے نقصان پہنچا چکی ہوں کہ وہ سوچ نہیں سکتے۔میں نے ان کے منشیات کے ذخائر کو تباہ کیا ہے اور انہیں چوری کر کے ضائع کرتی رہی ہوں مگر پچھلی بار انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور اب ظاہر ہے کہ میں ان پر ظاہر ہو چکی ہوں اور وہ ہر قیمت پر مجھے ختم کر دیں گے۔''

''تم ان کا اسٹاک تباہ کرتی رہی ہو؟''

''کافی زیادہ...... میں نے انہیں اتنے بڑے بڑے نقصانات پہنچائے ہیں کہ وہ برباد ہو کر رہ گئے ہیں اور تم جانتے ہو کہ منشیات کا زہر اب ہر طبقے میں پھیلا ہوا ہے۔ بہت بڑے بڑے لوگ متاثر ہوئے ہیں پتا چلا ہے کہ کسی بہت بڑے آدمی نے اس گروہ کی شکایت بھی کر دی ہے اور بتایا ہے کہ کسی طرح منشیات کی سپلائی ہو رہی ہے۔''

''اور یہ کام تم نے کیا ہے۔''

''ہاں میں نے...... یقین کر لو گے میرے بارے میں اگر میں تم سے کچھ کہوں تو۔''

''اب تک تو یقین کرتا چلا آیا ہوں۔''

''بہت معصوم تھی میں بس فلمیں دیکھتی تھی اور اپنے آپ کو ان فلموں میں ایک کردار سمجھتی تھی ایک ایسا کردار جو زندگی میں صرف روشنی دیکھتا ہے، میں ہی نہیں میری جیسی ہزاروں لڑکیاں ایسی ہی معصوم سوچوں کی حامل ہوتی ہیں اور اس کے بعد ان کے ساتھ جو کچھ ہوتا ہے اس کا نمونہ میں موجود ہوں۔لیکن اب...... اب میں اس گروہ کو خاک میں ملا دوں گی۔میں اس سلسلے میں جتنی بھی رقومات وصول کروں گی تم یہ سمجھ لو کہ ساری کی ساری اس شخص کو دے دوں گی جو اس گروہ کو ختم کرنے میں میری مدد کرے آج کل اس گروہ کی ہوا کافی بگڑی ہوئی ہے اور اگر میرے ساتھ کوئی ذہین انسان مل جائے تو ہم اس وقت انہیں ایسا شکار کریں گے کہ یاد کریں گے وہ۔''

''آخر ان کی ہوا کیوں بگڑی ہوئی ہے؟''

''بس کچھ ایسی گڑبڑ ہوئی ہے ان کے درمیان ایک تو میری وجہ سے اور شاید کچھ ایسے آفیسر بھی ان کے چکر میں پڑ گئے ہیں جو ان

کے لیے کافی خوفناک ہیں۔''

''ہوں ٹھیک تو پھر اب تم یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہوگا اس سلسلے میں؟''

''کرو گے؟''

''سوچ تو رہا ہوں۔''

''خلوص کی بات کرو۔''

''میں خلوص ہی کی بات کر رہا ہوں۔''

''کیا کرو گے آخر تم...... میں نے ساری تفصیل تمہارے سامنے پیش کر دی ہے میں اس گروہ کو بلیک میل نہیں کرنا چاہتی صرف رقم حاصل کرنے کے لیے کیونکہ اس طرح منشیات کی تجارت تو جاری ہی رہے گی' میں اس تجارت کے ساتھ ساتھ جس سے میں انتہائی نفرت کرتی ہوں اور جس کے بے شمار لیے میری نگاہوں میں آ چکے ہیں اس گروہ کے افراد کا خاتمہ بھی کرنا چاہتی ہوں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے کیا میں گروہ کو بلیک میل کروں گا نہیں میں ایسا نہیں ہوں۔ میں ان کے ذخیروں پر ڈاکے ڈالوں گا بشرطیکہ تم مجھے ان کے ہیڈ کوارٹر کا پتہ بتا دو۔''

''یہی تو آج تک نہیں معلوم ہو سکا ہیڈ کوارٹر کے بارے میں بہت ہی بڑے بڑے لوگ جانتے ہیں تمام لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم اور پھر میں تو بالکل ہی ایک معمولی سی لڑکی ہوں۔''

''تب تو پھر ذرا سی مشکل پیش آئے گی۔''

''دیکھو جس حلقے میں کام کر رہی تھی وہاں کے تو سارے کارکنوں کے بارے میں اچھی طرح جانتی ہوں اس حلقے کے ذخیرے کا بھی وہ جیل میں ہے۔''

شہروز کے ذہن میں روشنی سی ہو رہی تھی اس نے تھوڑی دیر تک سوچا اس کا ذہن نہ جانے کس طرف جا رہا تھا بہر حال اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا:

''تین ستارے...... یہ تین ستارے کیا چیز ہیں؟''

''نشان ہے ان کا ان ستاروں کے ذریعے وہ کارکنوں کو اور اپنے ان مخالفوں کو خوفزدہ بھی کرتے رہتے ہیں جن سے ان کی کوئی دشمنی چل جاتی ہے۔ مثلاً ایک سرخ ستارہ وارننگ دو سرخ ستارے دوسری وارننگ اگر تینوں ستارے سرخ ہو جائیں تو سمجھ لو زندگی کا خاتمہ ضروری ہوتا ہے۔''

''اچھا اچھا اب...... بتاؤ کہ اگر میں [illegible] بات کا اظہار کر دوں کہ میں [illegible] تمہارے [illegible] کام کے لیے تیار ہوں تو تم پہلی بات کیا [illegible]

''پہلی بات۔''

''ہاں......''

''اپنا تحفظ اور اس کا طریقہ کار تمہیں ہی سوچنا پڑے گا۔''

''ہوں کیا میں تم پر اعتبار کرلوں گی۔''

''کیا مطلب......؟'' نیشا چونک کر بولی۔

''میرا مطلب ہے کہ اگر میں کام کا آغاز کردوں اور تمہارے ذہن میں کوئی اور سکیم آ جائے تو پھر۔''

''میرے پاس تمہیں یقین دلانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے لیکن دوسری بات میں بھی کہہ دیتی ہوں بس دل نے چاہا اور میں نے تم پر اعتبار کرلیا اور کیفیت یہ ہے کہ اس وقت میرے پاس اعتبار کرنے کے لیے کوئی اور ہے ہی نہیں۔ چنانچہ یہ سمجھ لو تم سے دھوکہ نہیں کروں گی ہاں اگر تم وہ نہ ثابت ہو سکے جو میرے مقصد میں کارآمد ہو تو پھر میں تم سے خاموشی کے ساتھ کنارہ کشی اختیار کرلوں گی۔''

''ٹھیک ہے مجھے منظور ہے اب میں تمہاری حفاظت کا بندوبست کردوں۔''

''کیسے؟''

''تمہارے چہرے پر تھوڑا سا میک اپ کروں گا اور تمہارا حلیہ تبدیل کردوں گا۔''

''تمہیں میک اپ کرنا آتا ہے؟''

''ہاں......''

''کیسے......؟''

''اب تم میرے بارے میں اتنی تفصیلات جاننے کی کوشش مت کرو اگر میں تمہارے کام کا ثابت ہوں تو ٹھیک ہے ورنہ پھر جس طرح تم مناسب سمجھو۔'' شہروز نے کہا اور لڑکی خاموش ہوگئی۔

تھوڑی دیر کے بعد شہروز اس سے باتیں کر کے باہر نکل آیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ وہ وہیں اس کا انتظار کرلے اور وہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہ کرے۔ لڑکی نے اس سے وعدہ کرلیا تھا۔

بہرحال یہ سب کچھ ہی درمیان میں ہوگیا تھا۔ لوسیا نے اسے ہما امپوریم میں کسی جون سے ملاقات کے لیے کہا تھا اور بتایا تھا کہ لوسیا کے نام پر جون اسے کچھ خصوصی معلومات فراہم کرے گا اور اس کے علاوہ ویسے بھی اس کے پاس اس کی اپنی معلومات کے تحت ہما امپوریم ہی کا پتہ موجود تھا اور اس کے لیے اسے یہاں آنا بھی تھا۔

چنانچہ سب سے پہلے وہ اپنی کار میں بیٹھ کر ہما امپوریم کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ ہما امپوریم تو ایک اچھا خاصا شاپنگ سنٹر تھا اور جون اس کا منیجر تھا۔ اس کے نام پر کاؤنٹر کلرک نے بڑے ادب کا مظاہرہ کیا اور بولا:

''مسٹر جون کچھ بیمار ہیں ان کا فون آیا تھا کہ وہ آج آفس نہیں آسکیں گے اگر آپ کو کوئی ضروری کام ہے تو براہ کرم آپ ان سے ان کے فلیٹ پر مل لیں۔''

''ان کے فلیٹ کا پتہ؟''

''ہاں میں بتائے دیتا ہوں۔''

''کیا وہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ اپنے فلیٹ پر ملنا پسند کرتے ہیں؟ ان کے اہل خاندان ہیں۔''

''کہاں جناب وہ تو وہاں اکیلے رہتے ہیں ویسے اگر آپ چاہیں تو میں آپ سے ان کی فون پر بات کرادوں؟''

''کرادیجئے۔''

شہروز نے کچھ سوچ کر کہا اور کاؤنٹر کلرک نے ایک نمبر ڈائل کر کے ریسیور کان سے لگالیا۔

''لیس سر...... لیس سر...... سر آپ کے ایک گیسٹ آئے ہیں' میں انہیں آپ کے فلیٹ پر بھیج دوں۔''

''میری بات کراؤ۔'' دوسری طرف سے آنے والی آواز اتنی تیز تھی کہ شہروز نے خود بھی سنی۔ کاؤنٹر کلرک نے ریسیور شہروز کی طرف بڑھادیا۔

''صرف ایک نام بتایئے مجھے جس نے آپ کو یہاں بھیجا ہے؟''

''لوسیا مارٹن ویل۔''

''پتہ معلوم ہو گیا آپ کو؟''

''ہاں!''

''آجایئے۔''

دوسری طرف سے کہا گیا اور سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ شہروز نے پتے کو اچھی طرح سمجھا اور اس کے بعد وہاں سے چل پڑا۔ جس عمارت کے پاس فلیٹ پر جس کا پتہ بتایا گیا تھا رک کر شہروز نے بیل کا بٹن دبایا اندر گھنٹی بجی لیکن کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ اس نے دو تین بار بٹن دبا کر دروازے پر دباؤ ڈالا تو دروازہ کھل گیا۔ کاؤنٹر کلرک نے اسے بتایا تھا کہ مسٹر جون گوال تنہا ہی وہاں رہتے ہیں' شہروز کو حیرت ہوئی تھی پھر اس نے دروازے کے اندر ایک قدم رکھ کر کہا:

''یہاں کوئی ہے؟''

جواب میں اسے کھٹ کھٹ کی ایک آواز سنائی دی۔ لیکن اس آواز کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اس نے پھر آواز دی:

''کوئی ہے؟''

اور جواب میں کھٹ کھٹ پھر سنائی دی تھی لیکن اس آواز کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اس نے پھر آواز دی اور جواب میں پھر

سے کھٹ کھٹ سنائی دی۔ شہروز کے ذہن میں ایک تجسس سا بیدار ہو گیا سب سے پہلے اس نے دروازہ بند کیا اور اپنا ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ چند قدم آگے بڑھ کر اس نے پھر کہا:

''کوئی ہے تو میری نشاندہی کرے۔''

کھٹ کھٹ کی آواز پھر سنائی دی تھی اور اس بار اسے آواز کی سمت کا اندازہ ہو گیا لیکن یہ کافی پراسرار صورت حال تھی تاہم وہ اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا جس کے دوسری طرف ایک بہت ہی خوبصورت بیڈ روم تھا۔ بیڈ روم میں عمدہ ترین فرنیچر سجا ہوا تھا لیکن اس کے قالین پر ایک شخص پڑا ہوا کروٹیں بدل رہا تھا اور قالین پر کافی سے زیادہ خون نظر آ رہا تھا۔ شہروز ایک دم چونک پڑا اور پھرتی سے آگے بڑھا۔ اس شخص کے سینے میں کافی گہرا زخم تھا اور اس سے خون بہہ کر زمین پر پھیل رہا تھا اس کے علاوہ اس کا بایاں شانہ بھی زخمی تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جلدی میں اس پر یہ وار کر کے اسے قتل کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور قاتل کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر بھاگ گیا ہو لیکن پھر بھی شہروز نے محتاط انداز میں چاروں طرف دیکھا اور کسی شخص کے چھپے ہونے پر احتیاط برتی پھر وہ جلدی سے اس شخص پر جھک گیا۔

''تم......تم جون گوال ہو؟''

''ہاں......ہاں......'' اس نے بڑی مشکل سے یہ الفاظ منہ سے ادا کیے تھے۔

''مجھے لوسیا مارٹن ویل......''

''سنو سنو گولڈن بار شکیری گولڈن بار......شکیری۔''

یہ کہہ کر اس شخص نے دم توڑ دیا۔ شہروز نے اسے ہلا جلا کر دیکھا مگر اس کی آنکھیں بے نور ہو چکی تھیں۔ اسی وقت دروازے کی بیل بجی اور شہروز بری طرح بوکھلا گیا۔ اس وقت جو کوئی بھی ہے اگر شہروز کو اس شخص کی لاش کے ساتھ دیکھ لیا گیا تو وہ اپنے قاتل ہونے کی صفائی بھی پیش نہیں کر سکے گا۔ اس نے خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا پھر پھرتی سے کمرے سے باہر نکل آیا۔ بیل بار بار بج رہی تھی غالباً بیل بجانے والوں نے ابھی تک دروازے پر دباؤ ڈال کر نہیں دیکھا تھا۔ شہروز کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اسے دروازہ اندر سے بند کر دینا چاہئے تھا لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ باہر سے آواز آئی:

''کوئی ہے؟''

اور شہروز دیوانوں کی طرح ادھر سے ادھر بھاگنے لگا پھر اسے کچن میں ایک بڑی کھڑکی نظر آئی جس میں کوئی شیشہ وغیرہ نہیں لگا ہوا تھا' کھڑکی کے برابر سے ایک پائپ گزر رہا تھا اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ شہروز اسے استعمال کرے۔ ایسے کاموں کی اسے کافی مشق تھی چنانچہ وہ پھرتی سے کھڑکی کے اندر گھسا اور پائپ پکڑ کر برق رفتاری سے نیچے اترنے لگا۔ یہ عمارت کا پچھلا حصہ تھا۔ نیچے ایک گلی نظر آ رہی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی مدد ہو گئی۔ نیچے کی منزل میں ایک راہداری بنی ہوئی تھی جو دور تک جاتی تھی اور آگے جا کر گھوم جاتی تھی۔ پائپ کے ذریعے شہروز اس راہداری تک پہنچا جو صرف دو فٹ چوڑی تھی اور اس کے بعد وہ اس میں دوڑتا چلا گیا۔ راہداری گھوم

کر ایک ذیلی زینے کے قریب پہنچ گئی تھی۔ پتلا سا زینہ شہروز کے لیے اس وقت نجات کا راستہ بن گیا تھا چنانچہ وہ برق رفتاری سے نیچے اترتا چلا گیا اور نیچے گلی میں پہنچ کر اس نے سکون کی گہری سانس لی پھر وہ گلی ہی کے دروازے سے دوڑتا ہوا اصل سمت نکل آیا تھا جو سامنے کا حصہ تھی اور یہاں اس نے پولیس کی جیپیں دیکھیں' دو جیپیں تھیں جن کے گرد چند پولیس والے موجود تھے۔ شہروز ان سے بچتا بچاتا اپنی کار تک پہنچا اور اس کے بعد کار لے کر وہاں سے ہوا ہو گیا۔ بال بال بچا تھا ورنہ اس طرح مصیبت میں گرفتار ہوتا کہ شیر جنگ بھی اسے اس قتل کے الزام سے نہیں بچا سکتا تھا۔

کار ایک جگہ روک کر اس نے اپنا حلیہ درست کیا۔ شکل ہی بگڑ گئی تھی۔ کپڑے بھی بعض جگہ سے گندے ہو گئے تھے چونکہ پائپ جس سے وہ نیچے اترا تھا گندے پانی کا پائپ تھا۔ بہر حال اپنے آپ کو صاف ستھرا کیا اور اس کے بعد کار ایک ایسے بازار میں لا کر روک دی جہاں سے اسے میک اپ کا سامان مل جانے کی امید تھی اس نے زنانہ لباس خریدے' میک اپ کا سامان خریدا کچھ اور چیزیں لیں اور اس کے بعد ہوٹل کی جانب چل پڑا جہاں وہ نیشا کو چھوڑ کر آیا تھا۔ نیشا کمرے میں اس طرح اس کی منتظر تھی جیسے کوئی وفا شعار بیوی شوہر کا انتظار کر رہی ہو۔ شہروز کو دیکھ کر اس نے ایک دل آویز مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا۔ شہروز کچھ چیزیں اور بھی لے کر آیا تھا جو اس نے نیشا کے حوالے کر دیں۔ یہ کچھ خوبصورت لباس تھے جنہیں کھول کھول کر نیشا دیکھنے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک پیار بھری مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی پھر اس نے عجیب سی نگاہوں سے شہروز کو دیکھتے ہوئے کہا:

''مجھے گھریلو زندگی کبھی نہیں ملی۔''

''یہ بھی گھریلو زندگی نہیں ہے بلکہ ہوٹل کی زندگی ہے۔''

''ہاں لیکن تمہارا انداز بڑا پیارا لگا ہے مجھے...... کتنے خوبصورت لباس ہیں اور تمہارا اندازہ کتنا درست ہے۔''

''کیسا اندازہ......؟''

''میرے جسم کے بارے میں حالانکہ......''

''بس بس کچھ حدود قائم رہنا اچھی بات ہوتی ہے۔''

''یہی تو تمہاری خوبی ہے میں نے اپنے آپ کو تم سے نہیں چھپایا۔''

''شہروز میں نے بتا دیا ہے کہ میں ایک پامال شدہ پھول ہوں لیکن یہ دیکھو ایک بات کہوں' انسان کا دل کبھی پامال نہیں ہوتا اس میں آرزوئیں کونپلوں کی طرح پھوٹتی رہتی ہیں اور جب بھی اسے زندگی میں کوئی اچھا سہارا ملتا ہے وہ کھو جاتا ہے۔''

''جاگتے رہو۔'' شہروز نے آواز لگائی اور اس کے بعد وہ لوگ کافی دیر تک اسی طرح کی باتیں کرتے رہے۔ پھر شہروز نے کہا:

''اس دوران کوئی ایسا واقعہ تو پیش نہیں آیا۔''

''نہیں بڑا سکون محسوس ہو رہا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کرو گے کیا؟''

"پہلے تمہارے چہرے پر میک اپ کر کے تمہارے نقوش تبدیل کروں گا۔"

"یہ بات تم نے بڑی عجیب سی بتائی ہے مجھے۔"

"کیا؟"

"یہی کہ اس طرح چہرہ بھی تبدیل ہو جاتا ہے تمہیں کبھی اس طرح کا کوئی واسطہ نہیں پڑا؟"

"نہیں۔"

"یہی بات ہے ورنہ جرم کی دنیا میں تو سب کچھ ہوتا رہتا ہے ایک بات کا مجھے بہت افسوس ہے۔" نیشا نے کہا۔

"وہ کیا؟" شہروز پاؤں پھیلا کر آرام سے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے بولا۔

"تم نے مجھے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"جتنا بتا دیا ہے اتنا کافی نہیں ہے کیا؟"

"ہاں کافی نہیں ہے۔"

"اس سے زیادہ ہے کچھ نہیں۔"

"نہیں میرا مطلب یہ ہے......"

"اب تم اپنے چہرے پر میک اپ کرا رہی ہو کمال کی بات ہے کہاں تو تمہیں اپنی جان کا خطرہ تھا ان لوگوں سے اور میں نے اسی لیے یہ سب کچھ کہا لیکن اب تمہیں کسی بات کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔"

"میں بتاؤں اس کی وجہ......"

"جی فرمائیے۔"

"انسان کو زندگی میں اگر کسی ایک پر اعتبار ہو جائے تو بس پھر اعتبار ہی اعتبار رہ جاتا ہے۔"

"مطلب؟"

"میرا اعتبار تم ہو۔"

"دیکھو نیشا اتنے خواب مت دیکھو کہ تعبیر حاصل کرنا مشکل ہو جائے۔"

"میں نے زندگی میں ہمیشہ دھوکے کھائے ہیں اور یہ دھوکے ہی میری زندگی کا ایک حصہ بن چکے ہیں اب بھی اگر کوئی دھوکہ ہو جاتا ہے تو کوئی ایسی بات نہیں ہے میں یہ دھوکہ بھی کھا لوں گی۔"

شہروز نے اس کے چہرے پر میک اپ کیا ویسے بھی وہ انتہائی خوبصورت لڑکی تھی لیکن شہروز نے جو کچھ کیا تھا وہ اس کی توقع کے [illegible]

''یہ...... یہ...... یہ...... یہ تم نے کیا کیا؟''

''کیوں؟''

''ارے میں اتنی بری تو نہیں ہوں۔''

''جان دینا چاہتی ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''خوبصورت لڑکیوں پر سب کی نگاہیں بہت گہری پڑتی ہیں۔ کیا تم یہ چاہتی تھی کہ میں تمہیں پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت بنا دوں تاکہ لوگ تمہاری جانب متوجہ ہوں اور اس کے بعد ان میں سے کوئی نہ کوئی تمہیں پہچان لے۔''

وہ شہروز کو دیکھتی رہی پھر مسکرا کر بولی:

''تم بہت ذہین ہو۔''

''اور تم صرف عورت۔''

''عورت......''

''ہاں......''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ وہی بے وقوفی کی باتیں زندگی کے اتنے مشکل دور سے گزر چکی ہو لیکن اس کے باوجود اپنے آپ کو حسین ظاہر کرنا چاہتی ہو۔''

''بس ایک بات کہنا چاہتی ہوں اور وہ یہ کہ اگرچہ یہ چہرہ تمہاری پسند ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

شہروز برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا تھا اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اپنے پیچھے وہ ایسا کوئی نشان نہیں چھوڑ آیا جس سے جون گوال کے قاتل کا پتا چل سکے لیکن بات ذرا سوچنے کی تھی ہما امپوریم میں جون گوال ہی سے ملنے کے لیے آیا تھا وہ لوسیا نے بھی اسی کا حوالہ دیا تھا اور ویسے بھی اسی کے اشارے ملے تھے اب یہاں کیا کام رہ جاتا ہے اور اسے کیا کرنا چاہیے۔ نیشا بے شک ایک ایسے کردار کے طور پر ملی تھی جس پر غور کیا جا سکتا تھا۔ نیشا سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں لیپو آن سے مشورہ کرنا بہت ضروری تھا۔

چنانچہ اب یہاں رکنا بالکل بے کار تھا اس نے واپسی کا فیصلہ کیا اور نیشا سے کہا:

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے نیشا؟'' نیشا اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''اب بھی مجھ سے میرا پروگرام پوچھ رہے ہو؟''

''اب بھی سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''میری پوری زندگی کے بارے میں جاننے کے باوجود تم جانتے ہو میرا اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے اگر تم چاہو تو مجھے چھوڑ دو چلی جاؤں گی کہیں اور قسمت آزمائی کروں گی۔''

''مطلب کیا ہے تمہارا؟''

''کیا کچھ عرصے کے لیے خواب نہیں دکھا سکتے؟''

''کیسے خواب؟''

''تمہاری قربت کے خواب۔''

''نیشا......اچھا خیر چھوڑو میں اب شہر واپس جانا چاہتا ہوں۔''

''میرے بارے میں فیصلہ تم خود کرو گے۔''

''ٹھیک ہے شہر پہنچ کر ہم کسی ہوٹل میں قیام کریں گے۔''

راستے میں نیشا نے کہا: ''یہ کار تمہاری ہے؟''

''نہیں رینٹ اے کار سے لی تھی۔''

''تمہارے پاس تمہاری اپنی کار ہے؟''

''نہیں۔''

''گھر ہے؟''

''نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''کٹی عمر ہوٹلوں میں، مرے ہسپتال جا کر اسی کے مطابق زندگی گزار رہا ہوں۔ ایک آزاد فطرت انسان ہوں زندگی پر کچھ روگ نہیں پالے۔''

''اوہو......اچھا اب مجھے مشورہ دو مجھے کیا کرنا چاہئے کیا تم مجھے اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو؟''

''رکھ سکتے ہو سے تمہاری کیا مراد ہے نیشا؟''

''اپنی زندگی کا ساتھی بنا کر۔''

''نہیں۔'' شہروز نے جواب دیا اور نیشا نے گردن جھکائی پھر باقی راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا تھا۔ نیشا نے اس کے بعد اور کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ شہروز نے سب سے پہلے ایک ہوٹل میں کمرہ حاصل کیا اور اس کے بعد نیشا کو وہاں مقیم کر دیا۔ لیپو آن کو تفصیلی رپورٹ دینی تھی اور اس کے لیے لیپو آن تک پہنچنا مشکل تھا لیکن اس سے پہلے اس نے رینٹ اے کار کو گاڑی واپس کی اور وہاں سے ٹیکسی

لے کر مختلف علاقوں سے گزرتا ہوا آخر کار کارواں ہاؤس پہنچ گیا۔ یہاں پوری ٹیم موجود تھی۔ شہروز کی آمد کو سبھی نے سنسنی خیز نگاہوں سے دیکھا تھا۔ کائی شی کہنے لگی:

''تم نے اس دوران ہم سے رابطہ نہیں رکھا شہروز؟''

''مصروف تھا میڈم۔''

''کیوں نہیں...... کیوں نہیں۔''

''آپ لوگ سنایئے۔''

''شہر میں منشیات کا کاروبار باقاعدگی کے ساتھ جاری ہے۔ فوراً آئی جی صاحب نے اس سلسلے میں ایک میٹنگ طلب کر کے پولیس کے اعلیٰ ترین افسران کو اطلاع دی ہے کہ منشیات کا جوزہر شہر کی رگوں میں پھیلتا جا رہا ہے فوری طور پر اس پر کنٹرول کرنا ضروری ہے بہت سے ایسے بڑے آدمیوں نے اس سلسلے میں توجہ دی ہے جن کے اپنے خاندان اس لعنت میں ملوث ہو گئے ہیں اس لیے کچھ زیادہ توجہ دی جا رہی ہے مجھے خاص طور سے ہدایت کی گئی ہے کہ مسٹر شیر جنگ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کوئی بھی اعلیٰ افسر یہ کارنامہ سرنجام دے اور اپنے عہدے میں اضافے کے لیے کوشش کرے۔ اب تم سناؤ شہروز کیا کر کے آئے؟''

''ہما امپوریم میں جس شخص سے میں ملنے گیا تھا جب میں اس کے فلیٹ پر پہنچا تو اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ البتہ ایک نام سامنے آیا ہے اسے چیک کرنا ہے۔''

شہروز نے اپنی کارکردگی کی رپورٹ بھی دی اور نیشا کے بارے میں بھی بتایا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے محسوس کیا کہ ناہید کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا ہے لیکن باقی لوگ اس طرف متوجہ تھے۔

''تو پھر تم نے اس لڑکی کو کہاں چھوڑا؟''

''فی الحال میں نے اسے ایک ہوٹل میں منتقل کر دیا ہے۔ میں ابھی تک اس کی گہرائیوں میں نہیں جا سکا ہوں' معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ میرے پیچھے کیوں پڑی ہے؟ حالانکہ جس انداز میں وہ مجھے ملی ہے' اس میں بظاہر کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر وہ ان لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتی تو یقینی طور پر اسے قتل کر دیا جاتا۔''

''پھر بھی ہمارے لیے وہ لڑکی اس لیے کارآمد ہے کہ اس نے بتایا ہے کہ وہ اس گروہ سے متعلق رہ چکی ہے۔ ہو سکتا ہے' ہمیں کبھی اس کی نشاندہی کی ضرورت پیش آ جائے۔'' بزمی صاحب نے کہا۔

''ہاں اس کے امکانات ہیں۔''

''چنانچہ اسے ہاتھ میں رکھو۔''

''میں ایک مشورہ دوں؟'' لیمپو آن بولا:

"ہاں......!"

"تمہیں ہوٹل کے اس کمرے میں ڈکٹیو فون لگانا چاہئے۔ یہاں پر باقاعدہ اس ڈکٹیو فون کی نشریات ریسیو کی جائیں گی۔ ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ لڑکی کا کوئی اور مقصد تو نہیں ہے۔"

"ڈکٹیو فون......"

"میرے پاس موجود ہے۔" لیپوآن نے کہا پھر جو چیز لیپوآن نے شہروز کو دی وہ بھی لیپوآن ہی کی ایجاد تھی۔ ایک چھوٹا سا آلہ جس میں ربڑ کے ٹپ لگے ہوئے تھے۔ اسے لکڑی لوہے' شیشے یا پتھر کسی بھی جگہ آسانی سے لگایا جا سکتا تھا۔ وائرلیس تھا لیکن لیپوآن نے بتایا کہ اس کی نشریات بہت وسیع ہیں اور اس کا یہ ریسیور انتہائی حساس ہے۔

"میں خود اسے آپریٹ کروں گا۔" لیپوآن نے کہا۔

"ٹھیک ہے' اب ہمارے سامنے وہ نام رہ جاتا ہے یعنی گولڈن بار کا شکیری۔ اس کے لیے کیا کیا جائے۔"

پھر کافی دیر تک وہ اس سلسلے میں مشورہ کرتے رہے تھے۔ ناہید اور قادر بخش کو انتہائی ذہانت کے ساتھ شکیری سے ملاقات کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ لیپوآن نے فیصلہ کیا تھا کہ ان کا میک اپ وہ خود کرے گا۔ چنانچہ یہ کام طے ہو گیا۔ شہروز کو ہوٹل واپسی کی ہدایت کر دی گئی۔ اس نے کئی بار ناہید کی آنکھوں میں ایک تکلیف کے سے آثار محسوس کیے تھے۔

☆......☆......☆

دونوں غضب ڈھا رہے تھے۔ قادر بخش ویسے ہی شاندار تن و توش کا آدمی تھا۔ اس کا کالا رنگ' ہانڈی کی طرح سر پر پھیلے ہوئے گھنگھریالے بال' لباس سے باہر نکل پڑنے والا بدن اس کی شاندار شخصیت میں چار چاند لگاتا تھا اور پھر جو لباس اس کے لیے منتخب کیا گیا تھا' وہ بھی بے مثال تھا۔ شیر جنگ اور بزمی صاحب نے تو جھومتے ہوئے کہا تھا:

"لیپوآن اس میں کوئی شک نہیں کہ تم جادوگر ہو۔"

جواب میں لیپوآن ایک عجیب سی ہنسی ہنسنے لگا تھا۔ بہرحال باقی تمام انتظامات بھی خود لیپوآن نے ہی کیے تھے۔ کارواں گروپ کے افراد کی اپنی اپنی ذمہ داریاں تھیں۔ بزمی صاحب کا کام یہ تھا کہ کوئی ایسی خبر جو انتہائی اہمیت کی حامل ہو اور دوسرے اخبارات اسے چھاپنے کے لیے تیار نہ ہوں' بزمی صاحب بڑے نمایاں طریقے سے چھاپیں۔ نتائج چاہے کچھ بھی برداشت کرنے پڑیں۔ اصل میں یہ کام اس لیے طے کیا گیا تھا کہ بہت زیادہ بڑے لوگ اخبارات پر مکمل تسلط رکھتے تھے اور اگر کوئی ایسی ویسی خبر ہوتی جسے حکومت بھی چھپانا چاہتی تو پھر اخبارات کی کیا مجال تھی کہ اس خبر کو چھاپا جا سکتا لیکن بزمی صاحب نے لیپوآن کی مشاورت سے یہ پالیسی بنائی تھی کہ پہلے اس خبر کو معصومیت کے انداز میں چھاپ دیا جائے اور بعد میں اگر اس پر کوئی اعتراض ہو تو پھر اس سلسلے میں معذرت کر لی جائے باقی ویسے بھی وہ اپنی پشت مضبوط کرنا چاہتے تھے اور اس کے لیے میٹنگز ہوتی تھیں اور مکمل منصوبہ بندی رکھی جاتی تھی۔ مثلاً یہ کہ ایسے صاحب اقتدار

لوگوں کی مدد حاصل کی جائے جو کسی ایسی ضرورت پر ان کی پشت پناہی کر سکیں اور ان صاحب اقتدار لوگوں کے لیے بھی کوئی ایسا عمل کیا جائے جس سے یہ مٹھی میں آسکیں۔اس سلسلے میں کام بھی شروع ہو گیا تھا۔

شیر جنگ کا کام یہ تھا کہ بڑے سے بڑے آدمی پر ہاتھ ڈال دے اسے اٹھا کر سلاخوں کے پیچھے پہنچا دے۔اگر اس نے کوئی جرم کیا ہو بزمی صاحب اس سلسلے میں اپنے اخبار میں اس کی تشہیر کریں۔بعد میں اگر کوئی مسئلہ بنتا ہے تو پھر اس کا مقابلہ کیا جائے گا۔اس طرح کارواں گروپ کا اپنا یہ انداز بھی انتہائی خطرناک تھا۔باقی جو کچھ ہو رہا تھا وہ بھی ایک دلچسپ عمل کی شکل میں تھا۔مثلاً یہ کہ پچاس لاکھ روپے لوسیا کی طرف سے شہروز کے اکاؤنٹ میں جمع ہو گئے تھے اور فوری طور پر انہیں شہروز کی ہدایت پر بینک سے ڈرا کر لیا گیا تھا تاکہ بعد میں کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔یہ رقم محفوظ کر دی گئی تھی۔

کارواں گروپ کے تمام افراد ان کارروائیوں سے مطمئن تھے۔بہر حال قادر بخش کو ایک شاندار نیگرو کی شکل دی گئی تھی اور اس قسم کے لباس اس کے لیے مہیا کیے گئے تھے جس سے وہ غیر ملکی ہی ثابت ہو۔لیمبو آن نے دوسرا میک اپ ناہید پر کیا تھا اور ناہید کے خوبصورت چہرے کو براؤن رنگ دے دیا گیا تھا۔وہ بھی ایک نیگرو لڑکی معلوم ہوتی تھی۔اخبار سے چھٹی حاصل کر لی گئی تھی اور اس کے بعد ایک فائیو سٹار ہوٹل میں ان کے لیے کمرہ بک کر لیا گیا۔وہ تمام کاغذات بھی تیار کر لیے گئے تھے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ لوگ کینیا سے آئے ہیں۔کام چھوٹا سا تھا لیکن مکمل طور پر پشت مضبوط کیے بنا کچھ کرنا مناسب نہیں تھا۔چنانچہ ہوٹل کا کمرہ، کاغذات سب چیزیں مکمل کرنے کے بعد وہ لوگ گولڈن بار چل پڑے۔

گولڈن بار بھی بہت شاندار جگہ تھی۔ایک بہت بڑی اور وسیع عمارت میں یہ بار بنایا گیا تھا۔بڑے مہذب طریقے سے اس میں تمام کارروائیاں کی گئی تھیں۔باہر شاندار پارکنگ تھی۔اس پارکنگ میں اتنے اعلیٰ درجے کی گاڑیاں نظر آرہی تھیں کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔بہر حال یہ ایک انکشاف تھا۔ناہید نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ جگہ معمولی حیثیت کی حامل نہیں ہو سکتی۔منشیات کا جو کھیل بڑے پیمانے پر شروع ہوا تھا اور اعلیٰ درجے کے فائیو سٹار ہوٹلوں تک پہنچا ہوا تھا۔ہو سکتا ہے گولڈن بار بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہو۔

وہ دونوں بار میں داخل ہو گئے۔نام گولڈن بار تھا اور ایک خاص ہی سلسلے میں اس تک راہنمائی ہوئی تھی لیکن ماحول بہت عجیب و غریب تھا اور اتنا مہذب اتنے سلیقے کا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔باادب باوردی ویٹر میزوں کے درمیان گردش کر رہے تھے۔میزوں پر بیٹھے لوگ بھی معمولی حیثیت کے مالک نظر نہیں آتے تھے۔ان دونوں کی تیز نگاہیں ماحول کا جائزہ لیتی رہیں لیکن کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی تھی جس سے یہ شبہ ہو سکے کہ یہاں منشیات کا کوئی کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ناہید نے کہا:

"شکیری کے بارے میں معلومات کس سے کی جائیں؟"

"اڑے ماں کسم......"

"نہیں قادر بخش ہونٹ مت ہلاؤ تمہیں گونگا بنے رہنا ہے۔"

''سارے......سارے......سارے......'' قادر بخش نے کہا اور ناہید نے بمشکل اپنے ہونٹوں کی مسکراہٹ روکی۔ قادر بخش سوری کو ہمیشہ سارے کہا کرتا تھا۔ ناہید نے کہا:

''بس سنتے رہو میرا خیال ہے میں کسی ویٹر سے......''

اسی وقت ایک ویٹر قریب سے گزرا تو ناہید خاموش ہو گئی' ویٹر ان کے پاس ہی آیا تھا۔

''بلیک آر وائٹ......'' ویٹر نے کہا اور ناہید سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''کیا کہا تم نے......؟'' وہ بگڑی ہوئی انگریزی میں بولی۔

''میڈم میں آپ سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ کوئی اور چیز درکار ہے آپ کو......'' ویٹر نے صاف ستھری انگلش میں کہا۔

''ہاں تم سے کچھ معلومات چاہئیں۔''

''جی پلیز!''

''مسٹر شکیری سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں میں......'' ویٹر [illegible]

''وجہ......''

''کیا تم شکیری ہو؟''

''نہیں میڈم میں تو ان کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔''

''انتہائی ضروری کام ہے ہم لوگ کینیا سے آئے ہیں اور خا[illegible]

''آپ کی خبر میں ان تک پہنچائے دیتا ہوں نام......؟''

''ملیتھا پوئے اور مسٹر اینگر۔''

''ٹھیک ہے میڈم۔''

ویٹر نے کہا پھر آگے بڑھتے ہوئے اس نے دو تین بار گھوم[illegible]

تھا' ہال میں دوسرے لوگ کام کر رہے تھے لیکن پھر تھوڑی دیر کے بعد و[illegible]

''آپ دونوں ہال سے باہر نکل جایئے۔ بائیں سمت گھو[illegible]

جایئے۔ ایک زینہ ہے جو اوپر کی منزل پر جاتا ہے وہاں چلے جایئے آ[illegible]

ویٹر سامان اٹھا کر واپس چل پڑا۔ ایک دو منٹ انتظار کرنا پ[illegible]

''قادر بخش ہوشیار کوئی خطرناک کھیل ہی ہو سکتا ہے۔''

''اڑے ماں قسم ناہید آپ فکر مت کرو۔'' قادر بخش نے جو

وہ دونوں گیراج میں پہنچے' گیراج میں انہیں زینہ نظر آ گیا تھا۔ زینے سے اوپر پہنچے تو ایک دبلے پتلے بدن کی لڑکی ملی۔

''میڈم لیتھا پوئے اور مسٹر اینگر۔''

''ہاں!''

''فرام کینیا؟''

''ہاں...... ہاں...... ہاں......''

''آیئے......''

لڑکی نے کہا اور اس کے بعد وہ ایک لمبے کوریڈور میں چلتی ہوئی ایک دروازے کے سامنے رکی۔ اس نے دروازہ کھولا اور اندر جانے کا اشارہ کیا۔ دونوں اندر داخل ہو گئے تھے۔ اندر بہت ہی خوبصورت فرنیچر لگا ہوا تھا۔ سامنے ایک صوفے پر بھاری بدن کا ایک غنڈوں جیسی شکل کا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ بے شک اس نے اعلیٰ درجے کا سوٹ پہنا ہوا تھا لیکن یہ سوٹ اس کی شخصیت سے بالکل نہیں ملتا تھا چہرے ہی سے گھٹیا آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن شان و شوکت دیکھنے کے قابل تھی یہی غالباً شکیری تھا۔ اس نے گہری نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا اور بولا:

''آیئے میڈم لیتھا پوئے اور مسٹر اینگر۔''

''کیا ہم مسٹر شکیری سے مل رہے ہیں؟''

''ہاں میں شکیری ہوں بیٹھئے آپ لوگ۔ مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔''

''جی!''

''کہئے کیا کام ہے مجھ سے یہ بتایئے آپ کیا پئیں گے؟''

''نہیں شکریہ مسٹر شکیری ہم لوگ کینیا سے آئے ہیں اور آپ کے لیے کچھ تحفے لائے ہیں۔ کیا آپ کو ڈیگوئے یاد ہے؟''

''کون؟''

''ڈی گوئے......''

''یہ کیا چیز ہے؟''

''اوہ افسوس ڈیگوئے کا کہنا تھا کہ جب میں آپ کے سامنے اس کا نام لوں گی تو آپ اسے فوراً پہچان لیں گے غالباً آپ کی ملاقات ملک سے باہر کہیں ہوئی تھی۔''

''میں نے آدھی دنیا کا سفر کیا ہے اور اس آدھی دنیا میں مجھے سینکڑوں افراد سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے مسٹر ڈیگوئے بھی انہی میں سے ایک ہو۔ ویسے میری یادداشت بہت زیادہ اچھی نہیں ہے۔ خیر چھوڑیئے آپ ان باتوں کو کیا کہا ہے ڈیگوئے نے میرے بارے میں آپ سے۔''

''ہم لوگ کچھ لے کر آئے ہیں شاید آپ نے اخبار میں پڑھا ہو کہ کینیا کا ایک جوڑا ایئر پورٹ پر اترا تو ایمیگریشن کے حکام کو اس کے بارے میں شبہ ہوا کیونکہ کہیں سے اس کے بارے میں مخبری ہوئی تھی لیکن وہ جوڑا بے داغ نکلا وہ جوڑا ہم ہی تھے لیتھا پوئے اور مسٹر اینگر۔''

''ٹھیک...... بات اب بھی آگے نہیں بڑھی۔'' شکیری نے کہا۔

''آپ کو لیتی کوس کے بارے میں علم ہوگا۔'' لیمپو آن کے کہنے کے مطابق ناہید نے کہا۔ یہ ایک ایسا نام تھا جس کے بارے میں وہ خود نہیں جانتی تھی لیکن شکیری کے انداز میں ایک دم تبدیلی رونما ہوئی۔

''ہاں پھر؟''

''ہم اسی کی ایک مناسب مقدار لے کر آئے ہیں۔''

''کتنی......؟'' شکیری بے اختیار بول پڑا۔

''تقریباً تین کلو۔''

''اوہ مائی گاڈ تین کلو......''

''ہاں!''

''جھوٹ بول رہے ہو تم......'' شکیری نے سرسراتی آواز میں کہا۔

''مسٹر شکیری ڈی گوئے نے کہا تھا کہ آپ ہمارے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آئیں گے آپ ہماری بات تک کا یقین نہیں کر رہے۔''

''بہت بڑی بات ہے' اتنی بڑی تعداد کو ایئر پورٹ سے نکال دینا معمولی بات نہیں ہے۔ خاص طور پر ہمارے یہاں باہر سے آنے والوں پر گہری نگاہ رکھی جاتی ہے تم لوگ باکمال لوگ ہو خیر چھوڑو اب یہ بتاؤ کیا چاہتے ہو؟''

''یہاں تو صورت حال ہی دوسری ہوگئی۔'' ناہید نے برے لہجے میں قادر بخش سے کہا اور قادر بخش نے شانے اچکا دیئے۔

''پھر یوں کرتے ہیں کہ کہیں اور......''

''اس کی ضرورت نہیں ہے تمہیں تھوڑا سا انتظار کرنا ہوگا میں اپنے باس سے بات کر کے تم کا کام کرا دوں گا لیکن معذرت کے ساتھ ایک بات ہے ضرور کروں گا۔''

''کیا......؟'' ناہید نے پوچھا۔

''جس شخص کا تم نے نام لیا ہے وہ ابھی تک میرے ذہن میں نہیں آیا لیکن تمہیں اور بات معلوم ہو چکی ہے کہ یہاں منشیات کی تجارت ہوتی ہے ہمیں بھی اپنی حفاظت کی ضرورت ہے۔''

''ٹھیک ہے۔''

"تمہیں کچھ وقت ہمارے ساتھ گزارنا ہوگا۔"

"کچھ وقت ہے۔"

"ہاں......"

"براہ کرم مجھے سمجھاؤ۔"

"ٹھہرے ہوئے کہاں ہیں؟" شگیری نے پوچھا اور ناہید نے اسے ہوٹل کا نام بتادیا۔

"کمرہ نمبر؟" شگیری نے کہا۔

"ایک سوانیس۔"

"[illegible]"

کچھ دیر کے بعد شکیری کے کچھ آدمی ان کے پاس آئے اور شکیری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا:

''جائیے میڈم ان لوگوں کے ساتھ چلی جائیے۔'' ناہید گردن ہلا کر اٹھ گئی تھی اور اس کے بعد وہ لوگ گولڈن بار سے باہر نکل آئے اور نیچے کھڑی ہوئی نیلے رنگ کی ایک کار میں جا بیٹھے۔ وہ دونوں آدمی ان کی راہنمائی کر رہے تھے۔ کار کے پچھلے حصے میں ناہید اور قادر بخش بیٹھے تھے باقی ان دونوں افراد میں سے ایک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی اور دوسرا اس کے برابر بیٹھ گیا تھا۔ وہ لوگ ان کی جانب سے بہت زیادہ محتاط نہیں نظر آ رہے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ شکیری نے انہیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ہدایت نہیں کی تھی۔

کار چل پڑی اور یہ لوگ راستہ ذہن نشین کرنے لگے۔ زیادہ فاصلہ نہیں طے کرنا پڑا تھا۔ کار ایک چھوٹے سے کاٹیج کے سامنے رک گئی جس کے دروازے پر دو آدمی نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کے پاس گن موجود تھی۔ دوسرا اس کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ کار کو دیکھ کر دونوں مستعد انداز میں کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں سگریٹ جل رہی تھی جسے اس نے فوراً خاموشی سے نیچے ڈال کر پاؤں سے مسل دیا۔ اس سے اس بات کا اظہار ہوتا تھا کہ جو دو افراد ان لوگوں کو لے کر آئے تھے وہ بھی کسی اچھی ہی حیثیت کے مالک تھے۔ ظاہر ہے شکیری کے آدمی ہوں گے اور شکیری نے بلاوجہ ان لوگوں کی خدمات نہیں حاصل کی ہوں گی۔

وہ دونوں نیچے اتر گئے اور ان میں ایک نے پر ادب لہجے میں کہا:

''میڈم لیتھا پوئے اور مسٹر اینگر آئیے۔''

صاف ستھری انگریزی میں یہ جملے کہے گئے تھے۔ ناہید اور قادر بخش ان کے ساتھ چل پڑے۔ گیٹ پر کھڑے ہوئے لوگوں نے پر ادب انداز میں گیٹ کھولا تھا۔ آنے والے دونوں افراد میں سے ایک آگے اور ایک پیچھے تھا۔ آگے والا ان کی راہنمائی کر رہا تھا۔ وہ اندر داخل ہو گئے۔ صاف ستھرا چھوٹا سا کاٹیج تھا۔ وہ انہیں لیے ہوئے اندر آئے اور پھر ایک بیڈروم کی طرف اشارہ کر کے بولے:

''اس کاٹیج میں تین بیڈروم ہیں میڈم لیتھا پوئے! یہ آپ کی مرضی ہے کہ ان میں سے کسی کا انتخاب کر لیں اور یہاں آرام سے وقت گزاریں۔ دو افراد آپ نے گیٹ پر دیکھے دو اور یہاں موجود ہیں جن میں ایک عورت ہے۔ وہ آپ کے کھانے پینے کا خیال رکھے گی۔ مسٹر شکیری نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کو کتنا وقت یہاں قیام کرنا پڑے گا لیکن انہوں نے یہ ہدایت کر دی ہے کہ آپ کی ہر ضرورت کا خیال رکھا جائے اور کسی طرح کی کوئی تکلیف آپ کو نہ ہو۔ ہاں میڈم ایک درخواست اور ہے یہاں ہر جگہ کیمرے لگے ہوئے ہیں اور یہاں ہونے والی ہر کارروائی کو ضروری افراد دیکھ رہے ہیں اس لیے براہ کرم ایسا کوئی عمل نہ کریں جس سے آپ کی عزت میں کمی آ جائے۔ معاف کیجئے گا ہماری یہ جرات نہیں کہ ہم یہ الفاظ اپنے طور پر آپ سے کہیں جو کچھ ہو رہا ہے مسٹر شکیری کی ہدایت پر ہو رہا ہے۔''

''او کے...... او کے۔ تم لوگ اطمینان رکھو۔ ہم یہاں مسٹر شکیری کے پاس ایک اچھے ارادے کے ساتھ آئے ہیں اور آخر تک یہی چاہیں گے کہ اچھے ارادے کے ساتھ سارے کام ہوں۔''

''شکریہ۔'' وہ دونوں گردن جھکا کر باہر چلے گئے جس بیڈروم کی جانب اشارہ کیا گیا تھا۔ ناہید نے اسی کا دروازہ کھولا۔ بہت بڑا

کمرہ تھا۔ شاندار فرنیچر سے آراستہ۔ اٹیچ باتھ' ضرورت کی ہر چیز یہاں موجود تھی۔ ناہید خاموشی سے کرسی پر آ بیٹھی۔ قادر بخش نے کچھ بولنا چاہا تو اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔ قادر بخش حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ناہید نے دوبارہ اسے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کی ہدایت کی اور اس کے بعد ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسے کاغذ اور قلم کی تلاش تھی۔ اس دوران لیمپو آن اور کائی شی قادر بخش کو پڑھاتے بھی رہے تھے۔ قادر بخش کی تو شخصیت ہی بدل کر رہ گئی تھی۔ پہلے وہ ایک عام سا آدمی نظر آتا تھا لیکن اب جس طرح کے لباس وہ استعمال کرتا وہ اس کے شاندار کیے ہوئے اور لمبے تڑنگے جسم پر بہت ہی خوبصورت لگتے تھے۔ شکل وصورت اپنی جگہ لیکن وہ بھی پرکشش تھی اور تھوڑی بہت تعلیم نے اس کی شخصیت میں کافی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔

آخر کار ناہید کو ایک جگہ سے کاغذ اور قلم مل گئے تو اس نے لکھا:

''قادر میں تمہیں گونگا بہرہ کہہ چکی ہوں' اس لیے تم بولو گے نہیں اور ان لوگوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہاں کیمرے لگے ہوئے ہیں غلط نہیں ہوگا۔ میرا خیال ہے وہ دیکھو سامنے کارنس کے اوپر ایک چھوٹا سا سوراخ نظر آ رہا ہے۔ اتنی خوب صورت فنشنگ کے بعد اس سوراخ کا یہاں ہونا مشکوک ہے۔ ایسی مشکل میں ہم کوئی رسک نہیں لے سکتے۔ اس لیے بولنے سے گریز کرو۔'' قادر بخش نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی تھی۔

بہرحال یہ لوگ لکھ لکھ کر آپس میں تبادلہ خیال کرتے رہے۔ ناہید نے کہا:

''تھوڑا سا وقت ہمیں بالکل خاموشی سے ہی گزارنا ہوگا۔ ہم کوئی ایسا عمل نہیں کریں گے جس سے شکیری پر ہماری اصلیت واضح ہو جائے۔'' قادر بخش نے پھر گردن ہلا دی تھی اور اس کے بعد یہ دونوں آرام کرنے کے لیے الگ الگ بستروں پر لیٹ گئے۔ تھوڑی سی تھکن بھی ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

شہروز نے نیشا کو دیکھا۔ اداس سی بیٹھی ہوئی تھی۔ شہروز مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

''ہیلو نیشا......''

''ہیلو......''

''کیا بات ہے خیریت؟''

''ہاں خیریت تو ہمارے ساتھ ہی رہتی ہے۔''

''اداس ہو؟''

''اداسی بھی زندگی کا حصہ ہوتی ہے۔''

''کیوں؟'' شہروز ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"جس کے سامنے اس کا کوئی مستقبل نہ ہو وہ اداس نہ رہے تو کیا کرے؟"

"میرا خیال اس سے مختلف ہے۔"

"کیا؟" نیشا نے سوال کیا۔

"مستقبل کو مستقبل پر چھوڑ دینا چاہیے۔ ہم لوگ اپنی مرضی سے اگلا سانس نہیں لے سکتے تو اپنے مستقبل کے لیے اتنا پریشان کیوں ہوں۔ فیصلے ہمیشہ وقت کرتا ہے کبھی کبھی ہم اپنے مستقبل کا پورا پورا پروگرام بنا لیتے ہیں لیکن اس پروگرام کا کوئی پہلو ہمارے سامنے نہیں آتا اور وقت ہمارے بارے میں جو فیصلہ کرتا ہے ہمیں اسی سے اتفاق کرنا پڑتا ہے۔" نیشا نے معصوم انداز میں گردن ہلائی تھی' پھر وہ بولی:

"کہاں ہو آئے؟"

"بس نیشا آگے کے بارے میں سوچ رہا ہوں کہ کیا کرنا چاہیے۔"

"تم بھی یہی سوچ رہے ہو۔" وہ مسکرائی۔

"ہاں۔ فرض کرو نیشا اگر میں تم سے یہ کہوں کہ نیشا بتاؤ ہمیں مستقبل کیسے گزارنا چاہیے؟"

"تو تم مانو گے نہیں۔" نیشا نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بس وہی فطرت انسانی والی بات۔ لوگ کس طرح زندگی گزارتے چلے آئے ہیں۔ میں عام لوگوں کی بات کر رہی ہوں۔"

"مگر ہم عام لوگ تو نہیں ہیں۔"

"ہر شخص عام ہی ہوتا ہے شہروز...... ہر شخص عام ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وقت اسے طرح طرح کی شکلیں دے دیتا ہے۔ یہ صرف وقت کے فیصلے ہوتے ہیں انسانوں کے نہیں۔"

دونوں دیر تک خاموش رہے تھے پھر شہروز نے کہا:

"تمہاری شکل بدلی ہوئی ہے نیشا! تم بھی اگر چاہو تو باہر نکل سکتی ہو۔" نیشا نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا' پھر بولی:

"میں باہر نکل کر کیا کروں گی اور وہ بھی تنہا۔ تم اگر چاہو اور مناسب سمجھتے ہو تو چلو دونوں چلتے ہیں۔" شہروز نے کوئی اعتراض نہیں کیا پھر اس کے بعد وہ رات تک شہر گردی کرتے رہے تھے حالانکہ شہروز نے سوچا تھا کہ اگر تنہا باہر جانے کے لیے تیار ہو جائے اور اس اعتماد کے ساتھ کہ اب اس کے چہرے پر میک اپ ہے اور کوئی اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا تو بات دوسری ہو جاتی ہے۔

بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ رات کو انہوں نے ایک ہوٹل میں کھانا کھایا۔ نیشا کسی قدر خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا:

"مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے۔ بہت ہی عجیب' جو زندگی میں نے گزاری ہے اس کے بارے میں میں نے تم سے چھپایا نہیں ہے لیکن تم یقین کرو انسانی زندگی کا صحیح راستہ ایک ہی ہے محبت...... محبت...... اگر کہیں کسی کو کسی سے محبت مل جائے تو میں سمجھتی ہوں کہ

زندگی بڑی پرسکون ہو جاتی ہے۔"

"شاید مجھے اس کا تجربہ نہیں ہے۔"

"کیوں تم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی؟"

"شاعرانہ باتیں ہیں اگر میں تم سے یہ کہوں کہ محبت کی نہیں ہو جاتی ہے تو یہ ہزاروں بار کہی ہوئی بات ہے۔ میں کوئی نئی بات نہیں کہہ سکتا۔"

"چلو ٹھیک ہے ہم کس بحث میں الجھ گئے۔ وقت واقعی اپنے فیصلے خود کرتا ہے۔ ہم کچھ بھی سوچ لیں وقت ہماری قید میں کبھی نہیں آتا۔ دیکھو ہمارے ہاتھ کتنے خالی ہیں۔ کچھ بھی نہیں ہے ہمارے پاس۔ ہم اپنی زندگی کے اگلے سانس کا فیصلہ نہیں کر سکتے تو پھر کیوں مستقبل کے لیے پریشان رہیں جس نے اس کائنات میں ہمیں بھیجا ہے وہی ہمارے مستقبل کا فیصلہ بھی کرے گا اس کے کام ہم کیوں سنبھالیں۔"

"تم مذہبی ہو؟"

"مذہبی کون نہیں ہوتا' جس گھر میں پیدا ہوئی تھی اس گھر میں یقیناً میرا نام جو کچھ بھی رکھا گیا انہوں نے اپنے مذہب کے تحت رکھا ہوگا۔ مجھے انہوں نے وہی سب کچھ سکھایا جو وہ خود جانتے تھے اور انہیں ان کے ماں باپ نے۔ ہماری اپنی کوئی ریسرچ تو نہیں ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ جس مذہب کے ہم پیروکار ہیں اس کی صحیح حیثیت کیا ہے۔ ہمیں اس کی اچھی باتیں ہی بتائی گئی ہوتی ہیں لیکن ہر چیز کے کچھ مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ یار کہاں پھنسا دیا تم نے؟ کیوں ایسی باتیں کر رہے ہو؟ چھوڑو ہنسی خوشی کی باتیں کریں۔ اچھا ایک بات بتاؤ؟"

"ہاں بولو......"

"تم مجھ سے شادی کرو گے؟"

"ہاں بتاؤ کیوں کیا بات ہے۔ میں ایک عورت ہوں' گناہوں کی زندگی سے گزری ہوں اس لیے عورت نہیں رہی نا۔"

"نہیں نیشا یہ بات نہیں ہے۔"

"تو پھر......"

"دیکھو میں تمہیں ایک بات بتاؤں جب ہم وقت کے فیصلوں کو مانتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ فیصلہ وقت ہی کرتا ہے تو میرے اندر اگر کچھ گناہ ہیں تو وہ بھی وقت کی دین تھے میرا تو اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔" شہروز کے پاس کوئی جواب نہیں رہا تھا۔ وہ ہوٹل واپس آ گئے۔ شہروز نے یہ سوچا تھا کہ ڈکٹیفون کو کسی ایسی جگہ لگا دے جہاں سے وہ لیپو آن کے کہنے کے مطابق نیشا کی باتیں سن سکے۔ دن میں تو موقع نہیں ملا تھا۔ رات کو جب وہ لوگ بستر پر لیٹ گئے اور نیشا کی گہری گہری سانسیں ابھرنے لگیں اور شہروز کو یہ اطمینان ہو گیا کہ اب وہ گہری نیند سو گئی ہے تو اس نے ڈکٹیفون کی ٹیپ ایک ایسی جگہ لگا دی جہاں سے اس سے نشر ہونے والی آواز آرام سے سنی جا سکے۔

☆......☆......☆

تیسرے دن شکیری نے ان لوگوں سے ملاقات کی۔ وہ کافی نرم نظر آ رہا تھا۔ اس نے کہا:

”کہیے میڈم لیتھا پوئے آپ کو کسی طرح کی کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی۔“

”نہیں۔ آپ نے واقعی ہمارے لیے خاصا بہتر بندوبست کیا ہے۔ جس کے لیے ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں لیکن سب سے بڑی الجھن ہمارے ذہن میں یہی ہے کہ ہمارا کام ابھی نہیں ہو سکا۔“

”بہت جلدی ہو جائے گا۔ آپ کے ہوٹل سے آپ کے کاغذات، پاسپورٹ اور دوسری چیزیں میں نے اٹھوالی ہیں۔ اب آپ کو یہاں سے نکلنے کے بعد بھی اگر ہوٹل میں رہنا ہے تو اس کا بندوبست میں کروں گا۔ آپ میرے معزز مہمان ہیں۔“

”شکریہ مسٹر شکیری۔“

”لیکن ایک بات لیتی کوسس کا کوئی نشان نہیں ملا مجھے......!“

”کیا وہ اتنی عام سی بات ہے؟“

”تو پھر وہ کہاں ہے؟“

”میں آپ کو اب ضرور بتاؤں گی کیونکہ آپ نے میرے ساتھ تعاون کیا ہے اس کے بعد آپ سے کچھ چھپانا بالکل بے کار سی بات ہے۔“

”اگر آپ نے یہ بات محسوس کی ہے تو میں بھی آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔“

”میں یہاں اکیلی نہیں ہوں، مجھ سے پہلے بھی یہاں ہماری آرگنائزیشن کے کچھ لوگ موجود ہیں جو خفیہ طریقے سے کام کر رہے ہیں اور ہر شخص کا اپنا اپنا ایک الگ اصول ہے۔“

”اوہ مائی گاڈ! میرے ذہن میں یہی بات تھی کہ واقعی آپ اکیلی نہیں ہیں لیکن اس دوران کیا آپ نے کسی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔“

”میں نے کہا نا کہ ہم لوگ جو کام کرتے ہیں وہ اپنے طور پر ہوتا ہے اور اس میں کسی کی مداخلت نہیں ہوتی۔ کیا سمجھے آپ؟ میں تین کلو لیتی کوسس لے کر آئی ہوں۔ میری یہ امانت ایئرپورٹ سے نکلنے کے بعد کسی کے پاس محفوظ ہو گئی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس میں کیا ہے اگر میرا آپ سے سودا ہو گیا اور آپ کو اطمینان ہو گیا تو وہ امانت آپ کے حوالے کر کے میں بیس پرسنٹ معاوضہ اسے دے دوں گی اور تیس پرسنٹ ہمارا ہو گا یعنی میرا اور میرے دوست اینگر کا۔ ففٹی پرسنٹ ہم اس کا تنظیم کے حوالے کر دیں گے۔ یہی ہمارے اصول ہیں۔“

شکیری سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر اس نے کہا:

”آپ بتانا پسند کریں گی کہ تین کلو لیتی کوسس کا معاوضہ ہمیں کیا ادا کرنا ہو گا؟“

”دس کروڑ۔ دس کروڑ مقامی کرنسی میں یا پھر ین یا امریکن ڈالر کی شکل میں اور یہ رقم آپ کو کیش ادا کرنی ہو گی۔“

"کیا یہ معاوضہ بہت زیادہ نہیں ہے؟"

"سودے بازی کی جا سکتی ہے۔"

"فرض کیجیے میڈم میں آپ کو دو کروڑ کیش ادا کر دوں اور باقی ہمارے درمیان جو طے ہوتا ہے یعنی چھ کروڑ چار کروڑ آپ کو مال تحویل میں لینے کے بعد ادا کر دیا جائے۔"

"یہ ممکن نہیں ہو گا مسٹر شکیری۔"

"کیوں؟"

"میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ بے شک ہم مال لے کر آئے ہیں لیکن کچھ اور لوگ بھی اس میں باقاعدہ ملوث ہیں۔"

"فرض کیجیے اگر میرا آپ سے معاملہ نہیں طے ہوتا۔"

"برا تو نہیں مانیں گے آپ مسٹر شکیری۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"ہمارے پاس اور بھی کئی ایسے پوائنٹ ہیں جہاں ہم اپنا یہ کام کر سکتے ہیں لیکن میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں آپ تک کیسے اور کیوں پہنچی؟"

"کیا آپ چھ کروڑ میں اس معاملے کو ڈن کر سکتی ہیں؟"

"آپ اس کی کچھ رقم بڑھا دیجیے۔"

"چلیے سات کروڑ۔"

"غور کا موقع دیں گے؟"

"نہیں۔ فیصلہ ابھی اور اسی وقت ہو گا۔ میں بھی لمبے کام کرنے کا عادی نہیں ہوں کیونکہ لمبے کاموں میں وقت کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔" ناہید نے کہا۔

"دو کروڑ میں آپ کو کیش ادا کر دیتا ہوں۔ مال مجھے دکھا دیجیے۔"

"آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔"

"میں تیار ہوں۔"

"کب؟"

"مجھے آج کا دن دیجیے۔ پہلے تو آپ کے لیے کیش مہیا کرنا ہے پھر کچھ لوگوں کا ساتھ بھی حاصل کرنا ہے۔"

''اوکے ہمیں منظور ہے۔'' شکیری نے ان کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا تھا۔ وہ واپس چلا گیا اور جب انہیں اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ وہ جا چکا ہے تو ناہید نے کاغذ پر لکھا:

''اب ہمیں مسٹر لیمپو آن کو اس کے بارے میں اطلاع دے دینی چاہیے۔''

''ٹھیک ہے۔'' قادر بخش نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔ ناہید اس سے وہی گفتگو کرتی تھی جس کے جواب میں قادر بخش صرف گردن ہلا کر جواب دے رہے تھے لیکن قادر بخش نے کتنی ہی بار یہ بات کاغذ پر ضرور لکھی تھی کہ نا بولنے سے اس کی زبان اکڑنے لگی ہے۔

''مجھے احساس ہے قادر بخش لیکن بعض اوقات مجبوری ہوتی ہے۔''

''اڑے ماں کسم اپن جانتا ہے۔ بس ایسے ہی لکھ دیا۔''

''ایک بڑی دلچسپ بات ہے۔'' ناہید نے لکھا۔

''کیا......؟''

''تم جو کچھ بولتے ہو وہی لکھتے بھی ہو۔''

قادر بخش جھینپتے ہوئے انداز میں مسکرانے لگا تھا۔ پھر اس نے لکھنے کے لیے کاغذ اور پیڈ مانگا تو ناہید نے دونوں چیزیں اس کی طرف بڑھا دیں۔ قادر بخش نے لکھا۔

''ابھی آپ بولا کہ اب ہمیں مسٹر لیمپو آن کو اس بارے میں اطلاع دے دینی چاہیے۔''

''ہاں......''

''اڑے بابا اطلاع کیسے دیں گے؟''

''کیوں موبائل ہمارے پاس ہیں۔ میں انہیں آرام سے میسج کر کے اطلاع دے سکتی ہوں۔'' ناہید نے کہا اور قادر بخش اپنا سر پیٹنے لگا۔

☆......☆......☆

کارواں گروپ کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ بڑی ماما، پاپا، شیر جنگ، لیمپو آن، کائی شی اس میٹنگ میں شریک تھے۔ کسی اہم مسئلے پر غور ہو رہا تھا۔

شیر جنگ نے کہا۔ ''[illegible] شاہ ہے اس کا نام۔''

''کون ہے؟'' [illegible] نے پوچھا۔

''[illegible] ہوئی ہے۔''

''کیا مطلب......؟'' کائی شی نے چونک کر پوچھا۔

''اس کے اپنے کچھ اصول تھے۔''

''تو پھر......''لیپو آن نے پوچھا۔

''اصولوں پر کبھی سودے بازی نہیں کرتا تھا جس کے نتیجے میں اس کی کبھی ترقی نہیں ہوسکی۔ تھوڑا سا سید ھے مزاج کا بندہ تھا۔''

''آپ کا کوئی عزیز تھا؟''

''نہیں۔ بس مجھے عزیز تھا۔ کب کا ایس ایچ او بن چکا ہوتا لیکن وہی اصولوں کی بات ......ایک بڑے عہدیدار کے بیٹے کو پکڑ لیا۔ اس نے جرم کیا تھا لیکن اپنے باپ کے بل پر اکڑ رہا تھا۔ زبیر شاہ نے اسے خوب زخمی کر دیا۔ نتیجے میں اسے معطل کیا گیا بلکہ بعد میں نوکری سے نکال دیا گیا۔''

''کہاں ہے؟''

''نواب پور میں۔ وہیں جوتوں کی دکان کھول رکھی ہے۔''

''جوتوں ہی کی کیوں؟''

''بس موڈی ہے۔''

''قابل اعتماد ہے؟''

''بالکل ہے۔''

''کام کا بندہ بھی ہے؟''

''آزمایا جاسکتا ہے۔''

''کیسے......؟''

''جوتوں کی دکان کی آڑ میں لوگوں کی مشکلیں بھی حل کرتا ہے۔''

''کس طرح......؟''

''معاوضہ لے کر۔''

''ٹھیک ہے شیر جنگ صاحب! آپ اس کے بارے میں فیصلہ کریں اور اگر اسے اس قابل سمجھتے ہیں تو پھر آپ اسے طلب کر لیں لیکن ایک بات بتایئے جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ جوتوں کی دکان کھولے ہوئے ہے اور لوگوں کے چھوٹے موٹے کام بھی معاوضے لے کر کر دیتا ہے' ان کاموں کی نوعیت کیا ہے؟''

''مجھ سے بہت بے تکلف ہے' کہہ رہا تھا کہ تلوار سے سبزی کاٹنے کا کام لیا جا رہا ہے۔ وہ بڑے بڑے کام کرنا چاہتا ہے۔ ملک دشمنوں کے خلاف جنگ کرنا چاہتا ہے۔ اژدہوں کو مارنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس وسائل نہیں ہیں۔ بس چھوٹے موٹے جھگڑے

لیجئے۔

”میڈم میں نے شگیری کو کافی حد تک شیشے میں اتار لیا ہے۔ میں اسے لے کر کارواں ہاؤس آ رہی ہوں۔ جو پورا پروگرام میں نے بنایا ہے اس کی تفصیل نہیں بتا سکتی۔ کارواں ہاؤس پر آپ میرا انتظار کریں اور پھر وہاں سے میرا تعاقب کیا جائے۔ قادر بخش معمول کے مطابق میرے ساتھ ہوگا۔“

کائی شی نے یہ میسیج پڑھ کر سب کو سنایا تو بزمی صاحب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا:

”حقیقت یہ ہے مسٹر لیپو آن کہ آپ نے جن ہیروں کا انتخاب کیا ہے ان کی مثال ناممکن ہے۔ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ان میں سے ہر شخص بے مثال ہے۔“

”مگر مجھے ایک بات پر ذرا سا اعتراض ہے۔“ شیر جنگ نے کہا۔

”کیا؟“

”کارواں ہاؤس سب کی نگاہوں سے محفوظ رہنا چاہئے۔ ہماری مجبوری ہے کہ ہم ہر طرح کے افراد کو یہیں لاتے ہیں۔ کبھی کوئی ایسا موقع بھی آ سکتا ہے کہ کارواں ہاؤس لوگوں کی نگاہوں میں آ جائے۔“ لیپو آن نے فوراً کہا:

”ہاں میں اور کائی شی اس موضوع پر بات کرتے رہے ہیں۔ ہماری اس بار کی آمدنی جو کچھ بھی ہوگی اس سے ہم کم از کم دو ایسے مکانات خریدیں گے جو ہمارے سب ہیڈ کوارٹر کا کام دیں گے۔“

”تو پھر تیاری کی جائے ناہید کے استقبال کی۔“ کائی شی نے کہا اور سب اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔

☆......☆......☆

دو دن گزر چکے تھے اس دوران ایک طرح سے خاموشی ہی طاری رہی تھی۔ نیشا باتیں کرتی رہتی تھی۔ ویسے بھی شہروز نے ابھی تک کوئی ایسا جامع پروگرام نہیں بنایا تھا جس سے وہ آگے بڑھ سکے۔ اس دوران دوبار اس نے لوسیا کی کال موصول کی تھی اور اس نے کہا تھا کہ شہروز اپنے کام کو جاری رکھے۔ اس نے یہ بھی اطلاع دی تھی کہ پچاس لاکھ روپے شہروز کے اکاؤنٹ میں منتقل کر دیئے گئے ہیں۔

پھر تیسرے دن تھوڑی سی بات بنی۔ ڈکٹیو فون ریسیور پر ہلکی ہلکی کھڑکھڑاہٹوں کے بعد نیشا کی آواز ابھری تھی۔

"ہیلو...... ہاں...... ابھی تک کوئی اہم بات میرے علم میں نہیں آسکی سب ٹھیک ہے۔ اس کے بارے میں بھی کوئی صحیح اندازہ نہیں ہوسکا۔ ویسے وہ منشیات گروپ کے چکر میں ہے۔ اس بات کا مجھے علم ہو چکا ہے۔ جی بتایئے کیا کیا جائے؟ ٹھیک ہے آج رات میں اسے بے ہوش کر دوں گی۔ آپ انتظام کر لیجیے۔ کیا مطلب؟ ہوٹل سے باہر نکالنا مشکل ہوگا تو پھر دوسرا کام کیا جاسکتا ہے۔ میں اسے لے کر ساحل سمندر پر پہنچ جاؤں گی وہاں آپ لوگ خود بندوبست کر لیجیے حالانکہ میں نہیں سمجھتی کہ ہم اس سے کچھ اور معلوم کرسکیں گے۔ بہت سخت آدمی ہے۔ چلیں ٹھیک ہے میں اسے ساحل پر لے آؤں گی۔ اوکے۔"

اس کے بعد آواز بند ہوگئی تھی اور شہروز سکتے کے سے عالم میں رہ گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ نیشا جان بوجھ کر اس کے پیچھے لگی ہے۔ بعض اوقات واقعات اس طرح پیش آتے ہیں کہ انسان ان کے بارے میں صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ نیشا غلط ثابت ہو چکی تھی۔ کئی بار شہروز کے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ اس لڑکی کی مدد کی جائے۔ دنیا سے کٹی ہوئی لڑکی ہے۔ خیر خود اس کے دل میں تو ناہید کے لیے ایک مقام پیدا ہو چکا تھا لیکن نیشا کے بارے میں بھی وہ اسی انداز میں سوچتا تھا کہ اسے بری زندگی سے نجات دلائی جائے۔ اگر لیمپوآن کو کوئی اعتراض نہ ہو تو اسے کسی بھی شکل میں کارواں گروپ میں شامل کر لیا جائے لیکن اس وقت اس نے ہمیشہ کے لیے اپنے آپ کو محتاط کر لیا۔ ایسی کوئی ذمہ داری کبھی قبول نہیں کرنی چاہیے ورنہ سارا معاملہ خراب ہو جائے گا۔ البتہ اب اس نے یہ سوچا تھا کہ نیشا کو آزاد نہیں رہنا چاہیے۔ اب یہ تو وہ خود بتائے گی کہ وہ کون لوگ ہیں جن سے اس نے گفتگو کی ہے۔

پچھلے کافی دن اس کی نگاہوں میں آنے لگے۔ نیشا بہر حال ایک چالاک لڑکی تھی۔ اس نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ شہروز کو اپنے جال میں پھانسہ تھا اور اپنا کام کر رہی تھی۔ بہر طور یہ ساری باتیں شہروز کے دل میں آئیں۔ ڈکٹیو فون ریسیور کی کیفیت یہ تھی کہ وہ خود پر سنی جانے والی ہر طرح کی گفتگو ریکارڈ کر لیتا تھا اور اس وقت شہروز کے پاس نیشا کی اس گفتگو کا ریکارڈ موجود تھا اور یہ ریکارڈ نیشا کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر سکتا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیشا کو لے کر کہاں جائے۔ نیشا تو خیر اسے ساحل سمندر سے اغوا کرنا چاہتی تھی۔ ایک دم سے اس کے دل میں یہ بھی خیال آیا کہ وہ اغوا ہو جائے کم از کم یہ تو پتا چل جائے گا کہ وہ کون لوگ ہیں لیکن یہ حماقت کی بات تھی۔ اپنے آپ کو بہت زیادہ آگے کی چیز سمجھنا سخت نقصان دہ ہوسکتا تھا۔ وہ سوچتا رہا۔ آخر کار یہی فیصلہ کیا کہ نیشا کو بے ہوش کر کے کارواں ہاؤس لے جائے گا لیکن اس کے لیے تھوڑی سی تفریح ہوتے رہنا ضروری ہے۔ شام کو نیشا نے اس سے کہا:

"کیا خیال ہے ہم کہیں آؤٹنگ کے لیے چلیں آج۔ نجانے کیوں دل گھبرا رہا ہے۔"

"جیسا تم چاہو نیشا۔"

"تمہارا موڈ نہیں ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ویسے ایک بات کہوں؟"

"کہو۔"

"پچھلے کچھ دنوں سے تم مجھے الجھے الجھے سے لگ رہے ہو؟"

"میری تو آدھی زندگی الجھے الجھے گزر گئی ہے نیشا۔"

"ہاں بولو۔"

"ہمیں اپنی شخصیت بالکل ہی بدل دینی چاہیے۔"

"کس طرح؟"

"تم جو کچھ بھی کرتے رہے ہو وہ چھوڑ دو میں جو کچھ کرتی رہی ہوں وہ چھوڑ دوں۔ ہم لوگ نئے زندگی کا آغاز کریں۔ اپنی پسند اور اپنی مرضی کے مطابق۔ ماضی کو بھول جائیں۔"

"سوچا جا سکتا ہے اس مسئلے میں لیکن نیشا ایک بڑے افسوس کی بات ہے۔"

"کیا؟"

"دور بہت غلط چل رہا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"بعض اوقات انسان کی تمام سوچیں مٹی میں مل جاتی ہیں۔ دل میں کچھ ہوتا ہے سامنے کچھ آتا ہے۔"

"مطلب؟"

"کاش میں تمہیں مطلب سمجھا سکتا۔ بس ایسی ہی الجھن آج کل میرے وجود پر مسلط ہے۔"

"چلو باہر چلتے ہیں۔ سیر و سیاحت کریں گے۔ میرا خیال ہے ساحل سمندر پر چلنا موزوں رہے گا۔ سمندر کی خوبصورت ٹھنڈی ہوائیں لہروں کی بے چینی شاید ہماری فطرت کو کچھ سکون بخشے۔"

شہروز مسکرا دیا۔ بہرحال وقت مقررہ پر وہ باہر نکل آئے۔ نیشا نے بہت خوبصورت لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ شہروز کے دل میں کچھ عجب سی کیفیت تھی اس وقت وہ واقعی اپنے آپ کو ذہنی طور پر الجھا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

بہت دیر تک وہ مختلف سمتوں میں چکراتے رہے اور آخر کار جب شام رات میں بدل گئی تو نیشا کے کہنے پر وہ ساحل کی جانب

چل پڑے۔ شہروز اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا وہ جانتا تھا کہ ساحل پر ایک ہنگامہ اس کا منتظر ہے لیکن وہی ذہنی الجھن۔ ماضی کے بھٹکے بھٹکے نقوش۔ اس کے اندر ایک عجیب سی کیفیت پیدا کیے ہوئے تھے۔

نیشا کے کہنے پر ایک ایسے ساحل کا رخ کیا گیا جو عام جگہ سے دور دراز تھا اور وہاں کم ہی لوگ جایا کرتے تھے۔ شہروز جانتا تھا کہ [illegible]

[illegible]

"[illegible]"

"[illegible]"

"دیکھو ہر انسان ساری زندگی بجانے کیا کیا غلطیاں کرتا ہے لیکن اگر کبھی کوئی اپنی برائیوں کی دنیا سے باہر نکلنا چاہے تو کیا کسی اچھے انسان کو اس کی مدد نہیں کرنی چاہیے۔"

"کرنی چاہیے۔"

"میں تمہیں اپنا ماضی بتا چکی ہوں۔"

"ہوں۔"

"بہت بری رہی ہوں میں لیکن اگر میں اپنی ساری برائیوں کو اس وقت سمندر کی نذر کر دوں تو کیا تم میرے بارے میں سوچ سکو گے؟"

"تمہارے بارے میں تو میں اب بھی بہت کچھ سوچتا ہوں نیشا.....!"

"میں نے تمہاری آنکھوں میں کبھی اپنے لیے وہ چیز نہیں دیکھی جس کا میں انتظار کرتی ہوں۔"

"تم نے کبھی میری آنکھوں میں غور سے دیکھا بھی ہے نیشا؟" شہروز نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہا۔ دور دور تک خاموشی اور سناٹا پھیلا ہوا تھا لیکن تھوڑے فاصلے پر ایک عجیب و غریب قسم کی بند وین کھڑی نظر آ رہی تھی۔ شہروز نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ جو کچھ بھی برآمد ہوگا اسی لکڑی کے گھوڑے سے ہوگا۔ اس کے ذہن میں ہیلن آف ٹرائے کی کہانی گردش کر رہی تھی اور اس کا اندازہ بالکل ٹھیک ہی نکلا تھا' وہ لہروں کی جانب رخ کیے آہستہ خرامی سے ایک ایک قدم چل رہے تھے اور ان کے درمیان جذباتی گفتگو ہو رہی تھی کہ وین کے دوسرے حصے سے پانچ چھ افراد نیچے اترے۔ انہوں نے سیاہ لبادے پہنے ہوئے تھے اور ان کے رنگ کچھ اس طرح کے تھے کہ وہ رات کی تاریکی میں گم ہو گئے تھے۔ ویسے بھی یہ سمت بالکل اندھیری تھی۔ آسمان پر صرف ستارے نظر آ رہے تھے اور ان کی مدھم روشنیاں

ہیروں جیسی شکلیں پیش کر رہی تھیں۔ چاند کا دور دور تک کوئی وجود نہیں تھا۔

بہت دور اس ساحل پر جہاں لوگ چہل قدمی کے لیے عام طور سے آتے جاتے تھے روشنیاں جگمگا رہی تھیں لیکن یہاں بالکل تاریکی تھی اور اس تاریکی کے باوجود شہروز کی چالاک نگاہوں نے ان سایوں کو دیکھ لیا جو آہستہ آہستہ زمین سے چپکے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ شہروز نے اپنے پورے بدن میں بجلی کی سی رو دوڑتی ہوئی محسوس کی۔ وہ ان لوگوں کی جانب سے لاپرواہی کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ لوگ اسے اغوا کرنے کی کوشش کریں گے اگر ان کی طرف سے یہ خطرہ ہوتا کہ وہ شہروز کو ہلاک کر دیں گے تو شہروز مختلف انداز اختیار کرتا لیکن وہ جانتا تھا کہ بے ہوش کرنے کے لیے وہ دو ہی چیزیں استعمال کریں گے یا تو کوئی ایسی چیز جو سانس کے ذریعے بے ہوش کر دیتی جیسے کلوروفام وغیرہ یا پھر ریوالور کے مضبوط دستے جو سر کے پچھلے حصے پر مار کر بے ہوشی طاری کی جا سکتی ہے اور وہ ان دونوں چیزوں کے لیے تیار تھا۔

وہ لوگ آہستہ آہستہ قریب آتے جا رہے تھے۔ نیشا سمندر کی لہروں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی:

''شہروز تم یقین کرو انسان کا اپنا احساس بے شک ہوتا ہے لیکن میرے خیال میں ان لہروں کی بھی زبان ہوتی ہے۔''

''ہاں یہ بولتی ہیں۔ کبھی تم نے ان کی آواز سننے کی کوشش کی ہے؟''

''آواز تو اب بھی آ رہی ہے۔''

''نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ کیا یہ آواز سمجھ میں آ سکتی ہے؟''

''میری سمجھ میں تو صرف ایک ہی بات آتی ہے۔'' نیشا نے کہا۔

''کیا؟''

''یہ سب بھی ہمیں محبت کا پیغام دیتی ہیں۔''

''تم نے کہا تھا نا نیشا کہ بات احساس کی ہے۔ وہی بات ہے کہ انسان اپنے طور پر جو چاہے سمجھ لے۔''

''تم اس وقت ان کی زبان سمجھ سکتے ہو؟''

''ہاں۔''

''کیا کہہ رہی ہیں یہ......؟'' نیشا نے محبوبیت سے پوچھا۔

''یہی کہ دنیا سے سچ مٹ چکا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''ہاں نیشا ہمارا تمہارا کتنا گہرا ساتھ رہا ہے لیکن دیکھ لو تم نے ساری باتیں کرنے کے باوجود مجھ سے سچائی نہیں برتی۔''

''کیا مطلب؟'' نیشا پھر حیرت سے بولی اور اسی وقت پیچھے سے ایک شخص نے شہروز پر چھلانگ لگا دی۔ لیکن شہروز زمین پر بیٹھا رہا اور نیشا نے جو کچھ دیکھا وہ ناقابل یقین تھا۔ اتنی برق رفتاری سے فیصلہ کرنا اور عمل کرنا انسانی بس کی بات نہیں تھی۔ شہروز کے اوپر حملہ آور

شخص شہروز کے سر کے اوپر پہنچا تو شہروز نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اسے اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا اور اس کے بعد اسے گھما کر اس طرح زمین پر دے مارا کہ ریت ہونے کے باوجود اور پانی ہونے کے باوجود اس شخص کے جسم میں دوبارہ جنبش پیدا نہ ہوئی لیکن اسی دوران وہ بقیہ پانچ آدمی شہروز پر ٹوٹ پڑے تھے اور نیشا اچھل کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اب وہ اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک عجیب وغریب کارنامہ دیکھ رہی تھی۔ شہروز بجلی کی طرح تڑپ رہا تھا اور تمام حملہ آوروں کی کوشش ناکام بنا رہا تھا۔ اس کے فولادی گھونسے جس کے جبڑے کو چاٹ لیتے وہ اپنا منہ پکڑ کر بیٹھتا ہوا نظر آ جاتا اور پھر شہروز کی ایک ٹھوکر اسے زمین بوس ہونے پر مجبور کر دیتی۔ اچانک ہی ان میں سے کسی نے ریوالور نکال لیا اور نیشا چیخی:

''نہیں گولی نہیں مارنی۔''

لیکن اس دوران وہ شخص شہروز پر فائر کر چکا تھا کیونکہ اس نے اپنے چار آدمیوں کو ناکارہ ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ چاروں بری طرح لڑکھڑا رہے تھے اور اس کے بعد انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ ان کا رخ ویگن کی طرف ہی تھا۔ جس شخص نے گولی چلائی تھی وہ دوبارہ فائرنگ کی تیاری کر رہا تھا لیکن نیشا نے اسے روکنے کی کوشش کی اور نیشا کی ایک دلدوز چیخ فضا میں لہرا گئی۔ اسی دوران دوسرے آدمی نے شہروز کے پیچھے سے حملہ کر دیا تھا شہروز چونکہ اس وقت نیشا کی جانب متوجہ تھا اس لیے حملہ آور کی لات اس کی کمر پر پڑی اور وہ اچھل کر پانی میں جا گرا اس دوران حملہ آور وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا وہ ویگن جس میں وہ لوگ موجود تھے اسٹارٹ ہو کر ساحل کی طرف آئی تھی اور اس کے بعد سیدھے نکلتی چلی گئی تھی۔ شہروز نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے گہرے پانی کی طرف رخ کیا تھا۔ ویگن دور نکل گئی اور شہروز نے سیدھے کھڑے ہو کر آنکھیں ملیں۔ نمکین پانی اس کی آنکھوں میں چلا گیا تھا اور تھوڑی دیر کے لیے اس کی آنکھیں بے کار ہو گئی تھیں۔ لیکن جب اس کی آنکھیں دوبارہ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اسے ساحل پر کوئی نظر نہیں آیا۔ البتہ تھوڑے فاصلے پر خون کے بڑے بڑے دھبے صاف دیکھے جا سکتے تھے اور یہ خون اس کی دانست میں نیشا ہی کا تھا۔

شہروز نے ایک بار پھر اپنے اندر ایک عجیب سی کیفیت محسوس کی۔

ویگن کا اب نام ونشان نہیں تھا لیکن نیشا کے لیے نجانے کیوں اس کے دل میں ہمدردی کا ایک جذبہ ابھرا تھا۔ نیشا کی سنائی ہوئی طویل کہانی میں بظاہر تو سچائی ہی نظر آئی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو کوئی پارسا لڑکی نہیں کہا تھا لیکن نجانے کیوں وہ شہروز سے غداری پر آمادہ ہو گئی تھی۔ ہو سکتا ہے اسے خود بھی شہروز پر یقین نہ آیا کہ وہ اس کی کوئی پذیرائی کر سکے گا۔

شہروز کا سارا لباس بھیگ چکا تھا۔ لباس میں جو کچھ تھا وہ بھی بھیگ گیا تھا لیکن اس کی گاڑی تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے گاڑی میں کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اصل میں اس بات کا انہیں وہم وگمان بھی نہیں ہوگا کہ چھ آدمی مل کر ایک آدمی کو اغوا کرنے میں ناکام رہیں گے۔ لیکن شہروز پہلے سے تیار بھی تھا اور جان بوجھ کر اس طرف آیا تھا۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ واپسی کا سفر اختیار کرے چنانچہ وہ آہستہ آہستہ گاڑی کی جانب چل پڑا۔ ہوٹل جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت اس کے

لیے سب سے موزوں جگہ کارواں ہاؤس ہی تھی۔ گاڑی کے اگنیشن میں چابی لگی ہوئی تھی۔ اس نے گاڑی سٹارٹ کی اور واپسی کے لیے چل پڑا۔ لیکن راستے بھر وہ محتاط رہا تھا کہ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔

☆......☆......☆

شکیری نے ان دونوں کو نوٹوں سے بھرا ہوا بیگ دکھایا تھا۔ بڑے نوٹوں کی گڈیاں تھیں جو بیگ میں جمائی گئی تھیں۔ شکیری خود ڈرائیو کر رہا تھا اور ناہید اس کے برابر بیٹھی ہوئی تھی جبکہ قادر بخش پیچھے تھا اور تیار تھا اسے ناہید نے اس کی ڈیوٹی سمجھا دی تھی۔ چنانچہ قادر بخش کے پاس اس وقت لوہے کا ایک ایسا کنڈہ موجود تھا جو انہیں وہیں سے دستیاب ہو گیا تھا۔ شکیری کہہ رہا تھا:

''میڈم لیتھا پوئے اگر لینی کوسس کی تین کلو کی مقدار ہمیں مل گئی تو آپ یقین کریں کہ ہم تو اپنی تقدیر بدل لیں گے۔''

''مائی ڈیئر مسٹر شکیری تم لوگوں کا بھی پورا گروہ ہی ہوگا۔''

''ظاہر ہے اتنے بڑے بڑے کام اتنی آسانی سے تو نہیں کیے جا سکتے۔''

''ایک سوال کروں میں آپ سے؟''

''ہاں لیتھا پوئے تم لوگ میری گڈ بک پر ہو۔''

''شکریہ۔ میرا مطلب ہے کہ سات کروڑ کا سودا آپ نے کر لیا۔ کیا آپ کے گروپ کے سربراہ اس سودے پر خوشی سے راضی ہو گئے؟''

''مس لیتھا پوئے کاروبار تو کاروبار ہوتا ہے۔ میرا آپ کا سودا ہو چکا ہے۔ یہ سات کروڑ ہمیں چھ گنا بڑھ کر ادائیگی کریں گے۔ بس لینی کوسس کو ہیروئن میں پروسس کرنا ہوگا۔''

''خیر میں اتنا کچھ نہیں جانتی اس بارے میں۔ اس طرف بائیں ہاتھ کو موڑ لیجیے۔''

''آپ میرے شہر سے اچھی طرح واقف نہیں معلوم ہوتیں۔''

''ہو بھی کیسے سکتی ہوں ہمیں تو یہاں آئے ہوئے بہت کم وقت گزرا ہے۔''

''یہ آپ کے ساتھی کیا اپنی خاموشی سے اکتاہٹ نہیں محسوس کرتے۔''

''جس کے اندر کوئی قدرتی کمی ہوتی ہے وہ اس کمی کو برداشت تو کرتا ہی ہے نا۔''

''ہاں یہ بات تو ہے لیکن واقعی بعض معاملات بڑے دکھ بھرے ہوتے ہیں۔''

''اس طرف۔'' ناہید نے ہاتھ سے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ دور سے وہ کارواں گروپ کی وہ کار دیکھ سکی تھی جسے یہ لوگ استعمال کرتے چلے آئے تھے۔ پتا نہیں اس وقت اس کار میں کون تھا لیکن ناہید اپنے کام کے لیے تیار تھی۔

''آپ یہاں ایک منٹ کے لیے گاڑی روکیں گے۔'' ناہید نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور شکیری نے گاڑی ایک

سائیڈ پر لگا دی۔

''کیوں خیریت؟''

''ایک منٹ کے لیے صرف مجھے ذرا نیچے اترنا ہے۔ ویسے آپ نے کہا تھا مسٹر شکیری کہ آپ کا آدمی آپ کے ساتھ ہوگا۔''

''جس شخص کو میں نے اس کام کے لیے آمادہ کیا تھا وہ مصروف تھا لیکن تم لوگوں پر مجھے اس قدر اعتماد ہو گیا تھا کہ......'' شکری نے ابھی اتنا ہی جملہ ادا کیا تھا کہ اس کے سر کی پشت پر ایک زوردار ضرب پڑی۔ پھر دوسری اور تیسری اور شکیری کا سر اسٹیئرنگ پر آ ٹکا۔ فوراً ہی پیچھے سے وہ گاڑی آگے آئی جو کارواں گروپ کی تھی۔ لیمپوآن خود اسے ڈرائیو کر رہا تھا اور شیر جنگ سادہ لباس میں ساتھ ہی موجود تھا۔ وہ پھرتی سے نیچے اترے اور اس کے بعد شکیری کو اس گاڑی میں منتقل کر لیا گیا۔ قادر بخش نے وہ بیگ اٹھا لیا تھا اور اس کے بعد وہ اس دوسری گاڑی میں منتقل ہو گئے۔ پہلی گاڑی کو وہیں ایک درخت کے نیچے چھوڑ دیا گیا تھا اور اسٹیئرنگ وغیرہ سے ہاتھوں کے نشانات مٹا دیئے گئے تھے۔

چنانچہ وہ لوگ ان تیاریوں کے بعد وہاں سے چل پڑے۔ شکیری کے سر پر قادر بخش نے زوردار ضربیں لگائی تھیں۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ گاڑی کے اندر ہی ناہید نے کپڑے کی ایک بڑی پٹی اس کے زخم پر کس دی۔

''چلیں۔'' لیمپوآن نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''کوئی تعاقب میں تو نہیں ہے؟''

''میرا خیال ہے نہیں۔''

''صاف خیال ہے یا نہیں۔''

''تحقیق تو دنیا کی کسی بات پر نہیں کی جا سکتی۔ ویسے اس کا کہنا تھا کہ اس نے کسی کو تعاقب کے لیے نہیں کہا۔''

''میری رائے ہے کہ جائزہ لے لیا جائے۔'' شیر جنگ نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

''میں گاڑی کو مختلف راستوں پر سے لے جاتا ہوں، کسی سنسان سڑک پر ہمیں تعاقب کا اندازہ ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔''

اس کے بعد کار دیر تک مختلف سڑکوں پر چکراتی رہی تھی لیکن سنسان ترین سڑکوں پر بھی اس گاڑی کا نشان نہ مل سکا جس پر تعاقب کا شبہ ہوتا۔

''نہیں۔ تعاقب نہیں ہو رہا۔''

''ہمیں جلدی کرنی چاہئے کیونکہ اس کے سر سے خون مسلسل بہہ رہا ہے۔'' ناہید نے تشویش سے کہا۔ شیر جنگ نے گردن گھما کر

شکیری کے سر سے بہتے ہوئے خون کو دیکھا تھا۔

لیمپو آن پرسکون انداز میں کار ڈرائیو کرتا ہوا کارواں ہاؤس چل پڑا۔ کچھ دیر کے بعد شیر جنگ نے مسکراتے ہوئے کہا:

"لگتا ہے مجھے پولیس کی نوکری سے استعفیٰ دینا پڑے گا۔"

"کیوں انکل؟" ناہید نے پوچھا۔

"اس طرح کے کام کر رہا ہوں جو خود قابل دست اندازی پولیس ہوتے ہیں۔ اس شخص کو زخمی کر کے گرفتار کرنے کی بات تو بنتی ہے۔ لیکن ہم نے اسے اغوا کیا ہے۔" اور تو کسی نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن لیمپو آن ایک طنزیہ سی ہنسی کے بعد خاموش ہو گیا تھا۔

کارواں ہاؤس میں سب سے پہلے شکیری کے سر کے زخم کی بینڈج کی گئی تھی۔ شیر جنگ نے کہا:

"اس کے سر پر ضرب کس نے لگائی تھی؟"

"قادر بخش نے۔"

"اڑے ماں قسم کھوپڑی فنا اس ہو گیا تھا۔ ابی اپن کو لگتا پڑا کہ زبان آنٹی پھولا ہو گیا ہے۔ تھوڑا ٹیم اور خاموش رہنا پڑتا تو پھر بولنا ہی بھول جاتا۔"

شکیری کو کائی شی نے دو انجکشن لگائے تھے۔ یہ دونوں میاں بیوی نا جانے کون کون سے کاموں کے ماہر تھے۔ کائی شی نے کہا:

"اسے کئی گھنٹے بے ہوش رہنا چاہیے اگر اس زخمی کیفیت میں اسے ہوش آ جائے اور یہ اپنے بارے میں سوچے تو اس کا نروس بریک ڈاؤن بھی ہو سکتا ہے۔"

شیر جنگ تو چلا گیا تھا باقی لوگ شکیری کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ناہید اور قادر بخش نے اپنا میک اپ اتار دیا تھا۔ اس وقت ناہید وغیرہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے اور ناہید۔ لیمپو آن کو شکیری کے ساتھ قیام کی رپورٹ دے رہی تھی کہ کارواں ہاؤس میں ایک کار اندر داخل ہوئی اور شہروز نیچے اتر آیا۔ کیمروں نے پوری تفتیش پیش کر دی تھی۔

"شہروز......" ناہید گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"دیکھو۔ اس کی حالت اچھی نہیں نظر آ رہی۔"

سب باہر بھاگے تھے اور پھر شہروز کے ساتھ اندر آ گئے تھے۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میری حالت دیکھ کر اگر آپ میرے زخمی ہونے کے بارے میں سوچ رہے ہیں تو یہ خیال دل سے نکال دیں۔"

"یہ حلیہ کیسے ہو رہا ہے؟"

"سمندر میں گر پڑا تھا۔"

''سمندر میں؟''

''ہاں......لمبی کہانی ہے اگر کپڑے بدلنے کی اجازت دیں تو اندر جا کر لباس تبدیل کرلوں۔ ابھی آتا ہوں۔'' شہروز اندر چلا گیا تو کائی شی نے کہا:

''اور ہماری بچی جب بچے گھر میں ہوتے ہیں تو بوڑھوں کو یقین ہوتا ہے کہ انہیں کافی ضرور ملے گی۔''

''میں تیار کرتی ہوں۔'' ناہید اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

کچھ دیر کے بعد کافی پیتے ہوئے شہروز انہیں اپنی داستان سنا رہا تھا۔ اس نے کہا:

''میرے تجربے کے مطابق لڑکی غلط نہیں تھی لیکن وہ اس طرح ان کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھی کہ نکلنے کی کوشش کے باوجود کسی بھی طرح نکل نہیں سکتی تھی۔''

''زیادہ زخمی ہوگئی تھی؟'' کائی شی نے ہمدردی سے پوچھا۔

''گولی صرف اسے لگی تھی اور یقیناً خون ریت پر پڑا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ شدید زخمی ہوئی ہے شاید اب تک مر چکی ہو۔''

پھر ان لوگوں نے شہروز کو شکیری کے بارے میں بتایا تھا۔

''اور وہ اپنے ساتھ دو کروڑ کیش لایا ہے۔''

''گویا نئے کیس کی جدوجہد کا معاوضہ اڑھائی کروڑ۔'' شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

شکیری کو سر کی چوٹ سے ہوش آیا تھا۔ اس کے حلق سے کراہ نکل گئی۔ پھر اس نے حیران نگاہوں سے اردگرد کے ماحول کو دیکھا اور تکلیف بھول کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اسے گزرے ہوئے واقعات یاد آگئے تھے۔

دوسرے لمحے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگا اور دیوانوں کی طرح اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ غصے میں خونی بن جاتا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ غصے کی حالت میں اس کے اندر چار جوانوں کی قوت آجاتی ہے۔ لیکن یہ قوت اس وقت دروازے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکی تھی۔ اپنی اس کوشش میں ناکام رہ کر اس کے حلق سے دھاڑ نکلی۔

''کوئی ہے؟''

جواب میں ایک ہلکی سی سرسراہٹ ابھری اور دیوار میں ایک اور دروازہ نمودار ہوگیا۔ سرسراہٹ کی آواز پر شکیری کی گردن گھوم گئی۔ ایک لمبا چوڑا سیاہ فام اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے گردن خم کی اور اس کی آواز ابھری۔

''حکم میرے آقا!''

''آقا کے بچے یہ کون سی جگہ ہے؟'' شکیری غرایا۔

''ٹنڈو الہ یار۔ ابھی تمہارے کو کون سی جگہ چاہئے؟''

شکیری کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ وہ غرائی ہوئی آواز میں بولا: ''مذاق کر رہا ہے تو......''

''ماں کسم......ابی میرا شادی نہیں ہوا۔'' آنے والے نے کہا۔

''کیا؟'' شکیری بے تکا جواب سن کر بے اختیار بولا۔

''تم میرا سالہ نہیں ہے ڑے کہ میں تم سے مذاق کروں۔''

''میرے پاس آؤ۔'' شکیری بولا اور آنے والا معصومیت سے شکیری کے پاس پہنچ گیا۔ شکیری نے اس کے جبڑے پر گھونسہ مارنے کی کوشش کی تھی لیکن دوسرے لمحہ اس کا گھونسہ آنے والے کے چوڑے پنجے کی گرفت میں آ گیا۔ شکیری کو یوں لگا تھا جیسے دس کی دس انگلیاں اس کی فولادی شکنجے میں جکڑ گئی ہوں۔

وہ پوری قوت سے ہاتھ کو جھٹکنے دینے لگا لیکن اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ کچھ دیر کوشش کے بعد وہ بے بس ہو گیا اور شکست خوردہ لہجے میں بولا: ''ہاتھ چھوڑو میرا۔''

آنے والے نے بڑی شرافت سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

''کون ہو تم؟''

''الہ دین کا چراغ۔''

''میں کہاں ہوں؟''

''گولی مار ہاؤس میں۔''

''دیکھو مجھ سے مذاق مت کرو۔''

''ٹھیک ہے۔ کچھ کھانے پینے کو مانگتا پڑا۔''

''میرے سر میں درد ہو رہی ہیں۔ مجھے کوئی درد بند کرنے والی دوا دو اور اگر ایک کپ چائے مل جائے تو......'' شکیری اوقات میں آتا جا رہا تھا۔

اس وقت دروازے سے دو افراد اندر داخل ہوئے۔ شکیری نے انہیں دیکھا۔ اس چینی جوڑے کو دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔ بوڑھی عورت نے اپنے ہاتھ میں ایک ٹرے پکڑی ہوئی تھی جس میں کچھ انجکشن اور سرنج رکھی ہوئی تھی۔

''آرام سے بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں پین کلر انجکشن دینا چاہتی ہوں۔ تمہارا درد ایک منٹ میں ٹھیک ہو جائے گا۔'' بوڑھی عورت نے نرم لہجے میں کہا۔

''میں بے ہوش نہیں ہونا چاہتا۔'' شکیری دہاڑا۔

''نہیں۔ یہ بے ہوشی کا انجکشن نہیں ہے۔ تم بے ہوش نہیں ہوتے۔ آؤ پلیز۔'' بوڑھی عورت نے پورے اطمینان سے انجکشن توڑ کر اس کا سیال سرنج میں کھینچ لیا۔

شکیری نے صورت حال کا جائزہ لیا۔ وہ سخت متلون مزاج آدمی تھا۔ انتہائی خر دماغ آخر تک شیطنت کرنے کا قائل، سامنے موجود قوی ہیکل شخص نے اسے ذہنی جھٹکا دیا تھا اور اس کی طاقت کو دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا تھا لیکن اس بوڑھی عورت کے ذریعہ بہت کچھ کیا جا سکتا تھا۔

اس نے بازو کھول کر بوڑھی کے سامنے کیا اور بوڑھی اس کی طرف بڑھی لیکن اس وقت اس نے بڑی پھرتی سے بوڑھی کی گردن پر ہاتھ مارا اور اسے بازو کی گرفت میں لے لیا۔ بوڑھی کے ہاتھ سے انجکشن کی ٹرے گر گئی تھی۔ شکیری نے اس کی گردن گرفت میں لے لی۔

قوی ہیکل شخص تو ایک دم اس پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا لیکن بوڑھے نے اس کو روکتے ہوئے کہا:

''نہیں قادر بخش...... رکو......''

''اڑے ماں کسم۔ اس نے ہمارا ماما پر ہاتھ ڈالا ہے ہم اس کا چٹنی بنا دے گا۔'' قوی ہیکل آدمی نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''روکو اسے...... ورنہ...... میرا نام شکیری ہے۔ اس عورت کو اگر زندہ رکھنا چاہتے ہو تو پہلے میرے کچھ سوالات کے جواب دو اور پھر مجھے یہاں سے نکال دو۔''

''ہم تیار ہیں۔'' بوڑھے چینی نے لرزتی آواز میں کہا۔

''یہ کون سی جگہ ہے؟''

''ٹاسپنس ہاؤس۔''

''کیا مطلب؟''

''مسٹر ٹاسپنس کا ہیڈ کوارٹر۔''

''ٹاسپنس کون ہے؟''

''ہمارا باس۔''

''باس کے بچے...... یہ ہے کون؟''

''منشیات کے اسمگلر۔''

''وہ دونوں کون تھے؟''

''کون؟''

''لیتھا پوئے اور اینگر۔''

''منشیات کے تاجر۔''

''تم سے کیا تعلق تھا؟''

''کچھ نہیں۔''

''تمہیں ہمارے حوالے کر کے اور رقم وصول کر کے چلے گئے۔'' وہ نہایت معصومیت سے گفتگو کر رہا تھا۔

شکیری دانت پیسنے لگا۔ ''پھر تو تمہیں اس بوڑھی کی زندگی موت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میری ذرا سی جنبش سے اس کی آنکھیں اور زبان باہر آسکتی ہے۔''

''کیا چاہتے ہو؟'' لیپو آن نے سوال کیا۔

''میرے پاس بیگ تھا جس میں دو کروڑ روپے کی رقم کیش تھی۔ بیگ دو اور ان دونوں کو میرے حوالے کردو۔''

''کن دونوں کو؟''

''لیھا پوپے اور اینگر کو۔''

''کیا کرو گے ان کا؟''

''یہ تمہیں نہیں بتاؤں گا۔''

''کیسے لے جاؤ گے؟''

''فون دو مجھے میں اپنے آدمیوں کو فون کر کے بلاؤں گا۔ اس جگہ کا مکمل پتا بتاؤ۔''

''یہ نہیں ہوسکتا۔ تم اس بوڑھی کو بے شک ماردو۔'' لیپو آن نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

''ہمارے بچے۔ ذرا ہاتھ نیچے کرو' میری گردن میں کھجلی ہو رہی ہے۔'' اچانک کائی شی کی آواز ابھری اور کسمسانے کی کوشش کی لیکن شکیری نے اس کی گردن پر گرفت سخت کردی۔

''مان لو پیارے بچے...... ورنہ......'' کائی شی بولی اور پھر شاید شکیری کی تقدیر کے ستارے ہی گردش میں آگئے۔ اس کے پہلے غرور کو قادر بخش نے توڑا تھا جس نے اس کے طاقتور گھونسے کو اپنی مٹھی میں پکڑ کر اسے جنبش سے بھی محروم کر دیا تھا خیر قادر بخش تو ایک قوی ہیکل انسان تھا لیکن اس سوکھی سی بوڑھی نے جس آرام سے اسے اپنے کندھے پر لاد کر اسے پرے پھینکا تھا وہ دیکھنے والوں کے لیے ناقابل یقین تھا۔ شکیری اس کے سرے بلند ہو کر ذہن پر گرا تھا۔ سر کی چوٹیں ناقابل برداشت تھیں' کمر کی چوٹ نے ذہن خالی کر دیا تھا۔ قادر بخش خونخوار انداز میں اس کی طرف بڑھا تو کائی شی نے ہاتھ کھڑا کر کے کہا:

''نہیں...... یہ میرا شکار ہے۔''

لیکن شکار نے اس وقت بے ہوش ہو جانا ہی مناسب سمجھا۔ سر کی چوٹ اور پھر کمر کی تازہ چوٹ نے اس سے اس کے حواس چھین لیے تھے۔ دوبارہ ہوش میں آیا تو کمرہ بدلا ہوا تھا۔ اس کمرے میں کوئی چیز نہیں تھی۔ ننگی دیواریں ننگا فرش اور وہ اس فرش پر بے لباس پڑا ہوا

تھا۔ کمرے کی طرح خود اس کے بدن پر بھی لباس کی ایک دھجی نہیں تھی۔ اس حالت میں شاید اس نے خود کو بھی مشکل نے ہی دیکھا ہوگا۔ دونوں ہاتھ پشت پر کس کر بندھے ہوئے تھے اور بندش ایسی تھی کہ وہ حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔

زندگی میں انوکھا تجربہ تھا اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ وہ زمین پر لڑھکنے لگا۔ اس وقت اس کمرے کے باہر بہت سے نسوانی قہقہے سنائی دیئے اور اس کی آنکھوں میں تاریکی پھیل گئی۔

"بے وقوف لڑکیو اس کے بدن پر لباس کا ایک تار بھی نہیں ہے۔ میں تمہیں اندر نہیں جانے دوں گا۔"

"ہم جائیں گے۔"

"نہیں جاؤ گی۔" مرد کی آواز ابھری۔ پھر چینی بوڑھا اس طرح اندر آیا جیسے کسی نے اسے دھکا دیا ہو۔

"جب تک میں نہ کہوں ایک بھی لڑکی اندر نہ آئے...... تم لوگ آ جاؤ۔" اس کے ساتھ ہی چند مرد اندر گھس آئے تھے ان میں شہروز، قادر بخش، بزمی صاحب اور شیر جنگ تھے۔ شکیری بری حالت میں پڑا انہیں دیکھ رہا تھا اس سے اور کچھ نہ ہو سکا تو اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ باہر ٹیپ ریکارڈ پر ناہید بار بار لڑکیوں کی آواز نشر کر رہی تھی جو بدستور اندر جانے کی ضد کر رہی تھیں۔

یہ بھی لیمپو آن کی کاوش تھی۔ اس نے آنکھیں بند کئے ہوئے شکیری کے پاس پہنچ کر آہستہ سے کہا: "آنکھیں بند کرنے سے بلی نہیں بھاگ جاتی جان من۔"

"کتے کے بچو...... ایک بار مجھے چھوڑو...... پھر میں تمہیں بتاؤں گا۔"

"دو بار بتا چکے ہو اور کتنی بار بتاؤ گے؟" لیمپو آن نے کہا اور شکیری دانت پیس کر رہ گیا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا:

"آخر تم کیا چاہتے ہو؟"

"کچھ بولو......"

"کیا......؟"

"بڑے بڑے ہوٹلوں اور دوسری جگہوں پر ڈرگز کی بڑی سپلائی کے پیچھے کون ہے؟" لیمپو آن نے کہا اور شکیری نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"یہ بات صرف تم جانتے ہو شکیری کیونکہ تم اس کے ایجنٹ ہو۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

"جانتے ہو میری جان۔ گولڈن بار تمہاری ملکیت ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

''ہوں...... جون گوال کو تم نے قتل کیا تھا۔''

''میں کسی جون گوال کو نہیں جانتا۔ کتے کے بچو میرے کپڑے مجھے دے دو۔ تم نے مجھے کیا بنا رکھا ہے۔ انہیں باہر نکالو۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''باہر چھ شریر لڑکیاں ہیں جو اندر آنا چاہتی ہیں۔ ایک لمحے کے اندر اگر تم نے زبان نہ کھولی تو...... دروازہ کھل جائے گا۔'' لیمپو آن نے کہا اور شکیری بے بسی کی سانسیں لینے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا:

''میں بتا دوں گا۔ انہیں اندر مت آنے دینا۔''

☆......☆......☆

سچ اور جھوٹ کا اندازہ لگانا مشکل کام نہیں ہوتا۔ شکیری سے جو کچھ معلوم ہوا تھا وہ بہت مناسب تھا اور بہت سے راز کھلے تھے۔ اب انہیں آخری بچ دینا تھا۔ شیر جنگ اپنے کام کے لیے تیار تھا۔ اس سلسلے میں آخری میٹنگ ہو چکی تھی اور یہ طے پا چکا تھا کہ کسے کیا کرنا ہے۔ اہم ذمہ داری شہروز کو ہی سونپی گئی تھی۔ لیمپو آن تو شاید شہروز کی ذمہ داری پر مطمئن تھا کیونکہ اسے شہروز کی ذہانت اور کارکردگی پر پورا پورا بھروسہ تھا لیکن کائی شی نے لیمپو آن کو الگ لے جا کر کہا:

''وہ ہماری اولاد ہے۔ ہمارا بچہ ہے...... وہ پرجوش، پرعمل لیکن کیا ہم اسے اس طرح جہنم میں جھونک دیں گے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔''

''مطلب...... میں سمجھا نہیں۔'' لیمپو آن نے کہا۔

''بے شک وہ اپنی حیثیت منوا چکا ہے اور کسی بھی جگہ اس نے مار نہیں کھائی لیکن پھر بھی مقابلہ ایسے خطرناک آدمی سے ہے جو بہت بڑی حیثیت کا مالک ہے اور جسے زیر کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ بے شک ہمارا جال اس کے گرد کافی مضبوط ہے لیکن پھر بھی ضروری ہے کہ اس کے سامنے آتے ہوئے شہروز کو تنہا نہ چھوڑا جائے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ اس کے ساتھ کوئی باقاعدہ گروپ ہو......''

''گروپ نہیں صرف تم......'' کائی شی نے کہا اور لیمپو آن کی آنکھوں میں محبت کے نقوش پیدا ہو گئے۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم آج بھی مجھے اتنا ہی معتبر سمجھتی ہو جتنا پہلے سمجھتی تھیں۔''

''اس سے بھی کہیں زیادہ......'' کائی شی نے محبت بھری آواز میں کہا۔

''تو پھر تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''اس کے پیچھے رہو۔''

''یہ مناسب نہیں ہوگا۔ وہ محسوس کر جائے گا کہ میں نے اسے مکمل نہیں سمجھا۔''

"تو پھر......"

"میں اس کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا۔" اور ایسا ہی ہوا۔

منصوبے کے مطابق جب شہروز اس سلسلے میں آخری کام کرنے کے لیے نکلا تو لیمپوآن اس کے پاس پہنچ گیا۔

"کائی شی کا کہنا ہے کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ رہنا چاہیے۔"

"ماں کہتی ہے تو ٹھیک ہے۔"

☆......☆......☆

بہر حال وہ وہاں سے چل پڑے۔ پروگرام ان کے علم میں تھا۔ آج مطلع بھی ابر آلود تھا اور گہرے بادل گشت کر رہے تھے جس کی بناء پر ستارے بھی روپوش تھے۔ انہوں نے بڑی کامیابی سے اس سیاہ پوش کا تعاقب کیا تھا جو لمبے قد و قامت کا ایک کسی قدر بھاری جسم کا آدمی تھا۔ اس شخص کو انہوں نے ہوٹل کلاڈ میں ٹریس کیا تھا اور اس وقت سے اس کے پیچھے تھے۔ جب ایک ویٹر نے اسے ایک کاغذ لا کر دیا تھا وہ تھوڑی دیر تک کلاڈ میں بیٹھا رہا اور اس کے بعد وہاں سے باہر نکل آیا اور اس کے بعد پیدل چلنے لگا۔ لیمپوآن اور شہروز کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہے تھے۔

شکیری کے انکشاف کے مطابق یہ شخص چیف کو اسسٹ کرتا تھا۔ یعنی اس شخص کو جس نے تنے پیمانے پر بہت ہی اعلیٰ ذرائع سے کام لے کر منشیات کے کاروبار کا آغاز کیا تھا۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں بڑے بڑے کلبوں میں اور ایسے اسٹورز میں جہاں بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر خریداری ہوتی تھی۔ اس شخص نے اپنے خفیہ سیل قائم کیے تھے اور وہاں سے منشیات سپلائی کی جاتی تھیں۔ بہر حال یہ سارا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ شکیری سے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں وہ اسی شخص کے بارے میں تھیں جسے شکیری بھی مکمل طور سے نہیں جانتا تھا۔ بس اس نے بتایا تھا کہ اس حلیے کا ایک شخص کسی جگہ مل سکتا ہے۔ وہ اس کا خاص اڈہ ہے۔ وہاں سے اس شخص کو تحریر کے ذریعے وہ جگہیں بتائی جاتی تھیں جہاں سے رقومات کی وصولیاں ہوتی تھیں۔ یہ شخص بتائی ہوئی جگہ پر چمڑے کا سوٹ کیس رکھ کر وہاں سے دوسرا سوٹ کیس اٹھا کر چلا جاتا تھا۔ بہر حال منشیات کی فروخت کے سلسلے میں جو احکامات صادر ہوا کرتے تھے وہ کئی افراد کو ہوا کرتے تھے اور اس کے بعد وہ شخص ادائیگی کے اڈوں سے رقومات وصول کر دیا کرتا تھا۔ شکیری نے اور بھی بہت سی تفصیلات بتائی تھیں۔ اس نے بتایا تھا کہ سرغنہ کی ہدایت ہے کہ ادائیگی کے مقام سے کسی کو بھی آگاہ نہ کیا جائے۔ کہیں سے کوئی بے ایمانی نہیں ہوتی تھی۔

بہر حال اس وقت یہ دونوں اسی شخص کا تعاقب کر رہے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک پیدل چلتا رہا۔ پھر اس نے ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر چل پڑا۔ لیمپوآن نے خود کار کی ڈرائیونگ سنبھال رکھی تھی اور کبھی کبھی شہروز یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ یہ شخص اس عمر میں اس قدر چاق و چوبند ہے تو جوانی میں یقینی طور پر قیامت خیز ہوگا۔ کسی بھی کام کے وقت وہ ایک بھرپور جوان ثابت ہوتا تھا۔

ٹیکسی چل پڑی اور یہ اس کا تعاقب کرتے رہے۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ غرض یہ کہ وہاں یہ شخص نیچے

اتر آیا اور پھر انہوں نے اسے وِنڈو پر ٹکٹ خریدتے ہوئے دیکھا۔ لیمپو آن نے اپنی کار پارکنگ میں کھڑی کر دی تھی۔ اس نے شہروز سے کہا:

''اگر یہ شخص کسی سفر کا ارادہ رکھتا ہے تو کیا ہمارے لیے یہ غیر متوقع نہیں ہوگا......''

''دیکھتے ہیں۔'' شہروز نے جواب دیا۔

دراز قامت شخص نے اندر پہنچ کر اس دور دراز پلیٹ فارم کا رخ کیا جو عموماً ویران پڑا رہتا تھا اور یہاں صرف مال گاڑیوں سے سامان اتارا جاتا تھا لیکن کبھی کبھی دوسرے پلیٹ فارم خالی نہ ہونے کی بناء پر یہاں سواری گاڑیاں بھی رک جایا کرتی تھیں اور قلیوں کو یہاں سے سامان لاد کر گیٹ تک پہنچنے کے لیے ایک لمبا راستہ اختیار کرنا پڑتا تھا۔ پلیٹ فارم کا بہت سا حصہ تاریک ہی تھا اور اس وقت بھی یہاں ایک مال گاڑی کھڑی ہوئی تھی جس سے سامان اتار کر پلیٹ فارم پر جگہ جگہ ڈھیر کر دیا گیا تھا اور تین چار قلی اب بھی مختلف ڈبوں سے سامان نکال رہے تھے۔ دراز قامت شخص تاریک حصے کی طرف بڑھتا چلا گیا اور اس کے بعد وہ اس لائن پر اتر گیا۔ اسی طرف مال گاڑی بھی کھڑی ہوئی تھی۔ یہ دونوں انتہائی پھرتی کے ساتھ اس کا تعاقب کرتے رہے۔ پھر ایک جگہ انہوں نے اسے رکتے ہوئے دیکھا۔ وہ جھکا ہوا کچھ کر رہا تھا۔ یہ بھی لوکو شیڈ ہی تھا اور یہاں سامان کے بنڈل پڑے ہوئے تھے۔ بہر حال وہ وہاں جھکا کچھ نہ کچھ کرتا رہا پھر نجانے کیا ہوا کہ اچانک ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک طرف بڑھنے لگا۔ ادھر کچھ قلی کام کر رہے تھے۔ اچانک ہی ایک زوردار چیخ ابھری۔

''ارے مر گیا...... مر گیا...... ارے مر گیا......'' ایک دم سے وہاں ہنگامہ سا برپا ہو گیا اور شہروز نے اس طرف دوڑنے کی تیاریاں شروع کیں لیکن لیمپو آن نے اسے پکڑ لیا تھا۔

''نہیں رکو...... رک جاؤ...... رک جاؤ......'' شہروز رک گیا۔

''کچھ ہوا ہے ادھر۔''

''خاموش......'' دوسرے لمحے اس نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا۔ دراز قد آدمی چوپایوں کی طرح چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ لیمپو آن کی تیز نگاہوں نے اسے ٹریس کر لیا تھا۔ ورنہ شہروز کی آنکھوں سے تو وہ اوجھل ہو چکا تھا۔ پھر لیمپو آن نے شہروز کو اشارہ کیا اور سرگوشی میں بولا:

''شہروز پلیز اس وقت جو کچھ میں کر رہا ہوں تم صرف مجھے کرنے دینا۔ جب تک میں خود تمہیں آواز نہ دوں تم اپنے طور پر کچھ نہ کرنا۔''

''ٹھیک ہے۔''

دوسری جانب شور و شر کی آوازیں بدستور آ رہی تھیں۔ اچانک ہی لیمپو آن نے ایک چھلانگ لگائی اور شہروز کو وہ لمحات یاد آ گئے جب زیر زمین گٹر لائن میں لیمپو آن نے اسے اپنے کارنامے دکھائے تھے۔ اس وقت بھی وہ کوئی چودہ فٹ تک ہوا میں اڑتا ہوا گیا تھا اور اس شخص کے اوپر جا بیٹھا تھا۔ لیمپو آن نے سب سے پہلے اس کا ریوالور نکال لیا۔ نیچے دبا ہوا آدمی زخمی سانپ کی طرح پلٹا وہ خود بھی کوئی

طاقتور آدمی تھا لیکن لیمپوآن کسی جونک کی طرح اس سے لپٹ گیا تھا اور اسے زمین پر رگڑ رہا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اسے زمین پر رگڑتا رہا اور اس کے بعد اس نے اس کا گریبان پکڑ کر سیدھا کھڑا کر دیا۔ وہ شخص اب بھی سوٹ کیس اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا۔ لیمپوآن نے کہا:

''لاؤ......'' لیکن دوسرے لمحے اس شخص نے سوٹ کیس پوری قوت سے گھمایا مگر سامنے لیمپوآن تھا وہ بیٹھا اور اس نے اس کی ٹانگوں میں ٹانگ پھنسا کر اسے زمین پر گرا دیا۔ ایک بار پھر وہ اس کے سر پر سوار تھا۔ اس نے اسے الٹا کیا اور جیب سے ریشمی ڈوری کا ایک لچھا نکال کر اس کے ہاتھ پشت پر کسنے لگا۔

''یہ کیا کر رہا ہے کتے کے بچے۔ تو ہے کون؟'' نیچے والے آدمی کی دھاڑ پہلی بار ابھری لیکن لیمپوآن نے اپنا گھٹنا اس کی گردن پر رکھ دیا اور اس شخص کے منہ سے کٹتے ہوئے بکرے کی طرح آوازیں نکلنے لگیں۔ اس دوران لیمپوآن نے اسے اچھی طرح کس دیا تھا اور پھر اس نے شہروز کو آواز دی۔

''آجاؤ شہروز یہ اوقات میں آگیا ہے۔'' شہروز اس کے قریب آگیا تو لیمپوآن نے ایک روشنی اس کے چہرے پر ڈالی اور وہ مسکرا کر شہروز سے بولا:

''اس کی اصل صورت دیکھو گے۔'' یہ کہہ کر اس کے اس کی گردن کے پاس کوئی چیز تلاش کی اور پھر اس کے منہ سے ایک چھلکا سا اتار دیا۔ شہروز کے منہ سے ایک آواز نکل گئی تھی۔ شبہ تو اسے تھوڑا بہت پہلے ہی تھا لیکن اب جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا وہ بالکل مجسم شکل میں تھا۔ یہ مارٹن ویل ہی تھا۔

شہروز کے منہ سے عجیب سے انداز میں نکلا۔

''میرے خدا...... یہ تو مارٹن ویل ہی ہے۔''

''ایک بات بتاؤں۔'' لیمپوآن نے کہا۔

''جی......''

''مجھے اس پر پہلے ہی شبہ تھا لیکن شکیری نے تصدیق کر دی۔''

''مگر اس نے مارٹن ویل کا نام بھی نہیں لیا تھا۔''

''جو واقعات اس نے تو مارٹن ویل کے بارے میں بتائے تھے وہ اسی کی طرف اشارہ کرتے تھے۔''

''اور اس کی بیوی لوسیا۔''

''لوسیا کی کہانی کچھ اور ہے۔''

''کیا......''

''اسے یہ بات بالکل معلوم نہیں تھی کہ اس کا شوہر ہی تین ستاروں کا موجد ہے۔ وہ تو مارٹن ویل کو اس مشکل سے نکالنا چاہتی تھی

اور اسی کے لیے اس نے سہارا تلاش کیا تھا۔“

”تعجب کی بات ہے......“ شہروز نے کہا پھر چونک کر بولا:

”لیکن لیمو آن آپ کو یہ تفصیل کیسے معلوم ہوئی؟“

”میری بھی کچھ اور کہانی ہے۔“ لیمو آن نے کہا اور اپنی مخصوص ہنسی ہنسنے لگا۔

☆......☆......☆

لوسیا شیر جنگ کے آفس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے کچھ دیر کے بعد شیر جنگ سے کہا:

”جس نے جرم کیا ہے اسے سزا ضرور ملے گی۔ آپ نے پوری طرح چھان بین کر لی ہے کہ میں براہ راست مارٹن ویل کے جرائم میں ملوث نہیں ہوں۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ آپ میرے ساتھ مہربانی کا سلوک روا رکھیں۔“

”[illegible]“

”آپ مجھے اس سے نہیں بچا سکتے۔“

”یہ ضروری ہوگا میڈم۔“

”تب میرا ایک کام تو کر دیں۔“

”بتایئے۔“

”میں شہروز سے ملنا چاہتی ہوں۔ وہ کون ہیں اور پولیس میں ان کا عہدہ کیا ہے؟“

”شہروز نام کا کوئی ایسا شخص میرے علم میں نہیں ہے جو محکمہ پولیس میں ہو۔ ہاں اگر وہ خفیہ سیل کا کوئی بندہ ہے تو میں نہیں کہہ سکتا۔“

”حیرت انگیز نوجوان تھا۔ میں نے اسے پچاس لاکھ روپے دیئے تھے لیکن مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ بس ایک بار اس سے ملنا چاہتی ہوں۔ ایک لڑکی تھی اس گروپ میں شینا نام تھا۔ اس کے لیے کام کر رہی تھی گروپ کی طرف سے۔ پاگل ہوگئی ہے اس کے لئے۔ اسے گرفتار کرانے کی کوشش میں خود زخمی ہوگئی اور پھر اس احساس سے کہ اس کی نگاہیں بھی ذلیل ہوگئی تھی خودکشی کر لی اس نے۔“

شیر جنگ کو افسوس ہوا تھا۔ بہرحال مارٹن ویل بہت بڑی شخصیت تھی لیکن ان لوگوں نے اس طرح جال بچھایا تھا کہ وہ پوری طرح شکنجے میں آ گیا تھا۔ شکیری کی جان اس لیے بچ گئی تھی کہ اس نے ان لوگوں کی بھرپور مدد کی تھی اور یہ جاننے کے بعد کہ اب وہ پوری طرح جال میں پھنس گیا ہے۔ اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور پھر چونکہ وہ بے ہوشی کے عالم میں کارواں ہاؤس سے لایا گیا تھا اس لیے اسے اس عمارت کے بارے میں بھی کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا البتہ جب وہ سلطانی گواہ کے طور پر عدالت پہنچا تھا تو اس نے شیر جنگ کو دیکھا۔ اس وقت تو وہ کچھ نہیں بولا۔ کسی ایک مقامی شیلنگ کے پاس آفس پہنچ گیا۔

”ایک بات پوچھنے حاضر ہوا ہوں مائی باپ۔“

''ہاں بولو۔''

''وہ کون تھے؟''

''وہ کون......؟''

''جہاں آپ بھی مجھے ملے تھے وہ چینی بابا اور چینی اماں۔''

''کیوں جاننا چاہتے ہو ان کے بارے میں۔''

''بڑے عجیب لوگ تھے لیکن میں ان سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''وہ کیا؟''

''وہ دونوں کہاں گئے؟''

''اور بھی کوئی ہے؟''

''ہاں۔''

''کون؟''

''وہ لیتھا پوئے اور اینگر۔ بڑے چالاک لوگ تھے۔ بہر حال مجھے دو کروڑ کا چونا لگا گئے۔''

''ان کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔'' شیر جنگ نے کہا اور کہتا بھی کیا۔ اڑھائی کروڑ میں اس نے بھی مناسب حصہ لیا تھا۔ البتہ اس نے کہا:

''یہ دو کروڑ تمہاری جیب سے تو نہیں گئے ہوں گے۔''

''پھر بھی ذریعہ تو میں ہی بنا تھا۔'' وہ افسوس بھرے لہجے میں بولا تھا۔

☆......☆......☆

عمارت شہر سے کافی دور تھی۔ زمانہ قدیم میں یہاں باقاعدہ شہری آبادی تھی۔ پھر نہ جانے کیوں یہ علاقہ خالی کر دیا گیا۔ تفصیل کچھ یوں تھی یا پھر یہ کہا جائے کہ لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ اس طرف سے زلزلے کی فالٹ گزرتی ہے اور کسی سن میں یہاں زلزلے نے خوفناک تباہی مچائی تھی۔ جس کے بعد یہ علاقے خالی ہو گئے اور پھر یہاں کبھی آبادی نہیں ہوئی۔ عمارتوں کا طرز تعمیر بھی اتنا ہی قدیم تھا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ اس علاقے کے آس پاس وسیع و عریض جنگل میں نجانے کہاں سے درندوں کی یلغار ہو گئی تھی اور ان درندوں نے انسانی زندگی کو شدید نقصان پہنچایا جس کی وجہ سے یہ علاقہ خالی ہو گیا۔ بہت سی باتیں بہت سی زبانیں لیکن بہر حال یہاں اب بھی کچھ عمارتیں صحیح وسالم تھیں۔ وہ پرانی جیپ ایک ایسی ہی عمارت کے سامنے آ کر رکی تھی، جس میں چار افراد سوار تھے۔ یہ چاروں اچھی خاصی تندرست شخصیت کے مالک تھے۔ ایک کے چہرے پر چاقو کا ایک گہرا نشان بھی نظر آتا تھا۔ ان چاروں میں سے ایک چوڑے چکلے جسم اور نہایت خوبصورت

چہرے کا مالک نوجوان آدمی تھا۔ دلربا نقوش' پروقار چہرہ' ایک نگاہ دیکھنے والا اسے دوبارہ دیکھنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ چوڑے جبڑے اور بھنچے ہوئے ہونٹ اس بات کی دلالت کرتے تھے کہ سخت دل' سخت مزاج اور بے جگر انسان ہے۔ عمر کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ ستائیس اٹھائیس سال کے پیٹے میں معلوم ہوتا تھا لیکن آنکھوں سے جو بے پناہ خوداعتمادی جھلکتی تھی وہ قابل دید تھی۔ عمدہ سے لباس میں ملبوس ہو کر کسی بھی محفل میں جا نکلتا تو کوئی یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ کوئی بڑا آدمی نہیں ہے۔

بہرحال جیپ اس عمارت کے سامنے جا کر رک گئی اور ان میں سے ایک نے کہا:

''شاہ جی آپ کو یقین ہے کہ یہی عمارت ہے۔'' اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا پھر بولا:

''کیا ایسی کسی جگہ بغیر کسی یقین کے پہنچا جاسکتا ہے؟''

''نہیں شاہ جی بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔''

عمارت کے بعض حصے ٹوٹ کر کھنڈر میں تبدیل ہو گئے تھے لیکن اس کے باوجود بھی صحیح و سالم حصوں میں پہنچنے کے لیے صدر دروازے کا تالا کھولنا ضروری تھا۔ بیس بائیس فٹ اونچی دیواریں پھلانگی تو نہیں جاسکتی تھیں۔ بہرحال وہ لوگ صدر دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے چابیوں کا ایک گچھا نکالا اور صدر دروازے پر پڑے ہوئے تالے کو کھولا۔ یوں لگتا تھا جیسے تالا باقاعدگی سے استعمال کیا جاتا رہا ہو۔ کوئی دقت نہیں ہوئی تھی اس کے کھلنے میں۔ وہ چاروں اندر داخل ہو گئے اور صدر دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا۔ صدر دروازے کی دوسری طرف ایک لمبی سی نیم تاریک راہداری تھی جو ابابیلوں اور چمگادڑوں کی بیٹ کی بدبو سے بھبک رہی تھی۔ اس راہداری کا اختتام ایک بڑے اور چوڑے صحن میں ہوتا تھا۔ یہاں چاروں طرف جھاڑ جھنکار نظر آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سالہا سال سے ادھر کوئی نہ آیا ہو۔ اچانک ہی ان میں سے ایک نے کہا:

''شاہ جی یہ تو کوئی بھوت محل معلوم ہوتا ہے۔''

''تو پھر......''

''نہیں شاہ جی میرا مطلب ہے کہ کہیں ہمارے ساتھ کوئی دھوکا نہ ہوا ہو۔''

''بہت افسوس ہوتا ہے تم لوگوں پر کتنی کتنی عمریں ہیں تمہاری بچپن تو خیر خوفزدہ ہونے کے لیے مجبور ہوتا ہے لیکن اس عمر میں اگر تم اس طرح کی باتیں کرو تو لعنت بھیجنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔''

''اب آپ جیسا دل تو سب کے پاس نہیں ہوتا شاہ جی۔''

''تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اس میں دل کا ہونا بہت ضروری ہے اور پھر میرا تو یہی نظریہ ہے کہ زندگی اور موت' کالا اور سفید' دن اور رات' نیکی اور بدی یہ سب ایک ہی چیزوں کے مختلف نام ہیں ہم ان میں سے کس چیز کو جھٹلا سکتے ہیں۔''

''مگر شاہ جی ہم تو ابھی جینا چاہتے ہیں۔''

''واپس جاسکتے ہو۔''

''اب اس کے بعد آپ یہی کہنا شروع کر دیتے ہیں۔اس سے پہلے بھی آپ کو چھوڑ کر واپس گئے ہیں۔''

''تو پھر آجاؤ۔'' خوبصورت آدمی نے کہا اور وہ صحن سے گزر کر وسیع دالان میں پہنچے۔صحن سے گزرتے ہوئے اس سخت دل آدمی کے سوا باقی لوگ بڑے خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔ذرا سی سرسراہٹ ہوتی تو انہیں یوں لگتا جیسے وہاں سانپ لہرا رہے ہوں۔وہ چاروں کافی وحشت زدہ تھے۔خوبصورت آدمی نے مڑ کر اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر اس دروازے کو کھول کر اندر داخل ہو گیا جو سامنے ہی نظر آیا تھا۔اسے توقع تھی کہ یہ کمرہ بھی نیم تاریک اور گرد وغبار سے اٹا ہوا ہو گا لیکن اس کے برعکس اس کی صاف ستھری فضا نے اسے حیران ہونے پر مجبور کر دیا۔بڑے بڑے روشندانوں سے روشنی اندر آ رہی تھی اور یہاں اس قسم کی بدبو کا نام ونشان تک نہیں تھا۔جس سے گزر کر وہ صحن میں پہنچے تھے۔کمرے کے درمیان میں چمکدار سطح والی ایک بڑی سی میز بچھی ہوئی تھی لیکن جو حیران کن چیز تھی وہ دیواروں میں بنے ہوئے چھوٹے پانچ دروازے تھے جو عجیب وغریب کیفیت کے حامل تھے۔لکڑی کے ان دروازوں کے پیچھے کیا ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔لیکن ان کے اندر داخل ہوتے ہی اچانک ایک عجیب سی بات ہوئی۔فضا میں ایک مدھم مدھم سی گونج ابھری اور وہ دروازہ جس سے وہ اندر داخل ہوئے تھے ایک زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔خوبصورت آدمی کے علاوہ باقی تینوں افراد بری طرح اچھل پڑے تھے۔ پھر وہ پانچ دروازے آہستہ آہستہ کھلے اور اس کے بعد ان سے جو کچھ نمودار ہوا وہ اچھے اچھوں کے حوصلے پست کر دینے کے لیے کافی تھا۔

یہ پانچ انسانی ڈھانچے تھے جو بڑی ثابت قدمی سے ان دروازوں سے باہر آئے تھے۔خوبصورت آدمی کے ساتھ آنے والے لوگ وحشت زدہ ہو کر اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔چمکدار ڈھانچے ایک ایک قدم بڑھاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ان کے چمکدار دانتوں کی سفید سفید قطاریں بڑی بھیانک لگ رہی تھیں۔خوبصورت آدمی بڑی دلچسپی اور توجہ سے ان ڈھانچوں کو دیکھ رہا تھا۔دفعتاً ہی اس کے تینوں ساتھیوں میں سے ایک کے حلق سے ایک ڈری ڈری آواز نکلی اور خوبصورت آدمی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا ہو گیا......کیوں مر رہے ہو تم؟''

''مروا تو تم رہے ہو ہمیں۔'' ان تینوں میں سے ایک نے دہشت بھرے لہجے میں کہا اور اس کے بعد دروازے کی جانب دوڑ گیا۔وہ جیسے ہی دروازے کے پاس پہنچا باقی دونوں افراد بھی نکل بھاگے۔خوبصورت نوجوان برا سا منہ بنا کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے ان کے بھاگ جانے کی ذرا بھی پرواہ نہ ہو۔البتہ اس نے اپنی آستینیں چڑھائی تھیں جیسے وہ ان ڈھانچوں سے باقاعدہ مقابلے کا ارادہ رکھتا ہو لیکن ڈھانچے چند قدم آگے بڑھے اور پھر رک گئے۔خوبصورت نوجوان ان کے درمیان کھڑا ہو گیا۔یوں لگ رہا تھا جیسے ڈھانچے اس پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہوں اور پھر وہ واپسی کے لیے پلٹ پڑے۔نوجوان خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا حتیٰ کہ وہ دروازوں کے اندر داخل ہو گئے تھے یا دروازے شاید ان کے قریب پہنچتے ہی کھل گئے تھے۔نوجوان خاموشی سے اپنی جگہ کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔پھر اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں اور اس کے بعد کوئی فیصلہ کرنے کے بعد ان پانچ دروازوں میں ایک دروازے کی جانب

بڑھا۔ یہ بہت ہی ہمت اور دل گردے کا کام تھا۔

دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے ایک زوردار لات دروازے پر ماری۔ دروازے بہت پرانے تھے جہاں اس کی لات پڑی تھی وہاں کی لکڑی چیخ گئی اور اس میں ایک سوراخ ہو گیا۔ نوجوان نے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر دروازے کو باہر کھینچا اور دروازہ چوکھٹ سے باہر نکل آیا۔ اس نے اسے ایک طرف اچھال دیا تھا۔ اندر چھوٹا سا خانہ بنا ہوا تھا اور ایک سفید ڈھانچہ اس خانے میں سیدھا سیدھا بنا ہوا تھا۔ نوجوان نے دانت بھینچے اور اس ڈھانچے کی گردن پکڑ کر اسے باہر کھینچ لیا۔ ڈھانچے کی طرف سے کوئی تعرض نہیں ہوا تھا۔ نوجوان نے اسے باہر نکالا اور اس کو غور سے دیکھنے لگا۔ پھر دفعتاً ہی اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ ڈھانچے کے سینے کے پاس ایک چھوٹی سی مشین لگی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کچھ اس قسم کا میکنزم تھا جو پیروں تک چلا گیا تھا۔ اس نے غور سے مشین کو دیکھا۔ یہ مشین ریموٹ سے کنٹرول کی جا سکتی تھی۔ نوجوان کے ہونٹوں پر ایک حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ سیدھا کیا اور اس ڈھانچے کی گردن پر مارا۔ شاید کراٹے کا اتنا زبردست ہاتھ تھا کہ گردن ٹوٹ کر کافی دور جا گری اور اس کے بعد نوجوان نے اس مشین پر ہاتھ ڈال دیا جو ڈھانچے کے سینے کے پاس فٹ تھی اور اس کا رنگ اس طرح کا تھا کہ اسے دور سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

نوجوان نے ادھر ادھر دیکھا اور اس کے بعد مشین کو بھی پھینک دیا اور پھر مسکراتی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور اس کے بعد وہ اس کمرے سے باہر آیا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا اور پھر اس عمارت کے ایک ایک گوشے کی تلاشی لینے لگا۔ لیکن اس کمرے کے علاوہ اسے اور کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ وہ واپس اس کمرے میں آ گیا جہاں اس نے ڈھانچے کو توڑ پھوڑ دیا تھا لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ اب اس ڈھانچے کا کہیں پتا نہیں تھا۔ نوجوان بڑے پرسکون انداز میں ان میں سے ایک ایک دروازے کو کھول کر دیکھنے لگا۔ باقی چاروں ڈھانچے بھی غائب ہو گئے تھے۔ نوجوان کے انداز میں ذرا بھی خوف کا احساس نہیں تھا۔ اس کے برعکس اس کی آنکھوں میں شوخیاں اور شرارتوں کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔ وہ جچے تلے قدم اٹھاتا ہوا عمارت سے باہر آ گیا اور صدر دروازے کو دوبارہ تالا لگا کر وہ اس گاڑی کی جانب بڑھ گیا جہاں اس کے تینوں ساتھی حیران پریشان موجود تھے اور تشویش زدہ نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر ان کے چہرے کھل اٹھے۔ نوجوان خاموشی سے ڈرائیور کے پاس جا بیٹھا۔ ڈرائیور کافی نروس تھا اور اس کے بدن پر ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

''زندہ ہو؟'' نوجوان نے سوال کیا۔

''زندہ ہیں شاہ جی۔''

''میرا انتظار کیوں کر رہے تھے؟''

''آپ کے بغیر واپسی کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔''

''اور اگر میری واپسی نہ ہوتی تو۔''

''شاہ جی ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں تمہارا جیسا دل اور تمہارے جیسی پھرتی ہم میں کسی کے پاس نہیں ہے۔''

”مجھے افسوس ہوا ہے تم لوگوں کی حرکت پر تم تینوں مجھے چھوڑ کر بھاگ آئے تھے چاہے وہاں میرے ساتھ کوئی بھی واقعہ پیش آ جاتا۔“

”شاہ جی آپ یقین کریں۔“

”بس......بس کر لیا یقین چلو کسی ہوٹل میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔ گاڑی چلا سکو گے؟“

”ہاں شاہ جی کیوں نہیں۔“

ڈرائیور نے کہا اور اس کے بعد گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس پرانے علاقے سے نئے اور جدید شہری علاقے میں داخل ہو گئے اور پھر ایک خوبصورت سے ہوٹل کے سامنے انہوں نے گاڑی روک دی اور چاروں اتر کر اندر داخل ہو گئے۔ خوبصورت نوجوان کا چہرہ خشک نظر آ رہا تھا۔

”آپ ناراض ہو گئے شاہ جی؟“

”نہیں بلکہ یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا تم لوگ زیادہ عرصے میرا ساتھ دے سکو گے۔“

”ایسا مت سوچو شاہ جی۔ بس یہ سوچو کہ ہم انسان تھے اور ابھی تک ہم اپنے اعصاب قابو نہیں پا سکے۔“

”ایسے ہی موقعوں پر تو دوستی دیکھی جاتی ہے۔ تم میرے غلام نہیں ہو۔ میں تمہیں اپنا دوست سمجھتا ہوں۔“

”مگر شاہ جی ایک بات تو بتاؤ کہ انسانی ڈھانچے دیکھ کر کون اپنے ذہن پر قابو پا سکتا ہے۔“

”ٹھیک کہتے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ ایک دن تمہیں ڈھانچہ بن جانا ہے۔“

”شاہ جی ہمیں پتا تو نہیں چلے گا کہ ہم ڈھانچہ بن گئے ہیں۔“ ان میں سے ایک نے مذاق کرنے کی کوشش کی۔

”دیکھو میں نے جو کیا ہے وہ مجھے یہ احساس دلاتا ہے کہ تم اس قدر قابل نہیں جتنا میں سمجھتا ہوں۔“

”شاہ جی آپ......“

”مجھے ایک بات کا جواب دو کیا اب تک تمہیں کسی کو دھوکا دینا پڑا ہے۔“

”نہیں شاہ جی۔“

”کوئی قتل کرایا ہے میں نے تم سے؟“

”نہیں شاہ جی بالکل نہیں۔“

”تو پھر تم جانتے ہو کہ میں اس طرح کے کام کرتا ہوں جن میں ایسا کوئی عمل نہ کرنا پڑے جو قانون کی گرفت میں آ جائے چونکہ تمہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ میں خود قانون کا بے پناہ احترام کرتا ہوں اور قانون کے سامنے یہ حلف اٹھا چکا ہوں کہ میں قانون کے خلاف کوئی ایسا کام نہیں کروں گا۔ ہاں اگر کوئی ایسا کام ہو جس میں قانون کی کچھ مدد ہوتی ہو اور اس کا انداز مجرمانہ ہی کیوں نہ ہو میں اس سے گریز نہیں کرتا۔“

”جانتا ہوں شاہ جی...... اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”جو کچھ تمہیں مل رہا ہے وہ کیا اتنا نہیں ہے کہ تم......“

”شاہ جی ہمیں زیادہ ذلیل نہ کریں۔“

”خیر یہ الگ بات ہے کہ میں تمہیں اپنی زبان سے دوست کہہ چکا ہوں۔“

”شاہ جی مگر ان ساری باتوں کا مطلب کیا نکلا ہے؟“

”جو میں نے کہی ہیں۔“

”نہیں شاہ جی آپ نے نہیں بلکہ وہ عمارت...... وہ ڈھانچے۔“

”مقصد تو مجھے بھی نہیں معلوم‘ تم یہ بات جانتے ہو کہ مقصد بتا کر کوئی کسی سے اس طرح کے کام نہیں لے سکتا لیکن بس اتنا میں جانتا ہوں کہ کوئی ایسا مجرمانہ کام میں نہیں کر سکتا تھا جو قانون کی گرفت میں آ سکے۔“

اتنی دیر میں ویٹر آ گیا تھا۔ انہوں نے چائے کا آرڈر دیا اور اس کے بعد وہ خاموش بیٹھ گئے۔ نوجوان جسے شاہ جی کہہ کر مخاطب کیا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا اور اس کے بعد ان میں سے ایک نے کہا۔

”شاہ جی ناراضگی دور کر لو تمہاری مہربانی ہوگی۔“

”نہیں میں ناراض نہیں ہوں بلکہ بس یہ سوچ رہا ہوں کہ اپنی زندگی بچانے کے لیے پہلے ہی خود کوئی انتظام کر لینا ضروری ہوگا۔“

”شاہ جی ان ڈھانچوں نے کیا کہا تم سے؟“

”بس بتا رہے تھے کہ میرے ساتھی انتہائی بزدل اور نامعقول ہیں۔“

”شاہ جی پلیز ہمیں دھکے دے کر باہر نکال دو مگر اس طرح کی باتیں نہ کرو۔“

”ہو سکتا ہے‘ ایسا ہو۔“

”اچھا شاہ جی ایک بات بتاؤ۔ اس لڑکی کے بارے میں تم نے کیا سوچا۔“

”لڑکیوں کے بارے میں میں کبھی وہ نہیں سوچتا جو لوگ سوچتے ہیں۔“

”شاہ جی سارا چکر تو اسی کا چلایا ہوا ہے۔“

”نہیں کیا کہا جا سکتا ہے کہ چکر اس کا چلا گیا ہوا ہے یا اس کے پیچھے کوئی اور ہے۔“

”اوہو دیکھو شاہ جی وہی ہے۔ وہی ہے شاہ جی۔“

”تو پھر...... مرے کیوں جا رہے ہو؟“

”نہیں میرا مطلب ہے کہ کیا اسے یہاں آنا تھا۔“

"یار تم لوگ جس طرح میرا دماغ کھاتے ہو اس طرح کبھی کوئی کسی کا دماغ نہیں کھاتا۔ ہاں اسے یہاں آنا تھا کیونکہ میں نے اسے وقت بھی دیا تھا اور دوسری بات یہ کہ وہ ہمارا تعاقب بھی کر رہی تھی۔"

"کیا؟" تینوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"ہاں! تم لوگ ابھی بہت کچے ہو۔ چھوٹے موٹے اٹھائی گیری پن کر لینا الگ بات ہے اور کوئی بڑا کام کرنا الگ بات ہے۔ تم صرف جیبیں کاٹ سکتے ہو۔ چیزیں لے کر بھاگ سکتے ہو۔ اس معیار کے نہیں ہو تم جس معیار کا میں سمجھا ہوں۔"

وہ تینوں خاموش ہو گئے۔ وہ لڑکی ایک خوبصورت پتلون پہنے ہوئے بہت دلکش لگ رہی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور ان کے قریب پہنچ گئی اور پھر اس نے اپنی گہری نیلی آنکھوں سے اس شخص کو دیکھا جسے باقی لوگ شاہ جی کہہ کر مخاطب کر رہے تھے۔

"بیٹھیے میڈم۔" نوجوان نے کہا اور لڑکی بیٹھ گئی۔

"ویری گڈ تم لوگ واقعی اس قابل ہو کہ تم پر بھروسا کیا جا سکے۔"

"کیوں میڈم کیا ان ڈھانچوں نے ہماری سفارش کی ہے۔" نوجوان نے سوال کیا اور لڑکی مسکرا پڑی۔

"یہی سمجھ لو۔ ہمارا باس تمہارا ہر طرح سے جائزہ لے رہا تھا اور اس کا کہنا ہے کہ باقی لوگ جو کچھ بھی ہیں لیکن تم ایک مضبوط دل کے ذہین آدمی ہو۔"

"شکریہ۔"

"شام کو سات بجے کے قریب میں تمہیں فون کروں گی کہ ہمیں کہاں ملاقات کرنی ہے۔ تمہارا ایڈوانس تمہیں مل جائے گا۔"

"نہیں میڈم کافی ہے۔"

"میڈم یا مس۔" خوبصورت آدمی نے سوال کیا۔

"میڈم...... مس کہو گے تو شاید تمہارے دماغ میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے۔" لڑکی نے ہنس کر کہا اور خوبصورت آدمی مسکرا اٹھا پھر بولا:

"ابھی وقت ہے ہم لوگوں کو ایک دوسرے کو جاننے کے لیے آپ نے جو بات کہی ہے نا اس کے بارے میں بس اتنا ہی کہوں گا کہ غلط فہمی دل سے نکال دیجیے۔ بات صرف اتنی نہیں ہے کہ آپ میرے بارے میں کسی شک کا شکار ہیں اور میں پارسا بننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ہر خوبصورت لڑکی یہ سمجھ لیتی ہے کہ ہر دل میں اس کے لیے ایک ہی گنجائش ہو گی۔"

"سوری...... سوری...... تمہاری باتیں مجھے اچھی لگی ہیں۔ او کے...... اور کیا کہتے ہو۔"

"چائے پی لو۔" خوبصورت نوجوان نے لاپرواہی سے کہا۔

"کچھ کھانے کے لیے بھی منگواؤ۔" لڑکی بولی اور پھر جلدی سے کہنے لگی۔

"میرے حساب میں۔" خوبصورت نوجوان نے ایک بار پھر مدھم سی مسکراہٹ سے لڑکی کو دیکھا پھر بولا:

''جتنی خوبصورت ہو اتنے ہی معیار کی بات کرو۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کر کے اپنے آپ کو ہلکا مت کرو۔''

لڑکی کے چہرے پر تھوڑا سا پھیکا پن پیدا ہو گیا تھا لیکن خوبصورت نوجوان نے ویٹر کو بلا کر کچھ چیزوں کا آرڈر دے دیا۔ چائے وغیرہ سے فراغت کے بعد لڑکی نے اٹھتے ہوئے کہا:

''تو پھر میں چلتی ہوں۔ باس کو تم سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں آگاہ کر دوں گی۔''

''ہاں کیوں نہیں۔''

''او کے۔'' اور اس کے بعد لڑکی اٹھ کر چل پڑی۔ وہ درحقیقت کافی دلکش تھی اور خوبصورت نوجوان کے تینوں ساتھی عقب سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ جبکہ خوبصورت نوجوان میز پر ناخن سے لکیریں کھینچ رہا تھا اور کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

جس وقت اس نے گردن اٹھائی لڑکی جا چکی تھی۔

''جی شاہ جی کیا کہتے ہیں آپ؟'' خوبصورت نوجوان چونکا [illegible]

''سات بجے وہ ہمیں ایڈوانس دے گی۔''

''شاہ جی آپ نے یہ نہیں معلوم کیا کہ ہمیں کام کیا کرنا ہوگا۔''

''اس سلسلے میں پہلے ہی اس سے بات ہو چکی ہے۔ میں [illegible]

ہوتی ہو۔''

''شاہ جی کیا تم نے ایک مزاحیہ بات نہیں کہی۔''

''کیا مطلب؟''

''اس طرح اگر کسی کو کرائے پر حاصل کیا جاتا ہے تو کیا اس

''نہیں نیک کام نہیں کرائے جاتے لیکن کسی کو قتل کرنا کہیں

''ہم سے تو وہ غیر مطمئن ہے اور اس نے ہمارے بارے

امتحان تھا۔ تم خود سوچو زبیر شاہ صاحب کہ ایسے لوگ کب ہماری ناک

''میں نے تم سے کہا نا کہ تم اگر اس مسئلے میں شریک نہ ہونا چ

''شاہ صاحب! اگر ہم پولیس تک پہنچ گئے تو......''

''تو میں تمہیں سچے دل سے ایک بات بتاؤں تمہارا وہ حشر کر

''آپ ہمیں دھمکی دے رہے ہیں شاہ جی۔''

"میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ الگ ہونا چاہتے ہو تو شوق سے ہو جاؤ لیکن اگر کہیں میرے مسئلے میں زبان کھلی تو پھر اس زبان سے کوئی دوسرا لفظ نہیں کہہ سکو گے۔ یہ میں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔"

ان تینوں نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر انہی میں سے ایک بولا:

"یار تو بہت زیادہ سمجھدار بننے کی کوشش مت کیا کر شاہ جی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے کھل کر کہہ دیا ہے کہ اگر ہم اس مسئلے سے علیحدہ ہونا چاہیں تو آرام سے ہو سکتے ہیں پکڑ کر تو نہیں رکھ رہے وہ تجھے اور تو اگر الگ ہونا چاہتا ہے تو شوق سے ہو جا۔ ہم تو شاہ جی کے ساتھ ہیں۔"

"یارو میں ڈر گیا تھا' معافی چاہتا ہوں شاہ جی آپ کو ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"ٹھیک ہے...... تم نے ایک بال ڈال دیا ہے میرے دل میں۔ غور کروں گا اور سوچوں گا۔"

"شاہ جی بس کہہ دیا نا ڈر گئے تھے معاف کر دو۔ آئندہ تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" خوبصورت نوجوان نے جیب سے بل کی رقم نکالی اور بولا:

"میں گاڑی لیے جا رہا ہوں تمہارا جیسے دل چاہے چلے جانا۔"

"شاہ جی میری بات تو سنو۔" ان میں سے ایک نے گڑگڑا کر کہا لیکن خوبصورت نوجوان باہر نکل گیا تھا۔ وہ شخص جو باتیں کر رہا تھا کسی قدر افسردہ نظر آ رہا تھا۔

"یارو دیکھو میں نے......"

"تیرا دماغ خراب ہے رحیم خان تجھے پتا ہے وہ کیا چیز ہے اس شہر میں رہنا ہے یا نہیں۔"

"یار میں معافی مانگ لوں گا شاہ جی سے' غلطی ہو گئی۔"

"زیادہ بولنا اسی لیے نقصان دہ ہوتا ہے' دنیا والے یہی کہتے ہیں۔"

"معافی مانگ لوں گا۔ شاہ جی کو چھوڑنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شہر چھوڑنا پڑے۔ ان سے پنگا لے کر ہم اس شہر میں کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ تمہیں ٹونی کے بارے میں معلوم ہے کہ شاہ جی نے اس کے ساتھ کیا کیا' اب آج کل ٹونی شربت کی ریڑھی لگاتا ہے۔ ایک زمانہ کیا تھا تم لوگوں کو یاد ہوگا۔"

"ایک ایک پیالی چائے اور منگاؤ یار جو اس وقت ہوا ہے برا ہوا ہے۔ زبیر شاہ نے کہا ہے کہ اس کے دل میں بال پڑ گیا ہے۔ ہمارے لئے۔ یہ سب کچھ اچھا تو نہیں ہوا۔"

"غلطی میری ہے۔ میں ہی اسے ٹھیک بھی کرلوں گا......" اور اس کے بعد ان لوگوں نے ویٹر کو طلب کر لیا تھا۔

☆......☆......☆

خاصی تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ فنڈ بھی اچھا خاصا جمع ہو گیا تھا۔ شیر جنگ، بزمی صاحب، ناہید وغیرہ بھی اچھے خاصے دولت مند بن گئے تھے۔ طریقہ کار ہی ایسا رکھا گیا تھا۔ ان لوگوں سے بڑی بڑی رقمیں وصول کی جاتی تھیں جو کسی بڑے جرم میں ملوث ہوتے تھے اور رقمیں وصول کرنے کے بعد ان پر جو قانونی گرفت ہوتی تھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی تھی۔

بہر حال دو عمارتیں خریدی گئی تھیں۔ یہ بڑے کام کی عمارتیں تھیں۔ ایک کافی پرانی عمارت تھی جو بے حد مضبوط اور شاندار رعمدگی کی حامل تھی اور اس میں لیمپو آن نے طرح طرح کے کھیل سجائے تھے جن میں سے ایک عمارت وہی تھی جہاں زبیر شاہ کو اس کے تین ساتھیوں کے ہمراہ بھیجا گیا تھا اور اس سلسلے میں ناہید کو استعمال کیا گیا تھا۔ جس نے شیر جنگ کی ہدایت پر زبیر شاہ سے رابطہ قائم کیا تھا۔ وہ لوگ شیر جنگ کے کہنے کے مطابق زبیر شاہ کی دلیری اور ہمت کا جائزہ لینا چاہتے تھے۔ خیر اس کے باقی تین ساتھی تو جو کچھ بھی ثابت ہوئے تھے وہ ایک الگ بات ہے لیکن زبیر شاہ واقعی ایک دلیر نوجوان ثابت ہوا تھا اور اس کی رپورٹ لیمپو آن کو دے دی گئی تھی۔

لیمپو آن کارواں ہاؤس میں کامیابی کے ساتھ وقت گزار رہا تھا اور کارواں گروپ ایک دلچسپ حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اس دن بھی لیمپو آن اپنی ڈینٹل شاپ پر اپنی مصروفیات میں لگا ہوا تھا۔ ایک چینی دندان ساز کی حیثیت سے وہ بہترین کام کر رہا تھا لیکن کچھ طریقے کار وضع کر رکھے تھے اس نے جن کے تحت سارے کام ہو رہے تھے اور لیمپو آن اور کائی شی بھی مطمئن وقت گزار رہے تھے۔ بڑھاپے کی اس زندگی کے بارے میں انہوں نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اس سے غیر مطمئن نہیں تھے۔ بہترین ایڈونچر چل رہا تھا اور اچھے ساتھیوں کے ہمراہ ان کا وقت بھی کافی اچھا گزر رہا تھا۔

اس دن بھی لیمپو آن دوکان بند کر کے باہر نکلا تھا۔ تمام کام اسی طرح کیے گئے تھے کہ کسی کو ان پر کسی طرح کا شبہ نہ ہو سکے۔ ایک ڈینٹسٹ کی جتنی آمدنی ہو سکتی تھی' اسی کی مناسبت سے وہ اپنے روزمرہ کے معمولات طے کر سکتا تھا۔ چنانچہ ایک پرانی آسٹن لیمپو آن کی دوکان کے سامنے کھڑی رہا کرتی تھی اور لیمپو آن کائی شی کے ساتھ اسی میں آتا جاتا تھا۔ آج کائی شی اس کے ساتھ نہیں آئی تھی۔ کوئی ضروری معاملات تھے جو انہیں سرانجام دینے تھے۔ چنانچہ لیمپو آن دوکان بند کرنے کے بعد باہر نکل کر آسٹن میں بیٹھا اور آسٹن اسٹارٹ کرنے لگا۔ پھر وہ سست رفتاری سے چل پڑا۔ اس کے ذہن میں کوئی خاص خیال نہیں تھا لیکن اچانک ہی ایک سنسان سی سڑک پر پیچھے سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اور کلوروفارم کی زبردست خوشبو نے لیمپو آن کے دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ کلوروفارم سے بھرا ہوا رومال اس کی ناک پر اس تیزی سی آ کر لگا تھا کہ لیمپو آن کچھ سوچ بھی نہ سکا۔ پھر دوسرے ہاتھ نے آگے بڑھ کر کار کا انجن بند کر دیا اور کار ڈگمگاتی ہوئی سڑک سے نیچے اتر کر رک گئی۔ اسٹیئرنگ بھی پیچھے ہی سے کنٹرول کیا گیا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب طریقہ کار تھا۔ فوراً ہی پیچھے سے ایک کار آ کر آسٹن کے پاس رک گئی۔ اس سے تین آدمی نیچے اترے اور انہوں نے آسٹن کا ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھول کر ہلکے پھلکے لیمپو آن کو نیچے گھسیٹ لیا اور اس کے بعد فوراً ہی اسے اس کار میں منتقل کر دیا گیا۔ جبکہ آسٹن کی پچھلی سیٹ سے دبلے پتلے بدن کا ایک شخص نیچے اترا تھا۔ اسی نے غالباً کلوروفارم کے ذریعے لیمپو آن کو بے ہوش کیا تھا۔ چند ہی لمحوں کے بعد دوسری کار برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی اور بے

ہوش لیمپو آن کو تھوڑی دیر کے بعد ایک عمارت کے ایک کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ وہ چار آدمی جو اس کام پر مامور کئے گئے تھے۔ لیمپو آن کو اس کمرے میں پہنچانے کے بعد ایک اور کمرے میں پہنچے۔ یہاں ایک بھاری بھرکم جسم کا نہایت پر رعب آدمی جس نے اپنی آنکھوں پر کالے شیشوں والی عینک لگا رکھی تھی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے نرم لہجے میں کہا:

''میں نے دیکھ لیا ہے کہ تم لوگ اسے لے آئے ہو۔''

''جی باس۔''

''دیکھو ہر بات بتانے والی نہیں ہوتی' تمہیں اس آسٹن کی تلاشی لینے چاہئے تھی۔''

''باس آسٹن کی تلاشی لے لی گئی تھی۔''

''کب؟''

''اس وقت جب وہ اس کی دوکان کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اس میں کچھ بھی نہیں ملا۔''

''یہ تم نے خطرہ مول لیا تھا۔ وہ سانپ کی طرح زہریلا' چیتے کی طرح پھرتیلا اور چالاک ہے۔ اگر اسے ذرا بھی شبہ ہو جاتا۔''

''جی باس ہمیں موقع مل گیا تھا۔ وہ اس وقت اپنے ایک مریض کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن باس تعجب کی بات ہے کہ ایک دندان ساز کو آپ نے اس قدر حیثیت دی۔''

''ابھی میں نے تمہیں بتایا ہے کہ وہ سانپ سے زیادہ زہریلا اور چیتے سے زیادہ پھرتیلا اور چالاک ہے۔''

''ہمیں تو وہ ایک مرا ہوا کیڑا لگتا ہے جس کا دھڑ ٹوٹا ہوا ہو۔''

''اسی لیے تم میرے ماتحت اور میں تمہارا باس ہوں۔'' کالے چشمے والے نے کہا۔

''ہاں باس یہ تو ہے۔ اب کیا کیا جائے اس کا؟''

''باندھ دیا ہے تم نے اسے؟''

''جی باس آپ کی ہدایت کے مطابق اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے باندھ دیئے گئے ہیں اور دونوں پاؤں بھی۔''

''چلو ٹھیک ہے اگر تم میری بات کی تصدیق چاہتے ہو تو ابھی تھوڑی دیر کے بعد دیکھ لو گے۔''

''کیا باس؟''

''وہ میں تمہیں ابھی نہیں بتاؤں گا۔''

''دلچسپ بات ہے باس۔''

اسی وقت موبائل فون پر اشارہ موصول ہوا اور باس نے موبائل فون آن کر کے کان سے لگا لیا۔

''این بول رہی ہوں باس۔''

"ہاں بولو۔"

"باس میں نے اپنا کام کرلیا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ سب ٹھیک ہو گیا ہے۔"

"ایف نے تصویریں بنائیں۔" باس نے سوال کیا۔

"جی باس' وہ ان کے پرنٹ تیار کر رہی ہے۔"

"جیسے ہی پرنٹ تیار ہوں مجھے اس کے بارے میں اطلاع دو۔"

"جی باس۔"

"اور کچھ؟"

"نہیں باس۔ اب آپ مجھے صرف اتنا بتا دیجئے کہ کیا میں مسلسل اس کے ساتھ رہوں۔"

"اس کے بعد اسے تمہاری جھلک بھی نظر نہیں آنی چاہئے۔ ویسے کیا تم اصل چہرے کے ساتھ اس کے پاس پہنچی تھیں۔"

"نہیں باس میں نے اپنے چہرے پر میک اپ کرلیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ او کے...... اور کچھ؟"

"نہیں باس اور کچھ بھی نہیں۔"

موبائل فون بند ہو گیا۔ باس اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر کے کہا:

"آؤ۔"

پھر وہ انہیں اس کمرے کے پاس لے گیا جہاں لیمپوآن کو بند کیا گیا تھا۔ اس کے کمرے میں ایک کھڑکی تھی اور اس کھڑکی میں شیشہ لگا ہوا تھا لیکن اس شیشے سے احتیاط سے اندر جھانکنا پڑتا تھا کیونکہ اندر سے اس کے دیکھ لیے جانے کا خطرہ تھا۔ البتہ جس جگہ لیمپوآن فرش پر پڑا ہوا تھا۔ وہ ذرا گہرائی میں تھی اور شیشہ اوپر کی طرف۔

یہ لوگ کھڑے ہو کر اندر جھانکنے لگا۔ لیمپوآن کے بدن میں آہستہ آہستہ تحریک پیدا ہو رہی تھی۔ باس اور اس کے چاروں ساتھی اس شیشے سے اندر کا جائزہ لے رہے تھے۔

"مگر باس۔" کالے چشمے والے کے ایک ساتھی نے کچھ کہنا چاہا اور کالے چشمے والے کا الٹے ہاتھ کا تھپڑ اس کے منہ پر پڑا۔ وہ ایک دم سے سہم گیا تھا۔ کالے چشمے والے نے دانت پیستے ہوئے اسے دیکھا اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اندر لیمپوآن ہوش میں آ رہا تھا۔ اس نے ہوش میں آنے کے بعد کروٹ بدلی اور پھر انہوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ ہاتھوں کو زمین پر ٹکائے بغیر وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ لیکن شیشے سے جھانکنے والوں کی آنکھیں اس وقت حیرت سے پھیل گئیں جب ایک سیکنڈ کے اندر اندر لیمپوآن نے اپنے ہاتھ ان بندشوں سے آزاد کرا لیے تھے اور اس کے بعد اس نے پیروں کی

بندشیں بھی کھول دیں۔ سیاہ چشمے والے نے حقارت آمیز نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کو دیکھا اور پھر اندر کا جائزہ لینے لگا۔ لیمپوآن ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ کمرے کے بند دروازے کے پاس پہنچا اور اس نے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی۔ دروازہ کافی مضبوط تھا اور باہر سے بند تھا۔ لیمپوآن تھوڑی دیر تک دروازے کو آزماتا رہا اور اس کے بعد واپس آ کر کمرے کے فرش کے درمیان بیٹھ گیا۔ اس کے تاثرات کا کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ باس نے کہا:

''آؤ...... تم نے دیکھ لیا تم نے اسے اس طرح باندھا تھا کہ ایک سیکنڈ بھی تمہاری باندھی ہوئی رسی اس کی کلائیوں پر نہ رہ سکی۔''

''ہُج...... خدا کی قسم باس۔ یہ دنیا کا سب سے حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ ہم نے اتنی مضبوطی سے اس کے ہاتھ باندھے تھے کہ اگر آپ اس کی کلائیاں دیکھیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے۔''

''چلے آؤ چلے آؤ میرے ساتھ ساتھ۔'' باس نے کہا اور پھر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ پھر اس نے ان لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا:

''ہوشیار رہنا' وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔'' اس کے بعد باس ان لوگوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ لیمپوآن اسی طرح زمین پر پڑا رہا۔ پھر اس نے تھکے تھکے انداز میں نگاہیں اٹھا کر آنے والوں کو دیکھا اور دیر تک دیکھتا رہا اور پھر پیار سے لہجے میں بولا:

''مجھ سے کیا غلطی ہو گئی بھائی؟''

''کیا بات ہے لیمپوآن' بڑے کمزور نظر آ رہے ہو۔''

''نہیں تو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''مجھے نہیں پہچانے۔'' باس نے کہا اور لیمپوآن چندھیائی ہوئی آنکھوں سے باس کو دیکھنے لگا۔ پھر پھیکی سی ہنسی سے بولا:

''میں نہیں پہچان سکا۔''

''تم تو بالکل ختم ہو گئے۔''

''کیا تم مجھے جانتے ہو؟''

''تم بھی مجھے جانتے ہو۔'' باس نے کہا۔

''اب میری یادداشت میرا ساتھ نہیں دیتی۔ بہت عمر ہو چکی ہے۔'' لیمپوآن مضمحل لہجے میں بولا۔

''اپنے بارے میں بھی یاد نہیں۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''فلیش یاد ہے۔ جسے دنیا فلیش ماسٹر کے نام سے جانتی ہے۔''

''فلیش ماسٹر......''

''کنگ کو برا یاد ہے؟''

''ہاں......اوہ......اوہ...... فلیش ماسٹر' وہ بلیک میلر جس نے کوبرا جیسے زہریلے ناگ سے سب کچھ چھین لیا تھا۔''

''چھین نہیں لیا تھا بلکہ کوبرا نے اسے اپنا سب کچھ پیش کر دیا تھا۔''

''کوئن تو بابا یہ اتنی ہی حسین تھی۔''

''یاد آ گیا۔'' کالے چشمے والے نے کہا۔

''ہاں مگر فلیش ماسٹر تم یہاں کہاں؟''

''جیسے تم یہاں۔''

''میں نے تو دنیا سے لڑائی ختم کر دی۔ تھک ہار کر گوشہ نشین ہو گیا ہوں۔''

''مگر دنیا نے تو تم سے لڑائی ختم نہیں کی۔ تم نے مجھے کالی دلدل میں غرق کر دیا تھا اور میں نے تم سے کہا تھا کہ لیمپو آن زندہ بچ گیا تو تجھے تیزاب میں جلا دوں گا۔''

''اب کیا رکھا ہے ان باتوں میں......''

''اب ہی تو ساری باتوں کا وقت ہے۔ میں اپنا عہد پورا کروں گا' دیکھ لے میں تو کالی دلدل سے بچ گیا مگر تو تیزاب کے تالاب میں ضرور جلے گا۔''

☆......☆......☆

''ظاہر ہے وہ بھی میں نے ہی بھجوائی تھی کیونکہ میں تم سے کام لینا چاہتا تھا۔''

''سر اتنی بڑی رقم آپ نے اپنی جیب سے......''

''نہیں اپنی جیب سے نہیں۔'' شیر جنگ نے کہا اور زبیر شاہ الجھی ہوئی نگاہوں سے شیر جنگ کو دیکھنے لگا۔ پھر بولا:

''آپ کی باتیں بے حد پراسرار ہیں سر۔ میں الجھا بھی ہوں اور حیران بھی ہوں۔''

''زبیر شاہ تمہارے بارے میں مجھے مکمل تفصیلات معلوم ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم ایک بہت اچھے انسان ہو۔ صاف گو' بے غرض اور یہ سب سے بڑی بات کہ زبان کے پابند جو کچھ کہتے ہو وہ کر کے دکھاتے ہو۔''

''شکریہ سر...... تھوڑا سا اضافہ کر لیجیے۔ جو نہیں کر سکتا اس کا اقرار کبھی نہیں کرتا۔''

''یہ بھی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ ان تمام باتوں کو سوچتے ہوئے میں نے اپنے ذہن میں جو منصوبہ بنایا ہے اس کی تفصیل تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔''

''جی سر۔''

''زبیر شاہ کچھ افراد نے مل کر ایک تنظیم بنائی ہے' جسے ان لوگوں نے کارواں گروپ کا نام دیا ہے۔ یہ کارواں اشارتی طور پر بھی

کارواں ہی ہے کیونکہ اس کا آغاز صرف تین افراد نے کیا تھا اور اس کے بعد اس میں اور کچھ لوگوں کا اضافہ ہوا۔ کارواں گروپ ایسے کسی فرد کو اپنے ساتھ شامل نہیں کرتا جس کے بارے میں کوئی شبہ یا کوئی وہم ہو۔ یہ گروپ صاف ستھرے لوگوں کا گروپ ہے۔ زبان اور عمل کے پابند لیکن کچھ اصولوں کے ساتھ مثلاً اس گروپ کے اصول ہیں کہ وہ لوگ جو کسی بھی ناجائز طریقے کار کو استعمال کر کے دولت کماتے ہیں اور کسی کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوتے ہیں جیسے چور، ڈاکو، اسمگلر، قاتل یا کسی اور جرم میں ملوث اگر ان کی دولت کا کچھ حصہ چالاکی سے اپنے لیے حاصل کر لیا جائے تو اس میں کوئی بری بات نہیں ہے۔ کارواں گروپ ایسے لوگوں کو ان کے جرم کے بعد اپنے جال میں پھانستا ہے۔ ان سے رقومات وصول کرتا ہے اور پھر انہیں قانون کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ اس کا طریقہ کار ہے۔''

زبیر شاہ کی آنکھوں میں ایک دلچسپ چمک پیدا ہوگئی۔ شیر جنگ نے اس کے چہرے کو دیکھا۔ پھر بولا:

''کیوں خیریت؟''

''سر کیا عجیب بات کہی ہے آپ نے۔ آپ یقین کیجئے درجنوں بار میں نے ایسا ہی سوچا اور تلاش بھی جاری رکھی کہ میں مجرموں کو بلیک میل کروں، انہیں جو اپنے آپ کو بہت تیس مار خاں سمجھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ان سے بڑا اور کوئی نہیں ہے۔ سر اپنے اس فیصلے کو عملی جامہ نہیں پہنچا سکا لیکن دل میں آرزو رہی۔ آپ نے وہ الفاظ کہے میرے سامنے جو میرے دل میں تھے۔''

''کارواں گروپ اپنا کام شروع کر چکا ہے اور اس نے کچھ کام کیے بھی ہیں۔ ہم لوگ اس سلسلے میں ہر اس بات کو مدنگاہ رکھتے ہیں جو قانون کی نگاہوں میں جرم کی حامل ہو۔ ایسی شکل میں بس تم یوں سمجھ لو کہ ہم اپنا کام کرتے ہیں اور کامیابی سے اس کام کو جاری رکھا ہوا ہے۔''

''ہم سے کیا مراد ہے سر آپ کی؟''

''میں بھی کارواں گروپ کا ایک فرد ہوں۔''

''ونڈرفل...... سر ایک بات میں جانتا ہوں آپ کے بارے میں وہ یہ کہ آپ ایک کھرے اور مخلص افسر اعلیٰ ہیں۔ آپ کے نام کے ساتھ کوئی ایسی بری بات وابستہ نہیں ہے۔ جس پر کوئی انگلی اٹھا سکے۔ اگر آپ کارواں گروپ میں شامل ہیں اور جیسا کہ آپ نے کارواں گروپ کے مقاصد کے بارے میں بتایا ہے تو پھر تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ گروپ انتہائی کامیابی سے اپنے کام سرانجام دے رہا ہوگا۔''

''ایسی ہی بات ہے اور تمہیں اس گروپ میں شامل ہونے کی دعوت دیتا ہوں۔''

''سر آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ میری دبی ڈھکی آرزوؤں کی تکمیل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ خیال جو میرے دل میں نجانے کب سے چٹکیاں لے رہا تھا، اس طرح عمل پذیر ہونے کو ہے۔''

تمہارے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جن سے تم کام لیتے ہو۔''

''جی سر...... میرے پاس ایسے بے جگر لوگ موجود ہیں جو تعلیم یافتہ بھی ہیں اور اعلیٰ کارکردگی کے حامل بھی۔ وہ قابل اعتماد بھی ہیں اور ہر طرح سے دوستی نبھانے کے قابل بھی۔''

''مگر تھوڑے سے بزدل۔''

''نہیں سر...... اگر آپ ان تین آدمیوں کی بات کرتے ہیں تو یہ وہ لوگ نہیں ہیں جن کے بارے میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔''

''اچھا...... پھر وہ کون ہیں؟'' شیر جنگ نے پوچھا۔

''چار نام لکھ لیجیے آپ بلکہ پانچ ٹونی، جیمز، فرید خان اور شہباز، یہ چار افراد ایسے ہیں سر جن میں سے تین ایم ایس سی ہیں اور ایک گریجوایٹ' چاروں انتہائی ذہین ہیں۔ پانچویں شازیہ ہے۔ سر ہم لوگوں کے درمیان یہ طے ہے کہ اگر کبھی زندگی نے سکون کا موقع دیا تو ہم لوگ آپس میں شادی کرلیں گے...... ورنہ دوست رہیں گے...... شازیہ وکالت کر رہی ہے۔ وہ ایک کامیاب وکیل نہیں ہے۔ بس اس نے اپنا آفس کھولا ہوا ہے اور چھوٹے موٹے کیس لے لیتی ہے لیکن وہ میرے ساتھ ہوتی ہے۔ ہم دونوں مل کر ہی زندگی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں اور اپنا کام کر رہے ہیں۔ باقی رہے یہ چار آدمی تو سر بار برداری کے لیے گدھوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ ٹونی' کیسپر وغیرہ اپنا اپنا کام کرتے ہیں اور کچھ نہ کچھ کما کھا رہے ہیں۔ یہ چاروں بھی چھوٹے موٹے لچے لفنگے ہیں۔ یعنی ایسے جنہیں بار برداری کے لیے ضرورت کے وقت استعمال کیا جاسکتا ہے۔''

''گڈ...... وہ چار افراد جو تم نے بتائے کیا وہ تمہارے ساتھ کارواں گروپ کے لیے کام کرنے پر تیار ہو جائیں گے؟''

''سر میں نے یہ چار نام بے مقصد نہیں لیے ہیں۔ یہ لوگ مکمل طور پر قابل اعتماد ہیں اور میرے کہنے پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔''

''ٹھیک...... زبیر شاہ آج کل تمہاری آمدنی کیا ہے؟''

''یہ سر کہ جو رقم آپ نے دی ہے اس کا اسی فیصد میں اپنے قرض ادا کرنے کے سلسلے میں استعمال کر رہا ہوں۔ وہ قرض میرے نہیں بلکہ شازیہ کے بھی ہیں۔ ہم دونوں کو ادھار لینے کا بہت شوق ہے اور ہم اس فن میں بھی ماہر ہیں۔ آپ کسی ایسے کنجوس آدمی کے سامنے ہمیں پیش کر دیجیے جس نے اپنی اولاد کو بھی دس روپے قرض نہ دیئے ہوں ہم اس کی موجودہ رقم میں سے پینتیس فیصد ضرور قرض لے لیں گے یہ ہمارا فن ہے۔''

''گڈ...... گویا اگر تمہیں معقول آمدنی پر پیشکش کی جائے تو۔''

''سر دل و جان سے تیار۔''

''تو دیکھو اگر تم کارواں گروپ میں شامل ہونے کے لیے تیار ہو تو تم یہ سمجھ لو کہ پچیس ہزار روپے ماہوار تمہیں اور دس دس ہزار روپے ماہوار تمہارے ان چار ساتھیوں کے لئے' پندرہ ہزار روپے شازیہ کے لیے اور باقی ہر طرح کی آمدنی میں پانچ فیصد کمیشن تمہیں اپنے ذرائع سے لے کر باقی لوگوں کو سنبھالنا ہے۔''

''سر آپ بہت نیک انسان ہیں۔ محکمہ پولیس میں آپ کا بہت نام ہے اور ظاہر ہے آپ نے مجھے بطور مذاق نہیں بلایا ہوگا۔

آپ خدا کے لیے مجھے اس بات کا یقین دلا دیں کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ جلد شروع ہو جائے گا۔یعنی میرا معاوضہ۔‘‘

’’وہ شروع ہو چکا ہے اور تمہیں جو رقم ملی ہے‘ سمجھ لو وہ اس ایگریمنٹ کا ایک حصہ ہے۔‘‘

’’سر میں آپ کے پاؤں پکڑنا چاہتا ہوں۔‘‘ زبیر شاہ نے کہا۔

’’نہیں......وہ بدتمیزی ہوگی۔‘‘

’’سر میں یقین کرلوں۔‘‘

’’اور تیسری بار یہ سوال کرنا بھی بدتمیزی ہوگی۔‘‘ شیر جنگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’سر میں دل و جان سے آپ کا غلام۔‘‘

’’ٹھیک......تمہارا ہیڈ کوارٹر وہی عمارت ہوگی جسے تم دیکھ چکے ہو۔‘‘

’’بے حد شاندار عمارت ہے لیکن سر۔‘‘

’’ہاں ہاں میں سمجھتا ہوں فوری طور پر تمہیں پانچ موٹر سائیکلیں فراہم کردی جائیں گی۔کار تم اپنی آمدنی میں سے خریدو گے۔‘‘

’’موٹر بائیک۔‘‘

’’ہاں! شازیہ کو تم اپنے پیچھے بٹھا سکتے ہو......ویسے بھی لڑکیوں کو بائیک چلانا نہیں آتی۔‘‘

’’شازیہ کو آتی ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔اچھا تو یہ بات طے ہوئی وہ عمارت تمہارا ہیڈ کوارٹر ہوگی۔ایک بار اور اسے جا کر دیکھ لینا۔یہ اس کی چابی تمہارے حوالے۔وہاں کچھ ایسی چیزیں تمہیں نظر آئیں گی جیسے وہ ڈھانچے۔‘‘

’’سر ان کا کنٹرول مجھے دے دیجئے‘ آپ دیکھئے پھر کیا کیا تماشے دکھاتا ہوں میں وہاں۔‘‘

’’اس کا کنٹرول تمہیں دے دیا گیا۔یہ چابی اسی بات کی مظہر ہے۔‘‘

’’نہیں میرا مطلب ہے ایک بار وہاں سے روشناس بھی کرا دیجئے۔‘‘

’’نہیں......تم خود وہاں ہر چیز تلاش کرو گے اور تم ایک ذہین نوجوان ہو۔‘‘

’’سر کمال کی بات ہے۔کیا دے دیا آپ نے مجھے۔ویری گڈ......ویری گڈ......اچھا سر کارواں گروپ کے بقیہ افراد سے میرا تعارف۔‘‘

’’صرف زبانی......ابھی ان سے ملاقات ممکن نہیں ہے۔ضرورت پڑنے پر وہ خود تم سے اپنا تعارف کراتے رہیں گے۔‘‘

’’جی سر......جی سر۔‘‘

’’اس دوران صرف تم سے میرا رابطہ رہے گا اور میں ہی تمہیں ہدایت دیتا رہوں گا۔‘‘

''ٹھیک ہے سر وہ غائبانہ تعارف۔''

''ہاں! تم یہ سمجھ لو کہ تین افراد اس کارواں گروپ کے بانی ہیں' مسٹر لیمپو آن' میڈم کائی شی اور تیسرا نام شہروز ایک ایسا سر پھرا نوجوان جس کا ماضی بہت ہی عجیب وغریب رہا ہے۔ تفصیلات بعد میں۔''

''ٹھیک سر۔''

''اس کے علاوہ ایک اخبار کے مالک مسٹر بزمی...... میں اور کچھ اور دوسرے جو عارضی ہوا کرتے ہیں لیکن اب تم اس گروپ کے ایک شاندار ممبر ہو۔ ایک صحافی لڑکی ناہید بھی ہے اور ایک اور نوجوان قادر بخش' یہ کارواں گروپ کے افراد ہیں اور اب ان میں مزید چھ افراد کا اضافہ ہو چکا ہے تم' شازیہ اور وہ چاروں جن کے نام تم نے مجھے بتائے ہیں۔''

''گڈ لارڈ' زبیر شاہ آپ کا خادم۔''

''موٹر سائیکلیں تمہیں خود خریدنا ہوں گی۔ رقم اسی عمارت میں مل جائے گی' رہائش گاہ کہاں ہے تمہاری؟''

''ایک معمولی سی جگہ ہے سر ایک کچی آبادی ہے اسے بھی قائم رکھا جائے گا۔''

''ہاں یہ اب تم جانتے ہو کہ تمہیں آگے کیا کرنا ہے؟''

''سر ایک اجازت چاہتا ہوں۔''

''بولو......''

''شازیہ کو یہ عمارت دکھا دی جائے۔''

''کہا نا وہ تمہارا ہیڈ کوارٹر ہے۔ تم باقی افراد کو بھی وہ عمارت دکھا دو۔''

''او کے سر۔''

''بس اب جاؤ' فوری طور پر کچھ اور چاہیے تو بتاؤ۔''

''نہیں سر پیسے بھی ہیں میرے پاس اور یہ چابی بی۔'' زبیر شاہ نے کہا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ شیر جنگ نے مسکرا کر اسے خدا حافظ کہا تھا۔ یہ ذمہ داری اسے سونپی گئی تھی جو بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام پا گئی تھی۔ ناہید کو بھی اس سلسلے میں استعمال کیا گیا تھا اور ناہید ہی کے ذریعے زبیر شاہ کو رقم بھی پہنچائی گئی تھی۔ ناہید نے خود بھی زبیر شاہ کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ جہاں تک اس کی معلومات کا تعلق ہے اس طرح کے لوگ بڑے کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ بہرحال یہ کام خوش اسلوبی سے طے پا گیا تھا لیکن شیر جنگ کو معلوم نہیں تھا کہ لیمپو آن پر کیا گزری ہے۔

☆......☆......☆

فلیش ماسٹر نے انہیں جو کچھ بتایا تھا وہ بالکل الگ بات معلوم ہوتی تھی۔ ایک ایسا دبلا پتلا اور ڈھیلا ڈھالا آدمی اس حیثیت کا

مالک تو نہیں معلوم ہوتا تھا جو فلیش ماسٹر نے انہیں بتائی تھیں۔ تیسرا دن تھا اور بوڑھے کی حالت کافی خرابی معلوم ہوتی تھی۔ وہ ہر وقت زمین پر پڑا رہتا تھا۔ جب بھی وہ لوگ اسے کھانا وغیرہ دیتے وہ بے بس اور اداس نگاہوں سے انہیں دیکھتا اور اس کے انداز سے یوں لگتا جیسے وہ ان سے رحم کی بھیک مانگ رہا ہو۔ ایک آدھ بار انہوں نے اس سلسلے میں آپس میں گفتگو بھی کی تھی۔

"فلیش ماسٹر کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ اس بوڑھے کیچوے کے بارے میں جو کہانیاں سناتا ہے ان میں حقیقت تو نہیں نظر آتی۔"

"باس پاگل بھی نہیں ہے جو اس کے لیے اتنا جذباتی ہے۔"

"ہاں بس یہی بات سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔"

"ہوتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ بعض لوگ اپنے معاملات میں ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اب اس بوڑھے کی بات کرلو ہو سکتا ہے تو جوانی کے عالم میں یہ کچھ ہو لیکن بے چارے کا وقت گزر چکا ہے۔"

"ویسے میں نے براہ راست تو کبھی کوئی ایسا کردار نہیں دیکھا لیکن چینی اور جاپانی فلموں میں اکثر اس طرح کے کردار نظر آجاتے ہیں جو دیکھنے میں تو بالکل کیچوے ہی لگتے ہیں لیکن در حقیقت بہت کچھ ہوتے ہیں۔"

"یار فلمی کہانیوں میں تو کچھ بھی دکھایا جا سکتا ہے ان کی بات نہ کرو۔"

"پھر بھی باس جو کچھ کہتا ہے ہمیں اسے تسلیم تو کرنا چاہیے۔"

"اس نے شاید قسم کھائی تھی کہ اسے تیزاب میں جلائے گا۔"

"یہ بھی بے وقوفی کی بات ہے عام طور سے اس طرح کے لوگ نقصانات اٹھاتے ہیں اور پھر ایک ایسا کام کرنا پڑے گا جس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ باس کو چاہیے کہ دو تین گولیاں اس کے بدن میں اتار دے بلکہ اسے تو دو تین گولیوں کی بھی ضرورت نہیں ہے ایک گولی سینے کے مقام پر مار دے بوڑھا مر جائے گا۔"

اس طرح کی باتیں وہ جب بھی اسے کھانا دینے کے بعد واپس آتے تھے کیا کرتے تھے۔ بہرحال چونکہ باس کی ہدایت تھی اس لیے ہوشیاری بھی ضروری تھی۔ اس دن بھی وہ کھانا ہی لے کر اندر گئے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ باہر کا ماحول انتہائی سنسان تھا۔ فلیش ماسٹر بھی موجود نہیں تھا۔ بوڑھا مڑا تڑا فرش پر پڑا ہوا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس کی جان ہی نکل گئی ہو۔ ان میں سے ایک نے کہا:

"لو بھئی کام ہو گیا۔"

"ارے یہ اسے کیا ہوا؟"

"یار قید قید ہی ہوتی ہے۔ اس میں جان ہی کتنی تھی۔"

"دیکھو تو سہی۔"

پھر وہ چاروں ہی اس پر جھک گئے تھے۔ بوڑھے کا سانس بھی بہت آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے اس کے سینے پر

کان لگایا لیکن اس کے بعد بجلی سی چمک گئی۔ بوڑھے کے ہاتھ اٹھے اور اس نے کان لگانے والے کا سر پکڑ لیا اور پھر کچھ اس طرح اس نے اسے لپیٹے ہی لپیٹے گھمایا کہ باقی تینوں بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ بوڑھا چھلانگ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ چاروں بری طرح بوکھلا گئے۔ دفعتاً ہی بوڑھا فضا میں بلند ہوا اور اس نے ان میں سے ایک کے سینے پر دولتی ماری وہ منظر بھی دیکھنے کے قابل تھا' جس کے سینے پر دولتی پڑی تھی وہ فضا میں کئی قلابازیاں کھا کر سر کے بل ایک دیوار سے جا کر ٹکرایا تھا اور وہیں پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ وہ تینوں بری طرح بوکھلا گئے تھے حالانکہ ان کے پاس پستول موجود تھے لیکن بوڑھے نے جو برق رفتاری دکھائی تھی اس کی وجہ سے وہ اپنے پستول بھی نہیں نکال سکے۔ بوڑھے نے زمین پر تین چار قدم مارے اور اس کے بعد ان میں سے ایک کے کندھے پر چڑھ گیا۔ وہاں کھڑے ہو کر اس نے اس کی گردن کے پچھلے حصے پر لات ماری اور دوسرا جو اس کے سامنے آ رہا تھا بری طرح اس سے ٹکرایا۔ دونوں کے سر ٹکرائے تھے یہ جس کی گردن کے پچھلے حصے پر لات ماری گئی تھی وہ تو ویسے ہی ڈھیر ہو گیا تھا۔ چونکہ یہ لات بلاوجہ نہیں ماری گئی تھی بلکہ گردن پر ایسی نسوں کو نشانہ بنایا گیا تھا جو سلانے میں معاون ہوتی ہیں۔ باقی رہ گئے دو تو بوڑھے نے ان دونوں کی گردنیں اپنی بغلوں میں دبائی تھیں اور انہیں یہی محسوس ہوا تھا جیسے ان کی گردنیں کسی آہنی شکنجے میں جکڑ گئی ہوں اور چند لمحات کے بعد ان کے ہوش و حواس جواب دے گئے۔ بوڑھا اس طرح کھڑا ہوا تھا جیسے وہ ان کے اٹھ جانے کی توقع رکھتا ہو۔ پھر اس نے مایوسی سے گردن ہلائی اور بولا:

''ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع ہی نہیں ملتا' سسرے دومنٹ میں ڈھیر ہو جاتے ہیں۔'' پھر اس نے ان میں سے ایک کے لباس سے پستول نکال کر اپنے لباس میں رکھا اور پھر ان کی جیبوں کی تلاشی لے ڈالی۔ کچھ زیادہ برآمد نہیں ہوا تھا ان کے پاس سے۔ بوڑھا پستول سنبھالے ہوئے باہر نکل آیا۔ وہ بلی کی طرح دبے قدموں چل رہا تھا اور اس کے بعد اس نے اس عمارت کی تلاشی لے ڈالی۔ ایک کمرے میں اسے ایک مشتبہ جگہ نظر آئی تو وہ اس کی ٹوہ میں لگ گیا اور آخر کار اس جگہ کا راز اس نے پا ہی لیا۔ نیچے دو بریف کیس رکھے ہوئے تھے جو کھچا کھچ نوٹوں سے بھرے ہوئے تھے۔ بوڑھا مسخرے انداز میں ہنسا اور بولا:

''بہت بہت شکریہ فلیش ماسٹر یہ تین دن کی قید مفت ثابت نہ ہوئی۔''

اس نے دونوں بریف کیس ہاتھوں میں لٹکائے۔ ایک ہاتھ میں اس نے پستول بھی پکڑا ہوا تھا اور پھر وہ آرام سے چلتا ہوا باہر نکل آیا۔ ان چاروں کے علاوہ اس عمارت میں اور کوئی نہیں تھا۔ بوڑھے نے ادھر ادھر دیکھ کر مایوسی سے گردن ہلائی اور بولا:

''سواری کا بندوبست کرنا پڑے گا۔''

دونوں بریف کیس اس نے اپنے ہاتھوں میں لٹکائے ہوئے تھے اور وہ اس اطمینان سے چلا جا رہا تھا جیسے کوئی بڑا ضروری کام کر کے واپس آیا ہو۔ تھوڑا فاصلہ اس نے پیدل طے کیا اور اس کے بعد ایک آٹو رکشہ نظر آیا تو اس نے اسے اشارہ کر دیا اور اس کے بعد وہ کارواں ہاؤس کی جانب چل پڑا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ کارواں ہاؤس میں داخل ہو رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی قادر بخش کی دھاڑ گونجی۔

''اڑے ماں کسم تم آ گیا چوں چوں کا مربہ۔''

''آگے آؤ......'' لیمپو آن نے کرخت لہجے میں کہا اور قادر بخش ہنستا ہوا اس کے قریب آ گیا اس نے دونوں بریف کیس اسے پکڑائے اور بولا:

''چلو اندر چلو۔''

''پن بابا تم چلا کدھر گیا تھا۔ وڑی ادھر سب لوگ کتنا پریشان تھے تمہارے لئے۔'' اور حقیقت بھی یہی تھی۔ خود شیر جنگ' قادر بخش' ناہید بزمی صاحب وغیرہ اس کے لیے بڑے پریشان تھے۔ کائی شی البتہ بالکل مطمئن نظر آتی تھی۔ اس نے کہا تھا۔

''وہ یقینی طور پر اپنے پیروں سے نہیں گیا ہوگا بلکہ اسے کسی ایسے طریقے سے قابو میں کیا گیا ہوگا جس کی اسے توقع نہیں ہوگی۔ وہ لوگ اگر اسے زندہ لے گئے ہیں تو وہ واپس آ جائے گا۔ ہاں اگر مار دیا ہوگا تو دوسری بات ہے۔''

''میڈم آپ اس انداز میں کہہ رہی ہیں جیسے لیمپو آن کی موت کا آپ کو کوئی افسوس ہی نہ ہو۔'' جواب میں کائی شی ہنس پڑی تھی۔ اس نے کہا:

''وہ مرا نہیں ہے میرا شوہر ہے وہ میں جانتی ہوں کہ جب وہ مرے گا نا تو مجھے بتائے بغیر نہیں مرے گا۔ اب یہ میں نہیں کہہ سکتی کہ میں اس سے پہلے مر جاؤں اور میں بھی اسے نہ بتا سکوں۔ تم لوگ نہیں جانتے وہ جہاں بھی رکا ہوگا' کسی مقصد سے ہی رکا ہوگا۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے اور سانپ کے بارے میں تم لوگ جانتے ہو کہ جب تک اس کا سر نہ کچل دیا گیا ہو وہ کہیں نہ کہیں زمین میں اپنے لیے جگہ تلاش کر لیتا ہے اور آخرکار رینگتا ہوا باہر نکل آتا ہے' آ جائے گا۔ میں تو اس کے لیے بالکل پریشان نہیں ہوں۔'' وہ لوگ کائی شی کے اس اعتماد پر عش عش کر اٹھے تھے۔ ناہید نے کہا تھا۔

اور پھر جب قادر بخش کی دھاڑیں گونجی تھیں تو کائی شی اور ناہید باہر نکل آئے تھے۔ اس وقت دونوں ہی ساتھ تھے۔ لیمپو آن مسکراتے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔ کائی شی نے فخریہ نگاہوں سے ناہید کو دیکھا اور بولی:

''کہا تھا نا میں نے آخر...... کیا شاپنگ کر آئے لیمپو آن؟''

''اچھی خاصی رقم ہے دیکھو......'' نوٹوں سے بھرے ہوئے بریف کیس دیکھ کر ناہید حیران رہ گئی تھی۔

''اب تم یہ کہو گی کہ میں نے کسی بینک میں ڈاکا ڈالا ہے۔''

''نہیں...... آپ ایسے نہیں ہیں مسٹر لیمپو آن۔''

''کارواں گروپ کو بلا لو۔ فوری میٹنگ ضروری ہے اور کائی شی تم میرے لیے لباس تیار کرو' تین دن سے نہایا نہیں ہوں۔''

''بیس بیس دن نہیں نہاتے ہو' تم اب بہت زیادہ پاک صاف رہنے کا مظاہرہ مت کرو۔'' کائی شی نے کہا اور لیمپو آن کے لیے لباس تلاش کرنے چلی گئی۔

کوئی دو گھنٹے کے بعد جب لیمپو آن کھانے پینے سے فارغ ہوا تھا شیر جنگ' بزمی صاحب وغیرہ پہنچ گئے تھے اور شہروز کا انتظار کیا

جا رہا تھا۔ جس نے فون پر بتایا تھا کہ وہ راستے میں ہے اور ابھی آ رہا ہے۔ پھر جب سب جمع ہو گئے تو لیمپوآن سے اس کی گمشدگی کے بارے میں سوال کیا گیا۔

"میں نے ابھی تک یہ نوٹ گنے نہیں ہیں لیکن انہیں میں نے ایک بلیک میلر سے حاصل کیا ہے اور لازمی بات ہے کہ بلیک میلر نے کسی بڑے آدمی کو بلیک میل کر کے ہی یہ رقم حاصل کی ہو گی۔"

"بہت بڑی رقم معلوم ہوتی ہے۔ بڑے بڑے نوٹ ہیں اور بریف کیس کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں۔"

"ہمیں فنڈ کی ضرورت ہے اور یہ ہمارے پاس آتے رہنا چاہئے۔" شیر جنگ نے کہا اور بولا:

"مسٹر لیمپوآن آپ کی اس گمشدگی کے بارے میں ہمیں سب کو تشویش ہے۔ خیریت بتایئے۔"

"میں تو خیریت سے ہوں لیکن فلیش ماسٹر خیریت سے نہیں ہو گا۔"

"فلیش ماسٹر......"

"ہاں! ایک انٹرنیشنل بلیک میلر...... جس کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس نے دنیا کے کئی بڑے ملکوں کے وزیروں اور صدور تک کو بلیک میل کیا ہے۔ وہ اپنے کام کا ماہر ہے اور ان دنوں وہ یہاں آیا ہوا ہے۔ میرا اس کا کئی مرتبہ تصادم ہو چکا ہے ایک مرتبہ سان فرانسسکو میں میں نے اس کا ایک بہت بڑا کھیل ناکام بنایا تھا۔ وہ چھ مہینے تک جیل میں رہا اور وہیں سے اس نے مجھے فون کر کے بتایا کہ لیمپوآن تیری اس حرکت کے نتیجے میں میرا عہد ہے کہ میں تجھے زندہ تیزاب میں جلا دوں گا۔ اس بات کو کافی عرصہ گزر گیا ہے۔ ان دنوں وہ یہاں آیا ہوا ہے۔ میں اپنی دکان سے نکل کر اپنی گاڑی میں جا رہا تھا کہ اس نے مجھے اغوا کر لیا اور بعد میں میری آنکھ ایک مکان میں کھلی جسے اس نے اپنا مسکن بنا رکھا ہے۔" لیمپوآن نے ان لوگوں کو پوری تفصیل بتائی اور یہ سب تصویر حیرت بن گئے آخر میں لیمپوآن نے کہا:

"بے شک اسے مجھے چند روز قید رکھنے کی قیمت کافی زیادہ ادا کرنی پڑی ہے۔ یہ رقم مجھے بہت بڑی معلوم ہو رہی ہے لیکن ہم اسے اپنی تازہ ترین آمدنی تصور کرتے ہیں اور میں تمہیں اس نئی آمدنی کی مبارکباد دیتا ہوں۔"

"لیکن مسٹر لیمپوآن میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ رقم ہمیں کارواں گروپ میں شامل ہو جانے والے چھ تنے افراد کی تقدیر سے ملی ہے۔"

"زبیر شاہ......" لیمپوآن نے سوال کیا۔

"ہاں! اب وہ کارواں گروپ کا ممبر ہے اور خوشدلی سے ہمارے ساتھ شامل ہوا ہے۔ میں نے سب کا غائبانہ تعارف کروا دیا ہے لیکن تفصیلی تعارف اس وقت ہو گا جب زبیر شاہ اپنے آپ کو کارواں گروپ کے ایک ذمہ دار ممبر کی حیثیت سے ثابت کرا دے گا۔" شیر جنگ نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ شہروز کہنے لگا:

"تو پھر اب مسٹر لیمپوآن ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"جو نقصان فلیش ماسٹر کو میرے ہاتھوں پہنچا ہے وہ اسے پاگل کر دے گا۔ یہاں وہ بڑے بڑے لوگوں کو بلیک میل کرنے کے لیے آیا ہوا ہو گا لیکن اب اس کے لیے میں بھی دردِ سر بن گیا۔ میں جس مکان سے آزاد ہو کر آیا ہوں اس بات کا تو مجھے اندازہ ہے کہ اب اس کے فرشتے بھی اس مکان میں نہیں ہوں گے۔ اس نے فوراً کوئی دوسری جگہ تلاش کر لی ہو گی لیکن ناہید تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ مکان کس کا ہے اور کس طرح فلیش ماسٹر کے ہاتھوں میں پہنچا ہے اور شہروز ہم باقی تمام افراد اب ایسے دولت مند لوگوں پر نگاہ رکھیں گے جو فلیش ماسٹر کے ہاتھوں بلیک میل ہو سکیں۔" اور اس کے بعد کافی دیر تک یہ میٹنگ جاری رہی تھی اور بہت سے فیصلے کیے گئے تھے۔

☆......☆......☆

مرد عمر کی کسی بھی منزل میں ہو عورت ہمیشہ اس کی کمزوری رہتی ہے۔ جذبوں کو کوئی بھی شکل دے لی جائے۔ کبھی کبھی یہ شکل پوزیٹو بھی ہوتی ہے۔ بس مزاج مزاج کی بات ہے۔ سیٹھ ناصر فرازی شروع ہی سے حسن پرست تھا لیکن کالج کے زمانے سے ہی لڑکیوں کے معاملے میں اسے انتہائی بزدل کہا جاتا تھا۔ اس کی کبھی ہمت نہ پڑی کہ کسی بھی لڑکی سے آگے بڑھ کر اظہارِ عشق کر ڈالے۔ دولت ورثے میں منتقل ہوئی تھی اور دو کے چار اور چار کے آٹھ بنانا ناصر فرازی کو اچھی طرح آتا تھا۔ چنانچہ دولت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تھا اور وہ شہر کے انتہائی دولت مند لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ چیمبر آف کامرس میں اس کی بہت بڑی حیثیت تھی اور شہر کا دولت مند حلقہ اس پر رشک کرتا تھا۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن فطرت میں جو حسن پرستی تھی وہ آج بھی اسی طرح موجود تھی۔ اب تو عمر کی اس منزل میں آ گیا تھا جہاں بردباری خود بخود پیدا ہو جاتی ہے لیکن اچھی شکلیں اسے ہمیشہ متاثر کرتی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بیوی کو کبھی اس سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ نوجوان بیٹی سمیرا فرازی بھی باپ کے بہت قریب تھی۔ بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ گھر کے تمام اہلِ خانہ سے کہیں زیادہ باپ بیٹی کے درمیان انڈر اسٹینڈنگ تھی اور ناصر فرازی کے تمام معاملات سمیرا کے علم میں تھے۔ سمیرا یہ بھی جانتی تھی کہ ابا جان خاصے خوش ذوق ہیں لیکن بس خوش ذوقی کی حد تک۔ البتہ اس حادثے نے ناصر فرازی کو بری طرح پریشان کر دیا تھا۔ ایسے عاشق مزاج لوگ اپنی عمر کو بھول کر اپنی فٹنس پر کافی توجہ دیتے ہیں۔ چنانچہ ناصر فرازی کے اندر بھی یہی کمزوری تھی۔ طرح طرح کی کریمیں اور خوبصورت رہنے کے ہر طریقے استعمال کیے جاتے تھے۔ عمر کے لحاظ سے ہلکی پھلکی ورزش بھی کی جاتی تھی لیکن ان تمام چیزوں کا فائدہ تو ہوتا ہے۔

اپنی کار خود ہی ڈرائیو کرتا ہوا نئے شہر سے آ رہا تھا کہ راستے میں ایک کار نظر آئی جس کا بانٹ اٹھا ہوا تھا اور انجن کے سامنے ایک رنگین لباس لہرا رہا تھا۔ اس وقت ذہن میں کوئی برائی نہیں تھی جب ناصر فرازی نے اپنی کار اس کار کے قریب روکی تھی۔ اندازہ یہی ہو رہا تھا کہ کار ڈرائیو کرنے والی لڑکی ہے اور کسی مشکل کا شکار ہے لیکن لڑکی کی صورت دیکھی تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ کوئی غیر ملکی لڑکی تھی لیکن بے حد حسین اور انتہائی اسمارٹ' آنکھوں پر چشمہ لگا ہوا تھا جسے اتار کر لڑکی نے ناصر فرازی کو دیکھا اور پھر اس کی مسکراہٹ نے تو ناصر فرازی کو بالکل ہی تباہ کر دیا۔ وہ بولی:

"بڑی دیر سے کسی مسیحا کا انتظار کر رہی تھی۔ آپ پلیز میری کچھ مدد کریں گے۔" ناصر فرازی جلدی سے کار کو سائیڈ میں لگا کر

ڈرائیونگ سیٹ سے نیچے اتر آیا۔

"کیا ہو گیا مس؟"

"یہ معلوم ہوتا تو کچھ نہ کچھ کر ہی لیتی۔" وہ تھکی تھکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی:

"کچھ خرابی ہو گئی ہے؟"

"ہاں شاید۔"

"میں دیکھوں۔"

"مسیحا کہا ہے تو دیکھیں گے بھی نہیں۔"

ناصر فرازی کار کے انجن پر جھک گیا حالانکہ خود اس نے کبھی کار کا بانٹ اپنے ہاتھ سے کھولا تک نہیں تھا۔ دو تین مہینے کے بعد تو نئی کار خرید لی جاتی تھی لیکن معاملہ ایک لڑکی کا تھا اور وہ بھی ایسی لڑکی کا جو ناصر فرازی کے معیار پر سو نہیں بلکہ ہزار فیصد پوری اترتی تھی۔ ناصر فرازی بانٹ پر جھکا اور بولا:

"افسوس گڑبڑ ہو گئی اصل میں مجھے خود بھی کار کے انجن کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"ہونا بھی نہیں چاہئے۔" لڑکی بولی۔

"کیوں......؟"

"آپ کے ہاتھ بتاتے ہیں کہ آپ نے شاید ان ہاتھوں کو کبھی میلا بھی نہیں کیا۔" ناصر فرازی ہنسنے لگا پھر بولا:

"آپ کا مشاہدہ زبردست معلوم ہوتا ہے۔"

"جناب عالی اب یہ بتایئے کروں کیا؟"

"بانٹ بند کر دیجئے اور جہاں جا رہی ہیں مجھے بتایئے۔" ناصر فرازی نے کہا۔

"کار رینٹ اے کار سے حاصل کی گئی ہے۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا ٹیلی فون نمبر تو ہو گا ان کا آپ کے پاس؟"

"ہاں ہے۔"

"بس تو ٹھیک ہے فون کر دیں گے انہیں اور جگہ بتا دیں گے کہ کار کہاں کھڑی ہوئی ہے۔"

"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو جائے گی۔"

"کیسی گڑبڑ......"

"میرا مطلب ہے اس ویرانے میں کار۔"

''قیمت ادا کردیں گے اس کی۔'' ناصر فرازی نے کہا۔

''جی......'' لڑکی چونک کر بولی۔

''نن......نہیں میرا مطلب ہے کہ فون کردیں گے اسے کار کولاک کیے دیتے ہیں۔''

''بہت بڑے آدمی معلوم ہوتے ہیں آپ۔''

''جی ہاں عمر تو کافی ہوگئی ہے میری۔ اگر کسی اور بڑائی کا تذکرہ کرتی ہیں تو ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں کہ نہ کریں۔''

''ارے کیوں؟''

''بس بڑا کہلانا پسند نہیں کرتا۔'' لڑکی ہنس پڑی پھر بولی:

''بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں آپ۔''

''ایسی باتوں پر شکریہ ادا کیا جاتا ہے چنانچہ شکریہ......'' ناصر فرازی نے اپنے ہاتھ سے کار کا بانٹ بند کیا اور پھر لڑکی کو اپنے ساتھ اپنی کار تک لے آیا۔

''ویری گڈ......آپ کی اپنی ہے۔'' لڑکی نے کار کے بارے میں سوال کیا۔

''اپنی سمجھ لیجیے۔''

''بہت ہی شاندار کار ہے اس کا مطلب ہے کہ آپ بہت امیر آدمی ہیں۔''

''آپ سے زیادہ نہیں۔'' ناصر فرازی نے کہا۔

''کیا مطلب......؟''

''بس انسان کو خود اپنی ہی قیمت کا احساس نہیں ہوتا۔ آپ بہت خوبصورت ہیں۔ آپ یقین کیجیے یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہا کہ میں نے آپ کو اپنی کار میں لفٹ دی ہے بلکہ واقعی یہ میرے دل کی آواز ہے۔''

''بہت شکریہ میرا نام میلس ہے۔''

''نام بھی انتہائی خوبصورت ہے تعلق کہاں سے ہے؟''

''اسکاٹ ہوں۔''

''گڈ......بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔''

''آپ نے اپنا نام نہیں بتایا؟''

''ناصر......'' ناصر فرازی نے کہا اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ لڑکی کہنے لگی:

''میں ہوٹل ایلو ویرا میں روم نمبر 210 میں ہوں۔''

''یہاں ایسے ہی آئی ہیں؟''

''ایسے ہی..... بڑے مزے کی بات ہے' واقعی ایسے ہی آئی ہوں میرا مطلب ہے صرف سیر و سیاحت کے لئے۔''

''بہت افسوس ہوا۔'' ناصر فرازی نے دلچسپ بننے کی کوشش کی۔

''جی۔''

''ہاں! کاش آپ یہیں کی باشندہ ہوتیں۔ سیر و سیاحت کے لیے آنے والے آخر کار ایک دن چلے جاتے ہیں اور جاتے ہوئے وہ اپنی ایسی یادیں چھوڑ جاتے ہیں جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔''

''بہت جذباتی معلوم ہوتے ہیں آپ' اتنی جلدی کسی سے گھل مل جانا نقصان دہ ہی ہوتا ہے۔''

''نقصان دہ کیوں؟''

''اس لیے کہ بچھڑ جانے والے یاد آتے رہتے ہیں۔''

''آپ کا مزاج کیسا ہے؟''

''بدقسمتی سے ویسا ہی جیسا آپ کا ہے۔''

''ابھی کتنے عرصے آپ یہاں رہیں گی؟''

''جب تک آپ کہیں گے۔''

''جی۔''

''ہاں! میں بھی ایسی ہی احمقانہ دوستیاں کرنے کی قائل ہوں۔''

''چلئے اب یہ یاد نہ دلائیے کہ آپ کب چلی جائیں گی۔''

لڑکی اسے اپنے ہوٹل تک لائی تھی اور پھر ناصر فرازی کو یوں لگا جیسے وہ برسوں سے بے تکلیف ہوں۔ لڑکی سے روزانہ ملاقاتیں ہونے لگیں اور آخر کار ایک دن لڑکی نے اپنے آپ کو ناصر فرازی کے حوالے کر دیا۔ ویسے بھی جس نسل کی وہ باشندہ تھی' اس میں دوستیوں کی تکمیل اسی طرح ہوتی ہے لیکن ناصر فرازی کے لیے یہ بہت بڑا مسئلہ تھا۔ اتنی حسین لڑکی نے اسے اس طرح قبول کر لیا تھا۔ ناصر فرازی اس کے لیے جو کچھ بھی لٹا دیتا کم تھا۔ اس نے لڑکی کو لاکھوں روپے کی شاپنگ کرائی' بہت سے قیمتی زیورات تحفے میں دیئے اور اس کے بعد ان کی راتیں ایک ساتھ ہی گزرنے لگیں۔ لڑکی ناصر فرازی کو ہوا دیتی رہتی تھی اور اس نے کہا تھا کہ ناصر فرازی ایک بے مثال شخصیت ہے لیکن پھر ایک دن جب ناصر فرازی ہوٹل پہنچا تو اسے علم ہوا کہ لڑکی نے کمرہ خالی کر دیا ہے۔ ناصر فرازی دنگ رہ گیا تھا۔ کچھ پتا نہیں چل سکا کہ لڑکی اچانک کمرہ چھوڑ کر کہاں چلی گئی۔

ایک ہفتے تک ناصر فرازی اس کے فون کا انتظار کرتا رہا۔ مختلف طریقوں سے اس نے لڑکی کے بارے میں معلومات حاصل

کرنے کی کوشش بھی کی لیکن اس میں اسے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ہاں البتہ ایک دن جب وہ اپنے بیڈ روم میں صبح سو کر اٹھا اور اس نے واش روم جانے کے لیے فرش پر پاؤں رکھے تو اسے بے شمار تصویریں فرش پر بکھری پڑی نظر آئیں۔ وہ دنگ رہ گیا۔ اس نے دروازے کی جانب دیکھا۔ وہ دروازہ اندر سے بند کر کے سونے کا عادی تھا لیکن کھڑکیاں وغیرہ کھلی رہا کرتی تھیں تاکہ تازہ ہوا اندر آتی رہے۔ اس نے حیران نگاہوں سے زمین پر بکھری ہوئی تصویروں کو دیکھا اور پھر ان میں سے ایک تصویر اٹھائی لیکن تصویر دیکھتے ہی اس کے دل کی دھڑکنیں بند ہونے لگیں۔ یہ اس کی اور لڑکی کی تصویر تھی لیکن اس عالم میں کہ اسے دیکھ کر خود ناصر فرازی کی اپنی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اپنی ایسی شرمناک تصویر کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے دوسری اور تیسری تصویر اٹھائی۔ یہ الگ الگ پوز تھے اور ان میں ان دونوں ہی کو دکھایا گیا تھا لیکن اس طرح کہ خود آج تک ناصر فرازی اپنے آپ سے اتنا واقف نہیں ہوا تھا۔

ناصر فرازی نے جلدی جلدی ساری تصویریں سمیٹیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کچھ لمحوں کے لیے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ [illegible] ناصر فرازی کو ایسا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

بمشکل تمام اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور تصویروں کو ایک جگہ ایک لفافے میں رکھ کر محفوظ کر دیا لیکن نجانے کیوں اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ کوئی بہت بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ یہ تو ایک طرح سے بلیک میلنگ کا طریقہ کار تھا۔ اب دنیا سے اتنا ناواقف بھی نہیں تھا کہ اس صورت حال کو سمجھ نہ سکے۔

دو دن تک انتظار کرتا رہا کہ کوئی آگے کی بات معلوم ہو۔ تیسرے دن اسے اپنے بستر کی سائیڈ ٹیبل پر ایک سی ڈی نظر آئی۔ یہ سی ڈی اس نے نا تو خود یہاں رکھی تھی اور نا ہی اس کے یہاں ہونے کا کوئی جواز تھا لیکن پچھلے دنوں سے تصویروں کا ہنگامہ اس کے ذہن میں تھا۔ سی ڈی کو سی ڈی پلیئر پر لگا کر دیکھا اور ایک بار پھر اس کی بری حالت ہو گئی۔ یہ سی ڈی بھی اس فلم کی تھی جس میں نیلس اور وہ دکھائے گئے تھے۔ ناصر فرازی کو یقین ہو گیا کہ وہ بہت بڑے جال میں گرفتار ہو گیا ہے اور وہ لڑکی یقینی طور پر کسی بلیک میلر کی ساتھی تھی اور پھر اس بات کی تصدیق بھی اسی رات ہو گئی جب ناصر فرازی کو اپنے موبائل پر کال موصول ہوئی تھی۔

”جی مسٹر ناصر فرازی آپ کو ہمارے تحفے مل گئے ہوں گے' میرا نام فلیش ماسٹر ہے اور مجھے دنیا کے کئی ملکوں کے سربراہوں تک کو بلیک میل کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ کے ملک اور آپ کے شہر میں حاضری ہوئی ہے۔ کیا کہتے ہیں میری اس آمد کے بارے میں۔ میں آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ پچاس کروڑ روپے کا انتظام کر لیجئے گا۔ صرف پچاس کروڑ۔ یہ پہلی قسط ہے اگر آپ کے ملک میں میرا ٹارگٹ پورا نہ ہوا جو بیس ارب کا ہے تو آپ کو دوبارہ زحمت دی جائے گی بلکہ میں آپ سے ایسے لوگوں کی نشاندہی چاہوں گا جو میرا شکار بن سکیں اور ہو سکتا ہے اس سلسلے میں کمیشن کے طور پر آپ کی کچھ رقم کم کر دی جائے۔ خیال رکھئے گا' میں آپ کو پندرہ دن کی مہلت دے رہا ہوں۔ پندرہ دن کے اندر اندر آپ یہ رقم مہیا کر لیجئے گا۔ میں آپ کو بتاؤں گا کہ رقم کس طرح آپ کو میرے حوالے کرنی ہے اور اگر آپ نے کوئی گڑبڑ کی تو یہ سی ڈیز اور فوٹو گراف ملک بھر میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔“

ناصر فرازی کی حالت خراب ہو گئی۔ اسے شدید بخار چڑھ آیا اور خاص طور سے اس کی اکلوتی بیٹی سمیرا سخت پریشان ہو گئی۔ ڈاکٹر نے بھی سمیرا کو بتایا تھا۔

”دل پر کوئی بہت بڑا بوجھ ہے۔ اس بوجھ کو اتارنا ضروری ہے ورنہ طبیعت زیادہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔“

”کس طرح کا بوجھ ڈاکٹر......“ سمیرا نے پوچھا اور ڈاکٹر ہنسنے لگا۔

”افسوس میں آپ کو یہ نہیں بتا سکتا۔“

”میں......میرا مطلب ہے......“ سمیرا خجل ہو کر بولی۔

”آپ انہیں پرسکون رکھنے کی کوشش کریں۔ باقی پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' ٹھیک ہو جائیں گے۔“ ڈاکٹر نے تسلی دی۔

اسی رات سمیرا نے باپ کے سرہانے بیٹھ کر کہا: ''ڈیڈی میری جتنی بھی عمر ہے' میں نے اس عمر میں ایک ہی دوست بنایا ہے اس پر ہمیشہ اعتماد کیا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ اسے بھی مجھ پر اعتماد ہے ڈیڈی میں اسے اپنی زندگی سے زیادہ چاہتی ہوں اور اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔''

''ارے' میری جان' تم نے مجھے پہلے اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا۔ اپنی جان کو اس کی پسند کی زندگی دینا میرا فرض بھی ہے اور خوشی بھی۔''

''سچ کہہ رہے ہیں ڈیڈی۔''

''ہاں بیٹا کیوں نہیں۔''

''میں آپ کو اس کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں۔''

''ضرور بیٹے' مجھے اس سے ملاؤ بھی۔''

''ڈیڈی مجھے ایک بات کا خوف ہے۔''

''خوف......''

''ہاں ڈیڈی......''

''کس بات کا خوف ہے؟''

''اگر میرے دوست نے میرے اعتماد کو توڑ دیا تو......''

''اوہ......کیا یہ ممکن ہے؟''

''پتا نہیں......'' سمیرا نے دکھی لہجے میں کہا۔

''تم نے کبھی اس سے بات کی؟''

''نہیں ڈیڈی' اس نے مجھے کبھی اس کا موقع نہیں دیا۔ اس سے پہلے کبھی اس نے میرے اعتماد کو نہیں توڑا۔''

''تو پھر......''

''بس ایک خوف ہے میرے دل میں۔''

''تم اس سے بات کرو۔''

''بات کروں اس سے ڈیڈی......''

''کیوں نہیں۔ آخر ایسی کیا بات ہے؟''

''میں اس سے آپ کا تعارف کراؤں۔''

''ضرور بیٹے۔''

''وہ آپ ہیں ڈیڈی۔ وہ آپ ہیں۔'' سمیرا جذباتی لہجے میں بولی اور ناصر فرازی بری طرح چونک پڑا۔

''کیا کیا......''

''وہ آپ ہیں ڈیڈی۔''

''میں......''

''ہاں......''

ناصر فرازی عجیب سی نظروں سے سمیرا کو دیکھنے لگا۔ اس گفتگو کے دوران اسے کئی بار شبہ ہوا تھا کہ سمیرا کی گفتگو کچھ معنی خیز ہے۔

اب اسے یقین ہو گیا اور اس نے کہا:

''بات کیا ہے بیٹی؟''

''ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپ کے دل پر کوئی بوجھ ہے۔ میں اپنے اس دوست سے اس کے دل کا بوجھ معلوم کرنا چاہتی ہوں کیا وہ مجھ پر اعتماد کرے گا؟'' ناصر فرازی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ وہ کچھ دیر ٹپٹا دیا۔ پھر بولا:

''بات ایسی نہیں ہے جو باپ بیٹی کے درمیان ہو' لیکن تم نے دوستی کے حوالے سے بات کی ہے تو میں کچھ دیر کے لیے دوست بننا چاہتا ہوں۔''

''آپ بے فکر رہیں ڈیڈی۔''

''میں اپنی ایک غلطی کا شکار ہو گیا ہوں۔ کچھ عادتیں بری ہوتی ہیں۔ برا سمجھنے کے باوجود......'' ناصر فرازی نے سمیرا کو پوری کہانی سنادی۔ بس الفاظ سنبھال کر ادا کیے تھے۔ سمیرا نے پورے سکون سے یہ داستان سنی تھی۔ باپ کی رنگین مزاجی کے بارے میں پہلے بھی سنا تھا لیکن اس بارے میں وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ پھر اس نے کہا:

''کیا فیصلہ کیا ہے آپ نے؟''

''پچاس کروڑ...... پہلی قسط...... اس کے بعد ہمارے پاس کیا بچے گا؟''

''نہیں دیں گے تو......''

''وہ ہمیں رسوا کر دے گا اور مجھے جان دینی پڑے گی۔''

''آپ ایسا نہ کریں۔''

''پھر کیا کروں؟''

''پندرہ دن کا وقت دیا ہے اس نے۔''

''بلیک میلروں کی دنیا میں یہ نام سب سے بڑا ہے۔''

"کچھ کریں گے ڈیڈی۔ آپ اس سے رقم کم کرانے کی کوشش کریں۔ اس کا فون دوبارہ کب آئے گا؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"دیکھیے ہمیں حوصلہ نہیں چھوڑنا ہے۔ آپ پہلے اپنے آپ کو سنبھالیں ظاہر ہے ہم یہ رقم نہیں دے سکتے۔"

"میں برباد ہو جاؤں گا۔ دونوں طرف موت ہی موت ہے۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔ حوصلہ رکھیں۔"

دوسرے کمرے میں آ کر سمیرا نے موبائل فون پر ایک نمبر ڈائل کر کے کان پر لگا لیا اور دوسری طرف بیل ہونے لگی۔ پھر ایک آواز سنائی دی۔

"ہیلو......"

"مس شازیہ ایڈووکیٹ سے بات کرائیے۔"

"کون سمیرا......" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں میں ہی بول رہی ہوں۔"

"خیریت بتاؤ۔"

"خیریت نہیں ہے۔"

"کیا بات ہے؟"

"تم سے فوراً ملنا چاہتی ہوں۔"

"بلیو مون میں آ جاؤ...... میں وہیں جا رہی ہوں ایک کلائنٹ سے وہاں ملاقات کرنی ہے۔"

"اوکے...... میں آ رہی ہوں۔" سمیرا نے کہا۔

☆......☆......☆

سمیرا ہوٹل بلیو مون میں داخل ہو گئی۔ اس کا خیال تھا کہ شازیہ ابھی تک وہاں نہیں پہنچی ہو گی لیکن پھر اس کی نگاہ سامنے کی طرف اٹھ گئی جہاں ایک میز پر بیٹھی ہوئی شازیہ ایک بھاری بھرکم شخص کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ یہ بھاری بھرکم شخص اچھی پرسنیلیٹی کا مالک تھا۔ ایک شاندار سوٹ میں ملبوس عمر تقریباً پچاس سال اچھی خاصی حیثیت کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ ہاتھوں کی انگلیوں میں انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔ سمیرا جھجک گئی اسے یاد آ گیا کہ شازیہ نے اسے اپنے ایک کلائنٹ کے بارے میں بتایا تھا جس سے اسے ہوٹل بلیو مون میں ملاقات کرنی تھی۔ یہ شخص اس کا کلائنٹ ہی معلوم ہوتا تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کسی اور میز کی طرف بڑھ جائے اور شازیہ کے فارغ ہونے کا انتظار کرے کہ شازیہ نے اسے دیکھ لیا اور اپنا ایک ہاتھ اس کی جانب اٹھا دیا۔

سمیرا اس کی جانب بڑھ گئی تھی۔ جیسے ہی وہ میز کے قریب پہنچی بھاری بھرکم شخص نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا:

"ٹھیک ہے میڈم! میں اپنے کاغذات آپ کو بجھوا دوں گا۔ مجھے اجازت دیجئے۔" یہ کہہ کر اس نے سمیرا کی جانب سر خم کیا اور شازیہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر ایک طرف چل پڑا۔ اس کی چال کچھ عجیب سی تھی۔ جیسے کوئی مینڈک پھدک کر چل رہا ہو۔ شازیہ نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے سمیرا کی طرف دیکھا لیکن سمیرا سنجیدہ ہی رہی اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے میڈم موڈ اتنا خراب کیوں ہے؟"

"کیا پیو گی؟"

"تم لوگ پی چکے؟"

"تمہارے ساتھ جو کچھ بھی تم پینا چاہو گی' میں بھی پیوں گی۔"

"کوئی ٹھنڈا مشروب منگواؤ۔ میں بری طرح جل رہی ہوں۔" سمیرا نے کہا۔

"ہاں تپش محسوس ہو رہی ہے۔ عشق ہو گیا ہے کسی سے؟" شازیہ نے کہا۔

سمیرا اب بھی نہیں مسکرائی تھی۔ شازیہ نے ویٹر کو اشارہ کر کے قریب بلایا اور پھر اسے ایک مشروب کے لیے کہہ دیا۔ پھر خود بھی سنجیدہ ہو کر بولی:

"کیا بات ہے سمیرا؟ کیوں اتنی پریشان ہو؟"

"شازیہ! زندگی کی ڈور بری طرح الجھ گئی ہے۔"

"یار! یہی تو پوچھ رہی ہوں۔ وہ کون خوش نصیب ہے۔ جس کے لیے مس سمیرا اس قدر رنجیدہ ہو گئی ہیں۔"

"میرے ڈیڈی......" سمیرا نے جواب دیا تو شازیہ ایک دم سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سیدھی بیٹھ گئی۔ وہ گہری نگاہوں سے سمیرا کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے سمیرا سے کہا:

"اس کا مطلب ہے کہ واقعی کوئی سنجیدہ بات ہے۔"

"ہاں شازیہ۔"

"مجھے تفصیل بتاؤ۔"

"دیکھو شازیہ میں تمہیں اپنی گہری دوست سمجھتی ہوں اور یہ بات جانتی ہوں کہ تم میرے لیے بہت مخلص ہو۔"

"ہاں...... ہوں' سمیرا! میں تمہاری اس بات کا شکریہ ادا نہیں کروں گی کیونکہ میں تمہیں اپنی بہن سمجھتی ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

"بتاؤ کیا ہوا ڈیڈی کو؟"

"بات کچھ ایسی ہی ہے شازیہ یہ کہتے ہوئے جھجک رہی ہوں۔ ہر انسان کے اندر کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں۔ پچھلے چند دنوں سے میں ڈیڈی کی جو حالت دیکھ رہی تھی' اس پر مجھے تشویش تھی۔ آخر میں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ مجھے ساری تفصیل بتا دیں۔ ورنہ میں ان سے ناراض ہو جاؤں گی۔"

"ہاں پھر؟"

"ایک لڑکی کہیں راستے میں ڈیڈی کو ملی اور ڈیڈی اس سے متاثر ہو گئے لیکن وہ لڑکی ایک سازش کے تحت ان سے ملی تھی۔ کوئی بہت ہی خطرناک بلیک میلر ہے۔ جس نے ڈیڈی کو کچھ تصاویر بھجوائی ہیں جو اس لڑکی کے ساتھ تھیں۔ وہ تصویریں غلط نہیں تھیں۔ ڈیڈی اس لڑکی کا شکار ہو گئے تھے اور اب وہ بلیک میلر ڈیڈی سے فوری طور پر پچاس کروڑ روپے مانگ رہا ہے اور ان پچاس کروڑ پر ہی بس نہیں ہے۔ وہ اسے پہلی قسط کہتا ہے۔ شازیہ! پہلی بات تو یہ ہے کہ پچاس کروڑ روپے کی رقم اسے ہم ادا نہیں کر سکتے اور پھر بلیک میلر تو بلیک میلر ہی ہوتا ہے۔ شازیہ میں ڈیڈی کی جو حالت دیکھ رہی ہوں' اس سے مجھے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ڈیڈی کس قدر پریشان ہیں۔ کہیں وہ خود کشی نہ کر لیں۔"

شازیہ نے تشویش بھری آنکھوں سے سمیرا کی طرف دیکھا اور پھر بولی:

"یہ تو واقعی بہت تشویش کی بات ہے۔"

"کوئی بہت ہی ماہر بلیک میلر معلوم ہوتا ہے۔"

"ہوں......"

"میں بہت سوچتی رہی اور اس نتیجے پر پہنچی کہ جو کچھ بھی ہونا ہے' میں تم سے مشورہ کروں...... بتاؤ...... میں کیا کروں؟"

"اس رقم کے لیے اس نے کتنا وقت دیا ہے؟"

"زیادہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم کوئی بہت ہی موثر قدم اٹھائیں گے۔ تم فکر مت کرو۔ میں زبیر شاہ سے بات کروں گی...... تم جانتی ہو زبیر شاہ کو......؟"

"میرے ذہن میں تھا اور میں نے اسی لیے مناسب سمجھا کہ تم سے بات کروں۔ ظاہر ہے اس سلسلے میں ہم لوگ پولیس سے مدد نہیں لے سکتے۔ کیونکہ بات وہیں آ جاتی ہے پولیس کو حقیقت معلوم ہوئی تو سمجھو کہ سب کچھ چوپٹ...... شازیہ پلیز میرے ڈیڈی کی زندگی بچانے میں میری مدد کرو......"

"میں نے کہا ناں...... تھوڑا سا وقت دو مجھے۔ میں اگر تم سے یہ کہوں کہ بے فکر ہو جاؤ تو یہ ایک احمقانہ بات ہو گی۔ بھلا اتنے سنگین مسئلے میں بے فکر کیسے ہوا جا سکتا ہے۔ بہر حال میں زبیر شاہ سے بات کرتی ہوں اور تم انتظار کرو۔"

مشروب وغیرہ پینے کے بعد وہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد سمیرا چلی گئی تھی۔ شازیہ بھی وہاں سے اٹھ گئی۔

اس کا رخ اپنے دفتر ہی کی طرف تھا۔ اس نے باقاعدہ دفتر کھولا ہوا تھا۔ جہاں اسٹاف کے کچھ لوگ اور بھی تھے۔

بہر حال آفس پہنچنے کے بعد اس نے زبیر شاہ سے رابطہ قائم کیا جو فوراً ہی ہو گیا۔

”تمہیں کیسے معلوم کہ دل نے دل کو پکارا ہے۔“

”آواز میرے کانوں تک نہیں آئی۔“

”یہی تو بڑے دکھ کی بات ہے کہ آواز تمہارے کانوں تک نہیں پہنچی۔ ارے بابا کانوں کی صفائی کے لیے کوئی عمدہ دوا استعمال کرو۔“

”کیا کر رہے ہو؟“

”تمہیں یاد کر رہا ہوں۔“

”جی نہیں...... یاد میں نے کیا ہے۔“

”بات ایک ہی ہے وہ جو کہتے ہیں کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔“

”ڈرامت کرو۔ میرے پاس آجاؤ۔“

”ہمیشہ کے لیے؟“

”نہیں تھوڑی دیر کے لیے۔“

”آفس......“

”ہاں۔“

”میں پہنچ رہا ہوں۔“ زبیر شاہ نے کہا اور شازیہ نے فون بند کر دیا۔ پھر وہ زبیر شاہ کا انتظار کرتی رہی۔ جو تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گیا تھا۔ شازیہ نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی:

”جی فرمایئے کیا مشکل پیش آئی ہے آپ کو؟“

”آپ ذرا یہ فرمایئے کہ آپ ڈاکٹر ہیں یا وکیل؟“

”واہ...... تو پھر ذرا دیکھ لیجئے کہ کیا تکلیف ہو گئی ہے مجھے؟“

”ارشاد...... ارشاد آپ کو پیش آنے والے مسئلے میرے لیے بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔“

”تم نے...... ناصر فرازی کا نام سنا ہے؟“

”بالکل سنا ہے۔ میں نے تمام دولت مندوں کے نام سنے ہیں کیونکہ......“

”بس...... بس...... بس لیڈر مت بنو۔ ناصر فرازی کو کیسے جانتے ہو؟“

"یا...... شہر کا ایک بڑا آدمی ہے اور سب سے بڑی بات کہ اس کی بیٹی سمیرا میری ایک محبوبہ کی دوست ہے۔"

"ایک محبوبہ...... باقیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"افسوس تو یہی ہے کہ محبوبہ اکلوتی ہے۔"

"واقعی...... تمہیں کیسے معلوم کہ سمیرا میری دوست ہے۔"

"یار...... ایک درجن بار اس کا تذکرہ تمہاری زبان سے سن چکا ہوں۔"

"ہاں...... جی اچھی دوستی ہے۔ ہم لوگ کافی عرصے تک ساتھ رہے ہیں۔"

"جی تو کیا ہوا آپ کی دوست کو؟"

"میری دوست کو کچھ نہیں ہوا ہے۔ ایک بلیک میلر اس کے باپ کو بلیک میل کر رہا ہے اس سے پچاس کروڑ روپے مانگے ہیں۔"

"اللہ اکبر...... اللہ اکبر۔ کتنے اعلیٰ معیار کے مالک ہوتے ہیں یہ بلیک میلر بھی' ویسے ایک بات بتا دو...... اگر اس نے پچاس کروڑ مانگے ہیں تو وہ کوئی معمولی شخصیت کا بلیک میلر نہیں ہوگا اور جس وجہ سے مانگے ہیں وہ بھی معمولی بات نہیں ہوگی۔"

"وہی بتانا چاہتی ہوں تمہیں۔"

"ہاں...... بتایئے...... بتایئے...... ارشاد...... ارشاد۔"

"یہ ارشاد کو پتا نہیں لوگ کیوں پریشان کرتے ہیں۔ خاص طور سے شاعر حضرات۔ میرے خیال سے جتنے ارشاد یہاں پر موجود ہیں' ان سب کو احتجاج کرنا چاہئے۔"

"یار تم چپ نہیں ہوگے...... پوری بات سنو میری۔ میں بالکل سنجیدہ ہوں۔"

"جی...... جی میں بھی سنجیدہ ہو گیا۔" زبیر شاہ نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"چائے پیو گے؟"

"یہ آپ کی...... میرا مطلب ہے آپ کی سمیرا کو۔"

"نہیں...... نہیں...... میں تم سے پوچھ رہی ہوں چائے پیو گے ناں۔"

"آپ کہیں گی تو بھلا انکار کیا جائے گا۔"

"میں ابھی کھلواتی ہوں۔" یہ کہہ کر شازیہ نے اردلی کو بلایا اور اسے عمدہ سی چائے لانے کے لیے کہا اور پھر بولی:

"ناصر فرازی صاحب کا کیس یہ ہے کہ ایک دن وہ راستے میں آ رہے تھے کہ انہیں ایک لڑکی ملی......" شازیہ نے پوری تفصیل زبیر شاہ کو بتائی۔ زبیر شاہ پراسرار انداز میں بھنوئیں ہلا رہا تھا۔

"گڈ...... یقینی طور پر یہ مسئلہ ہے ناں...... وہ بہت دلچسپ اور دلکش ہے۔ میں بھی تمہیں ایک بات بتانا چاہتا تھا اور اس کے لیے

تم سے ملاقات کرنے کا خواہش مند تھا۔''

''پہلے سمیرا کی بات کرو۔''

''نہیں پہلے میری بات سنو۔'' زبیر شاہ نے کہا اور شازیہ ہنس پڑی۔

''چلو......بکو......''

''میڈم مجھے شیر جنگ صاحب نے ایک آفر کی ہے۔ شیر جنگ صاحب کو تو جانتی ہو ناں؟''

''جناب جن لوگوں کا نام ہم لوگوں کے نام کے ساتھ آتا ہے ناں ان لوگوں کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''جی......تو شیر جنگ صاحب نے مجھے ایک گروپ کا ممبر بنا لیا ہے۔''

''گروپ کا ممبر۔''

''ہاں......''

''کون سے گروپ؟''

''کارواں گروپ۔'' ''گڈ......کیا کرتا ہے یہ گروپ؟'' زبیر شاہ نے اب شازیہ کو اس بارے میں ساری تفصیل بتائی تھی اور شازیہ بڑی حیرت سے آنکھیں پھاڑے یہ تمام تفصیل سن رہی تھی۔ پھر اس نے کہا:

''تو تم اس گروپ میں شامل ہو گئے۔''

''ہاں شازیہ شیر جنگ کے بارے میں تو تم جانتی ہی ہو کہ کس طرح کا انسان ہے وہ مخلص ہے۔ میں نے اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ اس گروپ میں شمولیت اختیار کر لی ہے اور تم بھی اپنے آپ کو اس گروپ کا ایک ممبر سمجھو۔''

''کن لوگوں کو ساتھ لیا ہے؟''

''ٹونی جیمز' فرید خان' شہباز اور شازیہ۔ کیا سمجھیں؟ رحیم خان کا نام بھی شامل کر لیا گیا ہے۔''

''بڑے اچھے لوگوں کا انتخاب کیا ہے لیکن یہ گروپ کرتا کیا ہے؟''

''جرائم کا خاتمہ......اور مجرموں سے بھتہ وصول کرنا۔''

''دلچسپ......'' شازیہ مسکرا کر بولی۔

''تم بھی اس گروپ کی ایک ممبر ہو۔''

''گروپ کے بقیہ ارکان......''

''دلچسپ بات ہے۔''

''اس سے بھی دلچسپ بات یہ ہے کہ میں اس گروپ کو پہلا کیس خود دے رہا ہوں۔''

''کیا مطلب......؟''

''سمیرا......ناصر فرازی۔'' زبیر نے کہا اور شازیہ آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے اسے دیکھنے لگی پھر بولی:

''ونڈر فل یار خوب سوچتے ہو واقعی خوب سوچتے ہو۔ کمال کی بات ہے۔ یہ تو واقعی ایک عمدہ بات ہو گئی۔ گویا پکی پکائی کھیر مل گئی۔''

''دیکھو کھیر کا نام مت لیا کرو۔ کھیر میری کمزوری ہے۔''

''میں تمہیں کھلاؤں گی پکا کر۔''

''شادی سے پہلے یا شادی کے بعد۔''

''شادی سے پہلے۔'' شازیہ نے مسکرا کر کہا اور پھر بولی:

''اچھا اب سنجیدہ ہو جاؤ۔''

''ہو گیا......کیونکہ چائے آ رہی ہے۔'' زبیر نے کہا اور اردلی نے چائے کے دو کپ ان کے سامنے رکھ دیئے۔

''ہاں تو پھر بتاؤ کیا کرو گے؟''

''سمیرا کو اطمینان دلا دو اور اس سے کہو کہ اس کے لیے کام کیا جا رہا ہے لیکن......''

''ہاں......لیکن کیا؟''

''نہیں......لیکن ویکن کچھ نہیں۔ بس ہم کام شروع کر رہے ہیں۔ میں ویسے بھی کام شروع کر دیتا لیکن میں چاہتا ہوں کہ گروپ سے ایمانداری کا مظاہرہ کروں۔ اس سے مشورہ کر لوں......''

''ہاں......یہ تو اچھی بات ہے۔ بہر حال یار دلچسپ بات ہے' ملے ملائے گا کیا؟''

''میرا خیال ہے۔ اچھی خاصی رقم مل جائے گی۔'' زبیر شاہ نے کہا اور اس کے بعد اس نے ماضی میں گزرے ہوئے واقعات کی تفصیل شازیہ کو بتانا شروع کر دی۔

''گویا......اس کا مطلب ہے کہ پراسرار لوگ ہیں۔''

''ہاں......لیکن بہت دیر تک ہم سے نہیں چھپ سکیں گے۔ میں ان کے بارے میں بہت جلد معلومات حاصل کر لوں گا۔'' زبیر شاہ نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

شازیہ سے رخصت ہونے کے بعد زبیر شاہ نے شیر جنگ سے رابطہ قائم کیا۔

''ہاں......شاہ جی کیا بات ہے......خیریت؟''

''ملنا چاہتا ہوں آپ سے۔''

"مل لو......"

"فوراً ملنا ہے۔"

"جی۔"

"آ جاؤ آفس آ جاؤ۔ کوئی بات نہیں ہے میرے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں۔"

"مگر...... میرا آپ کے پاس آنا ذرا......"

"اچھا پھر ٹھیک ہے۔ چلو کسی ہوٹل کا نام بتاؤ؟"

"پولیس ہیڈ آفس سے تھوڑے فاصلے پر ایک ہوٹل ہے۔ وہاں آ جایئے۔"

"میں پہنچ رہا ہوں۔"

ہوٹل میں زبیر شاہ نے شیر جنگ سے ملاقات کی اور بولا:

"میرا فرض تھا کہ میں آپ کو اس واقعہ سے آگاہ کروں جس کی خبر مجھے ملی ہے۔"

"بولو...... بتاؤ۔" زبیر شاہ نے شیر جنگ کو پوری تفصیل بتائی اور شیر جنگ پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ فلیش ماسٹر کا ذکر اس کے سامنے آ چکا تھا اور یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ فلیش ماسٹر بلیک میلر ہے۔ اتنی بڑی رقم کا کیس اس کے سامنے آیا تھا۔ ذہن فلیش ماسٹر ہی کی طرف گیا تھا۔ اس نے زبیر شاہ سے کہا کہ انتظار کرے، بہت جلد وہ اسے تفصیل بتائے گا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس کے بعد شیر جنگ نے لیمپو آن سے ملاقات کی تھی۔ اس وقت لیمپو آن کارواں ہاؤس ہی میں موجود تھا۔

"پہلے میں آپ کی دکان کی طرف سے گزرا تھا۔ میں مسٹر لیمپو آن میں نے سوچا کہ شاید آپ دکان پر ہوں۔"

"اس طرح مت سوچا کرو میری جان! فی الحال مجھے زندگی عزیز ہے تم لوگوں کے ساتھ کافی عرصے جینا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"جس شخص کا نام فلیش ماسٹر ہے وہ معمولی ذہن کا مالک نہیں ہے۔ اس نے یقینی طور پر مجھے دیکھا ہو گا اور وہ دکان اس کی نگاہوں میں آ گئی ہو گی۔ اب ظاہر ہے کہ کوئی بھی سمجھدار آدمی اگر کسی کی تلاش کرے گا تو وہیں پر کرے گا جہاں پر اسے اس کے مل جانے کے امکانات ہوں۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ فلیش ماسٹر کے بارے میں میرے ذہن میں ایک خیال تھا۔ میں اس سلسلے میں آپ سے کچھ مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں...... ہاں...... ہاں...... بولو بولو......"

"ناصر فرازی یہ ایک انتہائی دولت مند آدمی کا نام ہے۔ ناصر فرازی سے باقاعدگی کے ساتھ کچھ کیا گیا ہے اور پچاس کروڑ

روپے اس سے مانگے گئے ہیں۔''

''ارے واہ......اس کا مطلب ہے کہ ایک بڑی رقم ہمارا انتظار کر رہی ہے۔'' لیمپو آن نے کہا۔ کائی شی اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ شہروز اور قادر بخش بھی قریب پہنچ گئے۔ پوری تفصیل شیر جنگ سے زبانی سننے کے بعد لیمپو آن نے پر مسرت لہجے میں کہا:

''زندہ باد......زندہ باد! اس کا مطلب ہے کہ فلیش مین پھر ہماری نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ خیر کیوں شہروز کیا کہتے ہو تم......''

''مسٹر لیمپو آن آپ چیف ہیں ہمیں ہدایت دیجئے کہ ہم کیا کریں؟'' اور جواب میں لیمپو آن ان لوگوں کو تفصیل بتانے لگا تھا۔ پوری تفصیل بتانے کے بعد اس نے کہا:

''زبیر شاہ کو اس وقت صرف گارڈ کے طور پر استعمال کیا جانا ہے۔ باقی کام شہروز دیکھے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں زبیر شاہ کو ہدایات جاری کیے دیتا ہوں۔'' شیر جنگ نے جواب دیا اور لیمپو آن انہیں اپنے منصوبے سے آگاہ کرنے لگا۔

☆......☆......☆

وہ تینوں زخموں سے چور تھے اور زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ فلیش ماسٹر کے ہاتھ میں ایک چمڑے کا خطرناک ہنٹر تھا اور اسی ہنٹر نے ان تینوں کی یہ درگت بنائی تھی۔ فلیش ماسٹر غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''کتو......یہ ہمارا ملک نہیں ہے۔ غیر ملکیوں میں اس قدر خطرات پیش آ سکتے ہیں۔ کیا تم ان سے ناواقف ہو۔ تم نہیں جانتے کہ تم نے کتنے زہریلے سانپ کو آزاد کر دیا ہے۔ غلطی میری بھی ہے۔ مجھے اتنا مطمئن نہیں ہو جانا چاہئے تھا۔ میں......میں......'' وہ شدت غصے سے خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے کہا:

''ڈیک! ذرا معلوم کرو کہ دکان آج بھی کھلی یا نہیں؟'' یہ جملے ایک اور شخص کو مخاطب کر کے کہے گئے تھے۔ اس نے فوراً کہا:

''دکان آج بھی نہیں کھلی فلیش ماسٹر ہم نے آس پاس سے بھی معلوم کیا ہے۔ تو پتا چلا ہے کہ یہ پہلا موقع ہے کہ چینی دندان ساز نے دکان نہیں کھولی ورنہ وہ اور اس کی بیوی عام طور پر یہاں ہی نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے گھر کا بھی پتہ نہیں چل سکا کیونکہ وہ لوگوں سے زیادہ گھلتا ملتا نہیں ہے۔''

فلیش ماسٹر منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے ان تینوں کو دیکھتے ہوئے کہا:

''ان کتوں کو تو گولی سے اڑا دینا چاہئے۔ کتو! ذمہ داری کیوں قبول کی تھی۔ تم نے اس کی حفاظت کی۔'' اور پھر فلیش ماسٹر غصے سے خاموش ہو گیا۔ اسی وقت اس کے موبائل فون کی گھنٹی بجی اور اس نے فون اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''ہاں......''

''چیف میں سات نمبر بول رہی ہوں۔''

"بھونکو......"

"میں آپ سے ہدایات لینا چاہتی ہوں۔ آپ مجھے بتایئے ناصر فرازی کے لیے اب کیا کیا جائے۔"

"ہوں......اس سے میں بات کرتا ہوں اور پھر تمہیں ہدایت دوں گا۔"

"ٹھیک ہے چیف میں ابھی انڈر گراؤنڈ رہوں۔"

"آسمان میں پرواز کرنا چاہتی ہو؟"

فلیش ماسٹر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"نن......نہیں چیف سوری۔ میں بس یہ پوچھ رہی تھی کہ میرے لئے......"

"پوچھنا ضروری ہے۔ تو یہ نہیں سمجھتی کتیا! کہ ہم نے شکار کو دانہ ڈالا ہے۔ تیرے خیال میں وہ ارب پتی بے وقوف ہے۔ وہ خود اپنے بچاؤ کے چکر میں نہیں ہوگا۔"

"جی چیف......جی معافی چاہتی ہوں۔"

"دو دفعہ معاف کرتا ہوں۔ تیسری بار مجھ سے صرف موت مانگنا۔" فلیش ماسٹر نے کہا اور پھر ہنٹر ایک طرف پھینک کر اس کمرے سے باہر نکل آیا اور ایک دوسرے کمرے میں پہنچ گیا۔ یہاں آ کر اس نے ایک ٹرانسمیشن مشین پر کسی سے رابطہ قائم کیا اور بولا:

"ہاں......سناؤ ناصر فرازی کس حال میں ہے؟"

"برے حال میں ہے سر! اپنے دفتر بھی نہیں جاتا۔ گھر پر ہی پڑا رہتا ہے۔"

"کسی سے رابطہ تو قائم نہیں کیا؟"

"نہیں سر! کسی سے بھی نہیں۔"

"گدھے کے بچو! یہ بات بھی سوچ لینا کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنا کسی کو راز دار بنا لیا ہو اور وہ اس کے لیے کچھ کام کرنے نکلا ہو۔ تعجب کی بات ہے۔ ہم اتنے دن سے یہاں موجود ہیں لیکن ابھی ہماری کوئی آمدنی نہیں ہوئی۔ خیر سب سے پہلے لیمپوآن کا مسئلہ حل کیا جائے گا۔ بلاوجہ ہم نے ایک زہریلے سانپ پر ہاتھ ڈال دیا اور اب خطرے سے بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔ کاش میں نے پہلے لمحے ہی لیمپوآن کو ختم کر دیا ہوتا۔ چلو خیر ٹھیک ہے۔ اب ذرا اس کی نگرانی کڑی رکھنا میں رپورٹ کا منتظر ہوں۔"

"جی سر!" آواز آئی اور اس نے ٹرانسمیٹر کو بند کر دیا۔

☆......☆......☆

ناصر فرازی نے ڈرتے ڈرتے سیل فون اٹھایا اور کان سے لگا لیا۔ پھر اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

"ہیلو......"

''اے......بی......سی......ڈی۔'' دوسری طرف سے ایک باریک سی آواز سنائی دی۔

''کیا مطلب......کک......کک......کون ہیں آپ؟''

''ڈیئر ناصر فرازی۔ ویسے تو خیر باقی ساری باتیں اپنی جگہ ہو سکتی ہیں لیکن تم صرف ایک بات بتاؤ کہ کیا تمہاری عمر ایسی تھی کہ تم اس قسم کی حرکت کرتے۔''

''کک......کک......کون ہیں؟''

''میں......ناصر فرازی چھوڑو ان باتوں کو تم یہ بتاؤ کہ اپنی اس حرکت کے نتیجے میں پچاس کروڑ روپے کب اور کس طرح پہنچا رہے ہو؟'' دوسری طرف ناصر فرازی خاموشی سے سوچتا رہا تو آواز دوبارہ آئی۔

''ناصر فرازی......میں نے تم سے جو سوال کیا ہے اس کا جواب دو۔''

''وہ......دراصل یہ رقم بہت زیادہ ہے اور میں......میں......میں۔''

''میں تم سے اپنا تعارف کرا دوں۔ وہ بلیک میلر جس کے پاس تصویریں ہیں' بہت خطرناک بلیک میلر ہے۔ وہ تم سے پچاس کروڑ روپے وصول کیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔''

''کیا مطلب ہے؟ آپ......''

''ہاں......میں بلیک میلروں کو بلیک میل کرتا ہوں۔ کیا سمجھے......''

''لیکن سر آپ......''

''میری بات سنو......یہ بتاؤ کتنی رقم آسانی سے ادا کر سکتے ہو؟''

''مم......میں سمجھا نہیں۔''

''اگر اس بلیک میلر سے تمہارا چھٹکارا ہو جائے۔ اگر تمہاری تصویریں تمہیں واپس مل جائیں تو اس کے لیے کتنی رقم ادا کر سکو گے؟''

''آپ میرا مطلب ہے۔ آپ......اس کے خلاف کام کریں گے۔''

''ہاں......''

''سر اگر ایسا ہو جائے تو آپ مجھے بتا دیجئے۔''

''تمہیں یہ بتاؤ کہ کیا دے سکو گے فوراً......''

''پانچ کروڑ سر!''

''بغیر کسی بے ایمانی کے۔''

''جی......سر!''

''کب پہنچا سکتے ہو یہ رقم؟''

''سر اگر آپ......آپ......آپ......''

''ہاں......یہ کہنا چاہتے ہو کہ رقم کام ہونے کے بعد ملے گی۔''

''سر مجبوری ہے۔آپ خود سمجھدار ہیں۔''

''تب پھر ایک کام کرو......میں ایک اکاؤنٹ نمبر دیتا ہوں تم وہ رقم اس اکاؤنٹ میں جمع کرادو اور اس کی چیک بک کے لیے یہ کہہ دو کہ بعد میں ملے گی۔''

''سر! اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔میں بعد میں بے ایمانی کر سکتا ہوں۔''

''یہی جواب سننا چاہتا تھا تم سے۔اس کا مطلب ہے کہ تم خلوص سے یہ رقم میرے حوالے کرنے کو تیار ہو۔''

''سر اس نے پچاس کروڑ مانگے ہیں آپ تو سب جانتے ہیں اور اس کے بعد میں بھی اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ وہ پچاس کروڑ بھی آخری رقم نہیں ہوگی۔اس کی نسبت پانچ کروڑ تو کچھ بھی نہیں ہیں۔میں آپ سے بے ایمانی نہیں کروں گا۔''

''چلو ٹھیک ہے۔دوبارہ فون آیا تمہارے پاس اس کا؟''

''نہیں سر!''

''اب گھر میں مت گھسو۔گھر سے باہر نکلو......کیا سمجھے؟ ایسی جگہ پر جاؤ جو اجنبی ہو۔وہ تم سے رقم وصول کرنا چاہتا ہے۔تمہیں کوئی جسمانی نقصان نہیں پہنچائے گا۔اس وقت تک جب تک اسے اس بات کا علم نہ ہو جائے کہ تم اسے رقم نہیں دے رہے۔تم اس سے یہ ہی کہو گے کہ تم اپنے دوستوں کے پاس جا رہے ہو تم کاروباری آدمی ہو۔تمہارا سرمایہ جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے۔پچاس کروڑ روپے کی رقم بے شک تم کسی کو دے سکتے ہو لیکن اس کو وصول کرنے کے بعد۔''

''لیکن اس سے کیا ہوگا جناب!''

''اس بات کو چھوڑ دو......یہ میں تمہیں بتاؤں گا کہ اس سے کیا ہوگا۔اگر اعتبار کر سکتے ہو تو کر لو ورنہ بھاڑ میں جاؤ۔''

''نہیں سر! ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہوتا ہے۔میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا۔'' ناصر فرازی نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔اپنا حلیہ درست کرو۔کیا ایسے کچھ لوگ تمہارے علم میں ہیں جن کے پاس تم جا سکتے ہو؟''

''جی سر!''

''ان سے کوئی خاص بات مت کرو۔بس تھوڑا سا ملو اور واپس آ جاؤ۔''

''بہت بہتر جناب!'' ناصر فرازی نے جواب دیا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ناصر فرازی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔یہ

بلیک میلر اس سے کیا چاہتا ہے اور کیا وہ اس شخص کو بلیک میل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا جس نے اس سے پچاس کروڑ کی رقم مانگی ہے۔

بہرحال ناصر فرازی نے فیصلہ کیا تھا کہ اس نئے بلیک میلر سے رابطہ ضرور قائم کرے گا۔ پچاس کروڑ کے بجائے اگر پانچ کروڑ میں کام نکل جائے اور جان بھی چھوٹ جائے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں کسی کو رازدار بنانے کی ضرورت نہیں تھی۔ بس کام کرنا تھا۔

وہ بڑی عمدگی کے ساتھ ناصر فرازی کا تعاقب کر رہے تھے۔ زبیر شاہ ایک موٹر بائیک پر مسلسل ناصر فرازی کے پیچھے لگا ہوا تھا اور خود یہ بات نہیں جانتا تھا کہ شہروز اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ دونوں ہی نے اس گاڑی کو دیکھ لیا تھا۔ جو ناصر فرازی کی کار کے پیچھے لگی رہا کرتی تھی۔ آج تین دن ہو گئے تھے۔ اس دوران ناصر فرازی اپنے بہت سے دوستوں سے جا کر مختلف جگہوں پر ملا تھا لیکن وہ جہاں بھی گیا تھا۔ پیلے رنگ کی اس کار کو اپنے تعاقب میں دیکھا تھا۔ جس میں بدلے ہوئے چہرے ہوا کرتے تھے۔ پھر اس دن شہروز نے لیمپوآن کو اطلاع دی۔

''آج پیلے رنگ کی کار کے ساتھ ایک اور کار بھی موجود ہے۔ جس میں ایک سفید فام کو دیکھا گیا ہے۔ جو ایک تندرست و توانا آدمی ہے' کالے رنگ کا چشمہ لگاتا ہے اور ورزشی جسم کا مالک ہے۔''

''وہ فلیش ماسٹر اس وقت وہ کہاں ہے؟''

''نیو اسکوئر روڈ پر ناصر فرازی کی کار کے پیچھے جا رہا ہے۔''

''اور زبیر شاہ کہاں ہے؟''

''وہ اس کے پیچھے ہی ہے۔''

''کیا کہتے ہو زبیر شاہ کے بارے میں؟''

''زبردست آدمی ہے۔ تعاقب کرنا جانتا ہے۔ اس نے ان لوگوں کو آج تک شبہ نہیں ہونے دیا۔ البتہ اسے خود بھی شبہ نہیں ہوا کہ میں اس کے تعاقب میں ہوں۔''

''اور کوئی ایسی گاڑی جو تم سب کے پیچھے ہو۔''

''نہیں جناب!''

''وہ آ رہی ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''میں......'' لیمپوآن نے جواب دیا۔ نیو اسکوئر روڈ کا اختتام ایک ایسی تفریحی علاقے میں جا کر ہوتا تھا جہاں ایک مصنوعی جھیل بنائی گئی تھی اور اس کے ساتھ بڑی خوبصورت ہٹیں تھیں جو ایک کمپنی کرائے پر دیا کرتی تھی۔ اپنے موسم اور مضافاتی ماحول کی وجہ سے وہ خوبصورت تفریح گاہ شمار کی جاتی تھی۔

یہ سارا ہنگامہ وہیں جا کر ختم ہوا تھا۔ ایک ہٹ کے کنارے ناصر فرازی نے اپنی کار روکی تھی اور اتر کر ٹہلنے والے انداز میں آگے

بڑھ گیا تھا۔ تین دنوں سے وہ بڑے صبر کے ساتھ دوسرے بلیک میلر کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا اور اس کا کام خوش اسلوبی سے جاری تھا لیکن نتیجہ کوئی نہیں نکلا تھا۔

ابھی تک پیلے رنگ کی اس کار کو اس نے بھی اپنے تعاقب میں دیکھ لیا تھا جو جب بھی وہ باہر نکلتا اس کے پیچھے لگ جایا کرتی تھی لیکن اس وقت اس نے پیلے رنگ کی اپنی کار کے ساتھ ایک اور کار کو رکتے ہوئے دیکھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

دونوں کاروں سے چند افراد نیچے اترے تھے۔ ان میں خاص طور پر وہ سفید فام جو ایک شاندار ریسلر معلوم ہوتا تھا۔ بہر حال وہ سوچنے لگا کہ کہیں کوئی مصیبت نہ نازل ہو جائے آتو گیا تھا یہاں تک پچھلے دنوں سے اس پر بہت بحرانی کیفیت طاری تھی اور اس نے مختلف جگہوں کا رخ کیا تھا اور پیلے رنگ کی اس کار کو اپنے پیچھے دیکھا تھا۔ بہر حال وہ اس وقت ان کی شکلیں دیکھنے لگا۔ جب وہ سیدھے اس ہی کی طرف چل پڑے تھے۔ اس کے پیچھے ایک ہٹ کا دروازہ تھا جو کھلا ہوا تھا۔

ناصر فرازی بے اختیار اس ہٹ میں داخل ہو گیا۔ اندر چوکیدار موجود تھا جو ہٹ کی صفائی کر رہا تھا اور شاید اسی وجہ سے دروازہ کھلا بھی ہوا تھا۔ اس نے ناصر فرازی کو دیکھا تو فوراً بولا:

"جی صاحب! کیا بات ہے؟"

"وہ دراصل...... میں۔"

"صاحب جی! ہٹ کرائے پر نہیں مل سکتا۔ آج مالک لوگ آ رہے ہیں۔ آپ کوئی اور ہٹ دیکھ لیجئے۔" اسی دوران پانچ افراد اندر گھس آئے تھے۔ انہی میں وہ سفید فام بھی تھا۔

ناصر فرازی نے اسے دیکھا اور ساکت ہو گیا۔

"ناصر فرازی...... میں وہ ہوں جس نے تم سے پچاس کروڑ کا مطالبہ کیا ہے۔ میرا نام ذہن نشین کر لو مجھے فلیش مین کہتے ہیں۔"

"فف...... فف...... فلیش مین۔"

"ہاں...... ناصر فرازی اب ایسا ہے کہ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان تین چار دنوں سے تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔ کیا تم نے پولیس سے رابطہ قائم کیا ہے یا کچھ اور لوگوں سے؟ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"مم...... میں...... میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں...... بولو......"

"دیکھو میں ایک بزنس مین ہوں۔ میرا بزنس بہت بڑا ہے اور اربوں روپے ہیر پھیر میں رہتے ہیں۔ پچاس کروڑ کی رقم معمولی نہیں ہوتی ہم بزنس مین لوگ اربوں روپے کی سرمایہ کاری کرتے ہیں لیکن ہمارا پیسہ تو سرکولیشن میں رہتا ہے۔ میں اپنے دوستوں سے کچھ نقد رقومات اکٹھی کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تا کہ پچاس کروڑ روپے مہیا کیے جا سکیں۔"

''یہ ساری باتیں بعد میں ہوں گی۔ فی الحال تم ہمارے ساتھ چلو۔''

''یہ تو میرے بھائی بند ہیں انہیں کوئی اور کیسے لے جاسکتا ہے۔'' ایک کمزور سی آواز سنائی دی اور فلیش ماسٹر چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ اس کے سامنے لیمپوآن کھڑا ہوا تھا۔ لیمپوآن کے ساتھ قادر بخش تھا۔ پیچھے شاید کوئی اور بھی تھا جس کے بارے میں کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ اچانک ہی فلیش ماسٹر کے ساتھیوں نے پستول نکالنے کی کوشش کی لیکن بجلی سی کوند گئی نجانے وہ کس طرح کا ہتھیار تھا جسے لیمپوآن نے استعمال کیا تھا۔ ایک چھوٹا سا پستول نما آلہ اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا جس سے ٹک...... ٹک...... ٹک کر کے آوازیں نکلیں اور چھوٹے چھوٹے تیر نکل کر ان چاروں کے جسموں میں پیوست ہو گئے۔

صرف ایک لمحہ لگا تھا۔ انہیں ایسا لگا جیسے ان کے جسم مفلوج ہو گئے ہوں۔ وہ سمجھ ہی نہیں پائے تھے کہ یہ ہوا کیا۔ ادھر اچانک ہی فلیش مین زمین پر بیٹھ گیا تھا اور اس کے بعد اس کی لمبی چھلانگ اسے لیمپوآن پر لے آئی لیکن لیمپوآن نے اپنے معمولی سے بدن کو جھکایا اور فلیش مین قادر بخش پر آ پڑا۔

''اڑے قادر خانہ خراب ابی دینگا ایک فینٹی۔'' قادر بخش فلیش مین کے جسم کی ٹکر سے گرا نہیں تھا۔ وہ دیو جیسی قد و قامت کا مالک تھا۔ اس کا زوردار گھونسا فلیش مین کے پیٹ پر پڑا اور فلیش مین اچھل کر کمرے کے درمیان آ گرا۔ بیچارا راحت کا چوکیدار ایک کونے میں سمٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اسی وقت شہروز نے آگے بڑھ کر ایک ہتھکڑی فلیش مین کے ہاتھوں میں ڈال دی۔ لیمپوآن اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے لگا تھا۔

ادھر وہ چاروں آدمی جو زمین پر بے جان سے پڑے ہوئے تھے' بے بسی کی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ان کے ہوش و حواس درست تھے لیکن جسم اس طرح بے جان ہو چکے تھے جیسے ہاتھ پیروں سے ان کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

''دھت تیرے کی فلیش مین ان چوہوں کے بل پر تم شہروز کے وطن آئے تھے۔''

فلیش مین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ قادر بخش آگے بڑھا اور اس نے دو تین ٹھوکریں فلیش مین کے پیٹ پر لگائیں تو شہروز نے کہا:

''نہیں اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ہم اس کو گھر لے جا کر اس سے کھیلیں گے۔'' اب وہ لوگ ایک ایک کر کے فلیش مین اور اس کے ساتھیوں کو اٹھا کر باہر لے آئے اور تھوڑی دیر کے بعد ان کی گاڑیاں چل پڑیں۔ زبیر شاہ ہکا بکا بہت فاصلے سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

شہروز نے فلیش مین کے چاروں ساتھیوں کو اندر گاڑی میں ڈال رکھا تھا اور لیمپوآن فلیش مین کو ساتھ لے کر آگے چل پڑا تھا۔ ان لوگوں نے کارواں ہاؤس کا رخ نہیں کیا تھا بلکہ اس عمارت میں پہنچے تھے جہاں ایک بار زبیر شاہ کو بھیجا گیا تھا اور جو بھوت نگر کے نام سے مشہور کر دی گئی تھی۔ زبیر شاہ کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ شیر جنگ سے رابطہ قائم کرے۔

''ہاں بولو زبیر شاہ کیا بات ہے؟''

''سر ایک عجیب واقعہ ہوا ہے۔'' زبیر شاہ نے کہا اور پوری تفصیل شیر جنگ کو بتا دی۔

تھے۔ ہم لوگ اپنے [illegible] عمل کا فیصلہ کر رہے تھے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اس وقت ہم تم سے بھرپور مقابلہ نہیں کر سکتے تھے لیکن تمہیں یہ اندازہ ہونا چاہیے کہ تم لیمپوآن کے سامنے ہو۔" اسی وقت قادر بخش نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور بولا:

"اڑے ماں قسم تم......"

"آنے دو قادر بخش وہ زبیر شاہ ہے۔ ہمارا ساتھی اور اس کے ساتھ شیر جنگ بہادر ہیں۔"

وہ دونوں بھی اندر آ گئے تھے۔ لیمپوآن کہہ رہا تھا۔

"ہاں......تو فلیش مین تم کس طرح چوہے کی طرح پکڑے گئے۔ تمہیں اندازہ نہیں تھا کہ تم کیا کر رہے ہو؟ سمجھ رہے ہو ناں تم۔ لیمپوآن کا مقابلہ تھا تم سے......تم نے میرے لیے کچھ فیصلے کیے تھے اور میں نے تمہارے لئے' تو دیکھ لو میں نے تمہیں کس طرح پکڑ لیا۔"

"لیمپوآن میں تمہیں ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں بولو......"

"میرے ساتھ مل کر کام کرو......آدھی دنیا خرید کر تمہیں دے دوں گا۔"

لیمپوآن کا زبردست قہقہہ ابھرا تھا۔ قادر بخش نے غرائی ہوئی آواز میں کہا:

"اڑے او کھوتے ابی تم ادر سے اپنی جان تو بچا کے نکل جاؤ۔ آدی دنیا کیسے خرید کر دو گے۔"

"قادر بخش اسے مارو۔"

"یہ ہوئی ناں بات۔ چلو ڑے آ جاؤ کبڈی کبڈی کھیلیں گے۔" قادر بخش نے کہا۔

فلیش مین کو شاید اپنی طاقت پر بہت ناز تھا جو کچھ ہوا تھا وہ تو بس ہو ہی گیا تھا لیکن اب وہ زندگی اور موت کی جنگ لڑنا چاہتا تھا

لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ قادر بخش کیا چیز ہے۔ لوگ دلچسپی سے یہ تماشہ دیکھتے رہے۔ قادر بخش نے فلیش مین کو لہولہان کر دیا تھا اور تھوڑی دیر بعد فلیش مین زمین پر چت پڑا ہوا تھا۔

''جا او ڑے کھوتا۔ ابی تم قادر بخش کے سامنے چوہے کا مافق اے۔'' بہرحال یہاں یہ دلچسپ صورت حال جاری تھی۔ زبیر شاہ کو بھی اس میں شریک کر لیا گیا تھا۔ بہرحال وہ قابل اعتماد ثابت ہوا تھا اور پھر شیر جنگ نے اس کی بھرپور ضمانت دی تھی۔ ادھر ناصر فرازی بھی ان لوگوں سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ تنہائی میں اس نے ناہید سے پوچھا:

''ایک بات بتاؤ بیٹی۔ کیا یہ لوگ محکمہ پولیس سے تعلق رکھتے ہیں؟''

''نہیں انکل۔ ہمارا ایک گروپ ہے۔ جو کارواں گروپ کے نام سے لوگوں کی امداد کرتا ہے۔ میں یہ بات آپ سے اس لیے کہہ رہی ہوں کہ آپ مجھے بالکل اپنے اپنے محسوس ہوئے ہیں۔ شاید آپ کو یہ علم نہ ہو کہ آپ کی بیٹی سمیرا سے میرے بھی تعلقات ہیں بلکہ تھے۔ ہم نے کچھ وقت ساتھ بھی گزارا ہے۔ بہت عرصے سے میری ملاقات سمیرا سے نہیں ہوئی لیکن ایک بار میں اس کے ساتھ آپ کے گھر بھی آئی تھی۔''

''اوہ......''

''لیکن انکل ایک بات کہوں آپ سے۔''

''جی بیٹے ضرور کہو۔''

''میں نے اپنی ذاتی ذمہ داری پر آپ کو اس راز سے آگاہ کر دیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم نے مخلصانہ طور پر آپ کے لیے کام کیا ہے۔ یہ راز آپ کے سینے میں رہے گا ورنہ میں اپنے ساتھیوں کے سامنے بدنام ہو جاؤں گی۔''

''نہیں بیٹی اطمینان رکھو ایسا نہیں ہوگا۔'' بہرحال یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔

فلیش مین لیمپو آن کے قبضے میں آ چکا تھا۔ اس نے قادر بخش کے ہاتھوں مار کھائی تھی۔ پھر قادر بخش نے اسے مارا تھا اور آخر میں زبیر شاہ نے اس کی صحیح طریقے سے ٹھکائی کی تھی۔ فلیش مین جس قدر یہاں آ کر ذلیل ہوا تھا' اپنی زندگی میں اس نے اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ دنیا کا خطرناک ترین آدمی تھا لیکن جن لوگوں کے قبضے میں پہنچ گیا تھا وہ اس سے کہیں زیادہ خطرناک تھے۔

فلیش مین سے پوچھا جا رہا تھا کہ اس کے ساتھی اور کہاں کہاں پھیلے ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ اس سے یہ بھی پوچھا گیا تھا کہ ناصر فرازی کے وہ فوٹوگراف اور وہ لڑکیاں کہاں ہیں لیکن اس نے انکار کر دیا تھا۔

آخر کار لیمپو آن کی فرمائش پر اسے آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر کارواں ہاؤس بھیج دیا گیا جہاں لیمپو آن اسے ایک کمرے میں لے گیا۔ بہرطور کارواں گروپ کے دوسرے افراد بھی موجود تھے پھر کمرے سے فلیش مین کی دھاڑیں سنائی دی تھیں اور تھوڑی دیر کے بعد لیمپو آن ہنستا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ پھر اس نے کہا:

"یہ کچھ پتے ہیں میرے پاس۔ فلیش مین کی کچھ ساتھی لڑکیاں ان پتوں پر مل جائیں گی اور پھر اس کے ساتھ وہ تمام تصویریں، نیگیٹیو کے ساتھ یہ تفصیل نوٹ کرو۔" شہروز شیر جنگ ہنس پڑا تھا۔

"کیا کیا تم نے اس کے ساتھ لیمپوآن؟"

"بس ذرا محبت کی باتیں کی تھیں۔ وہ مجھے اپنا راز دار بنانے پر تیار ہوگیا۔" لیمپوآن نے کہا۔

یہ لوگ جانتے تھے کہ لیمپوآن ایسی پراسرار قوتوں کا مالک ہے کہ فلیش مین کو زبان تو کھولنی پڑی ہوگی۔ وہ تمام چیزیں دستیاب ہوگئی تھیں اور شہروز نے انہیں بتایا تھا کہ زبیر شاہ یہ چیزیں لے کر ناصر فرازی کے گھر گیا ہے لیکن جب زبیر شاہ واپس آیا تو اس کے پاس ایک بریف کیس موجود تھا۔

"مجھے نہیں معلوم کہ اس بریف کیس میں کیا ہے۔ یہ ناصر فرازی نے دیا ہے۔" بریف کیس میں پانچ کروڑ روپے کے نوٹ بھرے ہوئے تھے جو لیمپوآن کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔

"یہ ہمارا حق ہے۔ پچاس کروڑ کے نتیجے میں پانچ کروڑ روپے لیکن ایک بات بری ہوئی وہ ہم لوگوں سے واقف ہوگیا۔"

"اس کی ذمہ داری میں لیتی ہوں۔ مسٹر لیمپوآن آپ یوں سمجھ لیجئے کہ وہ کارواں گروپ ہی کا ایک فرد ہے۔ کبھی اپنی زبان نہیں کھولے گا اور ہم سے تعاون کرے گا۔" ادھر شیر جنگ اپنے طور پر تیاریاں کر رہا تھا۔ ایک پوری منصوبہ بندی کی گئی تھی جس میں باہر کے کچھ لوگوں کو بھی شامل کیا گیا تھا۔

فلیش مین اور اس کے تمام ساتھیوں کو سمندر کے کنارے ایک جگہ پولیس نے ریڈ کر کے ایک ہٹ سے برآمد کیا تھا اور اس کے بعد شیر جنگ نے اخبارات میں انکشاف کیا تھا کہ دنیا کا بدترین مجرم ایک خوفناک بلیک میلر فلیش مین جس کے بارے میں شیر جنگ کو اطلاع ملی تھی کہ وہ ان کے ملک میں داخل ہوا ہے اور اس کا ارادہ بڑے بڑے لوگوں کو بلیک میل کرنے کا ہے۔ اس اطلاع پر شیر جنگ نے سمندر کے ایک فیشن ایبل علاقے پر چھاپہ مار کر اس پورے گروپ کو ایک ہٹ سے گرفتار کیا تھا۔

فلیش مین نے لاکھ شور مچایا کہ صورت حال بالکل مختلف ہے۔ ان لوگوں نے اسے بہت پہلے گرفتار کیا تھا اور دوبارہ گرفتاری ایک ڈرامہ ہے لیکن ظاہر ہے اس کے بارے میں اتنے ثبوت مہیا کر لیے گئے تھے اور یہ پوری پلاننگ کی گئی تھی۔ چنانچہ اسے قانون کے شکنجے میں آنے سے کون بچا سکتا تھا۔ اس طرح کارواں گروپ کا ایک اور کارنامہ ہوا تھا۔ زبیر شاہ اور اس کے ساتھیوں کو بھی ان پانچ کروڑ روپوں میں سے ان کے برابر کا حصہ ملا تھا لیکن یہ حصہ بھی اتنا تھا کہ زبیر شاہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ شیر جنگ نے اس سے سوال کیا:

"تمہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ انتہائی محتاط طریقے سے کام [illegible] چاہیے کہ بالکل اتفاقیہ طور پر تمہیں کارواں گروپ سے واقفیت حاصل ہوگئی ہے۔ [illegible] میں کوئی بات سامنے نہ آنے پائے ورنہ ان لوگوں کے بارے میں تمہیں [illegible]۔"

"دیکھئے شیر جنگ صاحب! آپ یہ بات جانتے ہیں کہ محکمہ پولیس میں میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ کیوں ہوا ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں قول وفعل کا پابند ہوں۔ کارواں گروپ کو میں نے پورے اعتماد کے ساتھ قبول کیا ہے۔ اس لیے گروپ کو بھی چاہئے کہ مجھے وہی اعتماد دے اور مجھ سے کبھی اس بات کی توقع نہ رکھے کہ میں اس کے خلاف کچھ کروں گا۔ میں اور میرے آدمی ہمیشہ اس کے وفادار رہیں گے اور جو معلومات ہمیں اس کے بارے میں معلوم ہوں گی یا پھر جو ذمہ داری ہمارے سپرد کی جائے گی ہم اسے پورے اعتماد کے ساتھ سرانجام دیں گے۔"

"میں یہی چاہتا ہوں۔ بس اور کوئی مقصد نہیں ہے میرا۔"

"آپ اطمینان رکھئے زبیر شاہ اب کارواں گروپ کا ایک اہم رکن ہے اور ہمیشہ اس بات کا خیال رکھے گا کہ اس کی ذات سے کبھی اور کسی وقت بھی کارواں گروپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔" ان تمام معاملات سے فراغت پا کر تمام لوگ مطمئن ہو گئے تھے۔

اس طرح کارواں چل رہا تھا۔ لیپوآن نے ڈینٹل کلینک جانا شروع کر دیا تھا۔ کائی شائی اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ زبیر شاہ وغیرہ بھی مطمئن تھے۔ ایک دن شیر جنگ بہت اداس اداس کارواں ہاؤس آیا۔ اس وقت کارواں گروپ کے اکثر ممبر وہاں موجود تھے۔ شیر جنگ کی اداسی کو خاص طور سے محسوس کیا گیا تھا۔

"خیریت مسٹر شیر جنگ۔" کائی شائی نے پوچھا۔

"ہاں بس......"

"کوئی بات ہے؟"

"بس انسانی زندگی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ انسانی زندگی بھی کیا ہے۔"

"خاص طور سے سوچنے کی کوئی خاص وجہ؟"

"ہاں طویل عرصے سے ایک کیس میں الجھا ہوا تھا۔ پچھلے دن وہ ختم ہو گیا اور میں نے مجرم کو قانون کے حوالے کر دیا۔"

"کیا کیس تھا؟" کائی شائی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"لمبی داستان ہے۔"

"ہمیں سناؤ۔"

کائی شائی بولی اور شیر جنگ مسکرانے لگا۔ پھر بولا:

"کہانی سننے کا شوق عمر کے کسی حصے میں ختم نہیں ہوتا۔ یہ کہانی نصیر علی شاہ مرحوم کی ہے۔ جو بہت بڑے جاگیردار تھے۔ وسیع اراضی اور کئی باغات کے علاوہ ایک کوٹھی دیہات میں اور ایک بنگلہ شہر میں تھا۔ کئی اور مکانات بھی تھے خاص طور سے پنڈی اور ملتان میں۔ جب تک زندہ رہے، بڑی شان وشوکت، بڑی رعب ودبدبے کے ساتھ جاگیرداری کی۔

پھر حکومت کی زرعی اصلاحات کے سلسلے میں ان کی زمینیں بھی ایک خاص حد تک بحق سرکار ضبط ہوئیں۔ کچھ معاوضہ ملا کچھ نہیں ملا لیکن اس کے باوجود ان کی دولت وامارت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ انتقال ہوا تو اپنے اکلوتے بیٹے بشیر علی شاہ کے لیے اتنی وراثت چھوڑ گئے کہ دونوں ہاتھوں سے لٹانا بھی شروع کرتا تو مدت تک تہی دستی کی نوبت نہ آتی مگر بشیر شاہ جاگیردارانہ مزاج اور خوبی کے باوجود انتظامی صلاحیت بھی رکھتا تھا جس کی پرورش میں شاہ بیگم یعنی بشیر شاہ کی والدہ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

انہوں نے شوہر کے انتقال ہونے کے بعد بیٹے کے جوان ہونے تک نہ صرف زمین و جائیداد کو بہ حسن وخوبی سنبھالے رکھا بلکہ کچھ منفعت بخش سرمایہ کاری کے ذریعے اس میں اضافہ بھی کیا۔

بشیر شاہ تعلیم سے فارغ ہوا تو شاہ بیگم کا خیال تھا کہ وہ اپنے یا شاہ صاحب کے خاندان سے کوئی ایسی سیدھی سادھی لڑکی تلاش کر کے اس کے ساتھ بشیر کی شادی کر دیں جو ان کی خود مختاری کے لیے چیلنج نہ بنے۔ شوہر کو قابو میں کر کے ان کے خلاف محاذ آرائی نہ ہو۔ وہ بدستور زمین و جائیداد کے انتظامات پر اپنی گرفت قائم رکھیں۔

مگر تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بشیر ایک جذباتی اور حسن پرست نوجوان تھا۔ بلاشبہ ماں کے احکامات کا احترام کرتا تھا۔ اس نے انتظامی معاملات میں بھی کبھی ان سے الجھنے یا ان کی مرضی کے خلاف چلنے کی کوشش نہیں کی لیکن شادی کے معاملے میں اس نے اپنی مرضی اور اپنی پسند کو ترجیح دی اور وہ بھی اس حد تک کہ خاندانی روایات کا پاس تک نہیں کیا۔ اسٹیج کی ایک نووارد مگر حسین ترین اداکارہ صائمہ کے عشق میں ایسا مبتلا ہوا کہ ماں کو بتائے بغیر شادی کر لی۔

شاہ بیگم کو اس شادی کی خبر ملی تو وہ بہت تلملائیں۔ بیٹے کو پیغام بھجوایا کہ اس نے شادی کر لی ہے۔ خیر کوئی بات نہیں اب اپنے جذبات کو لگام دے کچھ دن اور عیش کر لے اس کی بھی اجازت ہے مگر پھر اس بازار کے کھلونے کو کچھ نقدی دے کر رخصت کر دے۔ طلاق دے کر گھر آئے تاکہ وہ خاندانی عزت و وقار کے مطابق کسی نجیب الطرفین لڑکی سے اس کی باقاعدہ شادی کر سکیں۔

اگر اس نے ایسا نہ کیا تو یہ اس کے حق میں کچھ اچھا نہیں ہوگا۔ بشیر شاہ نے اس کا جواب دیا کہ ان کا حکم زمین و جائیداد پر تو چل سکتا ہے اور سردست چل بھی رہا ہے مگر اس کی ذات اس کی اپنی ملکیت ہے۔ اگر اس کے ذاتی معاملات میں مداخلت کی کوشش کی گئی تو وہ مجبوراً قانون کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔

جس کے بعد زمین اور جائیداد سے بھی ان کی بے دخلی عمل میں آ سکتی ہے۔ اس لیے وہ اپنا کام کرتی رہیں اور اسے کم سے کم اپنی ذات کی حد تک اپنی خوشی کرنے دیں۔

اس جواب نے شاہ بیگم کے پیروں کے نیچے سے زمین سرکا دی۔ تجربہ کار عقل مند اور زمانہ شناس تھیں سمجھ گئیں کہ بیٹے کی سرپرستی کا زمانہ گزر چکا ہے۔ اب وہ خود عاقل و بالغ ہے۔ غلط بھی نہیں کہہ رہا ہے۔ وہ چاہتا تو آج ان کے ہاتھ سے تمام جاگیر کا نظم ونسق چھین سکتا ہے۔ اس لیے اگر اپنی بات بنائے رکھنا چاہتی ہیں تو بیٹے کی یہ خودسری برداشت ہی کرنا پڑے گی۔

چنانچہ بالکل خاموشی اختیار کر لی اور جب دو ماہ کے طویل ہنی مون کے بعد بشیر اور صائمہ کو خاندان کی اور اپنی بہو بھی تسلیم کیا اور اس سلسلے میں جو رسم و رواج تھے ان کی پاسداری بھی کی مگر یہ سب اوپری دل سے تھا۔ صائمہ سے ذاتی طور پر ملنے کے بعد بھی ان کے دل میں اس کے لیے تو جگہ پیدا نہ ہوئی بلکہ ایک طرح کی نفرت پرورش پانے لگی۔

ان کے خیال میں یہی ایک حسین قیامت تھی جس نے ان کے فرمانبردار بیٹے کو نہ صرف خودسر بنا دیا تھا بلکہ اس کے منہ میں ایک گستاخ زبان بھی رکھ دی تھی۔ شاہ بیگم نے سوچا یہ تھا کہ وہ ایک دو ماہ نئی نویلی دلہن کے طور طریقے دیکھ کر نئے محاذ کھولنے کا فیصلہ کریں گی۔

مگر صائمہ نے ہفتے عشرے کے اندر ہی وہ رنگ دکھائے کہ انہیں یقین ہو گیا کہ وہ کچھ کریں یا نہ کریں' بہو بیگم خود اپنی جڑ کاٹنے میں مستعد ہیں کہ جلد یا بدیر بشیر شاہ کا نشہ محبت اترنا لازمی تھا اور ان کا یہ تجربہ ایسا کچھ غلط بھی نہیں تھا۔ جلد ہی بشیر اور صائمہ میں پہلے اختلاف رائے اور پھر جھگڑوں کا آغاز ہو گیا۔

صائمہ بہت آزاد خیال فضول خرچ تھی۔ ممکن ہے اسٹیج سے تعلق رکھنے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے وہ ہمہ وقت اپنے گرد اپنے حسن و جمال کے مداحوں کو دیکھنا پسند کرتی ہو۔ اس مقصد کے لیے آئے دن کی دعوتیں جب کم پڑنے لگیں تو اس نے کلبوں کا رخ کرنا شروع کر دیا۔ ہر ایک کے ساتھ بڑی بے تکلفی سے پیش آنا' بشیر کو نظر انداز کر کے ان کے ساتھ ہنسی مذاق اور ڈانس کرنا۔

نت نئے ملبوسات اور زیورات کی تیاری پر بے تحاشہ دولت صرف کرتے چلے جانا آئے دن بشیر سے بڑی بڑی رقمیں طلب کرنا اور پہلے لی گئی رقوم کا کوئی حساب نہ دینا' ایسی باتیں تھیں کہ بشیر اپنی تمام محبت کے باوجود صائمہ کو سخت سست کہنے پر مجبور ہو گیا اور اس روک ٹوک نے رفتہ رفتہ لڑائی جھگڑوں کا انداز اختیار کر لیا۔

چار پانچ ماہ ہی گزرے تھے کہ شاہ جی کا میج میں ایک نازک مہمان وارد ہوا جس کے بارے میں صائمہ نے بتایا کہ اس کی خالہ زاد بہن نازیہ ہے۔ نازیہ صائمہ جیسی حسین و جمیل تو نہیں تھی مگر اس سے زیادہ رکھ رکھاؤ اور سمجھ دار' سلیقہ مند اور سنجیدہ مزاج معلوم ہوتی تھی۔ عمر میں صائمہ سے کچھ بڑی بھی لگتی تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ صائمہ اس کی آمد کے بعد سے کچھ محتاط' کچھ فکر مندی نظر آنے لگی۔

اس کی بیرونی مصروفیات بھی کچھ کم ہو گئی تھیں اور پھر اس کی تجویز پر گھر کے سب افراد نے برسات کا موسم گاؤں کی کوٹھی میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ بشیر نے اس تجویز کی اس لیے تائید کی کہ کچھ دن اس بہانے صائمہ کے گرد منڈلانے والوں سے نجات مل جائے گی۔ شاہ بیگم کو کوئی مجبوری نہیں تھی کہ وہ ساتھ نہ آتیں لیکن شاہ بیگم کے نزدیک کسی خاص وجہ سے یہ زمانہ بہت اہم تھا اور وہ ایسا ایک دن بھی گزارنے کے لیے تیار نہیں تھیں جب انہیں بشیر اور صائمہ پر نظر رکھنے کا موقع نہ ملے۔

پھر یہ کہ دیہات کی کوٹھی صرف کہنے کی حد تک ہی گاؤں میں تھی۔ وہاں بجلی' گیس' فون سب کچھ پہنچ چکا تھا۔ ہر آسائش' ہر آرام موجود تھا۔ شہر سے فاصلہ بھی کچھ زیادہ نہیں تھا۔ بیس پچیس منٹ میں بنگلے سے کوٹھی اور کوٹھی سے بنگلے پہنچا جا سکتا تھا۔

لیکن اگر کسی کو یہ امید تھی کہ کوٹھی پہنچنے کے بعد بشیر اور صائمہ کے جھگڑے کم یا ختم ہو جائیں گے تو یہ امید پوری ہونا کیا معنی' بالکل

برعکس ثابت ہوئی۔ ایک دن جبکہ شاہ بیگم کسی کام سے شہر گئی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ کوٹھی کے دو ملازمین مالی اور چوکیدار نے بشیر شاہ کو بلند آواز اور شدید غیظ وغضب کے عالم میں یہ کہتے بھی سنا۔

''ہمارے خاندان میں طلاق دینے کا رواج نہیں۔ اس لیے تمہاری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی کہ میں تمہیں مہر کے پیسے ادا کر کے طلاق دے دوں تاکہ تم اپنی مرضی کے مطابق گل چھرے اڑا سکو۔ جس دن میں نے یہ محسوس کر لیا کہ تمہارا وجود میرے لیے ذلت و رسوائی کا طوق بن چکا ہے اس دن میں تمہیں طلاق دینے کے بجائے جان سے مار دوں گا۔''

شاہ بیگم شہر سے واپس لوٹیں اور انہیں اس جھگڑے کے بارے میں اطلاع ملی تو وہ بہت فکرمند ہو گئیں۔ وہ ایسا انجام نہیں چاہتی تھیں جس کی کوئی زد کسی بھی انداز میں ان کے بیٹے پر پڑتی ہو۔ انہوں نے سوچا اور شاید صحیح سوچا کہ یہاں گاؤں کی محدود فضا میں ان دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہونے کے زیادہ مواقع ہیں۔ شہر میں ان کی مصروفیات بڑھ جائیں گی۔ جذبات کو اپنا زور دکھانے کے لیے کئی مظاہر مل جائیں گے تو شاید جھگڑے اور غصے میں یہ شدت نہ رہے۔

چنانچہ انہوں نے بیٹے سے کہا کہ بس بہت آموں کے موسم کا مزہ اٹھا لیا اب بنگلے واپس چلو۔ بشیر نے بھی اس رائے کی تائید کی اور دوسرے دن چلنے کا پروگرام طے پا گیا۔

جس سہ پہر یہ بات طے ہوئی اسی شام باہر ٹہلتے ہوئے صائمہ اور نازیہ کے درمیان ایک اور اہم موضوع زیر بحث تھا۔

''تم یہاں سے واپس نہیں جاؤ گی۔'' صائمہ نے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے نہیں جاؤں گی۔ تم میرا مطالبہ یہیں پورا کر دو۔'' نازیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ یکمشت اتنی بڑی رقم کا انتظام کرنے میرے لیے ممکن نہیں ہے۔''

''حیرت ہے ایک ارب پتی جاگیردار کی چہیتی بیوی اتنی معمولی رقم کا بندوبست نہیں کر سکتی۔''

''دیکھو نازیہ پہلے کی بات اور تھی۔'' صائمہ نے کچھ بیچارگی سے کہا۔ ''بشیر نے بینک میں میرے نام پر ایک کروڑ جمع کروائے تھے۔ پچھلے پانچ مہینوں میں تم نے جتنی رقم مانگی میں نے دی مگر اب بینک میں میرا بیلنس چار پانچ لاکھ سے زیادہ نہیں۔ میں نے بشیر سے کئی مرتبہ کہا لیکن وہ کہتا ہے کہ سردست وہ پانچ چھ لاکھ ماہانہ سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ میں چاہوں تو وہ ساٹھ لاکھ روپے بینک میں جمع کرا سکتا ہے۔ مگر وہ رقم سال بھر کے لیے ہوگی۔ اب تم ہی بتاؤ کہ ایسے حالات میں تمہارا مطالبہ کیسے پورا کر سکتی ہوں؟''

''یہ سب کچھ میں نہیں جانتی۔'' نازیہ بے پروائی سے بولی۔ ''تم ٹھاٹ کرو میں ٹھوکریں کھاؤں۔ یہ مجھے منظور نہیں۔ تمہیں کہیں سے بھی کسی بھی طرح میری مطلوبہ رقم دینا ہی پڑے گی۔ دوسری صورت میں اگر میری زبان کھل گئی تو اکیلی میں ہی نہیں تم بھی میرے ساتھ کھڑی ہوگی۔''

''مجھے اتنا مجبور مت کرو کہ میں کسی اور علاج کے بارے میں سوچنا شروع کر دوں چیونٹی بھی پیر کے نیچے آتی ہے تو کاٹ لیتی ہے۔''

''کاٹنا مجھے بھی آتا ہے۔'' نازیہ سخت لہجے میں بولی۔ ''اور کہیں اگر میں نے ایسا کوئی ارادہ کرلیا تو یہ بھی نہیں سوچوں گی کہ اس کے بعد پھر میرا حشر کیا ہوگا تخت یا تختہ......میں دونوں کے لیے تیار ہوں۔''

صائمہ نے چونک کر نازیہ کی طرف دیکھا اور نازیہ کے انداز میں اسے ایسی کوئی بات محسوس ہوئی کہ وہ دل ہی دل میں کانپ گئی۔

''اچھی بات ہے۔'' اس نے ایک گہری سانس لی۔ ''مجھے تھوڑی مہلت دو میں ایک دوسرے راستے سے کوشش کروں گی مگر اس میں کچھ وقت لگے گا تم سردست چلی جاؤ میں جلد ہی تم سے رابطہ قائم کروں گی۔''

''دوسرے راستے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟'' نازیہ نے پوچھا۔

''یہ بھی ابھی نہیں بتا سکتی۔''

''میں کسی طویل انتظار کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ ممکن ہے مجھے اسی مہینے میں کامیابی ہوجائے۔''

''ٹھیک ہے مگر اتنا سمجھ لو......کہ یہ آخری مہلت ہے اس کے بعد میں خاموش نہیں رہوں گی۔''

نازیہ نے جواب دیا اور بے پروائی سے کوٹھی کی طرف گھوم گئی۔

دوسرے دن شاہ بیگم کا ارادہ تو دوپہر کے کھانے کے بعد روانہ ہونے کا تھا مگر اتفاق یہ ہوا کہ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب شاہ صاحب کے دوست اور قانونی مشیر خاقانی صاحب چند معاملات پر گفتگو کرنے بیگم صاحبہ کے پاس آ گئے۔

بیگم صاحبہ نے انہیں بھی کھانے کے لیے روک لیا۔ دوپہر کا کھانا سب نے اکٹھے کھایا۔ اتفاق تھا کہ صائمہ خاقانی صاحب کے بالکل سامنے بیٹھی تھی۔ ان کی نظر اس کی گردن میں جھولتے ہوئے خوبصورت ہار پر پڑی۔ انہوں نے اس کی تعریف کی تب شاہ بیگم نے بتایا کہ یہ ہمارا خاندانی ہار ہے اور کئی نسلوں سے بڑے بیٹے کی بیوی کے گلے کی زینت بنتا چلا آ رہا ہے۔ انہیں ان کی ساس نے خود اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا تب سے وہ ان کے پاس بطور امانت موجود تھا۔ اب بشیر نے شادی کی چاہے اپنی پسند سے ہی کی تو یہ ہار صائمہ کا حق بن گیا۔ چنانچہ صائمہ نے جب پہلی بار گھر میں قدم رکھا تو انہوں نے یہ ہار بطور منہ دکھائی اپنی بہو کو پہنایا۔

خاقانی صاحب جس سلسلے میں آئے تھے وہ باتیں اس کے بعد بھی جاری رہیں تو پھر سہ پہر کی چائے پی کر جانے کا فیصلہ کیا گیا۔

ایک دو مزید معاملات بحث طلب تھے۔ اس لیے بیگم صاحبہ نے چائے سے فارغ ہونے کے بعد کہا:

''ہم لوگ واپس بنگلے جا رہے ہیں۔ کیوں نہ آپ بھی چلیں باقی باتیں وہاں ہوجائیں گی۔''

''اچھی بات ہے۔'' خاقانی صاحب نے جواب دیا۔ ''آپ کب تک پہنچ جائیں گی؟''

''زیادہ سے زیادہ سات بجے تک۔'' شاہ بیگم نے جواب دیا۔

اسی وقت بشیر اور نازیہ آ گئے جو چائے پی کر میز سے اٹھ گئے تھے۔ نازیہ واپس جا رہی تھی۔

''اچھا امی میں چلتا ہوں۔'' بشیر نے کہا۔ ''میں نازیہ کو ایئرپورٹ چھوڑتے ہوئے گھر پہنچ جاؤں گا۔''

''صائمہ نہیں جائے گی اپنی بہن کو چھوڑنے۔'' بیگم صاحبہ نے بہو کی طرف دیکھا جو ابھی میز پر ہی موجود تھی۔

''نہیں امی۔'' صائمہ نے جواب دیا۔ ''مجھے بیوٹی پارلر جانا ہے۔ ایک ہفتہ پہلے سے ٹائم لے رکھا ہے۔ آج نہیں گئی تو پھر آٹھ دس دن کے بعد کا ٹائم ملے گا۔''

''تمہاری مرضی۔'' شاہ بیگم خاموش ہوگئیں۔

بشیر اور نازیہ چلے گئے تو چند منٹ بعد خاقانی صاحب بھی رخصت ہوگئے۔ اس وقت تقریباً پانچ بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔ شاہ بیگم کے پاس اپنی کار تھی جسے وہ خود ہی چلاتی تھیں۔ اسی طرح صائمہ کو بھی بشیر نے ایک چھوٹی سوزوکی کار لے کر دی تھی۔ دوسرے الفاظ میں گھر کے تمام افراد کے پاس الگ سواری تھی اور کوئی کہیں آنے جانے کے لیے دوسرے کا محتاج نہیں تھا۔ خاقانی صاحب کے جانے کے بعد پہلے شاہ بیگم اور بعد میں صائمہ بھی چلی گئیں۔ اس وقت ٹھیک ساڑھے پانچ بجے تھے۔

بشیر اور نازیہ ایئرپورٹ پہنچے تو پتا چلا کہ فلائٹ تقریباً چار گھنٹے کی تاخیر سے روانہ ہوگی۔

''یہاں چار گھنٹے پورے ہونے کے بجائے کیوں نہ گھر واپس چلو۔'' بشیر نے کہا۔

''نہیں۔'' نازیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں آپ کو مزید زحمت نہیں دینا چاہتی۔''

''تو چار گھنٹے تک یہاں ٹھہرو گی؟''

''آپ مجھے کسی قریبی ہوٹل میں چھوڑ دیں۔'' نازیہ نے جواب دیا۔ ''پرواز انجن کی خرابی کی وجہ سے لیٹ ہوئی ہے۔ ممکن ہے چار گھنٹے بعد بھی روانہ نہ ہوسکے۔''

''اس صورت میں تو تمہیں گھر ہی چلنا چاہیے۔'' بشیر نے اصرار کیا۔

''یہ بات صائمہ کو پسند نہیں آئے گی۔''

''کیا تم دونوں میں کوئی کھٹ پٹ ہوگئی ہے؟ تم نے اچانک جانے کا فیصلہ کرلیا تو میں نے سوچا کہ تم سے پوچھوں مگر پھر خیال آیا کہ کہیں تم اسے دخل در معقولات نہ سمجھو۔''

''ہمارے تعلقات بہت زیادہ قریبی تو کبھی بھی نہیں تھے۔'' نازیہ نے کہا۔ ''مگر آپ سے شادی کے بعد صائمہ کا مزاج اور زیادہ نازک ہوگیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ ضرور کوئی جھگڑا ہوا ہے۔'' بشیر نے کہا۔

''چھوڑیں اس تکلیف دہ ذکر کو اور مجھے کسی قریبی ہوٹل میں اتار دیں۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔'' بشیر نے کندھے اچکائے اور گیٹ کی طرف چلنے لگا۔

''شاید آپ برا مان گئے۔'' نازیہ نے ساتھ ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

''اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر بات ہر ایک کو بتانے والی تو نہیں ہوتی۔''

''اب تو مجھے آپ کے برا ماننے کا یقین ہو گیا۔'' نازیہ آہستہ سے مسکرائی۔

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے وہاں آئے جہاں بشیر نے اپنی کار پارک کی تھی اور پھر ایک قریبی ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے جو ایئر پورٹ سے صرف چند منٹ کے فاصلے پر واقع تھا۔

شاہ بیگم سب سے پہلے بنگلے پہنچیں۔ تب سوا سات بجے تھے۔ دس منٹ کے بعد خاقانی صاحب بھی آ گئے اور ساڑھے سات بجے تک بشیر بھی پہنچ گیا۔

''کیا ابھی صائمہ نہیں آئی؟'' اس نے اپنی ماں سے پوچھا۔

''وہ بیوٹی پارلر گئی ہے تو دو تین گھنٹے سے پہلے کیا آئے گی۔'' شاہ بیگم نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور خاقانی صاحب کی طرف دیکھ کر بولیں:

''آیئے ہم باقی معاملات پر بھی بات کر لیں۔''

مگر اس سے پہلے کہ خاقانی صاحب کوئی جواب دیتے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ بشیر نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کوٹھی کا مالی زمان گھبرائی ہوئی آواز میں بول رہا تھا۔

''صاحب جی! کوٹھی میں آگ لگ گئی ہے۔ ہر طرف گیس کی بو پھیلی ہوئی ہے اور...... اور مجھے ڈر ہے کہ شاید چھوٹی بیگم صاحبہ بھی کوٹھی کے اندر پھنس گئی ہیں۔''

''کیا...... صائمہ......'' بشیر نے جلدی سے پوچھا۔ ''وہ وہاں کیا کر رہی تھی؟''

''میں کیا بتا سکتا ہوں صاحب۔'' مالی نے جواب دیا۔ ''میں تو بڑی بیگم صاحبہ کے جانے کے بعد ریشماں کو اس کے گھر چھوڑنے چلا گیا تھا۔''

ریشماں اس ملازمہ کا نام تھا جو حسب ضرورت کوٹھی میں دوران قیام کھانا وغیرہ پکانے کے لیے بلائی جاتی تھی اور جب یہ لوگ شہر آ جاتے تھے تو وہ بھی اپنے گھر واپس چلی جاتی تھی۔

''پھر تمہیں کیسے معلوم کہ صائمہ کوٹھی کے اندر ہے؟''

''صاحب جی! میں واپس آ کر لان کو پانی دینے لگا تھا۔'' مالی نے بتایا۔ ''تب میں نے انہیں بیڈ روم کے صوفے پر لیٹے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے دو تین منٹ بعد ہی ہر طرف شعلے ہی شعلے نظر آنے لگے۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ تم چوکیدار کے ساتھ مل کر آگ بجھانے کی جو کوشش کر سکتے ہو کرو، ہم لوگ ابھی آ رہے ہیں۔''

"صاحب جی چوکیدار بھی ایک دن کے لیے اپنے گھر چلا گیا ہے۔"

"تب تم اکیلے ہی کوشش کرو......گاؤں سے لوگوں کو بلا لو......ہم آ رہے ہیں۔"

بشیر نے ریسیور رکھتے ہوئے شاہ بیگم کی طرف دیکھا جو اس کی گفتگو سن کر گھبرائی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

"کوٹھی میں نجانے کیسے آگ لگ گئی ہے؟" بشیر نے بتایا۔ "اور زمان نے صائمہ کو اندر دیکھا ہے۔"

"صائمہ وہاں کیسے پہنچ گئی۔ اسے تو بیوٹی پارلر جانا تھا۔"

"معلوم نہیں۔ ممکن ہے اپنی کوئی چیز بھول گئی ہو اور اسے لینے آئی ہو۔"

خاقانی صاحب بھی صوفے سے کھڑے ہو چکے تھے۔

"وہاں گاؤں میں آس پاس کوئی فائر بریگیڈ بھی نہیں ہوگا۔" وہ بولے۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" بشیر نے جواب دیا۔ "نہیں یہاں کے فائر بریگیڈ کو ساتھ لے جانا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے میں فون کرتا ہوں۔" خاقانی صاحب نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں گیس ماسک لے کر آتا ہوں۔" بشیر بولا۔

"گیس ماسک!" شاہ بیگم چونکیں۔ "وہ کیوں؟"

"زمان بتا رہا تھا کہ ہر طرف گیس کی بو پھیلی ہوئی ہے۔" بشیر نے جواب دیا۔ "میرا تو خیال ہے آگ بھی گیس سے ہی لگی ہے۔ ریشماں ضرور کوئی چولہا وغیرہ کھلا چھوڑ گئی ہوگی۔"

مالی کی رپورٹ بالکل درست تھی۔ خاقانی صاحب شاہ بیگم اور بشیر کوٹھی پر پہنچے تو شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور ہر طرف گیس کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ بشیر نے ایک گیلا کمبل لپیٹا اور گیس ماسک لگا کر اندر گھسنے کی کوشش کی۔

مالی نے جس بیڈ روم کے بارے میں بتایا تھا' وہ صائمہ ہی کا تھا۔ اسے دور سے صائمہ بھی نظر آ گئی مگر آگ نے کمرے کو چاروں طرف سے اسے گھیر لیا تھا کہ اسے آگے بڑھنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ دوسری طرف شاہ بیگم چیخ چیخ کر اسے باہر آنے کے لیے کہہ رہی تھیں۔

مجبوراً اسے لوٹنا پڑا مگر فوراً ہی فائر بریگیڈ بھی پہنچ گیا۔ اس کے انچارج نے آتے ہی پہلے باہر کے کنٹرول وال سے گیس بند کر دی۔

پھر پانی سے آگ بجھانے کی کوشش کی جانے لگی۔ بشیر کے یہ بتانے پر کہ صائمہ فلاں کمرے میں ہے' پہلے اسے ہی ٹارگٹ بنایا گیا۔ جیسے ہی شعلے ذرا کم ہوئے فائر بریگیڈ کے جیالے اندر گھس کر صائمہ کو باہر نکال لائے۔

صائمہ کے کپڑے جل کر جسم سے چپک گئے تھے مگر آگ کی شدت نے نچلے دھڑ کو زیادہ نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ سینہ چہرہ اور سر جلے اور جھلسے ضرور تھے مگر ناقابل شناخت نہیں تھے۔ ظاہر تھا وہ مر چکی تھی۔ خاقانی صاحب نے کچھ قریب سے لاش کا معائنہ کیا اور دو پوائنٹ نوٹ کئے۔ ایک چیز جو ہونا چاہیے تھی' نہیں تھی اور دوسری چیز جو نہیں ہونا چاہیے تھی وہ صاف نظر آ رہی تھی۔

''ہمیں پولیس میں رپورٹ کرنا پڑے گی۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

''وہ کیوں؟'' بشیر نے چونک کر پوچھا۔

''صائمہ کی موت کی وجہ سے۔'' خاقانی صاحب نے جواب دیا۔

''ظاہر ہے وہ جل کر مری ہے۔'' بشیر نے کہا۔

''ممکن ہے لیکن سر کے پچھلے حصے پر ایک ضرب شدید کا زخم بھی موجود ہے۔''

''وہ گیس سے بے ہوش ہو کر گری ہوگی تو سر کسی چیز سے ٹکرایا ہوگا۔'' بشیر سوچتے ہوئے بولا۔

''ہو سکتا ہے لیکن یہ تحقیقات پولیس کے ذریعے ہو تو بہتر ہے۔''

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' شاہ بیگم نے تائید کی۔ ''آپ اپنے کسی واقف کار پولیس انسپکٹر کو فون کر دیں۔''

''وہ تو میں کروں گا ہی۔'' خاقانی صاحب نے جواب دیا۔ ''مگر ضروری نہیں کہ تحقیقات بھی اسی انسپکٹر کے سپرد کی جائے۔''

''آپ کوشش کریں تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔'' شاہ بیگم نے کہا۔ ''صائمہ خدا جانے کیوں کوٹھی واپس آئی؟ کیسے آگ لگی؟ جتنے منہ اتنی باتیں ہو سکتی ہیں۔ مگر میں اس حادثے کو کوئی اسکینڈل بنانا نہیں چاہتی۔ اس لیے آپ کو خصوصی کوشش کرنا ہوگی۔''

خاقانی صاحب نے کچھ سوچا اور پھر اپنے ایک پرانے واقف کار اور دوست انسپکٹر خورشید کو فون کر کے مختصر طور پر صورت حال سے آگاہ کیا اور اپنے شبہ کا اظہار بھی کیا۔ حسن اتفاق سے انسپکٹر خورشید دو دن پہلے ہی ایک کیس کی فائنل رپورٹ پیش کر کے اسی وقت تقریباً فارغ تھے۔ اس لیے انہوں نے فوراً خود ہی آنے کی حامی بھر لی۔ ادھر ایک گھنٹے کی جدوجہد کے بعد فائر بریگیڈ آگ بجھانے میں کامیاب ہوا اور ادھر انسپکٹر خورشید جائے حادثہ پر پہنچ گئے۔

کوٹھی کا عقبی رہائشی حصہ جس میں تمام بیڈروم واقع تھے بری طرح تباہ ہو چکا تھا۔ بیرونی حصہ نسبتاً کم جلا تھا اور غنیمت تھا کہ آگ گیس کے میٹر اور مین والو تک نہیں پہنچی تھی ورنہ زبردست نقصان ہوتا۔ چونکہ بشیر نے اس امکان کا خیال ظاہر کیا تھا کہ ملازمہ ریشماں گیس کا چولہا کھلا چھوڑ گئی ہوگی اس لیے خاقانی صاحب نے یہ عقل مندی کی کہ مالی کو بھیج کر اسے بلوا لیا کہ ممکن ہے انسپکٹر خورشید کا پہلا سوال یہی تھا کہ آگ لگی کیسے؟

ملازمہ ریشماں نے بتایا کہ اسے سہ پہر کی چائے سے فارغ ہونے کے بعد چھٹی دے دی گئی تھی اس لیے چائے کے برتن وغیرہ دھو کر باورچی خانے میں رکھنے اور دوسری چھوٹی موٹی صفائی کرنے کے بعد وہ اپنے گھر چلی گئی تھی اور جب وہ گئی تھی تو بڑی بیگم صاحبہ اور چھوٹی بیگم صاحبہ دونوں موجود تھیں۔ وہ ان سے اجازت لے کر ہی رخصت ہوئی تھی۔ اس نے اس خیال کی سختی سے مخالفت کی کہ وہ کوئی چولہا جلتا چھوڑ گئی تھی اور انسپکٹر خورشید نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔

''باورچی خانہ کوٹھی کے وسطی حصے میں ہے۔'' انسپکٹر نے کہا۔ ''اگر یہ آگ وہاں سے لگی ہوتی تو کوٹھی کے سامنے والا حصہ زیادہ

متاثر ہوا کیونکہ ہوا اسی رخ سے چل رہی تھی۔ تمام بیڈروم اتنی تیزی سے اس کی زد میں نہ آتے۔''

انسپکٹر نے رک کر شاہ بیگم کی طرف دیکھا:

''کیا ہر بیڈروم میں آتش دان بنا ہوا ہے؟'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''جی ہاں......'' شاہ بیگم کے بولنے سے پہلے بشیر نے جواب دیا۔

''اور کیا یہ سب آتش دان گیس سے گرم رکھے جاتے ہیں؟''

''جی ہاں۔''

''میرا خیال ہے۔'' انسپکٹر خورشید نے خاقانی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کا اندازہ درست ہی معلوم ہوگا۔''

''کیسا اندازہ؟'' بشیر چونکا۔''

یہ کہ صائمہ آگ میں جل کر نہیں مری۔'' خورشید نے جواب دیا۔ ''بلکہ کسی نے اسے قتل کیا ہے اور پھر اس قتل کو حادثہ بنانے کے لیے دانستہ تمام بیڈروموں کے آتش دانوں کے گیس برنر کھول کر پہلے کمروں میں اچھی طرح گیس پھیلنے کا انتظار کیا اور پھر جلتی ہوئی تیلی پھینک کر آگ لگا دی۔''

''مگر...... مگر صائمہ کو کون قتل کرنا چاہے گا؟'' شاہ بیگم نے زبان کھولی۔ ''یہاں ہم لوگوں کے علاوہ سب کے لیے وہ اجنبی تھی۔ کوئی اسے ٹھیک سے جانتا تک نہیں تھا' دوستی دشمنی تو دور کی بات ہے۔''

''آپ سمجھیں نہیں امی؟'' بشیر شاہ کے لہجے میں طنز تھا۔

''انسپکٹر خورشید یہی اشارہ دے رہے ہیں کہ اسے ہم لوگوں میں سے کسی نے قتل کیا ہے۔''

''میری بات سے کوئی غلط مطلب اخذ نہ کریں۔'' خورشید نے جلدی سے کہا۔

''ابھی میں نے صرف اس خیال کی تائید کی ہے کہ شاید صائمہ کو قتل کیا گیا ہے۔ قاتل کون ہے؟ یہ تو تحقیقات ہی سے معلوم ہوگا۔ وہ ان لوگوں میں سے بھی کوئی ہو سکتا ہے جو کوٹھی میں موجود تھے' جن میں ملازمین بھی شامل ہیں اور وہ کوئی باہر کا آدمی بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ صائمہ آپ سے شادی کرنے سے پہلے ایک اسٹیج اداکارہ تھی اور بے حد خوبصورت۔ آپ کے علاوہ اور بہت سے لوگ اسے پسند کرنے والے ہو سکتے ہیں جنھیں اس کا آپ سے شادی کرنا گوارہ نہ ہوا ہو اور پھر موقع پا کر اپنی ناکامی کا انتقام لینے کے لیے اسے مار دیا ہو۔''

''اوہ......'' بشیر نے ایک گہری سانس لی۔ ''ہاں ایسا ہو سکتا ہے بلکہ ممکن ہے ایسا ہی ہوا۔ میں معذرت خواہ ہوں انسپکٹر۔''

''کوئی بات نہیں فطری طور پر اس کی الم ناک موت آپ کے لیے رنج دہ حادثہ ہے۔'' خورشید نے کہا۔ ''اور ایسی کیفیت میں آدمی کو اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے۔''

انسپکٹر خورشید نے ریشماں کو گھر جانے کی اجازت دے دی۔ اس تاکید کے ساتھ کہ ضرورت پڑنے پر اسے پھر بلایا جا سکتا ہے۔

اس لیے وہ اپنے گھر پر ہی موجود رہے۔ اس کے بعد مالی کا بیان لیا گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ ریشماں کو گھر چھوڑنے کے بعد تقریباً ایک گھنٹے میں واپس آیا تو شروع میں اس نے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کی۔ وہ عقبی لان کو پانی دینے لگا۔ تب اس کی نظر بیڈ روم کی کھلی ہوئی کھڑکی کی وجہ سے چھوٹی بیگم پر پڑی۔ وہ آنکھیں بند کیے صوفے پر لیٹی تھیں۔ اسے کچھ حیرت ضرور ہوئی۔ مگر ظاہر ہے کہ مکان کے مالک جب چاہیں آئیں' جب چاہیں جائیں۔ اس کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ اپنے کام میں لگا رہا۔

خورشید کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اس کے ذہن میں یہ نہیں آیا تھا کہ چھوٹی بیگم کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے مگر پھر کچھ ہی دیر میں اس نے گیس کی بو محسوس کی اور پھر جو نگاہ اٹھائی تو بیڈ روم میں آگ کے شعلے نظر آئے۔ شعلوں نے کھڑکی کو پوری طرح ڈھک لیا تھا۔ اس لیے وہ دوبارہ چھوٹی بیگم کو نہیں دیکھ سکا۔ شعلے دیکھتے ہی وہ چوکیدار کی کوٹھری کی طرف بھاگا جہاں ایک ٹیلی فون سیٹ موجود رہتا ہے اور اس فون سے شہر میں بنگلے پر فون کر کے آگ لگنے کی اطلاع دی۔ تب تک آگ بہت پھیل چکی تھی اور شعلے باہر سے بھی دکھائی دینے لگے تھے جنہیں دیکھ کر سڑک سے گزرتے ہوئے کچھ گاؤں والے خود ہی آ گئے اور پانی بھری بالٹیوں سے آگ بجھانے میں اس کی مدد کرنے لگے مگر ان سب کی کوششوں کے باوجود آگ تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی۔ اس گھبراہٹ میں اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ باہر لگا ہوا مین گیس والو بند کر دے۔

انسپکٹر خورشید نے مختصر طور پر جملہ افراد خاندان اور خاقانی صاحب سے بھی سوالات کیے۔ انسپکٹر کو بتایا گیا کہ کوٹھی سے سب سے پہلے بشیر اور نازیہ جو کہ صائمہ کی رشتے کی بہن ہے' رخصت ہوئے تھے۔ نازیہ کراچی واپس جا رہی تھی۔ اس لیے بشیر اسے ایئرپورٹ چھوڑنے گیا تھا۔ اس کے بعد خاقانی صاحب گئے' اس وعدے کے ساتھ کہ باقی گفتگو تمام کرنے کے لیے وہ ساڑھے سات بجے تک شہر والے بنگلے پر پہنچ جائیں گے۔ شاہ بیگم نے کہا کہ صائمہ ان کے سامنے چلی گئی تھی۔ وہ آخر میں اس لیے روانہ ہوئی تھیں کہ خود اپنے ہاتھوں سے کوٹھی کے تمام دروازے وغیرہ بند کر دیں۔ اس کام میں انہیں پندرہ بیس منٹ ضرور لگے ہوں گے نیز انہوں نے صائمہ کے بیڈ روم کا دروازہ باہر سے بند کرتے ہوئے یہ نوٹ نہیں کیا تھا کہ اس کمرے کی کوئی کھڑکی کھلی ہے یا نہیں۔ صائمہ اگر کوٹھی واپس آئی تھی جیسا کہ حالات سے ظاہر ہو رہا ہے تو وہ کم از کم ان کے سامنے یا ان کی موجودگی میں نہیں آئی۔ آئی ہوتی تو وہ اسے ضرور دیکھ لیتیں کیونکہ کوٹھی کا عقبی گیٹ وہ بند کر چکی تھیں اور اب کوٹھی میں صرف بیرونی گیٹ سے ہی داخل ہوا جا سکتا تھا۔ شاہ بیگم نے یہ بھی بتایا کہ ان کے برنر کھلے ہیں یا بند' اس کا کوئی خیال بھی نہیں آ سکتا تھا کیونکہ یہ موسم آتش دان استعمال کرنے کا نہیں تھا اور نہ ہی موجودہ دوران قیام کسی نے آتشدان کا برنر کھولا تھا۔ مزید یہ کہ جاتے جاتے بھی انہوں نے گیس کی بو محسوس نہیں کی تھی۔ اگر کوئی برنر اتفاقاً کھل گیا تھا اور کھلا ہوا ہوتا تو وہ لازمی طور پر گیس کی بو محسوس کر لیتیں۔

ابتدائی طور پر انسپکٹر خورشید نے اتنی ہی تفتیش کافی سمجھی۔ وہ کوٹھی کا معائنہ بھی کرنا چاہتا تھا جس میں سردست تپش کی وجہ سے قدم رکھنا بھی مشکل تھا۔ مالی سے مزید کچھ سوالات کرنا تھے۔ دوسرے تمام متعلقہ افراد سے بھی الگ الگ بات کرنا تھی مگر اس سب کا انحصار اس

پر تھا کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کیا ظاہر کرتی ہے۔ شاہ بیگم نے پوسٹ مارٹم کے سلسلے میں کچھ اختلاف بھی کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ صائمہ جیسی بھی تھی' ان کے خاندان کا فرد بن چکی تھی اور وہ اس کے جلے ہوئے مردہ جسم کی چیر پھاڑ پسند نہیں کرتیں لیکن خاقان صاحب نے انہیں سمجھایا کہ ایک اہم سوال کا جواب متعین کرنے کے لیے پوسٹ مارٹم ہونا ضروری ہے۔ صائمہ آگ میں جل کر مری ہو یا اسے پہلے ہی قتل کر دیا گیا ہو۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ حرکت خود اس کی نہیں' کسی اور کی ہے۔ اس نے خودکشی نہیں کی۔ کی ہوتی تو وہ کوٹھی میں آگ نہیں لگا سکتی تھی۔ پھر کیا شاہ بیگم نہیں چاہتیں کہ جو بھی اس فعل کا ذمہ دار ہے اسے قانون کے سپرد کر کے واقعی سزا دلائی جائے۔ اس کے بعد کسی کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں کیا گیا اور انسپکٹر خورشید نے صائمہ کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے مردہ خانے بھجوا دی۔

پوسٹ مارٹم رپورٹ دوسرے دن ہی مل گئی اور اس سے بغیر کسی شک وشبے کے یہ بات ثابت ہو گئی کہ صائمہ کسی بھی وجہ سے لگنے والی آگ میں جل کر نہیں مری بلکہ کسی نے اسے ارادتاً قتل کیا تھا۔ اس کے سر پر کسی وزنی اور کند چیز سے ایسی ضرب شدید لگائی گئی تھی کہ سر کی ہڈی ٹوٹ کر بھیجے میں گھس گئی اور فوراً ہی اس کی موت واقع ہو گئی۔ میڈیکل آفیسر کے خیال میں وہ بھاری کند چیز کوئی لوہے کی موٹی سلاخ بھی ہو سکتی تھی۔ کوٹھی کا معائنہ کرنے سے انسپکٹر خورشید کو معلوم ہوا کہ ہر بیڈ روم میں ایک موم بتی والا بھاری شمع دان رکھا ہوا تھا جو بہ آسانی اس نوعیت کا ہتھیار بن سکتا تھا۔ ہر کمرے میں شمع دان' آتش دان کے اوپر رکھا ہوا ملا۔ صائمہ کے بیڈ روم میں بھی شمع دان' آتش دان پر ہی رکھا تھا۔ اس میں لگی ہوئی موم بتی پگھل چکی تھی اور اگر قاتل نے اسے استعمال کیا تھا اور سر پر ضرب مارنے کے نتیجے میں اس پر خون کا کوئی داغ دھبہ آیا بھی ہوا جسے اگر قاتل نے صاف بھی نہ کیا ہو تب بھی آگ میں جلنے کے بعد اس کی کیفیت ایسی ہو گئی تھی کہ اس بات کا سراغ لگانا ممکن نہیں تھا۔

صائمہ کے آگ میں جلنے کی صورت میں ذہن اگر کچھ اور سوچتا بھی تو موجودہ شکل میں یہ امر دو اور دو چار کی طرح واضح تھا کہ شاہ بیگم کے جانے کے بعد صائمہ کوٹھی میں واپس آئی (کیوں واپس آئی؟ یہ ایک الگ سوال تھا) قاتل یا تو وہاں اس کا منتظر تھا یا اسے کسی طرح معلوم تھا کہ وہ ضرور واپس آئے گی۔ چنانچہ اس نے کوٹھی کی تنہائی میں اس کا کام تمام کیا اور پھر قتل کی اس واردات کو حادثے کا رنگ دینے کے لیے تمام بیڈ رومز کے آتش دانوں کے برنر کھول کر کافی گیس خارج ہونے کے بعد آگ لگا دی۔

فطری طور پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ وہ قاتل کون ہے اور اس کا مقصد کیا تھا؟ وہ شخص...... مرد یا عورت' کوئی باہر کا فرد بھی ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ انسپکٹر خورشید نے بشیر کو وضاحت سے بتایا تھا مگر خورشید خود اس وضاحت سے مطمئن نہیں تھا۔ اس کا تجربہ بتا رہا تھا کہ یہ کام ان میں سے کسی فرد کا ہو سکتا ہے جو صائمہ کے گرد و پیش موجود تھے۔ اس نے گھر والوں سے مزید گفتگو کرنے سے پہلے کوٹھی اور بنگلے' دونوں جگہ کے ملازمین سے بات کی۔ جلد ہی اسے معلوم ہو گیا کہ شاہ بیگم ناراض ہونے کی حد تک صائمہ اور بشیر کی شادی کے خلاف تھیں اور انہوں نے بہ مجبوری اسے گھر میں قبول کیا تھا۔ اسے یہ بھی پتا چل گیا کہ ابتدائی دنوں کے علاوہ اب خود بشیر اور صائمہ کے تعلقات میں بھی بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ تفصیل سے کریدنے پر مالی اور چوکیداروں نے اس آخری جھگڑے کے بارے میں بھی بتا دیا جس میں بشیر نے ایک طرح سے صائمہ کو دھمکی دی تھی کہ وہ اسے طلاق دینے کے بجائے قتل کرنا بہتر خیال کرے گا۔ تمام حالات میں اگر شوہر بیوی سے اکتا جاتے ہیں تو طلاق ہی

سے کام لیتے ہیں۔ طلاق مشکل صرف وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی مالی یا جذباتی رکاوٹ ہو۔ مثلاً مہر کی رقم اتنی زیادہ ہو کہ شوہر کے لیے ادا کرنا مشکل یا ناممکن ہو یا پھر اسے جذباتی طور پر یہ گوارا نہ ہو کہ بیوی کے اس کی گرفت سے آزاد ہو کر کسی اور کا گھر بسانے کا امکان پیدا ہو جائے۔ بشیر کے معاملے میں دونوں ہی باتیں ممکن تھیں کیونکہ دریافت کرنے پر پتا چلا کہ صائمہ کا مہر سوا پانچ لاکھ مقرر ہوا تھا اور یہ رقم ایک جاگیردار خاندان کے لیے بھی معمولی نہیں ہوتی۔

اس مرحلے پر انسپکٹر خورشید نے گھر والوں سے فرداً فرداً گفتگو کا آغاز کیا۔ شاہ بیگم سے اسے کوئی مزید بات معلوم نہیں ہو سکی انہوں نے پچھلی باتیں دہراتے ہوئے یہی کہا کہ صائمہ ان سے پندرہ بیس منٹ پہلے جا چکی تھی۔ وہ تقریباً سات بجنے میں دس منٹ پہلے کوٹھی سے روانہ ہوئیں۔ وہ بہت آہستہ رفتار سے کار چلاتی ہیں اس لیے سوا سات بجے بنگلے پر پہنچیں۔ تب سے آگ لگنے کی خبر ملنے تک وہ وہیں تھیں۔ وہ کچھ نہیں جانتیں کہ صائمہ دوبارہ کب اور کیوں واپس آئی اور اسے کس نے قتل کیا یا کس نے کوٹھی میں آگ لگائی یا یہ کہ ان دونوں کاموں سے کسی کا مقصد کیا تھا؟

آخری بڑے جھگڑے اور جان سے مارنے کی دھمکی کے پیش نظر خاص طور سے اس باعث کہ بشیر سب سے پہلے کوٹھی سے روانہ ہوا تھا اور سب سے آخر میں بنگلے پر پہنچا' اس کی ذات پر جرم کا شبہ سب سے زیادہ کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ انسپکٹر خورشید نے تفصیلی جرح کی۔

''نازیہ صائمہ کی رشتے کی بہن تھی' تو وہ اسے چھوڑنے ایئرپورٹ کیوں نہیں گئی؟''

اس نے بشیر سے پوچھا۔

''شاید اس لیے کہ اسے بیوٹی پارلر جانا تھا۔'' بشیر نے جواب دیا۔ ''اور یہ کام اس کے نزدیک زیادہ ضروری تھا۔''

''کوٹھی سے تو ایئرپورٹ' شہر کے مقابلے میں کافی قریب ہے۔ پھر آپ کو گھر آنے میں اتنی دیر کیوں لگی؟''

''جس طیارے سے اسے جانا تھا اس کے انجن میں خرابی کی وجہ سے فلائٹ تب تک چار گھنٹے لیٹ بتائی جا رہی تھی۔'' بشیر نے جواب دیا۔ ''اس لیے نازیہ نے مجھ سے کہا کہ میں اسے کسی قریبی ہوٹل میں چھوڑ دوں۔''

''ہوٹل میں کیوں؟'' خورشید نے کچھ دلچسپی سے پوچھا۔ ''وہ گھر بھی واپس آ سکتی تھی۔''

''جی ہاں! میں نے بھی اس سے یہی کہا تھا مگر وہ گھر آنا نہیں چاہتی تھی۔''

''کیوں' کیا کوئی خاص وجہ تھی؟''

''ہاں!'' بشیر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''بہن ہونے کے باوجود ان دونوں کے تعلقات زیادہ اچھے نہیں تھے۔''

''یہ بات آپ ذاتی علم کی بنیاد پر کہہ رہے ہیں؟''

''جی نہیں۔ مجھے خود نازیہ نے بتایا تھا۔''

''کب؟''

"جب ہم ایئر پورٹ سے ہوٹل جا رہے تھے۔" بشیر نے جواب دیا۔
"نازیہ کا کہنا تھا کہ اگر اسے معلوم ہوتا کہ صائمہ شادی کے بعد اسے اتنا حقیر سمجھنے لگے گی تو وہ کبھی بھی یہاں نہ آتی۔ اس کے بقول روانگی سے قبل ان دونوں کے درمیان کچھ کھٹ پٹ بھی ہو گئی تھی۔"
"بہت خوب! آپ نے اسے کس ہوٹل میں چھوڑا تھا؟"
"ہوٹل ہالیڈے میں۔"
"باہر ہی چھوڑ دیا تھا یا کمرے تک گئے تھے؟"
"کمرے تک نہیں گیا تھا مگر اس نے میرے سامنے کمرہ نمبر 134 کرائے پر لے لیا تھا۔"
"کوٹھی سے ایئر پورٹ کا فاصلہ وقت کے اعتبار سے کتنا ہے؟"
"اوسط رفتار کے ساتھ دس بارہ منٹ کا۔"
بشیر نے جواب دیا۔
"آپ اس سے کتنے بجے رخصت ہوئے تھے؟"
"میں نے گھڑی نہیں دیکھی تھی مگر میرا اندازہ ہے کہ سات بجنے میں کچھ منٹ ہوں گے۔"
"آپ سیدھے گھر آئے تھے؟"
"جی ہاں۔"
"لیکن آپ کوٹھی ہوتے ہوئے آتے تب بھی شاید اتنا ہی وقت لگتا!"
"ممکن ہے۔ مگر میں کوٹھی نہیں گیا تھا۔"
"آپ نے صائمہ کو مارنے کی دھمکی دی تھی؟"
"غصے میں آدمی کے منہ سے کچھ بھی نکل سکتا ہے۔"
"گویا آپ اسے فی الواقع مارنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے؟"
"ہرگز نہیں۔ میں اس کی کچھ باتیں ناگوار ہونے کے باوجود اس سے محبت کرتا تھا۔"
"آپ نے یہ کیوں کہا کہ آپ طلاق دینے کے بجائے اسے جان سے مارنا پسند کریں گے۔ کیا مہر کی رقم کی وجہ سے؟"
"نہیں۔ میں یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ ایک بار وہ میری بیوی بننے کے بعد کسی اور کے تصرف میں آئے۔"
بشیر نے سنجیدگی سے کہا۔
"آپ کے سوالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ مجھے اس کے قتل کا ذمہ دار خیال کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو آپ ایک غلط آدمی

پر اپنا وقت ضائع کریں گے۔ میں نے صائمہ کو قتل نہیں کیا۔"

"مگر آپ کی ذات شبہ کی زد میں ضرور آتی ہے۔" خورشید نے جواب دیا۔

"اور ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے میری ڈیوٹی ہے کہ میں ہر امکان کا جائزہ لوں۔ اچھا یہ بتائیں کہ نازیہ تو واپس کوٹھی نہیں گئی ہو گی؟"

"اس بارے میں میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"مگر وہ جا سکتی تھی اور جا کر اپنی فلائٹ کے وقت سے بہت پہلے واپس بھی آ سکتی تھی۔"

"شاید۔ مگر مجھے امید ہے کہ اس نے ایسا کیا نہیں ہو گا۔ وہ مجھے ایسی عورت معلوم نہیں ہوتی تھی جو کسی کا خون کر سکے، خاص طور سے اپنی بہن کا۔"

خورشید پر خیال نظروں سے اسے دیکھتا رہا شاید وہ کسی اور اہم نکتے پر غور کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

"آپ کو اس کا پتا معلوم ہے؟"

"جی نہیں۔" بشیر شاہ نے نفی میں سر ہلایا۔

خورشید نے مزید کوئی سوال نہیں کیا مگر وہیں بشیر شاہ کے سامنے ہی ہوٹل ہالیڈے میں فون کیا۔ اپنا تعارف کرانے کے بعد مختلف سوالات کے جواب میں اسے کچھ بتایا گیا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ کل شام پونے سات بجے کے قریب نازیہ نامی خاتون نے مس اینڈ مسز نازیہ بشیر کے نام سے کمرہ نمبر 134 کرائے پر لیا۔ ان کے ساتھ ایک صاحب بھی تھے جنہیں کاؤنٹر کلرک نے اپنے طور پر ان کا شوہر قیاس کر لیا۔ کمرے کا ایک دن کا ایڈوانس کرایہ جمع کرانے اور اپنا مختصر سامان جو ایک سوٹ کیس اور ہولڈ آل پر مشتمل تھا، کمرے میں بھجوانے کے بعد وہ انہی صاحب کے ساتھ باہر چلی گئیں اور پھر تقریباً ایک گھنٹے کے بعد واپس لوٹیں اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ جہاں انہوں نے روم سروس سے کھانا اور کافی طلب کی اور پھر تقریباً پونے گیارہ بجے ہوٹل چھوڑ کر چلی گئیں۔ کلرک کے کہنے کے مطابق اس نے ان صاحب کو دوبارہ نہیں دیکھا۔

خورشید کے مزید وضاحت طلب سوالات کے جواب میں کلرک نے بتایا کہ وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتا کہ ہوٹل سے نکلنے کے بعد وہ خاتون کہاں گئی تھیں۔ اکیلی گئی تھیں یا اپنے شوہر کے ساتھ مگر گئی ضرور تھیں۔ اس بات کی تصدیق خورشید کے زور دینے پر کلرک نے دروازے پر متعین چوکیدار سے پوچھ کر بھی کر دی۔ چوکیدار کا کہنا تھا کہ اس نے ان دونوں کو ایک کار میں بیٹھ کر کہیں جاتے دیکھا تھا۔ البتہ اس نے یہ نوٹ نہیں کیا کہ جب وہ خاتون واپس آئیں تو اسی کار میں تھیں یا کسی ٹیکسی میں۔ اس نے دوسری بار انہیں ہوٹل کی سیڑھیاں طے کر کے اوپر آتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ ہوٹل میں چلی گئیں۔ اسی طرح کلرک نے خورشید کے ایک سوال کے جواب میں یہ بھی کہا کہ

ہوٹل سے رخصت ہونے کے بعد وہ خاتون ایئر پورٹ ہی گئیں یا کہیں اور، وہ کچھ نہیں بتا سکتا۔ چوکیدار نے بھی بس انہیں صرف ایک ٹیکسی میں بیٹھتے ہی دیکھا تھا اور بس۔

خورشید نے دوسرا فون ایئر پورٹ کیا اور وہاں بھی اپنا تعارف کرانے کے بعد پوچھا کہ کل رات متعلقہ شہر جانے والی فلائٹ کب روانہ ہوئی تھی اور کیا ان مسافروں میں نازیہ نامی خاتون بھی شامل تھی۔ پانچ منٹ کے انتظار کے بعد اسے مطلوبہ جواب مل گیا۔ بتایا گیا کہ فلائٹ گزشتہ رات گیارہ بج کر پانچ منٹ پر روانہ ہوئی تھی۔ نازیہ نامی خاتون کا نام اس کے مسافروں کی فہرست میں شامل ضرور تھا مگر انہوں نے اس طیارے میں سفر نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے ابھی تک ٹکٹ کے ریفنڈ یا ایڈجسٹمنٹ کے سلسلے میں رجوع کیا ہے۔

دونوں جگہ سے بات کرتے ہوئے خورشید نے حتی الامکان یہ خیال رکھا تھا کہ بشیر یا شاہ بیگم جو اس سوال و جواب کے وقت تھے یہ اندازہ نہ لگا سکیں کہ اسے اپنے سوالات کے کیا جوابات مل رہے ہیں۔ اپنی گفتگو ختم کرنے کے بعد اس نے بشیر شاہ کی طرف دیکھا جو اپنے انداز میں بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے خاموش بیٹھا تھا۔

''جب نازیہ کمرہ کرائے پر لے رہی تھی۔'' خورشید نے کہا۔ ''تو کیا آپ اس کے ساتھ تھے؟''

''جی نہیں۔'' بشیر نے جواب دیا۔ ''وہ کار سے اتر کر سیدھی ہوٹل میں چلی گئی تھی اور میں کار کی ڈکی سے اس کا سامان نکال رہا تھا۔''

''پھر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اس نے کمرہ نمبر 134 کرائے پر لیا ہے؟''

''اس نے خود ہی بتایا تھا کہ اس نے یہ کمرہ مسز نازیہ بشیر کے نام سے کرائے پر لیا تھا۔''

خورشید نے بشیر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''کیا؟'' بشیر ایک دم چونک پڑا۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں، ہوٹل کا کلرک کہہ رہا ہے اور تصدیق کے لیے اس کا رجسٹر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔''

''میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' بشیر نے فوراً کہا۔ ''اور جیسا کہ میں نے پہلے بتایا تھا کہ رجسٹریشن کے وقت وہاں کاؤنٹر پر موجود نہیں تھا۔''

''تو نازیہ نے یہ حرکت آپ کو بتائے بغیر یا آپ کی اجازت کے بغیر کی تھی۔''

''نازیہ بہت چالاک لڑکی ہے۔'' شاہ بیگم بول اٹھیں۔ ''ممکن ہے اس نے یہ حرکت اس خیال سے کی ہو کہ ہوٹل کی انتظامیہ اس کے تنہا قیام پر اعتراض نہ کرے۔''

''ممکن ہے۔'' خورشید نے سر ہلایا۔ ''خیر اسے چھوڑیں۔ یہ بتائیں کہ وہ دوبارہ آپ کے ساتھ کہاں گئی تھی؟''

''دوبارہ؟'' بشیر نے قدرے حیرت سے دہرایا۔

''جی ہاں۔ ہوٹل کلرک نے اسے آپ کے ساتھ باہر جاتے دیکھا تھا۔''

"مگر وہ میرے ساتھ کہیں نہیں گئی تھی۔"

"آپ غلط کہہ رہے ہیں۔" خورشید نے جواب دیا۔ "چوکیدار نے آپ دونوں کو کار میں بیٹھ کر جاتے دیکھا تھا۔"

"درست ہے۔" بشیر شاہ نے کہا۔ "مگر وہ میرے ساتھ چوراہے تک گئی تھی۔ جو چند فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ وہاں اسے کچھ اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنا تھیں' اسے آپ اس کا میرے ساتھ کہیں جانا نہیں کہہ سکتے۔"

"تو یہ بات آپ نے پہلے کیوں نہیں بتائی؟"

"کیونکہ آپ نے پہلے پوچھی نہیں تھی۔" بشیر نے جواب دیا۔ "اور میرے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ از خود اس کو بیان کرنا ضروری سمجھتا۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ اب بھی غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔" خورشید نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "نازیہ اگر آپ کے ساتھ چند فرلانگ دور چوراہے تک گئی تھی تو اسے واپسی پر ایک گھنٹہ نہ لگتا۔ ہوٹل کلرک کا بیان ہے کہ وہ ایک گھنٹے بعد واپس آئی تھی۔"

"میں نے اسے چوراہے پر ہی اتار دیا تھا۔" بشیر شاہ بولا۔ "پھر وہ ایک گھنٹے بعد واپس گئی یا فوراً اس کا مجھے علم ہو سکتا تھا اور نہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق ہے کہ وہ کتنی دیر میں واپس آئی۔"

"میرے خیال میں آپ کا گہرا تعلق ہے۔" خورشید نے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد دونوں کوٹھی گئے جہاں سے پہلے سے طے کردہ کسی پروگرام کے تحت صائمہ آپ کی منتظر تھی۔ آپ کے درمیان پھر جھگڑا ہوا اور آپ اس قدر غصے میں آ گئے کہ بیڈروم کے آتش دان سے بھاری شمع دان اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ ممکن ہے آپ کی نیت اسے قتل کرنے کی نہ ہو لیکن اس عمل کا یہی نتیجہ برآمد ہوا۔ صائمہ اس ضرب شدید سے ہلاک ہو گئی۔ آپ گھبرا گئے۔ پھر از خود نازیہ کے مشورے سے آپ نے اس کی موت کو حادثے کا رنگ دینے کے لیے کوٹھی کو آگ لگا دی اور نازیہ کو ہوٹل چھوڑتے ہوئے گھر واپس آ گئے۔ میں مانتا ہوں کہ ابھی اس سلسلے میں مجھے کئی ثبوت درکار ہوں گے۔ مگر آپ پر قتل کا شبہ کرنے کی کافی وجوہات ہیں' اس لیے آپ کو اپنی بیوی کو قتل کرنے کے شبہ میں حراست میں لے رہا ہوں۔"

"آپ زبردستی کر رہے ہیں۔" بشیر نے کہا۔ "مجھے اعتراف ہے کہ صائمہ سے میرے اختلافات زیادہ ہو گئے تھے۔ میں نے بلاشبہ اسے دھمکی بھی دی تھی مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ میں اسے قتل کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ آپ یہ بھی غور کریں کہ اگر مجھے ایسا کوئی کام کرنا ہی تھا تو اکیلے کرتا۔ اس میں نازیہ کو شامل کر کے اپنے خلاف ایک گواہ کیوں بناتا۔"

"ممکن ہے اس سے آپ دونوں کا کوئی مشترکہ مفاد وابستہ ہو۔" خورشید نے جواب دیا۔

"خود آپ ہی کا کہنا ہے کہ صائمہ اور نازیہ کے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ ان میں جھگڑا بھی ہوا تھا اور نازیہ دلبرداشتہ ہو کر واپس جا رہی تھی۔"

"انسپکٹر صاحب! صائمہ کی موت سے میرے بیٹے کا کوئی مفاد وابستہ نہیں تھا۔" شاہ بیگم نے کہا۔ "میں نہیں چاہتی تھی کہ مرنے

کے بعد کسی کی کوئی برائی کی جائے۔ بشیر کو حراست میں لینے کا عندیہ ظاہر کر کے مجھے بولنے پر مجبور کر دیا ہے۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ اس لڑکی کے حسن و جمال نے میرے بیٹے کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم کر دی تھی ورنہ وہ اسٹیج پر ناچنے والی ایک آوارہ لڑکی اور سزا یافتہ لڑکی سے کبھی شادی نہ کرتا۔"

"سزا یافتہ؟" انسپکٹر خورشید چونک گیا۔

"جی ہاں باقاعدہ سزا یافتہ۔" شاہ بیگم نے جواب دیا۔ "اگر آپ اس شہر کی پولیس سے رابطہ قائم کریں جہاں وہ پہلے رہتی تھی تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ چار پانچ سال پہلے صائمہ ایک کال گرل تھی۔ جسے کوئی بھی ایک فون کر کے اپنے بیڈ روم کی زینت بنا سکتا تھا۔ آپ کو یہ بھی بتایا جائے گا کہ قتل کی ایک واردات میں یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اس میں اصل قاتل کے علاوہ صائمہ کا بھی ہاتھ ہے۔ قاتل کے اشارے پر وہ مقتول کو اپنی اداؤں کے سحر میں مبتلا کر کے اس مقام تک لے گئی تھی جہاں قاتل پہلے سے اس کی تاک میں بیٹھا ہوا تھا۔ اگرچہ اس کے خلاف یہ الزام پوری طرح ثابت نہیں کیا جا سکا مگر پھر بھی عدالت نے اسے قتل کی سازش میں ملوث ہونے کی وجہ سے اسے تین سال قید کی سزا سنائی تھی۔"

"یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" خورشید نے حیرت سے سوال کیا۔

"میں صائمہ اور بشیر کی شادی کے خلاف تھی۔" شاہ بیگم نے بتایا۔ "مگر جب اس نے میری مرضی کے خلاف شادی کر لی تو میں خاموش ہو گئی۔ ڈیڑھ دو ماہ ہنی مون کی سیر و تفریح میں گزار کر جب یہ دونوں گھر آئے تو میں نے پہلی مرتبہ صائمہ کو دیکھا اور اس کے بارے میں میری رائے اور پختہ ہو گئی کہ وہ کوئی اچھے کردار اور چال چلن کی لڑکی نہیں ہے مگر جب تک میرے پاس اپنے دل کی آواز کا کوئی ثبوت نہ ہو میں بشیر کی رائے تبدیل نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے پوشیدہ طور پر صائمہ کے بارے میں تحقیقات کرائیں۔ میرے ایک دور کے عزیز ریٹائرڈ پولیس انسپکٹر ہیں۔ میں نے یہ کام ان کے سپرد کر دیا اور انہوں نے تقریباً ایک ماہ کی تحقیقات کے بعد جو رپورٹ پیش کی اس کا خلاصہ میں نے ابھی آپ کو بتایا۔ آپ چاہیں گے تو میں وہ رپورٹ بھی دکھا دوں گی۔"

"آپ کی بات درست ہو تو بھی موجودہ صورت حال پر کیا اثر پڑتا ہے؟" خورشید نے اعتراض کیا۔

"بہت زیادہ اثر پڑتا ہے انسپکٹر خورشید۔" شاہ بیگم نے جواب دیا۔ "صائمہ اپنے میدان میں اکیلی نہیں تھی۔ وہ ہائی سوسائٹی کی کال گرل تھی اور ایک کلب کی رکن بھی تھی۔ اس کلب میں اس کی بہترین دوست اور ساتھی نازیہ بھی تھی۔ وہ بھی اپنے ایک گاہک کے گھر سے بڑی رقم چرانے کے جرم میں سزا کاٹ چکی ہے۔ صائمہ تو جیل سے نکل کر اسٹیج پر آ گئی مگر نازیہ کو کوئی مناسب کام نہیں ملا تھا۔ جب صائمہ نے بشیر سے شادی کر لی تو نازیہ کو ایک انوکھی بات سوجھی۔ ظاہر ہے کہ صائمہ نے بشیر سے اپنا ماضی چھپایا ہوا تھا۔ نازیہ نے اسے دھمکی دی کہ اگر وہ اسے ہر ماہ ایک معقول رقم نہیں دے گی تو وہ بشیر کو اس کے بارے میں سب کچھ بتا دے گی چنانچہ وہ پچھلے کئی ماہ سے نازیہ کو ایک بڑی رقم ماہانہ ادا کر رہی تھی۔"

"کیا یہ بات آپ کو ریٹائرڈ پولیس انسپکٹر نے بتائی تھی؟" خورشید نے دلچسپی سے پوچھا۔

بشیر بڑی حیرت سے منہ پھاڑے ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ کم سے کم اس کے تاثرات یہی ظاہر کر رہے تھے کہ یہ خبر اس کے لیے بالکل نئی اور قطعی غیر متوقع ہے۔

"لیکن اس رپورٹ کی وجہ سے مجھے یہ راز معلوم کرنے میں مدد ضرور ملی۔"

"وہ کیسے؟"

"اس رپورٹ میں نام لے کر نازیہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ صائمہ کی گہری دوست اور سہیلی تھی۔" شاہ بیگم نے جواب دیا۔ "اس لیے جب وہ رشتے کی بہن بن کر یہاں آئی تو مجھے یہ کرید پیدا ہوئی کہ وہ کیوں آئی ہے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ صائمہ اپنے ماضی کے تمام واقف کاروں سے الگ رہے تاکہ بشیر پر اس کی اصلیت ظاہر نہ ہونے پائے۔ چنانچہ میں نے ایک دو مرتبہ چھپ کر ان کی باتیں سنیں۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ نازیہ صائمہ کو بلیک میل کر رہی ہے اور صائمہ نے چند ماہ کے اندر ایک لاکھ روپے کی رقم نازیہ کو ادا کی جو کہ بشیر نے اس کے ذاتی اکاؤنٹ میں جمع کرادی تھی تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اسے نازیہ کو بڑی بڑی رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں۔ اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ رقم کے لین دین پر صائمہ اور نازیہ کے درمیان جھگڑا ہوا ہوگا۔ نازیہ زیادہ رقم کا مطالبہ کر رہی ہوگی۔ جسے ادا کرنا صائمہ کے بس سے باہر تھا۔ نازیہ شاید پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق صائمہ سے ملنے آئی تھی۔ ان دونوں میں جھگڑا ہوا۔ بات بڑھ گئی اور نازیہ نے غصے میں آ کر صائمہ کو قتل کر دیا اور پھر اپنا جرم چھپانے کے لیے کوٹھی میں آگ لگادی۔"

"آپ نے ایک دلچسپ صورت حال کا امکان ظاہر کیا۔" خورشید نے جواب دیا۔ "میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ بھی قوی امکان ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ اس سے بشیر شاہ صاحب کی بے گناہ ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس نظریئے کی بنیاد پر قطعی ممکن ہو سکتا ہے کہ صائمہ کی حقیقت سے واقف ہو کر اشتعال میں آتے ہوئے انہوں نے صائمہ کو سزا دینے اور اپنی دھمکی پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہو کیا آپ نے اس رپورٹ کے بارے میں بشیر شاہ کو بتا دیا تھا۔"

"ابھی تک میں خاموش تھی۔" شاہ بیگم نے جواب دیا۔ "محض اس خیال سے کہ بشیر شاہ صائمہ سے بے حد محبت کرتا تھا کہیں اسے اس کے ماضی کے انکشاف سے دکھ نہ ہو لیکن میں نے اپنے طور پر فیصلہ کر لیا تھا اگر صائمہ نے اپنی روش تبدیل نہ کی تب میں ضرور بتاؤں گی۔"

"آپ کی اس گفتگو سے اتنا ہی ہوا ہے کہ اب میں نازیہ کو زیادہ سرگرمی سے تلاش کروں گا۔" خورشید نے کہا۔ "مگر میں بشیر کو حراست میں لینے کا ارادہ ترک نہیں کر سکتا۔ آپ بے شک اپنے وکیل خاقانی صاحب سے مشورہ کر لیں۔ ممکن ہے کہ وہ انہیں ضمانت پر رہا کرانے میں کامیاب ہو جائیں۔"

ٹھیک اس وقت جبکہ انسپکٹر خورشید بنگلے میں شاہ بیگم اور بشیر سے جرح کر رہا تھا۔ خاقانی صاحب جلی ہوئی کوٹھی میں مالی زمان سے

باتوں میں مصروف تھے۔ ان کے ذہن میں دو چیزیں ہنوز کھٹک رہی تھیں۔ ایک وہ جو کہ نہیں ہونا چاہئے تھا اور تھا۔ یعنی صائمہ کے سر پر شدید ضرب کا نشان اگر وہ جل کر مری تھی تو یہ ضرب کا نشان نہیں ہونا چاہئے تھا اور دوسری چیز وہ خاندانی ہار جو صائمہ نے پہن رکھا تھا۔ یہ بات ابھی تک شاید کسی نے بھی نوٹ نہیں کی تھی کہ جب صائمہ کی جلی ہوئی لاش ملی تو اس کے گلے میں وہ ہار نہیں تھا...... حالانکہ ہونا چاہئے تھا۔ پہلے شبے کی تصدیق پوسٹ مارٹم رپورٹ نے کر دی تھی۔ یہ ثابت ہو گیا تھا کہ صائمہ آگ میں جل کر نہیں مری بلکہ اس ضرب شدید نتیجے میں وہ آگ لگنے سے پہلے ہی مر چکی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کسی نے اسے ہلاک کر کے قتل کو حادثے کا رنگ دینے کی کوشش کی تھی اور کوٹھی میں آگ لگا دی تھی۔

اب وہ کون تھا اور صائمہ کو قتل کرنے سے اس کا کیا مقصد تھا؟ یہ زیادہ تر پولیس کا درد سر تھا۔

خاقانی صاحب کو اس سے زیادہ یہ معلوم کرنے میں دلچسپی تھی کہ خاندانی ہار کہاں گیا۔ ان کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ہار کی گمشدگی کا تعلق قاتل ہی سے ہے۔ اگر ہار کا معمہ حل ہو جائے تو ممکن ہے قاتل کا نام بھی معلوم ہو جائے۔

مالی نے اپنے بیان میں بتایا تھا کہ اس نے آگ لگنے سے چند منٹ پہلے صائمہ کو صوفے پر لیٹے ہوئے دیکھا تھا۔ گمان غالب یہ تھا کہ وہ اس وقت تک قتل کی جا چکی تھی اور یقیناً قاتل بھی اس وقت کوٹھی میں موجود تھا اور آگ لگانے کے لیے ہر بیڈ روم میں آتش دان کے گیس برنر کھول رہا ہوگا۔ مالی خاقانی صاحب کو بخوبی پہچانتا تھا۔ اس نے انہیں آتے دیکھ کر سلام کیا۔

”تم اور چوکیدار غالباً یہیں سرونٹ کوارٹر میں رہتے ہو؟“ خاقانی صاحب نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

”جی صاحب۔“ ”آگ سے تمہارے کوارٹر کو تو نقصان نہیں پہنچا؟“

”جی نہیں وہ دوسری طرف بنے ہوئے ہیں۔“

”میں تم سے ایک دو سوالات آگ لگنے کے سلسلے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔“

خاقانی صاحب نے کہا۔ ”ذرا سوچ سمجھ کر جواب دینا۔“

”اچھا صاحب جی!“

”تم نے کہا تھا کہ جب تم ملازمہ ریشماں کو اس کے گھر چھوڑ کر واپس آئے اور پیچھے لان کو پانی دینے لگے تو تم نے بیڈ روم کی کھڑکی سے صائمہ کو صوفے پر لیٹے دیکھا تھا۔“

”جی ہاں۔“

”وہ کس طرح لیٹی تھی۔ میرا مطلب ہے کہ ان کا رخ تمہاری طرف تھا یا کسی اور جانب؟“

”وہ صوفہ جس پر چھوٹی بیگم لیٹی تھیں بالکل کھڑکی کے سامنے تھا۔“

”گویا تم انہیں اچھی طرح دیکھ سکتے تھے؟“

"جی ہاں۔مگر میں نے دیکھا نہیں تھا۔ایک نظر ڈال کر اپنے کام میں لگ گیا تھا۔"

"پھر بھی اتنا تو بتا ہی سکتے ہو کہ وہ جس طرح لیٹی تھی اس سے کیا معلوم ہوتا تھا کہ سو رہی ہیں یا جاگ رہی ہیں؟"

"ان کی آنکھیں بند تھیں۔" مالی نے جواب دیا۔"پھر بھی میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ سو رہی تھیں۔"

"درست ہے۔" خاقانی صاحب نے سر ہلایا۔"اچھا کیا تمہیں ایسا احساس تو نہیں ہوا جیسے وہ بے ہوش ہوں؟"

"جی نہیں۔"

"نہ ان کے سر پر لگا ہوا زخم ہی نظر آیا؟"

"جی نہیں۔ان کا چہرہ کھڑکی کے سامنے تھا۔اس لیے سر تو ویسے بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔"

"تو چہرہ سامنے تھا؟" خاقانی صاحب نے گویا کچھ غور کرتے ہوئے پوچھا۔"انہوں نے لباس کون سا پہن رکھا تھا؟"

"وہی جو کوٹھی سے روانہ ہوتے ہوئے پہنے ہوئے تھیں۔"

"تم نے کبھی ان کے گلے میں پڑا ہوا ہار دیکھا تھا جو تمہارے صاحب کا خاندانی ہار سمجھا جاتا ہے۔"

"جی ہاں......وہ تو اسے مستقل پہنے رہتی تھیں۔"

"جب وہ صوفے پر لیٹی ہوئی تھیں تب بھی پہنے ہوئے تھیں؟"

"جی ہاں۔"

"یہ تم اندازے سے کہہ رہے ہو یا تم نے انہیں پہنے دیکھا تھا؟"

"میں نے انہیں پہنے دیکھا تھا۔" مالی نے جواب دیا۔"وہ ہار اتنا چمکتا تھا اور اتنا خوبصورت تھا کہ خود بخود نظر اس پر پڑ جاتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ہار اس وقت بھی چھوٹی بیگم کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔"

"اچھی طرح یاد ہے'اس میں کسی غلطی کا کوئی امکان تو نہیں؟"

"جی نہیں۔"

"بس تو اس بات کو یاد رکھنا اور انسپکٹر صاحب کبھی پوچھیں تو یہی جواب دینا۔"

"ضرور صاحب جی۔" مالی نے سر ہلا کر یقین دلایا۔

خاقانی صاحب کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔انہوں نے مالی کا شکریہ ادا کیا اور انسپکٹر خورشید سے ملنے کے لیے روانہ ہو گئے۔انسپکٹر خورشید اسی وقت بشیر کو حراست میں لے کر واپس آیا تھا کہ خاقانی صاحب پہنچ گئے۔

"مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا۔" خاقانی صاحب نے ایک گہری سانس لی۔

"تو کیا میں نے غلط کیا؟" خورشید نے پوچھا۔

"حالات کے تحت بظاہر شبہ بشیر پر ہی جاتا ہے۔" خاقانی صاحب نے تسلیم کیا۔ "لیکن ایک دو پوائنٹ ایسے ہیں جن کا تسلی بخش جواب ملنا ضروری ہے۔ ویسے تم نے کس بنیاد پر یہ قدم اٹھایا ہے کیا صرف اس کی دھمکی کی وجہ سے؟"

"نہیں صرف اس وجہ سے نہیں بلکہ کوٹھی سے رخصت ہونے اور اس کی اور نازیہ کی نقل و حرکت بڑی پراسرار اور معنی خیز معلوم ہوتی ہے۔"

خورشید نے جواب دیا۔

اور خاقانی صاحب کو وہ سب کچھ مختصر طور پر بتایا جو بشیر سے اور شاہ بیگم سے معلوم ہوا تھا۔ "میں نے اپنے ایک ماتحت کو ہوٹل ہالیڈے میں بھیجا تھا اور ایئرپورٹ پر بھی۔" خورشید نے کہا۔ "لیکن نازیہ کا ایسا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ جس سے معلوم ہو سکے کہ اس وقت وہ کہاں ہے۔ وہ ہاتھ میں آئے تو شاید یہ معمہ حل ہو جائے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ اس کے ملنے سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ......"

خاقانی صاحب اپنی بات پوری نہ کر سکے تھے کہ ایک سب انسپکٹر خورشید کے آفس میں داخل ہوا۔

"سر کوئی مس نازیہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں؟" اس نے بتایا۔

"کیا؟" حیرت سے خورشید کا منہ کھل گیا۔

"مس نازیہ سر۔" سب انسپکٹر نے سمجھا کہ شاید خورشید نے اس کی بات نہیں سنی۔ "وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"انہیں فوراً لے آؤ۔" خورشید نے جوش کے ساتھ کہا اور خاقانی صاحب کی طرف دیکھا۔ "اس کے آنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"

"یہی کہ تم نے اس کے اور بشیر کے بارے میں اندازہ لگانے میں غلطی کی ہے۔"

خاقانی صاحب نے جواب دیا۔

"ممکن ہے نازیہ کے بارے میں میرا اندازہ غلط ہو مگر بشیر کے بارے میں میں مطمئن نہیں ہوں۔"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" خاقانی صاحب نے کہا۔

اگلے ہی لمحے نازیہ آفس میں داخل ہوئی۔ وہ خاقانی صاحب کو جانتی تھی۔ اس لیے اس نے فطری طور پر خورشید کی طرف دیکھا۔

"انسپکٹر خورشید؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں...... تشریف رکھیے۔" خورشید کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے آج صبح کے اخبارات سے کوٹھی میں آگ لگنے اور صائمہ کی موت کے بارے میں معلوم ہوا۔" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اور میں نے مناسب سمجھا کہ آپ سے مل کر اس بارے میں جو کچھ مجھے معلوم ہے بتا دوں۔"

''آپ نے بہت اچھا کیا۔'' خورشید نے جواب دیا۔ ''تو آپ کیا بتانا چاہتی ہیں؟''

''مجھے یقین ہے بلکہ آپ اسے یقین سے بڑھ کر بھی کہہ سکتے ہیں کہ صائمہ کی موت کی ذمہ داری بشیر پر آتی ہے۔''

''یہ آپ کیسے کہہ رہی ہیں؟''

''شاید آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ بشیر مجھے ایئرپورٹ چھوڑنے گئے تھے۔''

''جی ہاں...... میں جانتا ہوں۔''

''میرا طیارہ انجن کی خرابی کی وجہ سے پرواز کے قابل نہیں تھا۔ اس لیے فلائٹ چار گھنٹے لیٹ روانہ ہونے کا......''

''یہ سب میں جانتا ہوں۔'' خورشید نے بات کاٹی۔ ''آپ تو وہاں سے بتائیں جب آپ ہوٹل میں کمرہ لینے کے بعد بشیر کے ساتھ روانہ ہوئیں۔''

''میں ان کے ساتھ کہیں روانہ نہیں ہوئی تھی۔'' نازیہ نے کہا۔ ''صرف چوراہے تک گئی تھی چند چیزیں خریدنے کے لئے۔''

''اور پھر ایک گھنٹے کے بعد واپس آئیں۔'' خورشید نے اعتراضاً کہا۔

''اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔'' نازیہ نے جواب دیا۔ ''وہاں کوئی باقاعدہ مارکیٹ نہیں ہے۔ اس لیے مجھے اپنی پسند کی لپ اسٹک اور پرفیوم خریدنے کے لیے کافی دکانیں دیکھنا پڑیں۔ جس میں مجھے نصف گھنٹے سے زیادہ لگ گیا۔ پھر اتنے فاصلے کے لیے مجھے واپسی کے لیے کوئی سواری نہیں ملی اور مجھے پیدل جانا پڑا۔ آپ خود چل کر دیکھ لیں۔ پیدل چلنے کے لیے وہ راستہ پندرہ منٹ سے کم کا نہیں ہے۔''

اس نے بڑی روانی اور صاف گوئی سے یہ بات کہی تھی۔ خورشید نے تھوڑا سا غور کیا اور فیصلہ کیا کہ ممکن ہے یہ سچ بول رہی ہو۔ قتل کے پس منظر میں اس کی عدم موجودگی خواہ کتنی ہی معنی خیز معلوم ہو لیکن ایک گھنٹے میں واپس آنے کی وجہ بتائی تھی۔ وہ حقیقت بھی ہو سکتی تھی۔

''چلیے مان لیا۔'' خورشید نے سر ہلایا۔ ''لیکن ہوٹل کے رجسٹر میں خود کو مسز نازیہ بشیر تحریر کرنے میں کیا مصلحت تھی؟''

''صرف اتنی کہ ہوٹل کا کلرک مجھے کسی شبے کی نظر سے دیکھے بغیر کمرہ کرائے پر دے دے۔''

''اچھا تو آپ کیا بتا رہی تھیں؟'' خورشید نے سر دست اپنے دوسرے سوال ملتوی کر دیئے۔

''میں کہہ رہی تھی کہ بشیر شاہ اور صائمہ کے تعلقات بہت خراب ہو گئے تھے۔'' نازیہ نے جواب دیا۔ ''اور صائمہ نے شادی کے بعد جو طرزِ عمل اختیار کیا تھا' اس میں ایسا ہونا کوئی عجیب بات بھی نہیں تھی۔ میں نے صائمہ کو سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی مگر......''

''سمجھانے یا بلیک میل کرنے کی؟'' خورشید بولے بغیر نہ رہ سکا۔

''تو آپ یہ بھی جان چکے ہیں۔'' نازیہ نے ایک گہری سانس لی۔ ''آپ بے شک اسے بلیک میلنگ کہہ لیں مگر حقیقتاً اس پر میرا حق تھا۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ میں صرف اسے بچانے کے لیے دو سال جیل کاٹ چکی ہوں۔ چوری اس نے کی تھی مگر وہ تازہ تازہ جیل سے رہا کی گئی تھی۔ ایک قتل کے شبے میں اس نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے کہ بڑی کوشش کے بعد اسے ایک اسٹیج ڈائریکٹر نے کام

دینے کا وعدہ کرلیا ہے۔ ایسے موقع پر اگر وہ پکڑی گئی تو نہ صرف عادی مجرم کا ٹھپہ لگا کر اسے سزا زیادہ دی جائے گی بلکہ یہ چانس بھی نکل جائے گا۔ تب وہ چوری میں نے خود اپنے ذمہ لے لی اور مجھے دو سال کی سزا ہوگئی۔ جیل سے باہر آئی تو اس کا اور بشیر کا رومانس چل رہا تھا۔ اس نے بڑی بے رخی کے ساتھ مجھے پہچاننے سے بھی انکار کر دیا۔ میں خاموش ہوگئی لیکن شادی کے بعد میں نے اسے لکھا کہ اگر اس نے مجھے دس ہزار روپے ماہانہ ادا نہ کیے تو میں بشیر کو اس کے بارے میں سب کچھ بتادوں گی اور صائمہ کو مجبوراً میرا مطالبہ پورا کرنا پڑا۔"

"جو تمہارے لیے کافی نہیں تھا اور تم اسے مزید بلیک میل کرنے یہاں آ گئیں اور جب اس نے رقم ادا کرنے سے انکار کر دیا تو تم نے اکیلے یا بشیر کے ساتھ مل کر اسے ہلاک کر دیا۔"

"تو آپ نے یہ رائے قائم کی ہے؟"

"جو حقائق کی روشنی میں غلط نہیں۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ آپ کن حقائق کی بات کر رہے ہیں؟" نازیہ بولی۔ "میں یہاں بلاشبہ اس سے ایک بڑی رقم حاصل کرنے آئی تھی مگر مستقل طور پر نہیں۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اگر وہ مجھے کم از کم پچاس ہزار ابھی یکمشت ادا کر دے تو میں پھر کبھی اس سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گی اور وہ اس پر آمادہ ہوگئی تھی۔ صرف تھوڑی سی مہلت چاہتی تھی۔ اس لیے میرے پاس اسے قتل کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ آپ ایک تجربہ کار پولیس انسپکٹر ہیں۔ آپ بتائیں کہ میں اسے قتل کر کے ملنے والی رقم کی امید بھی کیسے ختم کر سکتی تھی۔ ایسے حالات میں اگر وہ مجھے قتل کر دیتی تو باعث حیرت نہ ہوتا۔ میں تو اسے نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" خورشید کو دل ہی دل میں اس کے دلائل کی اہمیت تسلیم کرنا پڑی۔ "مگر تم کچھ بشیر کے بارے میں بتا رہی تھیں۔"

"جی ہاں...... مگر آپ بتانے بھی دیں تب ناں۔"

"اچھی بات ہے میں اب کوئی سوال نہیں کروں گا۔"

"میں بتا رہی تھی کہ بشیر کو صائمہ کے خلاف شدید غم و غصہ تھا۔ اس نے میرے سامنے ایک بار پھر یہ کہا کہ صائمہ نے اگر اپنی روش تبدیل نہیں کی تو وہ اسے قتل کر دے گا۔"

"تو پھر اس سے کیا ہوا؟" خورشید نے کہا۔ "وہ ہوٹل سے سیدھا گھر گیا تھا۔ اسے یہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ وہاں کوٹھی میں صائمہ موجود ہوگی۔ تو چلو اسے ٹھکانے لگا آؤں۔"

"مگر وہ ہوٹل سے گھر نہیں گیا تھا۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟"

"اس نے مجھ سے خود کہا تھا۔" نازیہ نے جواب دیا۔ "کہ وہ اپنی چیک بک کوٹھی میں بھول آیا ہے اور وہ لیتے ہوئے گھر جائے

گا۔ بلاشبہ اسے وہاں صائمہ کی موجودگی کا علم نہیں تھا لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ کوٹھی گیا وہاں صائمہ کو دیکھا اور ان میں ایک بار پھر جھگڑا ہوا اور بشیر نے غصے اور اشتعال میں اسے قتل کر دیا اور پھر جرم کو حادثے کی شکل دینے کے لیے آگ لگا دی۔''

''تم یہی بتانے آئی تھیں؟''

''جی ہاں۔''

''صائمہ سے اتنی ہمدردی کب سے ہوگئی؟''

''میں اس کی دشمن تو کبھی بھی نہ تھی۔ صرف مجھے اور میری قربانی کو نظر انداز کرنے کا غصہ تھا'' نازیہ نے جواب دیا۔ ''ورنہ میں نے اور اس نے ایک جیسے حالات میں بڑی مشکل اور پریشانی کی زندگی گزاری ہے۔ مجھے اس کی موت کا حقیقت میں دکھ ہوا ہے۔''

''خوب...... مگر یہ تو بتاؤ کہ تمہیں تو دوسرے شہر جانا تھا اور تمہاری فلائٹ بھی ٹھیک چار گھنٹے بعد روانگی کے لیے تیار تھی۔'' خورشید بولا۔ ''پھر تم نے اسے مس کیوں کر دیا؟''

''یہ میں نے دانستہ نہیں کیا تھا۔'' نازیہ نے بتایا۔ ''ہوٹل سے نکلی تو صرف نصف گھنٹہ باقی تھا۔ میرا خیال تھا کہ مجھے کوئی سواری مل جائے گی اور میں وقت پر پہنچ جاؤں گی مگر میں پندرہ منٹ ہوٹل کے باہر کسی ٹیکسی کے انتظار میں کھڑی رہی اور جب بالآخر میں ٹیکسی ملنے کے بعد ایئرپورٹ پہنچی تو طیارہ پرواز کر چکا تھا۔''

نازیہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ سچ بھی ہو سکتا تھا۔ خورشید نے سوچا اور پھر پوچھا:

''تو پھر تم کل رات سے اب تک کہاں تھی؟''

''ایک دوسرے ہوٹل میں جو ہالیڈے سے زیادہ قریب تھا۔''

نازیہ نے بتایا۔ ''اور اب وہیں سے آ رہی ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔'' خورشید نے کہا۔ ''میں نے آپ کا بیان سن لیا' اب آپ اپنے ہوٹل کا نام پتہ اور کمرہ نمبر ایک کاغذ پر لکھ کر مجھے دیں اور جب تک آپ کو جانے کی اجازت نہ دوں' وہیں ٹھہریں۔''

نازیہ نے ایک کاغذ پر ہوٹل کا نام و پتہ اور اپنا کمرہ نمبر لکھا اور رخصت ہوگئی۔ اس کے جانے کے بعد خورشید ایک بار پھر خاقانی صاحب کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟'' اس نے پوچھا۔ ''اس کا بیان سچ بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''جب تک میرے ذہن کی الجھن صاف نہیں ہوتی' میں کوئی واضح جواب نہیں دے سکتا۔''

''آپ کے ذہن میں کیا الجھن ہے؟''

خورشید نے دلچسپی سے پوچھا۔

خاقانی صاحب نے اسے شاہ بیگم کے خاندانی ہار کے بارے میں بتایا۔ ”اب تعجب کی بات یہ ہے۔“

آخر میں وہ بولے: ”کہ صائمہ کی لاش ملی تو ہار اس کے گلے میں نہیں تھا۔“

”تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟“ خورشید نے کہا: ”ظاہر ہے قاتل نے اس کے گلے سے ہار اتار لیا۔“

”کیوں؟“

”اس لیے کہ وہ قیمتی تھا یعنی چوری کی نیت سے۔ لہٰذا اب تمہیں یا تو نازیہ کو مجرم سمجھنا ہوگا یا پھر وہ اپنا نظریہ درست ماننا ہوگا۔ جو تم نے بشیر کے سامنے کسی دوسرے عاشق اور اس کے انتقام کے ضمن میں بیان کیا تھا۔“

”خوب!“ خورشید سوچ میں تھا۔ ”آپ نے واقعی ایک دلچسپ نکتہ پھونک ڈالا ہے۔“

”صرف نکتہ ہی نہیں میرے ذہن میں ایک پلان بھی ہے۔“ خاقانی صاحب نے کہا: ”اگر وہ کامیاب ہو گیا تو تم قاتل کو پکڑنے میں کامیاب ہو سکتے ہو۔“

”کیسا پلان؟“ خورشید نے چونک کر پوچھا۔

”وہ بتانے کا نہیں ہے یا کم سے کم ابھی بتانے کا نہیں ہے۔“ خاقانی صاحب نے جواب دیا۔ ”ابھی تو آپ میرے ساتھ چلیں۔“

”کہاں؟“

”شاہ صاحب مرحوم کے بنگلے پر۔“

”چلیے اگرچہ میں وہاں ہو آیا ہوں۔“ خورشید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”تب کی بات اور تھی۔ اب دوسری بات ہے۔“ خاقانی صاحب مسکرائے۔ ”اب ایک قابل وکیل آپ کو ساتھ لے جا رہا ہے مگر وہاں جانے سے پہلے ایک منٹ کے لیے بشیر سے ملنا چاہتا ہوں۔“

خاقانی صاحب نے بشیر سے صرف ایک سوال کیا۔ کیا آیا وہ اپنی چیک بک لینے واپس کوٹھی گیا تھا۔ بشیر نے بتایا کہ اس کا جانے کا ارادہ ضرور تھا مگر وقت زیادہ ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ گیا نہیں کیونکہ ساڑھے سات بجے خاقانی صاحب کو مزید گفتگو کے لیے آنا تھا اور وہ اس موقع پر موجود رہنا چاہتا تھا۔ بشیر سے یوں کھڑے کھڑے بات کرنے کے بعد خورشید اور خاقانی صاحب بنگلے روانہ ہو گئے۔

شاہ بیگم نے قدرے ناگواری کے ساتھ انسپکٹر خورشید کا استقبال کیا۔

”آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہونا چاہئے۔“ خورشید نے جلدی سے کہا: ”مجھے خاقانی صاحب زبردستی لائے ہیں۔“

”ہاں مگر ایک ضروری کام ہے۔“

''کیسا کام؟'' شاہ بیگم نے چونک کر پوچھا۔

''بیگم صاحبہ! آپ نے مجھے کوٹھی میں بتایا تھا کہ صائمہ کے گلے میں جو ہار پڑا ہوا ہے وہ آپ کا خاندانی ہار ہے۔''

''جی ہاں۔''

''پھر کیا آپ کو یہ خیال نہیں آیا کہ جب صائمہ کی لاش ملی تو اس کے گلے میں ہار نہیں تھا۔''

''مجھے اس پریشانی میں بالکل خیال ہی نہیں آیا۔'' شاہ بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: ''ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ بیوٹی پارلر جانے سے پہلے صائمہ نے وہ ہار گلے سے اتار دیا ہو۔''

''بشرطیکہ وہ بیوٹی پارلر گئی ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''میں نے اسکے بیوٹی پارلر سے معلوم کیا تھا۔'' خاقانی صاحب نے جواب دیا۔ ''اس شام کو اس کا وہاں کوئی اپوائنٹمنٹ نہیں تھا۔''

''اچھا تب اس نے جھوٹ کیوں بولا؟''

''یہ ایک علیحدہ بات ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ اب ہار کہاں ہے؟''

''واقعی...... اب تو مجھے بھی فکر ہوگئی ہے۔'' شاہ بیگم نے کچھ پریشانی سے کہا: ''مگر پھر بھی یہ ممکن ہے کہ صائمہ نے ہار اتار کر رکھ دیا ہو۔''

''نہیں رکھا تھا کیونکہ مالی زمان کا کہنا ہے کہ جب اس نے صائمہ کو صوفے پر لیٹے دیکھا تھا تو ہار اس کے گلے میں تھا۔''

''تب پھر وہ کہاں گیا؟'' شاہ بیگم کچھ زیادہ ہی پریشانی سے بولیں: ''وہ ہار آگ میں پگھل ہی نہیں سکتا۔''

''بالکل نہیں۔'' خاقانی صاحب نے جواب دیا۔ ''اگر لاش جل جاتی تب تو اس کا پگھلنا ممکن تھا مگر لاش زیادہ نہیں جلی تھی۔ اس صورت میں ہار صائمہ کے گلے میں ہونا چاہئے تھا سوائے اس صورت کے کسی نے اسے آگ لگنے سے پہلے ہی اتار لیا ہو۔''

''کون اتار سکتا تھا؟'' شاہ بیگم نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اس کی قیمت کے پیش نظر خود قاتل بھی اتار سکتا تھا۔'' خاقانی صاحب نے کہا: ''یا پھر مالی زمان۔''

''مالی زمان۔'' خورشید چونکا۔

''ہاں کیوں نہیں۔ اس نے صائمہ کو دیکھا تھا اور جس انداز سے وہ لیٹی تھی اسے دیکھتے ہی اسے شک ہوا کہ وہ خیریت سے نہیں ہے۔''

خاقانی صاحب نے جواب دیا۔ ''چنانچہ وہ کوٹھی کے اندر گیا۔ دیکھا کہ صائمہ مر چکی ہے۔ اس کے دل میں لالچ آ گیا کیونکہ اسی لمحے اس نے پھیلتی ہوئی آگ کو بھی دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ اس نے جلدی سے ہار اتارا اور بیڈ روم سے باہر نکل آیا۔''

''اگر زمان ہی یہ کرتا ہے۔'' خورشید نے بڑے جوش سے کہا: ''تب وہ قاتل کیوں نہیں ہو سکتا۔ حیرت ہے کہ ہم نے اب تک

مالی کو بالکل نظر انداز کیئے رکھا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ صائمہ کسی وجہ سے واپس آئی ہو۔ مالی ہار کی قیمت جانتا تھا۔ اس نے ہار کے لالچ میں صائمہ کے پیچھے سے اس کے سر پر وار کیا۔ شاید اس کا خیال ہوگا کہ صائمہ اس کی موجودگی سے واقف نہیں ہوگی اور وہ ہار پر قبضہ کر لے تو یہ کسی چور کا کارنامہ سمجھا جائے گا کیونکہ وہ خود تو اپنے بارے میں کہہ سکتا تھا کہ وہ ملازمہ کو چھوڑنے گیا تھا مگر ضرب مارنے کے نتیجے میں جب اس نے دیکھا کہ صائمہ مر چکی ہے۔ تب وہ گھبرا گیا اور اس وقت اس نے یہی مناسب سمجھا کہ کوٹھی کو آگ لگا کر لاش جلا دے تا کہ صائمہ کی موت ایک حادثہ معلوم ہو۔''

''آپ بالکل ٹھیک سوچ رہے ہیں۔'' شاہ بیگم بھی جوش میں بھر گئیں۔ ''یہ زمان مالی ہی کا کام ہو سکتا ہے۔''

''ہاں...... یہ عین ممکن ہے۔'' خاقانی صاحب نے بھی تسلیم کیا۔ ''مگر اسے ثابت اس صورت میں کیا جا سکتا ہے جب وہ ہار مالی کے کوارٹر سے برآمد ہو۔ میرا خیال ہے انسپکٹر خورشید کہ آپ ابھی جا کر اس کے کوارٹر کی تلاشی لینے کے سرچ وارنٹ حاصل کریں اور کل صبح پہلا کام یہی کریں کہ اس کے کوارٹر کی تلاشی لیں۔''

انسپکٹر خورشید کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر خاقانی صاحب نے اسے آنکھ کے اشارے سے منع کر دیا اور شاہ بیگم سے بولے:

''ہم اس وقت آپ سے ہار کے بارے میں ہی تصدیق کرنے آئے تھے۔ اب اجازت دیں۔''

''میں آپ کی ممنون ہوں بیرسٹر صاحب۔'' شاہ بیگم نے کہا: ''خدا کرے کہ آپ کا اندازہ درست ثابت ہو اور میرا بیٹا ایک ایسے جرم کی سزا پانے سے بچ جائے جو اس نے ہرگز نہیں کیا۔''

''آپ امید رکھیں کہ بشیر اگر بے گناہ ہے تو میں اسے سزا پانے نہیں دوں گا۔''

خاقانی صاحب نے بڑے وثوق سے کہا۔

بنگلے سے باہر آنے پر خورشید نے ایک بار پھر کچھ سوچنے کی کوشش کی۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ سرچ وارنٹ کے بغیر بھی زمان کے کوارٹر کی تلاشی لے سکتے ہیں۔''

خاقانی صاحب مسکرائے۔ ''لیکن سر دست آپ وہی کریں جیسا کہ میں کہہ رہا ہوں۔''

''بہت خوب پیرو مرشد۔'' خورشید بھی ہنسنے لگا۔ ''تو پھر اب مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''سر دست اپنے آفس واپس چلیں۔'' خاقانی صاحب نے جواب دیا۔ ''وہاں چل کر بتاؤں گا کہ مزید آپ کو کیا کرنا ہے اور کب کرنا ہے؟''

صرف نصف گھنٹے بعد ہی انسپکٹر خورشید اور خاقانی صاحب زمان کے کوارٹر کے باہر موجود تھے۔ خاقانی صاحب نے خورشید سے آفس واپس چلنے کے لیے کہا ضرور مگر وہ گئے نہیں' راستے میں ہی کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے خورشید سے کہا کہ وہ اپنی پولیس ویگن کا رخ کوٹھی کی طرف موڑ لیں۔

''معلوم ہوتا ہے کہ ابھی خود آپ کے ذہن میں لائن آف ایکشن واضح نہیں ہے۔'' خورشید نے ویگن موڑتے ہوئے کہا۔

''یہ بات نہیں ہے۔'' خاقانی صاحب نے جواب دیا۔ ''جب میں نے تم سے آفس چلنے کو کہا تھا تو دو باتیں نظر انداز کر گیا تھا۔ ایک وقت اور دوسرے شخصیت۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ جو کچھ میں سمجھ رہا ہوں اگر وہ درست ہے تو اس کے لیے یہ مناسب ترین وقت ہے کیونکہ پھر کچھ ہی دیر بعد رات ہو جائے گی۔''

''یہ کیا بات ہوئی...... کچھ دیر کے بعد اس وقت روزانہ ہی رات ہوتی ہے۔''

''ہاں...... مگر شاید آج جیسی رات پھر کبھی نہ آئے۔''

''پہیلیوں میں بات کر رہے ہو...... خیر اور دوسری بات شخصیت کا کیا مطلب تھا؟''

''بہت آسان ایک غریب مالی کو پکڑنے کے لیے تمہیں کسی پولیس دستے کی ضرورت نہیں تھی۔'' خاقانی صاحب نے جواب دیا۔

جواب تو دے دیا گیا تھا مگر نجانے کیوں خورشید اس جواب سے مطمئن نہیں تھا۔ پھر بھی وہ خاموش رہا۔ کوارٹر پہنچ کر خاقانی صاحب نے زمان مالی سے جو کہ جلی ہوئی کوٹھی سے ملبہ اٹھا رہا تھا کہا کہ وہ ملزمہ ریشماں کو بلا لائے۔ پولیس اس سے مزید کچھ سوالات کرنا چاہتی ہے۔ جب زمان چلا گیا تو خورشید نے پوچھا۔

''مگر ہمیں ریشماں سے تو کوئی کام نہیں ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' خاقانی صاحب نے جواب دیا۔ ''میں نے زمان کو صرف یہاں سے ہٹانے کے لیے یہ بہانہ تراشا ہے۔''

''مگر اس کی کیا ضرورت تھی؟''

''انتظار کرو۔ شاید اس کی ضرورت واضح ہو جائے۔'' خاقانی صاحب نے کہا: ''اور اب جیسا میں کہوں کرتے جاؤ۔''

خورشید پھر خاموش ہو گیا۔ خاقانی صاحب نے اسے تاکید کی کہ وہ پولیس ویگن کو کوٹھی کے عقب میں کھڑی کر دے۔ اس نے تعمیل کی جب انسپکٹر ویگن کھڑی کر کے واپس آیا تو وہ اسے ساتھ لے کر کوارٹر میں داخل ہوئے۔ ادھر ادھر دیکھا۔

''ادھر آؤ......'' وہ بولے۔

''کہاں؟''

''باورچی خانے میں۔''

''کیا آپ کے خیال میں زمان نے ہار وہاں چھپایا ہوگا؟''

''نہیں۔''

''تو پھر وہاں کیوں؟''

''اس لیے کہ زمان ہار وہاں نہیں چھپا سکتا۔ بالکل یہی بات کوئی اور بھی سوچے گا۔''

''کون؟''

''دیکھتے جاؤ۔''

خورشید پھر خاموش ہو گیا۔ وہ باورچی خانے میں آئے جو کافی بڑا تھا۔ خاقانی صاحب نے اندر داخل ہو کر اس کا دروازہ بند کر دیا۔ یہاں انہیں انتظار کرتے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہی گزرے تھے کہ خورشید نے باورچی خانے کی کھڑکی سے شاہ بیگم کو کوارٹر میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ چونک گیا۔ ساتھ ہی خاقانی صاحب کا ہاتھ دبا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ان کی آنکھیں جوش سے چمک رہی تھیں۔ شاہ بیگم کچھ چوکنے انداز میں کوارٹر کے اندر داخل ہوئیں۔ ادھر ادھر دیکھا اور پھر سیدھی زمان کے سونے کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کے ہاتھوں میں بیگ کے علاوہ کوئی چیز نہیں تھی۔ جیسے ہی وہ کمرے میں گئیں' خاقانی صاحب نے خورشید کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں دبے پاؤں باورچی خانے سے نکلے۔ کمرے کے قریب آئے' جھانک کر دیکھا۔ شاہ بیگم الماری کے پاس کھڑی ہوئی اپنا ہینڈ بیگ کھول رہی تھیں۔ خورشید کے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے بیگ سے سونے کا ایک ہار نکالا اور اسے الماری میں چھپانے کے لیے موزوں جگہ تلاش کرنے لگیں۔

''میرے خیال میں اسے الماری میں چھپانے کی بجائے زمان کے بستر کے تکیے کے غلاف میں چھپائیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔'' خاقانی صاحب نے کہا۔

شاہ بیگم بری طرح اچھل پڑیں۔ ایک لمحے کے لیے ان کا چہرہ پیلا پڑ گیا مگر پھر سنبھل کر بولیں۔

''میں ہار تلاش کرنے آئی تھی اور دیکھیں یہ الماری میں سے مل گیا ہے۔''

''اب یہ بہانہ سازی نہیں چلے گی بیگم صاحبہ!'' خاقانی صاحب نے جواب دیا۔ ''میں نے اور انسپکٹر خورشید نے اپنی آنکھوں سے آپ کو یہ ہار اپنے ہینڈ بیگ سے نکالتے دیکھا ہے۔''

''انسپکٹر خورشید!'' شاہ بیگم کا چہرہ دوبارہ زرد پڑ گیا اور پھر سفید پڑنے لگا۔

''جی ہاں...... کیا آپ کا خیال تھا کہ میں ایسے اہم موقع پر قانون کا کوئی گواہ اپنے ساتھ نہیں لاتا۔'' خاقانی نے کہا اور انسپکٹر خورشید کی طرف گھوم کر بولے جو ابھی تک کمرے سے باہر ہی حیران کھڑا تھا۔

''بیگم صاحبہ نے کبھی صائمہ کو اپنی بہو کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا مگر وہ اپنے بیٹے کی وجہ سے مجبور تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی ناپسندیدگی بالکل معقول اور مناسب تھی۔ خاص طور سے اس وقت جبکہ انہیں تحقیقات کرانے کے نتیجے میں صائمہ کے ماضی کا علم ہوا۔ پھر انہوں نے اس کے طور طریقے دیکھے' اس کا اور بشیر کا بڑھتا ہوا اختلاف دیکھا اور کوٹھی آنے کے بعد صاف کہہ دیا کہ اگر اس نے بشیر کا پیچھا

نہ چھوڑا تو وہ اپنے بیٹے کو اس کے بارے میں سب کچھ بتادیں گی۔ میرا خیال ہے کہ صائمہ نے بھی یہ محسوس کرلیا کہ اب وہ زیادہ دیر تک مسز بشیر شاہ نہیں رہ سکتی۔ اس لیے غالباً اس نے ایک بڑی رقم کے عوض بشیر سے دستبردار ہونا منظور کرلیا اور شاید اس رقم کے تعین پر ان کا جھگڑا ہو گیا۔ کیوں بیگم صاحبہ؟"

"ہاں۔" شاہ بیگم نے ایک گہری سانس لی۔ "اس دن ہم کوٹھی سے جا رہے تھے۔ اس نے کہا کہ وہ بیوٹی پارلر کا بہانہ کر کے پہلے چلی جائے گی اور پھر گفتگو کرنے واپس آئے گی اور وہ آئی اور اس نے دس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا۔ میں اس معاملے کو خاموشی سے طے کرنا چاہتی تھی۔ اسی لیے سوچا تھا کہ اس کو لاکھ دو لاکھ دے کر روانہ کردوں گی۔ ورنہ میں جانتی تھی کہ اگر میں بشیر کو اس کے ماضی کے بارے میں بتادوں گی تو وہ خود دھکے مار کر اسے نکال دے گا۔ جب اس نے اتنی بڑی رقم کا مطالبہ کیا تھا تو مجھے غصہ آ گیا۔ میں اس پر برس پڑی۔ جواب میں اس نے نہ صرف زبان درازی کی بلکہ مجھے تھپڑ بھی مارا۔ اس حرکت نے میرے اندر ایسا اشتعال پیدا کردیا کہ میں نے بغیر سوچے سمجھے شمع دان اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا شاید غصے کی وجہ سے میری ضرب میں بھی بڑی قوت آ گئی تھی کہ وہ ایک ہی وار میں ڈھیر ہوگئی۔

پہلے میں سمجھی کہ وہ مکر کر رہی ہے مگر جب قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ مر چکی ہے۔ میں نے اسے اٹھا کر صوفے پر لٹا دیا۔ وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ چکی تھی۔ میرا یہ فعل ارادی نہیں تھا مگر میں جانتی تھی کہ میں پکڑی گئی تو ذلت و رسوائی ہوگی اور شاید مجھے سزا بھی اسی لیے میں نے اسے آگ میں جلانے اور اس کی موت کو حادثے کا رنگ دینے کا ارادہ کرلیا۔"

"مگر جب اسے صوفے پر لٹا کر آتش دان کا گیس برنر کھولنے کے بعد آپ کی نگاہ اس کے گلے پر پڑی۔" خاقانی صاحب نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا: "تو آپ کو آپ کا خاندانی ہار نظر آیا۔ آپ اس قیمتی ورثے کو آگ کی نذر نہیں کرسکتی تھیں۔ چنانچہ وہ ہار آپ نے اتار لیا۔"

"جی ہاں...... اور شاید یہی میری غلطی تھی۔" شاہ بیگم سر جھکا کر بولیں: "میں اب سمجھ گئی ہوں کہ آپ ہار کا تذکرہ کرنے دوبارہ واپس گھر کیوں آئے تھے۔ آپ کو شک تھا کہ ہار میرے پاس ہے مگر آپ نے واردات کا شبہ مالی کی ذات پر منتقل کر کے گویا مجھے اکسایا کہ میں ہار اس کے کوارٹر میں چھپادوں۔ تو وہی پکڑا جائے گا اور میں بچ جاؤں گی۔"

"اب آپ سمجھے۔" خاقانی صاحب نے خورشید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "میں نے یہ کہنے سے کیوں روک دیا تھا کہ آپ وارنٹ کے بغیر بھی تلاشی کر سکتے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ بیگم صاحبہ یہ سوچیں کہ انہیں کل تک مہلت حاصل ہے اور وہ ہار زمان کے کوارٹر تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ پہلے میرا خیال تھا کہ وہ یہ کوشش صبح کریں گی مگر بعد میں خیال آیا کہ ان کی محتاط طبیعت کل تک انتظار نہیں کر سکے گی۔ ظاہر ہے اس صورت میں یہ کام رات ہونے سے پہلے ہی کیا جا سکتا تھا۔ میں نے یہ بھی چاہا کہ آپ کے علاوہ کوئی اور انہیں حرکت کرتے دیکھے۔ اس لیے درمیان ہی سے ادھر آنے کی تاکید کی۔ بیگم صاحبہ نے جو کچھ کیا وہ ایک غیر ارادی فعل تھا۔ البتہ اس کے بعد انہیں چاہیے تھا کہ وہ مجھے فون کر کے بلا لیتیں اور اس پریشانی سے بچنے کے لیے مشورہ کرتیں تب شاید انہیں کوٹھی جلا کر نقصان بھی نہ اٹھانا پڑتا۔

بہر حال میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنی کیس رپورٹ اس طرح مرتب کریں گے جس سے اس خاندان کی کم سے کم بدنامی ہو اور بیگم صاحبہ کو بھی عدالت رحم کا مستحق خیال کرے۔"

"میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔" خورشید نے افسردگی سے کہا: "اور کوشش کروں گا کہ آپ کی توقعات پر پورا اتروں۔"

"اب بشیر کو رہا کر دیا جائے گا؟" شاہ بیگم نے بے تابی سے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔" خورشید نے جواب دیا۔ "اور مجھے امید ہے کہ یہ سبق اسے زندگی میں دوسری بار بھٹکنے نہیں دے گا۔ میں آپ کو صائمہ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر رہا ہوں اور آپ خاموشی سے ساتھ چلیں تو ہتھکڑی پہنانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

شاہ بیگم نے اثبات میں سر ہلایا اور انسپکٹر خورشید اور خاقانی کے درمیان آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی باہر آ گئیں۔

شیر جنگ کافی مغموم نظر آ رہا تھا۔ اس نے کہا:

"میرا مطلب یہ ہے کہ دیکھو اس کائنات میں اس طرح کی کتنی کہانیاں بکھری ہوئی ہیں مسٹر لیمپو آن...... میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔ تھوڑے دن پہلے نواز علی صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ نواز علی کے بارے میں یہی بات ہے پہلے بھی یہ بات سوچی تھی کہ انہیں کارواں گروپ میں شامل ہونا چاہیے۔ وہ وکیل ہیں لیکن کسی وکیل کو ایسی بے کسی اور مفلسی کی حالت میں نہیں دیکھا گیا ہوگا۔ نمازی پرہیزگار آدمی ہیں۔ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ حالانکہ سخت مالی مشکلات کا شکار ہیں لیکن پوری زندگی اسی طرح گزار دی۔ کبھی کوئی ایسا کیس نہیں لیا جس میں انہیں یہ شبہ ہو کہ انہیں اپنا وکیل بنانے والا آدمی غلط ہے۔ چاہے فاقہ کشی کی زندگی ہی کیوں نہ گزارنی پڑی ہو اور اب تو وہ یہ کہتے ہیں کہ بھائی جو مزیدار زندگی گزر رہی ہے اگر کروڑوں روپیہ دے دیا جائے تو وہ زندگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان کا موقف ہے کہ وکیل کو ہمیشہ سچ کا ساتھ دینا چاہیے۔ چونکہ یہی اس نام کا مفہوم ہے۔"

"بہت عمدہ بات ہے یہ تو۔ شیر جنگ صاحب کتنے ہیرے چھپا رکھے ہیں آپ نے اپنی ہتھیلی میں۔ زبیر شاہ ہی کیا کم تھا کہ آپ نے کارواں گروپ کے لیے ایک اور ایسے ممبر کا نام لے لیا ہے۔ وکیل صاحب کو فوراً کارواں گروپ میں شامل ہونا چاہیے اور ویسے بھی ہمارے اس گروپ میں ایک قانون دان کی سخت کمی تھی۔"

"اس وقت ان کا تذکرہ اس لیے نکلا کہ مجھ سے باتیں کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ کاش زندگی میں انہیں اپنی ایک اہم خواہش پوری کرنے کا موقع ملتا اور وہ اہم خواہش یہ تھی کہ کوئی ایسے افراد جو اپنی ضروریات میں سے کچھ وقت نکال کر اس طرح سے بے بس اور لاچار لوگوں کی دادرسی کرتے تو بہت سے لوگوں کو زندگی کی خوشیاں مل جاتیں۔ یہ بہت بڑا کام ہوتا لیکن میں کسی کو اپنا ہمنوا نہیں بنا سکا۔"

"ہم اس کے ہمنوا ہیں۔" کائی شائی نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"ہمارا تو مقصد ہی یہ ہے۔ اس کارواں گروپ کا بانی حقیقی بات یہ ہے کہ شہروز ہے۔ اس نوجوان نے جس طرح اپنی زندگی کے راستے تبدیل کر کے کارواں گروپ ترتیب دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صدیاں اسے سلام کریں گی۔ خود کتنی سادگی کے ساتھ وہ کارواں گروپ

میں ایک عام کارکن کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا ہے۔ حالانکہ وہی اس گروپ کا رواح رواں ہے۔ جس سے اب تک بہت سوں کو فائدہ حاصل ہو چکا ہے۔ ویسے شیر جنگ صاحب شاہ بیگم کے بارے میں آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟''

''نہیں اصل میں بات وہی ہے۔ مسز لیمپوآن کہ ہم نے اگر خود بھی قانون کا ہاتھ پکڑا تو ہم خود بھی اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکیں گے۔ میں نے تو صرف یہ واقعہ اس لیے سنایا کہ کبھی کبھی اس طرح کے واقعات بھی ہو جاتے ہیں کہ کوئی جرم نہ کرنا چاہے لیکن اس سے جرم سرزد ہو جاتا ہے۔''

''ویسے بہت زبردست آئیڈیا پیش کیا ہے آپ نے شیر جنگ صاحب۔'' بزمی صاحب نے کہا۔ شہروز بھی خاموشی سے سن رہا تھا۔ اس وقت یہ تمام لوگ ہی موجود تھے۔ ناہید نے کہا:

''میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتی ہوں اگر اسے قابل قبول سمجھا جائے تو؟''

''ناہید کیسی باتیں کرتی ہو۔ اس وقت کارواں گروپ کا ہر ممبر اپنی جگہ ایک سربراہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ہم اس جذبے سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔''

''ٹھیک...... نواز علی صاحب کو بغیر کسی تعرض کے کارواں گروپ کے ایک ممبر کی حیثیت سے قبول کر لیا گیا ہے۔ دیکھئے میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اس دوران ہمارے پاس جتنی رقوم آئی ہیں اور ان میں ہم سب کو حصے تقسیم ہوئے ہیں۔ وہ اتنے ہیں کہ ہم بڑی آسانی سے عیش و آرام کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ میرے ذہن میں کچھ تجاویز پہلے سے تھیں اور میں مناسب موقع کی تلاش میں تھی۔''

''ہاں...... ہاں...... ناہید بتاؤ۔'' شہروز نے پر محبت لہجے میں کہا۔

''میں چاہتی ہوں کہ کارواں گروپ کا ہیڈ کوارٹر وہیں رہے جہاں مسٹر لیمپوآن اور میڈم کائی شائی ہوتی ہیں۔ اس کا سبب ہیڈ کوارٹر وہ بھوت بنگلا ہے جسے بھوت بنگلا کہنا ہی زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ مسٹر لیمپوآن نے اسے واقعی گھوسٹ ہاؤس بنا دیا ہے۔''

''آپ لوگوں کو اس پر کوئی اعتراض ہے؟''

''اعتراض نہیں بلکہ ہم آپ کو داد دینا چاہتے ہیں مسٹر لیمپوآن کہ آپ نے مجرموں کا ذہن چکرانے کے لیے ایک بہترین جگہ بنائی ہے۔''

''میں اور کائی شائی وہاں اور بھی بہت کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہم اسے ایک ایسا طلسم خانہ بنا دیں گے جہاں ہم کسی طاقتور سے طاقتور ذہن والے کو داخل کریں اور وہ وہاں باقاعدہ نفسیاتی مریض بن جائے۔ اس سے ہمیں بہت سے فائدے حاصل ہوں گے۔''

''آپ واقعی ایسا کر سکتے ہیں مسٹر لیمپوآن اور ہم سب اس کی اجازت دیتے ہیں آپ کو۔'' شیر جنگ نے کہا۔

''شکریہ۔'' ناہید کہنے لگی:

''تو میں یہ چاہتی ہوں کہ دونوں جگہوں کے علاوہ اس وقت ہم یعنی میں، شہروز اور دوسرے تمام ممبر اپنا اپنا گھر خرید سکیں چاہے وہ

فلیٹ کی شکل میں ہو چاہے مکان کی شکل میں، ہم اس میں اپنے طور پر رہائش اختیار کریں گے۔ اس طرح ہماری شخصیتیں مشکوک ہونے سے بچ جائیں گی۔ میں بزمی صاحب کے اخبار میں کام کرتی ہوں، بدستور کرتی رہوں گی۔ بزمی صاحب اخبار کی ایڈیٹر شپ کرتے ہیں، وہ بھی کرتے رہیں گے۔ شیر جنگ صاحب محکمہ پولیس میں اپنے فرائض سرانجام دیتے رہیں گے لیکن ہمارا یہ خفیہ گروپ اس طرح ایک دوسرے سے رابطہ رکھ سکے گا اور ہم اپنے اپنے طور پر کام کر سکیں گے۔ ہمارا اہم مقصد یہ ہو گا کہ ہم ایسے لوگوں کو بھی تلاش کریں جو ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ غیر قانونی سزائیں بھگت رہے ہیں۔ اس لیے کہ انہیں انصاف نہیں مل سکا۔"

"تمام باتیں نفیس اور عمدہ ہیں۔ میرے خیال سے ہر شخص اس کی تائید کرے گا۔"

"کیوں نہیں۔"

"ارے ماں قسم میرے کو الگ گھر نہیں چاہیے۔ میں تو ادھر ہی رہوں گا۔" قادر بخش نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور سب ہنس پڑے۔

"ہم سب ادھر ہی رہیں گے قادر بخش۔ میرا یہ مقصد نہیں ہے لیکن ہمارا اپنا بھی ایک ایک گھر ہونا چاہیے۔"

"خدا کی قسم...... جب گھر ہوتا ہے تو گھر والی کا بھی ضرورت پیش آتا ہے۔" قادر بخش نے کہا اور آواز دبا کر ہنسنے لگا۔ اس سنجیدہ ماحول میں اس کے ان الفاظ نے ایک مزاح کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ کچھ دیر تک یہ لوگ اس سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ پھر ناہید نے کہا:

"شیر جنگ صاحب پر ہمیں مکمل اعتماد ہے اور جیسا کہ مسٹر لیمپو آن نے کہا کہ انہوں نے کارواں گروپ کو ہیرے دیئے ہیں، ہم سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جتنے افراد ہم میں شامل ہو چکے ہیں۔ فی الحال ہم ان تک محدود رہیں سوائے نواز علی صاحب کے جن کی ہمیں شدید ضرورت تھی۔"

"اور پھر؟" شہروز نے سوال کیا۔

"نہیں میرا مقصد ہے کہ زبیر شاہ اور اس کی ٹیم کو بھی ہر شخص سے واقفیت حاصل ہونی چاہیے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم لوگ ہر وقت ایک دوسرے سے نہ ملیں اور کسی پبلک مقام پر ملیں تو ایک دوسرے کے لیے اجنبی رہیں۔"

"تجویز نمبر 2 بھی تسلیم کی گئی۔" لیمپو آن نے کہا۔

"تو پھر ایک تقریب کر لی جائے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے لیے گھوسٹ ہاؤس ہی مناسب رہے گا۔ اس تقریب میں سب ایک دوسرے سے متعارف ہو جائیں معہ زبیر شاہ کے۔"

"اور میں کچھ جوڑیاں بنانا چاہتا ہوں مثلاً اگر کسی سلسلے میں کسی سے تفتیش کی ضرورت پیش آئے تو شہروز اور ناہید ایک جوڑے کی حیثیت میں کام کریں گے۔ زبیر شاہ اور شازیہ ایک جوڑی کی حیثیت سے کام کریں گے۔ یہ طریقہ کار رہے گا۔"

"بالکل مناسب ہے...... بالکل مناسب ہے۔" یہ تمام تجاویز طے کر لی گئی تھیں پھر زبیر شاہ اور اس کی ٹیم کو گھوسٹ ہاؤس میں طلب کر لیا گیا۔ خاص طور سے شیر جنگ صاحب نے نواز علی صاحب سے ملاقات کی تھی جو درحقیقت ایک اچھی شخصیت کے مالک بہت ہی

شریف انسان تھے۔ شیر جنگ نے ان سے کہا:

"کہئے نواز علی صاحب کیسی چل رہی ہے آپ کی وکالت؟"

"ماشاءاللہ چنے کی دال گوشت پکا ہے۔ بیگم کا خیال تھا کہ آج گائے کے گوشت کے ساتھ زیادتی کر ہی ڈالی جائے لیکن ہم نے اسے بھی دال میں گھونٹ دیا ہے۔" شیر جنگ ہنسنے لگے پھر بولے:

"نہیں نواز علی صاحب اب ایسا کرتے ہیں کہ دال کی ہانڈی میں گوشت ہی ڈال دیتے ہیں۔"

"یار پتا ہے کیا حساب بک رہا ہے؟"

"ہاں پتا ہے۔ اب میں سنجیدگی سے آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں...... بولو......" اور شیر جنگ صاحب نے پوری تفصیل کارواں گروپ کے بارے میں نواز علی کو بتانا شروع کر دی کیونکہ اس کی اجازت ہیڈ کوارٹر سے مل گئی تھی۔ نواز علی صاحب بڑی حیرت اور دلچسپی سے یہ داستان سن رہے تھے۔ انہوں نے کہا:

"ہمارے ملک میں اس شہر میں ایسا کوئی گروپ موجود ہے؟"

"ہاں...... نواز علی صاحب اس کے روح رواں تین افراد ہیں۔ ان میں سے ایک ہم میں سے ہے۔ شہروز ہے اس کا نام۔ دوسرے دو ایسے افراد ہیں جن کے بارے میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ وہ شہروز کو کس طرح دستیاب ہوئے۔"

"اور یہ گروپ کام کر رہا ہے۔"

"نہ صرف کام کر رہا ہے بلکہ بہترین مالی حیثیت بھی اختیار کر چکا ہے۔ چونکہ ہم ایسے لوگوں سے اپنا معاوضہ وصول کرتے ہیں جو دولت کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ برائیوں کا شکار ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ان سے پچاس کروڑ مانگتا ہے تو ہم اپنا کام پانچ کروڑ میں چلا لیتے ہیں جو خوشی سے ادا کر دیا جاتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اچھا خاصا دولت مند گروپ ہے یہ۔"

"اور نواز علی صاحب گروپ کا مشترکہ فیصلہ ہے کہ آپ بھی اس میں شامل ہو جائیں۔"

"میں......" نواز علی صاحب پھر اچھل پڑے۔

"ہاں۔ آپ کو اس گروپ میں شامل کر لیا گیا ہے۔"

"کرنا کیا ہوگا مجھے؟"

"وہ قانونی نقاط جو ہماری سمجھ میں نہیں آئیں گے آپ انہیں حل کریں گے۔ اگر ہمارا کوئی کیس آپ کے ذریعہ عدالت تک پہنچا تو ہم سب کو الگ کر کے آپ وہ کیس لڑیں گے۔"

"یہ تو بری بات نہیں ہے لیکن کیا وہ لوگ مجھے قبول کریں گے؟"

''قبول کرلیا گیا ہے۔''

''ٹھیک ہے شیر جنگ تم زندگی بھر مجھ پر عنایتیں کرتے رہے ہو ایک یہ بھی صحیح۔'' گھوسٹ ہاؤس میں نواز علی صاحب کو بھی شامل کیا گیا۔ زبیر شاہ اور اس کی ٹیم پہلی بار کارواں گروپ کے تمام ممبران سے مل رہی تھی اور زبیر شاہ کی آنکھوں میں تشکر کے جذبات نظر آ رہے تھے۔ اس نے شیر جنگ سے کہا بھی تھا۔

''مجھے بہت بڑا اعتماد بخشا گیا ہے۔ جس کے لیے میں بے حد مشکور ہوں۔ مسٹر لیمپو آن، کائی شائی اور شہروز بڑی عظیم شخصیتیں ہیں۔ باقی تمام معاملات کے بارے میں بھی گفتگو کی گئی۔ نواز علی صاحب کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ اس گروپ میں خوش آمدید کہا گیا۔ اس طرح کچھ نئے معاملات طے ہو گئے لیکن بعد میں ایک دلچسپ صورتحال پیدا ہوئی۔ شازیہ اور زبیر شاہ کے بارے میں کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ ویسے زبیر شاہ بھی کھلی طبیعت کا مالک تھا اور ہنسنے بولنے کا شوقین شہروز ذرا دبی دبی حیثیت رکھتا تھا لیکن ناہید کے لیے اس کے دل میں بھی بہت بڑی جگہ ہو گئی تھی اور ناہید کے انداز سے بھی پتا چلتا تھا۔ اس دن انہوں نے ایک ہوٹل میں ملاقات کی اور یہاں دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے۔

''جی ناہید صاحبہ! لیمپو آن صاحب کے ان الفاظ پر مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ جب انہوں نے ہماری جوڑیاں بنائی تھیں۔ ویسے تو سنا ہے کہ جوڑیاں آسمانوں پر بنتی ہیں لیکن زمین پر بننے والی یہ جوڑیاں دیکھیں آگے چل کر کیا حیثیت اختیار کرتی ہیں۔ ویسے مس ناہید آپ کو یہ جوڑی پسند آئی ہے۔'' ناہید مسکرانے لگی پھر بولی:

''شہروز آپ بہت بند بند رہتے ہیں۔ مجھے آپ سے یہ شکایت ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''میرا مطلب ہے کہ ماضی کے کچھ واقعات اگر اب بھی آپ کے ذہن کو کچھ دیتے رہتے ہیں تو خدارا ان واقعات کو نظر انداز کر دیجیے۔ ہنسنے بولنے کی دنیا میں آئیے۔''

''بشرطیکہ آپ ساتھ ہوں۔''

''میں آپ کے ساتھ ہوں۔'' بہر حال اس کے بعد ان دونوں کے درمیان کافی یگانگت دیکھی گئی تھی۔ کارواں گروپ کی کاروائیاں کوئی بہت بڑی حیثیت تو نہیں رکھتی تھیں۔ موقع ملنے پر سب مل لیا کرتے تھے۔ البتہ جو نئے فیصلے ہوئے تھے ان کے تحت کام بے شک شروع ہو گیا تھا لیکن اس میں ایک بہت ہی دلچسپ صورت حال یہ پیدا ہوئی تھی کہ ناہید کو نواز علی بہت زیادہ پسند آ گئے تھے۔ دونوں کے درمیان ایک خاص انڈر سٹینڈنگ ہو گئی تھی یہاں تک کہ ناہید نے نواز علی سے فرمائش کر دی۔

''انکل اگر میں آپ کے ساتھ ہی رہوں تو کیا حرج ہے۔ ویسے بھی میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ آپ اور آنٹی اداس رہتے ہیں۔''

اصل میں نواز علی کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی۔ نواز علی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے کہا:

"بیٹا! بہت بڑی بات کہہ رہی ہیں آپ...... ہم بڑے بور لوگ ہیں جو ایک دوسرے میں الجھے رہتے ہیں۔"

"اب ہم ایک تیسرے میں الجھے رہنا چاہتے ہیں اور جہاں تک میں یہ سمجھتی ہوں کہ آپ یہ سوچیں کہ میں آپ پر بار بنوں گی تو آپ کو اندازہ ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"ایسی بات مت کرو بیٹی!" مسز نواز علی نے کہا۔ کسی کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا بلکہ شہروز نے ناہید کی اس پیشکش کو دل سے سراہا تھا۔

"میرا خیال ہے تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے۔" نواز علی اور بیگم نواز علی کا تو خوشی سے کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ ناہید نے شہروز سے کہا:

"شہروز اصل میں سچ بتاؤں تمہیں میں عورت تو رہی ہی نہیں تھی۔ نہ کوئی گھر نہ بار نہ کام بس ایک پریس رپورٹر کی حیثیت سے زندگی گزر رہی تھی۔ مجھے ایک گھر چاہئے تھا۔"

"وہ تو میں بھی تمہیں دوں گا۔"

"نہیں پلیز مذاق نہیں۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"

"اتنے اچھے لوگ ہیں یہ کہ بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" اور اس کے بعد ناہید نے جس طرح اس کے گھر کے انتظام کو سنبھالا تھا۔ نواز علی صاحب کہتے تھے کہ کارواں گروپ نے انہیں عزت، محبت اور سچی بات یہ ہے کہ مالی فراغت تو دی ہے لیکن سب سے بڑا انعام یہ ناہید ہے جو کہ انہیں ملی ہے۔ بہرحال ناہید نے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ اس نے نواز علی صاحب کا گھر بھی سنبھال لیا تھا۔ خاص طور سے شہروز کے لیے بھی ایک ایسا گھر ہو گیا تھا جہاں وہ محبت سے جاتا اور نواز علی صاحب اس کی بہترین پذیرائی کرتے۔

بہرحال یہ سارے معاملات چل رہے تھے۔ فی الحال ان کے پاس کوئی کیس نہیں تھا لیکن ان ساری باتوں کے ساتھ ساتھ زندگی کے اور معمولات بھی تھے جن کا تعلق انسان سے ہی ہوتا ہے اور یہ معمولات خاصی اہمیت کے حامل تھے۔ پھر شیر جنگ کے لگائے اس پودے سے پہلی کونپل پھوٹی اور ایک نئی کہانی کا آغاز ہو ہی گیا۔

نواز علی صاحب باقاعدہ وکالت کر رہے تھے۔ انہیں کورٹ بھی جانا پڑتا تھا اور اب اکثر ناہید سے کورٹ میں ان کی ملاقات ہو جاتی تھی۔ جو کبھی کبھی کسی واقعہ کی کوریج کرنے کے لیے کورٹ بھی آ جاتی تھی۔ شام کو تو اکثر ان کی ملاقاتیں ہوا ہی کرتی تھیں۔

بہرحال اس وقت ایک کیس چل رہا تھا اور نواز علی صاحب ایک ضمانت کے لیے عدالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کیس ایک نوجوان لڑکے کا چل رہا تھا۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر نواز علی صاحب کو نجانے کیوں ایک ہلکا سا جھٹکا لگا۔ اکیس بائیس سال کی عمر کا نوجوان لڑکا۔ جس کے چہرے پر اس قدر معصومیت تھی کہ یقین نہیں آتا تھا کہ وہ مجرم ہے۔ اس کے مخالف وکیل صاحب کہہ رہے تھے۔

"جناب والا بظاہر اس کیس میں کوئی ایسی الجھی ہوئی کہانی پوشیدہ نہیں ہے۔ مجرم نے جرم کیا ہے۔ اس کے خلاف ثبوت حاصل ہو گئے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مجرم کوئی تربیت یافتہ مجرم نہیں تھا۔ مجرم کے تصورات اس کوٹھی میں کام کرتے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔

جوان آدمی تھا۔ حالات اور شواہد کی روشنی میں زندگی کے ان اصولوں سے متاثر ہوا۔ جو انسانی فطرت کا حصہ ہوتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اپنی کوششوں میں ناکام رہ کر گھٹن کا شکار ہوا۔ اس گھٹن میں اس نے قتل جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب کیا اور اس کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ بھی ہاتھ لگے اسے کافی سمجھ کر فرار ہو جائے۔ ان کوششوں میں گرفتار ہوا اور اب عدالت کے سامنے پیش ہے۔ معزز افراد کی گواہیاں مکمل ہو چکی ہیں۔ چنانچہ مجرم کو سزا دی جائے جس کا وہ مرتکب ہے۔"

"وکیل صفائی کچھ کہنا چاہتے ہیں؟" جج صاحب نے وکیل صفائی کی طرف دیکھا اور وکیل صفائی نے اٹھ کر گردن خم کی۔ پھر بولا:

"نہیں جناب۔"

"فیصلے کے لیے عدالت اگلے مہینے کی ستائیس تاریخ مقرر کرتی ہے۔" مجسٹریٹ نے کہا اور عدالت برخاست ہو گئی۔ "نواز علی صاحب نے اس لڑکے کی آنکھوں میں دیکھا۔ انہیں یقین نہیں ہو رہا تھا کہ یہ لڑکا قتل جیسے جرم کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ مجرم کی آنکھ میں خون منجمد ہو جاتا ہے۔ شکل و صورت کیسی ہی ہو لیکن آنکھیں بتاتی ہیں کہ وہ عالم جنون میں کس حد تک جا سکتا ہے لیکن یہ لڑکا آنکھوں کی سرخی سے محروم تھا۔ سرخی الفاظ میں تو بیان کی جا سکتی ہے لیکن ثبوت نہیں تھی۔ ہاں یہ الگ کتاب تھی لیکن اس کتاب میں کوئی تحریر نہیں تھی اور نہ ہی یہ کسی مستند قانون دان کی لکھی ہوئی تھی۔ یہ تو کتاب فطرت تھی جسے صرف تصور کی آنکھ سے پڑھا جا سکتا ہے۔ جذبات کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ نواز علی کے دل میں ایک خلش سی پیدا ہو گئی تھی۔

لیکن بہرحال بے شمار معاملات ایسے ہوتے تھے جن کا تعلق اپنی ذات سے نہیں ہوتا اور متاثر ہونے کے باوجود ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ کمرہ عدالت سے باہر آ کر نواز علی صاحب بھی اس شخص کو بھول گئے اور اپنے معاملات میں مصروف ہو گئے۔ ایک کیس ہی کے سلسلے میں گئے تھے اور پیش کار سے کچھ کام تھا جس کی بناء پر عدالت کے ختم ہونے کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ ایک دوست نے کیفے میں چائے پینے کی پیشکش کی اور وہ کیفے کی جانب چل پڑے۔ کیفے کی دیوار کے ساتھ دو افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ سادہ لوح دیہاتی قسم کا مرد بہت افسردہ نظر آ رہا تھا اور عورت اپنے قریب رکھی ہوئی گٹھڑی کھول رہی تھی۔ علی نواز صاحب میز پر بیٹھے ہوئے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ ایک کھڑکی سی بنی ہوئی تھی اور وہ دونوں اس کھڑکی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی آوازیں بھی علی نواز کے کانوں میں پہنچ رہی تھیں۔ عورت کی آواز ابھری۔

"کھا لو...... شیر خان...... کھا لو...... پیٹ میں کچھ نہیں ہو گا تو چل پھر بھی نہیں سکو گے یہیں کسی سڑک پر گر کر مر جاؤ گے۔ یہ لو کھا پی لو۔"

"تم بھی تو کھاؤ رقیہ! تم کب سے بھوکی ہو؟"

"کیا کھاؤں...... دیکھا تھا۔" مرد کی آواز میں ایک عجیب سی لچک تھی۔

"بات نہیں کرنے دی ہمیں اس سے۔"

"ہاں...... پولیس والے بڑے سخت دل کے مالک ہوتے ہیں۔"

''ہم ذرا سی بات کر لیتے اپنی اولاد سے تو ان کا کیا بگڑ جاتا؟''

''سمجھتی نہیں ہو تم رقیہ! دنیا میں ہر کام کے لیے کچھ پیسے چاہئے ہوتے ہیں' ہمارے پاس بھی کچھ پیسے ہوتے ناں...... تو ہمیں بات کر لینے دی جاتی۔''

''یہ میرے پاس جو تھوڑے سے پیسے ہیں کیا ان سے بات ہو سکی تھی؟

''شاید مان جاتے...... اور شاید نہ بھی مانتے۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''کچھ اور سوچو...... شیر علی ہمارا بیٹا کیا ہم سے ہمیشہ کے لیے چھن جائے گا؟'' اس بار مرد نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ چند لمحات خاموشی رہی لیکن علی نواز صاحب پوری طرح ان کی طرف متوجہ تھے۔ ان کا دوست اتفاق سے کسی اور سے ملنے کے لیے اٹھ گیا تھا۔ وہ ان کی باتیں سننے لگا۔ شیر علی بولا:

''اب ان باتوں کو لے کر بیٹھ گئی۔ دکھا کیا ہے کھانے کے لئے؟''

''یہ روٹیاں ہیں۔ میں گلاس میں پانی لاتی ہوں یہ تھوڑی کھا لیتے ہیں۔ اگر نہیں کھائیں گے تو چلا بھی نہیں جائے گا۔''

''ہاں...... یہ تو ہے مگر رات اب کہاں گزاریں گے؟''

''بس جیسے کل گزاری تھی ویسے ہی گزار لیں گے۔ اسی درخت کے نیچے چلیں گے' وہاں کسی نے ہمیں روکا بھی نہیں تھا۔''

''بیٹھے بیٹھے سونے سے کمر اکڑ گئی ہے۔''

''تو کیا کریں؟ اپنے جمال خان کو کیسے بچائیں۔''

''ہم کیا بچائیں گے رقیہ' اللہ بچائے گا۔''

''یہ لوگ مجھے یوں لگ رہا ہے شیر علی جیسے یہ لوگ ہمارے جمال خان کو مار دیں گے۔''

''ہاں...... ایسا ہی لگتا ہے۔'' مرد کی رندھی ہوئی آواز ابھری۔

''تو پھر کیا کریں گے ہم لوگ؟''

''کچھ نہیں...... فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ رقیہ ہم بھی مر جائیں گے۔''

''ہائے بیچاری مشیرہ تو ایسے ہی بیٹھی رہ جائے گی۔ ٹھیکرے کی مانگ تھی کیا سوچے گا اس کا باپ کہ بیٹی کو کہاں پھنسا دیا۔''

''ارے پاگل ہو تم' کون کسی کے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں اس نے کس طرح اپنا رویہ بدل لیا اور برادری میں کیسے کھڑے ہو کر کہہ گیا۔ بھائی جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ اب اپنے حالات خود دیکھو کون کسی کا ساتھ دیتا ہے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ لے آدھی روٹی تو کھا لے۔''

''قسم کھاتی ہوں شیر علی مجھے بھوک نہیں لگ رہی۔''

"تو مجھ سے کیوں کہے جا رہی ہے۔"

"مجھے لگ رہا ہے کہ اگر تو نے روٹی نہ کھائی تو تم چل پھر بھی نہیں سکو گے۔"

"پاگل ہے تو...... جوان بیٹا زندگی اور موت کی کشمکش میں گرفتار ہے۔ میں تو اتنا چل سکتا ہوں رقیہ کہ اس کے لیے بڑے بڑے جوان بھی چلنے کا تصور نہ کر سکیں۔ میں چل لوں گا تو فکر مت کر۔"

"تمہیں میری قسم شیر علی کچھ روٹی تو کھا لو تھوڑی سی۔"

"کیا روٹی...... روٹی لگا رکھی ہے۔ کلیجہ چبا رہا ہوں اپنا...... روٹی کی گنجائش نہیں ہے۔"

"دیکھو! میں نے تمہیں اپنی قسم دی ہے۔"

"اچھا بابا...... جا۔ پانی لے آ...... بلا وجہ قسمیں دے دیتی ہے۔ ساری زندگی تیری قسمیں پوری کرتا رہوں گا۔ منع کروں گا تو کہے گی کہ بدل گیا ہے۔ پانی تو لے آ کم از کم۔ روٹی حلق سے اتارنا مشکل ہو جائے گا۔" عورت اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ نواز علی کا کلیجہ خون ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آ گئی تھی۔ گفتگو سے تھوڑے بہت حالات کا اندازہ ہو گیا تھا اور یہ احساس بھی دل میں گزرا تھا کہ وہ سادہ لوح اور معصوم سا نوجوان جسے قتل کا مجرم قرار دیا گیا ہے۔ شاید انہیں دونوں کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ نواز علی اپنی جگہ سے اٹھے تو ان کا دوست ان کے پاس آ گیا۔

"کہاں چلے؟"

"وہ ادھر تھوڑے فاصلے پر میری بھتیجی ایک کیس کی پیروی کر رہی ہے۔"

"ارے ہاں...... وہ ناہید۔" ان کے دوست نے کہا۔

"ہاں...... ذرا جا رہا ہوں اس کے پاس۔" ناہید سامنے سے آ رہی تھی۔ وہ باہر نکل آئے اور تھوڑے سے فاصلے پر کھڑے اس کا انتظار کرنے لگے۔ رقیہ نامی عورت اپنے سلور کے گلاس میں کہیں سے پانی لے آئی تھی اور وہ دونوں کھڑکی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ناہید ان کے پاس پہنچ گئی۔

"جی انکل اب بتائیے کیا پروگرام ہے؟ میں تو اپنا کام کر چکی ہوں۔"

"مگر مجھے ایک کام ہے۔ ناہید ذرا آگے آؤ......"

"خیریت کیا بات ہے؟" ناہید نے کہا اور علی نواز صاحب آہستہ آہستہ آگے بڑھ گئے۔ پھر وہ اس دیوار سے تھوڑا سا رخ بدل کر کھڑے ہو گئے۔ وہ دونوں روٹی کھانے میں مصروف تھے۔ انہوں نے ناہید سے کہا:

"ناہید! ذرا اس جوڑے کو دیکھو۔" ناہید نے ان دونوں پر نگاہ دوڑائی۔ عورت زبردستی عمر رسیدہ آدمی کے منہ میں باسی روٹی کے

''بڑا عجیب منظر ہے انکل۔ بڑا ہی عجیب منظر ہے مگر...... یہ......''

''میں بتاتا ہوں تمہیں۔'' علی نواز نے مختصر الفاظ میں ناہید کو ان دونوں کی گفتگو کے بارے میں بتایا اور ناہید جذباتی ہو گئی۔ پھر اس نے کہا:

''لعنت ہے اس زندگی پر انکل! جو ان لوگوں کے کام نہ آ سکے۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کی مشکل ہمارے علم میں آ گئی۔ اٹھائیے انہیں لے کر چلتے ہیں۔''

''جو کچھ یہ کر رہے ہیں انہیں کر لینے دو۔ اس کے بعد چلتے ہیں۔'' دونوں ساکت کھڑے رہے۔ مرد نے عورت کو بھی روٹی کا ایک ٹکڑا کھلایا۔ اس کی آنکھوں سے غم بہہ رہا تھا اور وہ اس قدر دل شکستہ نظر آ رہے تھے کہ ان کی آنکھوں کی ویرانی دیکھ کر دلوں کی دھڑکنیں بند ہو جائیں۔ پانی پینے کے بعد عورت نے گلاس اس گٹھڑی میں رکھا اور بولی:

''انھیں یہاں سے ہمارے بیٹے کو تو وہ لے گئے ہیں۔''

''ہاں...... اٹھو...... مولا جس حال میں بھی رکھے اس کی مرضی۔'' دونوں اپنی جگہ سے اٹھے تو ناہید آگے بڑھ کر ان کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے انہیں سلام کیا تو وہ دونوں حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔

''وعلیکم السلام بی بی جی! کوئی کام ہے؟''

''ہاں...... بابا جی ہمیں آپ سے بہت ضروری کام ہے۔''

''ہم سے؟'' مرد حیرت سے بولا۔

''ہاں...... بابا صاحب! یہ میرے انکل ہیں' یہ وکیل ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ ہی کام کرتی ہوں۔''

''جی بیٹا! پھر؟''

''آپ ہمیں تھوڑا سا وقت دیں گے بابا صاحب؟''

''وقت ہی وقت ہے بیٹا ہمارے پاس۔ جیسا تم کہو۔''

''تو آیئے ہمارے ساتھ۔''

''آ و رقیہ دیکھیں کیا بات ہے؟'' لیکن جب وہ آگے بڑھ کر ناہید کی خوبصورت کار کے پاس پہنچے تو جھجکنے لگے۔ ناہید نے یہ کار تھوڑے دن پہلے ہی خریدی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو سہمی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ مرد نے کہا:

''بیٹھ جا رقیہ...... بیٹھ جا جو بھی مولا کی مرضی۔''

''ہاں...... بیٹھ جایئے آپ لوگ۔ ہم آپ کو کسی ویرانے میں لے جا کر قتل نہیں کرنا چاہتے۔''

''یہ ہی میں بھی اس سے کہہ رہا تھا۔ کر دو گے تو اچھا ہی کر دو گے ہمارے ساتھ۔'' مرد نے کہا۔ علی نواز صاحب ناہید کے ساتھ

بیٹھ گئے اور ناہید نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ انہوں نے گھر کا رخ ہی کیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب گاڑی سے نیچے اترے تو مرد نے کہا:

''اب کہاں چلوں...... صاحب جی؟''

''آ جائیے بے فکر ہو کر آ جائیے آپ۔'' وہ ان دونوں کو اپنے گھر لے گئے۔ بے چارے بری طرح ہونق بنے ہوئے تھے۔

''آپ کا نام شیر علی ہے۔'' نواز علی صاحب بولے۔

''ہیں...... آپ نے پہلے تو نہیں بتایا تھا کہ آپ مجھے جانتے ہیں۔''

''پہلے نہیں جانتا تھا۔ بس جب یہ میری بھابھی رقیہ بیگم آپ کو شیر علی کہہ کر مخاطب کر رہی تھیں، میں اس وقت اندر ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے برابر ایک کھڑکی تھی جس میں سے میں آپ دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔''

''ارے واہ...... اچھا۔ ہاں...... یہ میری گھر والی رقیہ ہے اور میرا نام شیر علی ہے۔''

''شیر علی صاحب اگر میں آپ سے کہوں کہ میرے بھائی کی حیثیت سے آپ میری کچھ باتیں مان لیجیے۔ تو کیا آپ ایک بھائی کی پیشکش کو ٹھکرا دیں گے۔''

''بہت بڑی بات کر رہے ہو بھیا! یہ دیکھنے کے باوجود کہ ہم دونوں سڑک کے پتھر ہیں۔''

''یہ ہی آپ کی غلطی ہے کہ آپ اپنے آپ کو سڑک کا پتھر سمجھ رہے ہیں۔''

''وقت نے سمجھایا ہے...... بھیا...... وقت نے سمجھایا ہے۔'' شیر علی کی آواز لرز گئی۔

''اور اگر وقت آپ سے یہ کہہ رہا ہے کہ میں ایک شریف آدمی آپ کو اپنا بھائی اور ان کو اپنی بہن کا درجہ دے رہا ہوں تو کیا یہ غلط ہے۔'' شیر علی گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ بہر حال وہ لوگ ان کے ساتھ بہت ہی محبت بھرا برتاؤ کرتے رہے۔ بڑی ضد کر کے ناہید نے انہیں غسل وغیرہ کرایا، لباس دیئے اور پھر اس کے بعد ان کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لائی گئیں۔

''بھائی جان! ہم...... ہم...... ہم۔'' شیر علی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''تکلف نہ کریں، رقیہ بہن آپ سمجھائیے ہمارے بھائی کو۔'' رقیہ کی آنکھوں سے مسلسل آنسو ٹپک رہے تھے۔ لاکھ کوشش کرتی مگر آنسو رک نہیں پا رہے تھے۔ بہر حال بمشکل تمام ان دونوں کو تھوڑا بہت کھلایا پلایا گیا۔ شیر علی نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

''نجانے کیوں وکیل صاحب! دل میں ایک روشنی کی کرن پیدا ہوئی ہے۔ خدا کی قسم سمجھ نہیں پا رہا کہ روشنی کیسی ہے۔ شاید آپ کا محبت بھرا انداز دیکھ کر دل میں یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ دنیا میں ابھی محبت کا نام باقی ہے۔''

''یہ محبتیں ہم سب پر فرض ہوتی ہیں شیر علی بھائی اور ہمیں ایک دوسرے کو لوٹانی ہوتی ہیں۔''

''آپ ٹھیک تو کہتے ہو۔ مگر......''

”یہ کیا ہو رہا ہے رقیہ؟“

”خدا کے نیک بندے لگتے ہیں۔ ہمارے بارے میں پتا چل گیا ہوگا کہیں سے۔ انسان کو انسان پر رحم تو آتا ہی ہے ناں۔ کوئی اتنی اہم بات نہیں تم غلط نہ سوچو۔ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ ان کو اس کا صلہ ضرور دے گا۔“

”کاش ہم نے بھی کسی کے ساتھ کچھ کیا ہوتا تو ہم آج اللہ سے اس کا صلہ مانگتے۔“ شیر علی نے کہا اور اس کی آواز بند ھ گئی۔

”بس کرو۔ شیر علی ایسی باتیں نہ سوچو اللہ ہم سے غافل نہیں ہوگا۔ وہ ہماری ضرور سنے گا اور ہمارے برے دن کٹ جائیں گے۔“ تھوڑی دیر کے بعد یہ دونوں واپس آ گئے۔ نواز علی نے کہا:

”اب آپ ذرا ہمیں اپنے بارے میں تفصیل بتائیے۔ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ میں وکیل ہوں اور آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔“ شیر علی عجیب سی نگاہوں سے نواز علی کو دیکھتا رہا تھا۔ پھر کچھ دیر کے بعد وہ بولا:

”آپ کا نام کیا ہے صاحب جی؟“

”ہاں...... میرا نام نواز علی ہے اور میں ایک وکیل ہوں اور یہ میری بھتیجی ناہید ہے۔ یہ اخبار میں کام کرتی ہے۔“

”وکیل صاحب ہمیں نہیں معلوم...... اللہ ہی جانے کہ آپ کو ہمارے بارے میں کہاں سے پتا چل گیا۔ ہم بے سہارا لوگ ہیں۔ ہمارے پاس شہر میں کوئی سہارا نہیں ہے۔ وکیل صاحب ایک درخت کے نیچے بسیرا کرتے ہیں، رات بیٹھے گزری' تیسری بار شہر آئے ہیں۔ اس سے پہلے شہر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک مشکل میں پڑ گئے ہیں وکیل صاحب۔“

ایسا کرب' ایسا درد تھا اس آواز میں کہ دل سینے سے نکلا پڑ رہا تھا۔ کچھ لمحے کے بعد شیر علی نے پھر گلا صاف کر کے بولا:

”بڑی مشکلیں آ پڑی ہیں ہم پر وکیل صاحب...... دیکھیں اللہ ہمیں مشکلوں سے کب نکالتا ہے؟“

”کیا مشکل ہے آپ ہمیں بتائیے؟“

”وکیل صاحب ہماری بستی کا نام نور پور ہے۔ وکیل صاحب ہم نور پور میں رہتے ہیں آپ کو میرا نام تو معلوم ہی ہے۔ وہیں پیدا ہوئے' وہیں پلے بڑھے' وہیں زندگی گزاری۔ ایک چھوٹی سی دکان تھی ہماری' مڈل تک پڑھا ہوں' بس تھوڑی سی کتابوں میں شد بد ہو گئی ہے۔ دکان بہت چھوٹی سی تھی' اتنا ہی دے سکتی تھی کہ روٹی کھا لیں۔ اللہ نے بیٹا دیا تھا' اس کے بعد کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اپنے بیٹے جمال علی کو ہم نے جیسے بن پڑا' مڈل تک پڑھا لیا۔ چونکہ بستی میں مڈل تک ہی تعلیم ہوتی ہے۔ بیٹا بڑا ہو گیا تو ایک جاننے والے کی بیٹی سے اس کی منگنی کر دی اور اس کے بعد بیٹے کے دل میں یہ امنگ پیدا ہو گئی کہ کمائی کرے۔ ہمارے پاس کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا وکیل صاحب لیکن ہماری چھوٹی سی بستی میں نوکریاں بھی نہیں ملتیں' زیادہ سے زیادہ یہ کوئی کھیتوں میں کام کرے یا کسی کی بھینس پر نوکر ہو جائے لیکن جمال علی چاہتا تھا کہ کچھ بن کر مشیرہ کو بیاہ لائے۔ یہ اس کی آرزو تھی۔

بیٹے پر فیصلہ چھوڑ دیا تھا۔ اسے شہر میں آ کر نوکری کرنے کی سوجھی۔ ہم نے کبھی شہر نہیں دیکھا تھا۔ بستی والوں میں سے کچھ لڑکے

شہر آئے تھے ترقی کر گئے تھے۔ ہم نے سوچا کہ ہمارا کام بھی چل جائے گا۔ دل پر پتھر رکھ کر بیٹے کو شہر بھیج دیا اور دعائیں کرنے لگے اس کے لیے پھر اس نے ہمیں خط لکھا اور بتایا کہ اللہ نے اس کا کام کر دیا ہے۔ ابھی ایک گھر میں نوکری مل گئی ہے اور بارہ سو روپے تنخواہ ہو گئی ہے۔ گھر والوں نے کہا ہے کہ اگر اس نے ٹھیک سے کام کیا تو اس کی ترقی بھی ہو جائے گی۔ وکیل صاحب دکان کی آمدنی کچھ تھی نہیں۔ بس اللہ دال روٹی دے رہا تھا۔ ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنا رکھی تھی۔ کچھ مشکل تھی نہیں سوائے اس کے کہ ہم یہ سوچتے تھے کہ جمال علی کی شادی کر کے بہو کو کہاں رکھیں گے۔ حالانکہ رقیہ کہتی تھی کہ باہر تھوڑا چھپڑ ڈال لیں گے۔ ہمارا کیا ہے اس چھپڑ میں گزارا کر لیں گے۔ بہو بیٹے اندر رہیں گے اور ہم باہر مگر ہنستے تھے یہ کہتے تھے کہ بچے ہوں گے تو کیا ہو گا۔ ہر ماں باپ ایسی کہانیاں ایک دوسرے کو سناتے رہتے ہیں۔ وکیل صاحب ہم میاں بیوی بھی ان کہانیوں میں کھوئے ہوئے تھے اور ہمارا بیٹا یہاں کام کر رہا تھا۔ چھ بلکہ سات مہینے گزر گئے تھے...... پھر...... پھر رقیہ......"

"ہاں سات مہینے اس نے پیسے بھیجے تھے۔" رقیہ نے سسکی لے کر کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے مگر آٹھواں مہینہ نحوست کا مہینہ بن کر آیا وکیل صاحب اور اس کے بعد پیسے بھی بند ہو گئے اور خط بھی بند ہو گئے۔ ایک مہینہ گزرا دوسرا مہینہ جب تین مہینے گزر گئے تو رقیہ نے کہا کہ شیر علی کہیں جمال علی بھٹک تو نہیں گیا۔ اس نے ہم سے رشتہ تو نہیں توڑ لیا۔ کہیں شہر میں جا کر کسی جال میں تو نہیں پھنس گیا۔ میرے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہیں تھا وکیل صاحب سوائے اس کے کہ میں شہر آ کر پتا کروں۔

چنانچہ دکان بند کی اور شہر آ گیا۔ وکیل صاحب شہر تو ہم جیسے دیہاتیوں کے لیے وہ جگہ ہوتی ہے جہاں آ کر ہماری عقل کھو جاتی ہے پھر چودہ دن میں مجھے اس کوٹھی کا پتا چلا جہاں میرا جمال علی کام کرتا تھا اور پھر وہاں کے نوکروں نے مجھے ایک بری ہی کہانی سنائی۔ انہوں نے بتایا کہ جمال علی کوٹھی کے مالک کے قتل کے الزام میں گرفتار ہو گیا ہے اور وہ جیل میں ہے۔ وکیل صاحب حالات کے بارے میں اچانک ایسی خبر ملے تو دل پر جو گھونسہ پڑتا ہے وہ بتایا نہیں جا سکتا۔ میرے پیروں میں کھڑے ہونے کی ہمت نہیں رہی تھی زمین پر بیٹھ گیا سینہ پکڑ کر۔ نوکر کو رحم آ گیا تھا مجھ سے پوچھنے لگا...... کہ جمال علی سے میرا کیا تعلق ہے؟ میں نے اسے بتایا کہ میں اس کا باپ ہوں اور نور پور سے آیا ہوں تو ملازم نے مجھے تفصیل بتائی۔ اس نے بتایا کہ جمال علی نے رات کی تاریکیوں میں مالک کو چھرا مار کر ہلاک کر دیا اور سامان سمیٹ کر لے آیا۔ رات کی تاریکی میں چونکہ گیٹ پر پہرہ ہوتا ہے اور نکلنا بہت مشکل کام تھا۔ سامان اس نے اپنے پلنگ کے گدے کے نیچے چھپا دیا اور انتظار کرنے لگا کہ صبح ہوتے ہی یہاں سے نکل جائے مگر رات ہی میں اسے پکڑ لیا گیا اور اب وہ مالک کے قتل کے الزام میں جیل میں ہے۔

وکیل صاحب سب اپنے اپنوں کو بے قصور سمجھتے ہیں مگر میں آپ کو سچ بتا رہا ہوں میرے جمال علی میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ نہ وہ چور تھا نہ قاتل وہ کسی کو نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا تھا۔ قتل کرنا تو بہت دور کی بات ہے...... اس کے بعد میں نے اپنے بیٹے سے ملنے کی کوشش کی۔ جو مشکلیں مجھے پیش آئیں آپ یوں سمجھ لیجیے کہ میں آخری حد تک پہنچ گیا تھا۔ تب کہیں جا کر میری ملاقات میرے جمال علی سے ہوئی۔ جالیوں کے پیچھے جالیوں پر ہاتھ رکھے ہوئے مجھے دیکھ کر بلک بلک کر رو رہا تھا۔ اس نے اپنی ماں کی قسم کھائی کہ نہ میں نے چوری

کی ہے اور نہ میں نے قتل کیا ہے۔

ایک اکیلا بیٹا اپنی ماں کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ اس کے آنسو بتا رہے تھے کہ اس نے کچھ نہیں کیا مگر ہم اس کے لیے کیا کر سکتے تھے۔ میری تو سمجھ ہی ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

واپس بستی پہنچا۔ ہماری جو حالت ہوئی تھی اللہ بہتر جانتا ہے۔ رقیہ پر تو غشی طاری ہو گئی تھی لیکن غشی سے کام نہیں چلتا۔ بستی کے سیانوں سے مشورے کیے۔ مشیرہ کا باپ بھی آ گیا اور آتے ہی کمبخت نے آنکھیں بدل لیں۔ ارے برا وقت تو کسی پر بھی پڑ سکتا ہے۔ اللہ سے توبہ کی جائے، مدد مانگی جائے۔ بجائے اس کے کہ ہماری دلجوئی کرتا، ہم سے نفرت شروع کر دی۔ ہزار منہ ہزار باتیں، بعد میں مشورہ یہی دیا گیا کہ شہر جا کر وکیل کیا جائے اور جمال علی کا کیس لڑا جائے۔ ہم جیسے غریب لوگ وکیل صاحب اگر ایسی بیماری آ جائے جس پر خرچہ لاکھوں کا ہوتا ہے تو خاموش ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے لیے بیمار کو مردہ سمجھ لیتے ہیں کیونکہ ہم اس کا علاج نہیں کرا سکتے۔

ایک چھوٹی سی دکان تھی، ایک جھونپڑی تھی جس کی مالیت کچھ بھی نہیں تھی۔ وکیل کرنے کے لیے دکان بیچ دی اور ایک بار پھر شہر آ گئے۔ ایک وکیل صاحب کیس لڑنے کے لیے تیار ہو گئے، جو کچھ لائے تھے ان کے حوالے کر دیا مگر انہیں وہ بھی بہت کم لگا۔ پیروں میں پڑ کر ان سے کہا کہ وکیل صاحب ہم اپنے بیٹے کی قیمت یعنی زندگی کی قیمت تو ہم نہیں دے سکتے، دعائیں کریں گے، غلامی کریں گے ہم آپ کی، ہمارے بیٹے کو بچا لیں۔

بہر حال مقدمہ شروع ہو گیا اور اس کے بعد سے آج تک ہم اسی مقدمے کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہمارا بیٹا بے گناہ ہے مگر دنیا کہتی ہے کہ سب ایسا ہی کہتے ہیں۔ ہم نے اپنی بستی سے رشتہ توڑ دیا ہے، اپنی جھونپڑی بیچ دی ہے ہم نے، بس اب ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ بیٹا عدالت میں آتا ہے تو صورت دیکھ لیتے ہیں۔ بات کرنے کے لیے پیسے چاہئے ہوتے ہیں، ہمارے پاس اب پیسے نہیں ہیں۔ سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔"

"وہ وکیل صاحب کیا کہتے ہیں جو آپ کا کیس لڑ رہے ہیں؟" نواز علی نے پوچھا۔

"مسکرا کر خاموش ہو جاتے ہیں صاحب، کبھی کبھی تو ہم سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے۔"

"آج آپ کے بیٹے کی پیشی تھی عدالت میں؟"

"ہاں وکیل صاحب بڑا دبلا ہو گیا ہے حالانکہ بڑی اچھی جان بن گئی تھی بیچارے کی، کیوں رقیہ......"

"دکھ ہوا ہو گا تمہیں؟"

"ہاں، مر جائے تو صبر ہو جاتا ہے مگر زندہ مردوں کو تو دیکھ کر تو دکھ ہوتا ہی ہے۔" شیر علی نے کہا اور رقیہ کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ناہید نے آگے بڑھ کر کہا:

"نہیں آپ روئے نہیں...... انشاء اللہ تعالیٰ ہم آپ کے بیٹے کو عزت و احترام کے ساتھ آپ کے حوالے کر دیں گے۔"

ان لوگوں کو واقعی بڑی محبت اور احترام دیا گیا کہ اس سے بڑے ثواب کی بات کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک کمرے میں انہیں منتقل کر دیا گیا۔ ضرورت کی تمام چیزیں مہیا کر دی گئیں۔ دلاسے دیئے گئے اور آخر کار دوسرے دن معاملہ سپریم کونسل میں پیش کر دیا گیا۔

شہروز، لیپسو آن، کائی شائی، شیر جنگ، قادر بخش، ناہید، زبیر شاہ، شاز یہ سبھی لوگ موجود تھے۔ نواز علی نے اس سلسلے کی پوری تفصیل سنائی اور لیپسو آن نے اٹھ کر انہیں گلے لگا لیا۔

''ہماری زندگی کا جو مشن ادھورا رہ گیا تھا' اس طرح پورا ہوگا۔ ہم نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کائی شی انہیں بتاؤ جب بھی ہمارے دل میں نیک جذبے جاگے۔ ہم نے یہی سوچا کہ دولت تو آنی جانی چیز ہے۔ بس ضرورت پوری ہونی چاہئے لیکن سسکتی ہوئی انسانیت کے لیے کچھ کرنا زندگی میں سب سے زیادہ سکون حاصل کرنے کے مترادف ہے اور یہی ہماری مذہبی تعلیمات ہیں۔''

''تو پھر کیا پروگرام ہے مسٹر لیپسو آن؟''

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ کیس میرے اپنے حساب کے مطابق شہروز اور ناہید ڈیل کریں گے۔ یہ اس کیس کے انچارج ہیں۔ عدالتی کاروائی آپ سنبھالیں گے نواز علی صاحب۔ یہ دونوں نور پور جا کر ساری صورت حال معلوم کریں گے۔''

''ہم خوشی کے ساتھ تیار ہیں۔'' ناہید اور شہروز نے پر جوش لہجے میں کہا اور اس کے بعد یہ طے کیے جانے لگا کہ ابتداء کہاں سے کی جائے۔ سب سے پہلے ان وکیل صاحب سے اب تک کی کاروائیوں کی رپورٹ لینی تھی جو اس کیس پر کام کر رہے تھے۔ اسی شام ناہید اور شہروز نے شیر علی اور رقیہ بیگم سے ملاقات کی۔

''میرا نام شہروز ہے اور آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ہم اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔ نواز علی صاحب آپ فوراً ان وکیل صاحب سے رابطہ قائم کیجئے تاکہ اس کیس کی فائل ہمیں حاصل ہو جائے۔''

نواز علی نے وکیل احتشام صاحب سے رابطہ قائم کیا' جن کا ریکارڈ اچھا نہیں تھا۔ وہ بہت ہی مغرور اور بد دماغ آدمی تھے لیکن ایک وکیل نے جب ان سے یہ کیس واپس مانگا تو وہ ہنس کر بولے:

''محترم نواز علی صاحب کیا اب آپ نے یتیم خانہ کھول لیا ہے؟''

''مطلب کیا ہے آپ کا؟''

''ارے ان کنگلوں کے پاس کچھ بھی نہیں ہے' وقت ضائع کریں گے آپ کے حالات ویسے ہی خراب ہیں مم......''

''اسی لیے میں خراب حالات کے لوگوں کے ساتھ رابطہ قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ براہ کرم آپ اس کیس کی تفصیلی فائل مجھے دے دیجئے۔''

''قانونی طور پر تو ذرا مشکل ہے' ہاں دوستی کے طور پر آپ چاہیں تو......''

''جیسا آپ مناسب سمجھیں۔''

بہر حال فائل کی وہ نقل سامنے رکھ لی گئی اور ان میں درج تفصیلات پڑھی جانے لگیں' جو کچھ اس طرح سے تھیں کہ جمال علی نے ایک گھر کے ملازم کی حیثیت سے اس کوٹھی تک رسائی حاصل کی تھی۔ وہ خود ہی کوٹھی تک پہنچا تھا اور اتفاق سے جب وہ ملازم سے اپنی نوکری کی بات کر رہا تھا تو کوٹھی کی مالکہ نائلہ بیگم کسی کام سے آ گئی تھیں اور انہوں نے خود جمال علی کے بارے میں پوچھا تو ملازمین نے بتایا کہ بی بی جی یہ اس گھر میں نوکری کرنا چاہتا ہے۔ نائلہ بیگم نے اسے گھر میں بلا لیا اور اس سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر کے اسے اپنی کوٹھی میں ملازم کی حیثیت سے رکھ لیا تھا۔ ایک اور ملازم سے کہا تھا کہ اسے خالی کمرہ دے دے جو اس کے کوارٹروں میں خالی پڑا ہے۔ بس اس دن سے جمال علی نے اس گھر میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس گھر میں اور بھی کئی ملازم تھے۔

جمال علی کو صبح ڈیوٹی پر لگایا جاتا تھا جو ملازم غیر حاضر ہوتا تھا یا پھر کام نہیں کر پاتا تھا' جمال علی اس کی جگہ پر کام کرتا تھا۔ اس گھر کے مالک مرزا احسان بیگ ایک کاروباری آدمی تھے اور ان کی زیادہ مصروفیت اپنے کاروبار میں ہی رہا کرتی تھی جبکہ ان کی بیوی نائلہ گھر کے سارے معاملات سنبھالتی تھی۔ پتا چلا کہ مرزا احسان بیگ کی پہلی بیوی عظمیٰ کے ہاں بھی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ نائلہ سے مرزا احسان بیگ کی شادی کو چھ سال گزر چکے تھے اور ان چھ سالوں میں نائلہ کی بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی جبکہ مرزا احسان بیگ اولاد کا خواہش مند تھا۔ یہاں تک کہ مرزا احسان بیگ کو قتل کر دیا گیا اور قاتل جمال علی منظر عام پر آ گیا۔ بہت سی ایسی باتیں تھیں جو الجھی ہوئی تھیں اور جن پر غور کیا جا سکتا تھا۔

☆......☆......☆

معاملات بری طرح الجھے ہوئے تھے۔ یہ بات قابل غور تھی کہ نائلہ کی توجہ جمال علی پر کچھ ضرورت سے زیادہ تھی اور ملازموں کے کہنے کے مطابق جمال علی کا ہر طرح سے خیال رکھا جاتا تھا۔ کبھی کبھی نائلہ اس کے ساتھ باغ میں حوض کے کنارے بھی بیٹھی نظر آتی تھی اور وہ دونوں باتیں کرتے رہا کرتے تھے لیکن نائلہ علی نے جمال علی کی ایف آئی آر درج کرائی تھی اور اسے سزائے موت دینے کا مطالبہ کیا تھا۔

قتل کی مکمل واردات ہوئی تھی کہ جمال علی نے رات کی تاریکی میں مرزا احسان بیگ کا قتل کیا تھا۔ گھر سے قیمتی اشیاء جمع کیں اور صبح کا انتظار کرنے لگا کیونکہ چوکیدار صبح چھ بجے اپنی ڈیوٹی ختم کر دیتا تھا اور اس کے بعد گیٹ پر پھر بھی کبھی جمال علی کو کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ جمال علی اس سامان کے ساتھ اس لیے باہر نہیں نکلا کہ رات میں نکلتے ہوئے چوکیدار اس پر شبہ کرے گا۔ قتل کی خبر بھی صبح ہی کو ملی تھی چونکہ نائلہ جلدی اٹھنے کی عادی تھی اور اکثر باغ میں چہل قدمی کرتی تھی۔ اپنے آپ کو فٹ رکھنے کے لیے جوگنگ بھی کرتی تھی۔ کبھی کبھی مرزا احسان بیگ بھی اس کے ساتھ ہوتا تھا۔

وہ احسان بیگ کو جگانے اور اپنے ساتھ جوگنگ کے لیے لینے اس کے کمرے میں گئی تو اس نے اس کی خون میں لت پت لاش پڑی پائی۔ اس نے شور مچا دیا اور اس کے بعد ملازم خاص جس کا نام فیاض تھا' نے بتایا کہ رات کو اسے کچھ شبہ ہوا تھا کہ کوئی اندرونی کوٹھی سے بھاگتا ہوا نکلا ہے اور پھر کوارٹر میں جا گھسا ہے لیکن فیاض کچھ سمجھ نہیں پایا تھا پھر وہ نیند کی جھونک میں بھی تھا اس لیے کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا پھر جب ان لوگوں نے پولیس کو خبر کی اور فیاض اور دوسرے ملازم اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں جمال علی سوتا تھا تو جمال علی وہاں مل

گیا۔اس کے پلنگ کے گدے کے نیچے خون آلود چھری اور قیمتی زیورات' نوٹوں کی دو گڈیوں کے ساتھ مل گئے اور آخر کار پولیس نے اسے گرفتار کر لیا۔

فیاض کا بیان کچھ دوسرے بیانات اور یہ تمام چیزیں بہر حال جمال علی کے خلاف مکمل ثبوت مہیا کرتی تھیں لیکن جمال علی کا کہنا تھا کہ وہ بے گناہ ہے اور اپنے مالک کو قتل کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔عدالت کے سامنے جمال علی کا جو بیان ہوا تھا اس کی تفصیل بھی موجود تھی۔اس نے کہا تھا:

''صاحب جی مالک کا نمک کھانے کے بعد مالک کی نمک حرامی کے بارے میں ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے' ہم نے قتل نہیں کیا ہے۔بس اور کچھ نہیں کہیں گے ہم۔ہم تو پہلی بار نوکری کے لیے نکلے تھے پر اللہ کو جو بھی منظور ہو' ہم نے کسی کو بھی نہیں مارا ہے صاحب۔''

بس یہ جمال علی کا بیان تھا۔اس پر جرح بھی کی گئی تھی اور اس کے نتیجے میں کوئی موثر جواب نہیں دے سکا تھا۔یہ تمام تفصیلات پڑھ لی گئی تھیں اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے شہروز نے کہا:

''میں...... نہ جاسوس ہوں اور نہ کوئی پولیس آفیسر لیکن بہر حال یہ بات طے ہے کہ اس کیس میں بہت سے نوک دار پہلو نکلتے ہیں۔خاص توجہ نہیں دی گئی اس کیس پر۔مرزا احسان بیگ ایک اچھا کاروباری آدمی تھا اور اس کی بیوی نائلہ نے اس کی ایف آئی آر درج کرائی۔بہر حال حالات تو بے چارے جمال علی کو قاتل قرار دے رہے ہیں اب یہ بتاؤ آگے کیا کرنا ہے؟''

''میں سب سے پہلے جمال علی کا کیس اپنے ہاتھ میں لے کر اس کا وکالت نامہ پیش کر رہا ہوں لیکن باقی تمام صورت حال کا پتا تم دونوں کو لگانا ہے شہروز اور ناہید۔''

''آپ بالکل بے فکر رہیں' ہم بہت جلد تور پور روانہ ہو جائیں گے اور اس کی ساری تفصیلات کا پتا لگائیں گے۔''

''ٹھیک ہے یہ بات طے ہو گئی۔'' سپریم کونسل یعنی کارواں گروپ نے اس بارے میں ان لوگوں کو فری ہینڈ دے دیا تھا۔چنانچہ تیاریاں مکمل کرنے کے بعد کھانے پینے کی کچھ اشیاء پیک کرا کے یہ لوگ تور پور کے بارے میں تفصیلات معلوم کر کے چل پڑے تھے۔راستہ بہت خوبصورت تھا۔بل کھاتی ہوئی سڑک تاحد نگاہ پھیلی ہوئی تھی۔پہاڑی ٹیلے' کہیں کہیں درخت' راستے میں چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی پڑتی تھیں۔وہ ایک خوبصورت کار میں تھے۔جس حسین پوشی میں جاتے لوگ انہیں دیکھنے لگتے۔اس وقت بھی شہروز نے کار ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے روکی تھی۔دو چار برتن لیے وہ بوڑھا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔

''جی بابا جی بھوکے ہیں ہم لوگ کو کیا کھلا رہے ہیں آپ؟'' بوڑھا عجیب سے انداز میں ہنسنے لگا تھا۔

''بابو جی اس میں لوکی پکی ہوئی ہے' دوسرے میں چنے کی دال ہے۔بس یہ ہے دوپہر کا کھانا۔''

''اور روٹیاں نہیں ہیں؟''

''ہاں جی ہیں۔یہ کیا رکھی ہوئی ہیں۔'' بابا جی نے ایک میلے سے کپڑے میں ڈھکی ہوئی روٹیاں دکھاتے ہوئے کہا۔

"واہ یہ تو بڑی زبردست چیز ہے۔ چلیں باباجی ذرا کھانا گرم کر کے دیں۔" بہرحال بڑے مزے سے انہوں نے کھانا کھایا۔ شہروز ناہید کو بھی دیکھ رہا تھا۔ ناہید خود ایک مست مولا لڑکی تھی اور اس قسم کی تفریحات میں خوب دلچسپی لیتی تھی۔ بہرحال کھانا وغیرہ کھانے کے بعد بوڑھے کو خاصی رقم ادا کی گئی اور وہ بابوجی بابوجی کرتا رہ گیا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ جو کچھ اس نے دیا ہے وہ تو اس رقم کا بیسواں حصہ بھی نہیں ہے۔ رقم بہت زیادہ ہے لیکن یہ لوگ گاڑی بھگاتے وہاں سے آگے نکل گئے تھے اور آخرکار وہ نور پور پہنچ گئے۔

نور پور کے سب سے پہلے آدمی سے انہوں نے معلومات حاصل کیں۔

"بھائی یہ نور پور ہے نا؟"

"ہاں جی...... سلام جی۔"

"اچھا سلام جی، آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہے مجھے۔"

"ہاں جی پوچھو۔"

"شیر علی سے ملنا تھا، کیا آپ شیر علی کو جانتے ہیں؟"

"لو جی یہاں کون کسی کو نہیں جانتا مگر شیر علی اب یہاں کہاں رہتا ہے۔"

"یہاں اس کی دکان تھی نا۔"

"ہاں صاحب جی وہ یہاں سے چلا گیا ہے۔"

"کہاں چلا گیا ہے؟"

"بیٹے کی مصیبت جھیلنے۔"

"اور دکان کہاں ہے اس کی؟"

"بیچ دی تھی اس نے، دکان بھی بیچ دی اور جھونپڑی بھی بیچ دی بے چارے نے۔" اس شخص نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"مگر کیوں؟"

"اس کے بیٹے نے خون کر دیا تھا۔ اس پر مقدمہ چل رہا ہے۔"

"تم تو اس کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو۔"

"ہاں صاحب جی ہماری بیٹی کی تقدیر پھوٹی تھی اس کے ساتھ۔" اس شخص نے جواب دیا اور یہ دونوں بری طرح چونک پڑے۔ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ شخص وہ تھا جس کی بیٹی سے جمال خان کی منگنی ہوئی تھی۔

"ہوں...... تو وہ تم ہو۔" شہروز نے ناک مسوڑ کر کہا۔

"کون......"

''مجھے جانتے ہو؟''

''نہیں صاحب جی! پہلی بار دیکھا ہے۔''

''غور سے دیکھ لو۔ میرا تعلق خفیہ پولیس سے ہے۔''

''پپ پولیس......'' وہ گھبرا کر بولا۔

''سی آئی ڈی......''

''ارے باپ رے......صاحب جی ہم نے کیا...... کیا ہے۔ ارے باپ رے باپ' پیرو کو ایک بار سی آئی ڈی والے لے گئے تھے۔ بیس دن تک انہوں نے رکھا' آج تک سیدھی چال نہیں چل سکتا۔''

''بیس دن کے بعد تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔''

''ارے صاحب جی! ہم نے کیا کیا ہے؟''

''تمہاری بیٹی کی منگنی ہوئی تھی جمال خان سے؟''

''ہاں ہوئی تھی۔''

''پھر تم نے منگنی توڑ دی۔''

''تو اور کیا کرتے صاحب جی۔ کمائی کرنے گیا تھا شہر' خون خرابہ شروع کر دیا۔ آپ خود بتاؤ صاحب جی ایک خونی سے ہم اپنی بیٹی کی شادی کر دیتے۔''

''تھانے میں تمہارا نام بھی لکھا ہے؟''

''مگر کہاں؟''

''اور میں تمہیں گرفتار کرنے آیا ہوں۔''

قاسم خان کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

''صاحب جی! ہم تو بے گناہ ہیں ہم نے تو کوئی جرم بھی نہیں کیا۔''

''جرم تو ہے قاسم خان! تم شریف آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میری بات غور سے سنو۔ ہو سکتا ہے جمال خان نے یہ جرم نہ کیا ہو۔ اگر وہ مجرم نہیں ہے تو تمہیں منگنی توڑنے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ ہاں اگر وہ مجرم ثابت ہو جائے تو پھر تمہارا جو دل چاہے کرتے۔ مگر تم نے وقت سے پہلے ہی سب کچھ کر ڈالا۔'' قاسم خان سیدھا سادا دیہاتی تھا۔ سوچ میں ڈوب گیا پھر شہروز نے کہا:

''اچھا ایک بات بتایئے؟''

''ایک بات قاسم خان۔''

''جی سرکار......''

''سچے دل سے بتانا غلط بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا تمہارے خیال میں جمال خان کسی کو قتل کرسکتا ہے؟''

''خدا لگتی کہیں سرکار وہ ایسا نہیں تھا۔ یہیں پیدا ہوا' یہیں پلا بڑھا کبھی کوئی شکایت نہیں ملی اس کی اللہ جانے کیا ہو گیا۔ اس نے ایسا کام تو کبھی بھی نہیں کیا تھا۔''

''تمہیں یقین ہے؟''

''ہاں صاحب! اللہ کو منہ دکھانا ہے۔'' اس کے بعد بہت سے لوگ جمع ہو گئے جس نے بھی بات کی' یہی کی کہ جمال خان ایسا نوجوان نہیں تھا۔ شہروز نے کہا:

''دیکھو میں یہی تحقیقات کرنے آیا تھا۔ اعلیٰ افسران کی طرف سے مجھے حکم ہے کہ قاسم خان کو گرفتار کرلیا جائے کیونکہ اس نے ایک غلط قدم اٹھایا ہے لیکن تم ایک شریف آدمی ہو۔ میں تمہاری بس اتنی ہی مدد کرسکتا ہوں قاسم خان کہ خبردار اپنی لڑکی کے لیے کچھ اور مت سوچنا اس وقت تک جب تک جمال خان مجرم نہ ثابت ہو جائے اور اگر وہ مجرم نہیں ہوگا تو پھر تمہیں اپنی بیٹی کی شادی اسی سے کرنی ہوگی۔''

''غلطی ہو گئی ہے صاحب...... غلطی ہو گئی ہے۔ ہم جو کچھ بھی کریں گے اسی کے ساتھ کریں گے۔ بہت شرمندہ ہیں ہم اپنی بات پر۔'' قاسم خان نے کہا اور شہروز نے گردن ہلا دی۔ واپسی میں اس نے ناہید سے کہا:

''کیا کہتی ہو ناہید؟''

''بات ثابت ہو رہی ہے۔ بس محنت کرنی ہے ہمیں اس بات پر کہ اسے بے گناہ ثابت کرنے کے لیے باقی سارے معاملات پر کام کیا جائے۔'' شہروز پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا۔

☆......☆......☆

کارواں گروپ جس نیک نیتی کے ساتھ وجود میں آیا تھا' اسے اسی طرح تائید غیبی حاصل ہوتی جا رہی تھی اور صحیح معنوں میں وہ اپنے نام کی اصل تصویر بن گیا تھا۔ آغاز بڑے سادہ سے انداز میں ہوا تھا لیکن اس کے بعد جو صورت حال بنتی جا رہی تھی' وہ اپنی مثال آپ تھی۔ اگر اعلیٰ حکام کو اس کے بارے میں مکمل تفصیلات معلوم ہو جاتیں تو شاید اسے مکمل طور پر سرکاری تحفظ بھی حاصل ہو جاتا لیکن ان لوگوں کا اپنا ایک نقطہ نظر تھا۔

لیمپوآن ایک انتہائی تجربے کار انسان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کس طرح کسی بھی مسئلے کو مکمل طور سے صحیح معنوں میں تحفظ دیا جا سکتا ہے۔ دولت ہر شخص کی ضرورت ہوتی ہے اور جب تک انسان مالی طور پر مطمئن نہ ہو سیدھی اور سچی بات ہے کہ اس کے اندر وہ جذبے اور لگن پیدا نہیں ہو سکتی۔ باقی ساری باتیں قصے' کہانیوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بے شک محبت انسانیت ہی صحیح طور پر کام کرسکتی ہے۔ مگر انسانیت سے محبت اپنے آپ سے محبت بھی تو ہوتی ہے۔ جتنے لوگ کارواں گروپ میں شامل ہوئے تھے اب ان کے حالات ایسے تھے کہ وہ

خوشحال لوگوں میں تصور کئے جا سکتے تھے۔

ان کے پاس اپنے اپنے گھر تھے' اپنی اپنی گاڑیاں تھیں۔ مکمل طور پر انہیں مالی تحفظ حاصل تھا۔ اس کے علاوہ مختلف طریقہ کار بھی اختیار کئے گئے تھے جن سے ان کی ماہانہ آمدنی اور ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ مثلاً حاصل شدہ رقومات جوان کے درمیان تقسیم ہوئی تھیں' اس طرح مختلف کاروبار میں لگا دی گئیں کہ ان سے انہیں ماہانہ آمدنی حاصل ہوتی رہے۔ یہ کام اس لیے کیا گیا تھا کہ کسی بھی سلسلے میں کوئی چھوٹا موٹا کام بھی کرنا پڑے۔ جس میں انہیں کوئی مالی منافع نہ ہو تو ان کے ذہنوں میں یہ نہ آئے کہ اس کام سے ہمیں مالی منافع حاصل نہیں ہوا۔

تمام لوگ مخلص تھے اور اپنا اپنا کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے تھے۔ نواز علی' ناہید اور شہروز کو جو پورشن دیا گیا تھا وہ اس سلسلے میں کام کر رہے تھے۔ زبیر شاہ اور دوسرے افراد بھی اپنے اپنے طور پر مصروف تھے اور شہر ہی کے نہیں بلکہ ملک کے معاملات پر بھی نظر رکھی جا رہی تھی۔ وہ لوگ ہر قیمت پر اپنا مقام بنانا چاہتے تھے اور اس بات کے خواہش مند تھے کہ اگر سرکاری طور پر کبھی ان کا محاسبہ ہو جائے تو ایک بھی ایسا عمل نہ نکلے جو غیر سرکاری شمار کیا جا سکے۔

لیمپو آن نے اپنی دکان کھول رکھی تھی اور بڑی دیانت داری کے ساتھ وہ اپنا کاروبار جاری رکھے ہوئے تھے۔ اس دن جو شخص اس کے پاس آیا اس کی شخصیت ذرا متضاد حیثیت رکھتی تھی۔ لیمپو آن کی تجربے کار نظروں نے یہ اچھی طرح بھانپ لیا کہ یہ شخص ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو اس طرح کے دندان سازوں سے اپنا کام کراتے ہیں۔ اس کے ہاتھ کی بناوٹ' اس کے چہرے کی بناوٹ یہ ظاہر کرتی تھی کہ وہ کوئی اعلیٰ اور نفیس حیثیت کا مالک ہے لیکن وہ بڑے معمولی سے کپڑوں میں لیمپو آن کے پاس پہنچا تھا۔

''انگلش بول سکتے ہو؟''

''جی سر! تھوڑی تھوڑی۔'' لیمپو آن نے اپنی مخصوص ہنسی کے ساتھ کہا۔ کائی شائی اس وقت دکان میں موجود نہیں تھی۔

''اردو بھی جانتے ہو؟''

''تھوڑی تھوڑی۔''

''تم خود بھی اتنے ہی تھوڑے ہو دندان ساز۔ مجھے تم سے ایک بہت ہی اہم کام لینا ہے لیکن آج ابھی اور اسی وقت۔ تمہارے پاس کوئی بھی گاہک آئے تو تم کہہ سکتے ہو کہ تم بے حد مصروف ہو۔ کیا تمہارے پاس دانت بنانے والی لیبارٹری بھی ہے؟''

''جی سر! ہے۔''

''ویری گڈ...... ویری گڈ...... تو سنو...... تمہیں جو ضروری کام کرنا ہے اس کا معاوضہ تم مجھے بتاؤ۔ ویسے ایک دانت نکالنے اور نیا دانت لگانے کا تم کیا وصول کرتے ہو؟''

''جناب! کام سب سے پہلے...... معاوضہ بے شک ضروری ہوتا ہے، آپ جتنا دیں گے میں لے لوں گا۔''

''دس ہزار......''

''جی!'' لیمپو آن چوکنا ہو گا لیکن انتہائی چالاک آدمی تھا۔ اس نے اس طرح کا اظہار کیا کہ جس طرح دس ہزار کا سن کر اس کے ہوش وحواس درست ہو گئے ہوں۔ اس نے فوراً ہی اداکاری شروع کر دی۔

''جناب مذاق نہ کیجئے گا۔ میں غریب آدمی ہوں اور پیسہ کس کا ایمان خراب نہیں کر دیتا۔ آپ بہت بڑے آدمی ہیں صاحب! لیکن ہم غریب آدمیوں کا مذاق نہ اڑائیں تو اچھا ہے۔'' اس شخص نے فوراً ہی جیب میں ہاتھ ڈالا' پرس سے ہزار ہزار کے دس نوٹ نکالے اور لیمپو آن کے سامنے رکھ دیئے۔ لیمپو آن نے لرزتے ہاتھوں سے یہ نوٹ پکڑے۔ وہ بہترین اداکاری کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ دس ہزار روپے دیکھ کر اس کی جان نکلی جا رہی ہو۔ ویسے بھی جو حلیہ اس نے بنا رکھا تھا وہ بالکل ہی ایک غریب سے آدمی کا تھا۔ ایسے شخص کو اگر دس ہزار روپے مل جائیں' اس کی جو کیفیت ہونی چاہیے تھی' لیمپو آن اس وقت اسی کیفیت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس شخص نے کہا:

''کوئی اور آدمی نہیں ہے تمہارے پاس؟''

''نہیں جناب۔''

''بس میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم کسی اور گاہک کو پاس نہ آنے دینا۔''

''جناب بہت کم گاہک یہاں آتے ہیں۔'' لیمپو آن نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے دیکھو دوست! تمہیں میرے دانتوں میں سے ایک دانت کا انتخاب کرنا ہے۔ میرے سارے دانت مضبوط ہیں لیکن ان میں سے ایک دانت نکال کر اس کی جگہ مصنوعی دانت لگانا ہے۔ میرے پاس کوئی ایسا دانت نہیں ہے۔ تمہیں میرے دانتوں جیسا ایک دانت نکالنا ہے۔ بولو یہ کام کر سکو گے؟''

''جی صاحب! لیکن......''

''نہیں...... میری بات سنو...... مجھے وہ باتیں بتاؤ جن کی وجہ سے یہ کام ناممکن محسوس ہو۔''

''جناب آپ کے دانت مضبوط ہیں۔ ذرا بیٹھئے یہاں۔'' لیمپو آن نے خود کو سنبھال کر کہا۔ وہ شخص اس کرسی پر بیٹھ گیا۔ جو دندان سازوں کے پاس ہوتی ہے۔ لیمپو آن نے اس کا منہ کھلوا کر اس کے دانت دیکھے اور بولا:

''یہی میں کہہ رہا تھا کہ آپ کے دانت بہت مضبوط ہیں۔ اگر میں ان میں سے ایک دانت نکالوں گا تو آپ کے زخم بھی بنے گا اور اس پر دوسرا دانت فوری نہیں لگایا جا سکتا۔''

''دس ہزار روپے اسی کام کے دیئے ہیں میں نے تمہیں۔ وہ دانت فوراً لگانا ہے۔ اس دانت کے اندر ایک خول ہونا چاہئے۔ میں اس خول میں کچھ رکھوانا چاہتا ہوں۔ میرے پاس میری خاندانی وراثت کی ایک مائیکرو فلم ہے۔ اس وقت میرے خاندان کے دشمن میری تلاش میں ہیں وہ اس فلم کو مجھ سے چھین کر ضائع کر دینا چاہتے ہیں تا کہ میرے بزرگوں کی چھوڑی ہوئی جائیداد پر قبضہ جما سکیں۔ وہ مائیکرو فلم میں اس دانت میں رکھوا کر اپنے دانتوں میں لگوا لینا چاہتا ہوں تا کہ جب ضرورت پیش آئے تو میں وہ مائیکرو فلم عدالت میں پیش

کر سکوں۔'' لیمپو آن یہ باتیں سنتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور اس کا تجربہ بتاتا تھا کہ وہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے وہ جھوٹ ہے۔ آنکھیں اس کے الفاظ کی نفی کر رہی تھیں۔ لیمپو آن نے گردن ہلاتے ہوئے کہا:

''میں سمجھ گیا جناب۔''

''اور دانت تمہیں ایسا بنانا ہے کہ مائیکرو فلم اس میں محفوظ کر کے اس کو اس طرح اوپر سے سیل اَپ کر دیا جائے کہ کسی کو یہ اندازہ نہ ہو کہ اس کے اندر کوئی چیز موجود ہے۔''

''جناب عالی! پھر تو اس کام کے دس ہزار روپے بہت مناسب ہیں۔''

''نہیں پانچ ہزار اوپر سے بشرطیکہ تم میری ضرورت خوبی کے ساتھ پوری کر دو ابھی اور اسی وقت۔''

''ہو جائے گا جناب! لیکن اس زخم کا کیا کریں گے آپ۔''

''یار اپلین کلر دینا۔ میں ایک تندرست آدمی ہوں زخم دو تین دن میں بھر جائے گا۔''

''ٹھیک ہے، جناب! آپ بتایئے کہ کون سا دانت نکالوں۔''

''یہ تم پر منحصر ہے۔'' لیمپو آن نے ایک دانت کا انتخاب کر لیا اور اس کے بعد وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اس نے سب سے پہلے اس شخص کا ایک مضبوط دانت نکالا اور پھر اس میز کے پاس پہنچ گیا جہاں دانتوں کا ذخیرہ موجود ہوتا تھا۔ اس کلر کے ملتے جلتے دانت کو تلاش کرنا کوئی مشکل کام ثابت نہیں ہوا۔ اس نے اس کے درمیان خول کیا اور اس شخص سے کہا۔

''ذرا وہ مائیکرو فلم دیجیے گا......''

''میں اسے اپنے ہاتھ اسے اس دانت میں رکھوں گا۔''

''آپ کی مرضی ہے۔ میں صرف سائز دیکھنا چاہتا تھا۔'' اس شخص نے اپنے لباس سے ایک بہت ہی باریک رول نکالا اور لیمپو آن کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ دیکھو!'' اس نے اپنی ہتھیلی پر وہ رول رکھتے ہوئے کہا اور لیمپو آن اس کا جائزہ لینے لگا اور پھر بولا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ اسے رکھ لیجیے اپنے پاس...... میں اس میں خول کرتا ہوں۔'' اس شخص کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ جسے وہ بار بار تھوک رہا تھا اور بار بار پانی طلب کر رہا تھا۔ لیمپو آن نے ایک اسپرے اس کے خون نکلتے ہوئے زخم پر کیا اور کچھ لمحوں بعد خون بند ہو گیا۔

''تم چینی دندان ساز اپنے کام کے بڑے ماہر ہوتے ہو۔'' اس شخص نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''کوئی تکلیف ہو رہی ہے آپ کو۔''

''اب بالکل نہیں۔''

''کبھی نہیں ہوگی۔ میں جو دوا لکھ کر دے رہا ہوں آپ کو بلکہ اپنے پاس سے دوں گا۔ وہ آپ کو کبھی تکلیف نہیں ہونے دے گی۔''

وہ شخص مطمئن نظر آنے لگا۔ لیمپوآن نے دانت کا خول مناسب کیا اب اسے اپنی مہارت کا مظاہرہ کرنا تھا اور لیمپوآن نے اپنے ہاتھ میں خاص قسم کے دستانے پہنے جو ٹرانسپیرنٹ نہیں تھے۔ اس کے بعد جب دانت کا خول تیار ہو گیا تو اس نے اس شخص سے مائیکروفلم لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''میں اس میں خود مائیکروفلم رکھنا چاہتا ہوں۔''

''آپ کی مرضی ہے جناب!'' لیمپوآن نے کہا اور اس شخص نے اپنے نکالے ہوئے دانت کا اس دانت سے موازنہ کیا اور اس کے بعد وہ مائیکروفلم اس دانت کے خول کے اندر داخل کر دی اور پھر مسکرا کر بولا۔

''یہ ٹھیک ہے۔''

''اب کیا ایسے ہی لگا دیا جائے گا اس کو یا اسے بند بھی کرنا ہے......''

''اوہوں نہیں...... تم اسے بند کرلو۔'' آخر وہ شخص مار کھا گیا۔ لیمپوآن نے باقی کام بھی اس کے سامنے ہی کیا تھا لیکن اس کے فرشتے بھی یہ نہ دیکھ سکے کہ مائیکروفلم اس کے دستانے میں بنے ہوئے ایک چھوٹے سے پاکٹ میں پہنچ گئی اور اس کے بعد اس نے خاص قسم کی کوئی چیز نکال کر دانت کے اوپر حصے میں لگا دی اور اسے بند کرنے لگا پھر اس نے وہ دانت اس کے سامنے پیش کر دیا۔ وہ شخص خوش ہو کر بولا۔

''ویری گڈ...... تمہارے پاس یار میں نے تو آ کر بڑا صحیح کام کیا ہے۔ اگر کہیں اور کسی ایسے ویسے کے پاس چلا جاتا۔''

''آپ یقین کیجیے جناب! اب جب یہ دانت آپ کے دانتوں کے ساتھ لگ جائے گا تو کسی کا باپ بھی شناخت نہیں کر سکتا کہ یہ کوئی الگ مصنوعی دانت ہے۔''

''یہ ہی میں چاہتا ہوں۔'' اور لیمپوآن نے وہ دانت اس کے دوسرے دانتوں کے درمیان فٹ کر دیا پھر بولا۔

''دوا آپ میرے پاس سے لیں گے۔''

''کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا فوراً کھانی پڑے گی۔''

''نہیں...... بالکل نہیں۔ تین گھنٹے کے بعد...... آپ کو بالکل بھی درد نہیں ہوگا اور اگر ہو تو آپ یہ دوا کھا لیجیے گا۔''

''بالکل ٹھیک ہے اور یہ حسب وعدہ پانچ ہزار روپے اور لاؤ یہ میرا دانت مجھے دے دو۔'' لیمپوآن نے وہ دانت جو اس کے منہ سے نکالا تھا۔ ایک چھوٹی سی ڈبیا میں رکھ کر اس کے حوالے کر دیا۔ اس شخص نے مسکرا کر لیمپوآن سے ہاتھ ملایا اور پھر اس نے کہا۔

''اگر دوبارہ کبھی مجھے کوئی ضرورت پیش آئی تو تم ہی سے رجوع کروں گا۔''

''جی سر! بہت بہت شکریہ۔'' وہ شخص وہاں سے چلا گیا۔ لیمپوآن کی عقابی نگاہیں اس کا جائزہ لیتی رہی تھیں۔ یہ اندازہ بالکل درست نکلا کہ وہ اس حیثیت کا آدمی بالکل نہیں تھا۔ جس کا بن کر سامنے آیا تھا۔ کیونکہ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک شاندار

مرسیڈیز میں بیٹھا تھا اور پھر اسے ڈرائیو کرتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔ لیمپوآن کے لیے یہ ایک دلچسپ مشغلہ تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ یقینی طور پر کوئی پراسرار عمل سامنے آنے والا ہے۔ یہ مائیکروفلم کسی دستاویز کا حصہ نہیں تھی۔

بہرحال اس نے کائی شائی کو فون کیا اور بولا۔ ''ہیلو کائی شائی! گھر میں ہو۔''

''ہاں۔''

''اور کون کون ہے۔''

''بس قادر بخش ہے اور کوئی نہیں ہے۔''

''میں آرہا ہوں۔''

''خیریت۔''

''بس ذرا کچھ دن کے لیے دکان بند کرنی پڑے گی۔'' کائی شائی نے اس بارے میں مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد لیمپوآن ایک معمولی سے آٹو رکشا میں بیٹھ کر اس جگہ پہنچ گیا جہاں وہ رکشا سے اُترا کرتا تھا اور اس کے بعد پے در پے گلیاں طے کرتا ہوا اور وہ کارواں ہاؤس میں داخل ہو گیا۔ کائی شائی اور قادر بخش اس کا انتظار کر رہے تھے۔ کائی شائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''خیریت۔ یقیناً کوئی خاص بات ہے۔''

''بات تو خاص ہے۔ اگر خاص نکلتی ہے تو۔'' لیمپوآن نے کہا۔

''ارے ماں قسم آپ تو روز روز جوان ہوتا جارہا ہے۔ چن من خان۔''

''یار تو میرے نام بدلتا رہا کر۔''

''بابا آپ لوگ میری بات کا برا نہیں مانتا اس لیے میں نام بدل دیتا ہوں اگر برا مانو گے تو معافی مانگ لوں گا۔'' قادر بخش نے کہا اور لیمپوآن مسکرانے لگا۔ اس کے بعد وہ اپنی خاص تجربہ گاہ میں پہنچ گیا تھا۔ یہاں اس کے پاس طرح طرح کی مشینیں موجود تھیں۔ اس مائیکروفلم کو بڑی اسکرین پر دیکھنا کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ اس نے یہ مائیکروفلم ایک مائیکرو پروجیکٹر میں لگائی اور اس کے بعد کائی شائی اور وہ نگاہیں گھما کر بیٹھ گئے۔ اسکرین پر کچھ دیر تک کچھ ہندسے آتے رہے اور پھر اس کے بعد جو چیز اس پر نظر آئی اسے دیکھ کر لیمپوآن کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ یہ ایک اہم ترین سرکاری رازوں کے فائل تھے۔ جنہیں مائیکرو کیا گیا تھا۔ اس کا مطلب کہ وہ شخص کوئی غیر ملکی جاسوس تھا اور اس نے اہم رازوں کے فائل حاصل کیے تھے۔ جنہیں اس نے مائیکروفلم پر منتقل کر لیا تھا اور اس کے بعد یہ کام کر رہا تھا۔ وہ دیر تک یہ کاغذات دیکھتے رہے کائی شائی بھی کچھ مضطرب نظر آرہی تھی پھر اس نے کہا۔

''یہ سب کچھ کیا ہے۔'' جواب میں لیمپوآن سے تفصیلات بتانے لگا پھر کائی شائی نے کہا۔

''دکان بند کرنی پڑے گی لیمپوآن۔''

''بند کر دی بابا۔ میں نے ڈبل تالے لگا دیے ہیں۔ ہمیں جب بھی دکان سے بھاگنا پڑتا ہے، ہمارے پڑوسی یہ ہی سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے وطن گئے ہیں۔'' کائی شائی گردن ہلانے لگی پھر اس نے کہا۔

''اب کیا کرنا ہے۔''

''شیر جنگ کو فون۔'' اور اس کے بعد وہ فون پر شیر جنگ سے رابطہ قائم کرنے لگا۔

☆......☆......☆

''اس کیس میں جو کردار ملتے ہیں۔ ان میں مقتول کی پہلی بیوی نیرہ جہاں جو طلاق یافتہ ہے۔ دوسری بیوی نائلہ ایک گواہ ملازم یہ تین اہم کردار پہلی نوعیت کے حامل ہیں۔ تفتیشی رپورٹ میں مقتول کے کوائف بھی درج ہیں۔ نمبر ایک اس کی پہلی بیوی نیرہ جہاں جس سے اس وقت مرزا احسان بیگ کی شادی ہوئی تھی۔ جب وہ ایک معمولی آدمی تھا اور باہر سے آنے والے پرانے کپڑوں کا کام کرتا تھا۔ بارہ سال تک اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ نیرہ جہاں ایک اسکول ماسٹر کی بیٹی تھی۔ اس کے ماں باپ مر چکے ہیں اور صرف ایک بھائی اور بھاوج ہیں۔ جن کے پاس اب وہ رہتی ہے۔ اس نے دوسری شادی نہیں کی اور ایک اسکول میں نوکری کرتی ہے۔ دوسری بیوی نائلہ ایک سرکاری افسر کی بیٹی ہے اور یہ ایکسپورٹ بیورو میں کام کرتا ہے اور ابھی تک ڈیوٹی پر ہے۔ نائلہ ایک اسمارٹ اور پڑھی لکھی عورت ہے اور مرزا احسان بیگ سے کوئی اٹھارہ سال چھوٹی ہے۔ خوبصورت اور بھرپور جوان عورت ہے۔''

وہ ملازم جو خاصی اہم حیثیت کا مالک ہے اور نیرہ جہاں کے دور سے اس گھر میں ملازم ہے۔ گھر کی خوشحالی کا آغاز نیرہ کے دور سے ہی ہو گیا تھا۔ مرزا احسان بیگ کے بارے میں پولیس کا جو تفتیشی ریکارڈ ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنی محنت ہی سے سب کچھ بنایا پرانے کپڑوں کے کاروبار کے ساتھ اس نے کچھ سپلائی کے کچھ کام بھی کیے۔ کچھ سفارت خانوں وغیرہ سے فرنیچر وغیرہ کے ٹھیکے حاصل کیے اور اس کے بعد ایک فرم کی بنیاد ڈالی جس کا آغاز ایک چھوٹی سی عمارت سے ہوا تھا اور اب وہ فرم ایک شاندار عمارت میں منتقل ہو چکی ہے۔ اس کا کام اس کے منیجر سنبھالتے ہیں اور وہ نائلہ بیگ کو جوابدہ ہوتے ہیں، وہ ہی اس کام کی منیجنگ ڈائریکٹر ہے۔ یہ تفصیلی رپورٹ ہے جو اس فائل سے ہمیں حاصل ہوئی ہے۔''

''تمام ریکارڈ میں پولیس کی جو تفتیش ہے۔ نواز علی صاحب! اس میں آپ نے ایک خاص بات محسوس کی۔'' شہروز نے کہا۔

''ہاں...... اس کا تو میں تم سے پہلے ہی تذکرہ کر چکا ہوں۔''

''یعنی۔''

''اصل میں ملزم کی پوزیشن بالکل ہی معمولی سی تھی۔ وہ تو یہ بڑی بات ہے کہ اس کے ماں باپ نے جو بھی جمع پونجی تھی اسے بیچ کر مقدمے کی پیروی تو شروع کی لیکن وہ لوگ جیسے ہیں اس کا تمہیں بخوبی اندازہ ہے۔ بے چارے شہر تک سے واقف نہیں ہیں۔ ان کے معزز وکیل صاحب نے تو بس بھاگتے بھوگتے لنگوٹی پکڑی اور اس سلسلے میں کوئی کام وغیرہ نہیں کیا کیس بڑے سرسرے انداز میں ختم کیا گیا ہے

اور چالان پیش کردیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس کی گہرائی میں تفتیش کی جاتی تو شاید کچھ اچھے پوائنٹ حاصل ہو جاتے۔''

''میں آپ سے مکمل اتفاق کرتی ہوں۔'' ناہید نے کہا۔ شہروز نے کہا۔

''ناہید ہم اس کیس کی تفتیش اپنے انداز میں کریں گے۔ جیسا کہ بستی کے لوگوں سے معلومات حاصل ہوئی ہیں کہ یہ خاندان بد کردار نہیں تھا اور خصوصاً وہ لڑکا لوگوں کی نگاہوں میں بے قصور ہے اور اس قسم کا نہیں ہے۔ میرا خیال ہے نواز علی صاحب! ہم کام کا آغاز اس انداز میں کیے دیتے ہیں کہ پہلے جیل میں جمال خان سے ملاقات کی جائے اور وکالت نامہ وغیرہ سائن کرالیا جائے۔ ویسے ان کے وکیل صاحب کو تو کوئی خاص اعتراض نہیں ہوگا۔''

''تھوڑا بہت کام تو ہم لوگ کر ہی چکے ہیں۔ ویسے ان کا وکیل جو ہے ناں بس میں جانتا ہوں اسے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے اور ایک کام کرنا ہے تمہیں ناہید! یہ ایک پتہ ہے۔ یہ پتہ ہمیں حاصل ہوا۔ نیرہ بیگم کا ہے۔ پولیس نے بے شک تمام معاملات کی رپورٹیں تیار کی ہیں لیکن اب نئے سرے سے تفتیش ہوگی۔ یہ کام تمہارا ہے کہ تم اس سے ملو اور مکمل معلومات حاصل کرو۔''

''ٹھیک ہے۔'' ایک بار پھر علی نواز صاحب نے اپنے تعلقات سے کام لے کر جمال خان سے ملاقات کا انتظام کیا یہ ملاقات ایک الگ کمرے میں ہوئی اور علی نواز صاحب کی کوششوں سے جمال خان کو اس کمرے میں بلا لیا گیا جمال خان کی صحت کافی متاثر نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے۔ ہونٹ خشک تھے اور وہ ایک عجیب سی سہمی سہمی کیفیت کا شکار تھا۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ جمال خان! سب سے پہلے اس خیال کو ذہن سے نکال دو کہ تمہیں کسی طرح کی کوئی سزا ہوگی۔'' جمال خان نے چونک کر نواز علی صاحب کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

''صاحب مجھے تو موت کی سزا ہو چکی ہے۔ یہاں تو جو بھی مجھ سے ملتا ہے مجھے ایسی درد بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے کہ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری لاش اس کے سامنے پڑی ہو۔ ایک بے گناہ کی لاش دیکھ کر جس طرح لوگ افسردہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح لوگ مجھے دیکھ کر افسردہ ہو جاتے ہیں۔ صاحب آپ پہلے آدمی ہیں جو مجھ سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔ معاف کیجیے گا میں کیسے یہ خیال نظر انداز کر دوں۔ سچ سچ تو یہ ہی ہو رہا ہے کہ ایک بے گناہ کی گردن پھانسی کے پھندے میں پھنس گئی ہے۔ اب آپ اسے کیسے نکال سکیں گے۔''

''بہت دعائیں مانگی ہیں میں نے صاحب لیکن کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ہم اللہ کے گناہ گار بندے ہیں۔''

''ماں، باپ کو بھول گئے۔ جو دن رات تمہارے لیے دعائیں کر رہے ہیں۔'' جمال خان کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ نواز علی صاحب نے کہا۔ ''اب جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں تم مجھے بتاؤ۔ پوچھ لیجیے جناب آپ بھی یقیناً پوچھنے کا اختیار رکھتے ہوں گے۔ ورنہ یہاں مجھے آپ کے سامنے کیسے لایا جاتا۔''

''ٹھیک کہتے ہو تم۔ ہم تمہاری رہائی کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ بشرطیکہ تم واقعی بے گناہ ہو۔''

''صاحب ایک بات بتا دیجیے۔'' جمال خان نے کہا۔

''پوچھو۔''

''کیا بے گناہوں کے ثبوت آسمانوں سے اترتے ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر اللہ بے گناہوں کی مدد کرتا ہے۔ تو زمین سے توان ثبوتوں کا حصول ممکن نہیں ہے۔ آسمانوں ہی سے کچھ ہونا ہو تو ہو جائے۔''

''میں نے کہا ناں...... تم بہت باتیں کر رہے ہو۔''

''معافی چاہتے ہیں جناب۔''

''تم نے یہ قتل نہیں کیا۔''

''نہیں ہم نے یہ قتل کیا۔ ہم انسانوں کے لیے جان دے تو سکتے ہیں جان لینا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ ساری زندگی ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے کسی انسان کو نقصان پہنچے۔''

''ٹھیک ہے۔ اب ذرا تم مجھے اس کوٹھی کے حالات بتاؤ جہاں تم نوکری کرتے تھے۔''

''صاحب کیا حالات بتائیں بڑے صاحب جو قتل ہو گئے بڑے نیک اور شریف آدمی تھے۔ تختی ان کے مزاج میں بالکل بھی نہیں تھی۔ بال بچے بھی نہیں تھے۔ اس لیے بہت افسردہ رہتے تھے۔ بیگم صاحبہ گھر کی مالک تھیں جو حکم دیتی تھیں وہی ہوتا تھا اور صاحب گھر کے کسی معاملے میں کبھی نہیں بولتے تھے۔''

''دونوں کے درمیان لڑائی ہوتی تھی۔'' شہروز نے سوال کیا۔

''آپ یقین کریں جناب! گھر کے اندر بھی رہتے تھے ہم اور باہر بھی لڑائی اگر ہوتی بھی ہوگی تو ایسی کہ کسی کو معلوم نہ ہو۔''

''اب ایک بات کا جواب بڑی احتیاط سے دو۔ جمال خان...... نہ شرمانے کی ضرورت ہے اور نہ گھبرانے کی۔ یہ بات تو تمہیں معلوم ہے کہ بیگم صاحبہ کی عمر مرزا احسان بیگ سے بہت چھوٹی تھی۔ تم مجھے بیوقوف معلوم نہیں ہوتے۔ تمہاری باتیں مجھے بتاتی ہیں کہ ہم بے حد سمجھدار آدمی ہو۔ یہ بتاؤ بیگم صاحبہ کبھی تم پر مہربان ہوئیں۔'' جمال خان نے تلخ نگاہوں سے شہروز کو دیکھا اور بولا۔

''صاحب بہت مہربان ہیں وہ ہم پر اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ بدکار تھیں اور ہم ان سے کوئی ایسی بات...... تو ہم آپ کو پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ مالک ماں، باپ کی حیثیت رکھتے ہیں، ہماری بھی ماں ہیں بیگم صاحبہ بے شک وہ عمر میں ہم سے بہت چھوٹی تھیں، لیکن صاحب نہ انہوں نے کبھی ہمیں بری نگاہوں سے دیکھا اور نہ ہم نے انہیں۔ کبھی کبھی وہ مجھے اس بات پر چھیڑتی بھی تھیں کہ میں انہیں نگاہیں اٹھا کر نہیں دیکھتا۔''

''ایک ملازم ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم اکثر اس سے بیگم صاحبہ کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرتے رہتے تھے۔'' جمال خان نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر بولا۔

''صاحب جس طرح ہم آپ سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ ہم بے گناہ ہیں اور ہم نے اپنے مالک کو قتل نہیں کیا اسی طرح ہم آپ

سے یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ اسی طرح ہم نے اس بدبخت سے بیگم صاحبہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ ہاں وہ ہی ہمیں اکسا تا رہتا تھا کہتا تھا کہ جمال خان تم اپنے آپ کو نہیں سمجھتے بیگم صاحبہ کے دل میں تم بیٹھ گئے ہو۔ موقع سے فائدہ اُٹھاؤ۔ مالکن جوان ہے۔ تم پر جان دیتی ہے، وارے نیارے ہو جائیں گے تمہارے دولت لوٹو۔ مالکن کا جی خوش کرو۔ صاحب ایسے موقعے پر ہمارا ذہن تھوڑا بہت بھٹکتا ضرور تھا مگر ہم پھر استغفار پڑھتے تھے، کئی بار ہم نے فیاض کو ڈانٹا بھی تھا اور کہا تھا کہ ہمارے ساتھ فضول باتیں نہ کرے۔ ورنہ بیگم صاحبہ کو یہ تمام باتیں بتا دوں گا۔''

''ہوں! فیاض احمد نے بیان دیا ہے کہ بیگم صاحبہ نے تمہیں بہت سے اچھے اچھے جوڑے بھی سلوا کر دیے اور کبھی کبھی وہ یہ بھی کہتی تھیں کہ جمال خان یہ کپڑے پہن کر آؤ اور اس کے بعد وہ تمہیں دیکھتی رہتی تھیں۔''

''ہاں صاحب! ایسا اکثر ہوا ہے۔ مگر ہم نے اس پر کبھی غور نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے کوئی اور بات کی۔''

''گویا وہ یہ کہتی تھیں کہ یہ کپڑے پہن کر دکھاؤ۔''

''جی صاحب کہتی تھیں۔ ایک دفعہ ہم نے مونچھیں چھوڑ دیں تھیں اور ہماری مونچھیں کافی گھنی ہو گئی تھیں۔ تو بیگم صاحبہ نے کہا۔ جمال خان تم مونچھیں صاف کیے ہوئے ہی اچھے لگتے ہو۔ جاؤ انہیں کاٹ دو یہ اچھی نہیں لگ رہی ہیں۔''

''پھر تم نے کیا، کیا۔''

''مالکن کا حکم مانا صاحب۔''

''ہوں...... اچھا جمال خان ایک بات بتاؤ۔ تمہارے خیال میں کوئی اور ایسا آدمی ہو سکتا ہے جو مرزا احسان بیگ کو قتل کر دے۔''

''خدا قسم صاحب ہمیں نہیں معلوم۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ تم کبھی مرزا صاحب کی پہلی بیگم سے ملے ہو۔''

''جی صاحب! صاحب ہی نے ہمیں ایک دوبار بھیجا تھا۔''

''کیوں۔''

''کچھ سامان بھجوانا تھا لیکن بیگم صاحبہ نے نفرت سے وہ سامان واپس کر دیا تھا اور ڈانٹ کر ہمیں کہا تھا کہ آئندہ کبھی اِدھر مت آنا۔''

''کوئی کاغذ یا پرچہ وغیرہ بھی بھیجا تھا تمہارے ہاتھ مرزا صاحب نے۔''

''نہیں صاحب۔ بالکل نہیں۔''

''وہ سامان کیا ہوتا تھا۔''

''صاحب ایک دفعہ سوٹ کیس بھجوایا تھا۔ جس میں ہمیں نہیں معلوم کیا تھا ایک دفعہ براؤن رنگ کا ایک لفافہ بھجوایا تھا لیکن بیگم

صاحبہ نے اسے کھولے بغیر واپس بھجوا دیا تھا۔"

"ہاں کسی اور سے تمہاری ملاقات ہوئی۔" شہروز نے سوال کیا۔

"جی ہاں۔"

"کس سے۔"

"وہ بیگم صاحبہ کے بہنوئی صاحب تھے۔"

"ان سے کوئی بات ہوئی۔"

"نہیں صاحب، مگر اچھے آدمی تھے۔ ہم نے صرف ان سے بیگم صاحبہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ہمیں ان کے کمرے میں بھیج دیا۔ بس۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ لو یہاں دستخط کر دو۔ تمہیں دستخط کرنا آتے ہیں۔"

"جی صاحب آتے ہیں۔ مڈل پاس کیا ہے ہم نے۔"

"چلو ٹھیک ہے یہ تمہارے نئے وکیل صاحب ہیں۔"

"نئے وکیل۔"

"ہاں۔"

"معاف کیجیے گا صاحب! ہمارے پچھلے وکیل صاحب تو ہمارے لیے کچھ کر ہی نہیں رہے۔ نہ ہم سے کوئی بات کرتے ہیں بس شکل دکھاتے ہی اور چلے جاتے ہیں۔ صاحب آپ ہمیں بتائیں گے کہ آپ کو وکیل کس نے کیا ہے۔ ہمارا۔"

"تمہارے ماں، باپ نے۔"

"اماں اور بابا اس دن عدالت میں نظر آئے تھے کیا حالت ہو گئی تھی بے چاروں کی۔ صاحب پتا ہے آپ کو وہ بستی واپس چلے گئے ہیں کہ یہیں شہر ہی میں ہیں۔"

"ملنا چاہتے ہو ان سے۔"

"ہاں...... صاحب کون نہیں ملنا چاہتا۔"

"تھوڑا سا انتظار کر لو...... ابھی ان سے ملنا مناسب نہیں ہے۔ بہتر یہ ہی ہو گا کہ تم اس کیس سے چھٹکارا پا جاؤ۔ اطمینان سے ان کے ساتھ رہنا اور جہاں دل چاہے رہنا۔" جمال خان کی آنکھوں میں حسرت کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ مدھم سے مسکرایا اور بولا۔

"صاحب! خدا آپ کو سلامت رکھے۔ کم از کم گزنہیں گز جیسی بات تو کہہ دیتے ہیں۔ ہم بچ جائیں گے۔ آپ نے کہہ دیا آپ کا شکریہ مگر ہم بچیں گے نہیں صاحب! پتا نہیں کیوں دل کہتا ہے کہ کوئی سہارا نہیں ہے۔ غربت بہت بری چیز ہے صاحب۔"

''اطمینان رکھو۔ جمال خان! کیا اللہ پر بھروسہ نہیں رکھتے۔ مایوسی تو کفر ہوتی ہے۔'' واپسی میں نواز علی نے کہا۔ ''نہیں شہروز یہ لڑکا مجرم نہیں ہے۔ سچ بول رہا ہے تلخ ہو گیا ہے کیونکہ اسے اپنے سامنے کوئی سہارا نظر نہیں آتا۔'' شہروز گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اسے اپنا ماضی یاد آ گیا تھا۔ ایک خاندان تھا، بھرا پرا لیکن کتنے فاصلے سے دیکھتا تھا وہ اسے اب تو سب کچھ ہی ختم ہو گیا تھا یادیں بھی باقی نہیں رہی تھیں۔

''آپ کا خیال ہے کہ وہ قاتل نہیں ہے۔'' کچھ لمحوں بعد شہروز نے خود کو سنبھال کر کہا۔

''ہاں...... وہ قاتل نہیں ہے۔ لکھ لو اسے۔''

''نہیں لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کے تجربے کو کبھی چیلنج نہیں کروں گا۔''

''شکریہ...... شہروز...... لیکن ہمیں اصل قاتل کو تلاش کرنا ہے۔'' شہروز نے نگاہیں اُٹھا کر نواز علی کو دیکھا پھر بولا۔

''وہ انشاء اللہ میں آپ کو تلاش کر کے دوں گا۔'' شہروز کے لہجے میں ایک انوکھا عزم جھلک رہا تھا۔

☆......☆......☆

چوڑے چکلے بدن کا مالک شخص اس وقت ایک ہوٹل میں بیٹھا ہوا کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے لیمپو آن سے دانت بدلوایا تھا۔ اچھی خاصی پُررعب شخص کا مالک تھا اور جسمانی طور پر بھی خاصا تندرست و توانا تھا۔ وہ اپنے سامنے رکھے ہوئے مشروب کے گلاس سے چھوٹے چھوٹے سپ لے رہا تھا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دبلے پتلے بدن کا مالک ایک شخص ہوٹل میں داخل ہوا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔

''صبح بخیر جناب!'' اس نے کہا اور چوڑے چکلے بدن کے مالک شخص نے پُررعب انداز میں اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ حالانکہ یہ رات کا وقت تھا لیکن شاید یہ کوئی کوڈ ورڈ تھا۔ جسے آنے والے نے استعمال کیا تھا۔

''کیا پیو گے۔'' چوڑے چکلے بدن کے مالک شخص نے سوال کیا۔

''سر آپ کے حکم سے بیٹھ گیا ہوں۔ تا کہ دوسروں کو کوئی شبہ نہ ہو سکے۔ ورنہ میں تو ایک معمولی سا آدمی ہوں۔ گاڑی کا ڈرائیور۔''

''کیا کہلوایا گیا ہے۔''

''سر! آپ کو چلنا ہے۔''

''کہاں۔''

''بس! آپ یوں سمجھ لیجیے کہ میں آپ کو ایک مخصوص جگہ لے جاؤں گا۔ وہاں سے آپ کی ملاقات ان لوگوں سے ہو جائے گی۔''

''ٹھیک ...... میں بل دے کر آتا ہوں۔ تم باہر جاؤ۔''

''سر! کیا آپ گاڑی میں آئے ہیں۔''

''ہاں...... میری مرسڈیز باہر کھڑی ہوئی ہے۔''

"آپ اسے لاک رہنے دیں، باہر سیاہ رنگ کی سیڈان کھڑی ہے۔ میں اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ واپسی میں آپ اپنی گاڑی یہاں سے لے لیجیے گا۔"

"ٹھیک ہے جاؤ۔" چوڑے چکلے بدن کے مالک شخص نے کہا اور دبلا پتلا آدمی اٹھ کر باہر چلا گیا۔ کوئی ایک یا ڈیڑھ منٹ تک چوڑے چکلے بدن کا مالک شخص ادھر اُدھر نگاہیں دوڑا تا رہا اور اپنے مشروب کے سپ لیتا رہا پھر اس نے ویٹر کو اشارہ کیا اور ایک نوٹ اس کو دیتے ہوئے کہا۔

"باقی رقم تم رکھ لینا۔" ویٹر نے اسے بڑے ادب سے سلام کیا تھا اور وہ شخص اُٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔ ویٹر دروازے تک اسے دیکھتا رہا۔ مشروب کے سو روپے کے گلاس کے بدلے اس نے پانچ سو روپے کا نوٹ دیا تھا۔ گویا چار سو روپے کی ٹپ، ویٹر کی آنکھوں میں خوشی کی لہریں دوڑ گئیں اور وہ گردن جھکا کر برتن سمیٹنے لگا۔ ادھر چوڑے چکلے بدن کا مالک شخص پارکنگ لاٹ میں کالے رنگ کی سیڈان تلاش کرنے لگا۔ جو اس کو جلد ہی جلد نظر آ گئی۔ اس کی اپنی مرسڈیز پارکنگ لارٹ پر ہی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ سیڈان کی جانب بڑھ گیا۔ ڈرائیور نے جلدی سے اُتر کر پچھلا دروازہ کھولا تھا اور چوڑے چکلے بدن کا مالک شخص اندر بیٹھ گیا تھا پھر سیڈان اسٹارٹ ہو کر پارکنگ لارٹ سے باہر نکل آئی۔

"چوڑے چکلے بدن کا مالک آنکھیں بند کر کے کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ دفعتاً ہی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا اور اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ ڈرائیور اس وقت اپنا عمل دہرا رہا تھا۔ سیڈان کو آہستہ آہستہ آگے بڑھاتے ہوئے اس نے اپنے داہنے ہاتھ میں ایک عجیب و غریب پستول نما چیز پکڑی ہوئی تھی جس کی نال کوئی دو انچ چوڑی تھی۔ اس سے اس شخص نے فائر کیا تھا اور اس فائر کے نتیجے میں زرد رنگ کا ایک غبار چوڑے چکلے بدن کے مالک شخص کی ناک سے ٹکرا رہا تھا اور یہ ہی وہ احساس تھا جس نے ایک دم چونک کر آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن یہ احساس ایک لمحے بھی قائم نہ رہ سکا۔ دوسرے ہی لمحے اس کا چہرہ سینے پر آ ٹکا اور وہ آگے بڑھ کر ڈرائیونگ سیٹ سے ٹک گیا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ ڈرائیور آرام سے اپنی گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ پستول جس سے اس نے یہ غبار فائر کیا تھا۔ اس نے برابر کی سیٹ پر رکھ لی تھی۔ سیڈان سفر کرتی رہی اور کوئی پندرہ منٹ کے سفر کے بعد وہ ایک خاموش سی سنسان عمارت کے سامنے جا کر رکی۔ جس کا گیٹ بند تھا لیکن اس گیٹ پر چوکیدار موجود تھا۔ ڈرائیور نے ہارن بجایا تو چوکیدار نے جلدی سے گیٹ کھول دیا اور ڈرائیور گاڑی اندر لے کر چلا گیا۔ جیسے ہی وہ پورچ میں جا کر رکا۔ چار آدمی باہر نکل آئے اور انہوں نے پچھلا دروازہ کھول کر بے ہوش آدمی کو باہر نکال لیا۔ وہ اسے اٹھاتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ عمارت بالکل تاریک پڑی ہوئی تھی لیکن ایک بڑے سے کمرے میں روشنی تھی اور اس بڑے سے کمرے میں ایک موٹا قالین بچھا ہوا تھا۔ چھت پر پنکھے کی جگہ خالی تھی اور اس کی جگہ موٹے موٹے دو کنڈے لٹکے ہوئے تھے۔ جس میں رسی پڑی ہوئی تھی۔"

ان رسیوں کو مضبوطی سے ان کنڈوں میں باندھا گیا تھا اور نیچے ان کے پھندے بندھے ہوئے تھے۔ بے ہوش شخص کو زمین پر لٹا دیا گیا اور اس کے بعد رسیوں کے وہ پھندے اس کے پیروں میں کس دیے گئے۔ اس کام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اسے لانے

والوں نے اس کے لباس کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ اچھی خاصی کرنسی ایک ریوالور جس میں میگزین لگا ہوا تھا۔ کچھ فالتو کارتوس اس کی جیب سے برآمد ہوئے اور کوئی کاغذ وغیرہ اس کی جیب سے نہیں ملا تھا۔ ان تمام چیزوں کو انہوں نے قبضے میں لے لیا تھا اور اس کے بعد انہیں میں سے ایک نے دوسرے کو شارہ کیا۔ دوسرا واپسی کے لیے مڑ گیا تھا اور اس کا تعلق کسی دوسرے ملک سے معلوم ہوتا تھا۔ اندر داخل ہوا اور وہ سب مودب ہو گئے۔ اس نے قریب آ کر غور سے اس شخص کو دیکھا اور بولا۔

''ہاں...... اس کے لباس سے کچھ برآمد ہوا۔''

''نہیں سر! کوئی خاص چیز نہیں۔''

''ہوں۔'' وہ خاموش ہو گیا۔ چند ہی لمحوں کے بعد وہ شخص جو باہر گیا تھا واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک سرنج تھی۔ اس نے وہ انجکشن بے ہوش آدمی کے بازو میں لگا دیا اور کچھ ہی دیر بعد بے ہوش آدمی کے پپوٹے کھلنے اور بند ہونے لگے پھر وہ ہوش میں آ گیا اور اس نے اس ماحول کو دیکھا لیکن اسی وقت کسی مشینی ذریعے سے چھت میں لگے ہوئے کنڈوں میں بندھی ہوئی رسیوں کے سرے کھنچنا شروع ہوئے اور اس شخص کی ٹانگیں اُٹھتی چلی گئیں۔ جسے ابھی ابھی ہوش آیا تھا۔ وہ بوکھلائی ہوئی آوازیں منہ سے نکالنے لگا لیکن کچھ ہی لمحوں بعد وہ زمین سے کوئی چار فٹ اونچا اُلٹا لٹک رہا تھا۔ اس کے منہ سے ارے، ارے کی آوازیں نکلنے لگیں پھر اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ڈی فور، تمہارا اصل نام کچھ بھی ہے لیکن تمہارا کوڈ یہ ہی ہے کیوں میں نے غلط تو نہیں کہا۔'' چوڑے چکلے شخص نے جس کی ٹانگوں میں تکلیف ہو رہی تھی۔ اسے گھورا اور کہا۔

''تم کون ہو۔''

''میں اس کے سلسلے میں نہ پوچھو...... تم مجھے غصے میں یو این او کہہ سکتے ہو کیا سمجھے۔''

''کیا بدتمیزی ہے یہ...... مجھے نیچے اُتارو...... ورنہ تم مجھے نہیں جانتے ہیں تمہیں تہس نہس کر دوں گا۔'' جواب میں اس شخص کا قہقہہ گونجا پھر وہ بولا۔

''اصل میں میرے دوست! ہمیں وہ مائیکرو فلم چاہیے۔ جو تمہارے پاس موجود ہے۔''

''کیا بکواس ہے۔ کیسی مائیکرو فلم، تم کون ہو۔''

''ڈی فور، ہم تمہیں اسی جگہ ہلاک کر دیں گے اور تمہاری لاش انہیں کنڈوں میں لٹکی ہوئی پائی جائے گی۔ یہ عمارت ہماری نہیں ہے ہم نے اسے اپنے مقصد کے لیے صرف آج کی رات حاصل کیا ہے۔ کل کا دن تمہاری لاش یہاں لٹکی ہوئی ملے گی۔ صبح کو یہاں صفائی کرنے والے آتے ہیں وہ تمہیں کھول کر نیچے اُتار دیں گے۔ باقی تم جانو تمہارا کام۔''

''تم لوگ کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔ میں تمہیں بتا دیتا ہوں پتا نہیں تم کون سی مائیکرو فلم کی بات کر رہے ہو۔''

"ڈی فور...... پلیز ہم نہیں چاہتے کہ ہم تمہارے اوپر کوئی تشدد کریں۔"

"اگر تم لوگ یقین کر سکتے ہو تو کرلو۔ پتا نہیں تمہیں کیا غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تو ایک کاروباری آدمی ہوں، ملک سے باہر ہوتا ہوں۔ لندن میں میری پوری فیملی رہتی ہے میں کبھی کبھی یہاں اپنے دوستوں سے ملنے آجاتا ہوں۔ پچھلے کچھ دن پہلے میں لندن سے یہاں آیا ہوں۔ تم چاہو تو میرا پاسپورٹ وغیرہ میرے گھر چل کر دیکھ سکتے ہو۔ میں یہاں کرائے کے ایک گھر میں رہتا ہوں۔"

"اچھا مذاق کر رہے ہو۔ تم کرائے کے گھر میں نہیں رہتے میرے دوست بلکہ تمہارے پاس باقاعدہ یہاں ایک خوبصورت فلیٹ ہے۔ مرسیڈیز کار ہے۔ تمہارے بہت سارے دوست ہیں اور تم جو کچھ کرتے ہو۔ اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم بہت ذہین آدمی ہو۔ جو کچھ تم نے کیا ہے وہ ہمارے علم میں ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ تم وہ مائیکروفلم بیچنا چاہتے تھے وہ تمہیں پانے میں ناکام رہے۔ کیونکہ ان کے کسی آدمی کے پہنچنے سے پہلے ہم نے اپنے آدمی کو بھیج دیا اور تم اس کے ساتھ سیدھے چلے آئے۔ وہ لوگ بیچارے اب تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔ دیکھو ڈی فور...... ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ مائیکروفلم ہمارے حوالے کر دو۔ ہاں اگر تم اس کا کچھ معاوضہ چاہتے ہو تو ضرور بتاؤ...... لیکن زیادہ رقم نہیں دے سکتے ہم لیکن تھوڑی بہت رقم تمہیں دی جا سکتی ہے۔"

"دیکھو...... سب کچھ غلط فہمی۔"

"شروع ہو جاؤ...... بیٹھو...... اس شخص نے ڈی فور کا جملہ درمیان سے کاٹ لیا اور ان میں سے ایک شخص نے لمبا ہنٹر جسے وہ ہاتھ میں لیے ہوئے تھا کھول لیا۔"

"دیکھو میرے ساتھ یہ سلوک مت کرو...... اپنی غلط فہمی دور کرلو...... مجھے قید رہنے دو میرے بارے میں جس طرح معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو کرلو میں نہ کسی مائیکروفلم کے بارے میں جانتا ہوں نہ کوئی ایسی بات ہے جو میرے پاس محفوظ ہو۔" اس کے بعد اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی۔ کیونکہ چابک اس کے جسم پر پوری قوت سے پڑا تھا۔

"ہاں...... بولو۔" جواب میں ڈی فور نے آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن دوسرے ہنٹر نے اسے پھر آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔

"کاش میں اپنی جان بچا سکتا۔ میں اس اذیت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ تم چاہے مجھے مار مار کر ہلاک کر دو جس چیز کے بارے میں مجھے معلوم نہیں ہے۔ میں اس کی کیا نشاندہی کروں میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ معلومات حاصل کرلو میں اگر مجرم ثابت ہو جاؤں تو سیدھے سیدھے مجھے گولی مار دینا کیا سمجھے۔" جواب میں ایک اور چابک پر اس کے حلق سے چیخ نکل رہی تھی۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ البتہ کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی کے چہرے پر اب پریشانی کی لکیریں نمودار ہونے لگی تھیں۔

"کہیں تم کسی غلط آدمی کو تو نہیں پکڑ لائے۔ اتنی اذیتیں برداشت کرنے والا لگتا نہیں ہے، یہ آدمی مجھے ضرور کہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"باس ہمیں اسی کے بارے میں نشاندہی کی گئی تھی۔ غلط فہمی کی گنجائش تو نہیں ہے۔"

''پھر کیا کرو گے بولو۔''

''ہم نے اس کی رہائش گاہ کی بھی تلاشی لے لی ہے۔ ہر ایک چیز چھان لی گئی ہے لیکن کسی مائیکرو فلم کا وجود نہیں ملتا۔'' کرسی پر بیٹھا ہوا شخص سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔ ''نہیں میرا تجربہ یہی کہتا ہے کہ یہ غلط آدمی ہے۔ وجہ چاہے کچھ ہی ہو لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔'' باقی لوگ خاموش ہو گئے تھے پھر اس شخص نے کہا۔

''چلو چھوڑو۔ ہمیں دوسرے ذرائع اختیار کرنا ہوں گے۔ کوئی نشان تو نہیں چھوڑا ہے تم نے یہاں۔''

''نہیں سر۔''

''چلو نکلو یہاں سے۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل آیا۔ باہر دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ جن میں وہ دونوں بیٹھے اور اس کے بعد گاڑیاں گیٹ سے باہر نکل گئیں۔ گیٹ کو اس نے باہر سے ہی بند کر دیا تھا۔ کمرے میں لٹکا ہوا آدمی در حقیقت بے ہوش ہی ہو گیا تھا پھر رات آہستہ آہستہ بیتتی رہی۔ صبح کوئی ساڑھے چھ بجے کا وقت تھا، جب ایک عورت اور ایک مرد کوٹھی کے دروازے پر پہنچے۔ یہ دونوں ملازم ٹائپ کے لوگ معلوم ہوتے تھے۔ مرد نے گیٹ کو ہاتھ لگایا اور ایک دم چونک کر بولا۔

''اسے...... یہ کھلا کیسے ہوا۔''

''کھلا ہوا ہے۔''

''ہاں۔''

''مگر چھوٹے گیٹ میں تو تالا لگا ہوا ہے۔''

''یہی تو میں حیران ہوں۔'' اور اس کے بعد انہوں نے گیٹ کھول کر اندر دیکھا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ کالی سیڈان یا کسی اور گاڑی کا اب وہاں کوئی نام و نشان نہیں تھا مرد نے گیٹ اندر سے کھولا اور بولا۔

''آؤ...... دیکھو...... اللہ خیر کرے کہیں کوئی چور وغیرہ تو نہیں گھس آیا۔''

''لو...... چور یہاں گھس کر تو شرمندہ ہی ہوگا۔ گھر میں فرنیچر کے علاوہ رکھا ہی کیا ہے۔''

''زیادہ باتیں نہ بنایا کر چل اندر چل کہیں فرنیچر ہی غائب نہ ہو گیا پھر اگر ایسا ہو گیا تو مالک کو جواب دینا پڑے گا۔'' وہ اندر داخل ہوئے اور ایک ایک کمرے کا جائزہ لینے لگے لیکن کچھ بھی نہیں تھا البتہ جب وہ ایک کمرے کے دروازے پر پہنچے تو انہیں ایک آواز سنائی دی۔

''کتے کے بچو! مجھے کھول دو...... خدا تمہیں غارت کرے۔'' مرد اور عورت ڈر کر بری طرح پیچھے ہٹ گئے تھے۔

''یہ...... یہ...... یہ کیا ہے۔''

''میں دیکھتا ہوں۔'' مرد نے کہا اور ہمت کر کے اندر جھانکا۔ اسے الٹا لٹکا ہوا آدمی نظر آ گیا تھا۔ ''ارے باپ رے۔''

''کیا ہے۔''

”الٹا۔“

”کیا بکواس کر رہا ہے۔“

”قسم اللہ کی وہ دیکھو الٹا لٹکا ہوا ہے۔“

”کون۔“

”تیرا باپ۔“ مرد نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا اور عورت اپنے باپ کو اندر جھانکنے لگی پھر اس کے حلق سے بھی ایک چیخ نکل گئی تھی۔

”ہائے میری میا...... یہ کیا کر رہا ہے یہاں۔“ اندر سے ڈی فور کی آواز سنائی دی۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔

”کتے کے بچو! مجھے کھولو۔“ دونوں کتے کے بچے اچھل پڑے تھے پھر مرد ہی نے ہمت کی اور اندر داخل ہو کر بولا۔

”اے...... تو یہاں کیا کر رہا ہے۔“ ڈی فور نے خونی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ جائزہ لینا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے اندازہ ہو گیا کہ ملازم ٹائپ کا کوئی آدمی ہے۔ اس نے اپنے دماغ پر قابو کیا اور بولا۔

”مجھے میرے کچھ دشمنوں نے یہاں اُلٹا لٹکا دیا ہے۔ تمہاری مہربانی ہوگی مجھے کھول دو۔“

”مگر تو ہے کون بھائی۔“

”دیکھو...... میں تمہیں بہت سا انعام دوں گا۔ تم مجھے جس طرح بھی ممکن ہو سکے کھول دو۔“

”اچھا...... ایک منٹ۔“ مرد نے کہا اور ان رسیوں کو دیکھنے لگا۔ جس سے وہ بندھا ہوا تھا پھر ادھر اُدھر دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے اپنی جیب سے ماچس نکالی اور اس سے جلا کر رسی سے لگا دیا۔ دروازہ بند کر دیا تھا اور کسی طرف سے ہوا نہیں آ رہی تھی پھر وہ ماچس کی تیلیاں جلاتا رہا اور رسی جلتی رہی۔ ایک طرف کی رسی ٹوٹ گئی تھی۔ اس نے دوسری طرف کی رسی کو جلانا شروع کر دیا۔ ڈی فور کا ایک پاؤں زمین سے آ لگا تھا۔ وہ رسی کے جلنے کا انتظار کر رہا تھا اور جب رسی جل گئی تو وہ دھڑام سے نیچے آ گرا لیکن پھر فوراً اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ بیٹھ کر پیروں کو مسلنے لگا۔ صفائی کرنے والے دونوں تو گرا سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ جب اس کے پیروں کی کیفیت بحال ہوئی تو ایک بار پھر وہ اُٹھ کھڑا ہوا صفائی کرنے والے نے معصومیت سے پوچھا۔

”صاحب جی! بس ایک بات بتا دو ہمیں آپ کیا کر رہے تھے۔“ جواب میں ڈی فور کا زوردار گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا اور وہ اچھل کر کئی قدم دور جا گرا ڈی فور دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

درمیانے درجے کی عمارت تھی۔ جس میں چھوٹے چھوٹے دو کمروں کے فلیٹ بنے ہوئے تھے۔ عمارت کافی گندی تھی۔ احاطے میں داخل ہوتے ہی گندگی کا سامنا کرنا پڑا لیکن ناہید پریس رپورٹر تھی۔ نجانے کیسے کیسے حالات سے گزرنا پڑتا تھا اسے وہ آخر کار سیڑھیاں

چڑھتی ہوئی مطلوبہ فلیٹ پر پہنچ گئی۔شام کے تقریباً ساڑھے پانچ بجے تھے۔مطلوبہ فلیٹ کے دروازے پر گھنٹی لگی ہوئی تھی جس کا بٹن ٹوٹا ہوا تھا۔اس نے اس ٹوٹے ہوئے بٹن میں انگلیاں داخل کرنا مناسب نہیں سمجھا اور دروازہ بجانے لگی۔دروازہ فوراً ہی کھل گیا تھا اور ایک عورت نے کھولا تھا۔

''میں نیرہ بیگم سے ملنا چاہتی ہوں۔'' ناہید نے عورت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آیئے اندر آجایئے۔'' عورت نے ناہید کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر پیچھے ہٹ گئی پھر اس نے آواز دی۔

''نیرہ...... دیکھو ایک بی بی تم سے ملنے آئی ہیں۔'' فلیٹ کے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک دبلی پتلی سی دراز قدامت عورت نے اجنبی نگاہوں سے ناہید کو دیکھا پھر مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''آیئے...... اندر آجایئے۔'' ناہید نے اس کا جائزہ لیا۔سادہ سی شکل صورت کی مالک تھی۔چہرے پر تلخیاں چھپی ہوئی تھیں۔کشادہ پیشانی اس بات کی دلالت کرتی تھی کہ فراخدل ہے۔کسی دور میں خوش اخلاق اور خوبصورت بھی ہوگی۔

''آیئے...... بیٹھئے...... میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔کیا آپ میرے اسکول میں داخل کسی بچے کی عزیزہ ہیں۔معافی چاہتی ہوں اگر آپ کا بچہ میرے اسکول میں داخل ہے اور آپ امتحانی کاپیاں کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے آئی ہیں تو میں قسم کھا کر بتاتی ہوں کہ تمام کاپیاں مکمل ہو کر واپس جا چکی ہیں۔بلکہ یوں سمجھ لیجیے کہ میں آپ کو انسانوں جیسی شکل میں اسی لیے نظر آرہی ہوں کہ کام مکمل کر کے واپس پہنچا دیا گیا ہے۔بس کیا بتاؤں آپ کو...... بچوں کی امتحانی کاپیاں جانچنا اف میرے اللہ۔'' ناہید مسکرا دی پھر بولی۔

''نہیں...... میڈم! میں اس سلسلے میں نہیں آئی ہوں۔''

''خدا کا شکر ہے۔آپ یقین کیجیے کہ اس طرح کے معاملات بھی میرے لیے جان لیوا ہوتے ہیں۔آپ آرام سے بیٹھیے اور مجھے بتایئے کہ چائے پئیں گیں یا کوئی مشروب بنا کر لاؤں۔''

''آپ پلیز اس طرح کی کوئی تکلیف نہ کیجیے۔مجھے آپ کا تھوڑا سا وقت چاہیے آپ واقعی تکلیف نہ کریں۔''

''بس دو منٹ میں...... چائے ابھی بن جائے گی۔پی لیں آپ ہم بھی آپ کے ساتھ پی لیں گے۔''

''آپ بہت اچھی خاتون ہیں۔اگر آپ خود بھی چائے پینا چاہتی ہیں تو مجبوری ہے۔ورنہ آپ یقین کیجیے۔آپ کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزار کر۔''

''نہیں پلیز! چائے کا پانی رکھ آؤں۔بھابی چائے بنا کر لے آئیں گی۔''

''وہ آپ کی بھابی ہیں۔جنہوں نے دروازہ کھولا تھا۔''

''ہاں...... میں ابھی آئی۔'' نیرہ نے کہا اور باہر نکل گئی پھر چند ہی لمحات کے بعد وہ واپس آگئی تھی پھر اس نے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی! اب آپ مجھے اپنا نام بتا دیجیے۔ پتا نہیں کیوں آپ مجھے اچھی لگی ہیں۔ جلد بازی کر رہی ہوں ناں میں لیکن میں ہوں ہی جلد باز۔"

"کیا نام ہے آپ کا۔"

"میرا نام ناہید ہے۔"

"لازمی طور پر آپ میرا نام جانتی ہوں گی۔ بلکہ آپ نے مجھے نام سے ہی پکارا ہے۔"

"ہاں...... لیکن مجھے ایک خدشہ ہے۔ نیرہ صاحبہ۔"

"کیا......" وہ حیرت سے بولی۔

"چائے کے آنے سے پہلے اگر میں اپنے آنے کا مقصد بیان کر دوں تو شاید آپ مجھے کھڑے کھڑے اپنے گھر سے نکال دیں اس طرح میں آپ کی محبت بھری چائے سے بھی محروم ہو جاؤں گی۔"

"ارے نہیں...... ایسی کیا بات ہے۔ بتائیے کیا بات ہے۔ کیسے آنا ہوا۔"

"اصل میں نیرہ بیگم صاحبہ میں ایک وکیل صاحب کی اسسٹنٹ ہوں اس کے علاوہ ایک اخبار کی کرائم رپورٹر بھی۔ میں آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

نیرہ کے چہرے پر ایک نمایاں تبدیلی رونما ہوئی تھی...... اس نے عجیب سی نگاہوں سے ناہید کو دیکھا پھر بولی۔

"میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ بچپن میں ایک بری عادت تھی مجھے بتایا ہے یا نہیں میں بچپن میں جو دوست بناتی تھی وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہوا کرتی تھیں۔ میری اپنی شکل و صورت تو نارمل ہی تھی لیکن میں نے زندگی بھر جتنی لڑکیوں کو دوست بنایا ان سب کی شکل و صورت بہت اچھی تھی۔ آپکو دیکھ کر ایک لمحے کے اندر ماضی یاد آ گیا۔ آپ بھی اتنی ہی خوب صورت خاتون ہیں لیکن آپ مجھے ایک بات بتا دیجیے آپ نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ کیا آپ میرے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے آئی ہیں۔"

"جی...... نیرہ بیگم صاحبہ۔"

"اور یہ معلومات کہیں مرزا احسان بیگ کے قتل کے سلسلے میں تو نہیں ہے۔"

"جی...... ایسا ہی ہے۔"

"کب تک میری...... لاش کو نوچا جاتا رہے گا۔ آپ کو یقیناً تھوڑے بہت واقعات تو معلوم ہی ہوں گے۔ آپ سوچیے کہ کیا اس طرح زخموں کو کریدنے سے کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔ میں ان حالات سے بچنا چاہتی ہوں۔ مجھے تو عدالت تک میں گھسیٹا جا چکا ہے اور میں اپنا بیان دے چکی ہوں۔ اب اور کیا معلومات حاصل کرنے کی ضرورت پیش آ گئی۔ دیکھیے آپ خود سمجھنے کی کوشش کریں۔ مجھے شدید ذہنی اذیت دی گئی ہے اور جب جس سلسلے میں میرا واسطہ ہی نہ رہا ہو اگر بار بار اس میں مجھے گھسیٹا جائے تو میں کیسے صبر کر سکتی ہوں۔"

''مجھے اندازہ ہے...... نیرہ...... مجھے اندازہ ہے۔ آپ جس قدر صاف ستھری خاتون ہیں۔ آپ یقین کیجیے آپ کو ذرہ برابر دکھ دے کر مجھے ذہنی اذیت ہوگی۔ میں آپ سے صرف چند الفاظ کہوں گی۔ اگر آپ کا دل چاہے تو انہیں قبول کر لیجیے ورنہ وعدہ کرتی ہوں کہ خاموشی سے یہاں سے اُٹھ جاؤں گی اور دوبارہ کبھی آپ کو پریشان نہیں کروں گی۔'' نیرہ نے نگاہیں اُٹھا کر اسے دیکھا۔ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔

''جی۔'' اتنی دیر میں دوسری عورت چائے کی دو پیالیاں ٹرے میں لے کر کمرے میں آ گئی۔ اس نے ٹرے ایک تپائی پر رکھی اور پھر ایک پیالی اُٹھا کر ناہید کو دے دی اور دوسری نیرہ کو۔

''بھابی آپ اپنے لیے چائے نہیں لائیں۔''

''نہیں جناب! آپ دونوں کے درمیان مداخلت نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ ہاں جب آپ اپنی ملاقات کی ضروری باتیں ختم کر لیں تو مجھے آواز دے لیجیے گا۔''

''نہیں بھابی آپ بیٹھیے پلیز۔''

''بالکل نہیں...... بالکل نہیں۔ پلیز ڈیئر آپی مائنڈ نہ کریں۔'' عورت نے کہا اور باہر نکل گئی۔ ناہید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''بہت اچھے لوگ ہیں آپ۔''

''اللہ تعالیٰ ہر انسان کے لیے کچھ سہارے ضرور رکھتا ہے ورنہ اس کے بے کس بندے کہاں پھرتے رہیں۔'' نیرہ نے کہا۔

''یقیناً۔''

''آپ کے بھائی۔''

''ہاں...... وہ میرا کزن ہے لیکن میری ماں کا بیٹا بھی ہوتا تو اس سے زیادہ میرا خیال نہ رکھ سکتا۔''

''گڈ...... تو نیرہ صاحبہ! آپ بے شک میرے آنے کے مقصد سے بیزاری کا مظاہرہ کر چکی ہیں لیکن بہت مختصری تفصیل بتانا چاہتی ہوں آپ کو میرے محترم بزرگ نواز علی صاحب عدالت سے باہر آ رہے تھے کہ انہیں دو بے کس ماں باپ ملے، دیہاتی تھے، بے وسیلہ اور بے سہارا یوں سمجھئے کہ ایک روٹی تھی ان کے پاس جس میں سے آدھی آدھی دونوں نے تقسیم کی اور ایک دوسرے کو کھانے کی تلقین کرنے لگے۔ انسان ایسے مناظر کو نظر انداز نہیں کر سکتا بعد میں ان لوگوں سے پتا چلا کہ وہ اپنے بیٹے کے مقدمے کے سلسلے میں ایک دیہات سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ بیٹا ایک کوٹھی میں نوکری کرتا تھا گھر کے مالک قتل ہو گئے اور اس قتل کے الزام میں ان کے بیٹے کو گرفتار کر لیا گیا۔ سارے ثبوت اس کے خلاف فراہم ہو گئے لیکن ہماری تفتیش یہ کہتی ہے کہ وہ لڑکا قاتل نہیں ہے۔ ہم یہ ہی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ فی سبیل اللہ، اللہ کے نام پر اور اسی سلسلے میں آپ سے بھی مدد درکار ہے۔''

''مجھے علم ہو چکا ہے۔ بے چارے مرزا احسان بیگ بس کیا کہا جائے۔ کبھی کبھی یہ فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے کہ کون انسان کس قدر انسانی صفات رکھتا ہے۔''

''آپ مجھے کچھ بتانا پسند کریں گی۔''

''اب آپ آئی ہیں اور آپ نے اظہار کیا ہے تو میرا اخلاقی فرض بنتا ہے کہ جتنی معلومات مجھے ہیں، میں آپ کو بتا دوں لیکن خدارا کہیں مجھے ہی قاتل کی حیثیت سے شناخت نہ کر لیجیے گا۔ میں نے زندگی میں کبھی کوئی کیڑا، مکوڑا بھی نہیں مارا اور پھر اب اپنے بارے میں اور کیا کہا جائے۔ میرا خاندان غریب ضرور ہے لیکن ہم جرائم پیشہ نہیں ہیں۔''

''نیرہ میں نے بھی ابھی دنیا میں بہت زیادہ تجربات نہیں کیے لیکن تھوڑی بہت انسانی شناخت ہو گئی ہے۔ آپ پلیز خواب میں بھی یہ نہ سوچیں کہ میں آپ کے بارے میں کبھی کسی غلط انداز میں سوچوں گی۔''

''تو پھر آپ مجھ سے پوچھیے کیا پوچھنا چاہتی ہیں۔''

''پہلا سوال یہ ہے کہ کیا مرزا احسان بیگ آپ کے کوئی پرانے رشتے دار تھے۔''

''نہیں۔ بس والدین کے پاس ہمارا رشتہ آیا تھا۔ کسی ذریعے سے اور پھر ہماری شادی ہو گئی۔ اس وقت وہ زندگی کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ کاروبار کرنا چاہتے تھے، بہت معمولی پیمانے پر کاروبار کا آغاز کیا۔ میرے والد نے میری والدہ سے جو بات چیت کی وہ یہ تھی کہ لڑکا محنتی ہے۔ ہاتھ پاؤں کا اچھا ہے۔ شریف زادہ ہے۔ تقدیر ہوئی تو کمانے لگا بس اور میں رخصت ہو کر مرزا احسان بیگ کے چھوٹے سے گھر پہنچ گئی۔ ان کی والدہ تھیں جن کا کچھ عرصے کے بعد انتقال ہو گیا۔ مرزا احسان بیگ جدوجہد کرتے رہے اور یہ کاروبار چمک اُٹھا، انہوں نے ایک مکان خریدا اور اس میں مجھے منتقل کر دیا پھر دوسرا مکان خریدا کاروبار بہت اچھا ہوتا جا رہا تھا پھر انہیں اچانک ہی خیال آیا کہ ہمارے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی ہے اور وہ روایت میں کھو گئے کہنے لگے جو کچھ کر رہے ہیں ہماری اپنی ذات کے لیے تو کافی ہے لیکن کوئی مستقبل تو نہیں ہے ہمارا اور پھر اس کے بعد جوں جوں ان کا کاروبار ترقی کرتا گیا وہ زیادہ محسوس کرنے لگے اور پھر ان کی نگاہیں بدلنے لگیں۔ ہم دونوں نے اپنا اپنا طبی معائنہ کرایا۔ میں بانجھ تھی یہ بات ثابت ہو گئی تھی۔ مرزا احسان بیگ نے مجھ سے کہا کہ وہ اولاد کے خواہش مند ہیں اور دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میری کیفیت جو ہونا تھی وہ ہوئی۔ ہمارے درمیان کافی اختلاف پیدا ہو گئے اور آخرکار مرزا صاحب نے کوشش کر کے ایک جگہ اپنا رشتہ طے کر لیا لیکن وہاں سے شرط ہوئی کہ مجھے طلاق دے دی جائے اس کے بعد ہی یہ ممکن ہو سکتا ہے اور پھر انہوں نے مجھ سے یہ صاف صاف کہہ دیا کہ وہ مجھے طلاق دینا چاہتے ہیں۔''

بہرحال مجھے طلاق ہو گئی اور وہ دنیا جو تنکا تنکا کر کے ہم نے آباد کی تھی وہ دوسروں کی ملکیت ہو گئی۔ میرا کچھ نہ رہا۔ حالانکہ آپ یقین کیجیے کہ جب ہم نے تعمیر کا آغاز کیا تھا تو میں نے اپنے آپ پر کھانا پینا حرام کر لیا تھا۔ جس طرح میں نے زندگی گزاری وہ ایک مشکل کام تھا۔ بہرحال اب میں یہاں اپنے بھائی کے پاس ہوں اور بس اتنی کہانی ہے۔

''آپ کا مہر وغیرہ ادا کیا احسان بیگ صاحب نے کہا۔''

''جو میرا تھا۔ جو سب کچھ میرا تھا۔ اس میں سے کچھ لینا میرے پورے وجود کو ریزہ ریزہ کرتا تھا۔ میں نے ان سے مہر کی رقم نہیں لی۔ کچھ بھی نہیں لیا میں نے ان سے۔''

''کیا اس کے بعد بھی انہوں نے آپ کو کچھ دینے کی کوشش کی۔''

''یہ کوشش انہوں نے آخر تک جاری رکھی تھی اور ہم انہیں پر اخلاق انداز میں منع کر دیا کرتے تھے۔''

''میں آپ کے احساسات کو سمجھ رہی ہوں۔ ایک بات اور بتائیے کہ کیا آپ کو مرزا احسان بیگ صاحب کی نئی بیگم کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہیں۔''

''بخدا نہیں۔ ہمارے کچھ ذرائع بھی نہیں ہے اور میرے اندر اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ میں اس کی چھان بین کروں۔ جو کچھ انہوں نے کرنا تھا وہ کرنا تھا میں نے تو نائلہ صاحبہ کو دیکھا بھی نہیں۔ سنا ہے کہ عمر میں ان سے کافی چھوٹی تھیں اور کافی تیز مزاج بھی۔''

''کوئی اور ایسا کردار جس کے بارے میں یہ شبہ کیا جا سکے کہ مرزا احسان بیگ سے اس کی کوئی رنجش ہو۔''

''میں نے آپ سے عرض کر دیا کہ میں ایک گھریلو عورت ہوں۔ نہ مجھے کچھ معلوم ہوا اور نہ ہی میں نے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی۔''

''گویا آپ کے ذہن میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ جس سے ہمیں یہ پتہ چلے کہ مرزا احسان بیگ کو کس نے قتل کیا۔''

''جن لوگوں سے واسطے ٹوٹ جاتے ہیں اور اس طرح سے ٹوٹ جاتے ہیں کہ ان کے بارے میں دل غم کا شکار رہے تو کیا ان کے لیے چھان بین جاری رکھنا چاہیے۔ میں نے کوشش نہیں کی اور نہ ہی میں نے مرزا احسان بیگ کو اس دنیا سے رخصت کرایا ہے۔ میں بس اتنا کہہ سکتی ہوں کہ طلاق شدہ عورت کی زندگی گزاری ہے میں نے اور اس طلاق کے بعد اس زندگی میں کوئی اور رنگ لانے کی کوشش نہیں کی جو واسطے ٹوٹ گئے سو ٹوٹ گئے کم از کم میں نے اس سلسلے میں مزید کچھ معلوم نہیں کیا۔ میں اب اس اسکول میں نوکری کرتی ہوں اور مجھے ایک اچھی تنخواہ ملتی ہے۔''

''بہت دکھ ہوا ہے مجھے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کر کے۔''

''بس خدا نے میرے اندر ایک کمی رکھی ہے۔ میں اپنے لیے کوئی نئی سزا تلاش نہیں کر سکتی۔ پلیز چائے لیجیے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

اور ناہید نے چائے کی پیالی اُٹھا کر ہونٹوں سے لگا لی نجانے کیوں اس کا دل بھی غم میں ڈوب گیا تھا۔ چائے ختم کرنے کے بعد وہ اُٹھی تو نیرہ بیگم نے انہیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

''بس! اتنی ہی دوستی تھی۔'' ان الفاظ میں ایک عجیب سی کیفیت چھپی ہوئی تھی۔ ناہید اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

''نہیں۔ اگر آپ پسند کریں کہ تو یہ دوستی اتنی ہی نہ رہے۔''

''کسی طرح سے کوئی مدد نہیں چاہتی۔ بس اچھی لگی ہو، دل چاہتا ہے دوبارہ بھی ملاقات کریں۔''

''ضرور۔ میں ملتی رہوں گی آپ سے نیرہ!'' واپسی میں ناہید کے ذہن پر ایک عجیب سا بوجھ سوار ہو گیا تھا۔ شہروز سے ملاقات ہوئی اور اس نے کہا۔

''میں خود کو بہت ذہن نہیں کہتی شہروز! لیکن یہ ضرور کہہ سکتی ہوں کہ وہ عورت کوئی جرم نہیں کر سکتی۔''

''یقیناً ایسا ہوگا۔ ویسے ناہید اب ہمیں نائلہ سے ملنا ہے۔ اس سے ملاقات بھی ضروری ہے۔''

''بتاؤ کیا پروگرام ہے۔'' ناہید نے کہا۔

''ساتھ ہی چلیں گے۔''

''او کے۔'' ناہید نے گردن ہلا دی۔ مرزا احسان بیگ کی کوٹھی انتہائی شاندار تھی جس وقت شہروز اور ناہید اس کوٹھی کے دروازے پر پہنچے تو کوٹھی کا دروازہ کھلا ہوا تھا پھر اس سے ایک بہت ہی خوبصورت سوک باہر نکلی اور سوک کی ایک ڈرائیورنگ سیٹ پر ایک خوش لباس شخص بیٹھا ہوا تھا جسے ان دونوں نے بخوبی دیکھا تھا۔ ایک ملازم گیٹ بند کرنے لگا۔ شہروز نے ہارن بجا دیا۔ وہ رک گیا اور پھر ان کے پاس آ گیا۔

''کس سے ملنا ہے۔'' چوکیدار نے پوچھا تو شہروز نے غصیلے انداز میں کار آگے بڑھا دی اور ملازم کو اچھل کر پیچھے ہٹنا پڑا وہ منہ پھاڑ کر رہ گیا تھا، ناہید نے بھی شہروز کی اس حرکت کو عجیب سے انداز میں دیکھا تھا۔ نجانے کس بات پر شہروز کو غصہ سا آ گیا تھا۔ بہر حال وہ کار کو پورچ تک لیتا چلا گیا۔ پورچ تک پہنچ کر اس نے کار روک دی۔ ناہید نے مسکرا کر کہا۔

''غصہ آ گیا۔''

''کتنی بدتمیزی تھی اس کے انداز میں۔'' شہروز نے کہا ادھر ملازم گیٹ بند کر کے ان کی طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔ عمارت کے مین دروازے کے سامنے ایک عمر رسیدہ عورت بھی کھڑی نظر آ رہی تھی۔ لباس سے وہ بھی ملازمہ نظر آ رہی تھی۔ نیچے اتر کر شہروز نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا لیکن عورت کے قریب پہنچنے سے پہلے ملازم ان کے پاس پہنچ گیا۔ یہ ہلکے بدن لیکن چوڑے چہرے والا آدمی تھا اور چہرے پر ایک نوک داڑھی کی شکل میں نظر آ رہی تھی۔

''یہ طریقہ ہے شریفوں کے اندر آنے کا۔'' وہ قریب آ کر بولا اور شہروز کا زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا۔ ملازم کا منہ گھوم گیا اور وہ گال پکڑ کر رہ گیا، وہ ملازمہ بھی قریب آ گئی تھی لیکن وہ شہروز کے اس عمل سے سہم سی گئی تھی۔

''مسز احسان بیگ سے کہہ کہ کچھ مہمان آئے ہیں۔'' شہروز نے کرخت لہجے میں کہا۔

''جی سرکار''

''پہلے میری بات سن لیجیے جناب! آپ نے کیا سمجھ کر مجھے تھپڑ مارا ہے، آپ اب اندر جا کر دکھا دیجیے۔'' ملازم نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا، شہروز نے رخ بدلا اور پھر ایک زبردست گھونسا اس کے چہرے پر رسید کر دیا۔ یہ گھونسا ذرا دوسری قسم کا تھا۔ ملازم چکرا کر دور جا گرا تھا۔

''ڈرائنگ روم کدھر ہے۔'' شہروز نے سہمی ہوئی ملازمہ سے پوچھا۔

''اِدھر...... اُدھر...... سرکار۔'' ملازمہ نے کہا اور جلدی سے آگے بڑھ گئی۔

''آؤ ناہید!'' شہروز بولا اور ملازمہ اس کی رہنمائی ڈرائنگ روم تک کرنے لگی پھر اس نے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتے ہوئے انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا اندر داخل ہوتے ہوئے شہروز نے ملازمہ سے پوچھا۔

''اس ملازم کا نام کیا تھا۔ جس کی میں نے حجامت کی ہے۔''

''فیاض صاحب''

''ہوں۔ جاؤ بیگم صاحبہ سے کہو کہ کچھ مہمان آئے ہیں۔''

''جی اچھا سرکار۔'' ملازمہ جلدی سے جان بچا کر بھاگ گئی تھی۔

''یہ نام یاد ہے نا تمہیں۔ وہی آدمی جس نے تمہیں جمال خان پر۔''

''ہاں...... نام یاد ہے مجھے۔''

''لگتا ہے۔''

''ویسے تم تو اسے جانتے نہیں تھے۔ اس کے ساتھ اس عمل کی کچھ خاص وجہ۔''

''بالکل نہیں۔''

''پھر اسے مارا کیوں۔''

''بس...... بہت بدتمیز لگا تھا۔ ایسے لوگوں کو صرف مارا ہی جا سکتا ہے ویسے ناہید ایک غلطی ہو گئی۔''

''کیا۔''

''سوک والا کون تھا۔ اسے دیکھنا چاہیے تھا۔''

''ایل ایکس او زیرو...... نائن ایٹ۔'' ناہید نے کہا۔

''کیا مطلب۔''

''اوہ...... گڈ لارڈ۔ وری گڈ...... وری گڈ......'' شہروز نے تعریفی انداز میں کہا اور اسی وقت ایک خوبصورت عورت اندر داخل ہو گئی۔ خوبصورت لباس میں وہ بہت دلکش نظر آ رہی تھی۔ چہرہ میک اَپ سے بے نیاز تھا۔ اس نے اندر داخل ہو کر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر پھیل گیا۔

''میرا نام نائلہ ہے۔''

''مسز مرزا احسان بیگ میں شہروز ہوں اور یہ۔''

''آپ کی مسز۔'' نائلہ مسکرا کر بولی۔

''نہیں...... ایسا کوئی رشتہ ہمارے درمیان نہیں ہے۔ یہ ناہید شیرازی ہیں۔''

''سوری۔ آپ بہن بھائی تو نہیں۔''

''اللہ نہ کرے۔'' شہروز جلدی سے بولا اور نجانے کیوں ناہید اس کے انداز پر شرما سی گئی۔

''ویری گڈ...... آپ شادی شدہ ہیں شہروز صاحب!'' نائلہ نے عجیب سے سوالات شروع کر دیے تھے۔

''بالکل نہیں۔''

''اور یہ......''

''یہ بے چاری بھی نہیں ہیں۔'' شہروز نے مسکرا کر کہا۔

''تب آپ دونوں کو شادی کر لینی چاہیے۔'' وہ بے تکلفی سے بولی۔

''کیوں۔''

''اس لیے کہ آپ کی جوڑی حسین جوڑی ہے۔ ویسے آپ میری ان باتوں پر مجھے پاگل کہہ سکتے ہیں۔ برا نہیں مانوں گی۔ حسین جوڑوں کو دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے کہ وہ یکجا ہو جائیں۔''

''وجہ بتانا پسند کریں گی۔''

''ہاں...... کیوں نہیں۔''

''اصل میں...... میں اس سلسلے میں بدترین محرومیوں کا شکار رہی ہوں۔''

''ارے معاف کیجیے گا۔ پاگل سمجھا ہو گا آپ نے مجھے واقعی۔ میرا تو آپ سے تعارف بھی نہیں ہوا۔''

''اپنا نام یہ لوگ بتا چکے ہیں۔ میں ایک وکیل نواز علی کے ساتھ کام کرتا ہوں اور یہ خاتون بھی۔''

''کیا۔ مرزا احسان بیگ کے قتل کے چکر میں آئے ہیں۔''

''جی۔''

''اوں...... ہوں۔ اتنے اچھے لوگ ہونے کے بعد اتنے برے ماحول میں آئے ہیں آپ۔ کاش آپ کچھ اور ہوتے۔ چلیے چھوڑیے بیٹھیں ناں۔ خیر چھوڑیے اب بتائیے کیا پریشانی ہے آپ لوگوں کو۔''

''کیس ابھی تک چل رہا ہے محترمہ۔''

''اور جب تک کیس چلتا رہے گا مجھے پریشان کیا جاتا رہے گا۔ مجھ سے جو کچھ پوچھا وہ میں نے بتا دیا۔ مرزا صاحب کو قتل کیا گیا۔ پولیس کو مجرم بھی مل گیا۔ اب اسے سزا دیجیے پھر پتا نہیں وکیلوں کو کیا مصیبت پڑی ہوئی ہے اور یہ نواز علی صاحب! میں نے تو پہلی بار

ان کا نام سنا ہے یہ کیا چیز ہیں۔"

"آپ براہ کرم مجھے میرے کچھ سوالات کے جواب دے دیجیے۔ آپ کا شکریہ ادا کروں گا۔"

"جی جی...... فرمایئے۔ وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔"

"آپ کے خیال میں کیا جمال خان مرزا صاحب کا قاتل ہو سکتا ہے۔"

"کمال ہے۔ اس نے قتل کرنے سے پہلے مجھ سے مشورہ نہیں کیا تھا۔ پولیس نے اسے قاتل نامزد کیا تھا۔ اس کے خلاف کچھ ثبوت ملے اور اس نے جمال خان کو گرفتار کر لیا۔"

"میں نے آپ کا خیال پوچھا ہے محترمہ۔"

"میرا کوئی خیال نہیں ہے۔"

"اس نے قیمتی سامان چوری کیا تھا۔"

"جی...... وہ اس کے پاس سے ہی برآمد ہوا تھا۔"

"آپ کے خیال میں یہ چوری اسی نے کی تھی۔"

"نہیں۔"

"کیا مطلب۔" شہروز چونک کر بولا۔

"میرے خیال میں وہ چور نہیں تھا۔ پہلے مجھے اس پر کبھی ایسا کوئی شبہ نہیں ہوا۔"

"معاف کیجیے گا۔ محترمہ نائلہ بیگم! خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ لڑکا آپ پر بری نگاہ رکھتا تھا۔ کیا یہ درست ہے۔"

"بدبخت نے مجھ سے کبھی نہیں کہا...... خدا اسے غارت کرے۔" وہ اچانک عجیب سے انداز میں مسکرا دی اور ناہید منہ پھاڑ کر رہ گئی۔

"اور اگر وہ کہتا تو آپ کیا کرتیں۔"

"بہت خوش ہوتی اور اسے مار پیٹ کر نکال دیتی کم از کم بے غیرت قاتل تو نہ بنتا۔ ایسے شخص کو زندہ رہنا چاہیے تھا۔ جو مجھ پر بری نگاہ رکھتا۔ کم از کم قاتل تو نہ بنتا۔" وہ بدستور مسکراتی ہوئی بولی۔ ناہید اسے حیران نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور شہروز مسکرا رہا تھا۔

"ایک اور خیال ہے نائلہ صاحبہ! ہو سکتا ہے مسز احسان بیگ کی پہلی بیگم نے یہ سازش کی ہو۔"

"اگر ہو سکتا ہے تو ضرور ہو سکتا ہے۔"

"آپ کے خیال میں کیا وہ ایسا کر سکتی ہیں۔"

"پھر میرا خیال۔ ارے بابا...... یہ آپ لوگوں کا کام ہے۔ آپ معلومات حاصل کیجیے تو آپ نے اسے کیوں گرفتار کر رکھا ہے اور اگر قاتل ہے تو اسے موت کی سزا دے دیجیے اگر نیرہ بیگم نے یہ سازش کی ہے تو اسے گرفتار کر لیجیے کام تو قاتل کا ہو گا۔"

''یہ کام تو آپ بھی کر سکتی ہیں۔''

''کون سا کام۔''

''میرا مطلب ہے۔ کسی کو گرفتار کرنے کا۔''

''ویری گڈ...... شاعری کر رہے ہیں آپ۔''

''سوری...... مسز احسان صاحب ابھی ایک صاحب یہاں سے گئے ہیں۔ سفید رنگ کی سوک کار میں وہ کون تھے۔''

''قاتل......'' اس نے کہا اور قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ شہروز اور ناہید نے تسلیم کیا کہ بڑی ٹیڑھی شخصیت سے پالا پڑا ہے۔ نائلہ تو واقعی خصوصی توجہ کی حامل تھی۔ دونوں گہری نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے پھر شہروز نے کہا۔

''معاف کیجیے گا مسز احسان آپ کے شوہر کی موت کو زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا۔''

''کہاں گزرا ہے۔''

''اور آپ بہت ہشاش بشاش نظر آ رہی ہیں۔''

''کیا آپ میری بات پر یقین کر لیں گے۔ مسٹر شہروز، میں نے ایک گھنٹہ بھی سوگ نہیں منایا۔''

''گڈ...... کیا آپ کے تعلقات مرزا صاحب سے اچھے نہیں تھے۔''

''بہت اچھے تھے۔ آپ تحقیقات کر سکتے ہیں لیکن اس شخص کو پسند نہیں کرتی تھی۔''

''وجہ بتانا پسند کریں گی۔''

''صاف وجہ ہے۔ آپ کو میری اور ان کی عمر کا نمایاں فرق معلوم ہے اور پھر وہ انتہائی خود غرض انسان تھا۔''

''خود غرض۔''

''ہاں۔ اپنی حیثیت اور اپنے اختیارات سے اگر آپ ناجائز فائدہ اٹھائیں گے تو کون آپ کو پسند کرے گا۔ ایک عورت جان بوجھ کر بانجھ نہیں ہوتی، کسی میں اگر کوئی قدرتی کمی ہے تو آپ اسے قبول نہ کریں جو بھی اس کی تقدیر ہو لیکن بعد میں اس کی خوشیاں چھین کر اسے مجسم زخم بنا دیں کیا یہ اچھی بات ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ۔''

''ہاں...... میں نیرہ بیگم کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔''

''آپ کو اس سے ہمدردی ہے۔''

''قطعی نہیں۔'' وہ سخت لہجے میں بولی۔

''آپ ہم لوگوں کے سوالوں سے اُکتا تو نہیں رہیں۔''

''بالکل نہیں۔'' اس نے بپھرے ہوئے لہجے میں کہا اور شہروز چکرائی ہوئی نگاہوں سے ناہید کو دیکھنے لگا۔

نائلہ درحقیقت اب انہیں ذہنی مریض نظر آ رہی تھی۔ کچھ دیر وہ خیالات میں ڈوبی رہی پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولی۔

''ظاہر ہے کہ آپ چائے وغیرہ نہیں پییں گے۔ میں آپ سے پوچھوں گی کہ آپ چائے یا کافی لینا پسند کریں گے تو اس کے جواب میں آپ کہیں گے کہ نہیں شکریہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے خیال میں اس کے بعد مجھے اصرار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ آپ نے کتنی دیر سے چائے نہیں پی ہے اس وقت آپ کا موڈ بھی ہے یا نہیں دیکھیے ناوقت کتنا قیمتی ہوتا ہے۔ لوگ بیکار بہت سا وقت ضائع کر دیتے ہیں جبکہ اس دوران ہم بہت سی کام کی باتیں کر سکتے ہیں مثلاً یہ کہ میں آپ کو ایک ایسی کہانی سناؤں جو آپ کے مطلب کی ہو اور انداز پوری طرح کہانی کا اختیار کروں جیسے کہ میں آپ سے کہوں کہ ایک بادشاہ تھا جو اپنی مملکت میں بڑے مظالم ڈھاتا تھا پھر یوں ہوا، مطلب یہ کہ ایک شخص تھا جو باپ تھا اپنی بیٹی کی بہت اچھی پرورش کرتا تھا۔ نام اس کا کچھ تصور کر لیا جائے، ہاں اس کی بیٹی کا نام آپ نائلہ کہہ سکتے ہیں۔ نائلہ نے بی اے تک تعلیم حاصل کی اور چونکہ اس کی ماں یعنی میری ماں کا انتقال ہو گیا تھا اسے باپ کی پوری توجہ حاصل تھی۔ وہ کسی فرم میں کیشیئر کی حیثیت سے کام کرتے تھے اور اس بات کے آرزومند تھے کہ پرستان سے مجھے کوئی لا کر دیں جو بعد میں بادشاہ بن جائے اور پوری دنیا پر حکمرانی کرے اور میں اس بادشاہ کی ملکہ بن کر عیش و عشرت سے زندگی گزاروں۔ پتا نہیں لوگ ماں باپ بن کر کیوں احمق ہو جاتے ہیں۔ پتا نہیں کیوں۔''

اس کی یہ سکی سی بن گئی اور وہ ایک لمحے کے لیے رک گئی۔ ناہید اور شہروز اس کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

وہ کچھ دیر اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی پھر خود کو سنبھال کر دوبارہ بولی۔ ''ایسے لوگ اپنی اولاد کو بھی دھکیل دیتے ہیں وہ ماں باپ کے دکھائے ہوئے خوابوں میں جیتے ہیں، اور سارے خواب چکنا چور ہو جاتے ہیں یہ خود حقیقت سے دور ہوتے ہیں کہ بعد میں دوڑتے دوڑتے پاؤں تھک جائیں، میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا کیونکہ تھوڑی سی دنیا کی حقیقتوں پر نظر رکھتی تھی لیکن باپ کو راہ راست پر نہیں لا سکی میں نے ان سے کھلی زبان میں کہا اور کہا کہ شادی وادی کرنی ہے تو میرا ہم پلہ لڑکا دیکھ کر دیں تاکہ میرا بوجھ ان پر سے کم ہو جائے اور وہ ریٹائرمنٹ لے کر سکون کی زندگی بسر کر سکیں لیکن نہیں مانے صاحب اور تلاش میں رہے کسی شہزادے کی۔

پھر یوں ہوا کہ ایک حادثہ ہو گیا ان کے ساتھ سردیوں کی رات میں نجانے کہاں سے آ رہے تھے کہ فالج کے اثرات نمودار ہو گئے، چلئے شہزادہ نہ ملا لیکن نوکری چلی گئی پھر جناب عالی ایک صاحب سے ملاقات ہوئی کسی ایسے مسئلے میں آئے تھے جو ذرا سا الجھ گیا تھا ایک چھوٹا سا کاروبار کرتے تھے جس میں میرے والد صاحب ان کے ہمراہ ہوتے تھے یعنی کیشیئر کا کام میرے والد ہی کیا کرتے تھے پارٹ ٹائم میں اور وہ کچھ حسابات وغیرہ میرے والد کے پاس ہوتے تھے جن کے بارے میں معلومات کرنے کے لیے وہ ہمارے گھر آتے

تھے۔ اور والد صاحب کی ہدایت تھی کہ ان کے لیے چائے سموسے ہم بنا کے لائے جائیں، تو جناب ہم نے اپنی چائے اور سموسے پیش کیے پتا نہیں انہیں چائے زیادہ پسند آئی کہ سموسے بڑی تعریفیں کر ڈالیں ہمارے بارے میں پوچھا ان سے اور اس کے بعد والد صاحب سے ہمدردی کرتے ہوئے کہا کہ اگر والد صاحب چاہیں تو ان کے چھوٹے سے دفتر میں ہمیں جگہ مل جائے گی تو جناب ایسا ہی ہوا۔ والد صاحب نے بھی چاہا اور یہ بھی ظاہر کیا کہ وہ صاحب فرشتے ہیں، ایک نوجوان فرشتے...... اب پتا نہیں کہ بوڑھے فرشتے زیادہ اچھے ہوتے ہیں یا نوجوان، والد صاحب کے خیال میں وہ صاحب اس عمر میں ہی بڑے نیک دل ہو گئے تھے خیر جناب والد صاحب کا حکم کس طرح ٹالا جا سکتا تھا نوکری کی اور ویسے بھی ہم گھر سے باہر نکل کر دنیا دیکھنا چاہتے تھے خیال تھا کہ والد صاحب تو معذور ہو گئے ہیں۔

چنانچہ فرشتوں کی تلاش ذرا مشکل ہو گئی خود ہی دیکھتے ہیں کہ کوئی انسان ہی مل جائے اور یہ انسان ان صاحب کی شکل میں ہمارے سامنے آ گیا تھا کیا بات تھی ان صاحب کی۔ دوپہر کا کھانا زندگی کی ہر ضرورت فراہم کرنے کو تیار اور پھر چوری چوری ہمیں دیکھنے کا سلسلہ الگ یوں ہوتا کہ ہم بیٹھے ہوئے کام کر رہے ہوتے تھے بہرحال عورت کے محسوسات کے بارے میں آپ کو تو بہت سا علم ہو گا عورت بڑی روشن آنکھ ہوتی ہے ہم روشن ضمیر تو نہیں کہہ سکتے روشن آنکھ یا روشن دماغ کہہ سکتے ہیں ایک لمحے میں دیکھنے والی کی نگاہ کو پہچان لیتی ہے تو ہم نے بھی دیکھ لیا تھا کہ وہ صاحب ہمارے لیے دل میں کچھ رکھتے ہیں، برا نہیں لگا تھا کیونکہ ہم خود چکر میں تھے کہ ہمارا کوئی ٹھکانہ بھی ہو جائے اب آپ سے کیا چھپانا اس میں زندگی کی اور کوئی طلب باقی نہیں رہی تھی بلکہ ایک اطمینان تھا جو نجانے کیوں اپنی زندگی میں داخل ہو گیا تھا یا پھر یہ کہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا اور کسی دریا کے کنارے بیٹھ جانا چاہتے تھے۔ مطلب یہ کہ کنارے کا حصول ہماری خواہش تھا اور اس لیے ہم نے یہ سوچا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے پھر یہی سب سمجھا کہ چوری کی نگاہوں کے جواب میں چوری کی نگاہیں ڈالی جائیں اور اس طرح ڈالی جائیں کہ ان صاحب کو پتا چل جائے کہ ہم بھی انہیں دیکھتے ہیں۔ خیر جناب وہ صاحب اپنا چھوٹا سا کاروبار کر رہے تھے اور اسے بڑھانے کی فکر میں سرگرداں تھے، یہ شخص ہمارا مستقبل بن سکتا ہے اور اگر بن جاتا تو بُرا نہیں ہوتا، خیر ہم انہیں اپنا مستقبل سمجھ کر دیکھتے رہے اس دوران جناب مرحوم و مخدوم مرزا احسان بیگ صاحب تشریف لائے، ہمارے طالب یعنی ہمارے مالک مرزا احسان بیگ صاحب کے سامنے ایسے بچھ جاتے جیسے کہ قالین ہوں، ہر طرح کی خاطر مدارت ہوتی تھی، اس دوران کئی بار مرزا صاحب کی ہم سے بات چیت ہوئی، عمر رسیدہ بزرگ تھے ہم انہیں اپنے بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیونکہ ہمارے مستقبل کے مالک یعنی فرم کے مالک ان کا احترام کرتے تھے لیکن ایک دن ہمارے فرم کے مالک نے ہمارے والد صاحب سے خفیہ ملاقات کی بہت دیر تک ان کے پاس بیٹھے لیکن اس وقت جب ہم دفتر میں تھے، پھر جب ہم گھر آئے تو والد صاحب نے بہت سی باتوں کے بعد ہم سے ایک بات کی، اور بڑی عجیب بات کی کہنے لگے کہ ہمارے مالک صاحب ان کے پاس کچھ وقت گزار کر گئے وہ بے چارے تو اتنے نیک اور ہمدرد انسان ہیں کہ ہمارے مستقبل کے لیے پریشان رہتے ہیں اور اس پریشانی کا حل لے کر وہ آخر کار قبلہ والد صاحب کے پاس آ ہی گئے۔ تو پھر جناب یوں ہوا کہ والد صاحب کے ان انکشاف پر تو ہماری باچھیں کھل گئیں ہم نے سوچا کہ پیا کے گھر سے سندیس آ گیا اور ہم چلے پیا کے دیس، اور والد

صاحب نے کباڑہ کر دیا یہ انکشاف کر کے کہ ہمارے خاندان کے ہمدرد ہمارے فرم کے مالک ہمارے لیے جو رشتہ لے کر آئے ہیں وہ جناب مرزا احسان بیگ صاحب کا ہے۔

انہوں نے والد صاحب کو بتایا کہ مرزا احسان بیگ صاحب بڑے کھاتے پیتے دولت مند آدمی ہیں، ان کی پہلی بیگم کے ہاں اولاد نہیں ہوئی اور وہ ان کی نگاہوں سے گر چکی ہیں اور وہ دوسری شادی کی خواہشمند ہیں تا کہ صاحب اولاد ہو سکیں۔ بس جناب ہماری تو کھوپڑی گھوم گئی، ہم نے والد صاحب سے چار چار ہاتھ کیے ہم نے کہا کہ انہوں نے مرزا صاحب میں کیا دیکھا ہے اور اگر انہیں کچھ نظر آیا ہے تو فالج کے بعد ان کی نظر کمزور ہو گئی ہے اور عقل بھی کیونکہ وہ ان سے تھوڑے ہی بڑے ہوں گے اور پھر ہم کسی شادی شدہ شخص سے شادی کیوں کریں۔ ہم نے بڑی کھل کر مخالفت کی لیکن والد صاحب نے پہلے دلائل پھر وسائل سے کام لیا۔ ناراض ہو گئے پھر سخت ہو گئے اور ہمیں گھر سے نکالنے کی دھمکی دی، کہنے لگے کہ یہ زندگی صرف محبت کے سہارے نہیں چلتی مالی بہتری بڑی ضروری ہوتی ہے ہم نے والد صاحب کو یہ کہہ کر چت کر دیا کہ ہم پہلی بیگم کی موجودگی میں شادی نہیں کریں گے بس جناب کام اس انداز میں آگے بڑھا ہماری شرط کو تسلیم کر لیا گیا اور ہماری وجہ سے بیچاری نیرہ کی زندگی اجڑ گئی آپ یقین کریں کہ اس کے ساتھ سخت زیادتی ہوئی لیکن بظاہر یہ زیادتی ہم نے نہیں کی۔ یہ زیادتی مرزا احسان بیگ صاحب نے کی بہرحال یہ زہر پینا پڑا اور مرزا احسان بیگ صاحب ایک ٹوپی اور شیروانی پہن کر آ گئے ہمارے گھر میں نکاح ہوا خاموشی سے ہمیں لے جایا گیا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ پیارے ابا جان انتظار کر رہے تھے کہ ہم گھر خالی کریں تو وہ بھی خالی کریں۔

ہم حجلۂ عروسی میں تھے اور وہ جانکنی کے عالم میں ہمارے جاتے ہی انہیں دل کا دورہ پڑا اور صبح کو ہمیں یہ خوشخبری ملی کہ والد صاحب نے ہمیں اپنے فرض سے فارغ ہونے کے بعد اپنی سرپرستی سے بھی فارغ کر دیا ہے۔ خیر باپ تو تھے غم بھی ہوا دکھ بھی ہوا بہت کچھ ہوا لیکن صبر بڑی عمدہ چیز ہے مرزا احسان بیگ بہت اچھے انسان تھے، نیک دل نرم دل عمر کے معاملات الگ تھے اور اولاد کا تعلق تو اللہ کے حکم سے ہوتا ہے نیرہ بیگم کو اولاد نہیں ملی اور ہمیں بھی نہیں ملی، نہ اس میں ہمارا قصور تھا اور نہ نیرہ بیگم کا، مرزا احسان بیگ کو غم تھا تو صرف یہ کہ ہم بھی نیرہ بیگم کے نقش پر چل پڑے اور ہم نے ان کی ایک آرزو پوری نہ کی ہم نے ان سے کہا بھی کہ نمبر تین ٹرائی کریں ہو سکتا ہے کہ تیسری ڈائنگ ان کے کام آ جائے مگر ایسے موقعوں پر وہ نروس ہو جاتے تھے، کیونکہ ہماری نگاہیں ہی ایسی ہوتی تھیں خیر۔ ہم نے ایک بیوی کی حیثیت سے جو فرائض ہماری سمجھ میں آئے وہ ہم نے پورے کیے۔ کوٹھی کے معاملات چلتے رہے لیکن وہ بیچارہ لڑکا جس کا نام جمال خان تھا، ملازم کی حیثیت سے رکھا گیا تھا، بہت ہی پیاری شکل کا مالک تھا۔ اور ہم اکثر یہ سوچتے تھے کہ اس غریب لڑکے کو اچھا لباس پہنا دیا جائے تو پتا بھی نہیں چلے گا کہ یہ کسی غریب خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ بہت سے لباس بنوا کر دیئے ہم نے اسے بہت سی ایسی مراعات سے نوازا جو ہمیں نہیں چاہیے تھا۔

اب لوگوں نے کسی اور نگاہ سے دیکھا ہو ہم نے اس بات کو ہمیشہ جوتے کی ناک پر مارا، بہرحال مرزا احسان بیگ صاحب کو قتل

کر دیا گیا لیکن ہم سوگ وگ کے چکر میں نہیں پڑے ہم نے اپنے والد کا سوگ نہیں منایا تو ان کا سوگ کیا مناتے بس وقت گزر گیا بات گزر گئی اب آپ لوگوں نے جو چکر چلا رکھا ہے تو آپ کا یہ اپنا کام ہے اور کوئی کام نہیں ہوگا آپ کو۔ کہیے یہ افسانہ کیسا رہا۔'' اس نے کہا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑی وہ دونوں سکتے کے عالم میں اس عورت کو دیکھ رہے تھے پھر شہروز نے کہا۔

''بس اب اس کے چونکنے کی باری تھی۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا''

''محترمہ پولیس آپ کو پریشان کر سکتی ہے۔''

''کر سکتی ہے کیا مطلب، اچھا خاصا پریشان کیا گیا ہے ہمیں اور بھی پریشانیاں ہمارے مقدر میں ہیں تو ہم حاضر ہیں۔''

''وہ آپ پر مرزا احسان بیگ کے قتل کے بارے میں شبہ بھی کر سکتے ہیں؟''

''شبہ کرنے سے کون روک سکتا ہے مثلاً آپ ہم پر کوئی شبہ کریں تو ہمیں کیا دلائل دیں گے۔''

''یہی کہ آپ کا ذہن ان سے نہیں مل سکا۔''

''اس کے نتیجے میں قتل تو نہیں کیا جا سکتا اور اگر آپ کا یہ خیال ہے تو جناب سراغ لگایئے، پچانئے اور لٹکایئے ہمیں پھانسی کے پھندے پر بھی یاد رکھیے اینڈ تو ہونا ہی ہے نا، اب یہ الگ بات ہے کہ ہمارا ڈراپ سین لکھا گیا ہے۔''

''اور اپنے پرانے مالک کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔'' ناہید نے سوال کیا۔

''بہت گھٹیا انسان ہے وہ گھٹیا اس لیے کہ اس نے ہم سے خود شناسی کرنے کے بجائے مرزا احسان بیگ کی شادی کرا دی اور خود اپنے مفادات حاصل کرنے میں مصروف ہو گیا۔''

''کیا آپ کی اس سے اب بھی ملاقات ہوتی ہے۔''

''ارے اب بھی وہ ہمارا سب سے بڑا ہمدرد اور اس کی آنکھوں میں ہمارے لیے وہی کیفیت ہے، ہو سکتا ہے اس کی آنکھوں میں کوئی خرابی ہو۔''

''کیا نام ہے ان کا، آپ نے نام نہیں بتایا۔''

''نام پوچھیں گے آپ۔''

''اگر کوئی حرج نہ ہو تو بتا دیجیے۔''

''زاہد علی نام ہے اس کا۔''

''زاہد علی اب آپ سے کیا کہتا ہے۔''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے ہمارا دماغ چاٹ رہا تھا ہم سے پوچھ رہا تھا کہ ہم مستقبل میں کیا ارادہ رکھتے ہیں، اصل میں احسان بیگ

نے ہمارا دل بہلانے کے لیے فرم کے معاملات ہمارے سپرد کر دیئے تھے شاید آپ کو یہ بات بھی کافی مشتبہ محسوس ہو اور آپ سوچیں کہ اچھا یہ اصل مسئلہ یہ تھا کہ ہم فرم کے مینیجنگ ڈائریکٹر ہیں سارے معاملات ہمارے علم میں لائے جاتے ہیں اور ہم سے دستخط بھی کرائے جاتے ہیں بہر حال ہم کاروبار وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔"

"اوہو۔ زاہد علی صاحب ابھی یہیں تھے جو کار میں گئے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"ان کی فرم کی کیا کیفیت ہے۔"

"ترقی کر رہی ہے پہلے فوکس ویگن لیے پھرتے تھے اب ہونڈا اسپوک ہے۔"

"وہ آپ سے ملتے رہتے ہیں۔"

"ہاں وہ اب ہم الجھ گئے ہیں انہوں نے ہمارا ذہن خراب کر دیا ہے۔"

"کیا آپ یہ بتائیں گی کہ ان کے دل میں کیا ہے۔"

"ہم روشن ضمیر نہیں ہیں لیکن ان کا چہرہ روز روشن ہے۔"

"اور اگر اب وہ آپ سے رجوع کرنا چاہیں تو۔"

"کمال کرتے ہیں آپ کوئی ایسا محبوب ہو جو ہم سے بچھڑا ہو جس کی یاد میں ہم سولہ سولہ آنسو بہاتے اور دن کی روشنی میں تارے تلاش کرتے تو بات الگ ہوتی اور آپ کیا کہتے ہیں کیا ایک شخص ایک بھٹی میں سے نکل کر دوسری بھٹی میں جا سکتا ہے۔"

"کاش آپ مجرم نہ ہوں۔"

"چھوڑیئے آپ بھی آئے تو ایک ایسی خاتون کے ساتھ جن کی نگاہوں میں آپ کے لیے محبت ہے ورنہ آدمی آپ بھی اچھے خاصے ہیں، خوبصورت بھی ہیں اور خوش جمال بھی، آپ کو ہم ذرا گہری نگاہوں سے تاڑتے لیکن آپ خود مصروف نکلے جو یہ تو ہے اچھا اب اجازت۔" شہروز نے کھڑے ہو کر کہا اور نائلہ مرزا نے ایک زبردست قہقہہ لگایا۔

"باہر جا کر یہ محترمہ آپ سے کہیں گی کہ خبردار اس تفتیش کو بھاڑ میں جھونکو آئندہ نائلہ مرزا بیگ کی جانب رخ بھی مت کرنا۔ مگر بی بی ایک بات سنتی جایئے آپ سے میں بڑی عورت نہیں ہوں۔ نہ کسی کو قتل کر سکتی ہوں۔ میں تو حالات کی چکی ہوں، بھوسا ہوا ایک ایسا گندم کا دانہ ہوں میں برابر بھی دونوں پاؤں کا دباؤ نہیں پڑا اور ایسے رخنوں میں چلی جاتی ہوں جس کی تلاش مجھے نہیں ہوتی لیکن پسنے سے بچ جاتی ہوں۔ کبھی پسنا ہی ہوگا پس جاؤں گی۔" شہروز ایک لمحے کے لیے سکتے کے عالم میں مسز احسان کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

"شکریہ نائلہ صاحبہ واقعی آپ بہت عجیب ہیں کاش ہماری ملاقات ایک غمناک حادثے میں نہ ہوتی۔"

"ارے بڑے اچھے الفاظ کہہ دیے آپ نے بیٹھیے اب اگر آپ کہیں تو آپ کو چائے وغیرہ بھی پلا دی جائے۔"

""نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔""

""بیٹھیے تو صحیح۔""

""اگر بیٹھوں گا تو کوئی نہ کوئی سوال ضرور کروں گا۔""

""کرڈالیے آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ کسی نائلہ سے واسطہ پڑا تھا۔""

""کیا وہ لڑکا جس کا نام جمال خان ہے قاتل ہو سکتا ہے۔""

""میں نے آپ سے پہلے بھی یہی بات کی تھی کہ میں ان جھگڑوں میں نہیں پڑتی سامان برآمد ہوا تھا اس کے پاس کمبخت اس وقت لیکر بھاگ جاتا۔ بہرحال آپ یقین کریں گے کہ مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔""

""اچھا اب اجازت۔"" اس نے کہا اور وہ وہاں نہیں رکے تھے۔

نائلہ کی باتوں سے دونوں کے دماغ گھوم کر رہ گئے تھے۔ بہرحال وہاں سے انہوں نے ایک ہوٹل ہی کا رخ کیا تھا۔ شہروز نے کہا۔

""کیا کہتی ہو اس عورت کے بارے میں۔""

""قاتل نہیں ہو سکتی۔"" ناہید نے جوابدیا۔ ""بہرحال دماغ گھما کر رکھ دیا کمبخت نے ویسے قاتل جمال خان اناڑی نہیں ہو سکتا اور پھر تم خود سوچو ناہید کہ قاتل کسی بھی سطح کا انسان ہو قتل کرنے کے بعد اس عمارت میں رک نہیں سکتا جس عمارت میں اس نے قتل کیا ہو جمال خان ہر قیمت پر سامان لے کر باہر نکلنے کی کوشش ضرور کرتا۔""

""واقعی بالکل ٹھیک کہتے ہو۔""

""یہ ایک نفسیاتی معاملہ ہے اور یہیں سے جمال خان کی بے گناہی ثابت ہو جاتی ہے چلو خیر چھوڑو اب سوال پیدا ہوتا ہے نیرہ بیگم کا جیسا کہ جمال خان نے بتایا کہ مجھے کئی بار نیرہ بیگم کے پاس بھیجا اور نیرہ بیگم کا رویہ اس کے ساتھ اچھا نہیں رہا جمال خان ہمیں بھی اس بارے میں نہیں بتا تا ویسے نیرہ بیگم کے بارے میں کیا کہتی ہو۔""

""بھول کر بھی نہیں سوچا جا سکتا۔""

""سوچ لو ناہید تمہارا یہ فیصلہ جذباتی تو نہیں ہے۔""

""کچھ بھی ہے لیکن میں اسے قاتل نہیں مان سکتی۔""

""ٹھیک ہے ہم اسے اس انداز میں شامل کر لیتے ہیں کہ وہ قاتل نہیں ہے بات رہ گئی نائلہ کی تو نائلہ کو اگر اسے قتل کرنا ہوتا تو اتنا طویل عرصہ اس کے ساتھ کیوں گزارتی۔""

""میں بتاؤں روشنی کہاں جا رہی ہے۔""

""کہاں ہے۔""

''زاہد علی۔'' ناہید نے کہا، اور شہروز پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

''اس کے علاوہ ایک اشارہ اور کرنا چاہتی ہوں۔''

''اشارے نہ کرو جواب دو۔''

''ویسے میں ایک بات بتاؤں ایک کام کرتے ہیں۔''

''بتایئے۔''

''ہم خاص طور سے زاہد علی کو نگاہوں میں رکھتے ہیں۔ لیکن جس شخص کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتی ہوں اس کے نام پر آپ کو بڑا تعجب ہوگا۔''

''کون۔''

''فیاض۔'' ناہید نے جواب دیا اور شہروز چونک پڑا دیر تک وہ ناہید کی صورت دیکھتا رہا تھا اور پھر بولا۔

''بات قابل غور ہے فیاض جمال خان کے قتل کا گواہ ہے۔ جمال خان اسی کوارٹر کے ایک حصے میں رہتا تھا، ویری گڈ ناہید اچھا سوچتی ہو۔''

''تو پھر کیا خیال ہے۔''

''دیکھتے ہیں غور کرتے ہیں ویسے ایک کام کرنا پڑے گا۔''

''کیا بات۔''

''نائلہ سے تنہائیوں میں ملنا پڑے گا اس نے مجھ سے پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔''

''سوچ لو خطرناک عورت ہے۔''

''ہاں میں تو خطرناک نہیں ہوں۔''

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے تو پھر ٹھیک ہے یہ بات طے ہوئی ہے کہ ہم فیاض کے بارے میں بھی غور کریں گے اور آپ تنہائی میں نائلہ صاحبہ سے ملاقات کریں گے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کرے۔'' ناہید نے کہا اور دونوں ہنس پڑے۔

معاملہ کافی سنگین نوعیت کا حامل تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں کسی قسم کی لاپرواہی نہیں برتی جا سکتی تھی لیپو آن نے فوری طور پر شیر جنگ اور بزمی صاحب کو کارواں ہاؤس پہنچنے کی ہدایت کی تھی اور انہوں نے پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ لیپو آن بے چینی سے ان کا انتظار کر رہا تھا اس نے فوری طور پر شہروز اور ناہید کو بھی پہنچنے کے لیے کہا تھا ان تمام لوگوں کو مشورے کے لیے بلانے کی ضرورت تھی۔ ناہید اور شہروز کیونکہ اس وقت دوسرے کام میں مصروف تھے لیکن کارواں ہاؤس کے اصولوں کے مطابق اس اہم اور سنگین معاملے میں انہیں فوراً طلب کر لیا گیا تھا۔

کارواں ہاؤس کے سرکردہ ممبران نے کارواں ہاؤس پہنچنے میں دیر نہیں لگائی، شہروز اور ناہید بھی پہنچ گئے تھے رسمی سلام دعا کے بعد لیمپو آن نے شہروز سے سوال کیا ہے۔

''ہاں بھئی تم بتاؤ کیا صورت حال ہے۔''

''ہم اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں۔''

''بے شک تمہارا اپنا کام الگ نوعیت کا حامل ہے اور تمہیں اپنے طور پر وہی سب کچھ کرنا ہے جو اس سلسلے میں ایک لازمی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ سنگین نوعیت کا ایک مسئلہ ہمارے سامنے آگیا ہے۔''

''وہ کیا۔'' سوال کیا گیا۔ اور لیمپو آن ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں پوری تفصیل ان لوگوں کو بتانے لگا، واقعات واقعی سنگین نوعیت کے تھے تو سب سنجیدہ ہو گئے شیر جنگ نے کہا۔

''وہ مائیکرو فلم آپ کے پاس موجود ہے مسٹر لیمپو آن۔''

''ہاں۔''

''اور آپ نے اسے دیکھ لیا ہے۔''

''ہاں۔''

''کیا آپ ہمیں بھی وہ فلم دکھا سکتے ہیں۔'' شیر جنگ نے سوال کیا اور لیمپو آن کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری ہو گئی کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

''بات اصل میں یہ ہے مسٹر شیر جنگ آپ ایک اعلیٰ پولیس کے عہدے دار ہیں اور میں آپ پر بھرپور بھروسہ رکھتا ہوں لیکن ایک بات آپ سمجھ لیجیے کہ میں بھی محب وطن ہوں اس سرزمین کا نمک کھا رہا ہوں تو اس کے ہر مفاد سے پوری طرح دلچسپی رکھتا ہوں میں نے اس لیے اس فلم کو دیکھ لیا کہ مجھے اس کے بارے میں کوئی تفصیل معلوم نہیں تھی لیکن جبکہ یہ تفصیل مجھے معلوم ہو چکی ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک قومی راز ہے اور یہ قومی راز عام لوگوں کے علم میں نہیں آنا چاہیے اس کا تعلق جس محکمے سے ہے، اس محکمے کے افسران بالا کو ہی اس کے بارے میں معلومات حاصل ہونی چاہیے اس لیے یہ فلم کم از کم جب تک میری تحویل میں ہے کسی کو نہیں دکھائی جا سکتی۔''

''خدا کی قسم مسٹر لیمپو آن آپ بہت بڑے آدمی ہیں۔'' شیر جنگ نے پر تاثر لہجے میں کہا۔

''تو پھر اس سلسلے میں کیا طے کیا گیا یہ فلم متعلقہ افراد تک پہنچانا شیر جنگ صاحب ہی کی ذمہ داری ہوگی۔''

''اور مسٹر لیمپو آن میں بھی خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ نہ تو اس فلم کو دیکھنے کی کوشش کروں گا۔ اور نہ ہی کسی اور کو دیکھنے دوں گا مکمل طور پر متعلقہ حکام تک یہ فلم وزارت داخلہ کے ذریعے پہنچائی جائے گی اور میں اس بارے میں کسی عام آدمی سے نہیں بلکہ براہ

راست وزیر داخلہ سے ملاقات کر کے ان کے حوالے کروں گا۔''

''ٹھیک ہے، ہم اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے ہیں لیکن مسٹر لیمپو آن وہ شخص جس کا آپ نے دانت لگایا تھا یقینی طور پر اس بات سے آگاہ ہو جائے کہ فلم غائب کر دی گئی ہے ایسی صورت میں آپ کے لیے خطرات درپیش ہوں گے۔''

''سو فیصد ایسا ہی ہے، میں نے عارضی طور پر دوکان بند کر دی ہے اور مجھے کچھ عرصے تک روپوش رہنا پڑے گا۔''

''میرا خیال کچھ اور ہے مسٹر لیمپو آن۔'' شیر جنگ نے مداخلت کی اور سب اسے دیکھنے لگے۔

''کیا۔ ان لوگوں کو گرفتار کرنا ہماری ذمے داری نہیں ہوگی۔ جو اس عمل کے محرک ہیں۔ لازمی طور پر کوئی ایسا گروہ یا کوئی ایسے جرائم پیشہ افراد مصروف عمل ہیں جو ہمارے ملک کے اہم اور قیمتی راز چرانا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ کامیاب ہو بھی گئے ہیں وہ شخص جس نے مسٹر لیمپو آن سے دانت لگایا تھا یقینی طور پر اس بات سے واقف ہونے کے بعد کہ مائیکرو فلم دانت میں نہیں رکھی گئی۔ مسٹر لیمپو آن تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ اور ہم مسٹر لیمپو آن کو نگاہوں میں رکھ کر اسے گرفتار کریں گے چنانچہ میرے خیال میں مسٹر لیمپو آن کو دوکان کھولنی چاہیے۔''

''ہاں ایسا ہے تو بہتر اور مسٹر لیمپو آن کے نکل آنے کے بعد یہ ساری کاروائی اور بھی خوفناک ہو جائے گی چنانچہ اس شخص کو قبضے میں کرنا ضروری ہے۔'' لیمپو آن نے مسکرا کر کائی شائی کو دیکھا اور بولا۔

''دیکھو شہروز کا اپنا ایک الگ مقام ہے کام تو باقی افراد بھی کر رہے ہیں لیکن وہ بے مثال ذہانت کا مالک ہے میں تم سے اتفاق کرتا ہوں مسٹر شہروز اور واقعی میں دوکان کھولوں گا اور دیکھوں گا کہ کیا صورتحال رہتی ہے۔'' بہرحال یہ فیصلے کرنے کے بعد یہ کانفرنس ختم ہوگئی، شہر جنگ نے سب سے پہلے وزیر داخلہ سے ملاقات کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی اور بمشکل تمام اسے وزیر داخلہ سے ملاقات کا موقع مل سکا، ایک پولیس آفیسر کی درخواست بڑی مشکل سے منظور ہوئی تھی۔ وزیر داخلہ نے اسے صرف دس منٹ دیئے تھے اور شیر جنگ ان کے پاس خفیہ ملاقات کے لیے پہنچ گیا لیکن اس کے انکشاف نے وزیر داخلہ کے کان کھڑے کر دیئے تھے۔

''ملک میں کوئی ایسا ملکی یا غیر ملکی گروہ مصروف عمل ہے جناب جو ہمارے اہم قومی راز چرا رہا ہے اور اس سلسلے میں اسے کامیابی بھی حاصل ہوگئی ہے۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں آفیسر۔''

''جناب بڑے خفیہ طریقے سے مجھے ایک فلم حاصل ہوئی ہے۔ ایک مائیکرو فلم جو ایک محب وطن شخص نے مجھے دے کر کہا ہے کہ یہ متعلقہ محکمے تک پہنچا دی جائے اس میں ہمارے اہم قومی راز پوشیدہ ہیں۔'' وزیر داخلہ کا چہرہ شدید تجسس کا شکار ہو گیا تھا اس سلسلے میں کارواں گروپ کو بھی بچانا تھا۔ کوئی نشاندہی بھی نہیں کرنی تھی۔ شیر جنگ نے یہ ہی کہا کہ ایک خفیہ ٹیلی فون کے ذریعے یہ اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے ایک ڈینٹسٹ سے اپنا مضبوط دانت اکھڑوایا اور اس کی جگہ نیا دانت لگوایا اور ڈینٹسٹ کو کچھ رقم دے کر اسے ہدایت کی کہ اس

مصنوعی دانت میں ایک چھوٹی سی مائیکروفلم پوشیدہ کر دے لیکن ڈینٹسٹ ایک محب وطن آدمی تھا اس نے دانت تو لگا دیا لیکن فلم حاصل کر کے شہر جنگ کو اطلاع دی اور خفیہ طریقے سے اپنے آپ کو ظاہر کیے بغیر وہ فلم شیر جنگ تک پہنچا دی۔

بہر حال ایک انتہائی سنسنی خیز خبر تھی، فلم وزیر داخلہ کو پیش کر دی گئی اور اس سلسلے میں شیر جنگ نے ان سے رسید بھی لے لی اس نے کہا بہر حال وہ ایک پولیس آفیسر ہے، وزیر داخلہ نے اسے بخوشی رسید دے دی تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ہدایت کر دی تھی کہ اس گروہ کے جس فرد کو اس ڈینٹسٹ نے دیکھا ہے، آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ آپ اس گروہ کو گرفتار کرانے کی کوشش کریں گے میں بھی اعلیٰ پیمانے پر اس گروہ کے خلاف کاروائی کا آغاز کرتا ہوں یہ معمولی بات نہیں ہے آپ کا مجھ سے رابطہ رہنا چاہیے، میں آپ کو ایک خصوصی اجازت نامہ ایشو کرا دوں گا جس سے آپ ہر وقت ہر لحہ کسی بھی مسئلے میں مجھے مل سکتے ہیں۔''

''جناب عالی بس میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ فلم متعلقہ محکمے کو پہنچ جانی چاہیے۔''

''آپ بالکل بے فکر رہیں میں بھی ایک محب وطن آدمی ہوں میں پوری رازداری کے ساتھ یہ کام سرانجام دوں گا۔''

ادھر لیمپو آن نے دوکان کھول لی تھی اور اسی شام جب وہ دوکان سے باہر نکلا اور منصوبے کے مطابق پیدل چل کر ایک آٹو رکشہ تک پہنچا تو آٹو رکشہ کو چار آدمیوں نے گھیر لیا ایک بڑی ویگن آٹو رکشہ کے پاس لگی تھی، رکشے ڈرائیور کو تھپڑ مار کر نیچے اُتار دیا گیا اور لیمپو آن کو رکشے میں سے نکال کر اس بڑی ویگن میں بٹھایا گیا۔ زبیر شاہ، قادر بخش وغیرہ پوری طرح چوکس تھے اور مختلف طریقوں سے اس ویگن کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ ویگن چل پڑی اور پھر ایک بڑی سی عمارت میں داخل ہو گئی موٹر سائیکلوں پر بیٹھے ہوئے زبیر شاہ اور اس کے آدمی فوراً ہی اپنی اپنی گاڑیاں کھڑی کر کے نیچے اُتر آئے وہ پوری طرح مسلح تھے اور انہوں نے عمارت کو گھیرے میں لے لیا تھا جس میں وہ لوگ داخل ہوئے تھے لیمپو آن کو ان لوگوں نے دبوچ رکھا تھا۔ اور پھر اسے ایک بڑے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ لیمپو آن نے اس شخص کو دیکھا جس کا نام ڈی فور تھا۔ ڈی فور آتشی نگاہوں سے لیمپو آن کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

''چینی جادوگر...... زندگی سے کتنی دلچسپی ہے؟''

''زندگی ایک قیمتی چیز ہے ماسٹر! میں نے آپ کو پہچان لیا ہے کوئی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے؟''

''بے ایمانی کرنے کی کوشش کرو گے بتاؤ وہ مائیکروفلم کہاں ہے جو میں نے دانت میں رکھوائی تھی۔''

''ذرا منہ کھولیے جناب!'' لیمپو آن نے کہا اور ڈی فور نے خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں تمہاری گردن کاٹ کر پھینک دوں گا، بہت چالاک بننے کی کوشش مت کرو میں جانتا ہوں کہ تم ایک معمولی سے آدمی ہو ایک ڈینٹسٹ ہو تو نے سوچا ہو گا کہ یقیناً اس فلم میں کوئی ایسی خاص بات ہو گی جس کی وجہ سے میں اسے اس طرح دانت میں رکھوا کر منہ میں فٹ کرا رہا ہوں کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ جب مجھے دانت میں فلم نہیں ملے گی تو تم مجھ سے اس کے بدلے رقم اینٹھو گے۔''

''میں آپ کیا کہہ کر مخاطب کروں جناب!''

''مجھے مخاطب کرنے کے بجائے مجھے یہ بتاؤ کہ وہ فلم کہاں چھپائی ہے میں تمہیں اس کے لیے پیسے دے سکتا ہوں؟ بتاؤ کیا چاہیے تمہیں۔''

''جناب عالی اگر وہ کوئی ایسی فلم ہے جو دانت کے اندر تحلیل ہو گئی ہو تو دوسری بات ہے ورنہ میں نے تو اسے آپ کی ہدایت کے مطابق دانت کے اندر رکھ کر دانت آپ کے منہ میں فٹ کر دیا تھا ایک بات بتایئے سوتے میں کہیں آپ کا دانت نکل تو نہیں گیا تھا آپ نے اسے اُٹھا کر دوبارہ لگا لیا ہو۔''

''بکواس سے باز نہیں آؤ گے بوڑھے کیوں زندگی کے دشمن بن گئے ہو۔''

''زندگی کا دشمن میں نہیں آپ ہیں مسٹر! ذرا پیچھے مڑ کر دیکھ لیجیے۔'' ڈی فور نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے قادر بخش نظر آیا۔ زبیر شاہ اور اس کے آدمیوں نے ڈی فور کے دوسرے آدمیوں کو تو قبضے میں کر لیا تھا۔ صرف دو آدمی اندر موجود تھے۔ انہوں نے قادر بخش کو اندر دیکھ کر پستول نکالنے کی کوشش کی لیکن لیمپو آن کی زوردار لاتیں ان دونوں کی کمر پر پڑیں اور وہ دونوں واقعی اتنی دور جا کر دیوار سے ٹکرائے کہ سوچا نہیں جا سکتا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی لیمپو آن نے چھلانگ لگائی اور ڈی فور کی گردن میں پیروں سے قینچی ڈال لی۔ پھر اس نے ایک پلٹی کھائی اور ڈی فور کو زمین چٹا دی، ڈی فور بہت طاقتور آدمی تھا۔ لمبے چوڑے بدن کا مالک لیکن یہ جونک اس سے اس طرح چمٹ گئی تھی کہ وہ انتہائی کوشش کے باوجود اپنے آپ کو اس سے نہ چھڑا سکا۔ اس عمارت سے پانچ آدمی گرفتار کیے گئے تھے اور تھوڑی دیر کے بعد زبیر شاہ لیمپو آن اور دوسرے افراد ان لوگوں کو لے کر کارواں ہاؤس کی طرف چل پڑے تھے۔

فیاض اپنے کوارٹر میں چلا گیا تھا لیکن کوارٹر کی کھڑکی کا پٹ کھول کر وہ اس کے قریب بیٹھ گیا، یہاں سے اندرونی عمارت کا صدر دروازہ نظر آتا تھا وہ نگاہیں جمائے بیٹھا رہا۔ طویل انتظار کے بعد اس نے ان دونوں کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا دونوں کار میں بیٹھ کر چل پڑے تھے تب فیاض اپنی جگہ سے اُٹھا اور باہر نکل آیا کچھ دیر وہ باہر ٹہلتا رہا پھر اندر داخل ہو گیا کچھ دیر کے بعد وہ نائلہ کے سامنے تھا۔

''باہر کوئی کام تو نہیں ہے بیگم جی۔''

''نہیں کیوں؟''

''ذرا باہر جا رہے ہیں؟''

''کیوں؟''

''وہ جی بس حقے کا تمبا کو ختم ہو گیا ہے۔'' فیاض نے گردن جھکا کر کہا۔

''نہیں مجھے کوئی کام نہیں ہے۔'' نائلہ نے جواب دیا اور فیاض گردن جھکا کر باہر نکل آیا۔ گیٹ سے باہر نکلنے کے بعد اس کی رفتار تیز ہو گئی اور اچھا خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک میڈیکل اسٹور کے سامنے پہنچ گیا، میڈیکل اسٹور پر ایک شخص موجود تھا اس نے فیاض کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''بھئی فیاض چکر تو ہے۔''

''وہ بس جی ملا کی دوڑ مسجد تک آپ کے پاس تو ایک ہی کام سے آجاتے ہیں ہم۔''

''اچھا اچھا ٹیلی فون کرنا ہے۔''

''ہاں جی وہ بس کیا بتائیں کبھی کبھی۔''

''کیا گھر کے لوگ تجھے ٹیلی فون نہیں کرنے دیتے۔''

''صاحب جی جتنے بڑے لوگ ہوتے ہیں ناں یہ بس نام کے بڑے ہوتے ہیں اور پھر ملازموں کو تو یہ سمجھتے ہیں جیسے اللہ کی مخلوق ہی نہیں ہیں کیا بتائیں صاحب جی دنیا بہت بری ہے، بہت ہی بری۔''

''فلاسفر مت بن بھائی چل ادھر بیٹھ جا کر لے فون تجھے کبھی منع کیا ہے۔'' میڈیکل اسٹور کے مالک نے فون فیاض کی طرف بڑھا دیا نہ جانے اس نے کہاں رابطہ قائم کر رکھا تھا وہ فون اس کو دے کر اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا، فیاض نے ایک نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا لیا تھوڑی دیر کے بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہاں کون ہے؟''

''فیاض بول رہا ہوں۔''

''ہاں فیاض بولو خیر ہے؟''

''جی صاحب غریبوں کی خیر کہاں ہوتی ہے۔''

''کیوں کیا ہوا؟''

''آپ جب نکلے تھے نا تو آپ نے ایک گاڑی دیکھی ہو گی جو ادھر سے آرہی تھی؟''

''گاڑی......''

''جی سفید رنگ کی تھی۔''

''میں نے غور نہیں کیا بات کیا ہے؟''

''صاحب جی! گیٹ پر آ کر ہم نے دروازہ کھلوانے کی کوشش کی تو ہم نے پوچھا ہے کون۔ گیٹ کھلا ہی ہوا تھا ہم بند کرنے جا رہے تھے تو وہ صاحب جو تھے تو انہوں نے گاڑی ہی چڑھا دی ہمارے اوپر بڑے عجیب لوگ تھے۔ صاحب جی اندر چلے گئے ہم لپکے کہ بھائی بتا تو دو کون ہو تو تھپڑ مار دیا ہمارے منہ پر۔''

''کیا؟''

''ہاں جی۔''

''کون تھے وہ لوگ؟''

''صاحب جی ایک جوان سا آدمی تھا ایک عورت بھی تھی اس کے ساتھ بڑا عجیب معلوم ہوتا تھا پھر وہ اندر چلے گئے اور بیگم جی سے بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔''

''تمہارے منہ پر تھپڑ مار دیا؟''

''ہاں جی۔''

''کون تھے وہ لوگ؟ اور تھپڑ کیوں مارا۔''

''مجھے کیا معلوم جی میں نے تو بس پوچھا تھا کہ آپ ہیں کون اور کس سے ملنا ہے۔ وہ تو ڈاکٹر معلوم ہوتے تھے صاحب، خیر بیگم جی سے باتیں کرتے رہے اور بہت دیر تک ان کے پاس رہے، اب ہم سامنے تو جا نہیں سکتے تھے اب وہ چلے گئے ہیں تو آپ کو خبر دے رہے ہیں آپ نے حکم دیا تھا ناں جی کہ ہر آنے والے پر کڑی نظر رکھی جائے مگر صاحب جی یہ تھپڑ تو بڑا الٹا پڑا ہے ہمارے گال پر۔''

''حلیہ بتاؤ؟''

''بس صاحب جی بتایا تو ہے کہ بڑھیا کپڑے پہنے ہوئے تھے جوان آدمی تھے جوان عورت بھی بہت اچھی لڑکی معلوم ہوئی تھی۔''

''فیاض تم سے کہا ہے میں نے کہ ایسے موقعوں پر بزدلی مت دکھایا کرو۔ نائلہ کے آس پاس رہا کرو کہ کس سے باتیں کر رہی ہے کیا باتیں کر رہی ہے۔''

''صاحب جی! مالک تو مالک ہی ہوتے ہیں، ہمت کیسے پڑے ہماری۔''

''اچھا یہ بتاؤ اس کی گاڑی کا نمبر دیکھا؟''

''نمبر۔'' فیاض نے کہا پھر ہنس کر بولا۔

''آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ صاحب جی ہمیں پڑھنا لکھنا کہاں آتا ہے۔ وہ تو ٹیلی فون کے نمبر آپ نے گھما کر دکھا دیئے ہیں کہ پہلے یہ گھماؤ پھر یہ گھماؤ پھر یہ بس ہم نے جگہیں پکڑلی ہمیں ورنہ ہمیں تھوڑی معلوم ہو کہ کیا نمبر ہے۔'' فیاض نے کہا۔

''وہ اچھا بھئی ٹھیک ہے۔''

''صاحب جی کون ہو سکتے ہیں وہ آپ کے خیال میں؟''

''کیسی باتیں کرتے ہو فیاض اتنی دور بیٹھ کر میں یہ کیسے بتا سکتا ہوں کہ وہ کون ہو سکتے ہیں مگر بات تم نے عجیب کہی ہے کوئی شریف آدمی ہوتا تو کسی ملازم کے گال پر اس طرح تھپڑ تو نہیں مار دیتا۔''

''کیا بتائیں جی بس بس آج کل شکل سے جو شریف نظر آتے ہیں وہی سب سے گڑبڑ ہوتے ہیں۔''

''کون ہو سکتے ہیں وہ؟''

''بند کردیں فون یہ تو ہمارے دوست کی مہربانی ہے کہ اتنی دیر وہ ہمیں ٹیلی فون کرنے دیتا ہے ورنہ ہمارے لیے تو یہ بھی مشکل ہو جائے ویسے صاحب جی! ڈر لگتا ہے۔''

''فیاض فضول باتوں سے گریز کرو بس ہم نے تمہاری بات سن لی اب تم ٹیلی فون بند کردو۔''

''جی صاحب جی۔''

''میں خود تم سے ملوں گا۔''

''جی صاحب جی۔'' فیاض نے کہا اور ٹیلی فون بند کردیا۔

میڈیکل اسٹور کا مالک اس کی باتوں سے بے نیاز اپنے کاموں میں مصروف تھا ویسے بھی فیاض اتنی آہستہ آہستہ بول رہا تھا کہ الفاظ کسی اور کی سمجھ میں نہ آئیں۔ پھر اس نے پانچ روپے کا نوٹ ٹیلی فون کے نیچے دبا دیا اور مالک کو سلام کرکے باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

سردار علی، فرحان علی ناہید کو اورنگزیب کے بارے میں رپورٹ پیش کی کہ ایک اہم رکن کی حیثیت سے وہ لوگ ناہید کا بڑا احترام کرتے تھے، بہر حال ٹرانسمیٹر پر نوید نے کہا۔

''میڈم۔ آپ کی ہدایت کے مطابق ہم نے اورنگزیب اینڈ کمپنی کے بارے میں پوری پوری چھان بین کرلی ہے، یہ کمپنی کچھ عجیب نوعیت کی حامل ہے چھوٹا سا دفتر ہے لیکن بڑی خوبصورتی سے اس کی ڈیکوریشن کی گئی ہے تین آدمیوں کا اسٹاف تھا، دفتر کا مالک اور نگزیب تھا۔ تھوڑی بہت امپورٹ ایکسپورٹ لیتے ہیں یہ لوگ لیکن نہ ہونے کے برابر، اسٹاف کو بڑی باقاعدگی سے تنخواہ ملتی ہے اورنگزیب گرینڈ پلازہ کے اپارٹمنٹ میں نمبر 231 میں رہتا ہے۔ شاندار کار ہے اس کے پاس اور بظاہر اچھی خاصی حیثیت کا مالک ہے تنہا آدمی ہے، غیر شادی شدہ ہے اس کی فرم کے بارے میں جو تفصیلات معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ پہلے بڑی کسمپرسی کے عالم میں گزر بسر کر رہا تھا اسٹاف میں بھی صرف ایک آدمی تھا جس کا نام شہباز خان تھا اب تین افراد ہیں، تینوں کو اپنے باس سے کوئی شکایت نہیں ہے بقول ان کے کاروبار اب چل پڑا ہے۔ اور انگزیب اب اچھی خاصی حیثیت کا مالک ہے اس کے ماضی کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا میڈم کیونکہ اس کا حلقہ احباب محدود ہے اور کوئی بھی ایک ایسا فرد نہیں ملا جو اس کے بارے میں شناسائی کا اظہار کرے، بڑی محدود شخصیت کا مالک ہے۔''

''اس کی یہ فرم کتنے دن سے قائم ہے؟''

''تقریباً چار سال سے۔''

''اور مین پوائنٹ یہ ہے کہ وہ پہلے بہت ہی کسمپرسی کے عالم میں تھا۔'' ناہید نے پوچھا۔

''جی میڈم اور اس اپارٹمنٹ میں اسے منتقل ہوئے صرف چند سال ہوئے ہیں۔''

''ہوں ٹھیک ہے او کے۔'' ناہید نے کہا اور اس کے بعد سلسلہ منقطع کردیا گیا۔ ناہید تھوڑی دیر تک پنسل سے سر کھجاتی رہی اور اس

کے بعد ٹیلی فون کا ریسیور اُٹھا کر اس نے شہروز کے نمبر ڈائل کیے ریسیور شہروز نے ہی اُٹھایا تھا۔

''ہیلو۔''

''کمال ہے ناہید اب بھی تسلیم نہیں کرو گی۔''

''کیا؟''

''کوئی اچھا سا شعر یاد نہیں آ رہا ہے اس موقع کے لیے اس لیے معذرت۔''

''موقع کیا ہے؟''

''وہ جو کہتے ہیں نا، کبھی دل کے آئینے میں تصویر یار۔''

''جی جی۔''

''اب ذرا صورت حال بدل گئی ہے۔''

''اس کے بارے میں بھی ارشاد فرمائیں۔'' ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''بس اب کچھ یوں ہے کہ ٹیلی فون کے ریسیور میں ہے آواز دوست۔''

''ہنہ یہ نہ جما۔'' ناہید نے کہا۔

''نہ سہی آواز دوست تو سنائی دے گئی جبکہ یاد ہی کیا تھا۔''

''رپورٹ مل گئی ہے۔''

''ارشاد ہو جائے۔''

''فارغ ہیں؟''

''قطعی نہیں۔''

''اوہو کیا کر رہے ہیں۔''

''تمہیں یاد کر رہے تھے۔'' شہروز نے جواب دیا اور ناہید ہنس پڑی پھر بولی۔

''اب سن تو لیں رپورٹ کیا ہے؟''

''چلو تمہاری حسین آواز میں کچھ سنیں گے رپورٹ ہی سہی۔'' شہروز نے کہا اور ناہید چند لمحات کے لیے خاموش ہو گئی۔

''ہیلو۔''

''ہاں ہاں۔ سن رہی ہوں ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔''

''ریسیور کی تو ضرورت بھی نہیں ہے جو کچھ کہنا ہے ویسے ہی کہہ دو عاشقوں۔''

''جی۔جی۔جی پوچھیں۔'' ناہید جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہوگئی۔

''ہاں ہاں دورِ جدید سے متعلق کیا کہا جا رہا تھا۔''

''کچھ نہیں۔ہواؤں کا پیغام کبھی کبھی حضرت مجنوں وصول کرلیا کرتے تھے اور ڈرامہ نگار بلکہ اسٹیج آرٹسٹ ہواؤں کے اس پیغام کو بڑی محنت سے وصول کرتے تھے۔ لیلیٰ مجنوں کا ڈرامہ کرتے ہوئے بہرحال چھوڑیے ان باتوں کو اور اورنگزیب کے بارے میں رپورٹ موصول ہوئی ہے تھوڑی سی کارآمد بھی زیادہ نہیں۔''

''ہاں کیا رپورٹ ہے۔'' شہروز بھی سنجیدہ ہوگیا اور ناہید نے تمام تفصیل شہروز کے سامنے دہرادی، شہروز نے چند لمحوں کے لیے سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر بولا۔

''میرے خیال میں ناہید اس سے زیادہ معلومات ہو بھی نہیں سکتی تھیں۔''

''ہاں یقیناً اندازہ یہی تھا ویسے شہروز کیا خیال ہے اپنے اس نظریے پر قائم رہ سکتے ہیں؟'' ناہید نے سوال کیا۔

''کوئی حرج بھی نہیں ناہید میرے خیال میں تصور خاصا مضبوط لیکن اگر اس میں سقم نکلا تو بعد میں دیکھ لیں گے کہ کیا صورت حال ہے فی الحال اسی لائن پر کام کرنا بہتر رہے گا۔''

''ویسے شہروز کیا یہ ظلم نہیں ہے؟''

''بہت ظلم ہے ناہید لیکن بس تھوڑا سا وقت گزار لو میرا اپنا تو اندازہ یہی ہے کہ شادی کرنے کے بجائے محبت کرنا زیادہ دلکش ہے محبوب کی طلب کی آنچ دل و دماغ کو ہمیشہ متحرک رکھتی ہے اور انسان اس آنچ میں آہستہ آہستہ سلگتا رہتا ہے قربت کی خواہش اور تربت نہ ہونے کا یقین میرا خیال ہے میں غلط بول رہا ہوں۔''

''بالکل غلط بول رہے ہیں آپ یہ کہانی شروع کردی آپ نے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب تو خود میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''تم نے کہا تھا ناں کہ یہ ظلم ہے۔''

''آپ نے کون سا ظلم سمجھا؟''

''میرے اور تمہارے درمیان کے فاصلے۔''

''نہیں جناب! ایسی کوئی بات نہیں ہے مجھے خود بھی ابھی اپنی ممی اور ڈیڈی کے ساتھ بہت وقت گزارنا ہے۔''

''کیوں، کیا تو شادی کے بعد اس میں کیا گڑبڑ ہوجائے گی۔''

''آپ کا کیا مطلب کیا ہے؟''

''مطلب یہ ہے کہ ساتھ ساتھ ہی رہیں گے۔''

''خدا آپ کو سمجھے میں اس ظلم کی بات نہیں کر رہی تھی۔'' ناہید نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تو پھر؟''

''میرا مطلب ہے گنجائش تھی تحقیق کی لیکن ایک غریب کی گردن میں پھانسی کا پھندہ فٹ ہو گیا تو لوگوں نے سوچا کہ اب مزید تگ ودو کی کیا ضرورت ہے ایک شخص مل گیا ہے تو اسے لٹکا دو۔''

''ناہید ہمارا جہاد تو یہ ہی ہے کہ ایسے مظلوم کے لیے جدوجہد کریں آپ غیر سنجیدہ ہو جاتے ہیں، شہروز میں واقعی بہت دکھی ہوں۔''

''ناہید ایسے صدمے ہمیں بارہا جھیلنے پڑے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ کسی طرح آسانی سے بے گناہوں کو جیل اور پھر تختہ دار کے پہنچا دیا جاتا ہے کیونکہ ان کی دادرسی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اہل ثروت اپنے لیے اخراجات کر کے آسانیاں فراہم کر لیتے ہیں اور غریب ان پر قربان ہو جاتا ہے۔''

''ہمارے اس جہاد کی جدوجہد تیز ہونی چاہیے۔ شہروز ہم ایک آدھ آدمی کو بچا لیتے ہیں لیکن دیکھو کتنے بے گناہ ناانصافیوں کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔''

''کاش ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ ہوتا ہے جس سے ہم ان کو بچا لیتے۔''

''ہاں۔ کاش ایسا ہوتا۔'' ناہید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ پھر بولی۔ ''تو اب کیا پروگرام ہے؟''

''اب ایسا کرتا ہوں کہ اس سلسلے کے دوسرے پورشن پر کام کرتا ہوں۔''

''بتاؤ گے؟''

''ٹیلی فون پر۔''

''جیسا مناسب سمجھو۔'' ناہید نے کہا اور شہروز ہنس پڑا پھر بولا۔

''بہت چالاک ہو ناہید۔''

''کیوں؟''

''اب تم کہو گی کہ ریستوران پہنچا جائے؟''

''جی نہیں مجھے فرصت نہیں ہے آپ ٹیلی فون پر ہی بتائیے۔''

''ناراض ہو گئیں۔''

''نہیں جناب بالکل نہیں ویسے بھی واقعی کچھ مصروف ہوں۔'' ناہید نے کہا۔

''ٹھیک ہے ناہید میں اس سلسلے کے دوسرے پہلو پر کام شروع کر رہا ہوں۔''

''مثلاً''

''مثلاً یہ کہ ہمارے علم میں جو باتیں آئی ہیں ان میں ایک بات یہ بھی اہمیت رکھتی ہے کہ اورنگزیب نے نائلہ کی شادی مرزا احسان بیگ سے کرائی تھی اور اورنگزیب کو تھوڑے ہی عرصے کے اندر اندر ترقی حاصل ہوئی ہے نیز یہ کہ نائلہ اب اس فرم کی دیکھ بھال کر رہی ہے جس کا تعلق مرزا احسان بیگ ہے کچھ لوگ اس فرم میں ضرور ایسے ہوں گے جنہیں یہ بات معلوم ہوگی کہ مرزا احسان بیگ اور اورنگزیب کے درمیان کیا رشتہ ہے۔''

''یعنی؟''

''دولت کے رشتے کی بات کر رہا ہوں۔''

''گڈ بالکل ٹھیک تو میرے خیال میں اس کے لیے کیا احسان بیگ کی فرم کا چیف اکاؤنٹنٹ مناسب نہیں رہے گا؟''

''بالکل مناسب رہے گا یہی میرے ذہن میں بھی۔''

''تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟''

''نہیں ناہید میرا خیال ہے طریقہ کار مختلف رکھا جائے آخر میں ایک تھانیدار ہوں صرف کارواں گروپ کا آفیسر ہی نہیں۔''

''ہوں سمجھ رہی ہوں مجھے رپورٹ ضرور دیجیے گا۔''

''تمہیں دل دے دیا ہے۔ دل سے پوچھ رپورٹ پتا چل جائے گی۔ اوکے میں ٹیلی فون بند کر رہی ہوں۔'' ناہید نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر ٹیلی فون بند کر دیا اور اورنگزیب نے نائلہ احسان بیگ کے نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگا یا دوسری جانب سے نائلہ کی آواز سنائی دی تھی۔

''ہیلو''

''نائلہ میں اورنگزیب بول رہا ہوں۔''

''جی سر حکم فرمائیے۔''

''نائلہ تم اب بھی مجھے سر کہنا نہیں چھوڑو گی؟''

''کیسے چھوڑ سکتی ہوں سر آپ کی نوکر رہ چکی ہوں۔''

''میں جانتا ہوں نائلہ تم انتہا پسند ہو وہ نظریات تمہیں چھوڑ سکتیں جو تمہارے ذہن میں بس گئے ہیں۔''

''آپ کی باتیں اتنی الجھی ہوئی ہوتی ہیں سر کہ نہ پہلے کبھی میری سمجھ میں آئیں نہ اب آئی ہیں میں آپ کی نوکر رہ چکی ہوں آپ کی فرم میں آپ کی سیکرٹری اور اس وقت میں آپ کو سر ہی کہا کرتی تھی۔''

''نائلہ تم کبھی یہ بھول نہیں سکتی۔'' اورنگزیب نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

''سر انسان اگر اپنے ماضی کو بھول جائے تو میں سمجھتی ہوں کہ وہ ہمیشہ ٹھوکریں کھاتا ہے۔''

''دیکھو مجھ سے اس لہجے میں بات نہ کرو نائلہ میں بیمار ہوں میں اس قدر بیمار ہوں نائلہ کہ تم تصور نہیں کر سکتیں۔''

''تو سر میں آپ کی صحت کے لیے دعائیں کروں گی۔''

''مجھے دعاؤں کی ضرورت نہیں مدد کی ضرورت ہے۔''

''اگر آپ تنہا ہیں تو میں آپ کے لیے ڈاکٹر ارینج کیے دیتی ہوں۔ بہرحال آپ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔''

''مجھے ڈاکٹر کی نہیں تمہاری ضرورت ہے نائلہ۔''

''میری؟''

''ہاں۔''

''لیکن میں کون سی دوا دے سکتی ہوں آپ کو......''

''میری تیمارداری کو آجاؤ۔''

''میں؟''

''ہاں۔''

''کہاں آجاؤں سر؟''

''میرے فلیٹ پر۔''

''سر اس کے لیے معذرت خواہ ہوں، آپ کو اندازہ ہے کہ زمانہ بہت نازک چیز ہے لوگ انگلیاں اُٹھانے میں ایک لمحہ دریغ نہیں کرتے کسی کے کردار کو مسخ کر دینا ان کے لیے دنیا کی سب سے آسان بات ہوگی تھوڑی سی زندگی باقی رہ گئی ہے عزت سے گزر جائے تو بہتر نہیں ہے اور آپ سے زیادہ میری بہتری اور کون چاہ سکتا ہے آپ کو اندازہ ہے سر کہ میں بہرحال آپ کے احسان مندوں میں سے ہوں اور آپ نے واقعی مجھ پر بڑے احسانات کیے ہیں بھول تو نہیں سکتی ناں۔''

''نائلہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں تمہارے پاس آنا چاہتا ہوں۔''

''بیماری کے عالم میں؟''

''ہاں آج میں تم سے کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میری ہر بیماری کا علاج تم ہو نائلہ میں تمہارے سامنے نروس ہو جاتا ہوں وہ نہیں کہہ پاتا جو دل میں ہوتا ہے، بہت غور کرنے کے بعد میں نے یہ ہی فیصلہ کیا ہے کہ ٹیلی فون پر تم سے اپنی تمام تر کیفیات بیان کر دوں۔''

''سر میرا خیال ہے کہ آپ کی ذہنی کیفیت میں بخوبی سمجھتی ہوں یہ میرا اپنا خیال ہے آپ اس کی تصدیق نہ کر پائیں تو کوئی حرج

نہیں ہے۔"

"نائلہ میں آنا چاہتا ہوں۔"

"آپ آتے رہتے ہیں سر! میں نے منع تو نہیں کیا آپ کو۔"

"میں آرہا ہوں۔"

"تشریف لائیے آج آپ کی آمد کوئی ایسی دھما کہ خیز چیز نہیں ہوگی میرے لیے۔"

"ہوگی نائلہ آج میں نائلہ میں آرہا ہوں پلیز میں آرہا ہوں پلیز اور کچھ نہ کہنا بس میں آرہا ہوں۔ خدا حافظ۔"

اورنگزیب نے ٹیلی فون بند کر دیا چند لمحات ریسیور کو گھورتا رہا پھر اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ لباس کو تبدیل کر کے اپنی گاڑی میں بیٹھا اور سیٹھ احسان بیگ کی کوٹھی کی جانب چل پڑا راستے بھر وہ سوچ میں ڈوبا رہا اور پھر اس وقت چونکا جب گاڑی مرزا احسان بیگ کے گھر کے پاس پہنچ گئی، ہارن بجانے پر فیاض نے دروازہ کھولا اور اورنگزیب کو دیکھ کر چونک پڑا، اورنگزیب نے کار آہستہ آہستہ آگے بڑھائی اور بولا۔

"وہ لوگ دوبارہ تو نہیں آئے؟"

"نہیں جناب۔"

"مجھ سے زیادہ بات مت کرو۔ گیٹ بند کردو۔" اورنگزیب نے کہا اور گاڑی آگے لے جا کر پورچ میں روک دی۔ نیچے اُترا اور اس کے بعد راستوں سے گزرتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوگیا۔ ایک ملازم سے اس نے کہا کہ وہ آیا ہے نائلہ ایک سادہ لباس میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئی اور اورنگزیب نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"ہیلو نائلہ دل تو چاہتا ہے کہ آج تمہاری خوابگاہ میں پہنچ جاتا۔ لیکن پھر ہمت ساتھ نہ دے سکی۔"

"سر آپ ایک تعلیم یافتہ آدمی ہیں۔ ادب و آداب کے شناسا یہ بات آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ خواب گاہیں امانت ہوتی ہیں۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔" وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا۔"

"تم نے میری خیریت نہیں پوچھی؟"

"ارے ہاں شاید۔" نائلہ نے کہا۔

"میں شدید بیمار ہوں۔"

"مجھے افسوس ہوا۔" نائلہ نے کہا، اور پھر کافی دیر خاموشی سے گزر گئی، اورنگزیب غمزدہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''چائے کے لیے نہیں پوچھوگی؟''

''ضرور پوچھوں گی کیا آپ چائے پئیں گے جناب۔''

''ہاں تم شاید یقین نہ کر پاؤ مجھے چھو کر دیکھو۔ شدید بخار میں مبتلا ہوں۔'' نائلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

''تمام باتوں کے باوجود میرا تعلق مشرق سے ہے اور تقریباً مسلمان ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ غیر محرم کو چھونا گناہ ہے۔''

''کتنے تیر برساؤ گی نائلہ۔''

''سر میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپ واقعی بیمار ہیں۔ آج آپ کی گفتگو اتنی معیاری نہیں ہے جتنی معیاری گفتگو آپ کرتے ہیں۔''

''ہاں نائلہ یہ بات کہہ سکتی ہو کیا کیا جائے انسان کیا چیز ہے کبھی کبھی نیکیاں کرتا ہے اور وہی نیکیاں اس کی گردن کے گرد پھانسی کا پھندہ بن جاتی ہیں۔ نائلہ آج سب کچھ کہہ دینا چاہتا ہوں۔ شاید آخری بار مجھے تھوڑا سا برداشت کرلو۔ نائلہ آج میرے دل کا پورا حال سن لو۔ وعدہ کرتا ہوں ایک فرد کی طرح کہ اس کے بعد کبھی یہ الفاظ دوبارہ زبان پر نہیں لاؤں گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے نائلہ کہ دوبارہ تم سے کبھی ملنے کی کوشش بھی نہ کروں۔''

''ارے۔ ارے نہیں ایسا مت کیجیے آپ کو تو اندازہ ہے کہ میرے شناسا اور ہمدرد نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کاروباری لوگ تو بہت سے ہیں چلے آتے ہیں لیکن ایسا کوئی نہیں ہے جو اتنی آسانی اور بے تکلفی سے یہاں آجاتا ہو۔ بہرحال آپ جو کہنا چاہتے ہیں کہیں میں نے منع تو نہیں کیا ہے آپ کو۔''

اورنگزیب نے غمزدہ لہجے میں گردن جھکالی کچھ دیر خاموش رہا پھر جب اس نے آنکھیں اٹھائیں تو اس میں آنسو تیر رہے تھے اس نے کہا۔

''نائلہ تم پہلی بار ملازمت کے سلسلے میں میرے پاس آئیں تو میرے دل میں تمہارے لیے ہمدردی کا ایک مقام پیدا ہوگیا۔ تمہاری معصوم صورت دیکھ کر میرے دل کو یہ احساس ہوا کہ خدا کرے تم میرے پاس خوش رہو خدا کرے میں تمہارے لیے وہ سب کچھ کر سکوں جو ایک انسان ایک انسان کے لیے کرسکتا ہے۔ نائلہ اس تصور کی وجہ میرا ماضی تھا میں نے ہمیشہ کسی ہمدرد کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں، میں نے ہزاروں خواب دیکھے یہ خواب عجیب ہوتے تھے۔ نائلہ کبھی میں سوچتا ہوں کہ کوئی اچانک مجھ تک پہنچے گا مجھ سے کہے گا کہ تم میرے بیٹے کے ہمشکل ہو میرا بیٹا مر چکا ہے۔ میں تمہیں اس کی جگہ دینا چاہتا ہوں اور اس کے بعد نائلہ مجھے محبت کا وہ مقام حاصل ہوگیا جس کا میں آرزومند تھا۔''

لیکن اس مقام کی عمر کوئی خاص نہیں تھی تصور سے آنکھ کھلی اور اس کے بعد وہی ویرانے جو میرے اطراف بکھرے ہوئے تھے اتنا غیر مستحکم ہوگیا تھا نائلہ اپنے وجود میں کہ یہ یقین ہی کھو بیٹھا تھا کہ زندگی میں میرا بھی کوئی مقام ہوگا کوئی میرے قریب آئے گا۔ مجھے قبول کر لے گا۔ مجھے اپنا لے گا نائلہ نہیں ہوسکا ایسا یہاں تک کہ تم آئیں تمہارے ساتھ جو رویہ میں نے اختیار کیا وہ فطری تھا۔

ان حقیقتوں پر مشتمل جو دنیا کی حقیقتیں ہوا کرتی ہیں۔ لیکن پھر نائلہ میرے دل میں تمہارے لیے محبت کا ایک پیغام پیدا ہوا۔ نائلہ میں نے تمہیں چاہنا شروع کر دیا، لیکن ایک پسماندہ ذہن یہ سوچنے سے قاصر رہا کہ اس کی چاہت اسے مل بھی سکتی ہے میں نے اپنے آپ سے زیادہ تمہیں چاہنا شروع کر دیا۔ اور پھر میری یہی دیوانگی اس سوچ کی بنیاد بنی کہ تمہیں ایک حسین زندگی دوں۔ نائلہ میں نے اپنی قربانی دے دی۔ میں نے اپنے آپ کو تم پر قربان کر دیا تمہاری بہتری کے لیے چونکہ میرے حالات ایسے نہیں تھے کہ جس مقام پر میں تمہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں وہاں تک لے جا سکوں۔ نائلہ پھر میں نے اپنے آپ کو اور میری دیوانگی نے تمہیں ایک بار پھر مجھ سے دور کر دیا میں نے اجنبی کر دیا تمہیں اپنے لیے اور مرزا احسان بیگ تمہاری تقدیر کا مالک بن گیا۔

نائلہ میں بعد میں کس طرح انگاروں پر لوٹا ہوں میں نے کیسی بھیانک راتیں گزاری ہیں۔ شاید میں تمہیں اس بارے میں بتا نہ سکو اور نائلہ اس کے بعد تقدیر نے جو بھیانک کھیل کھیلا میں کسی کو کچھ نہیں کہوں گا جو کچھ ہوا نائلہ وہ نوشتہ تقدیر تھا لیکن آج سب طوفان کے راستے کھل گئے ہیں آج میرا دل شدت سے رو رہا ہے جو کہنا چاہتا ہوں دیوانگی میں کوئی کمی نہیں ہے، نائلہ میں وقت کے اس فیصلے کو اپنے لیے سمجھنے کا خواہش مند ہوں۔ میری آرزو کہ جو کچھ کھو چکا ہوں وہ پالوں۔ نائلہ سوچو میرے بارے میں غور کرو اب کوئی روکاٹ نہیں ہے میں کچھ نہیں چاہتا تم سے جو کچھ تمہارے پاس ہے پھینک دو اب میں اس قابل ہوں کہ تمہیں خوش رکھ سکوں نائلہ میں تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں بالکل اسی طرح جیسے روز اول میں نے تمہارے خواب دیکھے تھے۔"

نائلہ کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگئی وہ غور سے دیکھ رہی تھی اور محسوس کر رہی تھی کہ اس کی آنکھوں میں ایک دیوانگی کی چمک ہے کیا یہ چمک حقیقی ہے، آہ کوئی ایسا پیانہ ہوتا جو اس چمک کی حقیقت جان لی جاتی جو باتیں وہ کر رہا تھا وہ باتیں نائلہ کو متاثر کر رہی تھیں کیا یہ شخص سچ بول رہا ہے کیا اس نے میرے لیے ایثار کیا تھا۔ لیکن جو کچھ اس نے کہا ہے کیا وہ ممکن ہے کیا دنیا اس کی اجازت دے گی کیا یہ سب کچھ ہو سکتا ہے وہ بہت دیر تک سوچتی رہی اور نگزیب اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"گویا آپ چاہتے ہیں سر کہ۔"

"نہیں نائلہ مجھے سر نہ کہو وہ تو میں کبھی نہیں تھا۔ میں تو خادم تھا تمہارا خدمت کرنا چاہتا تھا تمہاری۔"

"لیکن اورنگزیب صاحب! آپ مجھے خود بتائیے کیا ہو سکتا ہے اب۔"

"نائلہ سب کچھ ہو سکتا ہے کیا بگڑا ہے کچھ بھی نہیں بگڑا شاید میری تقدیر نے ہی مجھے موقع فراہم کیا ہے میں بڑا انسان نہیں ہوں نائلہ میں یہ نہیں کہتا کہ مرزا احسان بیگ کا مر جانا بہتر ہوا۔ طبعی موت ہوتی تو شاید اس قدر افسوس نہ کیا جاتا لیکن وہ بے چارا ایک حادثے کا شکار ہو گیا اور حادثے کوئی نہیں روک سکتا، نائلہ میں نے تو اپنے دل پر پتھر رکھ لیا تھا اور جس لیے رکھا تھا آج تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے لیکن اب یہ کم بخت دل نہیں مانتا وقت نے ایک بار پھر تمہیں میری دنیا میں لا پھینکا ہے اور اب میں تمہیں گنوانا نہیں چاہتا نائلہ اب میں...... اب میں۔"

''مجھے سوچنا ہوگا اورنگزیب صاحب اور آپ یقیناً مجھ سے اتفاق کریں گے اورنگزیب صاحب آپ نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں بھی اپنی زبان آپ کے سامنے کھولوں میں نے تو یہ تصور بھی نہیں کیا تھا آپ نے جس طرح میری پذیرائی کی اس کے بعد مجھے ایک ایسے شخص کے حوالے کر دیں گے جس کا کبھی مجھ سے ذہنی رابطہ نہیں تھا۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں، آپ خود سوچ سکتے ہیں کتنا فرق تھا ہماری لہروں میں کتنا اختلاف تھا۔ ہماری سوچوں میں اور مجھے وہ سب کچھ گزارنا پڑ رہا تھا بھول گئی تھی میں اپنے آپ کو کہ میں کیا ہوں آپ یقین کیجیے میں نے اپنی عمر احسان بیگ کی عمر سے ہم آہنگ کر لی تھی۔ اپنی سوچیں بوڑھی کر لی تھیں جوانی کا ایک دن میرا اپنا نہیں رہا بوڑھی بن کر زندگی گزار دی میں نے......'' نائلہ کی آواز گلوگیر ہوگئی اور اورنگزیب اس کے قریب آ گیا۔

''مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے نائلہ اور یہ احساس اس شدت سے مجھ پر حاوی ہے کہ میں ضبط کا ہر بند توڑ بیٹھا ہوں مجھ پر غور کرنا نائلہ ہمدردی سے غور کرنا ساری زندگی تنہائی کے صحرا میں جلتا رہا ہوں جتنی بھی زندگی رہ گئی ہے اس میں تھوڑی سی نمی چاہتا ہوں محبت کی نمی، مجھ پر غور کرنا نائلہ، بس یہ کہنے جا رہا تھا میں تم سے جا رہا ہوں اب میں۔''

''بیٹھیں کچھ پییں گے کوئی ٹھنڈی چیز۔'' اورنگزیب نے غمزدہ انداز میں گردن جھکالی نائلہ نے ملازم کو بلا کر کوئی مشروب لانے کے لیے کہا اور اورنگزیب کافی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

''وہ اس وقت جب میں تمہارے پاس سے جا رہا تھا تو میں نے ایک گاڑی دیکھی تھی غور نہیں کیا تھا اس پر لیکن اس میں کچھ اجنبی لوگ تھے غالباً ایک مرد اور ایک عورت تھے وہ۔''

''نام تو مجھے یاد نہیں رہا لیکن ان کا تعلق پولیس سے تھا مجھ سے معلومات حاصل کرنے آئے تھے۔'' نائلہ نے کہا۔

''نام ذہن میں نہیں ہے کیا وہ سی آئی ڈی سے تعلق رکھتے تھے۔''

''نہیں شاید کیا نام بتایا تھا انہوں نے بالکل یاد نہیں رہا۔''

''کیا سوالات کر رہے تھے۔''

''بس وہی جو اسی سے پہلے کیے جاتے رہے ہیں۔''

''اب اس کی کیا گنجائش رہ گئی ہے قاتل تو پکڑا گیا ہے مقدمہ چل رہا ہے تمام ثبوت اور شواہد مل گئے ہیں اسے پھانسی ہو جائے گی مزید تفتیش کیا معنی رکھتی ہے۔''

''پتا نہیں۔''

''تم نے انہیں کیا بتایا نائلہ؟'' اورنگزیب نے سوال کیا اور نائلہ ہنس پڑی۔

''بس آنکھ مچولی کھیلتی رہی جو کچھ دل میں تھا کہہ دیا اچھے لوگ تھے بہت دوستانہ انداز تھا کوئی تفتیش کر رہے ہوں گے۔ عدالتی کارروائیوں کے سلسلے میں کچی بات ہے میں نے زیادہ غور ہی نہیں کیا۔''

''کچھ نام وغیرہ یاد نہیں آتا ان کا؟''

''میں نے غور نہیں کیا تھا تھوڑی دیر بیٹھے میں نے چائے بھی نہیں پلائی تھی انہیں آپ جانتے ہیں ان دنوں مجھ پر کتنی بیزاری طاری ہے۔'' اورنگزیب پرخیال انداز میں اس کی صورت دیکھتا رہا تھا پھر اس نے کہا۔

''تعجب کی بات ہے چالان پیش ہو چکا ہے مقدمہ چل رہا ہے۔ پھر کیسی تفتیش معلوم کرنا پڑے گا بلکہ معلوم کرنا چاہیے۔'' نائلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

☆......☆......☆

فیروز خان ایسے معاملات میں بڑی کارآمد شخصیت تھی، اس کا رویہ ایسا ہوتا تھا کہ انسان کی آدھی جان تو پہلے ہی نکل جائے ویسے بھی رضوان ملک کچھ ایسی شخصیت کا مالک تھا جو صرف کاروباری اور اپنے کام سے کام رکھنے والی ہوا کرتی ہے اس کا چہرہ پیلا پڑ رہا تھا اور وہ کانپ رہا تھا، فیروز خان اسے لیے ہوئے شہروز کے آفس میں داخل ہو گیا۔

شہروز نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور نرم لہجے میں بیٹھنے کی پیشکش کی، رضوان ملک کانپتا ہوا بیٹھ گیا تھا فیروز جان نے کہا۔

''سر! یہ اس فرم کا اکاؤنٹنٹ ہے۔''

''کیا تم نے انہیں فرم سے گرفتار کیا ہے؟''

''ابھی گرفتار کدھر کیا ہے صاحب ابھی تو شرافت سے لے کر آئے ہیں فرم کے باہر چھٹی کر کے نکلے تھے ہم انہیں گاڑی میں بٹھا لائے۔''

''جناب عالی میرا جرم کیا ہے پولیس کو مجھے گرفتار کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟''

''رضوان ملک گرفتار نہیں کیا گیا تمہیں پولیس کی تفتیش کو سمجھنے ہوتا ہم ایک قتل کے سلسلے میں تفتیش کر رہے ہیں اور یہ قتل تمہاری فرم کے مالک احسان بیگ کا ہے۔''

''صاحب ہم سے پوچھ گچھ تو ہو چکی۔''

''کیا پوچھ گچھ ہوئی تھی تم سے؟''

''بس یہی صاحب تھانے بلایا گیا تھا اور ہم سے پوچھا گیا تھا کہ کیا ہم کسی ایسی شخصیت کی نشاندہی کر سکتے ہیں جو مرزا احسان بیگ صاحب کی قاتل ہو سکتی ہے۔ صاحب ان کا قتل ان کے گھر میں ہوا۔ ان کے معاملات کیا ہیں ہمیں کیا معلوم...... ہم تو فرم کے معاملات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے احکامات کی پابندی کرتے رہے اب بیگم صاحب کا ہم سے رابطہ رہتا ہے اور ان کے احکامات کی پابندی کرتے ہیں لیکن ہمارا اصل کام تو حساب رکھنا ہے۔''

''رضوان ملک صاحب! ایک بات آپ اچھی طرح جان لیجیے پولیس جب کوئی بات اگلوانا چاہتی ہے تو اسے ہر طرح کے

اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ ہمارا کبھی کسی سے ذاتی جھگڑا نہیں ہوتا ہم تو صرف جرم کی تفتیش چاہتے ہیں ہاں اگر کچھ لوگ ذاتی معاملات پر اتر آئیں تو پھر ہماری مجبوریاں سامنے آجاتی ہیں اور ہم ہر طرح کی سختی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔''

''سر میں تو ایک شریف آدمی ہوں میری ساری زندگی کا ریکارڈ بے داغ ہے، نہ میں نے کبھی کوئی بے ایمانی کی نہ حساب کتاب میں کوئی گھپلا ہوا آپ جس طرح چاہیں معلومات حاصل کرلیں، اس کے باوجود اگر کسی نے مجھ پر کوئی الزام لگایا ہے تو براہ کرم آپ مجھے بتا دیجیے میں اس کی صفائی پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔''

رضوان ملک کی حالت واقعی بہت خراب ہو رہی تھی اصل میں اس پر ابتدائی دباؤ ڈال کر اسے حقیقت پر زبان کھولنے کے لیے مجبور کرنے کا تصور تھا۔ ورنہ ایک شریف آدمی کو پریشان کرنا خود شہروز کی فطرت میں شامل نہیں تھا۔

شہروز نے چند لمحات خاموشی اختیار کی پھر کہا۔ ''دیکھیے، رضوان ملک صاحب ہم کبھی کبھی تحقیقات کرنے پر اس طرح مجبور ہو جاتے ہیں کہ دوسرا ہمیں ظالم سمجھنے لگتا ہے بات یہ نہیں لوگ تعاون نہیں کرتے اور ہمارے لیے مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں خیر آپ سے جو معلومات ہمیں حاصل کرنی ہیں ان کے بارے میں پہلے آپ کو یہ بتا دوں کہ وہ صرف آپ کے اور پولیس کے درمیان ہیں۔ میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ ہمیں صرف جرم سے دشمنی ہوتی ہے انسان سے نہیں مجرم جو کوئی بھی ہو وہ ہمارا حریف بن جاتا ہے۔ شریف آدمیوں کو پریشان کرنا شاید کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ آپ سے جو سوالات میں کروں آپ یہ سمجھ لیجیے کہ وہ آپ کے اور پولیس کے درمیان ایک راز کی حیثیت رکھتے ہیں بات اگر کہیں آپ کی زبان سے نکل گئی تو آپ یوں سمجھ لیجیے کہ اس کے بعد صحیح معنوں میں ہماری اور آپ کی دشمنی کا آغاز ہوگا۔''

''نہیں صاحب ہم تو دشمنیاں مول نہیں لینا چاہتے آپ کا جو حکم ہوگا اس کی تعمیل کی جائے گی آپ بالکل اطمینان رکھیے۔''

''رضوان ملک صاحب! خوب غور کر کے بتایئے کہ مرزا احسان بیگ اور اورنگزیب کے درمیان کیا تعلقات تھے؟'' رضوان ملک کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے حیرت کے آثار نظر آئے پھر وہ آہستہ سے بولا۔

''قسم لے لیجیے صاحب! مالکوں کے تعلقات تو ہزاروں افراد سے ہوتے ہیں ملازموں کو ان کی کھوج نہیں کرنی چاہیے ان کے درمیان لین دین چلتا رہتا تھا۔''

''میں اسی لین دین کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' شہروز نے کہا۔

''صاحب! صحیح تفصیل تو ہمارے کھاتوں میں درج ہوگی۔ لیکن یوں سمجھ لیجیے کہ کئی بار بڑی بڑی رقمیں اکاؤنٹ سے نکالی گئیں اور اورنگزیب صاحب کو پیش کی گئی اس کے لیے احسان بیگ نے ہمیں خصوصی ہدایات دی تھیں ہم نے یہ رقمیں براہ راست ہی اورنگزیب صاحب کے حوالے کی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کھاتوں میں اورنگزیب صاحب کا نام نہیں ہے بلکہ وہ مرزا احسان بیگ کے ذاتی اکاؤنٹ میں شامل کی گئی ہیں۔''

''گڈ کیا وہ تاریخیں آپ کے پاس موجود ہیں جن میں یہ رقمیں ادا کی گئیں۔''

''ایک ایک چیز موجود ہے جناب کھاتوں میں ہے۔''

''کچھ اندازہ ہے یہ رقومات کتنی ہوں گی۔''

''کچھ دن پہلے آڈٹ ہوا تھا جناب! اور ہم نے معلومات بھی حاصل کی تھیں کہ وہ رقمیں کس کے حساب میں ڈالیں، مرزا احسان بیگ نے کہا تھا کہ ان کے ذاتی اکاؤنٹ میں ڈال دی جائیں۔ رقم تقریباً ساٹھ لاکھ تھی۔''

''ساٹھ لاکھ۔'' شہروز نے حیرت سے پوچھا۔

''جی صاحب! کچھ اوپر ہی صحیح فیگر ہم آپ کو رجسٹرڈ میں دیکھ کر بتا سکیں گے۔''

''اور کتنی بار یہ رقمیں دی گئی ہیں۔''

''تین چار بار صاحب کبھی بیس لاکھ کبھی دس لاکھ بس ایسے ہی فگر میں۔''

''ہوں اور ان کا کوئی حساب کتاب اورنگزیب کے نام پر نہیں تھا۔''

''بالکل نہیں کھاتوں میں اورنگزیب صاحب کا نام نہیں ہے۔''

''انہیں ان رقموں کے چیک پیش کیے گئے ہیں۔ بلکہ ہمیں ہدایت کی جاتی تھی کہ رقم منگوالی جائے اور جب اورنگزیب صاحب آئیں ان کے حوالے کر دی جائے۔''

''ٹھیک ہے بس اتنی سی بات تھی۔ رضوان صاحب جو آپ سے معلوم کرنی تھی۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے جو آپ سے کہا گیا ہے اس پر عمل کر لیجیے ہم آپ کا نام بھی بھول جائیں گے۔ ہاں یہ ٹیلی فون نمبر رکھ لیجیے اور ذرا ان تاریخوں کے بارے میں تفصیلات کل کسی وقت بتا دیجیے اور اس کے بعد سب کچھ بھول جائیں، خاص طور سے آپ کو یہ خیال رکھنا ہے کہ آپ کا یہاں آنا اور ہمارے سوالات بس یہ آپ کے ذہن سے نکل جائیں، کوئی اگر آپ سے کتنا ہی پوچھے آپ اس بارے میں قطعی نہیں بتائیں گے یہ سمجھ لیجیے کہ یہ پولیس سے تعاون ہے۔''

''اگر ہماری زبان سے یہ بات کہیں باہر نکل جائے تو آپ ہمیں پھانسی دے دیجیے گا صاحب ہم ویسے بھی پولیس کا احترام کرتے ہیں۔''

''آپ جا سکتے ہیں رضوان ملک صاحب فیروز خان انہیں عزت و احترام کے ساتھ باہر پہنچا دو۔'' فیروز خان نے سلوٹ کر کے رضوان سے باہر چلنے کے لیے کہا تھا شہروز، رضوان ملک کے اس بیان پر گہری سوچ میں ڈوب گیا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

☆......☆......☆

نائلہ کا ذہن سنگ رہا تھا اس نے اپنے آپ کو حالات کے سپرد کر دیا تھا، تقدیر بھی عجیب چیز ہوتی ہے ایسے ایسے جھٹکے دیتی ہے کہ انسان چکرا کر رہ جائے زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند تھی بس زمانے کے ہاتھوں شکار ہوتی رہی تھی اپنے طور پر اس نے اپنی تمام زندگی میں

کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ وقت نے جن راستوں پر لا ڈالا انہی پر چلتی رہی اور اب ایک نیا دوراہا سامنے آ گیا تھا اورنگزیب نے جس دل سوزی سے اپنی کہانی سنائی تھی اس نے نائلہ کے ذہن کو پھر سے ڈانواں ڈول کر دیا تھا خود بھی پڑھی لکھی تھی، احمق نہیں تھی یہ جانتی تھی کہ اس کی زندگی اب اس قدر غیر مستحکم نہیں ہے فرم کے معاملات چل رہے تھے اس کے مشیر قانونی نے اسے تمام حساب کتاب پیش کیے تھے اور نائلہ نے بہرحال ان پر نگاہ رکھی تھی۔ اور خاصے بہتر انداز میں اپنے پورے اسٹاف کو کنٹرول کیا تھا وہ صرف ایک گھریلو عورت نہیں تھی بلکہ مرزا احسان بیگ کی موت کے بعد اس نے اپنے لیے مستقبل پر بھی غور کیا تھا۔

لیکن اورنگزیب بھی اس طرح اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا اور اب جب اورنگزیب اپنی داستان غم سنا کر گیا تھا وہ اس مشکل کا شکار ہو گئی تھی اب کیا کرے، مردوں کے بارے میں گہرا نظریہ نہیں رکھتی تھی اور نہ ہی اسے کوئی تجربہ تھا لیکن زندگی خاصی طویل تھی اور اس کی زندگی میں تنہائیاں ہی تنہائیاں شاید اس کے لیے عذاب بن جائیں اپنے آپ کو جس طرح ڈھالا تھا۔ اس میں ایک استحکام تو بے شک تھا لیکن اس خوف کا شکار تھی کہ آنے والا کوئی لمحہ اس استحکام کو ختم نہ کر دے اور تنہائیاں اسے کسی ایسے المیے سے دوچار نہ کر دیں جو اس کے لیے باعث مصیبت بن جائے، ایک ساتھی ایک ہمراز زندگی کے لیے ضروری ہوتا ہے کیا یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچ ہے اگر یہ سچ ہے تو پھر اس نے تو وہ ایثار کیا ہے جو شاید انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ایثار پر بھروسا کیا جائے یا نہیں اپنے آپ کو تلخیوں کے ماحول میں ڈھال کر اس نے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کر لی تھی لیکن اچانک ہی یہ احساس ہو رہا تھا کہ زندگی ایک ساتھی کے بغیر ناممکن ہے کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے۔

رات اسی سوچ بچار میں گزر گئی تھی کہ اچانک ٹیلی فون پر ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی فون کر رہا ہو حالانکہ گھر میں دو لائنیں تھیں لیکن جس کسی نے بھی فون کیا تھا اس لائن پر کیا تھا جس کا کنکشن یہاں موجود تھا اسے تعجب ہوا اور اسی تعجب کی وجہ سے اس نے خاموشی سے ریسیور اُٹھا لیا اور ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر دوسری طرف ہونے والی گفتگو سننے لگی، کوئی کہہ رہا تھا۔

"سر جی فیاض بول رہا ہے۔"

"ارے فیاض خیریت اتنی رات گئے۔"

"صاحب جی! رات تو زیادہ نہیں ہوئی ہے۔"

"پھر بھی چلو خیر چھوڑو اور بتاؤ کیا بات ہے؟"

"صاحب جی! ہم بڑے پریشان ہیں۔"

"کوئی اور بات ہو گئی کیا۔"

"نہیں صاحب جی بات تو کوئی نہیں ہوئی لیکن اب ہمارا کام کر دیں تو اچھا ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو فیاض ابھی میں تمہارا کام کیسے کر سکتا ہوں اور مطلب کیا ہے تمہارا اس بات سے؟"

''صاحب جی! بچے بہت یاد آ رہے ہیں دو تین ماہ سے ہم انہیں تنخواہ تو بھیج دیا کرتے تھے مگر اب یہاں دل نہیں لگ رہا ہے ہمارا دل چاہ رہا ہے کہ اپنے گاؤں چلے جائیں اور بچوں کے ساتھ رہیں۔''

''فیاض ابھی جلد بازی نہ کرو بس یوں سمجھ لو کہ پھل پکنے ہی والے ہیں۔''

''صاحب جی! آپ نے ہمیں پچاس ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا اور ہم نے سوچا تھا کہ جب آپ یہ رقم ہمیں دے دیں گے تو ہم اپنے گاؤں واپس جائیں گے ایک ٹریکٹر خریدیں گے اور بچوں کے ساتھ رہ کر کھیتی باڑی کریں گے صاحب جی! اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو سارا کیا دھرا مٹی میں مل جائے گا یہ رقم آپ کے لیے بہت بڑی نہیں ہے صاحب جی ہمارے پیسے ہمیں دے دو اور اس کے بعد جو دل چاہے کرتے رہو ہم تو ہوں گے ہی نہیں۔''

''فیاض دیکھو میں تمہیں ایک بات سمجھاؤں، ہمارے لیے اس وقت تک خطرہ ہے جب تک جمال خان کے کیس کا فیصلہ نہ ہو جائے، اسے پھانسی کی سزا نہ دے جائے۔ دیکھو حالات کسی وقت بھی ایسا رخ اختیار کر سکتے ہیں کہ ہمیں اور تمہیں مل کر کوئی حکمت عملی طے کرنی پڑ جائے، سمجھ رہے ہو نا میری بات تم ساتھ ہو گے تو ہم کوئی بہتر بات سوچ سکیں گے تمہیں پتا ہے اس سلسلے میں تمہارے علاوہ اور کوئی رازدار نہیں ہے۔''

''دیکھیں صاحب جی وہ جو کہتے ہیں ناں کہ خون سر پر چڑھ کر بولتا ہے۔ کبھی کبھی ہمیں لگتا ہے کوئی ہماری گردن دبا رہا ہو صاحب جی! جب ٹٹول کر دیکھتے ہیں تو بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے پھانسی کا پھندا ہماری گردن میں کس رہا ہو۔''

''ایسا کبھی نہیں ہو گا فیاض میں جو ہوں۔''

''صاحب جی آپ بے شک ہو مگر آپ کی مہربانی ہو گی اپنا وعدہ پورا کر دو اور ہمیں رقم دے کر چھٹی کرو ہماری۔''

''اُفوہ بھئی اس وقت پچاس ہزار کی رقم میرے پاس نہیں ہے تم سمجھتے کیوں نہیں ہو، میں نے چڑیا کو دانہ ڈالا ہے میری ملاقات ہوئی ہے نائلہ سے اور میں نے اسے اپنی محبت کا یقین دلایا ہے فیاض کام تو پورا ہو جانے دو، نائلہ سے میری شادی ہو جائے اس کے بعد ظاہر ہے مرزا احسان بیگ کی تمام دولت میری ملکیت ہو گی اور پھر تمہیں پچاس ہزار کے بجائے ایک لاکھ بھی دیئے جا سکتے ہیں دیکھو دوست زندگی گزارنے کے لیے اور اچھی زندگی گزارنے کے لیے صبر کرنا ضروری ہوتا ہے ہم نے بیج ڈالا ہے پودا نکل آیا ہے اور اب وہ پودا پھل دینے ہی والا ہے۔''

''صاحب جی ہمیں ڈر لگتا ہے آپ سے...... ہم نے اپنے مالک کا خون کر دیا ہے اور ہم ہر وقت یہ سوچتے رہتے ہیں کہ گناہ تو کر لیا ہے ہم نے، پتا نہیں اس گناہ کا پھل کھانے کا موقع ہمیں ملے گا یا نہیں۔''

''بے وقوف آدمی ٹیلی فون پر ایسی باتیں کی جاتی ہیں خود بھی مرو گے اور مجھے بھی مرواؤ گے کہاں سے فون کر رہے ہو؟''

''نہیں صاحب جی! فون پر کوئی خطرہ نہیں ہے سب سوچ چکے ہیں، وہ میڈیکل اسٹور تو بند ہو ہی چکا تھا۔ ہمارا دل نہیں مان رہا تھا

دیکھو صاحب جی تمہیں اللہ کا واسطہ ہمارا کام کر دو۔''

''تم گدھے ہو ایسے میں یہ سب کچھ نہیں کر سکتا تم ایسی باتیں کر رہے ہو جس سے ہم دونوں پر مصیبت آجائے گی۔''

''صاحب جی! ہم تو ایک طرح سے بے گناہ ہی ہیں ہم نے تو جو کچھ کیا ہے آپ کے کہنے پر کیا ہے۔''

''بکواس کیے جا رہے ہو۔ اچھا سنو ایک ڈیڑھ ہفتہ انتظار کر لو۔ میں تمہاری رقم تمہیں دے دوں گا تو تم دفع ہو جانا، میں نے ایسا بے صبرا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ تھوڑے دن انتظار کر لیتے تو اصل رقم کے علاوہ انعام بھی مل جاتا۔''

''صاحب! آپ ہمیں پچاس ہزار روپے دے دو بس، ہم اپنے گاؤں چلے جائیں گے اور ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔''

''اچھا اچھا انتظام تو کرنا ہی ہوگا ناں مجھے۔''

''صاحب جی! جلدی سے کر لو ہم آپ کے ہاتھ جوڑتے ہیں۔''

''اچھا اب فون بند کر دو اگر کسی نے تمہاری آواز سن لی تو مصیبت بن جائے گی۔''

''جی صاحب جی ہم آپ کو پھر فون کریں گے۔''

''فون مت کرنا میں تم سے خود بات کروں گا اس سلسلے میں ہو جائے گا تمہارا کام زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''بہت بہت مہربانی صاحب جی!'' فیاض نے فون بند کر دیا۔

لیکن نائلہ کا پورا بدن پسینے میں ڈوب گیا، وہ تھر تھر کانپ رہی تھی اور ایک انوکھا انکشاف ہوا تھا بھلا اورنگزیب کی آواز وہ ٹیلی فون پر کیسے نہ پہچانتی، فیاض کی آواز بھی پہچان لی تھی اور جو کہانی ان دونوں کے درمیان ہو رہی تھی، اس کا ایک ایک لفظ بھی اس کی سمجھ میں آ رہا تھا اس کا پورا وجود جہنم کی آگ میں جھلسنے لگا تھا اور پہلی بار اس کے دل میں اس نوجوان لڑکے کے لیے ہمدردی اور شرمندگی کے جذبات پیدا ہوئے جو ان کا عذاب بھگت رہا تھا۔

آہ۔ جمال بے گناہ ہے اور اسے زبردستی کی سزا مل رہی ہے، قاتل فیاض ہے اور اس قتل کا محرک اورنگزیب یہ تو بڑی خوفناک بات ہے تو یہ تھا اورنگزیب کا پورا پھل آہ اس نے جو کچھ کہا جان بوجھ کر کہا نا قابل اعتبار ہستی ہے، وہ کسی کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا، بد بخت، بد طینت، بد فطرت اور اورنگزیب تو نے جو کچھ کیا ہے وہ انتہائی گری ہوئی حرکت ہے، آہ میں تمہیں کیسے معاف کر دوں، وہ معصوم نوجوان جسے اگر خوبصورت لباس پہنا دیا جاتا تو کسی اچھے گھرانے کا فرد معلوم ہوتا موت کی سزا کا انتظار کر رہا ہے اور یہ سزا اسے ہو جائے گی، نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے ایسا بالکل نہیں ہونا چاہیے۔

نائلہ جھلستی رہی پھر آہستہ آہستہ اس نے اپنے ذہن کو پرسکون کرنے کی کوشش کی اب اس پر ایک ذمہ داری عائد ہوتی تھی ایک فرض بن گیا تھا اس کا بے گناہ کو موت سے بچانا اس کا کام تھا جس کی ایف، آئی آر اس نے درج کرائی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ ایسی کوئی بات ہے بلکہ اسے نفرت ہوئی تھی جمال سے جو کچھ بھی تھا لیکن بہرحال مرزا احسان بیگ اس کا شوہر تھا اور اس شخص نے اس کے شوہر کو قتل کر دیا

تھا۔ آہ یہ سازش اورنگزیب نے کی ہے، وہ اس کے شوہر کا قاتل تھا اورنگزیب میں کوئی جاہل عورت نہیں ہوں، میں سمجھتی ہوں کہ یہ قدرت کی طرف سے میری رہنمائی ہے کہ تیری حقیقت وقت سے پہلے میرے سامنے آ گئی تو نے جان بوجھ کر پہلے مرزا احسان بیگ سے میری شادی کرائی اور پھر اسے قتل کرا دیا، اس خیال کے تحت کہ بعد میں تو میری زندگی کا مالک بن جائے گا اور مرزا احسان بیگ کی دولت تیرے قبضے میں ہوگی اس کے بعد تجھ جیسا بدنیت آدمی مجھے بھی قتل کر سکتا ہے یہ تیرے لیے کون سا مشکل کام ہوتا لیکن اب ایسا ہو نہیں سکتا میری جو رہنمائی ہوئی ہے، میں اس سے فائدہ اُٹھاؤں گی لیکن پوری ذمے داری کے ساتھ ان ثبوتوں کے ساتھ جو تیرے لیے پھانسی کا پھندہ بن سکیں۔

بہرحال نائلہ کے ذہن میں یہ آگ بھڑک رہی تھی پھر اس نے کئی گلاس پانی پیا اعصاب پرسکون ہوئے تو اس کے بعد اس نے سوچنا شروع کیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے، یہ دونوں بھی اسے یاد آئے جن میں سے ایک کا نام شہروز اور دوسری کا نام ناہید تھا۔ ان دونوں کی تلاش کس طرح کی جائے وہ بہت دیر تک منصوبہ بندی کرتی رہی پھر اس نے سکون کی ایک گہری سانس لی اپنے طور پر اسے اپنے وہ گر استعمال کرنا ہوں گے جو اسے موت کے پھندے میں پھنسا دیں بہت ذہانت، بہت عقل مندی سے کام کرنا ہوگا باقی جہاں تک رہا مستقبل کا سوال تو اب مستقبل کے لیے بہت سوچ کر فیصلے کرنا ہوں گے بہت دیر تک وہ اپنی سوچوں میں گرفتار رہی اور اس کے بعد پرسکون ہو کر آنکھیں بند کرلیں۔

☆......☆......☆

قمر زمان نے اخبار کو اس سج دھج کے ساتھ نکالا تھا کہ شہروز بھی حیران رہ گیا یہ لوگ باصلاحیت تھے اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے، اخبار کی ترتیب وغیرہ دیکھ کر شہروز بہت خوش ہوا تھا اور پھر اس روز قمر زمان صبح ہی صبح اس کے پاس پہنچ گیا شہروز نے مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

”سر! اصولی طور پر مجھے پہلا اخبار لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے تھا لیکن یہ کچھ روایتی بات ہو جاتی، میں نے سوچا کہ آپ کو اپنے اس درخت کے بارے میں دوسروں کی زبانی خبریں پہنچیں تو زیادہ مناسب ہوگا میں سمجھتا ہوں کہ اس سے آپ کی خوشی دو چند ہو جاتی۔“

”ٹھیک اور میں نے اخبار دیکھنے کے بعد تمہیں مبارکباد اس لیے نہیں دی کہ دوسروں کی زبان سے اس اخبار کے بارے میں مبارکباد سنیں۔“ قمر زمان ہنسنے لگا۔

”شہروز صاحب آج رات غریب خانے پر چند دوست جمع ہو رہے ہیں، اصل میں ہمیں یقین نہیں آ رہا کہ یہ سب کچھ جو ہوا ہے وہ ابوالحسن کے ساتھ نہیں ہوا ہے بلکہ ہمارے ساتھ ہوا ہے اور الف لیلیٰ کا ابوالحسن ہارون رشید کے دور میں نہیں ہے اس لیے آج میں اس بات کا یقین دلانے کے لیے آپ کو رات کے کھانے پر ہمارے ساتھ شریک ہونا پڑے گا۔“ اس نے کہا۔

”ضرور بھئی مجال ہے جو ہم نہ پہنچیں لیکن آپ کو ایک اور شخصیت کو تکلیف دینا ہوگی۔“

''اگر ناہید اور نواز علی صاحب کی بات ہے تو ارشد محمود ان کے پاس جا چکے ہیں ہاں اگر اس کے علاوہ اور کوئی بات ہو تو آپ فرمایئے۔''

''نہیں بس یہ ہی کہنا تھا۔''

''تو پھر رات کو آپ کا انتظار کریں گے ہم لوگ۔'' شہروز نے وعدہ کر لیا تھا۔

بہر حال دوستوں کی یہ محفل شہروز کے لیے بڑی دلکشی کا باعث تھی، رات کو جب وہ وہاں پہنچا تو تمام افراد نے اس کا استقبال کیا، وہ اس کے لے پھولوں کے ہار لیے ہوئے تھے۔

''نہیں جناب! بات اگر صرف ایک شخصیت کی ہوتی تو میں یہ ہار ضرور پہن لیتا اس میں تو یہ سمجھئے کہ بہت سے لوگ ہار پہنانے کے قابل ہیں اسی لیے میں اپنی پذیرائی قبول نہیں کر سکوں گا اور پھر میں نے تو آپ لوگوں کے ساتھ اپنی دانست میں اچھا سلوک کیا ہے اور آپ مجھے یاد سے دو چار کرنا چاہتے ہیں۔''

شہروز کی بات سے سب ہی محظوظ ہوئے ہے پھر قمر زمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہر چیز کا ایک فاؤنڈر ہوتا ہے آپ نے اس اخبار کی بنیاد رکھی ہے۔''

''یہ بھی غلط اخبار کی بنیاد تو رکھی جا چکی تھی آپ یہ کہہ سکتے ہیں قمر زمان صاحب کہ بس وہ مالی بحران کا شکار تھا۔ کیا مہمانوں میں کسی اور کو بھی آنا ہے۔'' شہروز نے نواز علی سے ہاتھ ملا کر مسکراتی نگاہوں سے ناہید کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ کی مراد سیٹھ عثمان سے ہے تو وہ ہماری اس محفل کے اہل نہیں تھے، فنانسر صرف فنانسر ہوتا ہے یہاں جو ایک گروپ ہے وہ الگ نوعیت کا حامل ہے اور اب ہم اپنے طور پر سپاس گزاری کرنا چاہتے ہیں ارشد کا خیال تھا شہروز صاحب کہ صدیقی صاحب کو بھی مدعو کیا جائے لیکن میں نے مناسب نہیں سمجھا۔''

''ہاں بہر حال وہ دوسرے اخبار سے تعلق رکھتے ہیں میرا خیال ہے کہ یہ بہتر ہی کیا آپ نے لیکن آپ یہ سپاس گزاری کی کیا بات کر رہے ہیں، ہم سپاس نامے کے ساتھ اخبار کی کاپیاں آپ کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔''

''اس کے لیے میں آپ سے عرض کروں پہلے دن کا اخبار اور آج تک کے اخبار میں نے اپنی تنخواہ کی کمائی سے خریدے ہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ محکمہ پولیس کی طرف سے خریدا گیا ہوگا یہ اخبار خرید کر میں نے ریکارڈ کے طور پر فائل کر دیا ہے۔''

''آپ ہر معاملے میں تیز رفتاری سے نکل جاتے ہیں۔ شہروز صاحب۔'' قمر زمان نے کہا۔

''ہاں میں تیز رفتار ہوں۔ مسٹر قمر زمان صاحب اس لیے سب سے پہلے سپاس نامہ میں آپ کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔''

''واہ چلئے چھٹی ہوئی۔'' قمر زمان نے کہا۔ فرح اور بچے بھی موجود تھے ناہید فرح سے بہت گھل مل گئی تھی، شہروز نے کہا۔

''خواتین و حضرات کھانے کے وقت پہلے اس کام کا آغاز ہو جانا چاہیے تاکہ کھانے کے بعد کی خوش گپیاں مختلف نوعیت کی حامل

ہوں جہاں تک سپاس نامے کا تعلق ہے تو ابتداء میں قمر زمان صاحب سے کروں گا۔ایک بے باک اور نوجوان صحافی جس نے شعبہ صحافت کی آبرو قائم رکھنے کے لیے اپنی زندگی پر دکھ جھیلا اور وہ روایت تازہ کی جو میرے باپ کے نام سے بھی موسوم ہے آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں عارف علی کا بیٹا ہوں اور عارف علی بھی ان بے باک اور سچے صحافیوں میں سے تھے جنھوں نے اپنی اَنا کی خاطر جان لٹا دی اور جھوٹ سے کبھی سمجھوتا نہیں کیا اس لحاظ سے آپ لوگ ہی سمجھتے ہیں کہ میرا روحانی رابطہ اس شعبے سے ہے اور ایک اخبار کو پھلتا پھولتا دیکھ کر مجھ سے زیادہ خوشی شاید کسی کو نہ ہو قمر زمان صاحب کی دلیری نے ایک بار پھر ماضی میرے ذہن میں تازہ کر دیا ہے اور ان کے لیے میں نے جو کچھ کہا وہ یوں سمجھ لیجیے کہ اصولی طور پر اپنے باپ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے کہا اور مجھے خوشی ہے کہ قمر زمان اس معیار پر پورے اُترے اس کے بعد ارشد محمود صاحب کو اپنے خلوص بھرے جذبات پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے مشکل ترین حالات میں کسی کی بے جا حد قبول کرنے کے بجائے صحافت کی سچائی کو زندہ رکھا اور آخر کار ایک وقت ایسا آ گیا جب انہیں اس کا پھل ملا اور اب وہ ایک مقتدر صحافی ہیں۔اس کے بعد کوئی اور شخصیت اس قابل نہیں جسے سپاس نامہ پیش کیا جائے اور سیٹھ عثمان جیسے لوگوں کو ہم دوستوں میں شمار نہیں کرتے۔ وہ تو حالات کی مجبوری کا شکار ہیں۔ہم چاہتے ہیں کہ یہ مجبوری ان پر ساری عمر مسلط رہے باقی جہاں تک اخبار کی پالیسی کا تعلق ہے وہ اس کے سرکردہ ارکان ہی اس کی پالیسی مقرر کریں گے ہاں ذاتی طور پر میں اخبار سے کچھ ایسے فائدے ضرور حاصل کرتا رہوں گا بشرطیکہ ان دوستوں کو گوارہ ہو جس سے میرے ذاتی کام میں مجھے مدد حاصل ہو سکے۔میں سمجھتا ہوں میرے یہ الفاظ یہ ہی تو میرا ساتھ دیتے ہیں اس کے بعد رنگ بدل جاتا ہے۔'' شہروز بیٹھ گیا تو قمر زمان نے اُٹھ کر کہا۔

''صاحبو ہمارا تعلق صرف ایک پولیس آفیسر سے نہیں ہے بلکہ عارف علی کے بیٹے شہروز علی سے ہے چنانچہ اس نام کے بعد یہ گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ہم مزید کچھ کہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ شہروز صاحب نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے عثمان سیٹھ کو ہمارے لیے مدد کے لیے آمادہ کیا اور اس اخبار کو پاؤں عطا کیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔''

''اور اب اس کے بعد میں یہ ضرور کہنا چاہوں گا کہ یہ گروپ ایک الگ حقیقت کا حامل ہے، ابھی ہم صرف یہ سمجھتے ہیں کہ شہروز صاحب نے ایک اخبار کو نئی زندگی عطا کی ہے اور ان کے یہ افکار بھی سامنے آئے ہیں کہ سچائی لکھتے ہوئے اخبار ہمیشہ ان لوگوں کی مدد کرے جو مشکلات کا شکار ہوئے ہیں اور ہم شہروز صاحب سے وعدہ کرتے ہیں کہ یہ اخبار ان کے لیے ہے اس یقین کے ساتھ یہ وعدہ کیا جا رہا ہے کہ شہروز صاحب اس سچ کو زندہ رکھیں گے میں خاص طور سے شہروز صاحب کے طریقہ کار اور اس کے ساتھ میں ناہید اور نواز علی کا تعاون ذہن میں رکھتا ہوں اور یہ پیشکش کرتا ہوں کہ اس وقت جو افراد اور وہ جنہیں معتبر سمجھا جاتا ہے یہاں جمع ہوئے ہیں وہ اپنے آپ کو ایک گروپ کی شکل میں سمجھیں اور سب ایک دوسرے کے تعاون کے لیے کمر بستہ ہیں۔نواز علی صاحب ایک ایسے وکیل ہیں جنھوں نے ہمیشہ سچ کا ساتھ دیا اور کوئی ایسا کیس قبول نہیں کیا جو سچ پر مبنی نہ ہو اور اس کی وجہ سے انہوں نے نہایت پسماندہ زندگی گزاری یہ بات میں ان سے انٹرویو لے کر نہیں کہہ رہا بلکہ یہ میری اپنی تحقیق ہے، مس ناہید ایک ہونہار وکیل ہیں اور ساتھ ہی شہروز صاحب کی دست راست بھی اس کی

اطلاع مجھے ارشد محمود سے ملی ہے یہ تمام باتیں مدنگاہ رکھتے ہوئے میں درخواست کرتا ہوں کہ یہ گروپ اپنے آپ کو مستحکم ممبر ثابت کردے۔''

''میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں۔'' شہروز نے سب سے پہلے کہا۔

''میں بھی۔'' نواز علی صاحب بولے۔

''اور میں بھی۔'' ناہید نے کہا۔

''اب میرا خیال ہے کہ ڈائننگ ٹیبل پر حملہ کیا جائے، مس ناہید اور فرح نے مل کر باورچی خانے میں جو کارنامے سرانجام دیے ہیں ذرا ان کا جائزہ لے لیا جائے۔'' اور قہقہوں اور مسرت آمیز گفتگو کے ساتھ یہ پورا گروہ ڈائننگ ٹیبل کی جانب چل پڑا۔ شہروز کو یہ سن کر حیرت ہوئی کہ ناہید نے کھانا پکانے میں فرح کا ساتھ دیا ہے بعد میں جب تنہائی میں چند لمحات کے لیے ناہیدا سے ملی تو شہروز نے کہا۔

''یعنی ہمیں بتائے بغیر۔''

''جناب عالی۔ قاضی صاحب نے ابھی ہمارا فارم تیار نہیں کیا اس کے بعد ہر بات آپ کو بتائی جائے گی اصل میں یہ آپ کے لیے سرزنش بھی ہے۔''

''سرزنش؟''

''جی ہاں۔''

''بھلا وہ کیا ہے؟''

''اب دیکھئے ان لوگوں کے درمیان کتنی مفاہمت ہے میں ارشد محمود اور فرح کی بات کر رہی ہوں۔ مجھے تو ابھی وہ مقام حاصل نہیں ہو سکا ہے۔'' شہروز ناہید کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بھونچکا رہ گیا تھا پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ناہید بہت عجیب بات کہہ دی آپ نے ایک بات عرض کروں آپ سے ایک لمحہ صرف ایک لمحہ نہیں لگے گا اور آپ کے ہاتھوں میں زنجیریں ڈال دی جائیں گی میں تو کچھ عرصے کے لیے آپ کی آزادی چاہتا ہوں۔''

ناہید قہقہہ مار کر ہنس پڑی اور بولی۔ ''آپ نے عورت کی قوت کو دیکھا شہروز صاحب بس دو جملوں نے آپ کو چت کر دیا۔''

''نہیں ناہید زندگی میں یہ مسرتیں کون نہیں چاہتا لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کی راہ میں کوئی بڑی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔''

''آپ تو واقعی سنجیدہ ہو گئے مذاق کیا ہے میں نے اچھا ان لوگوں کا حال بتائیے۔''

''کون؟''

''شہر علی اور رقیہ۔''

''شہروز بڑی محبت ہو گئی ہے مجھے ان سے بہت ہی اچھے لوگ ہیں اتنے سادہ اور معصوم لوگ اب بھی اس دنیا میں موجود ہیں حیرت ہوتی ہے۔''

''کیا کرتے رہتے ہیں؟''

''بس کوشش کرتے ہیں کہ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹائیں لیکن ہم انہیں ایسا نہیں کرنے دیتے۔ نمازیں پڑھتے رہتے ہیں، میں نے بڑی دعائیں مانگتے دیکھا ہے انہیں ان کی دعائیں پوری ہونے کا وقت قریب ہے۔'' ناہید شہروز نے متاثر کن لہجے میں کہا۔

نائلہ اپنے آپ کو اپنے ارادوں میں بہت مستحکم پا رہی تھی بلکہ اس انکشاف نے اب اس کے دل میں زندگی کی ایک نئی اُمنگ جگا دی تھی، زندہ رہنے کے لیے صرف اپنی خوشیاں تو کافی نہیں ہیں کبھی کبھی دوسروں کو بھی اپنی زندگی کی خوشیوں میں شریک کر لینا چاہیے، وہ بیچارہ سیدھا سادہ انسان موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہے اور خدا کا احسان ہے کہ اسے ابھی تک سزائے موت نہیں ہوئی۔ اللہ کو اس کی زندگی بچانا مقصود تھی جوان حقیقتوں کا ادراک ہو گیا ورنہ وہ بے موت مارا گیا تھا۔

نائلہ کے وجود میں ایک ہیجان برپا ہو چکا تھا، حقیقت کو منظر عام پر لانا احسان بیگ کے قاتل کو پھانسی کے پھندے تک پہنچانا، دودھ کا دودھ پانی کا پانی کرنا اب اس کی ذمہ داری تھی خدا کو بھی یاد کرنا ضروری ہے اپنی ہی ذات کے لیے زندہ رہنا تو بے حسی ہے اس کے اندر ایک نئی ترنگ پیدا ہو گئی تھی چنانچہ اس نے تمام تیاریاں مکمل کر لیں۔

فیاض کو اس نے خونی نگاہوں سے دیکھا تھا یہ شخص اس کے سہاگ کا قاتل ہے۔ احسان بیگ اس کے لیے قطعاً قابل اعتناء نہیں تھا لیکن بہرحال اس کا سائبان تھا وہ اس کے نام سے منسوب ہو گئی تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ اسے کبھی مرزا احسان بیگ سے ذہنی لگاؤ محسوس نہیں ہوا تھا۔ لیکن زندگی کے کچھ سال اپنوں کے سائے میں جو نکاح کے وقت ادا کی جاتی ہیں اپنا ایک الگ مقام رکھتے تھے اور اس مقام سے روگردانی کسی طور پر ممکن نہیں تھی۔ ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے بڑی ذہانت سے کام کرنا تھا اور ذہانت کی اس کے پاس کمی نہیں تھی۔

چنانچہ چاروں طرف سے اطمینان کرنے کے بعد اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اُٹھایا جانتی تھی کہ اورنگزیب اس وقت اپنے دفتر ہی میں موجود ہوگا۔

نمبر ڈائل کرنے کے بعد اس نے ریسیور کان سے لگا لیا دوسری جانب سے اورنگزیب کی آواز ابھری۔

''ہیلو۔''

''ہیلو اورنگزیب صاحب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''نائلہ۔'' اورنگزیب نے اس کی آواز پہچان لی تھی۔

''ہاں میں ہی بول رہی ہوں۔'' نائلہ نے بوجھل لہجے میں کہا۔

''خیریت، نائلہ۔''

''مصروف ہو؟''

''بالکل نہیں دنیا کی ہر مصروفیت تم پر تمہاری آواز پر قربان کی جاسکتی ہے۔''

''نہیں پلیز مجھے بتاؤ میں تمہارے کام میں رخنہ اندازی نہیں کرنا چاہتی۔''

''نائلہ کیا بات ہے۔''

''آسکتے ہو۔''

''کمال ہے یہ سوال تم کر رہی ہو مجھ سے مجھے ایک آواز دو جہاں کہیں بھی ہوں گا دوڑا چلا آؤں گا۔''

''اورنگزیب میں شدید ذہنی اُلجھن کا شکار ہوں تمہاری مدد چاہتی ہوں۔''

''مجھے بتاؤ نائلہ کیا بات ہے؟''

''آسکتے ہو تو آجاؤ۔''

''اوکے میں آرہا ہوں۔'' اورنگزیب نے کہا اور پھر بولا۔ ''ویسے تم خیریت سے تو ہو ناں نائلہ۔''

''ہاں ذہنی اُلجھن کے علاوہ اور کوئی الجھن نہیں ہے۔''

''اوکے اوکے میں تمہاری تمام ذہنی الجھنوں کا علاج کروں گا نائلہ میں آرہا ہوں۔''

''میں انتظار کر رہی ہوں۔'' نائلہ نے کہا اور فون بند کر دیا اس کے چہرے پر ایک سنگین سی کیفیت طاری تھی، فون بند کرنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور ایک صوفے پر جا بیٹھی، اس نے ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار کر لیا تھا پانی کا جگ اور گلاس سامنے رکھا ہوا تھا اورنگزیب کے آنے سے پہلے اس نے کئی گلاس پانی پیا اور جب اورنگزیب کمرے میں داخل ہوا تو وہ افسردہ سی بیٹھی ہوئی تھی اورنگزیب ایک خوبصورت سوٹ میں ملبوس تھا، نائلہ نے اس کا سراپا دیکھا اور اس کی دل میں نفرت کی پرچھائیاں گہری ہو گئیں لیکن اس وقت وہ اپنی زندگی کی بہترین اداکاری کر رہی تھی اس نے ہاتھ اُٹھا کر اُٹھنا چاہا لیکن اورنگزیب تیزی سے آگے پہنچ گیا اس نے کہا۔

''نہیں نائلہ بیٹھو تم تو خاصی نڈھال ہو رہی ہو، اس وقت۔'' نائلہ نے کوئی جواب نہیں دیا سامنے رکھے ہوئے گلاس کا آدھا بچا ہوا پانی اُٹھایا اور اپنے حلق میں انڈیل لیا اور اورنگزیب اس کے برابر صوفے پر آ کر بیٹھ گیا یہ صوفہ اس صوفے کے برابر میں پڑا ہوا تھا جس پر نائلہ بیٹھی ہوئی تھی اس نے خاص طور سے یہ خیال رکھا تھا کہ بڑے صوفے پر بیٹھنے سے گریز کرے تاکہ اورنگزیب صاحب اس کے قریب ہی آ کر براجمان نہ ہو جائیں۔

☆......☆......☆

ون، ٹو، تھری دو دن سے مسلسل زبیر شاہ کا تعاقب کر رہے تھے۔ اس دوران زبیر شاہ پروفیسر جہانزیب کے میک اپ میں اس کی قیمتی ترین کار میں شہر گردی کر رہا تھا۔ تینوں بونوں نے دو دن پہلے اسے ٹریس کر لیا تھا لیکن پہلی بار انہیں دھوکا ہوا تھا اور میڈم نے انہیں کافی بریفنگ دی تھی اور اب وہ اسی کے تحت کام کر رہے تھے۔ انہوں نے زبیر شاہ کا تعاقب کر کے یہ معلوم کر لیا تھا کہ وہ کار میں کوٹھی میں واپس

جاتی ہے۔ وہ پروفیسر جہانزیب ہی کی کوٹھی ہے۔ اس وقت بھی گرین سٹار نائٹ کلب میں زبیر شاہ پروفیسر جہانزیب کے میک اپ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس نے ان تینوں بونوں کو بھی دیکھ لیا تھا۔ جن کے تعاقب سے وہ دو دن پہلے ہی واقف ہو چکا تھا اور منتظر ہی تھا کہ اب اس کے خلاف کسی کارروائی کا آغاز ہو۔

لیکن بونے اب بھی محتاط تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا تھا۔ پھر ون نے ٹو سے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں میڈم کو اطلاع دے دینی چاہیے۔ بہر حال ان سے مشورہ لینا بہت ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' پھر انہوں نے ٹرانسمیٹر پر میڈم سے رابطہ قائم کیا رابطہ فوراً ہی قائم ہو گیا۔

''میں ون بول رہا ہوں میڈم۔''

''ہاں...... بولو...... دو دن سے تم نے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا۔''

''اس لیے میڈم کہ ہم تصدیق کر رہے تھے کہ جو شخص ہمیں پروفیسر جہانزیب کی شکل میں نظر آ رہا ہے۔ وہ پروفیسر جہانزیب ہے بھی یا نہیں کیونکہ پہلی بار ہم دھوکہ کھا چکے ہیں میڈم۔''

''گڈ...... محتاط رہنا اچھی بات ہے۔ تو بتاؤ مجھ سے رابطہ کیوں قائم کیا ہے۔'' میڈم نے پوچھا۔

''اس وقت وہ گرین سٹار کلب میں ہے اور یہاں پوکر کھیل رہا ہے۔''

''اوہ...... گڈ پوکر پروفیسر جہانزیب کا پسندیدہ کھیل تھا۔''

''میڈم ہم دو دن سے اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔''

''ان دونوں کی رپورٹ یہ ہے کہ وہ چھوٹی موٹی خریداری کے لیے نکلتا ہے۔ کبھی وہ ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ تفریحی مقامات پر بھی نظر آتا ہے لیکن لڑکی شاید اس کی بیٹی ہے۔''

''ہاں...... سارا جہانزیب اس کی اکلوتی بیٹی ہے۔''

''اس کے علاوہ وہ جس کوٹھی میں جاتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی ہم نے معلومات حاصل کر لی ہیں۔ وہ اسی کی کوٹھی ہے میڈم۔''

''گڈ خوشخبری ہے میرے لیے اب بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں۔''

''ہم چاہتے ہیں میڈم کہ ایک بار آپ اس کا جائزہ ضرور لے لیں اور تصدیق کر دیں کہ یہ وہی شخص ہے۔ جس کے لیے آپ کوششیں کر رہی ہیں۔''

''میں کیسے جائزہ لے لوں۔'' میڈم نے پر خیال لہجے میں کہا۔

''اتنا مشکل کام نہیں ہے۔ آپ گرین اسٹار کلب آ جائیں اور یہاں چھپ کر اس کا جائزہ لے لیں۔''

''کیا یہ ممکن ہے۔''

''سو فیصدی ممکن ہے میڈم۔ اس میں کسی قسم کی پریشانی کا امکان نہیں ہے۔''

''ٹھیک میں پہنچ کر تم سے رابطہ قائم کرتی ہوں۔'' میڈم نے کہا۔ گرین سٹار نائٹ کلب میں وہ نقاب لگا کر پہنچی تھی لیکن اندر جانے کے بجائے وہ تھری کے ساتھ ایسی جگہ آ گئی جہاں سے پو کر کلب آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ کھیل بھی زبیر شاہ نے پروفیسر جہانزیب سے صرف ایک گھنٹے میں سیکھا تھا اور بڑی عمدگی سے کھیل رہا تھا۔ پروفیسر جہانزیب نے اس کا کھیل دیکھ کر اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا۔

''زبیر شاہ میں نہیں جانتا کہ تم کیا ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں نے تم جیسا حیرت ناک شخص پہلے کبھی نہیں دیکھا۔'' زبیر شاہ مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا۔ بہر حال میڈم اسے دیکھتی رہی۔ وہ اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہی تھی۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''وہ پروفیسر جہانزیب ہی ہے۔''

''آپ اس کی تصدیق کرتی ہیں میڈم۔''

''ہاں...... بھئی اور کیا ہم اسے آسمان سے اتار کر لائیں گے۔''

''یہ وہی ہے۔''

''ٹھیک ہے میڈم۔'' ٹو اور تھری نے بیک وقت کہا۔ ون مسلسل زبیر شاہ کی نگرانی کر رہا تھا۔

پھر میڈم نے کہا۔ ''اس کے باوجود کہ مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے لیکن پھر بھی اگر تم اجازت دو تو میں تھوڑے فاصلے پر رک کر تمہیں کام کرتے ہوئے دیکھوں اور یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ آخر کار تم نے پروفیسر جہانزیب پر قابو پا لیا ہے۔'' ٹو ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

''ٹھیک ہے۔ میڈم ہم ہر حال میں آپ کی تسلی چاہتے ہیں۔'' زبیر شاہ اپنے آپ کو اغواء کرانے کے لیے بڑی جدوجہد کر رہا تھا۔ یہ ایک انتہائی دلچسپ عمل تھا۔ وہ اغوا کنندگان کو بہترین مواقع فراہم کرنا چاہتا تھا اور رات کو ایک بجے جب وہ رات کو کلب سے اُٹھا تو لڑکھڑاتے قدموں سے اپنی کار کی طرف بڑھا۔

اور پھر اس نے جھک کر اس طرح کار کا دروازہ کھولا کہ جیسے اب گرنے ہی والا ہو اندازہ بالکل درست نکلا اب ضرب تو کھانی ہی تھی۔ دل تو اس کا یہ چاہا کہ کہہ دے کہ بھائی میں خود دل سے اغواء ہونا چاہتا ہوں۔ یہ میری کھوپڑی پر ڈرم بجانے کی کیا ضرورت ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ الفاظ کہے نہیں جا سکتے تھے۔ یہ بھی خوشی کی بات تھی کہ بونے زیادہ طاقتور نہیں تھے اور پستول کے دستے سے جو ضرب سر پر لگائی گئی تھی۔ زوردار تو بے شک تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ جان لیوا ہو۔ اس نے بیہوش ہونے کی بہترین اداکاری کی تھی۔

پھر تینوں بونوں نے مل کر اُٹھایا اور ایک کار میں ڈال کر کسی نامعلوم جگہ کی جانب چل پڑے۔ زبیر شاہ ہوش میں تھا اور صورت حال

کی دلچسپی پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ بہر حال اغوا ہونے کا عمل اس کے لیے کافی دلچسپ تھا۔

☆......☆......☆

”شیراز ہر ایک سے بدتمیزی اچھی نہیں ہوتی۔“ بزرگ نے کہا۔

”تو پھر یہ لوگ ہمارے گھر کیوں آ رہے ہیں۔ ہمیں اطلاع بھجوانے کی کیا ضرورت تھی جو کام ہم نے کرنا تھا۔ وہ قدرت نے کر دکھایا۔“ شیراز غصیلے لہجے میں بولا۔

”دیکھیے آپ کا یہ رویہ درست نہیں شیراز بہتر یہ ہے کہ ہمیں ہماری ضرورت کے مطابق معلومات فراہم کریں۔“

”صاحب ہمارا قصور نہ پہلے تھا اور نہ اب ہے۔ اب اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں ہمارا ہاتھ ہے تو خدا کی قسم گرفتار کر لیجیے اور پھانسی دے دیجیے پورے گھر کو ہم تو یہ ہی چاہتے ہیں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ ہم اپنی مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ جسے جو کرنا تھا۔ اس نے کر لیا۔ اب اس نے اپنے کیے کا انعام پایا ہے۔ تو مصیبت ہم پر پڑ رہی ہے۔ ہم تو پہلے ہی بڑے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔“

”آپ بیٹھیے صاحب! یہ تو ہمیشہ کا پاگل ہے۔“ شمس خان نے کہا اور شہروز ان کے برابر بیٹھ گیا۔ ناہید نے ایک لمحے کے لیے شہروز کو دیکھا اور پھر اندر چلی گئی۔ عورتیں اندر ہی تھیں۔ کسی نے اس سلسلے میں کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ شہروز بیٹھ گیا۔

”تھوڑی سی معلومات ضروری ہیں ویسے تو یہ ایک حادثہ ہے لیکن اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ یہ حادثہ جان بوجھ کر کیا گیا ہو۔“

”اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حادثہ ہم نے کیا ہے تو تحقیقات کیجیے۔ حالانکہ ہم انہیں اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ انہیں بلیک کیا جائے اور پھر اب تو بات بہت پرانی ہو گئی۔ بلیک کرنا ہوتا ہمیں تو پہلے ہی کر دیتے۔ اس وقت ہماری ناک کٹی تھی۔“ شیراز نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”تو پھر بولے جا رہا ہے۔ میرا باپ بننے کی کوشش کرتا ہے۔ مجھے بات کرنے دے اور خبردار تیرے منہ سے ایک لفظ بھی نکلا۔“ شمس خان نے آخر شیراز کو ڈانٹ ہی دیا۔

”شیراز صاحب آپ تسلی رکھیے پولیس سے تعاون کیجیے۔“

”اجی ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے۔ پولیس ولیس سے تعاون کرنے کی ہمیں کوئی غرض نہیں۔ ان تمام معاملات سے۔“

”چپکا نہیں ہو گا تو۔“ شمس خان دہاڑا۔

”چپ بیٹھا ہوں۔ چپ بیٹھا ہوں۔ اب نہیں بولوں گا۔“ شیراز نے کہا۔

”جی صاحب آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔“

”بس تھوڑی سی تفصیل۔“

”تفصیل یہ ہے کہ ناظمہ ہماری بیٹی تھی۔ ہمارا گھرانہ اسے پسند نہیں آیا۔ ملازمت کرتی تھی۔ اعظم علی انٹرپرائزز میں چکر چل گیا، ان لوگوں کا بڑے آدمیوں کے لیے یہ سب کچھ آسان ہوتا ہے اور لڑکیاں۔ بدقسمتی تو یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ اور ماحول اتنا بگڑ چکا ہے اور

معاشی مسائل اتنے شدید ہو گئے ہیں کہ ہم نے اپنے اقتدار چھوڑ دیے ہیں۔ اب مجبور کو کیا کیا جائے۔ صاحبزادی گھر سے نکل پڑیں تھیں۔ اپنی زندگی بنانے کے لیے بن گئی زندگی بچے بھی گئے۔" "شوہر بھی گیا اور خود بھی دنیا سے چلی گئیں۔"

شمس خان کی آواز بھرا گئی۔

"شادی انہوں نے اپنی مرضی سے کی تھی۔"

"جی صاحب گڑے مردے اکھاڑ رہے ہیں۔ ہماری بدقسمتی نے اب بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا۔ تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ تو ہونا ہی ہے۔"

"اس کے بعد ان سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"بہت کوشش کی اس نے ملنے کی مگر نہ ہمیں اس کی دولت سے کوئی سرکار نہیں تھا اور نہ تھا اس سے جو چیز ہمارے ہاتھ سے نکل گئی اور وہ بھی ایسے کہ بہت عرصے تک ہمیں دوسروں سے منہ چھپانے پڑے تھے۔ اس سے آپ بتایئے کیا واسطہ رکھا جاتا، بس ہمارا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ وہ اپنے طور پر ہم سے ملنے کی کوشش کرتی رہتی تھی لیکن آخر کار اسے صاف صاف منع کرنا پڑا اور ہم نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا کہ بی بی! ہمیں ہماری جھونپڑی میں مست رہنے دو تم اپنا محل سجا کر بیٹھی رہو۔ ہمیں نہ تمہارے محل سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ تم سے۔ بہت بار کوشش کے بعد آخر کار اس نے ملنا چھوڑ دیا تھا۔"

"کوئی خبر گیری بھی نہیں کی۔ آپ نے اس کی۔"

"نہیں، عزت ہی لے گئی تھی۔ ہماری پھر کیا خبر گیری کرتے اپنی عزت ہی چھپانے میں مصروف رہے تھے۔"

"آپ یقین کریں۔ میرا تو اب دل ٹھنڈا ہے۔" شمس خان بولا۔

"تو پھر......" شیراز بولا۔

"کیسے نہ بولوں، ابو، آپ خود بتایئے اب یہ لوگ رو پیٹ رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں کس کے لیے رو رہے ہیں یہ لوگ انہیں چپ کرا دیجیے۔ ورنہ...... کچھ ہو جائے گا۔"

"دیکھئے شیراز صاحب آپ بھی صبر سے کام لیجیے۔ بہر حال انسان سے غلطی ہوتی ہے۔ آپ لوگوں کو ناظمہ سے دکھ پہنچا تھا لیکن اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"تو بابا ہم کیا کریں نہیں ہے اس دنیا میں ہماری دنیا سے تو وہ بہت پہلے نکل چکی تھی۔"

"پھر بھی اگر پولیس کو آپ کی ضرورت ہوئی تو۔"

"ابھی سے لے چلیے بعد کی بات کیوں کر رہے ہیں۔" "ہمیں اس جرم میں پھانسی ہونی چاہیے۔ ہمیں اس جرم میں پھانسی کی سزا ہونی چاہیے کہ وہ ہمارے گھر میں پیدا ہوئی۔"

''ناہید آیئے۔'' شہروز نے ناہید کو آواز دی اور ناہید باہر آ گئی۔

''بہتر ہے جناب۔''

''معاف کیجیے گا جناب یہ سرپھرا لڑکا ہے۔ بہر حال خون تو ہمارا ہی تھا غم واندوہ کیونکر چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ زندہ بھی تو سوچ رکھا تھا کہ چلو ٹھیک ہے۔ اس کی دنیا الگ ہوگئی ہے لیکن اس نے تو دنیا ہی چھوڑ دی۔''

شمس خان کی آواز رندھ گئی۔ اور وہ پھر رونے لگے۔ شہروز نے ان لوگوں کو رسمی الفاظ میں تسلی دی اور اس کے بعد ناہید کے ساتھ باہر نکل آیا۔ کار میں بیٹھ کر اس نے کار آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں ناہید یہ روٹھے ہوئے لوگ ہیں۔ ان سے کسی جرم کی توقع ممکن نہیں ہے۔ بہر حال پھر بھی ذہن میں رکھنا ہوگا۔'' ناہید خاموش ہوگئی وہ خود بھی افسردہ نظر آ رہی تھی۔ غالباً اندر موجود صورت حال نے اسے متاثر کیا تھا۔

☆......☆......☆

''ایش پارکر قیصر جمال کی زندگی میں شامل ہوگئی۔ قیصر جمال کے خیال کے مطابق یہ اس کی حسین زندگی کا آغاز تھا۔ جس میں ایش پارکر جیسی خوب صورت لڑکی شامل ہوگئی تھی۔ امریکی معاشرہ بھی خوب ہے۔ کسی کو کسی کی فکر نہیں۔ ایش پارکر کے والدین نے اس سلسلے میں کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ بلکہ صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اب وہ بالغ ہے۔ اور اس کے خیالات اور اس کی زندگی پر ان کا کوئی حق نہیں ہے۔''

ایش پارکر نے قیصر جمال کی خواہش کے مطابق اس کا مذہب اپنا لیا تھا اور اس سلسلے میں ایک چھوٹی سی رسم بھی ادا ہوئی تھی۔ مسلمان ہونے کے بعد اس کا نام شاہینہ طے کیا گیا اور اب وہ شاہینہ کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ اس قدر صابر و شاکر تھی کہ اس نے قیصر جمال سے کوئی فرمائش نہیں کی تھی بلکہ قیصر جمال نے کہا تھا کہ شاہینہ تمہیں شاہینہ بنانے کے بعد مجھ پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں پورا کرنے کی میں پوری پوری کوشش کروں گا لیکن اس میں کچھ وقت لگ جائے گا۔ تم محسوس تو نہیں کرو گی۔

''سنو مسٹر قیصر جمال! اب میں تمہاری بیوی ہوں۔ تمہاری محبت، تندرستی اور تمہارا ذہنی سکون کا خیال رکھنا میری بھی ذمہ داری ہے۔ مجھے یہ بتاؤ اپنے ڈیڈی کو اس بارے میں اطلاع دو گے یا نہیں۔''

''ابھی نہیں جب تک صورت حال اس انداز میں چلتی رہے گی چلاتے رہیں گے۔ پھر کوئی مجبوری آ گئی تو دیکھا جائے گا۔''

''میں اس سلسلے میں تم سے کوئی اختلاف نہیں کروں گی۔'' اگر انہیں یہ بات معلوم نہیں ہوگی تو وہ تمہارے اخراجات تو تمہیں بھیجتے رہیں گے ناں۔''

''ظاہر ہے۔ وہ مجھے بڑی باقاعدگی کے ساتھ ملتے رہے ہیں۔ اور ان میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔''

''تو بس تم جو پیسے فضول خرچی میں باہر اڑایا کرتے تھے۔ اب ہم انہیں اپنے اس چھوٹے سے گھر کے لیے محفوظ رکھیں گے اور ہم انہی سے کام چلائیں گے۔ میں تمہیں ملازمت وغیرہ نہیں کرنے دوں گی۔''

"لیکن شاہینہ ہمارے مستقبل کے لیے یہ ضروری ہوگا کون جانے میرے والد مستقبل میں میرے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اب ان کے لیے اپنے بھی بچے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ مجھے نظر انداز کر دیا جائے۔"

"دیکھو میں حقائق سے کام لوں گی، وہ ایسا کر نہیں سکتے۔ آخر کار ان کے چھوڑے ہوئے ورثے میں تمہارا بھی حصہ ہوگا۔ تمہیں تمہارا حصہ مل جائے گا لیکن ہم کیوں اس کے بارے میں سوچیں ہمیں تو ان کی زندگی کی دعائیں کرنا ہوں گی۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تم اس قدر اچھی ہو۔"

"اور تم کم ہو کیا۔" شاہینہ نے کہا۔ بہرحال زندگی کے شب و روز خوش اسلوبی سے چل رہے تھے۔ فیصل اور چند رفقاء بڑی خوش اسلوبی سے ان کی شادی تقریب میں شریک ہوئے تھے۔ فیصل کو کہیں جانا پڑا تھا۔ چنانچہ چند روز کے بعد وہ اجازت لے کر چل پڑا تھا۔ بہرحال یہ اس کے اپنے معاملات تھے۔ زندگی پرسکون گزر رہی تھی لیکن پھر اس ساکن جھیل میں ایک کنکر آ پڑا اور سطح مرتعش ہوگئی۔ قیصر جمال کے ملک سے اسے ایک ٹیلی فون آیا۔ یہ ٹیلی فون کال بیرسٹر صاحب کی تھی۔ قیصر جمال نے کال ریسیو کی تو بیرسٹر وجاہت نے کہا۔

"مسٹر قیصر جمال سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی میں بول رہا ہوں۔"

"قیصر جمال ولد اعظم علی۔"

"جی ہاں۔"

"مسٹر قیصر جمال صاحب آپ کو فوراً وطن واپس پہنچنا پڑے گا۔"

"خیریت جناب۔"

"نہیں خیریت نہیں ہے۔ قیصر جمال آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ میں آپ کے والد صاحب کا قانونی مشیر ہوں اور ان کے تمام تر مفادات کی نگرانی کرتا ہوں۔ میں ایک حقیقت پسند آدمی ہوں۔ مسٹر قیصر جمال اس لیے آپ سے یہ کہتے ہوئے مجھے زیادہ وقت نہیں ہو رہی کہ آپ کے والد ایک حادثے کا شکار ہو گئے ہیں اور اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ حادثہ حال ہی میں ہوا ہے لیکن حادثے کے بعد ان کی تدفین ضروری ہو گئی تھی۔ چنانچہ ان کی تدفین کر دی گئی ہے۔"

قیصر جمال ریسیور ہاتھ میں لیے بیٹھا رہ گیا۔ اس کے دل کو زبردست دھکا لگا تھا۔ کچھ بھی تھا۔ باپ نے اپنے طور پر جو کچھ کیا تھا لیکن بہرحال باپ تھا۔ زندگی کا ایک دور اس کی قربت سے وابستہ رہا تھا لیکن ویسے بھی اعظم علی نے جو کچھ بھی کیا تھا لیکن اسے بھی کسی مشکل کا شکار نہیں ہونے دیا تھا۔ بیرسٹر وجاہت کی آواز آئی۔

"مسٹر قیصر آپ ایک ذمے دار اور سمجھدار نوجوان ہیں۔ خود کو سنبھالیے آپ کا یہاں آنا بےحد ضروری ہے جائیداد وغیرہ کے معاملات بھی ہیں۔ جو آپ کو سنبھالنے ہیں۔"

''آخری ڈیڈی کا یہ حادثہ ہوا کیسے۔''

''پوری تفصیل تو آپ کو یہیں آ کر معلوم ہو گی لیکن حادثے سے ان کی دوسری بیگم ناظمہ اور ان کے دونوں بچے بھی ان کے ساتھ ہی ہلاک ہو گئے ہیں۔''

''اوہ مائی گاڈ۔''

''میں نے آپ کو اطلاع دے دی ہے۔ آپ فوری طور پر تیاریاں شروع کر دیجیے اور جس طرح بھی بن پڑے جلد از جلد وطن پہنچ جائیں تاکہ میں آپ کی امانتیں آپ کے سپرد کر دوں۔'' خدا حافظ قیصر جمال دوسری طرف سے فون بند ہونے کے باوجود ریسیور ہاتھ میں لیے بیٹھا رہ گیا تھا۔

پھر شاہینہ نے اسے اس عالم میں دیکھا اور جلدی سے اس کے پاس آ گئی۔

''کس کا فون تھا۔'' قیصر جمال نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاہینہ نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

''بتاتے کیوں نہیں کس کا فون تھا۔'' قیصر جمال کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈوب گئیں تھیں۔ شاہینہ نے ریسیور اس کے ہاتھ سے لیا۔ اور اپنے کان سے لگا لیا۔ لائن بے جان تھی۔ اس نے ریسیور واپس رکھا اور قیصر کو جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔

''مجھے نہیں بتاؤ گے قیصر کس کا فون تھا۔''

''میرے ڈیڈی کا حادثہ ہو گیا ہے۔ شاہینہ۔''

شاہینہ اچھل پڑی۔ ''کیا۔'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''ہاں، میرے ڈیڈی اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ نہ میری سوتیلی ماں اور نہ میرے سوتیلے بھائی، بہن وہ چاروں ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے ہیں۔'' شاہینہ کے چہرے پر ایک رنگ آیا ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں مسرت چمکی لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے آپ کو سنجال لیا تھا۔ وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

''اوہ...... مائی گاڈ کب، کیسے۔''

''تفصیل نہیں معلوم شاہینہ لیکن، لیکن یہ بہت برا ہوا یہ بہت ہی برا ہوا۔''

''اوہ...... ڈیئر قیصر! میں تمہارے غم میں برابر کی شریک ہوں۔'' شاہینہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''ہمیں جانا ہو گا شاہینہ ہمیں جانا ہو گا...... فوراً انتظامات کرو، جیسے بھی بن پڑے ہم جائیں گے۔''

''ہاں جانا ہو گا ہمیں جانا ہو گا ہمیں۔'' شاہینہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے بعد وہ قیصر کو دلاسے دیتی رہی تھی۔ قیصر جمال درحقیقت غم زدہ ہو گیا تھا۔ باپ کی تصویر آنکھوں میں گھوم رہی تھی۔ ایک ایک لمحہ یاد آ رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اعظم علی نے دوسری شادی کر کے اس سے اپنے دلی رشتے توڑ دیے تھے لیکن پھر بھی وہ اس کے باپ تھے۔ اور قیصر جمال انہیں کسی طرح نظر انداز نہیں کر

سکتا تھا۔ایک روٹھا ہوا بیٹا ضرور تھا لیکن بہرحال اس کی رگوں میں اعظم علی کا ہی خون تھا۔

پھر تیاریاں ہونے لگیں اور ان لوگوں نے واپسی کا بندوبست کرلیا۔آخر کار وہ ایک طیارے میں بیٹھ کر وطن واپس چل پڑے۔

ایلش پارکر یا موجودہ شاہینہ، فیصل کو داد دے رہی تھی۔فیصل کی پوری سکیم کامیابی سے ہمکنار ہوگئی تھی اور شاہینہ کے دل میں رہ رہ کر مسرتوں کا طوفان اُمڈ رہا تھا...... فیصل درحقیقت ایک ذہین نوجوان ہے۔فیصل درحقیقت ایک ذہین نوجوان تھا۔قیصر سے کہیں بہتر باعمل اور پُرجوش اب دیکھنا یہ تھا کہ فیصل کے سارے منصوبے آگے اسی طرح کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں۔

لیکن بہرحال ایلش پارکر اپنی پوزیشن محسوس کررہی تھی۔فیصل اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو ٹھیک ورنہ پھر زندگی کا عیش و آرام تو اس کا حصہ بن ہی چکا تھا۔فیصل نہ سہی۔قیصر ہی سہی۔بلکہ ایک بیوقوف شوہر، عقلمند عاشق سے بہتر ہوتا ہے۔ایشیاء دیکھنے کی خواہش بارہا اس کے دل میں مچلتی تھی لیکن اب یہ خواب اس طرح حقیقت بن رہے تھے۔کہ خود اس کے تصور میں بھی نہیں تھا۔

بہرحال اس نے اپنی دہری کیفیت کو برقرار رکھا اور ایک طویل سفر طے ہوگیا۔طیارہ رن وے پر اُتر گیا۔انہیں کوئی ریسیو کرنے نہیں آیا تھا۔نہ ہی کسی کو اطلاع دی گئی تھی لیکن بہرحال قیصر ایک اچھی عمر میں یہاں سے گیا تھا اور اس قدر بے حواس نہیں تھا کہ اپنے گھر کو پہچان نہ سکے۔ایک ٹیکسی نے اسے اعظم علی کے گھر پہنچا دیا تھا۔ٹیکسی رکی سامان اُتارا گیا اور نوید خان نے سب سے پہلے ان کا استقبال کیا۔

نفیس خان ڈرائیور بھی اس وقت کے شناساؤں میں سے تھا۔جب وہ یہاں سے گیا تھا۔ان دونوں نے رو رو کر آنکھیں سرخ کر لیں تھیں۔قیصر جمال بھی ان کے ساتھ آہ و زاری میں مصروف تھا لیکن ایلش پارکر خاموش نگاہوں سے اس ماحول کو دیکھ رہی تھی۔اس کے دل میں اب بھی مسرتوں کا طوفان اُمڈ رہا تھا۔اور اسے غمزدہ اداکاری کرکے بڑی مشکل پیش آرہی تھی۔آخر کار نوید نے قیصر کو تمام تفصیلات بتائی اور یہ بھی بتایا کہ پولیس اس سلسلے میں تحقیقات کررہی ہے۔قیصر جمال نے تمام تفصیلات سنی تھیں۔پھر بیرسٹر وجاہت کو فون کیا گیا اور شام کو بیرسٹر صاحب آگئے۔انہوں نے پہلے تو اظہار تعزیت کیا۔اس کے بعد کہا۔

''مسٹر قیصر جمال جو ہونا تھا۔وہ تو ہو چکا ہے۔بدنصیب خاندان اس طرح موت کا شکار ہوگیا کہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن اب آپ اپنی ذمے داریاں سنبھال لیں گے۔یہ خاتون کون ہیں۔آپ کے ساتھ کیا آپ کی دوست ہیں۔''

''یہ شاہینہ ہیں۔میری بیوی۔''

''کیا۔''

''جی ہاں۔اس کا پہلا نام ایلش پارکر تھا لیکن بعد میں ہمارے درمیان جو تعلقات قائم ہوئے۔اس کی بنا پر اس نے میرا مذہب قبول کرلیا۔اور ہم دونوں نے شادی کرلی۔''

''اوہ...... کیا یہ بات اعظم علی کو معلوم تھی۔''

''خیر ظاہر ہے یہ آپ کا بالکل ذاتی معاملہ ہے۔میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ سارے معاملات آپ آہستہ آہستہ اپنی تحویل میں لے

لیجیے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ اب باہر کی سکونت ترک کر کے آپ یہیں قیام کریں اور یہاں اپنا کاروبار سنبھالیں۔ کافی جائیداد اور دولت ہے۔ جو بہت وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کو اس سلسلے میں خاصی اُلجھنوں کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن آپ بے فکر رہیں۔ ہم سب آپ کے مددگار رہیں۔ آپ کو ہر طرح سے آسانیاں فراہم کی جائیں گی۔"

"حادثے کے بارے میں کوئی ایسی تفصیل نہیں ہے۔ جس سے یہ پتا چل سکے کہ حادثے کا ذمے دار کون ہے اور کیا وہ لوگ گرفتار نہیں ہوئے۔"

"نہیں، حادثہ ایک ویران سڑک پر ہوا تھا اور حادثہ کرنے والے ابھی تک نامعلوم ہیں۔"

"پولیس اس سلسلے میں تحقیقات کر رہی ہوگی۔"

"ظاہر ہے۔"

"میں پولیس کے افسران سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"اس کا بندوبست بھی کر دیا جائے گا۔ مسٹر شہروز اس کیس کے انچارج ہیں اور وہی اس پر کاروائی کر رہے ہیں۔ یہ ان کا ٹیلی فون نمبر ہے آپ چاہیں تو انہیں براہِ راست بھی رنگ کر سکتے ہیں۔" قیصر جمال نے اسی رات ہی شہروز کو تلاش کیا تھا اور قیصر کی ٹیلی فون پر شہروز سے ملاقات بھی ہو ہی گئی تھی۔

"میرا نام قیصر جمال ہے۔ جناب! آج ہی امریکہ سے آیا ہوں۔ میرے والد کا نام اعظم علی ہے۔ جن کی بیگم کا اور بچوں کا ان کے ساتھ ہی ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوا تھا۔"

"اوہ...... مسٹر قیصر جمال آپ واپس آ گئے۔"

"جی باپ کی موت کی اطلاع سن کر ہی پہنچا ہوں اور آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"بہتر ہے۔ اس کے لیے کل دن کا کوئی وقت مقرر کر لیجیے۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

"تو پھر کل دن گیارہ بجے میں آپ کو پاس پہنچ رہا ہوں۔"

"او کے میں انتظار کروں گا۔"

پھر دن گیارہ بجے شہروز کی ملاقات قیصر جمال سے ہوئی۔ قیصر جمال نے اس خوب صورت پولیس آفیسر کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا تھا اور اس کے بعد اس نے شاہینہ کا اس سے تعارف کرایا۔

"یہ میری مسز ہیں۔"

"اوہو...... کیا نام ہے ان کا۔"

''اب شاہینہ ہے۔ پہلے ایش پار کر تھا۔''

''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی مسز قیصر جمال۔ کیا اس شادی کی اطلاع آپ کے والد کو تھی۔''

''نہیں میں انہیں اطلاع نہیں دے سکا تھا۔ ہماری شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔''

''بہرحال مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ کے والد آپ کی خوشیوں میں شریک نہیں ہو سکے۔''

''آفیسر یہ نہیں پتا چل سکا کہ اس حادثے کا ذمہ دار کون تھا۔''

''ابھی تک نہیں لیکن بہرحال پولیس کوشش کر رہی ہے۔''

''میں ان لوگوں کو سزا دلوانا چاہتا ہوں جنہوں نے مجھے باپ کی شفقت سے محروم کر دیا۔''

''ہماری انتہائی کوشش ہوگی کہ ایسا ہی ہو۔ میں اجازت چاہتا ہوں آپ کو ابھی اپنے معمولات سنبھالنے میں وقت لگے گا۔ ویسے آپ کا خیال کیا ہے کیا آپ یہیں قیام کریں گے یا واپس امریکہ جائیں گے۔''

''نہیں اب میں اپنے وطن ہی میں رہوں گا۔ امریکہ سے مجھے زیادہ لگاؤ نہیں ہے۔''

''مسز قیصر کے عزیز و اقارب تو وہیں ہوں گے۔''

''بس یہ اگر کبھی چاہیں گی تو وہاں جا سکتی ہیں لیکن ہم نے تقریباً سب سے ناطہ توڑ لیا ہے۔''

''بہرحال میں آپ کے غم میں شریک ہوں مجھے اجازت دیجیے۔''

بعد میں یہ پولیس کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔

☆......☆......☆

کارواں گروپ کے دوسرے افراد کا بھی یہ ہی خیال تھا کہ ان واقعات میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ بے شک ایک حادثہ ہوا ہے اور ایک خاندان موت کی آغوش میں جا سویا ظاہر ہے ٹرک ڈرائیور اپنی زندگی بچانے کے لیے حادثے کے بعد بھاگ نکلا لیکن ٹونی اور گیسپر کا دل اس بات کو قبول نہیں کرتا تھا۔ ٹرک جس جگہ سے نکلا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں اس حادثے کے لیے ٹھہرا ہوا تھا اور یہ ایک جانا بوجھا حادثہ ہے۔ شہروز نے بھی اس سلسلے میں جس قدر تحقیقات کی تھیں اس میں صرف ایک یہ ہی پہلو مشکوک تھا۔ ورنہ اپنے طور پر وہ ناظمہ کے خاندان کو بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ لوگ اس قدر انتقامی مزاج نہیں رکھتے تھے اور پھر اگر انتقام ہی لینا ہوتا تو اس وقت لیتے جب ناظمہ نے اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف اعظم علی سے شادی کر لی تھی۔

اتنا طویل عرصہ گزرنے کے بعد یہ انتقام کیا معنی رکھتا تھا اور پھر وہ ایسے لوگ نظر بھی نہیں آئے تھے۔ باقی معاملہ ان لوگوں کا تھا۔ یعنی امریکہ سے آنے والے قیصر جمال کا اس بارے میں بھی یہ ہی اندازہ ہوتا تھا کہ سیدھا سادھا نوجوان ہے اور نہ ہی کوئی شک وشبہ اس کی بیوی کی جانب سے کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ یورپین عورت تھی۔

باقی معلومات بھی حاصل کر لی گئی تھیں۔ یعنی یہ کہ یہ امریکہ ہی میں مقیم تھے اور بیرسٹر وجاہت کی طرف سے اطلاع ملنے پر یہاں آئے تھے۔ کوئی ایسا پہلو نمایاں نہیں تھا۔ جس سے اس شک کو تقویت پہنچتی لیکن بس یہ ہی دونوں تھے۔ جن کا دل اس بات پر ٹک نہیں رہا تھا کہ یہ صرف ایک حادثہ ہے۔

بہر حال انہیں اپنے طور پر بھی کام کرنے کی آزادی تھی۔ چنانچہ ٹونی اور گیسپر ٹرکوں کے ان اڈوں کو چھانتے پھر رہے تھے۔ جہاں عموماً ٹرک کھڑے ہوا کرتے تھے۔ شہر کے نواحی علاقے میں ایسے کئی اڈے تھے۔ پھر اس دن وہ اس مخصوص علاقے میں پہنچے تھے۔ جہاں کئی ٹرانسپورٹ کمپنیاں اپنا دفتر قائم کیے ہوئے تھیں۔ انہوں نے حلیے بھی بدلے ہوئے تھے اور عام قسم کے حلیوں میں نظر آ رہے تھے۔ کوئی انہیں دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ کسی خاص حیثیت کے حامل لوگ ہیں۔ پھر ایک ٹرک کی نمبر پلیٹ پر ان دونوں کی نگاہیں جم گئیں۔ اس ٹرک کا نمبر ایک صفر صفر ایک تھا۔ اور یہ تین صفر ہی ان کے لیے باعث توجہ تھے۔ ویسے بھی ابھی تک کسی ٹرک پر ایسا کوئی نمبر نہیں آیا تھا۔ جس کے آخر میں تین صفر ہوں۔

چنانچہ اس ٹرک کو دیکھ کر ان کے ذہنوں میں تجسس جاگ اٹھا اور اس کے بعد دونوں ٹہلنے والے انداز میں آگے بڑھ کر ٹرک کے قریب پہنچ گئے۔

ٹرک سے تھوڑے فاصلے پر ایک گنڈیری والا بیٹھا ہوا تھا۔ گیسپر نے گنڈیریاں خریدیں، ان کی نگاہیں سڑک کے اگلے حصے پر لگی ہوئی تھیں۔ اور یہ دیکھ کر انہیں ایک دم شاک لگا کہ ٹرک کا اگلا حصہ کافی دبا ہوا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس دبے ہوئے حصے کو ٹھونک پیٹ کر ٹھیک کر لیا گیا ہو اور ایک سائیڈ کی لائیٹ وغیرہ بھی نئی لگی ہوئی نظر آ رہی تھی اور یہ ٹرک کا بائیں سمت کا حصہ تھا۔ سچوایشن کے لحاظ سے جس طرف سے وہ کار آ رہی تھی اور جس سائیڈ سے ٹرک نکلا تھا۔ تو کار کو ٹکر مارنے کے لیے ٹرک کو شہر کی جانب موڑتے ہوئے بائیں سمت کا حصہ ہی استعمال ہوا تھا اور اس ٹرک میں وہ ساری چیزیں نظر آ رہی تھیں۔

ٹونی نے دیکھا کہ ٹرک کے سائیڈ پر شاہ ٹرانسپورٹ کمپنی لکھا ہوا۔ نظر آ رہا تھا۔ دونوں نے وہیں بیٹھ کر گنڈیریاں کھاتے ہوئے کہا۔

''یہ ٹرک کس کا ہے۔''

''کون سا'' گنڈیری والے نے پوچھا۔

''یہ جو سامنے کھڑا ہے۔''

''یہ شاہ صاحب کا ہے۔''

''اس کمپنی کا دفتر کہاں ہے۔''

''وہ ٹرک سے پیچھے صاحب''

''اسے کون چلاتا ہے۔''

''ڈرائیور صاحب۔''

''نہیں میرا مطلب ہے۔کوئی خاص ڈرائیور ہے۔''

''ہاں...... وہ ٹرک گل جان چلاتا ہے۔گل جان ہمارا دوست ہے۔''

''بس گل جان ہی اس ٹرک کو چلاتا ہے یا کوئی اور بھی۔''

''نہیں جی بس گل جان ہی اس ٹرک کو چلاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔گل جان کدھر رہتا ہے کچھ معلوم ہے۔تمہیں۔''

''کوئی کام ہے۔اس سے صاحب۔''

''ہاں۔ایسے ہی کوئی ذاتی کام تھا اس سے۔''

''وہ ادھر اس کا اڈہ ہے۔اِدھر بہت سا لوگ رہتا ہے۔''

''اچھا اچھا۔'' گنڈیری والے سے خاصی معلومات حاصل کرنے کے بعد دونوں وہاں سے اُٹھے اور پھر اس اڈے کی جانب جا نکلے۔ڈرائیوروں کی بہت سی تعداد وہاں رہا کرتی تھی۔ایک جگہ کھانا۔ایک جگہ پکانا۔عورتیں وغیرہ نہیں تھیں۔اس لیے یہ لوگ اس اڈے پر پہنچ گئے پھر ٹونی نے وہاں گل جان کو پوچھا چوڑے چکلے جسم والا ایک آدمی اسے دیکھنے لگا۔

''میرا نام ہے گل جان۔''

''اوہو۔گل جان صاحب ہمارا ایک دوست ہے۔نوردین آپ جانتے ہو اسے۔''

''نوردین کدھر کا رہنے والا ہے۔''

''یہ تو معلوم نہیں۔بس ٹرک چلاتا ہے وہ کہہ رہا تھا ایک دن آپ کے بارے میں کہتا تھا کہ گل جان اس کا دوست ہے اور بہت اچھا آدمی ہے۔''

''نوردین ہمارے کو یاد نہیں آرہا۔''

''گورا رنگ ہے بڑی بڑی مونچھیں ہیں۔سرحد کے علاقے کا ہی رہنے والا ہے۔''

''اس نے ہمارا نام لے کر بولا تھا۔''

''اوہ بابا پتا نہیں ہمیں یاد کیوں نہیں آرہا، نوردین نے اوہ شہزادے اِدھر آ۔'' گل جان نے ایک آدمی کو پکارا اور وہ اس کے قریب آگیا۔

''اوہ یار نوردین کو جانتا ہے تو۔''

''نوردین نہیں میں نہیں جانتا۔''

''کوئی اور گل جان ہوگا صاحب۔''

''ہو سکتا ہے۔''

''نوردین سے کوئی کام تھا آپ کو۔''

''ہاں...... گل جان ویسے یہ کام تم بھی کر سکتے ہو ہمارا ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے۔ اگر تم ہمیں تھوڑا سا وقت دے سکو۔''

''ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں۔ نوردین بھی ہمیں یاد آ جائے گا ہو سکتا ہے ہمارا کوئی دوست ہو جسے ہم نام سے نہ جانتے ہوں۔''

''آؤ پھر ہمارے ساتھ چائے پیئو۔''

''ٹھیک ہے۔ صاحب آ جاؤ۔''

''اوہ...... دینو تو ادھر ٹھہر میں صاحب سے مل کر آتا ہوں۔'' گل جان نے ایک لڑکے کی طرف دیکھ کر کہا۔ اور وہ دونوں اسے ساتھ لے کر چل پڑے۔

''وہ سامنے ہوٹل ہے۔ صاحب آپ چلو ادھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

''نہیں گل جان یہ بات ہوٹل میں بیٹھ کر نہیں ہو گی، آؤ تھوڑی دیر ادھر چلتے ہیں وہ جو سفید گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔''

''ٹھیک ہے صاحب۔'' گل جان نے کہا۔ ٹونی اور گیسپر جان بوجھ کر ٹرک کے سامنے سے گزرے تھے۔ ٹونی نے چونک کر کہا۔

''یہ ٹرک تم ہی چلاتے ہو ناں۔''

''ہاں...... ہم اس کے مستقل ڈرائیور ہیں۔ مگر آپ یہ کیوں پوچھتے ہو۔''

''نوردین ہی نے بتایا تھا کہ گل جان۔ شاہ کمپنی کا ٹرک چلاتا ہے۔''

''اوہ...... یار وہ میرے کو یاد کیوں نہیں آتا۔''

''آ جائے گا۔ آ جائے گا۔'' ان دونوں نے کہا اور گل جان کو لیے ہوئے گاڑی کے قریب پہنچ گئے۔ فوری فیصلہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے احتیاط کے ساتھ کام کرنا تھا۔ گاڑی کے قریب پہنچ کر جب اس کا دروازہ کھولا گیا تو گل جان نے حیرت سے کہا۔

''یہ گاڑی تمہارا ہے صاحب۔''

''نہیں یار میں ڈرائیور ہوں اس کا آؤ بیٹھو ادھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' ٹونی نے کہا اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے گیسپر کو اشارہ کیا اور گیسپر تیار ہو گیا تھا۔ جونہی گل جان گاڑی میں بیٹھنے کے لیے جھکا، گیسپر کا کراٹے کا بھرپور ہاتھ اس کی گردن کی ایک مخصوص رگ پر پڑا۔ پھر دوسرا اور تیسرا کیونکہ گل جان ایک طاقتور آدمی تھا لیکن تیسرے ہاتھ نے اسے بالکل نڈھال کر دیا تھا اور اس کے بعد گیسپر نے اسے گاڑی کی عقبی سیٹ میں ٹھونس دیا۔

بہرحال گل جان کو گاڑی کی عقب سیٹ سے ٹھونسنے کے بعد اس نے دروازے بند کیا اور دوسری جانب سے گھوم کر پیچھے آ بیٹھا۔

ٹونی نے اسٹیرنگ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کر دی تھی۔

اور اس کے بعد وہ تیز رفتاری سے چل پڑے تھے۔

دونوں کے دل و دماغ شدید سنسنی محسوس کر رہے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے لیمپو آن کی ہدایت کے خلاف اپنے طور پر ایک کام کے سلسلے میں کارروائی کا آغاز کیا تھا اور بہرحال ٹرک کے مل جانے سے انہیں یہ امید ہو چلی تھی کہ اب کم از کم یا تو ان کے ذہن میں کسک دور ہو جائے گی یا پھر اس سلسلے میں کچھ معلومات حاصل ہو جائیں گی لیکن اس کے لیے انہوں نے مخصوص طریقہ کار متعین کیا تھا۔ ویسے بھی انہیں محکمے کی طرف سے وردیاں ملی تھیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ان کی وردیوں کا کوئی استعمال نہیں تھا۔ وہ اپنے طور پر صرف اس خفیہ ادارے سے وابستہ تھے اور خفیہ طور پر ہی کام کیا کرتے تھے۔

لیکن پھر بھی انہیں ان کے عہدے کے مطابق وردیاں بھی فراہم کر دی گئی تھیں لیکن وہ گل جان کو لے کر اپنی اس پرانی کمین گاہ میں پہنچے تھے۔ جہاں انہوں نے اپنے کام کا آغاز کیا تھا۔ یہ جگہ ہر لحاظ سے بہتر تھی اور آج تک مشکوک نہیں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ یہاں ایسی جگہیں بنائی گئیں تھیں۔ جہاں خطرناک قسم کے لوگوں سے نمٹنے کے لیے اعلیٰ ترین انتظامات کیے گئے تھے۔ باہر کا حصہ ایک کباڑ خانے کی حیثیت سے ان کا آغاز ہوا تھا اور آخر کار وہ اس منزل تک پہنچے تھے۔ یہاں آ کر گل جان کو اس خفیہ تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔ جو بڑے بڑے خطرناک لوگوں کا مسکن بن چکا تھا۔

بہرحال اس سلسلے میں جو کارروائی انہوں نے کی تھی۔ اس پر انہیں اعتماد بھی تھا۔ اب تک صورت حال یہ ہی رہی تھی۔ وہ ہر کام لیمپو آن کی ہدایت کے مطابق کیا کرتے تھے یہ پہلا ہی عمل تھا اور وہ اپنی کامیابی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ گل جان کو وہاں لٹانے کے بعد یہ طے کیا گیا کہ وردی پہن کر اس سے تحقیقات کی جائے۔ چنانچہ ایک وقت کا تعین کر کے وہ اس تہہ خانے سے باہر نکل آئے۔ باہر آ کر وردیاں تبدیل کی گئیں اور حلیے میں خاصا فرق پیدا کر لیا گیا۔ پھر وہ گل جان کے پاس پہنچ گئے اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد گل جان ہوش میں آ گیا تھا۔ اس نے متوحش نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر اپنی گردن سہلانے لگا۔ تب ہی اس کی نظر ان دونوں پر پڑی اور وہ حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکال کر رہ گیا۔ تہہ خانے میں تیز روشنی تھی اور اس تیز روشنی میں گل جان ان لوگوں کو بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ وردی دیکھ کر اس کی گھگھی بندھ گئی تھی۔

بے شک جسم و جان میں توانا آدمی تھا لیکن اندرونی طور پر شاید اس قدر توانا نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں چکرائی چکرائی سی نظر آنے لگیں تو ٹونی نے آہستہ سے آگے بڑھ کر نرم لہجے میں کہا۔

”اور تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ گل جان کہ ہمارا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔“ گل جان نے ہاتھ جوڑ دیے۔ ٹونی نے اسے ڈرانے کے لیے کہا۔

”صاحب میرا قصور کیا ہے۔ میرے چھوٹے بچے ہیں میں تو ان کے لیے محنت مزدوری کرتا ہوں۔ آپ لوگ مجھے ادھر کیوں

لے آئے ہو۔''

''دیکھو گل جان! جو سنگین واقعہ ہوا ہے۔ وہ اس قدر خطرناک ہے کہ تمہیں سزائے موت بھی ہو سکتی ہے۔ اس بات کو صرف دھمکی نہ سمجھنا یہ ایک حقیقت ہے اور ہم جانتے کتنی مشکلات سے تمہیں تلاش کرتے ہوئے تم تک پہنچے ہیں۔''

''سس..... سزائے موت۔ صاحب جی معافی دے دو۔ خدا کی قسم ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے صاحب ہم تو ایک شریف آدمی ہیں۔ آپ ہمارے بارے میں کسی سے پوچھ لو ہم نے کبھی ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ صاحب، صاحب دیکھو۔ آپ کو دھوکا ہوا ہے کوئی۔ آپ ہمارے بارے میں جدھر سے چاہو۔ پتا کر لو۔ صاحب ہم شریف آدمی ہیں اور شاہ ٹرانسپورٹ پر نو سال سے کام کر رہے ہیں۔ ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا صاحب۔ آپ پہلے تحقیق کر لو۔ اگر ہم کسی جرم میں پائے گئے تو بے شک ہمیں سزا دو۔ کسی دھوکے میں ہم کو مت مارنا صاحب ہم آپ کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں۔''

''تمہیں گل جان ڈرنے کی ضرورت نہیں میں نے تمہیں صرف یہ بتانا ہے کہ اگر تم نے سچ چھپانے کی کوشش کی تو پھر تمہارے لیے زندگی بچانا مشکل ہو جائے گی۔ تمام حقیقت بالکل سچائی کے ساتھ بیان کر دو۔''

''کون سا حقیقت صاحب۔'' گل جان نے کہا۔

''سولہ تاریخ کی رات تم نے جو ایکسیڈنٹ کیا تھا۔ وہ کس کے کہنے پر کیا تھا۔'' ٹونی نے پوچھا۔

گل جان نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر اس کا چہرہ ایک دم تاریک ہو گیا۔ ''سولہ تاریخ ایکسیڈنٹ۔''

''ہاں..... جس میں چار افراد ہلاک ہوئے تھے رات کا وقت تھا۔''

''اوہ..... خدایا..... پناہ..... سولہ تاریخ ایکسیڈنٹ۔'' گل جان بہت نروس ہو گیا تھا۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔ ''مروا دیا۔ خدا تجھے غارت کرے۔'' ٹونی اور گیسپرا سے غور سے دیکھ رہے تھے۔ اس وقت گل جان اداکاری نہیں کر رہا تھا۔ ویسے بھی وہ عام سا آدمی تھا۔ دیر تک وہ چکراتا رہا پھر اس کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آنے لگے۔ پھر وہ کسی قدر سرد لہجے میں بولا۔

''ہمارا ایک بات مانو صاحب ہمارے کو پوری بات بتاؤ۔ خدا کی قسم ہم بالکل سچ بولے گا۔''

''جو ٹرک تم چلاتے ہو۔ سولہ تاریخ کی رات کو ایک حادثہ کر کے فرار ہو گیا تھا۔ اس حادثے میں چار افراد ہلاک ہوئے ہیں اور یہ ٹکر جان بوجھ کر ماری گئی تھی۔''

''صاحب گناہ ہمارا ہے۔ سزا ہمیں ملنا چاہیے لیکن ہم آپ کو اس خانہ خراب کا نام ضرور بتائے گا۔ جس نے ایسا کیا ہے۔ میرے کو بولتا تھا کہ ایک نالے کا پل سے ٹکرا گیا تھا۔ خنزیر کمینہ کہیں کا۔ ہم اسے گرفتار کرائے گا۔ آپ ہمارے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال کر لے چلو۔''

''تفصیل بتاؤ گل جان۔''

''اس خانہ خراب کا نام۔''

گل جان خان ایک لمحے کے لیے رکا پھر سرد لہجے میں بولا۔ ”زمان خان ہے۔“

”زمان خان کے بارے میں تفصیل بتاؤ۔ گل خان۔“ ٹونی نے پوچھا۔

گل خان نے اب اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سخت غصے کے آثار تھے اور اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”تقدیر کا خرابی ہے۔ صاحب پر کیا کرے، انسان ہمدردی اور محبت کے لیے تو مجبور ہوتا ہے۔ وہ کمینہ اپنے آپ کو ہمارے دیس کا بتاتا تھا۔ اپنے آپ کو بڑا معصوم ظاہر کرتا تھا۔ صاحب کہتا تھا شادی ہوگئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ کوئی والی وارث نہیں ہے۔ اور وہ تقدیر کے بھروسے پر اپنا شہر چھوڑ کر یہاں آیا ہے اور ادھر قسمت آزمائی کرنا چاہتا ہے۔“

”گویا تمہارا کوئی پرانا شناسا نہیں ہے۔“ گیسپر نے پوچھا۔

”نہیں صاحب اگر زندگی بچ گیا تو اس بات کا قسم کھاتا ہے ہم آئندہ کسی پر بھروسہ نہیں کرے گا اور اگر زندگی نہ بچا تو اچھا ہے۔ غلطی کرنے والے کو سزا ملنی چاہیے۔ فیروز پلازہ کے نیچے ایک ہوٹل ہے۔ ایک دن ہم ہوٹل میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ وہ اندر داخل ہوا۔ شکل سے اتنا معصوم لگتا تھا کہ ہم متاثر ہوگیا۔ باہر والا سے ایک چائے اور بن مانگا اور اس کے بعد بن کو چائے میں ڈبو ڈبو کر کھانے لگا۔ ہمیں اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ ایک غریب آدمی ہے۔ ہمارا دل میں اس کے لیے ہمدردی جاگا اور پھر ہم نے اس سے دوستی کیا۔ میرے کو ایسا غم کا کہانی سنایا صاحب کہ میرا دل اس کے لیے موم ہوگیا۔ میں اس کو بولا کہ کیا اسے ڈرائیونگ آتا ہے۔ تو ہم اس کو شاہ ٹرانسپورٹ کے پاس نوکری دلا دے گا۔ اس نے ہم کو بولا کہ اسے ڈرائیورنگ آتا ہے۔“

ابھی بہت عرصے سے اس نے یہ کام چھوڑا ہوا ہے۔ صاحب ہم چار دن تک اسے اپنے گھر میں ڈرائیونگ سکھاتا رہا۔ ابھی شاہ صاحب اپنے وطن گیا ہوا ہے۔ ہم انتظار کر رہا تھا کہ وہ آئے تو ہم اس سے زمان خان کی بات کرے گا۔ سولہ تاریخ کو اس نے ہم سے بولا کہ گل جان اگر اجازت دو تو تھوڑی دیر کے لیے ٹرک لے جانا چاہتا ہوں۔ ہم دیکھ چکا تھا صاحب کہ وہ ٹھیک ٹرک چلاتا ہے۔ ہم اس کو چابی دے دیا اور وہ ٹرک لے کر نکل گیا۔

واپس آیا تو ٹرک کو نقصان پہنچا ہوا تھا اور ہم سے بولا کہ پلیا سے ٹکرا گیا تھا۔ ہمیں افسوس ہوا۔ پورا کام تو نہیں کرا سکا تھا۔ تھوڑا پیسہ اس کے پاس تھا اور تھوڑا ہمارے پاس تھوڑا سا ڈینٹ کا کام کرایا۔ نیا لائٹ لگوا لیا ابھی شاہ صاحب کی واپسی کے بعد ٹرک کو بالکل ٹھیک کراتا۔ دل میں ہم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آئندہ ہم اسے ٹرک نہیں دیں گے۔ یہ ہمارے کو کیا معلوم کہ ادھر وہ ایکسیڈنٹ کر کے آگیا ہے۔ خانہ خراب اگر ہمیں بتا دیتا تو ہم دوسرا کام کرتا۔ پر اس نے ہمیں دھوکے میں رکھا صاحب ہمیں نہیں معلوم تھا صاحب۔“

”تم نے بتایا کہ وہ فیروز پلازہ کے فلیٹ نمبر چودہ میں رہتا ہے۔“

”جب وہ غریب آدمی تھا تو اس نے فلیٹ کرائے پر کیسے لے لیا۔“

”میں نے اس سے پوچھا تھا صاحب کہنے لگا۔ گل جان! زندگی تو گزارتی ہے۔ جو تھوڑے بہت پیسے گھر سے لے کر آیا تھا۔ اس

سے سر چھپانے کا یہ ٹھکانہ تلاش کر لیا ہے۔ بس اب اس کے بعد نوکری چاہیے، بچوں کو بھی اِدھر بلا لوں گا۔ صاحب میں اس کو بولا تھا کہ میں اس کا مدد کروں گا وہ بے فکر رہے۔ مگر آپ دیکھو کہ اس نے کس طرح ہمارے بغل میں تنجر مارا ہے۔ ابھی آپ مانو یا نہ مانو ابھی ہم سے غلطی ہوا ہے شاہ صاحب کو بھی ہم پوری بات سچ بتائے گا۔ اور آپ لوگ تو ہمیں مجرم سمجھتے ہو تو ہم آپ سے یہ نہیں بولتا کہ ہم کو سزا مت دو۔ ہم خود شریف آدمی ہے۔ صاحب ایسا کیسے پسند کر سکتا ہے۔ ایک جرم ہوا ہے اور مجرم خود کو چھپاتا ہے۔ اگر آپ ہمارے کو اجازت دو تو ہم اس خنزیر کے بچے کو خود پکڑ کر آپ کے سامنے پیش کرے۔"

"تم اس سے آخری بار کب ملے تھے۔"

"آخری بار صاحب...... تین چار دن ہو گیا۔"

"اس حادثے کے بعد۔"

"ابھی صاحب! ہمارے کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ حادثہ ہوا ہے۔ ہم تو اس کو ویسے ہی ملتا تھا۔"

"تین چار دن پہلے تم اس سے کہاں ملے تھے۔"

"فیروز پلازہ کے اس ہوٹل میں صاحب، ہم اکثر اِدھر جا کر بیٹھتے ہیں۔ بچہ لوگ تو اِدھر نہیں ہے۔ وہ تو اپنا شہر میں ہے۔ ہم اِدھر ایسے ہی رات کو بیٹھ جاتا ہے۔ ٹرک لے کر نکلتا ہے تو پھر سفر کرتا ہے۔"

گیسپر نے ٹونی کو دیکھا اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ گل جان جو کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ سچ ہی ہے لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گل جان کا کیا کیا جائے۔ اگر اسے آزادی دی جائے تو کہیں بات بگڑ نہ جائے اور اس طرح اسے اپنی قید میں رکھنا بھی مناسب نہیں تھا۔ دونوں وہاں سے ہٹ آئے تو ٹونی نے گیسپر سے کہا۔

"ہاں...... اب بولو۔"

"یار کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری یہ پرواز ہمارے لیے نقصان دہ ہو۔"

"کیا مطلب۔"

"بات تو خیر آگے بڑھ رہی ہے۔ انداز بھی مناسب ہے لیکن اور کچھ نہ سہی تو کم از کم شہروز صاحب کو ہی اس بارے میں اطلاع دے دی جائے۔"

"میرے دل میں کچھ اور ہے۔"

"کیا۔"

"جب ہمیں اتنا کچھ دیا گیا ہے۔ تو ہم اس کا حق کیوں نہ ادا کریں۔"

"مطلب۔"

''مطلب یہ کہ ہماری تفتیش غلط راستوں پر نہیں ہے ٹرک کا سراغ لگایا ہے ہم نے اور یہ تھوڑی بہت باتیں بھی معلوم ہوئی ہیں۔ تو کیوں نہ کوئی ٹھوس نتیجہ حاصل کر کے اس کے مطابق کام کیا جائے اور کوئی بھر پور معلومات حاصل کرنے کے بعد شہروز صاحب کو اطلاع دی جائے۔''

''ویسے لیپو آن کی ہدایت تمہیں یاد ہے۔''

''کیا۔''

''اس نے کہا تھا کہ شہروز پر مکمل اعتماد کیا جا سکتا۔''

''ہاں...... یاد ہے اور شہروز ویسے بھی ایک قابل اعتماد شخصیت ہے۔ اس نے کبھی ہم لوگوں کے ساتھ یہ رویہ نہیں اختیار کیا جیسے اسے ہم پر فوقیت حاصل ہو۔ دوستانہ انداز میں ہر بات کرتا ہے۔''

''خیر شہروز کی شخصیت غیر متنازعہ ہے اور تھوڑے ہی عرصے میں وہ ہم سے اس قدر گھل مل گیا ہے کہ اس نے ہمیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ اب جیسا تم کہو، فیصلہ کر لو۔''

''میرا خیال ہے گل جان کو اب قید میں رکھنا بے سود ہے ویسے بھی ہم اسے مجرمانہ طور پر اُٹھا کر لائے ہیں اور اگر وہ اس معاملے میں سچ کہہ رہا ہے۔ تو پھر ذرا اسے اور کیوں نہ ٹٹول لیا۔ جائے بھاگ کر کہاں جائے گا۔''

''تو پھر اب کیا کرنا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ تفتیش کی کڑی جوڑنی چاہیے۔ اگر ہم اس وقت فیروز پلازہ کے فلیٹ نمبر 14 پر چھاپہ مارتے ہیں۔ تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہاتھ آجائے۔ اگر موقع دیا گیا اور اسے علم ہو گیا کہ گل جان غائب ہے۔ تو شاید وہ خود بھی غائب ہونے کی کوشش کرے۔''

''یعنی اسی وقت۔''

''ہاں۔''

''اسی لباس میں۔''

''گل جان کو ساتھ لو گے۔''

''لینا چاہیے کہ وہ ہی تو تصدیق کرے گا۔''

''ٹھیک ہے تو پھر لباس تبدیل کر لو۔''

وہ لباس تبدیل کرنے کے بعد گل جان کے پاس پہنچے تو گل جان کو آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی۔'' اس نے گردن اُٹھا کر کہا۔

''بچے لوگ بھی تھے صاحب۔''

''کہاں۔''

''اس کار میں جس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔''

''ہاں دو بچے تھے۔''

''صاحب میں بھی بال بچوں والا آدمی ہوں۔ اس خانہ خراب نے جو کچھ کیا بہت برا کیا۔ اس کو کم از کم اپنے گناہ کے بارے میں ہمیں بتانا چاہیے تھا۔''

''گل جان بات بہت بڑھ گئی ہے۔ تمہاری زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔''

''خدا کا قسم صاحب زندگی اللہ کی امانت ہے۔ اس نے دیا ہے۔ وہ واپس بھی لے گا ہم کو اس کا پرواہ نہیں ہے۔ مگر ہم اس کے جرم کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے۔''

''صورت حال خراب ہوئی تو تم پر بھی مصیبت آسکتی ہے۔ گل جان۔''

''اللہ مالک ہے۔ صاحب مصیبت کو آنا ہے۔ تو کون ٹال سکتا ہے مگر ہمارا آرزو ہے کہ چار انسانوں کا قاتل گرفتار ہو اور اسے اس کے کیے کی سزا ملے۔ آپ ہمارے سپرد جو بھی ذمے داری کرنا چاہو صاحب گل جان غریب آدمی ہے۔ مگر خاندان کا خراب نہیں ہم آپ کو دھوکہ نہیں دیں گے۔''

''ٹھیک ہے، گل جان۔'' اور اس کے بعد وہ سادہ سے لباس میں گل جان کے ساتھ چل پڑے۔

ذہن میں بہت سے خیالات تھے کوئی بات حتمی طور پر نہیں کہی جا سکتی تھی لیکن پھر بھی کم از کم کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ چنانچہ یہ سفر طے ہوا۔

رات خاصی ہو چکی تھی اور ماحول پر ایک گہری خاموشی مسلط تھی۔ یہاں چونکہ ٹرکوں کا اڈہ تھا۔ اس لیے تھوڑی بہت رونق ان جھونپڑا ہوٹلوں میں نظر آ رہی تھی۔ اور لوگ اِدھر سے اُدھر آ جا رہے تھے۔ رات کو چونکہ ٹرک لوڈ ہوا کرتے تھے۔ اس لیے اب بھی یہ کام جاری تھا لیکن ان کی جانب کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ بہرحال وہ سب فیروز بلازہ پہنچ گئے۔ زیادہ تر ٹرکوں کا کام کرنے والے ان فلیٹوں میں رہا کرتے تھے۔

فلیٹ نمبر 14 کے سامنے پہنچ کر انہوں نے ایک لمحے میں اندازہ لگا لیا کہ اس وقت فلیٹ میں کوئی موجود نہیں ہے۔ گل جان نے بھی اس کی تصدیق کر دی تھی۔

''وہ خانہ خراب اس وقت اِدھر معلوم نہیں ہوگا صاب۔''

''ایسا کرتے ہیں۔ گل جان کہ اسے ہوٹلوں وغیرہ میں تلاش کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے صاب آؤ۔'' گل جان نے کہا۔ کیسپر اور ٹونی نیچے اُتر آئے اور پھر دور ہی دور سے ان ہوٹلوں کا جائزہ لیا گیا لیکن زمان خان ان میں سے کسی ہوٹل میں موجود نہیں تھا۔ گل جان کے چہرے پر بھی مایوسی کے آثار پھیلتے جا رہے تھے۔ گل جان نے کہا۔'' ایسا

معلوم ہوتا ہے۔صاب کہ اب وہ ادھر نہیں ہے۔"

"کیوں نہ اس کے فلیٹ کی تلاشی لے ڈالی جائے۔" گیسپر نے کہا۔

"یہی کرنا پڑے گا۔" ٹونی نے کہا۔

دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔"صاحب آپ تو قانونی آدمی ہیں آپ تو تالا توڑ سکتے ہیں۔"

"ہاں آؤ" وہ ایک بار پھر فلیٹ کے دروازے پر پہنچ گئے تھے۔تالا کھولنا اتنا مشکل کام ثابت نہیں ہوا۔فلیٹ میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔دروازہ بند کرنے کے بعد روشنی کا سوئچ تلاش کیا گیا۔بلب لگے ہوئے تھے۔چنانچہ پیلی مدقوق روشنی پھیل گئی۔

فلیٹ خالی تھا۔دو کمرے، ایک چھوٹا سا کچن، باتھ روم وغیرہ لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ فلیٹ میں اب کچھ بھی نہیں ہے۔ چاروں طرف کوڑا کرکٹ پھیلا ہوا تھا......کیلوں کے چھلکے، چوسی ہوئی گنڈیریاں اور بسکٹوں کے خالی ڈبے، اندر کمرے میں کچھ صفائی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں دونوں کمرے دیکھ لیے گئے۔بغیر دروازوں کی الماریاں خالی پڑی ہوئی تھیں۔صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ زمان خان اب اس فلیٹ میں موجود نہیں ہے۔ٹونی نے گل جان سے کہا۔

"تم تو پہلے یہاں آچکے ہو۔"

"ہاں......میں آپ سے بولا، کئی بار۔"

"یہاں اس کا سامان بھی ہوتا تھا۔"

"اِدھر یہ جو کھونٹیاں لگا ہوا ہے۔اِدھر کپڑے لٹکے رہتے تھے۔الماری میں بھی کپڑے رکھے ہوا کرتے تھے۔کوئی سوٹ کیس وغیرہ اس کے پاس نہیں تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ یہاں سے جا چکا ہے۔"

"ابھی صاحب، جرم کیا ہے۔اس نے ہم کو دھوکہ دیتا رہا اور اب غائب ہو گیا خدائی خوار تقدیر کا اچھا تھا۔"

گیسپر اور ٹونی خاصے افسردہ ہو گئے تھے۔یہ صورت حال معلوم ہونے کے بعد آدمی تک نہ پہنچنا ان کے لیے ایک دکھ کا لمحہ تھا۔ پھر وہ باہر نکل آئے، غسل خانے کے پاس جو کوڑے کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔کسی خیال کے تحت ٹونی اس کا جائزہ لینے لگا پھر اچانک ہی وہ کوڑے کے ڈھیر پر جھک گیا۔اس نے اس میں سے کوئی چیز اُٹھائی تھی۔"

چوکور کاغذ کے دو تین کاغذ تھے۔گیسپر اس کی طرف دیکھنے لگا۔یہ ایک فضائی کمپنی کا ٹکٹ تھا۔جس کے کچھ کوپن اس میں لگے ہوئے تھے۔ان میں سے ایک کوپن پر فیصل کا نام لکھا ہوا تھا اور باقی تمام تاریخ وغیرہ بھی درج تھی۔یہاں کوڑے کے اس ڈھیر میں اس کوپن کا مل جانا یقینی طور پر حیرتناک بات تھی۔تاریخ بھی زیادہ پرانی نہیں تھی۔بہر حال ٹکٹ کے اس ٹکڑے کو جیب میں رکھ لیا گیا۔اس سے زیادہ کچھ اور دستیاب نہیں ہوا تھا۔

پھر باہر آنے کے بعد گیسپر نے اپنا ٹیلی فون نمبر لکھ کر گل جان کو دیا اور کہا۔

''گل جان! تم جانتے ہو بات یہیں ختم نہیں ہو گئی۔ تمہیں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر بھی اور اپنی جان بچانے کے لیے پولیس کا ساتھ دینا ہوگا۔ اگر وہ تمہیں نظر آ جائے تو ذرا بھی اس بات کا اظہار مت کرنا کہ تمہیں اس پر شبہ ہوا ہے۔ یا ایسی کوئی بات تمہارے علم میں آئی ہے۔ اس سے محبت کا برتاؤ کرنا اور اس نمبر پر اطلاع دے دینا...... خیال رہے گل جان کہ اس آدمی کو گرفتار کرنا بے حد ضروری ہے۔ چار انسانوں کے قتل کا معاملہ ہے۔''

''صاحب آپ اطمینان رکھو...... یہ ہمیں نظر آ گیا تو ہم خدا کا قسم، ہم اسے گرفتار کرائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ یہ ہمارا ایمان ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے گل جان کو چھوڑ دیا تھا اور کار میں بیٹھ کر چل پڑے تھے۔

''کام ہوا لیکن ادھورا رہ گیا۔'' ٹونی نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''کوشش تو کی تھی۔''

''لیکن جہاز کا یہ ٹکٹ کیا یہ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔''

''سو فیصد ہے۔ فیصل اس نام کے ٹکٹ پر سفر کرنے والا امریکہ سے آیا ہے لیکن یہ ہے کون اور ٹکٹ کے اس ٹکڑے کا تعلق اس فلیٹ سے کیسے ہو گیا۔''

''میرے خیال میں اس سلسلے میں بھی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔''

''ہاں یقینی طور پر اس ایئر لائنز کی کمپنی سے اس کے بارے میں شاید کچھ تفصیلات ہمیں مہیا ہو جائیں۔''

''یار ہم باقاعدہ جاسوس نہیں بن گئے۔'' گیسپر بھی ہنسنے لگا۔

''ہاں...... لیکن ناکام جاسوس۔'' اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

☆......☆......☆

عالی شان کوٹھی، عالی شان کاروبار، کاریں، زندگی کی وہ تمام خوشیاں جن کا کبھی الیش پار کرنے خوابوں میں تصور کیا تھا۔ اب اس کے قدموں میں تھیں اور وہ اپنے کیے پر نازاں تھی۔ بڑا صحیح انتخاب کیا تھا اس نے جوانی کے یہ چار لمحے تو ہی ہوتے ہیں۔ جن میں صحیح لطف حاصل کیا جا سکتا ہے۔ زندگی عیش و عشرت کا نام ہے اور وہ زندگی اسے حاصل ہو چکی تھی۔

جہاں تک بات رہ گئی قیصر جمال کی تو بہر حال وہ ایک اچھا شوہر تھا اور اس کی زندگی بہتر انداز میں گزاری جا سکتی تھی۔ گو ویسے زندگی میں بے شمار چاہتیں ہوتی ہیں لیکن جتنا کچھ حاصل ہو جائے وہی بہتر اور غنیمت ہوتا ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ شوہر کی اپنی شکل و صورت اور شخصیت کیا ہے۔ ویسے بھی قیصر جمال ایک نرم مزاج اور نرم خو آدمی تھا۔ الیش پار کر یا موجودہ شاہینہ محسوس کرتی تھی کہ وہ اس قدر خوش نہیں ہے۔ جتنا اسے خوش ہونا چاہیے تھا۔

کاروبار کی تفصیل میں اُلجھ کر وہ کافی دن تک ایش پارکر کی طرف متوجہ نہیں ہو سکا تھا۔ وجاہت صاحب جو ایڈووکیٹ تھے۔ اس کے معاون کار تھے اور قیصر جمال نے تقریباً چارج لے لیا تھا۔ حساب کتاب کے کھاتے طویل تھے۔ کچھ ایسے قابل اعتماد دوست بھی تھے جو مدد کر رہے تھے۔ یہ دوستی اصل میں اعظم علی سے تھی اور اعظم علی کے بیٹے کی حیثیت سے ان لوگوں نے قیصر جمال کو خلوص دل سے تسلیم کیا تھا۔ بہت سے مسائل اور بہت سے جھگڑے تھے اور قیصر جمال محسوس کر رہا تھا کہ سرپرست کس قدر عظیم اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اعظم علی نے بے شک دوسری شادی کر لی تھی لیکن انہوں نے کبھی کسی مشکل کا شکار نہیں ہونے دیا تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کسی سے اختلاف رکھ کر اس کے خلاف دل میں بہت سے خیالات تو بسائے جا سکتے ہیں لیکن حقیقتوں پر غور کر کے اس کی اچھائیوں کو نظر انداز کر دینا سب سے آسان کام ہوتا ہے۔

اِدھر ایش پارکر نے ایک عجیب و غریب انداز اپنایا تھا۔ اس نے مشرقی عورتوں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا...... شوہر پرستی میں گھر کی دیکھ بھال میں ملازمین کے ساتھ برتاؤ میں اس نے کمال کا ثبوت دیا تھا۔ بے حد چالاک لڑکی تھی۔ زندگی گزارنا جانتی تھی۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی گھر پر آمرانہ تسلط اختیار نہیں کیا بلکہ ملازموں کو اپنے ساتھ لے کر چلی، بہت جلد ہی اس نے بہترین اردو سیکھ لی تھی۔ بولنے کا انداز بے شک ٹیڑھا میڑھا تھا لیکن اظہار اور مفہوم کا سمجھنا اس کی بے پناہ صلاحیتوں [illegible] اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس نے ان ملازموں کو پوری طرح [illegible]

”مسٹر ناوید یہ آپ لوگ کیسے رہتا ہے۔“

”کیوں بیگم صاحب۔“

”اِدھر تو بہت گندا ہوتا ہے۔“

”نہیں بیگم صاحب ٹھیک ہے۔“

”کدھر ٹھیک ہے۔ ابھی دیکھو وائیٹ واش نہیں ہے اور یہ تمہارا [illegible]“ [illegible]

”بیگم صاحبہ ہم اس گھر کے نوکر ہیں۔ اس گھر کے مالک نہیں۔“

”ایک بات ہم تم کو بولے ناوید صاب۔“

”جی بیگم صاحب“

”واٹ نوکر۔“

”جی“

”میرا مطلب ہے۔ نوکر کا کیا مطلب ہوتا ہے۔“

”بیگم صاحبہ ہم نوکر ہیں آپ کے جو آپ کہیں گی اسے مانیں گے۔“

''نہیں تم نوکر نہیں۔''

''تو پھر۔''

''تم انسان ہے کیا سمجھے۔''

''وہ تو ہیں۔'' نوید خان نے ہنس کر کہا۔

''انسان کو انسان کے مافق رہنا مانگتا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔ بیگم صاحب لیکن ہم بھی یہاں ٹھیک ہیں۔ بیگم صاحب۔''

''کیسے ٹھیک ہیں۔ یہ بیڈ روم ٹھیک نہیں۔''

''تو پھر کیا کریں۔''

''تم نہیں کرو میں کرے گا۔''

''آپ۔''

''ہاں میں، میں ٹھیک کرے گا تمہارا بیڈ روم۔''

''آپ کیا کریں گی بیگم صاحب۔''

''دیکھو سب لوگ کا بیڈ روم کا وائیٹ واش کراؤ، میرا مطلب ہے۔ اپنا کوارٹر وائیٹ واش کراؤ۔ ہم پے منٹ کرے گا۔ یہ سارا سامان جو تم اِدھر جمع کیا باہر پھینکو، گندا گاڑ کو دے دو اِدھر ہم نیا سامان ڈالے گا۔''

''بیگم صاحب۔''

''نہیں ہم بیگم صاحب۔''

''جی بیگم صاحب۔''

''تم ہمارا حکم مانتا۔''

''جی بیگم صاب۔''

''تو ہم حکم دیتا کہ یہ سارا سامان باہر پھینک دو۔''

''ہم......مگر۔''

''حکم نہیں مانتا۔''

''نہیں بیگم صاحب ہم آپ کا حکم مانیں گے۔''

''یہ گندا سامان باہر پھینک دو۔''

''ٹھیک ہے۔ بیگم صاحبہ، جیسا آپ کا حکم۔'' ملازموں کو ایک مشغلہ مل گیا تھا، دیکھیں بیگم صاحبہ کیا کرتی ہیں پھر بیگم صاحبہ نے وائٹ واش کرنے والوں کو طلب کیا اور سارے کوارٹروں کی مرمت ہونے لگی۔ ملازموں کے لیے نیا فرنیچر آ گیا...... بیگم صاحبہ نے ان سے ان تنخواہیں پوچھیں پھر اپنی جیب سے انہیں امداد دی گئی۔ غریب آدمی کو اور کیا چاہیے۔ شاہینہ بیگم کے نام کے نعرے گونجنے لگے۔ سب کی محبتیں ان کے ساتھ ہو گئیں۔

ادھر قیصر جمال اپنے کاروباری امور کو سلجھانے میں مصروف تھا۔ تو ادھر ایلش پارکر نے یہاں اپنے لیے مشغلہ دریافت کر لیا تھا...... قیصر جمال ذہنی طور پر بوجھل تھا لیکن بہرحال نئی زندگی کے آغاز کو اس نے بہتر انداز میں شروع کیا تھا۔ اس دن دفاتر کی چھٹی تھی قیصر جمال گھر میں تھا۔ ایک ٹرک نوکروں کا بوسیدہ سامان اُٹھا رہا تھا۔ تو قیصر جمال نے ایلش پارکر سے کہا۔

''یہ سب کیا ہے۔ شاہینہ۔''

''قیصر صاحب آپ اپنے طور پر اپنے امور سلجھانے میں مصروف ہیں۔ اور میں اپنی زندگی کے لیے مشاغل تلاش کر رہی ہوں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے لیکن کیا کر رہی ہیں آپ۔''

''ایک سوال کروں آپ سے۔''

''ضرور۔''

''آپ کے دوسرے اہل خانہ کہاں ہیں۔''

''خدا ہی جانے۔''

''کوئی ایسا نام آپ کے علم میں نہیں ہے۔ جس سے آپ بچپن میں متعلق رہے ہوں۔''

''نہیں کوئی ایسا نام نہیں ہے۔''

''تعجب ہے۔''

''کیوں اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔''

''آپ ذہنی طور پر بھی اپنوں سے بہت دور ہو گئے۔''

''شاید۔''

''اس کی وجہ۔''

''میرا ذہنی بحران۔''

''یعنی سوتیلی ماں۔''

''ہاں۔''

''اب آپ کی کیا کیفیت ہے۔ کیا آپ نے اپنے ڈیڈی کو معاف کر دیا ہے۔'' قیصر جمال گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے کہا۔

''دل کی بات کہوں شاہینہ۔''

''ہاں۔''

''اب میں اپنے آپ کو ایک مجرم سمجھتا ہوں۔ میرا ضمیر مجھے مسلسل کچوکے دے رہا ہے۔''

''وہ کیوں۔''

''میرا خیال ہے۔ میں نے اپنے باپ کے ساتھ تعاون نہیں کیا۔ میرا سلوک میرے باپ کے ساتھ اچھا نہیں رہا۔''

''آپ مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ کس تعاون کی بات کر رہے ہو آپ۔''

''ماں تو مر چکی ہے ناں میری۔''

''اور باپ زندہ تھا۔''

''بالکل۔''

''تو پھر مجھے باپ کی خوشیوں میں شریک ہونا چاہیے تھا۔''

''کس طرح۔''

''ارے میرے والد نے مجھے زندگی میں ایک لمحے تکلیف نہیں ہونے دی۔ اتنا کچھ میرے لیے کیا کہ میں زندگی میں ہر جدوجہد کو بھول گیا۔ اگر انہوں نے اپنی خوشی کے لیے دوسری شادی کر لی تھی تو مجھے ان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے تھا۔''

ایلش پارکر پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔ پھر بولی۔

''قیصر واقعی تمہیں ایسا کرنا چاہیے تھا۔''

''لیکن میں نے تمہیں کیا۔''

''وہ غلطی انسان سے ہو جاتی ہے۔ قیصر جو کام نہیں کیا اب سے یاد کرنے سے کیا فائدہ۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔ شاہینہ لیکن کیا کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے کہ انسان اپنی غلطیوں کو جاننے کے بعد ان کا ازالہ کر سکے۔''

ایلش پارکر ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔

''بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ تمہارا دل اپنے فادر کے لیے دکھتا ہے ناں اور فادر اس دنیا میں نہیں ہیں۔ پھر اس کے بعد تم کس سے تعاون کرو گے۔''

''کاش...... کاش کوئی ماضی کے ان لمحات کو واپس لا سکے۔ میں اپنے باپ کے کیے گئے نقصانات کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں ان کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔''

''زندگی میں شاید ہر شخص کی یہی آرزو ہوتی ہے لیکن آرزو کرنے والا خود بھی جانتا ہے۔ کہ ایسا ممکن نہیں۔''

''ہاں، شاہینہ ایسا ممکن نہیں ہوتا۔''

''تو پھر جو کام ممکن نہیں ہے۔ اسے سوچنے کا فائدہ۔''

''میں تمہیں سچ بتاؤں۔ شاہینہ کہ میرے دل پر شدید دباؤ رہتا ہے۔''

''شاید ایسا نہیں ہونا چاہیے۔''

''واقعی نہیں ہونا چاہیے لیکن میں کیا کروں۔ میرے ساتھ ایسا ہوتا ہے مجھے ہر لمحے دکھ ہوتا ہے لیکن شاہینہ میں تمہارا شکر گزار بھی ہوں۔''

''ارے ارے میں نے ایسا کون سا کام کر دیا۔''

''شاہینہ میں تم سے یہ توقع نہیں رکھتا تھا۔''

''اوہ...... مائی گاڈ طنز کر رہے ہو مجھ پر کوئی غلط ہوگئی ہے۔ مجھ سے سوری یار۔ میں بھی زندگی میں نا تجربے کار ہوں۔ مجھے کوئی ایسا خاص تجربہ نہیں ہے ابھی گھریلو زندگی گزارنے کا، غلطی ہوگئی ہے تو بتانے سے پہلے اسے معاف کر دو۔''

''شاہینہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔''

''تو پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''میں صدق دل سے کہہ رہا ہوں کہ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔''

''چلو یہ تو اچھی بات ہے لیکن اتنا تو بتا دو کس سلسلے میں۔''

''تم ایک مغربی لڑکی ہو لیکن اس کے باوجود مشرق کا جو بھرم قائم رکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ وہ ایک عظیم بات ہے۔ یہاں سب لوگ تم سے خوش نظر آتے ہیں۔ سارے معاملات بہتر نظر آتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ تم نے اپنی محنت سے کیا ہے۔''

''قیصر، آئی لو یو، جب میں تم کو چاہتی ہوں تو یہ سمجھ لو کہ مجھے تم سے وابستہ ہر چیز سے محبت ہے۔''

''میرے والد کی تصویر، میری ماں کی تصویر، میری سوتیلی ماں کی تصویر، ان بچوں کی تصویریں، میں نے ایک دن دیکھا تھا کہ تم نے انہیں صاف کر کے بڑی محبت سے ان کی جگہ سجا دیا تھا۔''

''یہ تمہاری اپنی زندگی کے ساتھی تھے۔ میں ان کے ساتھ کوئی غلط سلوک کیسے کر سکتی ہوں۔''

''ہاں شاہینہ ان کا مجھ سے تعلق تھا اور اب یہ میرے درمیان نہیں ہیں تو میں سوچتا ہوں۔''

''ایک بات بتاؤ قیصر۔''

''ہوں پوچھو۔''

''تم کس حد تک مجھ پر بھروسہ کرتے ہو۔''

''اب یہ سوال نہ کرو۔''

''کیوں۔''

''کیونکہ اب میں بھروسے کی منزل سے نکل گیا ہوں۔''

''یعنی۔''

''اب میں خود تمہاری خوابگاہ کا ایک ڈیکوریشن پیس ہوں اور مجھے تمہاری توجہ کی ضرورت ہے۔''

''تو ڈیکوریشن پیس تم میرے دل میں سجی ہوئی میرے خوابوں اور میری آرزوؤں کی تصویر ہو۔ جسے میں اپنی زندگی کے آخری سانس تک اپنے سینے سے لگائے رکھنا چاہتی ہوں۔''

''شکریہ شاہینہ۔''

''ایک بات کہوں تم سے۔''

''ہاں ضرور کہو۔''

''اپنے آپ کو سنبھالو میں تمہارے چہرے پر اضمحلال کی پرچھائیاں دیکھ رہی ہوں۔''

''شاہینہ میں تمہیں سچ بتا رہا ہوں کہ میں ایک ذہنی دباؤ کا شکار ہوں کوئی ایسی مشکل نہیں ہے لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ میرے باپ اور میری سوتیلی ماں اور بہن بھائیوں کی ہلاکت میں کوئی نہ کوئی اُلجھن ضرور ہے۔ اگر کوئی اُلجھن نہیں بھی تب بھی میں اپنے آپ کو ان کا مجرم سمجھتا ہوں کہ میں ان کے قاتلوں سے انتقام نہ لے سکا۔''

''تمہارے ہاں کی پولیس اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکی کہ ان کا ایکسیڈنٹ کرنے والا کون تھا۔''

''ہاں ابھی تک تو کچھ نہیں ہو سکا۔''

شاہینہ کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے کچھ پرچھائیاں سی آ گئیں۔ فیصل حیات اسے یاد آیا تھا۔ اس کے ذہن میں نجانے کیسے کیسے خیالات جنم لینے لگے تھے۔

بہرحال فیصلے اسے پسند تھا لیکن اب یہاں آنے کے بعد ان حالات کا اندازہ لگا کر اسے موقع ہی نہیں ملا تھا کہ فیصل کے بارے میں سوچے۔ فیصل نے بھی اس سے ملاقات کرنی نہیں چاہی تھی۔ نجانے کہاں گم ہو گیا تھا وہ۔

اس سلسلے میں شاہینہ دوہری کیفیت کی شکار تھی۔ کبھی تو اس کا ذہن کہتا تھا، کہ ان تمام راستوں کو آسان کرنے میں فیصل کا ہاتھ ہے اور کبھی یہ سوچتی تھی کہ یہ صرف تقدیر کا فیصلہ ہے۔ یعنی وہ ہو گیا جو اس کے خوابوں کی تکمیل کا باعث بنا اور وہ یہاں آ گئی بیشک فیصل اس کے دل میں دھڑکتا تھا لیکن اب اس کی یاد ثانوی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔

زندگی کی حقیقتیں تو کچھ اور ہی ہیں۔ یہ عیش و عشرت یہ شان و شوکت یہ ہی تو زندگی میں روشن رہتی ہیں۔ باقی سب کچھ یہیں حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر یہ سب کچھ فیصل نے نہیں کیا اور تقدیر کا فیصلہ ہے کہ وہ قیصر کے ساتھ رہے تو یہ فیصلہ اسے قبول کرنا ہوگا۔ خلوص دل کے ساتھ ذہنی طور پر وہ بہت طاقتور تھی اور جانتی تھی کہ جس ماحول میں وہ رہ رہی ہے اگر اس سے سمجھوتہ کر کے اسے بہتر نہ بنایا تو پھر زندگی میں الجھنوں کا آغاز ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی یہ الجھنیں سب کچھ چھین لیتی ہیں۔

بہرحال صورت حال ابھی تک اس کے حق میں تھی اور کبھی کبھی وہ وسوسوں کو ذہن سے نکال کر اپنے طور پر اپنے آپ کو مطمئن رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ قیصر جمال کے لیے اس کے دل میں حقیقی معنوں میں کوئی محبت کا مقام پیدا نہیں ہو سکا تھا۔ ذہنی طور پر وہ فیصل سے ہی متاثر تھی اور اب وہ کبھی کبھار اپنی تنہائیوں میں فیصل کی آرزو کرتی تھی۔ جو نجانے کہاں گم ہو گیا تھا۔ اس کے راستے ہموار کر کے اس کی دنیا سے چلا گیا تھا لیکن بہرحال اس نے بھی برا نہیں کیا تھا۔

زندگی کی ڈگر پر سب کچھ ہی تو پڑا ہوا نہیں مل جاتا کچھ نظر انداز بھی کرنا پڑتا ہے چنانچہ وہ یہاں کے حالات اور ماحول کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی اور ہر سمت سے محتاط تھی۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن تو ہوئے تھے یہاں آئے ہوئے لیکن پھر بھی اس دوران اس نے جو کچھ کر ڈالا تھا۔ وہ اس کی ذہنی صلاحیتوں کا جیتا جاگتا ثبوت تھا۔

ایک دن دو افراد حویلی میں آئے اور ایسے وقت میں آئے جب قیصر بھی موجود تھا۔ یہ ایک عمر رسیدہ مرد اور عورت تھے۔ مرد نے آتے ہی زار و قطار رونا شروع کر دیا اور قیصر سے لپٹ گیا۔ قیصر جمال بھونچکا رہ گیا تھا، عورت بھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اور ایلش پار کر حیران نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ مقامی لوگ تھے مخصوص قسم کے روایتی لوگ قیصر جمال نے بمشکل تمام انہیں اپنے سے جدا کیا اور ان سے پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ تو مرد نے کہا۔

"بیٹے کیا کیا جائے تقدیر ایسے ہی گل کھلاتی ہے۔ جو اپنے ہوتے ہیں وہ اتنی دور چلے جاتے ہیں کہ انسان سوچ بھی نہ سکے۔ میں تمہارا ماموں ہوں۔ بیٹے! افریاد علی ہے میرا نام، اور یہ تمہاری ممانی فریدہ بیگم۔"

"ماموں، ممانی۔"

"ہاں بیٹے، تمہاری امی کی موت نے ہمارے رشتے ہی ختم کر دیے مرحومہ زندہ تھیں تو کبھی کبھی اپنی غربتوں کو سمیٹ کر ان سے مل لیا کرتے تھے۔ ان کا انتقال ہو گیا تو مرحوم اعظم علی سے سارے رشتے ہی ٹوٹ گئے ہمارا خون کا رشتہ تم سے تھا۔ اعظم علی سے نہیں۔ ایک بار اعظم علی سے ملاقات ہوئی تو اس نے بے اعتنائی کا اظہار کیا۔ ہم نے سوچا کہ ہم تو بے لوث آدمی ہیں۔ بہن کی محبت میں اور بھائیوں کی تڑپ میں چلے آئے تھے۔ ہم نے ان سے کہا۔ اعظم علی بے فکر رہو۔ ہم تمہارے راستے کی رکاوٹ نہیں ہیں۔ شادی کر لی ہے تم نے یہ تمہارا حق تھا۔ ہم تو صرف اپنے بھانجے کو پوچھنے چلے آئے تھے۔ بس اس کے بعد ان کے گھر نہیں آئے۔ اب نجانے کہاں کہاں سے پتا چلا کہ تم وطن واپس آ گئے ہو۔ سو تمہیں دیکھنے کے لیے چلے آئے۔ بس دل ہی نہ مانا۔ بہن کی محبت نے مجبور کر دیا کہ بچے کو اپنی محبتوں سے محروم نہ

کریں یوں بھی ہم لاولد ہیں قدرت نے ہمیں اولاد سے نہیں نوازا ہم نے بھی سوچا کہ اب کیا در بدر بھٹکتے پھریں گے بھانجے ہی کی خدمت میں وقت صرف کریں گے۔"

"یعنی آپ یعنی۔"

"ہاں میاں ہم بدنصیب تمہارے ماموں ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔"

"لیکن کیا میاں......نوکروں کے کوارٹر میں رہنے کی جگہ دے دینا اور کچھ نہیں مانگیں گے تم سے۔"

"ایلش پارکر نے اس وقت آگے بڑھ کر صورت حال کو سنبھالا اور بولی۔"

"لیکن قیصر جمال نے اپنے ماموں کو کبھی نہیں دیکھا۔"

"مجھے تعجب ہے۔ میری ان سے کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی۔"

"ارے بیٹے میں تو یہاں تھا ہی نہیں۔ باہر محنت مزدوری کرتا تھا۔ دوبئی چلا گیا تھا میں امی، تمہاری یہاں رہتی تھی۔ میری تو ملاقات ہی بہت کم ہوا کرتی تھی۔ تمہیں بھی بس بچپن میں دیکھا تھا ایک بار۔"

"نوید خان تو آپ کو ضرور جانتا ہوگا۔"

"کک......کون نوید خان۔"

"میں بلاتا ہوں۔" قیصر خان نے کہا اور نوید خان کو آواز دی۔ نوید خان آ گیا اس نے اجنبی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔ پھر قیصر جمال نے کہا۔

"نوید خان آپ انہیں جانتے ہیں۔"

"نہیں صاحب کون ہیں یہ۔"

"اماں نوید خان علی بھول گئے۔ آنکھ کا پردہ تو رکھا ہوتا ایسی بھی بے اعتنائی کیا یاد نہیں میرا نام فریاد علی ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں صاحب مجھے یاد نہیں۔ ویسے بھی بوڑھا ہو چکا ہوں یادداشت خراب ہو چکی ہے۔"

"سالا ہوں اعظم علی کا۔"

"ہماری تو آپ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی صاحب۔"

"تم نے ایک بار بھی مجھے نہیں دیکھا نوید خان۔"

"نہیں صاحب۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔"

نوید خان چلا گیا۔ ماموں فریاد سر جھکا کر بیٹھ گئے تھے۔ ممانی بھی گردن جھکائے بیٹھی تھیں...... ایلش پار کرنے کہا۔

''مجھے جانتے ہیں آپ۔''

''ایں...... بی بی تم تو کرسچن لگتی ہو۔''

''جی ہاں میں کرسچن ہوں۔ مگر قیصر جمال کی بیوی ہوں۔''

''ارے میری بچی، میری لعل، میری لخت جگر، نور نظر۔'' ممانی بیگم نے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن ایلش پارکر پہلے ہی پیچھے ہٹ گئی۔ پھر سرد لہجے میں بولی۔

''دیکھیے آپ لوگ قیصر جمال کے ماموں ہیں تو میں آپ کا احترام کرتی ہوں لیکن...... لیکن آپ لوگوں کو اس کوٹھی میں رہنے کی جگہ نہیں مل سکتی۔ ہم اس کے لیے مجبور ہیں۔''

''ایں...... کتنے افراد رہتے ہو تم لوگ یہاں۔''

''یہ سوال بے کار ہے آپ کا اور نہ ہی ہم اس کا کوئی جواب دینا پسند کریں گے۔''

''بیٹی تمہارا رویہ کوئی مناسب نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ۔''

ماموں فریاد بولے۔

''اس کے لیے میں آپ سے معافی چاہتی ہوں آپ سے ہم اصل میں یہاں کسی کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتے۔''

''ہم...... مگر میں قیصر جمال کا ماموں ہوں۔''

''ہوں گے۔ ضرور ہوں گے لیکن آپ کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو آپ مجھے بتائیے۔ میں آپ کی وہ ضرورت پوری کروں گی۔''

''بیٹی اصل میں ہم تمہیں بتا چکے ہیں کہ ہماری کوئی اولاد نہیں ہے۔ یہاں پڑے رہیں گے بس تمہارے بھی کام آئیں گے۔ گھر کے چھوٹے موٹے کام بھی کر دیا کریں گے۔''

''نہیں جناب یہ ممکن نہیں اور۔''

''تو تم نے ہمیں بے عزت سمجھا ہوا ہے۔ ہم اپنی دنیا خود بسا سکتے ہیں۔''

''تو میں نے آپ کو اس کے لیے منع بھی نہیں کیا ہے۔''

ایلش پارکر سخت لہجے میں بولی۔

''چل فریدہ چل۔ یہ ہمارا کیا بھلا کریں گے۔ انہیں تو خود مدد کی ضرورت ہے جن کے پاس دل و دماغ نہیں ہے۔ وہ کسی کا کیا بھلا کر سکتے ہیں۔''

''چلو تم ہی لے آئے تھے مجھے یہاں۔'' دونوں چلے گئے۔

قیصر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ایلش پارکر نے کہا۔

''میری بات کا برا تو نہیں مانا تم نے قیصر۔''

''کون سی بات کا شاہینہ۔''

''میں نے ان لوگوں کو۔''

''ایک بات کہوں شاہینہ گھر کی مالک تم ہو میں نہیں اور اگر گھر کے مالکوں کو صحیح طرح کام نہ کرنے دیا جائے۔ تو پھر وہ گھر کے مالک تو نہیں ہوتے۔''

''بہت بہت شکریہ۔ اصل میں قیصر ایسے لوگ گھروں کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ بربادی پھیلاتے ہیں وہ۔ اور گھروں میں نفاق ڈالتے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں شاہینہ۔'' پھر شاہینہ نے بعد میں قیصر کے سامنے ہی نوید خان کو بلایا اور بولی۔

''نوید خان بابا آپ ان لوگوں کو واقعی نہیں جانتے۔''

''آپ کے سامنے جھوٹ کیوں بولوں گا بیگم صاحب کبھی نہیں دیکھا میں نے انہیں کبھی نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' شاہینہ نے کہا...... قیصر جمال مسکراتا رہا تھا۔

بہرحال یوں وقت گزر رہا تھا اور کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ جس سے ایلش پارکر کو اپنے مشن میں وقت ہوتی لیکن اس کے ذہن کے گوشوں میں بس ایک ہی تصور رہتا تھا اور وہ تھا فیصل کا۔

پھر ایک شام جب آسمان بادلوں سے بھرا ہوا تھا۔ چند لمحات قبل ٹیلی فون پر قیصر سے بات ہو چکی تھی۔ قیصر نے اسے بتایا تھا کہ وہ آج ذرا دیر تک مصروف رہے گا۔ ایک کاروباری میٹنگ ہے اور ایلش پارکر اپنے بیڈروم میں لیٹی ہوئی تھی۔ ایک کتاب پڑھ رہی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور ایلش پارکر نے کہا۔

''ہاں...... آ جاؤ۔'' اس کا خیال تھا کہ کوئی ملازم ہی کسی کام سے آیا ہوگا لیکن آنے والی شخصیت کو دیکھ کر وہ بری طرح اچھل پڑی تھی۔ وہ فیصل تھا۔

ایلش پارکر کے پورے بدن میں گرم گرم لہریں دوڑ گئیں۔ فیصل معمول کے مطابق بہت خوب صورت نظر آ رہا تھا۔ مقامی لباس شلوار قمیض میں وہ اور حسین لگ رہا تھا۔ اس کی تیز روشن آنکھوں میں زندگی اور کامیابی کی چمک تھی۔ ایلش پارکر ایک بار پھر سے عورت بن گئی اور دوسرے لمحے وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دونوں ہاتھ بڑھا کر فیصل کی جانب بڑھی۔ فیصل نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ پھر فیصل کی بھاری آواز ابھری۔

"کیسی ہو۔ایش۔"

"ٹھیک ہوں۔تم تو میری دنیا سے چلے ہی گئے تھے۔"

"ارے کیوں۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا۔کتنے عرصے کے بعد ملے ہو۔"

"مگر تم میری دنیا میں مکمل طور پر چھائی ہوئی تھیں......ایش پارکر!تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تمہاری دنیا سے چلا گیا۔"

"کہاں تھے تم۔"

"بابا اپنے کام میں مصروف تھا۔"

"آؤ بیٹھو اف،فیصل میں تمہیں کیا بتاؤں۔کن حالات کا شکار رہی ہوں میں۔"

"مجھے تمہاری زندگی کے ہر لمحے کے بارے میں معلومات حاصل ہیں۔ایش پارکر۔"

"مگر کیسے۔"

"تم اگر یہ سوچتی ہو کہ میں بیوقوف ہوں تو یہ تمہارا خیال ہے۔"

"مگر ہوا کیا۔کہاں تھے تم یہ تو بتاؤ۔"

"ابھی چند روز قبل تم سے ملا تھا۔"

"مجھ سے"

"ہاں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"سچ کہہ رہا ہوں۔"

"میں نہیں مانتی۔"

"نہ مانو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"مگر میں تو تم سے نہیں ملی۔"

"میں نے کہا نا۔میں تم سے ملا تھا۔تم نے کچھ زیادہ ہی احتیاط برت لی تھی۔"

"فیصل پلیز کیوں مذاق کر رہے ہو۔"

"ماموں فریاد یاد نہیں ہے تمہیں۔"

"مم......مم ماموں فریاد۔"

''ہاں۔''

''پھر تم انہیں کیسے جانتے ہو۔''

''میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ فقیر کے ماحول یہاں روتے پیٹتے آئے تھے۔'' ایش پارکر کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

آنکھ ایک آرام دہ کمرے میں کھلی تھی۔ زبیر شاہ تھوڑی دیر تک کھویا رہا۔ پھر سر میں اُٹھنے والی ٹیس نے اسے سب کچھ یاد دلا دیا۔ سب کچھ جانا بوجھا تھا یہی سب ہونا تھا۔ اس نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ بنایا تھا جو پروفیسر جہانزیب کے منصوبے سے بالکل مختلف تھا۔ اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی اور پھر وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس وقت دروازے پر ہلکی سی آواز ابھری اور پھر چار افراد اندر داخل ہو گئے۔ ان میں سے دو کے ہاتھوں میں پستول دبے ہوئے تھے۔

''ہیلو......'' ان میں سے ایک نے کہا

''ہیلو......'' زبیر شاہ نے پروفیسر جہانزیب کی آواز کی نقل کی۔

''کیسے ہو پروفیسر۔''

''ٹھیک ہوں۔''

''تمہیں تھوڑی سی تکلیف دینی ہے۔''

''جتنی دے چکے ہو کافی نہیں ہے۔ یہ سر اب بھی پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔'' زبیر شاہ نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کوئی پین کلر منگوا دی جائے گی۔ کیا تم جانتے ہو کہ تمہیں کس نے اغواء کرایا ہے۔''

''ہاں جانتا ہوں تم لوگ بہت دن سے کوشش کر رہے تھے۔ میری بے وقوفی تھی کہ میں اس لاپرواہی سے باہر نکل آیا۔''

''کب تک چھپے پھرتے پروفیسر۔ آخر کار میڈم کو تمہیں تلاش کر ہی لینا تھا۔'' زبیر شاہ نے گردن جھکا لی تھی۔

''میڈم نے پوچھا ہے کہ کیا تم ذہنی طور پر ان سے ملاقات کے لیے تیار ہو۔''

''اس کا جواب بھی مجھے ہی دینا ہے۔''

''کیا مطلب۔''

''میڈم نے مجھے اتنی مشکل سے اغواء کرایا ہے۔ اب میں ان کا قیدی ہوں۔ قیدیوں سے یہ کون پوچھتا ہے کہ وہ خوشی سے قید رہنا چاہتا ہے یا فرار ہونا چاہتا ہے۔''

''یہ معمولی شعد میڈم کر سکتی ہیں۔''

''کیوں۔''

''تم جانتے ہو پروفیسر۔ وہ کوئی جرائم پیشہ خاتون نہیں ہیں انہیں تم نے جرائم پیشہ بنایا ہے۔ وہ آج بھی ایک شریف خاتون ہیں۔''

''کیا تم فضول بکواس نہیں کرتے مسٹر طاہر، اپنا کام کرو۔'' ایک آدمی نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ دوسرے نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ زبیر شاہ نے ان دونوں کو کچھ کرتے ہوئے دیکھا، جن کے پاس پستول نہیں تھے۔ ان میں سے ایک کے پاس چھوٹا سا بیگ تھا جسے کھول کر اس نے کچھ شیشیاں نکالیں، پھر ایک سائفن نکال کر وہ زبیر شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ دونوں پستول بردار مستعد ہو گئے تھے۔

''جو کچھ ہم کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں مداخلت نہ کرنا دوست، ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' پستول والوں میں سے ایک نے کہا۔ پھر دوسرے آدمی نے ایک شیشی سے کوئی لیکوئیڈ نکال کر زبیر شاہ کے چہرے پر ملا اور پھر دوسری شیشیوں سے بھی کئی لیکوئیڈ نکال کر زبیر شاہ کے چہرے پر لگائے اور چند منٹ کے بعد اس کام سے فارغ ہو گئے۔ پھر انہوں نے پانچ منٹ تک انتظار کیا اور اس کے بعد سائفن سے زبیر شاہ کے چہرے پر پھواری ماری جانے لگی۔ زبیر شاہ نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد تولیے سے اس کا چہرہ صاف کیا گیا۔

زبیر شاہ بھی سنسنی محسوس کر رہا تھا [illegible]

میک اپ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے آخری نگاہ زبیر شاہ پر ڈالی پھر بولا۔ ''یہ اصلی ہے۔ میڈم کو اطلاع دو۔''

☆......☆......☆

ماحول پر ایک سنسنی طاری تھی۔ ایش پارکر کچھ دیر تک تو اسی کیفیت کا شکار رہی پھر اس کی حیران کن آواز ابھری۔

''اوہ مائی گاڈ، تت تو۔''

''جی...... وہ میں ہی تھا، قیصر کا ماموں فریاد۔''

''اور تمہارے ساتھ وہ عورت۔''

''میری ایک مقامی دوست، جو ایک تھیٹر میں اداکاری کرتی ہے۔''

''اوہ میرے خدا! تمہیں دیکھ کر میں کس قدر خوش ہوں فیصل، میں بتا نہیں سکتی اور یہ تصور کر کے مجھے کتنی حیرت ہو رہی ہے کہ وہ تم تھے، کیا عمدہ اداکاری کی تھی تم نے۔''

''مگر تم نے میرا سب کیا دھرا چوپٹ کر دیا۔''

''کیوں۔''

''بھئی میں نے سوچا تھا کہ اس طرح مجھے تمہارے قریب آنے کا موقع مل جائے گا...... تم لوگ مجھے اپنے درمیان جگہ دے دو گے اور میں تمہارے قریب رہ کر اپنے کام کا آغاز کر سکوں گا۔''

''مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ تم ہو۔''

''تم بہت چالاک ہو پارکر، تم نے میرا منصوبہ چوپٹ کر دیا، اگر تم مجھے یہاں جگہ دے دیتیں تو مجھے بڑی آسانی ہو جاتی۔''

''آئی ایم سوری فیصل، لیکن کم از کم تم مجھے فون تو کر سکتے تھے، تم مجھے ٹیلی فون کر کے یہ بتا دیتے کہ تم اس طرح آ رہے ہو۔''

''بس تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا...... میں اپنے آپ کو کسی ایسے وقت تم پر منکشف کرتا جب میرا کام ہو جاتا۔''

''اب اس میں میرا قصور نہیں ہے فیصل! میں نہیں سمجھ سکی تھی کہ وہ تم ہو۔''

''خیر کوئی بات نہیں ہے...... میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جو کچھ ہوتا ہے بہتر ہی ہوتا ہے...... بہرحال تمہیں مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے نہایت کامیابی سے اپنے قدم جمائے۔''

''فیصل ایک بات بتاؤ۔''

''ہاں پوچھو۔''

''یہاں تم کب پہنچے۔''

''بس تمہارے ساتھ جو منصوبہ طے ہوا تھا اس کے مطابق میں روس سے چل پڑا اور یہاں آ گیا، تم نہیں سمجھتیں یہاں آنے کے بعد آج تک میں اپنے کسی عزیز و اقارب سے نہیں ملا ہوں۔ اصل میں یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں یہاں آ گیا ہوں، ورنہ ان لوگوں میں گھر جاتا۔''

''پھر۔''

''پھر منصوبے کے مطابق مجھے اپنے کام کا آغاز کرنا پڑا...... پہلے یہاں صفائی ضروری تھی۔'' فیصل مکاری سے مسکرا کر بولا۔

''صفائی۔''

''تو اور کیا۔''

''مگر کس قسم کی صفائی۔''

''ظاہر ہے ڈارلنگ ان لوگوں کو راستے سے ہٹانا تھا جو بیچارے قیصر کی دولت پر سانپ بنے بیٹھے تھے۔''

''یعنی۔''

''مسٹر اعظم علی، ان کی دوسری بیگم اور وہ دونوں بچے اگر ان میں سے ایک بھی زندہ رہ جاتا تو ظاہر ہے جائیداد اور دولت کے راستے صاف نہیں ہو سکتے تھے۔''

''تت...... تت...... تم نے، تم نے وہ ایکسیڈنٹ کیا۔''

''ہاں ظاہر ہے اور کون کر سکتا تھا۔ یہ سب کچھ میں نے تمہارے لیے کیا ہے ایش پارکر میں تمہاری ان تمام خواہشوں کی تکمیل چاہتا تھا جن کا اظہار تم نے مجھ سے کیا تھا...... میں مانتا ہوں ایش کہ میں خود اس حیثیت کا مالک نہیں ہوں، لیکن انسان جب کسی سے پیار کرتا ہے، کسی کی چاہت اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے تو یہ اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ان چاہتوں کا تحفظ بھی کرے، ایش تم کیا سمجھتی ہو، میں

نے بہت بڑی قربانی دی ہے، میں نے تمہیں کسی اور کی آغوش تک پہنچایا ہے۔ یہ ایک مرد کے لیے اور کم از کم مشرقی مرد کے لیے معمولی بات نہیں ہوتی...... بہت جبر اور بہت صبر کرنا پڑتا ہے۔ میں نے یہ صبر اپنے لیے نہیں تمہارے لیے کیا ہے، ایلش پارکر یہ ایک اچھی بات ہے کہ میں تمہیں اپنی شدید ترین محبت سے کم از کم اتنا ضرور دے سکتا تھا کہ تم زندگی میں کسی مشکل کا شکار نہ رہتیں لیکن میں نے تمہاری طلب میں جو کچھ پایا اپنے آپ کو میں نے اس قابل نہیں سمجھا، تب مجبوراً مجھے تمہارے لیے قربانی دینی پڑی...... میں نے یہ راستہ اپنایا اور اب تک اس پر کامیابی سے چل رہا ہوں۔''

''لیکن فیصل، یہ سب کچھ تو ٹھیک ہے، آہ میں نہ جانے کیوں خوفزدہ ہو گئی ہوں...... فیصل تمہیں میرے لیے قاتل بننا پڑا۔''

''یہ تو ہمارے منصوبے میں شامل تھا ورنہ اور کون سا راستہ ہو سکتا تھا مجھے بتاؤ...... میں نے تمہیں یہ بتا دیا تھا کہ اب میں جو کچھ کروں گا تمہارے لیے کروں گا اور یہ مجھ پر لازم ہے کہ میں تمہاری ان آرزوؤں کی تکمیل کر دوں جنہوں نے تمہارے دل میں جگہ پائی ہے۔ ایلش اور کوئی راستہ نہیں تھا...... میرے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا میں اس سلسلے میں، بہرحال اب ہم اتنا آگے نکل گئے ہیں کہ ہمیں اس راستے پر آگے کا سفر کرنا ہوگا۔''

''میں سمجھتی ہوں لیکن اب، اب ہمیں کیا کرنا ہے۔''

''اگر تم اس قدر سخت ناراض نہ ہوتیں ماموں فریاد کے سلسلے میں تو ہمیں جو کچھ کرنا تھا ہمیں رہ کر کرتے لیکن تھوڑی سی غلطی میری بھی تھی...... مجھے واقعی تمہیں سر پر انجڑ دینے کے بجائے اس سلسلے میں اطلاع دے دینی چاہیے تھی، تاکہ تم ماموں فریاد کے ساتھ نرمی برتیں اور وہ مسئلہ آسانی سے حل ہو جاتا پھر بھی میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو کچھ ہوا غلط نہیں ہوا، جو نہیں ہو سکا وہ اب سہی، سنو ڈیئر! میں تم سے بہت زیادہ ملاقاتیں نہیں کروں گا لیکن یہ ایک سچائی ہے کہ جو کچھ بھی ہوگا وہ بہتر انداز میں ہوگا، یہ ایک شیشی رکھو اپنے پاس، یہ ہمارے کام کے آغاز میں اور اختتام میں مدد دے گا۔'' فیصل نے ایک شیشی جیب سے نکال کر ایلش پارکر کو دیتے ہوئے کہا۔

''کیا ہے اس میں۔''

''آبِ حیات۔''

''یہ کیا ہوتا ہے۔''

''یہ...... یہ ہماری خواہشوں کی تکمیل کرے گا، یہ اس سلسلے کا دوسرا مرحلہ ہے۔ تم اس میں سے تین قطرے روزانہ قیصر جمال کو دو گی، یہ بے رنگ اور بے مزہ ہے، چائے کافی یا کھانے کی کسی بھی چیز میں صرف تین ڈراپس باقاعدگی کے ساتھ تمہیں قیصر کو دینا ہوں گے۔''

''سلو پوائزن۔''

''ہاں بالکل ٹھیک سمجھیں تم لیکن اس شیشی کو سنبھال کر رکھنا تمہاری ذمے داری ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' ایلش پارکر نے وہ شیشی اپنے گریبان میں چھپالی۔

''نہیں یہاں نہیں، یہاں تک تو قیصر کی رسائی بہت آسان ہوگی۔'' ایش ہنسنے لگی پھر بولی۔

''تم بے فکر رہو میں اسے محفوظ کر دوں گی......اس کے بعد۔''

''کچھ نہیں، یہ آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھاتی جائے گی......تم اپنی محبت جس طرح قیصر پر لٹا رہی ہو، لٹاتی رہو اور اس کے بعد آخر کار سارا کھیل ختم ہو جائے گا......تم اتنی محبت کا اظہار کرو اس پر کہ وہ اپنا سب کچھ تمہارے نام کرنے پر مجبور ہو جائے، کچھ عرصے کے بعد وہ خود ہی محسوس کرلے گا کہ اس کی اپنی صحت خراب ہوتی جا رہی ہے......وہ جذباتی ہو کر تمہارے تحفظ کے لیے اپنا سب کچھ تمہارے نام کر دے گا اور اس کے بعد ایش پھر کون ہوگا جو ہمارے راستے کی رکاوٹ بنے گا۔'' ایش نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولی۔

''ڈیئر تمہیں خود حوصلہ کرنا پڑے گا، اگر کوئی بہت ہی اہم بات ہو تو میں تمہیں ایک نمبر دیے دیتا ہوں اس پر مجھے ٹیلی فون کر دینا۔''

''ہاں ایسا ذریعہ رکھو کہ میں تم سے رابطہ رکھوں اور بالکل ہی الگ نہ ہو جاؤں۔''

''نمبر لکھ لو۔'' فیصل نے کہا اور ایش پارکر نے اس کا بتایا ہوا نمبر ایک ڈائری پر نوٹ کر لیا......اس کے بعد بولی۔

''ٹھیک ہے فیصل یہاں آنے کے بعد میں نے بہت عرصے تک یہ سوچا کہ تم کب مجھ تک پہنچتے ہو پھر میرے ذہن پر مایوسی سی طاری ہونے لگی تھی۔''

''ارے میں تمہیں کیسے نظر انداز کر سکتا تھا ڈیئر، کیا بات کرتی ہو تم، ویسے ماحول تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہے نا۔''

''بالکل ٹھیک ہے......میں نے اسے اپنے حق میں بنایا ہے۔''

ایش نے جواب دیا پھر چونک کر بولی۔

''مگر تم یہاں کیسے آئے۔''

''اب تو جس راہ پر قدم رکھ دیا ہے اس کی ہر اونچ نیچ سے واقف ہوتا جا رہا ہوں، کسی کو میری یہاں آمد کا علم نہیں ہے......چھپ کر آیا ہوں چھپ کر ہی چلا جاؤں گا اور زیادہ وقت تمہارے ساتھ نہیں گزاروں گا کیونکہ ہوشیار انسان وہی ہے جو پہلے اپنے حالات کو مکمل کرے اس کے بعد سکون کی راہ اپنائے چنانچہ اب مجھے اجازت دو۔''

''مم......میں تمہیں باہر چھوڑنے نہیں جا سکوں گی۔''

''میں تمہیں اس کی اجازت بھی نہیں دوں گا۔'' فیصل نے کہا اور اس کے بعد وہ ایش پارکر سے ملاقات کر کے کمرے کے دروازے سے باہر نکل گیا......ایش پارکر کے بدن پر ہلکی ہلکی کپکپاہٹ طاری تھی، پھر اس نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں، پتا نہیں منہ کا مزہ کیوں خراب ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

ٹونی اور گیسپر اپنے کام میں مصروف تھے، ویسے بھی کوئی خاص ہدایت نہیں تھی، اسے وہ اپنا ذاتی کام سمجھ کر کر رہے تھے لیکن

واقعات کی گاڑی اس طرح رکتی ہے کہ پھر آگے کے راستے بند ہو جاتے ہیں...... انہوں نے شدید چھان بین کی تھی، یہ پتا چل گیا تھا کہ ٹکٹ پر درج شدہ مطلوبہ تاریخ کو روس سے ایک شخص آیا تھا جس کا نام فیصل عظیم تھا لیکن ظاہر ہے اس کا شجرہ نسب تو نہیں معلوم ہو سکتا تھا کون تھا، کہاں گیا، کیا واقعات تھے، کیا حالات تھے کچھ پتا نہیں چل سکا اور یہاں آ کر تفتیش کی گاڑی رک گئی تھی...... لے دے کر صرف قلی جان تھا، اگر اس کے ذریعے کسی طرح اس شخص تک رسائی حاصل ہو جائے جس کے ٹرک سے وہ حادثہ ہوا تھا تو شاید بات اپنے طور پر آگے بڑھ سکے لیکن کچھ مشکل ہی نظر آتا تھا ٹوٹی اور گیسپر اس وقت ایک ہوٹل میں بیٹھے تھے سامنے چائے کے کپ رکھے ہوئے اور ان کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں...... آخر کار ٹوٹی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''انسان کچھ چھوٹے موٹے کام کر کے دل میں یہ سوچ لیتا ہے کہ وہ اپنے راستوں پر خاصی برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے، لیکن اونٹ اور پہاڑ کا مسئلہ، جس نے بھی کہا ہے غلط نہیں کہا ہے، واقعی اونٹ جب پہاڑ کے نیچے آتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ بلندی کیا چیز ہوتی ہے...... ہم نے اب تک بہت سے معاملات میں لیپوآن کی ہدایت کے مطابق کام کیا ہے اور اس طرح آگے بڑھے ہیں کہ احساس یہی ہوا ہے کہ ہماری کارکردگی نے بڑے بڑے مشکل مسئلے حل کر ڈالے لیکن اب دیکھو۔''

''ٹھیک کہتے ہو یار واقعی اس وقت تو بالکل ہی ٹھس ہو کر رہ گئے ہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کیا جائے۔''

''وہی ایک بات، یعنی قلی جان۔''

''میں سمجھتا ہوں گیسپر مشکل ہے۔''

''کیا مطلب۔''

''تمہارا کیا خیال ہے واقعات کیا کہتے ہیں۔''

''پتا نہیں کیا کہتے ہیں۔''

''اگر ہم ایک کڑی بناتے ہیں کہ فیصل عظیم نے بھیس بدل کر وہ طریقہ کار اختیار کیا اور بدلے ہوئے نام کے ساتھ غلام دل سے ملا، میرا مطلب ہے زماں خاں کے نام سے اور اس کے بعد اس نے یہ واردات کی تو اس سلسلے میں اپنا کام کرنے کے بعد بھلا اس بات کے کیا امکانات ہیں کہ وہ دوبارہ قلی جان کے سامنے آنے کی کوشش کرے اور پھر جیسا کہ اس ٹکٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص روس سے آیا، ظاہر ہے کوئی بے وقوف آدمی نہیں ہوگا۔''

''میرا خیال ہے شہروز صاحب سے ملاقات کی جائے۔''

''گیسپر نے تجویز پیش کی۔ شہروز نے پوری تفصیل سن کر کہا۔''

''اوہ نہیں بات بغلیں بجانے کی نہیں ہوتی، آپ سب لوگ بہر طور اب ذمے دار ارکان میں سے ہیں۔''

''شہروز صاحب ہم نے اس ٹرک کی تلاش جاری رکھی تھی اور آخر کار ہم نے اسے پا لیا۔''

''گڈ۔'' شہروز نے چونک کران دونوں کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک اُبھر آئی۔

''اسے تلاش کر لیا گیا اور اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ یہی وہ ٹرک ہے۔''

''اس جگہ جہاں سے ٹرکوں کی لوڈنگ ہوتی ہے اور گڈز کمپنیاں ان کے ذریعے مال منتقل کرتی ہیں، اصل میں ٹرپل زیرو والا ٹرک ایک ہی ہمارے علم میں آیا اور پھر ہم نے اس کے بائیں حصے پر وہ نشانات تلاش کر لیے جو حادثے کے نشانات تھے اس کی ایک لائٹ بھی ٹوٹ گئی تھی اور جو نئی لگوائی گئی تھی۔'' شہروز دلچسپی سے ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا...... ٹونی نے شروع سے آخر تک تمام کہانی سنا دی جس میں قلی جان کے اغوا کا تذکرہ اس کے بعد اس کا انکشاف، زماں خان کے بارے میں پھر زماں خاں کے فلیٹ کی تلاشی وہاں سے ٹکٹ کا ملنا اور ائیر پورٹ سے اس تاریخ کو آنے والے شخص کے بارے میں معلومات، آخر میں ٹونی نے کہا۔

''بس اس کے بعد گاڑی رک گئی اور لاکھ سر مارنے کے باوجود کچھ پتا نہیں چل سکا۔''

''میں سمجھتا ہوں آپ لوگوں نے جس طرح ان لائنوں پر کام کیا ہے تو بڑی قابل قدر بات ہے، میں پورے اعتماد سے کہتا ہوں کہ جس حد تک آپ لوگوں نے یہ تفتیش کی ہے اس میں مکمل طور پر سے پرفیکشن ہے اور کہیں کوئی سقم نہیں ہے۔''

''چلیے ٹھیک ہے جناب یہاں تک تو آپ نے ہماری تعریف کر دی اس کے بعد کیا ہوگا۔''

''لمحہ فکریہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حالات کچھ کچھ سامنے آرہے ہیں، ویسے آپ لوگوں نے اس قدر محنت کی ہے تو اب اس موضوع پر گفتگو کرنے کو جی چاہتا ہے، ویسے میں قیصر جمال سے بھی ملا ہوں بظاہر تو سادہ لوح شخص معلوم ہوتا ہے اور اپنے باپ کی موت پر آزردہ ہے لیکن ہم لوگ اس سلسلے میں ہر پہلو پر نظر رکھ سکتے ہیں۔''

''جی شہروز صاحب میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میرا دل اس ایکسیڈنٹ کو ایک اتفاقیہ حادثہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے، وہ سب ایک جانی بوجھی اسکیم تھی اور باقاعدہ یہ واردات کی گئی، ٹرک کے مل جانے اور پھر قلی جان سے ہونے والی گفتگو نے سارے مسئلے کو حل کر دیا۔''

''بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ بات اب خاصی سنسنی خیز شکل میں سامنے آگئی ہے، یعنی ایک شخص جو روس سے آیا اور اس نے ایک ایسا پراسرار طریقہ کار اختیار کیا یقینی طور پر روس سے کسی کی آمد اس سلسلے میں خاصی اہم نوعیت کی حامل ہے...... جیسے خود قیصر جمال۔''

ٹونی اور کیسپر سوالیہ نگاہوں سے شہروز کو دیکھنے لگے تو شہروز نے پرخیال لہجے میں کہا۔

''قیصر جمال بہت عرصے پہلے روس چلا گیا تھا اس لیے کہ اس کے باپ نے دوسری شادی کر لی تھی اور وہ سوتیلی ماں کے ساتھ رہنے کے لیے تیار نہیں تھا، وہاں پہنچنے کے بعد اس نے جو کچھ بھی رنگ رلیاں منائی ہوں لیکن پھر اس نے ایک امریکن لڑکی سے شادی کر لی اور وہاں وقت گزارتا رہا اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ اس نے طے کیا ہو کہ سوتیلی ماں اور سوتیلے بہن بھائی راستے سے ہٹ جانے چاہئیں، چنانچہ ایک مکمل منصوبہ بندی کے تحت اس نے کسی کو یہاں بھیجا اور اس سلسلے میں کارروائی زیر عمل لائی گئی، پھر جب یہاں کارروائی زیر عمل لائی گئی، پھر جب یہاں کام مکمل ہو گیا تو وہ روس سے اپنی بیوی کے ساتھ چل پڑا ایک طرح سے اسے تو کسی قسم کی رکاوٹوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا

جہاں تک فیصل عظیم کا تعلق ہے تو کوئی بھی شخص کرائے کا کارکن بن کر یہ ذمے داری سرانجام دے سکتا ہے...... فیصل عظیم کو اس کی اس کاوش کا معاوضہ ادا کر دیا گیا ہوگا اور اب قیصر کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، سوتیلی بھائی بہن کا بھی وجود نہیں ہے اور دوسرا کوئی ایسا کردار بھی نہیں ہے جو اس دولت کا حصہ دار ہو۔"

"بہت مضبوط بنیاد ہے یہ، ہم اس پر کام شروع کر سکتے ہیں۔"

"تھوڑا سا مزید کام کرنا پڑے گا۔" شہروز پرخیال لہجے میں بولا۔

"کیا۔"

"روس سے قیصر جمال کے بارے میں تفصیلی رپورٹ درکار ہوگی، بہرحال ہم کمزور بنیاد پر کام نہیں کر سکتے۔"

"یقیناً...... یقیناً۔"

"یہ کام میں کرلوں، سرکاری طور پر میں اس سلسلے میں قیصر جمال کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتا ہوں اور میری پوری پوری مدد کی جائے گی۔"

"لیکن سر اس سلسلے میں اپنے آپ کو صیغہ راز میں رکھنا ہوگا۔"

"تو پھر تمہیں یہ کرنا ہے کہ قلی جان سے بہت احتیاط کے ساتھ خفیہ رابطے رکھو ہو سکتا ہے کسی وقت اسے فیصل عظیم نظر آ جائے۔"

"بہت بہتر...... گویا ہم یہ کام جاری رکھیں۔"

"بالکل...... بالکل، میں کوشش کرتا ہوں کہ روس سے مجھے قیصر جمال کے بارے میں تفصیلی رپورٹ موصول ہو جائے، باقی اور کوئی ایسا پوائنٹ سامنے نہیں ہے، جس کے تحت ہم اپنی یہ کاروائی کر سکیں۔"

"ٹھیک ہے جناب، آپ نے ہمارے خیالات کی تصدیق کر کے ہمارا دل بڑھا دیا ہے ہم لوگ پوری ہمت کر کے ساتھ اپنا یہ کام جاری رکھیں گے۔"

☆......☆......☆

نوید خان کو الٹیوں پر الٹیاں ہو رہی تھیں اور اس کی حالت کافی خراب ہو گئی تھی...... نفیس خان اس کا سب سے پرانا ساتھی تھا...... ملازم تو یہاں کئی تھے لیکن یہی دونوں ایسے ملازم تھے جن کی مدت ملازمت کافی طویل تھی اور صحیح معنوں میں وہ اس گھرانے کے نمک خوار تھے اور طویل عرصے سے نمک خواری کر رہے تھے...... انہوں نے اس گھر کے عروج و زوال کی بہت ساری داستانیں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں اور اس کے بعد بری طرح دلبرداشتہ ہو گئے تھے...... خاص طور سے نوید خان تو اس وقت سے یہاں تھا جب اس گھر میں خوشیوں کا دور دورہ تھا اس کے سامنے ہی بڑی بیگم کا انتقال ہوا تھا، پھر چھوٹی بیگم بھی اس کے سامنے ہی آئی تھیں اور نوید خان دل مسوس کر رہ گیا تھا...... گھر کا پورا انتظام ہی بگڑ گیا تھا...... بڑی بیگم بہت ہی سمجھ دار اور زمانہ شناس خاتون تھیں، ان کی موجودگی میں بڑی خوش اسلوبی سے گھر کے

معاملات چل رہے تھے......سب خوش تھے لیکن اس کے بعد ان کی عمر نے وفا نہیں کی اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئیں، پھر نوید خان نے قیصر جمال کو باہر جاتے ہوئے دیکھا...... بہت عرصے تک وہ قیصر جمال کو یاد کرتا رہا تھا لیکن بہر حال ایک نوکر کی اوقات ہی کیا ہوتی ہے، مالک جس بات میں خوش نوکر کو بھی اس پر خوش رہنا پڑتا ہے لیکن ناظمہ بیگم بھی بری نہیں ثابت ہوئی تھیں، یہ الگ بات کہ ان کے سامنے کچھ مسائل ہی نہیں آنے تھے، لے دے کے ایک سوتیلا بیٹا تھا تو سمجھدار اعظم علی نے اسے بھی ملک سے باہر بھیج دیا تھا تا کہ کوئی مشکل مرحلہ پیدا ہوتے پاتے اور اس کے بعد وقت گزرتا رہا تھا لیکن وہ حادثہ بڑا روح فرسا تھا جب ان لوگوں کو اپنے مالک کی موت کا علم ہوا تھا۔

روزی اور رزق تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جہاں سے وہ دینا چاہتا ہے دے دیتا ہے، لیکن محبتوں کے رشتے بھی اپنا ایک مقام رکھتے ہیں اور یہ محبت ہی تھی کہ نوید خان نے کئی دن تک کھانا نہیں کھایا تھا اور شدید افسردہ رہا تھا، پھر قیصر جمال آ گیا اور ان لوگوں کو تھوڑی سی تقویت ہو گئی۔

باپ کی طرح بیٹا بھی اچھی فطرت کا مالک تھا اور تو اور ... نئی بہو جو ولایت سے آئی تھی اور اس جیسی گوریوں کے بارے میں جتنی کہانیاں سنی گئی تھیں یہ ان سے بالکل مختلف نکلی تھی۔ ملازموں نے لیے اس نے خاص طور سے جو کچھ کیا تھا اس نے تو پی بات یہ ہے کہ ملازموں کے دل میں اس کا مقام ہی کچھ اور کر دیا تھا اور وہ سوچنے لگے تھے کہ لوگ کیسی کیسی جھوٹی کہانیاں گھڑ لیتے ہیں، اس جیسی اچھی عورت بھلا بری کیسے ہو سکتی ہے، اس نے سب ہی کا خیال کیا تھا اور بار ہا یہ کہا تھا کہ تم لوگ اپنے آپ کو ملازم سمجھتے ہو تو سمجھتے رہو، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تو اس حویلی کا یا کوٹھی کا چھوٹا سا خاندان ہے جس سے کسی کو بھی اپنے آپ سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور اس وقت ہر ملازم کی زبان پر چھوٹی بیگم کا نام تھا جنہوں نے ان کی ہر مشکل دور کر دی تھی۔

نوید خان بھی ان ہی میں سے تھا اور اس نے بار ہا یہ سوچا تھا کہ اس کوٹھی کی تقدیر میں ہی خوشحالی ہے...... بڑی بیگم تھیں تو انہوں نے گھر کو بہتر سنبھالا ہوا تھا...... ناظمہ بیگم بھی بری نہیں تھیں اور اب یہ چھوٹی بیگم آئی ہیں تو انہوں نے سب پر ہی فوقیت حاصل کر لی ہے ورنہ اس دور میں اتنے بڑے لوگ کب کسی کا خیال رکھتے ہیں، ملازموں کے درمیان اکثر یہ گفتگو ہوا کرتی تھی کہ ولایتی لوگ ہیں اور سنا ہے کہ ولایت میں انسانی اقدار کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔

یہ تمام باتیں اکثر ان کے درمیان ہوتی تھیں لیکن نوید خان کے گنہگار کانوں نے جو سنا تھا اور گنہگار آنکھوں نے جو کچھ دیکھا تھا اس نے اچانک ہی اسے حواس باختہ کر دیا تھا۔

اس وقت بالکل اتفاقیہ طور پر وہ ادھر سے گزر رہا تھا...... جب اس نے اس اجنبی آدمی کو چھوٹی بیگم کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔

خوش پوش آدمی تھا، اچھی شکل و صورت کا مالک تھا اس نے نوید خان کو نہیں دیکھا تھا لیکن نوید خان نے اسے بخوبی دیکھ لیا تھا اور ایک لمحے کے لیے کانپ کر رہ گیا تھا ہو سکتا ہے وہ کسی خطرناک ارادے سے چھوٹی بیگم کے کمرے میں داخل ہوا ہو اور نوید خان سب کچھ

بھول کر جاں فروشی پر آمادہ ہو گیا تھا...... اس نے سوچا تھا کہ ابھی اس کی ہڈیوں میں اتنی جان ہے کہ اپنے مالکوں کے دشمنوں سے نمٹ سکے، پھر وہ دبے قدموں دروازے تک پہنچا تھا اور پہلے اس نے کی ہول سے اندر جھانک کر دیکھا تھا...... یہ معلوم کرنے کے لیے کہ دیکھوں تو سہی وہ اندر کیا کر رہا ہے لیکن جو منظر اس کی نگاہوں کے سامنے آیا تھا اس نے اس کے اعصاب کی جان نکال لی تھی۔

چھوٹی بیگم اس اجنبی شخص سے اس طرح چمٹی ہوئی تھیں جیسے برسوں کے بچھڑے ملتے ہیں اور چمٹنے کا یہ انداز کسی بھی طرح پاکیزگی نہیں رکھتا تھا۔

نوید خان کے قدم جم گئے اور آنکھ کی ہول سے نہ ہٹ سکی، اس کے بعد وہ بالکل غیر اختیاری طور پر وہیں چپکا کھڑا رہا تھا جب تک کہ اس نے یہ محسوس نہ کر لیا کہ وہ اجنبی شخص اب باہر نکلنا چاہتا ہے...... اس کے گنہگار کانوں نے ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا تھا اور اس نے نہ جانے کس کس طرح اپنے آپ کو چکرا کر گرنے سے سنبھالا تھا...... ایک عظیم سازش، ایک ایسی انوکھی سازش اس کے علم میں آئی تھی جس کا وہ خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ وہاں سے ہٹ کر وہ سیدھا اپنے کوارٹر میں آیا تھا اور اس طرح بے جان ہو کر اپنی چارپائی پر گر پڑا تھا کہ پہلے کبھی اس کی یہ حالت نہیں ہوئی تھی...... دماغ چکرا رہا تھا، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاتا جا رہا تھا، ایک ایک لفظ زہریلی لکیروں کی طرح اس کے دل میں پیوست ہو رہا تھا، ایک ایک آواز کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ بن کر اتر رہی تھی، تو...... تو...... تو یہ سب ایک سازش تھی...... یہ...... یہ...... اس کے مالک کے خلاف سازش تھی، وہ اپنی موت نہیں مرے تھے، انہیں ہلاک کیا گیا تھا اور اس ہلاکت میں چھوٹی بیگم کا بھی برابر کا ہاتھ تھا...... اب یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ جو شخص ان سے اس بری طرح چمٹا ہوا تھا وہ ان کا عاشق زار تھا...... سازش روس میں تیار کی گئی تھی اور اس نے آ کر ان تمام لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا اور اب اس کے چھوٹے مالک قیصر جمال کی موت کی باری تھی۔ آہ نہیں...... آہ نہیں...... یہ تو نہیں ہونا چاہیے یہ چھوٹی بیگم انسان نہیں درندہ ہے...... یہ ایک خونی ناگن ہے جس نے ان لوگوں پر اپنے فریب کا جال ڈالا ہے اس کے بعد اس کا اصل روپ نمایاں ہو گا جو کچھ بھی ہو یا نہ ہو لیکن چھوٹے مالک کی زندگی بچانا میری اپنی زندگی سے زیادہ قیمتی ہے، آہ لیکن میں بے وسیلہ شخص کیا کروں، کیا کروں کیا نہ کروں اور اس کے بعد اس کی طبیعت بگڑنا شروع ہو گئی تھی اسے اپنا کلیجہ بیٹھتا محسوس ہو رہا تھا اور الٹیاں آ رہی تھیں...... پھر ساری رات وہ اس کیفیت کا شکار رہا تھا...... شدید دماغی اُلجھن نے اس کا اندرونی نظام خراب کر دیا تھا...... نفیس نے کہا۔

”نوید بھائی ہسپتال چلے جاؤ ورنہ مر جاؤ گے۔ دیکھو تو سہی کیا حالت ہوتی جا رہی ہے۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے ہیں۔ رات بھر میں چہرہ پیلا ہو گیا ہے۔“

”ٹھیک ہو جاؤں گا یار ٹھیک ہو جاؤں گا۔ خود بخود ٹھیک ہو جاؤں گا۔“ نوید نے کہا۔

”خدمت کرو۔ ورنہ میں چھوٹی مالکن سے جا کر بات کروں گا۔“

”نہیں نفیس تجھے میری قسم ایسا مت کرنا۔“

''بھائی کیوں ضد کر رہے ہو۔ اچھا چلو ڈاکٹر کو یہیں بلا لاؤں۔''

''کیا بات کرتا ہے یار زندگی میں کبھی تو نے مجھے دوا دارو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''تو تمہاری یہ حالت بھی تو زندگی میں پہلے کبھی نہیں ہوئی۔''

''ہاں...... واقعی۔'' نوید نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

''رات کو کیا کھا لیا تھا۔''

''وہی جو تم سب نے کھایا تھا۔''

''لیکن ہم لوگ تو بالکل ٹھیک ہیں۔''

''اب اللہ کی مرضی ہے یار۔ تھوڑی دیر کے لیے مجھے تنہا چھوڑ دے میں واقعی ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' نوید خان نے کہا۔

معاً اس کے ذہن میں خیال ابھرا کہ کیوں نہ نفیس خان کو اپنا راز دار بنا لے۔ وہ بھی ایک وفادار آدمی ہے اور مالکوں کا وفادار کبھی یہ پسند نہیں کرے گا کہ چھوٹے مالک اس طرح زندگی سے محروم ہو جائیں لیکن انسان کا کیا بھروسہ کون کب کس لالچ کا شکار ہو جائے۔ چھوٹی بیگم نے سب پر ہی تو اپنا جال ڈالا ہوا ہے۔ ممکن ہے۔ نفیس خان سوچے کہ نوید فضول باتیں کر رہا ہے۔ چھوٹی بیگم پر الزام لگا دیا ہے اور اس کے بعد وہ چھوٹی بیگم سے یہ تذکرہ کر دے۔ جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

قیصر جمال الگ خطرے میں پڑ جائے گا مجھے اپنی تو کوئی پرواہ نہیں ہے لیکن مالک کا خاندان اس طرح تباہ و برباد نہیں ہونا چاہیے۔ ان کی زندگی بھر کی کمائی اس طرح غیروں کے ہاتھوں میں نہیں جانی چاہیے۔ اس کے لیے سوچ سمجھ کر بھروسہ کرنا ہوگا۔ پھر اور کون ہے ایسا۔

اسے وجاہت صاحب یاد آ گئے۔ مالک کے وکیل بھی ہیں اور دوست بھی تھے۔ ایک دو دفعہ اعظم علی نے اسے کسی کام سے وجاہت صاحب کے پاس بھیجا بھی تھا۔ بڑے اچھے آدمی تھے لیکن وہی مسئلہ تھا کہ کب کون کب جانے کیا کیا جا سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے۔ وجاہت صاحب بھی دھوکہ دے جائیں۔ نہیں اپنی جان خطرے میں پڑے تو کوئی بات نہیں لیکن بیگم صاحبہ کا مسئلہ ایسا ہے کہ کچھ نہ کچھ ہونا ہی چاہیے۔

نجانے کب تک اس کا ذہن ان خیالات میں غوطے کھاتا رہا۔ طبیعت سنبھل نہیں رہی تھی۔ پھر اچانک ہی اسے کچھ خیال آیا اور وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

یہاں سے باہر نکل کر تو دیکھا جائے۔ کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا۔ باہر نکلا تو نفیس خان نظر آ گیا۔

''کیوں نوید خان کیا بات ہے۔ جا رہے ہو کہیں۔''

''ہاں...... نفیس خان ذرا ایسے ہی کسی ڈاکٹر کی تلاش میں نکلوں گا۔''

''چلو میں لے چلوں تمہیں چھوٹی بیگم سے پوچھ لیتے ہیں۔ گاڑی میں لے چلوں گا۔ تمہاری طبیعت تو کافی خراب ہو رہی ہے۔''

''نہیں نفیس میں چلا جاؤں گا۔ اب بھلا تو کروں کے لیے بھی گاڑیاں نکلیں گی۔''

''بھائی جا تیری مرضی تو کچھ ضرورت سے زیادہ ہی منطقی بنتا ہے۔ جا چلا جا۔''

''کوئی کام ہو تو بیگم صاحبہ کو بتا دینا کہ ڈاکٹر کے پاس گیا ہوں۔ صاحب تو جا چکے ہیں۔''

''ہاں، ہاں بتا دوں گا۔ جا اپنا خیال کر علاج کرا اور سن پیسے تو نہیں چاہئیں۔''

''ارے نہیں۔ نفیس خان تمہاری دعائیں ہیں۔ پوری کی پوری تنخواہ یونہی رکھی رہ جاتی ہے۔ میرے پاس خرچ ہی کیا ہوتا ہے۔''

وہ آہستہ آہستہ گیٹ کی جانب بڑھا اور پھر گیٹ سے باہر نکل گیا۔ دل میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ بس یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں بیٹھ کر کچھ سوچے گا۔ کوئی ایسی بات جس سے کام بن جائے۔ بے چارہ قیصر جمال۔ کس طرح دشمنوں کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ اس کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں ہوگا۔

پھر اچانک ہی اس نے ایک گاڑی گیٹ کے پاس رکتے ہوئے دیکھی۔ اس گاڑی میں جو شکل اسے نظر آئی وہ پہلے بھی اسے دیکھ چکا تھا۔ یہ شہروز تھا...... نوید خان کو اتنا معلوم تھا کہ یہ کوئی پولیس آفیسر ہے۔ شہروز کو دیکھتے ہی نہ جانے کیوں اس کے دل میں ایک خیال ابھرا اگر اس سے بات کی جائے تو پولیس کا آدمی ہے۔ یہ زیادہ قابل بھروسہ ہو سکتا ہے۔ اب کسی نہ کسی سے تو کچھ نہ کچھ کہنا پڑے گا۔ ورنہ اپنا ہی ستیاناس ہو جائے گا۔ اس سے پہلے کہ شہروز گاڑی اندر لے جانے کے لیے پارک کر کے دروازے سے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا وہ دوڑتا ہوا شہروز کے پاس پہنچ گیا۔

شہروز نے چونک کر اسے دیکھا۔ نوید خان اس کے قریب پہنچ کر بولا۔

''سلام صاحب۔''

''اوہو...... نوید خان خیریت تو ہے۔'' شہروز کی آواز ابھری۔

''آپ ہمیں جانتے ہو صاحب۔''

''اوہو اس دن تم سے ملاقات تو ہوئی تھی ناں۔''

''آپ کو ہمارا نام بھی یاد رہا۔''

''ہاں۔ کیوں نہیں نوید خان...... دیکھ لو میں نے تمہیں تمہارے نام سے پکارا ہے۔'' شہروز مسکراتا ہوا بولا۔

''صاحب آپ اندر جا رہے ہو۔''

''ہاں، کیوں، کوئی خاص بات ہے۔ مجھے بتاؤ۔''

''بہت خاص بات ہے۔ صاحب، ہم اللہ کا نام لے کر نکلے تھے اور اللہ نے ہماری مدد کی ہے کہ آپ ہمیں مل گئے۔ صاحب ہم

آپ کو کچھ بتانا چاہتے ہیں۔"

"ہوں، آؤ......نوید خان گاڑی میں بیٹھو۔"

نوید علی نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر جلدی سے شہروز کی گاڑی میں جا بیٹھا۔ شہروز نے گاڑی اسٹارٹ کر کے ریورس کی اور جلدی سے آگے بڑھا دی۔ نجانے کیوں نوید خان کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ قدرت نے اس کی مدد کی ہے اور اسے اس کی وفاداری کا صلہ مل رہا ہے۔ بہر حال کافی فاصلہ طے ہو گیا اور پھر ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے شہروز نے کار روک دی۔

درمیانے درجے کا معمولی سا ہوٹل تھا۔ غالباً شہروز کے دل میں یہ خیال تھا کہ نوید خان کسی اچھے ہوٹل میں نہیں جا سکے گا لیکن یہ جگہ اس کے مزاج کے مطابق تھی۔

گاڑی ہوٹل سے کافی فاصلے پر کھڑی کر کے شہروز اس کے ساتھ ہوٹل کی جانب بڑھ گیا پھر ہوٹل کی ایک میز پر بیٹھ کر اس نے چائے منگوائی۔ نوید خان اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شہروز گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا تو نوید نے کہا۔

"صاحب ہم یہ تو نہیں کہتے کہ ہم کوئی بہت ہی ایماندار اور نمک حلال آدمی ہیں۔ بس اتنا کہیں گے کہ صاحب کے بس ماں باپ نے یہ ہی سمجھایا تھا کہ جس کا نمک کھاؤ اس سے غداری مت کرو۔"

"یقیناً نوید خان......اچھے والدین یہ ہی سکھاتے ہیں۔" شہروز بدستور اس کے چہرے کو ٹٹولنے والی نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اللہ ہمیں معاف کرے صاحب پتا نہیں ہم سے غلطی ہو رہی ہے یا ہم ٹھیک راستے پر ہیں لیکن جو کچھ ہمارے دل میں ہے۔ اگر ہم نے کہا نہ تو ہماری جان ہی نکل جائے گی۔"

"تم پورے اعتماد اور بھروسے کے ساتھ جو کہنا چاہتے ہو۔ وہ کہو نوید خان اور اطمینان رکھو تمہیں میری ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔"

"اللہ مالک ہے صاحب! کچھ ایسی باتیں ہمارے علم میں آئی ہیں جنہیں سوچ سوچ کر ہمارا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے۔"

"مجھے بتاؤ۔ دل ہلکا ہو جائے گا۔" اور اس کے بعد نوید خان نے شہروز کو وہ ساری باتیں جو اس کے علم میں آ گئی تھی......شہروز کی آنکھوں میں گہرے تجسس اور دلچسپی کی چمک نظر آ رہی تھی۔ نوید خان نے آخر تک بتانے کے بعد شہروز کی صورت دیکھی اور شہروز پر خیال انداز میں میز کی سطح کھٹ کھٹانے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"اس شخص کا حلیہ بتا سکتے ہو۔ نوید خان۔"

"ہاں، صاحب اچھی طرح دیکھا تھا۔ ہم نے۔" نوید خان نے کہا اور اپنی یادداشت کے مطابق فیصل کا حلیہ دہرانے لگا۔ شہروز کے لیے فیصل کا نام اجنبی نہیں تھا۔ اس کا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ بقول ٹونی کے گل خان نے جو تفصیل بتائی تھی اور جو ٹکٹ وہاں سے ملے تھے وہ فیصل کے نام ہی کے تھے۔ صورت حال شہروز کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ وہ خاصی سنسنی کا شکار تھا۔ یہ تو بڑی عمدہ بات ہو گئی کہ

یہاں سے صورت حال کا اندازہ ہوگیا۔ اب اس سلسلے میں کوئی مناسب فیصلہ کرنا تھا۔ نوید خان پر اسے مکمل بھروسہ تھا کہ یہ جھوٹ نہیں بول رہا اور اس میں جھوٹ کی گنجائش تھی بھی نہیں۔ کافی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔

''نوید خان تمہیں اپنے مالک کی جان بچانی ہے۔ ظاہر ہے کہ اب قیصر جمال کی زندگی بھی خطرے میں ہے۔''

''جی صاحب بالکل۔''

''لیکن نوید خان کام اس طرح نہیں ہوتا۔ تمہیں مزید ہمت کرنا ہوگی۔''

''صاحب ہم بہت غریب آدمی ہیں۔ ہمارا کوئی سہارا نہیں ہے۔ ہماری زندگی بچنا مشکل ہو جائے گی۔''

''یہ سب کچھ تو کرنا پڑے گا نوید خان ہمت کے بغیر دنیا کا کوئی کام نہیں ہوسکتا۔''

''ہمت کریں گے صاحب آپ ہمیں حکم کرو۔ کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا۔''

''سب سے پہلی بات تو یہ کہ اپنے آپ پر قابو پاؤ۔ اگر تم اس طرح گھبرائے گھبرائے نظر آئے تو بیگم صاحبہ کو تم پر شک ہوسکتا ہے۔''

''ہم جانتے ہیں صاحب اللہ مالک ہے۔ سنبھال لیں گے خود کو۔''

''تو پھر تمہیں سب سے پہلا کام یہ کرنا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے اور جس طرح بھی موقع مل جائے بیگم صاحبہ سے تم وہ شیشی حاصل کرو۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات۔'' نوید خان کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

وہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ شہروز نے پھر کہا۔

''نہیں اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ تمہیں بس ایسے موقع کی تاک میں رہنا ہوگا۔ جب بیگم صاحبہ گھر پر موجود نہ ہوں۔ ظاہر ہے وہ شیشی ساتھ لیے لیے نہیں پھرتی رہیں گی۔ شیشی ان کی خوابگاہ میں کہیں پوشیدہ ہوگی۔ ویسے بھی جتنا تم اس گھر کو جانتے ہو۔ اتنا تمہاری بیگم صاحبہ نہیں جانتیں۔''

''شیشی ہمیں مل جائے تو کیا کریں صاحب۔''

''ہاں...... ابھی یہاں سے اٹھیں گے میں تمہیں بتاتا ہوں۔ ایک جگہ تمہیں بتاتا ہوں۔ ایک جگہ تمہیں دکھاتا ہوں۔ بس شیشی وہاں ایک آدمی تک پہنچا دینا اور بے فکر رہو تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ شبہ ہی نہیں ہونے دینا ویسے تم یہ جانتے ہو نوید خان کہ اس شیشی میں زہر ہے اور وہ زہر تمہارے مالک کے بیٹے کو دیا جائے گا اور اس کے بعد قیصر جمال بھی زندگی سے محروم ہو جائے گا اور پھر تمہارے مالک کے دشمن تمہارے مالک کی دولت پر عیش کریں گے ان پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔'' نوید خان کے چہرے پر سرخی پھیل گئی اس نے آہستہ سے کہا۔

''زندگی اللہ کی امانت ہوتی ہے صاحب۔ اگر ہم اپنی نمک حلالی میں کام آ بھی گئے صاحب تو ہمیں کوئی افسوس نہیں ہوگا۔''

''بے شک زندگی اللہ کی امانت ہوتی ہے۔ نوید خان لیکن اب تمہیں اس بات پر بھی بھروسہ رکھنا چاہیے کہ میں تمہیں نقصان نہیں پہنچنے دوں گا۔ تم بالکل بے فکر رہو۔ ہم ہزار آنکھوں سے تمہاری نگرانی کریں گے اور تمہاری حفاظت کریں گے۔''

"ٹھیک ہے۔ صاحب آپ بالکل اطمینان رکھو۔"

"چلو اب اپنی چائے ختم کرو۔ میں تمہیں ساتھ لے کر چلتا ہوں۔" پھر شہروز نوید خان کو ساتھ لے کر چل پڑا تھا اور اس کے بعد اس نے فیروز خان سے اس کی ملاقات کرائی اس نے کہا۔

"یہ نیاز خان صاحب ہیں۔ چوبیس گھنٹے یہاں رہتے ہیں۔ تم وہ شیشی تہیں لا کر دے سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے صاحب ہم ایسا ہی کریں گے۔"

"آؤ۔ اب میں تمہیں چھوڑ دوں۔"

"نہیں صاحب ہم چلے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ نوید خان میں اس لیے تمہیں چھوڑنے نہیں جا رہا کہ کہیں کوئی تمہیں میرے ساتھ نہ دیکھ لے۔ کام ہوشیاری سے ہونا چاہیے۔"

"بالکل صاحب۔" اور اس کے بعد نوید خان وہاں سے واپس چل پڑا تھا لیکن اب اس کا ذہن کافی حد تک مطمئن تھا۔

☆......☆......☆

ناہید نے مسکراتی نگاہوں سے شہروز کو دیکھا اور بولی۔

"باس آج کل ملاقاتوں میں کچھ کمی ہو گئی ہے۔"

"نہیں ناہید! یہ صرف تمہارا خیال ہے۔ بھلا کمی کیسے ہو سکتی ہے۔"

"ہاں شاید یہ خیال ہی ہو۔"

"ویسے میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے دل میں میرا مقام اب بڑھتا ہی جا رہا ہے۔"

"میرے دل میں تو بڑھتا جا رہا ہے لیکن آپ نے میرے راستے روک دیئے ہیں۔"

"توبہ...... توبہ بھلا تمہارے راستے کون روک سکتا ہے۔"

"جناب نے مجھے ایک معذور شخص کی بیوی بنا دیا ہے اور دو بچوں کی ماں، اب بھلا آپ کے گھر میں میرے بارے میں کیا سوچا جائے گا۔"

"ناہید کی باتیں، ارے شہروز کی باتوں پر اس کے گھر میں یقین کون کرتا ہے۔ کوئی بھی ایسا لمحہ آ جائے گا۔ جب بھابھی ہی کو بے وقوف بنا دیں گے ہم۔"

"جی نہیں۔ آپ بنا دیں گے میں نہیں بنا سکتی۔"

"کیوں۔" شہروز آنکھیں نکال کر بولا۔

''اس لیے کہ میرا اور ان کا زندگی بھر کا ساتھ ہوگا۔''

شہروز کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس نے مسکراتی نگاہوں سے ناہید کو دیکھا اور پھر بولا۔

''کیا بات کہی ہے۔ ناہید درحقیقت سہانے خواب دکھا دیے ہیں۔ ناہید میرا خیال ہے کہ تمہاری یہ باتیں اب مجھے تم سے دور نہیں رہنے دیں گی۔''

''ہم دور کہاں ہیں۔'' ناہید نے مسکراتی نظروں سے شہروز کو دیکھتے ہوئے کہا اور شہروز بھی مسکرانے لگا۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولا۔

''ناہید وہ واقعہ یاد ہے ناں۔''

''کون سا۔''

''ٹرک کا حادثہ ہوا تھا۔ چار افراد جاں بحق ہو گئے تھے۔''

''اعظم علی والا معاملہ۔''

''ہاں...... ناہید اس سلسلے میں کافی پیش رفت ہوئی ہے۔''

''گڈ...... کیا۔''

''وہ حادثہ نہیں قتل تھا۔''

''واقعی۔'' ناہید نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

''ہاں، ناہید، دنیا کے چند ہی تو کھیل ہوتے ہیں۔ سنگدل لوگ ہنستے بستے گھر والوں کو دولت کے لیے زندگی سے محروم کر دیتے ہیں۔ سازشیں ہوتی ہیں۔ جال پھیلائے جاتے ہیں اور کبھی کبھی یہ جال اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ انہیں توڑ نا ممکن نہیں ہوا۔''

''آپ اس سلسلے میں کام تو کر رہے ہیں۔''

''میں تو خیر کام کر ہی رہا تھا۔ ناہید لیکن ایک بات کا میں پورے طور پر قائل ہوں کہ خون ناحق سر چڑھ کر بولتا ہے۔ قدرت خود بخود مواقع مہیا کرتی ہے۔ اب یہ معاملہ بھی ایک عجیب و غریب نوعیت اختیار کر گیا ہے۔''

''مجھے بتایئے شہروز پلیز۔''

''ہاں ...... ناہید میں بیرون ملک سے بھی کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ اب ان کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔''

''کیوں......''

''یہ بعد میں بتاؤں گا۔''

''پھر بھی۔''

''اصل میں ناہید قیصر جمال کا معاملہ یہ ہے کہ وہ یہاں سے بیرون ملک چلا گیا تھا۔ بلکہ اس کے باپ نے اسے بیرون ملک پہنچانے میں اس کی معاونت کی تھی۔ قیصر جمال اپنی سوتیلی ماں کو برداشت نہیں کر سکتا تھا اور آخر کار وہ یہاں سے رخصت ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسے آدمی کی ذہنیت کیا ہو گی۔ جس سے اس کا اپنا گھر چھن گیا ہو۔ وہاں اس نے ایک ایش پارکر نامی لڑکی سے شادی کر لی۔ جو بعد میں مسلمان ہو کر شاہینہ کہلائی۔ یہاں اعظم علی کا قتل ہوا اور اس کے بعد قیصر جمال اپنی بیوی کے ساتھ واپس آ گیا اب اس نے یہاں آ کر اپنا کاروبار سنبھال لیا ہے اور اس کے راستے کی کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی ہے۔ اعظم علی صاحب کے دوسرے دونوں بچے بھی سو چکے ہیں۔''

''اوہ...... میرے خدایا۔ کیا قیصر جمال نے اپنے باپ سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائی بہن کو قتل کرانے کی سازش کی ہے۔''

''سو فیصد خیال اسی کی جانب جا سکتا ہے۔ ناہید اور اس کے لیے ثبوت تلاش کیے جا سکتے لیکن معاملہ کچھ اور ہی نکل آیا ہے۔''

''اوہ...... وہ کیا۔'' جواب میں شہروز نے ناہید کو ساری کہانی سنانا شروع کر دی۔ ناہید کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئی تھیں اور وہ گہری نظروں سے شہروز کا جائزہ لے رہی تھی۔ شہروز کے خاموش ہونے کے بعد اس نے کہا۔

''تو فیصل اور ایش پارکر کا معاملہ ہے۔''

''ہاں ناہید۔ ویسے ٹونی اور کیسپر نے بھی اس سلسلے میں خاصا کام کیا ہے۔ ورنہ شاید معاملہ دب ہی جاتا اور آخر کار بے چارہ قیصر جمال بھی زندگی سے محروم ہو جاتا۔''

''بڑی بات ہے۔ واقعی بڑی بات ہے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے وہ لوگ کافی حد تک اپنی کوششوں میں کامیاب ہو چکے تھے۔''

''ہاں...... لیکن ان برائیوں کو دیکھنے والی بھی تو ایک ذات ہے۔''

''ہاں...... کیوں نہیں۔''

''تو پھر اب کیا پروگرام ہے آپ کا۔''

''نوید خان اپنے معاملے میں کامیاب ہو جائے۔ اس کے بعد میں اس سلسلے میں آگے قدم بڑھاؤں گا۔''

''اس کا کامیاب ہونا ضروری ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ پہلے قیصر جمال کو ہوشیار کر دیں۔''

''ناہید کوشش تو کی جا سکتی ہے لیکن بغیر کسی ثبوت کے یہ مشکل ہو گا اور پھر ذرا یہ کام کر لیا جائے۔ اس کے بعد دیکھتا ہوں۔ اس بات کو بھی ذہن میں رکھو کہ قیصر جمال نے اس سے عشق کر کے شادی کی ہے۔ آسانی سے وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا کہ ایش پارکر اس کی زندگی کے درپے ہے اور کسی اور سے اس کے تعلقات ہیں۔'' ناہید گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

☆......☆......☆

نوید خان کو اب کافی حوصلہ ہو گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مالک کی وفاداری میں اگر جان بھی کام آ جائے تو نقصان نہیں ہوتا۔ وہ مسلسل تاک میں لگا ہوا تھا۔ حالت کافی بہتر ہو گئی تھی اور اس نے اپنے آپ کو پوری طرح سنبھل لیا تھا۔ نفیس خان بھی مطمئن ہو گیا تھا۔ پورا دن گزر گیا۔ پھر رات بھی گزر گئی۔ دوسرے دن ایش پارکر اور قیصر جمال ساتھ ساتھ ہی کار میں بیٹھ کر نکلے تھے...... قیصر جمال تو آفس جا رہا تھا۔ شاہینہ کو شاید کوئی اور کام ہوگا۔ ظاہر ہے ملازموں کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم لیکن نوید خان جو مسلسل تاک میں لگا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر خوش ہو گیا۔ خود بھی جانتا تھا اور شہروز نے بھی اس سے یہی کہا تھا کہ جو کچھ کرنا ہے۔ پوری احتیاط کے ساتھ کیا جائے اور کسی کو کانوں کان اس کی بھنک نہ ملے۔ ورنہ صورت حال خراب ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے نفیس خان کو بھی اپنا راز دار نہیں بنایا اور ان لوگوں کے نکل جانے کے بعد خاموشی سے ایش پارکر کے کمرے میں داخل ہو گیا اور فرنیچر صاف کرنے لگا۔ اس کی تیز نگاہیں ہر جگہ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ تقریباً پندرہ منٹ کی کوشش کے بعد اسے کامیابی حاصل ہو گئی۔ وہ شیشی اسے ایش پارکر کی ڈریسنگ ٹیبل میں مل گئی تھی۔ ایش پارکر نے اسے بڑی احتیاط سے چھپایا ہوا تھا۔ جبکہ ڈریسنگ ٹیبل پر باقی میک اپ کا پورا پورا سامان پھیلا ہوا تھا۔ نوید خان نے احتیاط سے وہ شیشی اپنے لباس میں چھپائی اور اس کے بعد باہر نکل آیا۔ نفیس خان سے اس نے کہا۔

”نفیس خان میں ایک ضروری کام سے تھوڑی دیر کے لیے جا رہا ہوں ...... صاحب تو ابھی واپس نہیں آئیں گے ...... بیگم صاحب آ جائیں تو تم سنبھال لینا۔“

”کہاں تک جا رہے ہو۔“

”نزدیک ہی جا رہا ہوں کیوں۔“

”کچھ تھوڑا سا سودا سلف مجھے منگوانا ہے لا دو گے۔“

”ہاں، کیوں نہیں۔ کیا منگوانا ہے۔“ نوید خان نے کہا اور نفیس خان نے اسے اپنی مطلوبہ اشیاء کے بارے میں بتا دیا، نوید خان اس سے پیسے لے کر نکل گیا تھا۔ وہ جگہ اس نے واپس آتے ہوئے اچھی طرح یاد کر لی تھی۔ جو اسے دکھائی گئی تھی۔ مطلوبہ شیشی لے کر جب وہ اس جگہ پہنچا تو اسے وہ کار بھی نظر آئی۔ شہروز اس وقت وہیں موجود تھا۔ نیاز خان کو سلام کیا تو اس نے کہا۔

”اوہو...... نوید خان تم آ جاؤ...... صاحب اندر ہی ہیں۔“

”یہ اچھی بات ہے۔“ نوید خان نے کہا...... نیاز خان نے اسے شہروز کے پاس پہنچا دیا۔ شہروز، نوید خان کو دیکھ کر ہی خوش ہو گیا تھا۔

”نوید خان تمہارے چہرے سے لگتا ہے کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہو۔“

”جی صاحب بالکل۔“

”وہ شیشی ہے تمہارے پاس۔“

”جی صاحب۔“ نوید نے شیشی نکال کر شہروز کے حوالے کر دی اور شہروز اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر سنسنی پھیل گئی

تھی۔ کچھ دیر وہ شیشی کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

''چلو نوید خان تمہاری ایک مشکل اور حل کر دی جائے۔ بس تھوڑی دیر میں ابھی تمہیں ساری صورت حال بتائے دیتا ہوں۔''

شہروز نے کہا اور اس کے بعد اس نے شیشی کو احتیاط سے اپنے لباس میں رکھ لیا۔ نوید خان شہروز کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔ شہروز اسے کار میں لے کر چل پڑا۔ پھر ایک میڈیکل اسٹور سے اس نے کچھ لیکویڈ وغیرہ خریدا اور اسے خریدنے کے بعد واپس باہر نکل آیا۔ پھر شیشی کا زہریلا لیکوئڈ اس نے خوب اچھی طرح صاف کیا اور پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد اپنا خریدا ہوا لیکوئڈ اس میں منتقل کر دیا۔ نوید یہ سارے کام دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد شہروز نے شیشی اسے دیتے ہوئے کہا۔

''بات ختم ہوگئی۔ اب اس میں جو دوا ہے۔ وہ بالکل بے ضرر ہے اور کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ تمہاری تقدیر اگر ساتھ دے جائے اور بیگم صاحبہ ابھی واپس نہ پہنچی ہوں تو یہ شیشی تم اسی جگہ رکھ دینا۔ جہاں سے اُٹھائی تھی اور اگر بیگم صاحبہ واپس آگئی ہوں تو پھر بھی اس موقع کی تاک میں رہنا کہ تمہیں دوبارہ اسے وہاں تک پہنچانے کا موقع مل جائے۔''

''ٹھیک ہے صاحب جی!'' نوید خان نے جواب دیا۔ اس کے بعد شہروز سے رخصت ہو کر چل پڑا۔ نفیس خان کا بتایا ہوا سامان اس نے بازار سے خریدا اور تقریباً دوڑتا ہوا واپس پہنچا تھا۔ یہ دیکھ کر اسے سکون ہوا کہ کار واپس نہیں آئی تھی لیکن پھر بھی اس نے سامان نفیس خان کو دیتے ہوئے پوچھا۔

''بیگم صاحبہ نے تو مجھے نہیں پوچھا۔''

''بیگم صاحبہ تو ابھی واپس نہیں آئی ہیں۔''

''اوہو...... اچھا اچھا۔'' نوید خان نے مطمئن لہجے میں کہا۔

اس کا دل خوشی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے آخر کار نہایت احتیاط کے ساتھ شیشی واپس اسی جگہ رکھ دی جہاں سے اس نے اسے اُٹھایا تھا۔ اب وہ پوری طرح مطمئن نظر آ رہا تھا۔

☆......☆......☆

شہروز نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا۔ اعظم انٹر پرائزز کے ملازمین باہر نکل رہے...... پھر کچھ دیر کے بعد اس نے قیصر جمال کو بھی اپنی کار میں باہر آتے ہوئے دیکھا۔ قیصر جمال خود ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا اور یہ اچھی بات تھی۔ شہروز نے اپنی کار اسٹارٹ کی اعظم علی انٹر پرائزز کی عمارت کے سامنے وہ تقریباً بیس منٹ تک اپنی کار میں بیٹھا قیصر جمال کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ قیصر جمال کی کار آگے بڑھی تو اس نے بھی اپنی کار اس کے پیچھے لگا دی تھی۔ بہت غور و خوض کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ قیصر جمال سے اس کے آفس میں ملاقات نہیں کرنا چاہیے۔ ایک باقاعدہ سازش ہو رہی تھی اور کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ اس سازش کے شریک کار اور کون کون ہیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ لیلیٰ پارکر اور اس کے عاشق زار فیصل نے فرم کے کچھ لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا رکھا ہو۔

بہر حال یہ ایک احتیاطی قدم تھا پھر ایک ایسی سڑک پر جو سنسان تھی۔ یہاں شہروز اپنا کام کر سکتا تھا۔ شہروز نے اپنی کار کی رفتار اچانک تیز کی اور اس کے بعد قیصر خان کی کار کو اوور ٹیک کیا اور اسے ہاتھ سے اشارہ کرنے لگا۔ قیصر جمال حیران ہو گیا تھا لیکن آخر کار اس نے کار روک دی۔ شہروز نے اپنی کار اس کی کار کے برابر لگا دی تھی۔ پھر شہروز گاڑی سے نیچے اترا اور قیصر جمال کے پاس پہنچ گیا۔

''ہیلو مسٹر قیصر جمال۔''

''ہیلو سر، آپ وہ پولیس آفیسر ہیں ناں۔''

''جی مسٹر قیصر جمال۔''

''خیریت جناب۔''

''ہاں، بالکل خیریت ہے۔ آپ کا کچھ وقت لینا چاہتا ہوں۔''

''تو پھر تشریف لائیے۔ میرے ساتھ گھر چلیے۔''

''نہیں...... مسٹر قیصر جمال۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ کو کوئی فوری کام تو نہیں ہے۔''

''نہیں...... بالکل نہیں۔''

''تب آئیے کسی ریستوران میں بیٹھ کر بات ہوگی۔''

''جیسا آپ پسند کریں۔''

''اپنی گاڑی میری کار کے ساتھ لے آئیے۔'' شہروز نے واپس کار میں بیٹھتے ہوئے کہا اور پھر کار آگے بڑھا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں کاریں ایک ریستوران کے سامنے رک گئیں۔ جو بہت پرسکون اور خوب صورت تھا۔ قیصر جمال کے چہرے پر حیرانی کے نقوش نظر آرہے تھے۔ وہ خاصا متجسس تھا لیکن بہر حال اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ شہروز ریستوران میں داخل ہوا اور پھر ایک پرسکون گوشہ منتخب کر کے دونوں وہاں جا بیٹھے قیصر جمال حیران نظر آرہا تھا۔

''کیا پینا پسند کریں گے قیصر صاحب۔''

''میرا خیال ہے کافی۔''

''مناسب۔'' شہروز نے کہا اور کچھ لمحات کے بعد ویٹر کو کافی کا آرڈر دے دیا۔ قیصر نے کہا۔

''آپ کے اس پراسرار انداز پر میں خاصا پریشان ہو گیا ہوں۔''

''نہیں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ قیصر جمال صاحب اصل میں آپ سے بالکل تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی۔'' قیصر جمال نے آہستہ سے کہا اور اس کے بعد متجسس نگاہوں سے شہروز کو دیکھتا رہا۔ شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیسے آپ نے اپنے والد کے کاروبار کو بخوبی سنبھال لیا۔''

''جی ہاں ...... میرے اوپر تو ناگہانی افتاد آپڑی ہے لیکن مرتا کیا نہ کرتا ظاہر ہے پوری ہمت کے ساتھ یہ سب کچھ کرنا تھا۔اب اسے ایسے تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔''

''بے شک ...... بے شک۔ویسے آپ قابل مبارک باد ہیں۔'' قیصر جمال صاحب شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی۔''

''جی ہاں۔کسی بھی قسم کی الجھنوں سے پاک تمہیں کاروبار ملا ہے۔الجھنیں خود بخود آپ کے راستے سے ہٹ گئیں۔جبکہ اگر آپ کی سوتیلی والدہ اور بہن بھائی زندہ رہتے تو آپ کو کاروبار اس طرح نہ مل جاتا۔''

''نہیں جناب کاروبار تو بہت عرصے سے میرے والد کر رہے ہیں۔اگر میں چاہتا تو کسی بھی وقت رجوع کر کے ان سے کاروبار کو سنبھالنے کا ارادہ ظاہر کر سکتا تھا لیکن میرا مزاج اس قسم کا ہے ہی نہیں۔بس یوں سمجھ لیجیے کہ یہ سب کچھ جو کرنا پڑا ہے۔حالات کے تحت کرنا پڑا ہے۔''

''حالات کو اپنے حق میں ہموار کرنے میں بھی انسان کو کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔'' شہروز نے کہا اور قیصر جمال اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگا اور پھر جب سمجھا تو اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش پیدا ہو گئے۔

''میں سمجھا نہیں جناب۔'' اس نے کہا۔اس وقت ویٹر نے کافی کے برتن لا کر سامنے رکھ دیے اور شہروز کافی بنانے لگا۔پھر اس نے ایک پیالی قیصر جمال کے سامنے رکھ دی اور دوسری کے چند سپ لیے اور بولا۔

''پلیز۔'' قیصر جمال نے خود بھی اپنی کافی اٹھائی تھی اور کسی قدر متوحش نظر آرہا تھا۔چند لمحات کے بعد وہ پھر بولا۔

''آفیسر آپ کے لہجے میں مجھے ایک عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔''

''ہونا چاہیے قیصر جمال صاحب! انسان کو اگر اتنا احساس نہ ہو تو اتنے بڑے کام کیسے کر ڈالے۔''

''جی۔'' قیصر جمال نے جلدی سے اپنی کافی کی پیالی نیچے رکھ دی۔

''جی ہاں قیصر جمال صاحب میں آپ کو اس سلسلے میں مبارک باد دے رہا تھا، ویسے قیصر جمال آپ نے بیرون ملک سے واپس آنے کے بعد اپنے والد کے قاتلوں کے سلسلے میں بڑی پر جوش باتیں کی تھیں۔میرا خیال ہے اب آپ نے اپنے والد کے قاتلوں سے سمجھوتا کر لیا ہے۔''

''میں آپ سے پھر یہی عرض کروں گا کہ آپ کا لہجہ مجھے شک وشبہ میں گرفتار کر رہا ہے۔کیا شک کا کوئی وجود ہے قیصر جمال صاحب۔'' شہروز نے قیصر جمال کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''آفیسر براہ کرم جو کچھ آپ کے دل میں ہے مجھے بتایئے۔''

''مبارک ہی سے آپ نے سمجھ لیا ہو گا کہ میں آپ کو آپ کی محنت اور کاوشوں کی مبارک باد دے رہا ہوں۔''

''کیسی محنت، کیسی کاوش۔''

''جو آپ نے اپنے والد کی دولت حاصل کرنے کے لیے کی ہے...... دوسری صورت میں اگر آپ کی سوتیلی والدہ اور آپ کے بہن بھائی زندہ رہتے تو حصہ تو بے شک آپ کو اپنے والد کی دولت میں سے ملتا لیکن غالباً چوتھائی اور اب آپ بلا شرکت غیرے اس دولت کے مالک ہیں۔''

''لعنت بھیجتا ہوں میں اس دولت پر۔ اس جائیداد اور کاروبار پر جو میرے والد کی زندگی کی قیمت پر مجھے ملا...... اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں آفیسر کہ اس دولت و کاروبار کے حصول کے لیے میں نے کوئی مجرمانہ کاروائی کی ہے۔ تو یہ انتہائی شرمناک اور افسوسناک بات ہے۔ بے شک آپ کا تعلق محکمہ پولیس سے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آپ انسان بھی ہیں۔ کم از کم انسان کی حیثیت سے آپ کو میرے جذبات کا بھی تھوڑا بہت خیال رکھنا چاہیے۔''

''ہاں لیکن افسوس انسان ہی انسان کا دشمن ہوتا ہے اور کبھی کبھی دشمنی اس قدر بدنما ہوتی ہے۔ کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''تو آپ کا کیا خیال ہے کہ اپنے والد کی موت میں میرا کوئی ہاتھ ہے۔''

''خیال نہیں، مسٹر قیصر جمال بلکہ کچھ شبہات سمجھ لیجیے۔ اب دیکھیے ناں میں نے ابتداء ہی سے آپ کو بتا دیا ہے کہ اگر آپ کے والد والدہ اور بہن بھائی زندہ ہوتے تو اس جائیداد کا چوتھائی حصہ آپ کو ملتا۔ ظاہر ہے۔ آپ کو یہ بات پسند نہیں ہوگی۔''

''ہوں۔'' قیصر جمال کے انداز میں ایک تبدیلی رونما ہوگئی۔ اس نے کافی کا کپ اٹھایا۔ چند گھونٹ لیے اور سوچنے والے انداز میں شہروز کو دیکھتا رہا۔ پھر مدھم لہجے میں بولا۔

''ایک پولیس آفیسر ہونے کی حیثیت سے آپ یہ شبہ کر سکتے ہیں لیکن میں آپ کو دعوت دیتا ہوں۔ آفیسر کہ جس طرح بھی چاہیں کھل کر اس بارے میں تحقیق کریں۔ اگر مجھ پر کوئی ایسی سازش ثابت ہو جائے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو مجھ پر مقدمہ چلانے یا پھانسی دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں خودکشی کر لوں گا۔ یہ ایک مرد کا وعدہ ہے۔ آپ سے۔''

''ویری گڈ۔ قیصر صاحب خودکشی کی دو تین اقسام ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے۔ خودکشی تو آپ کر چکے ہیں۔''

''کچھ نہیں سننا چاہتا آفیسر آپ کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ آپ تحقیقات کیجیے اور اگر اس وقت اس سلسلے میں کوئی ثبوت آپ کے پاس موجود ہے اور آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں تو براہ کرم مجھے یہاں سے ہتھکڑی لگا کر لے جائیے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''قیصر جمال صاحب آپ اب ذرا مختلف انداز میں سوچیے۔ آپ کے والد کا حادثہ نہیں ہوا۔ بلکہ ٹرک جان بوجھ کر ماری گئی اور انہیں قتل کر دیا گیا۔ اس بات کے تمام تر ثبوت میرے پاس موجود ہیں۔ یہ ایک اتفاقی حادثہ نہیں۔ بلکہ جانا بوجھا قدم ہے اور آپ کے والد سوتیلی والدہ اور دونوں بہن بھائی باقاعدہ ایک سازش کے تحت قتل کیے گئے ہیں۔''

''سازش...... سازش...... سازش کون کر سکتا ہے یہ سازش اور یہ سازش کرنے سے کسی کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ میرے سوا۔''

''ہاں آپ کے سوا تو کیا آپ یہ بات تسلیم نہیں کریں گے قیصر جمال صاحب کہ آپ نے اپنے والد کو قتل کیا۔''

''خدا کی قسم آپ مجھے وہ گالیاں دے رہے ہیں۔ جو شاید آپ کو نہیں دینا چاہئیں۔''

''معذرت خواہ ہوں اس کے لیے لیکن قیصر جمال صاحب کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان انجانے میں اپنوں کا دشمن بن جاتا ہے۔ فرض کیجیے آپ نے یہ سازش نہ کی ہو لیکن کچھ ایسے لوگوں کو آپ کے بارے میں علم ہو کہ آپ ایک نہایت دولت منداور صاحب ثروت آدمی ہیں۔ اس نے آپ کے والد کو نشانہ بنا ڈالا۔''

''مگر کیوں اور وہ کون ہو سکتا ہے۔''

''ہاں...... یہ سوال دلچسپ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کی مسز ہوں۔ جن کا پرانا نام ایلش پارکر ہے۔'' قیصر جمال کا ہاتھ بری طرح لرز گیا اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار نظر آئے۔ پھر اس نے کہا۔

''افسوس میرا واسطہ اس سے پہلے کبھی محکمہ پولیس سے نہیں پڑا لیکن یورپ میں پولیس ایسی نہیں ہوتی۔ انسان، انسان کے جذبات کا خیال بھی رکھتا ہے۔ آپ بہت اہم ہیں انسپکٹر جس بے رحمی سے آپ یہ مختلف الزامات لگا رہے ہیں معاف کیجیے گا۔ وہ غیر انسانی ہے۔''

''اس کے لیے میں آپ سے شرمندہ بھی ہوں۔ قیصر جمال صاحب اور معذرت بھی چاہتا ہوں لیکن ہو سکتا ہے۔ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ اس میں صداقت ہو۔''

''ایلش پارکر کا نام اب شاہینہ ہے۔ وہ میرا مذہب قبول کر چکی ہے۔ اس نے میرا سارا غم بانٹ لیا ہے۔ اس نے مجھے وہ زندگی دی ہے شہروز صاحب جس کا انسان خوابوں میں ہی تصور کر سکتا ہے۔ وہ اس قدر وفا شعار اور محبت کرنے والی عورت ہے کہ آپ تصور نہیں کر سکتے اور آپ جیسے لوگ اس پر ایک لاکھ الزامات لگائیں لیکن میں وہ الزامات کبھی قبول نہیں کروں گا۔'' شہروز پھر مسکرانے لگا۔ اس کے بعد اس نے کہا۔

''براہ کرم کافی لیجیے۔''

''آپ کا رویہ ایک دوسرے سے متضاد ہے۔ ایک جانب آپ وہ باتیں کر رہے ہیں جو میرے دل پر چرکے اور زخم لگائیں۔ دوسری جانب آپ نے دوستانہ انداز اختیار کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ قیصر جمال صاحب آپ سے بہت سی معذرتیں کروں گا لیکن اب جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے صبر و سکون سے سنیے اور اگر واقعی اپنے والد کے قاتلوں کی نشاندہی چاہتے ہیں تو مجھ سے تعاون کیجیے۔''

''جی فرمائیے۔''

''فیصل کون ہے۔'' شہروز نے سوال کیا اور قیصر جمال اچھل پڑا۔

''آپ...... آپ اسے کیسے جانتے ہیں۔ وہ میرا دوست ہے۔''

''کہاں ہے۔''

''میں یہ نہیں جانتا۔''

''یورپ میں اس کے کیا مشاغل تھے۔''

''اس کے مشاغل۔''

''جی ہاں...... آپ کا دوست ہے تو آپ کو اس بارے میں معلومات حاصل ہوں گی۔'' قیصر کے چہرے پر مختلف رنگ آ رہے تھے۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''وہ ایک لا ابالی اور کھلنڈرے سے مزاج کا نوجوان...... تعلیم کی غرض سے وہاں گیا تھا لیکن تعلیم کم اور دوسرے مشاغل زیادہ تھے وہ چھوٹے موٹے مجرمانہ اقدام بھی کر لیتا تھا۔ جو کم از کم ایسے نہیں ہوتے تھے جو قابل دست اندازی پولیس ہو۔''

''کتنے عرصے سے آپ کی اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔''

قیصر جمال سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے کہا۔'' بہت زیادہ وقت نہیں ہوا لیکن امریکہ ہی میں اس سے ملاقات ہوئی تھی اور اس کے بعد وہ شاید کہیں چلا گیا تھا۔''

''شاید۔''

''جی ہاں۔''

''کیا آپ کو دیار غیر میں اپنے دوست کے مشاغل معلوم نہیں تھے۔ اس نے آپ کو یہ بتایا نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔''

''نہیں۔''

''کوئی اطلاع نہیں تھی۔ اس کے بارے میں آپ کو۔''

''نہیں۔''

''ایلش پارکر سے شادی ہونے کے بعد وہ وہاں سے غائب ہوا تھا۔''

''جی ہاں، وہ ہماری شادی میں شریک تھا۔''

''اندازاً کتنے عرصے کے بعد۔''

''صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔''

''کیا آپ یہ بات جانتے تھے کہ وہ کہاں کا باشندہ تھا۔''

''میرے ہی وطن کا۔ میرے ہی شہر کا۔''

''کیا اس نے کبھی آپ کو اپنے والدین کا پتا بتایا تھا۔''

''نہیں۔''

''کیوں''

''اس لیے کہ میں نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔''

''یعنی بس ایسی ہی دوستی تھی آپ لوگوں کی۔''

''نہیں، جناب عادتیں ہوتی ہیں۔ مجھے اس کے گھریلو حالات معلوم کرنے سے کبھی دلچسپی نہیں ہوئی۔ اس لیے میں نے کبھی پوچھا بھی نہیں۔''

''اور اسے آپ کے گھریلو حالات معلوم تھے۔'' شہروز نے سوال کیا اور قیصر جمال سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''جی ہاں معلوم تھے۔''

''یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کے والد نے دوسری شادی کرلی ہے۔ آپ کے بہن بھائی بھی ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''قیصر خان صاحب کیا فیصل کے ایش پارکر سے بھی تعلقات تھے۔''

''ہم مشترکہ دوست تھے۔''

''ایش پارکر کی آپ سے ملاقات کس انداز میں ہوئی۔''

''بالکل عام انداز میں۔''

''فیصل کو کبھی آپ نے ایش پارکر کے قریب دیکھا۔''

''بارہا میں نے کہا ناں کہ ہم مشترکہ دوست تھے۔''

''گڈ..... تو قیصر جمال صاحب میں آپ کو ایک اور کہانی سنا رہا ہوں۔ کہانی یہ ہے کہ فیصل اور ایش پارکر کے تعلقات آپس میں بہت گہرے تھے ممکن ہے کبھی انہوں نے آپ کو اپنے ان گہرے تعلقات کی ہوا نہ لگنے دی ہو۔''

''پلیز، آفیسر پلیز۔''

''سنیئے اور غور کیجیے۔ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ چار افراد کے قتل کا معاملہ ہے۔ آپ بے شک اسے نظر انداز کرسکتے ہیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ پولیس کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ ہم ان معاملات کو قطعی نظر انداز نہیں کرسکتے۔''

''لیکن اگر آپ کوئی ایسی بات کہنا چاہتے ہیں۔ جو میرے لیے ناقابل برداشت ہو تو براہ کرم اس سے گریز کریں۔''

''بہت سی باتیں۔ آپ کے لیے ناقابل برداشت ہوسکتی ہیں لیکن اگر ان میں سے کچھ حقیقتیں ہیں تو ان سے گریز کیسے کیا جاسکتا ہے۔''

''اب آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ آفیسر۔''

''جو کہانی میں آپ کو سنانے جا رہا ہوں وہ یہ ہے کہ ایش پارکر دراصل آپ سے نہیں فیصل سے محبت کرتی ہے۔ ان دونوں کا آپس میں گٹھ جوڑ تھا۔ فیصل آپ کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ اسے علم تھا کہ آپ ایک دولت مند آدمی ہیں اور آپ کے گھریلو

مسائل کیا ہیں۔ پھراس نے ایلش پارکر کو اپنے ساتھ اس سازش میں شریک کیا اور ایلش پارکر اس کے ایماء پر آپ کی طرف متوجہ ہوئی۔ آپ دونوں کے درمیان گہرے تعلقات اور روابط ہوئے اور فیصل کی اسکیم کے تحت ایلش پارکر نے آپ سے شادی کر لی۔ جبکہ یہ سب در حقیقت فیصل کے ایماء پر ہوا تھا۔''

''آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔ آفیسر میں آپ کو اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔'' قیصر جمال نے غصے سے بپھرتے ہوئے کہا۔

''میں آپ سے اجازت طلب کر بھی نہیں رہا۔ قیصر جمال صاحب۔ سکون سے بیٹھئے اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ اسے غور سے سنیئے۔'' شہروز نے سخت لہجے میں کہا۔

''آپ......آپ عجیب بات کر رہے ہیں۔''

''میں کہہ رہا ہوں کہ آپ خاموش ہو کر صرف وہ سنیئے جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔'' شہروز کا لہجہ اس قدر سرد تھا کہ قیصر جمال کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ یہ خوب صورت نوجوان آفیسر جس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس کا لہجہ اس قدر خوفناک اور سرد تھا کہ اس وقت قیصر جمال کو وہ بے حد خوفناک لگا تھا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر خاموش ہو گیا انسپکٹر شہروز بولا۔

''ایلش پارکر نے فیصل کے ایماء پر آپ سے شادی کر لی اور آپ پر اپنی مضبوط گرفت قائم کر لی۔ اس کے بعد دولت کے حصول کے لیے دوسرا قدم اُٹھانے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ فیصل خاموشی سے بیرون ملک سے واپس آ گیا۔ یہاں آ کر اس نے آپ کے خاندان کے بارے میں چھان بین شروع کر دی۔ ان کے مشاغل معلوم کیے اور اس کے بعد اس نے ایک نیا کھیل کھیلا۔

وہ زمان خان کی حیثیت سے ایک ٹرک اڈے پر ایک شخص سے اپنے تعلقات قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا اور وہیں فیروز پلازہ نامی ایک عمارت میں ایک فلیٹ لے کر رہنے لگا۔ اس کا منصوبہ پوری کامیابی کے ساتھ زیر عمل تھا۔ اس مخصوص دن اسے اس بات کا علم ہوا کہ آپ کے والد سوتیلی ماں اور چھوٹے بہن بھائی کسی کام سے کہیں جا رہے ہیں۔ وہ ان کی تاک میں لگ گیا۔''

پھر ایک مناسب جگہ اس نے ان کی کار کو ٹرک سے ٹکر مار کر ان چاروں کو ہلاک کر دیا اور ان کی ہلاکت کے بعد اس نے وہ جگہ چھوڑ دی اور اپنے آپ کو کہیں اور منتقل کر لیا۔ سن رہے ہیں۔ آپ، آپ کو آپ کے والدین کی موت کی اطلاع ملی اور آپ اپنے وطن واپس آ گئے...... یہاں آ کر آپ نے صورت حال معلوم کی لیکن اس اتفاقیہ حادثہ کے بارے میں پولیس کو بھی کوئی حقیقت معلوم نہیں تھی۔

چنانچہ آپ کو کچھ نہیں معلوم ہو سکا تو رفتہ رفتہ آپ نے اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرنا شروع کر دیا۔ مسٹر قیصر جمال فیصل کا منصوبہ تقریباً پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے اور اب بھی اس کا ایلش پارکر سے رابطہ قائم ہے آپ جانتے ہیں ان لوگوں کا دوسرا قدم کیا ہو گا۔''

شہروز نے کہا اور جیب سے ایک شیشی نکال کر سامنے رکھ دی۔ قیصر جمال نے نہ سمجھنے والے انداز میں شیشی کو دیکھا تھا۔

''اس میں ایک مہلک زہر ہے۔ جس کے تین قطرے آپ کو روزانہ پلائے جاتے ہیں اور آپ کو یہ سلو پوائزن آہستہ آہستہ موت

کی جانب لے جا رہا ہے۔“

قیصر کے ہاتھ بے اختیار اپنے سینے پر پہنچ گئے تھے۔ شہروز نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہا۔

”لیکن ہم جاگ رہے ہیں، یہ سازش کامیاب نہیں ہونے دی گئی اور اسے ناکام بنانے میں آپ کے ایک ایسے وفادار ملازم کا ہاتھ ہے۔ جس کا نام میں ابھی آپ کو نہیں بتا سکتا لیکن یوں سمجھ لیجیے کہ اندر کے معاملات اس کے ذریعے مجھ تک پہنچے ہیں۔ یہ شیشی تبدیل کر دی گئی ہے اور اب آپ کی مسز جو لیکوئیڈ آپ کو دے رہی ہیں وہ زہر نہیں ہے۔ بلکہ ایک عام سادہ سا ٹانک ہے۔ جو قطعاً آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ خدا کا شکر ہے قیصر جمال کہ بروقت اس سازش کا علم ہم لوگوں کو ہو گیا اور آپ موت کے منہ میں جانے سے بچ گئے لیکن مجھے دکھ ہے کہ آپ کو ایک ایسی عورت نے ٹریپ کیا جو آپ کی بیوی ہے۔ جسے آپ نے اپنی زندگی کا ساتھی منتخب کیا ہے۔ قیصر جمال آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کی موت کے بعد آپ کی دولت آپ کی بیگم کو منتقل ہو جائے گی اور جب یہ دولت آپ کی بیگم کو منتقل ہو جائے گی تو فیصل کو اس کی زندگی میں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ ان لوگوں کا مشترک منصوبہ ہے۔“

قیصر جمال نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ دیر تک بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔ پھر فکر مند لہجے میں بولا۔

”لیکن آفیسر یہ بات...... یہ بات آپ کو۔“

”بے کار باتوں میں وقت ضائع نہ کیجیے قیصر جمال...... میں نے آپ کو شریک راز بنایا ہے۔ اگر آپ کو واقعی اپنے والدین کی موت اور خود اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی ہے تو آپ کو میرے منصوبے پر عمل کرنا ہوگا۔ ساری باتوں کی وضاحت خود بخود ہو جائے گی۔ میرے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ آپ کو اپنی زندگی پیاری ہے تو آپ اپنے آپ کو سنبھالیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت سے پہلے ان لوگوں پر یہ بات ظاہر ہو جائے کہ آپ ان کی حقیقت سمجھ چکے ہیں۔“

قیصر آہستہ آہستہ نارمل ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار بھی نمودار ہو گئے تھے۔ پھر اس کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔

”شاہینہ ایسی ہے۔“

”ہاں ڈیئر قیصر جمال۔ تم کیا سمجھتے ہو یہ یورپین چھپکلیاں جو انتہائی معمولی گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں، ان کا مستقبل یہ ہوتا ہے کہ وہ کال گرل بن جائیں اور ان کے لیے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہاں اگر انہیں کوئی بے وقوف مل جائے جو صرف ان کے رنگ روپ پر نثار ہو کر ان کی شخصیت کو نظر انداز کر بیٹھے تو بھلا اس سے زیادہ خوش قسمتی ان کے لیے اور کیا ہو سکتی ہے۔ آپ بھی ایک ایسی عورت کے جال میں پھنسے ہیں اور وہ کامیابی سے اپنی منازل طے کر رہی ہے۔“

”ہاں...... میں سوچ نہیں سکتا تھا کہ شاہینہ ایسی ہو سکتی ہے۔“

”اگر آپ سوچ سکتے تو اس جال میں کیسے گرفتار ہوتے۔“

”لیکن آفیسر ہو سکتا ہے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔“

''ہاں ہوسکتا ہے لیکن آپ مجھے یہ بتایئے کہ آپ اس سلسلے میں میرے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں یا پھر مجھے کوئی اور بندوبست کرنا پڑے گا۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''اس سازش کو مکمل طور پر طشت ازبام کرنے کے لیے ابھی مجھے کافی کام کرنا ہے۔ آپ پر ان حالات کا انکشاف میں نے اس لیے بھی کر دیا ہے کہ کہیں آپ کو کسی اور ذریعے سے دھوکا دے کر قتل نہ کر دیا جائے۔ اس لیے آپ کو محتاط رکھنا ضروری ہے۔''

''تت......تو پھر......تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''آپ ایسا کیجیے کہ پندرہ دن کے لیے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیجیے۔''

''کیا آپ مجھے گرفتار کریں گے۔''

''ہرگز نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔'' وہ خاصا مضطرب نظر آ رہا تھا۔

''اپنے حوالے کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ میرے اشاروں پر کام کیجیے اور اگر میرے یہ اندازے غلط ثابت ہو جاتے ہیں تو آپ اطمینان رکھیے میں آپ سے دست بستہ معافی مانگ لوں گا اور مسٹر قیصر کی بھی عزت کروں گا۔''

''نہیں آفیسر یہ تو میں جانتا ہوں کہ پولیس کو کسی سے ذاتی پرخاش تو نہیں ہوتی۔''

''ہاں مسٹر ایش پارکر سے بھی مجھے کو ذاتی پرخاش نہیں ہے اور نہ ہی ہم فیصل سے کوئی دشمنی رکھتے ہیں لیکن اگر مسٹر اعظم علی اور ان کی بیوی بچوں کا قاتل فیصل ہے اور آپ کی بیگم ایش پارکر بھی اس کی شریک کار ہے۔ تو پھر آپ یہ سمجھ لیجیے کہ ہم کسی قیمت پر انہیں نہیں چھوڑیں گے۔''

''تو آپ کیا سمجھتے ہیں۔ آفیسر میں اتنا بے غیرت بیٹا ہوں کہ اپنے باپ کے قاتل کو اپنے سینے پر پروان چڑھاؤں گا۔''

قیصر جمال نے کہا۔

''ہونا بھی نہیں چاہیے۔ آپ جس قوم کے باشندے ہیں۔ وہ کم از کم اس طرح غیروں کا نشانہ نہیں بن سکتی لیکن آپ کو اپنے آپ پر مکمل قابو رکھنا ہوگا۔''

''آپ مطمئن رہیں۔ جب آپ نے میرے سامنے حقیقت کا اظہار کر دیا ہے۔ تو میں آپ کے سامنے کوئی کمزور شخصیت ثابت نہیں ہوں گا۔''

''شکریہ مسٹر قیصر جمال آپ کو بڑی ہمت کے ساتھ ہر کام کرنا ہے۔''

''اب آپ مطمئن رہیے۔ آپ مجھے کمزور نہیں پائیں گے۔''

''تو پھر سنیئے۔ آپ کو آج سے اداکاری کا آغاز کرنا ہے۔''

"کیسی اداکاری۔"

"آپ اپنے سینے میں جلن کا اظہار کریں گے اور اپنے آپ کو بیمار ظاہر کریں گے جس سے ان لوگوں کو یہ اندازہ ہو جائے کہ آپ پر یہ زہر اثر انداز ہو رہا ہے اور اس کے بعد آپ کو دو یا تین دن کے اندر یہ کہہ کر گھر سے نکلنا ہے کہ کاروبار کے سلسلے میں آپ کو کہیں باہر جانا پڑے گا۔"

"جی پھر۔"

"اور اس کے بعد آپ کو میرے پاس آجانا ہے۔ میں وہ جگہ آپ کو بتا دوں گا جہاں آپ کو آنا ہے۔"

"پھر اس کے بعد میں جو کچھ بھی کروں گا۔ اس کا براہ کرم ابھی جواب طلب نہ کیجیے گا۔ یہ میں آپ کو تفصیل سے بتا دوں گا۔ ویسے آپ چاہیں تو انتہائی احتیاط کے ساتھ اپنی بیگم کو پرکھ سکتے ہیں اور یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ آپ کے لیے دل میں کیا تصورات رکھتی ہیں۔"

قیصر جمال کرسی سے ٹک گیا تھا۔ اس کے چہرے پر دلی افسوس کے تاثرات تھے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"آپ مطمئن رہے ہیں۔ جناب آپ جس طرح کہیں گے میں اسی طرح کروں گا۔"

"ویری گڈ میں اب بھی آپ کو پیش کش کر رہا ہوں کہ اگر کہیں میرا یہ خیال غلط ثابت ہو جائے۔ تو آپ مطمئن رہیے آپ کو اور آپ کی مسز کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"آپ نے فیصل کو یہاں دیکھا ہے۔"

"ان باتوں سے گریز کیجیے۔ وقت خود بخود آپ کے سامنے بہت سے فیصلے کرے گا۔ ویسے میرا نمبر رکھ لیجیے۔ اگر کوئی اہم بات اس دوران ہو تو آپ اس نمبر پر مجھ سے رابطہ کر سکتے ہیں۔"

"جی بہت بہتر۔"

"انتہائی معذرت خواہ ہوں کہ آپ کو یہ ذہنی صدمہ پہنچایا اور تکلیف بھی دی لیکن بہرحال یہ سب بہت ضرورت تھا اور میں بھی اس کے لیے مجبور تھا۔"

"میں جانتا ہوں۔ آفیسر۔"

"آیئے اب یہاں سے اُٹھیں۔" شہروز نے کہا اور بل طلب کیا۔

قیصر جمال نے کار اسٹارٹ کی دوسری کار نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اس دوران قیصر اپنی گاڑی کے اسٹیرنگ پر بیٹھا اس کار کو گھورتا رہا تھا۔ جس سے شہروز گیا تھا پھر اس نے اپنی کار بھی گیئر میں ڈالی اور آگے بڑھا دی۔ دل و دماغ مکمل طور پر بے سکون ہو گئے تھے۔ کیا واقعی یہ سچ ہے۔ کیا واقعی شاہینہ بے وفا ہے۔ کیا، کیا، کیا وہ اور پھر بیرون ملک کی لاتعداد داستانیں اس کے ذہن سے ٹکرانے لگیں۔

یہ بے وفا قوم ہے۔ کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیتی اور لاتعداد لوگ ان یورپین لڑکیوں کا شکار ہو چکے ہیں۔ جن کا تعلق دوسرے ممالک

سے تھا اور جو سادہ لوح تھے۔ کیا واقعی میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے لیکن میں نے تو شاہینہ کو زندگی کا ہر سکھ ہر خوشی دی ہے۔ میں نے تو ہمیشہ اس کے ساتھ بہتر سے سلوک کیا۔ وہ...... وہ...... وہ فیصل کو چاہتی ہے۔ بہت سے واقعات اس کے ذہن میں گردش کرتے رہے۔ ماضی پر نظر ڈالی تو کئی بار اسے اس قسم کے شبہات کا اظہار ہوا جن پر پہلے اس نے توجہ نہیں دی تھی۔

فیصل اور ایش پارکر واقعی ایک دوسرے سے بہت زیادہ بے تکلف تھے اور اس وقت قیصر جمال نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا تھا لیکن آج بے تکلفی کے وہ لمحات اسے یاد آ رہے تھے۔ وہ اپنے آپ کو مسلسل دھوکہ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ خدا کرے ایسا نہ ہو۔ خدا کرے کہ وہ بیوفا نہ ہو۔ میں نے تو اسے بڑی سچائیوں سے چاہا تھا لیکن اگر وہ واقعی اس آفیسر کے کہنے کے مطابق ہے۔ تو پھر قابل معافی نہیں ہے۔ اعتماد کا قتل جسم کے قتل سے کہیں زیادہ بدترین ہوتا ہے اور اعتماد کے قاتل کو سزا ملنا ہی چاہیے اور پھر اگر اس کی وجہ سے اس کے والد کی زندگی بھی ضائع ہوئی ہے۔ تو پھر لعنت ہے۔ میری اس عیش و عشرت کی زندگی پر۔

میں نے اپنے باپ کی لاش پر اپنے لیے سکون کا محل تعمیر کیا ہے۔ یہ تو ایک بدترین عمل ہے۔ جس پر میں خود اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکتا۔

نجانے کیا کیا سوچیں دامن گیر رہیں اور وہ بہت دیر تک سڑکوں پر گاڑی گھماتا رہا۔ پٹرول ختم ہو رہا تھا۔ ایک پٹرول پمپ پر اس نے گاڑی کا ٹینک فل کرایا۔ زیادہ دیر گھر سے باہر رہنے کا مطلب ایش پارکر کو شک کا شکار کرنا تھا۔ اس کے مشاغل میں کوئی تبدیلی نہیں آنی چاہیے۔ کم از کم اس آفیسر کے کہنے کے مطابق تھوڑا تجربہ تو کر کے دیکھا جائے۔ ممکن ہے آفیسر کا ہی خیال غلط نکلے لیکن اپنے آپ کو سنبھالنا بے حد ضروری ہے ذرا سی لغزش نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اسے زہر کی اس شیشی کا خیال آیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ ایش پارکر اس کی زندگی سے کھیلنا چاہتی ہے۔ کیا وہ ایسی ہے پھر وہ اس کے سراپا میں ڈوبا ہوا اپنی کوٹھی تک پہنچا تھا لیکن گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی اس نے اپنے آپ کو مکمل طور پر سنبھال لیا تھا۔

ملازمین اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ ایش پارکر شاہینہ نے اپنی مخصوص اور خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور مسکراتی ہوئی بولی۔

”جناب کو گھڑی کا کچھ خیال ہے۔“

”گھڑی۔“

”دیکھیے ناں کیا ٹائم ہو رہا ہے۔“

”ہاں، سوری شاہینہ کیا بتاؤں تمہیں۔“

”کیوں کوئی خاص بات ہے۔ آئیے پہلے کپڑے تبدیل کر لیجیے۔“

چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے اس نے محبت بھری نگاہوں سے شاہینہ کی طرف دیکھا اور غور کرنے لگا کہ وہ اپنی اداکاری میں

کامیاب ہے یا نہیں۔ شاہینہ مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ہنس کر بولا۔

''شاہینہ کیا ہماری اس گھریلو زندگی کا آغاز نہیں ہو گیا جو انسانوں کے ذہن میں ہوتی ہے۔''

''اب اس میں کوئی شک کی بات ہے۔''

''نہیں تھوڑے ہی دن پہلے کی بات تو ہے۔ ہم نے اس انداز میں نہیں سوچا تھا۔''

''سوچا تھا۔ مسٹر قیصر جمال۔''

''کب۔''

''جب ہم نے شادی کی تھی، ورنہ ہم دوست تھے۔ دوستوں کی حیثیت کے ساتھ رہ رہے تھے۔ شادی کرنے کے بعد تو ہم نے اس زندگی کا آغاز کیا تھا۔ جس کا پھل اب ہمیں مل رہا ہے۔ کاش آپ کی زندگی میں وہ المیہ رونما نہ ہوا ہوتا۔ آپ یقین کیجیے قیصر جمال میں تو یہ محسوس کرتی ہوں کہ آپ کی یہ دکھی کیفیت میرے نقصان کا باعث ہے۔''

''وقت ہر زخم مندمل کر دیتا ہے۔ شاہینہ، ماں کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ مگر باپ کی موت کو میں نظر انداز نہیں کر سکتا۔ میرے دل پر گہرا صدمہ ہے۔ ویسے ان دنوں نجانے کیوں میری طبیعت بھی کچھ گری گری رہتی ہے۔'' قیصر جمال نے کہا اور اس نے بخوبی شاہینہ کو چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے دل کو ایک دھچکا سا لگا تھا لیکن بہرحال اس نے خود کو سنبھالے رکھا۔

''گری گری سی محسوس ہوتی ہے۔'' شاہینہ نے بے چینی سے پوچھا۔

''ہاں سینے میں ایک عجیب سی جلن کا احساس رہتا ہے۔''

''بدہضمی تو نہیں ہے۔''

''وہ جلن بدہضمی کی نہیں ہے۔ پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔ اعصاب بھی کچھ گرے گرے سے محسوس ہو رہے ہیں۔''

''کب سے ایسا ہو رہا ہے۔''

''بس ایک دو دن سے۔''

''کسی ڈاکٹر سے رجوع کریں۔''

''ارے نہیں اس کی ضرورت نہیں ہو سکتا ہے کام کی تھکن ہو۔ اصل میں شاہینہ میں نے یہ زندگی بھلا کب گزاری ہے۔''

''یہ بات تو ہے۔ قیصر لیکن صحت مند رہنا بھی ضروری ہے۔''

''ہاں میں یہ بات بھی میں جانتا ہوں۔ بہرحال اب دیکھو ایک ضروری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا ہے اور غالباً دو یا تین دن میں واپسی ہو گی۔''

''شہر سے باہر۔''

''ہاں، دوسرے شہر۔''

''کیوں۔''

''بھئی کاروبار کے سلسلے میں۔''

''لیکن تمہارا جانا کیا ضروری ہے کسی اور کو بھیج دو۔''

''میرا ہی جانا ضروری ہے۔ شاہینہ۔''

''میں بھی چلوں ساتھ۔''

''میرا خیال ہے۔ مناسب نہیں رہے گا۔ کیونکہ معاملہ خالصتاً کاروباری ہی ہے۔''

''ہاں میں تو بور ہو جاؤں گی۔''

''یقیناً میں تمہیں لے جا بھی نہیں سکتا۔''

''تو کب جا رہے ہو۔''

''میرا خیال ہے۔ کل دوپہر کو آفس ہی سے نکل جاؤں گا۔''

''اتنی جلدی۔''

''ہاں...... بھئی کوشش کروں گا کہ کام جلد سے جلد ختم ہو جائے۔''

''امکان کیا ہے۔''

''کیا مطلب۔''

''میرا مطلب ہے۔ واپسی کا امکان کیا ہے۔''

''کم از کم تین دن۔''

''اوہ میرے خدا مجھے تین دن تم سے جدا رہنا پڑے گا۔''

''اب تو ہماری زندگی میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہو گیا ہے۔ آئندہ بھی ایسا ہوا کرے گا۔''

''میں عادت ڈال لوں گی۔ ظاہر ہے۔ مجھے تمہاری زندگی کے ہر لمحے سے تعاون کرنا ہے۔''

''ایک بات بتاؤ شاہینہ۔''

''ہاں پوچھو۔''

''تم مجھ سے مطمئن ہو۔''

''کیوں، یہ سوال تم نے کیوں کیا۔''

''دل چاہ رہا ہے۔''

''تمہارا اپنا کیا اندازہ ہے۔''

''نہیں یہ جواب نہیں ہے۔ میرے سوال کا۔''

''جناب میں بالکل مطمئن ہوں۔''

''شاہینہ تم بہت خوب صورت ہو۔''

''شکریہ۔''

''اور میں نے بارہا محسوس کیا ہے کہ میں تمہارے معیار پر پورا نہیں اترتا۔''

''قیصر جمال۔ اب ایسی باتیں کرو گے۔''

''نہیں شاہینہ واقعی ویسے اس میں کوئی شک نہیں یورپین زندگی بھی بڑی خوشگوار تھی۔ کیا خیال ہے۔ شاہینہ ہم یہ کاروبار یہاں سے ختم کر کے کیوں نہ یورپ واپس چلیں۔''

''یورپ۔'' وہ عجیب سے انداز میں بولی۔

''ہاں کیوں۔''

''ابھی ہمیں یہاں آئے ہوئے وقت ہی کتنا گزرا ہے۔ دیکھیں گے سوچیں گے اس کے بارے میں بھی۔''

''ہاں ظاہر ہے۔ جلدی تو میں بھی نہیں کر سکتا۔''

''ویسے تمہاری طبیعت اب کیسی ہے۔''

''بس ایک بوجھ ہے۔ دل و دماغ پر۔''

''تھوڑا سا آرام کر لیا کرو۔ اب اس وقت مجبوری ہے۔ باہر چلے جاؤ۔ بے شک لیکن اس کے بعد میں سمجھتی ہوں کہ کچھ دن ریسٹ کرنا چاہیے۔ گھر پر ہی آرام کرنا مناسب ہوگا۔ میں خود بھی اس بات کی قائل نہیں ہوں کہ ذرا ذرا سی بات پر ڈاکٹروں کو اپنی جانب متوجہ کیا جائے۔ انسان خود بخود اپنے آپ کو بیمار محسوس کرنے لگتا ہے۔''

''میں تو ویسے بھی ڈاکٹر وغیرہ کا قائل نہیں ہوں۔ بس ہو سکتا ہے یہ اعصابی تھکن ہو۔''

''اعصابی تھکن سے واقعی سینے میں جلن ہو جاتی ہے۔'' شاہینہ بولی۔

''ہاں، بہرحال چھوڑو کس چکر میں پڑ گئے۔ کیا خیال ہے۔ کہیں گھومنے چلیں۔''

''نہیں، میں اس وقت تمہیں بالکل کہیں گھومنے کی اجازت نہیں دوں گی۔ چلو آرام کرو۔'' شاہینہ نے کہا اور پھر بہت دیر تک قیصر کے پاس بیڈروم میں بیٹھی رہی تھی اور پھر اس نے کہا۔

''میں تمہارے لیے کچھ لے کر آتی ہوں۔''

''ابھی تو چائے پی ہے۔''

''رات کا کھانا۔''

''ابھی نہیں کھاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ پھر تم ایسا کرو۔ تھوڑی دیر آرام کرلو۔ میں واقعی تم میں تھکن کے آثار پا رہی ہوں۔''

''او کے شاہینہ۔ تھینک یو ویری مچ۔'' قیصر نے کہا اور اپنے بستر پر آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ شاہینہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

قیصر جمال کے دل و دماغ پر ایک سنسنی سی طاری تھی۔ پتا نہیں آفیسر کے کہنے کے مطابق اثرات یا پھر ایک حقیقت، وہ اس سے کچھ خوفزدہ سا ہو گیا تھا۔ شاہینہ اس کی زندگی کے درپے ہے۔ وہ اسے زہر دے رہی ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے۔ کیا اس کا اندازہ اب تک اس کا طریقہ کار یہ سب کچھ تو اس بات کی نفی کرتا تھا۔ کیا وہ اسے بے وقوف بنا رہی ہے۔ آہ...... شاہینہ اگر ایسا ہے تو تم یقین کرو تم نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔ میں نے تو کبھی تمہارے بارے میں غلط انداز میں نہیں سوچا۔ میں نے تمہیں زندگی کا ساتھی اور سہارا سمجھا۔ بات جہاں تک فیصل کی ہے۔ شاہینہ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ وہ جس طرح اپنے دوست کو دھوکہ دے سکتا ہے۔ اسی طرح تمہیں بھی۔

آہ، کاش یہ سب کچھ سچ نہ ہو لیکن اگر یہ سچائی ہے تو اس بات پر بھی یقین کرلوں، اگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتا تو تمہارے ساتھ کبھی نہیں رہتا۔ وہ صرف اس دولت کے حصول میں پڑ جاتا جو میرے ذریعے تم تک منتقل ہوتی۔ اگر یہ سب کچھ سچ ہے تو شاہینہ تو نے واقعی ایک اچھے انسان کے ساتھ برا سلوک کیا ہے۔ تجھے یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کاش تو نے ایسا نہ کیا ہوتا۔

لیکن...... لیکن میں اپنی اس بے کلی سے کیسے نجات پاؤں گا۔ وہ نجانے کب تک اس غم و اندوہ کا شکار رہا۔ پھر اس کے ذہن پر آہستہ آہستہ نفرتیں ابھرنے لگیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ میری وجہ سے میرا باپ قتل ہوا۔ آہ کچھ بھی تھا لیکن میرے باپ نے تو کبھی میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی تھی۔ شاہینہ میری شاہ خرچی ہی کی وجہ سے میری طرف متوجہ ہوئی تھی۔ بے شک ڈیڈی نے دوسری شادی کر لی تھی لیکن میری جانب سے وہ کبھی غافل نہیں ہوئے۔ مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں دی اور میری وجہ سے وہ موت کی نیند جا سوئے۔

☆......☆......☆

بے شک مجھے ان معصوم بہن بھائیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن بہر حال وہ تو اس سارے معاملے میں بالکل ہی بے قصور تھے۔ یہ تو بہت ہی برا ہوا ہے۔ افسوس یہ تو بہت ہی برا ہوا ہے۔ وہ متضاد کیفیات کا شکار رہا پھر شاہینہ ہی نے اسے جگایا تھا۔

''سوتے رہو گے۔ کیسی طبیعت ہے اب۔''

''میں واقعی سو گیا تھا۔'' اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔ شاہینہ کی قربت سے اسے خوف سا محسوس ہونے لگا لیکن بہر حال اب وہ اس قدر احمق بھی نہیں تھا کہ اس خوف کا اظہار شاہینہ پر کر دیتا، اس نے کہا۔

''بس ٹھیک ہے طبیعت۔ ایسا کرنا شاہینہ! دو چار جوڑے کپڑے نکال دینا، تین دن کے لیے کافی ہوں گے۔ ایک چھوٹے سے سوٹ کیس میں دیگر ضروریات کی چیزیں بھی رکھ دینا۔''

''میں سب کر دوں گی۔ کیا اپنی گاڑی سے جاؤ گے۔''

''نہیں بھئی، اپنی گاڑی چھوڑ جاؤں گا۔ تم آفس سے منگوا لینا۔''

''پروگرام کیا ہے۔''

''بتایا تھا تمہیں، صبح کو یہ سب چیزیں تیار کر کے گاڑی میں رکھوا دینا اور اس کے بعد میں آفس چلا جاؤں گا پھر وہیں سے اپنے کام پر نکل جاؤں گا، تم میری کمی کو محسوس تو نہیں کرو گی۔''

''کیوں، تم کیا سمجھتے ہو محسوس نہیں کرنا چاہیے مجھے۔''

''مجبوری ہے۔''

''یہ تو میں جانتی ہوں، میں نے تم سے کچھ کہا اس سلسلے میں۔''

''نہیں شاہینہ! ٹھیک ہے۔ چلو اب کیا پروگرام ہے۔ آج طبیعت کچھ مضمحل سی ہے۔''

''کہیں باہر چلیں۔''

''ہاں، ایسا کرتے ہیں، کھانا باہر کھائیں گے۔'' قیصر نے کہا اور شاہینہ تیار ہو گئی۔ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر تردد کے نقوش نظر آئے تھے لیکن دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ قیصر نے دل ہی دل میں سوچا کہ ممکن ہے کہ یہ سوچ رہی ہو کہ باہر کے کھانے میں وہ اپنی کاروائی کی تکمیل کیسے کرے گی، وہ زہر اسے کیسے دے سکے گی لیکن بہر حال وہ خود بھی خوفزدہ تھا۔ حالانکہ شہروز نے اسے کہہ دیا تھا کہ زہر کی شیشی تبدیل کر دی گئی ہے لیکن پھر بھی نجانے کیوں قیصر کے ذہن میں خوف کا احساس تھا...... بہر حال تھوڑی دیر کے بعد وہ وہاں سے باہر نکل آئے اور قیصر اسے اپنی کار میں بٹھا کر لے چلا...... ایک خوبصورت سے ہوٹل میں انہوں نے اپنے لیے ایک میز منتخب کی اور بیٹھ گئے...... ویٹر نے مینیو لا کر رکھ دیا تھا۔

''تمہاری پسند سے کھاؤں گا۔'' قیصر نے کہا اور شاہینہ ویٹر کو آرڈر نوٹ کروانے لگی۔ ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا اور وہ اس سے باتیں کرنے لگا۔

☆......☆......☆

دل و دماغ شدید ہیجان کے شکار تھے۔ پوری دنیا میں اب اس کے علاوہ کون ہے لیکن یہ...... یہ دشمن ہے...... اسے قتل کرنا چاہتی ہے یہ جس کے لیے دل میں پیار ہی پیار ہے۔ مجھ سے زیادہ بدنصیب بھی روئے زمین پر کوئی دوسرا نہ ہوگا ماں باپ ختم ہو گئے، چھوٹے چھوٹے بہن بھائی بھی تھے۔ بلاوجہ ذہن میں شدت آ گئی تھی۔ سوتیلی ماں بہر حال انسان ہی تھی۔ کیا بگاڑتی میرا، کیا کر لیتی۔ دنیا جب برائی

پر آمادہ ہوتی ہے تو پھر تعین مشکل ہو جاتا ہے۔ جنہیں دشمن سمجھا جائے، وہی سب سے زیادہ اور برے دوست بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔

یہ فیصلہ کرنا مشکل کام ہے کہ کس کے دل میں دشمنی چھپی ہوئی ہے اور کون دشمن ہے۔ اگر باپ سے تعاون کر لیتا، ماں کی موت کو تقدیر کا فیصلہ سمجھ لیتا تو اتنی دوری تو نہ ہوتی یا ان سے پھر اسے زندگی میں شامل کرنے سے پہلے کچھ دعائیں حاصل کر لیتا۔ کم از کم باپ سے مشورہ ہی کر لیتا تو آج یہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ آہ کیا کروں، کیا دل کی حالت اسی سے بیان کر دوں، اس سے کہوں کہ بدبخت عورت میری دولت چاہتی ہے تو لے لے، جو کچھ میرے پاس ہے، سب مجھ سے لے لے۔ بس مجھ سے اپنا پیار نہ چھین۔ میں اوباش فطرت نہیں ہوں کسی سے دشمنی مول نہیں لے سکتا۔ مجھے محبت چاہیے یا پھر اس پولیس آفیسر کو ہی گولی مار دوں جو میرے ذہن کو پراگندہ کر گیا ہے۔

"کیا بات ہے ڈارلنگ، کچھ عجیب سے نظر آ رہے ہو، کھوئے کھوئے سے، پریشان پریشان سے۔" ایش پار کرنے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کیا اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ ایک لمحے کے لیے دل چاہا کہ ساری حقیقتیں اس کے سامنے منکشف کر دے۔ محبت بھی مانگے اور زندگی کی بھیک بھی لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھالا کہ نہیں، اب اس قدر کھلونا بھی نہیں بننا چاہیے اور پھر بات ان مظلوموں کی بھی ہے جنہیں اگر میری وجہ سے مارا گیا ہے تو شاید میرے لیے بھی معافی کا کوئی خانہ نہیں ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے، کبھی کبھی اولاد کی پرورش کر کے انسان ایسے خسارے سے بھی دوچار ہو جاتا ہے۔ فوراً ہی دل میں مکاری نے جنم لیا اور وہ مسکرا کر بولا۔

"شاہینہ! کیا تمہیں علم ہے کہ میں تم سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے مجھے علم نہیں ہوگا۔"

"ہونا چاہیے۔"

"میں جانتی ہوں ڈیئر۔"

"بس تو پھر یہ سمجھ لو کہ اس تین دن کی جدائی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"چھوڑو، کیوں اپنے سر اتنے جھگڑے مول لیے ہیں۔ کاروبار پہلے بھی چل رہا تھا، چلتا رہے گا۔ طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ اگر کوئی اتنا ہی ضروری کام ہے تو کسی اور کو بھیج دو۔" شاہینہ یا ایش پار کرنے دلسوزی سے کہا۔

"جانا ہی تو ضروری ہے، کسی اور سے کام چل سکتا تو ضرور اسے بھیج دیتا۔"

"تو پھر ہمت کرو، ظاہر ہے میں تمہاری بیوی ہوں، تمہاری واپسی کا انتظار کروں گی۔"

قیصر ہنس دیا پھر اس کے بعد وہ، بہت دیر تک ہوٹل میں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد قیصر اپنی جگہ سے اُٹھ دیا۔

خواب گاہ میں جب تک ایش پار کر جاگتی رہی، وہ اس سے باتیں کرتا رہا پھر سو گیا لیکن یہ سونا صرف دکھاوے کے لیے تھا۔ احساسات بھلا سونے دیتے، جاگتا رہا اور سوچتا رہا۔ دل و دماغ بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔ ایسی کسی شخصیت سے دل کی بات کیا کہنا جو زندگی بھی لینے کے درپے ہو لیکن کیا اس بدبخت عورت کو اور کیا اس بے غیرت انسان کو اپنی دولت دے کر اس دنیا سے رخصت ہو جانا

چاہیے۔ ہرگز نہیں......اتنی آسانی سے مرنے والوں میں بھی نہیں ہوں میں۔

رات کے نجانے کون سے حصے میں اس نے اپنے آپ کو بہر حال اس تجربے کے لیے تیار کرلیا تھا۔ حالانکہ دل کے ہر گوشے سے یہی آواز نکلتی تھی کہ آفیسر کو بھی غلط فہمی ہی ہوئی ہے لیکن اگر فیصل عظیم اس طرح یہاں موجود ہے اور ایش پارکر سے اس سے معاملات چل رہے ہیں تو پھر......

صبح کو ناشتے پر البتہ وہ پرسکون تھا۔

پھر ایش پارکر نے اس کے لیے لباس تیار کیے، اس کے پسندیدہ لباس۔ اگر آفیسر کا کہنا سچ ہے تو یہ عورت دنیا کی سب سے بڑی اداکارہ ہے۔ اسے اس شاندار اداکاری کے ایوارڈ ملنے چاہئیں۔ لیکن بہر حال تجربہ شرط ہے، چنانچہ وہ ایش پارکر سے رخصت ہو کر اپنا سوٹ کیس اپنی گاڑی میں رکھ کر دفتر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

''ڈرائیور گاڑی لے آئے گا اور اس دوران جب میں یہاں موجود نہیں ہوں۔ تمہیں مکمل آزادی ہے، گھومنا پھرنا اپنی پسند کی تفریحات کرنا۔''

''کس کے ساتھ۔'' ایش بولی۔

''ضروری ہے کہ کسی کا ساتھ ہو۔ میرے تصور کو اپنے ساتھ قائم رکھنا۔''

پھر وہ کار میں بیٹھ کر کافی دیر تک سوچتا رہا۔ آخر کار شہروز کو فون کیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس سے رابطہ قائم ہو گیا۔

''شہروز صاحب! میں قیصر جمال بول رہا ہوں۔''

''جی قیصر جمال صاحب۔''

''آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے تمام کام کرلیا ہے۔''

''گڈ، دفتر سے کس وقت اُٹھیں گے۔''

''لنچ کے بعد۔''

''تو پھر ٹھیک ہے، میں آپ کو ایک پتہ بتا دیتا ہوں یا تو اس پتے پر آجایئے یا پھر جیسا بھی آپ پسند کریں۔''

''نہیں، میں آجاؤں گا۔ آپ مجھے پتہ بتا دیجیے۔'' اور شہروز نے اسے کریم سوسائٹی کا پتہ بتا دیا پھر بولا۔

''آپ یہاں آرام سے پہنچ جائیں گے۔ ممکن ہو سکا تو میں آپ کو یہیں ملوں گا۔''

''بہت بہتر شہروز صاحب! میں آپ کی ہدایت کے مطابق اس پتے پر پہنچ جاؤں گا۔''

لنچ پر اس نے منیجر کو اپنے کام سمجھائے اور اس سے بھی یہی کہا کہ ایک ضروری کام کے سلسلے میں وہ شہر سے باہر جا رہا ہے اور دو تین دن تک اس کی واپسی ممکن نہیں ہوگی۔ گاڑی بھی اس نے ڈرائیور کے حوالے کر دی تھی اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑا تھا۔

کافی دور تک وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر سفر کرتا رہا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو اس نے ائیر پورٹ چلنے کے لیے کہا تھا لیکن پھر جب اسے یقین ہو گیا کہ اس وقت کوئی بھی اس کی نگرانی کے لیے موجود نہیں ہے تو اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

''معاف کرنا ڈرائیور! کچھ غلطی ہو گئی۔''

''کیا ہوا صاحب''

''یار! میں اپنا ٹکٹ وغیرہ تو بھول ہی آیا جس جہاز سے مجھے سفر کرنا تھا۔ وہ دس منٹ کے اندر اندر روانہ ہو جائے گا، ٹائم ختم ہو گیا۔''

''آپ بولو صاحب کیا کرے۔''

''چلو یار چلو...... دوسری بکنگ کرانی پڑے گی۔''

''اِدھر ہی لے چلے صاحب جدھر سے آپ کو لایا ہے۔''

''نہیں، میں تمہیں پتہ بتاتا ہوں۔'' تھوڑی دیر کے لیے وہ کریم سوسائٹی پر اُتر گیا تھا۔ کوٹھی تلاش کرنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس لے کر وہ کوٹھی کے گیٹ پر پہنچا تو ایک آدمی اسے اپنا منتظر ملا۔

''آپ کا نام قیصر جمال ہے جناب!'' اس نے سوال کیا۔

''ہاں...... میں قیصر جمال ہوں۔''

''میرا نام نیاز خان ہے۔''

''میں شہروز صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''اندر آپ کا انتظار کر رہے ہیں، آیئے۔'' نیاز خان نے کہا اور قیصر جمال کو لے کر اندر چل پڑا۔ ایک بڑے سے خوبصورت کمرے میں اسے انسپکٹر شہروز اور ایک خوب صورت سی لڑکی نظر آئی تھی شہروز نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔

''آیئے قیصر جمال صاحب...... یہ ناہید ہیں اور مجھے اسسٹ کرتی ہیں۔''

شہروز نے ناہید کو سلام کیا اور بولا۔ ''رسمی طور پر مجھے یہی کہنا چاہیے مس ناہید کہ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں زندگی کے جس عذاب میں گرفتار ہوں، اس میں شاید خوشیوں کا کوئی گزر نہیں ہے، اس لیے الفاظ کو ادا نہ کرنے پر مجھے معاف کر دیجیے گا۔''

''بیٹھے قیصر جمال صاحب زندگی میں بہت سے کھیل ایسے ہوتے ہیں جو انسان کی توقع کے خلاف ہوتے ہیں، شہروز صاحب سے مجھے آپ کی پوری داستان معلوم ہو چکی ہے اور وہ اس لیے کہ بہر حال میرا اور ان کا جو تعلق ہے اس میں یہ سب کچھ بے حد ضروری تھا ...... بات اصل میں صرف اتنی سی ہے کہ تھوڑی سی غلطی کبھی کبھی نجانے کتنے بڑے نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔ مجھے تو صرف اس بات کا

دکھ ہے کہ آپ کے والد...... والدہ اور بہن، بھائی اس دولت کا شکار ہو گئے جو بہر حال لازمی طور پر ابھی کسی کے قبضے میں نہیں آئی ہے۔"

"قیصر جمال صاحب آپ نے شاہینہ صاحبہ کو مطمئن کر دیا ہے۔"

"جی ہاں۔" قیصر جمال نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"تھوڑا سا وقت آپ کو یہیں گزارنا ہوگا...... میں انتظامات کرتا ہوں اور اس کے بعد آپ کو میری ہدایت پر عمل کرنا ہوگا۔"

"آفیسر میں نہیں جانتا کہ آپ کی پوسٹ کیا ہے...... البتہ اتنا اندازہ مجھے ہو گیا ہے کہ آپ کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے، میں شہروز ہی کہہ کر آپ کو مخاطب کروں گا...... براہ کرم میری بات کا برا نہ مانیے۔"

"جی نہیں کسی کو کسی بھی نام سے مخاطب کریں، اس کا کیا تصور ابھرتا ہے۔"

"میں بہت دل برداشتہ ہوں سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں، بس یوں سمجھئے ایک بسی بسائی دنیا اجڑ گئی۔"

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے، آپ بدکرداروں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں اپنا فرض ادا کر رہے ہیں...... یقین کیجیے مجھے یہ کام تو کرنا ہی تھا۔"

"آہ، کوئی گنجائش تو باقی نہیں ہے...... میرا مطلب ہے شک کی کوئی گنجائش......"

"میں نہیں کہہ سکتا، لیکن بہر حال میرے الفاظ میں آپ کو مایوسی ہی ملے گی۔"

"تو پھر اب مجھے بتائیے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"آپ نے جب اطلاع دی کہ آپ یہاں پہنچ رہے ہیں تو میں نے بھی کچھ انتظامات کر لیے ہیں...... آپ کو اس کیس میں باقاعدہ پولیس کی مدد کرنی ہوگی اور آپ کو اپنا ذہن صاف کرنے کے لیے بھی یہ ضروری ہے، لیکن قیصر صاحب میں آپ کو تھوڑا سا بریف کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی۔"

"ابھی تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص یہاں پہنچے گا، میں اس سے آپ کی ملاقات کرواؤں گا اور پھر آپ کو اپنی ہی کوٹھی میں ایک اجنبی کی حیثیت سے کچھ وقت گزارنا پڑے گا۔"

"مطلب۔"

"اور اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہوگا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے...... میری دعا ہے کہ وہ ہو جو آپ کی خواہش ہے، لیکن اگر آپ کی خواہش کے مطابق وہ سب نہ ہو تو ایک ہدایت میں آپ کو دوں گا اور آپ کو اس پر عمل کرنا ہوگا۔"

"کیا۔"

"اپنے جذبات پر قابو رکھیے، کوئی ایسا عمل وقت سے پہلے نہ کر ڈالیے گا جو پولیس کے لیے مشکل کا باعث بن جائے۔"

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں، لیکن میں وہاں کیسے رہ سکوں گا۔''

''اس کا انتظام میں کر رہا ہوں۔'' پھر کافی دیر تک انتظار کرنا پڑا تھا...... پھر اس کے بعد نوید علی کریم سوسائٹی اس کوٹھی میں داخل ہوا تھا، نیاز خان اسے چھوڑنے آیا تھا لیکن اندر ناہید اور شہروز کے ساتھ اپنے مالک کو دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا...... قیصر جمال کے چہرے پر بھی شدید حیرت کے نقوش تھے۔

''نوید خان تم!'' اس نے حیرانی سے کہا، لیکن نوید خان کے منہ سے کوئی جواب نہیں نکلا تھا...... وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے شہروز کو دیکھ رہا تھا۔

''بیٹھو نوید خان، تمہارا رتبہ اب ایک معمولی آدمی کا نہیں ہے اور اگر قیصر صاحب غصہ کریں تو جو محسن ہوتا ہے وہ بہت بڑے رتبے کا حامل ہوتا ہے...... یہ وہ محسن ہے قیصر جمال صاحب جس کے ذریعے یہ تمام انکشافات ہوئے۔''

''بابا نوید خان۔'' اور نوید علی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا...... اس نے جھک کر شہروز کے پاؤں پکڑے اور زار و قطار رونے لگا۔

''بابا یہ سچ ہے کیا، بابا یہ سچ ہے کیا۔'' قیصر نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا، لیکن نوید علی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا۔

شہروز نے اسے خاموشی سے رونے دیا اور جب اس کے دل کی بھڑاس نکل گئی تو پھر اس نے کہا۔

''مالک اعظم علی صاحب برے انسان نہیں تھے...... ان کے ساتھ برائی ہوگئی ہے مالک، بہت افسوس کی بات ہے، بہت برا ہوا ہے مالک، ہم اپنے مالک کی موت کا غم کبھی نہیں بھلا سکیں گے۔''

قیصر خاموشی سے نوید خان کی صورت دیکھتا رہا...... شہروز نے کہا۔

''نوید خان اب تم پر فرض ہے کہ اپنے مالک کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچاؤ، اس کے لیے اگر تم نے ذرا بھی اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑا تو نہ صرف تمہارے مالک کی روح، خدا کا قانون بلکہ زمین کا قانون بھی تمہیں معاف نہیں کرے گا۔ اس وقت قانون کو تم لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے۔ یوں سمجھ لو یہ سب کچھ تم اپنے مالک کے لیے نہیں بلکہ قانون کی مدد کے لیے کر رہے ہو اور اگر قانون کو تمہارے اس کام میں ذرا بھی سقم محسوس ہوا تو پھر تم قابل گرفت ہو گے۔''

''صاحب! ہم نے اب تک آپ کی ہدایت پر جو کچھ کیا ہے اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی ہے تو ہم معافی چاہتے ہیں، لیکن آپ اطمینان رکھیے آپ جو حکم دیں گے ہم وہی کریں گے۔''

''تو پھر سنو! ابھی تھوڑی دیر کے بعد میں قیصر جمال صاحب کا چہرہ بدلے دیتا ہوں، تم انہیں خاموشی سے اپنے کوارٹر لے جاؤ گے اور یہ کہو گے کہ تمہارا بھانجا آیا ہے...... وہ بھی اس وقت جب کوئی قیصر جمال کو دیکھ لے، قیصر جمال رات کی تاریکی میں وہاں پہنچیں گے، ابھی انہیں تمہارے ساتھ بھیجنا مناسب نہیں ہوگا...... میں نے اپنا ایک پروگرام فوری طور پر بدل دیا ہے، انہیں اپنے کوارٹر میں ٹھہرا دینا اور کوشش کر کے انہیں دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہی رکھنا...... تمہارا پہلا کام یہ ہوگا۔''

''مگر صاحب، مالک کی شکل تو سب لوگ پہچان لیں گے۔''

''ابھی تھوڑی دیر کے بعد اپنے مالک کی شکل تم خود بھی نہیں پہچان پاؤ گے۔''

''مم......مگر کیسے صاحب۔''

''تم یہ میرے اوپر چھوڑ دو۔''

''ٹھیک ہے جو آپ کا حکم۔''

''اس کے بعد تمہیں یہاں سے واپس جا کر تفصیلی طور پر دیکھنا ہے کہ تمہاری مالکہ یعنی شاہینہ بیگم کے معمولات کیا رہتے ہیں...... یہ تمام تفصیل تم مجھے فون پر بتاؤ گے اور اس کے لیے تمہیں بے شک تکلیف ہوگی لیکن جب کام شروع کر ہی دیا ہے تو چھوٹی موٹی تکلیف کا خیال نہ رکھنا۔''

''اس کی تو آپ بالکل ہی فکر نہ کریے مالک، ہم تو جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔''

''میں تم سے جو کچھ بھی کہوں تمہیں وہ کرنا ہے کیونکہ نوید خان زہر کی وہ شیشی تم نے ہی مجھے لا کر دی تھی۔ وہ ساری کہانی ذرا قیصر جمال کو سنا دو جو تم مجھے سنا چکے ہو۔''

''زبان نہیں کھولنی چاہیے تمہیں۔''

''ہاں نوید خان، بہر حال نوید خان بتاؤ تاکہ میرے دل کو تھوڑا سا قرار حاصل ہو۔'' اور پھر نوید خان نے ساری کہانی قیصر جمال کو سنا دی......قیصر کے چہرے پر جذبات کی سرخی نظر آ رہی تھی، اس نے کہا۔

''وہ زہر کی شیشی تم نے وہاں سے ہٹائی تھی۔''

''ہاں اور افسر صاحب نے اس کی جگہ دوسری شیشی ہمیں دے دی تھی۔''

''ٹھیک ہے نوید خان میں اب تم سے بھی شرمندہ ہوں، کیا کہوں، کیا نہ کہوں۔''

''اب کچھ نہ کہو قیصر، اپنے آپ کو مجسم انتقام بنالو، اگر کسی نے تمہارے خلاف سازش کی ہے تو اس سازش کو ختم کرنا تمہارا فرض ہے اور قیصر جمال ویسے بھی میں تم سے کہوں یہ طویل زندگی ہے اس میں لوگ ملتے بھی ہیں بچھڑ بھی جاتے ہیں، جو بچھڑ گئے ان کا غم کرو اور جو بچھڑ جائیں اور وہ نہ ہوں جو تم سمجھتے ہو تو اس پر خدا کا شکر ادا کرو اور آنے والے وقت میں اپنے لیے ایک بہتر زندگی تلاش کرو۔'' قیصر جمال خاموش ہو گیا تھا...... بہر حال نوید خان کو قیصر جمال کے سامنے ہی پوری بریفنگ کی گئی۔ ناہید بھی اس معاملے میں شریک تھی اور اس کے بعد شہروز، قیصر جمال کو لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا، جہاں میک اپ وغیرہ کا سامان موجود تھا......ناہید نوید خان اور نیاز خان سے باتیں کرتی رہی تھیں۔

شہروز نے انتہائی مہارت سے قیصر جمال کا میک اپ کیا...... قیصر بہر طور امریکہ میں رہتا تھا۔ ان تمام چیزوں سے تھوڑی بہت

واقفیت بھی رکھتا تھا...... ویسے بھی ذہین نوجوان تھا اور اس وقت ایک اعلیٰ پولیس آفیسر کے سامنے تھا...... شہروز نے تمام معاملات کو مدنگاہ رکھتے ہوئے اس کے چہرے کا میک اپ کیا اور اسے نچلے درجے کا ایک ایسا فرد بنا دیا جسے دیکھ کر کوئی یہ سوچ بھی نہ سکے کہ یہ اس حیثیت کا مالک ہوگا...... پھر جب قیصر جمال نے آئینہ دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''مائی گاڈ، مائی گاڈ''

''اس سلسلے میں اور کوئی مشورہ قیصر صاحب۔''

''آپ...... شہروز صاحب آپ...... بس میں کیا کہوں براہ راست مجھے اس کا تجربہ کبھی نہیں ہوا۔ فلموں وغیرہ میں دیکھا ہے یا پھر مختلف واقعات سنے اور پڑھے ہیں لیکن چہرے اس طرح تبدیل کر دیے جاتے ہیں، آپ یقین کریں، میں سخت حیران ہوں۔ آپ تو بین الاقوامی معیار کی شخصیت ہیں۔''

''ارے چھوڑیے قیصر صاحب! صرف اپنے معیار کی بات کریں۔ اب آپ کو ایک ایسا لباس بھی پہننا پڑے گا جو بہر طور پر آپ کے شایان شان نہیں۔ باقی اور کوئی تفصیل بتانے کی ضرورت آپ کو نہیں ہے۔''

پھر اس لباس میں قیصر جمال کو لے کر شہروز جب کمرے میں داخل ہوا تو ناہید تک حیران رہ گئی تھی۔ نوید خان نے اجنبی نگاہوں سے قیصر جمال کو دیکھا۔ وہ یہی سمجھا تھا کہ کوئی اور ہے اور ایک دم خاموش ہو گیا تھا، تب شہروز نے کہا۔

''نوید خان! یہ تمہارے مالک قیصر جمال ہیں۔''

''جی۔'' نوید خان بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا۔

''پہچان لو انہیں، اب یہ تمہارے بھانجے ہیں، نام کچھ بھی رکھ لو۔''

''میرا نام الیاس ہے۔'' قیصر جمال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ویری گڈ، بہترین نام منتخب کیا ہے قیصر صاحب آپ نے۔''

''مم...... مالک...... س...... سچ مچ...... ارے باپ رے یہ کیسے ہو گیا۔''

''اب تم نے انہیں دیکھ لیا...... اطمینان سے واپس جاؤ اس سے زیادہ تمہارا گھر سے غائب رہنا مناسب نہیں ہے۔''

''جی صاحب ٹھیک ہے۔'' پھر نوید خان ان لوگوں سے اجازت لے کر وہاں سے چل پڑا تھا۔

☆......☆......☆

آخر کار ایش پار کرنے اپنے آپ کو مطمئن کر لیا تھا، حالانکہ ابتدا میں دل کی خلش نے بے چین کیا تھا۔ سوچوں کا انداز ذرا سا تبدیل ہوا تھا لیکن پھر فیصل کے ساتھ ایک خوبصورت زندگی کے تصور نے اسے مطمئن کر دیا تھا۔ دولت بھی ہاتھ آ جائے گی اور محبوب بھی پھر اس کے بعد اور کیا درکار ہوگا۔ تقدیر موقع بھی دے رہی تھی...... کافی وقت گزر گیا...... شام کو تقریباً چھ بجے اس نے فیصل کو ٹیلی فون کیا، فیصل

نے فوراً ہی فون ریسیو کیا تھا۔

''ہیلو فیصل! ایش بول رہی ہوں۔''

''فیصل کا آدھا بدن۔''

''ڈیئر! وہ چلا گیا ہے۔''

''کہاں گیا ہے، یہ کچھ پتا چل سکا۔''

''اصل میں ان باتوں کو میں ہی نہیں پوچھتی۔''

''ضرورت بھی نہیں ہے لیکن کم از کم یہ بھروسا ہونا چاہیے کہ وہ اتنے ہی عرصے کے لیے گیا ہے جتنا اس نے تم سے کہا ہے۔''

''میرا خیال ہے اس نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا۔''

''ہاں، اس کی نہ ضرورت ہے اور نہ امکان تو پھر اب کیا پروگرام ہے جناب عالی۔''

''آجاؤ۔''

''کتنی آسانی سے کہہ رہی ہو آجاؤ، کیا میرا وہاں آنا خطرناک نہیں ہو سکتا۔''

''خطرناک۔''

''تو اور کیا، ملازم بھی تو ہیں وہاں۔''

''ملازم میری مٹھی میں ہیں اور پھر بہرحال اب ایسا بھی نہیں ہے کہ میں ان سے خوفزدہ ہو جاؤں۔''

''ہوں مگر میں رات کو پہنچوں گا۔''

''کیوں، خیریت، کوئی مصروفیت ہے۔''

''مصروفیت ہی سمجھ لو۔''

''کیا مصروفیت ہے۔''

''نہیں، بس کوئی خاص نہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ دن کی روشنی میں ہمیں وہاں ہونا ہی نہیں چاہیے۔''

''فیصل! تم خوفزدہ ہو۔''

''ارے کیسی باتیں کرتی ہو، میں اور خوف دو الگ الگ چیزیں ہیں۔''

''تو پھر آجاؤ، کھانا کہیں باہر ہی کھائیں گے۔''

''ہوں تو پھر یوں کرتے ہیں کہ تم گاڑی لے کر نکلو، ڈرائیور کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے بعد ہوٹل ضیافت پہنچ جاؤ راستہ یاد ہے نا۔''

"ہاں، میں جانتی ہوں۔"

"بس وہیں ملاقات ہوگی، اس کے بعد میں تمہاری کار میں وہاں چلوں گا۔ بہتر یہ ہوگا کہ چھپ کر چلوں۔"

"چلو ایسا کر لو۔"

"بس اس کے بعد تفریحات کریں گے۔"

"او کے میں پہنچ جاؤں گی۔" ایلش پارکر نے کہا اور پھر وہ انتظار کرنے لگی۔ خاصا وقت گزرنے کے بعد وہ کار میں بیٹھی اور کار لے کر باہر نکل آئی۔ اب اسے یہاں کے بارے میں خاصی معلومات ہو چکی تھیں۔ ہوٹل ضیافت میں فیصل نے اس کا استقبال کیا۔ ایلش پارکر بھی خوبصورت لباس میں ملبوس تھی۔ فیصل اسے دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔

"اور اک بہادر لڑکی کو میں اپنے سامنے دیکھ کر خوش آمدید کہتا ہوں۔"

"بہادر لڑکی!" ایلش نے عجیب سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"کیوں۔"

"اس بات کو ذہن میں رکھنا کہ میں بالکل بہادر نہیں ہوں۔"

"کیا بات کرتی ہو ایلش! اس کا مطلب ہے کہ تم اپنے آپ کو سمجھتی ہی نہیں ہو۔"

"فیصل! یقین کرو کبھی کبھی شدید خوف زدہ ہو جاتی ہوں۔"

"بھلا کس بات سے۔"

"یہی کہ جو کچھ ہم سوچ رہے ہیں، کیا وہ اتنی آسانی سے ہو جائے گا۔"

"میرا خیال ہے ساٹھ فیصد ہو چکا ہے، اب رہ کیا گیا ہے۔"

"ساٹھ فیصد"

"تو اور کیا۔"

"نہیں، ابھی وہ تو نہیں ہوا ہے، جو ہم چاہتے ہیں۔"

"مثلاً"

"اس سلسلے میں جلد بازی بالکل نہ کرنا، آہستہ آہستہ سوچنے دو۔"

"مگر تم بتاؤ ایسا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔"

"دیکھو جس وقت اس کی حالت زیادہ بگڑنے لگے اور وہ بستر مرگ پر پہنچ جائے تو خود اس کے دل میں گداز ہوگا، تم اپنا یہ طریقہ کار جاری رکھنا، یعنی اس سے محبت کا بے پناہ اظہار۔ یہی چیز اس کے دل میں گداز پیدا کرے گی اور وہ یہ سارا کام خود بخود کر دے گا۔" ایلش

سوچ میں ڈوب گئی تھی۔فیصل کی بات اس کی سمجھ میں آ رہی تھی، کچھ لمحات کے بعد اس نے کہا۔

''ہاں، یہی طریقہ نیچرل ہوگا۔''

''اس کے علاوہ ایش ہمیں بہت زیادہ ایک دوسرے سے نہیں ملنا چاہیے، حالانکہ خود میرا ابھی دل للچاتا ہے، تم کیا سمجھتی ہو۔''

''اب یہ بتاؤ ہم کریں کیا۔'' ایش نے سوال کیا۔

''مجھ سے محبت۔'' فیصل مسکرا کر بولا اور ایش بھی مسکرانے لگی۔

''اس کے لیے کہنے کی ضرورت نہیں۔''

''ہے تو نہیں لیکن تم نے یہ سوال کیا تو میں کہہ رہا ہوں۔''

''چلو چھوڑو ان باتوں کو، اس شریف آدمی نے ہمیں یکجا ہونے کا موقع دیا ہے تو اس موقع کو ہم یوں نہیں گنوائیں گے، اب باقی ساری باتیں گھر چل کر ہوں گی۔'' اور پھر فیصل نے ویٹر کو کھانے کا آرڈر نوٹ کرا دیا تھا۔

☆......☆......☆

ایک عجیب سی تھکن، ایک عجیب سا احساس، دل میں پژمردگی ذہن میں مستقبل کا خوف، تنہا زندگی کیسے گزرے گی ایش پار کر اگر واقعی وہی نکل آتی ہے جس کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے تو پھر زندگی سے اس کا فاصلہ ہو جائے گا۔ یہ فاصلے میں کس طرح قبول کروں گا۔ آہ......کاش یہ سب کچھ نہ ہو، آہ......کاش لیکن تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے اسے کیسے ٹالا جا سکتا ہے۔ شہروز اپنے طور پر درست تھا۔ ایک اعلیٰ پولیس آفیسر لیکن انتہائی اعلیٰ شخصیت کا مالک ورنہ ایسے لوگ کہاں ہوتے ہیں، فرض کی انجام دہی بے شک ایک مقام رکھتی ہے لیکن اس کے لیے ذاتی جنون بہت کم پایا جاتا ہے۔

ایک طاقت ور ڈکٹا فون سیٹ اسے دیا گیا تھا اور نوید خان کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ وہ اس ڈکٹا فون سیٹ کو بیڈ روم میں پہنچا دے، اس کے لیے جگہ بھی منتخب کر لی گئی تھی اور یہ بات قیصر سے زیادہ بہتر کون جانتا تھا کہ یہ ڈکٹا فون سیٹ کہاں نصب کیا جا سکتا ہے۔ باقی اس کی کوئی ذمہ داری نہیں رکھی گئی تھی اور شہروز نے اس سے کہا تھا کہ بقیہ معاملات وہ اس پر چھوڑ دے، اس کے لیے شہروز نے اپنے طور پر بندوبست کیا تھا کیونکہ ایک عام آدمی پر وہ اتنے بڑے کام کا بھروسا نہیں کر سکتا تھا۔

البتہ اور دوسرے ایسے انتظامات کر لیے گئے تھے۔ نوید خان اس دیوار کے قریب منتظر تھا جس کی نشاندہی ہی قیصر جمال نے خود کی تھی۔ مقررہ وقت پر وہ اپنے میک اپ میں دیوار کو عبور کر کے نوید خان کے پاس پہنچ گیا۔ نوید خان نے اسے سلام کیا۔ سلام کا جواب دے کر اس نے کہا۔

''کیا کیفیت ہے نوید خان۔''

''بیگم صاحبہ گئی ہوئی ہیں۔''

''کہاں۔''

''یہ تو نہیں معلوم صاحب۔''

''اکیلی گئی ہیں۔''

''جی ہاں، خود کار چلا کر لے گئی ہیں۔ ڈرائیور کو بھی ساتھ نہیں لیا۔''

''یہ نہیں پتا چل سکا کہ کہاں گئی ہیں۔'' قیصر نے مغموم لہجے میں کہا۔

''نہیں صاحب! بھلا یہ کیسے پتا چلا سکتا تھا۔'' نوید خان کا کہنا بالکل درست تھا۔

مالکوں سے یہ سوال تو نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ بہر حال قیصر جمال ایک ناخوشگوار کام کی سرانجام دہی کے لیے تیار ہو گیا اور گزرنے والے وقت کا انتظار کرتا رہا۔ وہ جاگ رہا تھا اور نوید خان اس کے ساتھ جاگ رہا تھا۔ مالک کے غم کو وہ اچھی طرح سمجھتا تھا، دوسرے کسی آدمی کو اس کی یہاں موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا اور شاید قیصر جمال نوید خان کے کوارٹر ہی میں پوشیدہ تھا۔ مزید پوشیدہ رہنے کے لیے اس نے جگہ منتخب کر لی تھی۔

نوید خان کا کوارٹر بھی ایسی جگہ تھا جہاں سے گیٹ پر نظر رکھی جا سکتی تھی اور کوٹھی کے بیرونی حصے کا پوری طرح جائزہ لیا جا سکتا تھا پھر رات کو تقریباً گیارہ بجے دونوں کی واپسی ہوئی اور کار سے ایش پارکر کے ساتھ فیصل عظیم کو اترتے دیکھ کر قیصر جمال کا کلیجہ خون ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی ابھر آئی اور وہ شدید درد و کرب کے عالم میں سوچنے لگا کہ یہ بدکار عورت کس طرح اسے بے وقوف بناتی رہی ہے۔

اب بھی بھلا کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے۔ یہ سارا مسئلہ بڑا عجیب و غریب تھا اور پھر وہ ان دونوں کو کوٹھی میں جاتے دیکھتا رہا، بہت دیر ہو گئی لیکن نہ اسے اور نہ ہی نوید خان کو یہ احساس ہو سکا کہ اسی جگہ اور اسی دیوار سے شہروز بھی نیچے کودا ہے اور اس کے بعد نوید خان کے کوارٹر میں داخل ہو گیا ہے۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر چونک پڑے تھے۔ قیصر نے حیرانی سے کہا۔

''سر آپ۔''

''ہاں قیصر صاحب، اصل میں مجھے بھی کام کرنا ہے نا۔ ظاہر ہے میں اپنے کام کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''ہاں مجھے معلوم ہے کہ وہ دونوں ابھی ابھی کوٹھی میں داخل ہوئے ہیں۔''

''میں آپ کے سامنے شرم سے نگاہیں نہیں اٹھا سکتا شہروز صاحب۔'' قیصر جمال نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

''کیوں بھئی، ایسی کیا بات ہے۔''

''آہ...... کبھی کبھی اولاد والدین کے لیے اس طرح بھی عذاب بن جاتی ہے، کیا عجیب بات ہے۔ میں ابھی اولاد کو نہیں جانتا لیکن جاننے کی ضرورت بھی نہیں۔ ماں باپ کس طرح اولاد کی پرورش کرتے ہیں، بہت سی آرزوؤں اور امنگوں کے ساتھ یہ تو حق ہے ان کا شہروز صاحب کہ وہ جس درخت کی آبیاری کریں، اس کے سائے کے بھی آرزومند ہوں لیکن کبھی کبھی یہ سائے کس قدر زہریلے ہو جاتے

ہیں، کاش ایسا نہ ہوتا۔''

''حوصلہ رکھیے قیصر صاحب! فیصلے غلط بھی ہو جاتے ہیں، بہرحال خوشی کی بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں آپ بے قصور نکلے ورنہ آپ یقین کیجیے اگر میری طرح تحقیقات کرنے والا کوئی اور نہ ہوتا تو سیدھا آپ کو مجرم قرار دے دیا جاتا اور اپنی سوتیلی ماں اور سوتیلے بہن بھائیوں کے قاتل آپ ہی قرار پاتے۔''

''کاش ایسا ہو جاتا، مجھے اس ناکردہ گناہ کی سزا مل جاتی۔ موت کی سزا ہو جاتی تو کم ازکم یہ عذاب میری زندگی میں شامل نہ ہوتا۔ آہ...... وہ زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ وہی میرے گناہوں کا کفارہ ہوتا۔''

''آپ کو حوصلہ رکھنا چاہیے۔ دیکھیے یہ ایک طاقتور ٹیپ ریکارڈر ہے اور یہ ڈکٹا فون کا وہ ریسیور اصل میں یہ کام میں نے کسی اور کے سپرد کیا تھا لیکن بعد میں میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں خود ہی آپ کی موجودگی میں ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سنوں تاکہ آپ کو بھی ایلش پارکر اور اپنے اس دوست نما دشمن کے بارے میں صحیح طور سے اندازہ ہو جائے گا۔''

قیصر نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ شہروز اس کے سامنے ہی ٹیپ ریکارڈر سیٹ کرنے لگا۔ وائرلیس پر بیڈ روم کی آوازیں ابھرنے لگی تھی۔ فیصل عظیم کسی بات پر ہنس رہا تھا، ایلش پارکر نے کہا۔

''فیصل! یہاں تمہارا کون کون ہے۔''

''میرا''، فیصل بولا۔

''ہاں۔''

''ایلش پارکر ہے اور۔''

''اور کون ہے۔''

''پھر ایلش پارکر ہے۔'' فیصل نے کہا اور ایلش پارکر ہنس پڑی۔

''میرے علاوہ بھی کوئی اور ہے۔''

''تمہارے علاوہ اس کائنات میں کوئی اور نہیں ہے، تم کوئی اور بات کر رہی ہو۔''

''تم مجھے اتنا چاہتے ہو۔''

''ایلش! تم نے خود غور نہیں کیا اس پر۔''

''نہیں، خیر مجھے یہ تو یقین ہے کہ تم مجھے بے پناہ چاہتے ہو۔''

''اتنا ایلش پارکر کہ تمہاری وجہ سے میں چار افراد کا قاتل بن چکا ہوں۔''

''سچ بتاؤ فیصل! اس سے پہلے بھی کسی کو قتل کیا۔''

''نہیں ایش! قتل نہیں کیا میں نے لیکن میری فطرت میں ایک عجیب سی ہیجان خیزی رہی ہے۔ حقیقت یہ ہی کہ تم سے اب کچھ چھپانے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ میں نے یورپ میں بھی بہت سے جرائم کیے ہیں۔ اصل میں میری فطرت کا یہ پہلو ایک عجیب سے انداز میں متاثر ہوا ہے، بعد میں تمہیں کبھی اس کی کہانی بھی سناؤں گا۔''

''قتل تم نے پہلی بار کیے ہیں۔''

''ہاں...... اور اس کے لیے انتہائی ذہانت سے ایک طریقہ کار منتخب کیا۔''

''میں لباس تبدیل کرلوں، اس کے بعد تم سے بات چیت کروں گی۔''

''کیا مطلب۔ لباس تبدیل کرنے کے لیے تمہیں کہیں اور جانا پڑے گا۔''

''بے شرم آدمی۔''

''ارے...... ارے...... یہ تم پر مشرقیت کا بھوت کیوں سوار ہوتا جارہا ہے۔''

''یعنی اب تمہیں لباس تبدیل کرنے کے لیے مجھے بے شرم بھی کہنا پڑے گا۔'' ایش پارکر ہنس پڑی تھی پھر وہ بولی۔

''ویسے ایک بات کہوں۔''

''ہاں کہو۔''

''مشرق کی ہوائیں بڑی معصوم ہوتی ہیں۔''

''معصوم۔''

''ہاں...... سخت، زہر آلود۔''

''بھلا کن معنوں میں۔''

''یہاں رہ کر خوامخواہ تقدس کی فضا پیدا ہو جاتی ہے دل میں اور بہت سے ایسے احساسات ابھر آتے ہیں جو نہیں ابھرنے چاہئیں۔''

''یعنی شرافت کے جراثیم پیدا ہونے لگتے ہیں۔''

''ہاں...... یہی سمجھو۔''

''چلو خیر یہ یہاں کی ہواؤں کا قصور ہے، میرا نہیں۔''

فیصل نے کہا اور اس کے بعد سرسراہٹیں سنائی دیتی رہیں۔ قیصر جمال کا سر پھر شرم سے جھک گیا تھا۔ شہروز نے اسے تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں قیصر جمال! وہ صرف تمہاری ایک غلطی ہے، بیوی نہیں۔'' قیصر جمال نے آنسو بھری آنکھیں اٹھا کر شہروز کو دیکھا اور اس

کی ہلکی ہلکی سسکیاں شروع ہوگئیں۔

''ارے ارے...... قیصر جمال! تمہیں تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ تمہیں اپنے باپ کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا موقع مل رہا ہے۔''

''اب...... اب کیا کریں گے شہروز صاحب۔''

''دیکھتے رہو سنتے رہو، کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ پریشان ہونے کی بالکل کوئی ضرورت نہیں۔'' شہروز نے کہا اور پھر خاموش ہو کر دوسری طرف کی باتیں سننے لگا۔

''ہاں، اب بتاؤ۔''

''بس بھئی ظاہر ہے تم تو قیصر کی زندگی میں شامل ہوگئیں۔ شادی کر لی تم دونوں نے اور اس کے بعد رقابت نے مجھے وہ منظر برداشت نہیں کرنے دیا اور اس کا بہترین طریقہ میں نے یہی سوچا کہ یورپ چھوڑ دوں پھر میں یہاں آ گیا اور اس کے بعد میں نے وہ طریقہ کار منتخب کیا جس کے تحت پہلا قدم مکمل طور پر کامیاب ہو جائے۔''

''اس کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کیا تم نے۔''

''سب سے پہلے میں نے اعظم علی صاحب کا جائزہ لیا، ان کی مصروفیات اور مشغولیات، ان کی بیوی، ان کے بچے یہ سب اندازہ لگانے لگا میں کہ کون سا ایسا لمحہ ہو سکتا ہے جب میں انہیں اس دنیا سے رفو چکر کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔''

''پھر۔'' ایلش پارکر نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ایلش! میرے ذہن کی تمہیں داد دینی پڑے گی۔ میں یہ تمام اندازے قائم کرنے کے بعد سوچنے لگا کہ وہ کون سا ایسا مناسب طریقہ ہو جس سے ان لوگوں کو ٹھکانے لگایا جا سکے اور کوئی خاص شبہ بھی نہ ہو سکے، اس کے لیے میں نے اپنا روپ بدلا اور ایک لاابالی سے انسان کی حیثیت سے فیروز پلازہ نامی ایک عمارت میں ایک فلیٹ حاصل کیا۔ یہاں زیادہ تر تنہا لوگ رہا کرتے ہیں کیونکہ وہ علاقہ ٹرانسپورٹروں کا علاقہ ہے اور وہاں سب سے بڑا ٹرک اڈہ ہے۔ مجھے ایک ٹرک درکار تھا پھر اس ٹرک کے حصول کے لیے میں نے گل خان نامی ایک معصوم سے شخص کا سہارا حاصل کیا، اس سے دوستی کر لی اور پھر ایک رات اس وقت جب مجھے علم تھا کہ اعظم علی اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ ایک چھوٹے سے قریبی شہر گیا ہوا تھا، میں گل خان سے ٹرک لے کر نکل آیا اور میں نے ٹرک ایک ایسی جگہ کھڑا کر دیا جہاں سے ان لوگوں کو گزرنا تھا۔ بہت بڑا رسک تھا یہ لیکن بہر حال میری تقدیر نے میرا ساتھ دیا اور جب میں نے ان کی کار آتے ہوئے دیکھی تو میں تیار ہو گیا اور اس کے بعد ٹرک سے میں نے کار کو ٹکر ماری دی اور اس انداز میں ماری کہ کوئی بھی نہ بچ سکا اور بس میرا کام پورا ہو گیا۔''

''بچے بھی تھے۔'' ایلش پارکر نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

''یہ تم کس انداز میں گفتگو کر رہی ہو ایلش! وہ بچے ہی تو ہمارے لیے سب سے زیادہ خطرناک ہو سکتے تھے کیونکہ وہ اس دولت اور

جائیداد کے حصے دار تھے اور بہرحال ان کی موجودگی اس جائیداد کا تصفیہ نہیں کر سکتی تھی۔"

"ہوں..... مگر تم نے سوچا خوب اور اس کے بعد تم نے وہ جگہ چھوڑ دی ہوگی۔"

"پھر وہاں رہنا اپنی موت کو آواز دینا تھا۔"

"اس ٹرک کا پتا چل گیا۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہرحال گل خان بھی ایک کردار تھا جس سے مجھے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا تھا۔"

"فیصل! کوئی ایسی غلطی تو نہیں کر بیٹھے ہو تم کہ پولیس ہمیں شناخت کرے۔" جواب میں فیصل کی ہنسی سنائی دی تھی۔

"نہیں ڈارلنگ! انسان محبت میں پاگل ہو کر نجانے کیا کیا کر بیٹھتا ہے لیکن بہرحال عقل و دانش کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہیے اور فیصل تو میں خود ہوں اور اس کا مفہوم بھی عقل ہی ہے۔ فیصل ہنس کر بولا۔ ایش پار کر خاموش ہوگئی۔ شہروز سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور قیصر جمال اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔"

"کیا ہو گیا شہروز صاحب۔"

"یار قیصر جمال معاف کرنا تمہاری یہ اداسی مجھے پسند نہیں آرہی۔ تمہارے باپ، سوتیلی ماں اور بہن بھائیوں کے قاتل کا پتا چل گیا ہے اور اب وہ اپنی گردن پھانسی کے پھندے کے لیے تیار کرنے کو موجود ہے اور تم اداس بیٹھے ہو۔ مردوں کا کھیل ہے قیصر کبھی کبھی ایسی عورتیں بھی زندگی میں آجاتی ہیں لیکن اس کے لیے افسردگی، میں سمجھتا ہوں غیر مناسب ہے بلکہ صحیح معنوں میں اپنے والد کے ساتھ ناانصافی کر رہے ہو تم۔ تقدیر نے تمہیں یہ موقع دیا ہے کہ ان بے گناہ معصوموں کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچاؤ۔"

"میں اپنی اس کمزوری کا اعتراف کرتا ہوں شہروز صاحب! کوشش کروں گا کہ میرے ذہن سے یہ داغ دھل جائے۔"

"اصل میں میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ کام تو اتنا آسان ہو گیا کہ میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ بہت سے پاپڑ بیلنے پڑیں گے اور بہرحال فیصل عظیم کو گھیرے میں لانے کے لیے بہت سی چالیں چلنا پڑیں گی لیکن دیکھو، خون یوں سر چڑھ کر بولتا ہے۔ گناہ اس طرح سامنے آجاتے ہیں۔ جرم کرنے والا جرم کرتے ہوئے ایک خونی درندہ ہوتا ہے لیکن خونی درندے کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ زندگی اللہ کی امانت ہوتی ہے اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کچھ لمحوں کی خوشیوں کے لیے دوسروں کی زندگی چھین لے۔ جب گناہ کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے تو اسی طرح انسان کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ میرا خیال ہے اب مزید وقت ضائع کرنے کی گنجائش نہیں۔ تم اپنے چہرے سے یہ میک اپ اتار دو، یہ میک اپ تو میں نے اس لیے کیا تھا کہ ممکن ہے چند روز تمہیں یہاں گزارنے پڑیں۔ فیصل فوراً ہی یہاں آنے کی بے وقوف نہ کرے۔ لیکن یہ میرا خیال تھا اور نہ قدرت کچھ اور ہی سوچ رہی تھی اور قدرت نے وہ کر دکھایا، اب تم یہ دیکھو، یہ پورا اعتراف ریکارڈ ہو گیا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں یعنی گل خان، مجھے اس کے بارے میں رپورٹ مل چکی ہے۔ یہ شخص بہترین گواہ ہے، بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔"

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے۔"

''قاتل کو مزید مہلت دینا گناہ ہے۔''

''اور یہ بدبخت عورت۔''

''وہ فاحشہ اپنے جرم کے ساتھ گرفتار ہو جائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' پھر شہروز نے اس کا میک اپ اتارا تھا اور وہ منہ ہاتھ دھو کر اپنی اصلی شکل میں آ گیا تھا۔ اس دوران شہروز اپنے محکمہ کی افراد کو ٹرانسمیٹر پر طلب کر رہا تھا اور پھر ان کا انتظار کرنے میں تھوڑا سا وقت صرف ہوا۔ وہ لوگ اندر داخل ہوئے تھے اور باقاعدہ گیٹ سے اندر آئے تھے۔ چوکیدار کو قابو میں کر لیا گیا تھا۔ ویسے پھر بھی احتیاط برتی جا رہی تھی۔ شہروز نے احتیاط کے پیش نگاہ انہیں ایسی جگہوں پر متعین کر دیا جہاں سے اگر فیصل عظیم بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے گرفتار کر لیا جائے اور اس کے بعد اس نے قیصر سے کہا۔

''اپنے جذبات اپنے احساسات کو قابو میں رکھنا، تمہارا اب ایلش پارکر سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ بدبخت عورت صرف ایک مجرمہ ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اعانت جرم میں اسے بھی موت سے کم سزا نہیں دلواؤں گا، یہ میرا عہد ہے۔ آؤ۔''

پھر شہروز قیصر جمال کے ساتھ آگے بڑھ گیا، وہ قیصر جمال کی کیفیت کو محسوس کر رہا تھا لیکن اسے یہ اطمینان تھا کہ قیصر کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں ہے۔ قیصر سے زیادہ عمارت کے بارے میں اور کون جا سکتا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ خواب گاہ پر پہنچ گئے۔ دروازہ اندر سے بند تھا اور کوئی ایسی کھڑکی اندر موجود نہیں تھی جس سے فیصل فرار ہو سکے۔ قیصر کے چہرے پر اب خون کی سرخی لہرا رہی تھی لیکن وہ اپنے آپ کو قابو میں کیے ہوئے تھے۔ دروازے پر تیسرے بار دستک دی تو اندر سے ایلش پارکر کی آواز سنائی دی۔''

''کون ہے...... کیا بات ہے۔''

''دروازہ کھولیے......'' شہروز نے کہا۔

''میں سو رہی ہوں، بھاگ جاؤ، کون ہے اس وقت، یہ آنے کا وقت ہے۔''

''ایک بہت بڑی بات ہو گئی ہے میڈم! کوٹھی میں آگ لگ گئی ہے۔ براہ کرم دروازہ کھولیں۔'' شہروز نے کہا۔

''آگ......'' اندر کچھ ہڑبڑاہٹ سنائی دی اور چند لمحوں کے بعد تیز روشنی ہوئی، پھر دروازہ کھل گیا، ایلش پارکر شب خوابی کے لباس میں کھڑی تھی، شہروز آگے تھا اور قیصر اس کے پیچھے، ایلش نے شہروز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مگر تم کون ہو۔ اور کیا۔'' ایلش پارکر کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ شہروز نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے زور سے دھکا دیا اور وہ ایک تیز آواز کے ساتھ پیچھے گرتے گرتے بچی، شہروز اندر داخل ہو گیا اور اس کے پیچھے قیصر بھی، قیصر نے دروازہ بند کر لیا تھا، ایلش پارکر نے دہشت زدہ نظروں سے قیصر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تت...... تم......'' قیصر نے جواب دیا۔ شہروز چاروں اطراف نگاہیں دوڑا رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

''فیصل عظیم باہر نکل آؤ، مجھے علم ہے کہ تم واش روم میں چھپے ہوئے ہو۔'' ایلش پارکر کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا، اس نے خوفزدہ نگاہوں سے واش روم کی جانب دیکھا، شہروز نے قیصر سے کہا۔

''قیصر علی یہ عورت باہر نہ نکلنے پائے میں واش روم میں دیکھتا ہوں۔''

واش روم کا دروازہ شاید اندر سے بند نہیں کیا گیا تھا، شہروز نے برق رفتاری سے دوڑ لگائی اور اسی وقت فیصل نے اس پر حملہ کر دیا ......شہروز کے دروازہ کھولنے سے پہلے فیصل دروازہ کھول کر شہروز پر ٹوٹ پڑا تھا لیکن بدنصیب یہ نہیں جانتا تھا کہ واسطہ کس سے ہے، شہروز نے اسے اپنے بدن پر روکا اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے زمین پر پٹخ دیا، فیصل نے نیچے گرتے ہی اُٹھ کر ایک بار پھر شہروز پر حملہ کیا تھا لیکن اس بار شہروز کا گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا اور وہ اُچھل کر مسہری پر جا گرا، وہ خونی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ ایلش پارکر دیوار سے جا لگی اور قیصر دروازے پر پتھر کے بت کی مانند خاموش کھڑا ہوا تھا۔ فیصل نے ایک بار پھر کوشش کی اور پھر شہروز کے ہاتھوں اچھا خاصا پٹ گیا، شہروز نے اس کے جبڑے سوجا دیے تھے، فیصل زمین پر گر کر ہانپنے لگا تو شہروز نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

''خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے فیصل، دولت ہی اس دنیا میں سب کچھ نہیں ہوتی اور یہ سفید فاحشہ اس کا تو کام ہی یہ ہے، ہر حال تم دونوں اپنے آپ کو زیر حراست سمجھو، میرا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔''

پھر شہروز نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور چند لمحات کے بعد فیصل اور ایلش پارکر کو ہتھکڑی لگا دی گئی، ایلش پارکر نے خوفزدہ نگاہوں سے قیصر جمال کو دیکھا اور کہا۔

''قیصر......قیصر یہ سب کیا ہے۔''

''یہ سب کیا ہے ایلش......'' قیصر نے اس کی جانب اشارہ کر کے کہا اور ایلش خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی، پھر ایلش اور فیصل کو گاڑی میں بٹھا کر پولیس ہیڈ کوارٹر لایا گیا......شہروز کے پاس اب بہترین ثبوت موجود تھے، چنانچہ دونوں کو لاک اپ میں داخل کر دیا گیا اور اس کے بعد شہروز نے قیصر کو سمجھا بجھا کر روانہ کر دیا، پھر یہ کیس چلتا رہا، شہروز نے تمام شواہد جمع کر کے عدالت میں چالان پیش کر دیا اور بس اتنا ہی کام تھا اس کا لیکن جو ثبوت فیصل اور ایلش پارکر کے بارے میں فراہم کیے گئے تھے، ان میں قطعی یہ گنجائش نہیں تھی کہ ان لوگوں کی زندگی کا امکان رہتا، دونوں کو آخر کار موت کی کرسی تک جانا تھا، قیصر البتہ خاصا دلبرداشتہ نظر آ رہا تھا، ناہید اور شہروز نے ایک دن اس کی کوٹھی پر جا کر اسے سمجھایا۔

''ڈیئر قیصر، میں تم سے پہلے یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ زندگی کے کھیل انوکھے ہوتے ہیں اور کبھی کبھی انسان انجانے پن میں ایسے اقدامات کر بیٹھتا ہے جو بہت بڑے نقصانات کا باعث بن جاتے ہیں، لیکن بہر حال زندگی خود اپنا مرہم ہوتی ہے، اب تم نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرو اور یوں سمجھو کہ جو کچھ پیش آیا تھا وہ ایک دلدوز سانحہ تھا اور کچھ نہیں، محبت اس سے کی جا سکتی ہے جس سے محبت حاصل ہو، اپنا کاروبار سنبھالو ان دونوں کو سزائے موت ہو گی اور تم ان کی سزائے موت کا منظر بالکل اجنبی نگاہوں سے دیکھو گے۔''

''شہروز صاحب! آپ کا شکر گزار ہوں میں اور یقیناً آپ کی ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔'' قیصر جمال نے وعدہ کیا۔

☆......☆......☆

زبیر شاہ نے میڈم کا جائزہ لیا، خوبصورت اور پروقار عورت تھی۔ ون، ٹو، تھری نے بتادیا تھا کہ وہ اصل جہانزیب ہے۔ اس لیے میڈم نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''آخر کار تم میرے جنگل میں آہی گئے، جہانزیب......'' وہ زہریلے لہجے میں بولی۔ ''میں نے کہا تھا آگ سے نہ کھیلو، جل جاؤ گے، زندگی اتنی بھی مختصر نہیں کہ کبھی ٹکراؤ ہی نہ ہو، مجھے ہر لمحہ یاد ہے، وہ سب کچھ یاد ہے جب تم نے کالج کی زندگی میرے لیے جہنم بنادی تھی۔ فوزیہ تو بہت معصوم تھی، آہ ماضی کتنا حسین تھا۔''

میڈم کی آنکھیں خواب ناک ہوگئیں، فوزیہ، کالج کے پارک میں سبز گھاس پر بیٹھی کسی کتاب کے مطالعے میں محو تھی۔ اس کا یہ پیریڈ خالی تھا۔ اتفاق سے اس وقت پارک میں چند طلبا اور طالبات ہی نظر آرہے تھے۔ وہ بھی ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے، جہانزیب ایک قریبی درخت کی آڑ سے نکل کر فوزیہ کے سامنے آگیا۔ فوزیہ نے چونک کر سر اُٹھالیا۔ جہانزیب کو دیکھ کر اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں پڑگئیں، وہ اُٹھنے لگی۔

''پلیز مس فوزیہ!'' جہانزیب نے جلدی سے کہا۔ ''میں آپ سے تقریباً ایک گز کے فاصلے پر ہوں، فوری طور پر کوئی خطرہ ثابت نہیں ہوسکتا اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ فاصلہ اتنا ہی رہے گا، بس میری ایک بات سن لیں۔''

''آپ جو جھک مارنا چاہتے ہیں، وہ میں جانتی ہوں۔'' فوزیہ نے جواب دیا۔

''جی نہیں، آپ نہیں جانتیں، یہی تو افسوس ہے۔''

''بکیے! کیا بکنا چاہتے ہیں۔''

''شکریہ۔'' جہانزیب نے ایک گہری سانس لی۔ ''آپ مجھے ایک لاابالی، آوارہ مزاج اور غیر ذمہ دار طالب علم خیال کرتی ہیں۔ بلاشبہ میں ایسا ہی تھا...... تھا کے استعمال پر چونکیے نہیں، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اب میں انتہائی سنجیدگی اور مستقل مزاجی سے اپنی اصلاح کر رہا ہوں۔ گزشتہ کئی ماہ سے آپ نے میرے بارے میں کوئی افواہ بھی نہیں سنی ہوگی، اور حاضری کا ریکارڈ بھی آپ خود چیک کرسکتی ہیں کہ اب میں ایسا کوئی پیریڈ مس نہیں کررہا ہوں۔''

''اگر یہ حقیقت ہے تو بہت اچھی بات ہے کہ آپ کو اپنی غلط روش کا احساس ہوگیا ہے۔'' فوزیہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''مگر میرے اندر یہ احساس، یہ ادراک آپ کی شخصیت نے پیدا کیا ہے۔'' جہانزیب نے بڑے مخلصانہ لب و لہجے میں بات کرنے کی کوشش کی تھی۔ ''میں اب تک غفلت کی تاریکی میں بھٹک رہا تھا، آپ کی ذات میرے لیے اس اندھیرے میں روشنی کی کرن بن کر نمودار ہوئی ہے۔ کہنے کو تو بہت عام الفاظ ہیں، ہزاروں، لاکھوں مرتبہ کے دہرائے ہوئے، مگر یہ حقیقت ہے کہ مس فوزیہ میں آپ سے بے پناہ محبت کرتا ہوں، مجھے احساس ہے کہ سردست میں آپ کی ادنیٰ توجہ کے قابل نہیں، لیکن میں صرف اتنا ہی چاہتا ہوں کہ آپ ایک جھلکے

ہوئے انسان کو نیکی اور شرافت کی راہ پر لا سکتی ہیں۔"

"اگر آپ سو فیصد سچ بھی بول رہے ہوں۔" فوزیہ کھڑی ہو گئی۔ "تب بھی میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔"

"مگر کیوں مس فوزیہ۔"

"دیکھیے مسٹر جہانزیب محبت کوئی ایسا جذبہ نہیں جسے آپ اپنی مرضی کے مطابق جس پر چاہیں مسلط کر دیں۔" فوزیہ نے جواب دیا۔ "آپ اپنی زندگی میں باقاعدگی پیدا کر رہے ہیں، حصول علم کی سنجیدہ کوشش میں مصروف ہیں تو یہ خود آپ کی آئندہ زندگی کے لیے مفید ہے۔ آپ مجھ سے اس کی داد کیوں چاہتے ہیں۔"

"اس لیے کہ میں سہارے کا محتاج ہوں، آپ نے ہاتھ نہ پکڑا تو میں پھر بھٹک جاؤں گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ میں خود اعتمادی کی کمی ہے، مرد کو اس قدر کم حوصلہ نہیں ہونا چاہیے" فوزیہ نے کہا۔ بہر حال میں اس سلسلہ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی، مجھے افسوس ہے۔"

"کیا اس لیے کہ آپ مجھے اپنے قابل نہیں سمجھتیں۔"

"یہ بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے، لیکن اس سے زیادہ اہم اور بنیادی سبب یہ ہے کہ والدین نے مجھے کسی اور کے ساتھ منسوب کر دیا ہے، اور مجھے ان کے اس فیصلے سے اتفاق ہے۔" اتنا کہہ کر فوزیہ جہانزیب کو کچھ اور کہنے کا موقع دیے بغیر تیزی سے اس روم کی طرف چل دی۔

فوزیہ کالج سے واپس آتے ہوئے اپنے گھر کی طرف جانے والی گلی میں مڑی تو اچانک نہ جانے کس طرف سے جہانزیب نے نکل کر اس کا راستہ روک لیا، آج اس کی حالت عجیب تھی، کپڑے میلے اور مسلے ہوئے، شیو اتنا بڑھا ہوا، کھلا گریبان، سر کے بال بھی بکھرے ہوئے تھے۔

"میرا راستہ چھوڑ دیجیے مسٹر جہانزیب۔" فوزیہ نے ناگواری سے کہا۔ "ورنہ یہ میری گلی ہے جہاں میری ایک آواز پر ایک کی حجامت کے لیے پورا محلہ جمع ہو سکتا ہے۔"

"تو کیا میرے لیے تمہارے پتھر دل میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"جی نہیں۔" فوزیہ نے برہمی سے جواب دیا۔ "اور یہ میں آپ کو آخری مرتبہ وارننگ دے رہی ہوں آج کے بعد آپ نے کہیں بھی میرے راستے میں آنے کی کوشش کی تو میں پرنسپل صاحب تک ہی نہیں پولیس تک بھی پہنچ سکتی ہوں۔"

"میں نے انتہائی خلوص سے تمہیں چاہنے اور تمہیں حاصل کرنے کی کوشش کی تھی مس فوزیہ!" جہانزیب نے سخت لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن تم نے میرے جذبات اور احساسات کی قدر نہیں کی، اب تم مجھے وارننگ دے رہی ہو تو میری وارننگ بھی سنتی جاؤ، تم میری نہیں بن سکتی تو کسی اور کی بھی نہیں بن سکتی اور اگر کبھی ایسا ہو گیا تو میں تم سے اس قدر خوفناک انتقام لوں گا کہ ہمیشہ یاد رکھو گی۔"

وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ فوزیہ جلدی سے آگے بڑھ گئی، مگر گھر پہنچنے کے بعد بھی دیر تک اس کا دل قابو میں نہیں آیا جب بھی اسے

جہانزیب کی دھمکی آمیز خوفناک الفاظ یاد آتے وہ سر سے پیر تک کانپ جاتی۔

اس دن کے بعد سے جہانزیب کالج سے غائب ہو گیا، جب مہینے دو مہینے تک اس کی شکل نظر نہیں آئی تو فوزیہ نے اطمینان کی سانس لی اور یہ سمجھ کر بھلانے کی کوشش کی کہ وہ اسے محض خوفزدہ کر کے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن جب اس نے دیکھ لیا کہ وہ اس کے لالچ میں آئی نہ ہی دھمکیاں اسے ڈرا سکیں تو وہ اسے اپنی ایک کوشش لاحاصل سمجھ کر اس سے دستبردار ہو گیا، مگر فوزیہ کی خوش فہمی تھی جو جلد ہی اس وقت ختم ہو گئی، جب ایک رات اپنی سہیلی کے گھر سے واپس آتے ہوئے اسے چند غنڈوں نے زبردستی اغوا کرنے کی کوشش کی، لیکن محض اتفاق سے اس وقت روڈ پر پولیس کی ایک جیپ آجانے کی وجہ سے وہ اسے چھوڑ کر بھاگ گئے، پھر دوسری مرتبہ اسے دن دہاڑے بس اسٹاپ سے اٹھانے کی کوشش کی گئی، لیکن عین اسی وقت تیز رفتار بس اسٹاپ پر رکنے کی کوشش کرتے کرتے جھٹکا لگا، جھٹکے سے وہ اور دو غنڈے سڑک پر گرے، مگر وہ اپنی چوٹوں کی پروا کیے بغیر اُٹھ کر دوبارہ کالج بس میں گھس گئی۔ غنڈوں نے شکار کو ہاتھ سے نکلتے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس واقعہ کے بعد اس کے اہل خانہ فکر مند ہو گئے، انہوں نے اسے تھرڈ ائیر سے ہی کالج سے اُٹھا لیا اور پھر ایک ماہ کے اندر اندر اس کی شادی نیئر سے کر دی جو نہ صرف اس کا موں زاد بھائی بلکہ بچپن کا منگیتر بھی تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے تھے۔

شادی کی رات تھی فوزیہ حجلہ عروسی میں دلہن بنی بیٹھی تھی تمام سہیلیاں ایک ایک کر کے جا چکی تھیں، شریر و شوخ چھوٹی نندیں بھی فقرے چست کرنے کے بعد رخصت ہو گئی تھیں۔ اب ہر طرف خاموشی تھی یا پھر دور کسی کمرے سے گھر والوں کے باتیں کرنے اور گاہے بگاہے کسی دلچسپ بات پر ہنسنے کی آوازیں آرہی تھیں کہ کسی کے بھاری قدموں کی چاپ ابھری۔ فوزیہ کے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہوئی، کوئی کمرے میں داخل ہوا اور آہستہ سے کمرے کا دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی، مگر فوزیہ کا دھڑکتا ہوا دل اس وقت بھی اتنی ہی تیزی سے نہیں دھڑکا تھا جتنا اس کے چند ثانیہ بعد ہی ایک زوردار چھنا کا سن کر دھڑک اُٹھا تھا۔ آواز بائیں جانب کی کھڑکی سے آئی تھی۔ دلہناپے کی تمام شرم و حیا بھول کر فوزیہ نے گھبرا کر بائیں جانب دیکھا کمرے کے وسط میں کھڑا نیئر بھی چونک کر اسی طرف دیکھ رہا تھا، کمرے کے فرش پر کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے کی کرچیاں پڑی تھیں، ان کے دیکھتے ہی دیکھتے کسی نے ٹوٹے ہوئے حصے میں ہاتھ ڈال کر کھڑکی کی کنڈی کھولی اور پھر پلک جھپکتے کود کر اندر کمرے میں آ گیا۔ فوزیہ کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی، وہ جہانزیب تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک خوفناک ریوالور تھا جس کی نال نیئر کی طرف اُٹھی ہوئی تھی۔

''کوئی غلط حرکت مت کرنا۔'' اس نے دبے ہوئے مگر تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''ورنہ یہ حجلہ عروسی تم دونوں کا مقبرہ بھی بن سکتا ہے۔ میں اس وقت اپنی جان پر کھیل کر یہاں آیا ہوں۔ اس لیے تمہاری جانیں ضائع ہونے کی بھی پروا نہیں ہو گی۔'' وہ ایک لمحہ کے لیے خاموش ہو کر غور سے نیئر کو دیکھنے لگا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر اس سے مخاطب ہوا۔ ''باوجود اس کے کہ دولہا کا لباس پہنے کھڑے ہو مجھے تو تمہارے اندر کوئی بات نہیں نظر آئی، نہ ہی اتنے حسین ہو اور نہ تمہارا جسم مردانہ صحت و تندرستی کا کوئی قابل ذکر نمونہ ہے۔ سوائے اس کے کہ

ایم اے ایل ایل بی فائنل کے طالب علم ہو اور ایک دولت مند خاندان کے فرد، تمہارے اندر میرے مقابلے میں کوئی اضافی خوبی نہیں ہے لیکن یہ لڑکیاں بھی عجیب ہوتی ہیں، فوزیہ نے میری محبت کو مسترد کر کے تمہاری رفاقت قبول کر لی ہے اور بظاہر اس وقت میں شکست کھایا ہوا رقیب ہوں۔'' چند لمحے رُک کر وہ قدرے فوزیہ کی طرف گھوما۔ ''یہ عارضی کامیابی مبارک ہو فوزیہ!'' اس نے کہا۔ ''اس وقت میں چاہوں تو صرف دو گولیاں خرچ کر کے اپنی توہین کا بدلہ لے سکتا ہوں، مگر اس اذیت کے مقابلے میں انتہائی کم تر درجہ کی اذیت ہو گی جو تمہاری اس حرکت سے میرے دل کو پہنچی ہے۔ اس لیے میرا کوئی ارادہ تم دونوں کو ایسی آرام دہ موت دینے کا نہیں، بشرطیکہ تم اپنی کسی فوری حرکت سے مجھے مجبور نہ کرو نہیں، مس فوزیہ اور مسٹر نیئر! تمہیں اتنی معمولی سزا دے کر میرے دل کو چین نہیں آئے گا، تمہارے لیے تو میں نے ایسی موت سوچی ہے کہ جب تک زندہ ہو تھوڑا تھوڑا کر کے اندر ہی اندر گھٹ کر اور سلگتے ہوئے اپنی آخری سانسوں تک پہنچو میں تمہیں صرف اتنا ہی بتانے آیا تھا کہ مس فوزیہ شادی کر کے اپنے آپ کو کامیاب مت تصور کرنا، میرا جذبہ انتقام تمہارے سر پر کسی بال میں بندھی تلوار کی طرح لٹکتا رہے گا اور اس لیے مجھے بھول مت جانا اور ڈرتی رہنا، اس وقت سے جب یہ تلوار کسی ایسی چیز پر گرے گی جس پر لگا ہوا ایک ایک زخم تمہیں اپنے جسم پر نہیں اپنی روح کی گہرائیوں میں اُترتا محسوس ہو گا، سر دست الوداع۔''

اس کے بعد وہ جس طرح کھڑکی سے کود کر کمرے میں آیا تھا، اسی طرح ایک جست لگا کر باہر نکل گیا۔

وقت گزرتا رہا، فوزیہ اور نیئر کئی ماہ تک جہانزیب کی خوفناک دھمکی سے خوفزدہ رہے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید وہ ان میں سے کسی کو یا ان کے عزیز، بہن، بھائیوں اور والدین میں سے کسی کو مار کر یا اغوا کر کے اپنا انتقام لینا چاہتا ہے۔ مگر مہینے گزر گئے اور کوئی قابل ذکر یا قابل فکر بات وقوع پذیر نہیں ہوئی، ایک سال بیت گیا۔ وہ جہانزیب کی یاد کو فراموش کر کے زندگی کی رنگینیوں اور دلچسپیوں میں مصروف ہو گئے۔ نیئر نے ایم اے ایل ایل بی کا امتحان نمایاں پوزیشن سے پاس کر لیا اور پریکٹس کرنے لگا، پھر ایک میڈیکل چیک اپ کے دوران لیڈی ڈاکٹر نے فوزیہ کو عنقریب ماں بننے کی خوشخبری سنائی، فوزیہ کا ہر طرح خیال رکھا جانے لگا، طبی نگہداشت میں بھی کوئی کمی اُٹھا نہیں رکھی گئی، لیکن جو ہونی کا تب تقدیر نے قسمت میں لکھ دی ہو اس کو وقوع پذیر ہونے سے کون روک سکتا ہے۔

مقررہ وقت پر فوزیہ کو ایک بہترین اور جدید سہولتوں سے آراستہ میڈیکل سینٹر میں داخل کیا گیا اور بالآخر میجر آپریشن کے بعد دو بچوں کی ولادت ہوئی، کیس نے ایسی پیچیدہ صورت حال اختیار کر لی تھی کہ ڈاکٹر سخت جدوجہد کے بعد ہی زچہ و بچہ کو بچانے میں کامیاب ہو سکے، لیکن اب نئی صورت حال یہ پیدا ہوئی کہ آئندہ کے لیے کسی بچے کی پیدائش ممکن نہ رہی، اولاد سے آئندہ کے لیے محرومی کا احساس اس کے لیے قابل برداشت ہو گیا کہ دو بچے اللہ نے انہیں دے ہی دیے تھے۔ جن میں سے ایک لڑکا تھا اور ایک لڑکی، ہر خطرے سے باہر اور پوری طرح نارمل اور صحت مند۔

لڑکے کا نام حسن اور لڑکی کا نام ماہ نور رکھا گیا، خوب خوشیاں منائی گئیں، سب یہی کہہ رہے تھے کہ خدا نے ایک ہی وقت میں لڑکے اور لڑکی کی آرزو پوری کر دی ہے۔ یہی جیتے رہیں، والدین اور خاندان کا نام روشن کریں، مزید بچے نہ بھی ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے،

شاید اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہو۔

دونوں بچوں کی بڑے ناز و نعم سے پرورش ہونے لگی، دونوں گورے چٹے، خوبصورت اور صحت مند تھے۔ وقت تیزی سے پر لگا کر اڑتا رہا، یہاں تک کہ دونوں کی سالگرہ منانے کی تاریخ آ گئی اور گزشتہ سال کی طرح اس برس بھی تمام روایات کو برقرار رکھا گیا، سالگرہ کا خوبصورت اور لذیذ کیک تالیوں کی گونج میں بچوں کے ہاتھ سے کٹوایا گیا۔ ''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو'' کی سریلی آوازیں گونجیں، کھانے کا وقت آیا تو دونوں بچوں کو نیند ستانے لگی، چنانچہ سلا کر انہیں گہواروں میں لٹا دیا گیا جو کہ بیڈ روم میں رکھے تھے۔ مہمانوں نے اطمینان سے کھانے سے انصاف کیا۔ اس کے بعد ایک مختصر سا ورائٹی پروگرام دیکھا اور مبارکباد دیتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

فوزیہ اور نیرؔ ہنستے مسکراتے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اپنے کمرے میں داخل ہوئے، سب سے پہلے ان کی نظر کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی پر پڑی، مگر موسم گرم تھا، انہوں نے کوئی توجہ نہ دی، بچے بظاہر سکون سے سوئے ہوئے معلوم ہو رہے تھے، باری باری باتھ روم میں جا کر انہوں نے لباس تبدیل کیے، پھر ایک دوسرے کو شب بخیر کہنے سے پہلے عادتاً بچوں کو پیار کرنے کے لیے گہواروں کی طرف بڑھے، نیرؔ نے جھک کر حسن کی پیشانی پر بوسہ دیا، فوزیہ بیٹی کو چومنے جھکی تو فوراً ہی ایک چیخ مار کر سیدھی ہو گئی، اس کی آنکھیں خوف و حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ نیرؔ نے قریب ہو کر دیکھا تو گہوارے میں ماہ نور کی جگہ ایک پلاسٹک کی گڑیا رکھی ہوئی تھی۔ اس نے جھپٹ کر گڑیا اُٹھائی، اس کے سینے پر سیفٹی پن سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ لگا ہوا تھا، اس نے سیفٹی پن کھول کر کاغذ نکالا، اس کی تہہ کھولی، یہ ایک چند سطری خط تھا، لکھا تھا۔

''فوزیہ۔''

میں نے تم سے وعدہ کیا تھا نا کہ میں تمہیں ایسی موت دوں گا کہ تم اپنی آخری سانس تک سسک سسک کر مرتی رہو گی۔ آج اس وعدہ کے ایفا کا آغاز ہے۔ میں تمہاری خوبصورت بیٹی کو لیے جا رہا ہوں، میں نے اسے پہلی نظر دیکھا تو کچھ یوں لگا جیسے تم بھی اپنے بچپن میں ایسی ہی رہی ہو گی، غنیمت سمجھو کہ میں نے دونوں کے بجائے صرف ایک کو لینے پر اکتفا کیا اور وہ بھی لڑکی لڑکے سے تمہارے خاندان کا نام چلتا رہے گا۔ البتہ یہ افسوس ضرور ہے کہ تم ماہ نور کا نعم البدل نہ پا سکو گی۔ تمہارا......وہی......''

فوزیہ جو نیرؔ کے ساتھ ہی جھکی ہوئی خط پڑھ رہی تھی، اس نے ایک دبی ہوئی سسکی سی لی اور بے ہوش ہو کر فرش پر لڑھک گئی۔

معروف پبلک پراسیکیوٹر نیرؔ احمد یہاں تک اپنی داستان بیان کر کے خاموش ہو گئے اور اپنی بیگم کی طرف دیکھا جو ان کے دائیں جانب صوفے پر رنج و الم کی تصویر بنی بیٹھی تھی، ان کی عمر چالیس سال سے کچھ ہی زیادہ ہو گی، مگر وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ بوڑھی نظر آ رہی تھیں۔ سر کے بیشتر بال سفید ہو چکے تھے۔ چہرے پر چھائیاں اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے ایک مستقل حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ میں نے آخری کش لے کر سگریٹ کا ٹوٹا ایش ٹرے میں مسل دیا۔

''اس حادثے کو اندازاً کتنی مدت گزر گئی۔'' میں نے پوچھا۔

''تقریباً بیس سال۔'' نیرؔ احمد نے جواب دیا۔ ''لیکن اس درندہ صفت انسان کا انتقام ابھی جاری ہے انسپکٹر اکرم! وہ ہمیں واقعی

سسکا سسکا کر مار رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ماہ نور کی گمشدگی پر میں نے اس کی تلاش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، لیکن اس کو نہ ملنا تھا اور نہ آج تک ملی ہمیں، یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں اور زندہ ہے تو کہاں ہے۔ انسانی فطرت کا مزاج ایسا ہے کہ آدمی رفتہ رفتہ ہر غم کے لیے صبر کا سہارا لیتا ہے۔ ہم نے بھی ماہ نور کی جانب سے صبر کیا اور حسن ہی کو اپنی تمام تر محبت اور شفقت کا مرکز و محور بنا کر پروان چڑھایا، ہم نہ تو ماہ نور کو بھول سکتے تھے نہ اس ظالم جہانزیب کو۔ مگر اتنی امید ضرور ہونے لگی تھی کہ خدا اب کبھی زندگی میں اس سے واسطہ نہیں ڈالے گا، مگر یہ امید بھی پوری نہ ہوئی ...... یہ دیکھیے!'' اتنا کہہ کر انہوں نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک بڑا سا لفافہ نکالا اور اس میں سے کاغذ نکال کر میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''پہلے اسے پڑھیے۔'' میں نے کاغذ ان کے ہاتھ سے لے لیا وہ ایک مختصر سا خط تھا۔

''فوزیہ۔

امید تو یہ ہے کہ تم مجھے ابھی تک نہیں بھولی ہوگی اور یقیناً یہ بھی یاد ہوگا کہ جب میں نے اپنی پر خلوص محبت تمہارے قدموں میں رکھ دی تھی تو تم نے مجھے اس لیے ٹھکرا دیا تھا کہ مجھ جیسے عیاش طبع، آوارہ مزاج لڑکے کسی شریف لڑکی کی محبت پانے کے اہل نہیں ہوتے، ہر چند ان خیالات کا اظہار تم نے زبان سے نہیں کیا تھا اور بظاہر نیئر سے اپنی منگنی کی آڑ لی تھی، مگر تمہارے جذبات میرے بارے میں یہی تھے، اس تحریر کے ساتھ چند فوٹو منسلک ہیں، ذرا انہیں غور سے دیکھنا، دوسرا چہرہ سیاہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، قابل غور بات یہ ہے کہ آج تمہارا نجیب الطرفین بیٹا حسن اسی گندگی میں ملوث ہے، جس کے لیے تم نے مجھے قابل نفرت سمجھا تھا، یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ تم اس کے لیے کسی شریف بیٹی کے باپ کے دروازے پر دستک دینا مناسب سمجھتی ہو یا نہیں، دوسری بات ان تصویروں کو عام ہونے سے بچانے کے لیے تم کتنا خرچ کر سکتی ہو۔ یہ جاننے کے لیے عنقریب پھر رابطہ قائم کروں گا۔

''تمہارا...... وہی۔''

میں خط پڑھ چکا تو نیئر صاحب نے وہ فوٹو بھی میرے ہاتھ میں دے دیے، میں نے انہیں دیکھا، مگر وہ میرے لیے نئے نہیں تھے۔ گزشتہ پندرہ دن میں ایسے دو کیس میرے علم میں آچکے تھے، یہ فوٹو بھی گزشتہ تصویروں کی طرح تھے، انہیں شرمناک تو نہیں کہا جا سکتا، مگر حسن کے ماں، باپ کے لیے وہ تکلیف دہ ضرور تھے، لڑکے کا چہرہ بہت واضح اور نمایاں تھا، جبکہ لڑکی کو شناخت سے بچانے کے لیے اس کا چہرہ بالکل سیاہ کر دیا گیا تھا۔

''کیا اس نے دوبارہ رابطہ قائم کیا۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔'' نیئر صاحب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''اس کا مطلب ایک لاکھ دے ہے۔''

''اس کا امکان ہے کہ وہ فوٹو جعلی ہوں۔'' میں نے کہا ''حسن کا چہرہ فوٹو ٹرک سے کسی اور مرد کے جسم پر لگا دیا گیا ہو۔''

''اس کا امکان نہیں۔'' نیئر صاحب نے مایوسی سے کہا۔ ''ہم نے حسن سے بات کی تھی، وہ شرمندہ ہے، مگر تصویروں کی سچائی سے منکر نہیں۔''

''جہانزیب نے یہ سب سے زیادہ گہرا زخم میری روح پر لگایا ہے۔''

مسز نیئر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔ ''میں نے حسن کی پرورش بڑے ناز سے کی تھی۔ مگر اس نے میری تمام محنت و ریاضت پر پانی پھیر دیا۔ یہ سب لڑکے جوان ہو کر ایسے کیوں ہو جاتے ہیں۔''

''یہ منفی سوچ ہے فوزیہ!'' جہانزیب نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اسے ذہن میں جگہ مت دو، تم نے جہانزیب کو ٹھکرا دیا تھا لیکن اس نے انتقاماً ہمیں برسوں سے اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ تو کیا اسے یہ سمجھا جائے کہ کوئی شریف لڑکی کسی غنڈے کی چیرہ دستیوں کا جواب نہ دے۔ کیا تمہیں کبھی اس فیصلے پر افسوس ہوا۔''

''نہیں، کبھی نہیں۔'' مسز نیئر نے بڑے جوش سے کہا۔

''یہ اتفاق ہے یا قدرت کی کوئی مصلحت کہ خدا نے اس کی رسی دراز کر رکھی ہے، مگر آج نہیں تو کل وہ کیفر کردار کو ضرور پہنچے گا، تم نے اسے ٹھوکر نہ ماری ہوتی تو اس سے زیادہ اذیت ناک حالات میں ہو سکتی تھی یا یوم حساب تم بھی اس کے گناہوں میں شریک سمجھی جاتیں، اس طرح حسن کا معاملہ ہے وہ ایک شریف النفس لڑکا ہے اور اس کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اسے اپنی غلطی پر ندامت ہے۔'' شیطان تو آدم علیہ السلام کو بھی پل بھر کے لیے بہکانے میں کامیاب ہو گیا تھا، نیکی اور بدی کا معیار اگر رنج و راحت کو بنا لیا جائے تو تمہیں ہر زمانے کے فرعونوں اور قارونوں کو برگزیدہ ہستیوں میں شمار کرنا پڑے گا۔''

''آپ سچ کہہ رہے ہیں۔'' بیگم نیئر نے جواب دیا۔ ''لیکن سوال یہ ہے کہ اب ہم اس شیطان سے کیسے نمٹیں گے جس کا نام جہانزیب ہے۔''

''میں نے تمہیں اسی لیے زحمت دی تھی انسپکٹر اکرم!'' نیئر صاحب مجھ سے مخاطب ہوئے کہ میں اس کیس کو باقاعدہ پولیس کیس نہیں بنانا چاہتا، تم نے خود محسوس کر لیا ہے کہ ایسی صورت حال میں بہت سے دوسرے معاملات کو سامنے لانا پڑے گا، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم نجی طور پر تحقیق کرو کہ جہانزیب کہاں ہے، کس بھیس میں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ وہ اسی شہر میں موجود ہے اس کا ثبوت وہ فون بھی ہیں جو اس نے اب تک ہمیں کیے اور یہ حقیقت ہے کہ اس نے ایک لاکھ کی رقم کی ادائیگی کے لیے شہر کا ایک ہی مقام منتخب کیا ہے۔''

''اس نے ابھی کسی تاریخ کا تعین تو نہیں کیا۔'' میں نے سوال کیا۔

''اس نے ہمیں دو ہفتے کی مہلت دی ہے، جس کا آج تیسرا دن گزر رہا ہے۔'' نیئر صاحب نے جواب دیا۔

''آپ کا ارادہ کیا ہے۔ کیا رقم ادا کریں گے۔''

''اگر ان دس، گیارہ دنوں میں تم کچھ نہیں کر سکے تو یہی کرنا ہوگا۔'' نیئر صاحب نے کہا اس کے بعد میں نے ان سے جہانزیب کے حلیے، اس کی کسی مخصوص نشانی یا عادت کے بارے میں پوچھا، مگر نیئر صاحب کو صرف بیس بائیس سال قبل کا حلیہ ہی معلوم تھا، وہ اس کی کسی خاص پہچان یا عادت کے متعلق کچھ نہیں بتا سکے، میں نے نیئر صاحب سے حتی الامکان کوشش کرنے کا وعدہ کیا اور رخصت کی اجازت چاہی۔

ہیڈکوارٹر واپس پہنچا تو ڈی ایس پی صاحب بڑی بے تابی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔

''کہاں غائب رہتے ہو۔'' انہوں نے شکایت کی۔ ''کبھی تو اپنی کرسی پر بیٹھے نظر آجایا کرو۔''

''کرسی پر بیٹھتا ہوں تو آپ ہی شکایت کرتے ہیں کہ حکومت مجھے کرسی پر بیٹھ کر مکھیاں مارنے کی تنخواہ نہیں دیتی۔ ذرا باہر نکل کر تنخواہ حلال کرنے کی کوشش بھی کرلیا کروں۔'' میں نے مسکراتے سے ہوئے جواب دیا۔

''ٹھیک کہتا ہوں تم جب کرسی پر بیٹھتے ہو تو صرف مکھیاں ہی مارتے ہو۔'' ڈی ایس پی صاحب نے کہا۔ ''بہرحال، سیٹھ افضل صاحب نے فون کیا تھا کسی نے ان کے سیف سے دس ہزار روپے اور کچھ قیمتی چیزیں چرالی ہیں۔''

''تو ہمارا اس سے کیا تعلق ہے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ ''وہ اپنے حلقے کے تھانے میں رپورٹ کریں۔''

''انہوں نے اپنی رپورٹ درج کرادی ہے۔'' ڈی ایس پی صاحب نے بتایا۔ ''مگر انہیں شکایت ہے کہ تین دن گزر چکے ہیں اور متعلقہ تھانے کے عملے نے کوئی کارروائی نہیں کی ہے، تم جانتے ہو کہ سیٹھ افضل بڑے اثر ورسوخ والا آدمی ہے، بظاہر وہ کچھ کرتا نظر نہیں آتا، ملک کی دو بڑی سیاسی پارٹیوں کی اعلیٰ قیادت اس کے لاکھوں روپے کے چندے سے مستفید ہوتی ہے اور جواباً انہیں بھی سیٹھ افضل کی خوشی ناخوشی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ہم عوامی محکموں کے ملازمین کی ایک پرابلم یہ بھی ہے کہ ہم کم سے کم بڑی سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کو ناراض نہیں کرسکتے، ممکن ہے کہ کل وہ برسراقتدار آکر ہم سے اس ناراضگی کا سود طلب کریں، سیٹھ افضل نے خاص طور پر تمہیں بھیجنے کے لیے کہا ہے، ذرا جا کر دیکھ لو کیا معاملہ ہے۔''

''آپ یہ کیس باقاعدہ میرے سپرد کر رہے ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' ڈی ایس پی صاحب مسکرائے۔ ''کچھ کیس آف دی ریکارڈ بھی ہوتے ہیں۔''

''سیٹھ افضل کا سیف یقیناً نمبروں والا ہوگا۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں اور چونکہ نمبروں کے معاملے میں ان کی یادداشت بہت زیادہ خراب ہے، اس لیے نمبر انہوں نے اپنی ڈائری میں نوٹ کر رکھا ہے۔''

''چوری کے بعد سیف چابی سے کھولا گیا تھا یا نمبروں سے۔''

''سیٹھ افضل کا کہنا ہے کہ دوسرے دن انہیں سیف کھلا ہوا ملا، مگر اس کے قفل پر یا کسی بھی جگہ کوئی ایسا نشان یا علامت نہیں تھی جس سے سمجھا جائے کہ کسی نے اسے زبردستی کھولنے کی کوشش کی۔''

''اچھی بات ہے۔'' میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''آپ سیٹھ افضل کو فون کردیں کہ میں دو گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں، تب تک وہ اپنے گھر کے ہر فرد کو میرے آنے تک جانے نہ دیں۔''

''دو گھنٹے!'' ڈی ایس پی صاحب چونکے۔ ''دو گھنٹے تک کیا کرو گے۔ ابھی کیوں نہیں چلے جاتے۔''

''میری کرسی میں کھٹمل بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔'' میں نے دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ''مکھیاں مارنے پر آپ اعتراض کرتے ہیں، اس لیے آئندہ دو گھنٹے تک کھٹمل مارنے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا، ورنہ عین ممکن تھا کہ میز پر رکھا ہوا شیشے کا پیپر ویٹ مجھے کیچ کرنا پڑتا ہے۔

سیٹھ افضل کی شاندار کوٹھی کے گیٹ پر چوکیدار مجھے دیکھتے ہی اٹینشن ہو گیا، اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے میں آگے بڑھا تو کوٹھی کے برآمدے میں خود سیٹھ صاحب سے ملاقات ہو گئی، مجھے دیکھتے ہی وہ باچھیں پھاڑ کر مسکرائے اور بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔

''آپ نے سب گھر والوں کو جمع کیا۔''

''جی ہاں، وہ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں، مگر میں انہیں اس طرح اکٹھا کرنے کی مصلحت نہیں سمجھ سکا۔''

''ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں، جن پر آپ کو شبہ ہے۔''

''صحیح معنوں میں تو شبہ کسی پر بھی نہیں ہے۔'' سیٹھ افضل نے جواب دیا۔

''صرف چھوٹے بھائی ساجد پر تھوڑا سا شک ہے کہ آج کل اس کے کاروباری حالات ٹھیک نہیں ہیں، گھر میں اس کی آمد و رفت بھی دوسرے عزیزوں سے زیادہ رہتی ہے، لیکن یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ حرکت اس کی ہے یا نہیں۔''

''نقد رقم دس ہزار تھی۔''

''جی نہیں، پوری ایک لاکھ۔'' سیٹھ افضل نے جواب دیا، میں نے غور سے ان کی طرف دیکھا۔

''یہ بات صرف آپ تک رہنی چاہیے انسپکٹر اکرم!'' سیٹھ افضل معنی خیز لہجے میں بولے۔ ''میں کسی پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا کہ میں گھر میں اتنی بڑی رقم رکھتا ہوں۔''

''بہت خوب!'' میں نے اس طرح کہا کہ سیٹھ افضل اندازہ نہیں کر سکے کہ میں طنز کر رہا ہوں یا تعریف۔ ''کچھ اور قیمتی چیزیں بھی نکالی گئی ہیں۔''

''جی نہیں، بس ایک لاکھ نقد۔ رپورٹ میں قیمتی چیزوں کا اضافہ اس لیے کر دیا گیا کہ پولیس تحقیقات میں تساہل سے کام نہ لے۔'' سیٹھ فضل نے خفیف سی مسکراہٹ سے کہا۔ ''لیکن اب پولیس بڑی سمجھ دار ہو گئی ہے۔''

میں سیٹھ افضل کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو وہاں صرف پانچ افراد بیٹھے تھے دو مرد تین عورتیں میں نے کچھ تعجب سے سیٹھ کی طرف دیکھا۔

''یہ آپ کے کل افراد خانہ ہیں۔''

''شمار میں یہی لوگ آتے ہیں۔'' سیٹھ صاحب نے جواب دیا۔ ''باقی جو ہمیں ان میں سے ایک کو چھوڑ کر جو سعودیہ گیا ہوا ہے اور کوئی قابل ذکر نہیں۔''

انہوں نے تعارف کرایا۔ ایک ان کا لڑکا تھا محمد قاسم، جس کی عمر کسی طرح پینتیس سال سے کم نہیں تھی، جبکہ سیٹھ افضل بذات خود چالیس، پینتالیس سے زیادہ کے نہیں معلوم ہوتے تھے، دوسری اس کی بیوی آمنہ تھی، تیسری ان کی بیٹی تھی طوبیٰ جس کی عمر تیس برس سے کچھ زیادہ ہی لگتی تھی، اس کا شوہر جدہ سعودی عرب میں ملازم تھا۔ چوتھی ان کی مرحومہ بیوی کی بیوہ بہن تھی اور ساٹھ سے اوپر ہونے کے باوجود بڑی مضبوط کاٹھی کی مالک تھی۔ سیٹھ افضل نے اس کے شوہر کے انتقال کے بعد اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا، جس کے عوض اس کو صرف ملازمہ کے فرائض انجام دینا ہوتے تھے۔ گھر کے سب افراد اسے رانی کہتے تھے۔ اصل نام یہی تھا یا کچھ اور نہ سیٹھ افضل نے بتایا نہ میں نے پوچھنے کی زحمت کی۔ آخر میں انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی ساجد کو متعارف کرایا جو نارتھ ناظم آباد میں واقع ایک اعلیٰ درجہ کے ریسٹورنٹ کا مالک تھا، اتنے لوگوں میں مجھے صرف وہی سیٹھ افضل کے خاندان کا معلوم ہوتا تھا۔

میری درخواست پر سیٹھ افضل نے مختصر طور پر واردات کی تفصیل بتائی۔ ان کے بیان کے مطابق چار دن قبل جمعرات کی رات کو وہ حسب معمول اپنی جملہ جائیداد کی آمدن و خرچ کے حسابات چیک کر رہے تھے۔ برسبیل تذکرہ یہ بتاتا چلوں کہ سیٹھ افضل کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

مطلب یہ کہ ان کا کوئی معاشی مشغلہ یا مسئلہ نہیں تھا، چنانچہ اپنی مرحومہ بیوی کی جائیداد کا کرایہ وصول کرنے کے علاوہ ان کی کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ یہ کام وہ اپنے اسٹڈی روم میں انجام دیتے تھے جو ان کے بیڈروم کے برابر واقع تھا۔ رات کو تقریباً گیارہ بجے انہوں نے کام ختم کیا۔ رجسٹر وغیرہ اُٹھا کر سیف میں رکھے، سیف بند کیا اور اطمینان سے اپنے بیڈروم میں آکر سو گئے، دوسری صبح اُٹھے، حسب دستور ناشتہ کیا اور پھر کسی ضرورت کے تحت سیف کو کھولنا چاہا تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ وہ پہلے ہی سے کھلا ہوا ہے۔ حالانکہ انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ رات کام ختم کر کے انہوں نے سیف مقفل کر دیا تھا۔ اس انکشاف سے فطری طور پر گھبرا کر انہوں نے سیف کا جائزہ لیا تو اندر ایک مخصوص خانے میں رکھی ہوئی رقم میں سے ایک لاکھ روپے غائب تھے۔ اس کے علاوہ اور کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے گھر والوں سے اس چوری کا تذکرہ نہیں کیا۔ اگرچہ بعد میں انہیں معلوم ہو گیا اور سیدھے اپنے علاقے کے تھانے میں جا کر رپورٹ درج کرا دی۔

”بس یہ ہیں انسپکٹر صاحب کل حالات۔“ وہ آخر میں بولے، میں نے ان کے اعزا کی طرف دیکھا۔

”آپ لوگوں کو تو اس بارے میں کچھ نہیں کہنا ہے۔“ میں نے پوچھا۔ ”کہنا ہو تو اس کا مناسب وقت یہی ہے بعد میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔“ مگر سب خاموش بیٹھے رہے، میں نے قاسم کی طرف دیکھا۔

”پہلے آپ بتایئے مسٹر قاسم کہ آپ کی عمر کتنی ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”اگلی جنوری میں پورے چھتیس کا ہو جاؤں گا۔“ قاسم نے جواب دیا۔ ”اس سوال سے آپ کا کیا مطلب ہے، اگر یہ ہے کہ میں اور ڈیڈی، باپ، بیٹے معلوم نہیں ہوتے تو یہ بات اپنی جگہ درست ہے۔ ڈیڈی ہمارے سوتیلے باپ ہیں ہماری ممی نے والد کے انتقال کے

بعدان سے دوسری شادی کر لی تھی۔ اس وقت میری عمر کم و بیش سولہ برس اور میری بہن طوبی کی عمر چودہ سال تھی۔ ہم دونوں کے علاوہ والد صاحب کی کوئی اولاد نہیں تھی۔''

''اور آپ کی عمر کیا ہے سیٹھ صاحب!'' ہم نے دوسرا سوال کیا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ چوری کے لیے تحقیقات کر رہے ہیں۔''

''پلیز سیٹھ صاحب! اگر آپ لوگ صرف سوالات کے جواب دیتے رہیں......'' میں نے بات کاٹی۔ تو آپ کا وقت بھی کم خرچ ہوگا اور میرا وقت بھی ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔''

''اس وقت میری عمر اندازاً پینتالیس سال ہے۔'' سیٹھ افضل نے قدرے ناگواری سے جواب دیا۔ ''اور اگر آپ یہ پوائنٹ آؤٹ کرنا چاہتے ہیں کہ بیس سال قبل جب میں نے قاسم کی ممی سے شادی کی تھی تو ان کی عمر مجھ سے زیادہ تھی، کیونکہ وہ اس وقت بھی سولہ اور چودہ برس کے بچوں کی ماں تھیں تو مزید سوالات کی ضرورت نہیں، بلاشبہ ان کی عمر زیادہ تھی، وہ کم و بیش اڑتیس سال کی تھیں، مگر یہ ہماری آپس کی انڈراسٹینڈنگ تھی، پھر بھی یہ کہ اس کا چوری سے کوئی تعلق نہیں۔''

''درست کہا آپ نے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''یہ سوال میں نے صرف بیک گراؤنڈ جاننے کے لیے تھا۔ بہرحال آپ یہ بتائیں کہ گھر میں کس کس کو یہ بات معلوم تھی کہ آپ سیف میں اتنی رقم رکھنے کے عادی ہیں۔''

''تقریباً سب ہی جانتے ہیں۔''

''بہت خوب۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''میں نے سنا ہے کہ آپ کی یادداشت کچھ کمزور ہے۔''

''یہی تو میں بھی کہتا ہوں۔'' قاسم جلدی سے بول اٹھا۔ ''ڈیڈی یقیناً ایک لاکھ روپے کہیں رکھ کر یا کسی کو دے کر بھول گئے ہیں اور یہی صورت سیف کی بھی ہے، کئی مرتبہ میں نے خود ڈیڈی کو متوجہ کیا ہے کہ وہ سیف کا قفل کھلا چھوڑ آئے ہیں۔''

''میری یادداشت کمزور ضرور ہے، مگر نمبروں کے معاملے میں۔'' سیٹھ افضل نے ناگواری سے کہا۔ ''اس لیے میں تمام نمبر اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیتا ہوں۔''

''اور آپ نے سیف کے قفل کا نمبر بھی ڈائری میں نوٹ کیا تھا۔''

''یقیناً۔''

''یہ ڈائری عموماً کہاں رہتی ہے۔''

''میری میز کی دراز کے اندر اسٹڈی روم میں۔''

''جہاں سے گھر کا ہر فرد اسے آسانی سے نکال کر دیکھ سکتا ہے۔''

''اگر چاہے تو۔'' سیٹھ صاحب نے محتاط الفاظ میں جواب دیا۔

''کیا یہ ممکن نہیں آپ جمعرات کی رات کو سیف کا قفل بند کرنا بھول گئے ہوں۔''

''جی نہیں۔'' سیٹھ صاحب نے پرزور انداز سے سر ہلایا۔ ''اس رات تو خاص طور پر مجھے یاد ہے کہ سیف بند کر دیا تھا۔''

''کیوں۔ اس رات کیا بات خاص تھی۔'' میں نے سوال کیا۔

''جب تمام رجسٹر وغیرہ اُٹھا کر سیف میں رکھ چکا۔'' سیٹھ صاحب نے جواب دیا۔ ''اور قفل کا ڈائل گھما کر اسے بند بھی کر دیا تو اچانک مجھے یاد آیا کہ میں رجسٹروں کے ساتھ ہی اپنی ڈائری بھی اندر رکھ چکا ہوں۔ میں پریشان ہو گیا، اب میں سیف کیسے کھولوں گا۔ چنانچہ میں نے اس کا ہینڈل گھمانے کی کوشش کی کہ شاید وہ ابھی پوری طرح بند نہ ہوا ہو، مگر وہ مقفل ہو چکا تھا۔''

''اور پھر صبح آپ کو کھلا ہوا ملا۔''

''جی ہاں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔ ''اب آپ لوگ تشریف لے جا سکتے ہیں۔''

وہ سب اُٹھ کر باہر جانے لگے، جب قاسم اٹھنے لگا تو میں نے اسے ٹھہرنے کی ہدایت کی، باقی سب جا چکے تو میں نے قاسم کی طرف دیکھا۔ ''تم نے اپنے ڈیڈی کے سیف سے ایک لاکھ روپے کیوں نکالے تھے مسٹر قاسم۔''

''سیٹھ افضل اچھل پڑے اور گھور کر اپنے سوتیلے بیٹے کو دیکھا۔''

قاسم کا چہرہ یک دم سفید پڑ گیا، اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی، ہونٹ ہلے، مگر آواز نہیں نکلی۔

''گھبراؤ نہیں۔'' میں نے تسلی دی۔ ''اگر معقول وجہ ہو گی تو سیٹھ صاحب تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔''

''میں...... میں مجبور تھا۔'' قاسم سر جھکا کر بولا۔ ''کوئی مجھے بلیک میل کر رہا تھا۔''

''تو یہ تمہاری حرکت تھی، تم نے......'' سیٹھ صاحب غصے میں بہت کچھ کہنا چاہتے تھے، مگر میں نے روک دیا۔

''پلیز سیٹھ صاحب! آپ سردست خاموش رہیں۔'' میں نے کہا اور پھر قاسم سے پوچھا۔

''کون تھا وہ۔''

''مجھے معلوم نہیں۔ وہ صرف فون پر بات کرتا تھا۔''

''وہ تمہیں کس سلسلے میں بلیک میل کر رہا تھا۔'' میں نے پوچھا۔

''اس کے پاس کچھ فوٹو تھے۔'' قاسم نے جواب دیا۔ ''جس میں سے دو، تین اس نے مجھے بھیجے تھے۔''

''کسی ایسی لڑکی کے ساتھ جس کا چہرہ کالا کر دیا گیا تھا۔'' میں نے کہا۔ قاسم نے ایک دم چونک کر مجھے دیکھا۔

''آپ...... آپ کو کیسے معلوم ہوا۔'' وہ ہکلایا۔

''تمہارے پاس وہ فوٹو ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''وہ مجھے دے دو۔'' میں نے کہا، جواب میں قاسم نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکالا۔

''یہ تمام فوٹو ہیں، ساتھ میں نگیٹو بھی۔'' اس نے بتایا۔ ''یہ مجھے آج صبح ہی ملے ہیں۔''

''تم نے اسے لاکھ روپے کس طرح ادا کیے۔'' میرا اگلا سوال تھا۔

''اس کی ہدایت کے مطابق میں نے ایک لاکھ روپے دو لفافوں میں بند کر کے ایل نارتھ ناظم آباد کے ایک لیٹر بکس میں دن کے ٹھیک ڈھائی بجے ڈال دیے تھے، پھر مجھے نہیں معلوم کہ ان کا کیا ہوا۔ میں سوچنے لگا، ادائیگی کا یہ طریقہ وہی تھا جو سابقہ دو کیسوں میں اختیار کیا گیا، نیئر صاحب کو ابھی کوئی واضح ہدایت نہیں ملی تھی، مگر مجھے یقین تھا کہ ان سے بھی یہی کہا جائے گا۔''

''اچھی بات ہے تم جا سکتے ہو۔'' آخر میں نے اس سے کہا اور قاسم اس طرح ڈرائنگ روم سے نکل گیا جیسے کوئی قیدی جیل سے رہا ہوتا ہے۔

''کمال کر دیا انسپکٹر اکرم!'' سیٹھ افضل نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''تمہیں اس پر شک کیسے ہوا۔''

''معمولی بات تھی۔'' میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب دیا۔

''حالات سے ظاہر تھا کہ یہ گھر کے باہر کے کسی آدمی کا کام نہیں، ورنہ گھر کا کوئی دروازہ کھلا یا کھڑکی ٹوٹی ہوئی ملتی، جس کا ذکر آپ لازماً کرتے، جو کہ آپ نے نہیں کیا، مزید یہ کہ کوئی باہر کا آدمی صرف ایک لاکھ ہی لے جانے پر اکتفا کیوں کرتا، اب گھر کے افراد میں سے خواتین کو نکال دیں، وہ اس قسم کی حرکت اپنے شوہروں کے علاوہ عام طور پر کسی اور کے ساتھ نہیں کرتیں، رہ گئے قاسم اور ساجد...... اور ساجد یہاں رہتا ہے، آپ کے ساتھ نہیں رہتا، وہ دن میں کوئی کھڑکی کھلی چھوڑ کر رات کو اس کے ذریعے اندر آ سکتا تھا لیکن اس نے چوری کی ہوتی تو وہ سیف کھلا چھوڑ کر نہ جاتا، یہ بات صرف قاسم کو معلوم تھی کہ آپ کبھی کبھی سیف مقفل کرنا بھول جاتے ہیں، اس نے اسی امید پر سیف بند نہیں کیا کہ آپ اسے اپنی بھول سمجھیں گے اور جب سیف کھلا ہوا ہو تو کوئی بھی چوری کر سکتا ہے، چنانچہ خاص طور پر اس کی ذات شبے کی زد میں نہیں آئے گی۔''

''ونڈرفل انسپکٹر اکرم! ونڈرفل۔'' سیٹھ افضل نے داد دی۔ ''مگر ان تصویروں کے بارے میں آپ کو کیسے معلوم ہوا۔''

''وہ میرا اندازہ تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''جس کی وجہ یہ تھی کہ ایسے ہی دو، تین کیس اور میرے علم میں آ چکے ہیں، کوئی باقاعدہ ایک منصوبے کے تحت دولت مند افراد کو بلیک میل کر رہا ہے۔''

میں ہیڈ کوارٹر واپس پہنچا تو شام کے چھ بج چکے تھے، سب سے پہلے ڈی ایس پی صاحب کو رپورٹ دی کہ ان کے دوست کی پرابلم حل ہو چکی ہے، امید ہے کہ اب سیٹھ صاحب انہیں مزید تنگ نہیں کریں گے، وہ یقیناً مجھ سے تفصیلات دریافت کرتے، لیکن میں نے

محسوس کیا کہ ان کی تمام تر توجہ اس رپورٹ پر مبذول ہے جو اس وقت ان کے ہاتھ میں تھی، میں نے ایک اچٹتی نظر ڈالی اور انداز تحریر نے واضح کر دیا کہ رپورٹ انسپکٹر بشیر کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی، مجھے کچھ تجسس ہوا کہ آخر اس رپورٹ میں ایسی کیا بات تھی کہ ڈی ایس پی صاحب نے بغیر سر کھائے مجھے چھوڑ دیا، انسپکٹر بشیر کی رپورٹ تھی اس لیے اتنا اندازہ ہو گیا کہ اس کا تعلق ضرور کسی تشدد انگیز جرم سے ہوگا۔ میں اس کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں بشیر بیٹھتا تھا، وہ اپنی کرسی پر موجود تھا۔

''کیا آج کوئی خاص معرکہ ہو گیا ہے۔'' میں نے اس کے برابر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں یار ایک خودکشی کا سیدھا سادھا کیس تھا۔'' بشیر نے بے زار لہجے میں جواب دیا۔ ''ایک برخوردار نے کسی گرل فرینڈ سے عشق فرمایا جواباً انہیں کچھ فوٹو ملے کہ دو ہفتے میں ایک لاکھ روپیہ ادا کر دو، ورنہ...... برخوردار یہ رقم ادا کر سکتے تھے، مگر مشکل یہ تھی کہ ان کے پدر بزرگوار ایک ماہ کے لیے امریکہ اور انگلینڈ کے دورے پر گئے ہوئے تھے۔ اور امی جان سے اتنی بڑی رقم ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بڑی شرافت سے خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کر لی اور پولیس کے نام خط چھوڑ گئے کہ اپنی موت کا ذمہ دار میں خود ہوں، اس لیے کسی اور کو پھانسی نہ دی جائے۔''

''کس کے برخوردار کی بات کر رہے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''ارے بھئی وہ اپنے مشہور عوامی لیڈر ہیں نا، چودھری اقبال۔''

ڈی ایس پی صاحب کے انہماک کی وجہ اب میری سمجھ میں آ گئی تھی۔

''وہ فوٹو، ہیں تمہارے پاس ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں ہیں، مگر ان میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' بشیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے صرف لڑکی کا بایاں ہاتھ دیکھنا ہے۔'' میں نے کہا۔

بشیر نے چونک کر مجھے گھورا، اب اس کی بے پروائی اور بے زاری ختم ہو چکی تھی۔

''استاد! تم کوئی بات چھپا رہے ہو۔'' اس نے کہا۔

''تم وہ فوٹو دکھاؤ، کوئی قابل ذکر بات ہوئی تو بتا دوں گا۔''

بشیر نے اپنی میز کی دراز کھول کر ایک لفافہ نکالا اور میری جانب بڑھا دیا۔ اب تک تمام لفافے بھی ایک ہی انداز کے دیکھنے کو مل گئے تھے۔ میں نے اندر سے تصویریں نکالیں۔ ایک نظر ڈالنا کافی تھا۔ میں نے فوٹو واپس لفافے میں رکھ دیے۔

''اب بتاؤ، کیا معاملہ ہے۔'' بشیر نے پوچھا۔

''پچھلے پندرہ دن میں پانچویں مرتبہ میں اس قسم کے فوٹو دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''آج کل شہر میں کوئی بہت بے باک اور سازشی بلیک میلر سرگرم عمل معلوم ہوتا ہے۔''

بشیر حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا، میں اٹھا اور اسے خدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اب تک جو کیس سامنے آئے تھے ان میں حسن اور چودھری اقبال کے صاحب زادے کو چھوڑ کر کہ مجھے ان سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ باقی تینوں کیسوں میں بلیک میلر نے شکار پھانسنے کا کوئی خاص طریقہ اختیار نہیں کیا تھا۔ ان تینوں سے لڑکی کی پہلی ملاقات یا تو کسی ریسٹورنٹ میں ہوئی تھی یا کسی سینما ہال میں یا کسی پبلک پارک میں اور اس ایک پوائنٹ کے علاوہ باقی تمام طریقہ کار کم وبیش یکساں تھا۔ ایک ہی طرح کے فوٹو، لفافے ایک جیسے، رقم سب سے ایک لاکھ، مہلت دو ہفتہ اور رقم کی ادائیگی اسی مخصوص لیٹر بکس میں۔ میں ان ہی نکات پر غور کرتے ہوئے ہیڈ کوارٹر سے واپس گھر جا رہا تھا، رات کے تقریباً ساڑھے دس بجے تھے۔ میں ڈرگ کالونی کے ایک کوارٹر میں اپنی والدہ اور شادی شدہ بہن کے ساتھ رہتا تھا۔

ابھی میں شاہراہ فیصل سے ڈرگ کالونی کی طرف گھوم کر کچھ ہی آگے بڑھا تھا کہ میں نے اپنی سیکنڈ ہینڈ ڈاٹسن کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں ایک لڑکی کو عین سڑک کے درمیان کھڑے زور، زور سے ہاتھ ہلاتے دیکھا، وہ کوئی ماڈرن لڑکی تھی جس نے بلیو جینز اور شرٹ پہن رکھی تھی۔ بال بھی تراشیدہ تھے، میں نے اس کے قریب پہنچ کر اپنی کار روک لی۔

''دیکھیے مسٹر!'' لڑکی نے کار کی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کہنا شروع کیا، مگر فوراً ہی یوں خاموش ہو گئی جیسے کوئی غیر متوقع چیز دیکھ لی ہو، ظاہر ہے کہ میں اپنے یونیفارم میں تھا۔

''یس مس!'' میں نے پوچھا۔

''بات یہ ہے کہ جناب!'' وہ جیسے بدرجہ مجبوری بولی۔ ''میری کار کے پہیے میں پنکچر ہو گیا ہے، مہربانی کر کے اگر آپ مجھے مین روڈ تک لفٹ دے دیں تو وہاں سے ٹیکسی کر کے گھر چلی جاؤں گی۔''

میں نے کھڑکی سے ہی جھانک کر دیکھا چند گز کے فاصلہ پر ایک کار نظر آ رہی تھی، میں نیچے اترا، کار کے قریب گیا یہ ایک تقریباً نئی چھوٹی سوزوکی کار تھی، جس کا پچھلا پہیہ فلیٹ نظر آ رہا تھا، اس کا رخ مخالف سمت میں تھا۔

''آپ کے پاس کوئی اسپیئر وہیل ہو تو میں اسے لگا سکتا ہوں۔'' میں نے لڑکی سے کہا۔

''جی میرے پاس کوئی وہیل نہیں ہے۔'' لڑکی نے جلدی سے کہا۔ ''مگر شاید آپ کسی ضروری کام سے جا رہے تھے، آپ بے شک چلے جائیں، میں کسی اور سے لفٹ لے لوں گی۔''

''جی نہیں۔ میں ڈیوٹی ختم کر کے گھر جا رہا تھا، آپ کہیں تو آپ کے گھر تک ڈراپ کر سکتا ہوں۔''

''شکریہ۔ آپ بس مجھے مین روڈ پر اتار دیں۔''

''بیٹھیے۔'' میں نے اس کے لیے اپنی کار کی اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

وہ کچھ ہچکچانے کے بعد آخر بیٹھ گئی، میں نے بھی سیٹ پر بیٹھ کر ڈرائیورنگ وہیل سنبھالا، کار ٹرن کی اور دوبارہ مین روڈ کی طرف

چل دیا۔ قدرتی طور پر اس کا بایاں ہاتھ میرے سامنے تھا اور میں اس کی انگلی میں چاندی کا وہ ابھرا ہوا چھلا دیکھ رہا تھا جو اب تک نگاہ سے گزرنے والی تمام تصویروں میں لڑکی کے بائیں ہاتھ میں دیکھ چکا تھا۔ کار میں جلتی ہوئی ہلکی روشنی کے باوجود میں دیکھ سکتا تھا کہ لڑکی بلا کی حسین اور بہت ہی متناسب جسم کی مالک تھی۔ مگر وہ لڑکی غالباً کسی شکار کی تلاش میں کھڑی تھی، مجھے یونیفارم میں دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی کہ میں پولیس آفیسر ہوں، اس نے چند منٹ کے راستے میں کوئی بات بھی نہیں کی۔ میں بھی کوئی دلچسپی ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے خاموش رہا۔ مین روڈ پر چند فرلانگ آگے بڑھتے ہی اس نے اترنے کی خواہش ظاہر کی اور مجھے کار روکنا پڑی اور وہ شکریہ ادا کر کے اتر گئی، ایک موہوم سا امکان تھا کہ شاید وہ کوئی ٹیکسی کر کے اپنی کار تک واپس آئے اور پھر وہیں سے اپنی تلاش شروع کرے جہاں سے منقطع ہو گئی تھی، چنانچہ میں واپس لوٹا۔

☆......☆......☆

میں اس کی کار سے کچھ فاصلے پر ایک مکان کی آڑ میں کار روک کر تمام بتیاں بجھا کر انتظار کرنے لگا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ ایک ٹیکسی میں واپس آئی، اپنی کار کے قریب اتری اور ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر رخصت کر دیا۔ اگلے پندرہ منٹ میں اس نے تین کاروں کو روکا۔ پہلی دو کاروں میں ایک سے زیادہ لوگ تھے اور اس کے مطلب کے بھی نہ تھے۔ تیسری کار میں البتہ ایک تنہا نوجوان تھا۔ وہ اتر کر لڑکی کی کار تک آیا۔ اسے دیکھا، دونوں میں کچھ باتیں ہوئیں اور پھر لڑکی اس کی کار میں بیٹھ گئی۔ کار واپس ہوئی تو میں بھی حرکت میں آ گیا۔ لڑکی کی کار کا نمبر میں نے پہلے ہی نوٹ کر لیا تھا۔ مین روڈ پر دو چار فرلانگ کے تعاقب کے بعد میں نے اگلی کار کا نمبر بھی ذہن نشین کر لیا۔

سجانی انٹر پرائز تک پہنچ کر وہ کار ایک پبلک پارک کی طرف گھوم گئی۔ میں مناسب فاصلہ دے کر پیچھے لگا ہوا تھا۔ دو تین سائیڈ اسٹریٹس میں مڑنے کے بعد کار ایک پانچ منزلہ بلڈنگ کے سامنے رک گئی۔ یہ کوئی اپارٹمنٹ بلڈنگ تھی۔ دونوں کار سے اترے کچھ باتیں کیں اور آخر کار وہ نوجوان اپنی کار لاک کر کے لڑکی کے ساتھ عمارت میں داخل ہو گیا۔ میں نے اس زینے کو نگاہ میں رکھا جس سے وہ دونوں اوپر گئے تھے اور دائیں بائیں فلیٹس کو دیکھتا رہا۔ تقریباً تمام ہی فلیٹس میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ پانچویں اور آخری منزل کے دونوں فلیٹ تاریک تھے۔ چند لمحے بعد میں نے دائیں طرف کے فلیٹ میں روشنی ہوتے ہوئے دیکھی اور سمجھ گیا کہ یا تو یہ فلیٹ اسی لڑکی کا ہے یا پھر وہ اسے شکارگاہ کے طور پر استعمال کرتی ہے۔

میں نے کار سے اتر کر زینے کی دیوار پر تحریر فلیٹس کے نمبر دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ جس فلیٹ میں لڑکی گئی ہے، وہ فلیٹ بی 39 تھا۔ سر دست مزید ٹھہرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں دوبارہ کار میں بیٹھا اور گھر چل دیا۔

اگلے دن میں نے ہیڈ کوارٹر پہنچتے ہی اپنے ایک ذہن و ہوشیار ماتحت اے ایس آئی شہریار کو پتا بتا کر اس بلڈنگ کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ کچھ دن پہلے ڈی ایس پی صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ ان کے بھتیجے کی شادی کو تقریباً سات برس گزر چکے ہیں مگر ابھی تک اس کے

ہاں کوئی بچہ نہیں ہوا۔ پچھلے ہفتے جب وہ اپنے بھائی کے گھر گئے تھے تو ان کی بھاوج نے ایک بزرگ عورت کے بارے میں بتایا کہ اس کی بہت شہرت سنی ہے۔ جس کی جو بھی مراد ہو، اس کا دیا ہوا تعویز پہننے یا گلے میں تعویز ڈالنے سے پوری ہو جاتی ہے۔

چنانچہ وہ اپنی بہو کو اس خدا رسیدہ برگزیدہ عورت کے پاس لے جانے کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔ قدرتی طور پر ڈی ایس پی صاحب کو اس تمام خرافات پر بالکل یقین نہیں آیا تھا۔ انہوں نے بھاوج کو بھی سمجھانے کی کوشش کی مگر جب انہیں اپنے ارادے میں اٹل پایا تو اتنی مہلت مانگ لی کہ وہ عورت کے بارے میں معلوم کریں گے اور اگر وہ ویسی ہی ثابت ہوئی جیسا کہ بھاوج کا خیال ہے تو وہ خود انہیں اس عورت کے پاس لے چلیں گے۔

یہ ذکر سناتے ہوئے ڈی ایس پی صاحب نے یہ کام میرے ذمے ڈالا کہ میں اس عورت کے بارے میں تحقیقات کروں۔ اس کے بارے میں انہیں اتنا ہی معلوم تھا کہ ہائی سوسائٹی کے علاقے میں کہیں رہتی ہے۔ میں نے تحقیقات کیں تو پتا چلا کہ اس عورت کا واقعی بہت شہرہ ہے۔ بہت بوڑھی ہے، اتنی کہ سر ہی کے نہیں، بھووں تک کے بال سفید ہو چکے ہیں۔ کسی طرح سو سال سے کم نہیں ہوگی۔ اس کے دروازے پر ضرورت مندوں کا ہجوم رہتا ہے مگر وہ ہفتے میں صرف تین دن ہفتہ، پیر اور بدھ کو عوام سے صبح نو بجے سے رات کے نو بجے تک ملاقات کرتی ہے۔ ایک ملاقات کی فیس ایک سو روپیہ ہے اور صرف پانچ منٹ کا وقت دیتی ہے۔ اتنے وقت میں بات مکمل نہ ہو تو دوسری ملاقات کے لیے ٹائم لینا پڑتا ہے۔

اس دن بدھ ہی تھا۔ میں نے تقریباً بیس دن قبل اس ملاقات کے لیے پیشگی وقت لے کر فیس جمع کرا دی تھی۔ فیس جمع کراتے وقت نام و پتا اور مقصد ملاقات بھی بتانا پڑتا تھا۔ چنانچہ میں نے سہیل کا نام دیتے ہوئے اسی کا پتہ نوٹ کرا دیا تھا اور مقصد بھی وہی لکھوایا تھا جو حقیقت میں تھا۔ ویسے میں اتنا ہی چاہتا تھا کہ ذرا ایک نظر اس بزرگ خاتون کو دیکھ لوں جو عام پبلک میں بڑی اماں کے الفاظ سے ہی مشہور تھی۔

مجھے ٹھیک دس بج کر پچیس منٹ پر حاضر ہونا تھا۔ حاجت مند اگر وقت مقررہ پر حاضر نہیں ہوتا تھا تو اسے فیس ضبط ہونے کے علاوہ دوبارہ ٹائم بھی لینا پڑتا تھا۔ میں ساڑھے دس بجے ہی پہنچ گیا۔ وہ ایک عالی شان بنگلے میں رہتی تھی۔ گیٹ پر ”آشیانہ بڑی اماں“ لکھا ہوا تھا۔

اور بنگلے کے سامنے کا پورا لان عورتوں و مردوں سے بھرا ہوا تھا۔ برآمدے میں ایک بنچ پڑا تھا جس پر تقریباً بارہ آدمی ایک وقت میں بیٹھ سکتے تھے۔ ہر گھنٹے کے شروع میں ان بارہ آدمیوں کے نام پکارے جاتے تھے، جنہیں اگلے گھنٹے میں ملاقات کرنا ہوتی تھی اور یہ آدمی پانچ پانچ منٹ کے بعد اُٹھ کر اس کمرے میں جاتے رہتے تھے جس میں وہ متبرک خاتون جلوہ افروز تھیں۔

معلوم ہوا کہ میرا نام سہیل پکارا جا چکا ہے اور اگر میں فوراً ہی بنچ پر جا کر نہیں بیٹھا تو لازماً دوسری مرتبہ آنا پڑے گا۔ میں نے خلیفہ صاحب کے حکم کی تعمیل کی۔ یہ وہ بزرگ تھے جو وقت مقرر کرتے تھے اور فیس وصول کرتے تھے اور ہر گھنٹے بعد بارہ نام پکارتے رہتے تھے۔

میرا نمبر گیارہواں تھا اور میں ٹھیک دس بج کر پچپن منٹ پر کمرے میں جسے حجلہ شریف کہا جاتا تھا، داخل ہو گیا۔ گلاب کے عطر اور

لوبان نے میرا استقبال کیا۔ سامنے ایک بڑی میز کے دوسری طرف ایک بہت ہی بوڑھی عورت جو سرتاپا سفید نظر آ رہی تھی۔ گلے میں بڑے بڑے سفید موتیوں کا ہار اور ہاتھ میں اتنے ہی بڑے موتیوں کی تسبیح لیے بیٹھی تھی۔ اس کے ہونٹ ساکن تھے لیکن تسبیح کے دانے ایک مقررہ رفتار سے گردش کر رہے تھے۔

میں سامنے والی ایک ہی خالی کرسی پر بیٹھ گیا اور تب ہی میری نظر اس کے جھریوں دار بائیں ہاتھ پر پڑی اور میں چونک گیا۔ بڑی مشکل سے میں نے اپنے ردِعمل کو چھپایا۔ اس کے بائیں ہاتھ کی درمیانی والی انگلی میں وہی ابھرا ہوا چاندی کا چھلا پڑا ہوا تھا۔

اب میں نے ذرا غور سے اس بڑی اماں کو دیکھا جو آنکھیں بند کیے عالم استغراق میں تسبیح کے دانے گھما رہی تھی۔ کرنے والے نے کمال کا میک اپ کیا تھا مگر ذرا توجہ کرنے سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی رات والی ماڈرن لڑکی ہے جو لفٹ لینے کے بہانے شکار پھانس رہی تھی۔ مجھے نہ معلوم کیا خیال آیا کہ میں نے اپنی خفیہ اندرونی جیب سے ایک ماچس کی ڈبیا جتنے سائز کا ٹرانسمیٹر نکال کر اپنی کرسی کے نیچے چسپاں کر دیا۔

یہ ٹرانسمیٹر حال میں امریکہ سے درآمد کیے گئے تھے اور بہت ہی خصوصی طور پر تقسیم کیے گئے تھے۔

پھر میں نے نظریں جھکا لیں، مؤدب ہو کر بیٹھا اور اپنی آمد کا مدعا عرض کیا۔ بڑی اماں نے اپنے میز کی دراز سے ایک تعویذ نکال کر دیا اور بتایا کہ ہر تعویذ ایک ماہ کے لیے کارآمد ہے اور اسے کم از کم دس تعویذ بیوی کے گلے میں ڈالنا ہوں گے، تب کہیں جا کر گوہر مراد حاصل ہوگا۔ میں نے تعویذ لیا، جھک کر سلام کیا اور باہر آ گیا۔

میرے بعد بارہویں صاحب لپک کر حجلہ شریف میں آ گئے۔ خلیفہ صاحب اگلے بارہ نام پکارنے لگے اور میں نے کچھ حیرت سے دیکھا کہ ان بارہ حاجت مندوں میں ایک سیاسی پارٹی کے معروف لیڈر بھی ہیں۔ غنیمت تھا کہ وہ مجھے نہیں پہچانتے تھے ورنہ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو شرمندہ ہونا پڑتا۔

میں نے بنگلے سے تقریباً ایک فرلانگ جا کر اپنا ریسیونگ سیٹ آن کیا۔ اتفاق تھا کہ لیڈر صاحب نے اس لمحے حجلہ شریف میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔ میں دلچسپی سے ان کی گفتگو سننے بلکہ ریکارڈ بھی کرنے لگا۔ مجھے کچھ حیرت ہوئی کہ لیڈر صاحب نے اپنی پارٹی کی گزشتہ مجلس عاملہ کی کارروائی کی روداد سنانے کے علاوہ کوئی بات نہیں کی۔ نہ اپنی کسی کارگزاری کی رپورٹ، نہ بڑی اماں کی کچھ ہدایتیں۔ پانچ منٹ ختم ہوئے تو وہ بھی اُٹھ کر چل دیے۔

میں کافی حیران سا ہیڈ کوارٹر آ گیا۔ اگر یہ وہی رات والی لڑکی تھی اور یقیناً تھی تو اس کے اس روپ کا کیا مطلب، کیا فائدہ تھا۔ علاوہ سو روپیہ فی پانچ منٹ فیس وصول کرنے کے۔ ہیڈ کوارٹر میں اے ایس آئی شہریار آیا بیٹھا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ مطلوبہ بلڈنگ میں پہنچا تو فلیٹ نمبر B-31 میں کوئی نہیں تھا۔ باہر دروازے میں تالا پڑا ہوا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق تقریباً ساڑھے نو بجے وہاں پہنچا تھا۔ فلیٹ کو خالی ہونا ہی تھا۔ میں نے دل میں سوچا۔ آخر اسے نو بجے تک بڑی اماں کے میک اپ میں آنا تھا۔

اسی رات میں نے دس بجے تک کا وقت فرید کالونی جانے والی سڑک پر چکر لگاتے گزارہ جس پر اس لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ یقیناً اس نے جگہ اور طریقہ کار بدل لیا ہوگا یا پھر ممکن تھا کہ یہ ناغے کا دن ہو۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوئی کیونکہ بڑی اماں کے بھیس میں بھی وہی تھی تو صبح نو بجے سے رات نو بجے تک تھکن سے چور ہوگئی ہوگی۔

اسی خیال سے میں نے دوسرے دن بھی اس سڑک پر ایک گھنٹہ گشت کیا لیکن یہ محنت بھی بیکار گئی مجھے یاد آیا کہ میں نے اپنی حماقت سے اسے یہ بتا دیا تھا کہ میں کہاں رہتا ہوں۔ چنانچہ اب امکان یہی تھا کہ وہ اس سڑک کا رخ نہ کرے۔

اِدھر اے ایس آئی شہر یار کی بھی مسلسل دو دن کی نگرانی کے بعد یہی رپورٹ تھی کہ فلیٹ نمبر B-39 میں اس نے کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔ پڑوسیوں سے پوچھ گچھ کرنے کے لیے میں نے منع کر دیا تھا۔

اگلے دن جمعہ تھا۔ میں صبح کے تقریباً ساڑھے سات بجے گھر سے نکلا۔ نیئر صاحب نے فون کیا تھا کہ انہیں رقم کی ادائیگی کے بارے میں ہدایات مل چکی تھیں، اس لیے میں صبح ان کے گھر آ جاؤں تا کہ اس مسئلے پر کچھ غور کر سکیں۔ میں کافی آہستہ رفتار سے کار چلا رہا تھا۔ اچانک میں نے مین روڈ سے کچھ آگے اسی لڑکی کو فٹ پاتھ پر کھڑے دیکھا۔ اس نے ایئر ہوسٹس جیسی پوشاک پہن رکھی تھی۔ ایک خالی رکشہ گزرا تو اس نے ہاتھ دے کر اسے روک لیا۔ پہلے مجھے کچھ شبہ تھا۔ ظاہر ہے سو گز کے فاصلے سے کسی کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وہی ہے جسے ہم سمجھ رہے ہیں یا کوئی اور لیکن جب اس نے ہاتھ ہلایا تو مجھے صبح کی دھوپ میں اس کا چاندی کا چھلا چمکتا نظر آ گیا اور میرا رہا سہا شبہ بھی دور ہو گیا۔

کار قریب پہنچی تو رکشہ آگے بڑھ چکا تھا۔ میں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

تعاقب کا یہ سلسلہ کافی دیر جاری رہا اور پھر ایک مین سڑک پر وہ رکشہ سے اُتر گئی اور کچھ دور پیدل چلنے کے بعد اس نے ایک کوارٹر کے دروازے پر دستک دی۔

دروازہ کسی تاخیر کے بغیر یوں کھل گیا جیسے اس کا انتظار کیا جا رہا ہو۔ وہ اندر چلی گئی۔ دروازہ پھر بند ہو گیا۔ یہاں میں نے ایک دو آدمیوں سے پوچھنے میں چنداں مضائقہ نہیں سمجھا۔ جب میں نے اپنا پولیس بیج دکھایا، تب مجھے بتایا گیا کہ اس کوارٹر میں ایک بوڑھی خاتون اپنی جوان بیٹی کے ساتھ اکیلی رہتی ہے۔ لڑکی کا نام مس نائلہ ہے اور وہ کسی ایئر لائن میں ہوسٹس ہے۔ ہفتے میں چھ دن باہر رہتی ہے۔ جمعہ کو چھٹی گزارنے ماں کے پاس آ جاتی ہے۔ مجھے کچھ حیرت ہوئی کہ محلے کے کسی عقل مند نے یہ جاننے کی ضرورت نہیں محسوس کی کہ ایئر ہوسٹسوں کی ڈیوٹیاں اس طرح کی نہیں ہوا کرتیں۔

بہر حال میں نے کوارٹر کا محل وقوع اور نمبر ذہن نشین کیا اور نیئر صاحب کے گھر کی طرف چل دیا لیکن میں بڑے تعجب کے ساتھ یہ ضرور سوچ رہا تھا کہ یا میرے مولا! آخر اس لڑکی کے کتنے روپ ہیں۔ کتنے چہرے ہیں۔ کہیں وہ کال گرل بنی ہوئی ہے تو کہیں لوگوں کی مرادیں بر لانے والی اور سیاسی پارٹیوں کی کارگزاری کی رپورٹ رکھنے والی بڑی اماں اور اب یہ ایئر ہوسٹس۔ پتا نہیں اس بھیس میں رہنے

سے اس کا کیا مقصد تھا۔ غالباً ہفتہ بھر کی شدید محنت کے بعد ایک دن کا مکمل اور پر سکون ریسٹ یا کچھ اور......۔

نیّر صاحب بڑی بے تابی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔

"کیوں اکرم! کچھ معلوم ہوا۔" انہوں نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔

"ہاں، کچھ کامیابی تو ہوئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اس لڑکی کا پتا چل گیا ہے مگر جب تک مجھے مکمل منصوبے اور جملہ ثبوت کا علم نہیں ہو جاتا میں اس پر ہاتھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس طرح وہ شخص بچ کر نکل جائے گا جو اس سازش کا دماغ ہے اور غالباً لڑکی سے زیادہ آپ اس کی گرفتاری سے دلچسپی رکھتے ہیں۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے کیونکہ وہ شخص جہانزیب کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔" نیر نے سر ہلایا۔ "اور جب تک وہ پکڑا نہ جائے، ہماری زندگی کانٹوں پر بسر ہوتی رہے گی۔"

"آپ بتایئے، آپ کو کیا ہدایت دی گئی ہیں۔" میں نے پوچھا۔ "یا پھر ٹھہریے۔ میں کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا ہوں۔ دن کے بارے میں تو نہیں بتا سکتا لیکن باقی ہدایات کچھ یوں ہوں گی کہ آپ کو ایک لاکھ روپے کی رقم دو لفافوں میں بند کر کے دوپہر کے ٹھیک ڈھائی بجے ایل بلاک سرچ روڈ کے ایک خاص لیٹر بکس میں ڈالنا ہے۔"

نیر صاحب کے چہرے پر حیرت ظاہر ہوئی۔

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔" انہوں نے تعجب سے پوچھا۔

"اس بلیک میلر کا شکار آپ ہی نہیں ہیں۔" میں نے بتایا۔ "وہ اب تک نہ معلوم کتنے لوگوں کو لوٹ چکا ہے مگر پتا صرف پانچ افراد کا چل سکا ہے۔"

"پھر تمہارا کیا مشورہ ہے۔"

"آپ ویسا ہی کریں جیسی آپ کو ہدایت دی گئی ہے۔ میں اس لیٹر بکس کی خفیہ نگرانی کراؤں گا اور دیکھوں گا کہ رقم نکالنے کون آتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "ویسے دن کون سا ہے۔"

"آئندہ پیر کا۔" نیر صاحب نے بتایا۔

"آپ اطمینان رکھیں، میری تمام تر کوشش یہی ہے کہ وہ شخص بچ کر نہ نکل سکے۔" میں نے کہا۔ "کیونکہ جیسا کہ اب رفتہ رفتہ یہ کھلتا جا رہا ہے کہ وہ صرف آپ کا نہیں، اس پورے معاشرے پوری قوم اور ملک کا دشمن ہے۔"

☆......☆......☆

اتوار کے دن میں ہیڈ کوارٹر پہنچا تو معلوم ہوا کہ ڈی ایس پی صاحب کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ وہ آج نہیں آسکیں گے۔ مجھے ان سے کچھ ضروری مشورہ کرنا تھا۔ فون پر بات کرنا مناسب نہیں سمجھا اور میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں ڈی ایس پی اپنے ہم زلف کے ساتھ رہتے

تھے جو ایک بڑی امپورٹ ایکسپورٹ فرم کے مالک تھے۔ میں ایک سائٹ اسٹریٹ میں گھوم رہا تھا کہ مجھے چند قدم آگے سفید ساڑھی میں ملبوس ایک خاتون فٹ پاتھ پر پیدل چلتی نظر آئی۔ اس کے بائیں شانے پر ایک بیگ جھول رہا تھا۔ اس وقت تقریباً دس بجے تھے، خاتون نے ایک بنگلے کے گیٹ کے ساتھ لگی ہوئی کال بیل کا بٹن دبایا۔

چند لمحے بعد کسی نے گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھولا اور خاتون اندر چلی گئیں مگر اندر جاتے ہوئے جب انہوں نے بائیں ہاتھ سے گیٹ کو پکڑا تو مجھے ایک بار پھر وہی چاندی کا چھلہ نظر آیا اور میں نے گھبرا کر بریک مارتے ہوئے کار روک لی۔

میں اس چاندی کے چھلے سے بیزار ہونے لگا تھا۔ قریب ہی ایک نوعمر لڑکا کسی دوسرے لڑکے سے باتیں کر رہا تھا۔ ''کیوں صاحبزادے! تم بتا سکتے ہو کہ یہ خاتون جو ابھی اس بنگلے میں گئی ہیں، وہ کون ہیں۔'' میں نے اس سے پوچھا۔

''یہ ایک سوشل ورکر ہیں۔'' لڑکے نے جواب دیا۔ ''ہفتہ پندرہ دن میں ایک بار اس طرف چکر ضرور لگاتی ہیں۔''

یہ ایک نیا روپ تھا، ابھی تک پبلک پارک کے سامنے والا فلیٹ، ایک اعلیٰ سوسائٹی کا ایک بنگلہ اور وہ ایک چھوٹا کوارٹر تین ٹھکانے علم میں آئے تھے اور صرف وہ کوارٹر ہی ایسی جگہ تھی جہاں اس کے علاوہ بھی کوئی رہتا تھا۔ ایس آئی شہریار ابھی تک فلیٹ کے بارے میں کوئی امید افزا رپورٹ نہیں دے سکا تھا۔ میں اسی غصے کی کیفیت میں دوبارہ کار میں بیٹھا۔ ڈی ایس پی صاحب سے اپنی ملاقات مؤخر کی اور تیز رفتاری سے مین روڈ کی طرف چل دیا۔

میں نے کار سائٹ اسٹریٹ پر چھوڑ دی اور اس گلی میں داخل ہو گیا جہاں وہ کوارٹر تھا۔ دروازے پر دستک دی۔ پہلے آہستہ اور پھر چند منٹ ٹھہر کر ذرا زور سے مجھے شک ہونے لگا تھا کہ کہیں کوارٹر بھی خالی نہ ہو لیکن ایسا ہوتا تو دروازہ باہر سے مقفل ہونا چاہیے تھا۔ آخر کسی کے قدموں کی چاپ آتی سنائی دی جو دروازے تک آ کر رک گئی۔

''کون ہے۔'' کسی نے پوچھا۔

''پولیس۔'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''دروازہ کھول دو ورنہ میں اسے توڑ دوں گا۔''

ایک لمحہ ہچکچاہٹ کے بعد اندر سے کنڈی کھلی۔ دروازے کا ایک پٹ چرچرایا۔ میں نے زور سے دھکا دے کر اسے پورا کھول دیا اور پھرتی سے اندر داخل ہوا اور پھر شدید حیرت سے میرے قدم رک گئے۔ میری سامنے ایک بوڑھی عورت کھڑی تھی۔ ایسی عورت جسے میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

دوسرے دن پیر تھا۔ وہ دن جب نیر صاحب کو اس بلیک میلر کو ایک لاکھ روپے ادا کرنا تھے، چونکہ سرکاری طور پر نیر صاحب نے کوئی رپورٹ کسی کے خلاف درج نہیں کرائی تھی، اس لیے میں اس سلسلے میں نہ کسی سے کچھ کہہ سکتا تھا اور نہ اپنے ایک دو سے زیادہ ماتحتوں کو چند گھنٹوں سے زیادہ کے لیے فارغ کر سکتا تھا، اس لیے میں نے دو آدمیوں کی ڈیوٹی چار چار گھنٹوں کے لیے لگا دی۔

ایک کی ڈھائی بجے سے ساڑھے چھ بجے تک۔ دوسرے کی ساڑھے چھ سے ساڑھے دس بجے تک۔ اس لیٹر بکس سے ڈاک دن

میں دو مرتبہ نکلتی تھی۔ پہلے صبح ساڑھے آٹھ بجے اور دوسری دوپہر ڈیڑھ بجے۔اس کا مطلب تھا کہ اگر کوئی لیٹر بکس کھولنے نہیں آیا تو مجھے رات کے ساڑھے دس بجے سے صبح ساڑھے آٹھ بجے تک انتظار کرنا تھا۔ جب ڈاکیا لیٹر بکس آ کر کھولتا تھا۔

نیر صاحب مقررہ وقت پر میرے سامنے دونوں لفافے لیٹر بکس میں ڈال کر چلے گئے۔اس کے دس پندرہ منٹ کے بعد میں ہیڈ کوارٹر لوٹ گیا۔ میں نے اپنے دونوں ماتحتوں کو بتا دیا تھا کہ یہ میرا ذاتی کام ہے، اس لیے کسی سے اس کا ذکر نہ کریں مگر غیر حاضری کے سلسلے میں ان سے باز پرس ہو تو وہ یہی جواب دیں کہ اپنے ذاتی کام سے چار گھنٹے کی چھٹی لے کر گئے تھے۔ دوسری بات یہ کہ اگر کوئی شخص، خواہ وہ لباس سے ڈاکیا ہی کیوں نہ معلوم ہوتا ہو۔ لیٹر بکس کھولے تو وہ اسے پکڑیں گے نہیں بلکہ اس کا تعاقب کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ وہ کہاں جاتا ہے اور قریب میں پنواڑی کی دکان پر یہ کہہ جائیں گے کہ اگر کوئی ان کے بارے میں پوچھے تو پوچھنے والے کو بتا دے کہ وہ ایک دوست کے ساتھ چلا گیا ہے۔

میں ڈی ایس پی صاحب سے اپنی ملتوی شدہ گفتگو مکمل کر کے ٹھیک ساڑھے دس بجے مقررہ جگہ پہنچ گیا۔ معلوم ہوا کہ اس مقررہ وقت تک کوئی لیٹر بکس کھولنے نہیں آیا۔اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ بلیک میلر ضرورت سے زیادہ محتاط ہے۔ وہ رات کے سناٹے میں اپنا کام مکمل کرنا چاہتا ہے۔ میں اپنے ساتھی کو قریبی ریسٹورنٹ میں چائے پلانے لے گیا۔ ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے میں نے ویٹر کی تلاش میں گردن گھمائی تو کاؤنٹر پر ایک شناسا چہرہ نظر آیا۔ یہ ساجد تھا سیٹھ افضل کا بھائی۔ میں دوڑ کر کاؤنٹر پر پہنچا تو ساجد مجھے پہچان کر مسکرایا۔

”آپ یہاں کیسے انسپکٹر صاحب۔“ اس نے پوچھا۔

”تو یہ ہے تمہارا ریسٹورنٹ۔“ میں نے اس کا سوال دانستہ نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ”مگر یہ تو اچھا خاصا چلتا ہوا نظر آ رہا ہے۔“

”بس اللہ کا کرم ہے، گزارہ ہو جاتا ہے۔“ ساجد بولا۔ ”کیا پئیں گے۔ ٹھنڈا یا گرم۔“

”اس وقت تو چائے کی خواہش ہے۔“

”آپ ٹیبل پر بیٹھیں، میں ابھی ویٹر کے ہاتھ اسپیشل چائے بھجواتا ہوں۔“

”دو چائے۔“ میں نے واپس جاتے ہوئے کہا۔

چائے واقعی اچھی تھی مگر ساجد نے چائے کے پیسے نہیں لیے۔ ہم ریسٹورنٹ سے باہر نکلے میرا ساتھی چلا گیا۔ بارہ بجے تک ساجد کا ریسٹورنٹ بھی بند ہو گیا۔ میں نے احتیاط کے طور پر ایک قریبی مکان کے مالک سے مل کر اپنا تعارف کراتے ہوئے اس کے اندر بیٹھنے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ ایک بجے تک کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی تو میں گیٹ کے اندر آ کر بیٹھ گیا اور صبح آٹھ بجے تک کا وقت بیٹھ کر اور ٹہل کر گزار دیا۔ ڈاکیا ٹھیک وقت پر آیا۔ اس نے لیٹر بکس کھولا تو میں اس کے سر پر موجود تھا مگر جو ڈاک اس نے نکالی، اس میں نیر صاحب کے دونوں لفافے شامل نہیں تھے۔ میں نے تعجب سے لیٹر بکس میں جھانک کر دیکھا۔ لفافے وہاں بھی نہیں تھے۔

رات بھر جاگنے کی تھکن اور اپنی مہم میں ناکامی کی مایوسی کے باوجود مجھے آج بہت کچھ کرنا تھا۔ آج منگل تھا اور حاصل شدہ

معلومات کے مطابق مجھے دس بجے تک پبلک پارک کے ایک مخصوص بلاک میں پہنچنا تھا۔ اے ایس آئی شہریار کو بھی تھوڑی سی کامیابی ہوئی تھی۔ اس نے گزشتہ روز فلیٹ بی 39 میں ایک لڑکی اور ایک مرد کو جاتے دیکھا تھا۔ رات کے تقریباً گیارہ بجے اور جو حلیہ اس نے بیان کیا تھا، اس کے مطابق یہ وہی چار مختلف بہروپ والی لڑکی اور وہی مرد تھا جسے میں نے اس کے ساتھ فلیٹ میں جاتے دیکھا تھا۔ حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں ان دونوں کو آج منگل کی رات کو بھی وہیں موجود ہونا چاہیے تھا۔

مگر مجھے امید تھی کہ میں اس سے قبل ہی اس کھیل کو ختم کر دوں گا۔ الجھن صرف ایک تھی کہ ہم اس پراسرار لڑکی کے خلاف کس کس جرم اور کس کس قانونی دفع کے تحت مقدمات درج کریں۔

مطلوبہ بلاک تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ میرے ساتھ صرف دو آفیسر تھے جن میں ایک لیڈی سب انسپکٹریس جمیلہ تھی۔ دوسرا اے ایس آئی شہریار تھا جو اس لڑکی کو اس فلیٹ میں جاتے ہوئے بھی دیکھ چکا تھا۔ ہم نے اپنا راؤنڈ شروع کیا اور تقریباً پندرہ منٹ کے بعد آخر اس سوشل ورکر کو ایک گلی سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔ ہمیں گلی میں جانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ غالباً اس گلی کا دورہ مکمل کر چکی تھی اور ہماری طرف ہی آ رہی تھی۔ ہم پھرتی سے ایک زیر تعمیر بنگلے میں داخل ہو گئے جیسے ہی وہ آگے بڑھ کر دوسری گلی میں داخل ہوئی۔ میں نے شہریار کو اشارہ کیا۔ وہ پہلی گلی میں بھاگتا چلا گیا اور میں اور شکیلہ لڑکی کے پیچھے چلے مگر کافی فاصلہ دے کر۔ مقصد یہ تھا کہ شہریار دوسری طرف گھوم کر اسی گلی میں آ جائے اور وہ سامنے سے اسے روکے جبکہ ہم اس کی پشت پر موجود ہوں لیکن اس سے قبل کہ اس پروگرام پر عمل ہوتا، وہ ایک قریبی بنگلے میں گھس گئی۔

ہمیں تقریباً دس منٹ انتظار کرنا پڑا پھر جیسے ہی وہ باہر نکلی۔ شہریار نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔

''مس زاہدہ! میں آپ کو ناجائز منشیات کی فروخت اور شریف گھریلو خواتین کو اس کی فراہمی اور اس کا عادی بنانے کے جرم میں گرفتار کر رہا ہوں۔''

زاہدہ گھبرا کر پلٹی اور مخالف سمت میں بھاگنا چاہا لیکن اس جانب سے میں اور شکیلہ اس کا راستہ روکنے کے لیے موجود تھے۔ اس کے ایک ہاتھ میں ہتھکڑی کا ایک کڑا ڈال کر شہریار نے دوسرا کڑا اپنے ہاتھ میں ڈال لیا۔ اس کے کندھے سے لٹکا ہوا بیگ قبضے میں لے کر دیکھا گیا تو اس میں سے ہیروئن کی بہت سی چھوٹی بڑی پڑیاں نمودار ہوئیں جن بنگلوں سے ہم نے اسے نکلتے دیکھا تھا، وہاں جا کر اپنا تعارف کرانے کے بعد اس کی فراہم کردہ ہیروئن برآمد کی گئی۔ مرد حضرات دونوں بنگلوں میں موجود نہیں تھے، اس لیے ان کے نام اور اپنے نوٹ کر کے تحریری ہدایات دے دی گئی کہ وہ کل صبح دس بجے مقامی پولیس ہیڈ کوارٹر میں حاضر ہوں۔

اس چھاپے کے ساتھ ہی میری اسکیم کے تحت جس کی اجازت میں نے ڈی ایس پی صاحب سے حاصل کر لی تھی۔ بہ یک وقت فلیٹ نمبر 39 بی میں بڑی اماں کے بنگلے اور اس کوارٹر پر بھی چھاپہ مارا گیا، جہاں زاہدہ ایئر ہوسٹس کی حیثیت سے ایک بوڑھی عورت کے ساتھ رہتی تھی جو کہ ہرگز اس کی ماں نہیں تھی۔ فلیٹ سے بہت ہی کارآمد چیزیں مثلاً کیمرے، فلمیں، انہیں دھونے اور پرنٹ کرنے کا سامان اور کچھ اسی نوعیت کے نیگیٹو اور پرنٹ بھی برآمد ہوئے جیسے کہ میں اس سے قبل دیکھ چکا تھا۔

سوسائٹی کے بنگلے سے بڑی اماں کا وہ پورا کاسٹیوم اور میک اَپ کا سامان ہاتھ آیا جسے پہن کر زاہدہ ہفتہ، پیر اور بدھ کے دن عوام کی خوش اعتقادی سے فائدہ اُٹھا کر انہیں بے وقوف بناتی تھی۔ اس کے علاوہ کئی سیاسی جماعتوں کے دوسرے اور تیسرے درجے کے لیڈروں کی ٹیپ شدہ رپورٹیں بھی ملیں جو وہ ایک مریض یا ملاقاتی کی صورت میں زاہدہ کو فراہم کرتے تھے مگر کوئی ایسا ثبوت نہیں ملا جس سے ظاہر ہوتا کہ یہ رپورٹیں کسی بیرونی طاقت کے ایما پر یا اس کے فائدے کے لیے حاصل کی جاتی تھیں۔

قابل ذکر بات یہ تھی کہ زاہدہ سے رابطہ قائم کرنے والے سیاسی افراد میں کوئی برسراقتدار سیاسی پارٹی کا آدمی نہیں تھا، اس لیے ایک گمان یہ کیا جاسکتا تھا کہ یہ معلومات یا تو اس کے اشارے پر حاصل کی جارہی تھیں یا اپنے طور پر حاصل کر کے اس کے ہاتھ فروخت کی جارہی تھیں۔ آگے چل کر جس طرح کیس کے اس پہلو کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی بلکہ اخبارات میں اس کی خبر نہیں آنے دی گئی، اس سے اس گمان کی تائید ہوتی تھی۔ بڑی اماں کے ساتھ اس کے خلیفہ صاحب کا کاسٹیوم بھی ملا تھا۔ البتہ کوارٹر سے ایک تنکا بھی ہاتھ نہیں آیا تھا۔ وہ بڑی بی مع سامان غائب ہو چکی تھیں۔ شاید کسی طرح ان کو یا ان کے گروہ کو ان چھاپوں کی اطلاع مل گئی تھی۔

زاہدہ نے گرفتار ہونے کے بعد بالکل چپ سادھ لی تھی۔ کسی بھی جگہ چھاپہ مارنے سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ تمام کام خود کر رہی تھی یا اس سے کوئی کرا رہا تھا یا یہ کہ ان تمام جرائم میں اس کے ساتھی اور مددگار کون تھے۔

اس نے اپنے بارے میں صرف اتنا بتایا کہ اس کا نام زاہدہ ہے۔ یہ نام اس کے والدین نے رکھا تھا یا اس یتیم خانے کے منتظم نے جہاں اس کی پرورش ہوئی۔ وہ کچھ نہیں جانتی۔ اسے بتایا گیا تھا کہ اس کے والدین ایک حادثے میں ہلاک ہو چکے ہیں۔ باپ کا نام فضل دین اور ماں کا نام امت الرحیم تھا۔ س کا چچا یا کوئی اور شخص جو خود کو اس کا چچا کہتا تھا، اسے چار پانچ برس کی عمر میں ایک یتیم خانے میں چھوڑ گیا تھا۔ وہ تقریباً دس برس اس یتیم خانے میں رہی پھر منتظم کے مظالم اس کی برداشت سے باہر ہو گئے اور وہاں سے بھاگ نکلی۔

اس کے بعد اس نے گزشتہ سات آٹھ برس کیسے گزارے، وہ یتیم خانہ کس شہر میں تھا۔ وہ اس شہر میں کب آئی۔ ان تمام سوالات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ یہ بتانے سے بھی انکاری رہی کہ یہ سب جو کچھ ہوا، وہ اپنے طور پر کر رہی تھی یا اس سے کوئی کرا رہا تھا اور یہ کہ ان تمام جرائم میں اس کے ساتھی اور مددگار کون تھے۔ اس نے یہ بتانے سے بھی صاف انکار کر دیا کہ ان تمام غیر قانونی کاموں سے اسے جو آمدنی ہو رہی تھی، وہ کہاں ہے۔ اس کے پاس ہے یا وہ کسی اور کو دے دیتی تھی۔ البتہ یہ بات اس نے بڑے فخریہ لب و لہجے میں بتائی کہ نوجوانوں کو پھانس کر اپنا شکار بنانے اور ان کے ساتھ مختلف انداز کے فوٹو اتروانے کے باوجود اس کا دامن ہر طرح کی آلودگی سے پاک ہے۔

بڑی اماں کے بھیس میں وہ عوام کی خدمت کر رہی تھی اور سوشل ورکر کے بہروپ میں وہ حقیقتاً ان مظلوم بیویوں کے لیے ذہنی سکون مہیا کر رہی تھی جو اپنے شوہروں کے ظلم و ستم سے تنگ تھیں۔ اس طرح وہ ایک معاشرتی خدمت سرانجام دے رہی تھی۔

اس نے اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے کسی وکیل کا تقرر بھی نہیں کیا کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ اوّل تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ معزز وکیل استغاثہ اور شاید جج صاحب بھی اس بارے میں ایک رائے پہلے سے قائم کیے ہوئے ہیں، اس لیے معزز عدالت کے سامنے اس

کی صفائی میں جو کچھ بھی کہا جائے، اسے بہر حال سزا ہو کر رہے گی۔ مزید یہ کہ اس کے پاس اتنی رقم بھی نہیں کہ وہ کسی اچھے وکیل صفائی کی خدمات حاصل کر سکے۔ اس پر عدالت نے اس کے ان فقروں کے باوجود جو ایک قسم سے توہین عدالت کے زمرے میں آتے تھے، یہ کمال مہربانی یہ کی کہ اس کے لیے ایک معروف وکیل کا تقرر بھی کر دیا۔

اخبارات کے ذریعے اس پراسرار لڑکی زاہدہ کے بارے میں جو خبریں اور تفصیلات شائع ہوئیں تھیں۔ انہوں نے اس کے مقدمے سے عوام کی دلچسپی میں بے حد اضافہ کر دیا تھا اور اس کی شہرت کے پیش نظر ہی سینئر پبلک پراسیکیوٹر نیر احمد صاحب نے یہ مقدمہ خود عدالت کے سامنے پیش کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

لیکن عام روایات کے بالکل برعکس اس مقدمے کی سماعت بہت جلد ختم ہو گئی۔ کچھ اس لیے کہ استغاثہ کا کیس ہی بہت مضبوط تھا۔ اس کے پاس اس قدر ٹھوس دلائل اور اتنے بہت سے گواہ تھے کہ وکیل صفائی اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اسے بے گناہ ثابت نہیں کر سکتے تھے۔

میں نے وکیل استغاثہ کے ذریعے زاہدہ سے اس چاندی کے چھلے کے بارے میں سوالات کرائے تھے جسے اس نے اپنے کسی بہروپ میں بھی پہننا ترک نہیں کیا تھا لیکن وہ اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکی تھی۔ صرف یہ کہا کہ وہ اپنے کام میں خطرات کے سبب جان کی حفاظت کے لیے بائیں ہاتھ میں چاندی کا پڑھا ہوا چھلا پہنتی تھی۔

شاید اسی لیے وکیل صفائی نے ابتدا ہی سے یہ موقف اختیار کر لیا تھا کہ زاہدہ کسی انتہائی چالاک، سازشی ذہن کے مالک شخص کی آلہ کار تھی اور کسی نہ کسی وجہ سے جسے وہ خوف یا کسی اور سبب سے ظاہر کرنا نہیں چاہتی۔ اس کے اشاروں پر کسی بے جان کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہی تھی لیکن اس کے باوجود اپنی ذاتی حیثیت میں اس کے ضمیر میں اس حد تک برائی سے اجتناب برتنے کا شعور تھا کہ اس نے اپنا دامن گناہ سے بچائے رکھا اور کسی صورت میں بھی ذاتی پاکیزگی کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ وکیل صفائی نے کسی ثبوت کے پیش کیے جانے یا اس کی حیثیت کو چیلنج نہیں کیا۔

استغاثہ کے گواہوں پر بھی غیر ضروری جرح نہیں کی۔ بس وہ اپنے اسی موقف کو ثابت کرنے اور اجاگر کرنے میں لگے رہے جسے انہوں نے ابتداء میں اختیار کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام سماعت دو ماہ میں مکمل ہو گئی اور تیسرے ماہ کے ابتدائی عشرے میں فیصلہ سنا دیا گیا۔ زاہدہ پر مختلف نوعیت کے چار جرائم کی دفعات کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔ عدالت نے ملزمہ کو ان جرائم کا مرتکب پایا لیکن وکیل صفائی کے موقف کو بھی پیش نظر رکھا اور زاہدہ کو تمام جرائم میں الگ الگ سزا سناتے ہوئے تمام سزائیں بہ یک وقت شروع ہونے کا فیصلہ دیا۔ چونکہ انتہائی سزا کی مدت چار سال تھی، اس لیے اس کا مطلب یہی تھا کہ چار برس کے بعد اسے قید سے رہائی مل جائے گی۔

مقدمے کا فیصلہ ہونے کے دوسرے دن نیر نے مجھے فون کر کے گھر بلایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اور ان کی بیگم فوزیہ انتہائی دلگیر اور افسردہ نظر آ رہے تھے۔ بیگم نیر تو بات بات پر آنسو بہا رہی تھیں۔

''اکرم بیٹے!'' نیر احمد صاحب گلوگیر لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوئے۔ ''اس سنگدل جہانزیب نے ہم سے ایسا انتقام لیا ہے جو

شاید صرف اس کا شیطانی ذہن ہی سوچ سکتا تھا۔ کل رات جب میں گھر واپس آیا تو اس نے مجھے پھر فون کیا۔''

''کس نے، جہانزیب نے۔'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں اور اس نے سچ مچ ہمیں سسکا سسکا کر مارنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ جانتے ہو اس نے کیا کہا۔''

''یہ کہ زاہدہ ہی حقیقت میں آپکی بیٹی ماہ نور ہے۔'' میں نے آہستہ سے جواب دیا اور نیر صاحب نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا۔'' انہوں نے تیزی سے پوچھا۔

''مجھے یقینی طور پر معلوم نہیں تھا، صرف ایک اندازہ تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''کس بنیاد پر۔''

''اس نے آپ کی بیٹی کو اغواء کیا، بیس سال قبل۔'' میں نے کہا۔ ''آدمی دو تین برس میں بڑے سے بڑا غم بھول جاتا ہے پھر یہ رفتہ رفتہ مارنا تو نہ ہوا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی آئندہ کے لیے منصوبہ بھی تھا اور وہ اس سے زیادہ اذیت ناک اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ آپ کی بیٹی کو پرورش کرے، پروان چڑھائے، اسے مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث کرے اور پھر اسے آپ ہی کے ہاتھوں سزا دلوائے۔ اس نے تو اس سے بھی زیادہ یہ کیا کہ بہن کے ہاتھوں بھائی کو بلیک میل کرایا۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ وہ اس گندگی کو انتہا تک نہیں لے گیا، ورنہ آج آپ کے اور حسن کے لیے خودکشی کے سوا کیا چارہ تھا پھر آپ اس پر بھی غور کریں کہ اس نے زاہدہ کو مختلف روپ میں پیش کر کے اس سے مختلف نوعیت کے جرائم کرائے لیکن اس کی گنجائش چھوڑ دی کہ کوئی ذہین سراغ رساں اس کے چاروں بہروپ میں اسے پہچان لے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے وہ چاندی کا چھلا اسی لیے زاہدہ کو پہنایا تھا کہ بہرحال کسی نہ کسی دن پکڑی جائے۔ عدالت میں پیش ہو۔ آپ پبلک پراسیکیوٹر ہیں، ایسے پراسرار اور عجیب وغریب کیس میں زیادہ امکان یہ تھا کہ وکیل استغاثہ آپ ہی ہوں اور انجانے میں اپنی بیٹی کے خلاف ثبوت پر ثبوت پیش کر کے گویا اپنے ہاتھوں اسے جیل کی کوٹھری میں دھکیل دیں۔

یہاں پھر اس نے یہ خیال رکھا کہ زاہدہ سے کوئی ایسا جرم نہ کرائے جس کی سزا موت ہو اور ان باتوں سے کہ اس نے زاہدہ کو بے عزت نہیں ہونے دیا اور یہ کہ کسی بڑی سزا کے امکان سے بچاتا رہا۔ مجھے شک ہے کہ اب بھی اس کے انتقامی جذبات آسودہ نہیں ہوئے ہیں۔ وہ کوئی اور دھماکہ کرنا چاہتا ہے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔'' نیر صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ''وہ بلاشبہ ایک آخری زخم اور بھی لگانا چاہتا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ وہ زاہدہ کی رہائی کا انتظار کرے گا اور جب وہ جیل سے باہر آئے گی تو اس سے شادی کرے گا۔ فوزیہ نے اسے ٹھکرا دیا تھا، یہ اس کا وار تھا۔ اب وہ فوزیہ کی بیٹی سے شادی کرے گا۔ یہ اس کا جوابی وار ہو گا اور یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ کس کے وار میں کتنی کاٹ تھی۔''

نیر صاحب چند لمحے خاموش رہے، میں بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ اچانک انہوں نے پوچھا۔

''وہ لیٹر بکس میں ڈالی جانے والی رقم کے سلسلے میں کیا ہوا۔''

''بظاہر اسے کوئی بھی لیٹر بکس سے نکالنے نہیں آیا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''مگر رقم غائب ہو چکی تھی، اس بارے میں بھی میرے ذہن میں ایک خاص نظریہ موجود ہے۔ ایک دو روز میں صورتحال واضح ہو جائے گی۔''

ابھی نیر صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ ان کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ اس تمام گفتگو کے دوران بیگم فوزیہ صوفے کے آخری کنارے پر بیٹھی خاموشی سے بار بار اپنی بھیگ جانے والی آنکھیں خشک کرتی رہیں۔ میں نے انہیں براہ راست مخاطب کرنے سے گریز کیا تھا کہ وہ تو بھری بیٹھی ہیں۔ اشکوں کا سیلاب کہیں اتنا نہ بڑھ جائے کہ انہیں بے قابو کر دے۔ میں انہی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ نیر صاحب کی بلند اور تیز آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''یہ کیسے ہوا، کب ہوا۔'' انہوں نے چیخ کر کہا پھر کچھ دیر سنتے رہے۔ ''میں سمجھ گیا۔'' وہ پھر بولے۔ ''آپ شہر کی ناکہ بندی کرا دیں۔ اسے کسی صورت میں بھی شہر سے باہر نکلنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔''

اتنا کہہ کر انہوں نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا میری سوالیہ نظروں کے جواب میں انہوں نے بتایا۔

''آج صبح جیل کے زنانہ وارڈ میں فساد ہو گیا جس میں بعد میں مرد قیدی بھی شامل ہو گئے اور اس ہنگامے سے فائدہ اُٹھا کر زاہدہ کو فرار کرا دیا گیا یا وہ خود ہی نکل بھاگی۔''

فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجنے لگی۔

''ہیلو۔'' نیر صاحب ریسیور کان سے لگا کر بولے اور پھر گوش بر آواز ہو گئے۔

ان کے چہرے کی بدلتی ہوئی رنگت دیکھتے ہی میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ فون کس کا ہو سکتا ہے۔ چند منٹ کے بعد انہوں نے آہستہ آہستہ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ اس مرتبہ فوزیہ بیگم بھی اپنی خاموشی برقرار نہ رکھ سکیں۔

''کون تھا۔'' انہوں نے تیزی سے پوچھا۔

''وہی تھا۔'' نیر صاحب نے بڑے شکست خوردہ لہجے میں بتایا۔

''کیا کہہ رہا تھا۔'' بیگم صاحبہ نے پھر سوال کیا۔

''کہہ رہا تھا کہ وہ چار سال تک انتظار نہیں کر سکتا۔'' نیر صاحب نے بتایا۔ ''اس لیے اس نے اپنے آدمیوں کی مدد سے سینٹرل جیل میں ہنگامہ کرا کے زاہدہ کو آزاد کرا لیا۔'' وہ خاموش ہو گئے جیسے آگے بولنے کا یارا نہ رہا ہو۔

''اور کیا کہہ رہا تھا۔'' بیگم صاحبہ نے پھر سوال کیا۔

''اس نے ہمیں...... مجھے اور تمہیں شادی میں شرکت کی دعوت دی ہے۔'' نیر صاحب نے جواب دیا۔ ''کہہ رہا تھا کہ اگر ہم اسے اپنے بچوں کی قسم کھا کر یقین دلائیں کہ تنہا ہی آئیں گے اور پولیس کو مطلع نہیں کریں گے تو وہ کل رات ہمیں لینے کے لیے اپنی کار بھیج سکتا ہے۔ وہ کل رات ماہ نور سے شادی کر رہا ہے۔''

میں ایک دم کھڑا ہو گیا۔

''بیگم صاحبہ۔'' میں نے مسز فوزیہ نیر کو مخاطب کیا۔ ''آپ کل صبح ٹھیک ساڑھے دس بجے نیر صاحب کو ساتھ لے کر ہیڈ کوارٹر پہنچ جائیں۔ خدا نے چاہا تو اس کے بعد جہانزیب آپ کو کبھی پریشان نہیں کرے گا۔'' یہ کہہ کر میں تیزی کے ساتھ اس گھر سے باہر نکلا۔

اپنی کار میں بیٹھا اور ہیڈ کوارٹر روانہ ہو گیا۔ وہاں جیل میں ہنگامے اور زاہدہ کے فرار کی خبر سے ہلچل مچی ہوئی تھی۔ اعلیٰ پولیس افسران کا ایک ہنگامی اجلاس ہونے والا تھا۔ میں نے ڈی ایس پی صاحب کو پکڑا اور ایک گوشے میں لے گیا۔

''سر!'' میں نے تیزی سے کہا۔ ''مجھے کم سے کم پانچ کلو چرس اور ایک مشتبہ خفیہ اڈے پر چھاپہ مارنے کی اجازت درکار ہے۔''

''کیا؟'' ڈی ایس پی صاحب نے مجھے گھورا۔ وہ اتنے نادان نہیں تھے کہ پانچ کلو چرس کے مطالبے کی وجہ نہ سمجھ سکتے۔

''سر میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس وقت مجھ سے تفصیل نہ پوچھیں۔''

''تمہیں یقین ہے کہ تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو اس کے نتیجے میں تمہیں اور ساتھ ہی مجھے اس پولیس کی سروس سے معطل نہیں کر دیا جائے گا۔''

''سر! مجھے معلوم ہے کہ میں کرنے جا رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''رہا نتیجہ تو میں آپ کو اس سے کہیں زیادہ بہتر نتیجے کا یقین دلاتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔'' ڈی ایس صاحب نے ایک گہری سانس لی۔ پندرہ منٹ کے بعد تمہیں مطلوبہ چرس مل جائے گی۔'' پھر نصف گھنٹے کے بعد دو جیپوں میں دس مسلح جوانوں کے ساتھ سرچ روڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہیڈ کوارٹر کے ٹیلی ایکسچینج بورڈ کے آپریٹر کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ کوئی کال خواہ کسی کی کیوں نہ ہو۔ ڈی ایس پی صاحب کے فون سے کنیکٹ نہ کرے۔ صبح کے ٹھیک ساڑھے نو بجے ایک اردلی نے انہیں اطلاع دی کہ سیٹھ افضل آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

میں اس وقت ڈی ایس پی صاحب کے ساتھ ان کے کمرے میں موجود تھا۔

''سیٹھ افضل سے کہو کہ صاحب بہت مصروف ہیں۔'' میں نے اردلی کو ہدایت دی۔ ''وہ صرف دس منٹ انتظار کریں، انہیں بھی بلایا جائے گا۔''

مگر یہ محاورے کے دس منٹ تھے جو ساڑھے نو بجے سے لے کر دس بج کر دس منٹ تک ثابت ہوئے۔ اس سے زیادہ طوالت خطرناک ہو سکتی تھی، اس لیے سیٹھ افضل کو اندر آنے کی اجازت دے دی گئی۔

وہ کمرے میں داخل ہوئے تو بہت برافروختہ نظر آ رہے تھے۔

''ڈی ایس پی صاحب!'' انہوں نے ڈی ایس پی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کو اپنا دوست خیال کرتا تھا۔''

''دوست نہ کہیے، خادم کہیے۔'' ڈی ایس پی صاحب معذرت خواہانہ لہجے میں بولے۔ ''میں واقعی بہت مصروف تھا ورنہ آپ کو

انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑتی۔"

"میں انتظار کی بات نہیں کر رہا ہوں۔" سیٹھ افضل نے اسی لہجے میں کہا۔

"تو پھر۔" ڈی ایس پی صاحب نے سادگی سے پوچھا۔ "مگر آپ تشریف تو رکھیے۔"

"آپ کے کسی انسپکٹر نے کل رات میرے بھائی ساجد کے ریسٹورنٹ پر چھاپہ مارا۔" سیٹھ افضل نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اور سننے میں آیا ہے کہ اس نے وہاں سے پانچ کلو چرس برآمد کر کے ساجد کو حراست میں لے لیا ہے۔"

ڈی ایس پی صاحب نے میری طرف دیکھا۔

"یہ چھاپہ تم نے مارا تھا۔" انہوں نے پوچھا۔

"یس سر!" میں نے جواب دیا۔

"چرس برآمد ہوئی تھی۔"

"یس سر!" میں نے بڑی مستعدی سے جواب دیا۔

ڈی ایس پی نے سیٹھ افضل کی طرف دیکھا۔ "سنا ہے آپ نے۔" وہ کندھے اچکاتے ہوتے بولا۔ "اب ایسے کیس میں، میں سوائے ہمدردی کے اور کیا کر سکتا ہوں۔"

"مگر یہ الزام غلط ہے اور جھوٹ پر مبنی۔" سیٹھ افضل میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ "میرا بھائی ایسا نہیں کر سکتا، اسے دانستہ پھنسایا گیا ہے۔"

"کیا آپ کے بھائی صاحب چرس کا دھندہ نہیں کر سکتے۔" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" سیٹھ صاحب نے میز پر دوسرا گھونسہ مارا۔

"ذرا آہستہ۔" میں نے کہا۔ "سرکاری میز ہے ٹوٹ جائے گی۔" "تو آپ نے فرمایا کہ آپکے بھائی چرس فروخت نہیں کر سکتے۔"

"ہاں، میں نے یہی کہا ہے اور پھر کہتا ہوں کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔"

"ہاں تو وہ مشہور خدا رسیدہ، برگزیدہ خاتون بڑی اماں کے خلیفہ کا کردار ادا کر سکتے ہیں۔" میں بولا۔ "اپنے ریسٹورنٹ کے کچن سے دس منٹ کے فاصلے پر لگے ہوئے لیٹر بکس تک ایک زیرِ زمین سرنگ کھود کر لیٹر بکس کا پیندہ کاٹ کر اس میں ڈالی جانے والی لاکھوں کی رقم پر ہاتھ صاف کر کے لیٹر بکس کا پیندا دوبارہ فٹ کر سکتے ہیں تا کہ باہر سے دیکھنے والوں کو کوئی مشکوک بات نظر نہ آئے۔"

سیٹھ افضل کی تمام تیزی ہوا ہو چکی تھی، وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے گھور رہے تھے۔

"فرمایئے۔" میں نے اسی نرم لہجے میں پوچھا۔ "کیا آپ کے بھائی یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔"

سیٹھ افضل ایک دم کھڑے ہو گئے۔ وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہے تھے۔ "میں کمشنر صاحب کے پاس جا رہا ہوں۔" وہ بولے۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے خلاف کوئی منظم سازش کی جا رہی ہے۔"

"ہمارے خلاف......" میں نے حیرت سے کہا۔ "میں تو آپ کے بھائی ساجد کی بات کررہا ہوں، یہ آپ اپنے آپ کو درمیان میں کیوں لے آئے ہیں اور لے ہی آئے ہیں تو ذرا اسے بھی سنتے جایئے۔" میں نے میز پر رکھے ہوئے ٹیپ ریکارڈ کا بٹن دبا دیا اور اس میں سے ایک خاص کیسٹ پہلے سے لگا رکھا تھا جیسے ہی کیسٹ میں ریکارڈ شدہ آواز بلند ہوئی، سیٹھ افضل دھم سے کرسی پر بیٹھ گئے۔ اس کیسٹ پر وہ تمام فون کالیں ریکارڈ تھیں جو سیٹھ افضل اپنے بنگلے کے فون سے گزشتہ دو ڈھائی ماہ کے درمیان کرتے رہے تھے۔ ان میں سے کچھ مختلف دولت مندوں کے نام تھیں جس کے ذریعے ان سے کچھ مخصوص تصویریں خریدنے کے لیے ایک لاکھ روپے نقد دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ کچھ برسراقتدار سیاسی پارٹی کے خاص لیڈر کے نام تھیں جس میں دوسری سیاسی پارٹی کے خصوصی اور خفیہ اجلاسوں کی روداد فراہم کرنے کے سلسلے میں کچھ لینے کی بات طے کی گئی تھی۔

پھر ان میں دو کالیں ریکارڈ تھیں جو نیر احمد صاحب کو کی گئی تھیں۔

"میری ٹائم سیٹنگ کی داد دیجیے۔ ادھر کیسٹ کی ایک سائیڈ ختم ہوئی، ادھر نیر احمد صاحب اور ان کی بیگم نے آفس میں قدم رکھا۔ سیٹھ افضل پر نظر پڑتے ہی ان کی چہروں سے شدید حیرت ظاہر ہوئی۔ فوزیہ بیگم چیخ اٹھیں۔"

"یہ ہی ہے۔ یہی ہے وہ ظالم جس نے بیس برس سے ہماری زندگی حرام کر رکھی ہے۔ انسپکٹر اکرم! یہی ہے وہ جہانزیب جس کے بارے میں، میں نے آپ کو بتایا تھا۔"

پھر تقریباً دو گھنٹے بعد جس میں بہت سی کاغذی قانونی کارروائیاں، اہم گواہوں کے بیانات اور ثبوت شواہد کے بعد سیٹھ افضل کو سپرد حوالات کر دیا گیا۔ ہم سب ڈی ایس پی صاحب کے کمرے میں جمع تھے، ان شرکاء میں نیر احمد صاحب، ان کی بیگم، بیگم کے علاوہ خود زاہدہ، جسے دوبارہ ماہ نور کہنا شروع کر دیا گیا تھا اور سیٹھ افضل کی مرحومہ بیگم کی بیوہ بہن رانی بھی شامل تھیں۔

"تم نے کمال کر دیا انسپکٹر اکرم!" نیر احمد صاحب نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "آخر تمہیں اس پر شک کیسے ہوا۔"

"شک اور ثبوت سے بھی زیادہ اہم تھی اس کی گرفتاری۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر ہم اسے یہاں بلاتے یا اس کے بنگلے پر چھاپہ مارتے تو وہ پانچ منٹ کے اندر تمام ثبوت ضائع کر کے فرار ہو سکتا تھا جس کی اس نے پوری تیاری بھی کر رکھی تھی۔ میری سمجھ میں یہی آیا کہ ہم کسی ایسے الزام میں جس کا حقیقت سے اور ان تمام باتوں سے دور کا بھی تعلق نہ ہو، ساجد کو گرفتار کر لیں۔ صرف اسی صورت میں وہ کوئی شک کیے بغیر بلکہ جوش میں ابلتا ہوا کہ ہم نے اس کے بھائی پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت کیسے کی ہیڈ کوارٹر آ سکتا تھا اور وہ آیا۔

جس کے بعد دوسرے تمام کام آسان ہو گئے، جہاں تک شک کا تعلق ہے تو وہ میرے ذہن میں اس وقت پیدا ہوا جب اس نے خود اپنے سوتیلے بیٹے قاسم کو بلیک میل کیا، اس سے اس کا مقصد یہی تھا کہ اگر کبھی پولیس کی توجہ اس کی طرف ہو بھی تو یہ واقعہ ایک آڑ کا کام دے کہ خود اس کے بیٹے کو بھی بلیک میل کیا گیا تھا اور شک صرف اتنی سی بات پر ہوا تھا۔ اس نے اپنے بیان میں کہا کہ بھولنے سے اپنی ڈائری بھی اس نے سیف بھی بند کر دی تھی، کوئی شخص جس کی یادداشت نمبروں کے معاملے میں اتنی کمزور ہو، ایسی حرکت نہیں کر سکتا پھر ڈائری کا

جائیداد کے حساب کتاب کے رجسٹروں سے کیا تعلق۔

اسے تو اس وقت اس کی میز پر بھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ صرف اتنی سی بات پر میں نے یونہی ذرا اس کے بارے میں تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ اس کا اصل نام جو اس کے پاسپورٹ شناختی کارڈ اور دوسری غیر قانونی نوعیت کی دستاویز پر لکھا ہے، وہ صرف افضل نہیں بلکہ افضل جہانزیب ہے اور بس اسی جہانزیب سے میں کھوج لگاتے ہوئے آگے بڑھتا رہا۔ پہلے مس زاہدہ! معافی چاہتا ہوں، پہلے مس ماہ نور اس کال گرل کے روپ میں سامنے آئیں پھر ڈی ایس پی صاحب کے بھتیجے کے بہانے بڑی اماں اور ان کے خلیفہ سے ملاقات ہوئی لیکن کامیابی کا دروازہ اس وقت کھلا جب میں نے غصے اور جھلاہٹ کے عالم میں کوارٹر کے دروازے پر دستک دی اور اپنے سامنے رانی بی کو پایا۔

انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے سیٹھ افضل نے جو اس وقت جہانزیب کے نام سے مشہور تھا، ان کی سادہ لوح بیوہ بہن کو بے وقوف بنا کر ان کی دولت کے لیے عمر میں ان سے پندرہ برس سے زیادہ چھوٹا ہونے کے باوجود شادی کر لی اور عیش کرنے لگا۔ دو تین سال کے بعد وہ ایک چھوٹی سی دو سالہ لڑکی کو کہیں سے اٹھا لایا اور اسے پرورش کرنے لگا۔ اس کے دو سال بعد رانی کی بہن کا انتقال ہو گیا۔ اس لڑکی کی پرورش جس کا نام جہانزیب نے زاہدہ رکھا تھا، رانی بی کے ذمہ ڈال دی اور خود جہانزیب اپنے آپ کو سیٹھ افضل کہلوانے لگا۔ بڑا ہونے پر زاہدہ کو ضروری تعلیم بھی دی گئی لیکن سیٹھ افضل نے اسے ہمیشہ یہی بتایا کہ اس کے والدین اس کے لاکھوں روپے کے مقروض تھے اور اب وہ قرضہ زاہدہ کو ادا کرنا ہے۔

کس طریقے سے یہ وہ آہستہ آہستہ سمجھاتا اور بتاتا جائے گا مگر چونکہ اس کے پیش نظر دو اہم مقاصد تھے، اس لیے اس نے یہ اہتمام بھی کیا کہ مس ماہ نور ان جرائم کے سلسلے میں کبھی نہ کبھی پکڑی جائیں تو خود اپنے حقیقی والد کے ذریعے سے سزا پائیں۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ وہ ان کی محترم والدہ اور والد کو ایک انتہائی تکلیف دہ زخم لگانا چاہتا تھا، اس لیے ہر جرم میں ملوث کرنے کے باوجود انہیں آخری حد تک نہیں جانے دیا کیونکہ وہ خود اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ رانی بی سے باتیں تو معلوم ہو گئیں لیکن اب سب سے اہم مسئلہ جہانزیب کے خلاف اس کی جملہ سرگرمیوں اور جرائم کا ثبوت حاصل کرنا تھا۔

اس کے لیے میں نے رانی بی سے مدد چاہی، انہوں نے کبھی بھی جہانزیب کو پسند نہیں کیا تھا، اسی لیے ان کی حیثیت گھر میں ایک ملازمہ جیسی تھی اور کوئی سہارا نہ ہونے کی وجہ سے یہ حیثیت کو قبول کر کے زندہ رہنے پر مجبور تھیں۔ ان کی مدد سے میں نے جہانزیب کے ٹیلی فون میں براہ راست نہیں بلکہ بالواسطہ طریقے سے اس کی تمام گفتگو ٹیپ کرنے کا انتظام کیا اور ہمارا یہ پروگرام مس ماہ نور کے مختلف ٹھکانوں پر چھاپے مارنے اور ان کی گرفتاری کے ساتھ ہی شروع ہو چکا تھا۔ جہانزیب کو کبھی بھولے سے بھی رانی بی پر شبہ نہیں ہوا اور وہ اسی آزادی کے ساتھ اپنا فون استعمال کرتا رہا جس طرح سے کرتا چلا آ رہا تھا۔ چنانچہ خواتین و حضرات اس تمام محنت اور دوڑ دھوپ کا حاصل تھا وہ منظر جو آپ نے دو گھنٹے قبل اس کمرے میں دیکھا۔ میرا خیال ہے کہ اب کوئی ایسی بات نہیں رہی جس کی وضاحت کرنا ضروری ہو۔

سوائے اس کے کہ وہ کار جس کے نمبر میں نے نوٹ کیے تھے، انہی کے نام تھی، اسی لیے اس معلومات سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

دوسرے یہ کہ مختلف بہروپ میں ان کا پروگرام ہفتہ، پیر اور بدھ کو بڑی اماں کے بنگلے، اتوار، منگل اور جمعرات کی رات کو اس فلیٹ میں اور جمعہ کا دن آرام کرنے کے لیے اس چھوٹی سی کالونی کے کوارٹر میں گزارنا تھا۔ اتوار، منگل اور جمعرات کے روز دن میں سوشل ورک کیا کرتی تھیں۔

مگر کچھ باتیں اور ہیں جن کے بارے میں قارئین کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔ اول تو یہ کہ بہت سی مصلحتوں کے باعث اس کیس سے اس کا سیاسی پہلو بالکل ختم کر دیا گیا تھا۔ یہ پہلو مس ماہ نور کی گرفتاری اور ان کے مقدمے کی سماعت کے دوران بھی پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ سیٹھ افضل عرف جہانزیب کو عمر قید کی سزا دلانے کے لیے اس کے دوسرے ہی جرائم بہت کافی تھے بلکہ اگر اس کی کوئی گنجائش ہوتی تو اسے عمر قید کی سزا دلوائی جا سکتی تھی۔ رانی بی کا تو کوئی خاص تعلق اس کے جرائم سے تھا ہی نہیں مگر مس ماہ نور کو سلطانی گواہ کی حیثیت دے کر ان کی زبان سے سیٹھ افضل کے کچا چٹھا بیان کروایا گیا اور اس مقدمے میں بھی پبلک پراسیکیوٹر منیر صاحب ہی تھے۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں یہ مقدمہ لڑتے اور قدم بہ قدم جہانزیب کو شکستیں دیتے اور عمر قید کی طرف دھکیلتے ہوئے اتنا سکون مل گیا ہوگا جو ان کی اب تک کی اذیتوں کے لیے مرہم ثابت ہوا ہوگا۔

چنانچہ سلطانی گواہ ہونے کے باعث اور یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ ماہ نور اپنی دانست میں سیٹھ افضل جہانزیب کے اشاروں پر چل کر اپنے والدین کا قرض ادا کر رہی تھیں۔ عدالت نے کیس کی مخصوص نوعیت کے پیش نظر سابقہ دی ہوئی سزا ہی تا برخاست عدالت محدود کر دی۔

نیر احمد صاحب اور بیگم فوزیہ نیر اور ان کے صاحبزادے حسن سب ہی مل کر میری تعریفوں کے اتنے پل باندھ رہے تھے کہ میں اکیلا انہیں سنبھالنے سے قاصر تھا۔ چنانچہ میں ایک دن اپنی والدہ کو ان کے گھر لے گیا کہ یا تو مزید پل باندھنا بند کر دیں بلکہ جو بندھ چکے ہیں، ان میں سے بھی ایک کو چھوڑ کر باقی سب واپس لے لیں (وہ ایک بھی اس لیے کہ آئندہ آمد و رفت میں کام آئے) ورنہ پھر مجھے ایک ساتھی دیں جو دوسری طرف سے پلوں کو سنبھال کر رکھے اور گرنے نہ دے۔ شکر ہے کہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔

بیگم فوزیہ نیر (حالانکہ مجھے ان کا نام نہیں لینا چاہیے) نے کہا کہ ہم دی ہوئی چیز واپس نہیں لیتے، البتہ دوسری درخواست پر غور کیا جا سکتا ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے۔ کیا معنی رکھتا ہے اور جب بھی پل گرنے کا خطرہ ہو، اس سے ایک دن پہلے آ کر اپنا ساتھی لے جانا۔ مجھے چونکہ اس خطرے کا احساس ہمہ وقت ہو رہا تھا، اس لیے درخواست کی (بذریعہ والدہ) کہ ایک دن کو ایک ہفتہ یا زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کر دیا جائے تو نوازش ہوگی اور یہ نوازش ہو گئی۔ تب سے لے کر آج تک میں اور ماہ نور ان پلوں کو سنبھالے بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ ایک دو ساتھی اور بھی بلائے ہیں، چھوٹے چھوٹے۔ امید تو یہ ہے کہ رفاقت کا یہ پل، پل صراط تک ساتھ دے گا۔ ہو سکے تو آپ بھی دو کلمے خیر کے بشرط فرصت بہ صورت دعا کبھی خیال آئے تو کہہ دیجیے گا۔"

کارواں گروپ بے حد مستحکم ہو چکا تھا۔ اس کا آغاز شہروز کے ماضی کی تلخیوں سے ہوا تھا۔ اگر لیپو آن اسے نہ مل جاتا تو لازمی امر تھا کہ ایک خطرناک مجرم تخلیق ہو جاتا۔ لیپو آن اور کائی شی نے ایک شاہکار تخلیق کیا اور یوں کارواں گروپ تخلیق ہوا اور اب وہ ملک بھر میں ایک قابل احترام گروپ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ داخلی امور میں اس گروپ کا ہر ممبر کا ایک خفیہ سرکاری عہدہ دار تھا جس کا نوٹیفکیشن متعلقہ اداروں کو مل چکا تھا اور ذمہ دار لوگ اس حقیقت سے واقف تھے۔ ان لوگوں کے مالی حالات شاندار تھے اور یہ عیش و آرام سے رہتے تھے۔ کبھی انفرادی طور پر اور کبھی اجتماعی طور پر اپنی خدمات سرانجام دیتے تھے۔

کہیں نہ کہیں سے کوئی کہانی شروع ہو ہی جاتی تھی۔ زبیر شاہ، فوزیہ سلطان والے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔ شہروز اور ناہید فارغ ہوئے تھے اور ان کی مصروفیات کے لیے ایک کہانی جنم لے رہی تھی جس کا تعلق شاہ گڑھی سے تھا۔

دوپہر میں چلچلاتی دھوپ پڑ رہی تھی۔ صحرائی علاقہ تھا، اس لیے دھوپ کی شدت بے پناہ تھی لیکن کچی دیواروں کا یہ زمین دوز کمرہ جنت نظیر بنا ہوا تھا۔ ٹھنڈا، ایئر کنڈیشنڈ۔

حیدر علی نے سلام پھیرا، پھر حمیرا کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”نماز پڑھ لی۔“

”ہاں۔“

”پھر دو گھڑی لیٹ کیوں نہیں جاتیں۔“

”آج کیا دن ہے۔“ حمیرا نے پوچھا۔

”دن......“ حیدر علی بولا۔

”ہاں، کیا دن ہے آج۔“

”تجھے اب بھی دن یاد رکھنے کا شوق ہے۔“

”کوئی شوق نہیں ہے۔“

”پھر کیوں پوچھ رہی ہو۔“

”نہانا ہے، جمعہ کا انتظار کر رہی ہوں۔“

”بالٹی میں پانی آئے گا تو پتا چل جائے گا کہ آج جمعہ ہے۔ کون یاد رکھے گا۔“ حیدر علی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

حمیرا نے ٹھنڈی سانس لے کر چھت کی طرف دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

”کب تک امتحان لے گا مولا کریم، کب تک امتحان لے گا ہمارا۔ فنا نہیں کر دیتا تو اسے، ہم نے بے شک گناہ کیے ہوں گے لیکن سزا کب پوری ہو گی ہماری۔ مٹا دے مالک اسے مٹا دے، مٹا دے اسے روئے زمین سے۔“

''حمیرا! کتنی بددعائیں دے گی تو، مولا کریم کی مرضی ہوگی، جب ہی مٹے گا وہ۔ کیوں بلاوجہ اپنی زبان کو تھکاتی ہے۔ داماد کو بددعا دیتی ہے۔ اری چل دعا نہ دے تو اسے مگر بددعا بھی نہ دے۔'' حیدر علی کا لہجہ مدھم تھا۔

''الٰہی ہمیں صبر کا پھل دے، اسے مٹا دے میرے مولا اسے مٹا دے۔''

''کیا پتا ری مولائے کریم کو کیا منظور ہے اور اب تو تیرہ سال گزر چکے ہیں۔ پتا نہیں ہماری عائشہ کے کتنے بچے ہوں گے۔ بچوں کے باپ کو بددعا دے رہی ہے تو، بچوں کے سر سے سایہ نہیں اُٹھ جائے گا۔''

''مولا کریم! یہ سایہ ہمیشہ کے لیے اُٹھا دے۔ مولا کریم! ہماری مشکلوں کی بھی شام ہو جائے۔ مولا کریم! ہم کب تک ایسے زندگی گزاریں گے۔ کسی ایک کا تو فیصلہ کر، ہمیں اُٹھا لے یا اسے فنا کر دے۔''

''اچھا اچھا...... کیسی ٹھنڈ ہو رہی ہے، یہاں پر ذرا باہر جھانک کر دیکھ۔ یہ بھی مولا کریم کی مرضی ہی ہے۔ نجانے کتنے اس وقت باہر کی دھوپ میں جل رہے ہوں گے۔ شاہ گڑھی کی گرمی یاد نہیں تجھے۔ ارے چیل انڈہ چھوڑ دیتی ہے، پرندے درختوں سے گر کر مر جاتے ہیں، یہاں تو بڑی ٹھنڈ ہے۔'' اس کا بس چلتا تو یہ ٹھنڈک بھی ہم سے چھین لیتا۔ چل جو کچھ اس نے دیا، اس پر شکر ادا کر اس کا، لیٹ جا دو گھڑی، سکون مل جائے گا۔''

''میل بدن میں کاٹ رہا ہے، سکون کیا خاک ملے گا۔''

''قناعت کر قناعت۔ شکر کر مولا کریم کا جو ملا ہے، سو ٹھیک ہے۔ بس یہی تقدیر میں تھا۔ لیٹ جا سو جا شاباش۔''

حیدر علی نے بیوی کو نرم لہجے میں کہا اور پھر خود بھی لیٹ گیا۔

کافی فاصلے پر صفدر علی بے سدھ پڑا ہوا تھا، اس کے نیچے گدڑی کا ڈھیر تھا۔ حیدر علی نے اس پر نظر ڈالی اور آواز دی۔

''صفدر علی۔''

''جی بابا۔''

''سو رہا ہے کیا۔''

''سونے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''یہ بستر اپنے نیچے سے ہٹا دے، اس وقت اس کی کیا ضرورت ہے۔ زمین ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ آرام سے لیٹ جا۔''

''سب ٹھیک ہے بابا! تم آرام کرو۔ نوجوان صفدر نے کہا اور حیدر علی کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ حمیرا بھی دیوار سے چپک کر لیٹ گئی تھی۔ کچی دیواریں مٹی سے کھدی ہوئی جن سے مٹی جھڑ جھڑ کر کناروں پر جمع ہو جاتی تھی اور اس مٹی سے کھیلنا بڑا اچھا لگتا تھا۔ اس پر نشانات بھی بنائے جا سکتے تھے اس کے۔ یہ ایک دلچسپ مشغلہ ہوتا تھا۔ مدھم سی آوازیں اس کے کمرے میں گونجتی رہیں اور پھر یہ آوازیں گہری گہری سانسوں میں تبدیل ہو گئیں۔ حیدر علی کو سوتے میں خراٹے لینے کی عادت تھی اور اس کی نیند بھی قیامت کی تھی۔ بس آنکھیں بند

کیں اور اس کے خراٹے گونجنے لگے۔ صفدر علی کئی بار ماں سے کہہ چکا تھا۔''

''بابا کی نیند تو کمال کی ہے، ایسی نیند اس عمر میں کبھی نہیں دیکھی۔'' حمیرا نے اپنے بیٹے سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن شوہر شناس عورت اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ خراٹے مصنوعی ہیں۔ حیدر علی اپنے آپ کو بے فکر ظاہر کر کے ان لوگوں کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کرتا تھا ورنہ وہ کب تہجد پڑھتا تھا۔

اب تو رات کو جب بھی آنکھ کھل جاتی، اسے بیٹھے ہوئے ہی دیکھتا تھا۔ نجانے کیا کیا پڑھتا رہتا تھا۔

بہر حال اس نے بیٹے سے کبھی اس بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ خاصی دیر اسی طرح گزر گئی۔ حیدر علی خود بھی سونے کی اداکاری کر رہا تھا لیکن جب اس نے محسوس کیا کہ باپ اور ماں سو گئے تو اس نے گردن اٹھائی، ان کے گہرے سانسوں کی آوازیں سنیں پھر آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بیٹھنے کے بعد اس نے داہنے پاؤں کے نیچے سے وہ گدڑی اپنی جگہ سے ہٹائی اور اس کے نیچے سے کوئی چیز نکال لی۔ یہ کھانے کا چمچہ تھا۔ اس نے گدڑی کے نیچے بنے ہوئے گڑھے کو غور سے دیکھا۔ اچھا خاصا گڑھا تھا اور اسے بڑے ماہرانہ انداز میں تھوڑا سا نیچے لے جا کر دیوار کی جانب موڑ دیا گیا تھا۔ کوئی ڈھائی فٹ کھدائی ہو چکی تھی اور صفدر علی اس میں پاؤں ڈال کر دیکھ چکا تھا۔ اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ چمچے کو اپنے داہنے پاؤں کی انگلی اور انگوٹھے میں دبایا اور اس کے بعد کہنیوں کے بل لیٹ گیا۔

پھر اس مدھم خاموشی میں سر، سر، سر...... سر کی آوازیں گونجنے لگیں۔ کچی مٹی آہستہ آہستہ جھڑ رہی تھی۔ یہ کام اب وہ پیروں ہی سے لے سکتا تھا کیونکہ دونوں ہاتھ پنجوں کے پاس سے کاٹ دیے گئے تھے۔ وہ اسی قید خانے میں جوان ہوا تھا۔ تیرہ سال ہو چکے تھے اور اس وقت وہ شاید دس سال کا تھا جب اسے اس جگہ لایا گیا تھا لیکن دس سال پہلے اس کے دونوں ہاتھ موجود تھے، یعنی اس وقت وہ پندرہ سال کا تھا جب اسے اس قید خانے میں ایک ایسی چیز حاصل ہو گئی تھی اور اس نے اس سے دیواروں کو کھرچنا شروع کر دیا تھا۔

وہ ایک سرنگ بنانا چاہتا تھا۔ ایک ایسی سرنگ جو اس موٹی دیوار کے دوسری طرف نکل جائے۔ ایک ایسی چمنی نما سرنگ جس میں گھس کر وہ ایک ایک کر کے باہر نکل سکیں لیکن اس کی بدقسمتی تھی کہ جب گڑھا تین فٹ کا ہو گیا اور بلندی کی جانب سفر کرنے لگا تو اس گڑھے کو دیکھ لیا گیا اور یہ بھی اندازہ لگا لیا گیا کہ سرنگ بنائی جا رہی ہے۔ خیرات نے فوراً ہی ذمہ داروں کو اطلاع دی اور پھر بات اوپر تک پہنچ گئی اور اوپر سے احکامات آ گئے۔

''سرنگ بنانے کی کوشش جاری ہے۔'' گرجدار اور خوفناک آواز نے کہا۔

''ہم یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے، یہ یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے اس لڑکے نے بڑی محنت کی ہے۔ خیرات اس کے دونوں ہاتھ کٹوا دو، ڈاکٹر کو بلوا لو، وہ اس کے ہاتھوں کی مرہم پٹی کر دے گا۔ لے جاؤ اسے۔''

حمیرا اور حیدر علی آنسوؤں سے پاؤں دھوتے رہے لیکن جس کے پاؤں دھوئے جا رہے تھے، وہ آنسوؤں سے متاثر ہونے

والوں میں سے نہیں تھا۔ ان کے سروں کو ٹھوکریں لگا کر وہ واپس چلا گیا۔ خیرات کی ذمہ داری تھی کہ وہ ان کے حکم کی تعمیل کرے تو پھر یوں ہوا دونوں ہاتھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں اور پوری ہتھیلی پنجوں کے پاس سے ہاتھوں کے ساتھ موجود نہیں تھی لیکن ڈاکٹر بہت اچھا تھا۔ ایسا علاج کیا کہ سارے زخم بھر گئے اور صفدر علی ہنڈا کٹا ہو گیا۔

ماں باپ کی آہیں اور آنسو مٹی میں ملتے رہے لیکن مٹی نرم تک نہ ہوئی اور بات ختم ہو گئی۔ صفدر علی ہاتھوں کے بغیر جیتا رہا اور پھر بات ختم ہو گئی۔ بھلا ایسی بھی کیا بات ہاتھ گئے سو گئے، زندگی تو بچی ہوئی تھی۔ سرسراہٹ گونج رہی تھی اور حیدر علی کے گہرے سانس بھی اس میں ہم آہنگ ہو گئے تھے لیکن جیسا کہ حمیرا کا خیال تھا کہ حیدر علی سوتا نہیں ہے، بس سونے کی اداکاری کرتا ہے۔

یہی ہوا اور وہ اچانک اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے پتا نہیں تھا کہ بیٹے نے ہاتھوں کو کھونے کے بعد پیروں کا استعمال شروع کیا ہے۔ صفدر علی اس وقت اپنے کام میں تندہی سے مصروف تھا۔ حیدر علی نے اسے دیکھا اور اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ جھنجھوڑ کر حمیرا کو اُٹھایا اور حمیرا ہڑبڑائی ہوئی آواز میں بولی۔

''کیا ہوا..... کیا ہو گیا لیکن اس کیا ہوا.....'' صفدر علی نے بخوبی سن لیا تھا۔ وہ اپنی جگہ ساکت ہو کر زمین پر اس طرح لیٹ گیا جیسے سو رہا ہو لیکن اس کے دونوں پاؤں گڑھے میں داخل ہو گئے تھے۔ حیدر علی اپنی جگہ سے اُٹھایا۔ حمیرا کا ہاتھ پکڑا اور بیٹے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ صفدر علی نے آنکھیں بند کر لی تھیں، تب حیدر علی نے آہستہ سے اس کے قریب بیٹھ کر اس کے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''اس وقت تیرے دونوں پاؤں گڑھے میں داخل ہیں۔ صفدر علی اور میرا دل کم بخت نجانے کون سے پتھر سے بنا ہوا ہے کہ دھڑکنا نہیں بھولتا۔ مجھے اچانک یوں محسوس ہو رہا ہے صفدر علی جیسے تیرے دونوں پاؤں بھی کٹ گئے ہوں۔ ایسا ضرور ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ ایسا ضرور ہو جائے گا۔''

صفدر علی بے سدھ پڑا رہا۔ حیدر علی نے کہا۔ ''پھر تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکے گا۔ میرا بدن ہی اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ میں تیری خدمت نہیں کر سکتا میرے بچے۔ تیری ماں تو بالکل ہی کمزور ہو گئی ہے۔''

صفدر نے آنکھیں کھول دیں پھر آہستہ سے بولا۔ ''تب مجھے مرنے کی اجازت دے دو بابا۔''

''ابھی نہیں، نہ جانے کیوں ابھی میرے دل میں مایوسی کا اندھیرا نہیں چھایا۔ کچھ کرنیں جی رہی ہیں ابھی۔ روشنی کی ان کرنوں کو بجھ جانے دے۔ اس کے بعد ہم تینوں ایک ساتھ خودکشی کریں گے۔''

''تو خود سوچ تو مر جائے گا۔ تیری ماں رو رو کر اپنی بینائی کھو بیٹھے گی۔ میں کس طرح جیوں گا، انتظار کر لیتے ہیں۔ یہ کم بخت کرنیں نجانے جاگ رہی ہیں۔ یہ روشنی نجانے کہاں سے آ رہی ہے۔ مایوسی کفر ہوتی ہے بیٹا! زندگی تو جیسی بھی گزری تو بھی جانتا ہے، میں بھی جانتا ہوں۔ خودکشی نہ کریں تو ایک گناہ سے بچ جائیں گے ورنہ پھر روز حشر جواب دینا مشکل ہو جائے گا صفدر۔''

''کچھ نہ سہی ہمارے پاس بچے! عاقبت ہی بچ جائے۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ میری دی ہوئی زندگی پر تیرا کیا حق تھا کہ تم نے اسے

ختم کرلیا۔ میں جانتا ہوں کہ کتنا جینا ہے اور کب مرنا ہے۔ میرے کام میں مداخلت کی تھی تم نے تو کیا جواب دیں گے ہم۔ اب یہ تو نہیں کہ شکایتیں کرنے بیٹھ جائیں گے۔ وہ سب کچھ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ ہماری شکایتیں کرنا تو بیکار ہی ہوگا ناجی۔ صفدر ابھی کچھ اور جی، یہ سب کچھ مت کر بیٹا! یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ شیطان کو قوتیں دی گئی ہیں انسان کو نقصان پہنچانے کے لیے اور قوتیں جہاں سے دی گئی ہیں تو جانتا ہے۔ ارے ہم ان قوتوں کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں صفدر۔"

"تم اسے زندگی کہتے ہو بابا! زندگی اسے کیسے کہا جاسکتا ہے۔"

"مانتا ہوں بیٹا! سب کچھ مانتا ہوں لیکن اب کیا کیا جائے جن تصورات میں دنیا میں جیے ہیں، اب تھوڑی سی تکلیف ملنے پر انہیں کیسے ذہن سے بھلا دیں۔"

"تھوڑی سی، میں نے ہوش اسی غار میں سنبھالا ہے بابا! باہر کی دنیا کیسی ہے، کون جانے بابا۔"

"پھر بھی بیٹا! حقیقت میں نے تیرے سامنے پیش کر دی ہے۔ اب تو ہی مجھے مشورہ دے کیا کرنا چاہیے۔ ہٹ ذرا دیکھوں تو سہی کیا کیا ہے تو نے۔" صفدر کو ہٹا کر حیدر علی نے اس گڑھے کو دیکھا جسے ایک احمقانہ کوشش کہا جاسکتا تھا جسے ذہنی فتور اور جنون کہا جاسکتا تھا۔ بھلا ایک چمچے سے کہیں سرنگیں کھودی جاتی ہیں لیکن بیٹے سے بھی کیا کہتا۔ سچ ہی تو کہہ رہا تھا، اس قید میں جوان ہوا تھا وہ۔ حیدر علی نے اسے پیار سے تھپتھپایا اور بولا۔

"اس گڑھے کو بند کر دے بیٹا! اس گڑھے کو بند کر دے۔ کہیں اور کوئی مشکل پیش نہ آجائے۔ مان لے بیٹا! میری بات مان لے۔ چل ہٹ اِدھر سرک جا، میں خوف کے اس گڑھے کو چھپانے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ چمچہ بھی اسی میں دفن کر دے، کہیں یہ کسی کی نگاہوں میں نہ آجائے۔ مصیبت میں پڑ جائیں گے ہم۔" حیدر علی نے صفدر علی کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے گھسیٹا اور پھر گڑھے کو پر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

☆......☆......☆

بہت بڑی آبادی تھی یہ۔ بہت سے لوگ رہتے تھے یہاں، شاہ گڑھی نام تھا۔ شاہوں کا یہ سلسلہ تو بہت قدیم تھا۔ ہمیشہ ہی سے شاہ یہاں حکمران آئے تھے۔ گڑھی ان ہی کی ملکیت تھی۔ پرانے شاہیوں نے گڑھی میں کسی کو زمیندار نہیں رہنے دیا تھا اور قرب وجوار کے تمام علاقے جو سرسبز و شاداب تھے، شاہیوں کی ملکیت تھے اب یہ الگ بات تھی کہ چلچلاتی دھوپ، شدید گرمی نے زمینوں کو بنجر کر دیا تھا۔ کھیت بڑی مشکل سے اُگتے تھے، باغ بڑی مشکل سے سرسبز رہتے تھے۔ کچھ علاقے ایسے تھے جو بالکل بنجر تھے اور کچھ علاقے لوگوں نے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی شکل میں آباد کر لیے تھے اور بعض جگہوں پر کسی اور کی محنت سے خاصا کام ہو گیا تھا۔

بہر حال شاہیوں کا یہ سلسلہ آج تک چلا آتا تھا اور قدیم رہنے والے ان شاہیوں کے غلام تھے لیکن جو نئے پیدا ہوتے تھے، وہ بھی ان کے غلام ہی پیدا ہوتے تھے بلکہ ان کی پیدائش کی اجازت اس لیے دی جاتی تھی کہ وہ شاہوں کے غلام رہیں اور موجودہ شاہ بہرام

شاہ تھا۔ بہرام شاہ نے بھی آئندہ کے لیے شاہ کا تعین کر لیا تھا اور آئندہ کا یہ شاہ فیروز شاہ تھا۔ جو ابھی صرف سولہ سال کا تھا اور آداب شاہی کی تربیت حاصل کر رہا تھا لیکن بہرام شاہ ذرا مختلف قسم کا انسان تھا۔ ویسے تو شاہوں کی شان ہی اور ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ اپنے اندر کوئی نہ کوئی انفرادیت رکھتے ہیں لیکن بہرام شاہ کا معاملہ ذرا بالکل مختلف تھا۔ اصل میں وہ صوفی اور درویش تھا، بلکہ اس نے اپنے باپ رستم شاہ کی زندگی میں اپنا زیادہ وقت یورپ میں گزارا تھا۔ تعلیم کی غرض سے گیا تھا اور جب واپس آیا تھا رستم شاہ بستر مرگ پر تھا۔ اپنی تمام تر جائیداد اور روایات اس نے بہرام شاہ کے حوالے کر دی تھیں۔

اور بہرام شاہ نے بالکل اسی انداز میں باپ کی موت کے بعد شاہی کا آغاز کیا تھا۔ جس طرح شاہ جیا کرتے تھے لیکن پھر کچھ عرصے بعد اس پر کسی درویش کی نظر ہو گئی تھی اور اس کے رنگ ڈھنگ بدلتے چلے گئے تھے، پہلے شانوں تک پہنچیں، داڑھی سینے تک اور اس کے بعد اس کے انداز میں نرمی اور درویشی آتی چلی گئی۔ اس نے پکی حویلی میں رہنے کے بجائے کچی حویلی آباد کی۔

پکی حویلی رستم شاہ نے بنوائی تھی اور ایسی بنوائی تھی کہ لوگ اسے دور، دور سے دیکھنے آتے تھے اور عش عش کرتے تھے۔ دنیا کی ہر آسائش اس میں مہیا کر دی گئی تھی۔ کچی حویلی البتہ پکی حویلی کے عقب میں خاصے فاصلے پر بھی تھی اور کسی پرانے دور میں استعمال ہوئی تھی۔ سب کچھ مٹی کا بنا ہوا تھا لیکن ایسا کہ نوادرات پرانے دور میں استعمال ہوتی تھی۔ سب کچھ مٹی کا بنا ہوا تھا لیکن ایسا کہ نوادرات میں شامل ہو سکے۔ ان نوادرات کو قائم رکھنے کی کوشش بھی کی گئی تھی اور بہرام شاہ نے جب سے اسے آباد کیا تھا اس وقت سے اس کی اہمیت اور بڑھ گئی تھی۔ درختوں سے گھری ہوئی بے مثال حیثیت کی مالک، اس قدیم سائنس کی علمبردار جو بہر طور جدید سائنس سے کہیں زیادہ موثر اور کارآمد تھی۔

اس حویلی کے بھی بڑے راز تھے۔ شاہوں نے ہمیشہ ہی شاہی کی تھی اور شاہی میں جہاں دوستوں کے لیے ایک مقام رکھا جاتا تھا۔ وہیں دشمنوں کے لیے بھی معقول بندوبست کیا جاتا تھا۔ دوستوں کو تو خیر دنیا کے سامنے لا کر ان کی عزت افزائی کی جاتی تھی لیکن دشمنوں کا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہوتا ہے اور دشمنوں کے لیے کچی حویلی میں بہت کچھ تھا یہ اور بات تھی کہ بہرام شاہ نے دشمن پیدا ہی نہیں کیے تھے۔ وہ تو شاہ گڑھی کا سب سے نرم خو اور نرم دل انسان تھا۔

اب یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ شاہ ہر گھر کے دروازے پر چکر لگا کر لوگوں سے ان کی مشکل معلوم کریں لیکن اگر کوئی مشکل میں گرفتار بہرام شاہ کے سامنے آجاتا تھا تو اس کی مشکل عموماً دور ہی ہو جایا کرتی تھی۔ لوگ بہرام شاہ کو دعائیں دیا کرتے تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے کہ جن کے دل میں بہرام شاہ کی روحانیت ان کے الفاظ کو نہ سن لے، بھلا بہرام شاہ سے بھی دشمنی کی جا سکتی ہے۔ تو یہ تھا بہرام شاہ...... درویشوں کی طرح کچی حویلی میں رہتا تھا لیکن تنہا، صرف چند خاص ملازموں کے ساتھ، کیونکہ بقیہ افراد پکی حویلی میں رہتے تھے۔

بہرام شاہ کی حرم پکی حویلی ہی میں تھی اور وہاں کی شان و شوکت دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ بہرام شاہ کی امارت کا الگ روپ دیکھنا ہو تو پھر پکی حویلی میں دیکھا جائے، کچی حویلی میں وہ ایک درخت کے نیچے عظیم الشان چارپائی بچھائی بیٹھا رہتا تھا، حقہ بھرنے والے ساتھ ہوتے تھے، حقے کا بڑا شوقین تھا۔

بہر حال یوں زندگی گزر رہی تھی اور شاہ گڑھی کی عجیب وغریب کہانیاں لوگوں کو سنائی جا سکتی تھیں۔ بلاشبہ اپنی روایتوں کے لحاظ سے ایک عجیب وغریب جگہ تھی۔ البتہ کچھ کہانیاں ایسی بھی تھیں۔ جو دوسروں کے لیے شاید ناقابل یقین ہوں۔ مثلاً عائشہ، حیدر علی کی بیٹی جو ان ہوئی اور اس کی جوانی بہرام شاہ کی نگاہ میں آ گئی۔ بس یونہی گزر رہا تھا ایک دن، موسم بہار تھا۔ ہلکی بارش کا موسم آموں کی فصل تیار تھی اور آموں کے باغ میں جہاں ایک طرف کوئل کوک رہی تھی، وہیں اس درخت کے نیچے بھی ایک کوئل کوک رہی تھی اور اوپر بولنے والی کوئل کا مذاق اڑا رہی تھی۔ کیونکہ اس کوئل کی آواز درخت کی کوئل کی آواز سے زیادہ حسین تھی۔ وہ کوئل کو چھیڑتے ہوئے اچھل اُچھل کر درخت پر لٹکا ہوا ایک آم توڑنے کی کوشش کر رہی تھی اور بہرام شاہ سحر زدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تب آگے بڑھ کر اس نے کہا۔

''کون ہے تو۔'' جواب میں ہرنی جیسی آنکھوں والی عائشہ نے اسے دیکھا اور بولی۔

''اور تو کون ہے۔''

''میں بہرام شاہ ہوں۔''

''تو میں بھی شہنشاہ ہوں۔'' وہ ایک دم بولی اور ہنس پڑی۔ بس بہرام شاہ کو اس کی یہ ادا بھا گئی تھی کہنے لگا۔

''تو ہم تیرے دربار میں رعایا کے طور پر موجود ہیں۔''

''تم شاہ جی ہونا۔''

''ہاں۔''

''تو پھر ایسے مارے مارے کیوں پھر رہے ہو۔''

''بس یوں ہی گھومنے نکل آئے تھے۔''

''تو پھر گھومو میں تو چلی۔''

''سن کہاں رہتی ہے، کس کی بیٹی ہے۔''

''معلوم کر و تو جانیں۔'' اس نے کہا اور ہنستی ہوئی بھاگ گئی۔ بھلا بہرام شاہ کے لیے کیا مشکل تھا کہ وہ یہ بات معلوم کرے۔ حیدر علی کو بلا لیا تھا۔ کچی حویلی ہی میں بلایا تھا، جبکہ وہ عام ملنے والوں سے پکی حویلی میں ملتا تھا۔ پھر جب اس پر درویشی طاری ہوئی تھی اس وقت سے وہ بہت کم لوگوں سے ملتا تھا۔ حیدر علی نے کہا۔

''شاہ جی بڑی عزت بڑھی ہے میری فرمایئے۔''

''حیدر علی ہم تمہاری بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

بہرام شاہ نے کہا اور حیدر علی اسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ بہرام شاہ شادی شدہ ہے۔ غزالہ اس کی بیوی ہے اور اس کا بیٹا بھی ہے جس کا نام فیروز شاہ ہے لیکن بہر حال اس نے آہستہ سے کہا۔

''شاہ جی وہ تو بہت چھوٹی ہے اور پھر آپ۔''

''کبھی ایسا نہیں ہوا حیدر علی کہ کبھی کسی نے ہمارے سامنے لفظ مگر کہا ہو۔''

''شاہ جی وہ تو آپ کی رعایا ہے، آپ کی بیٹی کے برابر ہے۔'' حیدر علی نے بے ساختگی سے کہہ دیا۔

''بیٹی کے برابر ہے۔ بیٹی تو نہیں ہے، اور پھر اس سے فرق کیا پڑتا ہے کیا ہم بوڑھے ہو گئے ہیں، کیا ہم۔''

''شاہ جی...... غزالہ بھی تو ہیں۔''

''یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہے۔ حیدعلی، غزالہ آج ہیں کل نہیں رہیں گے۔''

''شاہ جی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''ہم سے بحث کر رہے ہو۔''

''مگر شاہ جی۔''

''دو مگر ہو گئیں ہیں، حیدر علی تیسری نہیں ہونی چاہیے۔''

''شاہ جی میں اپنے بیٹے سے مشورہ کرلوں۔ بیوی سے پوچھنا ہوگا۔'' حیدر نے کہا۔

''ہم سمجھتے تھے، حیدر علی کہ تم خوشی سے دیوانے ہو جاؤ گے۔ جو عزت تمہیں مل رہی ہے اسے سر آنکھوں پر رکھو گے لیکن تمہارے اس اگر مگر نے ہمیں ذہنی طور پر پریشان کر دیا ہے۔ یہ ہونا نہیں چاہیے۔ حیدر علی۔''

''ہاں...... لیکن اس کے باوجود میں آپ کو جواب نہیں دے سکتا۔''

''جاؤ...... سوچنا غور کرنا۔''

''ایسے کام ضد کر کے تو نہیں کرائے جاسکتے۔''

''ہم تو تمہیں اپنا بزرگ بنا رہے ہیں اور تمہیں یہ حق ہے کہ ہمیں نظر انداز کر دو۔'' ''میں سوچ کر آپ کو جواب دوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ اگر تم انکار کرو گے تو ہم یہ بات کہی۔'' اور عائشہ نے اسے سن لیا اور ماں کے بجائے وہ بول پڑی۔

''بابا...... اس سے تو اچھا ہے تم مجھے زمین میں دفن کر دو۔ مجھے اس کی صورت سے نفرت ہے۔''

''بیٹیاں ایسے معاملے میں نہیں بولتیں بیٹی۔'' پھر اسی نے اپنی بیوی سے کہا۔

''تو ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ یہ بات تو تم جانتی ہو کہ شاہ جی کا معاملہ ہے اس نے جو کچھ منہ سے نکال دیا وہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔''

''تو تم خود سوچو۔''

''ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے۔''

''وہ کیا۔''

''آدھی رات کو جب چاروں طرف تاریکی پھیل جائے، تو ہم چاروں یہاں سے نکل چلیں اور اتنی دور چلے جائیں کہ بہرام شاہ ہمیں تلاش نہ کر سکے۔''

''اور گھر بار چھوڑ دیں۔''

''سوچ لو حمیرا گھر بار چھوڑنا ہی پڑے گا۔ قیمتی سامان باندھ لیتے ہیں، اور اس کے بعد یہاں سے نکل چلتے ہیں۔''

''جیسا تم مناسب سمجھو۔''

عائشہ خوشی سے اس کام میں شریک ہو گئی تھی اور انہوں نے یہ ہی کیا تھا۔ رات کو ساڑھے بارہ بجے کے قریب وہ چوروں کی طرح بستی سے نکلے تھے اور چوروں کی طرح خاموشی سے چلتے ہوئے بستی سے کافی دور نکل آئے تھے۔ وہ جگہ نورتن کہلاتی تھی۔

نورتن کے پاس سے گزرتے ہوئے انہیں دس آدمیوں کا ایک ایسا گروہ ملا جو منہ پر ڈھاٹے باندھے ان کے سامنے آیا اور اس کے بعد کھیل بول گیا۔ حیدر علی بھلا دس آدمیوں کا کیا مقابلہ کر سکتا۔ بیوی تھی، بیٹی تھی، چھوٹا سا بچہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بے ہوش کر دیا گیا اور جب انہیں ہوش آیا تو وہ ایک بہت بڑے عجیب و غریب کمرے میں پڑے ہوئے تھے۔ مٹی کا بنا ہوا کمرہ وسیع و عریض تھا اور اس پر ننگے فرش کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ دن چڑھا تو انہوں نے بہرام شاہ کو دیکھا۔

مسکراتا ہوا اندر آیا تھا، کہنے لگا۔

''بھاگ رہے تھے، حیدر علی۔'' حیدر علی بھلا کیا جواب دیتا۔

''غلط فیصلہ کیا تم نے اور کبھی کبھی غلط فیصلے زندگی پر محیط ہو جاتے ہیں۔ ہماری بے عزتی کرنے والے کہاں جیتے ہیں۔''

''مگر شاہ جی تم خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ معصوم ہے، کمسن ہے، اور تم۔''

''اب تو ہمیں اس قدر جلال دلا دیا ہے کہ ہم تجھے زندہ جلا کر خاکستر کر دیں۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے کان کھول کر غور سے سن، خاموشی سے یہاں وقت گزار میں اس لڑکی کو لے جا رہا ہوں۔''

''میں نہیں جاؤں گی۔'' عائشہ غرا کر بولی۔

''سنو لڑکی سنو...... تم یہاں سے چل رہی ہو پکی حویلی، اور یہ لوگ جو ہیں نا تمہارے بھائی، ماں، باپ یہ فی الحال ابھی یہاں موجود ہیں۔ زندہ، انہیں چار دن تک میں زندہ رکھوں گا۔ چار دن کے اندر اگر تم نے میری بات نہ مانی تو تمہیں ان کی لاشیں دکھا دوں گا اور اس کے بعد بھی وہی ہو گا جو میں چاہتا ہوں۔ جو عزت تمہیں راس نہیں آ رہی میں اب بھی تمہیں وہی عزت دینا چاہتا ہوں۔ ورنہ ایک کلی کو پھول بنا دینا کون سا مشکل کام ہوتا ہے، غور کر لو۔''

بہرام شاہ خود تو بھلا کسی کو کیا ہاتھ لگاتا عائشہ کو وہاں سے ہٹا کر ایک ایسی جگہ پہنچا دیا گیا جو شاید پکی حویلی کا ہی کوئی حصہ تھا۔ اس کے بعد تیسرے دن عائشہ نے اس بات کو قبول کر لیا کہ قاضی کو بلا لیا جائے اور خود کو بہرام شاہ کے نکاح میں دے دیا جائے۔ ماں، باپ،

بھائی کی زندگی عزیز تھی۔ بہرام شاہ نے یہ شرط بھی پیش کر دی تھی کہ اس کے والدین زندہ رہیں گے اور ایک وقت گزرنے کے بعد انہیں اس کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

لیکن صرف دیکھنے کی حد تک یہ بتانے کے لیے کہ وہ زندہ ہیں، بہر حال عائشہ بہرام شاہ کے نکاح میں آ گئی اور اسے پکی حویلی میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں غزالہ سے اس کی پہلی ملاقات ہوئی۔ غزالہ نے حجرے کی آنکھ سے اس نوخیز لڑکی کو دیکھا اور کرخت لہجے میں بولی۔

''کون ہے تیرے ماں، باپ ری۔''

''وہ...... حیدر علی کی بیٹی ہوں، مالکن۔''

''ہوں، مالکن کہہ رہی ہے مجھے بدبخت، مالکن سمجھتی ہے، تو مالکن کی سیج پر کیوں آ بیٹھی۔''

''میں خود نہیں آئی۔''

''تو پھر۔''

''شاہ جی نے زبردستی کی ہے میرے ساتھ۔ میرے ماں، باپ کو پکڑ لیا ہے۔ بھائی کو پکڑ لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر میں نے ان کی بات نہ مانی تو میرے ماں، باپ کو ماردیں گے۔ وہ تینوں شاہ جی کے قبضے میں ہیں، مالکن اور شاہ جی نے جو کچھ کیا ہے۔'' غزالہ کی آنکھوں میں چنگاریاں ابھرنے لگیں۔ اس نے عائشہ کو تسلی دی اور کہا کہ وہ دیکھے گی کہ اس کے لیے کیا کر سکتی ہے اور پھر جب بہرام پکی حویلی پہنچا اور اس طرح پہنچا جیسے وہاں پہنچتا تھا، کیونکہ اسے اپنی درویشی قائم رکھنے کے لیے دنیا سے کنارہ کشی کا اظہار کرنا ہوتا تھا اور وہ جب بھی پکی حویلی آتا اس طرح آتا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی اور اس کے لیے اس نے خفیہ راستے بنا رکھے تھے۔ تو جب وہ عائشہ کا تصور آنکھوں میں بسائے پکی حویلی پہنچا تو عائشہ کی خلوت میں اسے غزالہ ملی۔ شعلہ جوالہ بنی ہوئی غصے سے کھولتی ہوئی۔ بہرام شاہ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور بولا۔

''اچھا ہوا تم یہاں موجود ہو۔ تجربہ بڑی چیز ہوتا ہے اور آج تمہارا تجربہ ہماری زندگی میں ایک عجیب لطافت کا حامل ہوگا۔ دروازہ بند کر دو۔ تم ہمارے ساتھ رہو گی۔''

''شاہ جی میں تمہارے کالے کرتوتوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ سب کچھ جانتی ہوں تمہارے بارے میں، جو گندگی تم کرتے رہے ہو، میں نے اسے اپنے دوپٹے سے چھپا کر رکھا ہے۔ زمانے میں کسی کے سامنے زبان نہیں کھولی۔ یہ سوچ کر کہ تم نے میرا مقام تو مجھے دے دیا ہے۔ بیوی کہلاتی ہوں میں تمہاری لیکن شاہ جی نوبت یہاں تک کیسے پہنچ گئی۔ کیوں ایک مظلوم لڑکی کو تم نے اپنے پنجوں میں پھانسا ہے، اور وہ بھی اس طرح کے انسانیت کانپ اُٹھے۔ شرافت لرز کر رہ جائے، شاہ جی ایسا کیوں کیا تم نے۔'' بہرام شاہ ہنسنے لگا، پھر بولا۔

''کبھی کبھی زندگی میں تبدیلی بھی کیا مزہ دیتی ہے غزالہ! ہم دنیا سے سوال کرتے ہیں اور دنیا ہمارے سوالات کا جواب دیتی ہے، ارے تمہیں معلوم ہے کہ ہم کس پائے کے آدمی ہیں۔ اس چھوٹی سی جگہ پر بیٹھ کر ملک پر حکومت کر رہے ہیں ہم۔ جب وزیروں کو مشکل آتی ہے تو سیدھے بہرام شاہ کے پاس آتے ہیں کہ شاہ جی اس جنجال میں پھنس گئے ہیں۔ مصیبت سے نکالو، ہم دعا کرتے ہیں، اور ہماری دعا

پوری ہو جاتی ہے۔ ہم ترستے ہیں غزالہ کہ کبھی کوئی ہم سے بھی سوال ٹھیک کہتی ہو تم' یہ سچ ہے کہ نہ صرف گڑھی شاہ میں بلکہ آس پاس بھی ہم سے محبت کرنے والے ہمارے لیے تحائف بھیجتے رہتے ہیں۔ ہم یہ تحفے قبول کر کے انہیں انعام سے نوازتے ہیں پھر یہ تحفے چلے جاتے ہیں۔ پر کبھی کبھی جیسا کہ ہم نے تم سے کہا کہ تبدیلی میں ایک الگ لطف آتا ہے۔ یہ لڑکی بہت اچھی ہے غزالہ! تم سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے، نوجوان ہے، نوخیز ہے۔ ذرا دیکھو اسے، کوئی کوئی چیز ایسی ہوتی ہے۔ جس کے بارے میں انسان سوچتا ہے کہ یہ صرف اسی کے تصرف میں رہے۔ دوسروں کے بھیجے ہوئے تحفے تو ہم آخر کار آزاد کر دیتے ہیں۔ کبھی زندگی سے کبھی اپنی گرفت سے لیکن یہ ہمیں اتنی اچھی لگی کہ ہم نے سوچا کہ چلو کوئی حرج نہیں ہے اور پھر غزالہ! تم نے تو یہاں آ کر ہمارے ذہن میں ایک نیا تصور پیدا کر دیا ہے۔ دونوں بیویاں ہو ہماری ......واہ کیا بات ہے۔''

''شاہ جی! اسے آزاد کر دو۔'' غزالہ نے بھاری لہجے میں کہا اور بہرام شاہ کی آنکھیں کچھ اور بڑی ہو گئیں۔ معمول سے کچھ زیادہ ہی بڑی ہو گئیں۔ معمول سے کچھ زیادہ ہی سرخ ہو گئیں۔ وہ سرخ سرخ آنکھوں سے غزالہ کو دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یہ بھی ایک اچھا تجربہ ہے ہمارے لیے۔ حکم دے رہی ہو تم ہمیں۔ واہ غزالہ واہ۔''

''میری زندگی میں یہ سب ناممکن ہے شاہ جی! کبھی آپ کے آڑے نہیں آئی لیکن آج جب زبان کھول دی ہے تو پھر یہ سمجھ لو کہ تمہیں میری یہ بات ماننی پڑے گی۔''

''ہاں، یہ تو ہے کہ جب انسان زبان کھول دے تو اس کی بات ماننی پڑتی ہے۔ چلو کچھ اور باتیں ہو جائیں۔ غزالہ! مثلاً یہ کہ اگر میں تمہاری بات نہ مانوں تو۔''

''تو بہت برا ہوگا شاہ جی۔''

''ارے وہ بھی تو ہمیں بتاؤ کہ کتنا برا ہوگا۔ بتاؤ، غزالہ! اچھا لگ رہا ہے تمہارے منہ سے یہ سب کچھ۔''

''شاہ جی! میں تمہارے کالے کرتوتوں کا بھانڈا پھوڑ دوں گی۔''

''واہ......مزہ آیا اور۔''

''شاہ جی! اچھا نہیں ہوگا۔ عورت اور ناگن کا فرق سمجھتے ہیں۔ عورت ناگن سے زیادہ خوفناک ہوتی ہے اور اس وقت جب اس کا مان چھینا جا رہا ہو، سب کچھ برداشت کرتی رہی ہوں۔ شاہ جی! کبھی تمہاری کسی برائی پر زبان نہیں کھولی لیکن یہاں تم سے تعاون نہیں کروں گی، یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔''

''غزالہ اسی لیے تو تیری قدر کرتے ہیں ہم کہ بات بڑے مزے کی کہتی ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارے کالے کرتوتوں کا بھانڈا پھوڑ دے گی۔ کیا مزہ آئے گا جب تو دنیا کے سامنے چیخ چیخ کر کہہ رہی ہوگی کہ بہرام شاہ اوباش طبع ہے، عیاش ہے، عورت خور ہے اور لوگ تجھے پتھر مار رہے ہوں گے کہ تو ان کے مالک کو، ان کے روحانی پیشوا کو اتنے برے برے الزامات لگا رہی ہے مگر نہیں غزالہ! ایسا نہیں ہونا

چاہیے۔ہم تیری دوسری بات پر غور کرر ہے ہیں۔عورت اور ناگن میں کیا فرق ہے، کیا عورت واقعی ناگن ہوتی ہے غزالہ۔''

''ہوتی نہیں ہے لیکن حالات اسے بنا دیتے ہیں۔''

''تو کیوں نہ تیرا امتحان لے لیا جائے۔''

''کیسا امتحان۔'' غزالہ نے کہا۔

عائشہ ایک بے جان بت کی مانند ایک ڈیکوریشن پیس کی طرح مسہری پر دلہن بنی بیٹھی یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔شاہ نے اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس سے ایک عجیب وغریب چیز نکالی۔دو کالے کالے پلاسٹک کے بنے ہوئے انگوٹھے نما اوزار تھے۔انہیں انگلیوں میں پہننے کی جگہ بھی موجود تھی۔انہوں نے دونوں اوزار اپنی انگلیوں میں پہنے پھر مسکراتے ہوئے بولے۔

''یہ دیکھ، یہ کیا ہے۔''

''کیا ہے، شاہ جی۔''

''میں نے اس کا نام کنوتھا رکھا ہے، کیا نام رکھا ہے۔'' شاہ جی نے سوال کیا۔

''کنوتھا۔''

''اس کے معنی کیا ہیں، یہ تو میں بالکل نہیں جانتا لیکن اس کی بناوٹ جو ہے نا، اس کی بناوٹ کو دیکھ کر یہی ایک نام میرے ذہن میں ابھرتا ہے۔کیا ابھرتا ہے کنوتھا اور جانتی ہے اس کا کیا کام ہے۔''

''نہیں شاہ جی۔''

''بتاتا ہوں، بتاتا ہوں۔'' بہرام شاہ نے کہا اور زمین پر بیٹھ گیا پھر اس نے مسکراتی نگاہوں سے غزالہ کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

''ویسے خوبصورت تو بھی بہت ہے۔حقیقت یہ ہے اگر سچ پوچھے تو جب تو اس کی عمر کی تھی تو اس سے زیادہ خوبصورت تھی، ورنہ میں تجھ سے شادی نہ کرتا۔آج بھی تیرا بدن بہت خوبصورت ہے غزالہ! ذرا پائنچہ اوپر کر۔'' بہرام نے خود ہی غزالہ کا پائنچہ اوپر کیا اور اس کی سفید پنڈلی نمایاں ہوگئی۔سنگ مرمر سے بنی ہوئی سڈول، سفید، بے داغ، غزالہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔

لیکن شاہ جی نے کنوتھا آہستہ سے اس کی پنڈلی میں چبھو دیا اور پھر دونوں انگلیاں زور سے دبا دیں۔غزالہ کے حلق سے سی کی آواز نکلی تھی۔کنوتھے میں شاید خاص قسم کی سوئیاں پوشیدہ تھیں جنھوں نے غزالہ کی پنڈلی پر دو سوراخ نما سرخ نشان بنا دیے تھے اور خون کی دو ننھی بوندیں پنڈلی پر ابھر آئیں۔بہرام شاہ مسکراتا ہوا پیچھے ہٹ گیا تھا۔

''تو یہ ہے کنوتھا۔ارے ناگن کو ناگ ڈسے گا تو ناگن کا کچھ بگڑنا تو نہیں چاہیے۔بے وقوف عورت تو نے کبھی ناگن دیکھی ہے، ناگن ناگن ہوتی ہے۔عورت عورت۔اب دیکھ اپنی پنڈلی پر یہ نشان سانپ کے کاٹے کے نشان ہیں۔سانپ جب کاٹتا ہے نا تو اس طرح گول نشان بن جاتے ہیں اور تجھے کاٹ لیا ہے۔سانپ نے یہ اصلی سانپ نہیں۔یہ سانپ اصل میں تیرے سامنے کھڑا ہے۔شیش ناگ۔

غور سے دیکھ میں شیش ناگ سے زیادہ خطرناک ہوں۔"

"لیٹ جا، اب تھوڑی دیر بعد تیرے پیروں کی جان نکلنا شروع ہو جائے گی۔ اس کے بعد تیرا بدن نیلا پڑ جائے گا۔ یہ کنو تھا جو ہے نا، یہ مجھے میرے ایک بہت ہی قریبی دوست نے بنا کر دیا تھا اور اس کے اندر اسپرنگ لگے ہوئے ہیں اور اسپرنگوں کے پیچھے کوبرا کا زہر ہے۔ ایک خطرناک کوبرا کا زہر۔ جب یہ گول سے سوراخ کرتے ہیں تو زہر کا دہانہ کھل جاتا ہے اور وہ اس طرح انسانی بدن میں داخل ہو جاتا ہے جس طرح سانپ اپنا زہر انسان کے بدن میں منتقل کرتا ہے۔ کرے اور ہمیں بھی اس سوال کا جواب دینا ہو۔"

☆......☆......☆

غزالہ کو اچانک ہی احساس ہوا تھا، جیسے اس کے بدن میں ہلکی ہلکی گرمی پیدا ہو رہی ہو، رگوں میں دوڑنے والا خون کھولتا جا رہا تھا۔ اس میں بے پناہ حدت بڑھ گئی تھی۔ پھر یہ حدت آگ کی شدت میں تبدیلی ہوگئی اور غزالہ کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں۔ وہ بیٹھ گئی، پھر اس جگہ زمین پر لیٹ گئی، ادھر عائشہ ساری باتیں سن کر تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس نے غزالہ کو ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہوئے دیکھا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ چہرہ کرب وشدت کی تصویر بن گیا۔ پھر رفتہ رفتہ اس کی آواز حلق میں گھٹ گئی اور اس کے بعد وہ ساکت ہوگئی، بے نور آنکھوں سے بے بسی جھانک رہی تھی۔ ایک معذرت تھی ان آنکھوں میں عائشہ سے کہ کچھ نہ کر سکی وہ اس کے لیے، لیکن بہر حال قول کو نبھانے کے لیے اس نے جان کھو دی۔ بہرام شاہ نے مسکرا کر اسے دیکھا، پھر عائشہ سے بولا۔

"لوگ کسی نیک کام کے لیے بکرے کی قربانی دیتے ہیں۔ گائے، بھینس اور اونٹ قربان کرتے ہیں، دیکھ عائشہ میں نے تیری اور اپنی زندگی کا آغاز ایک قربانی دے کر کیا ہے اور تو کافی خوش نصیب معلوم ہوتی ہے۔ یہ بات ثابت ہوگئی، ارے لوگ میری عزت کرتے ہیں۔ مجھے پہنچا ہوا بزرگ مانتے ہیں۔ ایک بزرگ کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں تجھ سے سوتن نہیں برداشت کرنی پڑی۔ خوش نصیب ہے کہ نہیں ایک بیٹا ہے، اس کا فیروز شاہ، میرا بھی ہے، میں اس سے محبت کرتا ہوں، بس تھوڑی سی دیکھ بھال اس کی کرنا پڑے گی تجھے اور تجھے کیا کرنا پڑے گا۔"

درجنوں ملازم اور ملازمائیں ہیں، زبان بند رکھنا بس، اور اس سے تجھے یہ بھی اندازہ ہو گیا ہوگا عائشہ کہ میرے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔ دیکھو سمجھا رہا ہوں تجھے تیرا شوہر ہوں، کبھی میرے سامنے لفظ، اگر مگر اور انہیں مت کہنا، بھول جا، بھول جا ان تینوں لفظوں کو، جو میں کہوں اسے اپنی تقدیر سمجھ لینا۔ اپنا مان، اپنی زندگی سمجھنا، ہاں صرف ہاں، ٹھیک ہے نا، اب ذرا دو منٹ رک جا، میں اس کی لاش ایک ایسی جگہ پہنچا دوں جہاں سے میری تصدیق کے طور پر دنیا کے سامنے آ جائے۔ یعنی یہ کہ اسے سانپ نے کاٹا ہے، کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ سانپ کی ڈسی ہوئی نہیں ہے اور عائشہ یہ ہے بھی سانپ ہی کی ڈسی ہوئی۔ اپنے لیے مخالف گفتگو کرنے والوں کو میں سانپ ہی کی طرح ڈس لیتا ہوں۔ تو اس سے تجھے یہ بھی اندازہ ہو گیا ہوگا عائشہ کے تجھے میرے سامنے اب کس طرح پیش آنا چاہیے۔

اپنی جان تو بے شک کھو سکتی ہے لیکن ماں، باپ اور بھائی اسی شکل میں زندہ رہیں گے۔ جب میرے لیے تو اپنی آنکھیں اور کان

بھرے کرے گی۔" تو عائشہ نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

بس اس کے بعد زندگی گزرنے لگی تھی، اور اب تو تیرہ سال ہو گئے تھے۔ زندگی کے تیرہ سال، ان تیرہ سالوں میں دو دفعہ اسے اس کے ماں، باپ اور بھائی کی شکل دکھائی گئی تھی لیکن اس طرح کہ کسی کو پتا نہ چل سکے خود انہیں بھی، اس نے انہیں زندہ دیکھا تھا لیکن جس حال میں اس کا دل ہی جانتا تھا اور اب وہ اسی انداز میں جینے کی عادی ہو گئی تھی۔

بات بہت پہلے کی تھی، اس وقت کی جب بہرام شاہ نے اپنے باپ رستم شاہ کی موت کے بعد شاہ گڑھی کی شاہی سنبھالی تھی اور اس کے بعد جوڑ توڑ کر کے اس قدر بلندی حاصل کر لی تھی کہ یہ حقیقت ہے کئی الیکشن اس بات کے گواہ تھے کہ بہرام شاہ نے جس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اسے جیتنا تو ہوتا ہی تھا کہ اس جوڑ کا کوئی توڑ نہیں ہوتا تھا اور الیکشن جیتنے کے بعد پسندیدہ وزارتیں حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے لوگ ننگے پاؤں چل کر کچی حویلی پہنچتے تھے اور بہرام شاہ سے دعاؤں کے طلب ہوتے تھے۔ بس کسی کو دعا مل جائے تو سمجھ لو بیڑا پار۔

لیکن دعاؤں کی بھی ایک قیمت ہوتی ہے اور یہ قیمت بہر طور بہرام شاہ کو پہنچ جاتی تھی، قرب و جوار میں بھی کچھ زمینیں ایسی تھیں جو بہرام شاہ کے قبضے میں نہیں تھیں۔ بس آہستہ آہستہ بہرام شاہ کی نظر عنایت ہوتی چلی جاتی تھی۔ بختیار خان کے پاس بہت چھوٹی سی زمین تھی اور بختیار خان نے اس زمین پر آموں کے باغ لگا رکھے تھے۔ یہ تقدیر تھی یا بختیار خان کی محنت کہ اس جیسے آم دور، دور تک کی آبادیوں میں نہیں پیدا ہوتے تھے۔ بہرام شاہ کو اس نے آموں کا تحفہ پہنچایا تھا۔ بہرام شاہ آموں کا رسیا تھا۔ آموں کو دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے، بختیار خان! کیوں تکلیف کی تم نے۔"

"شاہ جی! یہ تکلیف تو میری تقدیر کا سب سے سنہرا دور ہے۔ اگر آپ آم قبول کر لیں۔"

"بختیار خان! آم ہماری کمزوری ہیں لیکن نفس کشی کر رہے ہیں۔ جو طلب انسان کے دل میں شدت اختیار کر جائے اس سے گریز ہی بہتر ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اطاعت انسانیت ہے، چکھ لیتے ہیں تمہارا دل رکھنے کے لیے۔" اور بہرام شاہ نے وہ آم چکھے، خوشبودار اور رسیلے اور ایسے کہ جنہیں کھایا جائے۔ بہرام شاہ نے پسندیدگی کا اظہار کیا اور اس کے کچھ دن کے بعد بختیار کو بلا بھیجا۔

"بختیار کتنے درخت ہیں تمہارے اس باغ میں۔"

"بہت ہیں سرکار۔"

"کسی وقت تمہارے باغ کا جائزہ لیں گے۔"

"میری خوش بختی ہوگی حضور۔"

پھر بہرام نے اس باغ کا جائزہ لیا اور اس کے بعد ہنستا ہوا بولا۔

"بختیار خان! جہاں اتنے قیمتی اور اتنے لذیذ آم لگے ہوئے ہوں وہاں ان کی حفاظت کا معقول بندوبست نہیں ہے۔ یہ تو بہت قیمتی جگہ ہے، میرا خیال ہے کہ تم اس کی حفاظت کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ایسا کرو اسے ہمارے حوالے کر دو۔ ہم یہاں اپنے آدمی متعین کریں

گے۔تم بس یہی کرنا کہ زیادہ سے زیادہ اس کی دیکھ بھال کر سکتے ہو۔ پیسے لےلو ہم سے اس کے، یا پھر ہمیں تحفہ دے دو۔ کیونکہ عموماً لوگ ہم سے کسی چیز کے پیسے نہیں لیتے۔“

”باقی رہا بھئی جہاں تک تمہارا معاملہ تو بھئی دیکھو زندگی میں میانہ روی ضروری ہے۔ درختوں کے پھل بیچ کر ہم سے جو کچھ حاصل کر سکتے ہو۔ وہ میرے خیال میں تمہاری حیثیت سے زیادہ ہے۔ میری مانو بختیار خان! باغ کا تصور ذہن سے نکال دو۔ میں پٹواری کو بھیج دوں گا۔ کاغذات مکمل کر لے گا۔ تم اس پر دستخط کر دینا۔ اطمینان سے رہو گے اور پھر ہم دیکھیں گے کہ تمہاری زندگی گزارنے کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔“

بختیار خان کا خون خشک ہو گیا تھا لیکن بہر حال وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ شاہ جی جو کچھ کہہ دیتے ہیں وہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے ان کی دعاؤں سے اس کی زندگی میں کچھ اور ترقی ہو جائے۔ بیٹا، بیٹی سکون سے زندگی گزاریں۔ فیضان خان جوان ہو گیا تھا۔ بختیار خان یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی زندگی آتش فشاں بن جائے اور آخر کار لوگ اسی طرح اس سے ہمدردی کریں۔ جیسا بعض واقعات میں ہوا تھا۔ یعنی ان لوگوں کے ساتھ جنھوں نے بہرام شاہ کی بات نہیں مانی تھی۔ یہ ساری باتیں اس نے لمحوں میں سوچیں اور عاجزی سے بولا۔

”شاہ صاحب! جس چیز پر آپ کی نظر ہو جائے، بھلا پھر کسی اور کی مجال ہے کہ وہ اسے اپنی ملکیت سمجھے، آپ پٹواری بھیجیں نہ بھیجیں یہ آپ کی مرضی ہے، ارے میں غریب بھلا آپ کو بھلا کیا تحفہ دے سکتا ہوں، جیسے آپ حکم دیں ویسا ہی ہو جائے گا۔“

”سمجھدار آدمی مجھے اپنی اولاد کی طرح پیارے ہوتے ہیں۔ بڑی اچھی بات ہے۔ بختیار خان نے یہ نہ کہا کہ سوچوں گا سرکار یا مشورہ کروں گا کسی سے۔ ہم سے بڑا مشورہ کوئی دے سکتا ہے تمہیں تو پٹواری آ جائے گا دستخط کر دینا۔“

بختیار خان نے یہ بات اپنے گھر والوں کو بھی نہیں بتائی تھی لیکن چھپنے والی بات کہاں چھپ سکتی ہے۔ معلومات سبھی کو ہو گئی۔ فیضان خان کو بھی اور فیضان خان غم و غصے سے دیوانہ ہو گیا۔ کئی دن تک باپ سے بات نہ کی۔ بختیار خان نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

”بیٹا یہ باغ مجھے بھی اپنی اولاد ہی کی طرح پیارا ہے لیکن بے جان درخت جاندار درختوں سے زیادہ قیمتی نہیں ہوتے۔ میرا باغ تو اور نادیہ ہے۔ میں تمہاری پرورش کروں گا۔ دیکھ لیں گے بیٹا زندگی میں کیا لکھا ہے۔“

”مگر باغ ہمارا ہے، بابا۔“

”تھا بیٹے ہے نہ کہنا کیونکہ ہے کہنے میں ہم نہیں ہوں گے۔“

”یہ ظلم نہیں ہے۔“

”اپنی زبان بند رکھنا، یہ میرا حکم ہے۔ کبھی اسے ظلم کے خیال سے آواز نہ بنانا، بہت کچھ دیکھنا ہے ابھی ہمیں زندگی میں۔“

فیضان خاموش ہو گیا تھا لیکن اس کے دل میں ایک داغ لگ گیا تھا۔ پھر خاصا وقت گزر گیا باغ اب بختیار خان کی ملکیت نہیں رہا

تھا۔ البتہ بہرام شاہ نے ایک دن بختیار خان کے ساتھ فیضان کو دیکھ کر کہا۔

''بیٹا ہے نا تمہارا۔''

''جی شاہ جی۔''

''بڑا شاندار جوان ہے، ایسے جوانوں کو یا تو فوج میں ہونا چاہیے، یا پولیس میں۔ میرا خیال ہے محکمہ پولیس زیادہ اچھا ہے۔ اسے بھرتی کرا دیتا ہوں۔ ایسا کرنا فیضان کل میرے پاس آ جانا۔ خط دے دوں گا تمہیں اپنے ایک محبت کرنے والے کے نام، سب انسپکٹر لگ جاؤ گے۔ تھوڑے دن کی ٹریننگ کے بعد ایسا کروں گا کہ تمہیں یہیں آس پاس کہیں لگا دوں گا۔ بستی والوں کے بھی کام آنا اور ہمارے بھی کام آنا اپنا آدمی ہو گا تو چھوٹی موٹی باتیں ٹلتی رہیں گے۔ سمجھ رہے ہو نا، اور پھر پولیس کی نوکری ساری کسر پوری کر جائے گی۔ جسے جو کہہ دیتے ہیں وہ مان لیتا ہے، بڑی محبت کرتے ہیں لوگ ہم سے، تو کل آ جانا۔'' بعد میں فیضان نے اپنے باپ سے کہا۔

''میں اس مردود کی کوئی مدد قبول نہیں کروں گا۔''

''یہ چھری ہے نا لے، یہ اپنے ہاتھ سے میری گردن پر پھیر دے۔ اپنی ماں کو مار دے اور اپنی بہن کو مار دے، سمجھ رہا ہے نا، کر دے ختم ہم لوگوں کو، اس کے بعد جو تیرا دل چاہے کرنا، ارے کیوں ہم سب کی زندگی کا دشمن بنا ہوا ہے، اور پھر نوکری مل رہی ہے تجھے اچھی خاصی نوکری مل رہی ہے۔ شاہ جی کی بات مانے گا پاگل تو ایک باغ نہیں، لیکن اتنا ضرور کما لے گا کہ اس جیسے دس باغ کہیں اور خرید لے گا۔''

باپ کی بات فیضان کی سمجھ میں آ گئی، اسے تمام باتوں کا احساس تھا لیکن یہ بات جانتا تھا کہ شاہ جی سے گریز کر کے بچنا مشکل ہو جائے گا۔ وہ اپنے گھر کے لیے عذاب نہیں چاہتا تھا۔ خاموشی سے شاہ جی کی پکی حویلی پہنچ گیا اور بہرام شاہ نے اسے ایک بند لفافہ دے دیا اور پتہ بتا دیا کہ اسے کہاں جانا ہے۔ چنانچہ تمام کام مکمل ہو گئے اور اس کے بدن پر سب انسپکٹر کی وردی سج گئی۔ اب یہ اس کی صلاحیت تھی کہ وہ اس کی وردی کے پھولوں میں کتنا اضافہ کر سکتا ہے لیکن صلاحیت نہیں تھی، بلکہ شاہ کی کسی اور نظر کرم کا موقع ملا تھا۔

بہرحال وہ اپنا کام کرتا رہا، ادھر بختیار خان مطمئن تو خیر نہیں تھا لیکن بہرحال زندگی کو اس نے اپنے لیے آسان بنا لیا تھا اور یوں وقت گزرتا رہا، پھر بہت وقت گزر گیا اور پھر جب بختیار خان نے جب فضل دین کی بات سنی تو حیران رہ گیا۔ فضل دین بھی اس بستی کا رہنے والا تھا۔ نیک آدمی تھا۔ عمر رسیدہ تھا، پہلی بیوی مر چکی تھی اور اچھا خاصا کھاتا پیتا آدمی تھا۔ اس نے دست بستہ بختیار خان سے درخواست کی کہ اگر وہ اسے اپنے داماد کے طور پر قبول کرے تو اسے بے حد خوشی ہو گی۔ بختیار خان دنگ رہ گیا ایک لمحے کے لیے اسے غصہ آیا تھا اور اس نے کہا تھا۔

''فضل دین کیا کہہ رہے ہو، ہوش گنوا بیٹھے ہو کیا۔''

''نہیں۔ بختیار خان ایسی بات نہیں ہے، وہ کبھی کبھی...... میں شرف بازیابی کے لیے حاضر ہوتا ہوں، مجھ سے کہنے لگے کہ فضل دین تنہا زندگی کب تک گزارتا رہے گا۔ کسی نیک بخت سے شادی کر لے، گھر آباد کر...... اپنا ایسے پھرنے سے تو بہتر ہو جائے گا۔ اچھا رہے گا تیرے لیے اور پھر زور دے کر کہا کہ یہ کام جلدی کر لے، یہ بات کئی...... کبھی تم سے بات کروں آج ہمت کر ہی ڈالی ہے۔''

''تو بدبخت پھر میرا ہی گھر کیوں دیکھا تو نے اپنی عمر کی کسی عورت کو دیکھ۔''

''ساٹھا، تو پاٹھا۔ پھر میری عمر تو ابھی بہت کم ہے۔ تھوڑا ہی فرق ہوگا۔ نادیہ سے کہو سوچ لو، بجائے اس کے کہ رشتہ شاہ جی کی معرفت بھجواؤں، میری ہی بات مان لو تو بہتر ہے۔''

یہ ایک دھمکی تھی، بختیار خان سوچ میں ڈوب گیا۔ بہت غور کرتا رہا اور آخر کار اس نے کہا کہ فضل دین اسے کچھ وقت دے دے۔ اس وقت میں بھی وہ بس یہ سوچتا رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے اور اس کے سوا کچھ نہیں سوچ پایا تھا کہ فضل دین جو کچھ کہہ رہا ہے اس ہی کو مان لیا جائے لیکن بات جب گھر میں پہنچی اور نادیہ کے کانوں تک گئی تو نادیہ نے قیامت برپا کردی۔ بات ماں ہی سے کرسکتی تھی اور ماں سے اس نے کھل کر کہہ دیا کہ وہ علی رضا سے شادی کرے گی، جو اس کے بچپن کا ساتھی ہے اور دونوں میں عہد و پیمان ہیں۔

ماں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''بیٹی تیرے اس انکشاف پر تیرا غیرت مند باپ ٹوکا مار کر تیری گردن اڑا دیتا لیکن اب غیرت مند کہاں ہیں۔ ہماری غیرتیں تو بہرام شاہ کے پاس گروی رکھی ہوئی ہیں۔ جو کسی وقت بھی اپنی زہریلی پھنکاروں سے ہلاک کرسکتا ہے۔ نادیہ تیرا باپ بھی پریشان ہے۔ اب بیٹی جو تقدیر میں لکھا ہے اسے قبول کرلو، بھلا اب ہم کیا کرسکتے ہیں۔''

نادیہ خاموش ہوگئی لیکن اس نے دل میں اس بات کو نہیں مانا تھا، اور اس کے بعد اس نے اپنے اس عمل کا آغاز کردیا۔

چنانچہ ایک دن رات کے بارہ بجے اس نے گھر کی چیزیں اٹھا کر توڑنا پھوڑنا شروع کردیں اور اپنا چہرہ عجیب بنالیا۔ بال کھول لیے اور کھیلنے لگی، کچھ ہی دنوں بعد شاہ گڑھی والوں کو پتا چل گیا کہ نادیہ پر جن کا سایہ ہوگیا ہے اور وہ آسیب زدہ ہوگئی ہے۔ نادیہ جانتی تھی کہ وہ اپنی زندگی بچانے کے لیے اور اس بوڑھے کھوسٹ سے بچنے کے لیے جس قدر تکلیفیں اٹھائے گی وہی اس کی زندگی بچاسکتی ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنی شکل بگاڑ لی۔ حلیہ خراب کرلیا۔ اپنے آپ کو بھی اذیتیں دینے لگی۔ گھر والوں کو بھی پریشان کرنے لگی۔ یہاں تک کہ اس نے علی رضا کو بھی اپنا اصل مسئلہ نہیں بتایا تھا۔

پھر بے چارہ بختیار خان سخت اذیتوں میں مبتلا ہوگیا۔ جوان بیٹی تماشا بن گئی تھی اور سارے مسئلے پیچھے رہ گئے تھے۔ لے دے کر بات وہیں تک پہنچی، بستی والوں نے کہا کہ بہرام شاہ کے علاوہ بھلا کون ہے جو نادیہ کو اس خبیث سے نجات دلاسکتا ہے اور بستی والوں کی لعن طعن پر آخر کار بختیار خان کو نادیہ کو ساتھ لے کر بہرام شاہ کے پاس کچی حویلی میں جانا پڑا۔

کچی حویلی کا درویش درخت کے نیچے بیٹھا ہوا اپنے افکار و خیالات سے لوگوں کو آگاہ کررہا تھا۔ نیکیوں کا درس دے رہا تھا۔ محبتوں کی تلقین کررہا تھا۔ سننے والے سن رہے تھے اور دل میں خدا سے توبہ کررہے تھے کہ ایک شیطان کی زبان سے یہ ساری باتیں سن رہے تھے اور دل میں خدا سے توبہ کررہے تھے۔ نادیہ کو بہرام شاہ کے پاس لایا گیا۔ بہرام شاہ نے ایک نگاہ سے دیکھا۔

دراز قد، چھریرہ بدن، جوانی سے سجا، پتلی کمر، حسین وجود، چہرہ بگاڑ لیا گیا تھا لیکن درویش کی نگاہوں نے اس چہرے کی اصلیت کو

بھی دیکھ لیا تھا۔ بختیار خان سے پوچھا۔

''کون ہے یہ بختیار خان۔''

''بیٹی ہے میری شاہ صاحب نادیہ۔''

''اوہ...... بستی والوں سے اس کے بارے میں کچھ سنا تو تھا، کوئی اسے ستا رہا ہے۔''

''جی شاہ صاحب! آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔''

''بھئی تم لوگ مجھے بہت پریشان کرتے ہو، بہت تھکا دیا ہے مجھے، کیا نہیں کرتا میں پوری شاہ گڑھی کے لیے رات بھر دعائیں مانگتا رہتا ہوں۔ چلہ کشی کرتا رہتا ہوں، خوفزدہ رہتا ہوں کہ کہیں کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جاؤ، لے جاؤ، لے جاؤ، اندر لے جاؤ، خیرات اسے لے جاؤ، اپنی نگرانی میں رکھو۔ میں ذرا بختیار خان سے بات کرلوں۔ بختیار بیٹھ جاؤ۔''

نادیہ کو خیرات اور دینو اندر لے گئے اور ایک کمرے میں بند کر دیا۔ نادیہ اس نئی افتاد سے ذرا خوف زدہ ہو گئی تھی۔ کہیں شاہ جی اصلیت کو نہ جانیں، پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ وہ الگ اپنے طور پر سوچ رہی تھی اور ادھر بہرام شاہ بختیار خان سے ضرورت سے زیادہ نرمی سے بات کر رہا تھا۔

''تم ہمارے سچے وفادار ہو، ہمارے بہت اچھے ساتھی، باعزت، اور قابل احترام، بتاؤ...... بختیار ہم کیا کریں۔''

''بس شاہ صاحب! آپ کی خدمت میں آ گئی ہے۔''

''ذرا تفصیل تو بتاؤ ہوتا کیا ہے۔'' اور بختیار خان نے ساری کہانی سنا دی۔

''ہاں تمام نشانات ایسے ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی شریر جن نے اپنا اثر ڈال دیا ہے۔ باقاعدہ مقابلہ کرنا پڑے گا اس سے۔ ٹھیک ہے بچی کو ایسے تو نہیں چھوڑا جا سکتا ہے لیکن اب اسے اس وقت تک یہاں رہنے دو جب تک کہ ہم اس سے دو، دو ہاتھ نہ کر لیں۔ معلوم کریں گے کون ہے، کیا ہے، کیوں اس بچی کو ستا رہا ہے۔''

''شاہ صاحب! ویسے تو جو آپ کا حکم ہو، لیکن اس کی ماں اسے بہت چاہتی ہے، اس کی جدائی برداشت نہ کر سکے گی۔ آپ اگر کہیں تو اس کی ماں کو بھیج دوں۔''

''کیوں اس سے اُکتا گئے ہو کیا۔ جنوں کے بارے میں کچھ جانتے نہیں ہو کیا، ایسے میں ہم خود خطرے میں ہوں گے۔ تم اس بے چاری کو اور خطرے میں ڈالنا چاہتے ہو۔ سنبھال کر رکھنا اسے سمجھے۔''

''ٹھیک ہے، شاہ صاحب!'' بختیار خان نے جواب دیا۔ عجیب سی اُلجھن کا شکار ہو گیا تھا وہ۔

بہرحال وہاں سے واپس چل پڑا۔

شاہ جی دوسرے لوگوں سے باتیں کرتے رہے تھے۔ پھر رات ہو گئی۔

رات کو شاہ جی کچی حویلی میں اپنے مخصوص کمرے میں پہنچے۔ نیا سفید لباس تبدیل کیا۔ عطر لگایا، داڑھی میں کنگھی کی، بال سنوارے اور بن ٹھن کر اس کمرے کی طرف چل پڑے، جہاں نادیہ کو رکھا گیا تھا۔ نادیہ ایک چارپائی پر دراز تھی، اور اپنے مستقبل پر غور کر رہی تھی۔

دروازہ کھلا اور بہرام شاہ کی صورت نظر آئی تو احترام سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ بہرام شاہ نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا، آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور بولا۔

''کچھ کھایا تم نے۔''

نادیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تو وہ پھر بولا۔

''کیا حلیہ بنا رکھا ہے، چلو منہ ہاتھ دھو لو۔'' نادیہ نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ شاہ جی مسکرا کر بولے۔

''دیکھو اگر تم مجھے بھی اس لکڑی سے ہانکنا چاہتی ہو۔ جس سے تم اپنے سیدھے سادھے ماں، باپ کو ہانکتی رہی ہو تو ظاہر ہے یہ ممکن نہیں ہوگا۔ میں نے بہت سے جن دیکھے ہیں، تمہارے اوپر سایہ کرنے والے جن کو بھی دیکھ چکا ہوں۔ چاہو تو اصلیت بتا دوں۔ نہیں تو پھر تمہارے سارے جن ایک ساتھ اُتار دوں گا۔ میرا نام بہرام شاہ ہے۔''

''شاہ جی۔'' نادیہ دھیمے لہجے میں بولی۔ شاہ جی کا رعب اس پر بھی طاری ہو گیا تھا۔ بہرام شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہاں...... ہوئی نا بات...... یہ ہے اچھی لڑکیوں کا اچھا انداز، چل ایسا کر پہلے منہ ہاتھ دھولے، کیسا برا حلیہ بنا رکھا ہے۔''

پھر شاہ جی نے اس کا منہ ہاتھ دھلایا۔ بال سنوارنے کو کہا۔ نادیہ نے شاہ جی کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ بہرام شاہ غور سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

''اب بیٹھ بتا کیا ہوا، بتا کیا بات ہے، آ میرے ساتھ آ۔''

شاہ جی اسے لے کر اپنی مخصوص خواب گاہ میں پہنچ گئے۔ حسین و جمیل خواب گاہ، حُسن کا کچی حویلی میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خوشبوؤں سے مہکتی ہوئی عظیم الشان مسہری، شاہ جی نے نادیہ کو اس پر بٹھا دیا۔ نادیہ ابھی تک سحر زدہ تھی۔ بہر حال شاہ جی بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ بلکہ شاہ گڑھی ہی کے مالک تھے اور شاہ گڑھی کے رہنے والوں کے بھی۔

''ہاں بول کیا قصہ ہے۔''

''شاہ جی میں اس بوڑھے سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔ آپ نے بھی میری مدد نہیں کی۔ آپ نے بھی کہہ دیا کہ یہ سب ٹھیک ہے۔''

''تجھے کہاں دیکھا تھا بے وقوف اس وقت ہم نے۔ ہم تو سمجھے تھے کہ کوئی کالی کلوٹی میلی کچیلی بدشکل سی لڑکی ہوگی۔ اگر ہم تیری صورت دیکھ لیتے تو کیا ہم اس کی اجازت دیتے۔''

''شاہ جی میں آپ کا بڑا احسان مانوں گی شاہ جی۔ اگر آپ میری مدد کر دو گے جی۔ ابا تو پاگل ہو گئے ہیں، وہ شاہ جی...... شاہ جی وہ...... وہ میں تو علی رضا سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔''

''علی رضا کون ہے۔ ذرا تفصیل سے بتا۔'' اور نادیہ نے شاہ جی کو تفصیل بتا دی۔ شاہ جی نے محبت بھرے انداز میں نادیہ کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''اس قدر خوبصورت بچی...... اس قدر نرم و نازک، کتنی نازک ہے تو اور تجھے وہ بے وقوف بختیار خان ایک بوڑھے شخص کے حوالے کر رہا تھا۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تو علی رضا کے بارے میں بھی غور کرے دوبارہ...... تیری شادی تو میں کسی ایسے حسین مرد سے کراؤں گا کہ جسے دیکھ کر لوگ کہیں گے ہاں کوئی ہے۔''

شاہ جی کو کچھ زیادہ ہی پیار آ گیا تھا اس پر اور جب نادیہ کو اس بات کا احساس ہوا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے شاہ جی کا چہرہ دیکھا اور اسے جو کچھ نظر آیا وہ ایک عورت ہی دیکھ سکتی تھی۔ وہ جلدی سے اُٹھ گئی۔ اس سے پہلے شاہ جی کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ ایک بہت ہی محبت بھرے انسان ہیں۔ آخر کیوں نہ ہوتے بستی کے باپ ہیں۔ ساری بستی کو سنبھالے ہوئے ہیں لیکن اس وقت یہ چہرہ بستی کے باپ کا نہیں تھا۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''ارے کیوں کیا ہوا۔''

''شاہ جی آپ بس میرا فیصلہ کر دو۔ ابا کو منع کر دو کہ وہ ایسا نہ کریں۔ شاہ جی آپ کے پاؤں دھو دھو کر پیوں گی۔'' بہرام شاہ ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

''ہو جائے گا۔ جیسا تو چاہے گی ہو جائے گا۔ علی رضا بھی تیری زندگی میں آ جائے گا لیکن ہمیں عمل تو کرنے دے۔ سن ہم تجھ پر عمل کریں گے اور سب کچھ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔''

''شاہ جی بس میرا یہ کام کرا دو۔''

''کہنا...... ابھی تو تیرے گرد حصار باندھنا ہے، ہمیں حصار میں رکھنا پڑے گا تجھے کہ دنیا کی تکلیفوں سے محفوظ رہے۔''

نادیہ کچھ نہ سمجھ پا رہی تھی اور پھر شاہ جی نے آہستہ آہستہ اسے سب کچھ سمجھا دیا۔ نادیہ کی ایک نہیں چل سکی تھی اور شاہ جی اپنی خباثت میں ایک اور خباثت کا اضافہ کر چکے تھے۔ نادیہ گنگ رہ گئی تھی۔ شاہ جی کے آگے دم بھی نہ مار پائی تھی، لیکن جب احساس ہوا کہ کیا ہو گیا تو وہ پاگل ہو گئی۔

''یہ شاہ جی...... یہ شاہ جی کمینے شاہ جی۔ خدا تجھے غارت کرے شاہ جی تو تو میں شاہ جی میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔''

''بنانے کے لیے تو ہم نے اتنی محنت کی ہے۔ علی رضا سے شادی کرنی ہے تجھے نہ کل صبح کو اسے بلا کر تیرا نکاح کر دیں گے۔ اس سے اور بختیار خان سے کہہ دیں گے کہ جو کچھ ہم نے بہتر سمجھا گیا۔''

''کمینے، ذلیل، بھیڑ کی کھال اوڑھنے والے بھیڑیے، وحشی کتے میں تجھے پوری بستی میں رسوا کر دوں گی۔ میں تجھے بتا دوں گی کہ کسی کی عزت سے کھیلنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔''

''اری پگلی۔ایک تو تیرا کام کیا ہم نے اور پھر تو ایسی فضول باتیں کر رہی ہے۔علی رضا کو حاصل کرنا ہے تجھے یا نہیں۔'' شاہ جی نے اس کی کلائی پکڑتے ہوئے کہا اور نادیہ نے شاہ جی کی کلائی میں دانت گاڑھ دیے۔شاہ جی کے حلق سے ایک آواز نکل گئی۔نادیہ وہاں سے بھاگی، دروازہ کھولا اور ایک لمبی چھلانگ لگا دی لیکن خیرات اور دینو جانتے تھے کہ ان کی کیا ڈیوٹی ہے۔انہوں نے کرکٹ کی گیند کی طرح نادیہ کو کیچ کر لیا اور اس کا منہ دبوچتے ہوئے اندر لے آئے۔

''ہاں...... ہاں بے چاری آسیب زدہ ہے، ہوش میں نہیں آ رہی، کوئی بہت ہی خراب جن اس سے سختی کر رہا ہے، دیکھتے ہیں، سوچتے ہیں، کچھ کرتے ہیں۔فی الحال اسے ہاتھ پاؤں باندھ کر یہاں ڈال دو۔اگر چیخے تو منہ میں کپڑا ٹھونس دو۔دیکھتے ہیں، سوچتے ہیں۔'' نادیہ نے جس قدر قوتوں کا مظاہرہ کیا تھا وہ شاہ جی کے تصور سے باہر تھیں۔وہ خیرات اور دینو کے قبضے میں نہیں آ رہی تھی۔وہ تندرست و توانا لڑکی تھی لیکن آخر کار لڑکی ہی تھی۔دونوں نے اسے کس دیا، اور آخر کار باہر نکل گئے۔شاہ جی اسے دیکھنے لگے۔

''ارے ہم سے ٹکر لے رہی ہے، تو پاگل بستی کو بتائے گی ہمارے بارے میں، کیسے بتائے گی تیرا آسیب تجھے زندہ چھوڑے گا تب نہ، یہ دیکھ یہ کیا ہے، ہمارے پاس۔'' شاہ جی نے اپنے لباس کنوتھا نکال لیا۔اسے انگلیوں اور انگوٹھوں میں پہنا، نادیہ مسلسل مدافعت کر رہی تھی۔

''افسوس ہے، ہمارے ساتھ تعاون کرتی تو تیرے دل کی ساری مرادیں پوری کر دیتے، لیکن اب کیا کیا جائے تو نے طریقہ ہی دوسرا اختیار کیا، دیکھ یہ کنوتھا۔بڑے کام کی چیز ہے۔ذرا دیکھ اسے۔'' شاہ جی نے ہاتھ آگے بڑھایا اور اس کی پنڈلی کنوتھے میں دبا لی۔نادیہ آہستہ سے تڑپی اور اس کے بعد پھر اپنی اس جدوجہد میں مصروف ہو گئی لیکن رفتہ رفتہ اسے یہ احساس ہو گیا کہ اس کے بدن کی جان نکل رہی ہے۔پھر اسے اپنا پورا وجود آتش زدہ محسوس ہوا۔آنکھوں اور کانوں سے شعلے نکلنے لگے۔اور رفتہ رفتہ اس کی ذہنی قوتیں جواب دینے لگیں اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی آنکھیں بے نور ہو گئیں۔

رات کے تین بج رہے تھے، جب بختیار خان کے گھر کے دروازے پر زور، زور سے ضربیں پڑیں۔بختیار خان جاگ رہا تھا۔اس کی بیوی بھی جاگ رہی تھی۔نجانے کیوں بختیار خان کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی میں کوئی بہت بڑا حادثہ ہونے والا ہے۔پہلا حادثہ تو باغ چھن جانے کا تھا لیکن زندگی بچانے کے لیے اس نے باغ کی قربانی دے دی تھی لیکن یہ سب کچھ جو ہوا تھا یہ ٹھیک نہیں ہوا تھا۔وہ جاگ رہا تھا۔بری طرح ڈرتا ہوا وہ دروازے تک پہنچا، دروازے پر خیرات اور دینو کھڑے ہوئے تھے۔

''کک...... کک کیا ہوا۔''

''جلدی چلو، شاہ جی انتظار کر رہے ہیں۔''

''خیریت کیا بات ہے۔''

''اب یہ سب کچھ تمہیں یہیں بتانا پڑے گا۔اُٹھو جلدی چلو۔شاہ جی نے کہا ہے کہ فوراً تمہیں بلا کر لاؤں۔'' خیرات نے کہا اور بختیار خان بادلِ نخواستہ اُلٹے سیدھے کپڑے پہن کر ان لوگوں کے ساتھ چل پڑا لیکن وہ کچی حویلی کی طرف نہیں جا رہے تھے، ان کا رخ

کالی کوٹھری کی طرف تھا۔ بختیار خان نے حیرانی سے کہا۔

''اِدھر کہاں۔''

''گردن کاٹنے لے جارہے ہیں تمہاری چلتے رہو سیدھے۔'' دینو غرا کر بولا۔

''بات تو بتادو بھائی، تمہارا اپنا آدمی ہوں، شاہ جی کا وفادار ہوں۔''

''تمہاری لڑکی نے کوئی گل کھلایا ہے۔''

''کک...... کک کیا مطلب ہے۔''

''مطلب تمہیں شاہ جی ہی بتائیں گے۔'' خیرات نے کہا کالی کوٹھری کا علاقہ شاہ گڑھی کا پرانا علاقہ تھا۔ پہلے یہاں مکانات آباد تھے لیکن اب یہ علاقہ غیر آباد ہوگیا تھا۔ ایک جگہ بختیار خان کو روشنی نظر آئی۔ چند افراد کھڑے ہوئے تھے اور کوئی کارروائی کر رہے تھے، وہیں پر بہرام شاہ بھی موجود تھے۔ بختیار خان کو دیکھ کر اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''بختیار خان! میں تمہارے غم میں برابر کا شریک ہوں۔''

''ہاں...... بختیار خان...... اور میں اپنے آپ کو بھی کبھی معاف نہیں کرسکوں گا۔ چلہ کشی کررہا تھا دعائیں پڑھ رہا تھا، نجانے کس طرح بھاگ نکلی۔''

''نن نن...... نکل بھاگی کک...... کون۔''

''آہ...... وہی مظلوم لڑکی پتا نہیں کس کی نظر کھا گئی تھی اسے۔''

''شاہ جی خدا کے لیے مجھے بتائیں کیا ہوا۔''

''وہ رکھی ہوئی ہے اس کی لاش۔ ان لوگوں نے کنویں سے نکالی ہے۔ کنویں میں چھلانگ لگادی تھی اس نے۔ میں خود دوڑ پڑا تھا اس کے پیچھے پیچھے، لیکن جوان تھی تندرست تھی اور طاقتور تھی اور اس کے بعد اس سے پہلے کہ خیرات اور دینو اسے پکڑیں اس کنویں میں کود گئی۔ بڑی مشکل سے اسے رسیوں کی مدد سے نکالا ہے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ بختیار خان کہ میں کتنا غم زدہ ہوں میں اس کے لیے، بس تمہارے صبر کی دعائیں ہی کرسکتا ہوں۔'' بختیار خان پتھرا سا گیا۔

تھوڑے فاصلے پر نادیہ کی لاش رکھی ہوئی تھی۔ نیلے رنگ میں تبدیل ہوگئی تھی۔ بختیار خان اسے دور سے ہی دیکھتا رہا۔ قریب جانے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ بس اتنا ہی معلوم ہوجانا کافی تھا کہ وہ نادیہ نہیں اب ایک لاش ہے، صرف ایک لاش شاہ جی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''انسان کو صبر و استقامت سے کام لینا چاہیے ہوسکتا ہے، اسی میں اس کی بہتری ہو۔ میں انتظار کرتا ہوں گھر لے جاؤ اور بہتر ہے کہ زیادہ اس کی تشہیر نہ کرو اور دینو تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ کل ہی دن کی روشنی میں مزدوروں کو بلا کر اس کنویں میں مٹی بھروا اور اسے بالکل

ہموار کرادو، اس کا نام ونشان باقی نہ رہے۔ نجانے آئندہ یہ کتنے انسانوں کی زندگی ختم کرنے کا باعث بن جائے۔ آہ اس غم سے میری طبیعت نڈھال ہورہی ہے۔ بختیار خان کی مدد کرو، میں چلتا ہوں، افسردگی کا شکار ہوں آرام کروں گا۔''

''جی شاہ جی آپ بالکل فکر نہ کریں۔'' خیرات اور دینو نے نیاز مندی سے کہا۔

''رفاقت! مجھے سہارا دے کرلے چلو، میں اپنے وجود میں بڑی کمزوری محسوس کررہا ہوں۔''

''جی شاہ جی۔'' ایک دوسرے ملازم نے کہا اور بہرام شاہ ڈگمگاتے قدموں سے کچی حویلی کی جانب چل پڑا۔

درحقیقت وہ بستی کی ایک نوجوان بچی کی موت کے احساس سے بہت نڈھال ہوگیا تھا۔ آخر بستی کا باپ تھا۔ خیرات اور دینو نے ہمدردی سے کہا۔

''کبھی کبھی ایسے حادثے دل کو بری طرح نڈھال کردیتے ہیں۔ چلو بختیار خان لاش کو گھرلے چلو آہ ...... کیسی جوان اور خوبصورت لڑکی ہے، مگر کیا کیا جائے، اتنی ہی زندگی تھی اس کی، چلو خیرات لاش اُٹھانے میں مدد کرو۔''

☆......☆......☆

فیضان کو اطلاع بھی دیر سے ملی تھی۔ اطلاع دینے والا کوئی نہیں تھا۔ جب یہاں سارے کام ہوگئے تھے، تب فیضان تک یہ خبر پہنچ پائی تھی اور خبر بھی خود بہرام شاہ نے بھجوائی تھی۔ انہوں نے اپنا ایک آدمی بھیجا تھا۔ فیضان کو اس نے یہ روح خرساں خبر سنائی اور دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''کیا کرتے، فیضان! یہاں تمہاری تلاش میں، میں نے کیا نہیں کیا، لیکن تم مجھے مل ہی نہیں رہے تھے۔''

''مم ...... مم ...... مگر یہ کیسے ہوا۔'' فیضان نے غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''بس اللہ کی مرضی، باقی ساری باتیں وہیں چل کر معلوم ہوں گی۔''

فیضان نے بمشکل تمام اپنے افسران بالا سے چھٹی حاصل کی اور اس کے بعد بستی چل پڑا۔ بستی میں کچھ بھی ہوجانے کی توقع رکھتا تھا۔ وہ بہرام شاہ کو اچھی طرح جانتا تھا لیکن بہرحال یہ واقعہ جس طرح بھی ہوا ہو۔ اس کے لیے بڑا اندوہناک تھا۔ ایک ہی بہن تھی۔ اس دنیا میں بے حد چاہتا تھا اسے، گھر پہنچا تو باپ نے اپنے طور پر ایک فیصلہ کررکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جوان خون ہے۔ کب تک جوش میں نہیں آئے گا۔ بات کو اس طرح توڑ مروڑ کر اس کے سامنے پیش کیا گیا اور اس انداز میں اسے سامنے لایا گیا کہ فیضان کو کوئی شبہ نہیں ہوسکا۔ باپ کے ساتھ وہ بھی نجانے کتنی دیر روتا رہا تھا۔

''بابا! اب اس بستی میں رہنے کو دل نہیں چاہتا۔ تو ہی کچھ کر فیضان کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ تو ہمیں شہر ہی بلالے۔''

''ایسا ہی کروں گا بابا ...... میں یہ سوچ رہا تھا کہ میری ترقی ہوجائے، کوئی بات بن جائے تو پھر میں آپ سب کو شہر میں بلالوں، لیکن میری نادیہ کی تقدیر میں یہ سب کچھ نہیں تھا، بابا، لیکن یہ سب کچھ ہوا کیسے، نادیہ ...... نادیہ''

لیکن باپ نے پھر بھی کوئی تفصیل نہیں بتائی تھی اسے۔ دوسرے لوگوں کو بھی بہرام شاہ کی طرف سے غالباً یہ ہدایت مل گئی تھی کہ بے چارے فیضان کو ذہنی طور پر مضطرب نہ کیا جائے۔ فیضان بہن کی آخری رسومات میں شریک رہا لیکن چھٹیاں بھی کم ملی تھیں، پھر بہرام شاہ نے اسے تسلیاں دیتے ہوئے کہا۔

''فیضان جو ہو گیا وہ ہو گیا۔ اس کی زندگی ہی اتنی تھی، یہ قدرت کے فیصلے ہیں، ہم تم بھلا کیا کر سکتے ہیں۔ نئی نئی نوکری ہے، تمہاری اپنی ذمہ داریاں بھی ہیں، ان پر توجہ دو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ترقی پر ترقی کرتے چلے جاؤ، اور بھی بہت سی باتیں سوچی ہیں میں نے تمہارے لیے، رفتہ رفتہ ہی بتاؤں گا۔''

''بہر حال مجھے اس معصوم بچی کی موت پر اتنا دکھ ہے جتنا تم لوگوں کو ہو سکتا ہے۔ پتا نہیں بے چاری کی تقدیر کیا تھی، بہر حال اب جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا، جاؤ ہمت کے ساتھ شہر جاؤ اور اپنی ڈیوٹی سنبھالو۔''

''شاہ صاحب! میں چاہتا ہوں کہ اپنے ماں باپ کو وہیں لے جاؤں۔''

''بہت اچھی بات ہے، میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔''

''بس شاہ صاحب جا رہا ہوں، کوشش کروں گا کہ وہاں کوئی ایسا ٹھکانہ تلاش کر لوں جہاں ان لوگوں کو بھی لے جا کر رکھوں، بستی میں اب ہمارا کچھ نہیں رہ گیا ہے۔''

''ارے بنگلے میں جو ہوں، میں نہیں ہوں تم لوگوں کا۔''

''آپ ہی تو ہیں شاہ صاحب ورنہ اور کس کا سہارا ہے۔''

''بری بات، بری بات، سب سے بڑے سہارے کو کیوں بھول جاتے ہو، جو ہم سب کا سہارا ہے۔'' بہرام شاہ نے کہا۔

بہر حال بے چارہ فیضان خود بھی زیادہ دیر نہیں رک سکتا تھا۔ چنانچہ چل پڑا، لیکن جب بستی سے باہر پہنچا، اور اس جگہ جہاں سے وہ بس میں سوار ہو کر شہر جانا چاہتا تھا۔ وہاں اسے ماما شیدا ملا، ماما شیدا بھی بستی کا ایک کسان تھا اور بہت عرصے سے بستی میں رہتا تھا، غریب سا آدمی تھا، مظلوم اور معصوم سا، اس کی زندگی میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جو قابل ذکر ہوتی، اس لیے کہ سدا کا بے اوقات تھا لیکن اس وقت ماما شیدا نے فیضان کا راستہ روک لیا تھا۔

''فیضان! بیٹا کچھ بات کرنا چاہتا ہوں تجھ سے سنے گا۔ میری بات پر ناراض تو نہیں ہوگا، بگڑے گا تو نہیں مجھ پر۔''

''کیا بات ہے ماما شیدا، میں اور تم پر بگڑوں تم میرے بزرگ ہو۔''

''ارے بیٹا غریب کسی کا کچھ نہیں ہوتا، تو نے کہہ دیا ہمارا دل رکھ لیا۔ تیری مہربانی، آ بس، تو تھوڑی دیر کے بعد پھر مل جائے گی، تجھے وہ کھیت کی مینڈھ جو ہے نا اس پر چل کر بیٹھتے ہیں۔''

''تم مجھے بات تو بتاؤ، ماما شیدا۔''

''سننا چاہتا ہے تو صبر و سکون کے ساتھ ہمیں تھوڑا وقت دے آ۔'' اور فیضان اس کے ساتھ آگے بڑھ کر مینڈھ پر بیٹھ گیا۔ ماما شیدا نے ایک اونچی جگہ چڑھ کر دور، دور تک دیکھا تھا، پھر اُتر کر فیضان کے پاس آ بیٹھا تھا۔

''دل کبھی بھی زندگی ختم کرنے کو نہیں چاہتا، چاہے وہ کتنی ہی مشکل کیوں نہ ہو جائے، ہم یہ دیکھ رہے تھے اوپر چڑھ کر کہ کوئی ہمیں دیکھ تو نہیں رہا، تو پولیس میں ہے نا۔''

''ہاں...... ماما شیدا۔''

''تو پولیس بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔''

''کس کا ماما شیدا۔''

''بھیڑیوں کا...... پولیس بھیڑیے نہیں مار سکتی۔''

''کیسے بھیڑیے، کیسی باتیں کر رہا ہے ماما شیدا۔''

''جیسے کہ تو نہیں جانتا، جیسے کہ تجھے بالکل پتا نہیں ہے کہ تیری زمینوں کو کھانے والا کون ہے، تیرا باغ تجھ سے کس نے چھین لیا۔ جیسے کہ تو کچھ بھی نہیں جانتا، ارے اتنی بھی کیا بزدلی، ہمیں...... اور پھر پولیس والا ہے تو کچھ نہیں کر سکتا، بول کچھ بھی نہیں کر سکتا۔''

''ہاں...... ماما...... اللہ کچھ لوگوں کو ایسی قوتیں دے دیتا ہے کہ کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' فیضان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''ایک بات کہوں۔''

''ہاں ماما جی، اب بیٹھ گئے ہیں تو، تو اپنی بات ضرور کہہ۔''

''دیکھ میں تو اَن پڑھ آدمی ہوں، کچھ بھی نہیں جانتا دنیا کے بارے میں پر تو، تو پڑھا لکھا ہے۔ ایسی قوتیں اللہ نہیں دیتا انسان کو شیطان دیتا ہے، اور شیطان کے خلاف کام تو اب ہے، اسے نقصان پہنچانا بھی ثواب ہے، کیا خیال ہے تیرا بہرام شاہ شیطان نہیں ہے۔''

''ماما کیا ہو گیا ہے تمہیں۔''

''اب جو بھی ہے برداشت نہیں ہو رہا، پیٹ پھول رہا ہے، مر جاؤں گا، مر جاؤں گا، اگر کسی سے دل کی بات نہ کہی تو۔''

''کون سی دل کی بات۔''

''جانتا ہے، تیری بہن کو کس نے مارا۔ کس نے اس کے ساتھ یہ گھناؤنی حرکت کی، کیا ہوا تھا اس کے ساتھ۔'' ماما شیدا نے کہا اور فیضان اچھل پڑا۔

''نادیہ کے ساتھ۔''

''ہاں...... نادیہ کے ساتھ۔''

''کیا ہوا تھا۔ میری بہن کے ساتھ۔'' فیضان چیخا۔

''بختیار خان کی بیٹی اور تیری بہن نادیہ میری بیٹی، ہم سب کی بیٹی، ارے سب کے دل پتھر ہو گئے ہیں، کوئی سچ بولنے کو تیار نہیں ہوتا۔ میں بولوں گا سچ، میں بولوں گا، اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میں نے قسم ایمان کی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔''

''کیا دیکھا ہے۔'' فیضان نے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''عزت لوٹی تھی اس کی۔''

''کس نے۔''

''وہ......وہ......عزتوں کے ڈاکو نے۔''

''کون......کون ہے وہ۔ ماما...... ماما شیدا مجھے تفصیل سے بتاؤ۔'' فیضان نے بے تاب ہو کر ماما شیدا کو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

''تھوڑے عرصے پہلے اس نے ایک اور عزت لوٹی تھی، نادیہ کو بھی اس نے ایسے ہی لوٹا، ہاں...... ایسے ہی لوٹا تھا۔ اس نے نادیہ کو بھی۔ خیرات اور دینو کچی حویلی سے اس کی لاش لے کر نکلے تھے، اور پھر انہوں نے وہ لاش خود کالی کوٹھری والے کنویں میں ڈال دی تھی۔ آنکھوں سے دیکھا ہے میں نے اپنی، نیند نہیں آتی مجھے راتوں کو، اس وقت بھی نیند نہیں آ رہی تھی، بھاگا بھاگا پھر رہا تھا، جب میں نے انہیں دیکھا، اور پھر ان کا پیچھا کیا، انہوں نے نادیہ کو میرے سامنے کچی حویلی میں سے نکال کر اندھے کنویں میں ڈالا تھا۔''

''کون، ماما شیدا کون...... پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو۔''

''بہرام شاہ...... بہرام شاہ اور کون بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا۔''

اور فیضان پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا، بہرام شاہ کے بارے میں وہ بہت پہلے سے جانتا تھا لیکن وہ اس حد تک بڑھ جائے گا، یہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

''ماما...... مجھے پوری بات تفصیل سے بتاؤ۔''

''خیرات اور دینو نادیہ کو اندھے کنویں کی طرف لے گئے تھے اور پھر بہرام شاہ بھی ادھر آ گیا اور اس کے بعد سارے نوٹنکی کرتے رہے۔ انہوں نے بات ہی پلٹ کر رکھ دی۔ کہنے لگے کہ نادیہ خود بھاگ گئی تھی۔ جھوٹ بول رہے تھے، جھوٹ بولوں تو یہاں پر بھی منہ کالا ہو، اور آسمان پر بھی ارے کوئی تو اس کی دادرسی کرو، ابھی تو نجانے کتنی بچیاں اسی طرح اس کی بھینٹ چڑھیں گی۔ نجانے کتنے گھر اجڑیں گے، وہ کتنی عزتیں لوٹے گا، روکو اسے روکو، کوئی بھی نہیں ہے کیا، سب کے سب بزدل چوہے بن کر رہ گئے ہو، دھت تمہارے کی جاؤ جہنم میں، میرا کیا۔''

ماما شیدا وہاں سے اُٹھ کر آگے بڑھ گیا لیکن فیضان وہاں بیٹھا رہا تھا۔ جو کچھ اس کے کانوں نے سنا تھا وہ سن کر اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا، اور اس کا دل بری طرح تڑپ رہا تھا۔

محکمہ پولیس میں اسے بہترین تربیت دی گئی تھی، دنیا کو سمجھنے لگا تھا، پھر اس نے بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کیا۔ ماما شیدا کی باتیں غلط نظر نہیں آئی تھی لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ باقی کچھ بھی نہیں رہے گا۔ بہرام شاہ کو قتل کرنا بھی آسان کام نہیں ہے۔ چاہے اس کے

بعد پھانسی پر کیوں نہ چڑھ جاؤں، لیکن یہ ہونا ممکن نہیں ہے، کچھ سوچنا ہوگا، گہرائیوں کے ساتھ سوچنا ہوگا، پھر اس نے کئی بسیں مس کر دی تھیں اور وہیں بیٹھا سوچتا رہا تھا۔

آخر میں اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مکار دشمن کو مکاری سے مارنا بہتر ہوگا۔ جوش کے عالم میں عمل کرنے والے جس طرح ناکامیوں کا شکار ہوتے ہیں وہ اس کے علم میں تھا۔ اس جیسے شیطان اپنی پشت بہت مضبوط رکھتے ہیں اور اس کا اندازہ اسے محکمہ پولیس میں آنے کے بعد ہو گیا تھا کہ بہرام شاہ کیا حیثیت رکھتا ہے۔ بڑے بڑے حکام صرف اس کا نام سن کر کھڑے ہو جاتے تھے اور یہ بھول جاتے تھے کہ وہ اس وقت ان کے سامنے نہیں ہے، تو ایسے آدمی کو ہلاک کرنے کی کوشش کا نتیجہ بھی برا نکل سکتا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے میرے ماں، باپ کو شہر بلا لیا جائے اور اس کے بعد کوئی ایسی ترکیب سوچی جائے جس سے بہرام شاہ سے انتقام لیا جا سکے، آخری بس پکڑ کر وہ شہر کی طرف چل پڑا۔

☆......☆......☆

شہروز نے گردن کے اشارے سے سب انسپکٹر کے سلام کا جواب دیا اور کار آگے بڑھا دی لیکن اچانک ہی اسے ایک احساس ہوا تھا، سب انسپکٹر کے چہرے پر کچھ اس طرح کے تاثرات تھے جیسے وہ اس سلام کے بعد بھی اس سے کچھ کہنا چاہتا ہو اور ایسا دو، تین بار ہو چکا تھا، یہ سب انسپکٹر جو کہ نوجوان اور خوبصورت تھا کئی بار اس طرح اس کے سامنے آیا تھا۔ جس سے یہ احساس ہوا کہ وہ خصوصاً اسے سلام کرنا چاہتا ہے، شہروز نے پہلے کبھی غور نہیں کیا تھا، لیکن اس وقت بھی یہی ہوا تھا، تھوڑا سا آگے بڑھ کر اس نے کار روک دی اور پھر اسے ریورس کر کے پیچھے لے گیا۔ نوجوان سب انسپکٹر اسی جگہ کھڑا ہوا تھا۔

''سنو......'' شہروز نے اسے مخاطب کیا اور سب انسپکٹر نے پھر اسے سیلوٹ جھاڑ دیا۔ شہروز نے گردن کے اشارے سے پھر جواب دیا اور کہا۔

''کیا کر رہے ہو۔''

''کچھ نہیں سر۔''

''ڈیوٹی پر ہو۔''

''جی نہیں۔ ڈیوٹی سے تو آف ہو چکی ہے۔''

''گھوم کر ادھر آؤ۔'' شہروز نے کہا اور سب انسپکٹر دوڑتا ہوا اس کے سامنے سے گزر کر دوسری جانب آ گیا۔

''یس سر۔''

''بیٹھو۔'' شہروز نے اشارہ کیا۔

''جی سر۔''

''بیٹھ جاؤ۔ ڈرتے ہو مجھ سے۔'' شہروز بولا۔

''نہیں سر۔''

''تو پھر آؤ، بیٹھو۔''

''یس سر۔'' سب انسپکٹر دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

شہروز نے کار آگے بڑھا دی۔

''کہیں جا رہے تھے۔''

''جی ہاں۔''

''کہاں۔''

''اپنی رہائش گاہ پر۔''

''کہاں رہتے ہو۔''

''سر پہلے پولیس لائن میں رہتا تھا، لیکن اب ایک فلیٹ لیا ہے کرائے پر۔'' سب انسپکٹر نے اپنے فلیٹ کا پتا بتایا۔

''ہوں۔ وہیں جانا تھا تمہیں۔''

''نن...... نہیں سر''

''کیا مطلب۔''

''سر...... میں، میں۔''

''کھل کر کہو، جو بھی کہنا چاہتے ہو۔''

''سر میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''اوہ...... اچھا کہو، کیا بات ہے۔''

''سر ذرا گفتگو طویل ہے، سر میں انتہائی معافی چاہتا ہوں، مجھے اپنے اور آپ کے درمیان فرق کا پورا پورا احساس ہے سر، لیکن میری مجبوری سمجھئے آپ، سر میں آپ سے کچھ زیادہ وقت لینے کا خواہشمند ہوں، سر آپ کو خدا کا واسطہ آپ مجھے ایک بڑے افسر کی طرح نظر انداز مت کیجیے گا، سر میں نے آپ سے بہت سی امیدیں باندھ رکھی ہیں۔''

''ارے بھئی، سر، سر کہہ کر میرا سر کھائے جا رہے ہو، میرا نام شہروز ہے، اور میں اس وقت بالکل سر نہیں ہوں، تم اپنا نام تو بتاؤ مجھے۔''

''فیضان ہے، سر میرا نام۔''

''سرچ میں سے نہیں نکال سکتے۔''

''شہروز، یار اگر بہت زیادہ عہدے کا خیال رکھنا چاہتے ہو تو شہروز صاحب کہہ لو، اور اب یہ بتاؤ کہ چائے کہاں پلا رہے ہو، اپنے فلیٹ پر یا کہیں اور۔''

''وہ...... ہم...... میرا فلیٹ تو بہت معمولی سا ہے۔''

''چائے بنانے کا سامان ہے اس میں۔''

''جی...... وہ تو ہے۔''

''تو یار چلو، ویسے کون رہتا ہے تمہارے فلیٹ میں، بیگم صاحبہ، والدین یا۔''

''نہیں۔ ابھی تو میں اس میں تنہا ہی رہتا ہوں۔''

''واہ...... تو پھر مزہ آئے گا نا، آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ ہوٹل میں شور ہوگا، ویٹر سر کھاتا رہے گا، پھر وہی سر آگیا بیچ میں ہی، چلو فلیٹ ہی چلتے ہیں۔''

''جی بے حد شکریہ۔''

''پتہ بتاؤ۔'' اور فیضان نے شہروز کو پورا پتہ دہرا دیا۔

''گڈ۔ تھوڑی دیر کے بعد شہروز کی کار اس بلڈنگ کے سامنے رک گئی جو متوسط طبقے کے لوگوں کی رہائش گاہ تھی۔ یہاں شہروز نے کار ایک جانب پارک کی اور نیچے اتر کر اسے لاک کرنے لگا۔ فیضان بھی جلدی سے نیچے اُتر گیا۔ وہ بری طرح سہا ہوا تھا لیکن شہروز کی گفتگو نے اسے سہارا دیا تھا۔''

کچھ لمحوں کے بعد وہ دوسری منزل کے ایک فلیٹ کے دروازے پر رکے اور فیضان نے جلدی سے دروازہ کھول دیا اور باادب انداز میں کھڑا ہو گیا۔

''دیکھو بھائی فیضان خان اس بات کو بالکل بھول جاؤ کہ تمہارا عہدہ کیا اور میرا عہدہ کیا ہے۔ اس وقت نہ تم ڈیوٹی پر ہو اور نہ ہی میں ہوں۔ بات اگر کھل کر نہ ہو تو مزہ نہیں آتا اس میں۔ اس لیے تکلف اس میں سے ہٹاؤ۔ عمدہ سی چائے بناؤ۔ چائے کے بعد باتیں کریں گے، ویسے یہ فلیٹ تو اچھا خاصا ہے۔ باہر سے عمارت ذرا خراب نظر آتی ہے، لیکن کمرے بڑے کشادہ ہیں، کتنے کمرے ہیں اس میں۔''

''سر دو۔''

''سر بالکل نہیں۔'' شہروز نے کہا اور فیضان بے اختیار مسکرا دیا۔

''جناب دو بیڈ روم ہیں، ایک ڈرائنگ روم اور ایک یہ چھوٹا سا لیچ ہے۔ وہ کچن اور باتھ روم وغیرہ ہیں۔''

''سب کچھ تو ہے اور میں ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوں، وردی اُتار کر چائے بناؤ گے یا وردی پہنے پہنے۔''

''جی نہیں......میں پہلے چائے بنالیتا ہوں۔''

''اوکے......مستعد آفیسر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جاؤ ہم تمہارے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ تم چائے بناؤ۔'' فیضان انتہائی سرعت کے عالم میں کچن کی طرف چلا گیا تھا اور شہروز ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں چند معمولی سی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک طرف ایک میز تھی۔ صوفہ سیٹ یا قالین وغیرہ بالکل نہیں تھا۔ تمام چیزیں معمولی حیثیت کی حامل تھیں۔ بہر حال اسے اب یقین ہو گیا تھا کہ اس سے پہلے بھی وہ نوجوان اس سے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا اور ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

بہر حال یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی لیکن سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ وہ ایسی کیا بات کرنا چاہتا ہے۔ یقینی طور پر اپنی ترقی وغیرہ کے سلسلے میں یہ انداز اختیار کیا جاتا۔ پھر بھی بہر حال اگر کسی کا کام میرے ذریعے ہو سکتا ہے بشرطیکہ مجھے کام کی نوعیت پتا چل جائے تو اسے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ پھر ایک ایسا انسان جو انسان ہونے کے باوجود اس قدر کمتر محسوس کرے اپنے آپ کو، اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ ہی شہروز کی نظروں میں رہا تھا، اور وہ اس نوجوان کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھا کمرے کا جائزہ لیتا رہا۔ پاؤں پھیلا رکھے تھے اور پھر ماحول کو اور ذرا سی بے تکلفی بخشنے کے لیے اس نے اپنے جوتے بھی اُتار دیے اور بے تکلف ہو کر بیٹھ گیا، تھوڑی ہی دیر کے بعد فیضان ٹرے میں چائے لیے اور ایک پلیٹ میں بسکٹ رکھے اندر آ گیا۔

''میں عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا ہوں جناب، آپ تو اپنے اندر سے بہت بڑے انسان ہیں جو آپ نے میری دعوت قبول کر لی، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ لوگ انسانوں کو انسان نہیں سمجھتے۔''

''چھوڑو یار، بیٹھو، بلکہ ایسا کرو مزہ نہیں آ رہا، ذرا بے تکلفی کا ماحول ختم ہو گیا ہے اور پھر اس وقت تمہاری وردی سے ڈر بھی لگ رہا ہے، بھائی اے ایس آئی ہو، کسی بات پر بگڑ گئے تو ہمارے پاس اس وقت تو ہمارا سروس کارڈ بھی نہیں ہے۔ اس وردی کو اتار لو، اور آرام سے بیٹھو، جس طرح ہم جوتے اُتار کر بیٹھے ہوئے ہیں۔''

فیضان نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر مسکراتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ شہروز چائے کے برتنوں کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ فیضان تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا۔ شلوار قمیض میں ملبوس بہت ہی خوبصورت نوجوان نظر آ رہا تھا۔ شہروز نے تعریفی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر مسکراتا ہوا بولا۔

''لیجیے، فیضان! صاحب آج اپنے اعلیٰ آفیسر کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے پیجیے۔''

''شکریہ سر۔'' اس نے کہا اور چائے کی پیالی اُٹھا کر اپنے سامنے رکھ لی۔ پھر بڑی لجاجت سے بولا۔

''سر یہ بسکٹ۔''

''میرے شایان شان نہیں ہیں لیکن میں کھاؤں گا ٹھیک ہے، جو حکم فیضان صاحب۔'' شہروز نے بسکٹ اٹھا کر دانتوں سے کترنا شروع کر دیے۔ فیضان کے چہرے پر بے پناہ محبت نظر آ رہی تھی۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''خدا کی قسم اتنی دعائیں نکل رہی ہیں آپ کے لیے دل سے کہ شاید میں نے اتنی دعائیں کبھی اپنے آپ کو بھی نہ دی ہوں گی۔''

''چلو کچھ دے ہی رہے ہو، لے تو نہیں رہے، ویسے چائے کے دوران ہی اگر ہماری گفتگو کا آغاز ہو جائے تو کوئی حرج ہے۔''

''تو پھر شروع ہو جاؤ۔'' شہروز نے بے تکلفی سے کہا اور سامنے رکھی ہوئی چائے کی پیالی اُٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔

فیضان گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا تھا، پھر اس نے کہا۔

''سر۔ جہاں تک آپ کے بارے میں میری معلومات ہیں، وہ یہ ہیں کہ آپ نے بہت ہی مختصر سی ملازمت کے دوران بہت سے مرحلے طے کیے ہیں، ترقی اور تنزلی کے کئی دور دیکھے ہیں۔''

''ہاں...... یہ سچ ہے، مسٹر فیضان۔''

''لوگ آپ پر تبصرے کرتے ہیں۔''

''لوگ۔''

''جی سر...... میری مراد محکمے کے لوگوں سے ہے۔''

''کیا کہتے ہیں وہ۔''

''یہ ہی کہ یہ شخص بڑی محنت سے اپنے زوال کا درخت اُگاتا ہے اور اس میں بھی لچک نہیں آتی۔''

''بہت خوب اتنا پسند کیا جاتا ہوں میں اپنے محکمے میں۔'' شہروز مسکرا کر بولا۔

''ان کا کہنا ہے کہ آپ اپنی ترقی کے مواقع اپنے پیروں تلے مسل دیتے ہیں۔''

''وہ کیسے۔''

''ان کا کہنا ہے آپ تقدیر گروں سے آشیرباد نہیں لیتے۔''

''مسٹر فیضان، آپ مسلمان ہیں۔''

''الحمدللہ...... جی ہاں۔''

''تب میری رائے ہے کہ اصطلاحاً بھی یہ جملہ استعمال نہ کریں آپ جانتے ہیں کہ تقدیر گر کون ہے۔''

''اللہ رب العزت۔'' فیضان نے جواب دیا۔

''پھر میں کسی کا آشیرباد کیوں لوں، میں مشرک تو نہیں بننا چاہتا۔''

''درست فرمایا آپ نے اور میں نے اسی لیے آپ کو زحمت دی اور اس طرح ملاقات کرنے کی درخواست کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ آپ ہمیشہ شارک کا شکار کرتے ہیں اور اسے کبھی نہیں چھوڑتے۔''

''کسی شارک کی خبر دینا چاہتے ہو۔''

''جی سر......اور کچھ مظلوموں کی بے کسی کی داستان آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ آپ کے پاس وقت تو ہے نا سر۔''

''بالکل ہے فیضان! مگر وہ بے کس ہے کون۔'' شہروز نے پوچھا۔

''میں اور مجھ سے بہت سے دوسرے!'' فیضان کی آواز بھرا گئی اور شہروز چونک کر اسے دیکھنے لگا، اس کے بعد چند لمحے خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

''آپ پولیس میں بھی ہیں اور ایک توانا جوان بھی ہیں۔''

''ہوں۔'' فیضان نے بمشکل کہا۔

''پھر آپ کی آنکھوں میں شعلوں کے بجائے آنسوؤں کی نمی کیوں ہے، مسٹر فیضان۔''

''سر......مجبوریاں، ایک کنبے کا بوجھ۔''

''میں سمجھ رہا ہوں، چلیے ٹھیک ہے، آپ خود کو تنہا نہ سمجھیں، میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ بغیر کسی تمہید کے مجھے بتائیں۔''

''آپ نے شاہ گڑھی کا نام سنا ہے۔''

''ہاں......شاید۔''

''فاصلہ زیادہ نہیں ہے۔ ایک درمیانے درجے کی آبادی ہے، میں وہیں کا رہنے والا ہوں۔''

''ٹھیک۔''

''شاہ گڑھی کا موجود شاہ، بہرام شاہ ہے۔''

''ویری گڈ......تو کیا وہاں اب تک بادشاہت قائم ہے۔''

''جی ہاں۔''

''بڑی حیران کن بات ہے۔''

اور بادشاہ تو کبھی کہیں نہ کہیں مشکل کا شکار ہو جاتے ہوں گے، لیکن وہ کبھی نہیں ہوتا۔''

''دلچسپ۔''

''اس نے روحانیت کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے، لیکن وہ بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا ہے، اس نے شاہ گڑھی میں کسی کو نہیں بخشا۔ ہمارے باغات قبضے میں لیے اور مجھے محکمہ پولیس میں بھرتی کرا دیا اور بڑے بڑے اس کے حضور میں سر جھکاتے ہیں، اسے کہیں زوال نہیں، سر...... اس نے......اس نے میری بہن کو بے آبرو کر دیا اور راز کھل جانے کے خوف سے اسے ہلاک کر دیا۔'' فیضان رونے لگا۔

شہروز خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

فیضان دیر تک سسکتا رہا اور شہروز نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ پھر وہ خاموش ہو گیا تو شہروز بولا۔

''مجھے اب مکمل تفصیل بتایئے مسٹر فیضان۔''

''جی سر۔''

''بہرام شاہ کا بائیو ڈیٹا کیا ہے۔'' شہروز نے کہا اور فیضان اسے پوری تفصیل بتانے لگا۔

''ایک ہی بیٹا ہے اس کا۔''

''جی سر۔''

''کیا نام ہے۔''

''فیروز شاہ۔''

''کتنی عمر ہے۔''

''جوان ہو چکا ہے۔''

''اس کا کیا ناپ ہے۔''

''سر اس کی کوئی کہانی سامنے نہیں آئی۔''

''ہوں، پھر۔''

''سر...... میری بہن، میں...... اسے کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، تم مجھے بتاؤ کہ تمہاری بہن کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا۔''

شہروز نے پوچھا اور فیضان نے پوری تفصیل اسے سنا دی اور اس کے بعد شہروز کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔

''ماماشیدا صحیح الدماغ آدمی ہے۔''

''جی سر۔''

''اس سے قبل بھی کبھی بستی میں ایسی وارداتیں ہوئی ہیں۔''

''اکثر۔''

''بستی والوں کا کیا خیال ہے۔''

''سر...... بستی کے لوگ کبھی شاہ پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔''

''کیوں۔''

''ظاہر ہے وہ اس سے خوفزدہ ہیں۔''

''اس کے خلاف کوئی ثبوت ملا ہے۔''

''ثبوت کہاں سے مل سکتا ہے۔''

''لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔''

''سوفیصدی۔''

''کبھی کسی نے اس کا اظہار کرنے کی کوشش کی۔''

''نہیں۔ وہ نفرت کا اظہار کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ آپ مجھے بتایئے ہم چھوٹی سی زمین کے مالک ہیں، ہمیں زمین سے بغیر کسی وجہ بے دخل کر دیا گیا، اس کے بعد ہم اس سے محبت کریں گے ہمارے جیسے بے شمار لوگ اس طرح اس کا شکار ہو گئے ہیں۔''

''اس کی ذات سے کسی کو فائدہ حاصل ہوا ہے۔''

''ضرور ہوا ہوگا، لیکن ان لوگوں کو جو اس کے لیے حرام اور حلال کی تمیز کھو بیٹھے ہوں گے۔''

''تو مسٹر فیضان آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔'' شہروز نے پوچھا اور فیضان اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

''اس تفصیل کے بعد بھی مجھے اپنی بات کا اظہار کرنا ہوگا جناب عالی۔''

''مطلب۔''

''میں آپ کے بارے میں مشہور داستانوں کی روشنی میں آپ کا عمل دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''آپ پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے سچ ہے اور اس میں آپ کی کوئی ذاتی دشمنی شامل نہیں ہے۔''

''زمینوں پر میں نے لعنت بھیج دی تھی سر لیکن میری بہن بچھڑ گئی ہے، میرے دل میں آگ جل اٹھی ہے سر...... ذاتی دشمنی تو شروع ہو گئی ہے۔''

''تو مسٹر فیضان اگر ملزم کے بارے میں الزامات کے ثبوت حاصل ہو جاتے ہیں تو میں اس کے لیے سزائے موت تجویز کرتا ہوں، بلکہ اسے یقینی قرار دیتا ہوں۔''

شہروز نے گرج دار آواز میں کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ فیضان اسے دور تک چھوڑنے آیا تھا۔

☆......☆......☆

شہروز کی کار رحیم بلاک کی کوٹھی میں داخل ہو گئی۔ نور خان دوڑ کر اس کے پاس پہنچ گیا، اس نے جلدی سے دروازہ کھولا تھا، شہروز نیچے اُتر آیا۔

''کیا بات ہے، نور خان کوئی غلطی ہو گئی مجھ سے۔''

شہروز نے غیر متوقع سوال کیا اور نور خان بھونچکا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

''نہیں صاحب میں سمجھا نہیں۔''

''پھر اس طرح ناراضگی کا اظہار کیوں کر رہے ہو۔''

''ناراضگی۔''

''ہاں۔ یہ میری کار کا دروازہ کھولا ہے تم نے۔'' شہروز نے کہا اور نور خان چونک کر کار کے دروازے کو دیکھنے لگا، پھر بولا۔

''میں نے تو آہستہ سے کھولا ہے جناب۔''

''مگر کیوں۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''کیا تم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہو کہ میں یہاں تمہیں ملازموں کا درجہ دیتا ہوں۔''

''نہیں صاحب خدانخواستہ۔''

''تو پھر میرے بھائی گھر کے بڑے اگر دروازہ کھولنا شروع کر دیں تو چھوٹوں کا کیا حال ہونا چاہیے، کیا تم مجھے شرمندہ کرنا چاہتے ہو۔''

''ارے نہیں شہروز صاحب! خدا کی قسم ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس یونہی دل چاہا تو ہم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ تو ہمارے اندر کی خوشی ہے۔ محبت کے وہ جذبات ہیں جو آپ کے لیے دل میں موجود ہیں۔ صاحب بس ہم کیا کہیں آپ سے۔''

''نہیں نور خان کہو۔ میں سننا چاہتا ہوں، ویسے بھی تم مجھ سے بہت کم بات چیت کرتے ہو۔''

''بس صاحب محبت کرتے ہیں آپ سے، جو زندگی آپ نے ہمیں دے دی ہے۔ اس کے لیے ہمارے دل میں جذبات ہیں۔ کبھی کبھی یہ جذبات ابھر آتے ہیں تو ایسے کام کر لیا کرتے ہیں، یہ تو اندر سے آواز ابھرتی ہے۔''

''تم مطمئن رہو نور خان۔''

''جی صاحب...... اور ہمیشہ آپ کے لیے دعائیں کرتے رہیں کہ اللہ آپ کا بھلا کرے، برائیوں کے راستے سے ہٹا کر اچھے راستے پر لگانے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے صاحب جتنا اچھے راستے پر چل پڑنے والے کو۔''

''خیر میں اس بات سے انکار نہیں کروں گا نور خان، لیکن یقین کرو کبھی کبھی تمہارے بارے میں سوچتا ہوں۔''

''کیا صاحب۔'' نور خان نے پوچھا۔

''یہی کہ تم تو پتا نہیں دل میں کیا سمجھتے ہو گے۔ میں نے یہاں اس کوٹھی کی ذمہ داری تمہیں سونپ دی ہے اور خود مزے کرتا پھرتا ہوں۔ تم یہاں خوانخواہ بندھ کر رہ گئے ہو۔''

''نہیں صاحب ایسی بات نہیں ہے۔ اصل میں ہمارے دل میں آپ کے لیے جو محبت کے جذبات ابھرتے ہیں وہ صرف اسی احساس کے تحت ابھرتے ہیں کہ ہم کچھ بھی نہیں تھے، کیا ہم ایک بدکار شخص کی بدکاریوں کے ساتھی۔ زندگی میں خوانخواہ ہی اتنے گناہ سر لے لیے، صاحب کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ عمر تمام ان گناہوں کے کفارے کا سبب بن جائے۔ گڑگڑاتے ہیں اللہ کے حضور کہ جو کچھ کر چکے

ہیں اس پر ہمیں معاف کر دے۔''

''نور خان تنہائی محسوس کرتے ہوں گے۔''

''تنہا کہاں ہیں صاحب۔'' نور خان نے کہا۔

''کیا مطلب۔''

''بس ہمارے احساسات، ہماری عبادت ہمارے ساتھ ہے۔ تنہائی میں جب بھی موقع ملتا ہے اپنے خدا سے آس لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں کہ خدا ہمارے گناہ معاف کر دے۔''

''نور خان میرے دل میں بار بار ایک خیال آتا ہے۔''

''کیا صاحب۔''

''تم شادی کر لو۔'' شہروز نے کہا اور نور خان ہنسنے لگا، پھر بولا۔

''صاحب آپ سے مذاق تو کر نہیں سکتے، لیکن آپ یقین کریں اب کسی دوسرے کو اپنی زندگی میں شامل نہیں کریں گے جو ہماری زندگی میں شامل ہو گیا ہے وہی ہمارے لیے بہت ہے۔''

''کون۔''

''بس صاحب اپنی توبہ کا احساس اسی کے ساتھ گزارا کرتے ہیں۔''

''پھر بھی نور خان اتنی بڑی کوٹھی تمہیں سنبھالنی پڑتی ہے۔''

''صاحب ہم یہاں کے حالات اچھی طرح جانتے ہیں، آپ اپنے طور پر اگر کسی کو یہاں رہنے کے لیے چھوڑنا چاہیں تو وہ الگ بات ہے لیکن ہم اتنا جانتے ہیں کہ اس کوٹھی کے راز، راز ہی رہنا چاہئیں اور اس کے لیے ہم ہی کافی ہیں۔''

''پھر بھی نور خان میری طرف سے تمہیں پیشکش ہے۔ اگر کوئی تمہارے اتنے ہی اعتماد اور بھروسے کا آدمی ہو تو تم اسے لا کر یہاں رکھ سکتے ہو۔ اس کے اخراجات اور تنخواہ کی پرواہ مت کرو، جو کچھ تم کہہ دو گے وہ بالکل ٹھیک ہو گا، مالک ہو تم اس کوٹھی کے۔''

''بس صاحب زیادہ جذباتی باتیں کرنا دھوکے بازی ہوتی ہے۔ ہم تو بالکل مطمئن ہیں، لیکن اگر آپ نے کبھی کسی کو یہاں بھیجا اور ہمیں اس کے لیے ہدایت کی کہ ہمیں اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے تو آپ کو کوئی شکایت کبھی نہیں ہو گی۔''

شہروز نے مسکرا کر ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔

''تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔''

''نہیں صاحب ہم صرف یہ احساس رکھتے ہیں کہ کہیں ہماری وجہ سے اس کوٹھی کو تو کوئی تکلیف نہیں ہے۔'' نور خان نے ہنس کر کہا اور شہروز بھی ہنسنے لگا، پھر بولا۔

''ناہید آنے والی ہوں گی میں ان کا انتظار کر رہا ہوں۔''

''ہم کوئی کھانے پینے کی چیز بنا دیں گے۔''

''نہیں میں نے ناہید کو ہدایت کر دی ہے کہ آتے ہوئے ہوٹل سے ہم تینوں کے لیے لنچ بکس لے کر آئے۔''

''ٹھیک ہے، صاحب کافی وغیرہ۔''

''ہاں...... مگر وہ ناہید بنا لے گی۔''

''ٹھیک ہے صاحب۔'' نور خان نے کہا اور دروازے کی جانب چلا گیا۔ شہروز مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا۔ سادہ لباس میں تھا اور جب وہ سادہ لباس میں ہوتا تھا تو یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس کا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔

تقریباً تمام ہی معاملات ٹھیک ٹھاک چل رہے تھے۔ گھر کے حالات بہتر تھے۔ تمام اہل خاندان مطمئن تھے۔ شہروز اپنے طور پر ایک پرسکون زندگی گزار رہا تھا لیکن بہرحال فیضان خان سے ملاقات کے بعد جو صورت حال ذہن میں آئی تھی وہ بڑی سنگین تھی۔

شاہ گڑھی کے بہرام شاہ کا پورا کچا چھٹا سننے کے بعد شہروز کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ ایک شاندار مہم اس کی منتظر ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہ فارغ بیٹھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ زندگی کے معاملات کافی ڈھب پر آ گئے تھے۔ فی الحال اور کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن فیضان نے جو کہانی سنائی تھی وہ بڑی دلدوز اور اندوہناک تھی اور شہروز نے جو فیصلہ فیضان کے سامنے کیا تھا وہ اس کے تمام تر احساسات میں شامل تھا اور وہ اس کے لیے کوئی عمدہ پلان ترتیب دینا چاہتا تھا اور اس کے لیے ذہنی شگفتگی ضروری ہوئی اور ذہنی شگفتگی کے لیے ناہید۔

تب ہی اس نے ناہید کو دیکھا، دروازے پر کھڑی مسکرا رہی تھی۔ سفید لباس میں وہ اندر داخل ہوئی تو شہروز زور، زور سے سانس کھینچنے لگا۔ اس کے چہرے پر شرارت کے آثار بکھر گئے۔ ناہید دو قدم آگے بڑھی اور غور سے شہروز کو دیکھنے لگی۔

''خیر یوں تو میں جانتی ہوں کہ آپ کے ذہن میں کوئی شرارت کلبلا رہی ہے، اب ذرا اس شرارت کی تشریح ہو جائے۔''

''خراماں خراماں...... معطر...... معطر۔''

شہروز نے کہا اور شعر ادھورا چھوڑ دیا۔ ناہید منتظر رہی کہ وہ آگے کچھ کہے، لیکن شہروز خاموش ہو گیا۔

''میرا خیال ہے تک بندی کے لیے کوئی مناسب جملہ نہیں رہا۔''

''یعنی اس کے بعد بھی کسی مناسب جملے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔''

''شعر پورا کیجیے۔''

''مصرع اولیٰ میں نے کہہ دیا ہے۔ مصرع ثانی آپ خود ہیں، مس ناہید۔''

''یعنی نسیم صبح۔''

''تو یہ کیجیے نسیم میں وہ لطافت کیا جو اس پھول میں ہے۔''

''پھول۔''

''جی صاحب آئینہ سامنے ہے غور کر لیجیے۔''

''یعنی۔''

''یہ سفید لباس، یہ سفید چہرہ، کیا بات ہے، بالکل یوں لگتا ہے جیسے کوئی پھول مجسم ہو کر ڈالی سے ٹوٹ کر پیدل چل پڑا ہو۔''

''اللہ آپ پر رحم کرے۔''

''دعا کا شکریہ...... تشریف رکھیے۔'' شہروز نے کہا اور ناہید بیٹھ گئی۔

''شرارت کا موڈ کچھ زیادہ ہی لگتا ہے۔''

''جی ہاں۔ اصل میں انسان کو جب بھوک لگتی ہے تب تو وہی چیزیں ہوتی ہیں یا تو وہ کراہتا ہے پیٹ پکڑ کر یا پھر شاعری شروع کر دیتا ہے۔''

ناہید ہنس پڑی اور بولی۔

''نور خان لنچ بکس لے کر آ رہا ہے۔ میں نے کہا، نور خان، ذرا میری مدد کرو تو کہنے لگا بی بی جی! آپ جایئے، مجھے معلوم ہے کہ ان میں سے ایک لنچ بکس میرا ہے اور دو لنچ بکس آپ کے ہیں۔ میں آپ کے لنچ بکس لے کر آ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کچن میں گیا ہوگا۔''

''ذرا وقت دیکھیے کیا کھانے کے علاوہ اس وقت اور کوئی بات کی جا سکتی ہے۔''

''کی تو نہیں جا سکتی، لیکن آپ کر رہے ہیں۔''

''کیا کیا جائے۔''

''کھانے کا انتظار۔''

''گویا جواب تک آپ فرما رہے تھے، وہ بھوک کے عالم میں تھا۔''

''جی ہاں۔''

''بڑے عجیب آدمی ہیں آپ، میں سمجھی آپ واقعی میرے لباس کی تعریف کر رہے ہیں۔''

''مس ناہید آپ نجانے اپنا حسن لطافت کہاں کھوتی جا رہی ہیں۔''

''کیوں۔''

''ارے بابا، بھوک کی بھی تو مختلف اقسام ہوتی ہیں۔ یہ پیٹ کی بھوک تو خیر کسی نہ کسی طرح پوری ہو ہی جاتی ہے، لیکن۔''

''بس...... بس...... بس نور خان کے قدموں کی آوازیں آ رہی ہیں۔'' ناہید نے کہا اور شہروز ہنس کر خاموش ہو گیا۔ نور خان ایک ٹرے میں لنچ بکس کا سامان سجا کر اندر لایا تھا اور پھر یہ سامان رکھتے ہوئے کہا۔

''صاحب یہ لنچ بکس اتنے بڑے بڑے کیوں ہوتے ہیں، کیا آپ دونوں اتنا کھانا کھالیں گے۔''

''مس ناہید سے پوچھیے نور خان صاحب! یہ ذرا کچھ فضول خرچ ہو گئی ہیں۔''ابھی تو ایک ٹرے اور ہے، صاحب میں لے کر آرہا ہوں۔''

''لائیے لائیے، اللہ مالک ہے۔ ویسے بھوک بھی زور سے لگ رہی ہے، چلیے مس ناہید شروع کیجیے۔''شہروز نے کہا اور آستین سمیٹ کر ٹیبل کے قریب آبیٹھا۔

''ہاتھ دھویے جا کر۔''

''کس سے۔''شہروز نے سوال کیا۔

''ہاتھ دھویے پلیز۔''

''تو پھر آیئے نا۔''شہروز بولا اور پھر ناہید بھی ہنستی ہوئی اُٹھ گئی۔ شہروز نے اسے آگے جانے کا راستہ دیا تھا۔

''نہیں پہلے آپ۔''

''واللہ پہلے آپ۔''شہروز جھک کر بولا اور ناہید ہنستی ہوئی واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد دونوں کھانے پر آبیٹھے، اس دوران نور خان نے کھانے کی دوسری ٹرے بھی لا کر رکھ دی تھی۔

''سبحان اللہ گویا باقاعدہ دعوت۔''شہروز نے جملہ ادھورا چھوڑا۔ پھر نور خان سے بولا۔

''تو نور خان انتظار کس بات کا۔ آپ بھی بسم اللہ کہہ کر پل پڑیے۔ ویسے تمام چیزیں موجود ہیں نا۔''

''جی صاحب۔''نور خان مسکراتا ہوا باہر نکل گیا شہروز نے کہا۔

''آپ نے پوچھا نہیں کہ میں اس کے آگے کیا کہنا چاہتا تھا۔''

''اس سے آگے آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ ناہید جلدی سے کھانا شروع کر دو۔ دیر ہو رہی ہے۔''ناہید نے کہا اور جلدی سے خود کھانے کی طرف ہاتھ بڑھا دیے۔ شہروز بھی کھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کے بعد نجانے کیوں کھانے کے دوران شہروز مسلسل خاموش ہی رہا تھا۔ بہرحال کھانے کی صفائی ہوتی رہی۔ جس قدر کھا سکتے تھے کھایا اور بچی ہوئی چیزوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب کیا کیا جائے۔''

''ایں ہاں......واقعی نور خان کو دے دیں گے، فقیر وغیرہ آتے رہتے ہیں۔''

''ناہید۔''

''ہاں کیوں۔''

''اپنے آگے کا بچا ہوا فقیروں کو دو گی وہ جو ہم سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔''

''چھوڑیے جناب! شہروز صاحب یہ بات نہ کہیے فقیروں کی کبھی ان کی دنیا میں جا کر دیکھیے یہ مستحق لفظ اب بڑا عجیب لگتا ہے۔ اپنی پسند کی چیز لیتے ہیں۔ اگر معیار سے گرا ہوا کھانا ہو تو نخوت سے کہہ کر چلے جاتے ہیں کہ میاں کبھی ہمارے ہاں آنا کھانا کھلائیں گے اور دیکھائیں گے تمہیں۔'' شہروز بھی ہنس پڑا تھا۔ اس نے کہا۔

''یہ تو واقعی تم ٹھیک کہہ رہی ہو ناہید۔''

''خیر اب چھوڑیے کیا خیال ہے، کافی بنا کر لاؤں۔''

''نور خان تو کہہ رہے ہیں، لیکن تھوڑا سا انتظار کر لو، ممکن ہے وہ خود ہی ہمیں کافی سرو کر دیں، اب اس قدر جلد بازی بھی مناسب نہیں ہے۔''

''اچھا آپ فرمادیے، وہ خاص سلسلے میں میٹنگ کیا تھی۔''

''اصل میں سب سے خاص سلسلہ جو ہے اس کے لیے صرف ہماری میٹنگ کافی نہیں ہوگی۔''

''کیا۔'' ناہید نے کچھ نہ سمجھ کر کہا۔

''ہماری شادی۔''

''جی...... تو پہلے آپ یوں کیجیے کہ جتنا مذاق فرما سکتے ہیں، اتنا مذاق کر لیجیے، اس کے بعد کام کی باتیں کریں گے۔'' ناہید ناراضگی سے بولی۔

''کمال کرتی ہو یار۔ یعنی ہماری شادی صرف ایک مذاق ہے۔''

''فی الحال۔'' ناہید نے آہستہ سے کہا۔

''کیا مطلب۔''

''آپ یہ مذاق مسلسل کیے جا رہے ہیں، مجھے نجانے کیا کیا بنا دیا۔ شادی شدہ...... بچوں کی ماں...... اور، اور...... اب۔''

''ارے بابا۔ وہ تو ایک ضروری اور اہم مسئلہ تھا۔ آپ اس کو بار بار درمیان میں لا کر شرمندہ کرنے کی کوشش فرماتی رہتی ہیں۔''

''آپ ہی نے شروع کیا ہے، میں کیا کروں۔''

''ہم ختم بھی کر دیں گے آپ بے فکر رہیے۔''

''کیسے ختم کریں گے۔''

''آپ سے شادی کر کے۔'' شہروز نے جواب دیا۔

نور خان نے پھرتی دکھائی تھی، ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر آ گیا۔ کافی کی ٹرے لے کر آیا تھا۔

''برتن اٹھا لوں صاحب۔''

''ہاں، اٹھالو۔'' شہروز نے کہا اور نور خان نے برتن اٹھانا شروع کر دیے۔ ناہید کافی بنانے لگی تھی، کافی کی پیالی شہروز کے سامنے سرو کرنے کے بعد اس نے کہا۔

''کیوں نہ اب کام کی باتیں ہو جائیں۔''

''جی بہت بہتر۔ آپ ایسا کیجیے کہ آپ اپنا پیڈ اور قلم سنبھال لیجیے۔''

''اوکے۔'' ناہید اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ایک الماری سے اس نے اپنا پیڈ اور قلم نکالا اور پوری سنجیدگی سے شہروز کے سامنے بیٹھ گئی۔ شہروز اب خود بھی سنجیدہ نظر آنے لگا تھا، پھر اس نے کہا۔

''لکھیے۔''

''شاہ گڑھی۔'' ناہید نے اس کی ہدایت پر عمل کیا تو شہروز پھر بولا۔

''بہرام شاہ۔'' ناہید نے یہ نام بھی لکھا اور چونک کر شہروز کو دیکھنے لگی، شہروز کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ناہید نے جس انداز میں دیکھا تھا اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ اس نام سے اسے کوئی واقفیت ہے۔

''جی آپ سے سوال مس ناہید، آپ یہ نام سن کر کیوں چونکیں۔''

''میں اس نام سے واقف ہوں۔''

''کیسے۔''

''یہ شاہ گڑھی یہاں سے کچھ فاصلے پر ہے۔''

''جی بالکل۔''

''بہرام شاہ وہاں کا جاگیردار ہے۔''

''جی بالکل ٹھیک، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ انہیں کیسے جانتی ہیں۔''

''آپ یہ بتایئے کہ فہیم شیرازی کے گروپ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔''

''جی ہاں نام سنا ہے، وکیلوں کا ایک بہت بڑا پینل ہے اور مسٹر فہیم شیرازی۔''

''جی ہاں بالکل۔''

''تو یوں سمجھ لیجیے کہ بہرام شاہ کے تمام قانونی امور کی نگرانی فہیم شیرازی صاحب کرتے ہیں، میرا مطلب ہے ان کا پورا پینل اور یہ بات بھی آپ کے علم میں لانا ضروری ہے کہ یہ پینل طاقتور ترین سمجھا جاتا ہے۔''

''گڈ...... وری گڈ، گویا پہلوانی کا مزہ آئے گا۔'' شہروز بولا۔

''کیا مطلب۔''

''پہلوانی کا مطلب پہلوانی ہوتا ہے۔''

''نہیں۔ کوئی ان لوگوں کے خلاف چکر ہے۔''

''سو فیصد۔''

''خیر یہاں خوفزدہ کون ہوتا ہے، لیکن بہرحال بڑا شاطر گروپ ہے، اور بڑے اعلیٰ پیمانے پر کام کرتا ہے، مسٹر فہیم شیرازی نے اپنے طور پر ایک اس قسم کا نظام قائم کر رکھا ہے، ہم یہ کہہ سکتے ہیں وہ ہمارے معاملے سے تھوڑا ملتا جلتا ہے۔''

''یعنی۔''

''بہت سے معاملات میں شیرازی گروپ اپنے طور پر کام کرتا ہے اور خود اس کے کارکن بعض معاملات کی تفتیش وغیرہ کیا کرتے ہیں۔''

''ویری گڈ چلیے ٹھیک ہے۔ اب آپ یہ سنیئے کہ ہمارا واسطہ اب بہرام شاہ سے پڑے گا۔'' شہروز نے کہا۔

''کوئی خاص بات ہے۔''

''بہت ہی خاص۔''

''تو پھر بتایئے۔''

''ایک چھوٹی سی کہانی سننا پڑے گی آپ کو۔''

''حاضر ہوں۔ لکھنا تو نہیں ہوگی۔''

''نہیں کہانیاں لکھنے کا کام ہمارا نہیں ہے۔''

''چلیے پھر سنایئے۔''

''تو پھر ایک اور شخص کا نام لکھیے آپ...... وہ ہے فیضان خان، یہاں محکمہ پولیس میں اے ایس آئی ہے۔'' شہروز نے کہا اور پھر نہایت مختصر الفاظ میں لیکن مؤثر طریقے سے فیضان خان کی سنائی ہوئی کہانی اس نے ناہید کے سامنے دہرادی۔ ناہید کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ جب شہروز کہانی کا آخری جملہ تک سنا چکا تو ناہید نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ ایک بار پھر ایک اژدھا شکار کرنا پڑے گا ہمیں۔''

''بالکل مناسب الفاظ کہے آپ نے مس ناہید۔''

''واقعات جس انداز اور جس شخص کی معرفت علم میں آئے ہیں۔ ان سے یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اس میں ذرا برابر جھوٹ نہیں ہے اور پھر ناہید وہی انسانی فطرت کی بات کہ طاقت حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے آپ کو طاقت کا دیوتا سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ اتنا طاقتور نہیں ہوتا۔ آخر کار اسے کسی نہ کسی وقت جال میں پھنسنا ہوتا ہے، جس طرح ہم اور بہت سے معاملات سے نمٹ چکے ہیں، اسی

طرح اب ہمیں اس دشمن کے خلاف کام کرنا ہوگا۔''

''جی اندازہ ہو رہا ہے۔''

''اور یہ تو ظاہر ہے ہم اسے چھوڑیں گے نہیں۔''

''نہیں، جب یہ بات ہمارے علم میں آ گئی ہے تو پھر بھلا ہم یہ گناہ کیسے کر سکتے ہیں۔''

''گڈ تو ناہید ذرا بالکل سنجیدہ گفتگو ہو جائے، ہمیں اس طریقہ کار کا تعین کرنا ہے۔ جس کے تحت ہم اس کے خلاف تفتیش کا آغاز کریں گے اور آخر کار اسے کیفر کردار تک پہنچا دیں گے۔''

''جی۔''

''ملزم کی فطرت کے بارے میں یہ اندازہ ہوا ہے کہ وہ اوباش ہے۔ بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا۔ اس نے روحانیت کا چکر چلا رکھا ہے اور ایسے لاتعداد واقعات ہمارے علم میں آ چکے ہیں کہ اس قسم کے لوگ اپنی شکار گاہ میں شکار کھیلنے کے لیے بھیڑ کی کھال اوڑھ کر ہی جاتے ہیں، سمجھ رہے ہو نا تم اور اس کے بعد شکار کرتے ہیں لیکن ان کے گرد ایک مضبوط حصار ہوتا ہے اور اس حصار میں وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں، ہمیں اس حصار کا بھی خیال رکھنا ہوگا، اور یہ بھی سوچنا ہوگا کہ بھیڑیے کے لیے چارہ کیا لگایا جائے۔''

''جی۔''

''ناہید میری باتوں کا برا تو نہیں مانتی ہو کبھی۔''

''کیوں۔'' ناہید نے چونک کر پوچھا۔

''کبھی کبھی ایسے الفاظ کہہ جاتا ہوں جو غیر مناسب ہوتے ہیں۔''

''مطلب۔''

''مطلب یہ کہ ہمیں اسے اپنے جال میں لانے کے لیے کوئی ایسا سنہرا جال پھینکنا ہوگا اور تم نے شاید کبھی آئینہ نہیں دیکھا۔''

''جی۔'' ناہید کچھ نہ سمجھ کر بولی۔

''تم سے زیادہ سنہری لڑکی میں نے آج تک کوئی نہیں دیکھی۔'' شہروز نے کہا اور ناہید چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آئے۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''میں تیار ہوں۔''

''یعنی...... یعنی۔''

''یہی کہنا چاہتے تھے نا آپ مسٹر شہروز کہ آپ میری شخصیت سے کام لیں گے۔''

''ناہید آپ لیمپسوآن...... یعنی کارواں گروپ کی ایک اعلیٰ آفیسر ہو اور اس کے ساتھ ساتھ میری ایک ہونہار ساتھی بھی۔''

''ہونہار ساتھی۔'' ناہید ہنس پڑی۔

''اسسٹنٹ کہنا چاہتا تھا، لیکن کاروباری لفظ ہو جاتا۔'' شہروز نے مسکرا کر کہا۔

''آپ مجھے بتایئے کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''اتنا خوبصورت بننا ہوگا کہ وہ شخص دیکھ کر دیوانہ ہو جائے۔''

''اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی۔''

''اگر آپ اس پر اعتراض کریں تو ہزاروں ترکیبیں لیکن یہ ایک مختصر راستہ ہے جس سے ہمیں آسانی سے وہاں تک رسائی حاصل ہو سکے گی۔''

''گویا آپ مجھے پھر داؤ پر لگائیں گے۔''

''ہاں..... ناہید میں تمہیں داؤ پر لگانا چاہتا ہوں، لیکن آپ کی عزت کی حفاظت تو میری زندگی کی ہر سانس پر فرض ہے۔ جان کی بازی لگا دوں گا، آپ کے تحفظ کے لیے، اس سلسلے میں آپ قطعی بےفکر رہیں۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، لگایئے لگایئے جان کی بازی میرے تحفظ کے لیے، مجھے کیا اپنا ہی مال خرچ کر رہے ہیں۔''

''کیا واقعی۔''

''نہیں سنجیدگی کا دامن بالکل نہیں چھوڑنا ہے، اس وقت۔'' ناہید نے کہا، اور شہروز نے جلدی سے اپنی قمیص کا دامن پکڑ لیا۔ ناہید سنجیدہ ہونے کے باوجود ہنس پڑی۔

''باز نہیں آئیں گے ناں آپ۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا مس ناہید۔'' شہروز بدستور شرارت سے بولا اور ناہید زچ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔ ''اچھا خیر چھوڑیئے طریقہ کار کیا ہوگا۔''

''طریقہ کار تلاش کرنا ہوگا۔''

''یعنی۔''

''بھئی ویسا ہی کوئی طریقہ کار جیسا ہم پچھلے ایک کیس میں اختیار کر چکے ہیں۔''

''ہوں آسانی ہوگی۔''

''میں نے کہا ناں۔ اس مشکل کا حل تلاش کرنا ہوگا۔''

''تو پھر میں کیا کروں۔''

''تیار رہیے گا۔ ویسے آپ ماشاء اللہ خاصی خوب صورت ہیں لیکن ان دنوں اپنے حسن جہاں سوز پر کچھ زیادہ نگاہ رکھیے گا۔''

''فضول باتیں بالکل نہیں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم یہ طے کر چکے ہیں۔ ویسے ناہید بہرام شاہ کے اطراف کا بھی جائزہ لے لیا گیا ہے۔ میں فیضان شاہ کو زیادہ شامل حال نہیں کرنا چاہتا لیکن ایک بار پھر اس سے ملاقات کر کے کچھ اہم باتیں معلوم کروں گا اور اس کے بعد آپ کو آگاہ کروں گا۔''

''کب تک کا ارادہ ہے۔''

''شادی کا۔''

''جی نہیں۔ شاہ گڑھی جانے کا۔''

''اوہ...... اچھا ہاں...... بس بہت جلد یوں سمجھ لیجیے کہ کوئی موثر ذریعہ حاصل ہو جائے۔ اس کے بعد ہم چل پڑیں گے۔ بھلا اس میں کیا وقت ہے۔''

''گروپ کے ساتھ رہنا ہے۔''

''گروپ کو صرف الرٹ کر دینا...... فاصلہ زیادہ نہیں ہے شاہ گڑھی کا۔ ایمرجنسی ہوئی تو ٹرانسمیٹر پر کال کر کے بلا لیں گے۔''

''مناسب۔'' ناہید نے جواب دیا۔

''ویسے یہ کھانا بھی بہت مناسب تھا۔'' شہروز نے کہا اور ناہید ہنسنے لگی پھر بولی۔

''چلیں۔''

''ابھی کہاں ابھی تو نجانے کتنا وقت لگے گا۔'' شہروز اپنی شرارت سے باز نہیں آ رہا تھا۔ ناہید اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''مجھے بھی کچھ کام ہیں آیئے چلیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' شہروز بھی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

شہروز نے دوسری ملاقات خود فیضان سے کی تھی اور فیضان اسے اپنے فلیٹ کے دروازے پر دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ پھر وہ انتہائی ممنونیت سے اسے اندر لے گیا۔ بڑی عزت واحترام سے بٹھایا اور بولا۔

''آپ مجھے طلب کر لیتے سر۔''

''میرے سر میں کوئی خرابی ہوتی تو تمہیں طلب کرتا۔ سر میں خرابی نہیں تھی اس لیے خود آ گیا۔ یہ بتاؤ مصروف ہو۔''

''نہیں شہروز صاحب بالکل نہیں۔''

''تھوڑی سی معلومات مجھے اور کرنی ہیں۔ بہرام شاہ کے بارے میں۔''

''جی...... جی۔''

''ظاہر ہے بہرام شاہ شادی شدہ ہوگا۔''

''جی سر! اس کی پہلی بیوی مر چکی ہے۔''

''کیا نام تھا اس کا۔''

''شاہینہ۔''

''انتقال کیسے ہوا۔''

''سانپ نے کاٹ لیا تھا۔''

''وہ بیٹا فیروز شاہ کا ہے۔''

''جی۔''

''پہلی بیوی سے مراد یہ ہے کہ اس کی دوسری بیوی بھی ہے۔''

''جی ہاں۔''

''وہ کون ہے۔''

''اس کی اپنی دریافت شاہ گڑھی ہی کی ایک لڑکی تھی۔ عائشہ نام تھا اس کا۔''

''عائشہ۔''

''جی ہاں۔ یہی نام ہے اس کا۔''

''کیا عمر ہوگی اس کی۔''

''اس کی عمر بہت کم ہے۔ لڑکی ہے جی بالکل۔''

''وہ ہے۔''

''جی ہاں۔''

''اس کے اہل خاندان۔''

''لاپتا ہو چکے ہیں۔''

''کیا مطلب۔''

''سر اب جب صورت حال ہمارے سامنے ہے تو ان کے لاپتہ ہونے کی وجہ بھی ہمارے سامنے آجاتی ہے۔''

''یعنی زبردستی۔''

''ہاں۔''

''ویری گڈ...... یہ کام کی بات ہوئی۔ اس کا مطلب ہے۔ ایک ایسا کردار موجود ہے جو مظلومیت کا شکار ہے اور اس کی تحویل میں بھی ہے۔''

''پتا نہیں سر۔ ایسے تو بہت سے افراد موجود ہوں گے۔''

''بہر حال وہ اہمیت رکھتا ہے۔''

''اور فیروز شاہ۔''

''وہ غزالہ ہی کا بیٹا ہے۔''

''باپ بیٹے کے کیسے تعلقات ہیں۔''

''فیروز شاہ کمسن ہے۔ سولہ، سترہ سال کی عمر ہوگی۔ ابھی ویسے جیسا کہ میں نے ابھی آپ سے عرض کیا کہ اس بارے میں ابھی کوئی ایسی رپورٹ نہیں ہے۔ جو قابل توجہ ہو۔''

''ہوں تو اچھا تو یہ بتاؤ کہ تم بذات خود ان معاملات میں کس حد تک حصہ لینا چاہتے ہو۔''

''سر زندگی کی بازی لگانے کے لیے تیار ہوں۔'' فیضان نے پر جوش لہجے میں کہا۔

''اور میں کیوں کہ زندگی کو قیمتی سمجھ کر اس کی بازی نہ لگاؤ تو۔''

''میں سمجھا نہیں سر۔''

''مطلب یہ کہ ان تمام معاملات سے بالکل بے تعلق ہو جاؤ۔''

''یہ سب کچھ آپ کے حکم پر منحصر ہے۔''

''تب تم اسے میرا حکم نہ سمجھو۔ بلکہ مصلحت سمجھو۔''

''جی۔''

''فیضان اپنے آپ کو اس قدر غیر متعلق کر لو ان تمام معاملات سے جیسے ان سے تمہارا کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ اپنی تمام خدمات اس کے لیے پیش کر دو۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ تم مجھ سے پہلے جا کر میری نشاندہی کر دو۔''

''سر آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔''

''نہیں فیضان میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کے ذہن میں تمہاری طرف سے شک کی ایک رمق بھی نہ پیدا نہ ہو سکے۔ تم اس سے اپنی وفاداریوں کا اظہار کرتے رہو۔ میں اصل میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں یا تمہارے والدین کو کوئی نقصان پہنچے۔ پھر بعد میں جب صورت حال ہمارے قابو میں آ جائے گی تو پھر ایک ایک کو دیکھ لیں گے لیکن اس وقت تک فیضان تم میری ہدایت کے مطابق اپنے آپ کو بالکل ان معاملات سے بے تعلق رکھو گے۔ اگر کبھی اتفاق سے وہ تمہیں طلب کر کے میرے بارے میں سوال کریں یا معلومات حاصل کرنے کی کوشش

کریں تو میرے بارے میں جو معلومات تمہیں ہیں وہ اسے دے دینا بس میرے گھر کا پتہ نہ بتانا چاہیے اس کی وہ کتنی ہی کوشش کرے۔''

''جی سر، میں ان الفاظ پر بے حد شرمندہ ہوں۔''

''نہیں۔ فیضان ہم ان خونخوار بھیڑیوں سے لڑائی کا آغاز کر رہے ہیں۔ تمام پہلوؤں سے ہوشیار ہونا ضروری ہے۔ اپنے والدین کو بالکل وہیں رہنے دو۔ جیسا تمہارا پہلے پروگرام تھا کہ تم انہیں یہاں لے کر آؤ گے لیکن مصلحتاً ابھی انہیں وہاں سے مت لانا۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا۔ تو ہوسکتا ہے وہ تمہاری طرف سے بھی شبہ کا شکار ہو جائے۔''

''سر میں سمجھ رہا ہوں۔''

''بس یہ ہی مجھے تمہیں بتانا تھا۔ اپنے آپ کو ان معاملات سے بالکل بے تعلق رکھو اب تم خود سمجھدار آدمی ہو۔ اگر اتفاق سے کوئی ایسا موقع مل جائے کہ وہ تمہیں استعمال کرنے کی کوشش کریں تو تم استعمال ہوتے رہنا اور یہ کہنے کی مجھے ضرورت نہیں کہ میرے علم میں رہ کر۔''

''جی سر۔''

''بس تمہیں یہ ہی بتانا تھا۔ اب اس کے بعد اجازت۔''

''سر وہ کچھ چائے وغیرہ۔''

''یقین کرو۔ اس وقت موڈ نہیں۔ پھر کبھی سہی۔'' شہروز نے کہا اور اس کے بعد وہ فیضان کے پاس سے اُٹھ گیا۔ کوئی پروگرام نہیں تھا۔ آئندہ لائحہ عمل طے کرنا تھا لیکن اس کے لیے ناہید کی تلاش مشکل بھی نہیں تھی۔ ناہید کو ساتھ لے کر وہ اپنے مخصوص ہوٹل میں جا بیٹھا۔ ناہید نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو مسٹر شہروز کس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں۔''

''ہاں ناہید میرا خیال ہے۔ اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔''

''یعنی روانگی۔''

''تمہارا کیا خیال ہے۔''

''بالکل کام شروع ہو جائے تو اس میں دیر کرنا بالکل مناسب نہیں ہوتا۔''

''تمہاری کوئی پرابلم تو نہیں ہے۔''

''کیسا پرابلم۔''

''میرا مطلب ہے۔ تم چلنے کو تیار ہو۔''

''بالکل۔''

''او کے۔ اب مجھے چند ضروری انتظامات کرنے ہوں گے۔ آخر ہمیں کوئی حیثیت بھی اختیار کرنی ہو گی۔''

''فیصلہ کرلیا ہے۔''

''نیاز بیگ صاحب سے مدد لیں گے۔ پولیس کی مدد لے لینا ضروری ہے۔ جبکہ ہمیں یہ سہولت حاصل ہے۔''

''میرا خیال ہے۔ اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی لیکن بہر حال انہیں حالات سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ محکماتی کاروائی کے طور پر انہیں کیس کی رپورٹ دینا ضروری ہے تاکہ کوئی گڑبڑ ہو تو۔''

''یقیناً اس کے امکانات ہیں کیونکہ بات بہت بڑی آدمی کی ہے۔''

''بس تو تیار ہو جاؤ۔ میں آخری انتظامات کرتا ہوں۔''

شہروز نے کافی طلب کرلی اور کافی سے فارغ ہو کر وہاں سے اُٹھ گئے۔

☆......☆......☆

نیازہ بیگ صاحب نے پر محبت نگاہوں سے اس ہونہار نوجوان کو دیکھا۔ پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گئے۔

''کیسے ہو شہروز۔''

''سر بالکل ٹھیک ہوں۔''

''کیا مصروفیات ہیں۔''

''کچھ وقت پہلے ہی...... پہلے بالکل نہیں تھیں۔''

''اب۔''

''ہو گئی ہیں۔''

''میں سمجھ گیا تھا۔ ضرور کوئی ایسی بات ہے۔ کوئی کیس تلاش کیا ہے۔''

''جی ہاں۔''

''ہوں۔ تفصیل بتاؤ۔''

''سر! شاہ گڑھی کے جاگیردار بہرام شاہ کے بارے میں کچھ شکایات موصول ہوئی ہیں۔'' شہروز نے کہا اور نیاز بیگ چونک پڑے۔

''اوہ......'' انہوں نے آہستہ سے کہا۔

''اور آپ اس سے واقف ہیں۔''

''پہلے نہیں تھا۔ اب ہو گیا ہوں۔''

''مطلب یہ کہ میرے آجانے سے۔'' شہروز نے کہا۔

''تمہیں فہیم شیرازی کو جانتے ہو۔''

''جی فہیم شیرازی جو بہرام شاہ کے قانونی محافظ ہیں۔''

''ہاں کچھ لوگوں سے بات ہو رہی تھی۔ انہیں اس پینل سے شکایت ہے مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ کبھی کبھی جارحانہ انداز اختیار کر لیتے ہیں۔''

''اور اسے بہرام شاہ کا تعاون حاصل ہے۔''

''بالکل اور بتایا گیا ہے کہ بہرام سرکاری حلقوں میں بہت بااثر ہے۔''

''بالکل ٹھیک یہ ہی اس کا مکمل تعارف ہے۔'' شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شکایت کیا ہے۔''

''سر اس جمہوری دور میں کسی سرمایہ دار کو یہ حق کہاں حاصل ہے کہ وہ اپنی جاگیر میں انسانوں کی تقدیر کا مالک بن جائے۔ لوگوں کی عزتیں اس کے قدموں تلے ہوں۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو یہ جرم ہے اور ہمیں اس جرم کے خلاف سرگرم عمل ہونا ہے۔''

''کسی نے شکایت کی ہے۔''

''میرے علم میں آیا ہے۔''

''گویا باقاعدہ کوئی شکایت نہیں ہے۔''

''نہیں سر۔''

''پھر کیا کرو گے۔''

''تحقیقات۔''

''گویا اس کا جرم تلاش کرو گے۔''

''جی ہاں۔''

''یہ کہنے کی ضرورت تو نہیں ہے کہ ہوشیار رہنا ہوگا۔ وہ بے شک کچھ نہ ہوگا لیکن اس کے اطراف مضبوط ہوں گے۔ تمہیں ان کا خیال رکھنا ہوگا۔''

''اللہ پر بھروسہ ہے جناب۔''

''میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔''

''سرکاری طور میں رپورٹ تیار کرتا ہوں اور آپ کیس پر تفتیش کی اجازت دیجیے۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ تم یہ کام کر کے میرے دستخط کرا لو۔''

''کام کر کے حاضر ہوا ہوں سر۔'' شہروز نے اپنے جیب سے کاغذات نکالے اور نیاز بیگ کے سامنے رکھ دیے۔ نیاز بیگ صاحب نے وہ ڈرافٹ پڑھا اور پھر اس پر دستخط کر کے اپنی مہر لگادی۔ پھر مسکرا کر بولے۔

''میرے بھرپور تعاون کے ساتھ میری دعائیں بھی تمہارے ساتھ ہیں۔''

''مجھے ان دعاؤں پر پورا بھروسہ ہے۔ اجازت چاہتا ہوں۔'' شہروز اپنے کاغذات سمیٹ کر اُٹھ گیا۔

☆......☆......☆

شاہ گڑھی کا سارا انتظام بہرام شاہ کے ہاتھوں میں تھا۔ سب کچھ اس کی مرضی سے ہوتا تھا لیکن کچھ امور ایسے بھی تھے۔ جس سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہی میں سے ایک یہاں کی ڈسپنسری تھی۔ ڈاکٹر جمشید یہاں کا انچارج تھا۔ دو نرسیں دو وارڈ بوائے ایک ڈسپنسر تھے۔ نرسیں ہی ڈاکٹرز تھیں۔ خود ڈاکٹر جمشید شکار کا شوقین تھا اور بہرام شاہ کی اس پر نظر کرم تھی۔ بس کافی تھا۔ مست مولا آدمی تھا۔ کام چل رہا تھا۔

کچھ عرصے قبل شاہ گڑھی میں ملیریا کی وبا پھیلی تھی اور خاصا نقصان ہوا تھا۔ تب ڈاکٹر جمشید نے ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ کو لکھا تھا کہ وہ اکیلا اتنی بڑی آبادی کو نہیں سنبھال سکتا۔ اسے ایک ڈاکٹر اور ایک لیڈی ڈاکٹر درکار ہے۔ اس بات کو عرصہ بیت گیا تھا۔ ملیریا ختم ہو گیا۔ بات بھی ختم ہوگئی۔ نہ ڈاکٹر جمشید کو اس کی پرواہ تھی کہ اس کی درخواست کا کیا بنا نہ محکمے والوں کو اس سے دلچسپی تھی۔ بات ختم ہوگئی تھی۔

اس وقت بھی موسم بے حد خوشگوار تھا اور ڈاکٹر جمشید اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا شکار کا منصوبہ بنا رہا تھا کہ ایک جیپ ڈسپنسری کے علاقے میں آ کر رکی۔ بہت عمدہ شکاری جیپ تھی۔ جمشید بے اختیار بول پڑا۔

''واہ...... کیا خوب چیز ہے۔'' جیپ سے ایک خوب صورت اور اسمارٹ لڑکی نیچے اتری تھی۔

''واقعی بہت خوبصورت ہے۔'' اس کے دوست نے کہا۔

''مگر یہ ہے کون۔'' ایک دوسرا دوست بولا۔

''کیا کون ہے۔''

''لل...... لڑکی۔''

''گدھے ہو تم...... میں جیپ کی بات کر رہا ہوں۔ شکار کے لیے بہترین پہاڑوں کی رانی مگر واقعی...... کون ہیں یہ دونوں شاہ گڑھی کے تو نہیں ہو سکتے۔''

''ہونہہ، شاہ گڑھی میں یہاں ایسے تر و تازہ لوگ کہاں ہوتے ہیں۔''

اسمارٹ لڑکی اور شاندار نوجوان ان کے قریب آ گئے۔ نوجوان نے قریب آ کر کہا۔

''ڈاکٹر جمشید۔''

''ہاں میں ہوں فرمائیے۔''

''یہ لوگ کون ہیں۔''

''یہ لوگ میرے دوست ہیں۔''

''آپ کو ان سے کب فرصت ملے گی۔''

''فرصت ہے فرمایئے۔''

''تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ایں...... ہاں...... آیئے۔'' ڈاکٹر جمشید اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ پھر وہ آر، ایم او کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

''تشریف رکھیے۔'' کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''شکریہ...... میرا نام مرتضٰی ہے اور یہ ناہید ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ آگے کہیے۔''

''یہ ہمارے کاغذات۔'' نوجوان نے فائل سامنے کرتے ہوئے کہا۔ جو اس کے ہاتھ میں تھی۔

''کاغذات...... کیسے کاغذات۔''

''آپ دیکھ لیجیے۔''

''ایں...... ہاں...... ضرور۔'' ڈاکٹر نے کاغذات کھول لیے پھر وہ انہیں غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''اوہو...... آپ دونوں ڈاکٹر ہیں۔''

''جی نہیں۔'' شہروز بولا۔

''کیا۔''

''ابھی کہاں ڈاکٹر ہیں۔ ہاؤس جاب بھی مکمل نہیں ہوا لیکن کام چل جائے گا۔''

''کیسے۔''

''بس والد صاحب ایک بڑے عہدے پر ہیں۔ سفارش ہو گئی۔ اب یہاں کچھ سیکھ لیں گے۔ کم از کم نوکری تو ملی۔''

''یہاں سیکھ لو گے۔'' ڈاکٹر جمشید نے قہقہہ لگایا۔

''جی آپ کے قدموں میں رہ کر۔''

''ایک بات کہوں۔ بالکل صحیح جگہ آئے ہو۔''

''جی یقیناً''

''میاں پوری بات تو سن لو۔ اس کے بعد تم بھی میری طرح قہقہے لگاؤ گے۔''

''سنائیے سر۔'' شہروز دلچسپی سے بولا۔

''یقین کرو۔ تم یہاں سیکھنے آئے ہوناں۔'' مگر میرا دعوی ہے کہ جو کچھ پڑھا ہے وہ بھی بھول جاؤ گے۔''

''وہ کیسے۔'' شہروز حیرت سے بولا۔

''جیسے میں بھول گیا۔''

''آپ کیسے بھول گئے۔ جناب۔'' ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... وہ میں بتاتا ہوں۔ پہلی بات یہ کہ یہاں کی آب وہوا بہت اچھی ہے۔ لوگ بیمار نہیں ہوتے۔ خواتین کی ضروریات ان کے گھروں میں پوری ہو جاتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ شازیہ اور راشدہ چلی جاتی ہیں۔''

''شازیہ اور راشدہ کون ہیں۔''

''ان ٹرینڈ نرسیں ہیں۔''

''ان ٹرینڈ۔'' شہروز ہنس پڑا۔

''ان کے رشتے داروں میں بھی کوئی عہدے دار ہوگا۔ اگر کوئی رشتے دار عہدے دار ہوتو پھر ٹریننگ کا جھگڑا بے کار ہوتا ہے۔ پوری ڈسپنسری وہی چلاتی ہیں۔ میرا کوئی دخل نہیں ہوتا۔''

''بہت خوب۔''

''چنانچہ عیش کرو۔''

''لیکن سر آپ نے ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ کو لکھا تھا۔''

''میاں نہ لکھتا تو لکھنا پڑھنا بھی بھول جاتا۔'' ڈاکٹر جمشید بولا۔ پھر اس نے کہا۔

''اب یہاں کوئی کام ہی نہیں ہے تو کیا کریں۔ ویسے زیادہ تر بیماریوں کا علاج شاہ جی کرتے ہیں۔''

''وہ ڈاکٹر ہیں۔''

''نہیں۔''

''پھر کون ہیں۔''

''شاہ گڑھی کے بادشاہ...... عامل روحانی علاج کے ماہر اور۔'' اچانک ڈاکٹر جمشید نے چونک کر ناہید کو دیکھا۔ پھر بولا۔ ''بہر حال ٹھیک ہے۔ تم دونوں جب تک دل چاہے۔ یہاں پر عیش کرو کوئی مشکل نہ ہوگی۔ رہائش بہت ہے۔ سارے کام آسانی سے ہو جاتے ہیں۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ ہاں ایک بات بتاؤ۔''

''جی۔''

''یہ جیپ سرکاری ہے۔''

''جی نہیں۔''

''تمہاری اپنی ہے۔''

''جی ہاں۔''

''کچھ اُدھار قرض کے قائل ہو۔''

''سمجھا نہیں۔''

''کبھی کبھی یہ جیپ ادھار دے دیا کرو گے۔''

''آپ کو۔''

''ہاں۔'' ڈاکٹر جمشید نے کہا۔ ''اصل میں میرے پاس بھی جیپ ہے۔ مگر عمر میں مجھ سے بھی بڑی ہے کانپتی اور کھانستی رہتی ہے۔ شکار کا سارا مزہ خراب کر دیتی ہے۔ میں کبھی کبھی احتیاط سے چلایا کروں گا۔''

''ضرور ڈاکٹر صاحب...... آپ جب دل چاہے اسے استعمال کریں۔'' شہروز نے کہا اور ڈاکٹر جمشید خوشی سے بولا۔

''ایڈوانس شکریہ، میں سب کو بلا کر تمہارا تعارف کرا دیتا ہوں۔ ابھی آیا۔'' ڈاکٹر جمشید باہر نکل گیا۔

دونوں کمرے پرانی طرز کے بنے ہوئے تھے۔ چونکہ پرانی طرز کے تھے۔ اس لیے حفظان صحت کے تمام تقاضے پورے کرتے تھے۔ بے حد کشادہ، روشن اور ہوادار تھے۔ بستر بھی صاف ستھرے تھے۔

''کمرے شاندار ہیں۔'' ناہید نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔

''اور ماحول بھی۔''

''سب مزے کر رہے ہیں۔ کوئی کام نہیں ہے اور تنخواہ لگی ہوئی ہے۔''

''ہوں اور ڈاکٹر جمشید۔''

''کیا خیال ہے۔ اس کے بارے میں۔'' ناہید نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''دلچسپ اور لاابالی آدمی ہے۔ البتہ بہرام شاہ کا نام لے کر اس نے ایک بار تشویش کی نظروں سے تمہیں دیکھا تھا۔''

''اتنے ٹکڑے کروں گی اس بہرام شاہ کے کوئی گن بھی نہیں سکے گا۔ ناہید اب وہ پرانی ناہید نہیں ہے۔'' ناہید نے کہا اور شہروز مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔

''ویسے معرکہ زبردست رہے گا۔ ایک مشکل تو خود بخود حل ہو گئی۔''

''وہ کیا۔''

''یہاں کے معاملات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے ڈاکٹر ہونے کا بھرم رہ جائے گا۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے۔'' ناہید نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''بس جیپ کی رشوت دینی ہوگی۔''

''پورا اسٹاف ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ سب مزے کر رہے ہیں۔'' ڈاکٹر جمشید جیپ ادھار لے کر نکل گیا تھا اور دوپہر کے بعد بارش ہونے لگی تھی۔ چنانچہ شازیہ اور راشدہ آگئیں۔ وہ ان کے لیے کچھ لائی تھیں۔

''کیا ہے یہ۔'' ناہید نے پوچھا۔

''پکوڑے، گلگلے بارش کا تحفہ ڈاکٹرنی صاحب، کھا کر دیکھو جی یہ چٹنی ہے۔''

''شکریہ...... تم نے پکائے ہیں۔''

''دونوں نے جی...... آپ آئے تو ابر رحمت چھا گیا۔''

''تم لوگوں نے کھائے۔''

''نہیں جی اب کھائیں گے۔''

''تو پھر ہمارے ساتھ ہی بیٹھ جاؤ۔'' دونوں نرسیں ان کے رویے سے خوش تھیں ناہید ان سے سوالات کرنے لگی۔ انہوں نے بھی وہی سب کچھ بتایا تھا۔ جو ڈاکٹر جمشید نے پھر ناہید نے چالاکی سے بہرام شاہ کے بارے میں گفتگو شروع کر دی۔ شہروز بظاہر بے تعلق نظر آ رہا تھا لیکن اس کے کان اسی گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔

''سنا ہے، بہت بڑے بزرگ ہیں بہرام شاہ صاحب۔''

''ملی ہو ان سے۔'' راشدہ نے کہا۔

''نہیں۔''

''کبھی نہ ملنا۔ بے موت ماری جاؤ گی۔''

''کیوں۔''

''عورت خور ہے۔ دانت لگائے بغیر کھا جاتا ہے۔''

''ارے نہیں لوگ بڑی عزت کرتے ہیں ان کی۔''

''کسی کو قسم دے کر پوچھنا۔ پھر وہ بتائے گا۔ کہ کون کتنی عزت کرتا ہے اس کی۔'' راشدہ نے کہا۔

''کیا مطلب۔'' ناہید نے حیرانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''بس جو کہا۔ آپ سے وہ کر کے دیکھ لینا'' آپ کو پتا چل جائے گا۔ یہاں اس کی کتنی عزت کی جاتی ہے۔''

''راشدہ مجھے کچھ بتاؤ تو سہی۔''

''بی بی جی یہاں بتانے کی سزا موت ہے۔'' اس بار شازیہ نے کہا۔

''اوہو۔ اس کا مطلب ہے تم مجھ پر شک کرتی ہو۔'' ناہید نے منہ پھلاتے ہوئے کہا۔

''ارے بی بی کیسی باتیں کرتی ہو۔ بھلا آپ پر شک کیوں کریں گے ہم۔'' راشدہ حیرت سے بولی۔

''تو اور کیا۔''

''مگر اس میں شک کی کیا بات ہوئی ڈاکٹرنی صاحبہ۔''

''تو یہاں اس وقت کیا بہرام شاہ کے آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں ہی تو ہوں جو تم سے پوچھ رہی ہوں اور تم کہہ رہی ہو کہ بتانے کی سزا موت ہوتی ہے۔'' ناہید نے کسی قدر ناخوشگوار انداز میں کہا۔

''ارے نہیں، نہیں یہ مطلب نہیں ہے۔''

''اگر آپ کی زبان سے کہیں یہ بات نکل گئی تو گردن کس کی پھنسے گی۔''

''تو میں کیا کہہ رہی ہوں۔ یہ ہی تو کہہ رہی ہوں کہ تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔ ٹھیک ہے، شازیہ میں نہیں پوچھتی۔'' ناہید نے ناراض ہونے کا مظاہرہ کیا۔

''نہیں ڈاکٹرنی صاحبہ آپ اتنی پیاری ہو جی آپ پر تو ہم کوئی شبہ کر ہی نہیں سکتے۔ اصل میں، میں آپ کو بتاتی ہوں۔'' راشدہ سب کچھ بتانے پر راضی ہوگئی پھر کہنے لگی۔

''ڈاکٹرنی صاحبہ وہ ایک خونخوار آدم خور ہے۔ آدم خور نہیں بلکہ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا کہ عورت خور ہے۔ بہت سے ایسے دکھ بھرے واقعات ہو چکے ہیں۔ یہاں کہ اگر ان پر غور کرو تو دل چاہتا ہے کہ چیختے ہوئے یہاں سے بھاگ نکلو۔ ہائے کیسی معصوم لڑکیاں اس کی بھینٹ چڑھ گئی ہیں۔ سب ہی جانتے ہیں اصل بات کیا ہے لیکن سب نے ہی آنکھیں بند کرلی ہیں۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے بھی جن کے گھر میں یہ حادثے ہوئے ہیں۔ بس کسی طرح اس کم بخت کی نظر پر چڑھ جائے کوئی سمجھ لو جی بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہزار حیلے بہانے سے اٹھوا لیتا ہے۔ بلوا لیتا ہے اور پھر بس دو ہی صورتیں ہوتی ہیں۔ اگر لڑکی عزت دار ہے اور اس نے خاموشی اختیار نہ کی تو پھر یوں سمجھ لو کہ کہیں نہ کہیں سے اس کی لاش برآمد ہو جاتی ہے۔''

''مگر یہ کیسے پتا چلتا ہے کہ اس نے اپنی عزت کھو دی ہے۔''

''بس ڈاکٹرنی صاحبہ پتا چل جاتا ہے۔ آخر ہم بھی تو ہیں۔ یہاں سب سمجھتے ہیں۔ سب جانتے ہیں۔''

''ڈاکٹر جمشید بھی جانتے ہیں۔''

''کون نہیں جانتا جی آپ یہ سمجھ لو کہ یہاں جو قدم جمانا چاہتا ہے۔ اس بہرام شاہ کے زیر کفالت آنا پڑتا ہے اور اگر کسی نے سرکشی کی تو باہر کا ہو تو کبھی واپس نہیں جاتا۔ بستی کا ہو تو کہیں نہ کہیں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور مجال ہے کہ کوئی یہ ثابت کر جائے۔ کہ یہ بہرام

شاہ کا شکار ہوا ہے۔''

''تب تو وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔''

''دیکھو ڈاکٹرنی جی! ہم اتنا تو نہیں جانتے کہ ڈاکٹر بننے کے لیے کیا کیا تجربے ضروری ہوتے ہیں لیکن آپ کو دیکھ کر یہ انداز ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی تجربہ ابھی آپ کو نہیں ہے ہماری مانو تو ایک کام ضرور کرنا۔''

''ہاں، بولو۔''

''بے ضرورت باہر مت نکلنا اور کوشش کرنا کبھی بہرام شاہ کے سامنے نہ آسکو۔''

''بات واقعی خطرناک ہے جی لیکن جو آپ سے کہا ہے۔ آپ کی بھلائی کے لیے ہے۔'' ''بڑی خطرناک بات ہے'' ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے اور پھر اللہ بری نظر سے بچائے اتنی خوب صورت ہو کہ بہرام شاہ تو آپ کو دیکھ کر ایک ہی نظر میں پاگل ہو جائے گا اور اس کے بعد آپ کے لیے کام شروع ہو جائے گا۔ جی مگر ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ آ گئی ہو تو کوئی موٹی موٹی باتوں کا خیال رکھنا۔ حالانکہ یہ مشکل ہے۔''

''کیا۔'' ناہید نے سوال کیا۔

''یہ ہی کہ آپ بہرام شاہ کی نگاہوں سے دور رہیں۔ ایک بات بتاؤ ڈاکٹرنی صاحبہ۔''

''پوچھو۔''

''یہ جو بڑے ڈاکٹر صاحب ہیں ناں۔ آپ کے ساتھ یہ آپ کے کون ہیں۔''

''کوئی نہیں راشدہ ظاہر ہے ہم لوگ ایک پیشے سے تعلق رکھتے ہیں۔ شہر کے بڑے ہسپتال میں ہم دونوں ساتھ ہاؤس جاب کرتے تھے۔ اس کے بعد ہماری ڈیوٹیاں بھی ایک ہی جگہ لگائی گئیں۔''

''معاف کرنا جی...... انہیں سمجھا دینا یہ بھی ذرا خیال رکھیں۔ کبھی بہرام شاہ کا راستہ کاٹنے کی کوشش نہ کریں۔ ویسے تو یہ سرکاری ہسپتال ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ یہاں کے سارے علاج بہرام شاہ ہی کر لیتا ہے۔ اُلٹے سیدھے ٹونے ٹوٹکے بتا دیتا ہے۔ لوگوں کو کبھی کبھی کسی کو فائدہ بھی ہو جاتا ہے۔ خود اپنے پاس جڑی بوٹیاں بھی رکھتا ہے۔ ایک اور خامی بتائیں آپ کو۔''

''ہاں ضرور، ظاہر ہے اگر تم سے یہاں کے بارے میں معلومات حاصل نہیں کروں گی تو اور کس سے کروں گی۔''

''ایک بات ڈاکٹر جمشید نے بھی کہی تھی اور ہم نے بھی اس کا تجربہ کیا تھا۔''

''کیا۔''

''جب بہرام شاہ کسی لڑکی کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ تو عام طور سے یہ ہی دیکھا گیا ہے کہ وہ سانپ کے کاٹے کا شکار ہوتی ہے۔''

''کیا مطلب۔''

''اندازہ یہ ہی ہے کہ بہرام نے زہریلے سانپ پال رکھے ہیں اور جب کسی کو ختم کرنا ہوتا ہے تو اس پر سانپ چھوڑ دیتا ہے۔

ہمارے پاس کئی رپورٹیں آئی ہیں۔ ڈاکٹر جمشید نے پوسٹ مارٹم بھی کیے ہیں۔ سانپ کے کاٹے کے نشان بھی ملتے ہیں اور سانپ ہی کا زہر ان کے جسموں میں پایا جاتا ہے۔'' راشدہ نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''ناہید نے ایک جھرجھری سی لی تھی...... پھر اس نے کہا۔''

''تو کیا وہ سپیرا ہے۔''

''اتنے بڑے لوگوں کے لیے سپیرا ہونا ضروری تو نہیں ہے۔ ہزاروں سپیرے اس کے لیے کام کرتے ہوں گے۔''

''کبھی کوئی ایسا جیالا پیدا نہیں ہوا۔ یہاں تمہاری اس شاہ گڑھی میں جو بہرام شاہ کے ان گندے اعمال کو منظر عام پر لائے۔''

''نہیں جی! حالانکہ بستی کے لوگ اس بات کی آرزو کرتے ہیں کہ کوئی ایسا جوان اس بستی میں پیدا ہو جائے۔ جو انہیں بہرام شاہ کی برائیوں سے نجات دلا سکے۔''

''یہاں پولیس چوکی بھی تو ہے۔'' ناہید نے کہا اور راشدہ ہنس پڑی۔

''ہاں پولیس والا افسر جو ہے ناں وہ سب سے پہلے صبح ہونے کے بعد اللہ کا نام لینے کی بجائے بہرام شاہ کا نام لیتا ہوگا۔ اسی کے بل پر چل رہا ہے وہ۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' ناہید نے آہستہ سے کہا۔ پھر بولی۔

''بہرحال تم بہت اچھی ہو۔ میری دوست ہو۔ بھول کر بھی نہ سوچنا کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی ایسا رشتہ ہے۔ میں تمہیں اپنی دوست سمجھتی ہوں۔''

''آپ کی مہربانی جی۔ اس طرح ذرا ساتھ رہنے میں مزہ آجاتا ہے۔ بہرام کی بات بھی ہم نے آپ کو اس لیے بتائی۔''

''بہرام شاہ کو شادیاں کرنے کا شوق نہیں۔''

''نہیں جی اسے اس کی کیا ضرورت اپنی پسند ہر طرح حاصل کر لیتا ہے۔''

''اس کی موجودہ بیوی کون ہے۔''

''عائشہ۔'' راشدہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''کیوں تم نے ٹھنڈی سانس کیوں بھری۔''

''بس ڈاکٹرنی جی عجیب سی کہانی ہے۔ عائشہ کی بھی۔''

''کیا۔''

''یہیں کی بچی ہے۔ اچھا خاصا گھر تھا۔ بڑے عزت دار لوگ تھے۔ اس کے ماں باپ پر نجانے کہاں چلے گئے گم ہی ہو گئے۔''

''چند افراد پر مشتمل گھرانہ تھا۔ حیدر علی عائشہ کا باپ تھا۔ صفدر علی اس کا بیٹا تھا۔ بیوی اور بے چاری عائشہ پھر یوں ہوا بستی والوں

کو اچھی طرح معلوم ہے کہ عائشہ بہرام شاہ کی نگاہ پر چڑھ گئی۔ اس وقت شاید وہ ناتجربے کار تھا۔ تھوڑا سا..... شادی کے لیے بات کی حیدر علی نے انکار کر دیا لیکن پھر عائشہ سے شادی بھی ہوگئی۔ بہرام شاہ کی اور اس کے بعد حیدر علی اور صفدر علی اور اس کی بیوی یہاں سے کہیں چلے گئے۔"

"عائشہ اس کی بیوی اب بھی ہے۔"

"ہاں، جی۔ پکی حویلی میں رہتی ہے۔ مگر شاید ہی کبھی اس سے کسی کی ملاقات ہوئی ہو۔"

"اور اس کے ماں باپ کا کہیں پتا نہیں چل سکا۔"

"جو لوگ قبر کی گہرائیوں میں دفن ہو جاتے ہیں۔ ان کا کہیں کبھی پتا نہیں چلتا۔ ڈاکٹرنی صاحبہ۔"

"اور بہرام کی پہلی بیوی غزالہ۔"

"اس کا پوسٹ مارٹم ڈاکٹر جمشید نے ہی کیا تھا۔"

"کیا مطلب۔"

"سانپ کے کاٹے کا شکار ہوگئی تھی۔"

"اور بیٹا۔"

"بیٹا اس کی آنکھوں کا نور ہے۔ اس کے بعد ہونے والا شاہ..... بھلا اسے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

ناہید خاموش ہوگئی۔ شہروز نے اس انداز میں ایک ہاتھ اٹھایا جیسے آستین سیدھی کر رہا ہو لیکن اصل میں یہ ایک اشارہ تھا۔ ناہید کے لیے جو کہ معلومات وہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسے حاصل ہوگئیں تھیں اور انہیں پر بس کر لیا جائے۔ زیادہ گفتگو کرنے سے یہ عورتیں کہیں شبے کا شکار نہ ہو جائیں۔ چنانچہ ناہید خاموش ہوگئی۔

"آپ کھاؤ جی..... اور کھاؤ۔"

"نہیں راشدہ..... بس تمہارا بہت شکریہ..... ایسے موسم کے لحاظ سے تم نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ میں تمہاری شکر گزار ہوں۔ باقی بچے ہوئے تم لے جاؤ۔ دوسروں کے کام آئیں گے۔" اور اس کے بعد وہ دونوں وہاں سے اُٹھ گئی تھیں۔

ان دونوں کے جانے کے بعد ناہید نے شہروز سے کہا۔

"گویا اس کے بعد آپ کو مزید معلومات کی ضرورت نہیں تھی۔"

"اس کے بعد وہ ہمیں کچھ اور معلومات فراہم بھی نہیں کر سکتی تھیں ناہید۔" شہروز نے جواب دیا۔

"ہوں تو سر پھر اب کیا پروگرام ہے۔"

"معاملات مجھے لگتا ہے۔ کافی کامیابی کے ساتھ آگے بڑھیں گے۔ ہم نے بہت ہی مختصر وقت میں ٹھیک ٹھاک معلومات حاصل کر لی ہیں۔ اب اس کے بعد ہم اپنے کام کا آغاز نہایت خوب صورتی سے کر سکیں گے۔"

''ایک بات بتایئے۔ مسٹر شہروز۔''

''جی۔''

''ان لوگوں کی ضرورت تو نہیں ہے۔''

''کارواں گروپ کی۔''

''ہاں۔''

''میرا خیال ہے۔ ابھی نہیں جب ضرورت ہو گی انہیں طلب کر لیں گے۔''

''او کے، اب اس کے بعد ہمیں نیا پروگرام ترتیب دینا ہے۔'' ناہید نے کہا اور شہروز سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر ڈاکٹر جمشید آ گیا۔

''تم لوگ یہاں آ کر کسی پریشانی کا شکار ہو۔'' اس نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

''نہیں سر آپ کو یہ خیال کیوں آیا۔''

''تمہاری سرد مہری دیکھ کر۔''

''نہیں سر، بہر حال اجنبی جگہ ہے۔'' شہروز نے مسکرا کر کہا۔

''ایک ایسی جگہ بھی اجنبی ہوتی ہے۔ جہاں انسان پیدا ہو جوان اور پھر بوڑھا ہو جاتا ہے کیا سمجھے۔'' اس نے کہا۔

''آپ سمجھیں مس ناہید۔'' شہروز نے ناہید کو گھورتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' ناہید معصومیت سے بولی۔

''خرگوشوں کی طرح سہمے ہوئے ایک گوشے میں بیٹھے رہو گے۔ تو ماحول سے اجنبی رہو گے۔''

''تو پھر کیا کریں۔''

''یہ جیپ جو ساتھ لائے ہو۔ اس میں آگ لگا دو۔''

''جی۔'' شہروز حیرت سے بولا۔

''میرے پاس ایسی جیپ ہوتی تو اب تک دنیا کے سفر پر نکل چکا ہوتا۔ برخوردار اور برخورداری گھومو، پھرو، ہنسو، بولو، لائف انجوائے کرو۔''

''سر ڈیوٹی از ڈیوٹی۔''

''بکومت۔'' ڈاکٹر بے اختیار بولا۔ پھر چونک کر انہیں دیکھا اور بولا۔ ''سوری تم نے یہاں کسی کو ڈیوٹی کرتے دیکھا ہے بولو دیکھا ہے۔''

''اور آپ۔''

''میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہاں کام کرنے کا کوئی رواج نہیں ہے اور کام بھی نہیں ہے۔ تم ڈیوٹی پر الرٹ رہو گے تو لوگ تمہیں بیوقوف سمجھیں گے۔ تمہاری مرضی ہے۔ بیوقوف کہلاؤ۔''

''اور پھر ہم کیا کریں۔''

''جتنے عرصے یہاں ہو۔ عیش کرو، تعلیم حاصل کی ہے۔ ہاؤس جاب کیا ہے۔ اس پورے دور کی تھکن اُتارو اور جب تازہ دم ہو جاؤ تو یہاں سے کہیں اور ٹرانسفر کرا لو ورنہ جو لکھا پڑھا ہے۔ سب کچھ بھول جاؤ گے۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے کی طرف چل پڑا۔ پھر دروازے پر رک کر بولا۔

''میری طرح۔''

پھر وہ باہر نکل گیا تھا۔ ڈاکٹر جمشید واقعی مزے کا آدمی تھا اور پھر اس مختصر وقت میں ان لوگوں نے یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ واقعی شاہ گڑھی میں ڈسپنسری کا ہونا یا نہ ہونا یکساں ہی حیثیت رکھتا ہے۔ کوئی رخ ہی نہیں کرتا تھا۔ اس کی وجہ بھی غالباً یہ ہی ہو سکتی تھی کہ یہاں آنے والے کو کبھی کوئی فائدہ ہی نہ ہوا ہوگا۔ کوئی توجہ ہی نہیں دیتا تھا۔ بس نام نہاد ڈسپنسری چل رہی تھی۔

بہر حال ان دونوں نے اب تک یہاں کے حالات کا بہترین جائزہ کر لیا تھا اور اپنے لیے لائحہ عمل بھی طے کر لیا تھا کہ انہیں کس انداز میں کام کرنا ہے۔ ڈاکٹر جمشید ان کی جیپ سے بہت خوش تھا اور دوبارہ اس کو لے جا چکا تھا۔ شہروز بھی ٹھیک ٹھاک تھا سرکاری تنخواہیں ملتی تھیں پھر بھلا کسی کو کس اُلجھن میں مبتلا ہونا پڑتا۔

آخر کار طے شدہ منصوبے کے تحت انہوں نے شاہ گڑھی کا پہلا چکر لگایا اور اس کے مختلف علاقوں کو دیکھتے رہے رحمان نامی ایک وارڈ بوائے ان کی مدد کر رہا تھا اور ہر جگہ کے بارے میں بتاتا جا رہا تھا۔ چھوٹی سی بستی کا گھومنا پھرنا ہی کیا تھا لیکن شاہ گڑھی کے آس پاس کے علاقے بھی کافی خوب صورت تھے باغات لہلہا رہے تھے پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ البتہ ایک دلچسپ بات تھی کہ یہاں چوریاں وغیرہ نہیں ہوتی تھیں۔ خصوصاً باغات کے یہ لدے ہوئے پھل لوگوں کو للچاتے نہیں تھے۔ آخر کار شہروز نے کہا۔

''ناہید یہاں جو کچھ دیکھا گیا ہے ہمیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ خوش تو نہیں ہیں لیکن جو بہرام شاہ کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ انہیں کوئی پریشانی بھی نہیں ہے۔''

''ہاں۔''

''اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ تم بہرام شاہ کی نگاہوں میں آؤ۔'' ناہید نے مسکرا کر شہروز کو دیکھا۔ تو شہروز نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔

''ناہید تو تم ہی ایک ایسے شخص کے لیے کافی ہو۔ جو بدکار ہے۔ باقی رہا دوسرا معاملہ تو تم اطمینان رکھو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تمہاری عزت پر کوئی حرف آیا تو شاید ایک نئی کہانی جنم لے۔''

''جذباتی ہوگئے۔''

''تمہارے سلسلے میں بہت جذباتی ہوں۔'' شہروز نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور ناہید اسے چونک کر دیکھنے لگی۔

''شہروز۔''

''ہاں ناہید کیا سمجھتی ہو تم مجھے۔''

''سوری یار! میں نے تو بس یوں ہی شرارت سے کہہ دیا تھا۔''

''سوری ناہید۔ بہرحال انسان ہوں۔ کبھی کبھی جذبات ابھر ہی آتے ہیں۔''

''بڑا مزہ آیا اس گفتگو میں۔''

''پھر اب تم یوں کرو۔ اطراف بھی دیکھ لیے ہیں اب تم نے اب ہم اس کم بخت کے بارے میں یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس کے اپنے مشاغل کیا ہوتے ہیں۔ تم یوں کرو کہ چوبیس گھنٹے کا ایک پروگرام ترتیب دے لو۔ بلکہ چوبیس گھنٹے نہیں۔ ظاہر ہے رات تو اس میں شمار نہیں کی جاسکتی۔ بارہ بارہ گھنٹے، یعنی پورا پورا دن، جیپ لے کر اطراف کا جائزہ لو اور کوشش کرو کہ اس کی نگاہ میں آؤ اور اگر اس طرح ممکن نہ ہوسکے تو پھر دوسرا قدم اُٹھائیں گے۔''

''وہ کیا ہوگا۔''

''ڈاکٹر جمشید ہمیں اس کمبخت کے پاس لے جائے گا اور ہم اس کی سپاس گزاری کا مظاہرہ کریں گے۔ ظاہر ہے اس کی قدم بوسی سے لوگوں کو فائدے ہی ہوتے ہیں۔''

''ہوں ٹھیک ہے ایسا کر لیتے ہیں۔'' ناہید نے جواب دیا اور اس کے بعد ناہید جیپ میں بیٹھ کر نکل گئی۔

صبح نو بجے ناشتے سے فراغت ہونے کے بعد وہ جیپ لے کر آوارہ گردی کو نکل گئی تھی۔ ڈاکٹر جمشید آرام سے اپنا کام کرتا رہتا تھا۔ وہ اسی بات کا قائل تھا کہ جیو اور جینے دو۔ خود بھی عیش کرو اور دوسروں کے عیش میں بھی دخل اندازی نہ کرو۔ اسے بس شکار کا شوق تھا ناہید تھوڑی سی دور چلی تھی کہ سورج چھپ گیا آسمانوں پر بادلوں کے ٹکڑے جمع ہونے لگے۔ اس دوران وہ اس علاقے کو اتنا دیکھ چکی تھی کہ کہیں بھی ہو ڈسپنسری پہنچنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوسکتی تھی۔ پھر وہ باغات کے ایک سلسلے کے پاس سے گزر رہی تھی کہ اس نے ایک خوب صورت اور قیمتی گاڑی دیکھی۔ یہاں اس جگہ اتنی قیمتی کار ظاہر ہے ایک ہی شخص کے پاس ہوسکتی تھی اور وہ تھا بہرام شاہ۔

چنانچہ ناہید نے عقب نما آئینے میں کار کا جائزہ لیا اور اس کے بعد اپنا عمل شروع کر دیا اور فوراً ہی ایک ایسے پتھر پر اپنی گاڑی کا پچھلا ٹائر چڑھا دیا جو خاصا اونچا تھا اور اس کے بعد اس نے انجن بند کر دیا۔ پھر وہ نیچے اُتری اور پتھر پر چڑھے ہوئے ٹائر کو دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ سفید رنگ کی قیمتی کار سست رفتاری سے اس کی طرف آرہی تھی۔

چنانچہ چند لمحات کے بعد وہ اس کے قریب پہنچ گئی اور اس سے ایک خوب صورت سا نوجوان باہر نکل آیا۔ ناہید نے ایک لمحے میں

اس کا جائزہ لے لیا تھا۔ عمر سولہ، سترہ یا اٹھارہ سال کے قریب ہوگی۔ بہت ہی معصوم چہرہ تھا لیکن جسامت سے وہ ایک مکمل مرد معلوم ہوتا تھا۔ چہرے کی معصومیت ہی عمر کا احساس دلاتی تھی۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے ناہید کو دیکھا اور ناہید کے ہونٹوں پر ایک دلآویز مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہیلو۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ یہ دیکھ چکی تھی کہ نوجوان کار میں اکیلا ہی ہے۔ اس کے مخاطب کرنے سے نوجوان کی ہمت بھی بندھی اور وہ دو قدم آگے بڑھ آیا۔

''ہیلو۔''

''دیکھ رہے ہیں آپ اس پتھر نے کس طرح مجھ پر پتھراؤ کیا ہے۔'' ناہید بولی اور نوجوان مسکرا دیا۔

''پتھر اور پتھراؤ۔''

''تو اور کیا مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ جیپ کا ٹائر اس پر چڑھ جائے گا۔''

''تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔''

''میں نہیں نکال پارہی اسے۔''

''پلیز میری مدد کیجیے۔''

''ابھی لیجیے۔'' نوجوان نے کہا اور اس کے بعد اس نے بڑے اطمینان سے اپنی کار اسٹارٹ کی اسے آگے بڑھایا۔ جیپ کے پیچھے لگایا اور فرسٹ گیئر میں ڈال کر جیپ کو دھکا دے دیا۔ ناہید کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

''او کے آپ کی کار تباہ ہو جائے گی۔''

''ہو جانے دیجیے کم از کم آپ کی پریشانی تو دور ہوگئی۔''

''دیکھیے تو سہی اس کے بمپر کو نقصان تو نہیں پہنچا۔''

''نہیں پلیز آپ نہ دیکھیے۔''

''آپ کا بیحد شکریہ۔''

''بس۔'' نوجوان بولا اور ناہید اسے چونک کر دیکھنے لگی۔

''جی میں سمجھی نہیں۔''

''ویسے بہت بری بات ہے۔ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ جس نے یہ لفظ ایجاد کیا ہے۔ اس نے انسانوں پر بڑی زیادتی کی ہے۔''

''ارے واہ...... کیسے۔'' ناہید نے سوال کیا۔

''کوئی کتنے ہی نیک جذبے کے تحت کسی کے لیے کوئی کام کرے اس کا معاوضہ شکریہ کی شکل میں ادا ہو جاتا ہے۔ اب آپ آگے

بڑھ جائیں گے اور بھول جائیں گی کہ آپ کے لیے کسی نے کچھ کیا تھا اور اگر کسی کے دل میں یہ خواہش ہو کہ وہ کسی سے کچھ باتیں کرے تو وہ دل مسوس کر رہ جائے گا بس یہ ہی ہوگا۔'' ناہید نے دلچسپ نگاہوں سے نوجوان کی طرف دیکھا اور بولی۔

''آپ تو کمال کی شخصیت ہیں۔''

''چھوڑیے میڈم جائیے شکریہ ادا کر لیا آپ نے بات ختم ہوگئی۔''

''تو میں اپنا شکریہ واپس لے لیتی ہوں۔'' ناہید نے کہا اور نوجوان عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر ہنس پڑا اور بولا۔

''آپ بہت اچھی باتیں کرتی ہیں۔''

''اور آپ نہیں۔''

''پتا نہیں، کبھی کسی نے میری تعریف نہیں کی۔''

''تو پھر اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے میری جیپ کے ساتھ آئیے ایسی جگہ بیٹھتے ہیں جو خوب صورت ہو۔ دیکھئے نا آسمان کا کیا حشر کیا ہے بادلوں نے۔ زمین کے رہنے والے اس منظر کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں، آئیے پلیز۔''

نوجوان کے چہرے پر عجیب سی خوشی نظر آئی تھی۔ ناہید نے اپنی جیپ میں بیٹھ کر اپنی جیپ اسٹارٹ کر دی اور نوجوان کی کار اس کے پیچھے چل پڑی۔ ناہید اپنے طور پر یہ اندازہ لگا چکی تھی کہ یہ کوئی شخصیت ہی ہے۔ جس طرح آزادانہ وہ یہاں گھوم پھر رہا ہے اس سے اس ماحول کا شناسا بھی معلوم ہوتا ہے۔ پھر فوراً ہی اس کے ذہن میں فیروز شاہ کا نام آیا تھا جو بہرام شاہ کا بیٹا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ تو ایک بہت اچھا کردار ہاتھ لگا ہے۔ چنانچہ وہ اسے ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ چند لمحوں کے بعد عقب سے ہارن کی آواز سنائی دی اور ناہید نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ غالباً وہ اس سے سائیڈ مانگ رہا تھا۔ ناہید نے جیپ ایک طرف کر لی اور نوجوان اس کے قریب پہنچ گیا۔

''میں آپ کی رہنمائی کرتا ہوں۔ آئیے۔''

''او کے۔'' ناہید بولی اور نوجوان نے اپنی کار آگے نکال لی۔ رفتار سست ہی رکھی تھی آگے چل کر راستہ کچا تھا وہ اس کچے راستے پر اُتر گیا اور ناہید نے بھی جیپ اس کے پیچھے لگا رکھی تھی۔ جہاں اس سفر کا اختتام ہوا تھا۔ وہ ایک انتہائی خوب صورت باغ تھا۔ اس کا احاطہ خاردار تاروں سے کیا گیا تھا اور ان خاردار تاروں کے دوسری جانب پھل دار درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ ایک بڑا سا گیٹ بنا ہوا تھا۔ جو ایک بیل ہی کی طرح سے بنایا گیا تھا۔ کار اس میں داخل ہوگئی۔

تھوڑے ہی فاصلے پر ایک خوشنما عمارت بنی ہوئی تھی اور واقعی اس قدر خوشنما تھی کہ دیکھ کر جی خوش ہو جائے۔

عمارت کے سامنے ہی کار رک گئی اور ناہید نے بھی اپنی جیپ کار کے سامنے لاکھڑی کی پھر نیچے اترتی ہوئی بولی۔

''واہ...... یہ تو انتہائی حسین جگہ ہے۔'' نوجوان بھی کار سے اُتر آیا تھا۔

''آپ کو پسند آئی۔''

''کمال کی جگہ ہے۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ شاہ گڑھی جیسے ایسے چھوٹے علاقے میں کوئی اتنی خوب صورت جگہ بھی بنائی گئی ہوگی۔''

''کہیں باہر سے آئی ہیں۔ آیئے۔'' نوجوان نے کہا اور ناہید اس کے ساتھ بے تکلف سی آگے بڑھ گئی۔ نوجوان اسے عمارت کے عقبی حصے میں لے گیا۔ حسین ترین شیڈ بنائے گئے تھے۔ بڑا سوئمنگ پول تھا۔ جس پر درمیان تک جانے کے لیے راستہ بنایا گیا تھا۔ یہ راستہ پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ بے حد شفاف پانی تھا۔ وہ درمیان کی جگہ جو بنائی گئی تھی۔ اچھی خاصی چوڑی تھی اور حسین ترین کرسیاں رکھی گئی تھیں اوپر بھی ایک محرابی چھت بنائی گئی تھی۔ ناہید نے آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکی اور بولی۔

''یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے کوئی حسین خواب دیکھا جا رہا ہو۔'' نوجوان مسکرا دیا پھر بولا۔

''آیئے پانی کے درمیان بیٹھ کر بہت اچھا لگتا ہے۔''

عمارت میں ملازم بھی نظر آئے تھے۔ جنہوں نے صرف دور سے دیکھنے پر اکتفا کیا تھا۔ بہر حال ناہید نوجوان کے ساتھ سوئمنگ پول کے درمیانی حصے میں جا بیٹھی پھر اس نے کہا۔

''جناب آپ دیکھ لیجیے کتنے اعتماد کا ثبوت دیا ہے۔ میں نے نہ اب تک کوئی تعارف ہوا آپ سے اور نہ کوئی اور بات اور میں آپ کے ساتھ یہاں تک چلی آئی۔''

''اس لیے کہ آپ کا تعلق شہر سے ہے اور ایک شہری ہو کر بھی اگر آپ اس قدر جرأت مند نہ ہوتیں تو ذرا تعجب کی بات تھی۔''

''ویری گڈ آپ کو شہر کا اچھا خاصا تجربہ لگتا ہے۔''

''جی ہاں حالانکہ میں نے شہر بہت کم دیکھا ہے۔''

''تو کیا اب بھی ہم ایک دوسرے سے تعارف حاصل نہیں کریں گے۔''

''بیٹھیے یہ بتایئے کہ آپ کیا پینا پسند کریں گی۔''

''اس حسین ماحول میں کوئی گرم ہی چیز بہتر رہے گی۔''

''کافی۔''

''یہاں مل سکے گی۔''

''میں نے انتظام کیا ہے۔''

''آپ نے۔''

''جی ہاں۔''

''گویا یہ جگہ۔''

''جی ہاں یہ میرا باغ ہے۔''

''واہ، تب تو یوں لگتا ہے کہ میں ایک بہت بڑے آدمی سے اتفاقیہ طور پر متعارف ہوگئی ہوں۔'' نوجوان ہنسنے لگا پھر بولا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ کا جو دل چاہے کہیں۔ ظاہر ہے میں آپ کے الفاظ پر پابندی تو نہیں لگا سکتا۔''

''اب یہ تو بتا دیجیے کہ آپ کون ہیں۔''

''فیروز ہے۔ میرا نام۔''

''میں ناہید ہوں۔''

''خوب برا تو نہیں مانیں گئیں اگر کچھ کہوں۔''

''اب تک مانی ہوں۔''

''اب تک۔ میرا خیال ہے کہ میں نے کوئی ایسی بات ہی نہیں کی۔''

''کہیں۔''

''ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔'' ناہید ہنس پڑی پھر بولی۔

''تو بتائیے وہ کون سی بات تھی جس کا میں برا مان سکتی ہوں۔''

''آپ کے نام کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔''

''کہیے۔''

''یہ نام آپ نے خود رکھا ہے۔ یا والدین نے۔''

''نہیں بھئی میرے والدین نے ہی رکھا ہے۔''

''تب وہ بڑے خوش ذوق ہوں گے اور انہوں نے تو مولودیت ہی میں آپ کا مستقبل دیکھ لیا ہوگا۔''

''کمال ہے فیروز صاحب حالانکہ آپ کی عمر اتنی بڑی نہیں لیکن آپ کی باتیں بہت بڑی ہیں۔''

''مس ناہید میری عمر بڑی زیادہ ہے۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔''

''نہیں فیروز صاحب بات جھوٹ بولنے کی نہیں ہو رہی۔''

''پتا نہیں عمر صرف ماہ و سال کی گردش کو کہا جاتا ہے۔ یا تجربے کی بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔''

''واہ فیروز صاحب تجربے کی عمر بھی تسلیم کی جاتی ہے۔''

''میں اپنی اسی عمر کی بات کر رہا تھا۔''

''کمال کی شخصیت ہے آپ کی، آپ کیا کرتے ہیں۔''

''بس یونہی آوارہ گردی کرتا رہتا ہوں۔ اپنی اداسیوں کو دفن کرنے کیلیے ایک قبر کی تلاش۔'' اس نے جواب دیا اور ناہید سنجیدہ ہو گئی۔

''پلیز فیروز صاحب اس عمر میں ایسی باتیں۔''

''وہی تو بد قسمتی ہے کہ تجربے نے بوڑھا کر دیا ہے۔ آپ یقین کریں دل نہیں لگتا اس دنیا میں۔''

''کیوں۔''

''بس یونہی۔'' وہ عجیب انداز میں بولا۔

''آپ یہیں رہتے ہیں۔''

''جی ہاں...... یہ میرا باغ ہے۔''

''یہاں زیادہ تر زمینیں اور باغات وغیرہ بہرام شاہ کے ہیں۔''

''وہ میرے والد ہیں۔''

''اوہ...... آپ فیروز شاہ ہیں...... اوہ...... میرا دماغ بھی کتنا خراب ہے۔ آپ نے اپنا نام فیروز بتایا۔ میں نے صرف فیروز مان لیا۔ فیروز شاہ صاحب معاف کیجیے گا۔ میں نے آپ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی۔ اصل میں مجھے آپ کے مرتبے کا خیال نہیں تھا۔'' اس نے کہا۔

''کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ میرا مرتبہ زمین میں دفن کر دیں اور مجھے صرف فیروز رہنے دیں۔''

''آپ کچھ عجیب سی باتیں نہیں کر رہے۔''

''لگ رہی ہوں گی آپ کو اور سوچ رہی ہوں گی آپ کہ ایک خوب صورت لڑکی کو دیکھ کر میں نے بہکنا شروع کر دیا ہے۔ پلیز ایسا نہ سوچیے۔ آپ کی عزت، آپ کا احترام آپ کی امانت ہے میرے پاس۔ میں آپ کی امانت میں کبھی خیانت نہیں کروں گا۔''

''بہت نفیس انسان ہیں آپ، آپ کی ایک ایک بات میرے دل پر نقش چھوڑ رہی ہے۔'' ناہید نے کہا اور فیروز بولا۔

''ناہید جی! بس کوئی شکایت نہیں کروں گا دنیا کی اپنے ماحول کی اپنی تقدیر کی لیکن جب کوئی ایسا مل جاتا ہے۔ جو انسانی احساسات و جذبات کو سمجھنا جانتا ہے۔ تو نجانے کیوں دل میں یہ خواہش بیدار ہو جاتی ہے کہ اس سے اپنی کیفیت کی باتیں کی جائیں۔''

''آپ ضرور کیجیے۔''

''نہیں ناہید جی! میں ایک بار پھر معافی چاہوں گا۔ شاید میں ضرورت سے زیادہ سے زیادہ فضول باتیں کر چکا ہوں۔''

''نہیں بالکل نہیں...... آپ چھوڑیے ان باتوں کو اپنے مشاغل بتایئے آپ کیا کرتے ہیں۔''

''سچ ناہید کچھ بھی نہیں کرتا۔ صبح جاگتا ہوں۔ تھوڑی سی ورزش کرتا ہوں۔ ناشتا کرتا ہوں اور پھر اس کے بعد سوچتا ہوں کہ کیا کروں۔ دو پہر تک یہ سوچتا رہتا ہوں۔ یہاں تک کہ لنچ کا وقت ہو جاتا ہے۔ لنچ کرتا ہوں اور اس کے بعد ایک گھنٹہ آرام کرنے کی ہدایت

ہے۔ پھر میرے اتالیق آجاتے ہیں۔ مجھے دنیا کے بارے میں بتاتے ہیں اور میں وہ باتیں ذہن نشین کر لیتا ہوں...... چار بجے کے بعد پھر رہائی مل جاتی ہے لیکن میں اسے رہائی نہیں قید سمجھتا ہوں۔ میں اپنے خیالات اپنے احساسات میں قید رہتا ہوں۔ ناہید جی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری قید کی یہ مدت کتنی طویل ہوگی۔"

"معافی چاہتی ہوں فیروز صاحب۔"

"خدا کے لیے آپ مجھے شاہ نہ کہیے۔ صرف فیروز کہیں۔ میرے اس مطالبے میں بے تکلفی کا وہ اظہار نہیں ہے۔ جو فلموں میں ہیرو یا ہیروئن ایک دوسرے کو کہتے ہیں۔ اپنی قربت کا اظہار کرنے کے لیے بلکہ اس لفظ شاہ کے ساتھ مجھے شرم آتی ہے۔ شاہ آزاد ہوتے ہیں۔ قیدی نہیں ہوتے۔ آپ مجھے صرف فیروز کہیں۔"

"میں نے آپ کا دل دکھایا۔ مجھے معاف کیجیے گا۔ پتا نہیں آپ کو کیا غم ہے۔"

"پوچھ لیجیے کسی کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا لیکن ٹھہریے میں پہلے کافی کے لیے کہہ دوں۔" فیروز شاہ نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر اسے راستے سے آگے بڑھ گیا۔

ناہید ایک لمحے کے لیے اس کی ہمدردی کا شکار ہوگئی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے اسے اپنے منصب کا خیال آیا۔ فیروز شاہ کی باتیں بتاتی تھیں کہ وہ اپنے ماحول سے باغی ہے۔ پتا نہیں اس کے سینے میں کیا کیا راز چھپے ہوں گے۔ یہ تو ایک بہت اچھا دوست ثابت ہو سکتا تھا۔ لیکن فوراً ہی سارے راز حاصل کر لینا بھی مناسب نہیں ہوگا۔ بہر حال وہ انتظار کرتی رہی۔ فیروز واپس آگیا تھا۔

"اور اب جب میں اندر جانے کے بعد واپس آیا ہوں۔ تو میں نے دل میں سوچا کہ کیا حماقت کی باتیں کر ڈالی ہیں میں نے آپ سے۔ کسی کے اس طرح مل جانے کے بعد اور وہ بھی اس طرح کہ جو ایک مہربان شخصیت ہو۔ تو بجائے خوشگوار گفتگو کے اسے دکھوں میں ڈال دینا کہاں کی بات ہے۔" ناہید نے اپنے چہرے پر افسردگی طاری کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں فیروز صاحب اگر کوئی شناسا ہی مل جائے اور وہ اپنے دل میں کسی کے لیے پسندیدگی اور محبت کے جذبات رکھتا ہو۔ معاف کیجیے گا میری محبت کو بھی آپ وہ محبت نہ سمجھ لیں جو ایک عجیب انداز کی چیز ہوتی ہے۔ میں تو کہتی ہوں کہ اس کے بعد دل تو یہی چاہتا ہے کہ ساتھی کے سارے دکھ معلوم کر لیے جائیں۔"

"ساتھی۔"

"ہاں...... دوست کہہ لو۔"

"نہیں، آپ یقین کریں اتنا اتنا خوب صورت لفظ کہا ہے آپ نے کہ دل مچل گیا ہے۔"

"کیا کہتا ہے دل۔"

"یہ کہ سچ مچ آپ ساتھی ہی سمجھیں۔"

''چلیے سمجھ لیا۔''

''شکریہ، صرف لفظ ہی کی بات نہیں ہوگی، ہر لفظ ایک وزن رکھتا ہے۔ ایک قیمت رکھتا ہے۔ آپ یہ وزن اور قیمت بھی ملحوظ خاطر رکھیں۔''

''ٹھیک ہے۔''

''تو ناہید جی! اب آپ مجھے اپنے بارے میں بتایئے۔ یہ جیپ بہت خوب صورت ہے۔ ایک نگاہ میں ہی مجھے یہ پسند آئی تھی لیکن اس کا رجسٹریشن دارالحکومت ہے۔ آپ دارالحکومت سے آئی ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''کہاں...... کیسے، کس کے پاس اور کب۔''

''چار سوالات ایک ساتھ۔''

''جی ہاں۔ کیوں کہ ان چاروں کا جواب ایک ہی ہوگا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ کے ہاں ایک ڈسپنسری ہے۔''

''جی ہاں...... سرکاری ڈسپنسری ہے۔''

''میں اس میں ڈاکٹر کی حیثیت سے آئی ہوں۔''

''ارے واقعی کب۔''

''کافی دن ہوگئے۔''

''ظاہر ہے میں قاضی نہیں ہوں کہ سارے شہر سے میری واقفیت ہو۔ شاہ گڑھی بے شک چھوٹی جگہ ہے لیکن بہت سی جگہیں ایسی ہیں جن کی اہمیت اس قدر نہیں ہوتی تو آپ ڈسپنسری میں ڈاکٹر بن کر آئی ہیں۔'' اس نے کہا اور پھر ہنس پڑا۔

''ڈاکٹر کے نام پر ہنستے میں آپ۔''

''کیوں۔''

''میرا خیال ہے۔ وہ واحد ڈسپنسری ہے۔ جس میں کبھی کسی مرض کا علاج نہیں ہوتا۔''

''یہاں آنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا ہے۔''

''آپ یہاں کیوں آگئیں۔''

''مجھے یہاں ہاؤس جاب کے بعد تعینات کیا گیا ہے۔''

''دشمنی تھی کسی سے۔''

''ارے نہیں۔کیوں۔''

''یہ جگہ بھی کسی کو بھیجنے کی ہے...... بڑی عجیب ڈسپنسری ہے لیکن بہر حال سرکاری معاملات کا بھی مجھے پتا ہے۔ویسے ناہید صاحبہ آپ کو یہاں آکر بڑی مایوسی ہوگی۔''

''بس اس حد تک کہ اس ڈسپنسری میں کوئی کام نہیں ہوتا۔''

''جی ہاں۔شاید ڈاکٹر جمشید وہاں کے انچارج ہیں۔''

''جی۔''

''اکثر شکار پر مل جاتے ہیں۔بڑے اچھے شکاری ہیں۔تعجب ہے ڈاکٹر کیسے ہیں۔ویسے یہ تعجب اس وقت ختم ہوجاتا ہے۔جب ڈسپنسری کا ایک چکر لگا لیا جائے۔بہتر تھا وہاں ایک یتیم خانہ کھول دیا جاتا۔''ناہید ہنسنے لگی۔پھر اس نے کہا۔

''میرے ساتھ ڈاکٹر ابن مرتضیٰ بھی ہیں ہم دو ہی یہاں آئے ہیں۔''

''یہ تو بہت اچھا ہوا۔آپ رہیے یہاں آپ کی وہ خواہشات تو پوری نہیں ہوسکیں گی یعنی یہ کہ آپ یہاں کچھ سیکھ سکیں گے لیکن یہ ضرور سیکھ لیں گے کہ کیا کیا ہوتا ہے۔''

''جی ویسے آپ نے بڑے دلچسپ انداز میں اپنی گفتگو کا رخ میری طرف موڑ دیا ہے اور اپنے آپ کو صاف بچا گئے ہیں۔''

''میں نے کہا تھا ناں کہ خوا مخواہ آپ دکھی ہوگئی تھیں اور میں نے سوچا یہ غلط ہے۔پہلی ملاقات ہی میں آپ دکھ سمیٹ کر یہاں سے گئیں تو دوبارہ کبھی میری جانب رخ کر کے تھوکنا بھی پسند نہیں کریں گی۔''

''فیروز بہت اچھے انسان ہیں آپ میں آپ سے بہت ضد نہیں کروں گی ظاہر ہے انسان پہلی ملاقات میں فوراً کسی کو اپنے دکھ نہیں دے دیتا لیکن آپ سے ایک بات ضرور کہوں گی وہ یہ کہ میں واقعی آپ کی ساتھی بن سکتی ہوں۔ہر اُلٹے سیدھے جذبے سے پاک ہو کر ایک اچھے دوست ایک اچھے ساتھی کی حیثیت سے۔''

''خدا کی قسم بہت قیمتی الفاظ ہیں۔میں نے اپنے سینے میں رکھ لیے ہیں۔کاش آپ ویسی ہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔فیروز صاحب میں کوشش کروں گی کہ ویسی بن سکوں۔''

''میرے باغ میں بڑے اچھے اچھے پھل ہیں۔بہت کم استعمال ہوتا ہے ان کا ہم لوگ انہیں باہر بھجوا دیا کرتے ہیں لیکن میں آپ کو اپنے باغ کے خاص قسم کے سیب پیش کروں گا۔آپ کو یقیناً پسند آئیں گے۔''

''بے حد شکریہ اور میں جواب میں آپ کو کسی ایسی دوا کا پیکٹ ہی پیش کرسکتی ہوں جو آپ کے ذہن و دل کو سکون بخشے۔''ناہید نے کہا اور فیروز ہنسنے لگا۔پھر بولا۔

''نہیں آپ کے یہ الفاظ میرے لیے دوا ہیں۔''پھر کافی آگئی اور ناہید نے برتن سنبھال لیے۔

''میں میزبان ہوں مجھے میزبانی کرنے دیجیے۔''

''آپ میزبان ہیں۔ فیروز۔'' ناہید نے عجیب الفاظ میں پوچھا۔

''جی۔'' فیروز چونک پڑا۔

''آپ میزبان نہیں ساتھی ہیں۔'' فیروز خاموش ہوگیا اور اس کے بعد دونوں خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ کافی لانے والے ملازم کو اشارہ کر کے فیروز نے بلایا اور بولا۔

''سترہ نمبر کے تمام پکے ہوئے پھل تو لاؤ۔''

''تمام نہیں فیروز صاحب۔'' ناہید بولی اور فیروز نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔ پھر ملازم سے بولا۔

''انہیں، بہت خوب صورتی کے ساتھ پیک کر کے لاؤ تحفہ دینا ہے۔''

''جی سرکار۔'' ملازم گردن جھکا کر چلا گیا۔ ناہید کافی پیتے ہوئے بولی۔ ''ارے بڑی اعلیٰ کافی ہے۔ مقامی تو معلوم نہیں ہوتی۔''

''اب میں آپ سے بڑی شان سے کہوں گا کہ یہ ورجینیا سے منگوائی گئی ہے۔''

''آپ کافی شوقین معلوم ہوتے ہیں۔''

''بس یہ ہی چند شوق پورے کر لیتا ہوں۔'' فیروز نے جواب دیا۔ بہت ہی اعلیٰ قسم کے بالکل سرخ سیٹ آ گئے جو ایک بہت بڑے ٹوکرے میں بڑی خوب صورتی سے پیک کیے گئے تھے۔ ناہید نے انہیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ تحائف دینے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔''

''میں نہیں میرے والد صاحب لیکن وہ کاروباری تحفے ہوتے ہیں اور یہ حقیقی تحفہ ہے۔''

ملازم نے ٹوکرا اُٹھا کر ناہید کی جیپ میں رکھوا دیا۔ کافی پینے کے بعد ناہید نے گھڑی دیکھی اور بولی۔

''تو اب اجازت چاہیے ظاہر ہے ملازم پیشہ ہوں۔''

''جی، جی میں آپ کو اس سے زیادہ نہیں روکوں گا لیکن ایک بات کہوں۔''

''ہاں۔''

''پھر ملاقات کب ہوگی۔''

''میں سرکاری ڈسپنسری میں ہوں۔ آپ جب چاہیں آ سکتے ہیں اور اگر مجھے کوئی ہدایت دیں گے تو میں بھی پہنچ جاؤں گی۔''

''میں آؤں گا۔'' فیروز نے کہا اور اس کے بعد وہ وہاں سے اُٹھ گئے۔ فیروز اسے ڈسپنسری تک چھوڑنے آیا تھا۔

''آیئے۔''

''اب نہیں ملاقات کا مزہ جاتا رہے گا پھر آؤں گا۔''

''خدا حافظ۔'' ناہید نے کہا اور وہ واپس چلا گیا۔ بڑا اچھا تاثر چھوڑا تھا۔ فیروز نے اس پر بہت ہی اچھا۔ شہروز سے فیروز سے ہونے والی گفتگو بیان کرتے ہوئے ناہید نے کہا۔

''میرے خیال میں شہروز ایک بہت ہی کارآمد شخصیت میرے ہاتھ لگی ہے۔''

''میں تو حیران ہوں ناہید۔ میرا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا۔''

''ذہن تو میرا بھی نہیں گیا تھا لیکن مجھے اب یوں محسوس ہو رہا ہے کہ یہ شخص ہمارے لیے بے حد کارآمد ثابت ہوگا۔ ویسے ایک برے باپ کا بیٹا بہت اچھا ہے۔''

''اب یہ بتایئے۔ شہروز صاحب! کہ میں اس ساتھی کو کس طرح کنٹرول کروں۔''

''ویسے ناہید مجھے یہ لفظ بہت برا لگا ہے۔''

''ارے نہیں، نہیں یقین کریں۔ اس نے خود ہی اپنے الفاظ کے بعد ان احساسات کی نفی کی ہے اور یہ ظاہر کر دیا ہے کہ وہ عاشقانہ موڈ نہیں رکھتا۔ ویسے یوں لگتا ہے۔ جیسے بہت ہی زیادہ بیزار ہے۔ اپنے ماحول سے۔''

''ایسے کردار بڑے کارآمد ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ تم انہیں صحیح طور پر ہینڈل کر سکو۔''

''ایک بات بتایئے شہروز صاحب۔''

''ارشاد عالی۔''

''کیا فیروز ہی سے وہاں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے کام چلایا جائے۔'' شہروز سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔

''نہیں، فیروز دو نمبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک نمبر پر تو وہ بدکار شخص آتا ہے۔''

''ایک بات اور کہوں۔''

''ہاں...... وہ بھی کہیے۔''

ہم ابھی جو الفاظ بہرام شاہ کے بارے میں ادا کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے۔ یہ اس وقت تک موزوں نہیں ہیں۔ جب تک کہ ہم اس کی شخصیت کو جانچ نہیں لیتے۔''

''ہوں، بات وزن دار ہے۔ ٹھیک ہے میں سمجھ رہا ہوں تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ بہر حال ہمارے پاس تو ابھی کافی وقت ہے۔ ہمیں اس مسئلے کو دیکھنا ہی ہوگا۔'' شہروز نے جواب دیا۔

بہر حال فیروز ایک کارآمد شخصیت تھے، ناہید نے جاتے ہوئے اس سے منصفانہ انداز میں نہیں پوچھا تھا کہ پھر وہ کب ملے گا۔ وہ خود بھی اسے بھٹکانا نہیں چاہتی تھی۔ سادہ لوح اور معصوم نوجوان ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جذباتی کسی حادثے کا شکار ہو جائے۔ بہر حال عمر میں بھی وہ ناہید سے خاصا چھوٹا تھا اور ویسے بھی ناہید اس کی پذیرائی کسی طور نہیں کر سکتی تھی۔ ہاں جن جذبوں کا اس نے اظہار کیا تھا۔ اس

کے تحت ایسی شخصیتیں، بہت دیر تک ساتھ رہ جاتی ہیں۔

لیکن دوسرے دن کوئی دس بجے کے قریب فیروز آ گیا تھا۔ ڈاکٹر جمشید نے اسے دیکھا اور اس کے سامنے، بچھ گیا۔

”فیروز شاہ صاحب آپ اس غریب خانے پر۔“

”یہ سرکاری غریب خانہ ہے۔ جمشید صاحب۔“

”جی...... جی ...... جی ہاں مم، مگر میں بس یونہی خیریت تو ہے۔“

”مس ناہید سے ملنا ہے۔“

”مس ناہید...... ڈاکٹر ناہید۔“

”جی، جی۔“

”ہاں...... وہ اندر موجود ہیں۔ میں اطلاع کرتا ہوں۔“ جمشید نے کہا اور پھر خود ہی اندر دوڑا چلا گیا۔ ناہید نے باہر نکل کر فیروز کا استقبال کیا تھا اور فیروز اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔

”یقیناً بہت سے الفاظ ہیں میرے جو اس وقت میری آمد کے سلسلے میں ہیں لیکن اب یہاں کھڑے تو ادا نہیں کر سکتا۔“

”آیئے، آیئے۔ میں تو خود آپ کو پیشکش کرنے والی تھی۔“ فیروز نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

”وہ الفاظ یہ ہیں کہ رات بھر آپ کے بارے میں سوچتا رہا ہوں اور صبح کو آپ سے دوری برداشت نہیں کر سکا۔ چنانچہ آپ کی جانب دوڑ لگا دی۔ اب آپ اس تشویش کا شکار نہ ہو جایئے گا کہ نوجوان لڑکا مجھ پر عاشق ہو گیا ہے اور آپ کے بغیر مضطرب رہنے لگا ہے۔ سمجھ رہی ہیں ناں آپ۔ عشق کے علاوہ سب کچھ چلے گا۔ معافی چاہتا ہوں۔ مس ناہید ہاتھ جوڑ کر بار بار یہ وضاحت اس لیے کرنی پڑتی ہے کہ آپ نوجوان اور خوب صورت ہیں اور میں بہر حال جو کچھ بھی ہوں۔ البتہ ایک بات آپ سے کہوں اگر آپ برا نہ مانیں۔“

”کمال ہے۔ آپ کے اتنے سارے الفاظ کا بالکل برا نہیں مانا میں نے۔“

”جی، جی۔“

”میں آپ سے عمر میں خاصا چھوٹا ہوں۔ مگر میں آپ کو بڑی بہن نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ مجھے بہن کہنا سکھایا نہیں گیا۔ البتہ اگر آپ دل میں کسی قسم کے جذبوں کا احساس رکھتی ہیں۔ تو اس حساب میں آپ مجھے وہیں جگہ دے دیں۔ جس کے بارے میں، میں نے کہا ہے۔“

ناہید رک کر اسے دیکھنے لگی۔ تب شہروز نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

”جناب عالی میں آپ دونوں کی باتیں سن رہا ہوں اور اتنے اچھے لوگوں کو میں اپنے کمرے میں دعوت دینا چاہتا ہوں۔“ ناہید ہنس کر بولی۔

”یہ ڈاکٹر ابن مرتضی ہیں۔“

''سر آپ کا نام مس ناہید کی زبانی سن چکا ہوں۔ آپ نے میرے الفاظ سن لیے ہیں آپ بھی ڈاکٹر ہیں، آپ براہ کرم صرف اتنا بتا دیجیے میری مراد مس ناہید سے ہے کہ یہ میرے بارے میں کسی تشویش کا شکار نہ ہوں۔ اگر کوئی اضطراب کوئی تصور میرے ذہن میں بیدار ہوا ہے۔ تو وہ ایک اچھے جذبے کے تحت ایک اچھے ساتھی کے لیے۔''

''میں سمجھتا ہوں۔ فیروز شاہ صاحب! آپ کے ان الفاظ کے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ کیونکہ لفظ اور اس کی ادائیگی کا تاثر چہرے کے تاثرات یہ تمام چیزیں انسان کے ان جذبوں کا کھل کر اعلان کر دیتے ہیں جو اس کے سینے میں موجزن ہوتے ہیں۔''

''بے دھڑک، بے تکلف، یہاں آیئے میرا نام تو آپ کو ناہید بتا ہی چکی ہیں۔ ہم دونوں نے ایک ہی ہسپتال میں ہاؤس جاب کیا ہے اور ہم دونوں بہت اچھے دوست ہیں۔ میں آپ کو ناہید جیسی اچھی خاتون کا ساتھی بننے کی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔'' اس کے بعد ان کے درمیان بے تکلفی ہو گئی۔ فیروز نے کہا۔

''آپ کو شکار سے دلچسپی نہیں ہے۔''

''نہیں فیروز شاہ صاحب۔''

''دیکھیے ایک بات عرض کر دوں یہ لفظ شاہ مجھے بڑا پریشان کرتا ہے۔ میرے اچھے دوست ہیں آپ لوگ آپ مجھے صرف فیروز کہا کریں۔''

''جی فیروز صاحب...... اصل میں ہمارا معاملہ ذرا مختلف ہے۔''

''جب زخمی لوگ ہمارے پاس آتے ہیں تو ہمارے دل میں ان کے لیے درد پیدا ہو جاتا ہے۔ ہماری آرزو ہوتی ہے کہ ان کے زخموں کا سارا درد سمیٹ لیں اور انہیں سکون دیں۔ شکار کا مطلب ہے کہ کسی بھی ذی روح کو اذیت سے دوچار کرنا یا اسے ہلاک کر دینا میں سمجھتا ہوں۔ یہ ڈاکٹر کا کام نہیں ہے۔''

''اور ڈاکٹر جمشید کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔''

''صرف یہ ہی کہ خدا اس شخص کو عقل دے اور اس سے اس کا یہ شوق خود بخود ختم کرا دے۔ ظاہر ہے وہ ہمارا انچارج ہے۔ ہم اس سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔''

''نجانے اتنی اچھے لوگ اس بدنما جگہ کیوں آ گئے۔''

فیروز شاہ نے گہری سانس لے کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''بدنما جگہ جہاں آپ جیسے لوگ ہوں فیروز وہ جگہ بدنما کیسے ہو سکتی ہے۔''

''مجھ جیسے لوگ، بے بس، لاچار، معذور۔'' فیروز شاہ نے افسوس بھرے لہجے میں کہا اور شہروز گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ پھر بولا۔

''عجیب الفاظ ہیں آپ کے فیروز شاہ صاحب۔''

''آپ کو لگ رہے ہوں گے مگر ہیں نہیں۔''

''آپ اتنی بڑی شخصیت کے مالک ہیں۔ اتنے بڑے باپ کے بیٹے ہیں۔ اس کے بعد آپ واقعی یہ سب کچھ بہت عجیب لگتا ہے اور یقین نہیں آتا۔''

''ابن مرتضیٰ صاحب! آپ لوگوں کے پاس دل کا مرہم لینے آیا ہوں۔ آپ کیوں مجھ سے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ جو میرے غموں میں اضافہ کرے۔''

''چلیے ٹھیک ہے۔ پھر ہم آپ سے وہ باتیں کرتے ہیں۔ جو آپ کو پسند ہوں۔ ویسے ناہید نے آپ کو میرے بھیجے ہوئے سیب کھلائے کمال کا تحفہ تھا۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے آپ نے خاص طور پر انہیں لگایا ہو۔ ورنہ اتنے نفیس سیب سچی بات ہے۔ میں نے تو کبھی نہیں دیکھے۔''

''ہاں...... وہ میرے باغ کا تحفہ ہے۔'' فیروز شاہ نے کہا۔

''کیا اللہ کی شان ہے۔ جناب پھل بھی اپنی مرضی سے اگائے جاتے ہیں۔'' شہروز نے ہنستے ہوئے کہا۔ اسی وقت ڈاکٹر جمشید آ گیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ فیروز شاہ کو دیکھ کر جھک جھک کر سلام کرنے لگا۔

''کمال ہے واقعی کمال ہے...... یعنی اس ڈسپنسری کی تقدیر میں بھی یہ لکھا ہوا تھا کہ ہمارے چھوٹے شاہ جی اس میں قدم رکھیں۔ تقدیر جاگ گئی اس کی تو شاہ صاحب آپ جس طرح بھی یہاں آئے ہو۔ وہ ایک الگ بات ہے لیکن اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔'' شہروز اور ناہید نے شاہ جی کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے تھے لیکن پھر وہ خود کو سنبھال کر بولا۔

''کہیے ڈاکٹر صاحب! کیسے ہیں آپ۔''

''بقول شخصے شاہ کا مصاحب ہوں۔ اچھا کیوں نہیں ہوں گا۔ شاہوں میں عیش ہو رہے ہیں۔ آپ فرمائیے کیسے قدم رنجا فرمایا۔''

''بس آ گیا۔''

''میرا مطلب ہے۔ کوئی خدمت ہمارے لائق۔''

''دعا کرتا ہوں ایسی کوئی خدمت درکار نہ ہو۔ جو آپ کے لائق ہو۔'' فیروز شاہ نے کہا اور ڈاکٹر جمشید ہنسنے لگا۔

''آپ دونوں شاہ جی سے ملے۔'' ڈاکٹر جمشید نے ناہید اور شہروز سے سوال کیا۔

''جی ہاں۔'' شہروز نے جواب دیا۔

''بس جی بہت اچھے انسان ہیں۔ چھوٹے شاہ جی! ان کی برکتیں ہیں شاہ گڑھی پر جدھر نگاہ ہو جائے تقدیر بدل جاتی ہے۔ ویسے چھوٹے شاہ جی سے آپ کی دوستی کیسے ہو گئی۔''

''آپ کو اس بات سے پریشانی ہوئی ہے۔ڈاکٹر صاحب۔''

فیروز شاہ نے ان لوگوں کے جواب دینے سے پہلے ہی کہہ دیا۔

''ارے نہیں.....نہیں بلکہ میں تو بے پناہ خوش ہوں۔کم از کم کوئی ایسا لمحہ تو آیا جب چھوٹے شاہ جی کسی وجہ سے بھی سہی لیکن ہمارے پاس آئے۔ہم جتنا اپنی خوش بختی پر ناز کریں کم ہے۔ارے ہاں ڈاکٹر ابن مرتضیٰ، ڈاکٹر ناہید آپ دونوں نے بڑے شاہ جی کو سلام کیا۔''

''نہیں ڈاکٹر جمشید ہماری ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔''

''غلطی میری ہے۔غلطی میری ہے۔ارے باپ رے باپ کیا بھول ہوگئی۔کبھی کبھی کھوپڑی پر ایسی برف جم جاتی ہے کہ سامنے کی باتیں نظر نہیں آتیں شاہ جی تو ہوں گے ناراض ارے یہ تو پہلا فرض تھا ہمارا کہ انہیں جا کر اسلام کرتے۔بھئی غلطی مجھ سے ہوئی تم لوگوں کا اس میں کوئی قصور نہیں۔شاہ گڑھی میں ہو اور ابھی تک بڑے شاہ جی سے برکتیں نہیں ملیں تمہیں۔شام کو ان کے پاس۔''

ڈاکٹر جمشید نے کہا اور فیروز شاہ کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آنے لگے۔اس نے ایک نگاہ ناہید کو دیکھا اور دیکھتا رہا۔ شہروز اس کی ہر کیفیت کو نوٹ کر رہا تھا۔اس نے کہا

''خیر اب یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ بھی نہیں تھا۔آپ لوگ یہ کیوں بتائیں انہیں کہ آپ لوگ کب یہاں آئے ہیں بس ڈاکٹر جمشید آپ جب بھی ان سے ملیں کہیں کہ نئے ڈاکٹروں نے آ کر ڈسپنسری سنبھالی ہے۔''

''یہ ہوتی ہے۔بڑائی دیکھ رہے ہیں نا۔حالانکہ بڑے شاہ جی والد ہیں ان کے لیکن نیک دلی تو اس خاندان میں ختم ہے۔ٹھیک ہے۔ایسا ہی کریں گے۔شاہ جی۔آپ بتایئے میں آپ کی کیا خدمت کروں یہ سیب کیسے مہک رہے ہیں۔بڑی اعلیٰ خوشبو ہے۔''

''شاہ جی کے باغ کے ہیں۔تحفہ ملا ہے ہمیں۔'' شہروز نے جلدی سے کہا۔

''کمال ہے صاحب کمال ہے جانتے ہیں آپ ابن مرتضیٰ یہ وہ سیب ہیں جو یورپ اور امریکہ تک جاتے ہیں۔مشرق وسطیٰ کے شیوخ ان کی فرمائش کرتے ہیں اور بڑے شاہ جی یہ فرمائشیں پوری کرتے ہیں۔باقی لوگوں کی تو بات ہی نہ پوچھیے۔وزیر اعلیٰ، وزیر اعظم، سب ہی کی یہ خواہش ہوتی ہے۔مگر ایک باغ کے کتنے سیب ہوں اور پھر یہ سب کچھ خاص ہی درخت ہیں۔بھائی بہت بڑی بات ہے۔ بہت بڑی بات ہے۔آپ لوگ تو قسمت کے دھنی ہیں۔''

''جمشید صاحب! ہم کچھ گفتگو کر رہے ہیں۔'' فیروز کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا۔

''اچھا اچھا کوئی خاص گفتگو ہے۔تو معافی چاہتا ہوں۔آپ یہ فرمائیں چھوٹے شاہ صاحب کہ آپ کی کیا خدمت کی جائے۔کیا کھانا پینا پسند کریں گے۔''

''کھا کر اور پی کر آیا ہوں۔بس ان سے شہری زندگی کے بارے میں کچھ گفتگو کر رہا ہوں۔اگر ہمیں اس کا موقع دے دیں تو......''

''موقع ہی موقع ہے۔موقع ہی موقع ہے۔'' ڈاکٹر جمشید نے کہا اور سلام کر کے باہر نکل گیا۔فیروز شاہ کے چہرے پر حقارت

کے آثار پھیلے ہوئے تھے۔

''انسان بے حد مجبور ہے۔ اپنی ضرورتوں کا غلام ہے وہ...... معاف کیجیے گا آپ لوگ بھی یہاں ڈاکٹر کی حیثیت سے ہی آئے ہیں لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ یہاں سے بیزار ہو جائیں گے۔ بہتر یہ ہی ہے کہ آپ اپنے لیے یہاں کوئی اور مشغلہ تلاش کر لیں۔ یہ ڈسپنسری تو بس نام نہاد ہے۔ اگر آپ اس کے اسٹور روم کا جائزہ لیں گے تو آپ کو ایسی تمام دوائیاں ملیں گی۔ جن کی تاریخ استعمال ختم ہو گئی ہو گی۔ اول تو یہاں کوئی مریض آتا ہی نہیں اور غلطی سے بیچارہ آ بھی جائے تو آپ خود سوچئے تاریخ ختم ہونے کے بعد ناکارہ ہونے والی دوائیں اگر انہیں ملیں گی تو کیا فائدہ ہو گا انہیں...... آپ لوگ جانتے ہیں۔ ویسے ایک بات کہوں آپ سے۔''

''جی شاہ صاحب۔''

''ہو سکے تو تھوڑا بہت کام کر لیجیے یہاں ڈاکٹر جمشید کے بارے میں کیا کہوں آپ سے آپ لوگ خود بھی دنیا کو سمجھتے ہیں اور پھر ڈاکٹر جمشید جیسے لوگ قابل رحم ہیں۔ زندگی کو جس انداز میں گزارنا چاہتے ہیں وہ مردہ لوگوں کا انداز ہوتا ہے۔ یہ ذہنی طور پر مردہ لوگ ہیں، بس یہ سمجھتے ہیں کہ ایک شخص رکھ لیا جائے سب ٹھیک ہے۔ باقی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ قابل معاف ہیں یہ لوگ جناب بس ان کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہاں بھی امراض ہوتے ہیں لیکن ڈسپنسری میں موت ہوتی ہے۔ ناکارہ دواؤں کا استعمال اور کیا کر سکتا ہے۔ تھوڑا سا سہارا دیجیے اس ڈسپنسری کو ورنہ پھر آپ جانیں اور آپ کا کام بھلا میری کیا اوقات کہ کسی کو نصیحت کر سکوں۔''

''جی شاہ صاحب۔''

''ویسے دل تو بہت چاہتا ہے کہ آپ لوگوں کو اپنی طرف سے بھی کوئی پارٹی یا دعوت دوں لیکن کیا کیا جائے۔ نہ تو یہاں اچھے ہوٹل ہیں۔ نہ ڈھنگی بات ہے۔ کہ باقی ماحول ان تمام چیزوں کے لیے سازگار نہیں ہے۔''

''ایک سوال بار بار ذہن کو پریشان کر رہا ہے۔ چھوٹے شاہ صاحب۔''

''کیا شروع کر دیا آپ نے، ڈاکٹر جمشید کا شکار ہو گئے آپ ابن مرتضیٰ صاحب۔''

''کیا مطلب۔''

''یہ چھوٹے شاہ صاحب اور بڑے شاہ صاحب کیا ہوتے ہیں۔ آپ کو اپنا نام بتا چکا ہوں۔ آپ یقین کیجیے یہ فضول جملے سن سن کر کان زخمی ہو گئے ہیں۔ ذہن پر چوٹ پہنچ سکتی ہے۔ پلیز آپ مجھے صرف فیروز کہیں۔''

''فیروز صاحب!'' شہروز نے کہا۔

''شکریہ۔'' فیروز شاہ بولا اور ہنس پڑا۔

☆......☆......☆

ناہید صاحبہ نے شکریہ کے بارے میں کچھ ایسے الفاظ ادا کیے تھے کہ اب خود اپنی زبان سے شکریہ ادا کر کے شرمندہ ہو رہا ہوں۔
ناہید بھی ہنسنے لگی۔ شہروز کہنے لگا۔ ''جہاں تک میرا خیال ہے تو تعلیمی سلسلے میں آپ کو یا تو شہر میں ہونا چاہیے یا پھر کسی غیر ملک میں، آپ کا ذریعہ تعلیم کیا ہے۔''
''وہ اتالیق جو اس میں کوئی شک نہیں کہ ماہر تعلیم ہیں، آپ یوں سمجھ لیں کہ اتالیقوں کی ایک فوج ہے۔ جس سے مجھے مقابلہ کرنا پڑتا ہے مجھے، انگریزی کے استاد، آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کیے ہوئے ہیں اور بہترین معاوضہ ملتا ہے انہیں، اسی طرح عربی کے ایک استاد، اُردو کے استاد، استادوں کی ایک فوج ہے اور شاگرد بیچارہ ایک ہر شخص اسے اپنا علم گھول کر پلا دینا چاہتا ہے لیکن بہر حال جس قدر ضرورت ہے، پی رہا ہوں، اس سے زیادہ کا حوصلہ نہیں۔''
''لیکن شہر میں تعلیم کیوں نہیں دلائی جا رہی۔''
''بہرام شاہ نے جو کچھ پسند کیا، وہی مناسب ہوتا ہے۔ اپنی خواہش کا اظہار ممکن نہیں۔''
''اوہ اچھا.........'' شہروز نے گہری سانس لے کر کہا۔
کافی دیر تک فیروز بیٹھا رہا اور اس کے بعد اجازت لے کر بولا۔ ''دل تو چاہتا ہے کہ آپ سے اگلی ملاقات کے بارے میں پوچھوں لیکن اب اتنی جلدی بھی مناسب نہیں ہوتی لیکن ایک پروگرام ترتیب دوں گا۔ ناہید صاحبہ نے میرا باغ دیکھا ہے، وہ مکمل طور پر میری ملکیت ہے۔ کسی وقت وہاں آپ کی دعوت کی جائے گی۔''
''فیروز شاہ صاحب ان تمام تکلف کو جانے دیجیے اور سنیے ہماری ملاقات روزانہ ہونی چاہیے۔ اب ہم اتنی بھی جرأت نہیں کر سکتے کہ آپ سے کہیں کہ آپ یہاں آ جایا کریں۔ آپ جہاں ہمیں ہدایت کریں گے، مقررہ وقت پر وہاں پہنچیں گے۔''
''وعدہ۔''
''جی بالکل۔''
''تو پھر اس وقت تو نہیں لیکن دوسری ملاقات کے لیے خود آپ کے پاس حاضری دوں گا۔''
اس کے بعد وہ چلا گیا تھا۔ ناہید اور شہروز خاموشی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے پھر شہروز نے مطمئن لہجے میں کہا۔
''ناہید! یہ معاملہ تو بڑی خوبصورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔''
''ہاں۔''
''میرے خیال میں یہ کردار درمیان میں سے ایسا نکل آیا ہے کہ ہم اس سے بڑا کام لے سکتے ہیں۔''
''یقین کرو شہروز! مجھے اس پر رحم آتا ہے، کس قدر اداس اور مایوس سا انسان ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ باپ کی بدکاریوں کا شکار نہیں ہے۔''

''یقیناً ناہید گھر کا بھیدی ہے، تمام معاملات ضرور اگل دے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسے اپنی مٹھی میں جکڑنا ضروری ہے۔''

''اور شاہ جی کو سلام۔'' ناہید نے ہنس کر کہا اور شہروز نے بھی قہقہہ لگایا تھا۔

''وہ تو بالکل ضروری ہے۔ ہمیں لے کر جائے گا لیکن ایک بات ہے۔ ناہید تازیانے لگانے میں اس شخص پر جس کا نام فیروز شاہ ہے کیونکہ یہی ہمارے لیے سب سے کارآمد مہرہ ہے۔''

''میں سمجھ رہی ہوں۔'' ناہید نے کہا اور دونوں گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر جمشید مقررہ وقت پر آگئے، تیار ہو کر آئے تھے۔ پروگرام کے مطابق ناہید اور شہروز بھی تیار تھے۔ ڈاکٹر جمشید نے کہا۔

''ایک مشورہ دوں۔ مان لینا۔''

''کیوں نہیں ڈاکٹر صاحب۔'' شہروز نے کہا۔

''میری جیپ پر چلو، یہ مناسب رہے گا۔''

''اگر مناسب رہے گا تو ٹھیک ہے، ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

''تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں یہ کیوں کہہ رہا ہوں۔''

''پوچھنے کی ضرورت تو نہیں تھی ڈاکٹر صاحب! آپ پسند کریں تو بتا دیجیے۔''

''تمہاری جیپ، بہت شاندار ہے۔'' ڈاکٹر جمشید نے کہا۔

''تو پھر......''

''اور جو چیز بہرام شاہ کو پسند آجاتی ہے، وہ ان کی ملکیت ہوتی ہے، کسی دوسرے کی نہیں۔''

''جی پھر۔''

''میاں پھر پھر کیا لگا رکھی ہے، بات صاف ہے۔ سمجھنے میں دقت ہو رہی ہے، تو اور بات ہے۔''

''تو کیا آپ کا خیال ہے۔''

''ہاں...... ہاں...... بس یہی خیال ہے میرا باقی تمام مرض ہے، اتنی شاندار چیز آسانی سے تو کسی کو نہیں دی جا سکتی اور پھر وہ میرے استعمال میں رہتی ہے۔'' ڈاکٹر جمشید نے کہا اور شہروز کو بے اختیار ہنسی آگئی پھر اس نے کہا۔

''بہرحال آپ ہمارے انچارج ہیں جو آپ کا حکم ہوگا، ہمیں تو وہی کرنا ہے نا۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ڈاکٹر صاحب!'' پھر ناہید اور شہروز ڈاکٹر جمشید کے ساتھ چل پڑے تھے۔ ویسے تو کئی بار کچی حویلی اور پکی حویلی کے سامنے سے گزرتے تھے اور اسے دیکھا تھا لیکن آج پہلی بار حویلی میں داخل ہوئے تھے۔ وقت ایسا تھا کہ شاہ صاحب مجمع عام

لگائے بیٹھے ہوا کرتے تھے اور ان کے عقیدت مندان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے اس وقت بھی سات آٹھ افراد زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور خود بہرام شاہ ایک چوکی پر برابر میں مٹھائی کا ٹوکرہ رکھا ہوا تھا۔ ہر آنے والے کو یہ مٹھائی پیش کی جاتی تھی اور وہ تبرک کے طور پر وہاں سے لے کر کھا لیا کرتا تھا۔ کئی خادم قرب وجوار میں موجود ہوتے تھے۔

بہرام شاہ صاحب کسی اہم مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے۔ ڈاکٹر جمشید نے اپنی گاڑی روک دی اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگے پھر ناہید اور شہروز بھی نیچے اترے اور بہرام شاہ صاحب کی آنکھیں بھی ان پر جم گئیں۔ ڈاکٹر جمشید نیازمندی سے آگے بڑھا۔ ناہید اور شہروز بھی اس کے ہم قدم تھے۔ دونوں نے سلام کیا اور بہرام شاہ اپنی چوکی سے اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے پہلے شہروز اور پھر ناہید کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پاٹ دار لہجے میں بولا۔

''جن کی پیشانیاں روشن ہوتی ہیں جن کی آنکھوں سے مستقبل کا غرور جھلکتا ہے، قابل احترام ہوتے ہیں۔ میں آپ دونوں نئے مہمانوں کی خوش آمدید کہتا ہوں۔ ڈاکٹر جمشید کون ہیں یہ۔''

''حضور! بہرام شاہ صاحب آپ کی قدم بوسی کو حاضر ہوئے ہیں۔ نئے ڈاکٹر ہیں، ہاؤس جاب مکمل کر کے یہاں آئے ہیں اور اپنی ڈیوٹیاں سنبھالی ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر برکت وکامیابی میں دلچسپی رکھتے ہو تو سب سے پہلے بہرام شاہ صاحب کو جا کر سلام کر۔ یوں سمجھ لو زندگی سنور جائے گی۔''

''ارے ڈاکٹر! اتنی بڑی باتیں مت کیا کرو ہمارے بارے میں کہ ہمیں خود شرمندگی ہو۔ زندگی سنوارنے والی ذات تو کسی اور ہی کی ہے۔ ہم تو بس دعائیں کیا کرتے ہیں۔ بیٹھو بچو'' لہجے میں اتنی مٹھاس، اتنی نرمی اور اتنی حلاوت تھی کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ انسان کے روپ میں شیطان اس طرح بھی چھپ سکتا ہے۔ دونوں عقیدت مندی میں بیٹھ گئے۔ بہرام شاہ نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے خادم کو دیکھا۔ خادم نے جلدی سے پلیٹ اُٹھائی، ٹوکرے میں سے مٹھائی نکالی، دونوں ہاتھوں میں لیے ہوئے بہرام شاہ کے پاس پہنچا۔ بہرام شاہ نے پلیٹ پر ہاتھ سیدھا کیا اور اس کے بعد اشارہ کر دیا۔ چنانچہ مٹھائی ان لوگوں کے سامنے پیش کر دی گئی۔

اور ڈاکٹر جمشید کے اشارے پر انہوں نے اس میں سے مٹھائی کا ایک ٹکڑا اٹھا لیا۔ تبرک کھانے کے بعد بہرام شاہ نے کہا۔

''ہاں بچو! تم نے ہاؤس جاب مکمل کیا ہے اور اب اپنی پہلی ڈیوٹی سنبھالی ہے۔ دیکھو یہ شاہ گڑھی ہے، ایک فقیر کا گھر۔ فقیر کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ ہمیشہ مہمانوں کو کبھی تکلیف نہ ہو۔ قیام ڈسپنسری ہی میں ہے تمہارا۔''

''جی شاہ صاحب۔'' شہروز نے جواب دیا۔

''تکلیف ہوتی ہوگی وہاں۔''

''نہیں شاہ صاحب! بالکل پرسکون ہیں۔''

''تکلف نہ کرنا ورنہ ہم تمہارے لیے بندوبست کریں۔''

''نہیں شاہ صاحب! بالکل آرام سے ہیں۔''

''ڈاکٹر جمشید! بچوں کو تکلیف ہوئی تو تمہیں معافی نہیں دی جائے گی۔''

''شاہ صاحب! آپ کی نگرانی میں بھلا تکلیف کا کیا سوال ہے۔'' جمشید نے کہا۔

''ان کے لیے جس شے کی ضرورت ہو، ہمیں اطلاع کر دینا، مہیا ہو جائے گی۔''

''جی شاہ صاحب۔''

''اور تمہارا بہت بہت شکریہ، نام کیا ہے بچے تمہارا۔''

''میرا نام ابن مرتضیٰ اور یہ ڈاکٹر ناہید ہیں۔''

''ٹھیک ہے، میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے میرے پاس آنے کی زحمت کی۔ بس نہ جانے کیوں میری بستی کے لوگ مجھے بہت چاہتے ہیں، یہ ان کی بڑائی ہے میری نہیں۔ ملتے رہا کرنا۔ آخری بار کہہ رہا ہوں، اگر یہاں کوئی تکلیف اٹھائی تو میرا دل مجھے شرمندہ کر دے گا۔ میرے لیے ایک تکلیف ضرور کرنا کہ کوئی بھی تکلیف ہو، کوئی بھی مشکل ہو، مجھ تک اطلاع پہنچا دینا۔ ویسے بھی تم لوگوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔''

''بہت بہت شکریہ شاہ صاحب! ہمیں تو انتہائی مسرت ہے کہ آپ جیسی عظیم ہستی کے سائے میں آ گئے۔'' چند منٹ یہ لوگ یہاں بیٹھے رہے اور اس کے بعد ڈاکٹر جمشید نے اجازت طلب کر لی۔

''تمہارا بھی شکریہ ڈاکٹر جمشید کہ ہماری اتنی عزت کرتے ہو اور ہمارا اتنا خیال رکھتے ہو۔'' پھر یہ لوگ وہاں سے واپس چل پڑے تھے اور ڈاکٹر جمشید راستے بھر بہرام شاہ صاحب کی بڑائی کے گن گاتا رہا تھا۔ شہروز نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی، کہنے لگا۔

''مالک ہے شاہ گڑھی کا، اس کے حکم پر شاہ گڑھی میں صبح ہوتی ہے اور اس کے حکم پر سورج ڈوبتا ہے مگر انکساری دیکھو، کیا بات ہے۔ مجال ہے جو کبھی پیشانی شکن آلود ہو جائے۔ بہر حال یہ ضروری تھا، ویسے شاہ گڑھی ہے تو ایک چھوٹی سی آبادی لیکن اتنی اچھی آبادی ہے کہ کچھ عرصے رہو گے تو پتا چل جائے گا۔''

''واقعی شاہ گڑھی تو بڑی برکتوں سے مالا مال ہے۔ ڈاکٹر جمشید! آپ نے اتنے بڑے آدمی سے ہماری ملاقات کرائی۔''

''میں نے کہا نا، کچھ عرصہ رہو گے تو تمہیں سب کچھ پتا چل جائے گا۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ڈاکٹر جمشید!'' شہروز نے کہا، رات کے کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد شہروز اور ناہید یکجا ہو گئے اور اس کے بعد پہلی بار بہرام شاہ پر تبصرے کا آغاز ہوا۔

''جناب شہروز صاحب، تو ملے آپ ہمارے بہرام شاہ صاحب سے۔''

''ہاں، ملے۔'' شہروز گہری سانس لے کر بولا۔

''کیا اندازہ لگایا ہے۔''

''بہت بڑا اداکار ہے، بہت بڑا۔ ناہید! میں بے شک چند لمحات اس کے سامنے رہا لیکن میری مسلسل کوشش یہی رہی کہ اس کی گہرائیوں میں اترتا رہوں۔ تم نے دیکھا کتنی مٹھاس، کتنی حلاوت تھی اس کے لہجے میں کیا پر جلال انداز تھا۔ ناہید! میں اس کا جائزہ لیتا رہا۔ ایک بار بھی اس نے بھرپور نگاہ تم پر نہیں ڈالی لیکن جو پہلی نظر اس نے تم پر ڈالی تھی، بس یوں سمجھ لو کہ تمہاری تصویر اس نے اپنے ذہن کے کیمرے میں محفوظ کر لی۔ کمبخت کی نگاہوں نے سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخنوں تک کا جائزہ لے لیا تھا۔ اس کے بعد اس نے تم سے مسلسل بے تعلقی کا اظہار کیا۔'' شہروز نے کہا اور ناہید کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ شہروز غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

''کیوں، اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔''

''تمہارے لہجے میں شدید رقابت ہے۔''

''ایک بات بتا دوں، اس کی دونوں آنکھیں نکال کر تمہارے پیروں میں نہ ڈال دیں تو نام شہروز نہیں۔''

''توبہ توبہ...... کیسی گھناؤنی باتیں کر رہے ہو۔ بھلا ہمیں کیا غرض پڑی ہے اس کی دونوں آنکھیں نکالنے کی۔ قانون کا مجرم ہوا تو قانون کے سپرد کر دیں گے اور بس ہمارا کام ختم۔''

''اس نے اس انداز میں تمہیں دیکھا کیوں۔''

''اس انداز میں مجھے ہزاروں آدمی دیکھیں گے تو سب کی آنکھیں نکال لو گے۔''

''دل تو یہی چاہتا ہے۔''

''نہیں جناب! اپنے آپ پر اعتماد ہونا ضروری ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے، تم سفارش کر رہی ہو تو مان لیتا ہوں ورنہ میں نے تو تہیہ کر لیا تھا۔''

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کیا جائے۔''

''نہیں، کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں جو کرنا تھا، کر چکے ہیں۔ ارے ادھر سے ہی کارروائی شروع ہو گئی۔''

''تمہیں یقین ہے۔'' ناہید نے سوال کیا۔

''ہاں مجھے پورا یقین ہے۔''

''چلو پھر ٹھیک ہے، اس کا مطلب ہے کہ راوی فی الحال چین لکھتا ہے۔''

''پتا نہیں کیا لکھا ہے، میرا تو خون کھول رہا ہے۔''

''ٹھنڈا پانی پلاتی ہوں، اس خون میں شامل ہو کر اس کی گرمی کو کم کرے گا اور اس کے بعد پرسکون نیند آ جائے گی۔'' ناہید نے کہا اور واقعی شہروز نے قبول کر لیا تھا اور اس طرح اس کے پانی پینے پر بھی ناہید ہنس پڑی تھی۔

''او کے، اب آرام کرتی ہوں۔''

''ہاں، ٹھیک ہے۔'' شہروز نے کہا اور ناہید اپنے کمرے میں چلی گئی لیکن شہروز بہت دیر تک بہرام شاہ کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ ویسے اسے بہرام کی شخصیت دیکھ کر اس بات پر یقین آ گیا تھا کہ واقعی وہ بے حد خطرناک انسان ہے اور اس کی جانب سے ہوشیار رہنا ہوگا۔ اب تک جو واقعات سنے تھے، اسے دیکھنے کے بعد کم از کم شہروز کے دل سے بھی اس کی تصدیق ہو رہی تھی۔ دوسرے لوگ اگر اسے فرشتہ صفت سمجھیں تو سمجھیں لیکن شہروز اس کی اصلیت کو پہچان چکا تھا اور سچی بات یہ ہے کہ اسے فرشتہ سمجھنے والا کوئی نہیں تھا۔ بات اس قدر بھی ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ شیطان کو شیطان کہنے والا شاہ گڑھی میں کوئی نہیں تھا۔

☆......☆......☆

اور شہروز کا خیال بالکل درست ہی تھا۔ بہرام شاہ بھی اس وقت اپنی خوابگاہ میں موجود تھا اور ایک آرام دہ کرسی پر دراز و ہلکے ہلکے ہلکورے لے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ جانے کب تک وہ اسی سوچ میں ڈوبا رہا۔ ناہید اس کی آنکھوں میں تھی۔ بہت خوبصورت اور ماڈرن لڑکی ویسے تو بہت سے لوگوں نے اس کے لیے بہت کچھ کیا تھا لیکن ناہید کو دیکھ کر اس کے ذہن میں جو تصور ابھرا تھا، وہ بالکل ہی انوکھا تھا۔ کتنی حسین تھی، کتنی نفیس اور کتنی موزوں جسمانیت کی لڑکی ڈاکٹر ہے۔

بہرحال جو کچھ بھی تھا لیکن انتہائی غیر معمولی ہے۔ ''نصیب ہے جو میرے سامنے آ گئی۔ کہیں اور زندگی گزارتی تو شاید اس کے نصیب میں کچھ اور ہوتا لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ سمجھدار بھی ہو اور اگر سمجھدار ہوئی تو لطف آ جائے گا۔ ایسی شخصیت ہے جو طویل عرصے تک ساتھ رہ سکتی ہے۔'' پھر نہ جانے کس خیال کے تحت اس نے پاس رکھی ہوئی گھنٹی بجائی، اس وقت خیرات ڈیوٹی پر ہوتا تھا۔ یہ دونوں بھی عجیب شخصیتوں کے مالک تھے۔ کوئی دیکھ کر یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ خیرات اور دینو پڑھے لکھے ہوں گے۔ وہ اچھے خاصے تعلیم یافتہ تھے لیکن بہرام شاہ کی ہدایت پر انہوں نے حلیہ ایسا بنا رکھا تھا کہ لوگ انہیں شاہ گڑھی کا ان پڑھ باشندہ ہی سمجھتے تھے۔ رہنے والے بھی شاہ گڑھی کے نہیں تھے بلکہ بہرام شاہ نے انہیں کہیں اور ہی سے دریافت کیا تھا۔ اب دریافت کرنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ شاہ گڑھی والوں کے فریب میں نہ آ جائیں اور ان کی جانب سے کسی ہمدردی کا شکار نہ ہو جائیں۔

لیکن وہ دونوں بے حد وفادار تھے اور بہرام کے لیے وہ سب کچھ کرنے پر آمادہ رہتے تھے جو کوئی مشین کر سکتی ہے۔ انسانی ذہن سے سوچنا انہوں نے چھوڑ دیا تھا اور صرف مشینی ذہن استعمال کرتے تھے اور ان کے فوائد بھی انہیں حاصل ہو رہے تھے جن کی تفصیل بیکار ہی ہے۔ خیرات اندر آ گیا اور جھک کر بولا۔

''بڑے شاہ جی حکم۔''

''کیا دیکھ رہے ہو خیرات ہمارے اندر۔'' اس نے خیرات کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بے چینی، اضطراب، بے سکونی جو شاہ جی کی شخصیت کا حصہ نہیں ہے۔'' خیرات نے جواب دیا۔

''وجہ جانتے ہو۔''

''وجہ خیرات نہیں جانے گا تو اور کون جانے گا شاہ جی۔''

''وہ سامنے جو کرسی پڑی ہے، اُٹھا کر لاؤ اور ہمارے سامنے بیٹھ جاؤ۔''

''شاہ جی جس دن خیرات کرسی پر بیٹھ گیا تو اپنی گردن اپنے ہاتھوں سے کاٹ لے گا۔ اس کی جگہ شاہ جی کے قدموں میں ہے۔ خیرات کی جگہ نہ چھیننے کا آپ نے وعدہ کیا ہے، شاہ جی اس وعدے کو نبھایئے۔'' خیرات نے کہا اور بہرام شاہ کے پیروں کے پاس بیٹھ گیا۔ بہرام شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس نے کہا۔

''اور حقیقت یہی ہے خیرات کہ تمہاری یہی شخصیت مجھے پسند ہے۔ خیر چھوڑو، یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے۔ میں تمہیں جو مقام دیتا ہوں وہ کچھ اور ہے۔''

''یہ شاہ جی کی بڑائی ہے کہ اپنے غلاموں کو اپنے وفادار کتوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔''

''تو تم کہہ رہے تھے کہ میری اس وقت کی بے چینی اور بے سکونی کی وجہ جانتے ہو۔''

''شاہ جی کا حکم درکار ہے۔ ڈسپنسری اتنی محفوظ جگہ نہیں کہ وہاں سے کسی لڑکی کو اُٹھا کر لانا کوئی مشکل کام ہو۔''

''نہیں خیرات نہیں، پھولوں کا استعمال بھی صاحب ذوق جان کی کوالٹی پر کرتے ہیں۔ سمجھ رہے ہو نا، وہ اٹھا کر لانے کی چیز نہیں ہے۔ ہم تو کچھ اور ہی چاہتے ہیں۔ جو بہت مشکل ہوتا ہے لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مشکل آسان بنائی جاسکتی ہے۔''

''شاہ جی کا حکم چاہیے۔''

''اس وقت ہم نے تمہیں اس لیے نہیں بلایا خیرات کہ ہم تمہیں اسے اٹھا کر لانے کی ہدایت کریں بلکہ ہم تو تم سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔''

''شاہ جی! آپ کا غلام حاضر ہے۔''

''کون ہے، کہاں سے آئی ہے۔ اطلاع تو یہ ملی ہے کہ دارالحکومت سے آئی ہے۔ ڈاکٹر نئی بنی ہے اور ہاؤس جاب مکمل کرنے کے بعد پہلی بار اس کی پوسٹنگ شاہ گڑھی میں ہوئی ہے۔''

''یہی بتایا تھا ان لوگوں نے، شاہ جی میں سن رہا تھا۔''

''کوئی اونچا کھیل کھیلنا ہوگا خیرات! کوئی اونچا کھیل کھیلنا ہوگا۔ وہ جلدی کی چیز نہیں ہے، جلدی نہیں کی جاسکتی اس کے ساتھ، ڈاکٹر بنی ہے۔ کسی بڑے باپ کی بیٹی بھی ہوسکتی ہے۔ ساری باتوں پر غور کرنا ہوگا۔ بعض اوقات ایسے کام ہوتے ہیں خیرات! جن کے لیے انسان تڑپتا ہے اور سلگتا ہے لیکن اس کے باوجود اسے سوچنا پڑتا ہے، غور کرنا پڑتا ہے خیرات! غور...... اور ہم نے تجھے اس وقت اسی لیے بلایا ہے کہ ہمارے ساتھ مل کر غور کر۔'' خیرات کے چہرے پر ہلکے سے حیرت کے آثار نمودار ہوگئے۔ بہرام شاہ نے کہا۔

"کیوں رے، حیران کیوں ہے۔"

"نہیں شاہ جی! زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ آپ کے منہ سے یہ الفاظ سنے ہیں میں نے۔ شاہ جی! آپ اور سوچیں گے، وہ بھی اس لڑکی کے بارے میں۔"

"ہاں خیرات! سوچیں گے ہم، اس لیے کہ وہ سوچنے ہی کی چیز ہے۔" بہرام شاہ نے مدھم سی مسکراہٹ کی ساتھ کہا پھر بولا۔

"دیکھ عقل جو ہوتی ہے نا اگر اس کا ساتھ چھوڑ دیا جائے اور اپنے آپ کو اس آخری حصے میں سمجھ لیا جائے جہاں اس کے بعد کچھ نہیں ہوتا تو سمجھ لے کہ جو کچھ ہونا ہوتا ہے، بہت جلد ہو جاتا ہے، دیر نہیں لگتی۔ اس میں پاگل، عقل کا تقاضا یہی ہے کہ طاقت کو جمع کرتے رہو اور جب اس کے خرچ کا موقع آئے تو پھر اسے خرچ کرو۔ ہم یہی کر رہے ہیں اس بار اور یہ بڑا ضروری ہے خیرات۔"

"یقیناً شاہ جی کی عقل بہت بڑی ہے۔"

"تو یوں کر خیرات کہ اس کا پیچھا کرتا رہ، نگاہ رکھ اس پر۔ کیا کرتی ہے، کس طرح ڈسپنسری میں وقت گزارتی ہے، باہر کب نکلتی ہے، کہاں کہاں جاتی ہے، کس چیز سے دلچسپی لیتی ہے۔ یہ کام کر، سمجھ رہا ہے نا۔ باقی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ خیرات بھلا آج تک کوئی ہم سے بچ کر نکلا۔ ارے جسے ہم نے پسند کیا وہ تو اسی وقت ہماری ملکیت بن جاتا ہے۔ جب ہماری پسند کی پہلی نگاہ اس پر پڑتی ہے۔ ہاں ایک بات اور ہے، جو ہم تجھ سے کہنا چاہتے ہیں خیرات۔"

"حکم شاہ جی۔"

"وہ لڑکا جو اس کے ساتھ ہے نا، انسانوں کا تجزیہ کیا ہے تو نے کبھی۔"

"نہیں شاہ جی، ہم نے تو صرف آپ کی غلامی کی ہے اور یہ سوچ کر کی ہے کہ آپ جو سوچتے ہیں، وہی راستہ ہمارا ہوتا ہے۔"

"وہ لڑکا اس کے چہرے کی بناوٹ، اس کی آنکھوں کا رنگ، اس کا جسم وجاں۔ خیرات! ایک بات ہماری لکھ لے، وہ طوفان...... سمجھ رہا ہے نا۔ ہے تو ڈاکٹر لیکن اس کے بدن کی بناوٹ بتاتی ہے کہ ایک طاقتور نوجوان ہے۔ آنکھوں کا رنگ بتایا ہے کہ ان میں گہرائیاں ہیں۔ پیشانی کی کشادگی بتاتی ہے کہ گہری سوچ رکھتا ہے اور بہت تیز اور چالاک ہے۔ اصل میں، جو اندازہ ہمیں لگا ہے، وہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے عشق تو نہیں کرتے، ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے۔ خیرات تو ذرا سی گڑبڑ ہو جائے گی۔ ہمیں سب سے پہلا فیصلہ اس آدمی کے بارے میں کرنا پڑے گا کیونکہ جس چیز کو ہم پسند کرتے ہیں پھر وہ اتنی پاکیزہ ہو جاتی ہے کہ کوئی میلی نگاہ اس پر نہیں پڑنی چاہیے۔ کبھی نہیں پڑنی چاہیے کیونکہ وہ ہماری عزت آبرو بن جاتی ہے۔ سمجھ رہا ہے نا۔ تو ہمارے بعد اس کا جو بھی حشر ہو یا پھر اس کے رویے سے ہمارے دل میں اس کے لیے جو بھی بات پیدا ہو جائے، وہ بعد کی بات ہے، بہت بعد کی۔ ویسے تیرا کیا خیال ہے اس بارے میں۔"

"شاہ جی ہو بھی سکتا ہے، لڑکا بھی بہت خوبصورت ہے۔"

''یہی تو پریشانی کی بات ہے اور پھر دونوں ساتھ پڑھتے ہیں۔ ویسے ہم یہ بات جانتے ہیں کہ اس قسم کے لوگ شہری زندگی میں پلنے والے آپس میں بے تکلف بھی ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھو تو یوں لگتا ہے جیسے ایک دوسرے کے عاشق زار ہوں لیکن ان کے درمیان کچھ روایتیں بھی ہوتی ہیں۔ کچھ ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں، جنہیں بہر حال کہنا تو بڑا اچھا ہی پڑے گا۔ سمجھ رہے ہو نا، یعنی وہ صرف ایک دوسرے کے معاملات میں ایک ہی شکل نہیں رکھتے۔ اس میں کچھ تبدیلیاں ہوتی ہیں، مکمل تبدیلیاں۔''

''سمجھ رہا ہوں شاہ جی! سمجھ رہا ہوں۔ شہر میں لڑکے اور لڑکی بھی گہرے دوست ہوتے ہیں۔''

''ہاں ہاں...... بالکل یہی کہنا چاہتے تھے ہم۔''

''پھر بھی شاہ جی! اگر معلوم کریں تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔''

''نہیں، حرج کیا بلکہ ضروری ہے لیکن معلوم کرنے کا طریقہ کیا ہوگا۔'' بہرام شاہ نے کہا اور خیرات سوچ میں ڈوب گیا لیکن پھر آہستہ سے بولا۔

''شاہ جی! ہمارے لیے کیا مشکل ہے، وہاں اور بھی لوگ ہیں۔ کرماوہاں وارڈ بوائے کا کام کرتا ہے۔ دو عورتیں بھی ہیں جو نرسیں ہیں۔ شاہ جی کسی کو بھی اپنے دام میں لے لیا جائے گا۔''

''نہیں خیرات! نہیں۔ بات اس پائے کی نہیں ہے جس پائے کی تو سوچ رہا ہے۔ غور کرنے والی بات ہے، ایسے نہیں خیرات! کہیں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑنی ہے۔''

''تب پھر شاہ جی کا جو بھی حکم ہو۔ ویسے شاہ جی! آپ یقین کرو مجھے تو حیرت ہو رہی ہے، اس بار آپ کچھ زیادہ نہیں سوچ رہے۔''

''ہاں زیادہ سوچ رہے ہیں لیکن جس لیے سوچ رہے ہیں۔ وہ شاید ابھی تیری سمجھ میں نہیں آسکے گا۔ ٹھیک ہے، ابھی کچھ نہ کر تو، ہم خود ہی کریں گے۔ ہاں جو ہم نے تجھ سے کہا ہے، وہ ذرا دماغ میں رکھنا۔ دینو کو بھی ڈیوٹی پر لگا دے اور خود بھی کبھی کبھی اس بات پر غور کرے کہ وہ کرتی کیا ہے۔ دونوں نکلتے ہیں تو ساتھ ہی نکلتے ہیں۔ کہاں کہاں جاتے ہیں، اس کی دلچسپیاں کیا ہیں، اس بار ہم ذرا سوچ سمجھ کر کام کریں گے۔''

''جو حکم شاہ جی۔''

''بس جا کر آرام کر، ہم تو ابھی بیٹھے ہوئے سوچ رہے ہیں۔ فیصلے کرنے ہیں ہمیں بہت سے۔''

''جو حکم شاہ جی۔'' خیرات اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

شاہ گڑھی میں بہر حال برا وقت نہیں گزر رہا تھا۔ وہ دونوں مطمئن تھے۔ کسی بھی بڑے کام کرنے کے لیے وقت تو خرچ ہوتا ہی ہے۔ یہ اندازہ بھی انہیں ہو چکا تھا۔ کوئی بھی تھوڑا سا سمجھ دار انسان ہو تو شاہ گڑھی کی ڈسپنسری میں ڈاکٹر کی حیثیت سے ملازمت کرنے میں

اسے کوئی دقت نہیں ہوگی۔ فیروز شاہ سے دو ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ پچھلی رات بھی فیروز شاہ آیا تھا اور اس نے کہا تھا۔

''کل دوپہر کا کھانا آپ دونوں میرے ساتھ میرے باغ میں کھائیں گے۔''

''فیروز صاحب! یہ اس بے تکلفی کی بات نہیں رہی جو ہمارے درمیان پیدا ہو چکی ہے۔''

''کیوں۔'' فیروز نے شہروز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''کھانا پینا تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ جہاں کہیں بیٹھ جائیں، شکم سیری کرلیں، اس کے لیے اہتمام تو کوئی ضروری چیز نہیں ہوتا۔'' فیروز مسکرانے لگا پھر بولا۔

''یہ بے تکلفی ہی کا معاملہ ہے۔ میں نے آپ کے لیے اپنی پسند کی چیزیں تیار کرائی ہیں۔''

''چلیے ٹھیک ہے، اب ہم اس قدر اعتراض بھی نہیں کریں گے کیونکہ بہرحال یہ سب بھی ضرورتوں میں شامل ہے۔''

''پھر کل بارہ بجے میں آپ کے پاس آجاؤں گا۔ آپ لوگ میرے ساتھ چلیں گے۔''

''وہ فیروز صاحب! کیا آپ نے ڈاکٹر جمشید کو بھی۔''

شہروز نے سوال کیا اور فیروز اسے چونک کر دیکھنے لگا پھر سرد لہجے میں بولا۔

''نہیں اور اس کی وجہ ہے۔''

''بتانا پسند کریں گے۔''

''ڈاکٹر جمشید میری نگاہ میں ایک عام آدمی ہے، وہ شخص جو دوسروں کی خوشامدیں کر کے اپنی حیثیت اور اپنی جگہ برقرار رکھنے کی کوشش کرے، معاف کیجیے گا اس کا احترام دل میں کبھی نہیں پیدا ہوتا اور پھر یہ دوستوں کی محفل ہے، اس میں کسی غیر کی گنجائش نہیں۔''

''نہیں، بس یونہی سوال کرلیا تھا، صرف اس لیے کہ اگر ڈاکٹر جمشید ہمارے اوپر کوئی ذمہ داری سپرد کرے تو اس سے گریز کیا جاسکے۔''

''نہیں، ڈاکٹر جمشید کے لیے آپ کے یہ الفاظ کافی ہوں گے کہ ہم فیروز شاہ کے ساتھ کہیں جارہے ہیں۔''

''وہ تو میں سمجھتا ہوں۔''

بہرحال اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ دوسرے دن وقت مقررہ پر فیروز شاہ پہنچ گیا۔ ناہید اور شہروز تیار تھے۔ فیروز شاہ نے انہیں اپنی جیپ لینے کی اجازت دے دی اور خود اپنی کار میں باغ کی طرف چل پڑا تھا۔

وہ حسین جگہ ان دونوں کو بہت پسند تھی اور دوبارہ وہ وہاں جاچکے تھے۔ فیروز شاہ نے ابھی تک ان سے یہ سوال نہیں کیا تھا کہ ان کی ملاقات اس کے باپ سے ہوئی یا نہیں۔ ناہید اور شہروز نے بھی یہ تذکرہ خاص طور سے اس کے سامنے نہیں چھیڑا تھا۔ اصل میں بڑی احتیاط سے کام لینا تھا۔ باپ بیٹے تھے، ان کے درمیان کیسے روابط تھے، اس کا ابھی صحیح طور پر کوئی اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ فیروز شاہ اپنے باپ کے بارے میں گفتگو کرنے سے ہمیشہ گریز کرتا تھا۔ ایک آدھ بار تذکرہ نکل بھی آیا تو وہ خاموشی سے ٹال گیا۔

بہرحال باغ میں جو اہتمام کیا گیا تھا، وہ نظر آ رہا تھا۔ اس خوشنما عمارت میں بڑی عمدگی سے تمام انتظامات کیے گئے تھے اور کچھ ایسے لوگ بھی نظر آ رہے تھے جنہیں یقیناً کھانے وغیرہ کی تیاری کے لیے یہاں بلایا گیا تھا پھر جب دستر خوان سجا تو شہروز نے ہنستے ہوئے کہا۔

''بڑے آدمیوں کی باتیں بھی بہت بڑی ہوتی ہیں۔ آپ لوگوں کے لیے میرا یہی خیال ہے اور یہی احساس میرے دل میں موجود ہے۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ آپ کا جو دل چاہے کہیں، اپنے بارے میں بھی کبھی آپ نے کچھ سوچا۔'' شہروز نے ہنستے ہوئے کہا لیکن فیروز شاہ ان الفاظ پر سنجیدہ ہو گیا۔

''ہاں، اپنے بارے میں مَیں نے جب بھی سوچا، بڑی مایوسی کا شکار رہا ہوں۔''

''مجھے آپ کے ان الفاظ پر اعتراض ہے فیروز شاہ صاحب معاف کیجیے گا، بے تکلفی کی اجازت آپ ہی نے مجھے دی ہے۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو، ایک اچھی بات کہنے کے بعد کیا ضروری ہے کہ آپ مجھے میرے بے اوقات ہونے کا احساس دلائیں۔''

''بے اوقاتی کا نہیں فیروز صاحب! ہم آپ سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو کہ حقیقت ہے۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ یہ موضوع ترک کر دیں۔''

''چلیے، اگر آپ کی خواہش ہے تو ٹھیک ہے۔''

''پھر اس کے بعد کھانا شروع کر دیا گیا، کئی قسم کے پرندوں کا گوشت تھا۔ ہرن کے گوشت کے کباب بنائے گئے تھے۔ مختلف قسم کی وہ تمام چیزیں موجود تھیں جو عام زندگی میں کھانے کو بھی نہیں ملتیں۔ ویسے بھی شہروز کھانے پینے کا شوقین تھا اور واقعی اس دعوت کا لطف آیا تھا جس میں صرف تین افراد تھے۔ اتنی ساری اشیاء پکائی گئی تھیں کہ اس میں سے تھوڑی تھوڑی سی اشیاء بھی چکھنا ان کے لیے مشکل ہو گیا۔ بہرحال یہ ایک پر تکلف اور پر اہتمام دعوت تھی جسے شہروز اور ناہید نے بہت پسند کیا تھا۔ دعوت کے بعد تھوڑی سی چہل قدمی کی گئی۔ فیروز شاہ نے واقعی خوش ذوقی کا ثبوت دیا تھا۔ ایک بڑے سے گھنے درخت کے نیچے کرسیاں لگوائی گئی تھیں جہاں موسم کی شدت کا ذرہ برابر احساس نہیں ہوتا تھا، یہاں بیٹھ کر وہ لوگ دنیا جہاں کی باتیں کرنے لگے اور اسی وقت ناہید نے بڑی دیانت کے ساتھ بہرام شاہ کا موضوع چھیڑ دیا۔''

''فیروز شاہ صاحب بہت سی باتیں ہو چکی ہیں ہمارے اور آپ کے درمیان، آپ نے اپنی ذہنی کیفیت کا بھی کئی بار اظہار کیا ہے لیکن کچھ سوالات جو دل میں مچلتے ہیں وہ اب بھی تشنہ ہیں۔''

''اصل میں بہرام شاہ صاحب کے بارے میں آپ سے معلومات حاصل کرنا تھیں۔'' فیروز ایک دم سنجیدہ ہو گیا، کچھ لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

''جی فرمایئے۔''

''کبھی ہم نے آپ کی زبان سے بہرام شاہ کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔''

''آپ دونوں کے درمیان کیسے تعلقات ہیں۔ یہاں کچھ نرسیں وغیرہ ہیں۔ وہ بتا رہی تھیں کہ آپ کی والدہ ایک حادثے کا شکار ہو گئی تھیں۔''

''جی ہاں، انہیں سانپ نے ڈس لیا تھا۔''

''اوہ...... یہ نہیں معلوم تھا۔ آپ کی عمر کتنی تھی اس وقت۔''

''کافی چھوٹا تھا۔''

''میرا مطلب ہے کہ بہرام شاہ نے تو آپ کو ماں کا درجہ بھی دیا ہوگا۔''

''پتا نہیں ماں کا درجہ کیا ہوتا ہے۔ بہر حال میری پرورش ہو رہی ہے اور مجھے کوئی وقت نہیں ہے لیکن ان ساری باتوں کے ساتھ ساتھ ذہن میں ایک ایسی خلش ہے جسے شاید میں الفاظ میں بیان نہ کر سکوں۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ اگر میری زبان سے میرے دل کی آرزو نکل گئی تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔''

''کیا مطلب۔''

''آپ یہ بتائیے کہ ان سوالات سے آپ کو کیا حاصل ہو رہا ہے۔'' فیروز شاہ نے کسی قدر الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''نہیں فیروز شاہ صاحب! حاصل تو کچھ نہیں ہو رہا۔ آپ سے جو تعلق پیدا ہو گیا ہے اس کے تحت دل میں یہ خیال گزرا کہ آپ سے کچھ آپ کے ذاتی معاملات بھی پوچھے جائیں۔''

''میری ذات سے متعلق جو سوال ہے، آپ یقین کیجیے اس کا جواب دینے سے کبھی گریز نہیں کروں گا۔ اس کے علاوہ آپ جو کچھ بھی پوچھیں گے، میں آپ کو ضرور بتاؤں گا لیکن پلیز بس بہرام شاہ صاحب کے تذکرے کو جانے دیجیے، مجھے ایک کرب کا احساس ہوتا ہے۔''

''کک...... کیا مطلب۔'' ناہید نے خوبصورت اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''بس یوں سمجھ لیجیے کہ اگر مجھے موقع ملتا یا میری پیدائش سے قبل کوئی مجھ سے یہ پوچھتا کہ تم بہرام شاہ کے ہاں پیدا ہونا چاہتے ہو تو بخدا انکار کر دیتا۔'' فیروز شاہ نے کہا اور پھر ایک دم جھرجھری سی لے کر چونک کر انہیں دیکھنے لگا پھر بولا۔

''میں آپ لوگوں سے آپ کی دوستی کے نام پر درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم اس موضوع کو ٹال دیجیے گا اور کوئی بات کیجیے۔ یہ موضوع میرے دل میں زخم ڈال دیتا ہے۔''

''اوہ سوری فیروز شاہ صاحب! آئندہ اسی سلسلے میں مکمل خیال رکھا جائے گا۔''

''آپ لوگ مجھے معاف کر دیجیے، میرے ان الفاظ سے بھی آپ کے دل میں تجسس پیدا ہوگا کہ آخر یہ سب کیا ہے اور سنیے، میں آپ لوگوں کو ایک بات بتائے دیتا ہوں کہ شاہ گڑھی میں کوئی بھی فرد ایسا نہیں بستا جو آپ کو نقصان پہنچا سکے کیونکہ یہاں کے لوگوں کو یہ بات

معلوم ہو جائے گی کہ آپ میرے دوست ہیں لیکن آپ کو اگر میں ہوشیار رہنے کی تلقین کروں تو صرف بہرام شاہ صاحب سے یہ بات اپنی گرہ میں باندھ لینا کہ آپ کو یہاں صرف اور صرف بہرام شاہ کا خوف کرنا ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ ان کے سامنے آپ لوگ زیادہ نہ جائیں۔ شاید اس سے زیادہ میں اپنے باپ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکوں گا۔'' فیروز شاہ کا چہرہ شدت جوش سے تمتما رہا تھا اور شہروز اور ناہید اسے دیکھ رہے تھے۔

شہروز دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ شخص بہرحال ٹیڑھی کھیر ہے۔ اس سے اس قدر تعلقات تو بڑھا لیے گئے ہیں لیکن شاید یہ بہرام شاہ کے سلسلے میں کوئی موثر ذریعہ نہ بن سکے۔ تاہم اتنا ہی کافی تھا کہ اس کے ساتھ بہرام شاہ تک خصوصی طور پر رسائی ہو سکتی تھی۔ بہرحال ان دونوں نے جو جال پھیلایا تھا، اس سے مطمئن تھے۔ کام سست رفتاری سے ہوگا، اس کا بخوبی اندازہ تھا۔ فتح مندی پانے کا یقین تھا۔

☆......☆......☆

شرافت کے جانے کے بعد بھی بہرام شاہ کچھ دیر وہیں کھڑا رہا پھر آہستہ قدموں سے چلتا ہوا کچی حویلی میں اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ دور کھڑے ہوئے شیر گل نے یہ دیکھ لیا تھا کہ شاہ جی نے اسے جس کام کے لیے مامور کیا ہے، وہ خود بخود پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔ یہ پتا چل گیا کہ رات کا واقعہ کس شخص سے منسوب ہے۔ وہ لڑکی شرافت کی بیٹی تھی، اب یہ تو شاہ جی خود ہی فیصلہ کر سکتے تھے کہ اصل بات کیا ہے۔ کچھ دیر تو اس کی ہمت نہ پڑی لیکن پھر وہ شاہ جی کے کمرے کی جانب چل پڑا۔

بہرام شاہ اپنے کمرے میں کمر پر دونوں ہاتھ باندھے ٹہل رہا تھا۔ دروازے پر آہٹ ہوئی تو اس نے گردن اُٹھا کر دیکھا پھر گل شیر کو دیکھ کر آہستہ سے گردن ہلائی جیسے اس کے آ جانے سے غیر مطمئن نہ ہو۔

''حاضری دے سکتا ہوں شاہ جی۔'' شیر گل نے پوچھا۔

''آؤ، آؤ۔'' بہرام شاہ نے کہا اور گل شیر جھک کر کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ وہ اس قدر دراز قامت تھا کہ جب بہرام شاہ نے اسے دیکھا تو صرف اس کا سینہ نظر آ رہا تھا، اس سے بہرام شاہ نے یہ اندازہ لگایا کہ آنے والا شیر گل ہے۔ کمرے میں داخل ہو کر گل شیر بہرام شاہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بہرام شاہ بدستور ٹہل رہا تھا پھر وہ رکا اور ایک کرسی کی جانب بڑھ گیا، کرسی پر بیٹھ کر اس نے کہا۔

''ہاں، شیر گل کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''شاہ جی! حکم ہو تو عرض کروں۔''

''بول...... بول''

''شاہ جی! پتا چل گیا رات والی لڑکی کس کی بیٹی تھی۔''

''ہاں، پتا چل گیا۔'' بہرام شاہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

''شاہ جی! ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔''

''کہہ، کیا کہنا چاہتا ہے۔''

''شاہ جی شرافت جھوٹ تو نہیں بول رہا۔''

''کیا مطلب۔''

''مطلب یہ شاہ جی کہ لڑکی ظاہر ہے اگر بچ گئی ہے تو اس کے پاس پہنچ گئی ہوگی۔ شرافت نے سوچا ہوگا کہ شاہ جی کو کہیں یہ شبہ نہ ہو جائے کہ اس کی بیٹی شاہ کا راز لے کر وہاں پہنچ گئی ہے اور شاہ جی اس کے دشمن نہ بن جائیں تو اس چالاک آدمی نے یہ کیا کہ اس طرح آپ کے پاس آ گیا۔''

بہرام شاہ چونک کر شیر گل کو دیکھنے لگا، دیر تک سوچتا رہا پھر گردن نفی میں ہلا کر بولا۔

''نہیں شیر گل! کس کی بات کر رہا ہے، بالکل بے وقوفی کی بات ہے تیری۔''

''کیوں شاہ جی!'' شیر گل نے کہا۔

''یہ لوگ اتنے چالاک نہیں ہیں۔ یہ بستی سیدھے سادھے لوگوں کی ہے۔ یہ لوگ اتنا بڑا کھیل نہیں کھیل سکتے۔ بات ان کی عقل ہی میں نہیں آسکتی شیر گل انہیں یہ اتنے چالاک نہیں ہیں۔ بات کچھ اور ہی ہے۔''

''شاہ جی جو کچھ سوچتے ہیں، وہ کوئی دوسرا نہیں سوچ سکتا۔'' شیر گل دونوں ہاتھ باندھ کر بولا اور بہرام شاہ پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا شیر گل! سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کوئی اور ہی چکر ہے۔ اس چکر ہی کا پتا لگانا ہوگا ہمیں۔''

''آپ کا مطلب ہے شاہ جی۔''

''ہاں، کوئی ہے، کوئی خاص ہی بات ہے۔ ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ لڑکی بستی سے باہر نکل گئی یا پھر کسی اور کے چنگل میں پھنس گئی۔ وہ کون ہو سکتے ہیں جو ہماری نگری میں ہمارے بندوں پر گولیاں چلا کر انہیں ہلاک کر دیں۔ شیر گل وہ اس بستی کے لوگ نہیں ہو سکتے، کہیں اور کے بندے ہیں وہ مگر کون ہیں، کہاں چھپے ہوئے ہیں، ان کا پتا لگانا پڑے گا۔''

''شاہ جی! میرے لیے کیا حکم ہے۔'' شیر گل نے سوال کیا اور بہرام شاہ ایک بار پھر سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ جانتا تھا کہ شیر گل کتے کی طرح وفادار ہے، ان کے احکامات سے کبھی گردن نہیں اٹھا سکتا لیکن وہ اس قدر ذہین نہیں ہے کہ معاملے کی تہہ تک پہنچ جائے۔ ایک اور شخص تھا جو بہت ذہین تھا۔ بہرام شاہ نے اسے اپنی جاگیر پر ایک ایسی جگہ پر بھیجا ہوا تھا جہاں کچھ لوگ سرکشی کر رہے تھے۔ دلاور نے اس جگہ پر پہنچ کر پوری طرح صورتحال سنبھال لی تھی۔ اس کے بعد دلاور ہی ایک ایسا شخص تھا جو بہرام شاہ کا اس قدر رازدار تھا اور اس کے ہر مسئلے میں کام آنے والا تھا۔ اب اس وقت اسے دلاور کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

''شیر گل! دو بندوں کو بھیج دے ہوشیاری کے ساتھ، ان سے کہنا کہ زمیندارے سے دلاور کو بلا کر لائیں۔ دلاور سے کہیں کہ شاہ

جی کو تیری ضرورت ہے۔اپنے کام کسی کے سپرد کر کے سیدھا شاہ جی کے پاس آجائے۔‘‘

’’جو حکم شاہ جی! میں خود چلا جاؤں۔‘‘

’’ایں.....نہیں تو میرے ساتھ رہ، بس ذرا اور سمجھ دار بندوں کو بھیج دے۔ایسے کہ کسی کو شبہ نہ ہو سکے۔ بہت غور کرنا۔‘‘

’’جی شاہ جی۔‘‘

شیر گل واپس مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ بہرام شاہ نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا۔

☆......☆......☆

رات کا بقیہ حصہ بھی انہی سوچوں میں گزر گیا۔ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا، اس اندھیر نگری کے بارے میں اچھی طرح سے اندازہ ہو چکا تھا لوگ بہرام شاہ سے منحرف بھی تھے اور اس سے خوف زدہ بھی۔ شاید بستی کا ایک بھی شخص بہرام شاہ کے بارے میں کوئی غلط لفظ منہ سے نکالنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ان حالات میں صورت حال کو اپنے قابو میں رکھنا کافی مشکل نظر آ رہا تھا۔ ناہید نے تجویز پیش کی۔

’’شہروز! کیوں نہ ہم اپنے گروپ کے لوگوں کو یہاں طلب کر لیں۔‘‘

شہروز نے چونک کر ناہید کی طرف دیکھا اور بولا۔

’’کیوں۔‘‘

’’چھوٹے موٹے معاملات کا آغاز تو ہو گیا ہے، اس کا اندازہ تمہیں ہو گیا۔ ویسے اس لڑکی کو ہم شہر بھی بھجوا سکتے ہیں۔ میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ بہرام شاہ کے خلاف اس سے بڑی گواہ شاید اور کوئی نہیں ہو سکتی، ہمیں اس کی پوری پوری حفاظت کرنا ہو گی۔‘‘

شہروز کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

’’بات درست ہے۔ناہید! ہم سوچ سکتے ہیں اس بارے میں لیکن بہت سے مسئلے سامنے ہیں۔‘‘

’’مثلاً‘‘

’’لیکن ہم اپنے ساتھیوں کو کس حیثیت سے بلائیں۔ یہ اندازہ تو تم بھی لگا چکی ہو گی کہ بہرام شاہ بے حد چالاک اور چاروں کی طرف نگاہ رکھتا ہے۔اس کے آدمی پوری بستی کی نگرانی کرتے ہیں۔ اگر کوئی نئی شخصیت یہاں نظر آئے گی تو بہرام شاہ اس کے بارے میں پوری پوری چھان بین کرے گا اور پھر ان لوگوں کا اس کی نگاہوں میں آجانا کوئی مشکل کام نہیں ہو گا۔ یہاں اس نے جو ماحول پیدا کر رکھا ہے، اس میں ہمارے ساتھیوں کے لیے خطرہ بھی ہو سکتا، یہ رسک ابھی لینا ممکن نہیں ہے۔‘‘

ناہید سوچ میں ڈوب گئی پھر بولی۔

’’میں تو اس لڑکی کی حفاظت کے خیال سے کہہ رہی تھی۔‘‘

''ہاں، میں سمجھ رہا ہوں اور اس کے لیے یقیناً کوئی مناسب بندوبست کرنا ہوگا مجھے۔'' بہرحال اسی طرح کی گفتگو کے دوران صبح ہوگئی۔ نوری بدستور سسک رہی تھی اور اس کے الفاظ سن کر ناہید اور شہروز کو دکھ ہو رہا تھا۔ وہ روتے ہوئے بار بار کہنے لگتی تھی۔

''ابا نے منع کیا تھا، ہائے مجھے ابا نے منع کیا تھا۔ کہہ رہا تھا نوری بیٹا گھر سے باہر رات کو نہیں جاتے، حالات خراب ہیں۔ ہائے مجھے کیا معلوم تھا کہ حالات میں کیا خرابی ہے۔ میں تو بس یہ سوچ رہی تھی کہ میری سہیلی میرے نہ آنے پر برا مانے گی۔ اماں بھی ابا پر ناراض ہوتی رہتی ہے مگر ابا کا فیصلہ ٹھیک ہی تھا۔ ہائے مجھے کیا معلوم تھا بابو جی...... بابو صاحب...... مجھے میرے گھر پہنچا دو، تمہیں اللہ کا واسطہ کوئی پتا نہیں ابا پہلے تو اماں کو مار ڈالے گا پھر خود اپنی جان دے دے گا۔ وہ ایسا ہی ہے۔ میرے ماں باپ مر جائیں گے بابو جی! مجھے کسی بھی طرح۔''

''نوری! دیکھو، اپنے آپ کو سنبھالو۔ تم نے اپنے باپ کا کہنا نہیں مانا تھا نا۔'' ناہید کہنے لگی۔

''ہاں بیگم جی! بس کیا کروں، بچی ہی تو ہوں بھول گئی۔'' ناہید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی لیکن اس نے فوراً ہی مسکراہٹ کو سمیٹ لیا پھر بولی۔

''اب جو بھول ہو چکی ہے تم سے، تم دیکھو کہ قدرت نے تمہاری جان بچائی ہے۔ اب ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہی کرو۔ اگر تم اپنی مرضی سے کچھ کرنا چاہو تو دروازے کھولے دیتی ہوں۔ جاؤ باہر چلی جاؤ جس طرح چاہو کرو، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم نے تمہاری جان بچانے کی کوشش کی ہے۔''

''باہر اکیلی چلی جاؤں۔'' نوری نے معصومیت سے کہا۔

''تو اور کیا تمہارا کیا خیال ہے، کیا ہماری گردن پھنساؤ گی تم۔ کیا بہرام شاہ کے آدمی یہ نہیں سوچیں گے کہ ہم نے تمہیں بچایا اور پھر وہ ہمارے دشمن ہو جائیں گے۔''

''یہ تو ہے بیگم صاحبہ جی! وہ تو بڑا پاپی ہے...... وہ تو کیسا بھوت جیسا نظر آتا ہے بیگم جی! نہ جانے وہ میرے ساتھ کیا کرتا۔''

''فضول باتیں کر رہی ہو تم، اب تم ایسا کرو خاموشی سے یہاں رہو۔ تمہیں یہاں چھپانا بھی ایک مشکل کام ہے۔ تمہاری آواز بھی باہر سن لی گئی تو ہم لوگ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔''

''میں کیا کروں بتاؤ پھر میں کیا کروں۔'' نوری نے کہا۔

''تم ابھی خاموشی سے یہاں چھپی رہو، ہم دیکھتے ہیں کہ کیا بندوبست کر سکتے ہیں ہم تمہارے لیے۔''

پھر شہروز اور ناہید صبح کی روشنی پھوٹتے ہی باہر نکل آئے۔ درحقیقت ان کا ذہن کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ نوری کے سلسلے میں کیا کریں۔ خطرہ مول لے چکے تھے۔ بہرام شاہ کے تین آدمیوں کی ہلاکت ویسے تو شہروز کے لیے سرکاری طور پر کوئی حیثیت نہیں رکھتی لیکن ابھی وہ اس مشکل میں سامنے آ بھی نہیں سکتے تھے۔ سارا کھیل ادھورا رہ جاتا، ابھی کچھ بھی نہیں ہو سکا تھا بہرام شاہ کے خلاف، چنانچہ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا۔ باہر لان میں ڈاکٹر جمشید نظر آیا، اپنی گاڑی کا بونٹ اٹھائے اس پر جھکا ہوا تھا، انہیں دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

''شرم بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔''

''جی۔'' شہروز نے حیرت سے پوچھا۔

''شرم کی بات کر رہا ہوں، شرم کی۔''

''اس وقت آپ کو اس کا خیال کیسے آ گیا ڈاکٹر جمشید۔''

''ہاں ہاں بھی طنز کرو، طنز کرو مجھ پر لیکن کیا کروں، خدا اس کم بخت کو غارت کرے گا۔ گاڑیوں میں آگ بھی لگ جایا کرتی ہے، بندہ اپنے ہاتھ سے تو آگ نہیں لگا سکتا، اپنا نقصان خود تو نہیں کر سکتا لیکن اگر اتفاقیہ طور پر کسی چیز میں آگ لگ جائے یا وہ ختم ہو جائے تو پھر صبر آ ہی جاتا ہے۔ اب میں اس زندہ جیپ پر کیسے صبر کروں۔''

''زندہ جیپ۔'' شہروز اور ناہید ہنس پڑے۔

''تو اور کیا، کبھی چلتی ہے تو کم بخت ایسی چلتی ہے کہ میں سوچتا ہوں کہ اس نے اپنے سارے گناہ دھو ڈالے اور کبھی رکتی ہی تو اس طرح کی کہ اب موسم دیکھو، ذرا آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھاؤ۔''

''جی...... جی۔''

''کیا خوب صورت موسم ہے۔ ایسے موسم میں جنگل کے جانور ہمیں کوس رہے ہوں گے۔''

''کیوں۔''

''میاں کمال کرتے ہو، یعنی وہ آزادی سے پھر رہے ہیں اور ہمارے سینے پر مونگ دل رہے ہیں۔ مونگ ہی ہوتی ہے نا وہ۔''

''جی ہاں۔''

''مگر سینے پر مونگ کیسے دلی جاتی ہے۔''

''جی......'' شہروز حیرت سے بولا۔

''میاں، مونگ ایک سخت چیز ہے اور سینہ نرم۔''

''محاورے میں دلی جاتی ہے۔''

''ایسی کی تیسی اس محاورے کی جس کا کوئی مفہوم نہ ہو۔''

''محاورے تو عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

''ہوتے ہوں گے، میں نے تو ایک بھی ایجاد نہیں کیا۔''

''ڈاکٹر جھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔''

''مسئلہ کیا ہے۔''

"کمال ہے یار! یعنی اتنی دیر سے جو سنا رہا ہوں، وہ کیا سنا رہا ہوں، داستان الف لیلیٰ یا داستان یوسف وزلیخا۔ پتا نہیں کیا ہوتی ہے۔ میرا مطلب ہے تم میرا مطلب نہیں سمجھ سکتے۔"

"ہماری گاڑی لے جائیں۔"

"اسی لیے تو شرم کی بات کر رہا تھا۔" ڈاکٹر جمشید سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"یعنی آپ۔"

"ہاں، میاں کتنی بار مانگوں تمہاری گاڑی، اب تو شرم آنے لگتی ہے۔ شرم کی وجہ سے میری زبان نہیں کھلتی۔"

"ناہید! ڈاکٹر جمشید کو جیپ کی چابی لا دو۔" شہروز نے کہا اور ناہید ہنستی ہوئی واپسی کے لیے مڑ گئی۔

"خدا تمہیں زندہ رکھے کہ زندگی سے تنگ آ جاؤ۔" ڈاکٹر جمشید نے کہا۔

"ارے ارے ڈاکٹر جمشید صاحب! آپ تو برا بھلا کہنے لگے۔"

"نہیں، واقعی میرا دل مچل رہا ہے۔ بس جی چاہتا ہے کہ جنگل کے جانور ہوں اور ہم ایک دوسرے سے آنکھ مچولی کھیلتے پھریں۔" ڈاکٹر جمشید نے اس انداز سے کہا کہ شہروز کے حلق سے قہقہہ آزاد ہو گیا۔ اتنی دیر میں ناہید چابی لے آئی تھی۔

"پٹرول ہے۔" ڈاکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی ہاں، خاصا پٹرول بھرا ہوا ہے۔ ویسے بھی اس میں کئی پٹرول کین موجود ہیں۔"

"خدا۔"

"بس بس، زیادہ دعائیں دینے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی دعائیں بھی خطرناک ہو جاتی ہیں۔"

ڈاکٹر جمشید اپنے ساتھ اور بھی کچھ لوگوں کو لے گیا تھا۔ عموماً ایسا ہی ہوتا تھا شہروز نے اسی لیے جلدی سے اپنی گاڑی دے دی تھی تا کہ پھر ڈسپنسری میں تنہائی ہو جائے تا کہ نوری کو چھپانے میں کوئی وقت پیش نہ آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر جمشید ان لوگوں کو دعائیں دیتا ہوا چلا گیا تھا۔

"ہوں، آج کے دن کے لیے تو کم از کم تھوڑی سی آسانی ہو گئی۔ اب باقی رہ گئیں شازیہ اور ناصرہ، ان لوگوں کو بھی کسی طرح بھگا دیتے ہیں۔" ناہید نے کہا۔

"کیسے۔"

"اکثر ایسے ہوتا ہے کہ جب کوئی کام نہیں ہوتا تو یہ لوگ بھی چلی جاتی ہیں۔ یہاں ان کے لیے گھر وغیرہ بھی ہیں۔"

"تو پھر تم یہی کام کرو، میں اس کے بعد ذرا سکون سے سوچ سکوں گا۔" شہروز نے کہا اور ناہید راشدہ اور شازیہ کی جانب چل پڑی۔ دونوں ہی کچھ سست سی نظر آ رہی تھیں۔ ناہید کو دیکھ کر جلدی سے بولیں۔

''ارے ڈاکٹرنی صاحبہ! کوئی کام تھا تو ہمیں بلا لیتیں۔''

''یہاں کیا کام ہوتا ہے راشدہ۔''

''ہاں جی یہ تو ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ پنشن کے بعد بھی انسان کو کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے لیکن اس ڈسپنسری کو اللہ سلامت رکھے، یہاں ڈیوٹی کے دوران بھی کبھی کچھ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ہمیں تو بہت عرصہ ہوا نرسوں کے کپڑے بھی نہیں پہنے۔ ویسے ڈاکٹرنی صاحبہ آج کی چھٹی مل جائے ہمیں تو بڑا کام ہو جائے۔'' ناہید خوشی سے اچھل پڑی۔ وہ تو خود یہ سوچ کر آئی تھی کہ ان لوگوں کو کس طرح یہاں سے ٹالے تاکہ آرام سے کچھ وقت گزارے۔'' تاہم اس نے کہا۔

''کہاں جانے کا ارادہ ہے۔''

''بس ڈاکٹرنی صاحبہ! آج ذرا کچھ کام بھی تھے اور پھر ڈاکٹر جمشید بھی چلا گیا ہے۔ آپ ہی لوگ ہیں، آپ تو یہیں رہتے ہو جی! اگر آپ اجازت دیں تو ہم شام تک کے لیے چلے جائیں جی۔''

''ہاں ہاں، چلی جاؤ، کوئی ایسی بات نہیں ہے۔''

''اللہ آپ کو خوش رکھے۔''

پھر تھوڑی دیر بعد راشدہ اور شازیہ بھی چلی گئیں۔ شہروز باہر ہی تھا اور نوری کمرے کے اندر جب وہ دونوں چلی گئیں تو ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''چلیے جناب! آج کا دن تو ہمیں فرصت کا مل گیا۔ اب لڑکی کے کھانے پینے کا کوئی بندوبست کریں۔ حالانکہ اسے کھلانا بھی مشکل ہوگا، اس کے بعد سوچیں گے کہ ہمیں اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے۔'' شہروز نے گردن ہلا کر کہا۔

اور اس کے بعد ناہید اور شہروز نوری کے سلسلے میں کچھ ضروری تیاریاں کرنے میں مصروف ہو گئے لیکن حقیقت یہ تھی کہ ابھی تک وہ اس کے بارے میں کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ اسے کہاں پوشیدہ رکھا جا سکے جبکہ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ وہ بہرام شاہ کے سلسلے میں ایک اہم اور کارآمد گواہ ثابت ہو سکتی تھی۔

☆......☆......☆

فیروز شاہ بے شک بیمار ہوا تھا لیکن یہ بیماری اسی سلسلے کے لیے ایسی تبرک ثابت ہوئی تھی کہ اس کا دل اندر سے بے پناہ خوش ہو گیا تھا، کسی ایسی شخصیت کا مل جانا جس میں محبت اور احترام کا جذبہ مشترک ہو، اس کے لیے بے حد خوشگوار تجربہ تھا۔ عائشہ کے بارے میں اسے صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ وہ اس کی سوتیلی ماں ہے۔

شاہ گڑھی میں بہرام شاہ کے قانون پر عمل درآمد ہوتا تھا جن ذہن کو جو بات سمجھا دی جاتی تھی۔ بھلا کیا مجال ہے کہ وہ اس سے

منحرف ہو سکے۔ ہر چند کہ فیروز شاہ کے دل میں اپنے باپ کے لیے لاتعداد احساسات تھے، اس کا دل اندر سے ابلتا تھا۔ کبھی کبھی وہ چاہتا تھا کہ ان احساسات کو کسی نہ کسی شکل میں زبان پر لے آئے لیکن کس کے سامنے، کوئی ایسا تھا ہی نہیں۔ پچھلے دنوں ناہید اور شہروز سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ لوگ بے چارے ہسپتال کے ڈاکٹر تھے۔ اچھی طبیعت کے مالک تھے اور فیروز شاہ ان سے بے تکلف ہو گیا تھا۔

بہت اچھے لگے تھے وہ لوگ اور فیروز شاہ کا دل چاہا تھا کہ ان پر اپنے دل کے سارے راز کھول دے لیکن پھر دل مسوس کر خاموش ہو گیا تھا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ بے چارے کر ہی کیا سکتے تھے، سوائے دل جوئی کے اور پھر فیروز شاہ کی ہمت بھی نہیں پڑے گی کہ اپنے باپ کے خلاف زبان کھولے لیکن عائشہ کا معاملہ اور تھا، وہ اسی راستے کی راہی تھی۔ اتنا تو فیروز شاہ بھی سمجھتا تھا کہ عائشہ کے ساتھ ہی کوئی بہت اچھا نہیں کیا جا رہا ہوگا۔ بہرام شاہ تو اس طرف کا رخ ہی نہیں کرتا تھا ویسے فیروز شاہ کو اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ کچی حویلی میں کسی میں بھی مجال نہیں ہے کہ بہرام شاہ کے بارے میں غلط انداز سے سوچ سکے، اسی لیے بہرام شاہ نے یہاں اپنے جاسوسوں کا پہرہ بھی نہیں بٹھایا تھا۔

فیروز شاہ کو بھی اس نے پوری پوری اجازت دی ہوئی تھی، بس جن معاملات میں پابندی تھی، ان معاملات میں تھی۔ باقی فیروز شاہ اپنی مرضی سے سب کچھ کر سکتا تھا اور اسے کہیں بھی کسی جگہ رکاوٹ پیش نہیں آتی تھی۔ جن معاملات میں بہرام شاہ نے اسے پیچھے رکھا تھا، ان پر فیروز شاہ کا دل ہمیشہ روتا تھا۔ وہ آزاد فضاؤں کا پنچھی نہیں تھا بلکہ ایک بہت بڑے پنجرے میں قید تھا اور اس پنجرے کا نام شاہ گڑھی تھا۔ تعلیمی لحاظ سے اسے دنیا کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ اس کے اتالیق اسے ہر طرح کی تعلیم دیتے تھے لیکن بس وہ محدود تھی، دنیا دیکھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے، اس طرح سے تو لڑکیاں بھی گھروں میں قید نہیں رہتیں جس طرح بہرام شاہ نے فیروز شاہ کو باہر کی دنیا سے دور رکھا تھا۔

عائشہ کے بارے میں وہ بہت کچھ سوچتا رہا، اسے افسوس بھی ہو رہا تھا کہ اب تک ایسی مشفق اور مہربان عورت سے ملاقات کیوں نہیں کی۔ بس ایک نفرت کا احساس اس کے دل میں جاگزیں تھا اور وہ نفرت یہ تھی کہ اس عورت نے اس کی ماں کی جگہ لے لی ہے لیکن اتنی اچھی عورت...... پتا نہیں وہ کیا حالات ہوں، وہ عائشہ سے ایک بار اس کے بارے میں معلومات ضرور کرے گا۔ ممکن ہے اس کا دل اس کی جانب سے بالکل ہی صاف ہو جائے۔

بہر حال وقت گزرتا رہا، بدن پر نقاہت طاری تھی۔ باہر نکلنے کا ابھی دل میں خیال نہیں آیا تھا۔ تھوڑی طبیعت بحال ہو جائے تو اس کے بعد ناہید اور شہروز سے بھی ملنا تھا۔ خاصا وقت گزر گیا، وہ لوگ سوچتے ہوں گے کہ بڑے آدمی کا بیٹا ہے، بھول گیا۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ بہر حال ان سے معذرت کرلوں گا۔

دن گزر گیا۔ ویسے اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ رانی اور دوسری ایک دو ملازمائیں خصوصی طور پر اس کا خیال رکھ رہی ہیں۔ رانی کی خیر بات ہی اور تھی، وہ ان تمام معاملات کی راز دان بن گئی تھی۔ دیکھیں کس حد تک وزنی شخصیت رکھتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو زبان کھول دے۔ ویسے فیروز شاہ کو اتنا خطرہ بھی نہیں تھا، اگر بہرام شاہ تک بات پہنچ گئی تو وہ اس کا سامنا کرے گا۔ آخر انسانی زندگی پر کس حد تک

پابندیاں لگائی جا سکتی ہیں۔ رات کو اس کا دل مچلنے لگا اور وہ وقت کا انتظار کرتا رہا پھر جب پکی حویلی میں سناٹا چھا گیا۔ ملازم تمام کاموں سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے تو وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور چوروں کی طرح چلتا ہوا عائشہ کے دروازے پر پہنچ گیا لیکن دروازے پر دستک دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ اس کے دروازے پر پہنچتے ہی دروازہ کھل گیا تھا۔ وہ حیران رہ گیا۔ دروازہ کھولنے والی رانی تھی۔

''ارے تم یہاں کیوں کھڑی تھی۔''

''آپ کا انتظار کر رہے تھے ہم لوگ شاہ جی!'' رانی نے کہا۔

''کیا واقعی۔''

''ہاں، اندر آ کر دیکھ لیجیے۔'' رانی مسکرا کر بولی۔

اندر عائشہ کھڑی ہوئی تھی۔ فیروز شاہ نے اسے سلام کیا تو اس نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں آ رہا ہوں۔'' عائشہ مسکرا دی پھر بولی۔

''بس معلوم ہو گیا، اس بارے میں اور کوئی سوال نہ کرو۔''

''بیٹھ سکتا ہوں۔''

''پوچھنے کی بات ہے۔'' عائشہ نے کہا اور بڑے پیار سے اسے کرسی پر لے جا کر بٹھا دیا۔ فیروز شاہ بیٹھ گیا۔ اس نے مسکراتی نگاہوں سے عائشہ کو دیکھا تو عائشہ نے کہا۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری۔''

''بتا نہیں سکتا۔'' فیروز شاہ بولا۔

''کیا مطلب۔''

''افسوس ہوتا ہے کہ پہلے یہ بیماری مجھ پر طاری کیوں نہ ہوئی۔''

''ارے ارے کیوں۔''

''آپ کو نہیں معلوم آنٹی کہ اس بیماری نے مجھے کیا دیا ہے۔''

''کیا دیا ہے۔'' عائشہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''آنٹی۔'' فیروز شاہ نے کہا اور عائشہ بھی ہنسنے لگی پھر بولی۔

''کیسی عجیب بات ہے فیروز شاہ''

''کیا آنٹی۔''

''یہی کہ کتنے عرصے ہم لوگ ساتھ رہتے رہے ہیں، ایک عمر گزر گئی لیکن وہ لمحہ اچانک ہی آیا کہ جس لمحے میں تم سے اس قدر بے تکلف ہوگئی۔''

''ہاں آنٹی! اسی پر تو افسوس کر رہا ہوں۔''

''خیر چھوڑو، اب ٹھیک ہو نا۔''

''بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ آپ نے مسیحائی کی ہے ورنہ شاید زیادہ عرصے تک بیمار رہتا۔''

''عائشہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہوگئی تو فیروز شاہ بولا۔''

''کیوں آنٹی! آپ کچھ عجیب سی ہوگئیں۔''

''نہیں، بس ایسے ہی۔'' عائشہ نے گردن جھٹک کر کہا پھر بولی۔

''کچھ کھاؤ گے۔''

''دل تو بالکل نہیں چاہ رہا آنٹی! آپ حکم دیں گی تو ضرور کھاؤں گا۔''

''کچھ پھل لے لو۔''

''جی آنٹی۔''

عائشہ نے رانی کو اشارہ کیا اور رانی باہر نکل گئی۔ فیروز شاہ اسے مسکرا کر دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

''کیسی عجیب بات ہے آنٹی! میرے اتنے قریب محبت کا ایک آبشار بہہ رہا تھا اور میں نے کبھی اس کے قطرے سے لطف حاصل نہیں کیا۔ اب یہ محسوس ہو رہا ہے جیسے میں اس آبشار کے نیچے آ بیٹھا ہوں۔''

''میں یہ ساری باتیں اس انداز میں نہیں کر سکتی ہوں فیروز شاہ! عجیب سی زندگی گزاری ہے میں نے۔ شاید میری زندگی تمہاری زندگی سے مختلف نہ ہو۔ شاید وہی احساسات تمہارے دل میں بھی ہوں جو میرے دل میں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فیروز شاہ کہ بس تم سے کچھ کہتے ہوئے عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔''

''عجیب سا کیوں آنٹی۔''

''مجھے معاف کرنا، میری زبان سے اگر کوئی غلط لفظ نکل جائے تو اس کے بارے میں غور نہ کرنا بلکہ یہ سوچنا کہ میں سادگی سے جو کہنا چاہتی تھی، وہ کہہ دیا۔''

''آنٹی! اگر ہمارے درمیان بھی یہ کھوٹ قائم رہی تو پھر آپ بتائیے کہ ہم خلوص کا اظہار کس کے سامنے کریں گے۔''

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ پتا نہیں شاہ جی کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا رہا۔ پتا نہیں تمہارے دل میں ان کے لیے کیا مقام ہے، میں کوئی ایسی ویسی بات کہہ جاؤں جو تمہیں بری لگ جائے۔''

''آنٹی! یہ وعدہ کر رہی ہیں کہ دل کی بات سنیں گی، دل کی باتیں کہیں گی۔''

''کیا مطلب۔''

''مجھے بھی اس کی اجازت دیں کہ میں اپنے دل کے سارے راز آپ کو بتا سکوں۔''

''کیا تم ایسا کر سکو گے فیروز شاہ۔''

''ہاں، آنٹی پہلے میں ایسا کرنا چاہتا ہوں اور اس کے بعد اگر آپ مجھے اس قابل سمجھیں تو مجھے بھی اپنی کیفیات کے بارے میں بتا دیجیے۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ انسان انسان کے کام آتا ہے اور کچھ نہیں تو آپ نے میرے سر پر ہاتھ رکھا ہے۔ کم از کم یہ ہاتھ ہی قائم رہنے دیں۔ مجھے آپ پر اعتبار ہے آنٹی مکمل اعتبار ہے۔ ہو سکتا ہے آنے والا وقت آپ کو بھی مجھ پر اعتبار دلا دے۔''

عائشہ اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگی پھر بولی۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو فیروز شاہ۔''

رانی پھل لے کر آ گئی تھی۔ فیروز شاہ نے اسے دیکھا تو عائشہ نے کہا۔

''پورے اعتماد سے یہ بات کہہ رہی ہوں فیروز شاہ کہ رانی کو ہم سے الگ نہ سمجھو۔ ہم دونوں ہی تمہارے ہر معاملے کے راز دان ہیں اور ایک دوسرے کے دلوں کا حال جانتی ہیں۔''

''نہیں آنٹی! میں جانتا ہوں، رانی ایک اچھی عورت ہے۔''

''بیٹھ جاؤ رانی۔''

رانی بیٹھ گئی تو فیروز شاہ نے کہا۔

''آنٹی! میری پرورش جس انداز میں ہوئی ہے، آپ کو بھی علم ہے۔ بہت چھوٹا تھا، کوئی احساس نہیں تھا مجھے، میں نہیں جانتا تھا کہ ماں کیا چیز ہوتی ہے۔ آنٹی! پتا نہیں کیوں جوں جوں بڑا ہوتا چلا گیا مجھے یہ احساس ہوتا رہا تھا کہ میرے ساتھ کچھ ناانصافیاں ہو رہی ہیں۔''

میری پرورش میں کچھ ایسی باتیں سامنے آ رہی ہیں جو دنیا میں نہیں ہوتیں۔ آنٹی! میں نہیں جانتا کہ دنیا کے بہت سے معاملات کس انداز میں چلتے ہیں، لوگ کس طرح خوش رہتے ہیں۔ آنٹی! جوں جوں شعور کی منزل میں، میں داخل ہوتا چلا گیا، بہت سے احساسات ہوئے۔ مجھے معاف کیجیے گا آنٹی! آپ کہہ رہی تھیں کہ میں بڑے شاہ جی کے سلسلے میں کسی بات کا برا مان جاؤں گا۔ نہیں آنٹی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر آپ کو علم نہیں ہے کہ بڑے شاہ جی کیا چیز ہیں تو میں اپنی معلومات آپ تک پہنچاؤں گا۔ آنٹی! میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں، میری عمر جتنی بھی ہے لیکن وقت سے پہلے مجھے بہت سی باتوں کا ادراک ہوا ہے جو میری عمر کے کسی لڑکے کو نہیں ہوتا۔

آنٹی! میں نے دیکھا ہے کہ بستی کے لوگ بڑے شاہ جی کو ایک خوفناک اژدھا سمجھتے ہیں، ان سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ لوگ ان کا احترام نہیں کرتے۔ وہ جوان کے پاس اپنے مسائل لے کر آتے ہیں، اس لیے نہیں آتے کہ بڑے شاہ جی ان کے مسائل حل کریں گے بلکہ

اس لیے آتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کے مسائل بڑے شاہ جی نے ہی پیدا کیے ہیں اور اگر وہ چاہیں تو ان کے مسائل کو سمیٹ کر انہیں زندگی کی مشکلات سے نجات دلا سکیں۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا آنٹی۔

شاہ جی مسائل پیدا کرتے ہیں اور لوگ اپنے مسائل کا حل ان ہی کے پاس تلاش کرنے آتے ہیں کیونکہ ان کے باقی تمام راستے بند کر دیے جاتے ہیں۔ باہر کے لوگوں کی یہ بات ہے۔ آنٹی! جہاں تک گھر کا تعلق ہے تو ہم سب بھی اسی کیفیت کا شکار ہیں۔ ہم بھی ان کی مملکت کے وہ حقیر ذرے ہیں جنہیں وہ جب چاہیں اپنے پاؤں سے رگڑ سکتے ہیں۔ آنٹی! میں بالکل نہیں کہہ سکتا کہ میرے دل میں بڑے شاہ جی کا کیا مقام ہے۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ رعایت برتتے ہیں لیکن آنٹی! نہ جانے کیوں میرے دل میں ایک خلش ہے، ایک احساس ہے۔ بڑے شاہ جی کے بارے میں میں بہت زیادہ برے الفاظ نہیں کہوں گا لیکن آپ یقین کریں، ان کی کچھ ایسی باتیں میرے دل میں آ چکی ہیں جو آنٹی آپ کے سامنے میں بیان نہیں کر سکتا۔ وہ غیر انسانی باتیں ہیں۔ انسان انسانوں کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرتے، بڑے شاہ جی بظاہر درویش بنے رہتے ہیں لیکن میں جانتا ہوں آنٹی کہ ان کے روپ کے پیچھے دوسرا روپ کون سا ہے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے اور اب جب ان کا سلوک ہوا ہوگا۔ آنٹی! میری ماں کے ساتھ کیا سلوک ہوا، مجھے اپنی ماں کی صورت یاد نہیں ہے، وہ کیسی تھی، کس طرح چلتی تھی، کس طرح ہنستی تھی، کس طرح بولتی تھی۔ زندگی میں کبھی ہنسی بھی تھی یا نہیں۔

میرا دل مجھ سے کہتا ہے کہ میری ماں کے ساتھ کوئی ایسا سلوک ہوا جو...... جو...... جو......" فیروز شاہ کی آواز بھرا گئی۔ عائشہ کی آنکھوں میں بھی آنسو تیرنے لگے تھے۔ رانی نے گردن جھکا لی تھی۔ فیروز شاہ چند لمحات کے بعد سنبھل کر بولا۔

"آنٹی! آپ کو اس بارے میں کچھ معلوم ہے، خدا کی قسم میں آپ کو کسی ایسی بات کے لیے مجبور نہیں کرنا چاہتا جس پر آپ کو بھی دکھ ہو لیکن آنٹی! بہر حال میری یہ آرزو ہے، میرے دل میں یہ خیال ہے کہ کہیں سے مجھے میری ماں کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکے۔ میرا دل تڑپتا ہے۔ آنٹی! خدا کے واسطے آپ کو اس بارے میں اگر کچھ معلوم ہے تو مجھے ضرور بتا دیجیے۔"

عائشہ کے رخساروں پر آنسو بہنے لگے، فیروز شاہ نے کہا۔

"آنٹی! آپ رو رہی ہیں، میں سخت شرمندہ ہو رہا ہوں۔ نہ جانے کیوں آپ رو رہی ہیں۔ میں نے شاید آپ کے دل کے کسی ایسی تار کو چھیڑ دیا ہے جس سے آپ کا اپنا ماضی بھی وابستہ ہے۔ آنٹی! آپ کہہ چکی ہیں کہ آپ نے خاص مقام مجھے دے دیا ہے اپنے دل میں تو کیا اس کی کوئی گنجائش ہے کہ آپ کا بیٹا آپ کا فیروز شاہ نہیں تو نہ سہی، میں آپ کا بیٹا لیکن دنیا تو مجھے یہی کہے گی آنٹی! اگر صحیح معنوں میں مجھے میرا مقام دیا جائے تو...... تو میں آپ کا بیٹا ہی ہوا۔ آنٹی! کیا آپ مجھ سے کوئی بات چھپائیں گی۔"

"نہیں فیروز شاہ!" عائشہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو مجھے بتائیے آنٹی...... مجھے بتائیے آنٹی...... خدا کے لیے مجھے بتائیے۔ میری ماں کے ساتھ اس گھر میں کیا سلوک ہوا تھا۔ آنٹی! آپ کو خدا کا واسطہ، مجھے ایک بار ضرور بتائیے۔"

عائشہ نے آنسو بھری نگاہوں سے رانی کی جانب دیکھا اور بولی۔

"رانی! میں کیا کروں۔ مجھے بتاؤ رانی، میں کیا کروں۔"

رانی نے کہا۔

"آپ وہ کریں مالکن جو آپ کو کرنا چاہیے ان حالات میں......"

"مجھے بتاؤ رانی! مجھے بتاؤ تمہیں خدا کا واسطہ۔ یہ مجھ سے زندگی میں پہلی بار کوئی سوال کر رہا ہے۔ میں اسے کیسے مایوس کر دوں لیکن......لیکن میں اپنی زبان سے جو کہوں گی، تم بتاؤ کہ کیا وہ درست ہوگا۔"

"نہیں۔" رانی نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"تو پھر مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔"

"م......ماروی کو بلا لیجیے۔" رانی آہستہ سے بولی۔

"کیا......" عائشہ نے حیرت سے منہ کھول دیا۔

"ہاں، ماروی کو بلا لیجیے۔"

"لیکن......لیکن۔"

"نہیں، آپ ماروی کو جانتی ہیں۔ اچھی طرح جانتی ہیں۔"

"ہاں......جانتی ہوں......لیکن۔"

"ماروی کون ہے۔ آنٹی، رانی ماروی کون ہے۔" فیروز شاہ نے دونوں سے سوال کیا۔

"ماروی وہ ہے چھوٹے شاہ جی جس نے آپ کی ماں کو بچپن میں گود میں کھلایا تھا۔ ماروی وہ ہے شاہ جی جو صرف آپ کی ماں کی محبت میں شاہ جی کے پاس حویلی میں آ گئی تھی۔ وہ اس کی خادمہ تھی، آیا تھیں چھوٹے شاہ جی اور صرف اس کے لیے یہاں آئی تھی اور جب آپ کی ماں اس دنیا سے رخصت ہو گئی تو ماروی بہت عرصے تک اپنا دماغی توازن کھوئے رہی۔ رفتہ رفتہ اسے صبر آیا تھا۔ اس وقت وہ پکی حویلی میں پڑی ہوئی ہے۔ اس کا کوئی اور سہارا بھی تو نہیں تھا لیکن چھوٹے شاہ جی! وہ آپ کی ماں کی موت کا راز جانتی ہے۔"

"کہاں ہے ماروی۔"

"یہیں، اسی بستی میں۔"

"آہ......" وہ سارے کردار جو میرے اردگرد بکھرے ہوئے تھے جو میرے دل کے بند دروازے کھول سکتے تھے لیکن میں ان سے بے خبر رہا۔ میں......میں واقعی بہت بے وقوف انسان ہوں۔ رانی! ماروی کہاں ہے۔"

"یہیں ہے شاہ جی!" رانی نے جواب دیا۔

''تو مجھے اجازت دیجیے آنٹی! کہ میں ماروی سے بات کرسکوں۔ کیا آپ مجھے اس کا موقع دیں گی۔ کیا آپ اس بات سے خوفزدہ تو نہیں ہوں گی کہ میں یہ سب کچھ آپ کے کمرے میں بیٹھ کر کر رہا ہوں لیکن ایک بات آپ سن لیں، میرے سامنے یہ نام آیا ہے۔ میں...... میں یہ سارے دروازے کھول کر رہوں گا۔ آنٹی...... آنٹی...... آپ اطمینان رکھیں میں اتنا بے وقوف بھی نہیں ہوں کہ کوئی اندھا قدم اُٹھا بیٹھوں۔ میں اپنے آپ پر ہر طرح سے قابو رکھوں گا۔ یہ بات تو میرے دل میں بار بار آچکی ہے آنٹی کہ میری ماں قدرتی موت نہیں مری۔ شاہ جی کے اطوار دیکھ کر مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ شاہ جی شاید دنیا کے ہر شخص کے ساتھ فریب کرتے ہیں۔ ہاں یہ کہتے ہوئے مجھے کوئی شرم نہیں آتی، کوئی دکھ نہیں ہوتا۔ آپ لوگ نہیں جانتے میری دل میں کیا کیا کچھ ہے۔ میں اس لاوے کو سامنے لاؤں تو آپ یقین کیجیے کہ خود جل کر خاکستر ہو جاؤں گا۔ میں اسے اپنے اندر ہی پکنے دے رہا ہوں۔ آنٹی! خدا کے لیے مجھے اس کا موقع دیجیے کہ میں تمام حقیقتوں سے روشناس ہوسکوں۔''

''رانی! جاؤ، ماروی کو لے آؤ۔''

''جی مالکن۔'' رانی نے جواب دیا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر باہر نکل گئی۔

''آہ...... کیا کیا ہے۔ میری زندگی میں آنٹی! میں آپ کو کیا بتاؤں کس انداز میں زندگی گزارتا ہوں۔ کیا کیا محسوس کرتا رہا ہوں۔ میں اپنے آپ کو سونے کے پنجرے میں بند چڑیا محسوس کرتا رہا ہوں۔ آنٹی! جو اس پنجرے میں گھوم پھر تو سکتی ہے لیکن آزاد نہیں ہوسکتی۔ مجھے سونے کے اس پنجرے سے نفرت ہے آنٹی! مجھے ساری دنیا سے نفرت ہے۔ آپ یقین کیجیے کہ میں نہیں جانتا کہ میرے دل میں کیا ہے۔''

عائشہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور آہستہ سے کہا۔

''ہر دل میں ایک طوفان ہوتا ہے فیروز شاہ اور وہ طوفان دلوں میں بند رہتا ہے۔ مرنے والے اس طوفان کے ہاتھوں مر جاتے ہیں اور دل نہیں کھول پاتے۔ کچھ زندگیاں ایسی ہوتی ہیں جو اسی انداز میں گزرتی ہیں۔''

''نہیں آنٹی! میرا خیال ہے، کہیں نہ کہیں ہر اس شخص کا انداز فکر غلط ہوتا ہے جو اپنے اندر گھٹ گھٹ کر مر جاتا ہے۔ اسے راستے تلاش کرنے چاہئیں۔''

''مگر شاید میرے اندر اتنی ہمت کبھی پیدا نہیں ہوئی کہ میں ایک بے بس اور کمزور انسان ہوں۔ صرف شاہ جی کی رعایا جس کی اپنی کوئی آواز نہیں ہے۔ جس کا اپنا کوئی مقام نہیں ہے۔''

فیروز شاہ گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔

وہ ماروی کا انتظار کر رہے تھے، فیروز شاہ نے ماروی کو کبھی دیکھا ہوگا۔ ظاہر ہے پکی حویلی میں رہتی تھی لیکن وہ کسی میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ صرف چند افراد سے اس کا واسطہ تھا جنہیں وہ جانتا تھا اور بس پکی حویلی میں کیا ہو رہا ہے، اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ یہاں تک کہ اس نے کبھی عائشہ کے بارے میں بھی غور نہیں کیا تھا، سوائے اس کے کہ لوگوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس کی سوتیلی ماں ہے۔ کیا ہے،

کیسی ہے، کس انداز میں اس کے بارے میں سوچتی ہے، اس پر بھی فیروز شاہ نے غور ہی نہیں کیا تھا اور اب اسے اس کا افسوس ہو رہا تھا۔
کافی دیر تک خاموشی رہی پھر اس وقت ٹوٹی جب رانی ماروی کے ساتھ اندر داخل ہوگئی۔ اس نے ماروی کا بازو پکڑا ہوا تھا۔ خاصی ضعیف عورت تھی۔ سارے بال سفید تھے، چہرے پر حزن وملال نظر آتا تھا۔ فیروز شاہ کو دیکھ کر وہ چونکی اور اس نے جلدی سے کہا۔

''سلام چھوٹے شاہ جی۔''

''سلام...... ماروی...... آؤ بیٹھو۔''

''کوئی غلطی ہوگئی ہم سے چھوٹے شاہ جی...... کوئی غلطی ہوگئی مالکن۔''

''نہیں ماروی! بالکل خوف نہ کرو۔ تم اس وقت محفوظ جگہ ہو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔''

عائشہ کی نرم آواز سے ماروی کو حوصلہ ہوا اور وہ خوف زدہ سی بیٹھ گئی۔ بہر حال چھوٹے شاہ جی سامنے تھے اور وہ ان کے سامنے اپنی اوقات سمجھتی تھی۔ فیروز شاہ نے ماروی کے قریب پہنچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ماروی! تم بزرگ ہو میری، تمہاری عزت، تمہارا احترام سر آنکھوں پر۔ آج میں تم سے کچھ مانگنا چاہتا ہوں ماروی۔''

''ہیں...... چھوٹے شاہ جی......'' ماروی کی حیرت زدہ آواز ابھری۔

''ہاں۔''

''ہم سے مانگنا چاہتے ہیں۔''

''ہاں ماروی۔''

''ہمارے پاس کیا ہے چھوٹے شاہ جی! دیکھو ہمارے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔ ہم کیا دیں گے تمہیں چھوٹے شاہ جی۔''

''ماروی! مجھے معلوم ہوا ہے کہ میری ماں کو تم نے گود میں پرورش کیا، کیا یہ سچ ہے۔''

''ہیں...... ہاں......'' ماروی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہوئی بولی۔

''ایک بات بتاؤ ماروی! جس عورت کو تم نے اپنی گود میں پرورش کیا، کیا اس عورت کی اولاد تمہارے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔''

''چھوٹے شاہ جی! آپ کیا کہہ رہے ہو جی، ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔'' ماروی ہراساں لہجے میں بولی۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جس عورت کو تم نے اپنی آغوش میں پرورش کیا، کیا اس کی اولاد سے تمہیں کوئی دلچسپی نہیں۔''

''چھوٹے شاہ جی! یہ خالی ہاتھ دیکھ رہے ہو، ان خالی ہاتھوں میں آپ کا دیا ہوا ہی آتا ہے۔ چھوٹے شاہ جی! یہ کسی کو کیا دے سکتے ہیں۔ رہی بات دلچسپی کی تو ہم جتنے چھوٹے لوگ ہوتے ہیں ناں دل کی بات دل ہی میں رکھتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ ان باتوں کا ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا چھوٹے شاہ جی۔''

''خیر چھوڑو ماروی! یہ بتاؤ کہ میری ماں کی موت کیسے ہوئی۔''

ماروی کا چہرہ تاریک ہو گیا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عائشہ اور رانی کو دیکھنے لگی پھر اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''چھوٹے شاہ جی! ہم کیا بتائیں جی۔''

''دیکھو ماروی! یہ میں پوچھ رہا ہوں تم سے، اس عورت کا بیٹا جس کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ شاید تم سے زیادہ اسے کوئی نہیں چاہتا تھا۔''

ماروی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے پھر وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

''چھوٹے شاہ جی! زندگی تو اب ختم ہونے کو ہے، ہم موت سے نہیں ڈرتے، پر آپ کیا کرو گے معلوم کر کے۔''

''ماروی! میں اس عورت کا بیٹا ہوں۔'' فیروز شاہ نے کہا اور ماروی خاموش ہو گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے پھر یوں محسوس ہوا جیسے وہ جلال میں آ گئی ہو، اس کی دھندلائی ہوئی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اس نے کہا۔

''مار ڈالا تھا، مار ڈالا تھا بڑے شاہ جی نے۔ ہماری ماتا کو مار ڈالا تھا۔ ہاں بڑے شاہ جی نے مار ڈالا تھا۔ ہم سے زیادہ کون جان سکتا ہے یہ بات۔''

''مگر ماروی! ہم نے تو یہ سنا تھا کہ اسے سانپ نے کاٹا تھا۔''

''سانپ نہیں چھوٹے شاہ جی! ہماری گردن دبا کر ہمیں مار دو، جو تار کھ کر دبا دو ہماری گردن مر جائیں گے ہم، پر ایک بات سمجھ لو۔ کسی سانپ نے نہیں کاٹا تھا اسے، وہ سانپ تو اس کا مالک تھا جس نے اسے کاٹا۔''

''مطلب۔''

''بڑے شاہ جی...... بڑے شاہ جی نے اسے اپنے ہاتھوں سے مارا۔ تم نے دیکھا نہیں ہو گا، ہم نے دیکھا تھا۔ کوئی چیز ہوتی ہے۔ بڑے شاہ جی کے ہاتھ میں وہ اسے اپنے انگوٹھی اور انگلی میں پہن لیتے ہیں اور پھر وہ اس سے کسی کو بھی مار دیتے ہیں۔ ہاں، ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چھپ کر دیکھا تھا۔ انہوں نے خود اسے اپنے ہاتھوں سے مارا تھا، ہماری ماتا کو مار ڈالا۔'' ماروی کا لہجہ اس قدر پر درد تھا کہ سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فیروز پر جلال آنکھوں سے ماروی کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے تفصیل بتاؤ ماروی۔''

''چھوٹے شاہ جی...... آپ...... آپ کچھ نہ پوچھیں جی۔''

''ماروی! میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔ تم جانتی ہو میں کون ہوں۔ مجھے بتاؤ کیسے مارا گیا میری ماں کو، کیوں مارا گیا۔''

''اس کی وجہ سے۔''

''کیا مطلب۔''

"بڑے شاہ جی اس سے شادی کرنا چاہتے تھے، پکی حویلی میں ایک ہی عورت رہتی ہے۔ بڑے شاہ جی یہ نہیں چاہتے کہ ان پر کوئی انگلی اُٹھائے۔ انہوں نے روپ دھار رکھا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی اس روپ پر شک وشبہ کرے۔ سمجھ رہے ہونا چھوٹے شاہ جی! اس عورت کو یہاں لانا چاہتے تھے، وہ بڑی بڑی...... مالکن نے...... میری مالکن نے اس کی مخالفت کی اور بھلا شاہ جی اسے کیسے زندہ رہنے دیتے، ماردیا انہوں نے بڑے آرام سے ماردیا اور وہ مرگئی۔ کون تھا اس کا پوچھنے والا، اس کا بھی کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، جب بھی بڑے شاہ جی کو کوئی لڑکی پسند آئے گی، وہ اسے بھی ماردیں گے پھر اس کی جگہ دوسری لڑکی لے لے گی۔ سمجھ رہے ہونا تم اور کچھ پوچھنا چاہتے ہو مجھ سے۔"

"ہاں ماروی۔"

"کیا۔"

"پھر کیا ہوا۔"

"کچھ نہیں ہوا، انہوں نے اس سے شادی کرلی۔ حیدرعلی...... بیچارہ...... حیدرعلی کب چاہتا تھا کہ اس کی بیٹی عائشہ پکی حویلی میں دلہن بن کر آئے۔ بڑا فرق تھا شاہ جی میں اور اس میں۔ اس نے اپنی بھرپور کوشش کی کہ ان کی شادی نہ ہوسکے۔ ان کا بیٹا بھی تھا۔ چھوٹا سا بیٹا تھا اور اس کی بیوی تھی حمیرا پھر تینوں غائب ہوگئے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ بستی چھوڑ کر بھاگ گئے مگر ماروی یہ جانتی تھی کہ وہ بستی چھوڑ کر نہیں بھاگے۔"

فیروز سرخ چہرہ لیے ماروی کی باتیں سن رہا تھا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"تو پھر کہاں گئے۔"

"یہ تو اللہ ہی جانے پر...... پر۔"

"ہاں ماروی...... کہو۔"

"پھر"

"کہو، کیا بات ہے۔"

"ہمیں یہ پتا چلا ہے کہ وہ کچی حویلی میں موجود ہیں۔"

"کون۔"

"حیدرعلی، اس کی بیوی اور بیٹا۔"

"موجود ہیں سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"ہوسکتا ہے وہ موجود ہوں، اب بھی وہیں۔"

"کچی حویلی میں۔"

"ہاں۔"

''مگر کسی نے تو انہیں وہاں دیکھا نہیں۔''

''کون دیکھ سکتا ہے شاہ جی نہ چاہیں تو انہیں کون دیکھ سکتا ہے پکّی حویلی کے نیچے تہہ خانے میں۔'' ماروی نے جواب دیا۔

''اور وہ زندہ ہیں۔''

''یہ میں نہیں کہہ سکتی۔''

''ماروی! تمہیں کیسے معلوم ہوا۔''

''دیکھو، یہ بات میں کسی کو نہیں بتاؤں گی اور تمہیں بھی یہی کہوں گی کہ تم بھی مجھ سے نہ پوچھو۔ تم مجھے مار سکتے ہو، قتل کر سکتے ہو لیکن یہ بات میں نہیں بتاؤں گی کہ کس نے مجھے یہ بات بتائی ہے۔''

''ہوں۔'' عائشہ کے حلق سے سسکیاں نکل گئیں۔

''میرے ماں باپ زندہ ہیں۔'' اس نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔

''ماروی! اور کیا جانتی ہو اس سلسلے میں تم۔''

''بس چھوٹے شاہ جی! ہم جانتے ہیں، بس اتنا جانتے ہیں کہ اب ہماری موت قریب آگئی ہے مگر یقین کرو ہمیں زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہم زیادہ جینا بھی نہیں چاہتے۔ جی لیا بہت اب کیا کریں گے جی کر، وہ تو بس بوجھ ہے زندگی کا جو گھسیٹ رہے ہیں۔ اب ہمیں جانے دو، بس جتنا بول لیا اس سے زیادہ بولنا ہمارے بس کی بات نہیں تھا۔ ہم جا رہے ہیں۔'' ماروی اُٹھی اپنی جگہ سے اور باہر نکل گئی۔

عائشہ بدستور سسکیاں لے رہی تھی۔ کافی دیر تک ماحول پر سناٹا طاری رہا۔ کوئی کچھ نہیں بول سکا تھا پھر فیروز شاہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''آنٹی! آنسو پونچھ دیجیے۔ ہر انسان کی زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے، میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ لاتعداد بار اپنے بارے میں سوچا کہ میں کیوں زندہ ہوں، مستقبل میں مجھے کیا کرنا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں آخر کار بڑے شاہ جی کا منصب سنبھالوں گا لیکن اس وقت تک کیا میں زندہ رہ سکوں گا۔ کیا ان حالات میں آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ اب میری زندگی کا مقصد سامنے آیا ہے، مجھے جینا ہے۔''

''آنٹی! آپ اپنے آنسو خشک کر لیجیے، میرا ساتھ دیجیے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ میرے ساتھ کسی جدوجہد میں شامل ہوں لیکن ...... لیکن اب اس حویلی میں ایک نئے کھیل کا آغاز ہوگا، ایک بالکل نئے کھیل کا۔ اگر آپ کے ماں باپ زندہ ہیں تو آنٹی! میں ...... میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ انہیں تلاش کر لوں گا، انہیں آپ کے سپرد کر دوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔ ٹھیک ہے، آپ مجھ پر اعتماد کریں یا نہ کریں لیکن میرا آپ سے وعدہ ہے۔ اب میں چلتا ہوں آنٹی! ملاقات ہوتی رہے گی۔ اس بات کو ہمیں ذہن سے نکالنا ہوگا کیونکہ ہمیں اپنے مقصد کی تکمیل کرنی ہے، خدا حافظ۔'' فیروز شاہ نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

دلاور بہرام شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ گٹھے ہوئے مضبوط بدن کا مالک بھاری جبڑوں کی بناوٹ سے یہ احساس ہوتا تھا کہ انتہائی سخت دل اور بے رحم ہے۔ آنکھوں سے انتہائی شاطر نظر آتا تھا۔ بہرام شاہ کے سامنے پہنچ کر جھک گیا۔

''شاہ جی پر قربان، بہت عرصے کے بعد شاہ جی کی زیارت ہوئی ہے۔ شاہ جی اس طرح نظر انداز نہ کر دیا کریں، کبھی کبھی اپنی قدم بوسی کی اجازت دے دیا کریں۔ شاہ جی! دل مچلتا رہتا ہے۔''

''جیتے رہو دلاور! ہم جانتے ہیں کہ تم ہم سے زیادہ کمینے ہو، ہم سے زیادہ شاطر ہو اور ہم سے زیادہ شاطرانہ گفتگو کر سکتے ہو مگر کوئی بات نہیں، کوئی بات نہیں۔ پسند ہیں ایسے لوگ ہمیں جو اندر سے پتھر اور اوپر سے موم نظر آتے ہوں۔ ہمیں ایسے ہی لوگوں کی ضرورت ہے۔''

''دنیا کے سامنے دلاور کچھ بھی ہو شاہ جی! آپ کا کتا ہے، غلام ہے۔''

''ہاں تو اب مطلب کی بات پر آ جاؤ، کیسا چل رہا ہے تمہارا کام۔''

''مجال ہے شاہ جی کہ شاہ جی کے کتے پر کوئی بری نظر ڈال دے۔ ایک ایک کو ٹھیک کر کے رکھ دیا ہے، بہت سوں نے سرکشی کی مگر دلاور کی پیٹھ پر شاہ جی کا ہاتھ تھا۔''

☆......☆......☆

''کیا تمہیں معلوم ہو گیا ہے دلاور کہ خیرات مر گیا ہے۔''

''جی۔'' دلاور اچھل پڑا۔

''اور اس کے ساتھ ہمارے دو اور وفادار بھی مارے جا چکے ہیں۔''

''مارے جا چکے ہیں شاہ جی۔''

''ہاں۔''

''کیا کہہ رہے ہیں شاہ جی، یہ بات تو سامنے بھی نہیں آئی کوئی نہ کوئی تو مجھے بتا سکتا تھا۔''

''اس لیے کہ بات سامنے کی نہیں ہے۔''

''او ہو شاہ جی سے کوئی بدتمیزی کی تھی اس نے۔'' دلاور نے مطمئن انداز میں پوچھا۔

''ایسی بات بھی نہیں تھی۔''

''تو پھر شاہ جی کیا ہوا۔''

''اب شاہ گڑھی میں کوئی ایسی قوت داخل ہو گئی ہے۔ بہرام شاہ کے غلاموں کو ہلاک کر سکتی ہے۔''

''شاہ جی کے علم میں ہے کہ وہ کون ہے۔'' دلاور نے خونخوار لہجے میں پوچھا اور بہرام شاہ نظر اُٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

''دماغ میں بھوسہ بھر گیا ہے کیا تیرے، اگر میرے علم میں ہوتا تو کیا میں تجھے یہ بتانے کے لیے بلاتا، کچھ لوگ میرے سامنے آ

کھڑے ہوئے ہیں۔ چھترے اڑا کے رکھ دیتا ان کے، اصل بات تو یہ ہی ہے، کہ بلی تھیلے میں چھپی ہوئی ہے۔''

''اوہ...... یہ بات ہے...... مگر واقعہ کیا تھا۔''

''میرا یار ہے نا تو کہ میں تجھے واقعہ بتانے بیٹھوں۔''

''نہیں شاہ جی نہیں، بس غلام کو تو حکم دیجیے اشارہ کر دیجیے، بستیوں کی بستیاں تباہ کر دوں گا۔''

''بستیاں تباہ کرنے کے لیے تجھے نہیں بلایا دلاور...... تجھے کام کرنا ہے...... کام...... ایک لڑکی ہمارے پاس سے بھاگ گئی تھی۔ کچی حویلی سے اگر کوئی نکل جائے تو سمجھو بہرام شاہ کے منہ پر جوتا پڑ گیا۔''

''کون لڑکی تھی شاہ جی۔''

''ہمارے ایک ادنیٰ ملازم کی بیٹی۔ یہیں شاہ گڑھی میں رہتا ہے۔''

''وہ گھر پہنچ گئی۔''

''اگر گھر پہنچ جاتی تو بات ہی کیا تھی۔''

''تو مالک پھر کیا ہوا۔''

''ہم نے اسے خیرات سے منگوایا تھا۔ لے آیا وہ ہمارے پاس، دھوکہ ہم ہی کھا گئے، تیز تھی، طاقتور تھی، چالاک تھی، دھوکے سے نکل گئی، اور پھر غائب ہو گئی۔ خیرات اور دو آدمیوں کو اس کے پیچھے بھیجا تو وہ تینوں ہلاک ہو گئے۔''

''تو...... تو کیا لڑکی نے۔''

''نہیں...... انہیں گولیاں چلا کر مارا گیا ہے۔''

''مگر شاہ جی بستی میں تو کسی کے پاس ہتھیار نہیں ہیں۔''

''نہ بستی والوں کی مجال ہے، کہ ہمارے حکم کے بغیر کسی کے پاس آتشیں ہتھیار ہوں۔ کوئی ہتھیار رکھے۔''

''کوئی نئے لوگ بستی میں داخل نہیں ہوئے۔''

''نہیں...... کہیں سے کوئی رپورٹ نہیں ہے۔ گل شیر کام کر چکا ہے۔ مگر گل شیر صرف بدن ہے، عقل نہیں ہے، یہ کام مجھے کرنا ہے۔''

''لڑکی کے باپ کا کام تو نہیں ہے، شاہ جی۔''

''کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن وہ ہمارے پاس آیا تھا۔ ہمارے پاس فریاد لے کر آنے والا اتنا چالاک نہیں ہو سکتا، کہ ہمیں ہی بے وقوف بنانے آئے۔''

''تب تو بات بہت اُلجھی ہوئی ہے۔''

''تجھے کس لیے بلایا ہے ہم نے...... اپنے بلانے کا مقصد نہیں جانتا۔''

''جانتا ہوں شاہ جی جانتا ہوں، تھوڑا سا وقت دے دیجیے، دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر کے دکھا دوں گا۔''

''یہی کرنا ہے تجھے۔''

''شاہ جی بالکل فکر نہ کریں، جتنی جلدی ہو سکا اصل آدمی کو آپ کے سامنے لے آؤں گا۔ شاہ جی ویسے اجازت دیجیے کہ بستی میں جس طرح چاہوں تفتیش کروں۔''

''لیکن کسی پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے مجھ سے مشورہ ضرور کر لینا۔''

''ٹھیک ہے شاہ جی۔'' دلاور نے جواب دیا اور اس کے بعد باہر نکل گیا۔

پھر تقریباً چالیس گھنٹے کے بعد وہ دوبارہ بہرام شاہ کے پاس آیا۔ بہرام شاہ اس دوران اس کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا لیکن دلاور نے پوری بستی کھنگال ڈالی تھی۔ ایک بھی ایسا آدمی نظر نہیں آیا تھا، جس کے بارے میں یہ سوچا جا سکے کہ وہ باہر کا ہے، اور ایسا کوئی عمل کر سکتا ہے، اپنے طور پر دلاور نے ساری معلومات حاصل کر لی تھیں۔ بہرام شاہ نے اسے دیکھا، اور بولا۔

''ہاں۔''

''شاہ جی لگتا ہے جو کوئی بھی تھا کام کر کے بھاگ گیا ہے۔''

''کیا مطلب۔''

''لڑکی پوری بستی میں کہیں نہیں ہے۔ شاید یہ بات آپ کو معلوم نہیں ہے کہ لڑکی کا باپ پاگل ہو چکا ہے۔ اب وہ قبرستان کی ایک قبر پر بیٹھا رہتا ہے، اور وہاں سے گزرنے والے ہر شخص سے پوچھتا ہے کہ اس کی بیٹی کی قبر کون سی ہے، اور اس کی بیوی بھی زار و قطار روتی رہتی ہے، اور اس شخص کے بارے میں، مَیں نے یہ اندازہ لگایا ہے شاہ جی کہ وہ اتنا چالاک بھی نہیں ہے، اور اتنی مجال بھی نہیں ہے اس کی کہ شاہ جی کے سامنے گردن اُٹھا سکے۔''

''بکواس کیے چلا جا رہا ہے، یہ بات تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ وہ ہمارا ایک ادنیٰ غلام ہے، وہ اتنا چالاک نہیں ہے، تو نے اس دوران کیا کیا ہے۔''

''شاہ جی بستی میں کوئی نیا آدمی بھی نہیں ہے، بس ایک اندازہ لگایا ہے میں نے۔''

''کیا اندازہ لگایا ہے۔''

''یہ شاہ جی کہ کوئی گزرتا ہوا بندہ لڑکی کو ساتھ لے گیا۔''

''کیا مطلب۔''

''وہ یہاں سے بھاگ گئی تھی۔ ہو سکتا ہے کسی ہیرو کے ہاتھ لگ گئی ہو، اور وہ ہیرو ہمارے تین بندوں کو ہلاک کر کے اسے لے کر نکل گیا ہو۔''

بہرام شاہ کچھ سوچتا رہا، پھر اس کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے۔

”دلاور ویسے تو، تو یہ جانتا ہے، کہ ہم ہر طرح کے بُرے سے بُرے حالات کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، کئی منسٹر ہمارے لیے کام کررہے ہیں۔ مجال ہے کوئی ہماری بات سے منہ موڑے جہاں سے بھی ہوگا، ہم دیکھ لیں گے۔ لیکن اس کے باوجود سیر کو سوا سیر ملتا ہے۔ دلاور یہ نہیں چاہتے ہم...... ایسا نہ ہو کہ لڑکی کسی غلط ہاتھوں میں لگ کر کسی ایسی جگہ پہنچے، جہاں سے اس کی کہانی عام ہو جائے۔“

”شاہ جی حکم کریں دلاور حاضر ہے۔“

”ٹھیک ہے، دلاور اب جو ہوگا دیکھا جائے گا، ہم رلاتے نہیں ہیں کسی سے...... اپنی ہر کوشش کر چکے ہیں لیکن زندگی میں پہلی بار ہمیں شکست ہوئی ہے۔ لڑکی خاصی خوب صورت اور سانولی سلونی تھی۔ وہ بھی یاد آتی ہے اور اپنی شکست بھی۔“

”شاہ جی پوری بستی کو آگ لگا سکتا ہے، آپ کے لیے اگر آپ حکم دیں تو۔“

”نہیں ٹھیک تو واپس جا اپنے کام پر۔ دیکھ لیں گے جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔“

”جیسا حکم شاہ جی۔“ دلاور نے جواب دیا۔

”کب واپس جا رہا ہے۔“

”شاہ جی کا حکم ہو تو آج کی رات اور رک جاؤں۔“

”ہاں...... بالکل کل دن میں جانا۔“

”شاہ جی کو سلام کر کے جاؤں گا۔“ دلاور نے جواب دیا اور وہ بہرام شاہ کے پاس سے نکل آیا۔

☆......☆......☆

تین دن گزر گئے شہروز اور ناہید کو کافی محنت کرنا پڑی تھی۔ کسی ایک زندہ وجود کو ہسپتال کے ایک کمرے میں چھپائے رکھنا معمولی بات نہیں تھی۔ وہ لوگ بڑی ذہانت سے کام لے رہے تھے۔ اصل میں شہروز کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کے بارے میں، یہاں کام تو ہو رہا تھا، اور اسے یقین تھا کہ کام صحیح انداز میں ہو جائے گا لیکن فوری کو منظر عام پر لانے کا مطلب یہ تھا کہ بات بری طرح بگڑ جائے۔ اس لڑکی کو تحفظ بھی دینا تھا۔ اس کے علاوہ شہروز نے اس کے غریب باپ کی حالت بھی دیکھی تھی، اور اسے بہت افسوس ہوا تھا۔

اور وہ اس کے بارے میں معلومات بھی حاصل کرتا رہا تھا، اور اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے، اور آہستہ آہستہ اس کے گھر کی حالت تباہ ہوتی جا رہی ہے۔ ایک اور گھر کو تباہی کے غار سے بچانا تھا، اور شہروز اس سلسلے میں سوچ رہا تھا۔ پھر اس پر وہی کیفیت طاری ہو گئی جسے جنونی کیفیت کہا جا سکتا تھا۔ اور اس شام مغرب کے وقت اس نے ناہید سے کہا۔

”نہیں ناہید یہ کوئی حل نہیں ہے۔ ہم نے کبھی چوہوں کی طرح زندگی نہیں گزاری، ہمیشہ مردانگی کا ثبوت دیتے رہے ہیں، تو اب کیا ہم ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ جائیں، اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔“

''ناہید چونک کر اسے دیکھنے لگی۔''

''میں سمجھی نہیں شہروز۔''

''کام تو ناہید ہونا ہی ہے، ہم اپنی جیسی کوشش کر لیتے ہیں کہ ہمیں کوئی دقت نہ ہو لیکن بہر حال کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے، میرا خیال ہے آج اس لڑکی کا معاملہ نپٹا دیا جائے۔''

''کیسے۔'' ناہید سرسراتی آواز میں بولی۔

''اس لڑکی کو اور اس کی ماں کو شہر پہنچانا ہو گا۔''

''اور اس کے باپ کو۔''

''ہاں...... اسے بھی۔''

''اوہ...... تینوں کو۔''

''ہاں۔''

''کیسے، کیا کارواں گروپ کے افراد کو بلاؤ گے۔''

''بالکل نہیں۔''

''تو پھر۔''

''میں خود یہ کام کروں گا۔''

''مگر کیسے شہروز۔''

''جیسے بھی ہو سکے ناہید یہ کام کرنا ہے۔''

''اگر مجھے کوئی اپنا منصوبہ بتاؤ تو شاید میں بھی اس سلسلے میں کوئی مشورہ دے سکوں۔''

''ناہید جب کوئی منصوبہ ذہن میں نہ آئے تو وہ کرنا چاہیے جو دل میں آئے۔''

''بابا دل کیا کہہ رہا ہے۔ کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے۔'' ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''رات گزر جانے دو اس لڑکی کے باپ اور ماں کو گھر سے اُٹھانا پڑے گا۔ اور اس کے بعد نوری کو اس کے ساتھ لے کر میں یہاں سے چل پڑوں گا۔''

''شہروز۔'' ناہید نے سرسراتی آواز میں کہا۔

''ہاں...... کہو۔'' شہروز نے کہا لیکن ناہید دیر تک کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے شہروز کو دیکھ رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

''منصوبہ اچھا ہے، لیکن شہر جا کر صبح سے پہلے واپس آسکو گے۔''

''کیوں نہیں۔''

''لڑکی کے ماں، باپ کو کیسے حاصل کرو گے۔''

''ہوش و حواس کے عالم میں انہیں ان کے گھر سے نکال کر لانا اور اتنا سفر کرانا مناسب نہیں ہوگا۔''

''تو پھر۔''

''میں انہیں بے ہوش کر دوں گا۔''

''کیسے۔''

''ڈسپنسری میں کم از کم اتنے لوازمات موجود ہیں، مجھے معلوم ہے۔''

''اور میں نہیں جاؤں گی تمہارے ساتھ۔''

''مناسب نہیں ہوگا، ناہید، میں اس وقت تک ہر حادثے کا انتظار کروں گا۔ کوئی بھی واقعہ ہوا اس سے باآسانی نمٹ لوں گا، اگر تم ساتھ ہو گی تو مجھے دقت ہو گی۔ ناہید، محسوس نہ کرنا میری بات کو۔''

''شہروز کیا کبھی تم نے مجھے۔''

''نہیں ناہید پلیز اگر میں نے کوئی فیصلہ کر لیا ہے۔ تو تمہیں اس کی صرف تائید کرنی چاہیے۔''

''او کے۔'' ناہید نے آہستہ سے کہا، اور اس کے بعد بظاہر مطمئن نظر آنے کی کوشش کرنے لگی۔

ڈنر پر شہروز مسکراتا رہا تھا، پھر اس نے نوری سے کہا۔

''نوری تم یہاں چھپے چھپے تنگ آ گئی ہو گی۔''

''نہیں صاحب تنگ نہیں آئے ہم، ہم تو یہ سوچ رہے ہیں کہ دنیا میں آپ جیسے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ صاحب جی جن کے چہرے روشن ہوتے ہیں، وہی اچھے لوگ ہوتے ہیں، کالے چہرے والے لوگ اچھے نہیں ہوتے، ہم نے یہ ہی اندازہ لگایا ہے۔''

''نہیں نوری ایسی کوئی بات نہیں ہے، یہ سب اپنے سوچنے کی باتیں ہیں، اچھا سنو، آج رات تم یہاں سے نکل جاؤ گی۔''

''کک...... کہاں صاحب جی۔'' نوری نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں تمہیں یہاں سے شہر لے جاؤں گا۔''

''شہر۔''

''ہاں۔''

''صاحب جی ہمارے ماں، باپ تو مر جائیں گے۔''

''نہیں...... نوری تمہارے ماں، باپ بھی تمہارے ساتھ ہوں گے۔''

''نہیں؟''

''ہاں......نوری۔''

''مگر صاحب جی وہ......وہ۔''

''بس میں تمہیں یہ بات بتائے دیتا ہوں، نوری...... تیار رہنا۔ اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا کوئی غلط بات نہ ہو۔''

''صاحب جی آپ بے فکر رہیں۔'' نوری نے جواب دیا۔

''نوری تمہیں ایک جگہ لے جائیں گے رات کی تاریکی میں، ان کے ساتھ چلی جانا اور کسی قسم کی فکر نہ کرنا۔''

''جی صاحب جی۔'' نوری نے جواب دیا۔

بعد میں شہروز نے ناہید کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ناہید ظاہر ہے، ہم زیادہ رسک نہیں لیں گے، یہاں سے اس سڑک تک تم جاؤ گی جہاں سے گاڑیاں گزرتی ہیں، میں ان دونوں کو لے کر آؤں گا، اور اس کے بعد نوری کو وہیں سے ساتھ لے لوں گا۔''

''تم احتیاط کے ساتھ واپس چلی آنا۔''

''ٹھیک ہے، شہروز...... بالکل بے فکر رہو، میں مستعد ہوں۔''

''اور ناہید اپنا خیال رکھنا۔''

''جی سر......آپ مطمئن رہیں۔'' ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

منصوبے کے مطابق شہروز نے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ ہسپتال کی ڈسپنسری سے کلوروفارم مل گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت پرانا تھا لیکن اس کے استعمال کی تاریخ ختم نہیں ہوئی تھی۔ شہروز نے اس میں سے تھوڑی سی مقدار لے کر ایک شیشی میں بھر لی، اور پھر احتیاط سے واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

تمام تیاریاں مکمل تھیں، اور شہروز اس وقت ہر خطرہ مول لینے کے موڈ میں تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ نوری اور اس کے ماں، باپ اب اس قدر اپنی زندگی سے بے زار ہو گئے تھے کہ کسی بھی لمحے موت کو گلے لگا سکتے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ نوری بہرام شاہ کے خلاف سب سے موثر گواہ تھی۔ اور اس سے کام لیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ اس سے کام لیا جا سکتا تھا، اور اس کا تحفظ بہت ضروری تھا۔ شہروز جانتا تھا کہ اگر اس نے نوری کو اس کے گھر پہنچا دیا تو وہ خطرے میں پڑ جائے گی۔ بہرام شاہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

بہر حال رات کو تقریباً ساڑھے بارہ بجے شہروز اپنی جیپ لے کر خاموشی سے باہر نکل آیا۔ کافی دور تک اس نے جیپ کو دھکا دیا تھا۔ اور پھر اسے اسٹارٹ کر کے چل پڑا تھا۔ شاہ گڑھی میں اس وقت موت کا سا سناٹا طاری تھا۔ کوئی ذی روح جاگتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا۔

شہروز نے لائٹیں بجھا رکھی تھیں، اور صرف اندازے سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ویسے بھی اسے اتنا وقت گزر چکا تھا کہ اسے تمام جگہوں کے بارے میں معلومات ہو چکی تھیں۔

نوری کے گھر کو بھی وہ اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ اس گلی کے آخری سرے پر پہنچ کر اس نے جیپ روک دی اور خاموشی سے اس میں بیٹھ کر چاروں طرف دیکھتا رہا، کہ کہیں کوئی اس کا نگران تو نہیں ہے، جب اسے اطمینان ہو گیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے تو وہ سناٹے میں ایک طرف سائے کی طرح نیچے اتر کر نوری کے گھر کی جانب چل پڑا جو کچھ کرنا تھا خاموشی سے کرنا تھا۔

دروازہ بند تھا لیکن مکان کے احاطوں کی دیواریں اتنی اونچی نہیں تھیں کہ شہروز انہیں پھلانگ نہ سکے، دیوار پھلانگنے کے بعد سب سے پہلے اس نے اندر سے دروازہ کھولا۔ اندر کے کمرے میں مدھم روشنی ہو رہی تھی، اور کچھ مدھم مدھم آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ شہروز چوکنا ہو گیا۔ اس نے ایک رومال نکال کر اپنے چہرے پر لپیٹ لیا، اور اسے گرہ لگانے کے بعد اندرونی کمرے کی طرف چل پڑا۔ پہلے اس نے جھانک کر اندر کا منظر دیکھا، نوری کی ماں سو رہی تھی، اور باپ زمین پر بیٹھا ہوا زور، زور سے ہل رہا تھا۔

''ہاں میں جانتا ہوں سب کچھ جانتا ہوں، ایسا تو نہیں ہو سکتا، وہ واپس آ جائے گی، وہ ضرور واپس آ جائے گی، کیا کہا تم نے...... آ جائے گی نا واپس، آ جائے گی، ابھی وہ دروازے پر آہستہ آہستہ دستک دے گی، اور میں اپنی جگہ سے اُٹھ جاؤں گا، پھر میں اس سے کہوں گا، کمینی اتنا وقت کہاں لگا دیا، وہ کہے گی ابا بس ذرا دیر ہو گئی، مجھے معاف کر دے، ابا مجھے معاف کر دے، تو میں اسے معاف کر دوں گا، کتنے دن سے دور ہے، مجھ سے، میں اس سے کوئی ناراض رہ سکتا ہوں، ٹھیک ہے نا، ٹھیک کہتے ہو، سو رہی ہے، نوری کی ماں، سوتی رہ سوتی رہ، آخر تو کب تک جاگے گی۔ ارے تیری بھی تو بیٹی ہے نا، تو سو جا، میں جاگ رہا ہوں، جب وہ دروازہ بجائے گی تو میں جا کر دروازہ کھول دوں گا، تو بے فکری سے سو جا۔''

شہروز کے دل پر ایک گھونسہ سا آ پھنسا۔ بہر حال یہ الفاظ جو کچھ بھی تھے، شہروز ان کی اہمیت کو سمجھ رہا تھا، اس نے کلوروفارم کی شیشی نکالی، اسے ہلکا سا رومال پر چھڑکا، اور اس کے بعد تیار ہو گیا، اس نے باہر دالان میں پڑے ہوئے تخت کو آہستہ آہستہ بجایا۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی دروازہ بجا رہا ہو، اندازہ درست نکلا، وہ باہر نکل آیا تھا۔

''آ گئی نا، اتنی دیر منع کرتا ہوں رات بے رات باہر نہیں جایا کرتے بیٹا۔'' وہ آگے بڑھا، لیکن اچانک ہی شہروز نے عقب سے اس کی ناک پر کلوروفارم والا رومال رکھ دیا۔ وہ ذرا سی بھی جدوجہد نہ کر سکا۔ شہروز کے ہاتھوں میں وہ بے بس ہو گیا اور اس کے بعد اس کا بدن ڈھیلا پڑ گیا۔ شہروز نے آہستہ سے اسے اُٹھا کر اس تخت پر لٹا دیا، جسے اس نے ابھی ابھی بجایا تھا۔ اس کے بعد وہ کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ تھکی ہوئی ماں اتنی گہری نیند سو رہی تھی کہ اسے کوئی احساس نہیں ہو سکا۔

شہروز نے آگے بڑھ کر اس کی ناک پر بھی رومال رکھ دیا۔

عورت نے ہلکی سی کسمساہٹ کے ساتھ پاؤں ڈال دیئے، اب وہ بے سدھ ہو گئی تھی۔ شہروز نے اسے اٹھایا اور پھر کاندھے پر

ڈال کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ سخت مشقت کا کام تھا، پوری گلی عبور کر کے جیپ تک پہنچا تھا لیکن بہر حال ضروری تھا عورت کو جیپ کی سیٹوں کے درمیان لٹانے کے بعد وہ دوبارہ واپس پلٹا اور اس بار وہ نوری کے باپ کو اُٹھا کر لے گیا۔ غریب کی پونجی گھر میں پڑی ہوئی تھی۔ کوئی بھی صاف کر سکتا تھا لیکن جو پونجی لٹنے والی تھی، اسے دوبارہ واپس نہیں لایا جا سکتا تھا، اور وہ بھی زندگی۔

بہرام شاہ نے ان دونوں کو اس لیے چھوڑا ہوا تھا، کہ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا، اگر اسے ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو یقینی طور پر دونوں اب تک ختم ہو چکے ہوتے، بہر حال یہ سارا سامان تو شہروز خود بھی انہیں دے سکتا تھا، بوڑھے کو جیپ میں لٹانے کے بعد شہروز نے جیپ اسٹارٹ کی اور اس کے بعد چل پڑا، اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے، وہ پوری طرح چونکا تھا۔

اس وقت اس کے راستے میں اگر کوئی مزاحمت کرتا تو اسے یقینی طور پر اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتے، لیکن خوش قسمتی تھی، دوسروں کی یا اس کی کہ کوئی مزاحمت نہیں ہوئی، یہاں تک کہ وہ اس موڑ تک پہنچ گیا جہاں اس نے رات کی تاریک میں دو سائے دیکھ لیے، وہ ناہید اور نوری تھیں۔ ان کے پاس جا کر اس نے جیپ روک دی تھی، ناہید جلدی سے آگے آئی۔

''کام ہو گیا۔''

''ہاں۔''

''جاؤ نوری گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔''

''ناہید اب تم واپس جاؤ، اپنا خیال رکھنا۔''

''اور شہروز۔''

''میں جانتا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔''

''بالکل...... تم سب کچھ جانتے ہو۔''

''ناہید...... اب تم جا کر آرام کرو، اور سکون سے سو جاؤ، یہ میری ہدایت ہے۔''

''اوکے......'' ناہید نے کہا۔

اور شہروز نے مسکرا کر جیپ سڑک پر چڑھا دی۔

پھر شہر کا رخ کر کے اس نے جیپ آگے بڑھا دی۔ نوری خاموشی سے اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ عقبی سیٹ پر اس کے ماں، باپ موجود ہیں، شہروز نے اسے ان کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ پہلے وہ اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا، کیا کیا جا سکتا ہے۔

بہرام شاہ نے شاہ گڑھی کی حفاظت کے لیے اپنے کتے چھوڑ رکھے ہوں، اور وہ کتنے نگرانی کرتے ہوں، شہروز کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بہرام شاہ کے غلام کتوں ہی کی طرح وفادار ہیں، اور یقینی طور پر بہرام شاہ کے مفادات کی نگرانی کرتے ہوں گے، لیکن قسمت یاور تھی،

کیونکہ شبہ کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس لیے سنسان سڑکیں ہی ملیں تھیں، شہروز تیز رفتاری کا ریکارڈ قائم کر رہا تھا۔ شاندار جیپ جسے ڈاکٹر جمشید کئی بار نظر لگا چکا تھا، سبک روی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

کافی فاصلہ طے کر کے شہروز نے جیپ کی رفتار آہستہ کر دی۔ اب اسے اطمینان ہو گیا تھا، نوری خاموش بیٹھی ہوئی تھی، اس نے ڈیش بورڈ کے ایک حصے کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ اس کے دانت بھینچے ہوئے تھے، رات کی تاریکی میں اگر شہروز اس کا چہرہ دیکھ سکتا تو نوری کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں بہتی ہوئی نظر آ جاتیں لیکن تاریکی کی وجہ سے وہ کچھ دیکھ نہیں سکا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ ماحول بالکل پرسکون ہے تو اس نے آہستہ سے کہا۔

''جی صاحب جی۔''

''کیا سوچ رہی ہو۔''

''صاحب جی کچھ نہیں۔'' نوری کی بھنچی بھنچی آواز ابھری اور شہروز چونک پڑا۔

''ارے تم رو رہی ہو۔''

''صاحب جی آپ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں۔''

''نوری مجھ پر شبہ کرتی ہو۔''

''اللہ کو مان کر کہتی ہوں صاحب جی آپ...... آپ لوگ تو فرشتے ہیں، مگر آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں، صاحب جی اللہ نے کیسی بپتا مجھ پر ڈال دی ہے۔''

''دیکھو نوری۔ برا وقت آ جاتا ہے۔ انسان کو ہمت سے اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ میں گاڑی کی رفتار سست کر رہا ہوں، اب تم یہاں سے اُٹھ کر پچھلی سیٹ پر چلی جاؤ۔''

''جی صاحب جی۔''

''جیپ کے پچھلے حصے میں تمہارے ماں، باپ موجود ہیں۔''

''کیا۔'' نوری کی چیخ کی صورت میں ابھری۔

شہروز کو خوف ہوا کہ کہیں وہ اس کوشش میں جیپ سے باہر ہی چھلانگ نہ لگا دے، اس نے نرم لہجے میں کہا۔

''جب تک میں گاڑی نہ روکوں تم پچھلی سیٹ پر نہ جانا، اور سنو اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا، وہ دونوں بے ہوش ہیں، ابھی بہت دیر تک خاموش رہیں گے۔'' شہروز نے آہستہ آہستہ جیپ سڑک کے کنارے کر کے روک دی۔ نوری اس طرح جیپ کے پچھلے حصے میں کودی تھی، کہ گرتے گرتے بچی اور شہروز کو خطرہ ہوا کہ کہیں وہ اپنے ماں، باپ کے اوپر ہی نہ جا پڑے، پھر شہروز نے جیپ آگے بڑھا دی تھی۔

اور پیچھے سے نوری کے رونے کی آوازیں سنتا رہا تھا۔

بہر طور انسانی جذبات ہوتے ہیں، ان جذبات کو روکا تو نہیں جا سکتا۔ شہروز خود بھی متاثر تھا لیکن اپنے اس اقدام سے وہ بے حد خوش تھا۔ بس اب اتنا کرنا تھا اسے کہ ان تینوں کو بحفاظت شہر پہنچا دے۔ اس کے بعد اسے کم از کم ان تین افراد کی زندگی کا تو اطمینان ہو جاتا، باقی رہا اس کا اپنا معاملہ تو ظاہر ہے۔ ایسی مہمات اس کی زندگی میں اکثر آتی رہتی تھیں۔ جیپ کی رفتار پھر طوفانی شکل اختیار کر گئی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس وقت شہروز واقعی بہت تیز رفتاری سے جیپ چلا رہا تھا، زندگی میں بہت کم ایسے مواقع آئے تھے لیکن اسے اپنے آپ پر اعتماد تھا۔

چنانچہ یہ فاصلہ جتنے وقت میں طے ہوا۔ اتنے وقت میں اسے طے کرنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آخر کار وہ شہر میں داخل ہو گیا۔ شہر بھی خاموش تھا۔ وہ مختلف راستے طے کرتا ہوا رحیم بلاک کی کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ نور خان کو اس کے اس وقت آنے کی امید نہیں تھی لیکن بہر حال اس نے دروازہ کھولا تھا۔ اور شہروز کو دیکھ کر مستعد ہو گیا تھا۔

''معاف کرنا نور خان اس وقت تمہیں تکلیف دی۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو صاحب جی۔''

''آؤ...... ذرا میرے ساتھ گیٹ بند کر دو۔'' شہروز نے کہا، اور اس کے بعد جیپ کو آگے لے گیا، جیپ کھڑی کرنے کے بعد اس نے نور خان کی مدد سے پہلے بوڑھے آدمی کو اندر پہنچایا اور پھر نوری کی مدد سے اس کی ماں کو نور خان ساتھ ہی اندر آ گیا تھا۔ نوری اپنی ماں پر نثار ہوئے جا رہی تھی۔ ایک شاندار کمرے میں دونوں کو بستر پر لٹا دیا گیا، اور اس کے بعد شہروز نے نوری سے کہا۔

''جی صاحب جی۔''

''تمہیں اس وقت تک اس جگہ پر رہنا ہے، جب تک کہ تمہاری زندگی کی مکمل حفاظت نہ ہو، ویسے یہ شہر ہے، اور یہاں کسی بہرام شاہ کی نہیں چل سکتی، چنانچہ اپنے ماں، باپ کے ہوش میں آنے کے بعد ان کی خدمت کرنا، یہاں تمہیں کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی، نور خان یہ پیسے رکھو، ان لوگوں کے لیے لباس وغیرہ خرید لینا، ہو سکتا ہے مجھے واپسی میں کافی دن لگ جائیں، ان کی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھنا۔''

''آپ کو یہ کہنے کی ضرورت ہے، صاحب جی، ظاہر ہے، جو لوگ ہمارے مہمان بنے ہیں، میں ان کا خیال رکھوں گا۔''

''صاحب جی یہ کب ہوش میں آ جائیں گے۔''

''تم فکر مت کرو، صبح تک ہوش میں آ سکتے ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ اس سے زیادہ دیر لگ جائے، تم انہیں سمجھا، بجھا لینا، اور سنو نوری اپنے باپ سے کہہ دینا کہ اس عمارت سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے، ورنہ یہ کوشش اس کے لیے خطرناک ہوگی، اچھا نور خان تم اطمینان سے اب اپنا وقت گزارو، میں چلتا ہوں۔''

''صاحب جی ابھی سے۔''

''ہاں تم یہاں کی ذمہ داری سنبھال لو، ان لوگوں کی حفاظت ضروری ہے۔''

''آپ اطمینان رکھیں۔'' نور خان نے کہا، اور شہروز فوراً ہی جیپ اسٹارٹ کر کے وہاں سے نکل پڑا۔ شاندار جیپ کا انجن اتنا زیادہ فاصلہ طے کرنے کے بعد اتنی رفتار سے چلنے کے بعد بھی گرم نہیں ہوا تھا۔ یہ اس کی شاندار کارکردگی تھی۔ بہرحال اس کے بعد بھی گرم نہیں ہوا لیکن شہروز کو ایک پٹرول پمپ پر رکنا پڑا اور اس نے پٹرول کے تمام کین بھروا لیے۔ جیپ کی ٹینکی بھی فل کروائی تھی۔ پھر اسی رفتار سے واپسی بھی تھی۔ فاصلہ اب اتنا کم بھی نہیں تھا کہ شہروز اُڑ کر پہنچ جاتا۔ جس وقت وہ بستی میں داخل ہوا تو صبح کی روشنی پھوٹ چکی تھی۔

اور شہروز تیز رفتاری سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا لیکن ابھی وہ ڈسپنسری تک نہیں پہنچا تھا کہ اسے ایک جیپ نظر آئی۔ یہ جیپ بھی بہت عمدہ تھی، اور شہروز اسے حویلی میں دیکھ چکا تھا۔ یہ اندازہ لگانے میں اسے کوئی دقت نہ ہوئی کہ بہرام شاہ اس جیپ میں موجود ہے۔ کیونکہ چند محافظ بھی اس کے ساتھ نظر آ رہے تھے۔

شہروز ایک لمحے میں سمجھ گیا، اس نے اپنا حلیہ درست کیا، اور پھر جیپ کی رفتار کو کسی قدر سست کر کے آگے بڑھنے لگا۔ سامنے والی جیپ رک گئی تھی، اور اس میں سوار افراد شہروز کو دیکھ رہے تھے۔ شہروز نے آہستہ آہستہ جیپ کا رخ اس جیپ کی جانب کر دیا، اور پھر اس نے اس جیپ کے قریب لے جا کر اپنی جیپ روک دی، اور مسکراتا ہوا جیپ سے نیچے اُتر آیا۔

''خوش قسمتی ہے میری شاہ جی کہ صبح صبح آپ کے نیاز حاصل ہو گئے۔ سنا ہے نیک اور متبرک لوگوں کا چہرہ دیکھنے سے اگر دن کا آغاز ہو تو دن بہت خوب صورت ہوتا ہے۔''

بہرام شاہ نے گہری نظروں سے شہروز کو دیکھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں کس قابل ہوں ڈاکٹر صاحب۔ میں کیا اور میری بساط کیا۔ بس مولا کا کرم ہے، زندگی گزر رہی ہے، اور جہاں تک خوب صورت دن کے گزرنے کا تعلق ہے، تو ایک چھوٹی سی بستی میں دن، دوپہر، شام اور رات ایک جیسے ہوتے ہیں، یہ آپ کا شہر تو نہیں ہے، جہاں زندگی کی روایت ہی مختلف ہوتی ہے۔''

''نہیں شاہ جی آپ نے اس بستی کو جس قدر حسین بنا دیا ہے، وہ بھی تو ایک کام ہے، معمولی بات تو نہیں ہے۔'' بہرام شاہ ہنسنے لگا، پھر اس نے کہا۔

''آؤ ہمارے ساتھ بھی تھوڑا سا سفر کرو، کہاں گھوم پھر رہے ہو۔''

''بس شاہ جی صبح خیزی کی عادت ہے، صبح کو جلدی جاگتا ہوں، تھوڑی سی ہوا خوری کرتا ہوں۔ یہ زندگی کا معمول ہے۔''

بہرام شاہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

''بڑی خوب صورت گاڑی ہے، کبھی کبھی اس کی صفائی بھی کر لیا کرو۔'' شہروز نے ایک دم چونک کر اپنی جیپ کو دیکھا۔ جیپ گرد آلود ہو رہی تھی، اور صاف ظاہر تھا کہ وہ کسی لمبے سفر سے آ رہی ہے۔ اس کے علاوہ اگر اس کے بونٹ پر ہاتھ رکھ دیا جاتا تو یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس نے ایک طویل سفر کیا ہے، بہرحال بہرام شاہ کے یہ الفاظ اسے بڑے پراسرار معلوم ہوئے تھے۔ تاہم اس نے خود کو

سنبھال کر فوراً کہا۔

''بس شاہ جی، زندگی میں ایک بے اعتدال ہے، ہر چیز اس بے اعتدالی کا شکار ہو جاتی ہے۔''

''ہاں...... گاڑی اتنی خوب صورت ہے کہ میں یہ الفاظ کہنے پر مجبور ہوا، ویسے بات سنو ڈاکٹر...... تم تو ڈاکٹر ہو۔''

''جی شاہ جی...... میں سمجھا نہیں۔''

''ڈاکٹر کو معلوم ہے کہ شراب ہوا خراب کر دیتی ہے۔''

''جی ہاں، میں جانتا ہوں۔'' شہروز نے جواب دیا۔

''اس کے باوجود پیتے ہو۔''

''جی میں سمجھا نہیں۔''

''آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ جھکے ہوئے پپوٹے بتاتے ہیں کہ جی بھر کر پیتے ہو، ابھی ابھی نوجوانی کی عمر ہے، برداشت کر جاؤ گے، آگے مشکلات پیش آئیں گی۔''

شہروز نے اپنے چہرے پر شرمندگی کے آثار پیدا کر لیے۔ بہرام بغور اس کا چہرہ دیکھتا رہا، پھر بولا۔

''نہیں شرمندہ تو اپنے آپ سے ہوا جاتا ہے، کسی اور سے نہیں، وقت ملا کرے تو کبھی کبھی آ جایا کرو، تمہارے بزرگ ہیں ہم، کچھ باتیں بتا دیں گے، ہو سکتا ہے کہ تمہارے کام آئیں۔''

''تعمیل کروں گا شاہ جی۔'' شہروز نے نرم لہجے میں کہا۔

''جاؤ...... آرام کرو۔ پر ذرا کم کرو۔ ہمارا مشورہ ہے۔'' بہرام شاہ نے اپنے ڈرائیور کو گاڑی آگے بڑھانے کے لیے کہا، اور ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

شہروز خاموشی سے اپنی جگہ کھڑا اس جیپ کو جاتے دیکھتا رہا۔ پھر جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو شہروز کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی اور اپنی جیپ میں آ بیٹھا، اور جیپ اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ڈسپنسری کے احاطے میں داخل ہو رہی تھی۔ ناہید شہروز کی منتظر تھی، جو کیفیت شہروز کی ہو رہی تھی، وہی ناہید کی تھی۔ آنکھیں گہری گہری سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے چہرہ وغیرہ دھو کر صاف کر لیا تھا لیکن آنکھیں چغلی کھا رہی تھیں۔ شہروز نے گہری نگاہ سے دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

''خدا کا شکر ہے تم خیریت سے واپس آ گئے۔''

شہروز مسکراتا ہوا ناہید کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ ڈسپنسری میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ بھلا کسے ضرورت تھی، کہ اتنی صبح جاگنے کی کوشش کرے۔ شہروز ناہید کے ساتھ اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔

''بخدا ایسے لمحات میں دل چاہتا ہے، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گھر بسا لیا جائے۔''

''شرارتوں کا آغاز ہوگیا، صبح ہی صبح...... یہ بتاؤ کہ چائے لے کر آؤں۔''

''ارے بیٹھو...... چائے میں اتنی لذت کہاں سے ہوگئی جو تمہارے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے میں ہے۔''

''سب خیریت تو ہے نا...... جو کام کرنے گئے تھے، آرام سے ہوگیا۔''

''ہاں...... بالکل...... کسی کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چل پایا کہ اب نوری، اور اس کے گھر والے کہاں ہیں۔''

''گڈ...... ویری گڈ، راستے میں کوئی رکاوٹ تو پیش نہیں آئی۔''

''خدا کا شکر ہے، بالکل نہیں، لیکن تم نے بہت خوب صورت انداز میں موضوع بدل دیا ہے۔''

''جی نہیں، کوئی موضوع نہیں بدلا۔ آپ گھر بسانے کی بات کر رہے تھے۔''

''ہاں...... بالکل۔''

''گھر بسا ہوا تو ہے۔''

''ایسے نہیں جناب۔ آنکھوں کی یہ سرخی ویسے تو حقیقی ہے، لیکن ابھی ذرا اپنے ہاتھوں سے باہر ہے۔''

''کیا مطلب۔''

''جاگتی رہی ہیں آپ۔''

''تو تمہارا کیا خیال ہے، سو جاتی۔''

''کیوں بھئی، آپ کو کیا تکلیف تھی۔''

''تم گئے تھے، راستہ خطرناک تھا۔ میں ساتھ نہیں تھی، تم بھی جاگ رہے تھے، میں بھی جاگتی رہی۔''

''سبحان اللہ! اس لیے تو کہہ رہا ہوں، اب تاب انتظار نہیں۔ کاش! ان لفظوں میں حقیقت کا وہ رنگ بھی آجائے۔''

''شہروز آجائے گا رنگ، بس یہ باتیں مت کرو، خوامخواہ ذہن کو بھٹکا دیتے ہو۔''

''ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ! ذہن بھٹک جاتا ہے۔''

''کیوں، کیا میں انسان نہیں ہوں۔'' ناہید نے عجیب سے لہجے میں کہا، اور شہروز چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ ان الفاظ میں اس نے شکایت کا اظہار کیا تھا۔ پھر وہ بے اختیار مسکرا پڑا۔

''سوری ناہید! نجانے کیوں میں نے اس مسئلے کو آگے بڑھا دیا ہے، کوئی حل نہیں۔''

''جی نہیں۔ بالکل نہیں۔''

''ارے کیا مطلب۔ اچھا اچھا سمجھ گیا، وہ جو کہتے ہیں نا، کہ عورت کی 'نہیں' دراصل 'ہاں' ہوتی ہے۔''

''میں وہ عورت نہیں ہوں، کیا تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو۔''

''بابا...... پھر کم از کم مجھے بتادو۔ لہجے کی یہ شکایت اور اس کے بعد حقیقت سے انکار دونوں میں سے کس بات کو سچ سمجھوں۔''

''لہجے میں کوئی شکایت نہیں تھی۔ اگر اپنے جذبات کا اظہار کھل کر کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ کوئی شکایت کی جا رہی ہے...... شہروز کتنی بے باک ہوگئی ہوں میں، شاید تم یقین نہ کر پاؤ۔ تمہیں کس انداز میں مخاطب کرنے لگی ہوں۔ حالانکہ جانتی ہوں کہ تم کیا ہو لیکن بس یوں سمجھ لو کہ میں اپنے آپ کو تمہارے وجود کا ایک حصہ سمجھنے لگی ہوں۔ شاید پاؤں، شاید ہاتھ۔ میں نہیں جانتی کہ تمہارے بدن کا کون سا حصہ ہوں، دوری کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ باقی رہا جہاں تک معاملہ دوسرا تو بہرحال جب اس بات کا اعتراف کر چکی ہوں کہ میں تمہارے وجود کا ایک حصہ ہوں، تو پھر دل میں ہر بات جنم لیتی ہے، لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ سب کچھ پالیا جائے...... شہروز اگر ہم ایک دوسرے کو پالیں گے تو ہمارے درمیان کیا رہ جائے گا۔''

''ارے باپ رے باپ، اتنا گہرا فلسفہ نہ جھاڑو...... یہ عارضی لمحات ہیں، جو گزر رہے ہیں...... ایک دن ایسا آئے گا کہ بم پھٹے گا۔ ہم خود بھی مفلوج ہو جائیں گے اور پھر وہ ہوگا جو وقت چاہے گا۔ یہ دن تمہاری خواہش کے مطابق بھی آسکتا ہے۔ آج کا تو وعدہ نہیں کر سکتا، لیکن کل کا وعدہ کرتا ہوں۔''

''بڑے جذباتی ہوگئے ہو شہروز۔''

''کمال ہے، جذبات نہ ہوں تو زندگی کا کیا تصور کیا جا سکتا ہے۔'' شہروز نے جواب دیا۔

''میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔ غسل کر لو...... کیا حلیہ ہو رہا ہے، کپڑے نکالے دیتی ہوں۔'' ناہید نے کہا۔ اور پھر شہروز لباس لے کر غسل خانے میں داخل ہوگیا، اور ناہید برق رفتاری سے کچن کی جانب بڑھ گئی۔

پانی کی ٹھنڈی پھواروں کے نیچے شہروز غسل کرتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر مدھم سی ایک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، تو ناہید بھی ساری رات جاگتی رہی ہے، محبت کا یہ انوکھا انداز تھا۔ یہ لگاؤ...... یہ چاہت ہر دل میں نہیں ہوتی۔ کسی کسی کو ہی یہ محبتیں ملتی ہیں لیکن ان کا اپنا ایک انداز ہے، اور اس انداز کی قیمت اہل دل ہی جانتے ہیں۔

بہرحال غسل سے فارغ ہو کر باہر آیا، تو سامنے گرم گرم ناشتا دیکھا، ناہید اس کا انتظار کر رہی تھی، شہروز نے ایک نگاہ اس پر ڈالی، اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''چلو شروع کرو۔''

''ہاں۔''

''ویسے کبھی کبھی تم بہت شرمندہ کر دیتی ہو ناہید۔''

''کیوں۔''

''اس سے اچھا تھا کہ میں تمہیں ساتھ ہی لے جاتا۔ یہاں تنہا اور نجانے کیسے کیسے وسوسوں کا شکار ہوں گی تم۔''

"جی نہیں۔"

"نہیں رہی۔"

"نہیں۔"

"اچھا۔" شہروز نے گہری سانس لے کر کہا۔

"یہ نہیں پوچھا کہ میں وسوسوں کا شکار کیوں نہیں رہی۔"

"اچھا یہ بھی پوچھنا چاہیے۔"

"ہاں۔"

"تو بتائیے میڈم۔"

"اس لیے کہ مجھے تم پر اعتماد ہے۔"

"کس پر۔"

"تم پر اور اس کس پر......"

"کس بات کا۔"

"یہ ہی کہ جو کام تم کرنے نکلے ہو، وہ ہر خطرے کے پیش آنے کے باوجود مکمل کر لو گے، اور خیریت سے واپس آ جاؤ گے۔"

"کیا۔ واقعی اتنا اعتماد ہے مجھ پر۔"

"کتنی بار یہ سوال کرو گے۔" ناہید نے کہا۔

"تھینک یو...... تھینک یو ویری مچ۔ اس میں شک نہیں کہ تم نے مجھے جینے کا ایک اتنا حسین راستہ بتا دیا ہے، کہ مجھے قدم بڑھانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔"

"ان لوگوں کو کہاں پہنچایا ہے۔"

"ان کو رحیم بلاک کی کوٹھی میں چھوڑ کر آیا ہوں۔"

"بہت اچھا کیا۔"

"میرے نزدیک وہی ایک محفوظ ترین جگہ ہے، اور اب ان کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"بہت بڑا کام ہے۔ شہروز! یہ سمجھ لو کہ تم نے ایک گھر بچا لیا، ورنہ وہ وحشی ان لوگوں کو ختم کر دیتا۔"

"حالات یہ ہی بتاتے ہیں ناہید! نوری جرأت کر کے وہاں سے بھاگ آئی اور بہرام کو شاید پہلی بار زندگی میں اتنا تلخ تجربہ ہوا ہوگا، وہ یقینی طور پر کسی زخمی سانپ کی طرح پھنکار رہا ہوگا، ویسے ملا تھا مجھے۔"

"کہاں۔" ناہید نے چونک کر پوچھا۔

"دلچسپ واقعہ ہوا ناہید، میں تم سے اس بارے میں گفتگو کرنا چاہتا تھا۔"

"کیا..... کیا بتاؤ تو سہی۔"

"میں ان لوگوں کو پہنچانے کے بعد واپس آ رہا تھا، جب شاہ گڑھی میں داخل ہوا تو وہ کم بخت اپنی جیپ میں صبح خوری کرتا ہوا نظر آ گیا۔"

"تو پھر.....؟"

"میں اس کے پاس پہنچ گیا، کیونکہ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔"

"اوہ..... مائی گاڈ" ناہید نے آہستہ سے کہا۔

"بڑی پراسرار گفتگو کی اس نے مجھ سے۔ ویسے مجھے شبہ ہے ناہید کہ اسے مجھ پر شبہ ہو گیا ہے۔"

"کیسا شک۔" ناہید نے سرسراتی آواز میں پوچھا۔

"کیوں خوف زدہ ہو رہی ہو۔"

"نہیں مجھے بتاؤ کیسا شک۔"

"اس نے مجھ سے چند سوالات کیے۔ مثلاً مجھے دیکھتا رہا۔ جب میں قریب پہنچ گیا اور میں نے سلام کیا تو جواب قاعدے سے دیا لیکن کمبخت نے گاڑی پر گہری نظر ڈالی۔ وہ گرد آلود ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے رات بھر سفر کیا تھا، وہ تو شکر ہے کہ بونٹ کو نہ دیکھا۔ ورنہ گرم انجن میرا پول کھول دیتا۔"

"کیا کہنے لگا۔"

"کہنے لگا اتنی خوب صورت گاڑی کی پروا نہیں کرتا میں ...... یہ بھی کہنے لگا کہ صبح خوری کو نکلا ہوں شاید لیکن اکیلا کیوں ہو۔ پھر اس نے میری سرخ آنکھوں پر بھی غور کیا، اور کہنے لگا کہ میں زیادہ شراب نہ پیا کروں لیور خراب ہو جائے گا۔ باتیں تو اس نے بہت ساری کیں ناہید، لیکن ان کے پس پردہ جو گہرائی تھی وہ بھی میں نے صاف محسوس کی۔"

"یعنی اسے ہم پر شبہ ہو گیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے، لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے، ظاہر ہے ہم یہاں سیر و سیاحت تو کرنے نہیں آئے، ہمیں بہر طور اس کا سامنا کرنا ہی ہے۔"

"کیا یہ قبل از وقت نہیں ہوگا۔"

"نہیں ناہید کس انداز میں سوچ رہی ہو۔ کیا ہوتا ہے، قبل از وقت اور بعد از وقت سے...... ہونا تھا شبہ اسے ہو گیا ہے۔ تو اور اچھا

ہے، ہماری رفتار بڑھ جائے گی۔"

ناہید گہری گہری سانسیں لینے لگی، پھر اس نے کہا۔

"لیکن شہروز ہوشیار رہنا۔ وہ لومڑی کی طرح چالاک ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے، تم بے فکر رہو، میرا مطلب ہے کم از کم اس بارے میں فکر مند نہ ہو، ہوشیار تو ہم رہیں گے۔"

"ہاں...... خیر ان لوگوں کو اب وہاں پہنچا دیا ہے، اب کیا کرنا ہے۔"

"ناہید کوئی اور بہتر راستہ ویسے تمہارا کیا خیال ہے، اس سلسلے میں کام تو ہو رہا ہے، رفتار بے شک سست ہے لیکن اژدھے اتنی آسانی سے نہیں پکڑے جا سکتے۔ ہمارا سابقہ تجربہ بھی یہی ہے۔"

"ہاں۔" ناہید نے ایک گہری سانس لی اور پھر شہروز کے لیے چائے انڈیلنے لگی۔

☆......☆......☆

فیروز شاہ بہت عجیب و غریب کیفیت کا شکار تھا۔ اچانک ہی اسے اپنی اہمیت کا احساس ہونے لگا تھا۔ اس سے پہلے وہ اپنے آپ کو ایک حقیر اور بے مقصد شخصیت کا مالک سمجھتا تھا، کوئی مصرف ہی نہیں تھا، زندگی کا، بس بے کار جی رہا تھا۔ لوگ اس کے قدموں پر نثار ہوتے تھے۔ آگے پیچھے پھرتے تھے۔ اس کے لیے سب کچھ کرنے پر تیار تھے لیکن وہ جانتا تھا کہ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے، جس کو اس سے دلی رغبت ہو، جو اس سے محبت کرتا ہو، جو اسے چاہتا ہو، میٹھے بول جگہ جگہ سے سننے کو ملتے تھے لیکن ان میں صاف ریاکاری جھلکتی تھی، اور یہ احساس ہو جاتا تھا، کہ ان کی مجبوری ان کے الفاظ تبدیل کر رہی ہے۔ حقیقت میں اگر وہ دل سے بولنا چاہیں تو یہ الفاظ بہت مختلف ہوں گے۔

پھر اس دوران اسے دو ایسی شخصیتیں ملیں جو اس فریب سے پاک تھیں، اور اس کا دل بے اختیار ان کی طرف راغب ہو گیا۔ ناہید اور شہروز! یہ دونوں ڈاکٹر تھے اور ان سے ملاقات کر کے فیروز شاہ کو پہلی بار زندگی میں خوشی حاصل ہوئی تھی کچھ احساسات بھی تھے۔ دل تو چاہتا تھا کہ ہر وقت ان کی قربت رہے، لیکن یہ بھی سوچتا تھا، کہ کہیں وہ اس سے بددل نہ ہو جائیں۔ بہت زیادہ کسی پر مسلط رہنا بھی تو اچھا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ یہ احساس بھی تھا اسے کہ کہیں بڑے شاہ جی کو اعتراض نہ ہو۔

کچھ پابندیاں تو خیر عائد کی گئی تھیں اس پر بستی کے لوگوں کی بات اور تھی۔ وہ تو شاہ جی کے کتے تھے، شاہ جی جو چاہتے تھے وہی کرتے، وہی سوچتے، وہی کرتے تھے۔ کس کی مجال تھی کہ فیروز شاہ کو شاہ جی کے خلاف بھڑکا سکتا۔ یا کوئی ایسا عمل کر سکتا، جو شاہ جی کی مرضی کے خلاف ہو، لیکن وہ باہر کے لوگ تھے۔ شاہ جی کے زیر اثر نہیں تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شاہ جی کو اعتراض ہو جائے۔ فیروز شاہ کو تو خیر وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے لیکن ان لوگوں کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اس لیے وہ خود بھی احتیاط کرتا تھا۔

اب اچانک ہی اسے ایک ایسی محبت ملی تھی، جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ عائشہ...... عائشہ کے دل میں جب محبت کا احساس

جاگا تو وہ بھی بے اختیار ہو گئی۔ اور وہ اظہار کیا اس نے اپنی محبت کا کہ فیروز شاہ حیران رہ گیا۔ اس نے سوچا کہ محبت کا یہ آبشار تو اس کے بالکل قریب کرر ہا تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ اس کی نمی سے محروم رہا۔ ایک آدھ بار کوشش تو کر کے دیکھ لیتا۔ یہ سب کچھ اسے بہت پہلے مل جاتا۔ وہ اتنے عرصے کی پیاس کے بعد ملا تھا۔ کنواں تو اس کے اتنے قریب ہی موجود تھا لیکن وہ پیاسا رہا، جبکہ وہ کسی بھی لمحے اس کنویں سے سیراب ہو سکتا تھا۔

پھر عائشہ نے اسے اپنی داستان سنائی۔

اس نے اسے محبتوں کا وہ تحفہ دیا تھا، جو اس کی زندگی بھر کی طلب تھی۔ اس کے جواب میں وہ اسے کیسا تحفہ دے۔ عائشہ نے اپنے غم کا جو اظہار کیا تھا، وہ بے پایاں تھا۔ اور فیروز شاہ کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ غموں کی ماری عائشہ اندر سے کس قدر زخمی ہے۔ اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا گیا تھا۔ رہی بات بہرام شاہ کی تو فیروز شاہ کے دل میں بہرام شاہ کے لیے بہت سا کینہ تھا۔

بہرام شاہ نے درحقیقت اسے سونے کے پنجرے میں بند کر کے رکھا تھا۔ اور کوئی پنچھی شاید اپنے صیاد سے محبت نہ کر سکتا ہو۔ وہ تو اس کا دشمن ہوتا ہے، جس نے اسے قید کر کے رکھا ہو، اور اب وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے سینے میں ایک اور آگ کا اضافہ ہو گیا ہے۔ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ انسان تو انسان ہوتا ہے۔ بہرام شاہ بہت پہلے سے کیا نہیں جانتا تھا وہ۔ ساری بستی جانتی تھی تو کیا وہ نہیں جان سکتا تھا، کہ بہرام شاہ کیا چیز ہے۔

حسین نوجوان لڑکیاں اس کی خلوت میں لائی جاتی ہیں۔ انہوں نے اس سے تعاون کر لیا تو زندگی پا گئیں۔ ورنہ کبھی کبھی تو ان کی لاشیں بھی دستیاب نہ ہوتی تھیں۔ یہ بات فیروز شاہ جانتا تھا کہ وہ کون لوگ ہیں جو بہرام شاہ کے معاون ہوتے ہیں، اور اس کے لیے یہ سب کچھ کیا کرتے ہیں لیکن اب صورت حال بدلنی چاہیے، یہ سب کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے اتنا مظلوم نہیں بنے رہنا چاہیے۔ مضبوط ہاتھ پاؤں رکھتا ہوں۔ اپنا ایک مقام رکھتا ہوں۔ بہرام شاہ کے نام سے منسوب ہوں۔ اور مستقبل میں شاہ گڑھی میری ملکیت ہوگی۔ اس وقت اگر میں بہرام شاہ کے بیٹے کی حیثیت سے منظر عام پر آؤں گا تو نفرتوں کے سوا کچھ اور نہ پاؤں گا۔ مجھے نفرتوں میں اپنے لیے محبت کی جگہ بنانی چاہیے۔

اور اس کے لیے ظاہری بات ہے کہ قدم اُٹھانا ہوگا، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ بہرام شاہ میرا باپ ہے، یہ سوچ کر عمل کرنا ہوگا، کہ آنے والے وقت میں شاہ گڑھی کا انتظام مجھے سنبھالنا ہے۔ لوگ سب سے پہلا سوال مجھ سے یہ کر سکتے ہیں کہ میں اگر اپنے شاہ گڑھی کے لوگوں سے مخلص ہوں، تو میں نے ایک خطرناک شخص کے خلاف قدم کیوں نہیں اُٹھایا۔

ان سوچوں میں بچکانہ پن بھی تھا اور جوانی کا جوش بھی تھا۔ ذہن دوڑ اتا رہا، اور ایک بار پھر شہروز اور ناہید ذہن میں آگئے۔ یہ لوگ شاہ جی کے زیر اثر نہیں ہیں، کہ اگر انہیں اپنا شریک راز بنا کر ان سے مشورہ کیا جائے، تو جہاں دیدہ لوگ ہیں، اور کچھ نہیں تو بہتر مشورہ تو دے سکیں گے، جبکہ بستی میں اور کوئی ایسا نہیں تھا۔ جو شاہ جی کے خلاف ایک لفظ بھی نکال سکے۔ یہ بات دل میں جڑ پکڑ گئی۔ ویسے بھی کافی دن گزر گئے تھے۔ ان دونوں سے ملے ہوئے۔ دل تو دھڑکتا تھا لیکن وہی احساس مانع تھا لیکن آج اس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔

وہ گاڑی میں بیٹھا اور ڈسپنسری کی جانب چل پڑا، کچھ دیر کے بعد وہ ڈسپنسری کے دروازے پر رکا اور پھر جیپ اندر لے گیا۔ ڈاکٹر جمشید ایک طرف نظر آیا۔ کیاریوں کو پانی دے رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے جلدی سے اپنا کام ختم کیا، اور ہاتھ صاف کرتا ہوا فیروز شاہ کے پاس آ گیا۔

''کیا تقدیر ہے ہماری۔ کیا عزت مل رہی ہے ہمیں۔ اب تو چھوٹے شاہ جی اکثر آنے لگے ہیں یہاں۔ شاہ جی آپ یقین کریں، خود کو اس قابل نہیں سمجھتے، مگر جب بھی ہم پر یہ مہربانی ہوتی ہے، تو دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔''

''کیا بات ہے، ڈاکٹر جمشید۔ کیا زمانہ قدیم میں کسی رئیس کے مصاحب رہے ہو۔'' فیروز شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''سمجھا نہیں چھوٹے شاہ جی۔''

''کیسی گھٹیا گفتگو کر رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ کبھی دل میں میرا نام بھی نہیں آتا ہوگا۔ اور اس وقت یوں دیکھ رہے ہو، اور زمین اور آسمان کے قلابے ملائے دے رہے ہو۔''

''ارے نہیں چھوٹے شاہ جی۔ جذبات کے اظہار کی ایسی توہین نہ کریں۔ سچی بات ہے، رعایا ہیں آپ کی، مالکوں کو یاد نہیں کریں گے تو اور کیا کریں گے۔''

''شکار کیسا جا رہا ہے۔''

''بس چھوٹے شاہ جی دعائیں ہی آپ کی۔ بڑے شاہ جی کی اجازت سے عیش کی زندگی بسر ہو رہی ہے۔''

''مجھے تو یوں لگتا ہے۔ ڈاکٹر! جیسے تم جنگل کے سارے جانور کھا جاؤ گے۔'' فیروز شاہ نے کہا، اور جمشید ہنسنے لگا، پھر بولا۔

''نہیں شاہ جی اب ایسی بات بھی نہیں۔''

''ویسے وہ تمہارے دونوں ڈاکٹر کہاں ہیں۔''

''کون۔''

''میرا خیال ہے، بے چاروں کو ڈیوٹی پر لگا رکھا ہے۔ تم نے اور خود تو عیش و عشرت کرتے رہتے ہو۔''

''نہیں شاہ جی۔ یہ ہی تو خاص بات ہے اپنی شاہ گڑھی کی کہ یہاں کوئی بیمار نہیں ہوتا، اور جب کوئی بیمار نہیں ہوتا تو پھر بھلا ہمارا کیا کام۔ عیش کرتے ہیں، شاہوں کی شاہی میں۔''

''کہاں ہیں وہ دونوں۔''

''اندر موجود ہیں۔''

''ہوں۔'' فیروز شاہ، شہروز اور ناہید کے کمرے کی طرف چل دیا۔ اس نے دستک دی تو ناہید نے دروازہ کھولا اور فیروز شاہ کو دیکھ کر خوش ہو گئی۔

''ارے فیروز شاہ صاحب آیئے آیئے...... اچانک''

’’جی ہاں۔شکایت کرنے آیا ہوں آپ سے۔‘‘فیروز شاہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

شہروز نے بھی مسکرا کر اس سے ہاتھ ملایا تھا۔فیروز شاہ بیٹھ گیا اور بولا۔

’’شکایت کرنے آیا ہوں آپ لوگوں سے۔‘‘

’’شکایت کس کی۔‘‘

’’آپ کی۔‘‘

’’ارے واہ۔ہم سے ہماری شکایت۔‘‘

’’تو اور کیا۔‘‘

’’یہ تو بہت اچھی بات ہے۔‘‘

’’سچی بات یہ ہے کہ میں نے تو اس لیے آپ لوگوں کو آ کر پریشان نہیں کرتا کہ آپ سوچیں گے کہ بہرام شاہ کا بیٹا ہے،اپنا حق سمجھ کر ہماری مرضی ہو یا نہ ہو ہمارے سر پر مسلط ہو جاتا ہے۔لیکن آپ نے یہ نہیں سوچا کہ فیروز شاہ کا اس دنیا میں کوئی اور نہیں ہے۔اگر کوئی محبت سے بات کر لیتا ہے تو اس کے بارے میں سوچتا رہتا ہے۔‘‘

شہروز اور نا ہیدا سے دیکھنے لگے،پھر شہروز نے کہا۔

’’نہیں،فیروز شاہ صاحب آپ خود سوچیے کہ آپ تک ہماری رسائی کیسے ممکن ہے۔‘‘

’’کیوں۔‘‘

’’کیا آپ کی حویلی میں باہر والوں کو آنے کی اجازت ہے۔‘‘

’’میرے پاس تو آسکتے تھے۔‘‘

’’ہاں،پاس تو آسکتے تھے،لیکن کیا آپ اسے مناسب سمجھتے۔‘‘

فیروز شاہ سوچ میں ڈوب گیا،پھر اس نے کہا۔

’’بس اتنا ہوتا کہ بڑے شاہ جی خاص طور سے آپ کی طرف متوجہ ہو جاتے،مجھ سے پوچھا جاتا کہ میرے آپ کے ساتھ کیا روابط ہیں،اور ہو سکتا ہے کہ مجھ پر پابندی لگا دی جاتی۔‘‘

’’وہ الفاظ کہہ رہے ہیں آپ فیروز شاہ صاحب جو ہمارے دل میں ہیں۔‘‘

’’کیا ہو رہا ہے۔‘‘

’’کچھ نہیں۔‘‘

’’تو پھر باہر نکلیے نا۔‘‘

''چلیئے بھلا ہمیں کب انکار ہے۔'' فیروز شاہ نے کہا۔

''تو پھر تیار ہو جایئے۔ لباس وغیرہ بدل لیجیے، میں ذرا ڈاکٹر جمشید کے کان کھینچتا ہوں۔'' شہروز ہنسنے لگا۔ فیروز شاہ باہر نکل آیا تھا۔ ڈاکٹر جمشید کیاریوں کو پانی دے رہا تھا۔ دونوں باتیں کرتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد شہروز اور ناہید آ گئے۔

''ڈاکٹر صاحب! فیروز شاہ صاحب ہمیں کہیں لے جانا چاہتے ہیں۔''

''مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو بھائی۔ کیا مرغا بنواؤ گے مجھے۔'' ڈاکٹر جمشید نے اپنی عادت کے مطابق کہا۔

''آپ کی اجازت۔''

''آج سے لے کر جب تک آپ یہاں موجود ہیں۔'' ڈاکٹر جمشید نے جواب دیا۔

''آیئے۔ میری ہی گاڑی میں چلیے۔''

''جی۔''

پھر شہروز، فیروز شاہ کے پاس بیٹھ گیا اور ناہید جیپ کے پچھلے حصے میں فیروز شاہ ڈرائیونگ کرنے لگا۔ وہ کچھ خاموش خاموش سا تھا۔ شہروز بھی چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اس نے کہا۔

''شکایت تو یہ ہی ہے نا۔''

''کیا مطلب۔''

''بیمار ہو گیا تھا۔''

''کیا واقعی۔''

''ہاں ...... خاصا بخار چڑھ گیا تھا۔''

''مگر کیوں۔''

''یہ تو بخار ہی بتا سکتا ہے۔'' فیروز شاہ ہنسنے لگا۔

''واقعی ...... تب تو زیادتی ہو گئی۔ آپ ہی ذرا سی کوشش کر لیتے۔''

''کیا''

''ڈاکٹر تو ہیں نا ہم۔ کیا آپ یہ بات تسلیم نہیں کرتے۔''

''کیوں نہیں۔''

''یہ الگ بات ہے کہ آپ کی ڈسپنسری میں آ کر اپنی ساری تعلیم بھولتے جا رہے ہیں۔''

''یہ تو ہو گا یہاں۔''

''مگر آپ ہی طلب کر لیتے۔''

''بس کچھ موقع ہی نہیں آیا، اور میں نے زحمت دینا گوارا نہیں سمجھا۔''

''بڑا افسوس ہوا۔ واقعی چہرے سے آپ کچھ ہلکے نظر آ رہے ہیں۔'' ناہید نے پیچھے سے کہا۔

''آیئے آج آپ کو نئی جگہ لے جاؤں۔'' فیروز شاہ نے کہا اور جیپ کا رخ تبدیل کر دیا لیکن جس جگہ وہ شہروز کو لے گیا تھا۔ وہ جگہ شہروز کی دیکھی ہوئی تھی۔ یہاں ایک خوبصورت علاقہ تھا۔ کھیت بکھرے ہوئے تھے، اور ان کے درمیان ایک ایسی جگہ بنی ہوئی تھی، جہاں آرام سے بیٹھا جا سکے۔ یہ ایسا مچان تھا۔ جہاں سڑک والے کھیتوں کی رکھوالی کیا کرتے تھے۔ اس کے نیچے کا میدان صاف ستھرا تھا۔ اور کھیتوں کے درمیان یہ جگہ بنائی گئی تھی۔ فیروز شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اگر کسی کو راز داری سے گفتگو کرنا ہو تو یہ بہترین جگہ ہے۔ کیونکہ یہاں کوئی چھپ کر سننے والا نہیں ہوتا۔''

''مگر ہمارے درمیان کون سی راز داری ہو سکتی ہے۔ فیروز شاہ صاحب جس کے لیے ہم یہاں تک آئے ہیں۔'' شہروز نے کہا۔

''نہیں۔ کبھی کبھی ایسی ضرورتیں پیش آ جاتی ہیں۔'' فیروز شاہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ اور شہروز چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ فیروز شاہ کا لہجہ بتاتا تھا کہ اس کے دل میں کچھ ہے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے، چنانچہ شہروز اور ناہید سنجیدگی سے اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ وہ اس کے بولنے کا انتظار کر رہے تھے، اور فیروز شاہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، کچھ لمحوں کے بعد اس نے گردن اُٹھا کر کہا۔

''آپ لوگ سوچتے ہوں گے کہ یہ کیسا شخص ہے۔ بلا وجہ جان کا روگ بن گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر میں بڑے شاہ کا بیٹا نہ ہوتا تو آپ اپنی مرضی کے خلاف مجھے قبول نہ کرتے۔''

''یوں لگتا ہے، فیروز شاہ صاحب! جیسے کچھ زیادہ ہی ناراض ہو گئے ہو۔'' ناہید نے کہا۔

''نہیں ناہید جی۔ ایسی بات نہیں ہے۔ آپ کیوں یہ محسوس کر رہی ہیں۔''

''تمہاری باتوں کی وجہ سے۔''

''نہیں آپ یقین کریں دل سے کہہ رہا ہوں۔ ہاں ذرا سی شکایت ضرور تھی۔ جس طرح بھی بن پڑتا میری خبر لے لیتے، آپ تو میری عزت بڑھ جاتی۔''

''نہیں۔ فیروز شاہ صاحب اگر یہ شکایت ہے تو آئندہ نہیں ہوگی۔ تم ہمارے لیے بڑی اہمیت کے حامل ہو۔''

''دل میں کچھ ایسے لاوے ہیں شہروز صاحب کہ انہیں اگل دینا چاہتا ہوں۔ آتش فشاں ہے میرے سینے میں، جو پھٹ پڑے گا۔ خدا کے لیے مجھے مر جانے دیجیے۔'' فیروز شاہ کی آواز بھرا سی گئی۔ اور ناہید نے اس کے قریب ہو کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ایک دن تم نے مجھے بہن کہا تھا فیروز شاہ۔''

''ہاں۔''

''بہر حال زبان بہت بری چیز ہوتی ہے۔ بعض اوقات یہ دلوں میں ایسا گداز پیدا کر دیتی ہے، کہ شاید کسی قیمت پر اسے نہ خریدا جا سکے، اگر تمہارے دل میں کچھ ہے اور تم ہمیں اس قابل سمجھتے ہو تو خدا کے لیے اسے اگل دو، ورنہ یہ گھٹن تمہیں واقعی بیمار کر دے گی۔''

ناہید کے لہجے کی ہمدردی نے فیروز شاہ کی آنکھوں میں نمی پیدا کر دی۔ وہ چند لمحات خاموش سر جھکائے کچھ سوچتا رہا، پھر اس نے کہا۔

''عیسائی مذہب میں دلوں کا غبار پادری کے سامنے جا کر نکال دیا جاتا ہے، اور لوگ کون فیس کر کے اپنے گناہوں کا کفارہ کر لیا کرتے ہیں۔ میں خدا کے فضل سے عیسائی نہیں ہوں لیکن میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اس طرح سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہوگا۔ کسی سے کچھ کہہ دینے سے یقیناً دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، اس کا تجربہ شاید آپ لوگوں کو بھی ہو۔''

''ہاں...... کیوں نہیں۔ بہر حال وہ ان کا معاملہ ہے لیکن ہم کسی کو بھی اپنی محبتوں کا امین بنا سکتے ہیں۔ کسی کو بھی اپنے رازوں میں شریک کر سکتے ہیں۔ بعض لوگ واقعی برے ثابت نہیں ہوتے، جیسے ہم۔''

فیروز ان الفاظ کو سن کر دھیرے سے مسکرا دیا، پھر بولا۔

''تو یوں سمجھ لیجیے کہ میں آپ کے سامنے کیوں فیس کرنا چاہتا ہوں لیکن اپنی طرف سے نہیں، اپنے باپ کی طرف سے۔'' فیروز شاہ کے ان الفاظ نے دونوں کو چونکا دیا تھا۔ وہ خاموش نگاہوں سے فیروز شاہ کو دیکھ رہے تھے۔ فیروز شاہ ہلکی سی ہنسی ہنسا، پھر بولا۔

''آپ بھی کیا سوچتے ہوں کہ جب بھی آپ کے پاس آتا ہوں، آپ کے سامنے اپنا رونا لے کر بیٹھ جاتا ہوں۔''

''انسان اسی کے سامنے اپنے دل کا حال کہتا ہے، فیروز شاہ صاحب جسے اس قابل سمجھتا ہے۔ آپ نے ہمیں یہ اہمیت دی ہے۔ اس کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔''

''ایسی بات نہ کیجیے۔ خدا کے واسطے ایسی بات نہ کریں۔ خدا کے واسطے مجھے اپنے دل میں وہ مقام دے دیں جو ایک انسان دوسرے انسان کو دیتا ہے، مجھے بالکل برا نہ سمجھیں۔ آپ بھول جائیں اس بات کو کہ میں بہرام شاہ کا بیٹا ہوں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر مجھے آپ اس نظریے سے دیکھیں گے تو میرے دل میں شرمندگی کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ آپ جانتے ہیں، میرے باپ کو جانتے ہیں آپ۔ وہ کیا چیز ہے، کیا ہے وہ جانتے ہیں آپ۔'' فیروز شاہ کے لہجے میں کسی قدر ہیجان سا پیدا ہو گیا۔

شہروز اور ناہید نے اب بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ فیروز شاہ دوبارہ بولا۔

''بتا چکا ہوں آپ کو...... بتا چکا ہوں۔ میرے اور شاہ جی کے درمیان باپ، بیٹے کا رشتہ ہے لیکن آپ یقین کیجیے میں بلاوجہ کسی سے نفرت نہیں کرتا۔ اب یقین کیجیے میں نے ہمیشہ اپنے باپ کو ایک غیر شخصیت کا مالک سمجھا ہے۔ اس لیے کہ کبھی مجھے وہ الفاظ نہیں ملے۔ وہ انداز نہیں ملا۔ جو باپ کی شفقت کا انداز ہوتا ہے۔ شاید آپ میری اس بات پر یقین کر سکیں گے کہ ہر انسان کے دل میں کچھ خواہشیں ہوتی ہیں۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ خواہشیں بے مقصد ہیں۔ کسی کو زبردستی محبت کرنے پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا لیکن خواہش تو خواہش ہوتی ہے نا، اگر دل میں خواہش مرتی رہے تو دل کا کیا ہوگا۔''

وہ دل مردہ ہو جائے گا۔ میں ایک مردہ دل انسان ہوں۔ شہروز صاحب، ناہید جی میں ایک مردہ دل انسان ہوں۔ کیونکہ مجھے بچپن سے لے کر آج تک وہ اعتماد نہیں ملا۔ جو کسی اپنے کو اپنے پر ہوتا ہے۔ باپ سے بالکل محروم رہا۔ ماں بچپن ہی میں مرگئی۔ مری نہیں بلکہ ماردی گئی۔ ہاں میری ماں مجھ سے چھین لی گئی۔''

''چھین لی گئی۔''

''ہاں...... قتل کر دیا گیا اسے۔ میں اب پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میری ماں کو قتل کر دیا گیا۔''

''کس نے قتل کیا۔'' شہروز نے فوری سوال کیا۔

''بہرام شاہ نے۔ اس بستی کے مالک نے۔ اس بستی کے سب سے زیادہ خونخوار شخص نے، جو بذات خود ایک اژدھا ہے۔ جس کے پاس زہریلے دانت نہیں ہیں لیکن اس نے ایسے زہریلے دانت ایجاد کر لیے ہیں، جنہیں انسانی جسم پر دبانے سے سانپ کے دانتوں کے نشانات بن جاتے ہیں۔ ان نقلی دانتوں کے نشانات بن جاتے ہیں۔ ان نقلی دانتوں میں زہریلے سانپوں کا زہر ہے۔ وہ زہر جسم میں اُتر جاتا ہے، اور بڑے آرام سے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ جو شخصیت دنیا چھوڑ گئی ہے۔ وہ سانپ کے کاٹے کا شکار ہوئی ہے۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ اور یہ بہرام شاہ ہے۔ جو ایسا کرتا ہے، ایک نہیں کئی لڑکیاں ہیں جو سانپ کے کاٹے کا شکار ہوئی ہیں۔ مر چکی ہیں، اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انہیں سانپ نے نہیں کاٹا، بلکہ وہ سانپ، بہرام شاہ ہے۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ، بہرام شاہ میرا باپ ہے۔''

''فیروز شاہ کیا کہہ رہے ہو۔''

''جو کہہ رہا ہوں اسے سچ سمجھیں اور خدا کے لیے پوری توجہ سے سنیں، سمجھ رہے ہیں نا آپ بہرام شاہ ایک اوباش طبع انسان ہے۔ وہ بے شک میرا باپ ہے، میں اس کا خون ہوں لیکن افسوس ہے مجھے کہ میں اس کا خون ہوں۔ اس نے لاتعداد لڑکیوں کو قتل کیا ہے۔ اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا کر اس نے انہیں زندگی سے محروم کر دیا ہے، اور یہ بات دنیا جانتی ہے۔ سب جانتے ہیں، لیکن کوئی کچھ بول نہیں سکتا، کیونکہ انہیں اپنی زندگی سے پیار ہے لیکن اب میں خاموش نہیں رہ سکتا۔ میرے باپ کو اس کے جرائم کی سزا ملنی چاہیے۔'' ہے کوئی اس دنیا میں جو ایک اژدھے کو سزا دے سکے۔

آپ سمجھ رہے ہیں نا میری سوتیلی ماں ہے۔ پکی حویلی میں عائشہ ہے اس کا نام۔ اسی بستی کی ایک خوب صورت اور معصوم لڑکی ہے۔ اس قدر خوبصورت کہ واقعی اس کے حسن کی داد دی جاسکتی ہے۔ بہرام شاہ یوں تو عام لڑکیوں کو اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا لیتا ہے لیکن کبھی کبھی وہ دوسرے انداز میں سوچتا ہے۔ عائشہ کو اس نے زندگی سے محروم نہیں کیا۔ بلکہ اس سے شادی کر لی اور شادی کرنے سے پہلے اس نے میری ماں کو زندگی سے محروم کر دیا۔ تاکہ وہ عائشہ کو اس کی جگہ دے سکے اور لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ بہرام شاہ ایک عیاش آدمی ہے۔ اس نے میری ماں کو قتل کیا۔ خدا کی قسم کھاتا ہوں، اس نے میری ماں کو قتل کیا ہے۔ اس کی پوری پوری گواہی مل گئی۔ ماروی...... ماروی...... پکی حویلی کی ملازمہ ہے ایک قدیم ملازمہ وہ ملازمہ جس نے میری ماں کو اپنی آغوش میں کھلایا تھا۔ وہ نیم دیوانی ہو گئی ہے۔

میری ماں کے موت کے صدمے سے اور......اور......اس نے میرے سامنے زبان کھول دی ہے، اور عائشہ خود ایک مظلوم عوام ہے، میں آج تک اسے ایک سوتیلی ماں سمجھتا رہا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ سوتیلی ماں مظالم ڈھاتی ہیں۔ محبت نہیں کرتیں، میں ذہنی طور پر اس سے دور رہا لیکن......لیکن اب میرے اور اس کے درمیان تمام دیواریں ہٹ گئی ہیں۔ اس نے مجھے اپنے سائے میں جگہ دے دی ہے۔ اور اس نے ماں کی حیثیت سے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا ہے لیکن آپ نہیں جانتے کہ اس کے دل میں بھی غم کا ایک سمندر موجزن ہے، کیونکہ ......اس کے باپ حیدر علی نے اس کا ہاتھ بہرام شاہ کے ہاتھ میں دینے سے انکار کر دیا تھا۔

یہ بات بہت پرانی ہے، عائشہ کا ایک چھوٹا بھائی تھا۔ جو بہت کم عمر تھا، جب حیدر علی نے عائشہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینے سے انکار کر دیا تو اس نے حیدر علی اور اس کے بیٹے صفدر علی اور اس کی ماں حمیرا کو غائب کر دیا۔ لوگوں نے یہ ہی سمجھا، کہ وہ بستی چھوڑ کر چلے گئے، یا پھر ممکن ہے یہ نہ سمجھا ہو، کیونکہ یہاں کے لوگ جو سمجھتے ہیں وہ اپنی زبان پر نہیں لاتے، لیکن وہ تینوں غائب ہو گئے اور اس کے بعد ان کا پتا نہیں چل سکا۔ مگر اب مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ کچی حویلی کے کسی قید خانے میں قید ہیں۔

وہ زندگی کی سزا بھگت رہے ہیں۔ شہروز اور ناہید سمجھ رہے ہیں نا آپ......وہ زندگی کی سزا بھگت رہے ہیں اور میری سوتیلی ماں عائشہ ان کی یاد میں آٹھ آٹھ آنسو روتی ہے۔ دیکھیے اس نے مجھے محبت دی۔ اس نے مجھے وہ مقام دیا ہے جس سے میں محروم رہا۔ میری زندگی بے مقصد ہی گزری ہے، اور اب اب جب ایک ماں کا ہاتھ میرے سر پر پہنچا ہے تو مجھ پر کچھ فرائض عائد ہو گئے ہیں۔ شہروز صاحب، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ میں کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس کے ماں، باپ اسے واپس دلانا چاہتا ہوں۔ تا کہ میں اسے اس شفقت اور محبت کا بدلہ دے سکوں، جو اس نے مجھے دی ہے، وہ محبت جو مجھے کبھی نہیں ملی۔"

فیروز شاہ کا چہرہ شدت جوش سے سرخ ہو رہا تھا۔ اور وہ دیوانگی کے عالم میں سب باتیں کر رہا تھا۔

شہروز اور ناہید خاموشی سے اس کی صورت دیکھ رہے تھے۔ انہیں ان انکشافات پر شدید حیرت ہو رہی تھی لیکن یہ ہی انکشافات وہ کرانا چاہتے تھے۔ پھر اسی لیے انہوں نے فیروز شاہ تک رسائی حاصل کی تھی اور آج انہیں ان کی محنت کا پھل مل رہا تھا......دونوں نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا......چند لمحات خاموش رہنے کے بعد شہروز نے کہا۔

"فیروز شاہ! میں تمہارے دکھ کو محسوس کر رہا ہوں۔ واقعی یہ انوکھی اور دل دوز داستان ہے۔ ماں کا وجود انسان کے لیے کیا ہوتا ہے، بس اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میں بہرام شاہ کے بارے میں کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنا چاہتا لیکن یہ ایک سچائی ہے کہ اگر انہوں نے اس طرح کا ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا ہے تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"سب ڈرتے ہیں ان سے......سب ان سے ڈرتے ہی، کوئی زبان کھولنے کی جرات نہیں کر سکتا۔" فیروز شاہ نے کہا۔

"لیکن فیروز شاہ کبھی یہ بات اعلیٰ حکام تک نہیں پہنچی۔ میرا مطلب ہے وہ جو قانون کی نگرانی کرتے ہیں۔"

"ہوں......قانون......قانون ان دنوں جس طرح بے حرمت ہو رہا ہے، اس کی مثال کہیں ملتی ہے۔ ہر صاحب اقتدار شخص نے

اپنا الگ قانون بنا رکھا ہے، اور وہ اس قانون پر عمل درآمد بھی کراتا ہے۔ اول تو بستی کا کوئی شخص کبھی یہ جرات نہیں کر سکتا، کہ یہاں سے نکل کر قانون کا دروازہ کھٹکھٹائے اور اگر ایسا کر بھی لیتا ہے تو بہرام شاہ کے ہاتھ اس قدر لمبے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی زبان بند کر سکتے ہیں۔ شہروز صاحب کہ میں بہت بری باتیں کر رہا ہوں، لیکن میرا ضمیر مجھے اس کی اجازت دے رہا ہے، کہ میں یہ باتیں کروں۔''

میں بھی انسان ہوں، اس کے بعد دنیا میں میرا بھی ایک مقام ہوگا، تو مجھے بھی بہرام شاہ نے اپنا محکوم بنا لیا ہے۔ مجھے بتائیے کہ کیا کسی انسان پر حکومت کرنا جائز بات ہے، یہ بہرام شاہ صاحب جو کچھ کر رہے ہیں وہ درست ہے، انسانوں سے ان کی زندگی چھین لینا، ان کی عزت و آبرو چھین لینا ان کا سب کچھ چھین لیا گیا ہے، یہ سب کچھ کیا آپ اس کا ساتھ دیں گے۔

''نہیں فیروز شاہ۔''

''تو مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں۔ میں آپ سے مشورہ لینا چاہتا ہوں۔ شہروز صاحب اور ناہید جی مجھے مشورہ دیجیے میں کیا کروں۔ اگر میں کچھ نہ کر سکا تو آپ یقین کیجیے، میں خودکشی کر لوں گا۔''

''خدا نہ کرے فیروز شاہ۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' ناہید نے ہمدردی سے کہا۔

''کیا کروں۔ بتائیے کیا کروں۔ کتنا بے بس ہوں میں کہ آپ کو بتا نہیں سکتا۔''

''عائشہ اس سلسلے میں آپ سے کیا کہتی ہیں۔''

''کچھ نہیں آنسو بھری کہانی ہے۔ وہ صرف آنسو بھری کہانی ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ بے بس لاچار، بہرام شاہ کو اگر اس کے بعد کوئی اور لڑکی پسند آ گئی، اور انہوں نے اسے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہا تو عائشہ کی کہانی ختم ہو جائے گی۔ میں سمجھتا ہوں جہاں تک میری معلومات ہے، جہاں تک ماروی کا کہنا ہے، عائشہ کے ماں، باپ زندہ ہیں، اور یہ کام شاید اب عائشہ کو بلیک میل کرنے کے لیے کیا گیا ہے، کہ وہ کبھی اپنی زبان نہ کھولے، سمجھ رہے ہیں نا آپ۔''

''ہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کچی حویلی میں انہیں کیسے تلاش کیا جائے۔''

''ہاں...... ہر طرف بے بسی اور مایوسی ہے۔ کوئی حل نظر نہیں آ رہا مجھے۔ کچی حویلی میں سب بہرام شاہ کے کتے ہیں۔ سب اس کے وفادار ہیں، اس سے فائدے حاصل کرتے ہیں۔ کوئی میرے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا، بلکہ کہیں اگر میں زبان کھول بھی دوں، تو بہرام شاہ میرے بھی دشمن ہو جائیں گے۔ بتائیے مجھے کہ کتنا بے بس ہوں میں۔''

''پتا نہیں کون جانتا ہے، کون نہیں جانتا ہے۔''

''ایک بات کہوں فیروز شاہ۔'' شہروز نے کہا۔

''جی کہیے خدا کے لیے کہیے۔''

''آپ کو کچی حویلی میں کوئی ایسا شخص تلاش کرنا پڑے گا۔''

''کتنا مشکل کام ہے، میں کیسے انتخاب کروں گا۔ کیسے تلاش کروں گا۔''

''سنیئے اگر وہ کسی تہہ خانے میں ہیں، اور زندہ ہیں تو کوئی نہ کوئی شخص انہیں کھانا وغیرہ تو پہنچاتا ہی ہوگا۔ زندہ رکھنے کے لیے کھانا کھلانا ضروری ہے۔ بہرام شاہ ایسا تو کرتے ہوں گے۔''

فیروز شاہ سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے کہا۔

''اس کا نام گاما ہے۔''

''کس کا نام۔''

''کچی حویلی کا باورچی ہے وہ۔''

''تو پھر۔''

''گاما ہر شخص کو کھانا کھلانے کا ذمہ دار ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے گاما اس بارے میں جانتا ہوگا۔''

''اگر وہ لوگ زندہ ہیں، اور کسی تہہ خانے میں قید ہیں، تو گاما ضرور ان کے بارے میں جانتا ہوگا۔''

''تب تو میرا خیال ہے، کہ آپ کو گامے پر ہاتھ ڈالنا چاہیے۔''

''کیسے مگر کیسے۔''

''اس کے لیے فیروز شاہ کچھ دیر انتظار کرلیں۔ کوئی موثر ترکیب سوچتے ہیں۔ آپ جلد بازی سے کام نہ لیں۔ اب جب اتنا عرصہ گزر چکا ہے تو تھوڑا سا اور سہی۔''

''شہروز صاحب! مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔ اب میں اس مسئلے کو نظرانداز نہیں کرسکتا۔ عائشہ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، اور شہروز صاحب! میں نے ان سے وعدہ کرلیا ہے کہ ان کے ماں، باپ کو بازیاب کراؤں گا۔ اگر وہ زندہ ہوئے، مرگئے تو مجبوری ہے لیکن شہروز صاحب میں زندگی کی بازی لگا کر ان لوگوں کو بازیاب کرانا چاہتا ہوں۔''

''آپ کچی حویلی آتے جاتے رہتے ہیں۔''

''نہ ہونے کے برابر......بس کوئی ضرورت ہوتی ہے تو چلا جاتا ہوں۔''

''بہرام شاہ صاحب آپ کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں۔''

''تقریباً بتا چکا ہوں۔ نرم لہجہ ہوتا ہے، لیکن انداز میں بے رخی ہوتی ہے۔ جیسے مجھے احساس دلایا جارہا ہو کہ میری ایک حد کو عبور کرنے کی کوشش نہ کرو۔''

''آپ نے وہ حد کبھی عبور کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''نہیں ...... بددل رہا ہوں ...... مایوس رہا ہوں۔ بلاوجہ جھگڑے مول نہیں لیے، لیکن یہ پرانی بات ہے، اب میں جان پر کھیل جانا چاہتا ہوں۔''

''آپ ہم سے مشورہ لے رہے ہیں، فیروز شاہ صاحب۔''

''ہاں خدا کے لیے میری مدد کیجیے، مجھے مشورہ دیجیے۔''

''تو پھر سنیئے ہم آپ کی مدد بھی کریں گے، اور مشورہ بھی دیں گے، شرط یہ ہے کہ آپ اسے مانیں۔''

''مانوں گا۔ بخدا وعدہ کرتا ہوں مانوں گا۔''

''تو پھر کچھ دیر خاموش رہیں، تھوڑا سا کام ہمیں بھی کر لینے دیجیے ہم آپ کی پوری مدد کریں گے۔ سمجھ رہے ہیں نا۔ آپ اگر جلد بازی میں آپ نے کوئی قدم اُٹھایا تو کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ جب تک حکم دیں گے، اس وقت تک میں انتظار کروں گا۔''

''ہمارا آپ کی حویلی آنا کسی طور مناسب نہیں ہے۔ ہاں بہرام شاہ کو سلام کرنے اب ضرور جانا ہوگا۔ ویسے بھی انہوں نے ہدایت کی ہے، اس کی۔''

''احتیاط رکھیئے گا۔ جہاں زہر ہوتا ہے وہاں نقصان پہنچ سکتا ہے۔'' فیروز شاہ نے کہا اور اس کے بعد کافی دیر تک بیٹھا اس موضوع پر بات کرتا رہا۔ وہ اپنے دل کے سارے پھپھولے کھول چکا تھا۔ اور اب کسی حد تک وہ پرسکون نظر آ رہا تھا۔

شہروز اور ناہید نے اسے بہت کچھ سمجھایا بجھایا اور اس کے بعد وہ وہاں سے واپس چل پڑا۔

☆......☆......☆

بہرام شاہ نے ایک بار پھر دلاور کو طلب کر لیا تھا۔ اب سب سے بڑا مرحلہ اس کے لیے کسی ایسے آدمی کا تھا جو اس کا اتنا ہی راز دان ہو جتنا خیرات تھا۔ اور نئے نئے معاملات کو سوچتے ہوئے اس کے ذہن میں یہی آیا تھا کہ دلاور کو وہاں سے واپس بلا لیا جائے۔ خیرات کے بعد دلاور ہی ایک ایسی شخصیت تھی، جس پر اسے پورا پورا اعتماد تھا۔ چالاک، شاطر، بے رحم، ذہین یہ دلاور کی خصوصیات تھیں۔ دلاور خان جس وقت وہاں پہنچا تو بہرام شاہ بے چینی کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ دلاور خان نے معمول کے مطابق اسے سلام کیا، اور بہرام شاہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''جہاں تو کام کر رہا ہے دلاور وہاں کے حالات آج کل کیا ہیں۔''

''سب کو کتا بنا دیا ہے، شاہ جی، جو سرکش تھا، اس کی گردن جھکا دی ہے شاہ جی کے لیے۔'' دلاور نے جواب دیا۔

''میں تجھے بتا چکا ہوں کہ خیرات مر چکا ہے، شیر گل ہے تو کام کا آدمی، لیکن بے وقوف ہے، وہ صرف بدن ہے، دماغ نہیں، سمجھ لیا ہے نا تو۔''

''جی شاہ جی۔''

''تو میں یہ چاہتا ہوں دلاور کہ تو یہاں میرے پاس رہ۔''

''شاہ جی کا جو حکم، دلاور تو صرف حکم کا غلام ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ اب تو یہیں رک جا دلاور وہاں کسی اور کو بھیج دیں گے یا پھر تو خود وہاں کوئی انتظام کرنا چاہے، اپنا کسی کو لگانا چاہے، تو میری طرف سے تجھے اجازت ہے۔''

''شاہ جی کی عنایت ہے۔'' دلاور نے جواب دیا۔

''بیٹھ جا آ اندر آ جا، میرے ساتھ آ...... تجھ سے بہت انوکھی باتیں کرنی ہیں آج مجھے۔''

''جی شاہ جی۔'' دلاور نے کہا، اور بہرام شاہ اسے لے کر اندرونی کمرے میں پہنچ گیا، بیٹھ کر اس نے کہا۔

''کچھ کشف ہو رہا ہے، ہم پر کچھ کشف ہو رہا ہے، دلاور نئے نئے خیالات ہیں آج کل...... خیرات کے مرنے کے بعد ہم ویسے بھی خود کو اکیلا اکیلا محسوس کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان دنوں صرف وظیفے ہی پڑھتے رہتے ہیں۔ اور ان وظیفوں سے ہمیں کچھ عجیب سی باتیں معلوم ہوئی ہیں۔''

''کیا شاہ جی۔'' دلاور نے سوال کیا اور بہرام شاہ گہری سوچ میں ڈوب گیا، کچھ دیر کے بعد اس نے گردن اُٹھا کر کہا۔

''ہم نے پچھلے واقعات کا تجھ سے تذکرہ کیا تھا۔ وہ کم بخت لڑکی آج تک ہمارے ہاتھ نہیں لگی، کچھ سمجھ نہیں لگ رہا۔ کہاں مر گئی، وہ تیرے جانے کے بعد بھی ہم نے بہت کوشش کی۔ خود دن اور رات گشت کیا اور یہ جاننا چاہا کہ یہاں کون ہے، ایسا جو ہمارے مقابلے میں آنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس لڑکی کے بارے میں صرف یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ کوئی اسے یہاں سے نکال کر لے گیا کہاں۔ کیسے۔ یہ کچھ معلوم نہیں۔ ہم نے تجھ سے یہ بھی کہا تھا، کہ تلاش کر کہ اس آبادی میں کوئی نیا بندہ تو نہیں داخل ہوا۔ وہ کون ہے۔ جس نے ہماری طاقت کو تسلیم نہیں کیا۔ تو پتا نہیں چلا سکا دلاور، تو پتا نہیں چلا سکا۔''

''شاہ جی جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، بستی میں لوگ آتے جاتے تو بے شک ہیں لیکن ایسا کوئی بندہ نہیں جو یہاں تک گیا ہو۔ اور اس کے اندر اتنی جان ہو کہ بہرام شاہ کے سامنے کھڑا رہے۔''

''ہیں دلاور ایسے کچھ لوگ ہیں۔ جو نئے بھی ہیں، اور یہاں تک بھی گئے ہیں، اور ہم ان کے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔''

''جی شاہ جی۔'' دلاور حیرت سے بولا۔

''ہاں...... دلاور ہیں، بلکہ ہیں نہیں ہے۔''

''کون شاہ جی۔''

''بتاتے ہیں تجھے...... ہیں۔'' بہرام شاہ نے کہا، اور دلاور اسے سنسنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔ یہ بڑی حیرت کی بات تھی، کہ اسے ایسی کوئی بات معلوم نہیں ہوئی تھی، ہوسکتا ہے کوئی نگاہوں سے اوجھل رہ گیا ہو۔ بہر حال وہ بہرام شاہ کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد بہرام شاہ نے کہا۔

''شہر سے آئے ہیں، دارالحکومت سے آئے ہیں دو افراد، ایک کلیوں جیسی نازک لڑکی اور ایک نوجوان...... نام ہے، شہروز اور لڑکی کا نام ناہید ہے۔''

''شاہ جی کون ہیں وہ۔''

''ڈسپنسری ہے نا اپنی اس میں نئے ڈاکٹروں کی حیثیت سے آئے ہیں۔''

''اوہ شاہ جی۔ میری توجہ اس طرف نہیں گئی۔ مگر کیا آپ کے خیال میں۔''

''ہاں...... ہاں...... بتا رہے ہیں، تیز رفتاری کا مظاہرہ نہ کر...... مرد ایک نوجوان اور طاقت ور آدمی ہے۔ ہم نے پہلی نگاہ میں دیکھ کر اسے کہا تھا، کہ وہ بہت تیز اور چالاک معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ہے۔ ڈسپنسری ہی میں رہتے ہیں دونوں، یہی دو اجنبی اس وقت یہاں موجود ہیں۔ تم جانتے ہو دلاور...... ڈسپنسری میں کوئی کام تو ہوتا نہیں ہے۔ ڈاکٹر جمشید وہاں کا انچارج ہے۔ عیش کر رہا ہے۔ سرکاری طور پر ان دونوں کو وہاں بھیجا گیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ غلط لوگ ہیں لیکن جب انسان کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہو جاتا ہے، تو پھر ہر چیز کو دیکھنا ہوتا ہے۔ وہ کون ہیں۔ اور کیا اس سلسلے میں ان کا کوئی ہاتھ ہو سکتا ہے۔ میں بالکل یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن نئے لوگ ضرور ہیں، خاص طور سے مرد اسے ٹٹولنا ضروری ہے۔ دلاور اور یہ کام تجھے کرنا ہے۔''

''شاہ جی کوئی مشکل ہی نہیں، بس آپ حکم فرمائیں۔'' دلاور نے کہا۔

''کیا مطلب۔''

''اٹھا لیتا ہوں شاہ جی! پکڑ کر بند کر لیں گے اور اس کے بعد بھلا ان کی مجال ہے کہ زبان نہ کھولیں ہمیں کون روکے گا شاہ جی، ہماری مملکت میں ہیں وہ۔''

''دلاور کیا تو بھی ایسی بے وقوفی کی باتیں کر سکتا ہے۔ احمق آدمی یہ کام تو ہم خود بھی کر سکتے تھے، لیکن سن دل کی ساری باتیں بتا رہے ہیں، تجھے وہ لڑکی تو ہمارا پھول ہے، میلا نہیں ہونا چاہیے، سمجھ رہا ہے نا تو...... ہماری محبت ہے وہ، بڑی احتیاط برت رہے ہیں ہم اس لیے، بڑا صبر کر رہے ہیں ہم، دیکھے گا تو دیکھتا رہ جائے گا۔ شہری لڑکی ہے۔ بہت خوب صورت ہے، بہت نازک مزاج ہے، یوں سمجھ لے کہ وہ تیری نئی شاہینہ ہے۔''

''جی شاہ جی۔''

☆......☆......☆

''ہاں دلاور فیصلہ کر چکے ہیں ہم، تھوڑا سا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر یہ واقعات درمیان میں نہ آجاتے دلاور تو اب تک ہم اس پر ہاتھ ڈال چکے ہوتے اور جس پر ہم ہاتھ ڈال دیں، بھلا مجال ہے کہ وہ کچھ کر سکے لیکن معلومات کرنا پڑیں گی ان کے بارے میں۔ ذرا پیچھے سے دیکھنا پڑے گا کہ وہ ہیں کیا۔''

''تو جانتا ہے کہ وہ کچھ بھی ہیں ہمارے لیے یہ مشکل نہیں ہوگا کہ ہم انہیں اپنی غلامی میں لے لیں۔ لڑکی اور نوجوان ایک دوسرے سے بہت زیادہ بے تکلف ہیں۔ وہ ہر وقت ساتھ رہتے ہیں لیکن جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، دونوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو چاہنے لگے ہیں۔ لڑکا بھی خوبصورت ہے، حسین نوجوان ہے اور لڑکی بھی اور پھر دونوں کا پیشہ ایک ہی ہے۔''

''شاہ جی! آپ نے اتنا وقت لگا لیا، یہ تو بہت بڑی ہے۔''

''فضول باتوں سے گریز کر، ترکیب سوچ۔ ایسی ترکیب جو ہمارے پہلے اقدامات سے مختلف ہو، سمجھ رہا ہے نا تو۔''

''شاہ جی کا دماغ آسمان سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔ بھلا دلاور کی ذہنی وسعتیں اس قدر کہاں ہیں کہ شاہ جی کے دماغ تک پہنچ سکے۔ دلاور تو صرف شاہ جی کا غلام ہے۔ ان کا کہنا ہے جو حکم دیں گے، کرے گا۔ آپ اگر حکم دیں شاہ جی تو بلاوجہ انتظار نہ کیا جائے۔ چلیے لڑکی آپ کو پسند ہے، لڑکے کو راستے سے ہٹا دیتے ہیں۔''

''نہیں دلاور! ابھی نہیں۔ کام اس طرح ہونا چاہیے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ ویسے تو ہم نے جو چاہا ہے، وہ کرتے ہی رہے ہیں لیکن اس بار طریقہ ذرا بدلنا ہوگا۔ دیکھ لاکھ طاقتور انسان ہو لیکن دشمن سے ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیے۔ شہر سے میں کوشش کرتا ہوں یہ معلومات حاصل کرنے کی ان دونوں کا بیک گراؤنڈ کیا ہے، یہ پتا چل جائے گا۔ یہ اتنا مشکل کام نہیں ہوگا، اس کے لیے میں شہر ہی میں اپنے بندوں کو لگا دوں گا لیکن یہاں کچھ کرنا ہے، یہاں سے ان دونوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہیے۔ سمجھ رہا ہے نا تو۔ ایک ترکیب ذہن میں آتی ہے۔''

''وہی تو میں کہہ رہا تھا کہ جو شاہ جی سوچ سکتے ہیں، وہ بھلا دلاور کہاں سوچ سکتا ہے۔''

''ہوں گاما۔'' بہرام شاہ نے کہا۔

''گاما۔''

''باورچی۔'' بہرام شاہ مسکرا کر بولا۔

''ہاں اپنا باورچی نا۔''

''ہاں اس کی بات کر رہا ہوں۔''

''سمجھا نہیں کچھ شاہ جی۔''

''گاما بیمار ہے، سمجھا دلاور! گاما بیمار ہے اپنا۔''

''کیا تکلیف ہے اسے۔''

''یہ ہمیں کیا معلوم۔ پیٹ میں درد ہوتا ہے۔''

''کیوں ہوتا ہے۔''

''بھئی یہ ہمیں نہیں معلوم جو بات ہمیں نہیں معلوم وہ ڈاکٹروں کو معلوم نہیں ہونی چاہیے نا اور پھر یہ ڈسپنسری آخر کس کام آئے گی۔ ہیں نا۔''

''ہاں، یہ بات تو ہے شاہ جی۔''

''پھر کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہیے یہاں۔ گاماں کو ڈسپنسری بھجوا دو۔''

''بلاؤ بلاؤ۔ گاما کو بلاؤ۔ جا دلاور گاما کو بلا۔'' بہرام شاہ نے کہا اور دلاور جلدی سے اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔

گاما پرانا ملازم تھا، حویلی کا نمک کھاتا تھا۔ شاہ جی کے حکم پر کام کرتا تھا۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ کام کی نوعیت کیا ہے۔ قدیم ملازم ہونے کی وجہ سے شاہ جی کے تمام کارنامے اسے اسی طرح معلوم ہوتے تھے جس طرح یہاں رہنے والے دوسرے ملازموں کو اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تہہ خانے میں کھانا پہنچانا اس کی ذمہ داری تھی۔

حیدر علی اور صفدر علی اور اس کی بیوی کو کھانا وہی دیا کرتا تھا، کچھ دیر کے بعد وہ دلاور کے ساتھ بہرام شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ بہرام شاہ اسے دیکھنے لگا پھر ایک دم ہنس پڑا۔

''گاما! کیا تکلیف ہے تجھے۔''

''جی میں تو ہٹا کٹا ہوں۔ اللہ کا فضل ہے آپ کی دعائیں ہیں۔''

''نہیں تو ہٹا کٹا ہے، بیمار ہے تو، پیٹ میں درد ہے تیرے اس جگہ۔ اِدھر آ۔'' اس نے گامے کو آواز دی اور گاما ہانپتا کانپتا آگے بڑھ آیا۔

''اس جگہ درد ہے تیرے اور کافی دن سے ہے۔ کبھی کبھی یہ درد شدید ہو جاتا ہے۔ دورہ سا پڑ جاتا ہے گامے تجھے، سمجھ رہا ہے نا تو۔''

''شاہ جی نہیں سمجھ رہا۔'' گاما رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

''دیکھ گامے، ڈسپنسری میں داخل ہونا ہے تجھے۔ دلاور لے جائے گا۔ ہماری طرف سے حکم دے گا۔ ڈاکٹر جمشید کو اسے بتائے گا کہ گاما کو کیا تکلیف ہے۔ اس کا علاج کر، سمجھ رہا ہے نا۔ تیرا وہاں علاج ہوگا۔ وہیں تیرے لیے بستر لگ جائے گا۔ جب تک ٹھیک نہیں ہو جائے گا، وہاں سے نہیں آئے گا اور تو جانتا ہے کہ تو کب تک ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''نہیں جانتا شاہ جی۔''

''سن گامے! جو کچھ ہم بتارہے ہیں، غور سے سن۔ وہاں ایک نیا ڈاکٹر اور ڈاکٹرنی آئے ہیں۔ وہیں رہتے ہیں۔ کام دھندا تو انہیں کچھ ہے نہیں۔ گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر کا نام شہروز ہے۔ لڑکی کا نام ناہید ہے۔ ہمیں ان دونوں کے بارے میں مکمل رپورٹ چاہیے۔ وہاں دو نرسیں بھی ہیں اور بھی لڑکے وغیرہ کام کرتے ہیں۔ کسی کو اپنا راز دان بنانے کی ضرورت نہیں، ہوشیاری سے کام کرنا ہے۔ اگر ہو سکے تو ان دونوں سے دوستی بڑھا لینا، ان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنی ہے۔ شہر میں کہاں رہتے ہیں، کیا کرتے ہیں، ڈسپنسری میں رہ کر کہاں کہاں گھومتے ہیں۔ نوجوان ڈاکٹر کیا کرتا ہے، ان دونوں کے بیچ کیا تعلقات ہیں۔ کیا دونوں ایک دوسرے سے عشق کرتے ہیں یا پھر یونہی ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے متاثر ہیں۔ گاما! یہ کام کرنا ہے تجھے۔''

شاہ جی کی آواز بھاری ہو گئی۔

''شاہ جی! کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ نے مجھے پہلے بتا دیا ہوتا تو پہلے ہی کر دیتا۔''

''پہلے بتا دیا ہوتا تجھے، باپ ہے نا تو ہمارا۔ اب جب سمجھا رہے ہیں نا تجھے بتا رہے ہیں لیکن لغزش نہیں ہونی چاہیے۔ گامے! تو جانتا ہے میرے پاس لغزش کی معافی نہیں ہے۔ ایک اہم کام پر لگا رہا ہوں تجھے معلومات ہونی چاہیے۔ احتیاط رکھنی چاہیے۔ کبھی یہ ظاہر مت کرنا کہ تجھے کسی قسم کے مقصد کے لیے یہاں بھیجا گیا ہے۔ یہ تیری ڈیوٹی ہے۔ نئی ڈیوٹی ہے، نئی ڈیوٹی...... سمجھ رہا ہے نا تو۔''

''جو حکم شاہ جی۔''

''تو بس تھوڑی دیر کے بعد چل پڑ یہاں سے دلاور لے جائے گا۔ درد سے تڑپا ہوا جائے گا، تو سمجھا۔''

''جی شاہ جی۔''

''ہوشیاری سے کام کرنا، انعام ملے گا۔''

''شاہ جی کا غلام ہوں، آپ فکر نہ کریں۔'' گامے نے جواب دیا اور بہرام شاہ نے مسکرا کر دلاور کو دیکھا۔

''دلاور بے چارے مریض کو ہسپتال لے جاؤ۔ دیکھو تو کتنی تکلیف میں ہے وہ۔'' بہرام شاہ نے مکاری سے کہا اور دلاور نے مسکرا کر گردن خم کر دی۔

☆......☆......☆

جیپ ڈسپنسری میں داخل ہو گئی۔ خاصا شور شرابا ہو رہا تھا۔ دلاور کے ساتھ کئی اور افراد تھے۔ گاما بڑی اچھی اداکاری کر رہا تھا۔ وہ چیخ چلا رہا تھا۔

''ہائے مرا...... ہائے مرا...... ہائے مر گیا...... ہائے مر گیا...... مجھے بچا لو...... مجھے بچا لو......'' ڈاکٹر جمشید کے ساتھ شہروز اور ناہید بھی باہر نکل آئے تھے۔ ڈاکٹر حیرت سے منہ پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ دلاور گامے کو سنبھالتے ہوئے اندر لا رہا تھا، اس نے چیخ کر کہا۔

''ارے ڈاکٹر صاحب! کیا دیکھ رہے ہو، مریض آیا ہے تمہاری ڈسپنسری میں، کوئی انتظام نہیں ہے تمہارے پاس۔ ارے وہ

چارپائی لے آؤ جس میں مریض کو لے جایا جاتا ہے۔"

"مم......مم......مریض......" ڈاکٹر جمشید ہکلائی ہوئی آواز میں بولا۔

"پاگل ہو گئے ہو تم، حالت نہیں دیکھ رہے اس کی۔ مم......مم......کر رہے ہو۔"

"اسٹریچر سے......اسٹریچر......" ڈاکٹر جمشید نے چیخ کر کہا اور دونوں وارڈ بوائے اندر دوڑ گئے۔ اسٹریچر کو زنگ لگ گیا تھا لیکن کسی نہ کسی طرح وہ اسے گھسیٹتے ہوئے لائے اور اس کے بعد گاما کو اس پر لٹا دیا گیا۔

"کیا ہو گیا، سانپ نے کاٹ لیا کیا۔" ڈاکٹر جمشید نے کہا۔

"نن......نہیں......میرا مطلب یہ ہے کہ......کیا ہو گیا اس کو"

"پیٹ میں درد ہوا ہے اس کے، اس کا علاج کرو۔ شاہ جی نے اسے یہاں بھیجا ہے۔ شاہ جی کا باورچی ہے، خاص آدمی ہے۔"

"اچھا اچھا......ٹھیک ہے......چلو چلو......لے چلو اسے۔" اور پھر تمام لوگ اندر داخل ہو گئے۔

ڈسپنسری کباڑ خانہ بن چکی تھی۔ دوائیں وغیرہ بے شک موجود تھیں لیکن کچھ کی کچھ۔ ادھر گاما اسٹریچر پر تڑپ رہا تھا۔ بمشکل تمام اسے بیڈ پر لٹایا گیا اور ڈاکٹر جمشید اس کا معائنہ کرنے لگا۔ دلاور وغیرہ پاس کھڑے تھے۔ شہروز اور ناہید بھی موجود تھے۔

"کیا تکلیف ہے تم کو، کیوں شور مچا رہے ہو۔"

"درد......ہائے درد......مر گیا......درد سے۔"

"کہاں ہے درد۔"

"یہاں ڈاکٹر صاحب یہاں، ہائے ہائے......مر گیا۔"

"ڈاکٹر شہروز......" جمشید نے شہروز کو آواز دی۔

"جی ڈاکٹر۔"

"میرا خیال ہے اسے فوراً انٹروینس دیا جائے۔"

"ہے......۔"

"ہاں......ہاں کیوں نہیں۔ جاؤ دیکھو۔"

شہروز اس الماری کی طرف بڑھ گیا جدھر اشارہ کیا گیا تھا۔ شکر تھا کہ انٹروینس انجکشن آؤٹ آف ڈیٹ نہیں ہوئے تھے اور ابھی ان کی تاریخ استعمال باقی تھی۔ چنانچہ شہروز نے فوراً انجکشن سرنج میں بھرا اور اسے گاما کے بازو پر لگا دیا۔ دلاور وغیرہ وہیں کھڑے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر جمشید نے کہا۔ "میں نے اسے فوری درد بند کرنے کا انجکشن دے دیا ہے، درد ختم جائے گا لیکن مجھے تھوڑی سی تفصیل تو معلوم ہو جائے۔

"اکثر اسے درد ہوتا رہتا ہے اور اسی طرح تڑپتا ہے یہ۔ شاہ جی نے کہا کہ اسے ڈسپنسری میں داخل کرا دو۔ ڈاکٹر جمشید اس کا علاج

کرے گا۔''

''ارے شاہ جی سب سے بڑے ڈاکٹر ہیں۔شاہ گڑھی میں مَیں ان کے سامنے میں کیا وقعت رکھتا ہوں۔''

''شاہ جی ڈاکٹر نہیں ہیں، وہ درویش ہیں، عالم ہیں۔جب انہوں نے محسوس کیا اسے یہاں بھیج دیا گیا ہے، اس لیے اپنی زبان بند رکھو ڈاکٹر جمشید۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک ہے۔شاہ جی نے ہمیں اس قابل سمجھا، یہ تو ہماری عزت افزائی ہے۔بالکل بے فکر رہیں۔ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''تو شاہ جی سے کیا کہوں۔''

''شاہ جی کا کیا حکم ہے۔''

''اسے یہیں داخل رکھنا ہے، اس وقت تک جب تک اس کا مرض جڑ سے دور نہ ہو جائے۔''

''ہو جائے گا، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ہو جائے گا ٹھیک۔'' ڈاکٹر جمشید نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

''تو میں شاہ جی کو اطمینان دلا دوں۔''

''ضرور......ضرور شاہ جی سے کہہ دینا کہ ان کا غلام ان کے ہر طرح کے حکم کی تعمیل کرے گا۔یہ بندہ یہاں سے ٹھیک ہو کر جائے گا۔آپ بالکل فکر نہ کریں۔''

''ہم جائیں۔''

''جایئے، میں ہوں۔''

''کوئی ضرورت ہے۔''

''کیسی باتیں کرتے ہیں، شاہ جی کا باورچی ہے۔بھلا ضرورت کیا ہوگی۔'' ڈاکٹر جمشید نے جواب دیا۔

آہستہ آہستہ وہ خود کو پرسکون ظاہر کر رہا تھا۔حالانکہ راستے بھر وہ دلاور کی خوشامد کرتا آیا تھا اور کہتا آیا تھا کہ اسے دوائیں پینا پڑیں گی۔نہ جانے کیسی کیسی دوائیں ہوں گی، وہ تو کبھی زندگی میں بیمار نہیں ہوا، اس کے پیٹ میں درد آج تک نہیں ہوا۔اب اسے یہ انجکشن برداشت کرنا پڑا تھا تو اس کا منہ بگڑا ہوا تھا لیکن بہرحال شاہ جی کا حکم تھا اور اس کی تعمیل تو کرنا ہی تھی۔

''اب کیسا لگ رہا ہے۔''

''آرام آ گیا ہے ڈاکٹر صاحب۔''

''جو تکلیف دور ہو جاتی ہے۔''

''جی ڈاکٹر صاحب۔''

''جی نہیں ڈاکٹر صاحب! بس تھوڑے دن ہو گئے ہیں۔ اُٹھتا ہے تو بڑے زور سے اُٹھتا ہے۔'' گاما نے جواب دیا۔

''کیا سر! آپ کے سامنے میں کیا بول سکتا ہوں۔''

''چیک کرنا پڑے گا، ہو سکتا ہے معدے میں رسولی ہو۔'' ڈاکٹر جمشید نے کہا۔

''جی۔''

''تم دیکھو۔'' ڈاکٹر جمشید بولا اور شہروز گاما پر جھک گیا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

''آپ اسے میرے سپرد کر دیجیے ڈاکٹر صاحب! میں انشاء اللہ اسے ٹھیک کر لوں گا۔'' شہروز نے کہا۔

''ٹھیک ہے، اب نرسوں کو بلاؤ۔'' ڈاکٹر جمشید نے ڈاکٹر ناہید سے کہا۔ ناہید نے شازیہ اور راشدہ کو طلب کر لیا۔

''کمرے کی پوری طرح سے صفائی کر دو، بہت عرصے کے بعد کوئی مریض آیا ہے۔ ہمارے لیے تو بڑی عزت کی بات ہے۔ کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ سب لوگ اس کی خدمت کرو گے، سمجھ گئے اور کوئی ضرورت ہے تمہیں۔''

''نہیں ڈاکٹر صاحب۔''

''بس ٹھیک ہے، چونکہ بہرام شاہ صاحب نے کہا ہے کہ تمہیں یہاں رکھا جائے، تمہیں انڈر آبزرویشن رکھا جائے گا۔ سمجھ رہے ہونا۔''

''جی۔''

''نہیں سمجھ رہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ پتا چلایا جائے گا کہ تمہیں درد کیوں ہوتا ہے۔ اب جب بھی درد ہو، بتا دینا۔''

''ڈاکٹر صاحب! وہ تو خود پتا چل جائے گا۔'' گاما نے جواب دیا۔

''ایں۔''

''ہاں۔''

''مگر شور مت مچانا، سمجھے ورنہ بے ہوشی کا انجکشن دے دیا جائے گا۔''

''نن...... نہیں ڈاکٹر صاحب...... بالکل شور نہیں مچاؤں گا، وعدہ کرتا ہوں۔'' گاما نے جواب دیا۔

''تو ٹھیک ہے، ڈاکٹر شہروز اسے دیکھئے اور جو بھی رپورٹ ہو مجھے دیجیے۔''

''آپ مطمئن رہیں۔'' شہروز نے زیر لب مسکرا کر کہا اور پھر راشدہ اور شازیہ کو ہدایات دینے کے بعد شہروز اور ناہید کمرے سے باہر نکل آئے۔ باہر سے وہ جیپ جا چکی تھی جس میں گاما کو لایا گیا تھا۔ شہروز نے ناہید کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''ناہید۔''

''ہوں۔''

''کچھ محسوس کیا۔''

''ہاں۔''

''کیا۔''

''گڑبڑ۔''

''گڈ......گویا تم بھی وہی سوچ رہی ہو جو میں نے سوچا۔''

''سو فیصد۔ آپ کو ایک بات یاد ہے شہروز۔''

''کیا۔''

''فیروز شاہ نے گاما کا نام لیا تھا۔''

''ہاں......باورچی......کچی حویلی کا باورچی۔''

''آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں۔''

''ناہید! اس دن میں نے تم سے کہا تھا کہ بیرام شاہ کا مجھے اس طرح ملنا خطرناک ثابت ہوگا۔ ابتدا ہوگئی ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے شہروز، اسے خاص طور سے یہاں بھیجا گیا ہے۔''

''سو فیصد۔ یہ اصل میں بیرام شاہ کا جاسوس ہے۔''

''جاسوس کس کے خلاف کام کرے گا۔''

''ظاہر ہے ہمارے خلاف۔''

''اوہ......کیا یہ سنجیدہ بات نہیں ہے۔''

''ہے تو سنجیدہ لیکن تم ایک بات پر غور کرو۔''

''کیا۔''

''فیروز شاہ کو یہ بہت مشکل معلوم ہو رہا تھا کہ گاما کو وہ کس طرح اپنے جال میں پھانسے گا لیکن سیانا کوا ہمیشہ نقصان اُٹھاتا ہے۔ تم نے دیکھا بیرام خود اپنے جال میں پھنس گیا۔''

''مطلب۔''

''گاما خود یہاں آ گیا۔''

''تو پھر اب۔''

''بہت سوچ سمجھ کر کام کرنا ہوگا۔ ابھی فیروز شاہ کی مدد نہیں لی جا سکتی کیونکہ معاملہ تھوڑا سا ڈاکٹر جمشید کا بھی ہے اور ڈاکٹر جمشید کے بارے میں تم نے اندازہ لگا لیا ہے کہ وہ ایک خوشامدی آدمی ہے اور کسی بھی طور بہرام سے بگاڑنا پسند نہیں کرے گا۔ چنانچہ ہمیں جو کرنا

ہے، خود ہی کرنا ہوگا۔“

”ٹھیک ہے۔“

”یہ تو بہت ہی اچھی بات ہوئی کہ یہ شخص خود ہی ہمارے قبضے میں آ گیا۔ فیروز شاہ سے کس طرح رابطہ ہو۔“

”کیا مطلب۔“

”ابھی تو تم نے کہا تھا کہ فیروز شاہ سے بھی کچھ نہیں کہنا۔“

”لیکن پھر بھی کچھ کام آن پڑا ہے، اس لیے۔“

”کچی حویلی کا چکر لگا لیا جائے۔“

”مناسب نہیں ہوگا۔“

”ہوسکتا ہے فیروز شاہ خود ہی آ جائے۔“

”ہاں۔“

”تو پھر اب کیا پروگرام ہے۔“

”ڈاکٹر بننا پڑے گا بھئی، ویسے یہ اچھی بات ہے کہ مریض بھی ایسا ملا جو اصل میں بیمار نہیں ہے، اس کا علاج کرنے میں ہمیں آسانی ہوگی۔“ شہروز نے کہا اور ناہید مسکرا دی۔

پھر یہ بھی اتفاق تھا کہ فیروز شاہ اسی دن شام کو آ گیا۔ ناہید اور شہروز نے دور ہی سے اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ دونوں ڈسپنسری سے نکل آئے۔ ڈاکٹر جمشید اپنی رہائش گاہ میں تھا اور اس وقت باہر نہیں نکلتا تھا۔ گاما کو ان لوگوں کے حوالے کر کے وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ ویسے ڈسپنسری میں ایک خوشگوار دن تھا کہ یہاں بھی کوئی مریض آیا اور یہاں داخل ہوا۔ فیروز شاہ کو انہوں نے دور ہی سے جا لیا اور پھر اس کی کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئے۔

”کسی مناسب جگہ چلو۔“ شہروز نے کہا اور فیروز شاہ نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے آثار پھیل گئے تھے۔

”خیریت، آپ بڑے پراسرار نظر آ رہے ہیں۔“

”ہم پراسرار نہیں بلکہ پراسرار واقعہ ہو گیا ہے۔“

”کیا۔“

”بس اس جگہ اس درخت کے نیچے گاڑی روک دو۔ میرا خیال ہے محفوظ جگہ ہے۔“

”ہاں، کوئی خاص طور سے توجہ نہیں دے گا مگر بات کیا ہے۔ آپ لوگوں نے مجھے خاص تجسس میں مبتلا کر دیا ہے۔“

”فیروز شاہ...... وہ شخص آ گیا ہے جس کا آپ کو انتظار تھا۔“

''کون۔''

''اس کا نام گاما ہے۔''

''کچی حویلی کا باورچی۔''

''ہاں۔''

''کہاں آ گیا۔''

''ڈسپنسری۔''

''کیا مطلب، میں بالکل نہیں سمجھا۔''

''بیرام شاہ نے اسے بھیجا ہے، وہ درد سے تڑپتا ہوا یہاں پہنچا ہے۔''

''ڈسپنسری میں بھیجا ہے۔''

''ہاں۔''

''یہ بات تو میں اچھی طرح جانتا ہوں ڈاکٹر شہروز کہ ڈسپنسری میں بیرام شاہ صاحب اپنے کسی مریض کو نہیں بھیج سکتے۔ انہیں ڈسپنسری پر بھروسہ ہی نہیں ہے اور پھر ویسے بھی یہاں وہی آ سکتا ہے جسے موت کی آرزو ہو۔ معاف کیجیے گا میں آپ پر طنز نہیں کر رہا۔ ڈسپنسری کی حالت آپ نے خود دیکھ لی ہوگی۔''

''ہاں بے شک۔''

''اس کا مطلب ہے کوئی گڑبڑ ہے۔''

''آپ کا بھی وہی خیال ہے جو ہمارا ہے۔''

''کیا مطلب۔''

''میرا خیال ہے بیرام شاہ نے اسے ہمارے خلاف جاسوسی کے لیے بھیجا ہے۔''

''بیرام شاہ کے چہرے پر عجیب سے آثار پھیل گئے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا۔''

''یقیناً سو فیصد۔ اس کا مطلب ہے انہیں کوئی شبہ ہو چکا ہے۔''

''سو فیصد۔'' شہروز نے کہا۔

''تو پھر اب۔''

''خیر کوئی اور تو بات نہیں ہے لیکن ایک مسئلہ ہے۔''

''کیا۔''

''یہاں شاہ گڑھی میں ہمیں کوئی ایسی جگہ چاہیے فیروز شاہ صاحب جو شاہ گڑھی میں رہنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہاں ہم اپنا تھوڑا بہت کام کر سکیں۔ آپ نے ہمیں جس راستہ پر لگایا ہے، ہم اس کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں۔''

''کیا کام کرنا چاہتے ہیں آپ۔''

''فرض کیجیے کسی کو وہاں رکھنا ہو اور اس طرح کہ بات پوشیدہ رہے، کیا ایسا عمل ہو سکتا ہے۔''

''بالکل ہو سکتا ہے۔''

''کس طرح۔''

''میرا باغ کیسا رہے گا، جہاں میں ایک بار آپ کو لے کر گیا تھا۔''

''وہاں جو لوگ موجود ہیں۔''

''آپ یقین کیجیے وہ میرے بالکل ہمراز ہیں۔ آج تک بیرام شاہ کو یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ میں نے آپ کی وہاں دعوت کی تھی۔ وہاں جو دو تین افراد ہیں، آپ یوں سمجھ لیجیے دو سو فیصد مجھ سے تعلق رکھتے ہیں۔''

''اگر کوئی مسئلہ پیش آ جائے کہ انہیں مجبوراً بیرام شاہ کو بتانا پڑے تو۔''

''میں انہیں ہدایت کر دوں گا تو وہ کبھی نہیں بتائیں گے۔''

''آپ سوچ لیجیے فیروز شاہ صاحب! یہ بہت سنگین مسئلہ ہو گا۔ ہماری بات اگر وہاں وقت سے پہلے پہنچ گئی تو آپ کا تو خیر کچھ نہیں بگڑے گا لیکن بیرام شاہ صاحب ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔''

''اگر آپ مجھ پر بھروسہ کرتے ہیں تو اس جگہ پر بھی بھروسہ رکھیں۔''

''ہوں، تو پھر یوں کیجیے فیروز شاہ صاحب کہ ابھی وہاں چلے جائیں اور وہاں جو افراد موجود ہوں، انہیں صرف یہ ہدایت کر دیجیے کہ ڈاکٹر شہروز اور ناہید اگر کسی وقت یہاں پہنچیں اور یہاں کسی کو رکھنا چاہیں یا یہاں خود کوئی کام کریں تو ان کا راز کبھی باہر نہیں جانا چاہیے۔''

''آپ مطمئن رہیے۔''

''تو پھر ہمیں ڈسپنسری پر چھوڑ دیجیے گا۔'' شہروز نے کہا اور فیروز شاہ نے گردن ہلا دی پھر گاڑی موڑ کر ڈسپنسری کے دروازے تک پہنچا اور اس کے بعد انہیں اُتار دیا۔ شہروز، ناہید کے ساتھ اندر داخل ہو گیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔

''بیٹھو ناہید......'' شہروز نے کہا اور ناہید بیٹھ گئی۔

''بات آہستہ آہستہ کامیابی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ بہرام شاہ کو اس بات کا شبہ ہو گیا ہے کہ اس رات بیل کہیں اور تھا۔''

''اس شک کی وجہ کیا ہے۔''

''یہ میں نہیں جانتا لیکن بہر حال وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ اپنے آدمیوں کی موت کے بعد وہ ظاہر ہے قاتلوں کی تلاش میں ہو گا۔

اس کے لیے اس نے کیا جال بچھایا ہے، اس کے بارے میں مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن ناہید..... گاما کی یہاں آمد بے مقصد نہیں ہے۔''

''تو پھر بتائیے کیا کیا جائے۔''

''تم ڈاکٹر ہو۔''

''ہاں۔''

''اور خوبصورت بھی ہو۔''

''مطلب۔'' ناہید چونک کر بولی۔

''خوبصورت ڈاکٹر مریض کے لیے بڑی پرکشش ہوتی ہے۔''

''کہنا کیا چاہتے ہیں جناب۔''

''گاما اندر سے کھولو۔''

''ہوں، ٹھیک ہے۔ میں کوشش کروں گی۔''

''صرف کوشش نہیں۔ ناہید! بڑی محنت سے کام کرنا ہوگا۔ ذرا صحیح طرح سے جائزہ لینا۔ ویسے میں اسے اس قدر وحشت زدہ کر دوں گا کہ وہ خود ہی زبان کھولنے پر آمادہ ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' ناہید نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ خاصی دیر تک منصوبہ بندی کرتے رہے تھے۔

رات کو نو بجے کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد شہروز ناہید کے ساتھ اس کمرے کی جانب چل پڑا، جہاں گاما کو رکھا گیا تھا۔ گاما بیڈ پر پڑا ہوا تھا۔ نرس راشدہ وہاں موجود تھی، ان لوگوں کے لیے یہ سب ایک عجوبہ تھا۔ ڈسپنسری میں کافی عرصے سے کوئی مریض نہیں آیا تھا۔ نجانے بیرام شاہ کو کیا سوجھی کہ انہوں نے ڈسپنسری کی قسمت جگا دی۔ نرسوں کو بھی کام کرنا پڑا تھا اور وارڈ بوائے کو بھی۔ کمرے کی صفائی وغیرہ خوب اچھی طرح سے کر دی گئی تھی۔ آخر بیرام شاہ صاحب کا مریض ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ شہروز اور ناہید اس کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے راشدہ سے گاما کی طبیعت دریافت کی۔

''جس وقت سے انجکشن لگایا ہے ڈاکٹر صاحب خاصی بہتر حالت نظر آ رہی ہے۔ درد بھی نہیں اُٹھا۔''

''میں ذرا ان کا معائنہ کروں گا۔'' ڈاکٹر شہروز نے کہا۔

''جی ڈاکٹر صاحب۔''

پھر شہروز دیر تک گاما کی نبض دیکھتا رہا تھا۔ آنکھیں، زبان دیکھی اور پھر پیٹ کو ٹٹولنے لگا۔ وہ جگہ جگہ سے گاما کا پیٹ دبا رہا تھا اور اس سے پوچھ رہا تھا کہ کہاں تکلیف ہوتی ہے۔ ایک جگہ پر گاما نے کہا۔

''بس یہیں ڈاکٹر صاحب یہیں۔''

شہروز اس جگہ کو دیر تک دبائے بیٹھا رہا پھر اس نے ناہید سے کہا۔

''معدے میں رسولی ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے ڈاکٹر۔''

''اچھا خاصا بڑا آپریشن کرنا پڑے گا۔''

''ہاں، یقیناً۔ کم از کم اس جگہ سے اس جگہ تک پیٹ کاٹنا ہوگا۔ پتا نہیں کتنی بڑی رسولی ہے۔''

''میرا خیال ہے، خاصی بڑی ہے۔ بہرحال آپریشن کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے ورنہ اسے بار بار تکلیف ہوتی رہے گی۔'' گاما کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

''لیکن کیا یہ آپریشن خطرناک نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر شہروز۔''

''کیا کیا جائے،، خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا۔''

''اس میں تو مریض کی جان بھی جا سکتی ہے۔'' ناہید تشویش زدہ لہجے میں بولی۔

''ہاں، عموماً ایسے آپریشن کامیاب نہیں ہوتے پھر تمہیں پتا ہے ڈاکٹر ناہید کہ یہاں ہمارے پاس معقول انتظامات بھی نہیں ہیں۔ اگر کوئی ایمرجنسی پیش آ گئی تو کیا کر سکتے ہیں۔''

''جی ڈاکٹر لیکن اس کے باوجود آپریشن کرنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے اور پھر یہ آپریشن کب تک کریں گے۔''

''میرا خیال ہے کل دن کا وقت رکھ لیا جائے۔''

''ٹھیک ہے، ڈاکٹر جمشید سے اس سلسلے میں بات کر لی جائے۔'' اتنی دیر میں ڈاکٹر جمشید بھی وہاں پہنچ گیا۔ وہ ان دونوں کو دیکھنے لگا تو شہروز نے کہا۔

''پتا چل گیا ہے ڈاکٹر جمشید کہ اسے کیا تکلیف ہے۔''

''پتا چل گیا ہے۔''

''جی۔''

''کیا تکلیف ہے۔''

''رسولی ہے معدے میں۔''

''اوہو، کیا واقعی۔''

''ہاں۔''

''تب تو اسے شہر کے ہسپتال میں منتقل کرنا پڑے گا۔''

''نہیں ڈاکٹر صاحب! بھلا اس کا رسک کیسے لیا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے راستے میں مریض کو تکلیف ہو جائے، ایسی صورت میں اس کی زندگی کو خطرہ بھی لاحق ہو سکتا ہے۔'' شہروز نے کہا۔

''تو پھر۔''

''میں آپریشن کروں گا۔''

''تم۔''

''ہاں۔''

''ہم..... میرا مطلب ہے، یہاں انتظامات۔''

''سارے انتظامات کو رہنے دیجیے ڈاکٹر صاحب! اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''اگر تمہیں اطمینان ہے تو جیسا تم مناسب سمجھو۔''

''براہ کرم تمام لوگوں کو ہدایت کر دیجیے، کل دن میں ہم اس کا آپریشن کریں گے۔''

''تم سب کو احکامات دے دو اور ضروری تیاریاں کر لوں۔'' ڈاکٹر جمشید نے کہا۔

کچھ دیر تو وہ گاما کے نزدیک اسی طرح باتیں کرتے رہے۔ ڈاکٹر جمشید کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ سب کیا چکر ہے، لیکن شہروز اور ناہید نے دزدیدہ نگاہوں سے گاما کا چہرہ دیکھا تھا جس پر مردنی چھائی ہوئی تھی پھر ڈاکٹر جمشید چلا گیا اور شہروز بھی اس کے ساتھ باہر نکل گیا۔ ناہید نے راشدہ نرس سے کہا۔

''راشدہ! تم اگر چاہو تو آرام کرو۔ میں مریض کے پاس موجود ہوں۔ گیارہ بجے کے بعد شازیہ کو یہاں بھیج دینا۔ ویسے تو کوئی خاص ضرورت نہیں ہے لیکن پھر بھی رات پھر اس کی نگرانی کرے گی اور احتیاط رکھے گی۔ کل ہمیں اس کا آپریشن کرنا ہے۔''

''جو حکم ڈاکٹر صاحبہ! راشدہ نے جواب دیا اور باہر نکل گئی۔ گاما کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔''

ناہید اس کے پاس بیٹھ گئی۔ ''دیکھو میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔''

گاما نے نگاہیں اُٹھا کر اسے دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''جی ڈاکٹر صاحبہ۔''

''بیوی بچے ہیں تمہارے۔''

''نہیں جی، کوئی نہیں ہے۔''

''اور کوئی ایسا عزیز و اقارب جسے تم اپنے پاس بلانا چاہتے ہو۔''

''جی۔'' گاما مردہ لہجے میں بولا۔

''دیکھو گاما! میں تمہیں تاریکی میں نہیں رکھنا چاہتی۔ کل ہم جو آپریشن کر رہے ہیں وہ بہت بڑا اور خطرناک آپریشن ہے۔ تمہارے معدے سے رسولی نکالی جائے گی اور اس میں تمہاری زندگی کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اگر ایسی کوئی خواہش تمہارے دل میں وہ، کسی سے ملنا چاہتے ہو تو ہمیں بتا دو۔''

گاما تھوک نگلنے لگا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔ ''ڈاکٹر صاحبہ! آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

''ہاں ہاں، ضرور میں سن رہی ہوں۔'' ناہید نے ہمدردی سے کہا۔

گاما کچھ دیر اسے دیکھتا رہا، ناہید اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ بری طرح خوف زدہ ہو گیا تھا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''ڈاکٹر صاحبہ۔''

''ہاں گاما! کہو کیا بات ہے۔''

''ڈاکٹر صاحبہ ہمارے پیٹ سے کچھ نہیں نکلے گا جی۔''

''کیا مطلب۔''

''کوئی رسولی وسولی نہیں ہے ہمارے پیٹ میں۔ آپ کو بلا وجہ شبہ ہو گیا ہے اس بات کا۔''

''ڈاکٹر ہم ہیں یا تم، ہم نے پوری طرح اندازہ لگا لیا ہے کہ تمہارے پیٹ میں رسولی ہے۔ کل آپریشن ہو جائے اور زندہ بچ جاؤ تو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔''

''ارے بلا وجہ کی باتیں کر رہی ہیں آپ، ہم اچھے خاصے بیٹھے گئے ہیں۔ کوئی تکلیف نہیں ہے ہمیں۔''

''تو کیا تم یہ کہنا چاہتے کہ بیرام شاہ بے وقوف آدمی ہے۔'' ناہید نے کہا اور اس کا چہرہ اتر گیا۔

''کک...... کک...... کیسی باتیں کر رہی ہو۔ کک...... کیسی باتیں کر رہی ہو۔'' اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ یہاں تمہیں بیرام شاہ کے آدمی لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر جمشید کو حکم دیا ہے کہ تمہارا علاج کیا جائے۔ بھلا ہم میں سے کسی کی مجال ہے کہ بیرام شاہ صاحب کا حکم ٹال دیں۔''

''تو علاج کرنے کے لیے کہا ہے، انہوں نے پیٹ پھاڑنے کے لیے تو نہیں کہا۔'' گاما جھلا کر بولا۔

ناہید نے بمشکل تمام ہنسی روکی تھی، وہ کہنے لگی۔

''یہ فیصلہ کرنے والے تم کون ہو۔ جب ہمیں پتا چل گیا کہ پیٹ درد کی وجہ رسولی ہے تو اسے نکالنا ہو گا گاما۔''

''دیکھو بی بی، بات سنو۔ تمہیں خدا کا واسطہ ہے بات سنو۔ کچھ بگاڑا ہے ہم نے تمہارا۔''

''بالکل نہیں۔''

''تو پھر کیوں ہماری جان لینے کے چکر میں پڑ گئی ہو۔ ارے بابا کچھ نہیں ہے ہمیں، قسم کھا کر کہتے ہیں تم سے۔ پڑا رہنے دو کچھ دن۔ ٹھیک ہو گئے تو چلے جائیں گے۔''

''اور اگر دوبارہ پیٹ میں درد اُٹھا تو مصیبت کس کی آئے گی، ہماری نا۔''

''نہیں اُٹھے گا۔ قسم کھاتے ہیں، نہیں اُٹھے گا۔''

''تم آپریشن سے گھبرا رہے ہو، میں اچھی طرح جانتی ہوں۔''

''ہم تو اناڑی ڈاکٹروں سے گھبرا رہے ہیں جنہوں نے بلاوجہ ہمارے پیٹ میں رسولی تلاش کر لی ہے۔''

''تو پھر کیوں آئے ہو، جھک مارنے۔''

''کون اُلو کا پٹھا آیا ہے۔ ارے ہمیں تو بھیج دیا گیا ہے۔ کیا کہیں...... کیا نہ کہیں۔''

''بھیج دیا گیا ہے۔''

''دیکھو بی بی! یا تو تم خاموشی سے یہاں سے چلی جاؤ ورنہ ہم خود ہی چلے جائیں گے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ نہیں بابا نہیں...... زندگی ایسی چیز تو نہیں ہے کہ اسے مذاق ہی مذاق میں گنوا دیا جائے۔ ارے جان ہے تو جہان ہے ورنہ کیا ہے۔ لعنت بھیجتے ہیں تمام چیزوں پر۔ ویسے بھی اُکتا گئے ہیں اس منحوس بستی سے۔'' اس نے کہا اور بستر سے اُٹھنے لگا۔

ناہید اب ذرا چکرا گئی تھی کہ اگر یہ شخص یہاں سے بھاگ گیا تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔ وہ بھی جلدی سے کھڑی ہو گئی پھر اس نے کہا۔

''تم نہیں جا سکتے۔''

''جا رہے ہیں، بس جا رہے ہیں ہم۔ کوئی نہیں روک سکتا۔'' اس نے کہا اور اسی وقت دروازے سے شہروز اندر داخل ہو گیا۔ اس نے اپنے عقب میں دروازہ بند کر دیا تھا۔

''وہ بھی آ گئے ملک الموت۔'' گاما نے شہروز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

شہروز ایک چست جرسی میں ملبوس تھا، اس نے جینز پہنی ہوئی تھی اور بے حد اسمارٹ نظر آ رہا تھا۔ اس نے کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی کھول کر جیب میں رکھی اور کلائی ملتا ہوا بولا۔

''ڈاکٹر ناہید...... میرا خیال ہے، کل تک کا انتظار کیے بغیر ابھی اس کا آپریشن کر دینا چاہیے۔ بھاگ گیا تو کیا ہو گا۔'' گاما نے آستینیں چڑھائی تھیں۔

''چھو کر دیکھو مجھے، جبڑے توڑ دوں گا۔''

''مجبوری ہے ناہید! مریض کا ذہنی توازن بھی خراب ہوتا جا رہا ہے۔ شاید اب تو اسے ٹھیک کرنا ہی ہو گا۔''

''تمہاری تو ایسی تیسی، تم شہر کے چھوکرے مجھے کیا ٹھیک کرو گے۔'' اس نے کہا اور سینہ تان کر دروازے کی جانب بڑھنے لگا لیکن جیسے ہی وہ شہروز کے قریب سے گزرا، شہروز کا زوردار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا اور اس کی گردن ٹیڑھی ہوگئی۔ جواب میں اس نے پلٹ کر گھونسا چلایا لیکن شہروز نے اس کی کلائی پکڑ لی اور اس طرح موڑی کہ وہ قلابازی کھا کر نیچے گر پڑا۔ شہروز نے لات اس کی کمر پر جمادی اور وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ پھر اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

''ہاتھا پائی کر رہے ہو ہم سے۔ پہلوانی کی ہے دس سال۔ آؤ دیکھ لیں تمہیں۔''

''لگتا ہے ناہید! بے چارہ آپریشن کے خوف سے پاگل ہوگیا ہے، تم چھریاں وغیرہ تیار کرلو۔ میں ذرا اس کی حالت درست کرتا ہوں۔'' شہروز نے کہا اور ناہید ہنسی روکتی ہوئی ایک طرف بڑھ گئی۔

حالانکہ یہاں چھریاں وغیرہ کچھ بھی نہیں تھیں اور وہ بلاوجہ ایک جگہ کھٹر پٹر کرنے لگی۔ گاما نے پھر شہروز پر حملہ کردیا۔ وہ گردن جھکا کر شہروز کے سینے پر ٹکر مارنے جارہا تھا۔ شہروز نے اس کی گردن پکڑ لی اور بغل میں دبا کر اسے پلٹ دیا۔

پھر وہ اس کے سینے پر گھٹنا رکھ کر بیٹھ گیا۔

''چھوڑ دے، اے چھوڑ دے۔ جان سے ماردوں گا۔ گاما ہے میرا نام۔''

لیکن شہروز نے تین چار تھپڑ اس کے منہ پر مارے، وہ کوشش کررہا تھا کہ اس کی چیخ وغیرہ نہ نکلنے پائے۔ اس نے گاما کی گردن دبوچ لی اور اس کے بعد پھر اس کی مرمت کرنے لگا۔ گاما نے ٹانگ اُٹھا کر اس کی گردن میں قینچی ڈالنے کی کوشش کی تھی لیکن شہروز جھک گیا اور اس نے گاما کی پیشانی پر ٹکر ماری۔ گاما کی ٹانگیں پھر سیدھی ہوگئی تھیں اور پیشانی پر پڑنے والی ٹکر نے اس کے حواس چھین لیے تھے۔

''تو ڈاکٹر ہے یا پہلوان۔''

''تمہارا آپریشن تو کرنا ہی ہے گاما! چاہے کچھ بھی ہوجائے۔''

''بھائی تیرے ہاتھ جوڑتے ہیں، تجھے اللہ کا واسطہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ بیمار نہیں ہیں۔''

''گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ شاہ جی نے تمہیں بلاوجہ یہاں بھیج دیا ہے۔''

''بلاوجہ نہیں بھیجا، جان تو چھوڑ دے ہماری، بتادیں گے۔''

''ناہید! وہ رسی اُٹھا لاؤ جو کونے میں پڑی ہے۔'' شہروز نے کہا۔

''ر......ر......رسی......رسی کو کیا کرے گا بھائی......ارے ڈاکٹر صاحب کیا ارادہ ہے تمہارا۔''

''تمہارے ہاتھ پاؤں باندھنے پڑیں گے، ایسے باز نہیں آؤ گے تم۔''

''اور اس کے بعد آپریشن کرو گے۔'' گاما نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''اگر تمہارے بارے میں یہ تمام حقیقتیں معلوم ہوگئیں تو دوسری بات ہے ورنہ آپریشن تو کرنا ہی ہوگا۔''

''ٹھیک ہے، ناہید صرف پاؤں باندھو۔ ہاتھوں کو میں دیکھ لوں گا۔ اگر یہ اور مرمت چاہتا ہے تو اور مرمت کر دی جائے گی اس کی۔'' چنانچہ ناہید نے رسی سے گاما کے پاؤں مضبوطی سے کس کر باندھ دیے۔ شہروز نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے گھسیٹا اور پھر اسے بستر پر ڈال دیا گیا۔

''سنو...... میرا دماغ خراب نہیں ہے بلکہ تم لوگوں نے میری پٹائی کر دی ہے نا۔ اس کے بعد میرا دماغ بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔ تھوڑی بہت خرابی اگر تھی بھی تو وہ نکل گئی ہے۔ برائی کا نتیجہ برائی ہی ملتا ہے۔ کسی کے لیے اپنی عزت کھو دینا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ کسی بہت زیادہ بڑے باپ کا بیٹا نہیں ہوں لیکن ایک بات بتاؤں، میرا باپ پانچوں وقت کا نمازی تھا۔ میں ہی گندا شیطان نکل گیا۔ ہائے اچھی زندگی کی تلاش میں انسان کیا کر بیٹھتا ہے۔ دیکھو ڈاکٹر صاحب بڑے تگڑے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ بدن کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ کیا پہلوانی کرتے رہے ہو۔''

''پھر راستے سے بھٹک رہے ہو گاما۔''

''آ جاتا ہوں، آ جاتا ہوں۔ راستے پر لیکن سنو، میری تمہاری کوئی دشمنی ہے۔''

''یہ بات تم خود اچھی طرح جانتے ہو کہ میری تمہاری کوئی دشمنی ہے یا نہیں۔''

''نہیں، قسم اللہ کی نہیں۔ میں تو بس تقدیر کا مارا ہوا ہوں، کتا ہوں، کتا پھٹکار پڑا کتا۔ صحیح معنوں میں میرے سر پر جوتے پڑنے چاہئیں۔ کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔ انسانیت ہی کھو بیٹھا تھا مگر جب آدمی شیطان کے چنگل میں پھنس جاتا ہوں تو پھر اپنی اصلیت بھول ہی جاتا ہے۔ مجھے اپنی اصلیت یاد آ گئی ہے۔ بھائی صاحب مان لینا میری بات، جھوٹ مت سمجھنا۔ بہت دن بعد اللہ کا نام لے رہا ہوں لیکن تمہیں اللہ کا واسطہ میری بات جھوٹ مت سمجھنا۔''

''تم اطمینان رکھو، گاما اگر کوئی بات تمہارے دل میں ہے تو بے دھڑک بتا دو۔''

''دیکھو بھائی! ادھر تم پیٹ پھاڑنے پر تلے ہوئے ہو۔ جان جانے کا خطرہ ہے۔ جان تو خیر کبھی بھی چلی جاتی ہے لیکن اگر انسان کو پتا ہو کہ ایک بلاوجہ کی بات سر پر آ پڑی ہے تو پھر اسے دکھ ہوتا ہے۔''

''تمہاری بات بالکل سمجھ میں نہیں آ رہی ہے، اس لیے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' شہروز نے کہا۔

''میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میری تمہاری کیا دشمنی ہے۔ ادھر تم پیٹ پھاڑے بنا باز نہیں آؤ گے، اُدھر باہر نکلا تو بہرام شاہ گردن کٹوا دیں گے۔ وہ زیادہ خطرناک بات ہے۔ تم ایسا کرو، کوئی آپریشن نہ کرو میرا۔ میں بالکل بیمار نہیں ہوں۔ مجھے تو شاہ جی نے ایک منصوبے کے تحت بھیجا ہے۔''

''منصوبہ......؟'' شہروز نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کہا۔

''ہاں...... منصوبہ...... میری بات غور سے سنو۔''

شہروز اس کے قریب آیا، اس کا تکیہ اس کے سر کے نیچے برابر کیا اور پھر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''گاما...... کیا بات ہے، جو بات ہے وہ مجھے بتا دو۔''

''لیکن وعدہ کرو کہ بات تمہارے پاس امانت رہے گی۔''

''ہاں میں وعدہ کرتا ہوں۔ یہ بات تو تمہیں معلوم ہے کہ ہم شاہ جی کے غلام نہیں ہیں۔ ہم تو ڈاکٹر ہیں، شہر سے آئے ہیں۔ شہر واپس چلے جائیں گے۔ ہمیں شاہ جی سے کیا لینا دینا ہے۔''

''ٹھیک ہے، اللہ تمہیں خوش رکھے۔ بتائے دے رہا ہوں اور خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا ہے۔ موت تقدیر میں لکھی ہے تو پھر آ ہی جائے گی۔''

''بات تو بتاؤ، کیوں پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔''

''شاہ جی نے مجھے یہاں تمہاری خیر خبر لینے بھیجا ہے۔''

''ہماری خیر خبر۔''

''شاہ جی کے بارے میں تمہیں بتا دوں، بہت ہی شیطان آدمی ہے بلکہ شاید شیطان بھی اپنے معاملات میں ان سے صلاح مشورہ کرتا ہوگا اور میں کیا ساری بستی یہ بات جانتی ہے۔ شاہ جی نے بستی کا سارا مال اسباب چھین لیا جس کے پاس جو کچھ تھا، وہ شاہ جی کے پاس پہنچ گیا۔ اب یہ بستی قلاش لوگوں کی بستی ہے، نہ کسی کے پاس کھیت ہیں، نہ زمینیں، نہ باغ ہیں نہ باغیچے۔ سب کچھ شاہ جی کی تحویل میں پہنچ چکا ہے۔ باقی وہ لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں اور شاہ جی کی نگری میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔''

ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اس ریاست کی حکومت شاہ جی کے ہاتھ میں ہے۔ ہوگی کوئی پولیس، ہوگی کوئی حکومت، یہاں تو اگر کوئی پولیس کے پاس پہنچ بھی جائے تو سمجھ لو کہ شاہ جی کی لسٹ میں پہنچ گیا۔ وہاں سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ وہاں سے فوراً ہی اطلاع ان تک پہنچا دی جاتی ہے کہ ان کے خلاف شکایت آئی ہے اور اس کے بعد شاہ جی اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑتے جو شکایت لے کر جاتا ہے، ایسے کیس کئی بار ہو چکے ہیں۔''

''ہم سے زیادہ کون جانتا ہے شاہ جی کو، ہم تو شاہ جی کے غلاموں میں ہیں۔ بڑی حویلی جیسے بدکاری کے اڈے پر ہم اپنی ڈیوٹی انجام دیتے رہے ہیں۔ ان سانپوں کو دودھ پلا پلا کر پالتے رہے ہیں۔ ابھی تھوڑے دن پہلے شاہ جی کے تین بندے مار دیے گئے تھے۔ شاہ جی اس دن سے سانپ کی طرح پھنکار رہے ہیں۔ ان قاتلوں کی تلاش میں اندازہ لگاتے رہے ہیں کہ وہ کون ہو سکتے ہیں جو شاہ جی کے بندوں کو مار رہے ہیں۔ ان کا شبہ تمہاری طرف گیا ہے، کوئی شبہ ہو گیا ہے انہیں۔ اب مجھے یہاں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ بیمار کی حیثیت سے ہسپتال میں رہوں۔ تمہارے بارے میں معلوم کروں۔ کون ہو، کیا ہو، کہاں سے آئے ہو، راتوں کو کیا کرتے ہو۔ یہ ذمہ داری لگائی گئی تھی میری مگر یہاں تو معاملہ ہی اُلٹا ہو گیا۔''

شہروز اور ناہید دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ شہروز نے کہا۔

''لیکن شاہ جی کو ہم پر شبہ کیوں ہو گیا۔''

''اب یہ تو شاہ جی ہی جانتے ہیں۔''

''مگر ایک بات تو بتاؤ گا! اب جب تم نے یہ سب مجھے بتا دیا ہے تو آگے تم کیا کرو گے۔''

''بھائی صاحب! ہاتھ جوڑ کر کہہ رہے ہیں کہ ہماری زندگی بخشوا دو۔ اگر شاہ جی کے خلاف کچھ کر رہے ہو تو کرتے رہو۔ قسم اللہ کی ایک لفظ نہیں بتائیں گے انہیں۔ یار کھو زندگی ہم نے شاہ جی کی غلامی میں کھو دی ہے۔ اب اگر تم ہمارا ساتھ دو تو ہمیں یہاں سے بھگا دو۔ راتوں رات بستی چھوڑ دیں گے۔ جدھر منہ اُٹھا نکل جائیں گے۔''

''تم سمجھتے ہو کہ شاہ جی تمہیں زندہ چھوڑ دیں گے۔''

''پتا ہے، پتا ہے...... نجانے کہاں کہاں تک ہاتھ پھیلے ہوئے ہیں ان کے مگر کوشش کریں گے، کسی کونے کھدرے میں چھپے رہیں گے۔''

''اس کے بجائے تم دوسرا کام کیوں نہیں کرتے۔''

''کیا۔''

''یہیں رہو، ہم تمہارا کوئی آپریشن نہیں کریں گے نہ تمہیں دوائیں دی جائیں گی بلکہ علاج کے بہانے ایسی چیزیں دی جائیں گی جو زیادہ سے زیادہ پانی ہو گا یا کوئی شربت ہو گا۔ اس طرح ہم تمہارا علاج کریں گے۔ اس کے علاوہ تم شاہ جی کو بھی رپورٹیں دیتے رہو۔ جیسے انہوں نے کہا ہے، رپورٹیں یہ ہوں گی کہ ہم ٹھیک ٹھاک سیدھے سادھے بندے ہیں۔ کوئی غلط کام نہیں کرتے اور تم نے ہمیں کوئی غلط کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایسی باتیں جو نہ ہمارے خلاف ہوں اور نہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔''

''تم ایسا کرنے دو گے مجھے۔''

''بالکل لیکن اس کی بھی ایک شرط ہے۔''

''وہ کیا بھائی صاحب! بتا دو، اب ہم ساری شرطیں مانیں گے۔''

''کچی حویلی کے راز تم ہمیں بتاؤ گے۔'' شہروز نے کہا۔

اس کے چہرے پر ایک بار پھر مردنی چھا گئی۔ کچھ لمحوں کے لیے اس نے آنکھیں بند کر لیں پھر آہستہ سے بولا۔

''کچی حویلی کے راز تم بستی میں رہنے والے کسی بھی شخص سے پوچھ سکتے ہو۔''

''نہیں، وہ راز نہیں بلکہ جو راز تم جانتے ہو۔''

''ہم کون سے راز جانتے ہیں۔''

''کیا ہوتا ہے کچی حویلی میں۔''

''یہی تو ہم تمہیں بتا رہے تھے کہ کچی حویلی میں جو کچھ ہوتا ہے، اسے کون نہیں جانتا۔''

''تم اپنی زبان سے بتاؤ گے اور زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔ اگر ہمارا تعاون چاہتے ہو تو۔''

''بتا چکے ہیں کہ شاہ جی نے سب سے سب کچھ چھین لیا ہے۔ بستی والوں کے پاس کچھ نہیں ہے۔ بس جی رہے ہیں وہ اور کہیں بھی ان کی کوئی شنوائی نہیں ہے۔''

''نوجوان لڑکیاں جو بے چاری غریبوں کی بیٹیاں ہیں، لائی جاتی ہیں۔ شاہ جی کی ہوس کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں اور اگر اس کے بعد شاہ جی کو اس بات کا اطمینان ہوتا ہے کہ لڑکیاں زبان نہیں کھولیں گی تب تو ان کی زندگی بخش دی جاتی ہے اور اگر انہیں شبہ ہو جائے کہ ان کی زبان کھل جائے گی تو پھر ان کی زبان ہی نہیں رہتی، یہاں کئی ایسے اندھے کنویں ہیں جن میں ان کی لاشیں ڈلوائی جاتی ہیں، انہیں سانپ ڈس لیتے ہیں لیکن وہ سانپ خود شاہ جی ہی ہوتے ہیں اور کوئی نہیں۔''

''وہ کیسے۔''

''کنوتھا جانتے ہو کیا چیز ہوتا ہے۔''

''کنوتھا......؟'' شہروز نے کہا۔

''انگوٹھے اور انگلیوں میں پہنا جاتا ہے۔ لمبے لمبے دانت بنے ہوتے ہیں اس میں۔ پیچھے کے حصے میں ربڑ لگی ہوتی ہے۔ ربڑ میں سانپ کا زہر بھرا جاتا ہے۔ کنوتھا، پنڈلی ران، یا بازو یا کمر پر رکھ کر انگوٹھے اور انگلی کی مدد سے دبایا جاتا ہے اور سانپ کے دانتوں کے نشان بن جاتے ہیں۔ جب کنوتھا انسانی گوشت پر دبتا ہے تو دانتوں کے خول پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور زہر کی نالی کھل جاتی ہے۔ وہ زہر ان زخموں میں اُتر جاتا ہے۔ اصلی سانپ کا زہر ہوتا ہے جسے شاہ جی کے لیے سپیرے مہیا کرتے ہیں۔ جب وہ ختم ہو جاتا ہے، بس جب وہ ختم ہو جاتا ہے بس پھر کون کہہ سکتا ہے کہ اسے سانپ نے نہیں کاٹا جس کی لاش نگاہوں کے سامنے آتی ہے۔''

''شاہ جی کے پاس۔''

''ایک بات بتاؤ، تم تو بہت عرصے سے شاہ جی کے خادم ہو۔''

''جی ہاں۔''

''کیا فیروز شاہ کی ماں کو شاہ جی نے قتل کیا تھا۔''

''اپنی بیوی کو۔''

''ہاں، پہلی بیوی کو۔''

''ہاں جی، شاہ جی نے قتل کیا تھا مگر وہ بھی سانپ کے کاٹے کا پتا چلا تھا۔''

''عائشہ کی وجہ سے۔''

"ہاں جی، اب آپ سے کیا بات چھپانی، عائشہ کی وجہ سے۔"

"مگر شاہ جی نے عائشہ کو اس طرح حاصل کر کے ہلاک کیوں نہیں کر دیا۔"

"زیادہ پسند آ گئی تھی شاہ جی کو۔" گامانے نجانے کیوں اس بار ناہید کی جانب دیکھا تھا۔

"جو اسے پسند آ جائے اسے وہ اپنی بیوی بنا لیتے ہیں۔"

"ہاں جی، ایک بات کہیں ہمارا قرض ہو جائے گا آپ پر۔"

"کہو۔ تمہارا قرض اُتارنے کی پوری پوری کوشش کی جائے گی۔"

"ڈاکٹرنی صاحبہ کو جس قدر جلد ممکن ہو سکے، یہاں سے واپس بھیج دیجیے ورنہ زندگی بھر ہاتھ ملتے رہیں گے۔" اس نے ناہید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور شہروز کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ناہید کی کیفیت بھی یہی ہوئی تھی۔

"کیا مطلب ہے۔"

"آپ کیا کہتے ہیں۔ اگر شاہ جی ڈاکٹرنی صاحبہ کو حاصل کرنا چاہتے تو آپ انہیں روک سکتے تھے۔ ارے کچھ سے کچھ ہو جاتا اور ڈاکٹرنی صاحبہ ان کی آغوش میں پہنچ جاتیں۔ بعد میں جو ہوتا وہ آپ کے سامنے آ ہی جاتا لیکن شاہ جی نے ڈاکٹرنی صاحبہ کو بھی اپنے لیے پسند کر لیا ہے۔"

"کیا......" شہروز چیخ پڑا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ہم۔ جھوٹ نکل آئے تو گردن کاٹ دینا ہماری۔ ہم نے اپنے کانوں سے پہلے خیرات سے بات ہوتی ہوئی سنی ہے اور اس کے بعد دلاور اور شیر گل سے۔ شاہ جی کو بار بار یہ پیشکش کی گئی۔ ڈاکٹرنی صاحبہ کو اٹھا کر شاہ جی کے پاس لے آیا جائے لیکن شاہ جی نے سب کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ پاگلو! وہ تمہارے مستقبل کی ہونے والی شاہ نی ہے، اس کے بارے میں اس انداز میں گفتگو مت کرو۔ اس جیسی لڑکی کو پکی حویلی کی زینت ہونا چاہیے۔ وہ دو لمحے کے لیے مسلا جانے والا پھول نہیں ہے بلکہ برسوں کی چیز ہے، اس لیے ڈاکٹرنی صاحبہ کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ آپ دیکھ لیجیے جو بات ہم کہہ رہے ہیں، اگر آپ نے نہ مانی تو ڈاکٹرنی صاحبہ بے چاری عذاب میں گرفتار ہو جائیں گی۔ ارے شاہ جی کو کون روک سکتا ہے۔ اگر یہ بہت بڑے افسر کی بیٹی ہوئی تو آپ دیکھیے کہ شاہ جی کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ آخر کار وہ ان پر قابو پا ہی لیں گے۔"

شہروز سکتے کے عالم میں رہ گیا تھا اور ناہید کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ بری طرح تلملا رہی تھی۔ شہروز نے ناہید کی جانب دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خیر ٹھیک ہے، تمہاری بات سر آنکھوں پر، ڈاکٹرنی صاحبہ کی حفاظت کا بندوبست کر لیا جائے گا مگر یہ بتاؤ کہ اگر عائشہ نے اس بات کی مخالفت کی تو۔"

''کس بات کی۔''

''یہی کہ ڈاکٹرنی صاحبہ پکی حویلی میں پہنچ جائے۔''

''عائشہ...... اس بیچاری کی اپنی اوقات کیا ہے۔ جب تک شاہ جی کو پسند رہی، سہاگن رہی، اب تو بیوہ ہے۔ کوئی حیثیت نہیں ہے اس کی۔''

''اب میں جو تم سے ایک خاص بات پوچھ رہا ہوں، اگر وہ بات تم نے صحیح بتا دی تو یوں سمجھ لو تمہاری زندگی بچنے کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔''

''ارے چھوڑیے بھائی صاحب! ہم تو خود کو آدھا مردہ تصور کر چکے ہیں۔ جتنی زبان کھل گئی ہے ہماری اس میں سے اگر دو لفظ بھی شاہ جی کے کانوں تک پہنچ گئے یا نیت ہی کا پتا چل گیا انہیں ہماری تو ہم کیا بچیں گے۔''

''نہیں گاموا اطمینان رکھو، میں یہ نہیں کہتا کہ تم مجھ پر اعتماد کرلو لیکن یوں سمجھ لو کہ اگر میں کسی شریف باپ کا بیٹا ہوں تو تمہاری زندگی کی حفاظت کے لیے اپنی زندگی کی بازی لگا دوں گا، بالکل فکر مت کرو۔''

''پوچھو صاحب جی! کیا پوچھنا چاہتے ہو۔''

''عائشہ کے ماں باپ کہاں ہیں۔'' شہروز نے سوال کیا اور گامانے نگاہیں اُٹھا کر اسے دیکھا پھر بولا۔

''تین زندہ مردے پکی حویلی کے قبرستان میں دفن ہیں۔''

''زندہ مردے۔''

''ہاں صاحب جی...... دل تو ہر انسان کے اندر ہوتا ہے۔ پوری عمر بیت گئی اس تہہ خانے میں، وہ چھوٹا سا بچہ جس کا نام صفدر علی تھا، جوان ہو گیا اور جوانی کے جوش میں اس نے تہہ خانے میں سرنگ بنانے کی کوشش کی، ہم نہیں تھے صاحب! وہ دو اور بندے تھے جو انہیں کھانا وغیرہ پہنچایا کرتے تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا بچے کو سرنگ بناتے ہوئے۔ حالانکہ کھانے کی چھری اور چمچ سے بھلا کوئی سرنگ بنائی جا سکتی ہے۔ شاہ جی کو بتا دیا کم بختوں نے اور شاہ جی اس کے دونوں ہاتھ کٹوا دیے۔''

شہروز نے تکلیف سے آنکھیں بھینچ لیں۔

''پھر کیا ہوا مر گیا۔''

''نہیں جی جوان ہو چکا ہے، پر ہم نے ایک بات دیکھی ہے، اس کی آنکھوں میں ایک جنون پل رہا ہے، اتنی تیز چمک ہے کہ آنکھوں سے آنکھیں ملانا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک بار اسے موقع مل جائے گا تو چھوڑے گا نہیں بیرام شاہ کو۔''

''اور اس کے ماں باپ۔''

''بے چاری حمیرا اور حیدر علی تو بوڑھے ہو چکے ہیں۔''

"زندہ ہیں۔"

"ہاں جی اللہ نے جتنی زندگی لکھ دی ہے، بس اسے پورا کر رہے ہیں۔"

"تم اس تہہ خانے کا راستہ جانتے ہو۔"

"کیوں نہیں صاحب جی! باورچی ہیں۔ کھانا تو اب بھی ہم ہی دیتے ہیں انہیں۔"

"ہوں۔ تو اب تم ایسا کرو، میں کاغذ منگواتا ہوں، کچی حویلی میں مجھے اس تہہ خانے میں داخل ہونے کا راستہ بتاؤ۔" شہروز نے کہا۔

"کیا کرو گے صاحب جی، کیا تم کچی حویلی میں داخل ہو کر انہیں وہاں سے نکالو گے۔"

"یہ سوال مت کرو گامو۔"

"ٹھیک ہے جی، اب سب کچھ کرنے پر تیار ہیں۔"

ناہید شدید غصے کے عالم میں تھی۔ اس کے باوجود خاموشی سے باہر نکل گئی۔ شہروز خاموشی سے ان واقعات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ناہید کاغذ لے آئی تو شہروز نے گامو سے کہا۔

"ہاں گامو! کچی حویلی کے اندر داخل ہونے کے بعد کہاں کہاں سے گزرنا ہوتا ہے اس تہہ خانے تک پہنچنے کے لیے۔"

پھر تقریباً دس منٹ تک شہروز گامو سے وہ نقشہ سمجھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے گامو! بات سامنے آ گئی ہے۔ اب تمہیں پرسکون ہو جانا چاہیے۔"

"پرسکون ہیں صاحب جی! لیکن وہ ہمارے پیٹ کی رسولی۔"

"تمہارے پیٹ کی رسولی باہر آ گئی ہے گامو! آپریشن ہو گیا ہے تمہارا۔" شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا اور گامو کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ شہروز نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اگر واقعی تم زندگی بچانے کی خواہش مند ہو تو صرف اور صرف میری ہدایت پر عمل کرنا۔ ظاہر ہے بیرام شاہ تم سے صورت حال معلوم کرنے کے لیے بندوں کو بھیجے گا، معلومات حاصل کرائے گا اور تم اس سے یہی کہو گے کہ ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمائی جا سکتی۔ تم معلومات کر رہے ہو اور اپنی طرف سے کچھ اُلٹی سیدھی باتیں کر لینا، اسی طرح تم محفوظ رہ سکتے ہو۔"

"اور اس کے بعد ڈاکٹر صاحب۔"

"اس کے بعد بھی تم زندہ رہو گے۔ گامو! وہ لوگ زندہ رہتے ہیں جن کا رخ نیکیوں کی جانب ہوتا ہے۔ کم از کم وہ اس طرح حرام موت نہیں مرتے۔ اس بات پر ایمان رکھنا۔" پھر وہ دونوں باہر نکل آئے۔

ناہید ضرورت سے زیادہ ہی خاموش تھی۔ تھوڑا آگے بڑھنے کے بعد شہروز نے کہا۔

"یار ناہید! بڑا گھپلا ہو جاتا ہے، بار بار میں خطرے میں پڑ جاتا ہوں۔" ناہید نے نگاہیں اُٹھا کر شہروز کو دیکھا پھر بولی۔

''کیوں۔''

''کتنی بار ایسا ہو چکا ہے کہ یار لوگ تمہارے چکر میں پڑ جاتے ہیں، کہیں تو محلوں کی رانی بننے کی حیثیت اختیار کر جاتی ہو، کہیں حویلیوں کی رانی۔''

ناہید خاموش رہی، دونوں اپنے کمرے میں داخل ہو گئے پھر ناہید نے کہا۔

''شہروز ایک خواہش ہے میری، پوری کر دو گے۔''

''سبحان اللہ...... کیا تو لکھا ہوا ناہے۔'' شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے اس بد بخت کی خلوت تک پہنچ جانے دو، میرے لیے راستہ فراہم کرو۔''

''ارے باپ رے باپ۔''

''نہیں شہروز! پلیز میں سنجیدہ ہوں، تم بھی سنجیدہ ہو جاؤ۔''

''مم...... مگر کیوں...... مم...... مس...... ناہید۔''

''شہروز مجھے اپنے آپ کو آزما لینے دو، میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میں اس دنیا میں زندہ رہنے کے قابل ہوں یا نہیں۔ اس کمینے کو اس کی تمام حرکتوں کی سزا نہ دی تو ناہید نام نہیں۔ زندگی کھو دوں گی لیکن اس کی حرکت کا مزہ ضرور چکھاؤں گی۔''

''مجھے خود سے الگ سمجھتی ہو ناہید۔'' شہروز نے عجیب سے پر تاثر لہجے میں کہا اور ناہید چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں ناہید...... تمہاری طرف اُٹھنے والی ہر نگاہ کو نابینا بنانا میری ذمہ داری ہے۔ تم میری ذمہ داری مجھ سے کیوں چھین رہی ہو۔ پلیز ناہید...... ایسا نہ کرو، اس شخص کی بد نگاہی کا انتقام مجھے لینے دو۔ چونکہ اس نے میرے وجود پر بری نظر ڈالی ہے۔'' شہروز بہت دیر تک ناہید کو سمجھتا رہا تھا۔

☆......☆......☆

دلاور پاگل کتے کی طرح پوری بستی میں معلومات حاصل کرتا پھر رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ بیرام شاہ جس کو جی چاہے اُٹھا کر آسمان پر بٹھا دیتا ہے اور جب اس کا جی چاہے وہ اسے زمین کی گہرائیاں دکھا دیتا ہے، چنانچہ کچھ کر کے دکھانا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ بیرام شاہ اس وقت خاصا دل برداشتہ ہے اور اپنے طور پر کچھ کرنا چاہتا ہے۔ بہر حال ابھی تک کوئی اہم بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ ڈسپنسری میں وہ گاموسے بھی ملا تھا اور اس سے کافی دیر تک باتیں کرتا رہا تھا۔ اس کے علاوہ بستی کا چپہ چپہ گھوما تھا لیکن کوئی ایسی بات معلوم نہ ہو سکی تھی جو قابل غور ہوتی پھر وہ بیرام شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ بیرام شاہ نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

''کیا خبر لائے ہو دلاور۔''

''شاہ جی! کئی تیر تو نہیں مار سکا ہوں ابھی تک لیکن امید ہے کہ بہت جلد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔''

''کتنی جلدی۔''

''شاہ جی! میں اپنی پوری کوشش کررہا ہوں۔''

''تو بس دودھ اور پانی کے چکر میں پڑا رہے گا لیکن یوں نہ ہو کہ ڈاکٹرنی ہاتھوں سے نکل جائے۔ ہمیں کسی اور بات کی پروا نہیں ہے۔''

''شاہ جی، گاموں کی رپورٹ بھی ملی ہے مجھے وہ ٹھیک کام کررہا ہے۔ پتا یہ چلا ہے کہ دونوں کے بیچ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کی ہے جو یونیورسٹی کے لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے یوں بے تکلف ہو جاتے ہیں کہ لگتا ہے آپس میں عشق کررہے ہیں مگر ایسی بات نہیں ہے، وہ بس عزت کرتے ہیں ایک دوسرے کی۔ چونکہ دونوں کا پیشہ ایک ہی ہے۔''

''جی خوش ہوا، دلاور جی خوش ہوا۔ اگر وہ پاگل ڈاکٹر اس لڑکی سے عشق کررہا ہوتا تو ہم اس پر اپنے کتے چھوڑ دیتے جو اس کے بدن کے گوشت کی ایک ایک بوٹی نوچ لیتے اور ہڈیاں تک چبا لیتے، کسی کو اس کا حق نہیں ہے کہ ہماری پسند پر ہاتھ ڈالے۔ اگر اس بستی میں کوئی ہمارے لیے کچھ کر بھی رہا ہے تو انتظار کرلیتے ہیں، اس کی ہوشیاری کا۔ دیکھیں گے کون کہاں کہاں کام کررہا ہے۔ ارے سب ٹھیک کرنا جانتے ہیں ہم۔ کس کی مجال ہے کہ وہ بیرام شاہ سے ٹکر لے سکے لیکن اب بہت دن گزر گئے ہیں، دلاور کچھ کر ڈالنا چاہیے۔''

''شاہ جی! حکم کریں کیا کرنا ہے۔''

''ماحول بنانا پڑتا ہے، اندازہ لگانا پڑتا ہے۔ ایسا کرو کہ دعوت کروان لوگوں کی کچی حویلی میں، بکرے بھنوا دو، ہسپتال کے سارے عملے کو بلوالو۔ سمجھ رہے ہونا۔ تھوڑی سی بات کانوں میں ڈال دی جائے۔ ہوسکتا ہے کوئی کام کی بات کھل آئے۔''

''شاہ جی کا حکم سر آنکھوں پر۔ شاہ جی جو حکم دیں۔'' دلاور نے کہا۔

''تو ٹھیک ہے دلاور! تم ہماری طرف سے ڈاکٹر جمشید اور ان دونوں کو خاص طور سے دعوت دے دو۔''

''کس دن کا کہوں شاہ جی۔''

''کل شام کی بہتر رہے گی۔'' بیرام شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے بعد دلاور وہاں سے اُٹھ گیا۔

دوسرے دن صبح وہ ڈسپنسری پہنچ گیا۔ ڈاکٹر جمشید سے ملاقات کی اور بیرام شاہ کا پیغام دیا۔ ڈاکٹر جمشید کی تو باچھیں کھل اٹھی تھیں، اس نے کہا۔

''شاہ جی اتنی بڑی عزت دیں گے ہمیں کبھی ہم نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔''

''تو اب جاگتے میں سوچ لو، وہ دونوں نئے ڈاکٹر کہاں ہیں۔''

''یہیں موجود ہیں۔''

''انہیں بھی شاہ جی کی دعوت دینا چاہتا ہوں میں۔''

''ارے بس سمجھو کے ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر جمشید نے کہا۔

"کیوں فضول باتیں کرتے ہو، ڈاکٹر شاہ جی کا حکم ہے یہ۔"

"ہاں ہاں تو پھر چلو، میں کب منع کر رہا ہوں بھائی۔" شہروز اور ناہید نے بھی یہ دعوت سنی اور شہروز فوراً ہی بول پڑا۔

بیرام شاہ صاحب نے جو ہماری عزت افزائی کی ہے اس کے لیے اس کا شکریہ ادا کرنے ہم شام کو پہنچ جائیں گے۔

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب۔"

ناہید نے اس کے جانے کے بعد شہروز کو بغور دیکھا تو شہروز نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"آغاز ہو گیا ہے ناہید! میرا خیال ہے اب ہمارا کام آخری منزل تک آ رہا ہے۔"

پھر شام کو ڈاکٹر جمشید بڑے کروفر کے ساتھ ان دونوں کے ساتھ شاہ جی کی حویلی میں پہنچ گیا تھا۔

باقی اسٹاف کے لیے کھانا یہیں بھجوا دینے کا پیغام ملا تھا۔ بیرام شاہ نے کچی حویلی کے ایک مخصوص حصے میں ان کا استقبال کیا تھا۔ چارپائیاں بچھا دی گئی تھیں، ان پر قیمتی چادریں بچھی تھیں، تکیے لگے ہوئے تھے۔ بیرام شاہ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"خانہ درویش میں یہی سب کچھ ملے گا۔ ڈاکٹر صاحب! ہم جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ آپ کے قابل نہیں ہے لیکن فقیر کی کٹیا میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔"

"اس کی برکت ہی کچھ اور ہے شاہ جی!" ڈاکٹر جمشید نے کہا۔

"بیٹھیے آپ لوگ، بی بی! آپ بھی بیٹھیے۔ بڑی بات ہوتی ہے ان لڑکیوں میں، ان لڑکیوں کو میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں جو اتنے بڑے بڑے کام کر لیتی ہیں۔ نرم و نازک معصوم، معصوم سی لڑکیاں بھلا اتنی محنت کے قابل کہاں ہوتی ہیں۔ ہماری تو روایت ایک ہی ہے۔ گھر کی زینت، گھر کو زینت بخشئے اور بس لیکن بہرحال اپنا اپنا شوق۔ والدین کی سوچ جو ہے۔ ٹھیک ہے، خیر تم سناؤ ڈاکٹر ملک سے باہر وغیرہ نہیں جانا چاہتے۔ چلے جاؤ نوجوانی کی عمر ہے، کچھ بن جاؤ گے۔ ہماری مدد حاضر ہے۔ جرمنی جانا چاہو۔ امریکہ جانا چاہو۔ جاپان جانا چاہو سمجھو چلے گئے۔ تمہارا یہ فقیر بڑی پہنچ رکھتا ہے۔ ہر رکاوٹ راستے سے ہٹ جائے گی، باقی چیزوں کی فکر نہ کرنا۔"

"شاہ جی بڑی عنایت ہے آپ کی۔ بس اپنی کھال کے مطابق سوچا ہے ہمیشہ جو کر سکتا تھا، بس وہی کیا ہے۔ بہت سہانا خواب دکھایا ہے آپ نے۔"

"ہم خواب نہیں دکھاتے، خوابوں کو حقیقت بناتے ہیں۔" بیرام شاہ نے پر رعب آواز میں کہا۔

پھر دوسری باتیں ہوتی رہیں، اس کے بعد بیرام شاہ نے شہروز سے کہا۔

"اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھاؤ۔"

شہروز نے فوراً داہنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ بیرام شاہ نے اس کے ہاتھوں کی لکیریں دیکھیں اور بولا۔

"ہوں...... ڈاکٹر جمشید تم اپنی ڈاکٹر سے بات کرو، ہم ذرا اس نوجوان ڈاکٹر کو تھوڑی دیر کے لیے تم سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔"

''ضرور شاہ جی ضرور......'' ڈاکٹر جمشید نے کہا۔

''آؤ......کیا نام ہے تمہارا۔''

''شہروز۔''

''پورا نام بتاؤ۔''

''شہروز۔''

''واہ واہ دیتے ہیں ان ماں باپ کی جنہوں نے تمہارا نام یہ رکھا، جو نام ہے وہ نظر آتے ہو۔ آؤ ذرا ہمارے ساتھ۔''

پھر وہ شہروز کو لے کر ایک اور گوشے میں پہنچ گیا، اس نے شہروز کو بیٹھنے کی پیشکش کرتے ہوئے کہا۔

''دنیا میں وہ کام کبھی نہیں ہوسکتا جسے انسان خود آگے بڑھ کر نہ کرے، شرم وحیا الگ چیز ہوتی ہے لیکن دل کے تقاضے اس سے مختلف۔ ایک سوال کرنا چاہتا ہوں تم سے۔''

''جی شاہ جی حکم۔''

''اس لڑکی سے عشق کرتے ہو۔''

''جی......''

''میرا خیال ہے سوال سن چکے ہو میرا۔''

''میں سمجھا نہیں شاہ جی۔''

''کان بھی ٹھیک ہیں تمہارے، عقل بھی ٹھیک ہے۔ سوال کا صرف جواب دیا جاتا ہے، کھل کر بتاؤ ہمیں۔''

''نہیں شاہ جی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ بس میری ہم پیشہ ہے، بہت اچھی لڑکی ہے، دل سے عزت کرتا ہوں اس کی۔ اس سے زیادہ اور کوئی بات نہیں ہے۔''

''جیتے رہو، دعا دیتے ہیں تمہیں درازی عمر کی اور جیتے رہو گے کیونکہ تمہیں جینا ہی ہے۔ اب ہم تمہیں اپنے دل کی بات بتا رہے ہیں۔ ہماری عمر وغیرہ کا خیال نہ کرنا۔ شادی کرنا چاہتے ہیں ہم اس لڑکی سے اور اس میں انکار کی گنجائش نہیں ہے۔''

شہروز ایک لمحے کے لیے بھونچکا رہ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور کہا۔

''شاہ جی! بڑی دلچسپ بات کہی ہے کہ آپ نے، یعنی انکار کروں گا تو میں...... مجھے اس کا کیا حق پہنچتا ہے۔''

''نہیں......نہیں......تم سمجھے نہیں......اس بات کو انکار سے ہماری مراد یہ ہے کہ تم ہماری بات کی تائید کرو گے۔ اس لڑکی کے والدین کو راضی کرنا تمہارا کام ہے۔ بتا دینا کہ شاہ گڑھی کی شاہ رانی بنے گی وہ لاکھوں ایکڑ زمین ہوگی اس کی، حویلی جائیداد اور وہ سب کچھ جس کا وہ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سب انہیں مل جائے گا۔ شہر میں جو عزت مقام وہ چاہتے ہیں، وہ انہیں حاصل ہو جائے گا۔ ملیں،

فیکٹریاں لگائیں، بھائی، بہن ہیں تو انہیں بھی عیش کرائیں۔ یہ بیرام شاہ کا فرمان ہے، کون ہیں اس کے والدین کیا کرتے ہیں۔"

"بس شاہ جی! بزنس مین ہیں وہ۔ چھوٹا موٹا کاروبار کرتے ہیں۔ بے چارے معمولی حیثیت کے لوگ ہیں۔"

"ہیں نہیں، تھے۔ اب وہ معمولی حیثیت کے لوگ نہیں رہے لیکن نوجوان ڈاکٹر اس کام کی ابتداء تمہیں کرنی ہے اور تمہیں تو ہم پیشکش کر ہی چکے ہیں۔ جب کوئی ہمارے لیے کام کرتا ہے تو ہم اسے اتنی بلندیوں تک لے جاتے ہیں کہ اسے دنیا بہت چھوٹی محسوس ہونے لگتی ہے۔ سمجھ رہے ہونا۔ یہ کام تمہیں سرانجام دینا ہے اور اس کے بعد یوں سمجھ لو کہ دنیا کی ہر نعمت تمہارے لیے موجود ہوگی۔"

"شاہ جی! مجھے حکم دیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"کل صبح چلے جاؤ اور لڑکی کا باپ جو کوئی بھی ہے، اس سے جا کر بات کرو۔ ہمارا تعارف کرا دینا اس سے۔"

"شاہ جی بالکل اطمینان رکھیں، پہلی بات تو یہ کہ اس بات پر کسی کو اعتراض ہوگا ہی نہیں۔ دوسری بات یہ کہ اعتراض ہوگا تو یہ خادم کس دن کام آئے گا۔"

"اور جیو...... اور جیو...... اور جینے کا ریکارڈ توڑ دو...... بس یہی کہنا تھا تم سے تو کل تم یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔"

"جو شاہ جی کا حکم۔"

"اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا تم سے۔ آؤ بیٹھو، سب کے ساتھ بیٹھو۔" بیرام شاہ نے کہا اور شہروز اس کے ساتھ باقی لوگوں کے پاس آ گیا۔

ناہید دزدیدہ نظروں سے شہروز کو دیکھ رہی تھی اور شہروز کے چہرے پر ایک انوکھی مسکراہٹ تھی۔ ناہید اس مسکراہٹ کا مفہوم سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بہرحال ایک شاندار اور پرتکلف دعوت کی گئی اور دعوت کے بعد شاہ جی نے ناہید کو ایک ہیروں کا قیمتی ہار پیش کیا جو نہایت قیمتی تھا۔ بہت ہی اعلیٰ قسم کی دو گھڑیاں ایک شہروز اور دوسری ڈاکٹر جمشید کو بھی دی گئیں۔ ناہید نے اعتراض کیا تھا لیکن ڈاکٹر جمشید نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

"نہیں، ڈاکٹر ناہید شاہ جی کے تبرک کو کبھی رد نہیں کرنا چاہیے۔ رکھ لو، رکھ لو۔"

شہروز کے اشارے پر ناہید نے وہ ہار رکھ لیا تھا پھر وہ وہاں سے واپس چل پڑے۔ ناہید اپنی آرام گاہ میں پہنچ کر شہروز سے بولی۔

"کیا کہہ رہا تھا وہ مردود...... تمہیں الگ لے جا کر۔"

جواب میں شہروز نے قہقہہ لگایا پھر اس نے کہا۔

"لعنت کا مارا مجھے اپنا سالا بنانے پر تیار تھا۔" یہ کہہ کر شہروز زور زور سے ہنسنے لگا تھا۔ ناہید غصیلے لہجے میں بولی۔

"کیا کہہ رہے ہو شہروز، تم غیر سنجیدہ ہو جبکہ میری جان جلی جا رہی ہے۔"

"تمہارے بچوں کا ماموں، تمہارے بچوں کا ماموں۔" شہروز حلق پھاڑ پھاڑ کر قہقہے لگا تا رہا اور ناہید منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

''ٹھیک ہے نہ بتاؤ، اب میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گی۔''

''ناہید! مجھے سونے دو ابھی۔ کچھ دیر اور سونا چاہتا ہوں۔ جاگوں گا تو صورت حال بالکل مختلف ہو گی۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ میں کب پوچھ رہی ہوں۔'' پھر شہروز بہت دیر تک ناہید سے باتیں کرتا رہا تھا اور ناہید جھلتی رہی تھی پھر دوسرے دن صبح شہروز نے تیاریاں شروع کر دیں۔ ڈاکٹر جمشید کو بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا لیکن اپنا ساز و سامان خاموشی سے جیپ میں رکھنے کے بعد شہروز نے ناہید سے کہا۔

''تم بیٹھو ناہید! ابھی یہاں سب لوگ سو رہے ہیں۔ میں ذرا ابھی آیا۔'' شہروز اندر داخل ہوا اور اس نے سوتے ہوئے گامو کو جگایا۔ وہ بڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا تھا۔

''کیا ہوا ڈاکٹر صاحب! کیا آج میرا آپریشن کرنا ہے۔''

''نہیں گامو! ہوش و حواس سنبھال، بس خاموشی سے میرے ساتھ آ جاؤ۔'' شہروز نے کہا اور گامو حیران سا اُٹھ گیا۔ شہروز اسے ساتھ لیتے ہوئے جیپ تک پہنچا۔ ناہید جیپ میں موجود تھی۔ شہروز نے گامو سے کہا۔

''سیٹوں کے درمیان کافی جگہ ہے گامو! یہاں لیٹ جاؤ۔ تمہیں تھوڑی دیر تک یہیں لیٹنا پڑے گا۔''

''مم...... مگر...... ڈاکٹر صاحب۔''

''دیکھو اگر فضول باتیں کیں تو ذمہ داری تمہاری ہو گی۔''

''نہیں جی، کوئی فضول بات نہیں کر رہے، بس پوچھ رہے تھے۔'' گامو نے کہا اور اس کے بعد وہ جیپ کی سیٹوں سے درمیان لیٹ گیا تھا۔ گامو کو زندہ لے جانا ضروری تھا، اس کے لیے وہ خود بھی ہوشیار تھا اور ناہید بھی لیکن ابھی کسی سنگین صورت حال کی بھی امید نہیں تھی کیونکہ بیرام شاہ کے آدمی ابھی ان پر شبہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ وہ کامیابی سے شاہ گڑھی سے باہر نکل آئے پھر جب ایک طویل فاصلہ طے ہو گیا اور اس بات کے امکانات نہ رہے کہ اب کوئی کارروائی ہو سکتی ہے تو شہروز نے گردن موڑ کر کہا۔

''ٹھیک ہے گامو! اب اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔''

گامو الجھے الجھے سے انداز میں اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا پھر اس نے کہا۔

''اگر ہماری سمجھ میں بھی کچھ آ جاتا تو اچھا تھا۔''

''تم زندہ رہنا چاہتے ہو نا گامو۔'' شہروز نے سوال کیا اور گامو پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''سڑکوں پر کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں والے کسی بھکاری سے پوچھو کہ کیا وہ زندہ رہنا چاہتا ہے تو وہ یہی جواب دے گا، ہاں اسے اپنے معذور جسم کا احساس نہیں ہو گا جس کو گھسیٹ گھسیٹ کے وہ تنگ آ چکا ہو گا لیکن پھر بھی میں زندگی کا دامن نہیں چھوڑنا چاہتا صاحب جی۔''

''ٹھیک کہتے ہو، میں نے کوشش کی ہے کہ تمہاری زندگی قائم رہے جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔''

شہروز کے ان الفاظ پر گامو دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

''اس کے علاوہ اور ہمیں کچھ نہیں بتائیں گے صاحب جی۔''

''ہاں گامو! بتادوں گا۔ پہلے میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پہنچادوں گا۔''

''شاہ گڑھی سے باہر نکل آئے ہیں نا ہم۔''

''بہت دور آگئے ہیں۔''

''یقین نہیں آتا بھائی صاحب!'' گامو نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

''یقین آجائے گا مگر تم کیوں یہ بات کہہ رہے ہو۔''

''اس لیے کہ ہم نے ساری زندگی بیرام شاہ کی نگرانی میں بسر کی ہے۔ اپنی مرضی سے سوچنے کے قابل ہی نہیں رہے تھے اور اب بھی آپ یقین کرو صاحب جی کہ دل نہیں چاہتا کہ اپنے طور پر کچھ سوچیں، کوئی سوال کریں۔''

''آرام سے بیٹھے رہو۔ میرا خیال ہے اب تمہاری ایک نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔''

''ہائے ...... لوگوں کی زندگی کا آغاز کب سے ہو جاتا ہے، ہماری زندگی کا آغاز اس وقت ہو رہا ہے جب ہم انجام کے قریب ہیں۔''

ناہید نے مسکراتی نگاہوں سے شہروز کو دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

''ہر شخص فلسفہ بول لیتا ہے۔''

''کیوں، انسان کو عقلی طور پر کمتر کیوں سمجھتی ہو۔ خیالات تو ہر ذہن میں ہوتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں صحیح الفاظ کا روپ دینا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ تعلیمی کی کمی مانع ہوتی ہے۔'' شہروز نے کہا اور ناہید خاموش ہوگئی۔

سفر جاری رہا، ظاہر ہے۔ ملا کی دوڑ مسجد تک۔ شہروز کوٹھی پر ہی پہنچا تھا اور یہ ایسے تمام لوگوں کے لیے بہترین پناہ گاہ تھی۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ رحیم بلاک کی کوٹھی پر نوری اور اس کا باپ دونوں موجود تھے اور یہاں نور خان نے ان کا حلیہ ہی بدل دیا تھا۔

اتنا تو نور خان بھی جانتا تھا کہ شہروز کے مہمان کم حیثیت نہیں ہوتے اور ان کی حیثیت انہی کی ہوتی ہے جس کا نمک کھایا جائے، یعنی شہروز ...... چنانچہ اس نے ان لوگوں کا حلیہ ہی بدل دیا تھا۔ نوری کا باپ بھی اب بہت بہتر حالت میں نظر آرہا تھا اور پھر ظاہر ہے اس نے نور خان سے لاتعداد سوالات کیے ہوں گے اور نور خان نے کم از کم انہیں یہ ضرور بتادیا ہوگا کہ اب وہ محفوظ ہاتھوں میں ہیں اور ان کے دشمن ان پر قابو نہیں پاسکتے۔

بہر حال شہروز اور ناہید گامو کو لے کر اندر داخل ہوگئے۔ ظاہر ہے سب ایک دوسرے کے شناسا تھے۔ گامو نے انہیں دیکھا اور شدت حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

''یہ...... یہ...... یہ بھی یہاں موجود ہیں۔''

''میں کیا کہوں صاحب! میرے بارے میں تو آپ کو سب کچھ پتا چل گیا ہے۔''

''لیکن ایک بات ہے گامو! کیا تم یہاں انسان کی طرح رہ سکتے ہو۔''

''انسان ہیں کہاں صاحب جی! بس تھے کبھی۔ ماں باپ نے تو انسان ہی پیدا کیا ہوگا لیکن پتا نہیں ہمارا قصور تھا یا ماں باپ کا قصور تھا یا پھر تقدیر کا کہ انسانیت سے دور ہوتے چلے گئے۔''

''وہ جو کہا جاتا ہے نا کہ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہہ سکتے۔''

''تو کیا ہماری شام ہوگئی ہے۔''

''ہاں شاید تمہارے گناہوں کی شام۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو صاحب جی! زندگی کے چند روز ہی ہمیں انسانوں کی طرح بسر کرنے کو مل جائیں تو ہم یہ سمجھیں کہ چلو ٹھیک ہے، اتنی عمر تھی اپنی۔''

اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں اور شہروز نے ہنس کر نور خان سے کہا۔

''آج کل تمہارے مہمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ نور خان تھک تو نہیں جاتے۔'' نور خان ہنسنے لگا پھر بولا۔

''زندگی تو اسی میں ہے شہروز صاحب، تھکنا کیا معنی رکھتا ہے۔'' شہروز ان لوگوں کو پوری طرح سمجھا بجھا کر وہاں سے چل پڑا پھر اس نے ناہید سے کہا۔

''بہتر ہے ناہید کہ تم بھی کچھ وقت آرام کرلو۔ میں ذرا مصروف رہوں گا۔''

''گھر چھوڑو گے مجھے شہروز۔'' ناہید نے سوال کیا۔

''ہاں اب مجبوری ہے۔ تمہارے ہی گھر چھوڑنا پڑے گا۔'' شہروز نے معنی خیز لہجے میں کہا اور ناہید مسکرا دی۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔

''اندر آیئے، اب ناشتا کر کے ہی جانا ہے بلکہ بہتر ہے غسل وغیرہ بھی کرلیں۔''

''تم تو ابھی۔''

''چلیے آپ اسے نامکمل سمجھ لیجیے لیکن آیئے تو سہی۔''

☆......☆......☆

کارواں گروپ کی تو شکل ہی بدل گئی تھی، صرف تین افراد نے اس کی داغ بیل ڈالی تھی لیکن اب یہ ملک گیر حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ پولیس سیکورٹی اداروں یہاں تک کہ فوج میں بھی اس کے کافی اختیارات ہو گئے تھے۔ اس کے ممبران کی تعداد بھی خوب بڑھ گئی تھی۔

بڑے دلچسپ واقعات ہوئے تھے۔ اس دوران ہر جگہ خدائی فوجدار ہوتے ہیں۔ بہت سے صاحب اختیار لوگوں نے کارواں گروپ کی شدید مخالفت کی تھی۔

کسی نے کہا تھا۔ "یہ ایک سنگین سازش ہے، ہمارے ملک میں ایک پرائیویٹ سراغ رسائی کے لائسنس نہیں تھے۔ اس طرح پرائیویٹ سراغ رسائی کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔

دوسرے نے کہا۔ "ایک غیر ملکی شخص نے کس طرح ہمارے خفیہ رازوں سے واقفیت حاصل کر کے اپنے پنجے گاڑے ہیں، کسی نے کچھ، کسی نے کچھ۔"

لیمپوآن نے کہا تھا۔ "مجھے اپنے چینی ہونے پر فخر ہے۔ کیونکہ میرا وطن ہمیشہ اس ملک کا قابل اعتماد دوست رہا ہے۔"

ساری مخالفتیں دم توڑ گئی تھیں اور کارواں گروپ مقبول سے مقبول تر ہو گیا تھا۔ ہر ادارہ ان پر اعتماد کرتا تھا۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ سے انہیں باقاعدہ عہدے اور آفس ملے تھے۔ سرکاری وردیاں ملی تھیں۔ اختیارات ملے تھے۔ وہ ہر ایسے معاملے میں مداخلت کر سکتے تھے جو قابل دست اندازی قانون اور پولیس ہو۔ اس کے علاوہ انہیں باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی لیکن لیمپوآن نے جو قانون اپنے اس ادارے کے لیے بنائے تھے ان میں کوئی لچک نہیں آئی تھی۔ ان لوگوں کو ایسی بڑی مچھلیوں سے رقمیں وصول کرنے کی آزادی تھی جو اپنا دامن بچانا چاہتی ہوں لیکن ایسے سنگین جرم سے نہیں جو سماجی، معاشرتی طور پر گھناؤنا مجرم ہو۔ جیسے کہ...... بہرام شاہ۔

شہر آ کر شہروز نے پوری تفصیل 'بگ باس' یعنی لیمپوآن کو پیش کر دی۔ لیمپوآن اور کائی شی ہر معاملے میں پوری طرح ملوث رہتے تھے۔ ان کے مشورے ہر طرح شامل حال رہتے تھے۔ لیمپوآن نے ساری کہانی سنی اور پھر بولا۔ "اس میں ایک کردار رہ جاتا ہے۔"

"کون سا۔"

"عائشہ۔"

"ہاں...... اس تک میری رسائی نہیں ہو سکی، لیکن آپ کا کیا خیال ہے۔ اس تک رسائی ضروری تھی۔"

"فیروز شاہ تمہارا مہرہ ہے۔ یقین ہے کہ وہ باپ کا ساتھ نہیں دے گا۔"

"نہیں...... بالکل نہیں دے گا۔"

"پھر بھی اگر عائشہ کی طرف سے ایک درخواست دے دی جاتی تو اس کے ذریعے ایف آئی آر کٹوا سکتے تھے۔"

"میں مانتا ہوں، لیکن...... یہ سوچنے کے باوجود میں نے ایسا نہیں کیا۔"

"کیوں۔"

"اس لیے کہ شاہ جی کے سانپ ہر جگہ رینگتے پھرتے ہیں۔ مجھے یہ خوف تھا کہ بے شک فیروز شاہ اپنے ماحول کو مکمل قرار دیتا ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ وقت سے پہلے ہوشیار ہو جائے۔"

''ہاں یہ خدشہ تو تھا۔''

''اس کا ازالہ ہم اس طرح کر سکیں گے کہ حویلی سے حیدر علی، صفدر علی کی بیوی کو برآمد کیا جائے گا۔ اس کی تفصیل معلوم کر چکا ہوں اور پھر گاما ایک بہترین گواہ ہے، واردات کا گواہ۔ نوری اور اس کے ماں باپ خود ہوں گے۔''

''نہیں کیس بہت مضبوط ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر اس کا اضافہ ہو جاتا تو زیادہ بہتر تھا لیکن اب ان حالات کی روشنی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ شہروز کہ کیا تم اس پر اتنی آسانی سے ہاتھ ڈال لو گے۔''

''مطلب۔''

''میرا تو خیال ہے کہ اس سلسلے میں نیاز بیگ سے مکمل مشورہ کرو۔''

''سو فیصد...... معاملہ بہت ٹیڑھا ہے۔ دیکھنا پڑے گا۔ نیاز بیگ صاحب کے بغیر یہ کام نہیں کروں گا۔ بلکہ آپ یوں سمجھ لیجیے کہ اب یہاں سے سیدھا نیاز بیگ صاحب کے پاس ہی جاؤں گا۔ کیونکہ ہم دونوں وہاں سے غائب ہو گئے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ گاما بھی، چنانچہ وہ فوراً ہوشیار ہو جائے گا۔ یہ کام جلد از جلد کرنا ہو گا۔''

''ہاں...... یقیناً۔'' ناشتے سے فراغت حاصل کر کے شہروز وہاں سے چل پڑا۔ چونکہ ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا تھا۔ اس نے نیاز بیگ صاحب کی رہائش گاہ کی طرف ہی رخ کیا تھا اور کچھ دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا تھا۔ نیاز بیگ صاحب کو اطلاع ملی۔ شہروز کی بہر طور ان کی نگاہ میں ایک اہمیت تھی۔ چنانچہ انہوں نے اسے اندر بلا لیا اور ڈرائنگ روم میں اس سے ملاقات کی۔ شہروز نے سلام کرنے کے بعد کہا۔

''نیاز بیگ صاحب، میں اپنا شاہ گڑھی والا کیس تقریباً مکمل کر چکا ہوں۔''

''بہرام شاہ۔'' نیاز بیگ پر تشویش لہجے میں بولے اور شہروز ان کی صورت دیکھتا رہا، پھر اس نے کہا۔

''کیوں...... آپ نے یہ نام اس انداز میں کیوں لیا۔''

''اس لیے کہ تمہاری غیر موجودگی میں اس کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کرتا رہا ہوں۔''

''گڈ! مجھے بتانا پسند کریں گے۔''

''بہت لمبے ہاتھ ہیں اس کے اور یہ حقیقت ہے کئی منسٹر اس کے دوست ہیں اور اس کی ان تک براہ راست رسائی ہے۔''

''ایسا ہوتا ہے، نیاز بیگ صاحب۔''

''ہاں میں جانتا ہوں۔ خیر چھوڑو یہ بتاؤ کہ کیا صورت حال ہے۔'' جواب میں شہروز نے الف سے لے کر یے تک جتنی تفصیلات تھیں، نیاز بیگ کو بتا دیں۔

نیاز بیگ صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ دیر تک وہ سوچتے رہے۔ پھر اس نے کہا۔

''نہیں...... نہ ہم اپنے پیشے سے غدار ہو سکتے ہیں اور نہ انسانیت کے دشمن، اگر ایک ایسا انسان دشمن لوگوں پر عرصہ حیات تنگ

کیے ہوئے ہے تو ہمیں جان کی بازی لگانا ہوگی، شہروز۔"

"ان حالات کی روشنی میں آپ کا کیا حکم ہے۔"

"دیکھو! ایف آئی آر تو فوراً ہی درج کرا لیتے ہیں۔ میں ابھی تھانے کے انچارج کو طلب کرتا ہوں۔ ایک ایف آئی ار نوری اور اس کے باپ کی طرف سے درج کراؤ اور دوسری عائشہ کی طرف سے عائشہ کو بلا کر یہ ایف آئی آر بھی مکمل کرالو۔ بعد میں ہم عائشہ کو دیکھیں گے کہ وہ ہماری کس حد تک مدد کر سکتی ہے۔ عورت ذات ہے، ہوسکتا ہے شوہر پرست بھی ہو، لیکن ہمارے پاس بہ آسانی موجود ہے کہ ہم حیدر علی کو اس کی بیوی اور بیٹے سمیت برآمد کر سکتے ہیں، بشرطیکہ تم اس محاذ پر کامیاب ہو جاؤ۔"

"بے شک اور اگر ایک ایسا شخص برآمد ہوتا ہے جس کے ہاتھ سرنگ کھودنے کے جرم میں کٹوا دیے جاتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ کیس خاصا مضبوط ہو جائے گا۔"

"ہاں......" نیاز بیگ صاحب پر تشویش لہجے میں بولے۔

"آپ کے لہجے میں کچھ کمزوری ہے، جناب۔" شہروز نے کہا۔

"نہیں میرے لہجے میں کمزوری نہیں ہے۔ میں اس معاشرے کی کمزوریوں سے خوف زدہ ہوں، خیر تو پھر ایسا کریں کہ پارٹی ترتیب دیتے ہیں، فوراً کام طوفانی انداز میں ہونا چاہیے۔"

"میرا بھی یہ ہی خیال ہے۔" شہروز نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے شروع ہو جانا چاہیے۔" اس کے بعد نیاز بیگ صاحب تمام کام کرتے رہے۔ شہروز ان کے پاس ہی موجود تھا۔ پھر وہ ان کے ساتھ ہی ان کے گھر سے نکل کر پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچا تھا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی گئی تھی کہ یہ زبردست پولیس فورس کس لیے تیار کی جا رہی ہے۔ بے شمار جوان اکٹھے کر لیے گئے تھے اور انہیں پوری طرح مسلح ہونے کو کہا گیا تھا۔ نیاز بیگ صاحب خود یہ چھاپہ مارنا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں تمام منصوبہ بندی ہو گئی تھی۔ شہروز کو اپنے گھر تک جانے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ دوپہر کے بعد کئی پولیس کے ٹرک اور جیپیں شاہ گڑھی کی جانب چل پڑیں۔ اس وقت شہروز وردی میں تھا اور ڈی آئی جی نیاز بیگ صاحب پولیس پارٹی کی قیادت کر رہے تھے۔ رفتار اچھی خاصی تیز رکھی گئی تھی لیکن پھر بھی جب وہ شاہ گڑھی میں داخل ہوئے تو شام کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔ فوراً ہی کچی حویلی کو گھیرے میں لے لیا گیا تھا۔ سب سے پہلا مرحلہ حیدر علی، اس کی بیوی اور بیٹے کو برآمد کرنے کا تھا۔

نیاز بیگ صاحب پولیس پارٹی کے ساتھ جب حویلی میں داخل ہوئے تو بہرام شاہ اپنے حواریوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا پولیس اس طرح شاہ گڑھی پہنچی تھی کہ بہرام شاہ کو اس کی اطلاع بھی نہیں مل سکی تھی۔ پولیس کے جوان چاروں طرف سے شاہ گڑھی میں گھسے تھے اور انہوں نے منصوبے کے تحت تمام ایسی جگہوں کو گھیر لیا تھا، جہاں سے کوئی خطرہ درپیش ہو سکتا تھا۔ پہلے کچی حویلی کا چاروں طرف سے محاصرہ کیا گیا اور اس کے بعد پولیس کے تقریباً دس جوان پکی حویلی کی طرف بھیج دیے گئے اور ان کی قیادت ایک انسپکٹر کے سپرد کر دی گئی۔ جس کی

ذمہ داری یہ تھی کہ کچی حویلی میں جتنے افراد ہیں انہیں گن پوائنٹ پر لے لیا جائے اور انہیں ایک جگہ جمع کر لیا جائے۔

بہرام شاہ نے پولیس افسروں کو دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر تردد کے آثار نظر آئے لیکن دوسرے ہی لمحے پر سکون ہو گیا۔ نہایت شاطر اور مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔

''واہ...... پولیس اس طرح ہماری اجازت کے بغیر کچی حویلی میں داخل ہو سکتی ہے، پہلے ہم نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا تھا لیکن اب سوچتے ہیں تو خود پر ہنسی آتی ہے، پولیس والے بھی تو انسان ہی ہوتے ہیں۔ اگر کسی سے ملنے آ جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ویسے ہم آپ کی وردی پر جو اعزازات دیکھ رہے ہیں، افسر اعلیٰ صاحب اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ڈی آئی جی کے عہدے پر ہیں۔''

''جی بہرام شاہ صاحب اور یہ میرے معاون آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی شہروز ہیں۔''

بہرام شاہ صاحب نے شہروز کو دیکھا۔ پہلے شاید وہ وردی کی وجہ سے شہروز کو پہچان نہیں سکا تھا لیکن اب ایک لمحے میں اس نے شہروز کو پہچان لیا اور دوسری بار اس کے چہرے پر کچھ تاریکیاں نمودار ہو گئیں۔ پریشانی کی ایک لہر اس کے چہرے پر گزر گئی اور پھر وہ مسکرا دیا۔

''اچھا اچھا...... ڈاکٹر شہروز...... بھئی واہ...... یعنی ڈاکٹر بھی اور پولیس افسر بھی، ڈبل رول یا پھر یہاں کوئی جاسوسی وغیرہ کا چکر تھا۔ چلو بیٹھو...... تم لوگ کھڑے کیوں ہو۔''

''نہیں بہرام شاہ صاحب بیٹھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہمارے پاس آپ کے وارنٹ ہیں۔ آپ کو گرفتار بھی کرنا ہے اور کچی حویلی کی تلاشی لینی ہے۔''

''وارنٹ۔'' بہرام شاہ کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو گئیں۔

''جی بہرام شاہ صاحب وارنٹ۔''

''ویسے پولیس کا کام ہی یہی ہے، وارنٹ لانا، وارنٹ لے جانا، گرفتار کرنا، مگر بھئی ہمیں کس خوشی میں گرفتار کر رہے ہو۔''

''اس کی تفصیل آپ کو کچی حویلی کی تلاشی کے بعد بتائی جائے گی۔''

''نہیں افسر صاحب! کچی حویلی کی تلاشی لینا کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہاں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔''

''پولیس کا کام خون کی ندیوں کو عبور کرنا ہے۔ بہرام شاہ صاحب۔ بسم اللہ کیجیے، بہایئے خون کی ندیاں۔''

''ارے ہم نہیں بہائیں گے، ہمارے وفادار ہماری گرفتاری برداشت نہیں کر سکیں گے۔''

''تو انہیں موت کی نیند سلا دیا جائے گا۔ پولیس کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔''

''واہ...... بڑی سخت زبان استعمال کرتے ہو بھائی۔ آخر ہو نا ڈی آئی جی۔ خیر کیا تلاش کرنا چاہتے ہو، کم از کم یہ تو بتانا ہوگا تمہیں۔''

''مسٹر شہروز آپ اپنا کام کیجیے۔''

''یس سر۔''

''میں پولیس افسران کو لے لیجیے اور سینے میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ اگر ذرا برابر مزاحمت ہو تو بے دریغ مزاحمت کرنے والوں کو گولی مار دیجیے گا۔''

قریب کھڑے ہوئے دلاور اور اس کے ساتھی نے کلاشنکوفیں سیدھی کیں تو پولیس نے رائفلیں سنبھال لیں۔

''ان سب سے کہیے بہرام شاہ صاحب کہ فوراً ہتھیار زمین پر ڈال دیں۔ ذرہ برابر اس سلسلے میں مداخلت کی گئی تو یوں سمجھ لیجیے کہ یہ سارا کھیل اسی جگہ ختم ہو جائے گا۔ اور آپ سب مقدمے کی زحمت سے بھی بچ جائیں گے۔''

''یعنی تم ہمیں جان سے مارو گے۔''

''جی بالکل...... آپ سمجھ دار آدمی ہیں۔''

''واہ...... بھئی یہ دن بھی دیکھنا تھا۔ چلو ٹھیک ہے۔ فقیروں کا کیا جاتا ہے، ڈال دو، تم سب ہتھیار زمین پر ڈال دو، کوئی بات نہیں ہم تو مہمان داری کے سارے اصول نبھاتے ہیں۔ اب پولیس اگر کسی کے گھر مہمان پہنچے گی تو ایسے ہی پہنچے گی، کام ہے اس کا، قصور تو نہیں کہہ سکتے ہم۔'' دلاور اور اس کے ساتھیوں نے کلاشنکوفیں نیچے رکھ دیں۔ ان سب کے چہروں پر خون اُترے ہوئے تھے۔

اِدھر شہروز اپنی تمام تر ذہانت سے کام لیتے ہوئے گاما کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق وہ تہہ خانہ تلاش کر رہا تھا۔ یہ اس وقت کا سب سے اہم کام تھا۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ اس تہہ خانے تک پہنچ گیا اور پھر تہہ خانے کی مختصر گہرائیوں میں اُتر گیا۔ یہاں اسے حیدر علی اور صفدر علی اور اس کی بیوی مل گئے تھے۔ تینوں نے شاید طویل عرصے کے بعد انسانوں کو دیکھا تھا۔ وہ یقین نہیں کر پا رہے تھے کہ یہاں ان مخصوص لوگوں کے علاوہ کوئی اور بھی آ سکتا ہے۔ شہروز نے نہایت ہمدردی کے ساتھ انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''آپ حیدر علی ہیں۔''

''ہاں۔''

''میرے جسم کی وردی دیکھ کر آپ نے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میرا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔''

''جی صاحب۔''

''آپ لوگ سمجھ لیجیے کہ اب آزاد ہو گئے ہیں۔ زندگی کی ان مصیبتوں سے...... آیئے ہمارے ساتھ۔''

شہروز نے انہیں سہارا دے کر اوپر کی جانب قدم بڑھا دیے، پھر وہ انہیں باہر لے آیا، تمام لوگ اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ پولیس کے جوانوں نے کچی حویلی کے چپے چپے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور ڈی آئی جی نیاز بیگ کے حکم کے مطابق ہر چیز کی تلاشی لی جا رہی تھی، جہاں معصوم لڑکیوں کی زندگیاں برباد کی جاتی تھیں۔ ہر طرح کے کام کیے جا رہے تھے۔ ہر جگہ کی تصاویر لی جا رہی تھیں اور پوری شاہ گڑھی میں سنسنی طاری تھی۔ کچی حویلی اور پکی حویلی پولیس کے گھیرے میں تھیں۔ پکی حویلی میں عائشہ اور فیروز شاہ کو تحویل میں لے لیا گیا تھا۔ بڑا

زبردست کام سرانجام دیا جارہا تھا۔ بہت سی گرفتاریاں ہوئی تھیں اور اس کے بعد شاہ جی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئی تھیں۔

پھر شاہ گڑھی کے بہت سے معزز لوگوں کو طلب کرلیا گیا اور ان سے بہرام شاہ کے بارے میں سوالات کیے جانے لگے۔ بہرام شاہ کی نگاہیں ایک ایک کا جائزہ لے رہی تھیں۔ نیاز بیگ اور انسپکٹر شہروز کی تمام تر کوششوں کے باوجود بستی کے ایک بھی آدمی نے شاہ گڑھی کے بہرام شاہ کے خلاف ایک لفظ بھی نہ کہا۔ ڈاکٹر جمشید وغیرہ اس سلسلے میں بالکل بے کار شخصیات تھیں۔ بہرام شاہ بار بار شہروز کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

''واہ رے ڈاکٹر تو نے ہمارا نمک کھا کر ہم پر بڑا مضبوط وار کیا ہے، لیکن ناکامی رہے گی تجھے۔'' درویشوں کے ساتھ یہ سب کچھ کرنا کبھی کسی کو پھلا ہے۔ جو تجھے پھلے گا۔''

شہروز نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تھا لیکن بولا کچھ نہیں تھا۔

پھر شاہ گڑھی سے بہرام شاہ کی رخصتی کے مناظر بھی عجیب تھے۔ جہاں جہاں اطلاع پہنچتی جارہی تھی، لوگ جمع ہوتے جارہے تھے۔ پولیس نے مجمع کی طرف رائفلیں تان رکھی تھیں۔ بہرام شاہ اور اس کے خاص حواریوں کو گاڑیوں میں بٹھا کر لے جایا جارہا تھا۔ عائشہ اور فیروز شاہ کو بھی پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور ان سے معذرت کے ساتھ کہا تھا کہ وہ حفاظت کی غرض سے تحویل میں لیے جارہے ہیں۔ حیدر علی، صفدر علی اور عائشہ کی ماں حمیرا ابھی تک عائشہ کے پاس نہیں پہنچے تھے۔ انہیں دوسری گاڑی میں رکھا گیا تھا۔ تاکہ ان کی کیفیات خراب نہ ہوں۔

بہرحال بہرام شاہ گرفتار ہوکر چل پڑا اور پولیس کی بہت بڑی تعداد اس کے ساتھ تھی۔ ہر لمحہ چوکسی ضروری تھی۔ کہیں بھی کسی طرف سے بہرام شاہ کے حواری حملہ کرسکتے تھے اور اسے چھڑانے کی کوشش کی جاسکتی تھی۔ اس بات کا خاص خیال رکھا گیا تھا لیکن شاہ گڑھی کے رہنے والوں کو یہ امید بالکل نہیں تھی، وہ سب اس عفریت کی شکست دیکھ رہے تھے۔ بہرام شاہ خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ ڈی آئی جی نیاز بیگ اس کے ساتھ تھے اور پیچھے بہت سے گن مین ہوشیار اور مستعد تھے۔ یونہی راستے طے ہوتے رہے، پھر پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے۔ ڈی آئی جی نیاز بیگ صاحب احکامات دے کر گئے تھے۔

چنانچہ ایک لاک اپ میں بہرام شاہ کو منتقل کردیا گیا تھا۔ دلاور اور دوسرے چند افراد جو وہاں سے گرفتار ہوئے تھے۔ بالکل الگ قید کردیے گئے تھے۔ بہرام شاہ لاک اپ میں خاموشی سے زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ عجیب وغریب کیفیت کا شکار تھا۔

اِدھر فیروز شاہ عائشہ کے ساتھ موجود تھا۔ اور چونکہ پکی حویلی پر دوسرے پولیس افسران نے ریڈ کیا تھا۔ اس لیے فیروز شاہ کو ابھی تک شہروز کی صورت دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن جب پولیس ہیڈ کوارٹر کے ایک مخصوص کمرے میں عائشہ اور فیروز شاہ کو لے جایا گیا تو وہاں حیدر علی، صفدر علی اور حمیرا موجود تھے۔ کچھ لمحے تو عائشہ اپنے ماں، باپ کو نہ پہچان سکی لیکن ماں، باپ کی نگاہیں مختلف ہوتی ہیں۔

حیدر علی کے حلق سے دلدوز چیخ نکلی اور حمیرا بھی چونک کر عائشہ کو دیکھنے لگی۔ عائشہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ماں، باپ کو دیکھ رہی تھی اور پھر اس پر دیوانگی سی طاری ہوگئی۔ فیروز شاہ بھی وہیں موجود تھا اور یہ عجیب وغریب منظر دیکھ رہا تھا۔ کچھ ہی لمحوں میں اسے احساس ہوگیا

کہ یہ عائشہ کے ماں، باپ ہیں اور وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ پھر یہ جذباتی مناظر دیر تک جاری رہے اور عائشہ نے حیدر علی کو دیکھا۔ صفدر علی کے الفاظ بڑے دل گداز تھے، اس نے کہا۔

''کاش میں ابھی ہاتھ پھیلا کر تمہیں اپنے سینے سے لگا سکتا میری بہن۔''

''یہ...... یہ کیسے ہو گیا'' عائشہ روتے ہوئے بولی...... رانی اسے سنبھالے ہوئے تھی اور فیروز شاہ پتھرائی ہوئی نظروں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ تب شہروز کمرے میں داخل ہوا اور وہ لوگ اس پولیس آفیسر کو دیکھنے لگے۔ جو وردی میں بہت شاندار نظر آ رہا تھا۔ شہروز، فیروز شاہ کے قریب پہنچ گیا۔ تو فیروز شاہ نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اور پھر اس کے پورے بدن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ اس نے انتہائی حیران لہجے میں کہا۔

''ڈاکٹر صاحب۔''

''بہت دیر میں پہچانا فیروز شاہ۔''

''ڈاکٹر صاحب آپ پولیس کی وردی میں۔''

''ہاں...... فیروز شاہ افسوس بھی ہوتا ہے یہ کہتے ہوئے کہ تمہیں تھوڑا دھوکہ دینا پڑا، یعنی یہ کہ میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ اصل میں...... میں اور ناہید پولیس آفیسر ہیں۔''

''تن...... تن...... ناہید بھی۔'' فیروز شاہ نے کہا۔

''ہاں...... ہم بہرام شاہ کے خلاف تحقیقات کر رہے تھے۔ میں نہیں جانتا فیروز شاہ کہ اس واقعہ سے تمہارے دل میں ہمارے خلاف کیا جذبات پیدا ہوں گے۔ تم ناراض بھی ہو سکتے ہو اور تمہاری ناراضگی بجا ہو گی لیکن کیا کیا جائے پولیس کو کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے، اپنے معاملات کی تفتیش کے لیے۔''

فیروز شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گم سم سا بیٹھا رہا تھا۔ کافی دیر تک اس قسم کی کارروائیاں ہوتی رہیں۔ عائشہ نے بھی بے دھڑک بہرام شاہ کے خلاف مکمل بیان دیا تھا اور بتایا تھا کہ کس طرح اس کے ساتھ یہ صورت حال پیش آئی۔ اِدھر نوری اور اس کے ماں، باپ بھی بہرام شاہ کے خلاف مدعی تھے۔ بعد میں ساری تفصیلات ناہید کے والد کو بتائی گئیں اور وہ برق رفتاری سے کیس کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

ڈی آئی جی نیاز بیگ صاحب ابھی سنسنی کا شکار تھے۔ ان کا یہ خیال درست ہی نکلا، بڑے بڑے لوگوں کی جانب سے انہیں ٹیلی فون موصول ہوئے اور آخر کار انہیں ایک مخصوص شخصیت نے طلب کر لیا جو بڑی حیثیت کی حامل تھی۔ نیاز بیگ صاحب وہاں پہنچ گئے۔ یہ نشست خفیہ رکھی گئی تھی۔ چنانچہ صرف چند افراد وہاں موجود تھے۔ بڑی شخصیت نے نیاز بیگ صاحب سے سوال کیا۔

''مسٹر نیاز بیگ جرائم تو بہت سے ہوتے ہیں اور بہت بڑے لوگ ان میں ملوث ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی کچھ ایسی معزز شخصیتوں

کو جن کی بہت بڑی اور اہم حیثیت ہوتی ہے۔ گرفتار کرتے ہوئے ہم لوگوں کو بھی اعتماد میں لینا ہوتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں جناب! لیکن غالباً یہ ایسے موقع پر ہوتا ہے جب اس بڑی شخصیت کو گرفتار کرتے وقت کچھ ابہام ہوں اور ثبوت نامکمل ہوں۔"

"آپ جنہیں ثبوت کہتے ہیں ڈی آئی جی صاحب! کیا وہ قابل تردید نہیں ہوتے۔"

"جی جناب کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے لیکن کچھ ثبوت ایسے ہوتے ہیں جو نا قابل تردید ہوتے ہیں۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے بہرام شاہ کو مکمل طور پر جکڑ لیا ہے۔"

"میں نے نہیں...... قانون نے۔"

"نیاز بیگ صاحب کو خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔" بڑی شخصیت نے کہا اور نیاز بیگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سر پولیس کی نوکری معمولی چیز نہیں ہوتی۔ ہمیں واقعی بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہم اس کے لیے تیار رہتے ہیں۔"

"اس سلسلے میں جس قدر بیانات اور جتنی رپورٹیں آپ نے تیار کی ہیں وہ آپ مجھے فراہم کر دیجیے۔ آپ اس کے پابند ہیں۔"

"جی سر! مجھے اس سے انکار نہیں ہے۔" نیاز بیگ نے پر ادب لہجے میں کہا۔

"اور سنیے بہرام شاہ کو آپ نے کہاں رکھا"

"سر پولیس لاک اَپ میں۔"

"آپ ہدایت کر دیجیے کہ بہرام شاہ کو پولیس لاک اَپ میں کوئی دقت نہ ہو۔ ویسے اس سلسلے میں تفتیش کس نے کی ہے۔"

"سر ظاہر ہے میرے ماتحتوں نے۔"

"ان کے نام مجھے پیش کر دیجیے گا۔"

"یس سر۔" نیاز بیگ صاحب نے جواب دیا۔

"جا سکتے ہیں آپ۔"

نیاز بیگ صاحب سلوٹ کرتے ہوئے واپس چل پڑے تھے لیکن ان کی پیشانی پر شکنوں کے لاتعداد جال پھیلے ہوئے تھے۔ صورت حال کی نزاکت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ حالانکہ اس بات کا اندازہ پہلے بھی تھا لیکن اتنی جلدی اس کا آغاز ہو جائے گا، اس کی امید نہیں تھی۔ بہرحال سرفروش زندگی کی بازی لگاتے ہیں اور اس کے بعد فتح یا شکست قدرت کے ہاتھ ہوتی ہے۔ اس کہانی میں ایک سنگین صورت حال کا سامنا پیدا ہو گیا تھا اور اس کا فیصلہ تو حالات ہی کر سکتے تھے کہ نتیجہ کیا نکلے گا۔

شہروز نے ایک بار پھر ڈی آئی جی نیاز بیگ سے ملاقات کی تو وہ بولے۔

"اصل میں اس قسم کے لوگوں کے تعلقات بہت وسیع ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کے سرپرست یا ان سے تعلق رکھنے والے

حقیقتوں کو نظر انداز کر کے گفتگو کرتے ہیں۔ میں کسی کا نام نہیں لینا چاہتا۔ یوں سمجھ لو کہ ایک بہت بڑی شخصیت نے مجھے طلب کر کے بہرام شاہ کے متعلق رپورٹیں مانگی ہیں اور جہاں تک میرا اندازہ ہے، بہرام شاہ کو بہت جلد بہتر سہولت حاصل ہو جائے گی۔"

شہروز کے دانت بھنچ گئے اور مسلز ابھر آئے۔ اس نے کہا۔ "نہیں جناب ایسی کوئی بات نہیں ہے، وہ مجرم ہے۔ اس کے جرائم کے لاتعداد ثبوت مل گئے ہیں۔ چنانچہ یہ ممکن نہیں ہوگا کہ اسے بچایا جا سکے۔"

"ہم آخری تک کوشش کریں گے۔"

"آخری حد تک نہیں جناب...... جناب کام کرنا ہوتا ہے تو وسعتیں بڑھالی جاتی ہیں۔" شہروز نے کہا اور ڈی آئی جی نیاز بیگ صاحب اسے دیکھنے لگے، پھر بولے۔

"بہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جذباتی نہ ہونا۔ دیکھتے ہیں، اس سلسلے میں بات ہاں تک پہنچتی ہے۔ میں تمہیں صرف اس حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ایک ایک لمحہ ہوشیاری کے ساتھ گزارو۔ صورت حال خاصی سنگین ہو سکتی ہے۔ میں نے ذاتی طور پر یہ ہدایت کرنا مناسب سمجھا اور اس کے علاوہ میں نے کچھ کہا تھا۔"

"جی اس کی تکمیل ہو گئی ہے۔"

"بہتر تو پھر اس سلسلے میں کوئی خاص عمل۔"

"قانون کے خلاف کچھ نہیں ہوگا۔"

"یہی میں چاہتا ہوں، کیونکہ شاید تھوڑا تمہاری فطرت سے آگاہ ہوتا جا رہا ہوں۔"

"نہیں جناب مجھے خود بھی اپنی اور آپ کی عزت کا خیال رہتا ہے۔" پھر کافی دیر تک بہرام شاہ کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ شہروز نے نیاز بیگ صاحب کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی خاص منصوبہ ہے یا نہیں۔ بس سرسری گفتگو کرتا رہا تھا اور اس کے بعد وہاں سے چل پڑا تھا۔

لیکن اب اسے اندازہ تھا کہ اسے اب کیا کرنا ہے۔ چنانچہ اس نے اس سلسلے میں کارروائیاں شروع کر دیں اور ظاہر ہے شہروز کے اقدامات معمولی نہیں ہو سکتے تھے۔ اس نے بہت سے پہلو محفوظ کر لیے تھے۔ ظاہر ہے جن لوگوں کی ضرورت اس وقت پیش آ سکتی تھی، اس وقت انہیں استعمال کرنا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ طارق محمود اور ریحان جیسی شخصیتوں کی موجودگی میں اس قسم کے کام با آسانی کیے جا سکتے تھے۔ جب وہ اخبار کے دفتر میں داخل ہوا تو اتفاق کی بات تھی کہ طارق محمود اور ریحان دونوں ہی موجود تھے۔ شہروز ان کے لیے جو حیثیت رکھتا تھا۔ انہوں نے زندگی میں ایک لمحہ بھی اسے نظر انداز نہیں کیا تھا۔ وہ جو کچھ تھا وہ بخوبی جانتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ شہروز نے انہیں ان کے کام میں آزاد چھوڑ دیا تھا اور خود اپنے کاموں میں مصروف رہتا تھا لیکن شہروز کے پہنچنے پر وہ دونوں وارفتہ ہو گئے۔ اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ شہروز نے ان سے معانقہ کیا۔ اور پھر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"شاید تم لوگوں نے سوچا ہوگا کہ کام ہوگیا اور میں نے تمہاری جان چھوڑ دی۔"

"ہاں......ہم نے بہت دکھ کے ساتھ یہ ہی سوچا تھا۔"

"دکھ کے ساتھ۔"

"ظاہر ہے۔"

"کیوں۔"

"اس لیے کہ ہم چاہتے تھے کہ شہروز صاحب کی دوستی اور قربت ہمیں ہر لمحہ حاصل رہے۔"

"میں ایسے بھلا کیسے کر سکتا تھا۔"

"نہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ بس ایک خواہش، ایک آرزو ہے۔"

"آپ لوگ اپنا کام بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔ مجھے آپ سے اگر کوئی لالچ ہوتا ہے تو میں فوراً آپ کے پاس پہنچ جاتا ہوں۔"

"لفظ لالچ استعمال کریں گے آپ۔"

"ہاں......کیا حرج ہے۔"

"ظاہر ہے، آپ کو روک نہیں سکتے۔"

"اچھا اب کہانی ایک اور سنو۔ جو میں تمہارے لیے لایا ہوں۔"

"ٹھیک۔" ریحان نے کہا۔

معمول کے مطابق اس نے ایک ٹیپ ریکارڈ لا کر سامنے رکھ دیا اور پھر اسے آن کرتے ہوئے بولا۔

"کوئی حرج تو نہیں ہے اس میں۔"

"کرنے کے بعد پوچھ رہے ہو۔"

"نہیں ابھی ایک بٹن دبانے کی دیر ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"نہیں، بٹن دباؤ۔" شہروز نے کہا۔

"گڈ......تو کوئی خاص رپورٹ ہے۔"

"ہاں۔"

"کیا ہیں؟"

"شاہ گڑھی نامی ایک علاقہ ہے۔"

''اور بہرام شاہ وہاں کا سربراہ تصور کیا جاتا ہے۔'' ریحان نے کہا اور شہروز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں جانتا ہوں کہ تمہیں قرب و جوار سے اتنا ہی واقف ہونا چاہیے۔''

''اور بہرام شاہ کی رپورٹ اچھی نہیں ہے۔ وہاں کے لوگ اس سے خوف زدہ رہتے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک، اب آگے بھی تم ہی بتاؤ۔''

''نہیں پلیز۔ اس سے آگے مجھے نہیں معلوم۔ اصل میں ہمیں اس کے بارے میں کوئی مواد نہیں ملا۔''

''وہی مواد تمہیں مہیا کرنے جا رہا ہوں۔ اب تم اس قسم کے مضمون بناؤ جس کی میں تمہیں ہدایت دوں۔ فوری طور پر تمہارے اخبار کی وساطت سے یہ فریادیں صدر اور وزیر اعظم کو پہنچ جانی چاہئیں۔ پہلا مسئلہ تین افراد سے تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ چار افراد کہہ سکتے ہو تم، لیکن چوتھے کو ان میں شامل نہ کرو۔ ابھی اس کی شخصیت واضح نہیں ہو پائی ہے۔ پہلے شخص کا نام حیدر علی، اس کا بیٹا، صفدر علی اور اس کی بیوی حمیرا۔ جسے بہرام شاہ نے اپنی حویلی میں محبوس کر رکھا تھا۔ ان تینوں کو اس نے تیرہ، چودہ سال سے قید میں ڈال رکھا تھا۔ ایک بار صفدر علی نے اس قید خانے سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی تو سرنگ بنانے کے الزام میں بہرام شاہ نے اس کے دونوں ہاتھ کٹوا دیے۔ وہ ایک نوجوان لڑکا ہے، لیکن اپنے ہاتھ کٹوا دیے۔ وہ ایک نوجوان لڑکا ہے، لیکن اپنے ہاتھوں سے محروم۔''

شہروز، ریحان کو حمیرا، حیدر علی، صفدر علی کے بارے میں پوری تفصیل بتانے لگا۔ جو ریکارڈ ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے پیڈ اٹھا کر سامنے رکھ لیے تھے اور شارٹ ہینڈ میں یہ داستان درج کرتے جا رہے تھے۔ تقریباً تمام داستان سنانے کے بعد شہروز نے کہا۔

''اور یہ فریاد صدر مملکت اور وزیر اعظم کے پاس درخواستوں کی شکل میں بھیجی جائے اور ان لوگوں کی جانب سے کہا جائے کہ ان کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ اس کے علاوہ ریحان تم میرے ساتھ چلو گے، میں تمہیں ان لوگوں کی تصاویر مہیا کروں گا۔ میرا مطلب ہے کہ تم براہ راست ان لوگوں کی تصاویر کھینچ سکو گے اور چاہو تو ان سے سوالات کر سکتے ہو، لیکن تمہیں یہ ظاہر نہیں کرنا کہ ان تینوں کو میں نے کہاں رکھا ہے۔''

''ٹھیک۔''

''نمبر ایک یہ ہوا، اب نمبر دو۔ کچھ اور نام درج کرو۔ ان میں ایک نام نوری، دوسرا نام اس کے باپ کا اور تیسرا اس کی ماں کا۔ ان لوگوں کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا ہے وہ بے حد دردناک ہے۔ نوری عدالت میں گواہی دے گی کہ جو کچھ ہوا ہے وہ کیا ہے۔ نوری کے باپ اور ماں کی تصاویر بھی تمہیں نوری کے ساتھ حاصل ہو جائیں گی۔ ان کی تفصیل نوٹ کر لو۔'' اور اس کے بعد شہروز نے نوری کے ساتھ پیش آنے والی تفصیل اس طرح بتائی۔

ان کے چہرے جوش اور سنسنی کا شکار تھے۔ ظاہر ہے شہروز جیسی معتبر شخصیت انہیں بریف کر رہی تھی۔ تو اس میں شک کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ گواہ کے طور پر کئی نام سامنے لائے گئے۔ ڈاکٹر جمشید، راشدہ، شازیہ، پھر کچھ تفصیلات ان لوگوں کو بتانے کے بعد شہروز نے کہا۔

''اور اب تمہاری ڈیوٹی ہے کہ شاہ گڑھی جاؤ۔ بہرام شاہ گرفتار ہو چکا ہے۔ وہاں اس کی بیوی اور بیٹا فیروز شاہ ہیں۔ عائشہ حیدر

علی کی بیٹی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ شوہر کے خلاف گواہی دینے پر تیار نہ ہو، ہوسکتا ہے اس قابل نہ ہو کہ وہ گواہی نہ دے سکے۔"

"فیروز شاہ کو بھی اس معاملے میں براہ راست نہیں گھسیٹیں گے۔ عدالت میں جب مقدمہ چلے گا تو فیروز شاہ بھی کسی نہ کسی صورت سامنے آئے گا ہی البتہ بستی کے لوگوں سے اس بارے میں ایک سروے کر سکتے ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آج کا اخبار جو کل شائع ہوگا۔ ان تمام تفصیلات سے پر ہونا چاہیے۔ گو یہ اخباری پالیسی کے خلاف ہے لیکن باقی خبروں کو پیچھے لے آؤ اور اس تفصیل کو تصاویر کے ساتھ اس طرح فلش کرو کہ پھر اسے کراس کرنے کی نوبت نہ آسکے۔ اس کے علاوہ میں یہ نہیں چاہتا کہ صرف تمہارا ہی اخبار اس سلسلے میں ملوث ہو، بلکہ اپنے ان اخباری دوستوں اور صحافیوں کو جن سے تمہارا گہرا تعلق ہے آگاہ کردو اور جس قدر مواد انہیں مہیا کر سکتے ہو کردو، تاکہ دوسرے اخبارات بھی اس تفصیل کو چھاپیں۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات۔"

طارق محمود نے مسکرا کر گردن ہلا دی اور کہا۔

"آپ بالکل مطمئن رہیں شہروز صاحب جو باتیں آپ نے ہمیں بتا دی ہیں ہم انہیں سمجھ چکے ہیں اور اب آپ بالکل اطمینان رکھیں، ہاں تصاویر وغیرہ مہیا کرنے کے سلسلے میں ہماری مدد کریں۔"

"تو پھر اُٹھو...... میرے ساتھ۔" شہروز نے کہا۔

اور وہ دونوں تیار ہو گئے۔ دو تجربے کار صحافی یہ جانتے تھے کہ انہیں کس انداز میں اپنا کام کرنا ہے۔ چنانچہ وہ مصروف عمل ہو گئے۔ شہروز نے انہیں تمام تفصیلات مہیا کر دی تھیں۔ اور پھر دوسرے دن کے اخبارات خود ڈی آئی جی نیاز بیگ کے لیے ناقابل یقین تھے۔ وہ تصاویر بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ اخبارات میں شائع ہوئی تھیں۔ اور وہ اپیلیں بھی جو صاحب دل حضرات سے کی گئی تھیں۔ اتنا واویلا مچایا تھا ان اخبارات نے کہ ملک کی ساری مشینری حرکت میں آگئی۔

چاروں طرف ٹیلی فون کھڑکھڑانے لگے اور اس سلسلے میں خود وزیراعظم اور صدر مملکت نے متعلقہ محکموں سے تفصیلات طلب کرلیں۔

ڈی آئی جی صاحب خود ششدر رہ گئے تھے۔ شہروز یہ چال چلے گا، ان کے تصور میں بھی نہیں تھا لیکن انہیں احساس ہو رہا تھا کہ اس کے بعد بہرام شاہ کے حلیفوں کے لیے کچھ کرنا ممکن نہیں رہے گا اور تقریباً دس، بارہ دن کی کاوشوں کا نتیجہ سامنے نکل آیا۔

خود صدر مملکت صاحب کی طرف سے بہرام شاہ کے خلاف تحقیقات مکمل کر کے اسے قرار واقعی سزا دینے کا حکم دیا گیا تھا۔ بڑے بڑے افسران اور سیاست دان اس سلسلے میں اپنے بیانات دے رہے تھے اور نیاز بیگ آسودہ ہو گئے تھے۔ شہروز سے اس دوران رابطہ نہیں ہوا تھا لیکن نیاز بیگ نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ شہروز جیسی شخصیت کو کسی بھی جگہ شکست دینا ممکن نہیں ہوگا۔ وہ بے حد مطمئن اور مسرور تھے۔ نتیجہ خاطر خواہ بھی نکلنا تھا۔ اب بہرام شاہ کی طرف داری کرنے والا کوئی بھی نہیں تھا اور ڈی آئی جی نیاز بیگ صاحب کو اس سلسلے میں اس شخصیت نے بھی طلب نہیں کیا تھا۔ جس نے انہیں ہدایات جاری کی تھیں۔ پھر جب پہلی بار مقدمہ عدالت میں پیش ہوا تو بڑی عجیب اور دلچسپ صورت حال سامنے آئی۔

شاہ گڑھی کے تقریباً تین سو افراد احاطہ عدالت میں پہنچ گئے۔ وہ شور مچا رہے تھے کہ وہ بہرام شاہ کے خلاف گواہی دینے کے لیے آئے ہیں۔ عدالت سے باہر وہ نعرے لگا رہے تھے اور بہرام شاہ کے کالے کرتوت چیخ چیخ کر بیان کر رہے تھے۔ سارے شہر کا پریس وہاں موجود تھا اور ان لوگوں کی دھڑا دھڑ تصاویر لی جا رہی تھیں۔ شہروز بھی وہاں موجود تھا۔ ڈاکٹر جمشید کو ان لوگوں کے درمیان دیکھ کر وہ حیران رہ گیا اور پھر تفریح طبع کی خاطر وہ ڈاکٹر جمشید کے پاس پہنچا۔ ڈاکٹر نے اسے دیکھا اور دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔

''ارے واہ! ڈاکٹر صاحب آپ تو سچ مچ کے ڈاکٹر نکلے۔''

''عدالت میں آپ کے خلاف گواہی دینے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔'' شہروز نے کہا اور ڈاکٹر جمشید کا چہرہ اُتر گیا۔

''مم...... مم میرے خلاف۔''

''جی ہاں...... آپ کی ڈسپنسری کے خلاف، جس میں کبھی کوئی مریض نہیں ہوتا۔''

''ارے بابا مریض کہاں سے لاتا آپ کو پتا ہی ہے ڈاکٹر صاحب، بلکہ افسر صاحب کہ سارے مریضوں کے علاج تو بہرام شاہ کر دیا کرتا تھا۔''

''ویسے آپ کا بھی سرپرست تھا وہ۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو ڈاکٹر صاحب، بلکہ افسر صاحب، ہمارے ساتھ کیا تھا، وہ آپ نے خود دیکھا تھا، اتنا عرصہ ہمارے ساتھ رہ کر کہ بس وہی والی بات ہے کہ اس گاؤں میں رہنا تھا اور ہاں جی...... ہاں جی، کہنا تھا۔ اگر نہ کہتے تو ہمارا جو حال ہوتا آپ کو خود معلوم ہے۔ ویسے ڈاکٹر صاحب ایک تکلیف ہو گئی ہمیں۔''

''خیریت خیریت۔ آپ کو کیا تکلیف ہو گئی۔''

''دراصل ہماری جیپ بالکل نہیں چل رہی۔ آپ سے کم از کم یہ فائدہ تو تھا کہ ادھار جیپ آپ سے مل جایا کرتی تھی۔'' شہروز نے قہقہہ لگایا۔ دوبارہ ڈاکٹر جمشید نے کہا۔

''ویسے افسر صاحب اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ یہ ہونا تھا، لیکن آپ نے کمال کیا۔ بڑی بات تھی۔ آفیسر صاحب بڑی بات تھی۔ دنیا تو یہ کہتی تھی کہ یہ شیطان کا دوسرا روپ ہے۔ وہ شیطان ازل سے ابد تک رہے گا۔ اسی طرح یہ کمبخت اپنی عمر کی آخری منزل تک درندہ رہے گا اور اپنے گھناؤنے کام بھی کرتا رہے گا۔''

''آپ نے خود ہی کہہ دیا کہ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ بس بات ختم ہو گئی۔''

''ہاں...... بالکل ٹھیک...... ویسے کیا واقعی ہمارے خلاف عدالت میں کوئی بیان لیا جائے گا۔''

''نہیں...... خیر وہ تو میں مذاق کر رہا تھا۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ ڈاکٹر جمشید اگر عدالت میں اس ڈسپنسری سے متعلق کوئی بات آئی تو گواہی میں دوں گا۔''

''شکریہ ڈاکٹر صاحب! میرا مطلب ہے آفیسر صاحب۔''

ڈاکٹر جمشید اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔

کمرہ عدالت میں بہرام شاہ کی پیشی تھی اور وہ کٹہرے میں کھڑا ہوا تھا۔ کیفیت میں اب بھی کوئی فرق نہیں تھا۔ سینہ تانے، بلند و بالا قد و قامت کا مالک، دیکھنے والوں پر اس کی شخصیت کی ہیبت طاری ہوتی تھی۔ شہروز جب کمرے میں داخل ہوا تو کئی بار نگاہیں اٹھا کر بہرام شاہ نے اسے دیکھا تھا۔ ویسے شہروز کی نگاہیں عائشہ اور فیروز شاہ کو تلاش کر رہی تھیں لیکن دونوں موجود نہ تھے۔ اور یہ بڑے تعجب کی بات تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے کمرہ عدالت میں آنا پسند نہیں کیا تھا لیکن بہرحال جب مقدمہ کر چکے گا تو ان کی طلبی لازم ہوگی، پہلی پیشی میں فرد جرم پڑھ کر سنائی گئی اور عدالت نے کارروائی شروع کر دی۔

چند گواہان گزارے گئے اور اس کے بعد پیشی پڑ گئی لیکن شہروز اب دوسرے راستوں سے بھی ہوشیار رہنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ڈی آئی جی نیاز بیگ صاحب سے درخواست کی کہ اب جبکہ بہرام شاہ کے حلیف قانونی طور پر اسے تحفظ دینے میں ناکام رہے ہیں تو دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے اغوا یا فرار کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ڈی آئی جی نیاز بیگ صاحب اپنے فرائض سرانجام دیں۔ نیاز بیگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ شہروز تم مطمئن رہو۔ میں اس وقت تک اس کی بذات خود حفاظت کروں گا، جب تک اس کے مقدمے کا فیصلہ نہ سنا دیا جائے۔ یہ ذمہ داری میں پوری کروں گا۔''

''شکریہ جناب۔''

بہرحال معاملات تقریباً ہموار ہو گئے تھے اور اب اس بات کے امکانات نہیں رہے تھے کہ بہرام شاہ کی گردن بچ سکے۔ چنانچہ شہروز بھی تقریباً مطمئن ہو گیا تھا اور معمولات پھر اسی طرح جاری ہو گئے تھے لیکن اس شام ناہید نے شہروز کو کئی جگہوں پر تلاش کرنے کے بعد ٹریس آؤٹ کر لیا اور جب وہ ملا تو وہ کہنے لگی۔

''کم از کم اس بات سے تو آگاہ کر دیا کریں کہ اس وقت آپ کہاں ہوں گے۔''

''اوہو...... اوہو...... یہ شاید آپ کے حقوق کی پہلی ڈانٹ ہے۔'' شہروز نے کہا۔

''جی نہیں یہ نہ کوئی حقوق ہیں اور نہ ڈانٹ ہے۔ بلکہ ہم لوگ...... ہم لوگ جس پیشے سے متعلق ہیں اس میں ایک دوسرے کو اتنی معلومات ہونی چاہیے۔''

''کیا بات ہے، کچھ ناراض ہو۔''

''نہیں شاید آپ کو یقین نہ آئے شہروز صاحب کہ میں نہ جانے کہاں کہاں آپ کو تلاش کر چکی ہوں۔''

''کمال ہے۔ حالانکہ یہ فرض میرا بنتا ہے۔''

''جی نہیں...... میں ہمیشہ آپ کو اپنی موجودگی سے آگاہ رکھتی ہوں۔''

''واقعی...... واقعی لطف آ رہا ہے۔ کیا بعد میں بھی اسی طرح ڈانٹ ڈپٹ سننا پڑے گی۔''

''بعد میں۔'' ناہید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ اور شہروز ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا۔ اسے اس طرح محسوس ہوا جیسے ان الفاظ میں شکایت ہو لیکن ناہید نے بھی اپنے اس انداز کو محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ جلدی سے بولی۔

''اور اب آپ کتنی دیر میں گھر پہنچ رہے ہیں۔''

''کیوں...... خیریت۔'' شہروز نے چونک کر پوچھا۔

بہرام شاہ کے مسئلے کے ہموار ہونے کے بعد اس نے ناہید کو گھر جانے کی اجازت دے دی اور وہ مطمئن تھے لیکن اس وقت ناہید کی یہ طلبی کچھ عجیب سی محسوس ہوئی تھی۔

''جی ہاں بالکل خیریت ہے، آپ بس گھر آ جائیے۔''

''آخر کچھ بتاؤ تو سہی، کیوں منے کو بخار ہو گیا ہے۔''

شہروز نے کہا اور ناہید نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا۔ شہروز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ بہر حال ناہید کے لہجے میں کوئی ایسی تشویش کی بات نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے اس کے ذہن میں کوئی شرارت کلبلائی ہو۔ ناہید بہر طور اب شرارتیں بھی کرنے لگی تھی۔

چنانچہ شہروز نے اپنی مصروفیات ترک کیں اور اس کے بعد وہ چل پڑا، تھوڑی دیر کے بعد وہ ناہید کے گھر پہنچ گیا تھا۔ کوئی ایسی خاص بات محسوس نہیں ہوئی تھی، لیکن جب وہ اندر داخل ہوا تو اس نے محسوس کیا۔ کچھ مہمان بھی آئے ہوئے ہیں اور پھر جب ناہید اسے اس کمرے میں لے گئی۔ جسے ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، تو وہاں دو افراد کو دیکھ کر شہروز ششدر رہ گیا۔ وہ عائشہ اور فیروز شاہ تھے۔

فیروز شاہ کا چہرہ ستا ہوا تھا اور کچھ بیمار بیمار سا نظر آ رہا تھا۔ بہت مضمحل اور نڈھال، لیکن ان لوگوں کا یہاں پہنچ جانا شہروز کے لیے بہت حیران کن تھا۔ تاہم وہ بڑے تپاک سے فیروز شاہ سے ملا۔ فیروز شاہ نے بھی اس سے محبت کا اظہار کیا تھا۔

''اگر تم مجھ سے کوئی شکایت کرنا چاہتے ہو فیروز شاہ تو اپنی شکایت سے پہلے میری بات سن لو، اس کے بعد خود فیصلہ کر لینا۔''

''نہیں میں آپ سے کوئی شکایت نہیں کرنا چاہتا، بلکہ شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔'' فیروز شاہ نے کہا۔

''میں صرف اس لیے تمہارے پاس پہنچا۔ فیروز شاہ کہ کہیں تم اپنی معصومیت میں میری آمد کو کوئی غلط رنگ نہ دے دو۔'' فیروز شاہ نے اسے نگاہیں اُٹھا کر دیکھا اور بولا۔

''بس اس سلسلے میں ایک ہی بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا؟''

''میں شاید بہت ہی بُرے انسان کا بیٹا ہونے کے ناطے اس قابل نہیں ہوں کہ میری سچائیوں پر یقین کیا جا سکے۔''

شہروز عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ اس نے چند لمحے خاموشی اختیار کرنے کے بعد کہا۔

''فیروز شاہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اگر تمہاری شخصیت میں کوئی کمی ہے یا تم اسے محسوس کرتے ہو تو میں آرزو کرتا ہوں کہ تم خلوص دل سے مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھو، تاکہ میں بھی تمہاری شخصیت میں داخل ہو جاؤں۔ جہاں تک تمہاری ذات کا تعلق ہے فیروز شاہ شاید تم اس بات پر یقین نہ کر سکو کہ میں نے تمہیں بالکل مختلف انداز میں دیکھا ہے اور تم اس قدر اپنے اپنے مجھے لگتے ہو کہ میرے الفاظ خود مجھے جھوٹ محسوس ہوں۔'' فیروز شاہ کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے نمی آئی تھی لیکن وہ ان آنسوؤں کو پی گیا، اس نے کہا۔

''تو پھر آپ نے میری خبر کیوں نہیں لی۔''

''صرف اس احساس کے تحت کہ کہیں تم یہ محسوس نہ کرو کہ میں تمہیں شرمندہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''نہیں قصور میرا نہیں تھا۔ میں اپنے باپ کی کسی کاوش میں شریک نہیں تھا۔ وہ اپنے قول و فعل کے خود ذمہ دار ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا میرے علم سے باہر تھا۔ یہ میری ماں ہیں، لیکن اب میں انہیں ماں نہیں آنٹی کہتا ہوں۔ ان کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ میں بھی جانتا ہوں اور آپ بھی۔ اصل میں بڑے بھائی کی حیثیت سے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔ جہاں تک میرے باپ کا سوال ہے تو خدا نے اسے اپنی بارگاہ میں طلب کر لیا ہے۔ وہ رسی تنگ ہو گئی ہے جو اپنی حد تک دراز تھی۔ چنانچہ میں برائی سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ شاید میری تقدیر میں نافرمان بیٹا لکھا ہوا بھی تھا لیکن بہر حال میں ایک ایسے شخص کی فرمانبرداری نہیں کر سکتا، جس کے وجود سے لاکھوں آہیں اور سسکیاں چمٹی ہوئی ہوں۔''

شہروز متاثر نگاہوں سے فیروز شاہ کو دیکھ رہا تھا، اس نے کہا۔

''اور فیروز شاہ، اب جبکہ تم نے مجھے اتنا بڑا اعزاز دے دیا ہے کہ تم مجھے اپنا بڑا بھائی کہہ سکتے ہو، تو پھر مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ میں اپنی بساط کے مطابق تمہاری رہنمائی کروں۔''

''میں اس کا خواہشمند ہوں جناب۔'' اس نے کہا۔

''تو پھر فیروز شاہ تمہارے شانوں پر ایک ذمہ داری آپڑی ہے اور تم پوری دیانت داری سے اس ذمہ داری کو پورا کرو گے۔''

''کیا مجھے بتائیے جناب۔''

''زخموں سے چور چور بستی کا علاج کرو۔ یہی تمہاری ذمہ داری ہے۔ تمہیں ہر اس شخص کی شکایت دور کر دینی چاہیے جو بہرام شاہ سے نقصان اُٹھا چکا ہے۔ اس کے سوا تم کچھ اور نہیں کر سکتے۔ جہاں تک بہرام شاہ کا تعلق ہے تو معاف کرنا فیروز شاہ انہوں نے اتنے سنگین جرم کیے ہیں کہ ان کی زندگی ممکن نہیں ہے۔ بات میری حد تک نہیں یا کسی حد تک نہیں ہے۔ جتنے افراد کے وہ مجرم ہیں چاہے وہ زندہ ہوں یا مردہ وہ انصاف چاہتے ہیں اور مجھے معاف کرنا فیروز شاہ کسی بھی بنیاد پر میں مجرموں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کر سکتا۔''

☆......☆......☆

فیروز شاہ کو کافی دیر سمجھانے کے بعد شہروز مطمئن ہو گیا، کیونکہ فیروز شاہ کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آ رہے تھے۔ بہر حال ان لوگوں کو خاطر مدارات کے ساتھ رخصت کیا گیا۔ پھر ناہید اور اس کے والد شہروز کے ساتھ بیٹھے کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے تھے۔

بہرام شاہ کا مقدمہ مضبوط بنیادوں پر چل رہا تھا اور حالات بتا رہے تھے کہ اب اسے بچانے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ مجرم کو جرم کی سزا ملتی ہی ہے۔ لاتعداد گواہیاں تھیں، بیانات تھے۔ وہ لوگ تھے جنہیں نقصان پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ اب قانون اتنا بھی بے رحم نہیں ہو سکتا تھا کہ مجرم کو سزا دینے میں گریز کرے۔ بہر حال یہ معاملہ قانون کے حوالے تھا اور فیصلہ غیر متوقع نہیں تھا۔ کافی دن اسی طرح گزر گئے۔ پھر ایک دن انہیں فیروز شاہ کا پیغام ملا۔ اس نے ناہید اور اس کے اہل خانہ کو شاہ گڑھی میں دعوت دی تھی۔

''جانا پڑے گا اور جانا بھی چاہیے۔'' شہروز نے ناہید سے کہا۔

''ہاں کیا حرج ہے۔''

بہر حال جب یہ لوگ شاہ گڑھی پہنچے تو شہروز نے مسکراتے ہوئے اپنی گاڑی کا رخ ڈسپنسری کی طرف کر دیا۔ ڈاکٹر جمشید اس میں موجود تھا۔ ڈسپنسری کی صورت ہی بدل گئی تھی۔ اندر داخل ہوئے یہ لوگ تو ڈاکٹر جمشید جیپ کو پہچان گیا اور دوڑتا ہوا قریب آ گیا، اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس جیپ کو بار بار میرے سامنے لا کر میری رال نہ ٹپکایا کریں جناب، شہروز صاحب حالانکہ اب میری بھی جیپ ٹھیک ہو گئی ہے۔ انجن ہی بدلوا لیا ہے گاڑی کا۔ اب ٹھیک ہے، لیکن اس جیپ کی کیا بات ہے۔''

''اور ڈسپنسری کی بھی کیا بات ہے۔''

''ہاں...... فیروز شاہ صاحب نے مجھے سچ مچ ڈاکٹر بنا دیا ہے اور اب یاد کرنا پڑ رہا ہے کہ کون سے مرض کے لیے کون سی دوا کام آتی ہے۔ میں تو سب کچھ بھول ہی گیا تھا۔ ویسے کچھ نیا عملہ بھی آ گیا ہے۔ یہ بھی فیروز شاہ کی سفارش پر ہوا ہے اور آپ اندر سے دیکھیں بڑے بستر وستر لگوا دیے گئے ہیں بھئی۔ دوائیں بھی موجود ہیں۔''

شہروز، ناہید اور ناہید کے والد صاحب نے ڈسپنسری کا معائنہ کیا، پھر اس کے بعد فیروز شاہ کی پکی حویلی کی جانب چل پڑے، لیکن راستے سے گزرتے ہوئے شہروز نے کچی حویلی کا وہ ملبہ دیکھا جو ڈھیر کی شکل میں وہاں پڑا ہوا تھا۔ کچی حویلی مسمار کرا دی گئی تھی اور اب اس کا نام و نشان ہی نہیں تھا۔ ناہید نے متاثر لہجے میں کہا۔

''واقعی یہ مثال یہاں پوری ہوتی ہے کہ شیطان کے گھر ولی پیدا ہو جاتا ہے اور ولی کے گھر شیطان۔''

فیروز شاہ نے ان کا بڑا پر جوش خیر مقدم کیا تھا۔ حیدر علی، صفدر علی اور حمیرا اب اسی پکی حویلی میں رہتے تھے اور خاصی بہتر زندگی گزار رہے تھے۔ بہر حال یہ ہوا تھا اس کیس کا انجام۔ جہاں تک بہرام شاہ کا تعلق تھا تو اس کا انجام سب کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ البتہ

فیضان ایک دن شہروز کے پاس پہنچا، اس کے ہاتھوں میں مٹھائی کا ایک چھوٹا ڈبہ تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ایک شریف آدمی ممنوعیت کے طور پر بس یہ ہی پیش کر سکتا ہے۔ شہروز صاحب آپ نے ہمیں ہمارا منصب واپس دلا دیا اور جانے کس کس کی دعائیں حاصل کی ہیں آپ نے۔''

''میں تو خود تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے میری توجہ ایک ایسے مسئلے کی طرف کرائی جو میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔'' شہروز نے جواب دیا۔

☆......☆......☆

اس میں کوئی شک نہیں کہ کارواں گروپ نے ایک عجیب شکل اختیار کر لی تھی۔ ہر شخص اپنے طور پر آزاد زندگی گزارتا تھا۔ ایک طرف شہروز اور ناہید اپنا کام کر رہے تھے تو دوسری طرف زبیر شاہ اور شازیہ نے بھی خوب دھوم مچا دی تھی۔ شازیہ نے قانون کی تعلیم تو پہلے ہی حاصل کر لی تھی۔ اب زبیر شاہ کے مشورے پر وہ ایک بہت ہی نفیس وکیل محمود علی کے ساتھ پریکٹس بھی کرنے لگی تھی، جو بہت ہی اچھے انسان تھے۔ لاولد تھے۔ اس لیے انہوں نے شازیہ کو اپنی بیٹی بنا لیا تھا اور شازیہ نے انہی کے ساتھ رہنا بھی شروع کر دیا تھا۔

دوسری طرف زبیر شاہ کو بھی شہروز کی طرح انسپکٹر کا عہدہ ملا ہوا تھا اور وہ شیر جنگ کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ ڈی آئی جی نیاز بیگ اس کی بھی سرپرستی کر رہے تھے۔

اس دن بھی شازیہ نے زبیر شاہ کو ایک اخبار میں چھپی ہوئی خبر دکھاتے ہوئے کہا۔

''یہ دیکھئے ایک واردات۔'' شازیہ نے کہا اور اخبار زبیر شاہ کی جانب بڑھا دیا۔ ایک لاش کی تصویر چھپی ہوئی تھی۔ جس کا چہرہ خصوصی طور پر نمایاں کیا گیا تھا۔ زبیر شاہ خبر پڑھنے لگا۔ اس خبر میں بند روڈ کے علاقے میں ایک لاش کی تفصیلات بتائی گئی تھیں اور یہ درخواست کی گئی تھی کہ اگر یہ چہرہ کسی شناسا کا ہو تو پولیس کو اطلاع دی جائے۔

''یہ کل کا اخبار ہے۔'' شازیہ نے دوسرا اخبار نکال کر زبیر شاہ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ اس اخبار میں بھی اسی چہرے کی تصویر چھپی ہوئی تھی۔ جو خون میں ڈوبا ہوا اور بے نور نظر آ رہا تھا لیکن خدوخال دلکش تھے۔ لڑکی کی تصویر کے نیچے تفصیلات لکھی ہوئی تھیں۔ بندر روڈ پر ایک سپاہی جمال خان اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا کہ اسے کچھ انوکھے واقعات درپیش آئے اور جب وہ دریا سے نکل کر واپس اپنی جگہ آیا تو خون کے دھبوں کے سوا اسے کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ اس کے بعد وہ تھانے پہنچا اور اس نے یہ رپورٹ دی۔ تھانہ انچارج جب موبائل پر وہاں پہنچا تو اس نے صورت حال کا جائزہ لیا اور تیز روشنیوں میں نشانات تلاش کیے اور اسے احساس ہوا کہ جو بھی زخمی ہوا ہے، اسے گھسیٹ کر کچھ فاصلے پر لے جایا گیا ہے اور پھر غالباً اسے دریا میں پھینک دیا گیا۔

دریا میں چونکہ بہت زیادہ پانی نہیں تھا اور اس کی روانی بھی سست تھی۔ اس لیے پولیس کے غوطہ خوروں نے کوشش کر کے لڑکی کی لاش دریا سے نکال لی ہے اور اس کے بعد اسے پولیس ہسپتال لے جایا گیا ہے۔ ضروری کارروائیوں کے بعد وہ تصویر شائع کی گئی تھی، لیکن

آج دوسرا دن تھا اور پولیس کو لڑکی کے ورثاء کا پتا نہیں چل سکا تھا۔ زبیر شاہ نے ایک گہری سانس لی اور آہستہ سے بولا۔

''اتفاق ہے کہ میری نگاہ اس خبر پر نہیں پڑی۔''

''ہاں......لیکن کیا یہ قابل توجہ نہیں ہے۔''

''ایک انسان کی موت بھلا قابل توجہ کیوں نہیں ہوگی۔'' زبیر شاہ نے کہا۔

''پتا نہیں کون لڑکی ہے بے چاری اور وہ کون لوگ تھے۔''

''میں بھی یہ ہی کہہ رہی تھی۔''

''ٹھیک ہے۔ بہرحال ذمہ داری تو ہر شخص کی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تھانہ انچارج نے اس سلسلے میں کچھ اور اہم معلومات حاصل کرلی ہوں۔''

''تو پھر کیا خیال ہے۔''

''تھانہ انچارج سے ملنا پڑے گا۔'' زبیر شاہ نے کہا اور شازیہ پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔

بندر روڈ کے علاقے کے تھانہ انچارج حیدر شاہ نے زبیر شاہ کا پرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔ اب زبیر شاہ اپنے حلقوں میں ناشناسا نہیں تھا۔ تھانہ انچارج نے اسے احترام کے ساتھ اپنی کرسی پر بٹھایا اور کہنے لگا۔

''میرے لیے کوئی حکم ہے جناب۔''

''ہاں حیدر شاہ صاحب اصل میں اخبار کی ایک خبر نے مجھے متوجہ کیا ہے۔''

''لڑکی کی لاش کا معاملہ ہے۔''

''ہاں۔''

''میں آپ کو تمام فائل پیش کرتا ہوں۔'' حیدر شاہ نے کہا اور پھر ساری تفصیل زبیر شاہ کے سامنے لا کر رکھ دی۔ کانسٹیبل جمال خان کا بیان درج تھا۔ جسے زبیر شاہ نے غور سے پڑھا۔ جمال خان کے بیان میں وہ کار اور اس سے اُترنے والوں کی تفصیل درج تھی۔ بہرحال کانسٹیبل نے جو کیا وہ بے چارہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ زبیر شاہ نے حیدر شاہ سے کہا۔

''ابھی تک اس سلسلے میں کسی نے کوئی رابطہ نہیں قائم کیا ہے۔''

''نہیں جناب! کسی نے بھی نہیں۔'' جمال شاہ نے جواب دیا۔

''ہونہہ......لڑکی کے ورثاء کا کچھ پتا چل جائے تو شاید بات بنے، ویسے تمہارا اپنا کیا خیال ہے۔'' حیدر شاہ نے اس بارے میں پوچھا۔

''سر اصل میں جمال شاہ بے چارہ بہت عمر رسیدہ سپاہی ہے۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ ریٹائرڈ ہونے کے قریب ہے۔ سب سے بڑی غلطی اس سے یہ ہوئی کہ وہ کار کا نمبر نہیں دیکھ سکا۔''

''میکر اور ماڈل۔''

''نہیں جناب، بہت ہی سیدھا سادھا آدمی ہے۔''

''ہونہہ......'' زبیر شاہ نے گہری سانس لی، پھر وہ اپنی جگہ سے اُٹھنے ہی والا تھا کہ دفعتاً ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور حیدر شاہ نے ایک لمحے کے لیے معذرت کر کے ٹیلی فون کا ریسیور اُٹھا لیا اور بولا۔

''ہیلو۔''

''کون صاحب بول رہے ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''تم کس سے بات کرنا چاہتے ہو۔''

''کیا یہ بندر روڈ کا تھانہ ہے۔''

''ہاں۔''

''میں انچارج صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں انچارج بول رہا ہوں۔''

''صاحب ایک اطلاع دینا چاہتے ہیں ہم آپ کو۔''

''ہاں......کہو۔''

''اخبار میں جو تصویر دو دن سے چھپ رہی ہے، اس کے بارے میں۔''

''اچھا۔ کیا اطلاع ہے، اخبار میں چھپنے والی تصویر کے بارے میں۔'' حیدر شاہ نے پوچھا تو زبیر بھی اُٹھتے اُٹھتے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

''صاحب ہم اس لڑکی کو جانتے ہیں۔''

''گڈ......کیا نام ہے تمہارا۔''

''چھوڑو صاحب! ہمارا نام چھوڑ دو۔ اپنے مطلب کی بات کرو۔''

''خیر......خیر......کیا نام ہے اس لڑکی کا۔''

''توشابہ نام ہے صاحب۔''

''اور کیا جانتے ہو اس کے بارے میں۔''

''اس کے گھر کا پتہ بتا سکتے ہو۔''

''ہاں......بتا سکتا ہوں۔''

''بتاؤ'' حیدر شاہ نے جلدی سے پیڈ اور قلم نکال کر اپنے سامنے رکھ لیا۔ دوسری طرف سے پتہ بتایا گیا تھا، پھر حیدر شاہ نے کہا۔

''دیکھو...... تم نے ایک نیک کام کیا ہے۔ پولیس کی مدد کرنا تو ہر شہری کا فرض ہے اور تم نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ ہم فرض ادا کرنے والوں کو نقصان نہیں پہنچاتے۔''

''رہنے دیں صاحب جی! یہ بات نہ کریں آپ تو اچھا ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کیوں۔''

''صاحب پولیس کی کارکردگی کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں، اسے ایک گردن چاہیے ہوتی ہے پھندا ڈالنے کے لیے، وہ گردن کس کی ہے، اس سے اسے کوئی غرض نہیں ہوتی۔''

''بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہو، اچھا صرف یہ بتا دو کہ لڑکی کے ماں، باپ وغیرہ زندہ ہیں۔''

''سب زندہ ہیں صاحب، اپنے کیے کا پھل ہر شخص پاتا ہے۔ اچھا خدا حافظ۔'' دوسری طرف سے فون بند ہو گیا اور حیدر شاہ ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا۔ پھر اس نے زبیر شاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ آپ کے قدموں کی برکت ہے صاحب کہ جس سلسلے میں آپ معلومات حاصل کرنے کے لیے تشریف لائے اس سلسلے کے بقیہ معاملات سامنے آنے لگے۔''

''ہاں...... میں کچھ محسوس تو کر رہا تھا کہ بات اسی سلسلے میں ہے، لیکن کیا بات ہوئی مجھے بتاؤ۔'' اور جواب میں حیدر شاہ نے ساری تفصیل زبیر شاہ کو بتا دی۔

''خیر چلو بات آگے بڑھی۔ اب میرا خیال ہے ہمیں اس سلسلے میں معلومات حاصل کر لینی چاہیے۔''

''جی صاحب۔''

''تو پھر چلو۔''

''میں تیار ہو جاتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' زبیر شاہ بولا اور اس کے بعد حیدر شاہ تیار ہو گیا۔ اس نے دو کانسٹیبل اپنے ساتھ لیے اور زبیر شاہ اپنی کار میں چل پڑا۔ پولیس جیپ اور زبیر شاہ کی کار مختلف راستے طے کرتی ہوئی چلتی رہی۔ پھر وہ ایک پسماندہ سی بستی میں داخل ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد ایک مکان کے سامنے جا رکی۔ مکان بظاہر اچھی حیثیت کا حامل نہیں تھا اور پسماندہ علاقے کے لوگ پولیس کی جیپ کو دیکھ کر عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئے تھے۔ قرب و جوار میں کوئی نہیں پھٹکا تھا اور سب فاصلے اختیار کر گئے تھے۔

بہرحال حیدر شاہ اور زبیر شاہ گھر کے دروازے پر پہنچے۔ دستک دی تو ایک اٹھارہ، انیس سال کے لڑکے نے دروازہ کھولا۔ اچھی شکل و صورت کا مالک تھا۔ اچھا لباس پہنے ہوئے تھا۔ پولیس آفیسر کی وردی دیکھ کر وہ ایک دم چونک سا گیا اور پھر پریشان لہجے میں بولا۔

''جی صاحب۔''

''نورالٰہی صاحب یہیں رہتے ہیں۔''

''جی یہ انہی کا گھر ہے۔''

''میرا نام شاہد علی ہے اور میں نورالٰہی صاحب کا بیٹا ہوں۔''

''ہونہہ...... مجھے نورالٰہی صاحب سے ملنا ہے۔''

''جی صاحب میں خبر کیے دیتا ہوں۔'' لڑکا اندر کی طرف دوڑا اور پھر ایک عمر رسیدہ شخص اور ایک نوجوان باہر نکل آیا، جس کی عمر چوبیس، پچیس سال کے قریب ہوگی، وہ پریشان نظر آرہے تھے۔ خاص طور سے بوڑھے شخص کا چہرہ تو بالکل ہی ہونق بنا ہوا تھا۔

''کک...... کیا ہوا، کیا بات ہے۔''

''تمہارا نام نورالٰہی ہے۔''

''جی صاحب۔''

''اندر چلو۔ تم سے کوئی بات کرنی ہے۔'' حیدر شاہ نے افسرانہ شان سے کہا اور خود اندر داخل ہوگیا۔ باہر لوگ اب بھی متجس انداز میں اس گھر کی جانب دیکھ رہے تھے۔ حیدر شاہ اور زبیر شاہ اندر داخل ہوئے۔ گھر کی حالت باہر سے خاصی بوسیدہ نظر آرہی تھی لیکن اندر سے صورت حال خاصی بہتر تھی۔ گھر بے شک چھوٹا سا تھا لیکن ہر طرح کی چیزوں سے آراستہ۔ صاف محسوس ہوتا تھا کہ اس گھر کی آراستگی فوری طور پر ہوئی ہے۔ ڈیپ فریزر، ٹیلی ویژن، چھت پر لگی ہوئی ڈش اور تمام چیزیں اس بات کی نشاندہی کر رہی تھیں کہ گھر والے باہر سے بوسیدہ اور اندر سے مضبوط ہیں لیکن یا تو ان کے اندر سلیقہ نہیں ہے یا پھر دولت ان کے پاس نئی نئی کہیں سے آئی ہے۔ بہرحال وہ سب بری طرح پریشان تھے۔ زبیر شاہ نے پورے گھر کے ماحول کا جائزہ لیا، اسی وقت حیدر شاہ نے کہا۔

''سر باقی سوالات آپ کریں۔''

''ہاں...... ٹھیک ہے۔''

''نورالٰہی صاحب یہ دونوں بچے آپ کے ہیں۔''

''ہاں...... یہ شاہد علی اور یہ فرید علی۔''

''ٹھیک کتنے بچے ہیں آپ کے۔'' زبیر شاہ نے سوال کیا۔ نورالٰہی صاحب کی آنکھوں میں نمی آگئی۔

''دو...... دو...... دو بس۔''

''وہ جی وہ۔'' نورالٰہی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

''نورالٰہی صاحب آپ جانتے ہیں کہ پولیس سے جھوٹ بولنے کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔''

''نن......نہیں......جج......جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں......مم......مم میرے تین بچے ہیں۔''

''دو......یہ اور ایک۔''

''وہ کہاں ہے۔'' زبیر شاہ نے سوال کیا اور نور الٰہی صاحب نے گردن جھکالی۔

''نور الٰہی صاحب جواب نہیں دیں گے آپ۔'' لیکن جواب دینے کی بجائے نور الٰہی صاحب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اندر سے کسی عورت کے رونے کی آواز ابھری۔ اور زبیر شاہ نے افسردگی سے گردن ہلائی۔

''نور الٰہی صاحب۔ حقیقتیں کبھی چھپائی نہیں جاسکتیں۔ یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''خدا مجھے غارت کردے۔ خدا مجھے فنا کردے، بہت موت مانگی ہے اپنے لیے، لیکن میں تو موت کے قابل بھی نہیں ہوں۔ مجھے تو میرے مانگنے پر موت بھی نہیں ملتی۔'' نور الٰہی نے روتے ہوئے کہا۔

''اپنے آپ کو سنبھالیئے اور مجھے حقیقت بتایئے۔ سب سے پہلے بات یہ ہے کہ کیا یہ بات آپ کے علم میں آچکی ہے......تم...... لڑکے تم جواب دو۔'' زبیر شاہ نے فرید علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی سر! ہمارے علم میں آچکی ہے۔''

''کیا بات ہے۔''

''یہی کہ نوشابہ......نوشابہ......نوشابہ۔'' لڑکے کی آواز بھی رندھ گئی۔

''اور اخبار میں تم نے اس کی تصویر دیکھی۔''

''جی صاحب۔''

''خبر بھی دیکھی۔''

''جی۔''

''اس کے باوجود تم نے پولیس کو اطلاع نہیں دی۔'' لڑکے نے خاموش ہو کر نظریں جھکالیں۔

''نظریں جھکانے سے کام نہیں چلے گا مسٹر، تم لوگ کیا یہ سب مذاق سمجھ رہے ہو۔ میں ابھی تم تینوں کو تھانے لے جاؤں گا۔ الٹا لٹکا کر ماروں گا، اس کے بعد تم ساری حقیقتیں اگل دو گے۔ سمجھ رہے ہو تم۔'' زبیر شاہ کا لہجہ انتہائی سخت ہو گیا تھا۔ اسے غصہ آگیا تھا۔ نور الٰہی نے نظریں اُٹھا کر کہا۔

''صاحب میں آپ کو سب کچھ بتاتا ہوں۔ آپ سن لیجیے مجھ سے اور پھر آپ کا جو جی چاہے کریں ہمارے ساتھ ہم تو ویسے ہی زندہ گور ہیں۔''

''ہاں......بالکل تفصیل سے بتایئے آپ۔''

''وہ میری بیٹی تھی۔''

''جی آگے۔''

''بس یوں سمجھ لیجیے کہ ہمارے معاشرے میں جو برائیاں پھیلی ہوئی ہیں میرا گھر بھی ان برائیوں کا شکار ہو گیا۔ میں ایک دفتر میں ملازمت کرتا تھا۔ معمولی سی زندگی گزار رہا تھا۔ میں اس زندگی میں گھر کا کھانا، پینا، تن ڈھکنے کے کپڑے اور زیادہ سے زیادہ جو تیر مار سکتا تھا وہ یہ تھا کہ ان بچوں کو بڑی تھوڑی تعلیم دلوائی تھی۔ نوشابہ نے بھی انٹر کر لیا تھا لیکن اس کے بعد میرے پاس لڑکی کو پڑھانے کے لیے کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ یہ ہی کیفیت ان لڑکوں کی بھی ہے۔ بڑا بیٹا بی اے کر چکا ہے اور چھوٹا ابھی سیکنڈ ائیر میں ہے۔ نوشابہ چھوٹے سے بڑی اور بڑے سے چھوٹی تھی۔''

''جی۔''

''صاحب اس کے بعد میرا مسئلہ، میرا مطلب ہے میری نوکری ختم ہو گئی اور ہمارے گھر میں پریشانیوں کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ صاحب میرے دونوں بچے نکمے نہیں ہیں۔ یہ میں جانتا ہوں، یہ بے چارے نوکری کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ کئی سال گزر گئے ہیں۔ صاحب گھر کی جو حالت تھی میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ بڑی بری حالت ہو گئی تھی۔ ہمارے گھر کی بری حالت ہو گئی تھی۔ یوں سمجھ لیجیے کہ فاقوں تک نوبت پہنچ گئی تھی۔''

لڑکے صبح سے نکل کر شام کو واپس آتے، ان کے چہروں پر مایوسی کے سوا کچھ نہیں ہوتا، لیکن نوشابہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور اس نے کہا کہ اب میں اس گھر کو سنبھالوں گی، یہ نکموں کا گھر ہے اور کوئی یہاں کچھ نہیں کر سکتا۔ صاحب بات اصل میں یہ ہے کہ ماں، باپ بھی اولاد پر اس وقت تک حق رکھ سکتے ہیں جب تک وہ اولاد کی ضروریات پوری کر سکیں۔ جب وہ ان کی ضروریات پوری کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں اور اولاد جوان ہو کر یہ سوال کرتی ہے کہ اب ہم کیا کریں۔ تو ماں، باپ کی یہ ہمت نہیں ہوتی کہ اولاد کو اس کے کسی قدم سے روکے۔ یہ ہی کیفیت میری تھی۔

گھر کی جو حالت تھی وہ واقعی اتنی خراب تھی کہ اس کے بعد کہنے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ نوشابہ گھر سے باہر نکلی اور نوکری تلاش کرنے لگی۔ تقریباً پندرہ یا بیس دن تک وہ بھٹکتی رہی۔ وہ ایک جنونی لڑکی تھی اور جب کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیتی تھی تو اندھی ہو جاتی تھی۔ یہ بچپن ہی سے اس کی عادت تھی، میں آپ کو اس کے بچپن کے حالات و واقعات سناؤں تو آپ حیران رہ جائیں۔''

''آپ بچپن کے واقعات بالکل نہ سنائیں اور صرف وہ واقعات سنائیں جن کا تعلق نوشابہ کی موت سے ہے۔'' زبیر شاہ نے اب کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔ نور الٰہی کا لہجہ انتہائی دلگداز تھا۔ زبیر شاہ اس سے بہت متاثر تھا لیکن بہر حال ایک گھرانہ اس کے سامنے تھا۔ جو کچھ نور الٰہی کہہ رہا تھا۔ وہ ایسی حقیقتیں تھیں جن کی تردید نہیں کی جا سکتی تھی۔ نور الٰہی نے کہا۔

''بس تھوڑے دن تک وہ ماری ماری پھرتی رہی۔ کیونکہ گھر والوں کو اس کا یہ عمل پسند نہیں تھا۔ چنانچہ وہ سبھی اس سے ناراض

تھے۔ میں بھی اس میں شامل تھا۔ ہم لوگ اس کی اس بھاگ دوڑ کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھ رہے تھے۔ ایک دن اس نے اپنی ماں کو مسرت بھرے لہجے میں بتایا کہ اسے نوکری مل گئی ہے۔ ماں نے اس سے کوئی خاص سوال نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے کام پر جانے لگی۔ صبح سے رات تک مصروف رہتی اور اس کے بعد تھکی ماندی واپس آجاتی۔ کوئی پندرہ دن کے بعد وہ ایک بڑی رقم لے کر آئی اور ہم لوگ اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔"

ماں نے اس سے سوال کیا کہ اتنی بڑی رقم کہاں سے آئی تو اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا کہ اس سے یہ سوال کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ اگر کسی نے زیادہ گڑبڑ کی تو وہ یہ گھر چھوڑ دے گی۔ بس جناب عالی ہم نے خاموشی اختیار کر لی۔ آپ کچھ بھی کہہ لیں انسان پتا نہیں کب بے غیرت ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس نے گھر کا حلیہ بدل دیا۔ آج جو کچھ یہ دیکھ رہے ہیں اس گھر میں یہ سب کچھ اسی کا لایا ہوا ہے۔ بھائی الگ اس سے گریزاں تھے۔ میں اور اس کی ماں بھی اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ کسی کی پروا کیے بغیر اپنے کاموں میں مصروف رہتی۔

معافی چاہتا ہوں صاحب ہم نے اسے بہت برا سمجھ لیا تھا اور بارہا ایسے مواقع آئے جب ہم نے اسے وہ کچھ کہا جو ماں، باپ بھائیوں کو نہیں کہنا چاہیے تھا۔ ایسے موقع پر اس پر جنون طاری ہو جاتا تھا اور وہ یہی کہتی تھی کہ دو، دو نکھے بھائی جب ناکارہ بیٹھے رہتے ہی تو پھر بہنوں کو ہی باہر نکلنا پڑتا ہے۔

صاحب جو وہ سوال کرتی تھی اس کا ہمارے پاس کوئی جواب موجود نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ ہم اس کی کوششوں کے عادی ہو گئے۔ گھر کے حالات بہتر سے بہتر ہوتے چلے گئے اور آپ جانتے ہیں کہ جب ایسا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اپنے ہی برائیاں نکالنا شروع کر دیتے ہیں۔ میری بیٹی کو فاحشہ کہا گیا۔ محلے والوں نے اعتراضات کیے، نہ جانے کس کس نے کیا کیا کہا۔ سب سے زیادہ میرے اہل خاندان کو ہمارے بہتر حالات پر نکتہ چینی کا حق مل گیا تھا۔ سب نے ہم سے کنارہ کشی کر لی۔ اس گھر کو برا گھر قرار دے دیا گیا۔

نوشابہ کے علم میں بھی یہ تمام باتیں آچکی تھیں، وہ اس وقت تلخی سے مسکرا کر کہتی کہ ہاں ٹھیک ہے۔ تسلیم کریں آپ لوگ اس بات کو مان لیں، اسے کہ آپ کی بیٹی برے راستوں پر نکل گئی ہے۔ نہ نکلتی تو کیا کرتی تحفظ دیجیے مجھے، وعدہ کیجیے کہ ایک لڑکی کی طرح مجھے اپنے گھر میں رکھ سکیں گے۔ ایسا وعدہ کیسے کیا جا سکتا تھا۔ ہم لوگوں نے خودکشی کی دھمکیاں دیں تو اس نے کہا شوق سے مر جائیے۔ آپ لوگوں کو مر ہی جانا چاہیے، یہ حالات چل رہے تھے۔

صاحب! اور ہم برداشت کر رہے تھے لیکن ہمارے گھر میں بہت کچھ آگیا تھا۔ بس صاحب یہ ہے ہماری کہانی اور اس کے بعد ہماری بیٹی ہم سے جدا ہو گئی۔ وہ اتنا کچھ چھوڑ گئی ہے ہمارے لیے کہ خاصے عرصے ہم مشکلات سے دور رہ سکتے ہیں۔ زندگی کی قیمت چکا دی اس نے۔ پھر اخبار میں خبر پڑھی اور ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ ہمیں زندہ رہنا چاہیے یا ہم بھی اجتماعی خودکشی کر لیں۔

صاحب خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھے ہیں۔ اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ یقین نہیں آتا کہ وہ مر گئی، کیوں مر گئی۔ کس نے مار دیا

اسے کچھ نہیں معلوم، ہم بے بس اور لاچار لوگ ہیں۔ آپ بڑی خوشی سے ہمیں گرفتار کر کے لے جائیں۔ اس کے قتل کے الزام میں پھانسی چڑھادیں۔

قاتل تو ہم ہیں صاحب! سچی بات یہ ہے کہ قاتل ہم ہیں، میں اپنے بیٹے کو بھی اس کا ذمے دار قرار نہیں دیتا۔ میں ہوں اس کا قاتل، شاید وقت بھی اس کا قاتل ہے۔ حالات بھی اس کے قاتل ہیں، صاحب میں ڈرامہ نہیں بول رہا۔ ان حالات میں آپ خود مجھے بتا دیجیے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔'' نصیر شہ کے جبڑے بھینچ گئے تھے۔ وہ خاموش نگاہوں سے نور الٰہی کو دیکھ رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

''کیا راتوں کو بھی وہ گھر سے غائب رہتی تھی۔''

''زیادہ تر۔''

''سادہ لباس ہوتا تھا۔''

''سادہ ہوتا تھا لیکن میرے بڑے بیٹے نے اسے پتلون اور جیکٹ میں بھی دیکھا تھا۔''

''کب، کہاں۔'' زبیر شاہ نے بڑے بیٹے سے سوال کیا۔

''ایک بار میں بازار سے گزر رہا تھا۔ وہ ایک کار ڈرائیو کر رہی تھی۔''

''کیا اسے ڈرائیونگ آتی تھی۔''

''بالکل نہیں، لیکن وہ ایک کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ میں نے گھر آ کر سب کو بتایا تھا۔''

''کیا اس نے بھی تمہیں دیکھا تھا۔''

''نہیں اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔''

''ہوسکتا ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو کہ تم نے اسے دیکھا ہے۔''

''نہیں صاحب ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا تھا۔''

''خیر...... اچھا یہ بتاؤ وہ اکثر راتوں کو غائب رہا کرتی تھی۔''

''ہاں صاحب اکثر۔''

''آپ نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔''

''نہیں صاحب! ہم نے بس اس پر لعنت بھیجی تھی۔''

''اور اس کی کمائی کھا رہے تھے آپ۔''

''ہاں...... ہم بے غیرت اس کی کمائی کھا رہے تھے۔ اسے برا کہتے تھے اور اس کی کمائی کھاتے ہیں۔'' نور الٰہی نے روتے ہوئے کہا۔ زبیر شاہ کافی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

''اس کے سامان وغیرہ کی تلاشی لی آپ نے۔''

''نہیں ہم لوگوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔''

''میں اس کے سامان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔''

''آپ حق رکھتے ہیں اس کا۔'' نور الٰہی نے کہا اور پھر نوشابہ کی الماری کی تلاشی لی گئی۔

لباس، کاغذات، میک اَپ کا سامان اور ایسی ہی دوسری چیزیں وہاں دستیاب ہوئیں، ان لوگوں کے لیے باعث دلچسپی تھیں۔ اس میں نوشابہ کی تعلیمی رپورٹ بھی تھی اور ایک براؤن لفافہ بھی تھا۔ زبیر شاہ نے وہ براؤن لفافہ نکال کر اسے کھولا تو اس میں سے کچھ اور پراسرار کاغذات نکلے۔ ان کاغذات پر بال پوائنٹ سے نقشے بنائے گئے تھے۔ جگہوں کے نام لکھے گئے تھے۔ کوئی تحریر کسی کاغذ پر نہیں تھی۔ بس عام طور سے اسی طرح کی اوٹ پٹانگ باتیں تھیں لیکن ایک گروپ فوٹو بھی تھا۔ جسے دیکھ کر زبیر شاہ چونک پڑا۔

اس گروپ فوٹو میں کچھ ایسے پراسرار افراد نظر آ رہے تھے جو شکل وصورت سے اچھے آدمی معلوم نہیں ہوتے تھے۔ لڑکی بھی انہی کے ساتھ تھی اور وہ پتلون اور جیکٹ میں ملبوس تھی۔

''یہ ہی ہے ناں آپ کی بیٹی۔'' زبیر شاہ نے تصویر نور الٰہی صاحب کے سامنے کرتے ہوئے کہا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔

''ہاں...... یہ ہی ہے۔''

''اور یہ لوگ کون ہیں، براہ کرم غور سے دیکھ کر بتایئے۔'' نور الٰہی نے اور اس کے دونوں بیٹوں نے اس تصویر کو غور سے دیکھا، پھر نور الٰہی صاحب نے کہا۔

''کسی ایک کو بھی نہیں جانتا میں۔ ہماری زندگی میں کبھی ان سے کوئی تعلق نہیں رہا۔''

''ہوں یہ تصویر اور کاغذات میں اپنے پاس رکھ رہا ہوں۔''

''جو آپ کا دل چاہے کیجیے صاحب۔''

''اب آپ ایسا کریں کہ اس کی لاش پولیس ہسپتال سے حاصل کر کے اس کی تدفین کر دیں۔''

''آپ کو خدا کا واسطہ صاحب اس کی آخری بے حرمتی نہ کرایئے۔ جب اس کی لاش اس محلے میں آئے گی تو لوگ ایک لاش پر طرح طرح کے جملے کسیں گے۔ صاحب آپ کو خدا کا واسطہ۔''

''ٹھیک ہے آپ اجازت دیجیے کہ اسے سرکاری طور پر دفن کر دیا جائے۔''

''چلو حیدر شاہ ٹھیک ہے۔ آپ آرام کیجیے۔'' زبیر شاہ نے کہا اور کسی قدر افسردہ وہاں سے نکل آیا، حیدر شاہ نے کہا۔

''کوئی اندازہ ہوا سر۔''

''ابھی کوئی خاص نہیں۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ تمہارے پاس آ چکی ہے۔''

''ابھی نہیں سر۔''

''کیوں۔''

''وہ بس جناب ہم تو وارث ہی کی تلاش میں سرگرداں تھے۔''

''چلو پوسٹ مارٹم رپورٹ حاصل کرو۔''

پوسٹ مارٹم رپورٹ سے پتا چلا کہ لڑکی کو قتل کیا گیا ہے اور شدید اذیت کے عالم میں قتل کیا گیا ہے۔ کار سے گر کر اس کے دونوں ٹخنوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ ایک کہنی میں بھی فریکچر تھا لیکن مزید رپورٹ سے یہ معلوم ہوا کہ لڑکی بے آبرو نہیں ہوئی تھی۔ اس کی عزت و آبرو سلامت تھی۔ زبیر شاہ کو ایک بار پھر ایک عجیب سے غم کا احساس ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس بے چاری پر فاحشہ ہونے کا الزام غلط تھا۔ اب یہ اندازہ لگانے میں بھی زبیر شاہ کو کوئی دقت نہیں ہوئی تھی کہ وہ ٹیلی فون کس کا تھا۔ زبیر شاہ نے اچانک ہی اس سلسلے میں سوال کر دیا۔

''لیکن وہ نشاندہی کس نے کی تھی۔''

''عام سی بات ہے کسی رشتے دار یا پڑوسی نے تصویر دیکھی ہو گی اور کم از کم اس گھر کو بدنام کرنے کے لیے پولیس کو ٹیلی فون کر دیا ہو گا۔''

حیدر شاہ نے اس بات سے اتفاق کر لیا تھا۔ بہر حال یہ تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد زبیر شاہ، حیدر شاہ سے رخصت ہو گیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ اس سلسلے میں اگر کوئی اہم معلومات حاصل ہوئیں تو وہ حیدر شاہ کو اس کے بارے میں معلومات دے گا۔ زبیر شاہ نے مغموم انداز میں گردن ہلا دی تھی۔ بہر حال پولیس والے بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی اسے غم آلود واقعات پیش آ جاتے ہیں کہ خود کے دلوں پر بھی اثر ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

زبیر شاہ خاصے وقت تک سر کھپاتا رہا تھا اور کافی محنت کے ساتھ کام کرتا رہا تھا اور کام کچھ ایسا تھا کہ اس میں شازیہ کو شریک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ شازیہ سے ملاقاتیں بے شک ہوتی تھیں۔ زبیر شاہ نے اسے ابتدائی تفصیل بتا دی تھی اور شازیہ کے اس سوال پر کہ اب اس سلسلے میں وہ کیا کرے گا۔ تو زبیر شاہ نے کہا تھا۔

''نہیں شازیہ حتمی طور پر تو بھلا کیسے کچھ کہا جا سکتا ہے۔ تم خود سمجھ دار ہو۔ ایسی باتیں آسانی سے تو نہیں کہی جا سکتیں، وقت اور حالات کا جائزہ لینا ہوتا ہے۔ دیکھنا پڑے گا کہ کیا صورت حال ہے، لیکن اس تصویر سے مجھے خاصی مدد ملے گی۔'' اور اس کے بعد زبیر شاہ ان کاغذوں پر بنے ہوئے نقشوں میں کھو گیا تھا۔ بہت ساری اہم باتیں معلوم کی تھیں اس نے۔ پھر اپنے اندازے کے مطابق اس نے ایک جگہ کا انتخاب کیا۔

یہ ایک ہوٹل تھا اور بندرگاہ کے علاقے میں تھا۔ بہت ساری اہم باتیں معلوم کی تھیں۔ اور وہ باتیں یہ تھیں کہ وہ منشیات کا اڈہ تھا اور وہاں منشیات کے خواہشمندوں کو خاص طریقے سے منشیات حاصل ہو جاتی تھی۔ ہوٹل کا کوئی نام نہیں تھا۔ بس اس کے بورڈ پر ہوٹل ہی کا نام

لکھا ہوا تھا۔ زبیر شاہ نے اسی جگہ کی طرف رخ کیا اور پھر وہ وہاں پہنچ گیا۔ اس ماحول میں کچھ عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ بہت کم لوگ وہاں موجود تھے۔ کاؤنٹر پر ایک خوفناک سی شکل کا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ جس کی آنکھیں الوؤں کی طرح گول گول اور شکل کچھ عجیب سی تھی۔

زبیر شاہ کو یہاں کا ماحول خاصا پر اسرار لگا تھا اور اس پر اسرار ماحول میں وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ زیادہ تر یہاں کا رخ کرنے والے شناسا لوگ ہی ہوتے ہیں۔ ہوٹل کا فرنیچر اچھا خاصا تھا۔ ویسے بھی بڑی قیمتی جگہ پر بنا ہوا تھا وہ لیکن جتنی دیر زبیر شاہ وہاں بیٹھا اس نے دیکھا کہ ہوٹل میں معمولی طریقے سے چائے وغیرہ ہی فروخت ہوئی ہے اور اس فروخت سے ہوٹل کی کوئی خاص آمدنی نہیں ہے۔ زبیر شاہ کو یہ سب کچھ عجیب سا معلوم ہوا اور اس وقت اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ جب ایک شخص اس کے پاس پہنچ گیا۔

''صاحب آپ بہت دیر سے یہاں بیٹھے ہوئے ہو۔ زیادہ دیر ہوٹل میں بیٹھنا منع ہے۔''

''کیوں۔'' زبیر شاہ نے سوال کیا۔

''صاحب ہمارے اور بھی گاہک آتے ہیں۔''

''تو میں بھی تمہارا گاہک ہی ہوں۔''

''آپ مالک کو جواب دے دو۔ صاحب مالک آپ کو ملنا چاہتا ہے۔''

''کون ہے۔ تمہارے ہوٹل کا مالک اور کیوں مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔'' زبیر شاہ نے سوال کیا۔

''میں تو ملازم ہوں صاحب، آپ معلوم کرلو۔''

''چلو......'' زبیر شاہ نے غصیلے لہجے میں کہا اور پھر ہوٹل کے اندرونی حصے میں ایک دراز قامت شخص نے اس سے ملاقات کی، وہ عجیب سی شکل کا مالک تھا۔ اس نے کہا۔

''کہو بادشاہ...... کیسے آنا ہوا، آؤ بیٹھو۔ آ ہی گئے ہو تو ہمارے ساتھ ایک پیالی چائے ہی پی لو...... بیٹھو...... بیٹھو بادشاہ ہوا! ہم بڑے خدمت گار ہیں، تمہارے، بیٹھ جاؤ۔'' زبیر شاہ نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور اس کے بعد کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ہاں...... صاحب جی! حکم کرو، نادر بیگ تو آپ لوگوں کا غلام ہے۔''

زبیر شاہ کچھ عجیب سے انداز میں اسے دیکھنے لگا، پھر اس نے کہا۔

''نادر بیگ ہے تمہارا نام۔''

''ہاں...... صاحب جی...... خادم پکا خادم۔'' وہ بولا۔

''مجھے جانتے ہو۔'' زبیر شاہ نے سوال کیا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، پھر وہ بولا۔

''دیکھو صاحب جی اصل میں بات یہ ہے کہ ہم جب بھی کوئی کام کرتے ہیں سب سے پہلے اس کی گہرائیوں میں اُتر جاتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ سطح تک آتے ہیں اور یہی طریقہ سب سے مناسب ہوتا ہے۔''

''مطلب۔''

''مطلب جاننا چاہتے ہو؟'' اس نے کہا۔

''بتا دو تو اچھا ہوگا۔''

''تو ٹھیک ہے، بتا دیتے ہیں، نام زبیر شاہ۔ آدمی خطرناک اور اصول پرست بڑے کام کرتا ہے۔ فوٹو بھی دکھائیں تمہاری'' اس نے کہا اور ایک طرف رکھی ہوئی میز کی جانب بڑھ گیا۔ میز پر ایک فائل آدمی نے رکھی تھی۔ فائل لے کر وہ زبیر شاہ کے سامنے آ گیا۔ پھر اس نے فائل کا ایک صفحہ زبیر شاہ کے سامنے کر دیا تھا۔ باقاعدہ فارم بنا ہوا تھا۔ کونے پر زبیر شاہ کی پاسپورٹ سائز تصویر لگی ہوئی تھی اور اس کے بعد زبیر شاہ کے بارے میں تفصیلات درج تھیں۔ زبیر شاہ کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''زبردست تمہاری اس کارروائی نے مجھے متاثر کیا ہے۔''

''بات یہ ہے صاحب جی کہ ہم کام کرتے ہیں صاف ستھرا بالکل کھرا، دولت کمانے کے لیے زندگی گنوانا ضروری نہیں۔ ہم کھانے اور کھلانے والوں میں سے ہیں۔ اکیلے کھانے والے ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں۔ ارے صاحب جی! اگر روپیہ کماؤ تو بڑے خوشی سے اس میں سے ساٹھ پیسے پبلک کے لیے نکالے جا سکتے ہیں۔ ہم پورا پورا ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ادھر کوئی کالا دھندہ نہیں ہوتا۔ مطلب سمجھ رہے ہو نا۔ اگر دھندے کو کالا کیا جائے تو اس میں دودھ ملا دیا جاتا ہے۔ دودھ سفید ہوتا ہے اور پھر ہمارا دھندا سفید ہو جاتا ہے تو صاحب جی ہم نے تو ساٹھ فیصد دودھ دے دیتے ہیں۔ آپ کا آنا ذرا تعجب خیز تھا۔ کیونکہ یہ بات طے ہو گئی تھی کہ کوئی سرکاری افسر یہاں نہیں آئے گا۔ اب تم آئے تو ہمیں تمہارا ریکارڈ دیکھنا پڑا۔ پھر ہم نے سوچا کہ تم سے بات کر لی جائے۔ بلاوجہ ناک کو ہاتھ گھما کر پکڑنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔''

''ٹیکس سے تمہاری کیا مراد ہے۔''

''اوہو...... صاحب جی! اس کا مطلب ہے کہ تمہارے ریکارڈ میں ہمارا ہوٹل نہیں ہے۔''

''ہاں ایسا ہی ہے۔''

''سوری...... صاحب جی۔ سوری قصور ہمارا نہیں ہے۔ ہم تو پورا پورا کمیشن دے دیتے ہیں۔''

''ہوں ٹھیک اچھا اب تم یہ بتاؤ کہ یہاں جو کچھ کرتے ہو اس کی سربراہی کون کرتا ہے۔'' زبیر شاہ نے سوال کیا، وہ واقعی اس آدمی سے متاثر ہو گیا تھا۔''

☆......☆......☆

''تمہی لوگ صاحب جی! ہم نے تو پہلے ہی تمہیں بادشاہ کہہ کر پکارا ہے۔''

''آدمی دلچسپ معلوم ہوتے ہو۔''

''اگر تمہارا کمیشن تم تک نہیں پہنچا یا صاحب جی! تو ہمارا قصور نہیں ہے، خیر کوئی بات نہیں، ہم سے کہو۔''

''کیا مطلب۔''

''ہم خود بتائے دیتے ہیں۔'' اس نے کہا اور اس بار وہ ایک الماری کی طرف مڑ گیا تھا۔ زبیر شاہ کے دل میں ایک عجیب سی شرمندگی گھر کر رہی تھی۔ یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے اور اس کے پاس جو تفصیلات موجود ہیں، وہ واقعی حیرت ناک ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے لیکن اس وقت معاملہ ان باتوں کو سوچنے کا نہیں تھا۔ اصل کام کچھ اور تھا اور زبیر کو اس اصل کام سے دلچسپی تھی۔ وہ کسی اور الجھن میں نہیں پڑنا چاہتا تھا اور اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس شخص سے اس تصویر کے بارے میں معلومات کیسے حاصل کی جائیں۔ آدمی ٹیڑھا معلوم ہوتا تھا۔ زبیر شاہ نے ایک لمحے میں کچھ فیصلے کیے اور انتظار کرنے لگا۔ وہ شخص واپس پلٹا تو اس کے قریب پہنچ کر بولا۔

''پچاس ہزار ہیں اس وقت پچاس ہزار ہیں۔ ہم اور پر بات کر لیں گے۔ یہ ایک طرح سے ہمارا ذاتی نذرانہ سمجھو، کوئی اور مشکل ہو تو بتاؤ۔''

''ایک چھوٹا سا کام تھا تم سے نادر بیگ، اگر تم کمیشن دیتے ہو تو اصولی طور پر مجھے تم سے یہ رقم نہیں لینی چاہیے۔''

''یاری دوستی کی بات ہے، رکھ لو، صاحب سامنے نظر آنے والی دولت کو ٹھکرانا پسند نہیں ہے مجھے اور نہ ہی تمہیں پسند ہونا چاہیے۔ ارے اسی کے لیے تو سارے دھندے ہوتے ہیں۔'' زبیر شاہ ہنسنے لگا، پھر اس نے کہا۔

''تمہارا شکریہ نادر بیگ، حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ تم سے یہ رقم لیتے ہوئے مجھے افسوس ہو رہا ہے۔''

''جواب میں نادر بیگ نے قہقہہ لگایا اور بولا۔''

''جو کام کے لوگ ہوتے ہیں نا صاحب جی، وہ نادر بیگ کے یار ہوتے ہیں اور یاری بڑی چیز ہوتی ہے۔''

''نادر بیگ ایک تھوڑی سی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں میں تم سے۔''

''ہاں...... ہاں...... بولو...... اگر نادر بیگ کے بس کی بات ہوئی تو تمہیں ضرور معلومات فراہم کرے گا۔'' زبیر شاہ نے جیب سے تصویر نکالی اور نادر بیگ کے سامنے کرتا ہوا بولا۔

''ان لوگوں کے نام اور موجودہ پتہ درکار ہے مجھے۔''

''نادر بیگ نے تصویر دیکھی اور اس کے بعد اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔''

''کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو صاحب جی۔''

''نہیں۔ نادر بیگ یہ ذرا الگ قسم کی بات ہے۔''

''دیکھو صاحب جی! بات اصل میں یہ ہے کہ تم ہو پولیس والے اور بہر حال بہت بڑے لوگ ہیں، جن کے بارے میں تم معلومات حاصل کر رہے ہیں۔''

''وہ تو سب ٹھیک ہے۔ مگر جب میری اور تمہاری دوستی ہو گئی ہے، تو پھر یہ سمجھ لو کہ تمہیں میرے ہاتھوں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

''وہ تو ہم جانتے ہیں، زبان کا کھرا چہرے سے ہی نظر آ جاتا ہے۔ اصل میں یہ سادا غازی ہے، غازی سمجھ رہے ہونا، یعنی گروپ انچارج۔'' نادر بیگ نے سمور کی ٹوپی والے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا نام ہے اس کا۔''

''جگو راجہ۔؟''

''جگو راجہ۔!''

''ہاں ...... اور اگر تم اس لڑکی نوشابہ کے قتل کی تفتیش کر رہے ہو تو مت کرو، بے کار ہوگا تمہارے لیے، یہ گروپ کے ذاتی معاملات ہوتے ہیں اور ذاتی معاملات میں پولیس کی مداخلت بالکل نہیں برداشت نہیں کی جاتی، لڑکی آؤٹ ہو رہی تھی، جگو راجہ نے اسے قتل کر دیا۔''

''جگو راجہ کون ہے۔''

''غازی کا نام جگو راجہ ہے۔''

''اچھا...... اچھا اور یہ باقی۔''

''گروپ کے لوگ ہیں۔ غازی تو جگو راجہ ہی ہے۔ اصل میں ہم لوگوں کو سپلائی اسی سے ملتی ہے۔''

''اس قتل کو کیوں قتل کر دیا گیا۔''

''اس قتل کی تفتیش کر رہے ہونا۔''

''یار سمجھتے ہو نادر بیگ ساری باتیں سمجھتے ہو۔ مسئلہ اور کچھ نہیں ہے، بس صرف اتنا سا ہے کہ پولیس کو فائل بنانا پڑتا ہے۔ خانہ پری کرنا پڑتی ہے۔''

''وہ سالی شرافت کی طرف جا رہی تھی۔ حالانکہ اچھا خاصا مال مل گیا تھا اسے، لیکن دل میں شرافت جاگ اُٹھی۔ بھٹک رہی تھی، کہہ رہی تھی کہ پولیس کو ساری اطلاع دے دے گی، غازی کو غصہ آ گیا۔ سمجھایا بجھایا، مگر نہیں مانی، معمولی سے گھر کی لڑکی ہے۔''

''کیا غازی سے اس بارے میں گفتگو ہو سکتی ہے۔''

''نکل چکا ہے، وہ تو یہاں سے نکل چکا ہے۔''

''کہاں۔''

''علاقے کی طرف سے غازی یہاں زیادہ عرصے نہیں رہتا، مگر صاحب جی دیکھو یہ ساری معلومات بے کار ہیں تمہارے لیے غازی آتا جاتا رہتا ہے، گروپ کام کرتے ہیں، اور سچی بات یہ ہے کہ تم لوگ تو ہمارے دست و بازو ہو، تم لوگوں کے بغیر بھلا کوئی کام چل سکتا ہے۔''

''کہاں نادر بیگ، خانہ پری کی بات ہے۔ خانہ پری ہو جائے، کون کسی ایسے دھندے میں پڑتا ہے، جس میں نقصان ہی نقصان ہو۔''

''تو بس ٹھیک ہے، فائل بنالو۔ داخل دفتر کر دو اور چھٹی کرو اور ہاں صاحب جی اگر تمہارا کمیشن تمہیں نہ ملے تو ہمیں بتانا ہم کہیں گے کہ ایک شریف آدمی کو اس کا حصہ ضرور ملنا چاہیے۔''

''بہت بہت شکریہ نادر بیگ اور ویسے جگو راجہ کے بارے میں کچھ اور نہیں بتاؤ گے۔''

''کچھ نہیں، ہم جانتے ہوتے تو تمہیں بتاتے، بس غازی ہے، اپنا بڑا سپلائر ہے، اس وقت یہاں نہیں ملے گا تمہیں، نکل چکا ہے، کام پورے کرنے کے بعد لڑکی تو بلاوجہ ہی راستے میں آ گئی تھی۔ تو ختم کر دی گئی اور ایسا ضروری ہوتا ہے، صاحب جی! ورنہ سارا کھیل خراب ہو جائے۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ ویسے ضرورت ہوئی تو تم سے دوبارہ ملاقات کروں گا۔''

''جب بھی ضرورت ہو ہمارے پاس آ جانا ہم نے تم سے کہہ دیا کہ ہم بھی دوست بنانا پسند کرتے ہیں۔''

اس نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھایا۔ تو زبیر شاہ نے بھی اس کا ہاتھ گرمجوشی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کام کا آدمی تھا اور بہرحال تھوڑی بہت مدد ملی تھی اس سے اور ہو سکتا ہے۔ آگے چل کر وہ اور بھی کام آئے۔ ویسے زبیر شاہ نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی مناسب وقت پر ان اڈوں اور گروپوں پر بھی کام شروع کر دے گا جو وطن پاک میں اس قسم کی غلاظتیں پھیلا رہے تھے اور اس کے ساتھ وہ لوگ جوان برائیوں کے سرپرست تھے اور کمیشن کھا رہے تھے۔ زبیر شاہ کے لیے قابل نفرت تھے۔ ان لوگوں کے خلاف بھی محاذ بنانا ضروری تھا۔

زبیر شاہ یہ ہی تمام باتیں سوچتا ہوا وہاں سے باہر نکل آیا اور اس کے بعد وہ اس ہوٹل میں نہیں رکا تھا۔ البتہ اپنی کار میں بیٹھ کر جب وہ آگے بڑھا تو اس بات کا پورا پورا خیال رکھا کہ ممکن ہے اس کا تعاقب کیا جائے۔ چنانچہ وہ سڑکوں پر کار گھمانے لگا۔ نادر بیگ کی طرف سے وہ پوری طرح مطمئن نہیں تھا ہو سکتا تھا نادر بیگ اسے کسی مناسب جگہ قتل کرنے کی کوشش کرے۔

تقریباً پندرہ منٹ تک وہ سڑکوں پر گھومتا رہا۔ پھر کسی خیال کے تحت اس نے کار ایک ریستوران کے سامنے روک دی اس وقت چائے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اب اسے آگے کے پروگرام بنانے تھے۔

کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر ہی رہا تھا کہ کار کی عقبی سمت سے اسے ایک آواز سنائی دی۔

''اجازت ہو تو میں بھی اتر آؤں۔''

زبیر شاہ اچھل پڑا۔ اس نے کار کی عقبی سیٹ پر نگاہ ڈالی تو اسے سیٹ کے درمیان سے ایک شخص اوپر ابھرتا ہوا نظر آیا۔ جو چند لمحوں میں سیدھا ہو گیا تھا۔ زبیر شاہ کو اعتراف تھا کہ اس نے دوران سفر کسی کی موجودگی کو محسوس نہیں کیا تھا۔ اس شخص نے بڑی کامیابی سے خود کو کار میں پوشیدہ رکھا تھا۔ وہ اس کی صورت دیکھتا رہا۔ جلی جلی سی شکل کا ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اس سے زیادہ زبیر شاہ اس کے بارے میں کوئی

اندازہ نہیں لگا سکا۔ وہ شخص دروازہ کھول کر نیچے اُتر آیا۔ درمیانے قد اور گٹھے ہوئے بدن کا مالک تھا۔

زبیر شاہ کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ تب اس شخص نے کہا۔ ''یقیناً تمہیں میرے بارے میں حیرت ہو رہی ہوگی۔ میرے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ اپنے بارے میں سب سے پہلے الفاظ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔

''کار میں کیسے داخل ہوئے۔'' زبیر شاہ نے پوچھا۔

''تجوری توڑنے کا ماہر ہوں۔ ہر طرح کے تالے آسانی سے کھول لیتا ہوں۔''

''کار کا تالا خراب نہیں ہوا۔''

''میری ناک کاٹ کر ہاتھ پر رکھ دینا۔''

''کیا چاہتے ہو۔''

''تم سے کچھ باتیں کرنے کا خواہش مند ہوں۔''

''کیوں۔''

''ضروری ہے۔''

''آؤ۔'' زبیر شاہ نے کہا اور بے پروائی سے چلتا ہوا ریستوران میں داخل ہو گیا ویسے وہ سخت محتاط تھا۔ اس شخص نے بہرحال ایک کمال دکھایا تھا۔ جس کا زبیر شاہ نے دل میں اعتراف کیا تھا۔

ریستوران میں بہت کم لوگ تھے۔ زبیر شاہ ایک میز کی طرف بڑھ گیا پھر ایک کرسی گھسیٹ کر اس نے چاروں طرف کا جائزہ لیا اور بیٹھ گیا۔ وہ شخص کھڑا ہوا تھا۔

''بیٹھو۔'' وہ بولا۔

''شکریہ۔'' وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ''میرا نام نادر بیگ ہے۔''

''ہوں۔ کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔''

''کچھ نہیں چاہتا ہوں۔'' نادر بیگ نے کہا اور زبیر شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی انہوں نے دور سے گزرتے ہوئے ویٹر کو اشارہ کیا تھا۔ ویٹر قریب پہنچا تو اس نے نادر بیگ کی طرف دیکھا اور بولا۔

''کیا منگواؤں۔''

''چائے۔ ویسے تمہارا جو دل چاہے تم طلب کر لو۔''

نادر بیگ اپنے مخصوص انداز میں بولا اور زبیر شاہ نے ویٹر سے چائے لانے کے لیے کہہ دیا۔ نادر بیگ نے آنکھیں بند کر کے دو تین بار پیشانی مسلی اور پھر زبیر شاہ کی طرف دیکھنے لگا اور بولا۔

''تمہاری کار میں داخل ہونا میرے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ ایک ماہر نقب زن اور تجوری توڑنے والا ہوں۔ ہر طرح کے تالے بے مقصد و بے نام ہیں۔ ساری زندگی یہی جھک مارتا رہا ہوں لیکن یہ اندازہ لگایا کہ انسان اپنے آپ کو جتنا چاہے بہکا لے ملتا کچھ نہیں ہے سسرے کو۔ دو روٹی اور بدن ڈھکنے کا کپڑا چاہے وہ لاکھ روپے کا ہو۔ چاہے دو روپے کا۔ ضرورت کم بخت کی بس اتنی سی ہوتی ہے۔''

''درویشوں والی گفتگو مت کرو۔ نادر بیگ۔ پہلے یہ بتاؤ میری کار میں کیوں داخل ہوئے تھے۔''

''بتا دیتا ہوں۔ بتا دیتا ہوں۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کتے کا پلا نادر بیگ جو ہے ناں۔ اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتا ہے۔ اس کا اصول ہے کہ پہلے دوستی کرو اور دوستی نہ ہو سکے تو دشمنی کرو۔ دوستی زیادہ آسان ہوتی ہے اور اس میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ جب کہ دشمنی میں محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ تو وہ اپنے اسی قول پر عمل کرتا ہے۔ ورنہ سانپ کی طرح چالاک اور زہریلا ہے۔ میں عموماً اس کے پیچھے لگا رہتا ہوں اور اس کی کارکردگی پر نظر رکھتا ہوں۔ ویسے ان لوگوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے میرا مشن کچھ اور ہے۔ جس کے بارے میں تمہیں بتانا۔ پسند نہیں کروں گا۔ کسی بھی قیمت پر البتہ یہ سمجھ لو کہ سالار سے میری بھی دشمنی ہے۔''

''غازی کو جانتے ہو۔''

''کون ہے یہ۔''

''سپلائر۔ بہت بڑا سپلائر لیکن سربراہ نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کی جڑیں بڑی گہرائیوں میں ہوتی ہیں اور نجانے کیا کیا چکر چلائے جاتے ہیں۔ میرا ان سے بس معمولی سا چکر ہی چل گیا ہے لیکن بہرحال میں نے اپنی زندگی کا ایک مقصد بنایا ہے ان سسروں کو جہنم میں پہنچانا ہے۔ چھ آدمی جہنم رسید کر چکا ہوں۔ ان کے بھلا چھ سے کیا ہوگا۔ چھ ہزار تو ہوں۔ اپنے آپ کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا ہے اور دیکھ رہا ہوں کہ کتنا نیچے جاتا ہوں۔ خیال یہ ہے کہ ترازو کا دوسرا پلڑا اکل اوپر تک پہنچ جائے لیکن پھر بھی جتنا منافع ہو جائے اس پر میں بس کروں گا۔ زندگی تو ختم ہو جانے والی چیز ہے۔ کل نہیں تو آج، آج نہیں تو کل۔ ہوتا ہے۔ ہوتا ہے۔ ہوتا ہے لو دیکھو چائے آ گئی۔'' زبیر شاہ نے اس شخص کی شخصیت کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ وہ اطمینان سے چائے پیتا رہا۔ پھر بولا۔

''تم کس چکر میں ہو یار۔ مجھے بتاؤ۔ مجھے بتاؤ۔ میں نے تم دونوں کی گفتگو چھپ کر سنی ہے۔''

''کہاں۔''

''اس کمرے میں جس میں تم دونوں ایک دوسرے سے ملے تھے۔ تمہاری جیب میں اس وقت بیس ہزار روپے کے نوٹ بھی ہیں جو رشوت کے طور پر تمہیں پیش کیے گئے ہیں۔''

''ویری گڈ۔ واقعی کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

زبیر شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہاں۔ اگر میرے مقصد کے آدمی ہو تو شاید تمہارے لیے کام کا آدمی ہی ثابت ہوں۔ بہت طاقتور ہوں۔ بھینسے سے لڑ سکتا

ہوں۔ عقلمند زیادہ نہیں ہوں لیکن تقدیر میری مدد کرتی ہے۔ چھ بندے اُڑا چکا ہوں۔ میں ان کے مگر آرزو ہے مجھے کہ ہزار تک پہنچ جاؤں۔ حالانکہ جانتا ہوں کہ ایسا ممکن نہیں ہوسکتا۔''

''نادر بیگ یہ جگو راجہ ہے ابھی ایک لڑکی کو قتل کیا ہے۔''

''نوشابہ کی بات کررہے ہو۔'' نادر بیگ مغموم لہجے میں بولا اور زبیر شاہ نے آنکھیں بند کرلیں یہ شخص تو واقعی بڑے کام کی چیز ثابت ہوسکتا ہے۔ زبیر شاہ نے کہا۔

''ہاں...... نوشابہ کی بات کررہا ہوں۔''

''لڑکی تھی...... بھولی بھالی تھی، پھانسی گئی تھی...... اپنے حالات کا شکار تھی...... پھنس گئی۔''

''محبت کی عادی تھی، محبوب ماردیا گیا...... مخالف ہوگئی، جان دے بیٹھی، لو کہانی مکمل ہوگئی ناں۔''

زبیر شاہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر چائے کے گھونٹ لینے لگا تھا...... ساری بات سمجھ میں آرہی تھی اس نے کہا۔

''یہ جگو راجہ کہاں مل سکتا ہے۔''

''امیر پور۔'' نادر بیگ نے فوراً جواب دیا اور زبیر شاہ کے ذہن کی چرخی گھوم گئی...... امیر پور ایک پہاڑی علاقہ تھا اور اس کے بارے میں خاص داستانیں مشہور تھیں...... یہ کہا جاتا تھا کہ منشیات کا بہت بڑا گڑھ ہے اور دنیا کے بے شمار ملکوں میں وہاں سے منشیات سپلائی ہوتی ہے۔ دور دراز کا علاقہ تھا اور اچھی خاصی شہرت کا حامل زبیر شاہ ایک لمحے تک سوچ میں ڈوبا رہا...... پھر اس نے کہا۔

''نادر بیگ مجھے اپنے بارے میں اور کچھ نہیں بتاؤ گے۔''

''تمام معذرتوں کے ساتھ کہہ چکا ہوں کہ میرا ایک مشن ہے...... چھ ہزار افراد کا قتل جو کبھی پورا نہیں ہوسکتا، لیکن انسان جب بزنس کرتا ہے تو اپنا ایک ٹارگٹ بناتا ہے قتل جو کبھی پورا نہیں ہوسکتا...... اب یہ الگ بات ہے کہ اس میں اسے سو فیصد کامیابی نہیں حاصل ہوتی لیکن جتنی بھی ہوجائے۔''

''مشن کی وجہ نہیں بتاؤ گے۔''

''نہیں۔'' اس نے حتمی لہجے میں کہا۔

''چلو ٹھیک ہے تو امیر پور میں جگو راجہ کے کچھ ٹھکانے معلوم ہیں تمہیں۔'' اس نے ایک لمحے کے لیے ہونٹ کھولے پھر چائے کی پیالی اُٹھا کر آخری وقت تک اس کے گھونٹ لیتا رہا۔ جب تک کہ پیالی میں چائے ختم نہ ہوگئی پھر بولا۔

''اس لڑکی کے قتل کے سلسلے میں کام کررہے ہو۔''

''ہاں۔ میں تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں۔''

''کوئی فریب۔''

''نہیں۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔

''تو پھر میں تمہارے ساتھ امیر پور چلوں گا۔''

''میں تیار ہوں۔''

''میں کب تمہارے پاس پہنچوں اور کہاں پہنچوں۔''

''یہ ہوٹل بری جگہ نہیں ہے۔ کب پہنچو گے یہ فیصلہ تم کرو۔''

''کل دن میں دس بجے۔''

''میں انتظار کروں گا۔'' اس نے جواب دیا۔

''تیاریاں کر کے آؤں۔''

''نہیں۔ ایک ڈھول لے کر آ جانا۔'' وہ ہنس کر بولا۔ زبیر شاہ اس کی صورت دیکھتا رہا پھر خاصی دیر تک اس کے ساتھ بیٹھا رہا اور اس کے بعد بولا۔

''چلیں۔''

''نہیں۔ تم جاؤ۔ میں ذرا دیر کے بعد یہاں سے اُٹھوں گا۔'' زبیر شاہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہاں سے چل پڑا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا۔ اس سلسلے میں اسے مکمل طور پر کامیابی تو نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن بہر حال یہ سارے مسئلے اس کے لیے باعث دلچسپی تھے اور دل چاہ رہا تھا کہ اس سلسلے میں ذرا سا آگے بڑھ کر کام کیا جائے۔ پھر سب سے پہلے اس نے نیاز بیگ صاحب سے ملاقات کی۔ نیاز بیگ صاحب نے اسے حسب معمول خوش آمدید کہا تھا۔ زبیر شاہ نے ساری تفصیلات نیاز بیگ صاحب کے سامنے پیش کیں اور وہ پُر خیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولے۔

''مجھے یہ بتاؤ کہ تم منشیات فروشوں کے خلاف کام کرنا چاہتے ہو یا صرف اس لڑکی کے قتل کے سلسلے میں۔''

''منشیات کا جال بڑا وسیع ہے جناب اور میں سمجھتا ہوں کہ جب بھی آپ مجھے احکامات دیں گے کم از کم وطنِ عزیز میں اس کے خلاف سرگرم عمل ہو جاؤں گا لیکن فی الحال اس لڑکی نوشابہ کے قتل کا معاملہ ہے۔''

''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس قتل کو بے وقت قرار دوں گا اور یہ کہوں گا کہ وہ ایک معمولی سی بات ہے تو کم از کم اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کر کے میں اپنی عاقبت خراب نہیں کر سکتا۔ انسان کوئی بھی ہو۔ یکساں حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو ناں۔ اس قتل کی تفتیش اور اس کے مجرموں کو سزا دینا میں سمجھتا ہوں انتہائی ضروری ہے لیکن منشیات فروشوں کے خلاف کسی کام کا آغاز جس پیمانے پر ہونا چاہیے۔ ہم شاید ابھی اس کا تعین بھی نہیں کر سکے۔ یہ تو بین الاقوامی معاملہ ہے اور اس سلسلے میں جس قدر لے دے ہو رہی ہے۔ اس کا علم تمہیں بھی ہے اور مجھے بھی۔ بڑے بڑے الزامات لگائے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ ترقی پذیر ممالک کو مفلوج کرنے کی ایک گھناؤنی

سازش ہے۔ اس الزام کے معقول جواز بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایشیاء کے ممالک میں منشیات کی وبا اتنی تیزی سے کبھی نہیں پھیلی تھی لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس سازش کی ووڑ کس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ حقیقت ابھی تک سامنے نہیں آسکی۔ جب تک ہم پر ان حقیقتوں کا ادراک نہ ہو جائے۔ ہم اس سلسلے میں اعلیٰ پیانے پر کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔''

''میں جانتا ہوں جناب۔''

''مطلب صرف اتنا ہے کہ ذرا سوچ سمجھ کر کام شروع کرنا کیونکہ یہ معاملہ ہماری پہنچ سے کافی آگے کا ہے۔''

''میں کچھ ایسے اختیارات چاہتا ہوں جو ملک بھر میں کسی بھی شہر میں کام آسکیں اور وہاں کی پولیس میری مدد کر سکے۔''

''یہ بالکل آسان کام ہے۔ تمہیں گرین کارڈ کے بارے میں علم ہوگا۔ ویسے تو گرین کارڈ ایک مخصوص کارڈ ہوتا ہے۔ جو وزارت داخلہ کی طرف سے پورے ملک میں جاری کیا جاتا ہے اور اس کا تعلق ایجنسیوں سے ہی ہوتا ہے بعض ایجنسیوں کو یہ کارڈ جاری کر دیا جاتا ہے اور اس کے تحت وہ ملک کے کسی بھی گوشے میں اپنے اختیارات سے کام لے سکتے ہیں۔ میں یہ گرین کارڈ تمہیں مہیا کر سکتا ہوں۔''

''جلد۔'' زبیر شاہ نے کہا اور نیاز بیگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر انہوں نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں اپنا گرین کارڈ تمہیں دے دیتا ہوں۔ خصوصی اختیارات کے ساتھ۔'' اس کارروائی میں تھوڑا سا وقت صرف ہوا اور زبیر شاہ کو تمام ضروری امور کے ساتھ روانہ ہونے کے لیے تیاریاں کرنا تھیں۔

''کہاں جا رہے ہو۔''

''نوشابہ کے قتل کی تفتیش کے سلسلے میں امیر پور۔''

''امیر پور۔''

''ہاں۔''

''نام تو سنا ہے اس جگہ کا۔'' شازیہ بولی اور زبیر شاہ اسے امیر پور کا جغرافیہ سمجھانے لگا۔ شازیہ نے کہا۔

''میں ساتھ نہیں چل سکتی۔''

''اس وقت نہیں۔''

''یقیناً تم اسے ہی مناسب سمجھتے ہو گے۔ واپسی کب تک ہو جائے گی۔''

''بس دعائیں کرنا۔''

''تشویش میں مبتلا کر دیا تم نے مجھے۔''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیوں اتنے اعتماد سے کیوں کہہ رہے ہو۔''

''تمہاری دعاؤں کا سہارا جو حاصل ہے۔''

''روانگی کب ہے۔''

''بس کچھ لو اب سے تھوڑی دیر کے بعد۔''

''کیا واقعی۔''

''ہاں۔''

''گروپ کے ممبر ساتھ جا رہے ہیں۔''

''ابھی نہیں۔''

''رابطے کا کیا ذریعہ ہوگا۔''

''فی الحال کچھ نہیں لیکن مناسب وقت ملتے پر ٹرنک کال کرتا رہوں گا جہاں تم کہو۔''

''دفتر میں۔ میرا مطلب ہے دن میں دفتر میں اور رات کو گھر پر۔''

''ٹھیک ہے۔ ویسے بھی اگر ممکن ہو سکا تو سب سے ہی رابطے رکھوں گا ہو سکتا ہے کسی وقت تم لوگوں کی ضرورت بھی پیش آجائے۔''

''ٹھیک ہے۔'' شازیہ نے جواب دیا۔ تیاریاں مکمل ہونے کے بعد مقررہ وقت پر زبیر شاہ اس ہوٹل میں پہنچا خیال تھا کہ کہیں نادر بیگ دھوکہ نہ دے دے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ ہاتھ میں ایک بیگ لیے وہیں موجود تھا اور منتظر نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ زبیر شاہ ہوٹل کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور زبیر شاہ کے قریب پہنچا۔

''میرا خیال ہے۔ یہاں رکنے کے بجائے ہمیں باہر نکلنا چاہیے۔ کسی بھی جگہ زیادہ وقت گزارنے کا مطلب ہے کہ دشمنوں کو اپنی جانب متوجہ کیا جائے۔'' زبیر شاہ نے اس سے اتفاق کیا۔ یہ سفر بہت دلچسپ ثابت ہوا تھا اور امیر پور کے راستے خاص طویل تھے لیکن نادر بیگ عام معمولات میں ایک دلچسپ انسان تھا۔ کسی قدر کھسکے ہوئے ذہن کا مالک۔ زبیر شاہ درحقیقت ابھی تک اس کی اصل شخصیت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم کر سکا تھا۔ حالانکہ راستے میں اس نے بہت سے سوالات کیے تھے۔ اس سے اس نے پوچھا تھا۔

''نیاز بیگ۔ تمہاری شخصیت واقعی بہت دلچسپ ہے۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ تمہارا مشن صرف اتنا ہے کہ تم اس گروہ کے افراد کو ختم کردو تو اس سلسلے میں تم نے نادر بیگ کو کیوں چھوڑا ہوا ہے۔''

نادر بیگ مسکرایا پھر بولا۔

''اصل میں ایک تالا ہوتا ہے۔ اس کی ایک چابی ہوتی ہے۔ چابی کو تو سنبھال کر رکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اسی سے تالا کھلتا ہے۔ وہ میری چابی ہے۔ بہت سی معلومات مجھے اس کے پاس سے حاصل ہوتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ میرا ذریعہ معلومات رہے۔''

''ہونہہ۔ تو تمہارا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اس گروہ کے افراد چن چن کر قتل کرو۔''

''تم نے یہ نہیں پوچھا مجھ سے کہ میں نے تمہارا ساتھ کیوں حاصل کیا ہے۔''

''چلو پوچھ لیتا ہوں۔''

''یہ مت سمجھنا کہ تمہارے بارے میں مجھے صرف اسی گفتگو ہی سے معلوم ہوا جو تمہارے اور نادر بیگ کے درمیان ہو رہی ہے۔ ارے تم پولیس والے یہ سمجھتے ہو کہ صرف تمہارا محکمہ استاد رہتا ہے اور تمہارے پاس مجرموں کا ریکارڈ ہوتا ہے۔ ایسی بات نہیں ہے۔ وہ جو بڑے پیمانے پر کام کرتے ہیں سب سے پہلے یہ تلاش کرتے ہیں کہ ان کے راستے کی رکاوٹ کون کون بن سکتا ہے اور ان رکاوٹوں کو وہ اپنے ریکارڈ میں رکھتے ہیں۔ تمہارا ریکارڈ بھی نادر بیگ کے پاس ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سوں کے پاس موجود ہے۔'' زبیر شاہ کو واقعی یہ بات بہت دلچسپ محسوس ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔

''گویا تمہیں پہلے سے میرے بارے میں معلومات حاصل تھیں۔''

''زیادہ نہیں اور نہ ہی اس وقت ذہن میں تھیں جب میں نے تمہیں دیکھا لیکن جب نادر بیگ سے تمہاری گفتگو ہو رہی تھی تو تم بھی مجھے یاد آ گئے۔ جب بھی میں کبھی جرائم کرتا تھا۔ تو تمہارا ریکارڈ میرے پاس موجود ہوتا تھا۔ بات زیادہ پرانی نہیں ہے اس لیے نہ سوچنا کہ میں کسی طویل ماضی کی بات کر رہا ہوں۔''

''تم جرائم کرتے تھے۔'' زبیر شاہ نے سوال کیا۔

''چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔ اپنے بارے میں تمہیں ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گا۔ مر بھی جاؤں گا تو تمہارے ذہن میں ایک ہی خلش رہے گی کہ آخر میں کون تھا۔''

''میں تمہارے بارے میں واقعی جاننا چاہتا ہوں لیکن صرف ایک دوست کی مانند۔''

''تو پھر یہ سمجھو کہ دوست۔ دوست سے کبھی ضد نہیں کرتے۔ ساری باتیں پوچھ لینا مجھ سے بس اس بات کو نظر انداز کر جانا۔ کیونکہ تمہیں اس کے بارے میں شاید مشکل ہی سے معلوم ہو۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ میری موت کے بعد اگر تم میرے سلسلے میں تفتیش کرو تو تمہیں اس کا علم ہو گا۔''

''واقعی تم بے حد عجیب انسان ہو...... اچھا یہ بتاؤ کہ امیر پور پہنچ کر ہم لوگ کیا کریں گے۔''

''ہاں۔ یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اصل میں امیر پور کا نام میں نے بے مقصد ہی نہیں لے لیا۔ جگو راجہ سو فیصد امیر پور پہنچا ہو گا۔ وہ اس سے آگے کا سفر بھی کرے گا اور میں تمہیں بتاؤں گا کہ وہ کس سمت سفر کرے گا۔ امیر پور میں بھی مجھے ایسے بہت سے پوائنٹس معلوم ہیں جہاں اس کے آدمی مل سکتے ہیں۔ سمجھ رہے ہو نا تم۔''

''بہت کام کے آدمی ہو۔''

''مجھے میرا کام کرنے دینا بس۔ اس سلسلے میں اگر تم نے رکاوٹ ڈالی تو سمجھ لو کہ میرے اور تمہارے درمیان سارے رابطے ٹوٹ

جائیں گے۔"

"یعنی۔"

"مطلب یہ ہے کہ جسے میں مناسب سمجھوں گا۔ اسے ہلاک کردوں گا۔ تم راستے کی رکاوٹ نہیں بنو گے۔" زبیر شاہ خاموش ہوگیا۔ کام بے حد مشکل تھا۔ ہوسکتا ہے کچھ ایسے لوگ جنہیں وہ گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ اس کے ٹارگٹ ہوں۔ پھر وہ امیر پور پہنچ گئے۔

صحیح بات یہ تھی کہ اس وقت نادر بیگ زبیر شاہ کا بہت اچھا گائیڈ ثابت ہوا تھا۔ اس نے خود ہی ایک ہوٹل کا انتخاب کیا۔ ویسے امیر پور بہت بارونق جگہ تھی اور یہاں خاصی رونق تھی۔ خوبصورت عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہ عمارتیں بہت زیادہ بلند و بالا نہیں تھیں پھر بھی انہیں خصوصی طور پر زلزلہ پروف بنایا گیا تھا اور ان کی تعمیر ایک خاص انداز کی تھی۔

موسم بھی بڑا مختلف تھا۔

زبیر شاہ زندگی میں پہلی بار ہی ادھر آیا تھا۔ کبھی ایسی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی تھی کہ ادھر کا رخ کیا جاسکے لیکن اس کے باوجود ہوٹل بڑا اعمدہ تھا۔ کارکردگی بے حد شاندار دونوں نے ایک ہی کمرہ حاصل کیا تھا۔ ویسے بھی زبیر شاہ کو اندازہ ہوگیا تھا۔ کہ نادر بیگ کے ساتھ وقت گزارہ جاسکتا ہے۔ یہاں قیام کے بعد نادر بیگ نے کہا۔

"اور اب ہم یہاں سے ایک ایسی جگہ چلیں گے جہاں سے ہم غازی کے بارے میں تفصیلات حاصل ہوسکتی ہیں۔"

"جگو راجہ کو غازی کیوں کہا جاتا ہے۔"

"میں نے تمہیں بتایا ناں کہ وہ ایک پورے گروہ کی رہنمائی کرتا ہے اور گروپ اسی کے زیرِ عمل کرتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ کم از کم ابھی تک مجھے تو گروپ کے دوسرے سربراہوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔ حالانکہ میں ان کی تلاش میں ہوں۔"

"ہم جائیں گے کہاں۔"

"شاید ایک ایسی جگہ جہاں سے ہمیں یہ پتا چل سکے کہ جگو راجہ کس طرف گیا ہے۔"

"ہونہہ۔ چلو ٹھیک ہے۔" زبیر شاہ نے جواب دیا۔ تھوڑی سی تیاریاں کرنے کے بعد زبیر شاہ، نادر بیگ کے ساتھ باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر کے بعد نادر بیگ اسے ایک ٹیکسی میں لے کر ایک دور دراز علاقے کی جانب چل پڑا۔ شہر بڑی وسعتوں میں پھیلا ہوا تھا۔ تقریباً بیس منٹ تک یہ سفر جاری رہا اور پھر وہ ایک ایسے علاقے میں ختم ہوا جو اچھا خاصا پُررونق علاقہ تھا۔ یہاں رہائشی مکانات بھی بنے ہوئے تھے۔ ایک بڑے سے بازار سے گزرنے کے بعد بازار کے اختتامی سرے پر ٹیکسی رکوالی گئی۔ زیادہ تر یہاں قالینوں کی دکانیں تھیں لیکن ماحول میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ سب اجنبی سا لگ رہا تھا۔ ٹیکسی سے اُترنے کے بعد وہ چل پڑا اور پھر راستے میں زبیر شاہ سے بولا۔

"زبیر شاہ سے ناں تمہارا نام۔"

"ہاں۔" زبیر شاہ نے جواب دیا۔ وہ یہ سوال اس سے ہر دو تین گھنٹے کے بعد کرلیا کرتا تھا۔

''دیکھو دوست تمہارا اپنا کام تمہاری اپنی جگہ لیکن میں جو کچھ کروں گا اس میں تمہیں آزادی دینا ہوگی۔'' زبیر شاہ نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ پھر آگے بڑھ کر وہ کچھ گلیوں سے اندر داخل ہوئے اور آخر کار ایک مکان کے دروازے کے آگے رُک گئے۔

اس نے دروازے کی بیل بجائی اور انتظار کرنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد دروازے کھلا تھا۔ دروازہ کھولنے والی بتیس تینتیس سال کی عورت تھی۔ کسی قدر بھرے بدن کی مالک، نقوش بہت خوبصورت تھے۔ سر کے بال اخروٹی رنگت کے اور آنکھیں بھوری اس نے منہ اُٹھا کر نادر بیگ کو دیکھا لیکن نادر بیگ کا زوردار تھپڑ عورت کے منہ پڑا تھا اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ نادر بیگ فوراً ہی اندر داخل ہو گیا اور اس نے ایک ہاتھ سے عورت کے بال پکڑے اور دوسرے ہاتھ سے اس کا منہ بھینچ لیا۔ زبیر شاہ حیران حیران سا اندر داخل ہو گیا۔ نادر بیگ نے کہا۔

''تم دروازہ بند کر دو۔ میں جانتا ہوں یہاں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا۔''

زبیر شاہ نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔ نادر بیگ کا یہ عمل اس کے لیے بڑا حیران کن تھا اور عورت ہاتھ پاؤں مار رہی تھی چیخ رہی تھی لیکن نادر بیگ اسے گھسیٹتا ہوا اندرونی حصے کی جانب لے جا رہا تھا۔ زبیر شاہ بڑی گھٹن سی محسوس کر رہا تھا۔ بہت کم ایسے مواقع آئے تھے جب اس نے کسی دوسرے پر انحصار کیا تھا۔ اگر کوئی ایسی ہی صورتحال پیش آئی جو اس کے لیے بالکل ہی ناقابل برداشت ہو تو پھر نادر بیگ کو دیکھ لیا جائے گا۔

لیکن یہ شخص بڑے کام کا ثابت ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کے ذریعے کوئی بہتر کام ہی ہو سکے۔ چنانچہ زبیر شاہ نے نادر بیگ کے اس معاملے میں بھی مداخلت نہیں کی اور اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ آیا، یہ حیران کن بات تھی کہ نادر بیگ کو اس عورت کے بارے میں اس قدر معلومات حاصل تھیں۔ پھر ایک بڑے سے کمرے میں پہنچ کر نادر بیگ نے اسے چھوڑا تو عورت نے بے تحاشہ اس پر حملہ کر دیا۔ وہ بار بار نادر بیگ کو نوچنے اور ٹھوکریں مارنے لگی اور اس کی زبان بڑی تیز تیز چل رہی تھی لیکن شاید کوئی علاقائی زبان تھی جو زبیر شاہ کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

''نادر بیگ پیچھے ہٹ جاؤ۔''

''یہ مجھے مار مار کر میری شکل خراب کر دے گی۔''

نادر بیگ نے مسخرے پن سے کہا۔

''لڑکی ہوش میں آؤ۔ کیوں زندگی ختم کرنا چاہتی ہو۔''

زبیر شاہ نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور نجانے اس کے لہجے کا کیا رد عمل ہوا وہ لڑکی یا عورت پیچھے ہٹ گئی۔ اب وہ دونوں کو خوفزدہ نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ زبیر شاہ نے کہا۔

''ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تم سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں اور اس کے بعد تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔''

''کون ہو تم اور یہ۔ یہ کمینہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔'' عورت نے کہا۔

''یہ کمینہ تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہے۔'' نادر بیگ بولا۔

''کیسے سوالات۔''

''ایک بات کا خاص خیال رکھنا کہ اگر سوال کا صحیح جواب نہ ملا تو نتیجہ بھی بہت ہی برا نکلے گا۔''

''تم ڈاکو ہو۔ مجھے لوٹنا چاہتے ہو۔''

''نہیں۔ تیرے پاس لٹنے کی کوئی چیز ہی نہیں۔ لٹی لٹائی عورت۔'' نادر بیگ بولا۔

''کیا چاہتے ہو تم۔'' اس نے دہشت زدہ لہجے میں پوچھا۔

''جگو راجہ کہاں ہے۔'' نادر بیگ نے سوال کیا۔

''جگ۔ جگ۔ جگو۔''

''غازی کی بات کر رہا ہوں۔''

''کون غازی۔''

''ہونہہ۔'' نادر بیگ بولا اور پھر اچانک اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لمبا چاقو نکال لیا اور پھر اسے تڑتراہٹ کے ساتھ کھولا۔ عورت دہشت زدہ انداز میں پیچھے ہٹ گئی تھی۔

''سنو۔ میری بات سنو۔'' اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ زبیر شاہ کو یہ نہیں معلوم تھا۔ کہ نادر بیگ کے پاس کیا کیا ہتھیار موجود ہیں۔ بہر حال ابھی تک اس نے نادر بیگ کے کسی ذاتی معاملے میں مداخلت نہیں کی تھی۔ البتہ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سر پھرا آدمی کہیں اس عورت کو قتل نہ کرے۔ یہ بہر حال ایک برا عمل ہوگا لیکن عورت خوفزدہ ہوگئی تھی۔ اس نے کہا۔

''تم یقین نہیں کرو گے لیکن سچ مچ مجھے معلوم نہیں۔''

''ہونہہ۔ میں یقین کر لوں گا۔ مائی ڈیئر تم اس برابر والے کمرے میں چلے جاؤ۔ یا ٹھہرو میں ہی چلا جاتا ہوں۔'' اس نے کہا اور ایک بار پھر آگے بڑھ کر عورت کے بال پکڑ لیے۔ بڑا سفاک انداز ہوتا تھا اس کا عورت چیخی تو نادر بیگ نے اس کے حلق پر چاقو رکھ دیا اور بولا۔

''اگر یہ ہلکا سا بھی دب گیا تو نقصان تمہارا بھی ہوگا اور میرا بھی۔''

''سنو۔ میری بات سنو۔ اگر میں نے کچھ بتایا تو وہ مجھے ہلاک کر دیں گے۔''

''وہ تو ایسا نہیں کر سکیں گے لیکن میں بے شک کر ڈالوں گا۔'' نادر بیگ بولا۔

''مم۔ میری بات تو سن لو۔''

''سن تو رہا ہوں۔''

''یہ چاقو ہٹا لو میری گردن سے۔''

''بات کا جواب دو گی۔''

''ہاں۔''

''ٹھیک ہے۔'' نادر بیگ نے چاقو ہٹالیا اور اس کے بال بھی چھوڑ دیئے۔ عورت چکرا رہی تھی۔

''بے ہوش عورت کو قتل کرنا مجھے زیادہ اچھا نہیں لگتا لیکن بہر حال ایسا کرنے پر مجبور ہو سکتا ہوں۔'' نادر بیگ کے الفاظ پر وہ چونک کر سنبھل گئی۔

''وہ۔ وہ۔ کنڈالی گئے ہیں۔''

''کیا مطلب۔''

''اس میں مطلب کی کیا بات ہے۔''

''یعنی وہ کس طرح گئے ہیں کنڈالی۔''

''کیا جاننا چاہتے ہو۔''

''یعنی وہ کنڈالی کا سفر کیسے کر رہے ہیں۔''

''کار میں گئے ہیں۔''

''کب روانہ ہوئے ہیں۔''

''کل رات کو۔''

''کار کا نمبر کیا ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم۔ میں قسم کھاتی ہوں۔ مجھے بالکل پتا نہیں۔''

''کار میں کون کون ہے۔ اس کے ساتھ۔'' نادر بیگ نے سوال کیا لیکن وہ خاموش رہی۔ نادر بیگ پھر آگے بڑھا۔ تو وہ جلدی سے بولی۔

''وہ تینوں ہیں جو اس کے ساتھ ہوا کرتے ہیں۔''

''اور جگو راجہ۔''

''اس نے اس نے کہا تھا کہ...... کہ وہ ایک ہفتے کے بعد واپس آجائے گا۔''

''وہ بھی اس کار میں موجود ہے۔''

''ہاں۔''

''اور اس کے علاوہ کون ہے۔''

''اور کوئی بھی نہیں۔''

''سوچ لو۔''

''یقین کرو۔ میں نے سوچ لیا سچ بول رہی ہوں۔''

''تمہیں معلوم ہے۔ انہوں نے نوشابہ کو قتل کر دیا ہے۔''

''ہاں۔ ہاں۔'' عورت بولی اور پھر بے اختیار اس نے زبان بند کر لی۔

''نہیں اپنی اس معصوم زبان کو قید کرنے کی کوشش مت کرو۔ کیا فائدہ میں اس ننھی منی سی شے کو اس چاقو سے کاٹ کر پھینک دوں۔''

''سنو۔ سنو۔ میرے ساتھ کوئی سختی نہ کرو۔''

''اور تم نے جو دنیا کے ساتھ سختی کی ہے۔ وہ۔''

''مم۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ۔ وہ مجھے جان سے مار دے گا۔''

''اور کون ہے۔ اس کے ساتھ۔'' نادر بیگ گرج کر بولا۔

''وہ بس اور کوئی بھی نہیں ہے۔ وہی چاروں ہیں۔''

''نوشابہ کو کیوں مارا گیا۔'' اس نے سوال کیا۔

''تمہیں معلوم ہے۔ وہ بھٹک گئی تھی۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ اب یہ بتاؤ کنڈالی میں وہ کہاں جائیں گے۔''

''مجھے نہیں معلوم یقین کرو۔ میں نہیں جانتی سوائے اس کے۔''

''سوائے کس کے۔''

''وہاں۔ کنڈالی میں ایک ٹوٹا ہوا چرچ ہے پہاڑی غاروں کے پاس۔ ان کا ٹھکانہ اسی چرچ میں ہوتا ہے۔''

''ہونہہ ٹھیک ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی معلومات۔''

''یقین کرو اور کوئی معلومات نہیں ہے۔'' تب وہ زبیر شاہ کی جانب مڑا اور بولا۔

''مائی ڈیئر۔ اب ذرا میرے کچھ ذاتی معاملات ہیں۔ کیا تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتے ہو۔''

''کیسے معاملات۔'' زبیر شاہ نے سوال کیا اور نادر بیگ اوباش انداز میں آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔

''صرف تھوڑا سا وقت۔ اب دیکھو ناں۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔ کیا تمہیں اس کی شکل بری نظر آ رہی ہے۔ میں بہت عرصے سے اس سے محبت کرتا ہوں۔ اب اس وقت جب یہاں تک آیا ہوں اور صورتحال اس حد تک پہنچ گئی ہے۔ تو مائی ڈیئر۔ مائی ڈیئر۔'' وہ شرمائے

ہوئے لہجے میں بولا اور زبیر شاہ کے جبڑے بھنچ گئے۔ یہ سب کچھ اس کی مرضی اور فطرت کے خلاف تھا لیکن مصلحت کا تقاضہ یہ ہی تھا کہ نادر بیگ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ نادر بیگ بولا۔

"تم باہر رکو۔ میرا انتظار کرو۔ بلکہ اگر چاہو تو اس گلی کے آخری سرے تک چلے جاؤ۔ بس تھوڑی دیر میں پہنچتا ہوں۔ تمہارے پاس۔" زبیر شاہ کمرے سے باہر نکل آیا اور پھر دروازے سے گزر کر گلی کے سامنے سیدھا چلنے لگا۔ ذہن عجیب سی کیفیت سے دوچار ہو گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نادر بیگ کی شخصیت کا یہ پہلو اس کے لیے ناقابل برداشت ہے اور ایک طرح سے نادر بیگ کی قربت قبول کر کے اس نے اپنے مزاج کے خلاف کام کیا ہے۔ نادر بیگ ویسے تو ہر طرح سے قابل، قبول تھا لیکن اس کی شخصیت جو سامنے آئی تھی۔ وہ زبیر شاہ کے لیے پریشان کن تھی۔ حالانکہ بات ایک عجیب و غریب شکل اختیار کر گئی تھی۔ کم از کم یہ اندازہ ہو گیا تھا۔ کہ وہ قاتلوں کے راستے پر چل پڑا ہے اور بہرحال کسی نہ کسی جگہ انہیں چھاپ لے گا لیکن اس کی ذہنی کیفیت کچھ عجیب سی ہو گئی تھی۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ بات صرف قاتلوں کو گرفتار کرنے پر ہی ختم نہیں ہونی چاہیے۔ یہ عجیب و غریب سلسلہ جو منشیات کے اسمگلروں نے چاروں طرف پھیلا رکھا تھا۔ ختم ہونا چاہیے۔ ملک کی بدنامی بھی ہے اور وطن کے محافظوں کے لیے ایک چیلنج بھی۔ اس سلسلے میں بڑی بڑی اخباری خبریں تو آئی ہیں لیکن موثر پیمانے پر کام نہیں ہو سکا ہے۔ اگر کوئی جرم ہو رہا ہے۔ تو اس جرم کے خلاف ایک مشن بنا کر کام شروع کرنا چاہیے اور آخر کار اس جرم کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ ورنہ ایک طرح سے انتظامیہ کی ناکامی ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس ناکامی کے کیا اسباب ہیں۔ اس کے بارے میں ابھی کوئی تصور سامنے نہیں آیا تھا۔ جسے موثر کہا جا سکے۔

زبیر شاہ کے اندر ایک خواہش جنم لے رہی تھی۔ بات صرف جگو راجہ گروہ کی گرفتاری اور نوشابہ کے قاتلوں پر ختم نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ ان گروہوں کا سراغ لگا کر ان کا مکمل خاتمہ کرنا چاہیے۔ یہ فیصلہ کرنا ضروری تھا۔ کسی جانب سے راہ میں رکاوٹ بھی آتی ہے تو زبیر شاہ کو اتنا اطمینان ضرور تھا کہ نیاز بیگ صاحب اس رکاوٹ کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں گے اور پھر اگر ایسا نہ بھی ہو سکے تو آخر کار کارواں گروپ اپنا فرض انجام دے گا کیونکہ وہ عمل جرم کے خلاف ہو گا۔ اس لیے اس نے اپنی کارکردگی کا دائرہ وسیع کر لیا تھا۔

ویسے زندگی میں یہ پہلا موقع تھا۔ کہ وہ اپنے گروہ سے بچھڑ کر تنہا کام کر رہا تھا لیکن یہ تجربہ بھی دلچسپ تھا۔ اب اس صورتحال کے علم میں آ جانے کے بعد نادر بیگ سے بددل ہو گیا تھا۔ ورنہ یہ شخص خاصا بہتر ثابت ہوا تھا۔ گلی کے آخری سرے پر پہنچ کر وہ ناگواری کے انداز میں نادر بیگ کا انتظار کرنے لگا اور یہ سب دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دو ہی منٹ کے بعد نادر بیگ اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ زبیر شاہ نے ناگواری کی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"کیوں کیا اس سے تمہارا کوئی سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ تم نے اپنی شیطانیت کا ارادہ ملتوی کر دیا۔"

"ارادہ اگر ٹھوس ہو تو شیطانیت ہی کیا اور میں سمجھتا ہوں جب ارادہ کر لیا جائے تو اسے ملتوی کرنے کے بجائے اپنی گردن کاٹ لینی چاہیے۔" زبیر شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تو نادر بیگ ہنستا ہوا بولا۔

''تمہاری پیشانی کی شکنیں بتاتی ہیں کہ تمہیں میرا عمل پسند نہیں آیا۔''

''ہاں یہ حقیقت ہے۔''

''تمہاری مرضی ہے۔ دوست جبکہ میری زندگی کا تو مقصد ہی یہ ہے۔''

''تمہاری زندگی کے کتنے مقصد ہیں مجھے نہیں معلوم۔''

زبیر شاہ نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ نادر بیگ مسکراتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا اور اس نے کہا۔

''اچھے دوستوں کو غلط فہمیوں کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ یہ دیکھو۔ یہ ایک تحفہ ہے۔'' نادر بیگ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک کاغذ نکالا۔ پڑیا کی شکل بنی ہوئی تھی۔ اس نے پڑیا زبیر شاہ کے سامنے کھولی۔ تو زبیر شاہ نے کاغذ خون سے رنگین دیکھا لیکن اس میں جو چیز لپٹی ہوئی تھی وہ دیکھ کر زبیر شاہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔ یہ دو انسانی کان تھے۔ زبیر شاہ چونک کر نادر بیگ کو دیکھنے لگا۔ تو نادر بیگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور اب دنیا سے کنارہ کش ہونے کے بعد اس سے زیادہ دلکش چیز اور کوئی نہیں رہ گئی۔ میرے لیے یعنی سرخ سرخ خون۔''

''کیا مطلب۔'' زبیر شاہ حیرت سے بولا۔

''تمہیں بتا چکا ہوں مجھے ان لوگوں سے بہت محبت ہے اور میں اپنی محبت کا پورا پورا ثبوت دیتا ہوں۔ میں نے اسے نرخرے سے لے کر پیٹ تک چیر دیا ہے۔ بس اسی مقصد کے تحت وہاں رکا تھا۔'' زبیر شاہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''گویا۔ گویا تم۔''

''ہاں۔ میرے دوست بہت برا آدمی ہوں میں لیکن تھوڑا سا کردار بھی ہے میرا۔ مجھے ان لوگوں کے وجود سے نفرت ہے۔ میں صرف ان کی موت چاہتا ہوں۔ اگر تم سمجھے تھے کہ میں اس کے بدن کا خواہاں تھا تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔'' ایک لمحے کے لیے زبیر شاہ کے ذہن سے پردہ سا رک گیا...... پھر وہ مسکرانے لگا اور بولا۔

''نادر بیگ میں تمہیں چھوڑ دینا چاہتا تھا لیکن ایک بار پھر تم نے اپنی ساکھ بحال کر لی۔'' زبیر شاہ نے گردن ہلائی تھی اور اس کے بعد وہ لوگ پھر اپنے عمل میں مصروف ہو گئے تھے۔ کنڈالی کے بارے میں زبیر شاہ کو تو زیادہ تفصیلات معلوم نہیں تھیں لیکن نادر بیگ ان علاقوں کا انسائیکلو پیڈیا تھا۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''اور مجھے چھوڑنے کا تصور دوبارہ نہیں کرنا۔ میں یہ نہیں کہتا مائی ڈیئر کہ تم اپنے طور پر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے۔ تم جس پائے کے انسان ہو۔ میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں اور پھر تم سرکاری ذرائع حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو تو سمجھو کہ پورا گروہ اگر تمہارے پیچھے لگ جائے گا اور تم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ کون کون سے سرکاری ذرائع ان کے اپنے ہاتھ میں ہیں۔ تم خود بھی اچھی طرح جانتے ہو یہ بات کہ جرم کی سرپرستی کہاں سے ہوتی ہے۔ چنانچہ نادر بیگ تمہارا بہترین ساتھ ہوگا اگر یہاں قیام کر کے اِدھر جانا چاہو۔ تو اس میں بھی

حرج نہیں ہے اور اگر مسلسل چلنے کی کوشش کرو۔ تب بھی مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔"

"کیا یہ فاصلہ طویل ہے۔"

"کافی طویل اور راستہ انتہائی دشوار گزار ہے۔ تمہیں بہت سے مرحلوں سے گزرنا ہوگا یہاں سے آگے پہاڑی جنگل شروع ہو جاتے ہیں۔ ان پہاڑی جنگلوں میں درندے بھی کثرت ہوتے ہیں۔"

"کیا ان کے اطراف میں آبادیاں نہیں ہیں۔"

"بہت سی آبادیاں ہیں لیکن آبادیوں کے رہنے والے ان آبادیوں میں رہنا جانتے ہیں اور اپنے لیے تمام بندوبست رکھتے ہیں۔"

"ہونہہ۔ بہر حال اب جبکہ تم یہ بات کہہ رہے ہو۔ تو پھر اپنے طور پر تیاریاں کرلو۔ ویسے کیا تمہیں یقین ہے۔ کہ ہمیں صحیح راستہ ملا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس عورت نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ سچ ہے۔"

"اس کے پاس جھوٹ کی گنجائش نہیں تھی۔ میں اندازہ لگا چکا ہوں۔"

"او کے......" اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نادر بیگ نے جو تیاریاں کیں وہ زبیر شاہ کے لیے بڑی اطمینان بخش تھیں...... زبیر شاہ اور نادر بیگ عمدہ گاڑی ہیں پینسٹھ میل فی گھنٹے کی رفتار سے سفر شروع کر چکے تھے۔ نادر بیگ نے کنڈالی تک جانے کا ایک باقاعدہ نقشہ ترتیب دیا تھا اور زبیر شاہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ امیر پور سے کنڈالی جانے کے لیے پچاس میل تک ایک ہی سڑک پر سفر کرنا ہوتا ہے۔ سڑک بہت پرانی ہے اور اس کی تعمیر قدیم ہے۔ بعد میں اس کی مرمت پر بھی غور نہیں کیا گیا۔

یہ سڑک ایک دریا کے ساتھ ساتھ سیدھی چلی گئی ہے اور اس کے دونوں جانب قدیم درختوں کی لکیریں ہیں۔ جنہوں نے سڑک پر سایہ کیا ہوا ہے لیکن آگے جا کر منظر بدل جاتا ہے اور قرب و جوار کی بستیوں کے رہنے والوں نے ان علاقوں میں زبردست کاشت کی ہوئی ہے۔ پھر میدانی علاقہ ہے جہاں کا موسم پہاڑی علاقوں کے باوجود سخت ہے۔ کنڈالی کا فاصلہ یہاں سے کافی طویل ہے۔

زبیر شاہ کار میں سفر کرتے ہوئے نادر بیگ کی معلومات کا تجزیہ کرتا رہا تھا اور اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا۔ کہ یہ شخص واقعی بے حد پر اسرار ہے اور اسے ان علاقوں کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہیں۔ تقریباً دس گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد ایک قصبے میں گاڑی روکی گئی۔ شاید یہ سفر آگے بھی جاری رہتا لیکن آسمان پر بادل چھائے تھے اور اس کے بعد خاصی تیز بارش شروع ہوگئی تھی۔ کار ایک جھونپڑے میں بنے ہوئے چائے خانے کے سامنے روکی گئی اور دونوں اُتر کر چائے خانے میں داخل ہو گئے۔

گرم گرم چائے سے اُٹھتی ہوئی بھاپ اور کھانے کی اُلٹی سیدھی چیزیں اس وقت اسے دنیا کی سب سے لذیذ چیزیں لگ رہی تھیں اور باہر کے منظر کو دیکھ کر زبیر شاہ کے دل میں ایک ہوک سی اُٹھ رہی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ ایسے ماحول میں شازیہ کی غیر موجودگی ماحول کو بے مزہ کر رہی ہے۔ اس کے بغیر بالکل لطف نہیں آ رہا۔

نجانے کیسی کیسی سوچیں دامن گیر تھیں...... نادر بیگ تھوڑی دیر کے بعد اس کے پاس اُٹھ گیا اور وہ یہاں موجود دوسرے لوگوں سے نجانے کیا کیا باتیں کرتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

''تصدیق ہو رہی ہے۔ مائی ڈیئر۔ وہ لوگ یہاں سے گزرے ہیں اور انہوں نے بھی یہاں پر چائے پی ہے۔ سمور کی ٹوپی والا۔ جگو راجہ کے سوا اور کوئی نہیں اور اس کے ساتھ اس کے تین ساتھی ہیں۔''

''وہ لوگ کنڈالی کی سمت ہی گئے ہیں۔''

''یہ سیدھا راستہ صرف کنڈالی جاتا ہے۔''

''کنڈالی کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات حاصل ہیں تمہیں۔'' زبیر شاہ نے سوال کیا۔

''کہاناں۔ یہ علاقے جنت ہیں جنت۔ تم لوگ شہروں کے باسی ہو۔ شہروں میں تمہیں زندگی کی تمام آسائشیں حاصل ہیں لیکن تمہیں یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوگی کہ نا قابل یقین اور دشوار گزار راستوں سے گزر کر جب تم ان پہاڑوں اور غاروں کے پاس پہنچو گے جو کنڈالی کے گردونواح میں پھیلے ہوئے ہیں اور اگر کسی غار میں داخل ہو جاؤ گے تو تمہیں ایک الف لیلوی دنیا نظر آئے گی۔''

غاروں میں بچھے ہوئے موٹے موٹے قالین چھتوں سے لٹکے ہوئے فانوس جن میں شمعیں روشن ہوتی ہیں مٹی کے تیل سے چلنے والے فرج ڈیپ فریزر، ائرکنڈیشنز دنیا کا اعلیٰ درجے کا زمینی فرنیچر۔ تم یقین نہیں کر پاؤ گے کہ کسی غیر مہذب دنیا پہاڑیوں کی بستی میں ہو۔ ویسے آگے چل کر ہمیں ایک پٹرول پمپ ملے گا۔ وہاں سے پٹرول کے ٹن ضرور لے لینا۔

''سفر کب شروع کرنا ہے۔''

''صبح۔ بالکل صبح کیونکہ جن راستوں سے اب ہمیں گزرنا ہے۔ ان پر ہمارا پرتپاک استقبال نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمیں خوفناک سفر کرنا ہوگا۔'' زبیر شاہ اس سفر سے خوفزدہ نہیں تھا۔ چنانچہ دوسری صبح کا سفر کا آغاز کر دیا گیا۔ حالانکہ پٹرول کافی مقدار میں موجود تھا اور فاضل ڈبے بھی رکھ لیے گئے تھے لیکن پھر بھی طے کیا گیا تھا کہ کم از کم گاڑی کے ٹینک فل کرا لیے جائیں سڑک بہت خراب تھی اس لیے رفتار کم ہی رکھی گئی۔ نادر بیگ اس وقت خود ہی ڈرائیور کر رہا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ ایک اچھا ڈرائیور تھا، پٹرول پمپ کا بورڈ سڑک سے کوئی ایک فرلانگ ہٹ کر تھا اور وہاں تک جانے کے لیے کچا راستہ تھا۔ کچھ عجیب سی بات تھی۔ ورنہ یہ پٹرول پمپ سڑک کے کنارے پر ہی ہونا چاہیے تھا لیکن نجانے ایسی کیا افتاد پڑی تھی کہ اسے سڑک سے دور رکھا گیا تھا۔ بہر حال تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد یہ پٹرول پمپ نظر آیا تھا اور پٹرول پمپ پر پہنچ کر یہ معلوم ہوا کہ آگے جانے والی گاڑی جس میں چار افراد سوار تھے صرف دو گھنٹے پہلے یہاں سے آگے گئی ہے۔ نادر بیگ نے پُر خیال انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔

''گیلی زمین ہے۔ اس لیے ہم دور سے اس گاڑی کو نہیں دیکھ سکتے۔ میرا خیال ہے ہمیں فاصلہ رکھنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے ہم ان کے بالکل قریب پہنچ جائیں گے۔ اصل میں اس سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

زیادہ تر اسمگلر ہی اس سڑک پر سفر کرتے ہیں۔" زبیر شاہ نے نادر بیگ کی بات پر غور کیا تھا اور اسے احساس ہوا تھا کہ نادر بیگ عقل سے پیدل نہیں ہے۔ وہ صورت حال کو سمجھ بھی رہا ہے اور اس کے بارے میں سوچ بھی رہا ہے۔ پٹرول پمپ سے آگے بڑھ کر زبیر شاہ نے اس سے کہا۔

"اگر اتفاق سے کوئی ایسا موقع آ بھی جائے۔ نادر بیگ تو ہم اجنبیوں کی طرح ان سے آگے نکل جائیں گے۔"

"مجھے ایک بات بتاؤ۔ بگ لارڈ۔ آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"نادر بیگ۔ اب تک تم مجھ سے سچ بولتے رہے ہو اور اگر کسی جذبے کی بنا پر ان لوگوں کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ میری خواہش یہ ہے کہ ان قاتلوں کو گرفتار کرنے سے پہلے میں ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کروں تاکہ مستقبل میں جب میں ان کے خلاف آپریشن شروع کروں تو میرے پاس ان کے لیے کافی مواد موجود ہو۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں لیکن ایک معاہدہ تو تمہارے اور میرے درمیان ہو چکا ہے۔"

"وہ کیا۔"

"تم مجھے میرے کام سے نہیں روکو گے اور میں تمہیں تمہارے کام سے نہیں روکوں گا۔"

زبیر شاہ نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی تھی۔ سفر جاری رہا۔ اس طویل سفر میں کہیں بھی کسی جگہ کوئی حادثہ پیش آ سکتا تھا۔ قرب و جوار کے ماحول کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ علاقہ واقعی بے حد خطرناک ہے۔ چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی آباد نظر آ رہی تھیں اور ان کے اطراف میں گھنے جنگل پھیلے ہوئے تھے۔ انسان کس طرح زندگی گزار لیتا ہے۔ وحشی درندوں اور خوفناک ماحول میں بھی وہ اپنے لیے زندگی کا سامان تلاش کر لیتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے کھیتوں کے قطع نظر آ رہے تھے اور ان کے درمیان کام بھی ہو رہا تھا۔ کئی مرتبہ پکی سڑک درختوں کے بیچ میں سے جگہ جگہ سے مڑ جاتی تھی اور اس میں کوئی شک نہیں تھا۔ کہ بعض جگہوں سے وہ خاصی تکلیف دہ ہوتی تھی اور ایسی ہی ایک سڑک پر اچانک ہی زبیر شاہ کو بریکوں پر دباؤ ڈالنا پڑا۔

سڑک کے بیچوں بیچ وہ شاندار گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ جو پہلی بار زبیر شاہ کو نظر آئی تھی اور یہ اندازہ بخوبی ہو گیا تھا کہ یہ انہیں لوگوں کی گاڑی ہے۔ ایک لمحے کے لیے زبیر شاہ کے جسم میں سرد لہریں دوڑ گئیں...... گویا مقابلے کا وقت آ گیا ہے...... نادر بیگ نے بھی گاڑی دیکھ لی تھی۔ وہ بھاری لہجے میں بولا۔

"انہیں کی گاڑی ہے لیکن بونٹ اٹھا ہوا ہے۔ یا تو ان کے ریڈی ایٹر میں پانی ختم ہو گیا ہے یا پھر ہو سکتا ہے گاڑی میں کوئی اور خرابی ہو گئی ہو۔ میری رائے تو یہ ہے مائی ڈیئر کہ تھوڑی سی رفتار سست کرو۔ گاڑی کھڑی کرو۔ گاڑی کو کچی جگہ اتار دو۔ وہاں گنجائش ہے اور سیدھے نکل جاؤ۔"

"نادر بیگ وہ تمہیں پہچان نہیں لیں گے۔"

''فکر نہ کرو۔ صاحب جی۔ نادر بیگ بے وقوف نہیں ہے۔ میرا حلیہ اس وقت بہت مختلف ہے جب وہ میرا شناسا تھا لیکن احتیاط میں تیار ہوں۔ تم آرام سے ڈرائیونگ کرتے رہو۔'' زبیر شاہ نے نادر بیگ کے پاس ایک شاندار آٹومیٹک پستول دیکھا جو اس سے پہلے اسے نظر نہیں آیا تھا۔ سامنے والی گاڑی آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی۔ زبیر شاہ نے خود بھی دیکھ لیا کہ وہ لوگ ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر اسے روکنے کا اشارہ کر رہے ہیں، زبیر شاہ نے اسی طرح کار کی رفتار سست کی جیسے ان کے پیچھے رکنا چاہتا ہو لیکن جیسے ہی وہ قریب پہنچا۔ اس نے کار کچے پر موڑ کر تیزی سے آگے نکال لی۔ اُڑنے والی دھول کی وجہ سے وہ ان دونوں کو دیکھ بھی نہیں سکے۔ البتہ عقب نما آئینے میں زبیر شاہ نے انہیں دیکھا۔ وہ غصیلے انداز میں مکے لہرا رہے تھے۔ نادر بیگ نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

''کیا دلچسپ منظر ہے...... یعنی ہم اپنی سردار جی کی طرح انہیں پیچھے چھوڑ آئے ہیں جن کے گھر میں ایک بار چور گھس آیا تھا۔''

زبیر شاہ نے نادر بیگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب ہے۔''

''سردار جی۔ بیگم صاحبہ کے ساتھ اپنے کمرے میں سو رہے تھے، اور اتفاق سے اولمپک چیمپئن تھے۔ یعنی ریس میں تمغے حاصل کر چکے تھے۔ بیگم صاحبہ نے جگایا اور سردار جی کو بتایا کہ چور گھس آئے ہیں، اور سامان باندھ رہے ہیں۔ سردار جی نے کہا، فکر ہی نہ کرو۔ مجھ سے بچ کر کہاں جائیں گے۔ مجھ سے تیز تو نہیں دوڑ سکتے، میں جب چاہوں گا پکڑ لوں گا، تو بگ لارڈ چور سامان باندھتے رہے، سردارنی جی، سردار جی کو کو جگاتی رہیں۔ جب چور سامان باندھ کر گھر سے باہر نکل گئے تو سردار جی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔''

''لاؤ میرے کپڑے تیار کرو۔ میں ابھی چوروں کو جا کر پکڑتا ہوں۔'' سردارنی غصے سے بل کھا رہی تھی۔ سردار جی نے لباس وغیرہ تبدیل کیا۔ داڑھی میں کنگھا کیا، تیار ہوئے، اور اس کے بعد چوروں کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ وہ دوڑتے چلے جا رہے تھے کہ آگے چل کر پولیس والوں نے انہیں روک لیا اور صورت حال پوچھی تو سردار جی ہنس کر بولے۔

''سردارنی کہہ رہی تھی کہ چور بھاگ جائیں گے۔ سسروں کو دو میل پیچھے چھوڑ آیا ہوں...... مجھ سے دوڑ لگا رہے تھے۔ تو بگ لارڈ ہم بھی ان قاتلوں کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں، جن کے تعاقب میں یہاں تک پہنچے تھے۔''

''لیکن اب ہمیں انتظار کرنا چاہیے، اوہو...... وہ دیکھو وہ کچی پگڈنڈی اس ٹیلے کے عقب تک جاتی ہے۔ میرے خیال میں ہمارے لیے چھپنے کے لیے بہترین جگہ ہوگی، وہاں رک کر ان کا انتظار کرتے ہیں۔'' نادر بیگ نے اس بات سے اتفاق کیا تھا۔ زبیر شاہ نے کار کچی پگڈنڈی پر اُتار دی۔ راستہ سڑک کے بائیں جانب سے ہوتا ہوا درختوں کے ایک جھنڈ میں غائب ہو جاتا تھا اور یہ جھنڈ ایک ٹیلے کی آڑ میں واقع تھے۔

زبیر شاہ کار کو روک کر نیچے اُتر گیا اور پھر وہ جلدی جلدی ٹائروں کے نشانات صاف کرنے لگے۔ سورج سر پر پہنچ کر مغربی سمت کی پہاڑیوں میں جھکنے لگا تھا۔ یہاں کھڑے کھڑے کافی دیر ہو گئی تھی۔ دونوں کی نگاہیں مین سڑک پر لگی ہوئی تھیں۔ یہ کیا ہوا، وہ لوگ ابھی

تک یہاں سے نہیں گزرے تھے، یا تو گاڑی درست نہیں ہو سکی اور اگر درست ہوگئی ہے تو پھر انہیں یہاں سے گزر جانا چاہیے تھا۔ دونوں تشویش کا شکار ہو گئے، نادر بیگ نے کہا۔

''اگر تم اجازت دو بگ لارڈ، تو خیال ہے کہ واپس چلیں۔''

''مناسب نہیں رہے گا۔ نادر بیگ ہو سکتا ہے وہ لوگ دوبارہ ہمیں دیکھ کر شبہ کا شکار ہو جائیں۔ میرا خیال ہے پیدل جا کر دیکھنا زیادہ مناسب ہوگا۔''

''ہونہہ...... میرا خیال ہے میں چلا جاتا ہوں۔''

''سوچ لو...... فاصلہ اتنا کم بھی نہیں ہے۔''

''میں کوئی سڑک کے راستے تو نہیں جاؤں گا۔ جنگل کا راستہ کاٹ کر جاؤں گا۔ اس طرح وہ لوگ مجھے دیکھ بھی نہیں سکیں گے۔'' زبیر شاہ نے چند لمحے سوچا، پھر بولا۔

''ٹھیک ہے۔ اگر تم جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ، ورنہ میں چلا جاتا ہوں۔''

''میں ابھی دیکھ کر آتا ہوں، مائی ڈیئر، یہ اتنا مشکل کام بھی نہیں ہے۔'' نادر بیگ نے کہا اور پھر زبیر شاہ سے اجازت لے کر وہاں سے چل پڑا۔ زبیر شاہ خاموشی سے کار میں آ بیٹھا تھا اور ایک بار پھر خیالات کا شکار ہو گیا تھا۔

نہ جانے کتنا وقت گزر گیا اور زبیر شاہ اب الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ یہ تو کوئی بہتر بات نہیں ہوئی۔ اس دوران جگو راجہ کی کار اِدھر سے گزری تھی، نہ ہی وہ واپس آیا تھا۔ اب زبیر شاہ نے اپنے طور پر فیصلہ کیا اور کار کو ریورس کر کے سڑک پر لے جانے کے بجائے درختوں کے درمیان سے ہی گزارنے لگا۔ کوئی ایک میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا۔ اس نے کہ دور سے اسے کوئی سے متحرک چیز نظر آئی اور ایک لمحے کے بعد اس نے پہچان لیا کہ نادر بیگ ہی تھا۔ گرتا پڑتا چلا آ رہا تھا۔

لیکن زبیر شاہ کو ایک لمحے میں اندازہ ہو گیا کہ وہ زخمی ہے۔ زبیر شاہ نے تیز رفتاری سے کار آگے بڑھائی اور اس کے قریب پہنچ گیا۔ نادر بیگ خون میں لت پت تھا۔ اس کی پنڈلی سے لے کر شانے تک سرخ خون نظر آ رہا تھا۔ زبیر شاہ نے پھرتی سے کار روکی اور اسے دیکھنے لگا۔ عجیب سے زخم تھے اور خون مسلسل بہہ رہا تھا۔ وہ ہنس کر بولا۔

''تم مجھے شیر کہہ سکتے ہو، بگ لارڈ، آج میں شیر ہی کی طرح شکاری کا شکار ہو گیا۔''

''کار میں احتیاطاً فرسٹ ایڈ بکس رکھا ہوا تھا۔ وہ لوگ مکمل تیاریاں کر کے اس سفر پر روانہ ہوئے تھے۔ زبیر شاہ سب کچھ بھول کر اس کی مرہم پٹی کرنے لگا۔ اس کے شانے پر گہرا زخم تھا۔''

پنڈلی کا گوشت بری طرح کٹ گیا تھا۔ کمر پر بھی کچھ زخم نظر آ رہے تھے لیکن تھا جان دار آدمی، اتنا خون بہنے کے باوجود اس کے انداز میں کمزوری نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

''دیر ضرور لگ جاتی بگ لارڈ، مگر میں تمہارے پاس پہنچ جاتا۔''

''کیا ہوا تھا۔'' زبیر نے الجھی الجھی سانسیں لیتے ہوئے کہا۔

''میں ان تک پہنچ گیا تھا مائی ڈیئر! راستے میں جہاں ان کی کار کھڑی نظر آئی تھی وہاں اب کچھ بھی نہیں تھا۔''

''میں نے دیکھا کہ کار نہیں ہے، تو میں سمجھ گیا کہ وہ وہاں سے چلے گئے ہیں، واپسی کے لیے پلٹ رہا تھا کہ اس حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔''

''گویا۔ ان سے کوئی مڈ بھیڑ نہیں ہوئی تھی تمہاری''

''یس لارڈ کہانا۔ آج میں شیر کی طرح شکار ہوا ہوں۔ اصل میں قرب و جوار کی بستیوں کے لوگ پانی کے قریب بڑے بڑے گڑھے کھود کر شیر کو ادھر بلانے کے لیے چارے کی بکری باندھ دیتے ہیں اور دس، بارہ فٹ گہرے گڑھے میں وہ برچھے کی طرح تیز اور نوکیلی سلاخیں گاڑ دیتے ہیں، تاکہ شیر اندر گر کر ہلاک ہو جائے۔ اس گڑھے کو وہ گھاس اور پتوں سے اس طرح ڈھانپ دیتے ہیں کہ بالکل اندازہ نہیں ہوتا، میں خوش قسمت تھا کہ بچ گیا، سڑک کی بجائے جنگل سے ہو کر واپس جانے کے لیے ادھر مڑا تھا کہ اندر جا گرا۔''

''بہر حال اب باہر نکلنے کی جدوجہد کے بارے میں کیا بتاؤں، کہانی طویل ہو جائے گی، لیکن بگ لارڈ! اگر تم میرے ان زخموں سے پریشان ہو تو میری مرہم پٹی کرتے ہوئے شاید خود تم میرے بدن کو دیکھا ہوگا۔ میرے تو پورے جسم میں ایسے ایسے درجنوں مشین لگی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ ایسی جسمانی قوتیں ہیں میرے اندر جو میرے زخموں کو بہت آسانی سے بھر دیتی ہیں۔ اب ایسا کرو کہ تم یہاں سے آگے بڑھ جاؤ، تھوڑے فاصلے پر ایک اور قصبہ موجود ہے۔''

''نقشے کے مطابق یہ اندازہ ہوتا ہے غالباً بیس یا پچیس میل کا سفر طے کرنا ہوگا لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ لوگ سڑک پر آگے کیوں نہیں گئے، ہمیں نظر کیوں نہیں آئے، کیا یہ بھی ہو سکتا ہے بگ لارڈ کہ ہم انہیں دیکھ نہ پائے ہوں۔''

''کچھ نہیں کہا جا سکتا۔'' زبیر شاہ نے کہا اور اس کے بعد وہ کار کو کچے راستے سے سڑک پر لے آیا۔ بڑا مشکل کام تھا یہ، لیکن ڈرائیورنگ زبیر شاہ کے لیے معمولی بات تھی۔ چنانچہ اس میں اسے کوئی وقت نہیں ہوئی تھی لیکن جب وہ قصبے میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنی جانی پہچانی کار کو ایک چائے خانے کے سامنے رکے ہوئے دیکھا۔ زبیر شاہ نے اس وقت کار پر توجہ دینے کے بجائے اس قصبہ نما بستی میں کسی ڈاکٹر کو تلاش کرنے کے بارے میں سوچا۔ ڈاکٹر تو مل نہیں سکا لیکن یہاں ڈسپنسری موجود تھی جہاں زبیر شاہ نے نادر بیگ کے زخموں پر صحیح بینڈیج کرائی اور اسے انجکشن وغیرہ لگوا دیے لیکن ڈسپنسری میں اسے کچھ کام کی بات معلوم ہوئی۔ وہ یہ کچھ اور لوگ بھی یہاں آئے تھے۔ ان میں سے ایک شخص زخمی ہو گیا ہے اور ان لوگوں کا جو حلیہ اس نے بتایا وہ ان ہی چاروں میں سے ایک کا تھا۔

''وہ کیسے زخمی ہو گیا، بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی بگ لارڈ۔''

''کیا کہا جا سکتا ہے۔'' زبیر شاہ نے پرخیال انداز میں کہا۔

''نگران کی گاڑی تو وہاں کھڑی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ وہاں موجود ہوں گے۔''

''ہاں...... اس بات کے امکانات ہیں۔ معافی چاہتا ہوں مائی ڈیئر۔ تمہیں خود ہی اس بارے میں معلومات حاصل کرنا ہوگی۔ ویسے میرا خیال ہے کہ وہ لوگ تمہیں پہچانتے نہیں ہوں گے۔''

زبیر شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نادر بیگ کو اس نے ڈسپنسری سے لا کر کار میں لٹا دیا۔ بہت سی باتیں اُلجھن کی تھیں۔ مثلاً یہ کہ وہاں سے واپسی کے لیے انہوں نے کون سا راستہ استعمال کیا۔ اس سلسلے میں زبیر شاہ یہ ہی سوچ سکتا تھا کہ وہ لوگ سڑک چھوڑ کر جنگل کے راستے اس قصبے تک آئے ہوں گے۔ کسی کے بارے میں صرف قیاس آرائی ہی کی جا سکتی ہے۔ حقیقتیں تو بعد ہی میں پتا چل سکتی ہیں۔ بہرحال کار کو ڈسپنسری کے آگے سائیڈ پر چھوڑ کر نادر بیگ کو محتاط رہنے کے لیے کہہ کر زبیر شاہ، اس چائے خانے کی جانب چل پڑا۔

جہاں اس نے ان لوگوں کی کار کھڑی دیکھی۔ وہ بڑی احتیاط کے ساتھ چائے خانے میں داخل ہوا۔ مقامی لوگ کافی تعداد میں نظر آ رہے تھے لیکن یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ وہ لوگ کہاں گم ہو گئے۔ ویسے چائے خانے میں رہائشی جگہ بھی نظر آ رہی تھی۔ زبیر شاہ بہت دیر تک چائے خانے میں رہا اور اس کے بعد وہاں سے باہر نکل آیا۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ کار کے پاس جا کر معلومات چارہ نہیں تھا کہ حاصل کرے۔ چائے خانے سے باہر نکلا تو کار کے اندر اس نے ایک آدمی کو بیٹھے دیکھا اور وہ ایک دم محتاط ہو گیا لیکن یہ ان لوگوں میں سے کوئی نہیں تھا۔ بلکہ ایک مقامی آدمی تھا۔ اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد زبیر شاہ اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کار کے نچلے حصے میں جھک کر کچھ کر رہا تھا۔ زبیر شاہ نے اسے مخاطب کیا تو وہ اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''معاف کرنا بھائی، میں جگو راجہ کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں، وہ کہاں گئے ہیں۔''

''کون جگو راجہ۔'' اس نے سوال کیا۔

''اس کار کا مالک۔''

''وہ جو لمبے قد کا تھا، بڑے بالوں والا، ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔''

''ہاں...... ان ہی کی بات کر رہا ہوں۔''

''وہ تو کب کے یہاں سے چلے گئے۔''

''کہاں۔'' زبیر شاہ بری طرح چونک پڑا۔

''کار خراب ہو گئی تھی۔ صاحب اس میں الیکٹریکل فالٹ ہو گیا ہے اور ساری وائرنگ جل گئی ہے۔ اب اس کی نئی وائرنگ کرنی پڑے گی۔ میرا ایک گیراج ہے، جو دور آپ دیکھ رہے ہو، میرے گیراج سے انہوں نے ایک کار لی اور مجھے واپس کرنے کا وعدہ کر کے یہاں سے چلے گئے ہیں، اصل میں انہیں جلدی پہنچنا تھا۔''

''کیا تم اس طرح بھی کاریں دے دیتے ہو۔''

''کار کی قیمت جمع کرادی ہے، صاحب انہوں نے اور جب وہ مجھے واپس کریں گے تو پورے دس ہزار روپے ادا کریں گے۔ میں نے اسی طرح کی شرط پر انہیں کار دے دی ہے۔ اپنی کار وہ یہاں چھوڑ گئے ہیں اور کہا کہ واپسی میں لے لیں گے۔ اگر وہ غائب ہو بھی جاتے ہیں تو مجھ پر کیا اثر پڑتا ہے۔'' زبیر شاہ کے اندر ایک عجیب سا اضطراب بیدار ہو گیا تھا۔ بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ نکل گئے لیکن اسے غلطی بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اب بھلا اس کو کیا معلوم تھا کہ اس طرح اچانک یہ واقعات تبدیل ہو جائیں گے لیکن اب اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ گڑبڑ زیادہ ہو گئی ہے۔ وہ کامیابی سے اس کا تعاقب جاری نہیں رکھ سکتا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ وہاں سے واپس پلٹ پڑے اچانک ہی اس نے پوچھا۔

''یہ راستہ سیدھا کنڈالی کی طرف جاتا ہے۔''

''جاتا تو ہے صاحب جی! لیکن وہ لوگ اس راستے سے نہیں گئے۔ اصل میں کوئی بیس کلومیٹر پہنچنے کے بعد سڑک بری طرح ٹوٹ گئی ہے اور سنا ہے کہ اس میں ایک گہرا گڑھا پڑ گیا ہے۔ یہ بات انہیں قصبے سے ہی معلوم ہوئی تھی۔''

''تو پھر۔''

''وہ لوگ ایک دوسرے راستے سے گئے ہیں۔ جو ہے تو خطرناک، لیکن ٹوٹی ہوئی سڑک کا حصہ بچ جاتا ہے۔ تقریباً پانچ کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے آپ اس سڑک پر پہنچ سکتے ہو۔ ویسے آپ بھی ہمارے قصبے میں اجنبی لگتے ہو صاحب۔''

''ہاں......ہم مسافر ہیں۔''

''سڑک کے راستے اگر آپ کنڈالی جانا چاہتے ہو تو نہ جاؤ۔ یہ اطلاع قصبے میں پہنچ گئی ہے۔ ان لوگوں کو بھی ہوٹل ہی سے معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ ہمارے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔''

''کیا تم مجھے یہ دوسرا راستہ بتاؤ گے۔''

''ہاں......ہاں کیوں نہیں۔ مشرق کی طرح پانچ کلومیٹر چلے جاؤ۔ تو سڑک کے دائیں جانب ایک کچا راستہ ملے گا۔ جس پر کاریں ذرا مشکل سے چل سکتی ہیں۔ گھوڑے وغیرہ گزر سکتے ہیں۔ مگر تھوڑا سا آگے جا کر یہ کافی چوڑا ہو جاتا ہے۔ ویسے راستہ بڑا خطرناک ہے صاحب، ان لوگوں کو بھی بتا دیا گیا تھا۔''

زبیر شاہ ٹھنڈی سانس لے کر وہاں سے واپس پلٹ پڑا لیکن اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ کام خاصا مشکل ہے۔ پھر اچانک ہی اس کے اندر ایک نیا جذبہ بیدار ہو گیا۔ ایسے مشکل کام ہی تو کامیابی تک پہنچاتے ہیں۔ آہ کاش اور کوئی ہوتا نہ ہوتا۔ شازیہ ساتھ ہوتی تو مشکل تو پیش آ ہی گئی تھی لیکن اس مشکل میں شازیہ کا ساتھ دلچسپیوں کا باعث بن جاتا۔ البتہ اس نے خود ہی اپنے خیال کی نفی کی۔ شازیہ کی طرف متوجہ ہو کر بہت سے معاملات میں پیچھے رہ سکتا تھا۔ گاڑی کے پاس پہنچا تو نادر بیگ گاڑی کے باہر ہی بونٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ گردن ہلا کر جھٹکتے ہوئے بولا۔

”اندازہ ہو رہا ہے کہ تم شاید مشکلوں میں گرفتار ہو گئے ہو، لیکن مجھے تو تم خود بھی کھسکے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ عموماً پولیس والے اتنی محنت کب کرتے ہیں۔ صرف ایک لڑکی کے قتل کے کیس کے سلسلے میں تم نے اپنی زندگی کو دربدر کر لیا ہے۔“

”گاڑی میں بیٹھو۔“ زبیر شاہ نے کہا اور نادر بیگ نے شانے ہلا دیے۔ کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے زبیر شاہ نے کہا۔

”کسی بھی لمحے اگر تم یہ محسوس کرو کہ میرا ساتھ اب تمہارے لیے نقصان دہ ہو رہا ہے تو جب اور اس وقت چاہو مجھ سے علیحدگی اختیار کر لینا۔ تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ میں دماغی مریض ہوں اور نہیں کہہ سکتا کہ اپنے مرض میں کیسی کیسی مشکلات سے گزروں۔“

”تو تم کیا سمجھتے ہو، میں تمہیں شکل سے گدھا نظر آتا ہوں یا بزدل، مگر اس طرف کہاں جا رہے ہو۔“

”بہت بڑا دھوکہ ہو چکا ہے۔“

”کیا مطلب۔“

”کب...... کہاں...... کیا ان کی کار وہاں نہیں ہے۔“

”ہے۔“

”مطلب...... تو بتاؤ، مائی ڈیئر کیوں مجھے الجھنوں میں مبتلا کر رہے ہو۔“ زبیر شاہ نے اسے ساری تفصیل بتا دی اور نادر بیگ گہری سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے کہا۔

”کیا وہ لوگ پاگل ہیں۔“

”کیوں۔“

”ارے تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ جو راستہ موٹر میکنک نے بتایا ہے وہ ہے تو سہی۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، لیکن اس راستے سے گزر کر پانچ، چھ کلومیٹر تک سڑک پر پہنچنا جتنا مشکل کام ہے تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔“

”مگر ہمیں ان کا تعاقب کرنا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں اس سے منع نہیں کرتا۔ ہمیں ان لوگوں کو نگاہوں میں لے آنا چاہیے۔ ورنہ کنڈالی میں پہنچنے کے بعد وہ اس طرح روپوش ہو جائیں گے کہ ہم انہیں تلاش نہ کر سکیں گے۔“

زبیر شاہ نے گردن ہلائی اور نادر بیگ بہر حال اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ویسے بھی زبیر شاہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ خاصا ضدی اور دیوانہ قسم کا آدمی ہے۔ تمام وقت اسی طرح گزر گیا تھا اور اب تاریکی چھانے لگی تھی۔ تاریکی میں اس کچی سڑک پر سفر کرنا آسان نہیں تھا لیکن بہر حال زبیر شاہ بھی ہر قیمت پر انہیں اپنی نگاہوں میں رکھنا چاہتا تھا۔ کار اونچے نیچے ناہموار راستوں پر اچھل رہی تھی۔ گرد کی وجہ سے شیشے چڑھا لیے گئے تھے۔ موسم کسی قدر گرم ہو گیا تھا۔ حبس کی سی کیفیت تھی اور اس حبس کا نتیجہ بارش کی شکل میں ظاہر ہو گیا۔

بارش ایک بار پھر اچانک شروع ہوگئی تھی اور اس طرح اس کچی سڑک پر اب کار کا چلانا انتہائی مشکل ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ ایک چڑھائی پر تھے۔ اگر کسی وادی یا نشیبی علاقے میں ہوتے تو بڑی مشکل پیش آجاتی۔ بارش کی دھند پھیلی ہوئی تھی۔ زمین پر گڑھے تھے۔ جگہ جگہ پانی اچھل رہا تھا۔ شیشے پر آپڑتا تھا۔ وائپر اپنا کام بے شک کر رہے تھے لیکن پھر بھی یہ ایک انتہائی مشکل ڈرائیونگ تھی۔ نادر بیگ کافی دیر تک خاموش رہا، پھر اس نے کہا۔

''اگر وہ مسلسل اس بارش میں سفر کر رہے ہیں، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ بڑے ہمت والے ہیں۔'' پھر بارش نے اس طرح راستہ روکا کہ زبیر شاہ گاڑی بند کرنے پر مجبور ہو گیا۔ بھیانک جنگل تھا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کس جگہ کیا حادثہ پیش آجائے لیکن پھر بھی ایک درخت کے نیچے کار روک کر وہ بارش کے کم ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ بارش آہستہ آہستہ کم ہوتی جارہی تھی۔ راستے پانی میں ڈوب گئے تھے۔ آگے جا کر نہ جانے کون سی جگہ دلدل بن جائے۔ اگر ذرا سی بد احتیاطی ہو جائے تو خطرناک حادثہ ہو سکتا ہے لیکن اب اس تاریکی میں آگے بڑھنا زندگی کھونے کے مترادف تھا۔

سارا جنون اپنی جگہ، لیکن زندگی بچانے کا جنون بھی انسان کی فطرت کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ اب زبیر شاہ نے دیوانگی سے کام نہیں لیا، بلکہ صبح ہونے کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ قصبے کے ہوٹل سے بھی کچھ سامان منگوا لیا تھا۔ کھانے پینے کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ نادر بیگ نے کہا۔

''کیا یہ بہتر نہیں ہوگا لارڈ کہ رات کو ہم پہرہ دیں۔''

''ضرورت نہیں ہے، شیشے چڑھائے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی حادثہ پیش آنا ہی ہے تو پیش آجائے گا۔''

''مطلب یہ کہ ہم سو سکتے ہیں۔''

''سو جاؤ۔'' نادر بیگ چونکہ زخمی تھا۔ زبیر شاہ نے اسے عقبی سیٹ پر بھیج دیا اور خود فولڈنگ سیٹ کھول کر اس پر دراز ہو گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اور وہ دل ہی دل میں نہ جانے کیسے کیسے خیالات کا شکار تھا۔ رہ رہ کر تصور شازیہ کی جانب ہی جاتا تھا۔ عجیب سا محسوس کر رہا تھا وہ۔ ایک طویل عرصہ ہو گیا تھا کہ دونوں کے درمیان جدائی نہیں ہوئی تھی۔ مشکل سے مشکل مرحلے میں زبیر شاہ نے اسے ساتھ رکھا تھا لیکن اس وقت صورت حال ہی ایسی پیش آگئی تھی۔ مظلوم نوشابہ کی لاش اس کی آنکھوں میں گھوم رہی تھی۔ وہ چھوٹا سا لاوارث خاندان جس میں دو بے روزگار نوجوان زندگی کی جدوجہد میں مصروف تھے اور وہ باپ جس نے بیٹی کے برا نہ ہونے کے باوجود اسے ایک فاحشہ کے طور پر تسلیم کر لیا تھا۔

یہ ساری چیزیں ایسی تھیں کہ زبیر شاہ کو یہ مشقت بری محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے دل میں انتقام کی آگ تھی۔ ایسے بے کس اور بے سہارا لوگوں کے لیے تو کوئی گہرے انداز میں سوچتا بھی نہیں ہے۔ ان کے ساتھ حادثے ہوتے ہیں اور لوگ لمحوں میں انہیں بھلا دیتے ہیں لیکن یہ ہونا نہیں چاہیے اور زبیر شاہ ان ہی جذبوں کے تحت کام کر رہا تھا۔ نہ جانے کب نیند آگئی اور نہ جانے کب صبح ہو گئی، جب وہ جاگا تو اس نے سامنے والی پہاڑی کی چڑھائی پر آگے جانے کا راستہ دیکھا اور اس کے بعد نادر بیگ کو بھی جگا دیا۔ نادر بیگ جاگا اور ہنستا ہوا بولا۔

''واہ...... مائی ڈیئر لارڈ نیند بھی کیا چیز ہے۔ شاید تمہیں اندازہ نہ ہو کہ رات کو خواب میں، میں نے اپنے مقتولوں کی تعداد بیس کر دی تھی اور میرے خواب عموماً سچے ہوتے ہیں۔''

''تم فکر مت کرو ڈرائیونگ تم ہی کرو گے۔ ویسے میں بھی اتنی ہمت رکھتا ہوں، اگر تھک جاؤ تو مجھے بتا دینا، میرا خیال ہے میرے بدن نے بہہ جانے والے خون کا بدل پیش کر دیا ہے۔ اب میں خاصا توانا محسوس کر رہا ہوں اپنے آپ کو۔''

''پھر بھی آرام کرو، چائے مجھے بھی دے دینا۔'' چائے بالکل گرم تھی۔ خالی چائے پینے کے بعد زبیر شاہ نے ڈرائیونگ کا آغاز کر دیا۔ پہاڑی پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ نشیب میں وادی کے اندر ایک پتلی سی ندی بہہ رہی تھی۔ جس کے بعد سڑک ایک اور پہاڑی پر چڑھتی تھی۔ ندی کا پانی تو بہہ چکا تھا لیکن دلدلی راستے میں ایک کار پھنسی ہوئی تھی۔ زبیر شاہ نے جلدی سے اپنی کار روک لی اور اسے تھوڑا سا ریورس کیا اور راستے کے کنارے پر روک لیا۔

نادر بیگ نے اس سے پوچھا تو وہ بولا۔

''میرا خیال ہے وہ لوگ آگے موجود ہیں اور کسی مشکل کا شکار ہیں۔''

''کیا مطلب۔''

''میں دیکھتا ہوں۔''

''میں بھی دیکھتا ہوں۔'' نادر بیگ بھی باہر نکل آیا۔ پہاڑی کے اوپر پہنچ کر انہوں نے ایک اُبھرے ہوئے پہاڑی پتھر کی آڑ میں پناہ لی اور نیچے کا منظر دیکھنے لگے۔ وہ نظر آ رہے تھے اور ایک نگاہ میں ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہی چاروں ہیں۔ زبیر شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بات واقعی بڑی عجیب سی تھی۔ زبیر شاہ تو خیر ان راستوں کا اجنبی تھا لیکن وہ لوگ کیوں یہ مصیبت مول لے رہے تھے۔ کیا ان کے لیے کنڈالی تک پہنچنا اتنا ہی ضروری تھا، یا ان کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے اور جلد از جلد اس کا تعاقب سے دُور ہو جانا چاہتے تھے۔ نہ جانے کیا مسئلہ تھا لیکن بہرحال زبیر شاہ نے یہاں اس شخص کو بھی دیکھا، جس کے بارے میں جگو راجہ کا تصور کیا جا سکتا تھا اور نادر بیگ نے لمحوں میں اس کی تصدیق کر دی۔

''وہ جو لمبا کوٹ اور بڑی بالوں والی ٹوپی پہنے ہوئے ہے وہ جگو راجہ ہے۔ باقی اس کے دیگر ساتھی ہیں۔ شاید وہ کسی مصیبت کا شکار ہو گئے ہیں۔'' زبیر شاہ ادھر دیکھ رہا تھا، وہ لوگ جھاڑیاں، گھاس اور شاخیں گاڑی کے پچھلے پہیوں کے نیچے رکھ رہے تھے۔

''یہ کیا کر رہے ہیں۔''

''غالباً ان کے ٹائر کیچڑ میں پھنس گئے ہیں۔''

''مگر اس سے کیا ہوگا۔''

''بے وقوفی ہے۔ ان کی جب پہیے گھومیں گے یہ گھاس پھونس کیچڑ میں دھنس جائے گا۔ ان کتوں کو اسی طرح سزا ملنی چاہیے۔''

بلاشبہ وہ غلطی ہی کر رہے تھے۔ کچھ انتظار کرتے تو کیچڑ دھوپ سے خشک ہو جاتا اور وہ کسی دشواری کے بغیر گزر جاتے لیکن وہ جلدی میں نظر آتے تھے۔ کار چڑھائی پر تھی۔ پھر ان میں سے ایک شخص نے اسٹیئرنگ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کی۔ ایک آدمی پچھلے پہیوں کو اُٹھا کر کیچڑ سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کار اسٹارٹ ہوئی، پہیے بڑی تیزی سے حرکت کر کے آگے بڑھ گئے اور پھر تیزی سے کار پیچھے آئی جو شخص پیچھے موجود تھا اور کار کو دھکا لگا رہا تھا اور اس نے کار کی زد سے بچنے کے لیے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن اس کا ایک پاؤں گڑھے میں چلا گیا اور وہ گر پڑا، کار کے پہیے اسے کچلتے ہوئے اس کے سینے سے گزر گئے۔ اس کی دلخراش چیخ یہاں تک سنائی دی تھی اور جب نادر بیگ کا قہقہہ زبیر شاہ کے کانوں کو چیرتا ہوا گزر گیا تھا۔

''ایک اور گیا۔'' نادر بیگ نے آواز لگائی، زبیر شاہ کے جبڑے بھینچ گئے۔ انسانی زندگی کو اتنی بے قدری سے ختم ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ زبیر شاہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکا کہ کیا کرنا چاہیے۔ وہ لوگ نیچے اُتر آئے تھے اور اپنے تڑپتے ہوئے ساتھی کو دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ اس کے پاس سے کچھ دور ہٹ گئے اور اس کے بعد ان میں سے ایک واپس پلٹا تھا۔ زخمی شخص ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر ان سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ شخص جو واپس پلٹا تھا۔ اس کے قریب پہنچا اور اس کے بعد اس نے اپنے لباس سے پستول نکالا اور اپنے ساتھی کے سر میں گولی ماردی۔

زبیر شاہ کی آنکھوں میں خون اُبلنے لگا تھا۔ نادر بیگ دلچسپی سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اس وحشیانہ حرکت کے بعد وہ شخص جھکا اور مرنے والے کے لباس کو ٹٹولنے لگا۔ غالباً اس نے اس کے لباس سے کچھ چیزیں نکالی تھیں اور اس کے بعد جھک کر مرنے والے کی ٹانگیں پکڑ لی تھیں۔ پھر وہ اس کی لاش کو گھسیٹتا ہوا جھاڑیوں کی طرف بڑھا اور زوردار جھٹکے سے اس نے لاش جھاڑیوں کے پیچھے پھینک دی۔ بالکل اسی طرح جیسے سڑک پر مرجانے والے کسی کتے کو پھینک دیا جاتا ہے۔

زبیر شاہ اس سے اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ لوگ کس قدر درندہ صفت تھے۔ نادر بیگ مسلسل چہک رہا تھا۔ ''جب ان لوگوں میں سے کوئی مرتا ہے نا مائی ڈیئر، تو یقین کرو میرے دل میں ٹھنڈک پڑ جاتی ہے۔ اگر تم اس شخص کے لیے افسردہ ہو جو کار کے نیچے کچل کر مر گیا تو میں یہ ہی مشورہ دوں گا کہ اپنے دل سے یہ خیال نکال دو، مرنے والے نے نہ جانے کتنے لوگوں کو مار دیا ہوگا اور پھر یہ لوگ بگ لارڈ تم غور کرو، یہ لوگ زہر تقسیم کرتے ہیں۔ کیا یہ سب نہیں جانتے کہ ان کا دیا ہوا زہر کس طرح انسانوں کا سکون چھین رہا ہے۔ کسی گھر کا ایک انسان اگر اس زہر کا شکار ہوتا ہے تو ایک خاندان اس کا شکار ہو جاتا ہے۔''

''مجرموں کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا ہوا دیکھ کر زیادہ سکون ہوتا ہے۔ نادر بیگ انسان کم بخت کتنا ہی برا ہو جائے، یہ احساس ضرور رہتا ہے کہ وہ انسان ہے۔'' زبیر شاہ نے بھرے لہجے میں کہا۔

''تمہارا خیال ہے بگ لارڈ اور پھر میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔''

''کیوں۔''

''مجھے معاف کرنا بگ لارڈ، ابھی تم پر حملہ کروں تو تم ساری اخلاقیات بھول جاؤ گے، چاہے تم اسے اپنا دفاع ہی کہو لیکن تم بھر

پورانداز میں مجھ پر جوابی حملہ کرو گے اور میرے حملے کی جتنی بھی شدت ہوگی تم اسی شدت سے میرے ساتھ پیش آؤ گے۔ نتیجے میں میری موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔ معاف کرنا بگ لارڈ انسانی فطرت میں رحم بے شک ہوتا ہے لیکن اسی وقت تک جب تک خود اس کی ذات خطرے میں نہیں پڑ جاتی۔''

زبیر شاہ، نادر بیگ کے الفاظ پر غور کرنے لگا۔ ایک طرح سے ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ فطرت انسانی بڑی اُلجھی ہوئی ہے اور شاید کسی دانشور کا یہ مقولہ درست ہی ہے کہ اگر کوئی انسان اپنی ذات ہی کو سمجھ لے تو کائنات اس کی سمجھ میں آجائے لیکن بڑا مشکل کام ہے یہ۔ بلکہ ایک طرح سے ناممکن، آگے جانے والی گاڑی آگے بڑھی تو ان لوگوں نے بھی اپنی کار آگے بڑھا دی۔ اب اس سے آگے میدانی علاقہ تھا اور اس میدانی علاقے میں وہ انہیں باآسانی دیکھ سکتے تھے۔

اس لیے زبیر شاہ نے کار کی رفتار سست ہی رکھی اور خاصا فاصلہ رکھ کر سفر کرتا رہا۔ دو، چار بار اس کے ذہن میں اُلجھن سی پیدا ہوئی تھی کہ کوئی بھی پولیس والا ہوتا تو اتنے غیر محتاط انداز میں کام نہ کرتا۔ یہ تینوں افراد اس کے سامنے تھے اور وہ جانتا تھا کہ یہ ہی نوشابہ کے قاتل ہیں۔ وہ چاہتا تو انہیں یہیں چھاپ لیتا اور گرفتار کر کے واپس دارالحکومت لے جاتا لیکن اس کی فطرت میں بھی جنون تھا۔ اب یہ بات اس کے دماغ میں بیٹھ گئی تھی کہ ان لوگوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرے اور مستقبل میں ان کے خلاف اعلیٰ پیمانے پر کارروائی کرے تو اس کا نظریہ ہی بدل گیا تھا۔ حالانکہ اس علاقے کے بارے میں اسے بالکل معلومات حاصل نہیں تھیں۔ وہ اس طرف کبھی نہیں آیا تھا۔ کنڈالی میں اگر پولیس چوکی ہوئی بھی تو ظاہر ہے وہاں کے افسر یہ مقامی لوگ ہوں گے اور ایسے علاقے کے بارے میں کم از کم زبیر شاہ کو اتنا اندازہ ضرور تھا کہ وہ لوگ جو غلط کام کرتے ہیں سب سے پہلے قانون ہی کو اپنے چکر میں پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ممکن ہے یہاں کسی سے رابطہ زبیر شاہ کے لیے مشکل ہی بن جائے۔ چنانچہ ایسا کوئی کام کرنے کا ارادہ تو اس نے ترک ہی کر دیا تھا۔

حالانکہ نیاز بیگ صاحب نے اسے یہ سہولت فراہم کردی تھی کہ اگر وہ ضروری سمجھے تو پورے ملک کے کسی بھی علاقے میں اپنے لیے پولیس کی مدد حاصل کرے لیکن بس اس کا جنون اسے اس بار ہمیشہ سے مختلف راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ خاصا فاصلہ طے ہوا اور اس کے بعد ایک کچی دیوار شروع ہوگئی تھی۔ جس کے اوپر فصیلیں بنی ہوئی تھیں۔ زبیر شاہ نے نادر بیگ سے اس کے بارے میں پوچھا تو وہ بولا۔

''یہ فصیل جس طرف گھومے گی، اس سے گھومتے ہی کنڈالی کی آبادی شروع ہوجائے گی۔''

''یہ کیا ہے۔''

''قلعہ کنڈالی۔''

''اس کی بھی کوئی تاریخ ہوگی۔'' زبیر شاہ نے سوال کیا اور نادر بیگ ہنسنے لگا، پھر بولا۔

''اس زمین کی بھی تاریخ ہے۔ بگ لارڈ کون کون سی تاریخوں کے چکر میں پڑو گے۔'' زبیر شاہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا۔ وہ لوگ سفر کرتے رہے۔ اس کے بعد جب وہ موڑ سے گھومے تو انہیں وہ کار نظر آگئی۔ سامنے ہی آبادی پھیلی ہوئی تھی۔ زبیر شاہ کو

اندازہ نہیں تھا کہ چھوٹے سے نام کا یہ شہر اس قدر بڑا ہوگا۔ تاحد نگاہ پہاڑوں کے دامن میں ایک بے ترتیب شہر بکھرا ہوا تھا۔ سڑکیں تنگ تھیں لیکن آبادی بے پناہ تھی۔ خاصا فاصلہ طے کیا گیا۔ زبیر شاہ یہاں کے ماحول میں ایک وحشت خیزی دیکھ رہا تھا لیکن بہر حال وہ سست رفتاری سے آگے بڑھتے رہے۔ پھر زبیر شاہ نے نادر بیگ سے پوچھا۔

''کنڈا لی میں آنے کے بعد میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں کی تلاش مشکل کام ہوگی۔''

''یہ تم نے کیسے سمجھ لیا مائی ڈیئر۔''

''کیوں۔''

''مجھے وہ تمام ٹھکانے معلوم ہیں، جہاں ہم انہیں کھونے کے بعد تلاش کر سکتے ہیں۔'' زبیر شاہ نے آنکھیں بند کر کے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو تم کوئی پراسرار جن معلوم ہوتے ہو۔ تمہیں سب کچھ معلوم ہے اس کے باوجود تم میرے ساتھ لگے ہوئے ہو۔''

جواب میں نادر بیگ ہنسا، پھر بولا۔

''تمہارا ساتھ مجھے اچھا لگ رہا ہے...... بگ لارڈ اور یہ بھی سن لو کہ زندگی میں کبھی میں نے کسی کی خوشامد نہیں کی ہے۔ تم بڑے معتدل آدمی ہو، لگتا ہے ضرورت کے وقت کسی خوف ناک درندے سے زیادہ خونخوار ہوتے ہو گے اور عام حالات میں بالکل نارمل۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں بھی کوئی سپرمین نہیں ہوں۔''

☆......☆......☆

زبیر شاہ پرخیال نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ نادر بیگ واقعی عجوبہ تھا۔ اسی وقت وہ پریشان لہجے میں بولا۔

''ان کمبخت زخموں نے مجھے ذلیل کر دیا ہے۔ کبھی کبھی تو میں سوچتا ہوں کہ اپنا ارادہ ہی ترک کر دوں۔''

''بے وقوف، وہ تمہیں پہچانتے بھی ہوں گے۔''

''کتنی بار تم یہ سوال کر چکے ہو، میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ وہ مجھے پہچانتے ہیں، ایک ایک بندہ مجھے جانتا ہے، لیکن۔''

''لیکن کیا۔''

''لیکن وہ مجھے پہچان نہیں سکیں گے۔''

''کیا تم نے اپنے چہرے میں کوئی تبدیلی کی ہے۔''

''ایسا ہی سمجھو۔''

زبیر شاہ خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک ماحول پر خاموشی طاری، پھر زبیر شاہ نے کہا۔ ''کیا سوچ رہے ہو نادر بیگ۔''

''کوئی خاص بات نہیں۔''

"ان کی کار بھیڑ میں گم ہو گئی ہے۔"

"فکر مت کرو، جب کہو گے انہیں تلاش کر کے تمہارے سامنے کر دوں گا۔"

"کہیں قیام کے لیے کوئی جگہ ہے۔"

"ہاں۔"

"کون سی۔"

"کاہن کی سرائے۔ کاہن بہت شریف آدمی ہے۔ میں تمہیں راستہ بتائے دیتا ہوں ادھر چلو" چنانچہ زبیر شاہ اس طرف چل پڑا ایک اونچے سے پہاڑی ٹیلے پر کچی مٹی سے بنی ہوئی عمارت نظر آ رہی تھی لیکن کافی وسعت میں تھی کار کا اوپر جانے کا راستہ بہت صاف ستھرا تھا۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ اس بے ترتیب شہر میں اس عمارت کی ترتیب بہت شاندار تھی۔ کار کو اوپر لے جانے کے بعد ایک پارکنگ میں کھڑا کر دیا گیا اور اس کے بعد ایک عجیب و غریب سرائے میں رہنے کے لیے جگہ حاصل کر لی تھی۔ بڑا وسیع کمرہ تھا اچھے بستر لگے ہوئے تھے اور کمرہ روشن اور ہوادار بھی تھا۔

"جی! اگر آپ اجازت دو تو تھوڑا وقت میں آرام کر لوں یہ میرا علاج ہو گا۔"

"میں تمہارے لیے کوئی اچھا ڈاکٹر تلاش کرتا ہوں۔"

"یقین کرو بگ باس! مجھے اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی...... ہاں کچھ ایسی دوائیں جو زخموں کو خشک کرنے میں مددگار ثابت ہوں اگر خرید کر لا دو تو مہربانی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے، میں ایسا کر لوں گا۔"

"حالانکہ میں جانتا ہوں اس سے پہلے بھی زخمی ہوا ہوں۔ تمہیں بتا چکا ہوں۔ میرے زخم خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی احتیاطاً زیادہ تیز رفتاری سے کام کرنے کے لیے کچھ دواؤں کا استعمال ہو جائے تو بہتر رہے گا۔" زبیر شاہ نے گردن ہلا دی۔ اس کے بعد اس نے اپنا چہرہ وغیرہ دھویا اور سرائے سے باہر نکل آیا، خوش قسمتی سے ایک میڈیکل اسٹور تھوڑے ہی فاصلے پر مل گیا تھا۔ کیمسٹ سے مشورہ کر کے زبیر شاہ نے زخم خشک کرنے والی دوائیں اور کچھ طاقت کی دوائیں خرید لیں اور واپس کاہن کی سرائے پہنچ گیا...... ان تمام چیزوں کا استعمال بتانے کے بعد وہ بیٹھ گیا۔ اور اس نے کہا۔

"مجھے یہ بتاؤ کنڈالی کے مختلف راستوں کے بارے میں کس سے معلومات حاصل کی جائیں۔"

"اگر تم سوچ رہے ہو صاحب جی کہ تمہیں کنڈالی کا کوئی نقشہ دستیاب ہو جائے گا۔ تو اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات اور کوئی نہیں ہو گی۔ یہ جگہ بالکل بے ترتیب ہے اور ایسی بے ترتیب جگہوں کے نقشے بنانا مشکل کام ہے اور پھر یہاں اس کی ضرورت ہی کون محسوس کرتا ہے۔ میں اب بھی یہی رائے دوں گا کہ تم بھی کچھ وقت آرام کر لو۔"

''مجھے آرام کی ضرورت نہیں ہے۔'' زبیر شاہ نے کہا اور پھر اُٹھتا ہوا بولا۔

''میں چل رہا ہوں، یہ کاہن کی سرائے کہلاتی ہے ناں، اگر راستے بھول گیا تو یہاں کے بارے میں معلومات حاصل کرسکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ اور اس کے بعد زبیر شاہ باہر نکل آیا۔ اسے اس بات کا تو اندازہ تھا کہ غازی یا اس کے آدمی ابھی تک اسے پہچان نہیں سکے ہوں گے۔..... شناسائی ہی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن پھر بھی ذرا حلیے وغیرہ میں تبدیلی کر لینا ضروری تھا۔ ہوسکتا ہے بازاروں میں مقامی لباس مل جائیں اور اس کے بعد کوئی مشکل نہیں رہے گی۔ تھوڑا سا وقت گزرا تھا لیکن زبیر شاہ نے یہاں کے لوگوں کے رہن سہن کو جان لیا تھا۔ پھر وہ باہر نکل آیا تنگ بازار ان میں پھنسی پھنسی دو کانیں اور ان دکانوں میں بے پناہ ساز وسامان ایک عجیب سی کیفیت کا حامل تھا۔''

زبیر شاہ راستے دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ پھر اسے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اچانک اس نے غازی کے ایک آدمی کو دیکھا۔ وہ بھی بازار میں کچھ خریداری کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پلاسٹک کا ایک تھیلا لٹکا ہوا تھا۔ جس میں خاصا کچھ نظر آرہا تھا۔ زبیر شاہ محتاط ہوگیا۔ اور اس نے احتیاط کے زیر نظر اپنے آپ کو پوشیدہ ہی رکھا۔ اس وقت وہ جس جگہ موجود تھا۔ یہ کسی قدر تاریک تھی۔ وہ ایک گوشے میں جا کر کھڑا ہوگیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ کم از کم نادر بیگ پر اس قدر بھروسہ نہ کیا جائے کہ اس پر پورا ہی انحصار کر لیا جائے۔ اس شخص کے تعاقب کے نتیجے میں کوئی پوائنٹ معلوم ہوسکتا ہے۔

چنانچہ جب وہ آگے بڑھا تو زبیر شاہ اس کے پیچھے چل پڑا اس کا رخ اسی جانب تھا، جدھر سے زبیر شاہ آیا تھا۔ زبیر شاہ خاصا فاصلہ دے کر تعاقب کرتا رہا۔ اسے نجانے کیوں یہ احساس ہوا کہ کہیں غازی بھی اسی سرائے میں نہ ٹھہرا ہو۔ جہاں ان لوگوں کا قیام تھا لیکن وہ سرائے کے سامنے سے ہوتا ہوا دائیں جانب کے ایک اور بازار کی سمت مڑ گیا۔ بازار کو عبور کرنے کے بعد ایک رہائشی علاقہ آجاتا تھا۔ جس میں اچھے خاصے بڑے بڑے پکے مکانات بنے ہوئے تھے یہاں ہر سمت تاریکی اور سناٹا تھا۔

زبیر شاہ محتاط ہو کر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ آگے جانے والا آدمی ایک بلند چار دیواری میں بنے گیٹ کے اندر داخل ہوگیا۔ زبیر شاہ رک گیا تھا۔ تاریکی کی وجہ سے یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ وہ دروازے کے اندر چلا گیا ہے یا خود بھی چھپ کر کھڑا ہوگیا ہے۔ لیکن جب ایسی کسی تحریک کا اظہار نہ ہوا تو زبیر شاہ بھی دبے پاؤں آگے بڑھا۔ وہ شخص وہاں موجود نہیں تھا۔ اس بنی ہوئی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا وہ پھر واپس بڑے گیٹ پر آگیا۔ یہاں اس نے جھانک کر اندر دیکھا۔ اندر تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

زبیر شاہ کے اندر ایک ہیجان سا برپا ہوگیا تھا...... حیران کن طریقے سے وہ ان کے ٹھکانے سے واپس ہو چکا تھا اور ٹھکانہ بھی سرائے سے اتنے فاصلے پر نہیں تھا کہ زبیر شاہ کو وہاں تک دوبارہ پہنچنے میں کوئی دقت ہوتی۔ ایک بار پھر اس نے چار دیواری کے گرد چکر لگایا اور اسے ایک ایسی جگہ نظر آگئی۔ جہاں دیوار سے چند اینٹیں نکلی ہوئی تھیں۔ زبیر شاہ اس کے ذریعے با آسانی اوپر چڑھ سکتا تھا۔ دیوار چونکہ تقریباً پندرہ فٹ کے قریب بلند تھی۔ اس لیے احتیاط سے وہ اوپر پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اس نے اندر جھانکا اور احاطے میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

دیوار کے ساتھ بنے ہوئے شیڈ کی چھت خاصی مضبوط نظر آرہی تھی اور وہ اس دیوار کے ساتھ ہی تھی۔ چنانچہ زبیر شاہ اس پر اُتر گیا اور پھر واں سے اسے نیچے پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔ اندر بے ترتیب درخت پھیلے ہوئے تھے۔ لمبی لمبی گھاس چاروں طرف بکھری ہوئی تھی۔ سامنے کشادہ سا صحن تھا۔ جس کے بعد چھوٹے چھوٹے کمرے سے بنے ہوئے تھے۔ بہت ہی وسیع جگہ تھی۔ یہاں گزرنے کے بعد سامنے والی عمارت میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔

زبیر شاہ نے اس عمارت کے درمیان جگہ جگہ چنی ہوئی اینٹیں دیکھیں، کچی اینٹیں تھیں جنہیں غالباً بھٹی میں پکایا بھی نہیں گیا تھا۔ طرزِ تعمیر کچھ ایسی ہی تھی یہاں کی بہر حال وہ دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ کچھ کھڑکیوں سے روشنی جھلک رہی تھی۔ زبیر شاہ نے ایک جگہ پھر اپنے آپ کو پوشیدہ کیا اور راستے کا اندازہ کرتا رہا۔ جس جگہ سے روشنی جھلک رہی تھی۔ وہاں یقیناً لوگ موجود ہوں گے۔ وہ ان تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا اور اس کے لیے اسے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

عمارت پرانی تھی اور ڈر لگتا تھا کہ کہیں کوئی آہٹ نہ ہو جائے، زبیر شاہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک راہداری میں آیا اور اس کے بعد اس نے ہمت کر کے ایک کمرے کی کھڑکی سے اندر جھانکا۔ بڑا سا کمرہ تھا۔ جس کے فرش پر پرانی دری بچھی ہوئی تھی۔ کونے میں ایک بڑا سا بکس رکھا ہوا تھا، لیمپ جل رہا تھا۔ اس کمرے میں ایک اور کمرے کا دروازہ کھلا ہوا نظر آرہا تھا جہاں سے کچھ آوازیں زبیر شاہ کے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ چند لمحے تک وہ اسی کھڑکی سے اندر جھانکتا رہا اور پھر وہاں سے آگے بڑھا اندازہ یہ تھا کہ کمرے کے اندر جو کمرہ موجود ہے۔ اس کے عقب میں کہیں نہ کہیں کھڑکی ضروری ہوگی۔

چنانچہ وہ اس کھڑکی کی تلاش میں مزید تھوڑا سا چکر کاٹ کر آخر کار اس کمرے کی پشت پر پہنچ گیا۔ جب اس نے کھڑکی سے جھانک کر اندر دیکھا تو اسے دس بارہ افراد نظر آئے۔ وہ شخص جس کا تعاقب کرتا ہوا وہ یہاں تک پہنچا تھا۔ ان میں موجود تھا۔ یہ سارے کے سارے دائرے کی شکل میں بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے اور ان کے سامنے سالم بکرے رکھے ہوئے تھے۔ جن میں چاول بھرے ہوئے تھے۔ گوشت اور چاول کی اشتہا انگیز خوشبو چکرا رہی تھی اور زبیر شاہ سوچ رہا تھا کہ کیا ہی عمدہ غذا ہوگی۔

بہر حال اس کے بعد وہ اپنی جگہ رکا رہا۔ کھانے سے فراغت حاصل ہوگئی۔ خوان اُٹھا لیے گئے۔ زبیر شاہ کو یہ جگہ کافی محفوظ معلوم ہوئی تھی۔ جہاں سے وہ ان کا جائزہ لے رہا تھا...... یہاں کسی کے آجانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جگو راجہ بھی نظر آیا جو اب ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے سامنے حقہ لا کر رکھ دیا گیا اور جگو راجہ اس کے گہرے گہرے کش لینے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

''سب سے پہلے میں یہ تین نام اس میں سے کاٹ رہا...... ہمارا ایک آدمی تو وہیں دارالحکومت میں مارا گیا۔ دوسری وہ لڑکی تھی۔ جسے راستے سے ہٹانا پڑا۔''

''غازی اس لڑکی کا قصہ سمجھ میں نہیں آیا۔'' ایک اور شخص نے کہا وہ ان تینوں میں سے نہیں تھا۔ جو جگو راجہ کے ساتھ آئے تھے۔

''وہ غلط چکروں میں پڑ گئی تھی۔ پیٹ بھرا تو عشق کی سوجھی اور گڑ بڑ کرنے لگی، خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس لیے اسے راستے سے ہٹا

دینا مناسب سمجھا۔ تیسرا آدمی ایک حادثے کا شکار ہو گیا۔ ابھی آتے ہوئے میں تمھیں بتا چکا ہوں۔"

"ہاں غازی ہم اس کی موت پر افسردہ ہیں۔"

"مال کے سارے اندراجات مکمل کر لیے گئے۔"

"ہاں...... غازی بالکل۔"

"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے حساب کتاب میں۔"

"بالکل نہیں غازی...... رقم جمع کر کے اندراج کر لی گئی ہے اور اسے مرکز پر پہنچا دیا گیا ہے۔"

"رسیدیں کہاں ہیں۔"

"رجسٹر پر چپکا دی گئی ہیں غازی۔ اگلے صفحے پر دیکھیے گا۔" جگو راجہ نے صفحہ اُلٹا اور شاید ان رسیدوں کو چیک کرنے لگا پھر اس نے کہا۔

"دارالحکومت میں گڑبڑ ہے میرا خیال ہے عارضی طور پر ہمیں یہ اڈے بند کر دینے چاہئیں اور ایکسپورٹ پر توجہ دینی چاہیے۔"

"دس بیس کو اڑا دو باقی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"غازی پہلے بھی یہ کوشش کی گئی ہے۔ نتیجے میں راستے ہی بند ہو گئے۔"

"مرکز سے بات کی جائے گی، اس کے بعد دیکھیں گے۔"

"اور باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے غازی۔"

"ہونہہ۔" غازی رجسٹر چیک کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے وہ رجسٹر ایک طرف سرکا دیا اور حقہ دوبارہ طلب کر لیا۔ زبیر شاہ کی نگاہیں اس رجسٹر پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر جب غازی نے رجسٹر لانے والے شخص سے کہا کہ رجسٹر واپس رکھ دیا جائے۔ تو زبیر شاہ نے اپنی جگہ چھوڑ دی، بڑی احتیاط کے ساتھ وہ آہستہ سے چلتا ہوا ایک دوسری کھڑکی تک جا پہنچا، ایک شخص رجسٹر سنبھالے ہوئے باہر نکل رہا تھا۔ اب زبیر شاہ بلی کی طرح دبے قدموں سے چلتا ہوا اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ جگہ دیکھنے کا خواہشمند تھا جہاں پر رجسٹر رکھا جاتا ہے اور عمارت کے ایک بڑے کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس شخص نے ایک الماری کا دروازہ کھولا۔

زبیر شاہ دروازے کی چابی کے سوراخ سے اندر جھانک رہا تھا۔ اندر چونکہ روشنی تھی اس لیے وہ اس شخص کو الماری میں رجسٹر رکھتے ہوئے دیکھ رہا تھا، لیکن بس یہی چوک ہو گئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے عقب میں بھی کوئی آ گیا ہے اور اچانک ہی آیا۔ زبیر شاہ کو کی ہول سے اندر جھانکتے دیکھ کر وہ شخص چونک پڑا تھا اور دوسرے ہی لمحے اس کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔

"کون ہے بھئی تو۔ کھڑا ہو جا۔" زبیر شاہ ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا تھا اور اس کے بعد اس نے اس آواز ہی سے محسوس کیا جو شخص بھی اس کے عقب میں ہے۔ وہ کتنے فاصلے پر ہو سکتا ہے۔ پھر ایک اندھی چال تھی اس کی، اس نے منہ دروازے کی طرف کیے کیے

ہی داہنی ٹانگ اندازے سے اوپر اُٹھائی اور اس قوت سے اُٹھائی کہ ٹانگ اس شخص کے دونوں پیروں کے درمیان پوری قوت سے لگی اور اس کے حلق سے ایک دلدوز کراہ نکل گئی۔

زبیر شاہ نے فوراً ہی پلٹ کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اپنے انداز پر خود ہی خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ ایک دھماکے سے پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دوسری طرف جا گرا تھا۔ اندر موجود شخص باہر کی اس گڑبڑ کو سن کر برق رفتاری سے باہر نکلا تھا اور زبیر شاہ اس کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

چنانچہ اس نے اس کے باہر نکلتے ہی اس کی گردن دبوچ لی تھی اور اس طرح دیوار سے دے مارا اسے کہ وہ کچھ سمجھ بھی نہ سکا۔ زبیر شاہ جانتا تھا کہ یہ آوازیں رات کے اس سناٹے میں دوسروں کے کانوں سے بچی نہ رہی ہوں گی۔ اب ایک ہی مسئلہ ہے۔ ان دونوں کو اس نے زخمی کر دیا تھا اور دونوں ہی بری کیفیت کا شکار تھے۔

یا تو یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی جائے یا پھر اس رجسٹر پر ہاتھ کی صفائی دکھائی جائے اتنا کام کرنے کے بعد اس کا دل نہ چاہا کہ رجسٹر یہاں چھوڑ دے چنانچہ وہ برق رفتاری سے کمرے میں داخل ہوا۔ رجسٹر لوہے کی الماری میں رکھا ہوا تھا اور چونکہ وہ شخص جو رجسٹر لے کر یہاں تک آیا تھا۔ الماری لاک نہیں کر سکا تھا۔ اس لیے رجسٹر سامنے ہی نظر آ رہا تھا۔

زبیر شاہ چیل کی طرح اس پر جھپٹا اور پھر اسے لے کر دروازے کی جانب لپکا۔ بس ایک چانس ہی تھا۔ کامیاب ہو گیا تو مزے اور اگر ناکام رہا تو یقینی طور پر گڑبڑ ہو جائے گی۔ باہر دونوں اب بھی موجود تھے اور اندر سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ چنانچہ زبیر شاہ نے باہر کی سمت چھلانگ لگا دی۔ پھر عقب سے ایک آواز سنائی دی۔

"اے، کون ہو ٹھہرو۔" زبیر شاہ نے انتظار نہیں کیا اور ایک اور چھلانگ لگائی۔ وہ لوگ اب پوری طرح ادھر متوجہ ہو گئے تھے۔ زبیر شاہ جس قدر تیزی سے دوڑ سکتا تھا۔ دوڑتا ہوا بیرونی احاطے میں پہنچا اور پھر بھاگتا ہوا چار دیواری کے پاس پہنچ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ گیٹ کے سمت جائیں گے، اس لیے وہ اس شیڈ کی سمت بھاگا۔ جس کی چھت سے اُتر کر وہ اندر آیا تھا۔ اسی دوران چیخ و پکار شروع ہو چکی تھی۔

سب خبردار ہو چکے تھے لیکن خوش قسمتی سے وہ احتیاط سے کام لے رہے تھے اور زبیر شاہ کی صحیح سمت کا اندازہ نہیں لگا پائے تھے۔ ان کی اسی تاخیر نے زبیر شاہ کو شیڈ کی چھت پر چڑھنے کا موقع فراہم کر دیا۔ رجسٹر بھی کافی وزنی تھا۔ دوڑنے کے ساتھ ساتھ اسے بھی سنبھالنا پڑ رہا تھا۔ اسی رجسٹر کی وجہ سے اتنی گڑبڑ ہوئی تھی۔ ورنہ زبیر شاہ اب کچھ اور دیر رک کر ان کے معاملات جاننے کی کوشش کرتا۔

بہر حال اس نے چار دیواری سے نیچے چھلانگ لگا دی اور بری طرح نیچے گرا۔ یہی شکر تھا کہ نیچے کی زمین نرم تھی اس لیے چوٹ نہیں آئی تھی، وہ اُٹھ کر سرپٹ دوڑ پڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ گیٹ سے باہر آتے زبیر شاہ اس عمارت سے کافی دور نکل گیا تھا۔ لیکن شاید انہوں نے بھی اسے دیکھ ہی لیا تھا۔ کیونکہ زبیر شاہ اپنے پیچھے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ نجانے کیوں وہ گولی نہیں چلا رہے تھے۔ بس اسے تقدیر کی یاوری ہی کہا جا سکتا تھا ورنہ جگہ ایسی تھی کہ وہ اسے آسانی سے گولیوں کا شکار بنا سکتے ہیں یا پھر غالباً یہ ان کے غازی کی ہدایت

تھی کہ اسے زندہ ہی پکڑا جائے۔

بہر حال یہ ہدایت اس وقت زبیر شاہ کے لیے بڑی کارآمد ثابت ہو رہی تھی۔ وہ اس چکر میں تھا کہ دوڑ کر کسی بھری پری جگہ پہنچ جائے۔ جہاں وہ لوگ اسے پکڑ نہ پائیں۔ کافی فاصلے پر ایک ویسا ہی تنگ بازار تھا جس میں اس وقت خاصی رونق ہو رہی تھی بازار تک پہنچ جانا ہی شرط تھی، اس کے بعد زبیر شاہ نہایت ذہانت سے اپنا کام سرانجام دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی رہائش گاہ تک پہنچ گیا۔ البتہ سرائے میں داخل ہونے کے لیے اس نے سرائے کی عقبی دیوار کو استعمال کیا تھا۔ کیونکہ یہ بہر حال ان کا اپنا علاقہ تھا اور ان کے پاس بہترین وسائل موجود تھے۔ بہر حال زبیر شاہ اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔

نادر بیگ جاگ رہا تھا اور شاید زبیر شاہ کا انتظار بھی کر رہا تھا۔ زبیر شاہ کو دیکھتے ہی وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ زبیر شاہ نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا اور پھر وہ بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ نادر بیگ خاموش نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

''اور یہ بہتر نہیں ہے۔'' زبیر شاہ نے چونک کر اسے دیکھا اور بولا۔

''کیا مطلب۔''

''تمہاری تنہا سرگرمیاں تمہیں نقصان بھی پہنچا سکتی ہیں۔ ذرا سا مجھے بہتر ہو جانے دو۔ تھوڑا سا وقت انتظار کر لینا مناسب ہوگا۔ جو کچھ بھی کریں گے دونوں مل کر ہی کریں گے۔ ویسے میرا خیال ہے۔ اب میں ٹھیک ہوں۔ تم کیا کر کے آئے ہو کیا مجھے بتانا پسند کرو گے۔ صاحب جی۔''

''صرف اتنا پوچھو نادر بیگ جتنا میں تمہیں بتا سکوں۔''

''ہمیشہ یہ ہی کوشش کرتا ہوں۔ کیونکہ بہر حال میرا اور تمہارا منصب الگ الگ ہے ساری باتیں تم سے کر چکا ہوں۔ اگر اجازت دو تو ایک آخری بات اور کہوں۔'' زبیر شاہ سوالیہ نگاہوں سے نادر بیگ کو دیکھنے لگا تو وہ بولا۔

''تم یہ سمجھ لو وہ لوگ یہاں کے بادشاہ ہیں۔ حالانکہ یہ شہر اتنا چھوٹا نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ جہاں چاہیں اور جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ ان کا راستہ روکنے کے لیے یہاں کوئی موجود نہیں ہے۔ ایک طلسمی جال پھیلا رکھا ہے ان لوگوں نے یہاں کے قرب و جوار ان کی ملکیت ہیں اور ان علاقوں میں وہ کسی سے نہیں ڈرتے، چاہے وہ کنڈالی کا علاقہ ہو یا کچھ اور پھر کنڈالی تو ان کی سلطنت ہے۔'' زبیر شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

''ان کی سلطنت ہی میں اگر انہیں سزا نہ دی جائے تو پھر بات ہی کیا بنتی ہے۔''

''کوئی خطرہ مول نہیں لیا تم نے، یہ کیا اُٹھائے ہوئے ہو مائی ڈیئر۔''

''اور کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم سو جاؤ اور مجھے میرا کام کرنے دو۔'' زبیر شاہ نے کسی قدر بیزار لہجے میں کہا۔ نادر بیگ گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ زبیر شاہ مدھم روشنی میں اس رجسٹر کا جائزہ لیتا رہا تھا اور اس پر

عجیب وغریب انکشافات ہوتے رہے تھے۔ بہت سی باتیں اس رجسٹر سے اسے معلوم ہوگئی تھیں۔ حالانکہ یہ ذاتی حساب کتاب کا رجسٹر تھا لیکن کچھ ایسے نام زبیر شاہ کے علم میں آئے تھے۔ جن سے وہ دارالحکومت میں بھی بہت کام لے سکتا تھا۔ یہ رجسٹر ثبوت کے طور پر استعمال کیا جاسکتا تھا اور اس وقت زبیر شاہ کے پاس یہ قیمتی شے کی حیثیت رکھتا تھا۔ بہت دیر تک زبیر شاہ اس رجسٹر میں کھویا رہا اور اس کے بعد اس نے رجسٹر کو احتیاط سے اپنے بدن کے نیچے رکھا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ نیند آگئی تھی۔ لیکن نجانے یہ نیند کتنی طویل ہوئی تھی یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ رات کو دیر سے سونے کی وجہ سے یہ احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ تھوڑی دیر سویا بھی ہے۔ اچانک ہی نادر بیگ نے اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اُٹھا دیا تھا۔ روشنی پھیل چکی تھی اور جاگنے کے بعد زبیر شاہ کو اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھنے پڑے تھے۔

''جلدی کرو۔ صاحب جی! ورنہ پھر شاید کچھ کرنے کے لیے کچھ بھی باقی نہ رہ جائے۔'' نادر بیگ کی آواز نے اسے چونکا دیا اور اس کے تمام تر حواس بحال ہوگئے۔

''کیا بات ہے۔''

''وہ لوگ پہنچ گئے ہیں۔ تقریباً پندرہ افراد نے ہماری کار کو گھیرا ہوا ہے اور جگو راجہ سرائے کے مالک سے پوچھ رہا ہے کہ اس کے سرائے میں کون کون ٹھہرا ہوا ہے۔ کون کب کہاں سے آیا ہے اور یہ کار کس کی ہے۔''

''تم نے جگو راجہ کو دیکھ لیا ہے۔''

''میں باہر نکل رہا ہوں، صاحب جی! موت کی تو خیر مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے لیکن ایسے نہیں مرنا چاہتا مناسب سمجھو تو تم بھی باہر نکل آؤ۔'' نادر بیگ نے کہا اور پھرتی سے باہر نکل گیا۔

زبیر شاہ اسے آواز ہی دیتا رہ گیا لیکن نادر بیگ نہیں رکا۔ اچانک ہی زبیر شاہ کو صورت حال کا احساس ہوا۔ سرائے کے مالک کو بھلا کیا پڑی ہے کہ وہ اس سلسلے میں کسی احتیاط سے کام لے گا۔ وہ ضرور جگو راجہ کو ان لوگوں کے کمرے کے بارے میں بتا دے گا اور اس کے بعد زبیر شاہ نے جو کچھ کیا۔ وہ اس کی اپنی ذہانت تھی۔ کیا کہا جاسکتا تھا۔ وہ لوگ کمرے کے دروازے کے باہر پہنچ گئے ہوں گے۔

چنانچہ اس نے پھرتی سے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا اور اس عقبی کھڑکی کی جانب بھاگا جس میں سلاخیں نہیں تھیں۔ بھاگتے ہوئے صرف اس نے رجسٹر اپنے ساتھ لے لیا تھا اور وہ جیکٹ بغل میں دبالی تھی جو سرہانے ہی لٹکی ہوئی تھی۔ چمڑے کی جیکٹ اور رجسٹر سنبھالے ہوئے وہ کھڑکی سے دوسری جانب کودا اور احاطے کی دیوار کی جانب بھاگنے لگا۔ ابھی اس طرف کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ احاطے کی دیوار سے پہلے بھی کود کر اندر آیا تھا۔ اس بار اسی دیوار کو کود کر باہر جانے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی تھی اور پھر ایک لمبا چکر کاٹ کر اس نے بہت فاصلے سے سرائے سے باہر کا منظر دیکھا، وہ لوگ واقعی اس کی کار کے قریب کھڑے ہوئے تھے اور لازمی امر تھا کہ جگو راجہ اب اندر موجود ہوگا لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ نادر بیگ نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ اپنے طور پر فرار ہوگیا تھا۔ نادر بیگ ایک طرح سے ان علاقوں میں اس کا گائیڈ تھا۔ لیکن اب جو کچھ کرنا تھا۔ وہ خود اپنے ہاتھوں سے ہی کرنا تھا۔

چنانچہ سب سے پہلے زبیر شاہ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس جگہ سے ذرا دور نکل جائے، کم از کم اتنی دور کہ وہ لوگ اسے تلاش نہ کر سکیں اور وہ رکے بغیر دوڑتا رہا۔ کافی فاصلے پر نکلنے کے بعد اس نے جیکٹ بدن پر پہنی، رجسٹر کو جیکٹ کے اندر رکھا اور زپ لگائی۔ اس طرح سے رجسٹر عارضی طور پر محفوظ ہو گیا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ کنڈالی کی آبادی وسیع ترین تھی۔ عمارتوں وغیرہ کا یہاں نام و نشان نہیں تھا لیکن بڑے بڑے شیڈ جگہ جگہ بنے نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے بعض بہت بلند تھے۔ شیڈ کے عقب میں ایک ٹوٹی پھوٹی کھڑکی نظر آتی تھی۔

زبیر شاہ نے یہاں رک کر چند لمحات کے لیے حالات کے بارے میں سوچا ان کی ایک قیمتی شے ان کے ہاتھوں سے نکل گئی تھی اور نادر بیگ کا کہنا تھا کہ وہ انتہائی صاحب اقتدار ہیں اور ان علاقوں میں کسی بھی اجنبی کی آمد کا پتا چلا سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ بڑا کام تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اسے کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس وقت کسی ایسی جگہ پوشیدہ ہونا ضروری تھا۔ جہاں وہ لوگ تمام تر کوششوں کے باوجود اسے تلاش نہ کر سکیں۔

زبیر شاہ یہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے اسی قلعے کی دیواریں نظر آنے لگیں۔ جسے اس نے راستے میں دیکھا تھا اور اس وقت وہ اسی کے قریب سے گزر رہا تھا۔ قلعے کی اس دیوار کے نیچے ستون نظر آ رہے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ تالاب کے بائیں طرف ایک سیدھا راستہ چلا جاتا تھا۔ زبیر شاہ اسی راستے پر آگے بڑھتا چلا گیا۔ دہنی سمت قلعے کا بیرونی پھاٹک تھا اور اس کے دوسری طرف نجانے کیا کیا موجود تھا۔ قلعے کے بارے میں زبیر شاہ کو کوئی تفصیل معلوم نہیں تھی۔

لیکن یہاں کی خاموشی اور سناٹا بہت ہیبت کا حامل تھا۔ زبیر شاہ کو اس وقت پوشیدہ ہونے کے لیے کوئی جگہ درکار تھی۔ چنانچہ وہ اس راستے پر آگے بڑھتا چلا گیا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں نظر آئیں اور وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر ان سیڑھیوں پر چڑھتا چلا گیا تھا۔ ہوا کے جھونکے قلعے کے اندر موجود درختوں سے ٹوٹے ہوئے خشک پتوں کو اڑاتے پھر رہے تھے۔

اور ان کی کھڑکھڑاہٹیں کبھی کبھی انسانی قدموں کی چاپ کی مانند سنائی دیتی تھیں...... سیڑھیاں بہت زیادہ تھیں اور کافی بلندی پر پہنچنے کے بعد زبیر شاہ ان فصیلوں پر آ گیا جنہیں اس نے کار سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا۔ جگہ جگہ محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ بڑا ہیبت ناک ماحول تھا یہاں کا نجانے اس قلعے کی تاریخ کیا تھی۔ لیکن اس وقت اس کی سنسان اور خاموش زندگی ایک عجیب سی کیفیت کا اظہار کرتی تھی ...... زبیر شاہ نے چند لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر وہ ان محرابوں کا جائزہ لینے لگا اور اس کے بعد آگے بڑھ کر ایک محراب سے اندر داخل ہو گیا۔

عجیب سی خاموشی اور ٹھنڈک تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اطراف میں پراسرار روحیں اس پر نگاہیں جمائے بیٹھی ہوں اور اس کی کارکردگی کا جائزہ لے رہی ہوں اور اندرونی حصے میں کافی ٹوٹ پھوٹ بھی ہو چکی تھی اور دیواروں میں جگہ جگہ کافی سوراخ نظر آ رہے تھے۔ حالانکہ یہ ایک خطرناک عمل تھا لیکن زبیر شاہ اب بھی ہر طرح کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھا۔ اس نے ہاتھ اونچا کر کے ان سوراخوں میں سے ایک سوراخ کو ٹٹولا۔ سوراخوں میں سانپ بھی ہو سکتے تھے لیکن ہر طرح کا خطرہ مول لینا ضروری ہو گیا تھا۔

زبیر شاہ کو سوراخ کے اندر کوئی سانپ محسوس نہ ہوا۔ وہ صاف ستھری جگہ تھی۔ غالباً ہواؤں کی کاٹ نے یہ سوراخ دیے تھے۔ زبیر

شاہ نے بسم اللہ کہہ کر جیکٹ کی زپ کھولی اور وہ رجسٹر نکال کر اس سوراخ میں رکھ دیا۔ پھر اس نے سوراخ اور اس کے آس پاس کا اچھی طرح جائزہ لیا تاکہ اس جگہ کو بھول نہ جائے۔ چونکہ وہاں بے شمار محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ اس لیے اس محراب کو یاد رکھنا بھی ضروری تھا۔ تاہم پھر بھی زبیر شاہ نے یوں کیا تھا کہ تلاش کر کے ایک مٹی کا ٹکڑا اُٹھایا اور محراب کے سامنے والے سرے پر خاص قسم کے تین نشان ڈال دیے۔

خاصے گہرے نشان تھے یہ۔ ویسے بھی زبیر شاہ کو یقین تھا کہ اس کی یادداشت اب ایسی بھی نہیں ہے کہ کسی مرحلے پر اسے مایوس کرے، اس محراب کو پھر ضرورت کے وقت تلاش کیا جا سکتا تھا۔ رجسٹر کو اس جگہ محفوظ کرنے کے بعد وہ خاصی حد تک مطمئن ہو گیا۔ ایک قیمتی چیز اس نے محفوظ کر دی تھی۔ اب اس کے پاس صرف اپنی جان کی حفاظت کا مسئلہ تھا۔ تو اس سلسلے میں اس نے اللہ پر بھروسہ کیا تھا۔ پھر وہ وہاں سے واپس پلٹا اور بلندی سے نیچے دیکھنے لگا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ فصیلیں اتنی بلند ہوں گی۔ ویسے یہ کچا قلعہ یقینی طور پر کوئی اہم تاریخی حیثیت رکھتا ہوگا اور نجانے یہاں سے کیا۔ کیا کہانیاں وابستہ ہوں گی۔ زبیر شاہ تھوڑی دیر تک فصیل سے جھانکتا رہا اور پھر وہیں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ قلعے میں لوگ آتے جاتے ہیں یا نہیں۔ ابھی تک تو اسے کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ نہ ہی قلعے کی حفاظت کے لیے کوئی خاص بندوبست کیا گیا تھا لیکن پھر بھی یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے اس قلعے کی باقاعدہ صفائی کی جاتی ہو۔ بھوک لگ رہی تھی۔ اس صبح کا آغاز بھی عجیب انداز میں ہوا تھا۔ پھر اس کا ذہن نادر بیگ کے بارے میں سوچنے لگا۔ نادر بیگ نکل گیا تھا۔ آدمی ایسا نہیں تھا جو ناقابل اعتبار ہو لیکن اس وقت صورت حال واقعی ایسی ہی پریشان کن تھی کہ اس نے نکل جانا مناسب سمجھا تھا۔ زبیر شاہ سوچنے لگا کہ کنڈالی میں اسے تلاش کرنا ایک مشکل کام ہوگا۔

لیکن ہر جگہ سارے ہی تو کام مشکل نہیں رہتے۔ غرضیکہ وقت گزرتا رہا اور زبیر شاہ اس بارے میں سوچتا رہا۔ پھر جب خوب سورج چڑھ گیا تو اس نے وہاں سے واپسی کا فیصلہ کیا، کسی جگہ کھانا پینا بھی ضروری تھا۔ سرائے میں واپسی تو اب خطرناک ہوگی۔ ہرچند کہ وہ لوگ انہیں نہ پا کر واپس چلے گئے ہوں گے۔ لیکن شاید زبیر شاہ بھی خود اندازہ لگا چکا تھا کہ ان لوگوں کے وسائل بہت زیادہ ہیں، ہو سکتا ہے وہاں کسی کو پہرے پر چھوڑ دیا گیا ہو اور سرائے کے مالک کو ہدایت کر دی گئی ہو کہ جیسے ہی وہ پراسرار لوگ واپس آئیں، انہیں اطلاع دے جائے یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نادر بیگ ان کے ہتھے چڑھ گیا ہو۔ اب جو کچھ بھی ہوا ہے۔ بھاڑ میں جائے مجھے اپنے طور پر فیصلے کرنے ہیں۔ زبیر شاہ نے دل میں سوچا اور ایک بار پھر وہ نیچے اُتر آیا اور فصیل کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ پھر کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے آبادی میں داخل ہو کر ایک چھوٹے سے جھونپڑے میں بنے ہوئے چائے خانے کا رخ کیا یہاں سے چائے اور ڈبل روٹی حاصل ہوگئی۔ جسے اس نے بیٹھ کر بڑی رغبت سے کھایا۔

شکم سیر ہونے کے لیے کوئی بھی شے حاصل ہو جائے اس کی پرواہ نہیں ہوتی لیکن اب صورت حال بالکل مختلف تھی۔ اسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اس کا آخری قدم کیا ہونا چاہیے، یہاں سے زبیر شاہ کی فطرت اُبھر رہی تھی۔ وہ ان لوگوں کا تعاقب اس لیے کر رہا تھا کہ انہوں نے ایک مظلوم لڑکی کو قتل کر دیا تھا اور چار افراد نوشابہ کے قاتل تھے۔ انہیں قانون کے شکنجے میں جکڑنا تھا لیکن امیر پور اور اس کے بعد

کنڈالی آکر اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ تو ایک طویل سلسلہ ہے اور اگر وہ، بے سروسامانی کے عالم میں پڑا رہا کہ اس سارے گروہ کا سراغ لگا کر اسے کیفر کردار تک پہنچائے تو یہ ایک طرح سے ناممکن ہی محسوس ہوتا تھا لیکن نوشابہ کے قاتلوں کو سزا دینا اس کے لیے ضروری تھا۔ بات کچھ اس انداز سے میں اُلجھ گئی تھی کہ وہ ان کے پیچھے یہاں تک دوڑا چلا آیا تھا۔ اب اگر دوسرا کام نہ ہو سکے تو پہلے کام کی تکمیل کس طرح کی جاسکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک بار کسی کی وہاں موجودگی سے بددل ہو کر وہ اپنے اس ٹھکانے کو چھوڑ دیں۔ جو زبیر شاہ کے علم میں آچکا ہے۔

لیکن کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اب اس کے بعد زبیر شاہ نے اپنا انداز فکر بدل دیا اور پھر بقیہ وقت اس نے نہایت احتیاط کے ساتھ گزارا، جب شام کے جھٹپٹے فضاؤں میں پھیل گئے اور کنڈالی کے ماحول میں تھوڑی سی بے رونقی پیدا ہوئی تو وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس سمت چل پڑا، جہاں اس نے پچھلی رات ایک کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ اب جو کچھ بھی ہوگا۔ دیکھا جائے گا۔

بے سروسامانی کے عالم میں کبھی کبھی کسی فرض کی انجام دہی دل میں بڑی اُمنگیں پیدا کر دیتی ہے، طویل فاصلہ طے کرتا ہوا آخر کار وہ اسی عمارت کے پاس پہنچ گیا جہاں اس نے پچھلی رات گزاری تھی اور یہاں سے رجسٹر لے کر بھاگا تھا۔

پھر اسے دیکھ کر خوشی ہوئی کہ عمارت کے وسیع وعریض احاطے میں وہ کار کھڑی ہوئی ہے جسے وہ لوگ استعمال کرتے رہے ہیں۔ کار کا یہاں کھڑا ہونا اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ دلیر لوگ وہیں موجود ہیں اور بہرحال اگر انسان کو اپنی ذات پر بہت زیادہ بھروسہ ہوتا ہے تو وہ اسی طرح نقصان اُٹھاتا ہے، زبیر شاہ یہاں داخل ہونا چاہتا تھا اور اب یہ جگہ اس کے لیے اجنبی نہیں رہی تھی یہ اور بات ہے کہ یہاں کچھ اور انتظامات کیے گئے ہوں۔ لیکن اب زبیر شاہ کو کسی بات کی پرواہ نہیں تھی۔

وہ احتیاط کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا آخر کار اپنے اسی مخصوص راستے سے عمارت میں داخل ہو گیا اور اسے ہنسی آنے لگی۔ وہ لوگ اسی بڑے کمرے میں جمع تھے اور انہوں نے یہاں سے کہیں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی لیکن جب زبیر شاہ نے اندر جھانکا تو ایک اور منظر دیکھ کر وہ بری طرح چونک پڑا۔

اس وسیع وعریض کمرے کی چھت میں جگہ جگہ لوہے کے کنڈے لگے ہوئے تھے اور ان کنڈوں میں سے ایک کنڈے میں انسانی جسم لٹک رہا تھا۔ جس کے پاؤں رسے سے بندھے ہوئے تھے اور سر نیچے تھا لیکن جو کوئی بھی وہ تھا۔ اسے دیکھ کر زبیر شاہ کا دل خون ہو گیا۔ نادر بیگ کا چہرا اس کے سامنے ہی تھا لیکن اس چہرے کو دیکھ کر ایک لمحے میں اندازہ ہو جاتا تھا کہ اب وہ زندگی سے بھرپور نہیں ہے۔ اس کی بے نور آنکھیں بتاتی تھیں کہ وہ اس دنیا کو چھوڑ چکا ہے۔

زبیر شاہ نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ نادر بیگ کی کہانی ختم ہو گئی تھی۔ ایک ایسی کہانی جو آج تک کس کو معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ یہاں تک کہ زبیر شاہ کو بھی نہیں، نادر بیگ اس کے چنگل میں پھنس گیا تھا اور زبیر شاہ کو بار بار بچنے کا مشورہ دینے کے باوجود اپنی زندگی نہیں بچا سکا تھا۔ باقی کمرے میں جگو راجہ کے علاوہ وہی دونوں افراد موجود تھے۔ جنہیں زبیر شاہ نے جگو راجہ کے ساتھیوں میں دیکھا تھا اور ان میں سے ایک راستے ہی میں ہلاک ہو گیا تھا۔ عمارت میں اب تک بیرونی طور پر کسی کی موجودگی کے نشانات نہیں ملے تھے۔

زبیر شاہ کے جبڑے بھنچ گئے۔

نادر بیگ کو انہوں نے کس طرح قتل کیا ہوگا۔ اس بات کا تصور با آسانی کیا جاسکتا تھا۔ یقینی طور پر وہ نادر بیگ سے زبیر شاہ کے بارے میں بھی پوچھ رہے ہوں گے اور اس رجسٹر کے بارے میں بھی نادر بیگ نے انہیں کیا بتایا ہوگا یا کچھ نہیں بتایا ہوگا، یہ ایک الگ بات تھی لیکن بہر حال وہ بیچارہ زندگی کھو بیٹھا تھا۔ چند لمحے تک تو زبیر شاہ پر ایک جنون کی سی کیفیت طاری رہی لیکن پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا دے دیا۔ یہ ضروری تھا کہ وہ اسی وقت اپنی ذہنی قوتیں مجتمع کر کے ان لوگوں کے خلاف قدم اُٹھائے۔ ورنہ خود بھی شدید نقصان سے دوچار ہو سکتا تھا۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ عقب سے ایک فائر ہوا اور گولی زبیر شاہ کے پاس دیوار میں پیوست ہوگئی۔ بس ایک لمحہ اور گزر جاتا تو شاید سارے جھگڑے ختم ہو جاتے۔ کیونکہ اس کے بعد پے در پے کئی وار ہوئے تھے۔ زبیر شاہ نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور فائرنگ کی زد سے باہر نکل گیا۔ لیکن اس کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے لوگ اس کی وہاں موجودگی سے اچھی طرح واقف ہوں۔ وہ اسے چاروں طرف سے گھیر رہے تھے اور ان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں...... زبیر شاہ کو پہلے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ یہاں اتنے افراد ہوں گے۔ ویسے بھی یہ عمارت کافی وسیع تھی اور زبیر شاہ نے اس کے بہت مختصر حصے دیکھے تھے۔ اس وقت وہ بری طرح گھر گیا تھا۔ وہ جس طرف بھی جاتا اسی طرف اسے لوگ نظر آتے۔

پھر انہوں نے ٹارچوں کا استعمال بھی شروع کر دیا اور روشنی کی سفید زبانیں لہرانے لگیں۔ سچوایشن ایسی تھی کہ زبیر شاہ کو اپنی جانی پہچانی سمت سے نکلنے کا موقع بھی نہیں مل رہا تھا۔

اچانک ہی راہداری ختم ہوگئی۔ جس کی چھت کے نیچے وہ بھاگ رہا تھا۔ آسمان نظر آتے ہی اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ اسے چاروں طرف سے گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ عمارت سے ناواقف ہونے کی بنا پر وہ نقصان اُٹھا سکتا تھا لیکن کھلے آسمان کے نیچے آ کر صورت حال مختلف ہوگئی۔ اسے اندازہ تو اب بھی نہیں تھا کہ وہ کس طرف جا رہا ہے لیکن عمارت کی وسعتوں سے اس نے تھوڑا بہت اندازہ ضرور کر لیا تھا۔ بائیں سمت وہ تیزی سے دوڑتا چلا گیا۔

نیم تاریک ماحول میں اسے کچھ گاڑیاں نظر آئیں اور زبیر شاہ کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی۔

کاش ان میں سے کسی گاڑی کو وہ حاصل کر سکے لیکن کاش کہہ دینا ہی کافی نہیں ہوتا وہ تیزی سے دوڑتا ہوا ان گاڑیوں کے قریب پہنچا...... دروازے ہی لاک تھے۔ چابی کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ لیکن بہر حال جو کام نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے سوچنا بیکار تھا۔ چنانچہ وہ وہاں سے واپس پلٹا۔ لیکن تقدیر کے کھیل ایسے ہی ہوتے ہیں اور اتفاقات کو ناممکن نہیں کہا جاسکتا اچانک ہی بڑا گیٹ کھلنے لگا تھا۔

زبیر شاہ ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔ وہ ایک دیوار سے چپک گیا تھا۔ یہ گاڑیاں جو یہاں کھڑی تھیں۔ غالباً انہی لوگوں کی تھیں اور مزید کچھ گاڑیوں کی گنجائش بھی یہاں تھی۔ آنے والوں نے گولیوں کا شور تو سنا تھا۔ وہ تیزی سے گیراج کی طرف بڑھے یہ جیپ تھی جس

سے آدمی نیچے اُترے تھے اور اس جگہ اُترے تھے۔ جہاں سے زبیر شاہ زیادہ فاصلے پر نہیں تھا زبیر شاہ سانس روکے کھڑا رہا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے انور۔''

''پتا نہیں۔''

''میرے خیال میں اس طرح تو اندر جانا مناسب ہی نہیں ہے۔''

''مگر ہو کیا سکتا ہے۔''

''گولیاں چل رہی ہیں غالباً۔'' وہ خاموش ہو گیا پھر دوسرے آدمی نے کہا۔

''دیکھنا تو چاہیے میں اندر جا رہا ہوں تم رکو۔'' زبیر شاہ کے دل میں ایک لمحے کے لیے اضطراب سا پیدا ہوا۔ یہ گاڑی اسے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر اس کی چابی ہاتھ لگ جائے لیکن نجانے ان دونوں میں سے کون ہے۔ جس کے پاس چابی موجود ہے۔ چنانچہ اس شخص کو آگے جانا چاہیے...... زبیر شاہ نے ایک لمحے کے اندر فیصلہ کیا اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس نے اچانک ہی منہ سے آواز نکالی اور دونوں چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ انہیں اندازہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ یہ سب کیا ہے لیکن زبیر شاہ نے ایک لمبی چھلانگ لگائی تھی اور ان دونوں کو رگیدتا ہوا زمین پر لے آیا تھا۔ خود اس کے گھٹنوں پر بھی چوٹ لگی تھی لیکن اس نے باقی کام مہارت سے کیا تھا۔ یعنی ان کے سر براہ راست زمین سے ٹکرائے تھے۔ ان کے حلق سے آوازیں نکل گئیں۔

زبیر شاہ فوراً ہی اپنی جگہ کھڑا ہوا اور اس نے کراٹے کے دو ہاتھ ان میں سے ایک کی گردن پر رسید کیے۔ ان کے حلق سے کریہہ آوازیں نکلیں، یہ ہاتھ اس انداز کے تھے کہ اگر صحیح پڑ جاتے تو یقینی طور سے مد مقابل کچھ لمحوں کے لیے حالات سے بے خبر ہو جاتا ہے اور شاید ایسا ہی ہوا تھا لیکن دوسرے آدمی نے پھرتی سے اُٹھ کر پستول نکالنے کی کوشش کی تھی۔ زبیر شاہ کو اس کا اندازہ تھا کہ اس کے بعد یہ ہی ہو گا۔ اس کی بھرپور لات اس شخص کے پیٹ پر پڑی اور دوسری لات اس کی بغل میں۔ وہ اُلٹ گیا تھا۔ زبیر شاہ نے اس کے سینے پر گھٹنا رکھ کر دو تین گھونسے اس کے چہرے پر جما دیے اور پھر اس کی گردن دبانے لگا۔ پستول والے ہاتھ کو اس نے دوسرے ہاتھ سے دبا رکھا تھا۔ چند ہی لمحوں میں وہ شخص بھی نڈھال ہو گیا اور پھر آخری ہاتھ نے اسے بھی حالات سے بے خبر کر دیا۔

چنانچہ زبیر شاہ نے اس کام سے فارغ ہوتے ہی ان کی تلاشی لی۔ چابی پہلے والے شخص کی جیب سے برآمد ہو گئی تھی۔ بہر حال بے مقصد زندگیاں لینا بھی زبیر شاہ کے اصول کے خلاف تھا۔ چنانچہ اس نے ان دونوں کو گھسیٹ کر ایک سمت کیا اور اس کے بعد جیپ پر چھلانگ لگا دی۔ وہ بجلی کی طرح کوندر ہا تھا اور اپنا ہر کام پھرتی سے کر لینا چاہتا تھا۔ اس نے جیپ اسٹارٹ کی، اسی وقت پیچھے سے دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور ٹارچوں کی روشنیاں زبیر شاہ کے گرد احاطہ کرنے لگیں۔

زبیر شاہ جیپ ریورس میں ہی دور تک لیتا چلا گیا اور اس کے بعد اس نے اس کا رخ گیٹ کی جانب کر دیا۔ چوکیدار اس دوران

گیٹ بند کر چکا تھا لیکن اب کوئی خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ جیپ تیر کی طرح گیٹ کی طرف آئی اور پھر چوکیدار کو گیٹ سے ہٹنا پڑا۔

جیپ کی ٹکر نے گیٹ پوری قوت سے کھول دیا تھا۔ اس کے بعد وہ سیدھی نکل گئی تھی لیکن آگے جا کر راستہ بند تھا۔ زبیر شاہ کو جیپ کنٹرول کر کے پھر اسے ریورس کرنا پڑا اور اس ٹکر سے غالباً جیپ کی ہیڈ لائٹس ٹوٹ گئی تھیں لیکن ہیڈ لائٹس کا مسئلہ نہیں تھا۔ زبیر شاہ اندازے کی بنا پر بھی جیپ ڈرائیو کر سکتا تھا۔ البتہ اس وقت اسے خود بھی حیرت ہوئی جب اس نے پیچھے کچھ اور گاڑیوں کے اسٹارٹ ہونے کی آوازیں سنی وہ لوگ چیخ رہے تھے اور اس کی نشاندہی کر رہے تھے۔ زبیر شاہ نے جیپ آگے بڑھائی لیکن قرب وجوار کے راستوں سے وہ بالکل ناواقف تھا اور چونکہ عمارت ایک ایسی جگہ تھی۔ جہاں دوسری عمارتیں موجود نہیں تھیں۔ اس لیے بھی اسے صحیح اندازے نہیں ہو پا رہے تھے۔ البتہ اس نے عقب سے کچھ گاڑیوں کی روشنیاں دیکھی تھیں جو مسلسل اس کی گاڑی کو احاطے میں لیے ہوئے اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ آگے جا کر ایک گہرا موڑ نظر آیا۔

زبیر شاہ نے جیپ کے بریک پر پاؤں رکھے اور اسی موڑ کو بمشکل کاٹا۔ کیونکہ قرب وجوار میں گہرائیاں نظر آ رہی تھیں۔ صورت حال انتہائی خوفناک تھی اور اس وقت ایک ایک لمحہ مہارت سے صرف کرنا پڑ رہا تھا۔ اصل چیز راستوں کے بارے میں معلومات کا نہ ہونا تھا۔ موڑ کاٹنے کے بعد اسے ایک دوشاخہ نظر آیا۔ ایک سڑک دائیں سمت جاتی تھی اور ایک دوسری سمت لیکن بس جیپ کا اسٹیرنگ ہی کٹ گیا تھا اور بائیں والی سڑک پر ہی چلا آیا تھا۔ تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا اور اسے پھر وہ عمارت نظر آنے لگی اور زبیر شاہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ یہ غلط ہو گیا تھا اصولی طور پر اسے دائیں والی سڑک پر جانا چاہیے تھا۔

وہ یقینی طور پر کہیں اور چلی جاتی ہو گی لیکن یہ سڑک گھوم کر واپس اسی عمارت کے اس حصے کی طرف آ جاتی تھی۔ جہاں سے زبیر شاہ نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی لیکن جو غلطی ہو جاتی ہے۔ اس کا سد باب مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ اب وہ بحالت مجبوری اس سڑک پر گاڑی دوڑانے لگا۔ لیکن پچھلی گاڑیاں بہت قریب آ گئی تھیں اور ان سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں۔ پھر اچانک ہی زبیر شاہ کو جیپ اچھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ غالباً پچھلا ٹائر نشانہ بنا لیا گیا تھا۔ بائیں سمت گہری کھائی تھی اور داہنی سمت ایک پہاڑی دیوار۔ اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں تھا کہ جیپ روکے۔ سو زبیر شاہ نے ایسا ہی کیا۔

لیکن جیپ اس طرح بھی نہیں رک سکتی تھی۔ چونکہ سڑک بہت زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ زبیر شاہ نے آنکھیں بند کر کے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور جیپ کو چھوڑ دیا اور یہ چھلانگ اس کی زندگی کا باعث ہی بن گئی۔ جیپ کا رخ فوراً ہی کٹا اور دوسرے لمحے وہ گہری کھائی میں لڑھکنے لگی۔ ایک دھماکہ ہوا اور روشنی کا ایک شعلہ کوندا اور اس وقت وہ باقی گاڑیاں بھی قریب آ کر رک گئیں۔ غالباً ان لوگوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جو کوئی بھی ہے۔ جیپ کے ساتھ گہرائیوں کی جانب چل پڑا ہے۔

چنانچہ وہ پھرتی کے ساتھ نیچے اُترنے لگے۔ زبیر شاہ کو حیرت ہوئی۔ خاصے لوگ تھے۔ حالانکہ تاریک ماحول تھا لیکن پھر بھی زبیر شاہ کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئیں تھیں۔ اس نے سمور کی ٹوپی والے جگو راجہ کو بھی دیکھا جو نیچے اُتر آیا تھا اور اب چیخ چیخ

کر اپنے ساتھیوں کو ہدایت دے رہا تھا۔

"تلاش کرو...... اسے تلاش کرو...... اس کی لاش چاہیے مجھے پتا چلنا چاہیے کہ وہ کون ہے۔ پھر زبیر شاہ نے ان لوگوں کو نیچے اُترتے ہوئے دیکھا۔ ایک لمحے کے اندر اسے اپنے آگے والے قدم کا فیصلہ کرنا تھا کہ اسے اب کیا کرنا چاہیے۔ دوسرے لمحے وہ وہاں سے واپس پلٹ پڑا یہ شکر تھا کہ وہ عمارت جس سے وہ فرار ہو کر یہاں تک آیا تھا۔ زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ بس تھوڑے سے فاصلہ کو عبور کرنا تھا۔ اس کے بعد وہ اس عمارت میں پہنچ سکتا تھا۔ یہ بھی ایک انوکھا فیصلہ تھا لیکن بہر حال اس کے ذہن میں کوئی نہ کوئی مقصد ضرور تھا۔"

چنانچہ وہ برق رفتاری سے دوڑنے لگا اور پھر دوبارہ اس عمارت پر پہنچ گیا ہو سکتا ہے اگر کسی کے علم میں اس کا یہ عمل آتا تو وہ اسے پاگل ہی قرار دیتا جس عمارت سے نکلنے کے لیے اس نے اس قدر محنت کی تھی۔ اس میں دوبارہ آ جانا عقل کی نشانی تو نہیں تھا۔ لیکن زبیر شاہ کے ذہن میں نادر بیگ تھا۔ نادر بیگ کی لاش کو وہ اس طرح چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ ایک عجیب سا احساس ایک عجیب سا خیال اس کے دل میں نادر بیگ کے لیے تھا۔ عمارت میں داخل ہو کر اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ سب دیوانگی کے عالم میں اس کے پیچھے دوڑ پڑے ہیں اور اس وقت شاید اس عمارت میں کوئی بھی موجود نہیں ہے لیکن اس راہ داری میں داخل ہو کر جس میں سے گزر کر وہ فرار ہوا تھا۔ اس کمرے کے قریب پہنچ کر جس میں نادر بیگ کی لاش اُلٹی لٹکائی گئی تھی۔ اسے اپنے خیال کی خود ہی تردید کرنا پڑی۔

کمرے میں کوئی موجود تھا۔ اس کی آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ زبیر شاہ ایک لمحے کے لیے ساکت کھڑا رہا لیکن وہ بھی غیر متوقع طور پر ہی نکلا تھا۔ اچانک ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور اندر کی روشنی باہر پھیل گئی۔ اس کے ساتھ ہی کوئی کمرے سے باہر نکلا تھا۔ لیکن یہاں ساکت کھڑے رہنے کا مقصد یہ تھا کہ اسے زبیر شاہ کے موجودگی کا علم ہو جائے اور زبیر شاہ یہ جانتا تھا کہ وہ غیر مسلح نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایک جچا تلا بھرپور گھونسہ اس شخص کے سینے پر پڑا اور اس کے حلق سے آوازیں نکل گئیں۔ وہ واپس دروازے سے اندر جا پڑا تھا اور پھر شاید وہ توازن قائم نہ رکھنے کی بنا پر گر ہی پڑا تھا۔

دوسرے لمحے زبیر شاہ کسی آندھی طوفان کی طرح اندر داخل ہوا گرنے والے شخص نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار تھے لیکن زبیر شاہ کو دیکھ کر اس نے پلٹ کر اُٹھنے کی کوشش کی۔ زبیر شاہ کی بھرپور لات اس کی پنڈلی پر پڑی اور اس کے حلق سے تیز چیخ کی آواز نکل گئی۔

دوسری بار اس نے پستول نکالنے کی کوشش کی لیکن زبیر شاہ اس کے لیے مستعد تھا۔ جیسے ہی اس کا پستول ہولسٹر سے باہر آیا زبیر شاہ کی بھرپور لات اس کے ساتھ پر پڑی اور پستول دیوار سے جا ٹکرایا اور زبیر شاہ اسے خونی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ شخص کھڑا ہوا اس نے دروازے کی طرف خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا پھر دوسرے لمحے اس نے اپنے ہاتھ میں خنجر سنبھالا۔ یہ خنجر شاید اس کی آستین میں چھپا ہوا تھا۔ خنجر بردار شخص نے دانت بھینچ کر زبیر شاہ پر حملہ کر دیا لیکن زبیر شاہ نے اس کا باقاعدہ حملہ اپنی کلائی پر روکا اور ایک اور گھونسہ اس کے پیٹ پر رسید کیا۔ اس کے بعد اس نے اس کا ہاتھ موڑ کر اس کی پشت پر کیا لیکن وہ شخص بھی غالباً لڑائی بھڑائی کا ماہر معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ایک

مخصوص طریقہ کار آزما کر اپنی کلائی زبیر شاہ کی گرفت سے نکالی اور زبیر شاہ کی کلائی موڑ کر اس کی پشت پر کر دی۔

لیکن یہ صورت حال خوفناک تھی اور زبیر شاہ کو اس خوفناک صورت حال سے نمٹنے کے لیے فوراً ہی کوئی قدم اُٹھانا تھا۔ چنانچہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس نے ایک زوردار گھٹنا اس شخص کے پیٹ میں مارا اور اس کے وار سے بچنے کے لیے مزید ایک ہاتھ اس کی گردن پر رسید کیا لیکن یہ ہاتھ کچھ غلط ہو گیا۔ یہ اس کے کان کے نیچے شہ رگ پر پڑا اور ایک عجیب سی آواز سنائی دی تھی۔ اس کی گردن بائیں طرف مڑ گئی اور دوسرے لمحے اس کے دونوں ہاتھ پھیل گئے۔ وہ اس طرح قدم بڑھانے لگا جیسے اندھا ہو گیا ہو۔

دوسرے لمحے وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔

پھر اس نے زمین پر دو تین لہریں لیں اور اس کے بعد اس کا بدن پھڑ پھڑانے لگا۔ زبیر شاہ کو فوراً احساس ہوا کہ یہ ہاتھ بہت غلط پڑ گیا ہے اور غالباً کسی ایسی کیفیت کا حامل ہے جس نے اس شخص کو زندگی سے محروم کر دیا ہے۔ زبیر شاہ جھک کر اسے دیکھنے لگا اور چند ہی لمحوں کے بعد وہ شخص ساکت ہو گیا۔ زبیر شاہ کو تھوڑا سا افسوس ہوا تھا۔ زیادہ سے زیادہ اس شخص کو بیہوش کر دینا کافی تھا۔ لیکن شاید اس کی موت ہی آ گئی تھی۔ کیونکہ اس نے بھی زبیر شاہ پر جان لیوا حملے ہی کیے تھے۔ پھر زبیر شاہ کو ایک نئی سوجھ گئی۔ دوسرے لمحے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور ایک طرف رکھی ہوئی کرسی کی جانب بڑھ گیا۔

کرسی اُٹھا کر اس نے برق رفتاری سے اس جگہ رکھی جہاں نادر بیگ کی لاش چھت کے کڑے سے بندھی ہوئی تھی۔ پھر کرسی پر کھڑا ہو کر وہ نادر بیگ کے پیروں کی رسی کھولنے لگا۔ یہ رسی کھولنے میں اسے کوئی خاص دقت نہیں ہوئی۔ زبیر شاہ کی لاش کو اس نے احتیاط سے نیچے لٹایا اور اس کے بعد اس شخص کو دیکھنے لگا۔ جو زمین پر پڑا ہوا تھا۔ پھر اس نے اس کی لاش کو اس طرح ٹانگوں سے باندھ کر کنڈے سے لٹکا دیا۔ جیسے نادر بیگ کی لاش لٹکی ہوئی تھی۔ پھر آگے بڑھ کر وہ خنجر اُٹھا کر اپنے قبضے میں کیا اور پستول بھی سنبھال لیا۔ اس کے بعد وہ نادر بیگ کی لاش کو کندھے پر ڈال کر برق رفتاری سے وہاں سے باہر نکل آیا۔ ان لوگوں کی واپسی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ وہ گہرائیوں میں تباہ شدہ جیپ کے پاس یقینی طور پر اس کی لاش تلاش کر رہے ہوں گے۔ پتا نہیں کیا صورت حال پیش آئے۔

بہر طور پر وہ نادر بیگ کی لاش کو لیے ہوئے باہر نکل آیا۔ گیٹ پر چوکیدار موجود تھا اور مستعدی سے اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا۔ غالباً وہ بھی نکل جانے والوں کی تلاش میں تھا کہ واپس آ جائیں تو وہ گیٹ وغیرہ بند کر کے آرام سے بیٹھے۔ زبیر شاہ نے نادر بیگ کی لاش دیوار کے ساتھ ایک جگہ پر رکھ دی۔ جہاں سے وہ اسے باہر نکال لے جانے میں کامیاب ہو جائے۔ برق رفتاری سے کام کرتا ہوا ذہن اس وقت عجیب وغریب کیفیات کا حامل تھا۔ وہ نادر بیگ کی لاش کو یہاں سے لے جانا چاہتا تھا لیکن اس کے لیے بھی اسے کوئی ذریعہ ہی درکار تھا اور ذریعہ یہ ہی ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ واپس آئیں اور ان میں سے کسی ایک کی گاڑی اس کے ہاتھ آ جائے۔ بڑی عجیب سی صورتحال تھی۔ سارے حالات غیر متوقع تھے۔

لیکن بہر حال اب زبیر شاہ بالکل پرسکون تھا۔ اس کے اندر وہی کیفیت نظر آ رہی تھی۔ جو کبھی کبھی جاگتی تھی اور یہ کیفیت جب

جاگتی تھی تو بڑے عجیب وغریب کارنامے سرانجام دے جاتے تھے۔ وہ انتظار کرتا رہا۔ پھر کوئی بیس منٹ کے بعد اس نے باہر گاڑیوں کی آوازسنی تھی۔ وہ مستعد ہو گیا تھا۔ بقیہ کام بھی برق رفتاری سے سرانجام دینا تھا۔ گاڑیاں اندر آ گئیں۔ اس نے جگو راجہ کو اپنے آدمیوں کے ساتھ نیچے اُترتے دیکھا تھا۔ جگو راجہ کے منہ سے عجیب وغریب آوازیں نکل رہی تھیں۔ جن کا مفہوم سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پھر تقریباً تمام ہی افراد عمارت کی جانب بڑھ گئے کسی نے ایک شخص سے کہا۔

"گاڑیاں گیراج میں کھڑی کراؤ۔ یہاں کھڑے رہنا بالکل بیکار ہے۔ ان میں سے ایک شخص رک گیا اور زبیر شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ شخص تو اس کے لیے سب سے زیادہ کارآمد تھا۔ وہ اس شخص پر نگاہیں جمائے دیکھتا رہا۔ چوکیدار نے گیٹ بند کر دیا تھا۔ بس یہ گیٹ کچھ خراب بھی ہو گیا تھا۔ کیونکہ کھولتے اور بند کرتے وقت اس میں عجیب وغریب آوازیں نکلتی تھیں۔ زبیر شاہ کو اندازہ تھا کہ جیپ کی ٹکر سے گیٹ خراب ہو گیا ہوگا۔ بہرحال وہ اس شخص کو گاڑیاں اندر لے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ایک گاڑی اندر کھڑی کرنے کے بعد وہ واپس آیا تو دوسری گاڑی اسٹارٹ کر کے اندر لے گیا۔ اب صرف ایک کار کھڑی ہوئی تھی جو زبیر شاہ کے لیے ضروری تھی۔ چنانچہ اس بار جب وہ گیراج میں گاڑی کھڑی کر کے پلٹا تو زبیر شاہ اپنی جگہ مستعدی سے اس کا انتظار کر رہا تھا لیکن اس بار وہ اپنی درندگی کا کوئی عمل نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

بے مقصد انسانی زندگیوں کا خاتمہ اس کا مسلک نہیں تھا۔

چنانچہ انتہائی مہارت کے ساتھ جیسے ہی وہ شخص اس کی رینج پر آیا زبیر شاہ نے اس پر چھلانگ لگا دی اور پھر اس کی کارکردگی قابل دید تھی۔ وہ شخص ہل بھی نہیں سکا۔ زبیر شاہ نے اسے کسی مکڑی کی طرح جکڑ لیا تھا اور ایک ہاتھ سے اس کا منہ بند کیا اور دوسرے ہاتھ سے وہ اس کی گردن کی ایک مخصوص رگ دبا رہا تھا۔ اس رگ کو دبانے کا ردعمل لمحوں میں ظاہر ہوتا تھا۔ اس شخص نے صرف ایک لمبے جدوجہد کی اور اس کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ زبیر شاہ نے پھرتی سے اسے دیوار کے قریب گھسیٹا چابی اس کے پاس موجود تھی۔

چنانچہ چابی نکال کر وہ پھرتی سے اس طرف بڑھ گیا جہاں اس نے نادر بیگ کی لاش دیوار کے سہارے ڈالی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ نادر بیگ کی لاش وہاں موجود نہیں تھی۔ زبیر شاہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ ہو سکتا ہے اس کے اندازے کی غلطی ہو گئی اور جگہ کے معاملے میں وہ دھوکا کھا گیا ہو۔ دیوار کے ساتھ ساتھ وہ کافی دور تک چلا گیا۔ لیکن نادر بیگ کی لاش وہاں موجود نہیں تھی۔ زبیر شاہ کے دماغ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ آخر لاش یہاں سے کہاں غائب ہو گئی۔ کوئی اور ابھی تک نہیں آیا تھا۔ بھلا وہ تھا ہی کتنے فاصلے پر لیکن نادر بیگ کی لاش چند لمحات تک زبیر شاہ کے ذہن میں دھماکے سے ہوتے رہے۔

یہ الجھی صورت حال اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس نے بیہوش شخص کے بدن کو بھی دیکھا۔ وہ دیوار کے سہارے اسی طرح کھڑا ہوا تھا۔ پھر نادر بیگ کی لاش کہاں گئی۔ ناقابل یقین بات تھی۔ بالکل سمجھ میں نہ آنے والی اور اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ خود یہاں سے نکل جائے۔

چنانچہ کار میں بیٹھنے کے بعد اس نے کار اسٹارٹ کی اور اسے اسی رفتار سے گیٹ کی سمت لے چلا، چوکیدار نے حیرت سے اس کار

کو دیکھا تھا۔ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ دروازہ کھولنے کی کوشش کررہا تھا کہ ممکن ہے کہ انہیں لوگوں میں سے کوئی باہر جانے والا ہو۔ اس کا گیٹ ابھی آدھا کھلا بھی نہیں تھا کہ اسے اچھل کر پیچھے ہٹنا پڑا، زبیر شاہ نے ایک بار پھر اپنی کار سے گیٹ کے ایک پٹ پر ٹکر ماری تھی۔ خیال تو اس کا یہ تھا کہ شاید گیٹ کھلوانے میں وقت ہوگی۔ اس لیے پہلے ہی کی مانند کام چلانا پڑے گا۔ لیکن چونکہ گیٹ آدھا کھل چکا تھا۔ اس لیے زوردار آواز تو ہوئی البتہ کار وغیرہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ زبیر شاہ زن سے اپنی کار کو آگے لیتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

جگو راجہ کی نگاہیں قرب وجوار کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کافی دیر ہوگئی تھی۔ اس کے آدمیوں کو گہرائیوں میں بھٹکتے ہوئے۔ پھر جگو کی خوفناک غراہٹ سنائی دی۔

''خنزیر کے بچو! اوپر آجاؤ...... کیوں جھک ماررہے ہو۔'' اور خنزیر کے بچے آہستہ آہستہ اوپر آگئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

''غازی ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی طرح جیپ سے باہر نکل گیا ہے۔ ہم نے ایک ایک چٹان کے پیچھے دیکھ لیا ہے اور پھر گرتی ہوئی جیپ سے اس طرح کوئی بچ کر نکل بھی نہیں سکتا۔ اس نے ضرور کوئی چالاکی کی ہے۔''

''وہ چالاک ہے اور تم گدھے کیوں۔'' جگو راجہ غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''مگر...... غازی آپ خود دیکھ لیجیے ہم تو مسلسل محنت کررہے ہیں۔''

''لعنت ہے، تمہاری محنت پر...... کتنا شاندار آدمی ہے وہ جو کوئی بھی ہے اس نے ہم سب کو گدھا بنا کر رکھ دیا ہے۔ تم بڑے اطمینان سے کہہ رہے ہو کہ وہ نکل گیا۔ غازی ارے میں کہتا ہوں کہ اگر وہ نکل گیا تو نکل کر کہاں گیا۔''

''غازی ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ جیپ کے نیچے گرنے سے پہلے ہی جیپ سے کود گیا ہو۔''

''اور کود کر تمہارے گھر چلا گیا ہو کیوں۔'' غازی بدستور غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''غازی اسے یہاں بھی تلاش کریں۔''

''ہاں ٹھیک کہتے ہو۔ وہ انتظار کررہا ہوگا کہ جب تم نیچے سے واپس آؤ تو وہ ہنستا ہوا تمہارے سامنے آجائے۔''

''پھر بتاؤ غازی ہم کیا کریں۔''

''چوڑیاں پہن لو اور زنانہ کپڑے پہن کر ڈانس کرو۔ تمہارا اب یہ ہی کام رہ گیا ہے۔'' غازی نے کہا اور سب نظریں جھکا کر کھڑے ہوگئے۔

کتنے لوگوں نے تعاقب کیا تھا۔ وہ سب ہی ایک جگہ جمع ہوگئے تھے غازی چند لمحے وہیں کھڑا سوچتا رہا اور اس کے بعد اپنی گاڑی میں آبیٹھا۔

''سب لوگ واپس چلو۔'' اور اس کے بعد جیپیں وہاں سے واپس چل پڑیں۔ جو جیپ گہری کھڈ میں گری تھی۔ اب صرف اس

کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سلگ رہے تھے۔

وہ لوگ ہر طرف تلاشی لے چکے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق جتنے ایریا میں کسی لاش کے مل جانے کے امکانات تھے۔ وہ پورا ایریا تلاش کر چکے تھے۔ اب یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ کوئی شخص ہوا میں اُڑ کر اپنے آپ کو بچا لے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے مکان میں داخل ہو گئے۔ جگو راجہ کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔ وہ جیپ سے اُترا اور بھاری قدموں سے چلتا ہوا اندرونی عمارت میں داخل ہو گیا۔ پھر وہ اس کمرے میں آ گیا جہاں نادر بیگ کی لاش لٹکی ہوئی تھی۔ وسیع و عریض کمرے کے ایک مخصوص حصے میں وہ قالین پر بیٹھ گیا۔ وہ سب اس کے گرد جمع تھے۔

''خنزیرو اب میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ جاؤ اپنے اپنے کمروں میں جا کر آرام کرو۔ تم لوگوں کے بارے میں مجھے سوچنا پڑے گا اور تم دونوں ادھر رک جاؤ۔'' اس نے دو آدمیوں کو اشارہ کیا۔ باقی لوگ گردنیں جھکائے وہاں سے واپس نکل گئے۔ جگو راجہ غم و غصے کے عالم میں گردن جھکائے بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا اور وہ دونوں آدمی اس کے سامنے دو زانوں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا رخ جگو راجہ کی طرف ہی تھا۔ جگو راجہ کافی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

''غور کرنے کا مقام ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے۔ ہم لوگ پچھلے کچھ وقت سے خاصی مشکلات کا شکار ہیں۔'' جگو راجہ نے ان دونوں آدمیوں سے کہا جو اس کے خاص آدمی معلوم ہوتے تھے اور ان میں سے ایک خود ان کے ہاتھوں شکار ہو چکا تھا۔ وہ لوگ گردن جھکائے بیٹھے رہے۔ جگو راجہ نے کہا۔

''کیا یہ نہیں لگتا کہ ہمارا مستقل پیچھا کیا جا رہا ہے اور پیچھا کرنے والا جو کوئی بھی ہے۔ بڑی کامیابی سے ہمارے دلوں پر چرکے لگا رہا ہے۔ وہ بڑی تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ ہر چند کہ کنڈالی ہمارا اپنا علاقہ ہے لیکن کون جانے ہمارا دشمن کون ہے۔ تم لوگ اس سلسلے میں کوئی رائے دے سکتے ہو۔''

''غازی! حتمی طور پر تو کوئی بات نہیں کہی جا سکتی لیکن اگر تم محسوس کرو تو یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا ہے۔ جب سے ہم نے نوشابہ کو قتل کیا ہے۔''

''تو تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا نوشابہ کی روح ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔''

''نہیں غازی بلکہ کوئی ایسی شخصیت جسے اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ ہم نے نوشابہ کو قتل کر دیا ہے۔''

''اوہ...... تم ایک معمولی لڑکی کے قتل کو اس قدر اہمیت دے رہے ہو کتنے افراد ہمارے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ اگر ان سب کی روحیں ہمارا تعاقب شروع کر دیں تو کیا ہمیں اس روئے زمین پر کہیں پناہ ملے گی۔''

''نہیں...... غازی میں روحوں کی بات نہیں کر رہا۔''

''تو پھر کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''ہوسکتا ہے۔کوئی خطرناک آدمی ہو۔''

''مگر کون۔''

''یہی تو سوچنے کی بات ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے۔کیا انتظامیہ کا کوئی آدمی ہوسکتا ہے۔''غازی نے سوال کیا لیکن وہ دونوں کوئی جواب نہیں دے سکے۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔''غازی نے غصیلے لہجے میں بولا۔

''ہاں غازی ہم غور کررہے ہیں۔''

''کتنی دیر میں غور کرلیتے ہوتم۔''غازی نے سوال کیا۔

''نہیں غازی حتمی طور پر تو کوئی جواب دینا تو مناسب نہیں ہوتا ناں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے۔وہ انتظامیہ کا کوئی آدمی ہوسکتا ہے۔''

''ہوبھی سکتا ہے۔''

''ایک آدمی ہے۔''

''یہ بات تو ہم نہیں کہہ سکتے غازی۔''

''اور یہ نادر بیگ کتے کا پلا......اس نے کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ہمیں بہت عرصے سے ہم اس کی تلاش میں تھے۔تم دیکھو اس نے کس طرح ہمارا تعاقب کیا یہ ہمارے پیچھے ہمارے پیچھے......''اچانک ہی غازی اپنا جملہ بار بار دہرانے لگا۔اس کی آنکھیں نادر بیگ پر لگی ہوئی تھیں۔وہ ایک دم اچھل کر کھڑا ہوگیا اور اس نے کہا۔

''سنو۔''

''جی غازی کہیے کیا بات ہے۔''

''اوہو......اس لاش کو دیکھو۔''جگو راجہ نے لاش کی طرف اشارہ کیا اور پھر دوڑتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔

''اوہ......خدایا اوہ خدایا۔''وہ دونوں بھی لاش کے قریب پہنچ گئے تھے۔ان میں سے ایک نے کہا۔

''ارے یہ تو رضا جان ہے۔''

''کتے کے بچو!کتے کے بچو۔خدا تمہیں غارت کرے۔یہ لاش......یہ لاش کیسے بدل گیا۔اوہ میرے خدا ہم اسے اِدھر چھوڑ گئے تھے۔اُتارو اسے اُتارو۔''ان لوگوں نے لاش نیچے اُتار لی۔جگو راجہ کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔اس نے کہا۔

''تلاش کرو اسے تلاش کرو۔میں سمجھ گیا اس نے اِدھر ہم لوگوں کو بیوقوف بنالیا اور خود اِدھر واپس آ گیا۔''

''اوہ خدایا...... اس نے ہم سب کو کتے کا پلا بنا کر رکھ دیا۔ اِدھر رضا جان کو قتل کر کے اس کا لاش ایسے لٹکایا اور نادر بیگ کی لاش لے گیا۔ میرے خدا، میرے خدا، اِدھر تم میرے کو کتا بنا کر رکھ دیا گیا ہے اور تم سب لوگ تم اوہ...... خدایا'' جگو راجہ پھر رضان جان کی لاش پر جھک گیا۔ وہ اس کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ پھر اچانک ہی وہ چونک کر بولا۔

''دیکھو دیکھو ہو سکتا ہے۔ وہ اِدھر اُدھر ہو گیا ہو یہ ایسا کیسے ہو گیا۔ کون ہے کون ہے۔'' اور اس کے بعد اس کے دونوں آدمی باہر نکلے لیکن اسی وقت انہیں گیٹ پر ایک دھماکہ سنائی دیا اور گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز بھی وہ باہر دوڑتے چلے گئے تھے اور انہوں نے چیخنا شروع کر دیا تھا۔

''دوڑو...... پکڑو دیکھو......'' لیکن دوڑنے پکڑنے اور دیکھنے والے اپنے اپنے کمروں میں آرام کرنے لیٹ گئے تھے۔ بمشکل تمام وہ خاصی دیر کے بعد باہر نکلے۔ اِدھر چوکیدار ان دونوں آدمیوں کو بتا رہا تھا کہ کس طرح گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور اس کے بعد گیٹ سے باہر نکل گئی۔ وہ دونوں تحقیقات کرنے لگے۔

جگو راجہ بھی ان کے قریب پہنچ گیا تھا اور انہیں ایک بار پھر اپنے آدمی کی لاش کا استقبال کرنا پڑا۔ جگو راجہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ صورت حال اس کی سمجھ میں آ رہی تھی کافی دیر تک وہ خاموشی سے کھڑا اس لاش کو دیکھتا رہا۔ دو افراد اور کم ہو گئے تھے ان کے اور ان لوگوں کو کم کرنے والا نجانے کون تھا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''اب اس کی تلاش بے کار ہے۔ ایک بار پھر تم لوگ اس کا پیچھا کرو گے کدھر تلاش کرو گے انہیں...... ہے کوئی تمہارے پاس پروگرام۔'' کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''چلو واپس آ جاؤ...... ہم بالکل ہی دو کوڑی کے ہو کر رہ گئے ہیں کہ اس نے ہمیں بالکل ہی کتا بنا کر رکھ دیا ہے۔ مگر...... مگر میں یہ نہیں مانتا آؤ...... اِدھر غور کرو...... بیٹھو میرے ساتھ ایسا لگتا ہے۔ ہم لوگوں کو محاذ بنانا پڑے گا۔'' جگو راجہ آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو گیا۔ غالباً اس کی یہ کوئی خاص فطرت تھی، بے انتہا غصے میں ہونے کے بعد نرم ہو جاتا تھا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ جوش میں ابلتا ہوا دماغ مناسب فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جو کوئی بھی ہے۔ بہت ذہین اور چالاک ہے۔ اپنا کام کر کے نکل چکا ہے اور اب اس پر ہاتھ ڈالنا مناسب نہیں ہو گا۔ چنانچہ سب سے پہلے ان آدمیوں کو حکم دیا کہ ان دونوں لاشوں کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست کیا جائے اور اس کے بعد انہیں دونوں مخصوص آدمیوں کے ساتھ ایک گوشے میں آ بیٹھا۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

''اور تم جانتے ہو۔ ہم اس وقت کتنی مشکل صورت حال کا شکار ہو گئے ہیں۔ ہمارا مد مقابل ہمیں احساس دلا رہا ہے کہ وہ کوئی بہت خطرناک آدمی ہے اور اس کا واسطہ براہ راست ہم سے ہے۔ تم جانتے ہو کہ اگر ہائی کمان کو اس بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں تو ہمارا کیا حشر ہو گا۔''

''غازی ہم اسی بارے میں سوچ رہے ہیں۔''

''سوچنے سے کبھی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ سوچنے کے لیے صرف چند لمحے درکار ہوتے ہیں اور اس کے بعد عمل کرنا ہوتا ہے۔ اندازہ یہ ہو رہا ہے کہ کوئی بہت ہی خطرناک دشمن ہمارے مقابلے میں آ چکا ہے۔ میرا طریقہ کار ہمیشہ یہ رہا ہے کہ پہلے ماحول کو مشکوک لوگوں سے پاک کرو اور اس کے بعد اپنا کام جاری رکھو۔ اگر ہمیں کوئی خطرہ ہو سکتا تھا۔ توان شہروں میں جہاں ہماری پشت مضبوط نہیں ہے لیکن ہمارے گھر میں داخل ہو کر ہم پر مسلسل جوتے برسا تا ہے تو سمجھ لو کہ وہ کیا چیز ہے۔''

''ایسا سوال مت کرو۔ مجھ سے جس سے میرا دماغ گھوم جائے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کون ہے۔ تو تمہارا کیا خیال ہے کہ میں اتنا چوہا ہوں کہ کسی جانے پہچانے شخص کو چھوڑ دوں۔''

''نہیں غازی ہمارا مطلب یہ نہیں ہے۔''

''پھر کیا مطلب ہے تمہارا۔''

''غازی وہی والی بات پھر درمیان میں آ جاتی ہے کہ اگر وہ انتظامیہ کا کوئی آدمی ہے تو ہو سکتا ہے۔ ہمیں ہمارے ایجنٹوں سے ضرور اس بارے میں اطلاع مل جاتی کہ کوئی ایجنٹ ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اگر ہمیں اطلاع نہیں ملی غازی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی ایجنٹ نہیں ہے۔''

''پھر کون ہو سکتا ہے۔''

''ہو سکتا ہے۔ غازی کوئی ایسا چالاک آدمی ہو جو ہم سے اپنا حصہ مانگنا چاہتا ہو۔''

''دیکھو۔ اگر ایسا کوئی آدمی ہے تو اس سے ہمیں رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ ایسا ذہین آدمی تو ہر وقت ہماری ضرورت رہتا ہے۔ ہم خوشی سے اس کو اس کا حصہ دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ تم سب سے پہلی بات یہ سوچو کہ ہمارا وہ رجسٹر غائب ہو گیا ہے جو ہمارے لیے ایٹم بم سے کم نہیں ہے۔ ہمارے ہاتھ میں یہ ایٹم بم اور دوسروں کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے اور کسی اور کے ہاتھ میں یہ ایٹم بم چلا جائے تو سمجھ رہے ہو بات یہ نہیں ہے کہ اس رجسٹر کے ذریعے بہت سے انکشافات ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ اگر ہائی کمان ہم سے اس رجسٹر کو کبھی طلب کرے تو کیا ہوگا۔''

''میں سمجھتا ہوں غازی اس کے نتیجے میں ہم لوگوں کو موت کی سزا ہی دی جائے گی۔''

''موت، موت تو بہت اچھی چیز ہے۔ ہائی کمان ہمارا جو حشر کرے گا تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''ہم لوگ جانتے ہیں غازی۔''

''چنانچہ سب سے پہلے میں تم دونوں سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ رجسٹر کی بات بالکل ذہن سے نکال دو ایک ایسا رجسٹر تیار کرنا پڑے گا جس میں یادداشت کے مطابق اندراجات کیے جائیں گے اور کوئی ایسی ترکیب سوچی جائے گی کہ اگر کہیں سے یہ رجسٹر طلب کر لیا جائے تو ہم یا تو اسے اس حیثیت سے پیش کریں یا پھر کسی کے ہاتھوں میں پہنچانے کے بعد اسے ضائع کر دیں۔ اس کے لیے ہمیں الگ

منصوبہ بنانا پڑے گا۔''

''ہم سمجھے نہیں غازی۔''

''سمجھو...... سمجھو...... سمجھو۔'' غازی کا لہجہ پھر نرم ہو گیا۔ یہ شدید غصے کی علامت تھی اور یہ بات وہ دونوں بھی جانتے تھے ان کے چہرے زرد پڑ رہے تھے۔

''سمجھو ایک ایسا رجسٹر ہمارے پاس ہونا چاہیے جو بظاہر بالکل وہی جسٹر دکھائی دے جو ہمارے پاس رہتا ہے۔ اگر ہائی کمان کی جانب سے ہی رجسٹر کبھی طلب کر لیا جائے تو اسے باقاعدہ ہائی کمان کو بھیجا جائے لیکن ذمہ دار لوگوں کے سپرد کرنے کے بعد ان سے یہ رجسٹر حاصل کریں اور اس کے بعد اس کو ضائع کر دیں۔ اس کے بعد یہ ہوگا کہ ذمہ داری ہمارے اوپر نہیں رہے گی بلکہ دوسرے لوگوں پر رہے گی۔''

دونوں آدمی حیران نگاہوں سے غازی کو دیکھنے لگا۔ پھر ان میں سے ایک نے سرسراتی آواز میں کہا۔

''اس سے اچھا منصوبہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا غازی۔''

''ہم ہائی کمان کو بھی دھوکہ نہیں دیتے لیکن اپنی زندگی بچانے کے لیے ضروری ہے سمجھ گئے ناں تم لوگوں سے اگر رجسٹر کبھی ہائی کمان سے طلب کر لیا گیا تو اسے باقاعدہ ہائی کمان کے نمائندوں کے حوالے کیا جائے گا۔ تو پھر اگر وہ نمائندے ہمیں قتل بھی کرنے پڑیں تو ہم انہیں قتل کر دیں گے نمائندوں سے رجسٹر کی رسید وصول کرنے کے بعد ہماری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔''

''یہ ایک بہترین منصوبہ ہے۔ غازی۔''

''لیکن اس بات کو ذہن میں رکھنا کہ یہ منصوبہ تم دونوں کے ذہنوں سے باہر نہ نکلنے پائے۔''

''ایسا اس سے پہلے کبھی ہوا ہے۔ غازی۔''

''ویری گڈ...... میں بھی یہ ہی چاہتا ہوں۔ اب رجسٹر کا مسئلہ تو ہم اس طرح حل کر لیں گے لیکن ہمارے سامنے اور بھی بہت سی پریشانیاں ہیں۔ مثلاً یہ کہ کیا اس رجسٹر کے ذریعے وہ ہمیں بلیک میل کر سکے گا۔''

''اگر وہ چالاک ہے۔ غازی تو ایسا کرے گا۔''

''اور اگر اس رجسٹر کے ذریعے ہمیں بلیک میل کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی یا اس کی طرف سے ہمیں کوئی مطالبہ موصول نہیں ہوتا تو پھر سمجھ لو کہ وہ انتظامیہ کا آدمی ہے اور یہ بات ہمارے لیے جتنی خطرناک ہے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں غازی۔''

''خاک سمجھ رہے ہو تم لوگوں نے مجھے مصیبت میں گرفتار کر دیا ہے۔ دیکھو میں تم لوگوں پر کوئی الزام نہیں لگا رہا لیکن بہرحال میں تنہا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ میں تو صرف تمہارا کمانڈر ہوں۔ ذمہ داریاں تو تم لوگوں ہی کو اٹھانی پڑتی ہیں۔''

''غازی ہماری زندگی میں پہلی بار ایسا موقع آیا ہے۔''

''ہوں......وہ ناک کاٹ کر لے گیا ہے۔ ہماری ناک کاٹ دی ہے اس نے، عزت خاک میں ملادی کیا بنادیا۔ اس نے ہمیں خیراب اس سلسلے میں مت سوچو، میں تم کو ایک بات بتاؤں وہ کنڈالی سے نکلا نہیں ہوگا۔ تم لوگ فوری طور پر مصروف ہو جاؤ۔ کنڈالی سیل کر دواور ایک ایک علاقہ سیل کردو۔ اس وقت اور کوئی کام نہیں کرنا ہے۔ جتنے افراد ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان میں سے ایک ایک کو اس بات پر مصروف کردو کہ کنڈالی میں وہ بیٹے اور کسی مشکوک آدمی کو تلاش کریں۔''

''ہم لوگ ابھی نکل جاتے ہیں غازی۔''

''جاؤ میری شکل نہ دیکھو'' غازی نے کہا اور وہ دونوں اپنی جگہ سے اُٹھ گئے۔

☆......☆......☆

زبیر شاہ شہری آبادی میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد سب سے پہلا عمل اسے یہ کرنا تھا کہ کار کو چھوڑ دے، آبادی میں سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ چند ہی ایسی جگہیں نظر آرہی تھیں۔ جہاں لوگ چلتے پھر نظر آرہے تھے۔ رات خاصی ہو گئی تھی اور ساری آبادی خواب وخرگوش کے مزے لے رہی تھی۔ موسم بھی کچھ سرد تھا اور زبیر شاہ کے پاس کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جسے وہ ٹھکانے کے طور پر استعمال کر سکے۔ ویسے کنڈالی میں اسے بھی کے گھر نظر آئے تھے کوئی بھی بے گھر نظر نہیں آتا تھا۔ ایسا کوئی شخص جو مشکوک کیفیت میں ہو۔ دوسروں کی نگاہوں میں آسکتا اور پھر زبیر شاہ نے یہاں کے ماحول کا پوری طرح اندازہ لگالیا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کو شناسا ہی تھے۔ حالانکہ چھوٹی جگہ نہیں تھی۔ پھر بھی یہاں کے ماحول میں ایک خاص کیفیت پائی جاتی تھی۔ زبیر شاہ اپنے اس ٹھکانے کا رخ بھی کرسکتا تھا۔

یعنی وہ قلعہ جہاں دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رہا جاسکتا تھا لیکن وہ اس علاقے کو مشکوک نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اس کی سب سے قیمتی شے جو اس نے یہاں آکر حاصل کی تھی۔ وہ رجسٹر تھا۔ جسے اس نے اپنے اندازے کی بنا پر محفوظ کر دیا تھا۔ اس طرف کسی کی توجہ جانا ناممکن تھا لیکن اگر تقدیر میں ہی کوئی کھوٹ ہے تو پھر دوسری بات ہے۔ چنانچہ اب بقیہ وقت گزارنے کے لیے اس کو وقت درکار تھا اور یہ ٹھکانہ اس نے ایک ایسی دکان کے تخت کے نیچے حاصل کیا جو بازار میں تھی اور اس وقت بند تھی۔ یہ جگہ کسی قدر محفوظ بھی تھی۔ کیونکہ تخت کے نیچے خاصی صاف ستھری زمین تھی۔ کبھی کبھی اس طرح وقت بھی گزارنا پڑ جاتا ہے۔

تخت کے نیچے گھٹنوں کو سینے میں چھپا کر زبیر شاہ لیٹ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ زندگی کے نشیب و فراز کا تجزیہ کر رہا تھا۔ انسان کی ضرورتوں نے اسے سہل پسند بنادیا ہے لیکن کبھی کبھی حالات ایسا رخ اختیار کر لیتے ہیں کہ اسے اپنی اصلیت کی جانب لوٹنا پڑتا ہے۔ شہری آبادیوں میں تو ایسے ہزاروں لوگ ہوتے ہیں۔ جن کے پاس کوئی گھر نہیں ہوتا اور ایسی ہی جگہیں ان کا ٹھکانہ بنتی ہیں۔ چنانچہ یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی۔ شازیہ اپنے بیڈروم میں آرام سے سو رہی ہوگی۔ اگر اس کے فرشتوں کو بھی یہ اندازہ ہو جائے کہ زبیر شاہ اس وقت ایسی حالت میں ہے تو شاید وہ سکون کی نیند نہ سو سکے۔

لیکن بہر حال یہ سب وہ دلکش سوچیں تھیں جو انسان کو بہت سے رموز سے آشنا کرتی ہیں۔ اس نے اپنا ذہن اس طرف سے ہٹا

لیا۔ جگو راجہ اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ لوگ بارہا اس کی رینج میں آئے تھے اور زبیر شاہ اگر چاہتا تو نوشابہ کی موت کے انتقام کے طور پر اپنی فطرت کے مطابق انہیں موت کے گھاٹ اُتار سکتا تھا لیکن یہ کوئی بات نہیں ہوتی اس کے ذہن میں جو نئے تصورات جاگزین ہوئے تھے، وہ ان کے تحت عمل کرنا چاہتا تھا۔ ان لوگوں کا مکمل سراغ لگانا ضروری تھا۔ رجسٹر میں اسے دارالحکومت میں موجود ایسے ایسے بڑے نام حاصل ہوئے تھے جن کے خلاف کام شروع کیا جا سکتا تھا۔ نیاز بیگ صاحب خود زبردست آدمی تھے اور ان حقیقتوں کا اظہار ان کی شخصیت سے ہوتا تھا۔ جن میں یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں اگر سبھی برے ہو جائیں تو پھر دنیا کا کاروبار ہی بند ہو جائے۔

نیاز بیگ صاحب اسے اس سلسلے میں کام کرنے کی اجازت ضرور دے دیں گے، اس سے پہلے بھی کئی بار ان علاقوں میں منشیات کی تجارت کا انکشاف ہوا تھا لیکن اب وہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی ذہنی رو نادر بیگ کی طرف مڑ گئی۔ یہ اس رات کا سب سے حیرت انگیز واقعہ تھا۔ ویسے تو وہ جگو راجہ کے منہ پر کالک مل آیا تھا۔ ایسے لوگ جو اپنے آپ کو بہت بااثر اور صاحب قدرت سمجھتے ہیں بھلا اس طرح کی باتیں کہاں برداشت کر سکتے ہیں۔ جگو راجہ کو بے حد ذہنی صدمہ پہنچا ہوگا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نادر بیگ کی لاش کہاں غائب ہوگئی، زبیر شاہ کو اندازہ تھا کہ نادر بیگ نجانے کب سے اُلٹا لٹکا ہوا تھا اور پھر نادر بیگ کو رسی سے اُتارتے ہوئے بھی اس نے اس کے بدن میں سردی محسوس کی تھی۔ جیسے ایک لاش میں ہوتی ہے۔ پھر وہ لاش اس دیوار کے پاس سے کہاں غائب ہوگئی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ البتہ ایک اور خیال اس کے ذہن میں اُبھرا، اتنی دیر سے رسی میں اُلٹا لٹکا ہوا شخص جو مکمل سرد ہو گیا ہو اس کی لاش اکڑ بھی جانی چاہیے تھی۔

نادر بیگ کے بدن میں کوئی اکڑن نہیں تھی۔ بلکہ جب زبیر شاہ اسے شانے پر ڈال کر احاطے کی دیوار تک لایا تھا۔ تو اس کا جسم لچکدار تھا اور جھول رہا تھا۔ تو کیا نادر بیگ زندہ تھا۔ مگر کیسے۔ اس میں زندگی کے آثار تو نظر نہیں آتے تھے۔

بہر حال اس سوال کا کوئی جواب کہیں سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا اور اس وقت اس سوال کا جواب حاصل کرنا بھی ضروری نہیں تھا۔ زبیر شاہ کو اندازہ تھا کہ جگو راجہ کی یہاں خاصی حقیقت ہے اور رات کے واقعات سے آشنا ہونے کے بعد وہ اپنی تمام تر توتیں اس بات پر صرف کر دے گا کہ اس شخص کا پتہ لگائے جس نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے اور بار بار اس کی کمین گاہ میں گھس کر اس کے منہ پر کالک لگائی ہے۔

چنانچہ اب وہ بہت خطرناک ہو جائے گا۔ زبیر شاہ بہت دیر تک سوچتا رہا اور آخر کار اس نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دے لیا۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے تحفظ کا بندوبست کرنے کے لیے اسے کچھ دن کسی ایسی جگہ پر منتقل ہو جانا چاہیے۔ جہاں اسے کوئی نہ دیکھ سکے اور پھر وہ اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ پھر بقیہ رات اس نے سوتے جاگتے گزاری۔ صبح کی روشنی نمودار ہوئی۔ وہ تخت کے نیچے سے نکل آیا اور اپنے طور پر کچھ سوچنے لگا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ دکاندار آ گیا۔ جس کی یہ دکان تھی۔ زبیر شاہ چند لمحات سوچ میں ڈوبا رہا۔ وہ اپنے منصوبے پر بڑی ہوشیاری سے عمل کرتا تھا۔ چنانچہ کچھ وقت انتظار کرتا رہا۔ دکاندار دکان کھولنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ قرب و جوار کے کچھ اور دکاندار بھی آ گئے تھے۔ اور اپنے کاروبار کا آغاز کر رہے تھے۔

پھر جب زبیر شاہ نے دیکھا کہ کئی افراد وہاں پہنچ گئے ہیں۔ تو وہ دکاندار کی طرف مڑا اور اس کے قریب پہنچ گیا اس نے آگے

بڑھ کر وہ چاقو نکالا جو اس نے جگو راجہ کے ہاں سے حاصل کیا تھا اور اسے کھول کر دوکاندار کے سینے پر رکھ دیا۔

''تمہارے پاس جتنے پیسے ہیں نکال کر میرے سامنے رکھ دو۔'' زبیر شاہ غرائی ہوئی آواز میں بولا اور دکاندار چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اپنے سینے پر رکھے ہوئے چاقو کو دیکھا۔ لیکن اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار نہیں ہوئے تھے۔ کوئی دلیر آدمی تھا۔ وہ زبیر شاہ کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

''دن میں چوری کرتے ہو۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ ورنہ یہ چاقو تمہارے سینے کے پار کردوں گا۔''

''اور اس کے بعد تم مجھ سے ساری رقم حاصل کر لو گے۔'' دکاندار مسکرا کر بولا۔

''جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کردو۔''

''چاقو ہٹاؤ تو کروں ناں ایسے بھلا کیا کرسکتا ہوں میرے ساتھ آؤ وہ میرا گلہ ہے اور جو رقم اس میں ہے وہ زیادہ نہیں ہوگی۔ لیکن تمہاری چوری کا شوق پورا ہو جائے گا۔'' دکاندار نے کہا۔ زبیر شاہ نے چاقو اس کے سینے سے ہٹا لیا۔ وہ گہری نگاہوں سے دکاندار کا ردعمل دیکھ رہا تھا۔ صحیح انسان کا انتخاب کیا تھا اس نے دکاندار اس گلے پر رکا جو ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ اسے کھولا جب اس کا ہاتھ گلے سے واپس آیا تو اس میں پستول دبا ہوا تھا۔ اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''سب سے پہلے تو چاقو پھینکو اور اس کے بعد اپنے ہاتھ اُٹھا لو۔''

''میں تمہیں جان سے ماردوں گا۔'' زبیر شاہ غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''مجھے جان سے مارنے سے پہلے تم اپنے بدن کے سوراخوں کو گنتا سمجھ رہے ہو چاقو پھینکو۔'' دکاندار غرائی ہوئی آواز میں بولا اور زبیر شاہ نے چاقو پھینک دیا، دکاندار اسے پستول سے کور کیے ہوئے تھا اور زبیر شاہ دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ ایک مناسب آدمی سے واسطہ پڑا ہے۔ پھر دکاندار نے باقی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور بہت سے لوگ آگئے تو دکاندار نے انہیں صورت حال سے آگاہ کیا۔ پھر زبیر شاہ کو تھوڑی سی مار پیٹ برداشت کرنا پڑی۔ تھپڑ گھونسے، اس کی اچھی طرح مرمت کر ڈالی اور اس کے بعد اسے باندھ کر ڈال دیا۔

پھر دکاندار نے کسی سے کہا کہ فوری طور پر پولیس سے رابطہ قائم کرے، غالباً پولیس مستعد تھی۔ چنانچہ فوراً ہی ایک سب انسپکٹر تین چار کانسٹیبلوں کے ساتھ یہاں پہنچ گیا۔ دکاندار نے چاقو اس کے حوالے کیا اور اس کے بعد ٹوٹے پھوٹے زبیر شاہ کو پولیس کے سپرد کر دیا گیا۔ سب انسپکٹر زبیر شاہ کو دھکے دیتا ہوا آگے لے چلا اور تھوڑی دیر کے بعد اسے پولیس اسٹیشن کی عمارت میں لے جایا گیا۔ جہاں ایک کمرے میں اسے بند کر دیا گیا۔ سب انسپکٹر نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''خبردار اگر تم نے کوئی حرکت کی تو اسی چاقو سے تمہاری گردن کاٹ دی جائے گی جسے لے کر تم ڈاکہ ڈال رہے تھے۔ بے وقوف گدھے ایسے چاقوؤں سے ڈاکا ڈالا جاتا ہے۔''

''دیکھو صاحب ہم چور نہیں نہیں ہیں ڈاکو نہیں ہیں، تین دن سے بھوکے ہیں...... ہم نے تو بس ناشتے کے لیے اس سے پیسے مانگے تھے۔''

''میں تمہیں اچھی طرح ناشتا کراؤں گا۔ بلکہ ہمارے انچارج صاحب تمہیں ناشتا کرائیں گے۔ اے...... تم اس کی دیکھ بھال کرو۔ انچارج صاحب کے آنے تک اسے نگاہ میں رکھنا میں اسے ابھی لاک اپ میں ڈالنا نہیں چاہتا۔'' سب انسپکٹر باہر نکل گیا۔ زبیر شاہ کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ ویسے جو مار اسے پڑی تھی اس نے کم از کم اس کا حلیہ نہیں بگاڑا تھا لیکن بدن کے کچھ حصوں میں ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ بہر حال یہ سب کچھ ضروری تھا اور زبیر شاہ کے منصوبے کے مطابق تھا۔ وہ کانسٹیبل زبیر شاہ کی نگرانی کر رہا تھا۔ بہت دیر تک اس پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔ اس کے بعد دروازے سے باہر نکل گیا۔ وہ جانتا تھا کہ جس شخص کی نگرانی کی ذمہ داری اسے سونپی گئی ہے۔ وہ اس قابل نہیں ہے کہ اُٹھ کر بھاگ سکے یا کوئی اور ردعمل کر سکے۔ پھر چند ہی منٹ کے بعد وہ واپس آ گیا تھا۔ زبیر شاہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا نام ہے تمہارا بھائی۔''

''کیوں رشتے داری کرنی ہے۔'' کانسٹیبل بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔

''چپ کر کے بیٹھ میں ذرا ٹیڑھا آدمی ہوں۔''

''نہیں اب ایسے ٹیڑھے بھی نہیں اچھے خاصے شریف آدمی لگتے ہو شکل سے۔'' کانسٹیبل اسے گھورنے لگا پھر بولا۔

''بیٹا اب جب انچارج صاحب اُلٹا لٹکا کر ماریں گے تجھے تو پتا چلے گا۔''

''انچارج صاحب کس وقت آتے ہیں۔''

''موت کا وقت پتا ہے تجھے۔'' کانسٹیبل نے پوچھا۔

''بالکل نہیں۔''

''تو انچارج صاحب کے آنے کے وقت کا بھی کوئی پتا نہیں ہے موت کی طرح جب دل چاہے نازل ہو جاتے ہیں۔'' کانسٹیبل کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ زبیر شاہ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

''تو تم کسی دوسرے تھانے میں تبادلہ کیوں نہیں کرا لیتے۔''

''کون سا دوسرا تھانہ۔'' کانسٹیبل نے سوال کیا۔

''کیا مطلب کنڈالی میں صرف ایک ہی تھانہ ہے کیا۔''

''تو کہیں باہر کا ہے۔ اوہو باہر ہی کا ہو سکتا ہے۔ ورنہ کنڈالی میں بھلا کوئی چوری کرنے والا ملے۔ ارے یہ تو دولت کا خزانہ ہے۔ یہاں کسی کو چوری کی کیا پڑی ہے۔ تھوڑے سے ہاتھ پاؤں ہلانے سے کسی بھی شخص کو پیسہ مل جاتا ہے۔ کدھر سے آیا ہے تو۔''

''بس کیا بتاؤں یار تقدیر ادھر گھسیٹ لے آئی۔''

''ہر بات تقدیر پر چھوڑ دیتے ہو تم لوگ ارے تقدیر نے تم سے کہا تھا کہ اسے پیٹ کر اس سے پیسے چھیننے کی کوشش کرو۔'' زبیر شاہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا چند لمحے خاموشی کے بعد اس نے پھر کہا۔

''مگر کیا یہ سب سے بڑا تھانہ ہے۔''

''تھانہ ہی ایک ہے۔ اور کوئی تھانہ نہیں ہے۔ پولیس کے چھوٹے چھوٹے کیبن بنا دیے گئے ہیں وہاں وہ ضروری باتوں کی نگرانی کرتے ہیں۔ مگر تو بالکل پاگل ہے۔ کیا...... باہر سے آیا اور چوری کرنے لگا۔''

''جب جیب خالی ہو ناں بھائی اور بھوک لگ رہی ہو تو اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔''

''بلاوجہ مار کھائی کسی سے بھی کہتا روٹی کھانی ہے تو وہ منع نہ کرتا۔''

''کہاناں کنڈالی میں اجنبی ہوں۔''

''پھر ادھر کیوں آمرا۔''

''پھر وہی کہو گے کہ تقدیر کو تم نہیں مانتے ویسے انچارج صاحب کا نام کیا ہے۔''

''زرشاہ۔'' اس نے جواب دیا۔ زبیر شاہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اب اسے باقی صورت حال کا جائزہ لینا تھا۔ سوچا یہ تھا کہ اس نے کہ جگو راجہ کی کارروائی سے بچنے کے لیے کچھ وقت پولیس کی تحویل میں گزار دے اور اس کے بعد جب صورت حال کسی حد تک نارمل ہو جائے گی تو کام شروع کرے گا۔ یہ بھی پتا چل گیا تھا اسے کہ کنڈالی میں ایک ہی تھانہ ہے۔ ویسے تھانے کی عمارت کی وسعت دیکھ کر اسے خود یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ تھانہ بہت بڑا ہے۔ لیکن بہر حال کچھ وقت یہاں آسانی سے گزارہ جا سکتا ہے۔ ایک نرم انسان بن کر اپنے بارے میں اس نے کہانیاں بھی سوچ لی تھیں، انچارج اس سے سوال کرے گا تو وہ انچارج کو بہر حال مطمئن کر دے گا۔ اس کے پاس نیاز بیگ صاحب کا دیا ہوا گرین کارڈ موجود تھا لیکن ابھی اس کارڈ کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

چنانچہ وہ اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ غالباً یہ لوگ اتنے برے نہیں تھے۔ وہ سب انسپکٹر بھی جو اسے پکڑ کر یہاں تک لایا تھا دل میں کچھ آئی ہوئی۔ کیونکہ تھوڑی سی دیر کے بعد ایک کانسٹیبل چائے کا ایک گلاس اور ڈبل روٹی لے کر آیا تھا۔ دونوں چیزیں اس نے زبیر شاہ کے سامنے رکھ کر پہرہ دینے والے کانسٹیبل سے کہا۔

''اس کے ہاتھ کھول دے یار! ناشتا کرلے گا۔'' کانسٹیبل نے فوراً ہی زبیر شاہ کے ہاتھ کھول دیے۔ پھر اس نے کہا۔

''شریف آدمی کبھی چوری نہیں کرتا تو یقیناً شریف آدمی نہیں ہے لیکن شریف آدمی نہ ہو کر بھی تجھے یہ کوشش کرنی چاہیے کہ مزید لٹنے سے باز رہے۔ کوئی حرکت کیے بغیر خاموشی سے ناشتا کرلے پیٹ بھر جائے گا۔''

زبیر شاہ نے ان کا شکریہ ادا کر کے ڈبل روٹی کو چائے میں ڈبو ڈبو کر کھانا شروع کر دیا، دل ہی دل میں وہ خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ کم از کم اسے ناشتا تو مل گیا۔ بڑی بات تھی۔ زندگی کی تمام تر آسائشیں حاصل ہونے کے باوجود کبھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کون سا لمحہ انسان

کوکس طرح کی زندگی گزارنے پر مجبور کرسکتا ہے۔ یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اسے سوائے اس پٹائی کے جو ضرورت سے کچھ زیادہ ہی ہوگئی تھی۔ خاموشی سے اس نے ناشتا تو کرلیا اور اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھ سامنے کر کے بولا۔

''باندھ دے بھائی باندھ دے۔'' کانسٹیبل ہنس پڑا تھا۔

''کیوں ہاتھ بندھوانے کا بہت شوق ہے کیا۔''

''نہیں تم نے شرافت کا سلوک کیا ہے میرے ساتھ اس لیے میرا بھی فرض بنتا ہے کہ تمہیں اپنے بارے میں کسی قسم کی پریشانی کا شکار نہ کروں۔''

''چھوڑ و یار بس خاموش بیٹھا رہ۔ کوئی حرکت نہ کرنا۔ ہماری بھی نوکری ہوتی ہے۔ سمجھ رہے ہوناں۔''

''تمہارا شکریہ۔'' وہ کانسٹیبل برتن لے کر چلا گیا۔ گلاس کے سوا اور تھا بھی کیا۔ دوسرا کانسٹیبل البتہ یہیں موجود رہا تھا۔ زبیر شاہ نے اس سے پوچھا۔

''انچارج صاحب کس قسم کے آدمی ہیں۔''

''یار زندگی عذاب کردی ہے انہوں نے، معلوم ہوتا ہے تھانہ انچارج نہیں بلکہ اسکول ماسٹر ہیں سب کو شرافت کا سبق پڑھاتے رہتے ہیں۔ ارے بھائی شریف آدمی کون نہیں ہوتا وقت اسے برا بنا دیتا ہے۔ اب دیکھوناں۔ ہمارے بچے ہیں۔ پالنا ہے۔ انہیں تھوڑا اوپر سے آنا چاہیے مگر انچارج صاحب جوان آدمی ہیں ناں۔ گھر سے یہ کہہ کر چلے ہوں گے کہ دنیا فتح کر کے آئیں گے۔ اب دنیا فتح کریں گے۔ تو پتا چلے گا ان کو کہ دشمنیاں بڑھاتے جارہے ہیں۔ گردن کٹ جائے گی ایک دن۔''

''کیا مطلب۔'' زبیر شاہ نے سوال کیا اور کانسٹیبل چونک پڑا۔

''ارے بھائی دیکھ خاموشی سے بیٹھ۔ میری کھوپڑی نہ کھا۔ ورنہ ایک ٹھوکر دوں گا کمر پر پسلیاں ٹوٹ جائیں گی بلاوجہ فضول باتیں کیے جارہا ہے۔'' کانسٹیبل کو شاید احساس ہوگیا تھا کہ وہ اپنے منہ سے غلط باتیں نکال رہا ہے چنانچہ اس نے جھلا کر اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ زبیر شاہ پھر خاموش ہوگیا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ کانسٹیبل اس کے علاوہ کچھ اور نہیں بتائے گا۔

بہرحال وہ اپنے منصوبے کے تحت یہاں آیا تھا اور اس میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس سے بہترین تحفظ اسے کہیں نہیں مل سکتا تھا۔ پھر دوپہر ہوگئی، اسے معمولی قسم کا کھانا دیا گیا۔ دال اور تندور کی لگی روٹی لیکن جو لطف آرہا تھا اس میں اس کا کوئی جواب ہی نہیں تھا۔ انتظار تو بہرحال کرنا ہی تھا۔ ذہن میں اور بھی بہت سے خیالات تھے اور ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا تھا۔ پھر تقریباً ڈھائی بجے اسے محرر کے آفس میں طلب کیا گیا یہاں وہ شخص بیٹھا ہوا تھا جس سے زبیر شاہ کا جھگڑا ہوا تھا۔ یعنی وہ جس کی دکان میں زبیر شاہ نے چوری کی تھی۔ اس نے غالباً یہاں رپورٹ لکھوائی تھی۔ محرر نے رپورٹ لکھنے کے بعد کہا۔

''اس کی ایف آئی آر ہوگئی ہے۔ چنانچہ اسے لاک اپ میں بند کردو۔''

''جی سر۔'' سپاہیوں نے کہا۔

''مگر محرر میری بھی تو سن لیں۔'' زبیر شاہ نے کہا۔

''کہو......تم کیا سناؤ گے۔''

''وہ میں نے چوری نہیں کی تھی۔''

''اچھا پھر عید ملنے پہنچے تھے اس کے پاس۔''

''نہیں......وہ تو اصل میں، میں اس سے ناشتے کے پیسے مانگ رہا تھا۔''

''کیوں......تمہارا رشتہ دار لگتا ہے۔''

''نہیں صاحب......کیا کنڈالی میں بھکاری نہیں ہیں۔''

''کیا مطلب۔'' زبیر شاہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ نروس ہوتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''میں تو صرف ناشتے کے پیسے مانگ رہا تھا۔ اس نے فوراً ہی مجھے چور سمجھ لیا۔''

''جھوٹ بولتا ہے۔ ناشتے کے پیسے یہ چاقو نکال کر مانگ رہا تھا مجھ سے......''

''ارے توبہ توبہ کیسا چاقو بھائی۔'' زبیر شاہ نے کہا۔

''اب چاقو کے بارے میں بھی جھوٹ بولے گا۔ چھ، چھ گواہ ہیں میرے پاس، یعنی میں نے جب تم پر چاقو نکالا تو چھ گواہ تھے تمہارے پاس۔'' زبیر شاہ نے سوال کیا۔

''نہیں چھ گواہوں کی موجودگی میں چاقو پولیس کے حوالے کیا گیا ہے۔''

''یعنی اس وقت جب میں نے تجھ پر حملہ کیا تھا چاقو سے بھائی تو یہ چھ گواہ تمہارے پاس موجود تھے۔''

''وہ تو چیخ و پکار سن کر آ گئے تھے۔''

''سنا آپ نے افسر صاحب! ارے میرے پیارے بھائی کیوں مجھ غریب کو پھنسا رہے ہو۔ پولیس نے میری تلاشی لے لی ہے۔ ایک پیسہ نہیں تھا میرے پاس۔ ایک غریب آدمی کے ساتھ یہ ظلم تو اچھا نہیں ہے۔''

''او غریب آدمی یہ فیصلہ تو بعد میں ہوگا۔ انچارج صاحب کریں گے بس اب بکواس بند کر۔'' محرر نے زبیر شاہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ دکاندار نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''سراسر جھوٹ بول رہا ہے۔ صاحب ڈاکا ڈالنے آیا تھا۔ میری دکان میں وہ تو خدا کا شکر ہے کہ میں بال بال بچ گیا۔ وہ تو لوگ آ گئے تھے۔ ورنہ یہ مجھے قتل کر ڈالتا۔''

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ اقدام قتل میں مقدمہ چلے گا اس پر لے جاؤ اس کو اور لاک اَپ میں بند کردو۔'' محرر نے کہا اور بہرحال سپاہی زبیر شاہ کو لیکر چل پڑے راستے میں بھی زبیر شاہ نے سپاہیوں سے خوب باتیں کی تھیں۔

''یہ تو اندھیر ہے بھائی بھیک مانگنے پر سزا دی جا رہی ہے۔''

''بھیک مانگنے پر تو تجھے اور بھی سزا ملنی چاہیے۔ اپنے آپ کو دیکھ کہیں سے بھکاری لگتا ہے تو۔''

''اب پتا نہیں تجربہ کار بھکاری نہیں ہوں۔ اور پھر ویسے بھی کوئی مستقل تھوڑی بھیک مانگ رہا تھا۔ وہ تو بس ناشتے کے لیے۔''

''چل ٹھیک ہے۔ لاک اَپ میں چل تجھے وہاں ناشتا بھی ملے گا اور دونوں وقت کا کھانا بھی۔'' سپاہیوں نے زبیر شاہ کو لاک اَپ کا دروازہ کھول کر اسے سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا اور تالا لگا دیا۔ بہرحال زبیر کا منصوبہ تھا اور وہ اپنی کامیابی پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا لیکن یہ خدشہ بھی موجود تھا کہ ہوسکتا ہے کہ جگو راجہ کی پہنچ پولیس تک بھی ہو۔ بہرحال اگر ایسا ہوا تو اس کے بعد ذرا مختلف صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پھر شام کو پانچ بجے ایک بار پھر اسے دوبارہ لاک اَپ سے نکالا گیا اور وہاں سے نکال کر تھانہ انچارج کے کمرے میں پہنچایا گیا۔ اس وقت تھانہ انچارج اپنی کرسی پر موجود تھا اور کچھ کاغذات دیکھنے میں مصروف تھا۔ یہ ایک جوان اور خوش شکل شخص تھا۔ گٹھے ہوئے بدن کا مالک پیشانی سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ مستقل مزاج ہے۔ ویسے بھی بہترین ورزشی جسم کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھیں روشن تھیں۔ بہرحال زبیر شاہ نے ایک لمحے میں سارے اندازے لگا لیے تھے۔ کچھ لمحے کے بعد انچارج نے فائل رکھنے کے بعد اس کی طرف دیکھا۔

''کون ہے یہ۔''

''صاحب جی! چور ہے۔ ایک دکان پر چاقو سے حملہ کر کے دکاندار کو زخمی کرنے کی کوشش کی تھی۔ مال اڑانے کے لیے۔'' تھانہ انچارج نے زبیر شاہ کو دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر کسی قدر تعجب نظر آنے لگا۔ پھر وہ بولا۔

''کیا قصہ ہے۔ بھائی سچ کہہ رہے ہیں۔ یہ لوگ۔''

''انچارج صاحب کیا سچ کہہ رہے ہیں جی دکاندار سے پیسے ہم نے ضرور مانگے تھے لیکن صرف ناشتے کے لیے۔''

''ناشتے کے لیے۔''

''ہاں جی صبح کا وقت تھا بس یوں سمجھ لیجیے کسی نہ کسی طرح کنڈالی پہنچے تھے۔ پیسے جیب میں نہیں تھے، بہت غریب آدمی ہوں جی۔ یہاں محنت مزدوری کی تلاش میں آئے تھے۔ صبح کو سخت بھوک لگ رہی تھی۔ ہم نے سوچا کہ کسی کو اپنا حال سنائیں پہلے ہی آدمی کو حال سنایا تھا۔ تو اس نے یہ حال کردیا۔''

''ہونہہ کہاں سے آئے ہو۔''

''وہ بس بادشاہ صاحب! ایسے ہی گھومتے گھامتے چلے آئے۔''

''گھومتے گھامتے۔''

''ہاں جی۔''

''کہاں سے گھومتے گھامتے۔''

''بس جی شہروں کا نام کہاں یاد رکھتے ہیں ہم۔''

''ویری گڈ۔ تمہیں اپنا نام یاد ہے۔'' انسپکٹر نے زیرلب مسکرا کر کہا۔

''ہاں جی۔''

''کیا نام ہے تمہارا۔''

''شامل خان......''

''ٹھیک ہے۔ شامل خان۔ بہت عمدہ قسم کے چور لگتے ہو۔''

''صاحب جی! بس آپ کی مہربانی ہے۔ ہم میرا مطلب ہے کہ صاحب جی چور ہیں ہی کہاں۔''

''ایف آئی آر درج کی گئی ہے۔ اس کی۔'' تھانہ انچارج نے کانسٹیبل سے پوچھا۔

''ہاں۔ صاحب جی۔ درج کرلی ہے۔''

''کیا کہتے ہو تم۔ اپنے بارے میں۔ مقدمہ تو قائم ہو جائے گا اوپر۔''

''صاحب جی بس کیا بتائیں آپ کو جو آپ کا دل چاہیے کریں۔ مالک ہیں جی آپ۔ لیکن بس ذرا تھوڑا سا خیال کرلیں۔''

''کیا مطلب۔ کیسا خیال۔؟''

''صاحب جی! اکیلے میں بات کرنا چاہتے ہیں۔ جی آپ سے۔''

''نہیں کوئی بات اکیلے میں نہیں ہوگی۔ جو کہنا ہے اسی جگہ کہو۔ کیا بات ہے۔''

''صاحب جی کسی نے بلایا تھا۔ ہمیں یہاں۔ کسی کے بلانے پر آئے ہیں۔''

''کیا مطلب۔ کس کے بلانے پر آئے ہو۔''

''سوچ لیں صاحب جی۔ بہت بڑا نام لینے والے ہیں ہم آپ کے سامنے۔''

''اچھا میرا خیال ہے۔ تمہاری شامت ہی آ رہی ہے۔ ضرورت سے زیادہ باتیں نہیں کر رہے ہو تم۔''

''صاحب جی! آپ دیکھ لیجیے۔'' زبیر شاہ نے کہا۔

''کس کا نام لینے والے ہو تم۔ کس نے بلایا ہے تمہیں یہاں۔''

''غازی نے۔'' زبیر شاہ نے جواب دیا اور اس نے تھانہ انچارج کو چونکتے ہوئے دیکھا سپاہی بھی چونک پڑے تھے۔ تھانہ

انچارج نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کون سے غازی نے۔“

”جگو راجہ نام ہے۔ صاحب جی ان کا۔“

”کیا بکواس کر رہے ہو۔“

”بس دیکھ لیں جی۔ ایک بہت بڑے آدمی کا نام لے لیا ہے۔ ہم نے آپ کے سامنے، اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ ہمیں لاک اَپ میں بند کریں یا کہیں بھی چھوڑ دیں۔“

”تم جگو راجہ کے آدمی ہو۔“

”جی صاحب جی۔“

”اور اگر یہ بات جھوٹ نکلی۔“

”تو ہمیں اپنے کمرے میں پھانسی دے دیں۔“ زبیر شاہ نے کہا۔

تھانہ انچارج کے چہرے پر گہری سوچ کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔

”پھر بھی جگو راجہ صاحب سے تصدیق کیے بغیر تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جا سکتی۔“

”جیسے دل چاہے تصدیق کر لو جی۔“

”بہت بڑے آدمی کا نام لیا ہے۔ تم نے سوچنا پڑے گا۔ اے۔ تم لوگ کیوں ٹھہرے ہوئے ہو جاؤ دفع ہو جاؤ اور سنو محرر سے کہو کہ ایف آئی آر کا رجسٹر میرے پاس بھجوا دے۔“

”جی صاحب جی۔“ کانسٹیبلوں نے کہا اور ایک اردلی وہیں رہ گیا تھا۔ باقی لوگ واپس نکل گئے۔ تھانہ انچارج نے کہا۔

”بیٹھو، شامل خان بیٹھ جاؤ۔“ اور زبیر شاہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھانہ انچارج کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔

”مگر پوری بات تو بتائی نہیں تم نے۔ شاہ صاحب نے تمہیں کس لیے بلایا تھا۔“

”صاحب جی ابھی تھوڑے دن پہلے ایک بستی میں ہماری ان سے ملاقات ہوئی تھی میری مراد میر پور سے ہے۔“

”ہاں پھر۔“

”بس ہم نے تھوڑی سی خدمت کی تھی غازی کی۔ انہوں نے کہا کہ کسی وقت کنڈالی آ جانا۔ تمہارے لیے کوئی بندوبست کر دیا جائے گا۔“

”ہونہہ۔ بس اتنا ہی جانتے ہو غازی کو یا اس سے بھی زیادہ۔“

”نہیں صاحب جی! جانتے تو بہت زیادہ ہیں۔ کئی بار ہمارا اور ان کا ساتھ رہ چکا ہے۔“

''مگر تم کہہ تو کہہ رہے تھے کہ امیر پور میں تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔''

''امیر پور میں تو آخری بار ہوئی تھی۔ صاحب اس سے پہلے اور بھی کئی بار ہو چکی ہے۔''

''ٹھیک ہے اگر تم جگو راجہ کے آدمی ہو تو تم سے رعایت برتی جائے گی۔'' اتنی دیر میں محرر ایف آئی آر کا رجسٹر لیے ہوئے آ گیا تھا۔

''مجھ سے پوچھے بغیر ہی ایف آئی آر درج کر لی تم نے۔''

''وہ سر! بہت ٹائم ہو گیا تھا۔''

''رجسٹر کون سا ہے۔''

''سر یہ ہے۔ پکھا ایف آئی آر درج کی ہے۔''

''صفحہ نکال دو درمیان سے۔'' تھانے دار نے حکم دیا اور محرر جھک کر ایف آئی آر کے رجسٹر سے صفحہ نکالنے لگا۔ جب اس نے صفحہ نکال لیا تو تھانے دار نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''لاؤ مجھے دو۔'' اور پھر اس نے پورا صفحہ زبیر شاہ کے سامنے پرزے پرزے کر دیا اور محرر کو واپس جانے کی ہدایت کر دی۔ محرر چلا گیا تو تھانے دار نے زبیر شاہ کی طرف رخ کر کے کہا۔

''ہاں۔ بتاؤ اب کیا کیا جائے تمہارے لیے۔''

''بس صاحب جی۔ آپ کی بڑی مہربانی آپ نے ہماری جان بچالی۔''

''تو اب تم یہاں سے جگو راجہ ہی کے پاس جاؤ گے۔''

''کیا بتائیں جی۔ بس بڑی مشکل میں پڑے ہیں نا۔''

''نہیں کوئی ایسی بات نہیں اگر تم جگو راجہ کے آدمی ہو۔ تو آؤ میرے ساتھ میں تمہیں جگو راجہ کے پاس پہنچا دوں گا۔''

''نہیں صاحب جی! ہم خود چلے جائیں گے۔ وہ آپ کے ساتھ ہمیں دیکھیں گے تو۔''

''اچھا چلو ٹھیک ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ پھر بھی تم مجھے تھوڑا سا وقت تو دو۔''

''تم سے کچھ خاص بات کرنی ہے مجھے...... جگو راجہ سے ملو تو میرا پیغام انہیں دے دینا۔''

''وہ ٹھیک ہے۔ صاحب جی! جیسا آپ کہو۔''

''آؤ۔ ذرا چلتے ہیں۔'' تھانیدار نے دوستانہ انداز میں کہا۔ اور زبیر شاہ نے گردن ہلا دی۔ ویسے اسے یہ خطرہ ہوا تھا کہ کہیں انسپکٹر واقعی اسے جگو راجہ کے سامنے ہی نہ لے جائے لیکن بہر حال اس کا بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیا جائے گا۔ چنانچہ وہ انسپکٹر کے ساتھ باہر نکل آیا۔ دیکھنا تو چاہیے کہ انسپکٹر نے اسے اس قدر جو اہمیت دی ہے اس کی وجہ کیا ہے۔ بہر حال باہر نکل کر انسپکٹر نے اسے اپنی جیپ میں بٹھایا اور جیپ اسٹارٹ کر کے چل پڑا تھا، تھانے کی عمارت سے باہر نکل آیا اور اس کے بعد جیپ تیزی سے دوڑتی رہی زبیر شاہ نے کہا۔

''سر! آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔''

''آرام سے بیٹھو۔ تم اتنے بڑے آدمی کے ساتھی ہو کہ تمہاری عزت کرنا مجبوری ہے۔''

''کک...... کیا آپ مجھے جگو راجہ کے پاس لے جا رہے ہیں۔'' زبیر شاہ نے سوال کیا۔

''نہیں۔ جگو راجہ کے پاس نہیں۔ تمہارے لیے کوئی معقول بندوبست کرنا ضروری ہے۔ یعنی اصل میں جگو راجہ صاحب اتنے بڑے آدمی ہیں کہ ان کے کسی آدمی کی عزت کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ ناں۔''

''صاحب جی۔ میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں خود بھی تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ سفارش کرائی ہے تم نے اپنے لیے کیا سمجھے۔'' زبیر شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد وہ بھی مصلحتاً خاموش ہی ہو گیا تھا۔ پھر تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد جیپ ایک عمارت کے سامنے رک گئی۔ انسپکٹر نے دوستانہ انداز میں اس سے کہا۔

''آؤ اندر چلتے ہیں۔''

''یہ۔ یہ کون سی جگہ ہے۔ صاحب جی۔''

''ارے۔ کیوں مرے جا رہے ہو۔ جگو راجہ نے ایسے آدمی کو بھی اپنے ساتھ لگا رکھا ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔'' اس نے کہا۔ اور زبیر شاہ اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا بظاہر یوں محسوس ہوا تھا۔ جیسے اس عمارت میں کوئی بھی نہیں ہے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک آدمی اس کو نظر آ گیا۔ انسپکٹر اس کو نظر انداز کر کے اندر چل پڑا۔

پھر وہ ایک راہ داری سے گزرنے کے بعد راہداری کے آخری سرے پر بنے ہوئے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ بڑی عجیب سی وحشت کی سی ٹپکتی تھی۔ انسپکٹر نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور اسے لاک کر دیا۔ ایک کرسی کی طرف اشارہ اور کہا۔

''بیٹھو۔ شامل...... شامل خان۔ میرا نام فیروز شاہ ہے۔''

''جی سر! وہ تو مجھے معلوم ہی ہو گیا تھا۔'' زبیر شاہ نے جواب دیا۔

''کیا کیا کہا تھا اس نے تم سے۔ اور یہاں تمہیں کس کام سے بلایا تھا اور یہاں تمہاری ملاقات اس سے کس جگہ ہوئی تھی۔ دیکھو انسان کے دل میں خیالات تو ہوتے ہی ہیں۔''

''مگر صاحب جی! آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''شامل خان جگو راجہ سے مجھے بڑی محبت ہے۔ میں بھی اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ ایک دلچسپ ملاقات۔''

''تو صاحب جی! آپ تو یہاں کے رہنے والے ہو۔ آپ جب چاہو ان سے مل لو ہر وقت مل سکتے ہو۔''

''نہیں ملتا۔نہیں ملتا مجھے وہ۔ایک باراس سے کھلی ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ہم سمجھے نہیں۔''

''اب میں تمہیں اچھی طرح سمجھاتا ہوں۔'' انسپکٹر نے کہا۔اور اپنا کوٹ اُتار کر ایک طرف لٹکا دیا۔پھر آستینیں چڑھائیں۔اس کے بازوؤں کی مچھلیاں تڑپ رہی تھیں ویسے بھی زبیر شاہ کو اندازہ تھا کہ وہ ایک ورزشی جسم کا آدمی ہے لیکن اس کے اس بدلے ہوئے انداز کو زبیر شاہ نے کسی قدر حیرت اور دلچسپی سے دیکھا تھا، وہ ڈرے ڈرے انداز میں کرسی سے اُٹھا اور دیوار سے جا لگا۔انسپکٹر نے اسے خونی نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔

''ہاں۔شامل خان! خیر تمہاری زندگی تو میں نہیں لوں گا۔لیکن تمہیں اتنا ناکارہ ضرور بنا دوں گا کہ تم اپنے پیروں پر چلنے کے قابل نہیں رہو گے۔''

''مم۔مم۔مگر صاحب میں نے کیا کیا ہے۔''

''جگو راجہ کے بارے میں مجھے تفصیل بتا کمینے ورنہ میں تیری ہڈیاں توڑ دوں گا۔''

''ارے صاحب جی اوہاں تو آپ کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔''

''یہاں تو ہے اور میں ہوں۔بتا جگو راجہ تجھے کہاں کہاں ملا تھا۔''

''صاحب جی۔دارالحکومت میں ملے تھے۔ان کے چار آدمی اور تھے۔''

''ہونہہ۔تو پھر۔''

''وہاں۔صاحب جی۔انہوں نے نوشابہ نامی ایک لڑکی کو قتل کیا اور اس کی لاش دریا میں پھینک دی۔''

''نوشابہ۔ٹھیک ہے۔یہ لڑکی بھی جگو راجہ کے گروہ میں کام کرتی تھی۔آگے بول۔''

''بس صاحب جی ہم نے انہیں قتل کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔انہوں نے پہلے تو ہمارے ساتھ سختی کی مگر جب دیکھا کہ ہم کام کے آدمی ہیں تو انہوں نے ہم سے کہا کہ کنڈالی آجائیں۔وہ ہمارے لیے کوئی نہ کوئی کام تلاش کرلیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔اس کے بعد کیا ہوا''

''ہم کنڈالی کے لیے چل پڑے جی! میرپور میں ہماری ملاقات ہوئی۔اس کے بعد ہم یہاں آگئے۔''

''یہاں۔کہاں۔''

''صاحب جی ہم وہ جگہ آپ کو بتا سکتے ہیں۔جہاں ہمیں پہنچنا تھا۔''

''یہیں سے بتاؤ گے یا ساتھ لے جا کر جاؤ گے۔''

''نہیں صاحب جی یہیں سے بتا دیتے ہیں۔'' زبیر شاہ نے کہا اور پھر اپنے اندازے کے مطابق اس جگہ کے بارے میں بتانے

لگا۔ جہاں جگو راجہ سے اس کی دلچسپ ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ انسپکٹر نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

''ٹھیک ہے اس کے بعد کیا ہوا۔''

''کچھ نہیں صاحب جی! بس اس کے بعد یہ سب کچھ ہو گیا۔''

''پہلے تو تو نے کہا تھا کہ تو یہاں پہنچا تھا، بھوکا تھا اور دکاندار سے پیسے مانگنے کی کوشش کی تھی۔''

''جی صاحب جی۔ آپ ہماری ایک بات کا جواب دے دو تو پھر ہم آپ کی ساری باتوں کا جواب دے دیں گے۔''

''ہاں پوچھو کون سی بات کا جواب دوں۔'' فیروز خان نے زبیر شاہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

''یہ بتاؤ جی۔ آپ کا رویہ کیوں بدل گیا۔ وہاں تو آپ نے جگو راجہ کے نام پر ہمارے ساتھ اتنی ہمدردی کا سلوک کیا تھا کہ ہماری ایف آئی آر تک پھاڑ دی اور اب یہاں آ کر آپ ہمارے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں۔''

''اس کی وجہ ہے۔''

''وہی۔ وجہ تو ہم جاننا چاہتے ہیں۔ جی۔''

''تو جاننے والا کون ہوتا ہے۔''

''صاحب جی جان۔ میرا یہاں ٹرانسفر کیا گیا ہے اور بڑی امیدوں اور آرزوؤں کے ساتھ کیا گیا ہے۔''

''صاحب جی! آپ کو کتنا عرصہ ہو گیا یہاں آئے ہوئے۔''

''صرف ڈھائی ماہ۔''

''آپ یہاں جگو راجہ کے لیے کام نہیں کرتے۔''

''میں اس کے لیے کام کرنا چاہتا ہوں۔''

''اوہو۔ ہم سمجھ گئے۔ جگو راجہ سے آپ کا کوئی معاملہ نپٹانا ہے۔''

''ہاں ایسی ہی بات ہے۔ ایک بار صرف ایک بار وہ گرفت میں آ جائے اس کے بعد مجھے اس سے بہت سے معاملے نپٹانے ہیں۔''

''صاحب جی یوں لگ رہا ہے۔ جیسے آپ کی اور جگو راجہ کی کوئی دشمنی ہو۔''

''اس کائنات میں مَیں جگو راجہ کا بہت بڑا دشمن ہوں میں بلکہ کنڈالی میں کام کرنے والے ان تمام لوگوں کا دشمن ہوں جو منشیات کے لیے کام کرتے ہیں، انسان کی زندگی کو زخم بنا دینے والے...... کاش میں ان سب کو کسی ایک میدان میں جمع کر کے ان کے جسموں کو آگ لگا سکوں۔ ان کے گرد لکڑیوں کا چناؤ کر دوں کہ ان کے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ چھوڑوں۔ میں ان سب کو موت کے گھاٹ اُتار دینا چاہتا ہوں۔''

''ارے صاحب جی! کیسی باتیں کرتے ہیں آپ جوان آدمی ہیں۔ یہ عمر تو کمائی کی عمر ہے۔ جگو راجہ سے اگر دوستی کرلیں گے تو لاکھوں روپے کمالیں گے۔نوکری میں کیا ملے گا۔آپ کو۔''

''دیکھو شامل خان۔زندگی چاہتے ہو تو صرف اتنا بولو۔جتنا تم سے کہا جارہا ہے، تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں جس خاندان کا فرد ہوں۔دولت اس کے جوتوں کی خاک ہے، مجھے صرف ان زہر فروشوں کے خلاف کام کرنے کا شوق ہے اور میں اپنی زندگی اس کے لیے وقف کرچکا ہوں۔''

''صاحب جی! عجیب باتیں کررہے ہو۔آپ نے جورویہ وہاں اختیار کیا وہ کس لیے۔''

''اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ جگو راجہ جیسے لوگوں کے پالتو ایسی جگہوں پہ بھرے ہوئے ہیں۔ مجھے تو چاروں طرف سے ہی مشکلات کا سامنا ہے۔مگر اب تیری بکواس ختم ہوگئی یا کچھ اور بکنا ہے تجھے۔''

''نہیں مسٹر فیروز خان مجھے کچھ اور نہیں کہنا۔'' زبیر شاہ نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تو اب یہ بتا کہ جگو راجہ کا تیرے ساتھ آئندہ کا پروگرام کب ہے۔''

''محترم فیروز خان صاحب جگو راجہ سے میرا آئندہ کا پروگرام آپ ہی کی شرکت سے بنے گا۔'' زبیر شاہ نے انگریزی میں کہا اور فیروز خان چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

نجانے کیوں فیروز خان کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر پھیل گیا۔زبیر شاہ نے اپنے اندرونی لباس میں ہاتھ ڈال کر گرین کارڈ نکالا اور فیروز خانہ کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

''مائی ڈیئر فیروز خان۔ذرا اس کاغذ کے ٹکڑے کو دیکھیے۔میرا خیال ہے اسے دیکھ کر آپ کو بہت خوشی ہوگی۔''

''کیا ہے۔یہ۔'' فیروز خان آہستہ سے بولا اور آگے بڑھ کر زبیر شاہ کے ہاتھ سے وہ گرین کارڈ لے لیا اس نے اسے پڑھا اس کے بعد اس کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار پھیل گئے۔''

''کک۔کک کیا مطلب ہے۔اس کا۔''

''میرا نام زبیر شاہ ہے۔'' زبیر شاہ نے کہا۔اور اپنا داہنا ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھا دیا۔

''یس۔سر، کیا واقعی۔واقعی۔''

''ہاں مسٹر فیروز خان۔'' زبیر شاہ نے کہا اور فیروز خان نے آگے بڑھ کر زبیر شاہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

''سر خدا کی قسم میرا دماغ پھٹ جائے گا سر، کیا واقعی سر۔یہ۔یہ......'' وہ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔زبیر شاہ نے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

''مجھے خوشی ہے۔فیروز خان مجھے خوشی ہے کہ میری تم سے ملاقات ہوئی ورنہ مجھے تو یوں محسوس ہورہا تھا جیسے معاف کرنا یہ پوری

آبادی ہی......"

"جی۔سر۔پلیز۔پلیز آپ میرے ساتھ آیئے۔پلیز سر۔میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔سر مجھ سے بڑی گستاخیاں ہوئی ہیں آپ کے ساتھ۔"

"فیروز خان میرا خیال ہے۔تم اپنے آپ کو سنبھالو۔" زبیر شاہ نے کہا اور فیروز خان کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔اس بار فیروز خان اسے لے کر دوسرے کمرے میں پہنچا تھا۔وہ بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔اس کمرے میں اعلیٰ درجے کا فرنیچر سجا ہوا تھا۔فیروز خان نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی اور کہا۔

"سر تشریف رکھیے میں۔میں۔آپ کو کیا بتاؤں کہ میری ذہنی کیفیت کیا ہے۔میں تو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا سر! سر مجھ سے بہت گستاخی ہوئی ہے میں معافی چاہتا ہوں۔"

"اب تم یہ رویہ بالکل ترک کردو اور دوستوں کی طرح میرے سامنے بیٹھو۔فیروز خان۔" زبیر شاہ نے کہا۔

"تھینک یو سر۔تھینک یو ویری مچ۔" وہ زبیر شاہ کے سامنے بیٹھ گیا۔زبیر شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سب سے زیادہ خوشی مجھے اس بات کی ہے۔فیروز خان کہ تم بکے ہوئے آدمی نہیں ہو۔"

"سر! میں آپ سے اپنے دل کی تمام باتیں کرلینا چاہتا ہوں۔سر اس وقت جو کچھ مجھ پر بیت رہی ہے۔وہ شاید آپ سوچ بھی نہ سکیں۔"

"سب سے پہلے تو تم اپنے دل سے یہ بات نکال دو کہ تمہارا رویہ میرے ساتھ کیا رہا ہے۔بلکہ میں تمہیں اپنے بارے میں تفصیل بتائے دیتا ہوں۔اصل میں تمہیں ہی نہیں مجھے بھی خوشی ہے کہ مجھے ایک کام کا آدمی مل گیا ورنہ سچی بات ہے میں نے یہ ہی سوچا تھا کہ تم درحقیقت جگو راجہ کے آدمی ہوگے۔"

"سر آپ یقین کیجیے۔میرا خاندانی بیک گراؤنڈ بہت اچھا ہے۔میں دولت کمانے کے لیے اس محکمے میں نہیں آیا ہوں۔بلکہ ماضی میں کچھ ایسے واقعات ہو چکے ہیں۔جن کی بنا پر میرے دل نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ میری مدت ملازمت کتنی بھی ہو، کسی بھی وقت میں نکال دیا جاؤں لیکن جو میرے دل میں ہے۔وہ کر جاؤں گا۔سر میں اپنے وطن سے ہر برے آدمی کو تو صاف نہیں کرسکتا لیکن جتنا بھی کچھ کر سکا۔میرے دل میں وہ میرے لیے تمغے ہوں گے۔چاہے اس کی کوشش میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے، سو ماضی میں کچھ ایسے واقعات ہوئے ہیں جن کی بناء پر میرے ذہن میں یہ تاثر پیدا ہوا۔"

"یقیناً کوئی جذباتی کیفیت ہی انسان کو ایسے اقدامات کی طرف مائل کرتی ہے۔میں دارالحکومت میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا کہ ایک بار مجھے ایک لڑکی کے قتل کی اطلاع ملی۔نوشابہ نام تھا۔ایک پسماندہ سے گھرانے کی لڑکی تھی اور اس گروہ میں آ پھنسی تھی، شاید وہ بحالت مجبوری ان کے لیے کام کررہی تھی اس نے ان سے انحراف کرنا چاہا جگو راجہ نے اسے بے دردی سے قتل کردیا۔کیس میرے پاس پہنچا۔میں نے تحقیقات کیں تو جگو راجہ کا نام سامنے آیا۔پھر میں نے اس کا تعاقب شروع کردیا اور اس وقت سے مسلسل اس کے پیچھے

ہوں۔ پہلے امیر پور اور اس کے بعد یہاں، میں نے جگو کو کچھ نقصانات پہنچائے ہیں اور اب مجھے یقین ہے کہ جگو راجہ اور اس کے آدمی میری بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔ میں اس سے پہلے کنڈالی میں بھی نہیں آیا تھا۔ یہاں کے ماحول سے مجھے اندازہ ہو گیا۔ کہ میرے لیے فی الحال شدید خطرے ہیں کیونکہ یہاں کوئی باقاعدہ قیام گاہ تو ہے نہیں۔ میں نے سوچا کچھ وقت پولیس کی تحویل میں لاک اپ میں گزار دوں۔ جگو راجہ میری ذات سے واقف نہیں ہے لیکن بہر حال وہ کسی اجنبی کو یہاں ضرور تلاش کر لیتا۔ البتہ وہ یہ نہیں سوچ سکے گا کہ اسے نقصان پہنچانے والا کسی طرح پولیس کی تحویل میں ہے۔ میں نے جان بوجھ کر پولیس سے جھگڑا کیا اور اس کے نتیجے میں یہاں پہنچ گیا۔ لیکن بعض اوقات قدرت بالکل صحیح رہنمائی کرتی ہے۔ میں نے تھانے میں تم سے اس لیے خود کو جگو راجہ کا آدمی کہا تھا کہ تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر لوں۔''

''مجھ سے پہلے جو شخص یہاں موجود تھا۔ وہ جگو راجہ کا بے دام غلام تھا۔ شاید یہاں سے اس کا تبادلہ بھی نہ ہوتا لیکن وہ خود ہی بیمار ہو کر طویل چھٹی پر چلا گیا اور میں نے اپنی کوششوں سے یہاں جگہ حاصل کر لی۔ لیکن سر! آپ یقین نہیں کریں گے۔ اس بات پر کہ یہاں آنے کے بعد مجھے بڑی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ڈھائی مہینے میں مَیں نے جو اندازہ لگا ہے وہ یہی کہ تھانے کا ہر سپاہی جگو راجہ کا عقیدت مند ہے اور جگو راجہ کے لیے ہے۔ وہ اپنی من مانی کرتے ہیں اور پولیس کو اس سے اچھی خاصی رقم مل جاتی ہے۔ بس یہ صورتحال چل رہی ہے۔ میں بڑے دکھ کا شکار تھا صاحب! آپ یقین کیجیے میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں اس طرح کیسے کام کر سکوں گا۔ سوائے اس کے کہ اندھے اقدامات کروں اور بہت جلد کیفر کردار کو پہنچ جاؤں۔''

''نہیں فیروز خان ایسا نہیں ہوگا۔ میں سمجھ رہا ہوں۔ تمہاری ذہنی کیفیت۔ لیکن بہر حال دیکھتے ہیں کیا صورتحال رہتی ہے۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں کیسے کیسے کھیل چل رہے ہیں۔''

''سر میں آپ کو تمام تر رپورٹ دوں گا۔ یہ مکان میں نے اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ میں یہاں رہتا ہوں۔ آپ یہاں بڑے اطمینان سے رہ سکتے ہیں اور آپ بے فکر رہیں یہاں صرف ایک ملازم ہے۔ جو میرا اپنا آدمی ہے میرے ساتھ ہی یہاں آیا ہے۔ یعنی میرا بالکل ذاتی ملازم اور سر بڑے کام کا آدمی ہے ریٹائرڈ فوجی ہے ہر طرح کے ہتھیار استعمال کر لیتا ہے۔ ذہین بھی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ یہ آپ کا بہترین خدمت گار بھی ہوگا اور جو وقت آپ یہاں پر گزارنا چاہتے ہیں۔ اس میں آپ اس سے اپنی مرضی کے سارے کام لے سکتے ہیں۔''

''فکر مت کرو۔ فیروز خان۔ اب صورت حال مختلف ہو جائے گی۔ مجھے بھی کم از کم ایک ٹھکانہ ملا۔ جہاں میں برے لوگوں سے الگ رہ کر کام کر سکوں۔ ویسے میں نے یہاں خاصا کام کر لیا ہے۔ جس کی تفصیل میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ باقی ساری باتیں کیے لیتے ہیں۔''

''سر ایک منٹ۔ آپ یہ بتائیے کہ میں آپ کے لیے کیا تیار کراؤں۔''

''ذرا اٹر منگ کا کھانا تیار کرا لو۔ ممکن ہے ناں۔''

''سر کیوں نہیں۔ میں یہیں رہتا ہوں یا پھر تھانے اور وہاں سے ملے ہوئے کوارٹر میں لیکن میری خفیہ پناہ گاہ یہی ہے۔ رات کو یہیں آرام کرتا ہوں۔ تمام انتظامات کر لیے ہیں میں نے۔ میں زمان خان کو بلاتا ہوں۔'' زمان خان کو بلا کر اس نے احکامات دیئے اور زمان خان گردن جھکا کر چلا گیا۔ زبیر شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ فیروز خان نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سر! میرا خیال ہے کہ آپ غسل وغیرہ کر لیجیے۔ میں آپ کے لیے لباس کا بندوبست کرتا ہوں۔''

''بہت شکریہ۔''

''اب تو شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ سر! ایک طرح سے یہ میری سرکاری ڈیوٹی بھی ہے۔ آپ کے پاس گرین کارڈ ہے اور گرین کارڈ کے بارے میں مَیں یہ جانتا ہوں کہ انتہائی اہم لوگوں کو ملتا ہے اور اس کے تحت ملک بھر میں کسی بھی افسر اعلیٰ تک کو یہ حکم ہوتا ہے کہ جس کے پاس گرین کارڈ ہو۔ اس کی سرکاری طور پر ہر طرح کی معاونت کی جائے لیکن سر آپ یقین کر لیجیے یہ سرکاری معاونت نہیں ہے۔ یہ میری ذاتی عقیدت ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ یار سب چلتا ہے۔'' زبیر شاہ نے کہا پھر فیروز خان کچھ دیر کے لیے اجازت لیکر باہر نکل گیا تھا۔ اور زبیر شاہ آرام سے کرسی پر پاؤں پھیلا کر سکون کی انگڑائی لینے لگا تھا۔ یہاں آنے کے بعد پہلی بار کچھ کام ہوا تھا۔ چند لمحات وہ اسی طرح بیٹھا رہا پھر فیروز خان واپس آ گیا۔ اس نے چند لباس زبیر شاہ کے آگے رکھ لیے اور مسکراتا ہوا بولا۔

''فی الحال انہیں سے کام چلانا پڑے گا۔ جناب۔''

''ٹھیک ہے۔ فیروز خان تمہارا بے حد شکریہ۔''

''تو سر کچھ وقت کی اجازت مل جائے گی۔''

''ہاں۔ ہاں۔ کیوں نہیں۔''

''ذرا اپنی کارروائیاں مکمل کر لو۔ رات کی ملاقات تو طے ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ بے حد شکریہ۔'' فیروز خان چلا گیا تو زبیر شاہ نے ایک لباس نکالا اس کا جائزہ لیا اور اس کے غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔ لباس اس کے بدن پر تقریباً ٹھیک تھا۔ چنانچہ اس نے غسل کے بعد وہ لباس تبدیل کر لیا اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا اور اس دوران جن مشکل حالات کا شکار رہا تھا۔ ان پر غور کرنے لگا۔

☆......☆......☆

جن حالات سے وہ اب تک دوچار رہا تھا اس سے تھکن ہو گئی تھی لیکن تھکن کا احساس بھی اس وقت ہوتا ہے جب آرام کا موقع مل جائے۔ ورنہ تھکن کو اپنے اوپر طاری کر لینے کا مطلب ہے کہ انسان اپنی کارکردگی کھو بیٹھے اور زبیر شاہ کی یہ خوبی تھی کہ کام کو کام ہی سمجھ کر کرتا تھا اور آرام کو آرام اس دوران اس کے ذہن میں سوچیں گردش کرتی رہی تھیں۔ بظاہر فیروز خان ایک صحیح آدمی معلوم ہوتا تھا اور زبیر شاہ کا اپنا

تجربہ تھا کہ ایسے لوگ بڑی اعلیٰ کارکردگی کے مالک ہوتے ہیں لیکن جوش وجذبات میں اگر وہ حد سے آگے بڑھ جائیں تو پھر ان کی زندگی کے لیے خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔

بہر حال فیروز خان پر اعتبار کرنا ہی پڑے گا۔ ابھی تک تو کوئی ایسا شبہ زبیر شاہ کو نہیں ہو سکا تھا کہ فیروز خان سے کسی قسم کا خطرہ محسوس کیا جائے۔ زمان خان نے فیروز خان کی ہدایت کے مطابق ہر طرح زبیر شاہ کا خیال رکھا تھا۔

رات کو فیروز خان واپس آ گیا اس وقت وہ سادہ لباس میں بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ جوان آدمی تھا اور بہترین شخصیت کا مالک۔ بڑی محبت سے زبیر شاہ سے ملا اور اس کے بعد دونوں نے مل کر رات کا کھانا کھایا۔ پھر فیروز خان نے کافی تیار کرائی اور وہ کافی کے کپ لے کر بیٹھ گئے۔

''ہاں۔ فیروز اب تم مجھے کنڈالی کے بارے میں تفصیلات بتاؤ۔''

''سر بس اصل مسئلہ وہی ہے۔ یہاں آپ کو تھوڑا بہت اندازہ ضرور ہے کہ لوگوں کو آزادی حال ہے بے شک یہاں سرکاری احکامات بھی چلتے ہیں لیکن صرف ایسے لوگوں پر جو چھوٹی موٹی برائیاں کر لیتے ہیں یا پھر دوسرے انتظامی امور سنبھالنے ہوتے ہیں چھوٹی چھوٹی چھ چوکیاں بنی ہوئی ہیں لیکن میں تمام تر جائزہ لے چکا ہوں۔ ان چوکیوں پر جو سپاہی تعینات ہوتے ہیں۔ وہ بھی عیش کرتے ہیں اور اپنے فرائض پورے نہیں کر پاتے۔''

''لیکن آپ کا قصور نہیں ہے۔ یہ بات تقریباً سبھی کو معلوم ہے کہ یہاں کنٹرول قائم کرنا بہت مشکل ہے۔ سر مجھے بھی اس سلسلے میں وارننگ دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ زندگی بہت قیمتی چیز ہوتی ہے اور مستقبل بنانا بہت مشکل ہے چنانچہ مجھے کچھ رقومات بھی مل جاتی ہیں۔ آنکھیں بند رکھنے کے لیے سر میں نے آنکھیں بے شک بند کر رکھی ہیں لیکن ذہن کے خانے بند نہیں کیے۔ یہاں کے تمام حالات کی رپورٹ تیار کر رہا ہوں۔ دل میں یہ ہی جذبے ہیں کہ یہ رپورٹ تیار کر کے اعلیٰ حکام کو دوں اور ان سے سوال کروں کہ میری ڈیوٹی کیا ہوگی ویسے سر کیونکہ یہ سارا معاملہ انسانیت کے خلاف ہے۔ اس لیے میں اس سے انحراف کرتا ہوں یہ کوئی طریقہ کار نہیں ہے۔ لاکھوں انسان اس منشیات کا شکار ہو کر زندگی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ سر ہمارا فرض ہے کہ ہم انسانیت کے تحفظ کے لیے اپنی زندگیاں قربان کر دیں۔''

''بے شک فیروز خان اب مجھے یہ بتاؤ کہ جن لوگوں کی جانب سے تمہیں ہوشیار رہنے کی ہدایت کی گئی تھی اور اپنا کام اپنے طور پر کرنے کا حکم دیا ہے کیا ان کی فہرست تمہارے پاس ہے۔''

''مکمل جناب۔''

''یہاں طریقہ کار کیا ہے۔''

''ملکی پیمانے پر بھی کام ہوتا ہے اور منشیات غیر ممالک بھی بھیجی جاتی ہے۔ اس کے لیے انہوں نے اپنے طریقہ کار بنا رکھے ہیں۔''

''ہوں۔'' زبیر شاہ نے کہا۔ اور اس کے بعد وہ دیر تک اس موضوع پر بات کرتے رہے۔ فیروز خان نے کہا۔

''ویسے سر! مجھے بڑی رکاوٹیں ہوتی ہیں یہاں کام کرنے میں کیونکہ مجھے اپنے سپاہیوں سے بھی چھپنا پڑتا ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔ سمجھتا ہوں۔''

''اگر مجھے ایک چھوٹا سا عملہ اس طرح کا مل جائے۔ جوان لوگوں کے زیر اثر نہ ہو تو میں زیادہ کام کر سکتا ہوں۔''

''زیادہ کام سے تمہاری کیا مراد ہے۔ فیروز خان۔''

''سر میں جانتا ہوں کہ میں نہ تو ان لوگوں کو ختم کر سکتا ہوں نہ اس کام کو رکوا سکتا ہوں لیکن بس ایک تفصیلی رپورٹ ایک ایسی رپورٹ جوان لوگوں کو مکمل روشنی میں لے آئے۔ سر! زیادہ سے زیادہ میں یہ ہی کر سکتا ہوں، اس کے بعد مجھ سے بڑے بڑے بڑے موجود ہیں اور وہی صحیح فیصلہ کر سکتے ہیں کہ منشیات کے ان اسمگلروں کے خلاف کس طرح کاروائی کی جا سکتی ہے۔ ویسے سر ایک اور انکشاف کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا؟''

''سر ایک شخصیت یہاں ایسی بھی ہے۔ جو میری معاون ہے۔ اور جو میرے خیالات سے اتفاق رکھتی ہے۔''

''کون ہے۔ وہ......'' زبیر شاہ نے سوال کیا اور فیروز خان مسکرانے لگا۔

''سر۔ آپ اس ملاقات کو ناپسند کریں گے۔''

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس سے ملاقات کرنا مناسب ہوگا۔''

''میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ وہ ایک بہت ہی نیک فطرت اور نرم مزاج شخصیت ہے۔ آپ کو اس سے مل کر خوشی ہوگی۔''

''معاونت سے تمہاری کیا مراد ہے۔''

''سر جو میں چاہتا ہوں وہ ہی وہ شخصیت چاہتی ہے۔''

''کون ہے۔ بتاؤ گے نہیں۔''

''اگر آپ اس سے ملنا چاہو گے تو ضرور بتاؤں گا لیکن اگر آپ اس سے ملنا پسند نہیں کرو گے تو میں یہ درخواست کروں گا کہ اس کے بارے میں نہ پوچھیں۔''

''عجیب بات نہیں ہے۔ فیروز خان۔''

''نہیں سر! عجیب بات نہیں ہے۔ بس ایک کھیل ہے۔ میرا......''

''مگر یہ کھیل کس قسم کا ہے۔''

''سر! کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے۔ میں نے آپ سے عرض کیا ناں بس میری خواہش تھی کہ آپ اس سے ملاقات کریں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ اس سے ملاقات کرنا بہتر رہے گا۔ تو میں تیار ہوں۔''

''سر۔آپ کو اس سے مل کر واقعی خوشی ہوگی۔''

''بہر حال اگر تو سمجھتے ہو تو ٹھیک ہے۔''

''تو پھر کل رات کا پروگرام رکھ لیتے ہیں۔سر۔''

''جیسا تم مناسب سمجھو۔''

''بالکل ٹھیک ہے۔''

''ویسے فیروز خان تمہیں یہاں ایسے افراد کی ضرورت ہے،جو ہمارے لیے کام کر سکیں۔''

''سر لطف آ جائے گا۔آپ یقین کریں کہ میرے اپنے ذہن میں بھی کئی منصوبے ہیں لیکن میں تنہا ان منصوبوں کی تکمیل نہیں کر سکتا۔نجانے کیوں آپ کے آ جانے سے دل میں ایک عجیب سی خوشی ہوئی ہے۔''

''تو ٹھیک ہے۔فیروز خان کچھ افراد یہاں آ سکتے ہیں۔''

''یقیناً سر وہ آپ کے اعتماد کے لوگ ہوں گے۔''

''یوں سمجھ لو میرے گروپ کے لوگ ہیں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ویسے میرے دل میں کئی بار یہ خواہش بیدار ہوئی کہ دارالحکومت سے اس طرح کی درخواست کروں۔''

''میرا خیال ہے کہ تمہیں یہ کام کر لینا چاہیے تھا۔''

''سر آپ یقیناً سمجھتے ہوں گے،میں آپ سے کیا عرض کروں۔''

''کیا مطلب۔''

''آپ یہ سمجھتے ہوں گے سر کہ انسان کی پہنچ کتنی ہوتی ہے۔''

''اب بھی نہیں سمجھا فیروز خان۔''

''جو بات میں اپنی زبان سے ادا کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اگر اسے ادا کر دوں گا تو مجھے خود خوف محسوس ہوگا۔''

''میرے سامنے خوف زدہ نہ ہو۔''

''سر۔بالکل نہیں کہا جا سکتا۔اصل میں دولت کا کھیل ہی ایسا ہے۔کون دولت کے اس کھیل میں ملوث ہے۔کسے معلوم کہ میں اگر زیادہ جدوجہد کروں اور بات کسی ایسی جگہ پہنچ جائے جو خود یہاں کے بارے میں اپنے دل میں ہمدردی رکھتی ہو تو میرا کیا ہوگا۔''

زبیر شاہ سوچنے لگا۔پھر اس نے کہا۔

''یعنی تم یہ سوچ رہے ہو کہ جس شخصیت تک تم اپنی بات پہنچاؤ کہیں وہ بھی یہاں کے معاملات میں ملوث نہ ہو۔''

''سر میں معافی چاہتا ہوں۔اپنی سوچ کی۔''

''نہیں خیر۔میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔چھوڑو ان باتوں کو۔اب مسئلہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو بلانا ہے مجھے یہاں تم ان کے قیام کا بندوبست کر سکتے ہو۔''

''یہ ذمہ داری آپ میرے اوپر چھوڑ دیجیے کم از کم اور کچھ نہیں کیا ہے میں نے تو اتنا ضرور کر لیا۔''

''ہوں۔فیروز خان اصل میں میرا مسئلہ ذرا سا مختلف ہے۔میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ جگو راجہ نے میرے شہر میں نوشابہ نامی ایک مظلوم لڑکی کو قتل کیا ہے۔نوشابہ کے بارے میں تمہیں تفصیلات بتاؤں کہ وہ ایک غریب والدین کی بیٹی تھی۔ملازمت کی تلاش میں نکلی تھی۔نجانے کس طرح ان لوگوں نے اسے اپنے چنگل میں پھانس لیا اور وہ ان لوگوں کے لیے کام کرنے لگی لیکن بہرحال اس کی رگوں میں ایک شریف خاندان کا خون تھا وہ اس سے بچنے کی کوشش کرتی رہی۔اور شاید کوئی ایسا موقع آ گیا جب اس نے ان لوگوں سے انحراف کیا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔اس قتل کا عینی گواہ ایک سپاہی ہے۔جس نے جگو راجہ کو پہنچانا تھا اور اس وقت سے میں جگو راجہ کے تعاقب میں ہوں میرا اصل کام جگو راجہ کو گرفتار کروا کر لے جانا ہے۔باقی یہاں کے بارے میں جس قدر معلومات مجھے حاصل ہو چکی ہیں جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ میں نے بھی کافی کام کیا ہے تو یوں سمجھ لو کہ وہ ایک الگ رپورٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔''

''جی سر!اور جگو راجہ کی گرفتاری کے سلسلے میں میرے لائق جو خدمت ہو سکتی ہے آپ پورے اعتماد سے مجھے احکامات دے سکتے ہیں۔آپ کے ماتحت کام کر کے مجھے دلی مسرت ہوگی۔''

''شکریہ فیروز خان یہ بتاؤ مجھے کہ میں دارالحکومت فون کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو کر لیجیے سر!یہ کون سا مشکل کام ہے۔''

''بس پھر ٹھیک ہے۔''زبیر شاہ نے کہا اور فیروز خان نے ٹیلی فون اُٹھا کر زبیر شاہ کے سامنے رکھ دیا۔پھر اُٹھتا ہوا بولا۔

''آپ گفتگو کر لیجیے سر میں دوسرے کمرے میں ہوں۔''

''شکریہ۔''شازیہ سے بات کرنی تھی ظاہر ہے تنہائی درکار تھی۔اس کے لیے زبیر شاہ نے ریسیور اُٹھا کر پہلے کوڈ نمبر ڈائل کیا اور اس کے بعد شازیہ کے گھر کا ٹیلی فون نمبر۔فون شازیہ ہی نے اٹھایا تھا زبیر شاہ نے ایک لمحے ہی میں اس کی آواز پہچان لی تھی۔

''ہیلو''شازیہ کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو کون بول رہا ہے۔''زبیر شاہ نے آواز بدل کر کہا۔

''آپ کو کس سے بات کرنی ہے۔''

''دیکھیے یہاں مس شازیہ رہتی ہیں۔''

''جی۔''

''میں مس شازیہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں شازیہ ہی بول رہی ہوں۔''

''مس شازیہ شاید آپ کے ذہن سے اُتر چکا ہو لیکن ایک شخص ایسا ہے جو آپ سے محبت کرتا ہے۔ مس شازیہ نجانے کتنا عرصہ گزر گیا۔ میں نے آپ کی تصویر اپنے دل کے آئینے میں سجا رکھی ہے اور کبھی کبھی دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ اس تصویر کی جگہ کیوں نہ آپ ہی کو اپنے دل کے اس ویران گوشے میں سجالوں۔''

''اتنے عرصے کے بعد فون کیا ہے۔ کیوں۔'' شازیہ نے کہا۔

''آہ۔ دل تو بہت چاہتا تھا لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی۔''

''اب آواز بدلنا بند کر دیجیے۔ آپ اپنے آپ کو چھپا نہیں سکے۔'' شازیہ نے کہا۔

''کیا مطلب۔؟''

''زبیر میں فون بند کر دوں گی۔''

''ارے ارے۔ ارے یعنی کمال ہے۔ بھئی۔''

''کیا کمال ہے۔''

''میں نے تو انتہائی کوشش کی تھی۔ کہ تم میری آواز پہچان نہ سکو۔''

''یہ کوشش آپ نے کی تھی ناں۔''

''اور میں آپ کی آواز نہیں پہچان سکتی تھی۔''

''شازیہ کیا واقعی اس معاملے میں میں اس قدر کچا ہوں۔''

''پتا نہیں۔ لیکن اتنے عرصے بعد فون کیوں کیا۔'' شازیہ کی آواز میں ناراضی تھی۔

''بھئی جن حالات سے گزر رہا ہوں۔ ان میں فون کرنے کی سہولت تو ہونی چاہیے تھی۔''

''میں آپ سے سخت ناراض ہوں۔''

''تو پھر کیا خیال ہے۔ واپسی کا ارادہ ترک کر دوں۔'' زبیر شاہ نے کہا۔

''فضول باتیں نہ کریں۔''

''واقعی ناراض معلوم ہوتی ہو۔''

''ہاں۔ ہوں۔''

''مگر شازیہ مجبوریوں کو کیا کہو گی۔''

''کچھ نہیں کہوں گی۔''

''اچھا بابا۔ اب ذرا یہ بتاؤ کہ میں اس ناراضی کو دور کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کروں پہلی بات تو یہ کہ میرے اور تمہارے درمیان میں اتنا فاصلہ ہے ورنہ کوئی عمدہ قسم کا فلمی گانا گاتا۔ تم روٹھتیں میں تمہارے پیچھے قلابازیاں کھاتا ہوا جاتا اور اس کے بعد تم مسکرا دیتیں۔ مگر وہ بھی گانے کے آخری بول پر کیوں کہ درمیان میں مسکرا دیتیں تو معاملہ گڑبڑ ہو جاتا۔''

''بس میں ان باتوں سے بہلنے والی نہیں ہوں۔''

''خیر یہ تو مجھے معلوم ہے کہ تمہارا کھلونا صرف میں ہوں۔''

''کھلونا کہو گے اپنے آپ کو۔''

''نہیں میرا مطلب ہے۔ دل بہلانے والی بات۔''

''اچھا فضول باتیں مت کرو۔ کہاں سے بول رہے ہو۔''

''اس علاقے کا نام کنڈالی ہے۔''

''کنڈالی۔ میں نے تو اس علاقے کا نام پہلے کبھی نہیں سنا۔''

''امیر پور سے کافی فاصلے پر ہے۔ ایک پراسرار قسم کا پہاڑی علاقہ۔ قرب و جوار میں پہاڑوں کی دیواریں کھڑی ہیں۔ وسیع و عریض میدانوں میں مکانات بکھرے پڑے ہیں۔ زندگی بے حد پراسرار ہے یہاں۔''

''فون کہاں سے کر رہے ہو۔''

''ایک بہت اچھے دوست کے گھر سے۔''

''دوستی ہو گئی۔''

''ہاں۔''

''خیریت سے گزر رہی ہے۔''

''ہاں۔ خیریت سے ہوں۔''

''کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی۔''

''نہیں۔''

''مجھے ساتھ لے جاتے تو کیا حرج تھا۔''

''بہت بڑا حرج تھا۔''

''کیا مطلب۔''

''جس طرح کا علاقہ ہے وہاں عورتیں۔ صرف گھروں کی چار دیواری میں رہتی ہیں۔ تمہارے لیے باہر نکلنا مشکل ہو جاتا۔''

''بہانہ ہے۔''

''نہیں۔ شازیہ سچ کہہ رہا ہوں۔''

''میں نہیں مانتی۔''

''کمال ہے۔ بھئی یعنی اتنا عرصہ تو ہوا نہیں۔ اور تم نے میری باتیں ماننا چھوڑ دیں۔''

''واپسی کب ہوگی؟''

''ابھی وقت لگے گا۔''

''جس کام کے لیے گئے تھے وہ ہو رہا ہے؟''

''ہاں خدا کا شکر ہے۔ مگر رفتار سست ہے۔''

''کوئی خطرہ تو نہیں وہاں۔''

''نہیں۔ خطرہ کوئی نہیں ہے لیکن بہر حال واسطہ خطرناک لوگوں سے ہی ہے۔''

''اپنا خیال رکھو گے۔''

''کیا مطلب۔؟''

''میرا مطلب ہے اپنا خیال رکھنا۔''

''بہتر ہے۔ آپ نے کہہ دیا تو سر تسلیم خم۔''

''جلدی واپس آنے کی کوشش کریں۔'' شازیہ بولی۔

''بہت بہتر۔''

''اب سنجیدگی سے بتایئے کہ کیا ہو رہا ہے۔''

''شازیہ کام ہو رہا ہے لیکن صورتحال کسی حد تک مشکل ہی ہے۔ ظاہر ہے۔ سب کچھ آسانی سے نہیں ہو جاتا لیکن راستے بہر طور مل گئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ بہت جلدی کام کر کے واپسی ہو جائے۔ اچھا اب تم ایک کام کی بات سنو۔''

''یعنی اب تک جو باتیں ہو رہی تھیں۔ وہ بے مقصد تھیں۔''

''یعنی کام سے مراد یہ کہ سرکاری کام کی بات۔'' زبیر شاہ نے جلدی سے کہا۔

''بتایئے۔''

''پوری ٹیم کو کنڈالی روانہ کر دو۔''

''اوہ میں نہیں آؤں گی۔''

''نہیں شازیہ پلیز۔اب میں سنجیدہ ہوں۔تمہاری گنجائش نہیں ہے۔ یہاں ماحول ذرا دوسری قسم کا ہے۔تم سمجھتی ہوناں کہ پہاڑی علاقوں کا ماحول کس طرح کا ہوتا ہے۔ذہن اُلجھ جائے گا۔''

''خیر ٹھیک ہے۔میں ضد نہیں کرتی۔تو کیا کہوں ان لوگوں سے۔''

''انہیں کنڈالی پہنچنا ہے کنڈالی پہنچتے پر انہیں اپنے طور پر ایک ٹیلی فون نمبر پر رابطہ کرنا ہے۔یہاں سے میں انہیں ساری صورتحال بتادوں گا۔''

''کنڈالی کے بارے میں کوئی اور خاص بات۔''

''ہاں سفر ذریعہ کے بارے میں تفصیل بتائے دیتا ہوں۔'' زبیر شاہ نے کہا اور شازیہ کو تفصیل بتانے لگا۔

''ٹھیک ہے۔میں نے نوٹ کرلیا ہے۔''

''ان لوگوں سے کہنا مکمل احتیاط سے یہاں پہنچیں۔یہاں نئے لوگوں کو بہت جلد نگاہوں میں رکھ لیا جاتا ہے۔کوئی ایسا طریقہ کار اختیار کریں جس سے یہاں آنے میں آسانی ہو۔ماحول میں بتا ہی چکا ہوں ان سے کہہ دینا کہ کنڈالی کے بارے میں اور تفصیل معلوم کرلیں۔''

''پہنچنا کب تک ہے۔''

''بس جلد پہنچ جائیں۔تم انہیں کل ہدایت دے دو۔اگر چاہو تو ابھی کہہ دینا اتنی زیادہ رات نہیں ہوئی ہے۔اس کے بعد وہ جس قدر جلد آسکیں آجائیں۔''

''ٹیلی فون نمبر بتاؤ۔'' شازیہ نے کہا اور زبیر شاہ نے وہی ٹیلی فون نمبر بتادیا۔

''ٹھیک ہے تو پھر واپسی کب ہو رہی ہے۔''

''بس شازیہ بہت جلدی ویسے رحمانی صاحب ٹھیک ہیں۔''

''سب لوگ ٹھیک ہیں۔''

''اور ایسی کوئی خاص بات۔''

''نہیں بالکل نہیں۔''

''تو پھر تم مجھے خدا حافظ کہو۔''

''میں نہیں کہتی۔'' شازیہ نے کہا۔

''تو چلو پھر میں ہی خدا حافظ کہے دیتا ہوں۔''

''خدا حافظ۔'' شازیہ نے جواب دیا اور اس کے بعد زبیر شاہ نے ٹیلی فون بند کردیا۔اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

وہ محسوس کر رہا تھا کہ شازیہ سے گفتگو کرنے کے بعد کم از کم ذہن کی تھکن دور ہوگئی ہے۔ بہت دیر تک وہ شازیہ کے بارے میں نجانے کیا کیا سوچتا رہا۔ پھر فیروز خان آ گیا تو زبیر شاہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

''بات ہوگئی جناب۔''

''ہاں۔ فیروز خان بہت شکریہ۔''

''کیا آپ نے کچھ لوگوں کو یہاں طلب کر لیا ہے۔''

''ہاں بہت کام کے لوگ ہیں میرے محکمے سے ہی تعلق رکھتے ہیں اطمینان رکھو کسی بہتر انداز میں ہی یہاں پہنچیں گے۔''

''ہاں جناب اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے لیکن زیادہ تر لوگوں پر نگاہ رکھی جاتی ہے اور نگاہ رکھنے والے یہ ہی مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو یہاں کاروبار کرتے ہیں۔''

''میں نے انہیں یہ ہی ٹیلی فون نمبر دیا ہے۔ ہمیں یہاں آنے کی اطلاع دیں گے اور ہم ان کے لیے یہیں ٹھکانا بنا دیں گے۔''

''آپ بالکل مطمئن رہیں یہاں وہ محفوظ رہیں گے ویسے یہ بہت بڑا مسئلہ حل ہوا ہے میرا۔ آپ سے اس بارے میں اور بہت سی باتیں کروں گا۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ہم پہلے کل رات کا پروگرام کر لیں آپ کو یقینی طور پر اس سے کئی فائدے حاصل ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے جب تم نے کسی بات کو خفیہ راز میں رکھا ہے تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔''

''معذرت خواہ ہوں سر آپ نجانے کیا کیا سوچتے ہوں گے اس بارے میں لیکن میری خواہش ہے کہ آپ پہلے سے مجھ سے اس بارے میں نہ پوچھیں۔''

''میں نے دوبارہ تو نہیں کہا تم سے۔'' پھر فیروز خان بھی سونے کے لیے چلا گیا تھا آج کی رات کافی پرسکون تھی، خاص طور سے شازیہ سے گفتگو کرنے کے بعد زبیر شاہ ذہنی طور پر اپنے آپ کو کافی مطمئن محسوس کر رہا تھا بہت دیر تک وہ ان حالات کے بارے میں سوچتا رہا۔ اور پھر گہری نیند سو گیا۔ دوسری صبح معمول کے مطابق تھی فیروز خان نے اس کے ساتھ ناشتا کیا پھر اجازت لے کر چلا گیا، زبیر شاہ نے بھی کسی خاص پروگرام کا منصوبہ نہیں بنایا تھا اسے اندازہ تھا کہ جگو راجہ اسے چپے چپے میں تلاش کر رہا ہوگا بہتر ہے کچھ وقت اسی طرح نکل جائے تاکہ جگو راجہ اپنے طور پر خاموش بیٹھ جائے دوسری صورت میں خطرات بھی ہو سکتے ہیں پھر شام کو فیروز خان واپس آ گیا۔ تمام معمولات سے فارغ ہو کر آیا تھا اس نے زبیر شاہ کے سامنے ایک پیکٹ رکھ کر کہا۔

''ویسے تو ہمارے پاس اس قسم کے انتظامات نہیں ہیں لیکن یہ تھوڑا سا میک اَپ کا سامان ہے۔ مصنوعی بال، لوشن وغیرہ چہرے میں ذرا سی تبدیلی پیدا کر لیں تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔'' زبیر شاہ نے یہ سامان دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

''ٹھیک ہے بلکہ مناسب۔''

''یہ نئے لباس بھی لے آیا ہوں آپ کے لیے آپ کے بدن کے مطابق ہوں گے۔''

''حالانکہ ان کی ضرورت نہیں تھی تمہارے لباس ہی کافی تھے۔''

''پھر بھی جناب! میں نے سوچا کہ آپ کے لیے کچھ نہ کچھ تو خرید اہی جائے، یہ مقامی لباس ہیں کسی قسم کا کوئی شبہ بھی نہیں ہوگا۔''

کھدر کی شلوار اور کرتے تھے اور فیروز خان نے زبیر شاہ کی جسامت کا بالکل صحیح اندازہ لگایا تھا۔ فیروز خان کہنے لگا۔

''میں تو صرف نقلی مونچھوں سے کام چلا سکتا ہوں۔ آپ بھی چہرے میں ذرا تبدیلی پیدا کر لیجیے۔''

''وہ میں کرلوں گا۔ کس وقت چلنا ہے۔''

''آٹھ بجے۔''

''اس شخصیت کو تم نے اطلاع دے دی ہے۔''

''ہمارا انتظار کیا جارہا ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔'' زبیر شاہ نے جواب دیا۔

پھر مقررہ وقت پر زبیر شاہ نے ہلکی پھلکی ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد اپنے چہرے پر میک اَپ کیا لباس تبدیل کر لیا اور جب فیروز خان اس کے پاس پہنچا تو سر جھٹک کر رک گیا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر زبیر شاہ کی طرف دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''سر اتنے معمولی سے میک اَپ سے...... آپ نے میک اَپ کیا ہے۔''

''کیسا ہے۔''

''سر کچھ کہوں گا نہیں۔ اس بارے میں بخدا آپ کو دیکھ کر بھی نہیں پہچان سکتا تھا میں......''

''تو پھر اب کیا پروگرام ہے۔''

''سر ہم لوگ تیار ہیں۔'' فیروز خان نے کہا اور پستول زبیر شاہ کو دیتے ہوئے کہا۔

''اسے اپنے لباس میں پوشیدہ رکھ لیجیے ہوسکتا ہے کوئی ضرورت پیش آجائے۔'' زبیر شاہ نے شکریہ کے ساتھ اس کا دیا ہوا پستول قبول کر لیا تھا پھر رات کی تاریکیوں میں وہ وہاں سے نکل آئے۔ فیروز خان نے کہا۔

''پیدل چلنا پڑے گا سر۔''

''کوئی بات نہیں۔ اچھا ہے ویسے بھی دو دن سے گھر میں قیدی بنا ہوا ہوں۔'' فیروز خان اور زبیر شاہ سفر کرتے ہوئے، ٹیڑھے میڑھے ناہموار راستوں کو عبور کرنے کے بعد اس سفر کا اختتام سرخ پتھروں سے بنی ہوئی حویلی نما عمارت کے سامنے ہوا تھا۔ عمارت کے دروازے پر مسلح چوکیدار موجود تھے جو مقامی ہی لوگ تھے۔ زبیر شاہ کے دل میں تجسس تھا۔ فیروز خان نے چوکیدار سے کہا۔

''مادام فرحت کے مہمان ہیں۔ تمہیں اطلاع دے دی گئی ہوگی۔''

''آؤ صاحب آؤ۔'' چوکیدار نے کہا اور پھر دوسرے چوکیدار کو وہاں محتاط رہنے کی ہدایت کرکے آگے بڑھ گیا۔ زبیر شاہ نے پہلی بار فیروز خان کے منہ سے کسی مادام فرحت کا نام سنا تھا۔ بہر حال اس نے فیروز خان سے کوئی سوال نہیں کیا۔ چوکیدار نے انہیں حویلی کے ایک بغلی گوشے میں پہنچایا اور یہاں سے ایک راہداری عبور کرکے ایک بڑے سے کمرے کے دروازے کے سامنے رک گئے، دروازہ فیروز خان نے ہی کھولا تھا اور زبیر شاہ اس کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہو گیا تھا۔ بہت بڑا ہال نما کمرہ تھا۔ جو بہترین فرنیچر سے آراستہ تھا۔

فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا دیواروں پر بے حد خوبصورت پردے پڑے ہوئے تھے، صوفوں کا ایک سیٹ نیم دائرے کی شکل میں لگا ہوا تھا اور انہیں صوفوں سے ایک صوفے پر ایک دراز قامت عورت ڈھیلے ڈھالے سفید لباس میں ملبوس بیٹھی ہوئی تھی عمر چالیس سے بیالیس سال کے قریب ہوگی چہرہ دودھ کی طرح سفید لیکن خدوخال کرخت، ایک عجیب سی تمکنت تھی اس کے اندر...... زبیر شاہ نے اسے بغور دیکھا فیروز خان آگے بڑھ گیا عورت پروقار انداز میں بیٹھی رہی تھی۔ فیروز خان نے کہا۔

''مادام۔ خادم فیروز خان۔''

''تمہارا کیا خیال ہے فیروز خان کیا ان معمولی سی مونچھوں کی تبدیلی سے میں تمہیں پہچان نہیں سکتی آؤ بیٹھو ان سے میرا تعارف کراؤ کون ہیں یہ۔''

''اپنا تعارف یہ خود کرائیں گے مادام۔'' فیروز خان نے کہا۔ زبیر شاہ آگے بڑھ کر بولا۔

''حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ مجھے آپ کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا گیا مادام ابھی فیروز خان نے آپ کا نام مادام فرحت پکارا ہے تو مجھے علم ہوا کہ آپ مادام فرحت ہیں ورنہ میں تو کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ میرا نام زبیر شاہ ہے دارالحکومت سے آیا ہوں۔ وہاں کے محکمہ خفیہ کا ایک نمائندہ ہوں۔''

''اوہ۔ آؤ۔ بیٹھو۔ تم سے مل کر خوشی ہوئی لڑکے۔'' مادام فرحت نے کاٹ دار آواز میں کہا۔ نسوانیت سے بھرپور لیکن خوبصورت آواز تھی۔ زبیر شاہ نے ایک نگاہ سے اس عورت کا جائزہ لیا تھا۔ درحقیقت پہلی ہی نگاہ سے اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بہت زیرک اور بردبار اور پروقار شخصیت کی مالک ہے۔ اس کی ہدایت پر فیروز خان اور زبیر شاہ اس کے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ مادام فرحت گہری نگاہوں سے زبیر شاہ کو دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

''مختصر تعارف تو تم سے حاصل ہو گیا اور خاص طور سے تم جس شخص کے ساتھ آئے ہو۔ اس کی شخصیت سے میں بہت متاثر ہوں۔ وہ اس ملک کا ایسا سرمایہ ہے۔ جس پر جتنا بھی ناز کیا جائے کم ہے۔ اصل میں ہم لوگ یہ توقع کر لیتے ہیں کہ ہر شخص حرف آخر ہو سکتا ہے اور دنیا کا ہر کام کر سکتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ برائی بظاہر کمزور نہیں ہوتی وہ دیکھنے میں سچائیوں سے کہیں زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ اور اس طاقتور جن کو ختم کرنا بہت ہی بڑا کام ہوتا ہے۔ فیروز خان بیچارہ کچھ کر سکے یا نہ کر سکے لیکن اس کے سینے میں کچھ جذبے پروان چڑھ رہے ہیں۔ ان کی قیمت ایک صاحب دل ہی جانتا ہے۔''

''آپ کے خیالات بہت پاکیزہ ہیں۔ مادام۔''

''نہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ جس پر تم میری تعریف کرو۔ اور میں اس تعریف سے خوش ہو جاؤں۔''

''فیروز خان تمہاری یہاں آمد بے مقصد نہیں ہوگی۔ کیا تم بولنے کے لیے مجھ پر پابندی لگاؤ گے۔ میرا مطلب تم سمجھ رہے ہو۔''

''نہیں مادام ظاہر ہے۔ زبیر شاہ صاحب کو آپ کے پاس بہت اعتماد سے لایا ہوں۔''

''مسٹر زبیر شاہ کیا کنڈالی میں آپ کا کوئی خاص مقصد ہے۔''

''ہاں۔ مادام اب میں آپ سے ہر وہ بات کہہ سکتا ہوں۔ جو میرے سینے میں پوشیدہ ہے۔ کیونکہ مجھے فیروز خان پر اعتماد ہے اور فیروز خان کو آپ پر۔ معاف کیجیے گا میں کوئی غلط بات کہہ کر آپ کو خوش کر سکتا تھا۔ یعنی یہ بھی کہہ سکتا تھا۔ مادام کہ آپ کی پروقار شخصیت دیکھ کر مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں بہت ہی اچھی خاتون کے سامنے ہوں لیکن میری آپ سے یہ پہلی ملاقات ہے۔ اور فیروز خان نے جن الفاظ میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے مجھے یہ اعتماد ہے کہ اس کا اندازہ غلط نہیں ہوگا۔''

''شکریہ۔''

''اچھا مجھے بتاؤ کہ کنڈالی آنے کا مقصد کیا ہے۔''

''مادام ایک شخص ہے۔ جگو راجہ اس نے دارالحکومت میں ایک معصوم لڑکی کو ختم کر دیا تھا۔ میں اس قتل کی تفتیش کے سلسلے میں اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں پہنچا ہوں۔''

''کچھ کارآمد باتیں معلوم ہوئیں جگو راجہ کے بارے میں۔''

''ہاں۔ مادام صرف اتنا کہ وہ منشیات کا اسمگلر ہے۔''

''وہ منشیات کا اسمگلر ہے۔ بے شک ہے لیکن اس سلسلے میں آخری شخصیت نہیں ہے...... ایک پورا گروپ جس کا ایک فرد جگو راجہ ہے اور اس گروپ کے بارے میں شاید اپنی زندگی کے دس سال تک یہ پتا نہ لگا سکو کہ اس کے سربراہان کون ہیں، میں اگر تم سے اپنے معمولات کی بنا پر یہ کہوں کہ ان کے سربراہان کا تعلق کنڈالی سے نہیں ہے تو یہ غلط نہیں ہوگا لیکن میں یہ جانتی ہوں کہ وہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔''

''مادام اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ منشیات کی لعنت اس طرح سے اس کائنات پر چھائی جا رہی ہے کہ انسانیت کو شدید خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔ وہ نوجوان جو ملکوں کی تعمیر کرتے ہیں منشیات کی لعنت کا شکار ہو کر گندی نالیوں میں دم توڑنے لگے ہیں۔ ہمیں اس بات سے نفرت ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ اپنے وطن کو اس لعنت سے پاک کرے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ میں اصل میں تمہاری عمر کا تذکرہ کر رہی تھی۔ ڈیئر زبیر شاہ تم ابھی تو خیریت کی عمر میں ہو میں بھی زندگی کا ایک طویل سفر طے کر چکی ہوں لیکن اتنا نہیں کہ میں اپنے اس سفر کو اختتام کے قریب سمجھوں، ویسے زندگی اور موت کا کوئی مسئلہ

انسان کے بس کی بات نہیں لیکن میرا دل چاہتا ہے مسٹر زبیر شاہ کہ اپنا فرض پورا کر کے اس دنیا سے جاؤں۔"

"مادام بہت بڑی بات ہے یہ۔"

"خیر چھوڑو۔ یہ تو ہم ایک دوسرے کی تعریف میں مصروف ہو گئے۔ جگو راجہ کی گرفتاری کا جہاں تک معاملہ ہے۔ میرا خیال ہے کنڈالی سے اسے تم کبھی گرفتار نہیں کر سکتے۔ اس کے ہاتھ بہت مضبوط ہیں وہ ایک مضبوط گروپ سے تعلق رکھتا ہے۔ تم اس پر ہاتھ ڈالو گے تو یہ تمہارے لیے مشکل ہو جائے گا۔"

"جی مادام مجھے اس کا اندازہ ہے۔ فیروز خان نے آپ کے بارے میں جو تذکرہ کیا وہ کچھ ایسا تھا کہ میرے دل میں بھی آپ سے ملنے کی خواہش بیدار ہو گئی۔ حالانکہ اس وقت فیروز خان نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ آپ کون ہیں یا یہ آپ کوئی خاتون ہیں۔"

"فیروز خان خود اتنا نفیس انسان ہے کہ خود متاثر ہو جاتا ہے۔ اتفاق سے یہ شخص اپنے دل میں وطن سے پیار کے جذبے لے کر دنیا میں آیا ہے۔ میری تو صرف دعائیں ہی ہیں اس کے ساتھ کہ جس حد تک بھی ممکن ہو سکے۔ اسے کامیابی نصیب ہو مجھ سے اس کا رابطہ ہوا اور میں نے اسے پیشکش کر دی کہ میں جس قابل بھی ہوں اس کے مقصد کے لیے حاضر ہوں۔ حالانکہ میں جانتی ہو کہ یہ بیچارہ یہاں کچھ بھی نہیں کر پائے گا۔"

"مادام۔ انسان کو اپنا فرض پورا کرنا چاہیے یہ بھول کر کہ وہ کتنا آگے کام کر جاتا ہے۔ جگو راجہ کے مسئلے کو الگ رکھ کر فیروز خان کی کاوشوں ہی سے میں اپنے آپ کو بھی متعلق کر لوں تو میں بھی یہ چاہوں گا کہ جس طرح بھی بن پڑے یہاں ان گروپوں کو ختم کر دیا جائے۔"

"نہیں کر سکتے۔ تم نہیں کر سکتے۔ یہ میں تمہیں بتائے دیتی ہوں۔"

"کیوں مادام۔"

"اس لیے کہ وہ یہاں بہت مضبوط ہیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ بات بہت بڑی ہے لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ ایسی کوئی کوشش سرکاری پیمانے پر بھی کی جائے تو بڑا خون خرابہ کرنا پڑے گا اور اس کے نتائج کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔"

"اب آپ سے ملاقات ہو گئی ہے۔ مادام تو کیا میں آپ سے یہ سوال کر سکتا ہوں کہ کیا کوئی ایسی ترکیب ہے۔ جس سے ان لوگوں کو ختم کیا جا سکے۔"

"شاید کوئی ترکیب نہیں۔" مادام نے مایوسی سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔ پھر بولی۔ "ہاں۔ اگر تم صرف اپنا فرض پورا کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں اس کا ذریعہ بتا سکتی ہوں۔"

"بتائیے۔ پلیز مادام۔" زبیر شاہ نے متاثر لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں ان لوگوں کا ٹھکانہ بتا سکتی ہوں، ایسے ٹھکانے جہاں وہ منشیات کا ذخیرہ رکھتے ہیں۔ یہ ذخیرہ اربوں ڈالر کی مالیت ہے۔ اور بہر حال اس پر انہوں نے کروڑوں ڈالر خرچ کیے ہیں۔ اگر ہم مالی طور پر انہیں ختم کر دیتے ہیں تو زیادہ تو میں کچھ نہیں کہتی لیکن یہ

ہے کہ ان کی کارروائیوں کو روکا جا سکتا ہے۔ جب وہ مالی طور پر تباہ برباد ہو جائیں گے تو ممکن ہے کہ کچھ اور کرنے کے بارے میں سوچیں گے۔'' زبیر شاہ نے گردن جھکالی اور سوچ میں ڈوب گیا۔ فیروز خان نے کہا۔

''مادام اگر ایسا ہو جائے تو کم از کم آپ کے کہنے کے مطابق ہم لوگ اپنا تھوڑا سا فرض تو پورا کر ہی لیں گے۔''

''ہاں۔ فیروز خان تم سے پہلے بھی ایسے لوگ موجود نہیں ہیں۔ جو اس سلسلے میں کارروائی کر سکیں۔''

''یہی میں کہنا چاہتی تھی۔''

''مادام، زبیر شاہ کے آنے سے مجھے کم از کم ایک ایک فائدہ حاصل ہو گیا ہے۔ وہ یہ کہ مجھے ایسے قابل اعتماد افراد مل رہے ہیں۔ جو اس کام میں میری مدد کر سکتے ہیں۔''

''اگر ایسی بات ہے تو پھر میرا خیال ہے۔ تمہیں بسم اللہ کر دینی چاہیے۔'' مادام فرحت نے کہا۔ زبیر شاہ غور سے مادام کو دیکھ رہا تھا۔ مادام گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''میں یکے بعد دیگرے تمہیں وہ جگہیں بتا سکتی ہوں۔ جہاں ان لوگوں نے اپنے ذخیرے چھپا رکھے ہیں۔ کیا تمہارے پاس ایسے ذرائع ہیں کہ تم ان ذخائر کو تباہ کر سکو۔''

''مادام ہم پوری پوری کوشش کریں گے۔''

''دیکھو اگر تم ان کی تباہی کے لیے سرکاری طور پر امداد حاصل کرو گے تو میرا مطلب ہے۔ ایسی چیزیں جن سے انہیں تباہ کیا جا سکے شاید تمہیں دستیاب نہ ہوں۔''

''کیوں مادام اس کے لیے ہمیں ہر طرح کی امداد فراہم کی جائے گی۔'' زبیر شاہ نے کہا اور مادام کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے کہا۔

''جب تم یہ امداد طلب کرو گے تو تمہاری شامت آ جائے گی۔ فیروز خان یا تو تمہیں یہاں سے ٹرانسفر کر دیا جائے گا۔ یا پھر میرے منہ میں خاک تم زندہ ہی نہ بچ پاؤ گے۔''

بات بہت دور تک جاتی تھی۔ فیروز خان شاید اپنی نوجوانی کی عمر میں تجربات نہ کر چکا ہو لیکن زبیر شاہ کو اس طرح کے بے پناہ تجربات تھے۔ وہ مادام کی بات سے پوری طرح اتفاق کرتا تھا۔ اس نے کہا۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں مادام لیکن اس کے لیے کوئی اور ذریعہ ہو سکتا ہے۔''

''ہاں۔'' مادام نے کہا۔

''کیا۔'' زبیر شاہ نے سوال کیا۔

''میں۔''

''جی۔''

''ہاں میں۔''

''میں سمجھا نہیں۔ مادام۔''

''میں تمہیں وہ سب کچھ مہیا کر سکتی ہوں جو تمہاری ضرورت ہو۔ میرے پاس تمام انتظامات موجود ہیں۔''

زبیر شاہ خاموشی سے مادام فرحت کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

''یہ تو ہمارے لیے اور آسانی ہو جائے گی۔ مادام۔''

''دیکھو آفیسر جو کچھ میں تم سے کہہ رہی ہوں اس کا بُرا نہ ماننا تم لوگ بڑی حیثیت کے مالک ہوتے ہو۔ بڑے بڑے کام کرتے ہو تم لیکن یہ سب جو ہو رہا ہے۔ وطن کی پیشانی پر بدنما داغ ہے۔ میں یہ نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ اگر عہدہ بڑھانا چاہتے ہو تو وہ لوگ تمہارے معاون ہوں گے۔ اور اگر اپنا فرض ادا کرنے کی خواہشمند ہو تو میں تمہیں سب کچھ پیش کر سکتی ہوں۔ میں عورت ہوں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی لیکن عورت کے ساتھ ساتھ میں، ماں، بہن، بیٹی بھی ہوں اور وطن پرست بھی۔ تمہیں محنت کرنا ہو گی۔ آفیسر مشکل حالات کا سامنا کرنا ہو گا پہلے ان لوگوں کو مالی طور پر مفلوج کر دو۔ ان کے وہ اثاثے تباہ کر دو جو انہیں زمین چاٹنے پر مجبور کر دیں۔ اگر تم یہ کر سکتے ہو تو بسم اللہ کر کے شروع کرو۔ میں تمہیں ان کے سارے ٹھکانے بتا دوں گی۔ انسانیت کے نام پر انہیں برباد کر دو۔ قلاش کر دو انہیں وہ اس کے بعد شاید سالہا سال اپنے آپ کو نہ سنبھال سکیں۔ سمجھ رہے ہو ناں تم۔''

''سمجھ رہا ہوں۔ مادام۔''

''یوں۔ بس فیصلہ کر لو۔ پروگرام بنا لو۔ میں تمہاری ہر طرح کی مدد کے لیے حاضر ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ مادام میں تیار ہوں۔ اور بہت جلد میں آپ سے دوبارہ رابطہ قائم کروں گا۔''

''میرے گھر کے دروازے تمہارے لیے ہر وقت کھلے ہوئے ہیں۔ کوشش کرنا کہ کسی کو یہ معلوم نہ ہونے پائے کہ میں تمہارے ساتھ کیا تعاون کر رہی ہوں۔''

''آپ مطمئن رہیں۔ بلکہ اگر کوئی ضرورت ہو تو مجھے بتایئے۔ مادام مسکرا کر خاموش ہو گئی۔ پھر اس کے بعد اس نے ان کی خاطر مدارات کی۔ اس کے بعد زبیر شاہ اور فیروزہ خان وہاں سے رخصت ہو گئے۔''

تاریکیوں کا یہ سفر خاموشی سے طے کیا گیا۔ اور اس کے بعد فیروز خان زبیر شاہ کے ساتھ گھر واپس آ گیا۔ زبیر شاہ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

مادام فرحت بے مثال عورت ہے۔

''اور شاید اس علاقے میں پہلی عورت جس کے دل میں انسانیت اور وطن کا درد پایا جاتا ہے لیکن سر اب آپ مجھے بتایئے کہ میری

کیا خدمات ہیں۔"

"مجھے اپنے آدمیوں کی آمد کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے سر میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔"

"تم اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے رہو۔اور کسی کو کوئی شک نہ ہونے دو۔"

"آپ مطمئن رہیں۔" فیروز خان نے کہا۔

☆......☆......☆

شیر جنگ اور ٹیم کے باقی افراد کنڈالی پہنچ گئے۔ بڑا مشکل راستہ تھا۔ بس کے ذریعے یہاں آئے تھے۔ بس بھی کافی فاصلے پر اُتارتی تھی۔ معلومات بالکل نہیں تھیں۔ بس مسافروں سے کنڈالی کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ انہیں پیدل چل کر کافی فاصلہ طے کرنا پڑے گا اور پھر کہیں جا کر کنڈالی پہنچنا ہوگا لیکن بہر حال وہ لوگ احمق نہیں تھے۔ شہزاد نے عقل سے کام لیتے ہوئے ٹرانسمیٹر پر زبیر شاہ کو مخاطب کیا اور چند ہی لمحوں کے بعد رابطہ قائم ہو گیا۔

"زبیر صاحب میں شہزاد بول رہا ہوں۔ یقیناً اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

"ہاں۔ شہزاد پہنچ گئے تم لوگ۔"

"زبیر صاحب! لیکن ہم بڑے عذاب میں گرفتار ہیں۔ بس سے اُترنے کے بعد کافی فاصلہ پیدل طے کرنا پڑا ہے۔"

"کس جگہ ہو اس وقت۔"

"بس یوں سمجھ لیجیے۔ آبادی سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہیں۔ ہم ایک پگڈنڈی پر ہیں اور لڑھکتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔"

"تم انتظار کرو۔ میں پہنچ رہا ہوں، سڑک سے ہٹ جاؤ۔ اور بہتر ہوگا کہ پوشیدہ رہنے کی کوشش کرو۔ میں دوبارہ تم سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کرتا ہوں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔ واقعی سفر نے جان نکال لی ہے۔ اگر اس وقت آپ پہنچ جائیں تو بہت عنایت ہوگی۔ ہم پر......"

"آ رہا ہوں میں۔" زبیر شاہ نے کہا۔ اس کے فوراً بعد اس نے ٹرانسمیٹر پر سلسلہ منقطع کر کے تھانے کے نمبر پر فیروز خان کو ٹیلی فون کیا جو فیروز خان نے ریسیو کیا۔

"فیروز خان وہ لوگ آ گئے ہیں۔"

"مجھے بتایئے سر۔ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"جس قدر جلد ممکن ہو سکے کوئی بھی بڑی گاڑی لے کر پہلے گھر پہنچو یہاں سے ہم لوگ چلیں گے۔"

"آپ ٹیلی فون بند کیجیے میں آ رہا ہوں۔" پھر فیروز خان نے پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ پولیس ہی کی ویگن لایا تھا اور

زبیر شاہ اس کے ساتھ چل پڑا تھا۔ فیروز خان کے چہرے پر سنسنی کے تاثرات تھے۔ ویسے بھی پر جوش انسان تھا۔ آخر کار شہری آبادی سے نکلنے کے بعد زبیر شاہ نے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کیا۔

''ہاں۔ تم لوگ کہاں ہو۔''

''سڑک کے نیچے ایک درخت کے پیچھے۔''

''شاعری کر رہے ہو۔'' زبیر شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں مچھر بہت کاٹ رہے ہیں۔'' شہزاد نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا اور زبیر شاہ بھی ہنس پڑا۔

''اگر کسی جیپ کی لائٹیں دیکھ رہے ہو تو باہر نکل آؤ۔'' زبیر شاہ نے کہا۔ فیروز خان نے جیپ کی رفتار بالکل سست کر دی تھی۔ پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ چھ افراد سڑک پر آ گئے اور فیروز خان نے جیپ روک دی۔ وہ سب ویگن میں سوار ہو گئے۔ فیروز خان نے جیپ وہیں سے واپس کی اور کچھ دیر بعد وہ واپس مکان پر آ گئے۔ ان کے کپڑے بہت خراب ہو گئے تھے لیکن حلیوں کی یہ خرابی ان کے لیے بڑی کارآمد تھی۔ زبیر شاہ نے ان سب کا تعارف ان کے ناموں سے ہی کرایا لیکن ان کے شعبے وغیرہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ فیروز خان بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''سر آپ یقین کریں نجانے کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا ہے۔ کہ ہم لوگ بڑی خوش اسلوبی سے اپنا کام کر لیں گے۔''

''میرا خیال ہے۔ مادام سے رابطہ قائم کر لیا جائے۔''

''میں کر لوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔'' یہ رات اور دوسرا دن ان لوگوں نے بڑی خوشی سے گزارا تھا۔ زبیر شاہ سے وہ ملاقات کرتے رہے تھے اور زبیر شاہ انہیں بریف کرتا رہا تھا۔ بہت وقت اسی طرح گزرا اور پھر فیروز خان نے زبیر شاہ کو بتایا۔

''مادام ایک بار پھر آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ زبیر صاحب لیکن تنہا.....''

''تنہا سے تمہاری کیا مراد ہے۔''

''اس نے کہا ہے کہ زبیر شاہ کو میرے پاس بھیج دو۔ میں اس سے بات کروں گی۔''

''کیا خیال ہے۔ کوئی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔''

''نہیں مادام بہت نفیس عورت ہے میں اس سے بالکل مطمئن ہوں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ میں مل لوں گا۔''

مادام سے ملاقات کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔ جیسے ہی وہ کوٹھی پہنچا اسے اندر بلایا گیا تھا۔ مادام اپنے مخصوص کمرے میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے تعریفی نظروں سے زبیر شاہ کو دیکھا اور کہا۔

''محکمہ خفیہ میں تمہارا کیا عہدہ ہے۔''

''بس ایک معمولی آفیسر ہوں۔ مادام۔''

''اپنے بارے میں کچھ اور تفصیلات بتاؤ گے۔''

''کوئی خاص تفصیل نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ نیک نیتی سے اپنا کام کرنے کا شوقین ہوں۔''

''ویسے تمہاری عمر ایسی نہیں ہے آفیسر کہ یہ دور تم نیک نیتی سے گزارو۔''

''میں سمجھا نہیں۔ مادام۔''

''کیا کہا جائے۔ زمانہ جس بری روش پر چل رہا ہے۔ اسے دیکھتے ہوئے اگر کوئی شخص نگاہوں میں آ جاتا ہے جو وقت کی لکیر کو پیٹ رہا ہے تو حیرت ہوتی ہے۔ اس پر......''

''میں اس بارے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ بس یہ سمجھ لیجیے دل چاہتا ہے کہ وطن کے لیے کام کروں۔''

''یہ ایک نیک جذبہ ہے۔ مسٹر زبیر شاہ لیکن پولیس کی ملازمت میں ایسے مواقع تو بہت آتے ہوں گے جب تمہیں کوئی عمدہ پیشکش کی گئی ہو۔''

''جی مادام کیوں نہیں۔''

''کیا تم نے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔''

''یہ بالکل ذاتی سوال ہے۔ مادام۔''

''بے شک مجھے اس کا احساس ہے۔ خیر جواب کے لیے میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔ اصل میں، تمہیں تول رہی تھی کہ کام کرو گے اور منظر عام پر آ گئے تو نجانے کیسی کیسی پیشکش ہوں گی تمہیں۔''

''نہیں مادام میں کسی پیشکش کو قبول نہیں کروں گا۔''

''ویری گڈ تو آؤ۔ بیٹھتے ہیں۔ میں تمہیں ساری صورتحال سے آگاہ کروں۔'' اس کے بعد مادام فرحت اسے لیکر ایک دوسرے کمرے میں آ گئی اور اس کے بعد اس نے کہا۔

''یہ جگہ سنہری گھاٹی ہے۔ سنہری گھاٹی میں جو پہاڑیاں ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ ایک بہت بڑی ذخیرہ گاہ ہے۔ یہ سامنے جو تم ایک چٹان دیکھ رہے ہو۔ اس چٹان کے عین سامنے ایک غار کا دہانہ ہے۔ یہاں تقریباً چار یا پانچ افراد پہرے پر رہتے ہیں اور غار کے دوسرے دہانے کی طرف حشیش کے زبردست انبار ہیں۔ اور یہ سب سے بڑا ذخیرہ تمہارے جگو راجہ ہی کا ہے۔ سمجھ رہے ہو ناں۔''

''جی مادام۔''

''ابتداء اگر چاہو تو یہیں سے کر لو لیکن میں تمہیں اور بھی جگہیں بتائے دیتی ہوں۔ ایسی پانچ ذخیرہ گاہیں ہیں اور ان لوگوں نے بڑے اعلیٰ طریقے سے ان کا بندوبست کیا ہے۔''

''وہ صاحب اقتدار ہیں اور یہاں بڑی آواز رکھتے ہیں لیکن پھر بھی ایک دوسرے سے احتیاط رکھی جاتی ہے یہ پانچ ذخیرہ گاہیں اگر تم تباہ کردو تو یوں سمجھ لو کہ منشیات کے اسمگلروں کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ باقی کام تمہیں کیسے کرنا ہے۔ یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میں تمام راستوں سے تمہیں اچھی طرح آگاہ کر دیتی ہوں۔''

''مادام ایک بات بتایئے۔''

''ہاں۔ پوچھو۔''

''آپ نے آج فیروز خان کو آنے سے کیوں منع کر دیا۔'' ایک بار پھر مادام کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔

''یہ سوال مجھ سے نہ پوچھو تو بہتر ہے۔ بلکہ یہ سمجھ لو کہ یہ میرا ایک خفیہ راز ہے۔''

''بہتر ہے۔ ایک سوال اور کرلوں آپ سے۔''

''ہاں۔ ضرور۔''

''اگر آپ نے فیروز خان کو اس میٹنگ میں شامل نہیں کیا۔ ان نقشوں کے بارے میں اور جو تفصیلات آپ نے بتائی ہیں ان کے بارے میں فیروز خان سے رجوع نہ کروں۔''

''نہیں۔ بالکل نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔ فیروز خان کی مدد سے تم ان راستوں پر آسانی سے چل سکتے ہو اور مناسب منصوبہ بندی کر سکتے ہو۔''

''یعنی میں انہیں بتا سکتا ہوں۔''

''ہاں۔''

''ٹھیک ہے۔ بے حد شکریہ۔ اب مجھے واپسی کی اجازت دیجیے۔''

''یہ نہ سمجھنا کہ تم یہاں سے خالی ہاتھ چلے جاؤ گے۔ تمہیں اس نیک کام کے عوض میں بہت کچھ دوں گی مسٹر زبیر شاہ۔'' زبیر شاہ مسکرا دیا۔ پھر وہ وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ جو نقشے مادام نے انہیں بنا کر دیئے تھے وہ اس نے حفاظت سے اپنے پاس رکھ لیے تھے۔ ابھی تک کام بڑی خوش اسلوبی سے ہو رہا تھا۔ جگو راجہ وغیرہ اس کے راستے میں نہیں آنے پائے تھے۔ زبیر شاہ نے راستہ ہی ایسا اختیار کیا تھا کہ جگو راجہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن اب اس کے بعد جہاں تک معاملہ منشیات کے ان سوداگروں کو نقصان پہنچانے کا تھا تو وہ اپنی جگہ تھا۔

زبیر شاہ کا اپنا کام بھی ایک بنیادی حیثیت رکھتا تھا۔ کیونکہ بہر حال وہ بھی کسی کو جوابدہ تھا۔ چنانچہ جو کچھ کرنا تھا اس پر بھی غور کر لینا تھا اور اس کے لیے اس نے یہ ہی مناسب سمجھا کہ فیروز خان سے الگ کم از کم لیمپوآن کے گروپ سے بھی مشورہ کر لیا جائے وہ کچھ دیر کے بعد فیروز خان کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔

بہر حال یہ بڑی بات تھی کہ اسے ایک ایسا مناسب ٹھکانہ مل گیا تھا۔ جہاں اسے کم از کم اپنی کارروائیاں کرنے کا بھرپور موقع مل سکتا تھا لیکن پھر بھی احتیاط بہت ضروری تھی اور ہر قدم سنبھل کر اُٹھانا تھا۔

فیروز خان اس وقت اپنی رہائش گاہ پر موجود نہیں تھا۔ باقی کارواں گروپ کے دوسرے افراد موجود تھے۔ فیروز خان کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ابھی کچھ دیر قبل یہاں سے کہیں گیا ہے۔

''آپ لوگ مطمئن ہیں۔'' زبیر شاہ نے پوچھا۔

''بہت لطف آ رہا ہے۔ زبیر صاحب! مطمئن ہونے کا کیا سوال ہے۔'' شیر جنگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مزید لطف آئے گا۔ یہاں ہمیں خاصی بھاگ دوڑ کرنی ہے۔''

''ہمیں اندازہ ہے اس کا۔ ویسے واقعی بڑی عجیب و غریب جگہ ہے۔ پہلے کبھی اس جگہ کے بارے میں ہم نے تفصیل سے سنا بھی نہیں۔ کیا آپ نے اس سے پہلے یہ علاقہ دیکھا تھا۔ زبیر صاحب۔''

''اتفاق سے بالکل نہیں۔ اپنے وطن کے بیشتر علاقے ایسے ہیں جو ابھی تک ہماری نگاہوں سے دور ہیں۔''

''خیر جگہ عمدہ ہے۔ بس پتا چل جائے کہ کرنا کیا ہے۔''

''چل جائے گا پتا۔ بلکہ ابھی چل جائے گا۔ ہمیں فوراً ہی با عمل ہونا ہے۔ اصل میں یہ اندازہ تو آپ لوگوں کو ہو ہی گیا ہوگا۔ کہ یہ علاقہ اسمگلروں کی جنت ہے اور یہاں سے منشیات کے بھاری ذخائر نا صرف اپنے ملک میں بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں منتقل ہوتے ہیں، یہ ایک گھناؤنا کاروبار ہے۔ جس کے لیے ہمیں کافی جدوجہد کرنی ہے۔ فی الحال ان لوگوں کو صرف ایک نمونہ دکھانا ہے اور وہ نمونہ یہ ہے کہ میرے پاس ایسے ذخیروں کے نقشے آ چکے ہیں۔ جہاں منشیات کے بڑے بڑے اسٹور ہیں فی الحال ہمارا کام ہے کہ ان کو تباہ کریں۔''

''ویری گڈ۔ کیا ان پر ہاتھ ڈال کر یہ ذخائر حاصل نہیں کیے جا سکتے۔'' زمرد خان نے پوچھا۔

''نہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ان پر ہاتھ ڈالنا ایک مشکل کام ہے اور ان کے مالکان بھلا ہمیں انہیں حاصل کرنے کی اجازت دے سکیں گے۔ جان کی بازی لگا دیں گے وہ لوگ چونکہ اربوں ڈالر کی مالیت کے ذخائر یہاں موجود ہیں۔ وہ بھی اپنے طور پر آخری تک کوشش کر ڈالیں گے کہ ایسا نہ ہو جائے۔''

''بہر حال فرض کرو ہم ایسا کر بھی لیتے ہیں تو یہ ذخائر خود ہمارے لیے وبال جان نہ بن جائیں گے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر غور کرو تو معاشرے کا بیشتر حصہ ایسے حالات کا شکار نظر آتا ہے۔ جن کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ اس عظیم الشان دولت کو جسے اس وقت دنیا میں دولت ہی کی حیثیت حاصل ہے اپنی تحویل میں رکھنے کے لیے کون کوشش نہیں کرے گا۔ چنانچہ غلاظت کے اس کاروبار کا برباد ہو جانا ہی بہتر ہے۔ میرا خیال ہے۔ آپ لوگ میرا مقصد سمجھ رہے ہوں گے۔''

''اچھی طرح زبیر شاہ...... تو ہمیں یہ ذخائر تباہ کرنے ہیں۔''

''ہاں...... اور اس کے لیے میں سمجھتا ہوں ایک منصوبہ بنانا ضروری ہے۔''

☆......☆......☆

''آپ موجود ہیں۔ ہمارے لیے جو بھی احکامات ہوں۔''

''آپ لوگ جس طرح مجھ سے تعاون کرتے ہیں۔ مجھے اس پر خوشی ہوتی ہے۔ بہر حال لیمپوآن عظیم شخصیت ہے اور آپ لوگ یقین کریں گے میں ہمیشہ اس کے بارے میں یہ ہی سوچتا ہوں کہ کیا کبھی وہ ہمارے سامنے آ کر بھی کبھی ہم سے کوئی کام لے گا۔''

''مشکل ہے زبیر شاہ صاحب! اور اگر غور کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کا اس طرح پس منظر ہی میں رہنا بہتر ہے۔ آپ خود دیکھ لیجیے کہ ماحول کس قدر عجیب وغریب ہے۔ اپنے طور پر ہر شخص یہ ہی کوشش کرتا ہے کہ اپنے آپ کو محفوظ کرے۔ اگر لیمپوآن بھی ہر معاملے پر سامنے آ جائے تو اسے بھی انہیں لوگوں کے درمیان گھرنا پڑے گا جو اپنے مفاد کے حصول کے لیے ہر کام بخوشی اور با آسانی کر لیا کرتے ہیں۔ پھر وہ بھی مروتوں کا شکار ہو جائے گا اور اگر مروتیں نہ بھی کرے تو اس کے لیے لاتعداد خطرات پیدا ہو جائیں گے۔'' زبیر شاہ نے گردن ہلائی اور بولا۔

''ہاں۔ ان تمام چیزوں کا مجھے بھی اندازہ ہے۔ بہر حال ہم پہلے ذخیرے کی تباہی کے لیے ایک جگہ منتخب کر لیتے ہیں۔ آپ لوگوں کا مشورہ شامل ہو جائے گا، تو بہتر رہے گا۔'' اور اس کے بعد وہ سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

☆......☆......☆

مادام فرحت نے جس پہلے ذخیرے کی نشاندہی کی تھی، اسی کو ٹارگٹ بنانے کا فیصلہ کیا گیا اور زبیر شاہ نے اپنا منصوبہ پیش کرتے ہوئے کہا۔

''سب سے پہلے ہم لوگ اس جگہ کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس کے لیے ایک چھوٹا سا سروے مناسب ہو گا اور میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں میں سے کوئی یہ ذمہ داری قبول کر لے۔''

''ہم میں سے یہ شخص یہ ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔''

''خیر یہ فیصلہ آپ لوگ خود ہی کر لیں گے۔ ظاہر ہے میں آپ کو احکامات تو نہیں دے سکتا۔''

''کیسی باتیں کرتے ہیں۔ زبیر شاہ آپ ہمیں احکامات دے سکتے ہیں۔ آپ کو اس کے مکمل اختیارات ہیں۔ مگر کوئی ایسی بات ہو۔ جس میں فیصلہ مجھے کرنا ہو تب تو ٹھیک ہے۔ آپ لوگ خود ہر طرح سے سمجھدار ہیں۔'' یہ کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں تھا کہ اس پر بحث ہوتی بعد کے سارے معاملات کو زیر غور لایا گیا خاص طور سے اسلحے وغیرہ کی ضرورت کے بارے میں معلومات حاصل کی گئی تو زبیر شاہ نے کہا۔

''اس کا میرا خیال میں معقول بندوبست ہو چکا ہے۔ پہلے آپ لوگوں میں سے کوئی یہ کام کرے۔ مجھے مفصل رپورٹ دے دی جائے۔ فیروز خان سے بھی مشورہ ضروری ہے۔'' بہر حال وہ لوگ لیمپوآن کی ہدایت کے مطابق یہاں پہنچے تھے۔ جو انہیں شازیہ سے موصول ہوئی تھی اور انہیں اس ہدایت کے مطابق پہلے کی مانند زبیر شاہ کے زیر اثر کام کرنا تھا۔ فیروز خان ذرا دیر سے واپس آیا۔ معذرت

کرتے ہوئے بولا۔

''بس کچھ نہ کچھ کام نکل ہی آتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ دیر ہوگئی ہے۔ کہیے زبیر شاہ صاحب میٹنگ کیسی رہی۔''

''تسلی بخش ویسے فیروز خان، مادام فرحت پر ہمیں بہت زیادہ اعتماد کرنا پڑ رہا ہے۔'' پھر زبیر شاہ نے مادام فرحت سے ہونے والی تمام گفتگو زبیر شاہ کو بتائی اور وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے کہا۔

''آج بھی میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ مادام فرحت ایک محب وطن عورت ہے اور نیک نیتی سے اپنے آپ کو ان کاموں کے لیے وقف کر رہی ہے۔ ویسے جو منصوبہ زیر عمل ہے۔ میرا خیال ہے۔ ہم سرکاری طور پر ہی صحیح انداز میں تعمیل نہ کر سکتے تھے۔ اگر ہم اپنے طور پر یہ کوشش کرتے تو آپ یہ سمجھ لیجیے کہ اسے ایک مجرمانہ کوشش قرار دیا جاتا۔ لیکن زبیر شاہ صاحب یہ حقیقت ہے کہ اس انداز میں ہم کم از کم ان لوگوں کی کمر توڑ سکتے ہیں۔''

زبیر شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

''گویا تم اس بات سے متفق ہو۔''

''اگر آپ ہیں تو یقیناً میں بھی ہوں۔'' زبیر شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا اصل میں خود اس کا طریقہ کار بھی یہ ہی رہا تھا کہ جہاں قانون کی راہ میں رکاوٹیں ہوں، وہاں وہ اپنے طور پر فیصلہ کرے اور بچ بچا کر کام کرے چنانچہ فیروز شاہ نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔ پھر زبیر شاہ مصروف ہوگیا۔ وہاں تک جانے کے لیے شیر جنگ نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور پھر دوسرے دن اس نے تمام رپورٹ پیش کر دی۔

''ویران پہاڑی علاقہ ہے لیکن اس قسم کے نشانات ملتے ہیں جس سے یہ احساس ہو کہ ان غاروں تک آمد و رفت جاری رہتی ہے اور ظاہر ہے۔ اس کے بارے میں ہمیں سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تم نے ان راستوں کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا ہے۔''

''جی زبیر شاہ صاحب آپ بالکل مطمئن رہیں۔ اگر آپ مجھے اس آپریشن کی کمانڈ دے دیتے ہیں تو میں انشاء اللہ تعالیٰ اسے بخوبی سرانجام دوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' پھر پروگرام کے مطابق مادام فرحت سے رابطہ کیا گیا اور مادام نے نہایت اعتماد کے ساتھ ان سے کہا۔

''زبیر شاہ یہ ضروری اشیاء آپ کو ایک مقررہ مقام پر مل جائیں گی...... براہ کرم اس کے لیے کوئی بندوبست کر لیجیے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں آپ کے مقرر کردہ مقام سے وہ اشیاء آپ سے حاصل کر لوں گا۔''

''میں مکمل طور پر آپ کو اپنے تعاون کا یقین دلاتی ہوں۔'' فیروز خان نے زبیر شاہ سے کہا۔

''یہ تو لازمی امر ہے زبیر شاہ کہ میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گا...... اب جس انداز میں بھی آپ کہیں۔''

''نہیں فیروز خان یہاں مجھے تم سے اختلاف ہے۔''

''جی سر۔''

''تم یہاں کنڈالی میں ایک ذمہ دار پولیس آفیسر ہو۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ صورت حال کیا رہے۔ تم اگرایسی کسی کوشش میں ملوث پائے گئے تو تمہارے لیے بڑے مشکل حالات پیدا ہو جائیں گے۔ جبکہ تمہیں اپنے طور پر اپنے علاقے میں مستعد رہنا چاہیے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ رپورٹ تم تک پہنچے تو اپنے طور پر تفتیش کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دو۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہوناں۔'' فیروز شاہ نے دلچسپ نگاہوں سے زبیر شاہ کو دیکھا اور بولا۔

''آپ یقین کیجیے میں نے اس نکتے پر غور نہیں کیا تھا۔''

☆......☆......☆

وہ مقام جس کے بارے میں بعد میں مادام فرحت کو اطلاع دی تھی ایک پہاڑی علاقے ہی میں تھا اور جس شخصیت نے دستی بموں، بہترین قسم کی رائفلوں اور بارود کے بڑے بڑے بموں کا ذخیرہ زبیر شاہ کے حوالے کیا تھا۔ وہ مادام فرحت خود تھی...... زبیر شاہ نے حیرت سے کہا۔

''اس کے ساتھ کوئی اور موجود نہیں ہے۔ مادام۔''

''بات اصل میں یہ ہے۔ ڈیئر زبیر شاہ کو جو انسان خود پر بھروسہ نہ کر سکے وہ کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا چونکہ یہ ابتداء ہے اور اس ابتداء کے بعد اور بھی بہت کچھ ہوگا۔ اس لیے میں نے اس میں کسی کو اپنا راز دار نہیں بنایا۔''

''لیکن مادام یہ تمام چیزیں یہاں تک آپ لے کر آئی ہیں۔''

''میں بہت مضبوط عورت ہوں۔ اس لیے تم اس کی فکر مت کرو۔ میں اپنے آپ کو اس مشن میں تمہارا شریک سمجھ رہی ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ میں نے اپنا عمل محدود رکھا ہے۔''

''بے حد شکریہ مادام۔'' پھر زبیر شاہ اپنے مشن پر چل پڑا تھا۔ انہیں پیدل ہی یہ سفر اختیار کرنا تھا۔ کسی ذریعے کو استعمال کرنا خطرناک ہوسکتا تھا۔ چنانچہ زبیر شاہ کی کمانڈ میں وہ لوگ دور دور تک بکھر گئے اور مقررہ علاقے میں پہنچ کر ان چٹانوں اور ٹیلوں کی آڑ میں پھیل گئے۔ جو انہیں پناہ دے سکتے تھے۔ تاحد نظر ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ وہ لوگ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ جنگل اور پہاڑ خاموش کھڑے ہوئے تھے اور ان کا رخ انہیں غاروں کی جانب تھا۔ یہ بات تو ناممکن تھی کہ وہاں کچھ لوگ پہرے پر موجود نہ ہوں اور ان کا اندازہ درست ہی نکلا۔

غالباً احتیاط کے پیش نظر وہاں پہرہ بے شک رکھا جاتا تھا۔ لیکن افراد زیادہ نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ وہ لوگ آہستہ آہستہ ان کے قریب پہنچتے چلے گئے۔ دو افراد جو ہاتھوں میں رائفلیں لیے گشت پر تھے۔ کسی ایسے خطرناک حادثے سے بے خبر اپنی کام میں مصروف تھے۔

سب سے پہلا وار شمشاد نے کیا اور دوسرا ثروت نے اور ان دونوں نے انہیں قبضے میں کر لیا۔

زبیر کی ہدایت تھی کہ بے مقصد کوئی قتل نہ کیا جائے۔ بلکہ کوشش کی جائے کہ اپنا کام کر کے خاموشی سے وہاں سے واپسی ممکن ہو سکے۔ چنانچہ ان دونوں افراد کو بے ہوش کر کے ان پہاڑی غاروں سے دور کر لیا گیا۔ جن میں منشیات کے ذخائر موجود تھے۔ پھر انہیں چٹانوں کی آڑ میں ڈال دیا گیا۔ تاکہ وہ زخمی نہ ہوسکیں۔ تمام انتظامات مکمل تھے۔ پھر غار کے اس دہانے سے اندر داخل ہونے کے لیے خاص جدوجہد کرنا پڑی۔

ان لوگوں نے بھی کام اتنا آسان نہیں رکھا تھا۔ بلکہ باقاعدہ وہاں تیاریاں کر کے بندوبست کیا گیا تھا چنانچہ وہ ذخیرہ گاہ میں داخل ہو گئے۔ یہاں دیواروں پر مشعلیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک مشعل روشن تھی۔ جو اس وسیع غار کو مدھم مدھم روشنی بخش رہی تھی۔ لیکن دوسری مشعلوں کا بھی اندازہ ہو رہا تھا۔ زبیر شاہ نے وہاں موجود بڑے بڑے کارٹن اور لکڑی کی پٹیاں دیکھیں اور اس کے بعد وہ لوگ پیٹیوں میں موجود چیزوں کا جائزہ لینے لگے۔ زبیر شاہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی۔

حشیش اور اس سے بنائی ہوئی دوسری اشیاء وہاں کثیر تعداد میں موجود تھیں اور یہ وہ زہر تھا۔ جو انسانوں کے جسموں میں منتقل ہونے والا تھا۔ انہیں زندگی سے محروم کرنے کے لیے زبیر شاہ نے وقت ضائع نہیں کیا۔ بارود کے ڈھیر جگہ جگہ لگائے گئے اور اس کے بعد وہ سب اپنے اپنے کام سے فارغ ہو کر باہر نکل آئے۔ پھر چند دستی بم اندر پھینکے گئے اور پہاڑ خوفناک آوازوں سے گونج اُٹھے پھر آگ کے شعلے باہر کی جانب لپکے اور خوفناک دھماکے ہونے لگے۔

زبیر شاہ کو اندازہ ہو گیا کہ کام مکمل ہو چکا ہے۔ چنانچہ ٹرانسمیٹر پر اس نے سب کو یکجا ہو جانے کے لیے کہا اور کارواں گروپ کے تمام ان افراد ان غاروں سے کافی فاصلے پر آ کر غاروں کی تباہی کا منظر دیکھنے لگے زمین لرزنے لگی تھی...... ضرورت سے زیادہ ہی بارود وہاں ذخیرہ کر دیا گیا تھا۔ لیکن یہ بہتر ہی بات تھی، کیونکہ اس کے بعد اس ذخیرہ گاہ میں کچھ موجود رہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ غار کے دہانے سے آگ کے شعلے باہر کی جانب لپک رہے تھے اور زبیر شاہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس اندازے کے بعد انہوں نے وہاں سے واپسی کے لیے قدم بڑھا دیے۔ پھر تقریباً دو کلومیٹر کے فاصلے پر فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ غالباً سب مشین گن سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں۔ وہ لوگ ٹھٹک کر رہ گئے...... زبیر شاہ اور اس کے ساتھی ان گولیوں کی آوازیں سن رہے تھے۔ زبیر شاہ نے حیران لہجے میں کہا۔

''یہ کون لوگ آ گئے۔''

''غالباً وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔''

''مگر وہاں تو ہمیں صرف دو افراد نظر آئے تھے۔''

''ہاں تھے تو دو ہی۔''

''پھر یہ لوگ یہاں۔''

''باقاعدہ مقابلہ ہو رہا ہے۔''

''غالباً وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔''

''خیر ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔لیکن تمہارا کیا خیال ہے۔جائزہ نہ لیا جائے۔''

''دیکھ لیجیے آپ سوچ لیجیے۔'' شہزاد نے جواب دیا۔وہ لوگ اپنی جگہ ساکت رہ گئے تھے۔اور تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دور دور تک دیکھ رہے تھے۔گولیوں کی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں اور کھلے میدان میں پہاڑوں کے قریب انہیں چنگاریاں لپکتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔غالباً دو طرفہ فائرنگ کرنے والے وہ صرف دو افراد نہیں تھے،ہو سکتا ہے ان کا گروپ آس پاس ہی کہیں موجود ہو اور اِدھر چڑھ دوڑا ہو۔لیکن مقابلہ کرنے والے کون تھے۔یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔زبیر شاہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

''اب ایسا کرو تم لوگ فیروز خان کی رہائش گاہ پر واپس چلے جاؤ۔''

''صرف ہم۔'' ثروت حیرت سے بولا۔

''ہاں ثروت پلیز جاؤ اور پھرتی سے جاؤ اور بچتے ہوئے جاؤ خبردار احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔''

''لیکن سر،آپ۔''

''بس تھوڑی دیر تک میں پہنچتا ہوں۔یہ جائزہ لے کر وہاں کیا صورت حال پیش آئی ہے ہم سب اگر اس طرف بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔تو ہمارے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔میں تنہا اس سلسلے میں زیادہ مناسب طریقے سے کام کر سکتا ہوں۔''

''سر آپ اپنا خیال رکھیے گا۔''

''فکر مت کرو۔'' زبیر شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔وہ لوگ وہاں سے واپس چل پڑے ...... زبیر شاہ کچھ لمحے سوچتا رہا۔اندھیرے میں اس نے دور دور تک کا جائزہ لیا اور ایسے پہاڑی ٹیلے منتخب کر لیے جنہیں ایک کے بعد دو اور دو کے بعد تین کے طور پر استعمال کر کے وہ وہاں تک پہنچ سکتا تھا اور اس نے اس پر عمل شروع کر دیا۔وہ دوڑ کر ایک ٹیلے کی جانب چھلانگ لگاتا اور اس کے بعد اس کی آڑ میں چھپ کر یہ دیکھتا کہ قرب و جوار میں کوئی اس کی جانب متوجہ تو نہیں ہے اس طرح اس نے دو فرلانگ فاصلہ واپس طے کر لیا۔لیکن تھوڑی ہی دور جا کر اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اب گولیوں کی آوازیں بند ہو گئی ہیں۔غالباً جو ہونا تھا۔وہ ہو چکا ہے۔

پھر زبیر شاہ واپس اس جگہ پہنچ گیا اس نے سامنے آنا تو مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن بڑی دیر تک احتیاط سے صورت حال کا جائزہ لے کر وہ وہاں سے آگے بڑھا اور یہاں بھی پوزیشن لیتے ہوئے ہی اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے وہ چنگاریاں اڑتی ہوئی نظر آ رہی تھیں اور پھر اس نے جو کچھ دیکھا۔وہ اس کے لیے ناقابل یقین تھا۔تقریباً چودہ افراد تھے جو خاک و خون میں لوٹ کر ختم ہو چکے تھے۔اس کے جسموں میں گولیوں کے لاتعداد سوراخ تھے۔وہ سب آس پاس ہی پڑے ہوئے تھے۔لیکن ان کا مدمقابل کوئی نظر نہیں آیا۔یعنی دوسری جانب کوئی

ایسی شخصیت نہیں تھی۔ جس کے بارے میں یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ اس نے یا کسی گروہ نے ان لوگوں سے مقابلہ کیا ہے۔

وہ لوگ جس پوزیشن میں پڑے ہوئے تھے اس سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایک طرف سے مقابلہ کررہے تھے اور مدمقابل کوئی اور ہی تھا بہت دیر تک زبیر شاہ صورت حال کا جائزہ لیتا رہا۔ ذخیرہ گاہ سے اب بھی شعلے بلند ہورہے تھے اور ہر چیز جل کر خاکستر ہوتی جارہی تھی۔ زبیر شاہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی...... یہ مسئلہ وہ حل نہیں کرسکا تھا اور اس کے بعد اس نے واپسی ہی کا فیصلہ کیا اور کچھ دیر کے بعد وہ اپنی رہائش میں داخل ہورہا تھا۔

☆......☆......☆

تمام لوگ پہنچ چکے تھے اور بے چینی سے زبیر شاہ کی واپسی کا انتظار کررہے تھے سب تجسس کا شکار تھے۔ زبیر شاہ کے پہنچنے پر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس سے صورل حال معلوم کرنے لگے۔ تب زبیر شاہ نے انہیں بتایا کہ وہاں بے شمار لوگ موت کے گھاٹ اُتر چکے ہیں۔ وہ کون تھے۔ کہیں اور سے وہاں پہنچے تھے۔ یا وہیں آس پاس ان کا ٹھکانہ تھا۔ یہ بات نہیں معلوم ہوسکی تھی۔ لیکن بہرحال زبیر شاہ نے انہیں بتایا کہ اس نے وہاں چودہ لاشیں گنی تھیں۔ وہ سب ششدر رہ گئے تھے۔

''سر اگر دو پارٹیوں میں مقابلہ ہوا تو دوسری پارٹی کا ایک بھی فرد کام نہیں آسکا۔''

''بات ذرا تعجب خیز ہے۔ لیکن اب غور کرتا ہوں۔ تو ایک اور بات محسوس ہوتی ہے۔''

''کیا بات۔''

''غالباً مشین گن استعمال کی گئی تھی۔ لیکن صرف ایک مشین گن کے چلنے کی آواز سنائی دی تھی۔ باقی شاید پستول وغیرہ استعمال کیے جارہے تھے......'' بہرحال صحیح فیصلہ نہیں ہوسکا۔ کافی دیر تک اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی اور اس کے بعد زبیر شاہ نے انہیں آرام کا مشورہ دیا اور خود بھی اپنی آرام گاہ میں پہنچ کر لیٹ گیا۔ نہ جانے کتنی دیر تک وہ سوچوں میں گم رہا تھا۔ دوسری صبح اس وقت جاگا تھا۔ جب شیر گل نے اسے ناشتے کے لیے جگایا تھا۔ ناشتے پر فیروز خان موجود نہیں تھا۔ شیر گل سے معلومات کرنے پر پتا چلا کہ فیروز خان رات کو واپس نہیں آیا اور اس وقت بھی وہ تھانے کی عمارت ہی میں ہے۔ پھر اس کے بعد انتظار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ البتہ دوپہر کو ڈھائی بجے کے قریب زبیر شاہ کو ٹیلی فون موصول ہوا۔ ریسیور شیر گل نے ہی اُٹھایا اور پھر زبیر شاہ کا نام سن کر اسے دے دیا تھا۔

''کون ہے کیا فیروز خان۔'' زبیر شاہ نے پوچھا۔

''نہیں صاحب اور کوئی ہے۔'' شیر گل نے جواب دیا۔ دوسری طرف آواز مادام فرحت کی تھی۔

''مسٹر زبیر شاہ۔''

''اوہو......'' زبیر شاہ نے کہنا چاہا۔ لیکن فوراً ہی دوسری طرف سے آواز آئی۔

''نہیں تم مجھے میرا نام لے کر نہیں پکارو گے۔''

''جی۔''

''جی ہاں۔''

''کوئی خاص بات۔''

''مبارک باد پیش کرتی ہوں۔''

''شکریہ۔''

''معمول کے مطابق اس جگہ۔''

''جی۔''

''خدا حافظ۔'' دوسری طرف سے فون بند ہو گیا...... زبیر شاہ نے ایک گہری سانس لی تھی ...... پھر تقریباً ساڑھے تین بجے فیروز خان واپس آ گیا۔ بری طرح تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ زبیر کو دیکھ کر آنکھیں بند کر کے ہنستا ہوا بولا۔

''آپ کی وجہ سے میں بھی شدید مصروف ہو گیا۔ سولہ لاشیں اُٹھائی ہیں میں نے وہاں اور بڑی مشکل صورت حال پیش آ گئی ہے۔ لاتعداد لوگ تھانے میں آ کر مجھ سے معلومات حاصل کر چکے ہیں اور میں نے انہیں بڑی تسلی دیتے ہوئے کہا کہ جو کچھ ہوا ہے۔ اس کی پوری تفتیش کی جائے۔ بہر حال سرکاری فرائض بھی تو پورے کرنے ہوتے ہیں لیکن خیر کیا بات زبردست مقابلہ ہوا۔''

''نہیں فیروز خان اس کے برعکس ایک عجیب و غریب بات ہوئی ہے۔ اس وقت جب ہم نے اس ٹھکانے پر ریڈ کیا تو وہاں صرف دو آدمی موجود تھے اور کوئی بھی نہیں تھا۔ ہم نے انہیں بھی قتل نہیں کیا۔ بلکہ صرف بے ہوش کر دیا تھا۔ پھر ہم وہاں سے واپس پلٹ پڑے تھے۔ تو ہم نے گولیاں چلنے کی آوازیں سنیں بعد میں میں نے واپس جا کر دیکھا تو وہاں بہت سی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔''

''یعنی آپ کا مطلب ہے کہ آپ یعنی آپ نے یہ سب کچھ نہیں کیا۔''

''نہیں فیروز خان۔''

''اوہ...... میرے خدا اس کا مطلب ہے کہ، کہ مگر پھر کیا ہوا۔''

''تم نے وہاں جا کر تفتیش کی۔''

''ہاں مجھے رات ہی کو اطلاع مل گئی تھی۔''

''گڈ، کیا اطلاع ملی تھی۔''

''یہی کہ اس علاقے میں زبردست فائرنگ ہو رہی ہے۔ میں وقفہ دے کر پولیس کو لے کر وہاں پہنچا تو وہاں سے مجھے سولہ لاشیں دستیاب ہوئیں۔ وقفہ میں اس لیے دیا تھا کہ مجھے معلوم تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ لیکن بہر حال آپ لوگوں کے لیے فکر مند تھا۔ وہ تو میں نے شیر گل سے معلومات حاصل کی تھیں کہ آپ زندہ سلامت واپس آ گئے ہیں۔ کیا کوئی ایسی ناگزیر صورتحال ہو گئی تھی کہ ان لوگوں کو ہلاک کرنا پڑا۔''

''میں نے کہا ناں کہ ہم نے انہیں ہلاک نہیں کیا۔ فیروز خان ویسے تو یہ پتا چل گیا ہوگا کہ وہ کون لوگ تھے۔''

''مقامی ہی آدمی تھے۔ ایک سب سے بڑی مشکل یہاں یہ ہے کہ یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ کون کس کے لیے کام کر رہا ہے۔ بظاہر وہ عام ہی لوگ تھے یعنی کنڈالی کے رہنے والے۔''

فیروز خان نے حیران لہجے میں کہا...... زبیر شاہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ فیروز خان خود بھی چکرایا ہوا تھا۔ بہر حال یہ فیصلہ تو زبیر خان نے پہلے کر ہی لیا تھا کہ مادام فرحت کے تعاون سے وہ کم از کم ان لوگوں کے ٹھکانے تباہ کر دے گا۔ باقی یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ پھر اس نے سب کچھ ذہن سے نکال دیا اور اس رات بھی اس نے پچھلی رات کے مطابق کام کیا اور مادام فرحت سے وہ تمام چیزیں وصول کرنے کے بعد نقشے کے مطابق اس نئے ٹھکانے کی طرف چل پڑا۔

پورا گروپ ساتھ تھا، یہ ایک ایسا گودام تھا۔ جو شہر کے درمیان تھا اور یہاں زبیر شاہ کو زیادہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ اس گودام کے آس پاس خاصے لوگ نظر آرہے تھے۔ لیکن بہر حال زبیر شاہ نے اپنا کام سرانجام دیا اور گودام سے آگ اور دھوئیں کے بادل نکلنے لگے۔ دھماکے سن کر لوگ وہاں سے دوڑ پڑے تھے اور اس کے بعد زبیر شاہ وہاں نہیں رکا تھا اور وہ کامیابی سے اپنا عمل کر کے ٹھکانے پر واپس آگئے تھے۔ لیکن فیروز خان کا دوسرا دن کا انکشاف بھی بڑا سنسنی خیز تھا۔ وہاں تقریباً اٹھارہ افراد کی لاشیں ملی تھیں۔ جنہیں گولیوں سے بھون دیا گیا تھا اور وہاں بھی اس طرح فائرنگ ہوئی تھی...... یہ دوسرا دن زبیر شاہ کے لیے بڑا سنسنی خیز تھا۔ اس دن مادام فرحت نے کہا۔

''بہت بے درد آدمی ہوتے ہو۔ انسان کو قتل کرتے ہوئے ذرا سی احتیاط کر لیا کرو۔'' زبیر شاہ نے مادام فرحت کو کوئی جواب نہیں دیا۔

''لیکن بہر حال تمہیں اپنا کام مکمل کرنا ہے۔ جو لوگ مر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نوجوان نسل کے قاتل ہیں اور موت فروخت کرتے ہیں۔'' لیکن زبیر شاہ کے لیے صورت حال خاصی سنسنی خیز تھی۔ اس طرح انسانی زندگی کا خاتمہ وہ خود بھی نہیں چاہتا تھا۔ خفیہ طور پر اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''بہر حال یہ صورت حال سنسنی خیز ہے اور میں یہ نہیں سمجھتا کہ یہ کیا معمہ ہے۔ ہماری ان کوششوں کی آڑ میں کون اپنا کام کر رہا ہے۔''

پھر اچانک ہی زبیر شاہ کے ذہن میں ایک احساس ابھرا اور اس نے پر خیال انداز میں کہا۔

''آج تم لوگوں کو ذرا مختلف کام کرنا ہے۔ رات کا آپریشن تو میں کروں گا ہی لیکن تم میں سے کسی ایک کو فیروز خان کے تعاقب میں رہنا ہے۔ وہ سب چونک پڑے تھے۔'' شمشاد نے کہا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا۔'' یعنی کیا اس کام کے پیچھے فیروز خان کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔

''دیکھو! دنیا کے اتنے روپ نظر آتے ہیں کہ انسان کچھ سمجھ نہیں پاتا لیکن فیروز خان کے بارے میں کم از کم ایک بات میرے ذہن میں ہے کہ وہ علاقے کو صاف کرنے کا بیڑا اُٹھا کر یہاں تعینات ہوا ہے۔ اسے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ میں ایک بڑا پولیس افسر ہوں اور اس کی مدد اس شکل میں کر سکتا ہوں اس صورت حال سے فائدہ اُٹھا کر جہاں ایک طرف ہم منشیات کے ان

اڈوں کو ختم کرتے ہیں تو فیروز خان دوسرا کام کر ڈالتا ہے اس بات کے سو فیصد ہی امکانات موجود ہیں اور جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ پہلی رات فائرنگ کا جو اندازہ تھا۔ وہ یوں محسوس ہوتا کہ جیسے کسی ایک فرد نے ایک پورے گروہ کو نشانہ بنا لیا ہو۔''

''اوہ...... میرے خدا، تو پھر آج کا کیا پروگرام ہے۔''

''پروگرام معمول کے مطابق ہے۔ ہمیں تیسرا اسٹیشن تباہ کرنا ہے۔ لیکن آج فیروز خان پر تم نگاہ رکھو گے کہ وہ کیا کرتا ہے۔ کہاں رہتا ہے۔'' تیسرے اسٹیشن کی تباہی بھی اسی قدر ہولناک تھی اور آج کی رات دوسری تمام راتوں سے زیادہ خوفناک تھی۔ کیونکہ وہ تیسرے اسٹیشن سے قریب ہی موجود تھا...... زبیر شاہ کو دانتوں پسینے آرہے تھے یہ خوفناک قتل عام تو بڑا سنسنی خیز تھا۔ اور کنڈالی کی آبادیوں میں ایک عجیب سی دہشت پھیل گئی تھی۔ جس کا اظہار صاف ہوا تھا۔

لیکن شمشاد نے فیروز خان کے بارے میں جو اطلاع دی اس نے زبیر شاہ کو ذہنی طور پر خاصا مضطرب کر دیا تھا۔ شمشاد نے بتایا کہ فیروز خان ساڑھے بارہ بجے اپنے کوارٹر سے نکلا جو اسے تھانے کی عمارت میں دیا گیا تھا اور تھانے کی دیوار کود کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا تھا۔ پھر اس کا کہیں پتا نہیں چلا تھا۔ زبیر شاہ کو چکر آنے لگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کے بارے میں جو رپورٹیں مل رہی تھیں وہ یہی تھیں کہ قتل ہونے والے جرائم پیشہ لوگ تھے اور کنڈالی میں بڑے بڑے سمگلروں کے گروہوں کے نمائندے تسلیم کیے جاتے تھے۔ وہ ظالم لوگ تھے اور انہوں نے کنڈالی کی آبادی کو اپنی خوفناک کاروائیوں کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ لیکن ان کے خلاف کوئی کچھ بول نہیں سکتا تھا۔ اور زبیر شاہ کو یہ یقین ہو گیا کہ فیروز خان اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ان لوگوں کی صفائی کر رہا تھا۔ جو بعد میں اس کے راستے میں آسکتے ہیں۔

لیکن پھر بھی یہ ایک خطرناک جرم تھا۔ چاہے کوئی پولیس آفیسر ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ البتہ فیروز خان سے اسے جس طرح تعاون ملا تھا۔ اس کے تحت وہ براہ راست فیروز خان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ بلکہ اسے اس سلسلے میں خود بھی کاروائی کرنی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے طور پر منصوبہ بندیاں شروع کر دیں اور چوتھی رات کا آپریشن ذرا بالکل مختلف قسم کا تھا۔ اس میں زبیر شاہ نے براہ راست حصہ نہیں لیا تھا۔ بلکہ وہ فیروز خان کا تعاقب کرتا رہا تھا۔ اور پھر اس رات اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ فیروز خان آرام سے جا کر اپنے کوارٹر میں لیٹ گیا تھا اور باہر نہیں نکلا تھا۔

زبیر شاہ نے کئی مرتبہ سخت جدوجہد کر کے اس کا جائزہ لیا تھا لیکن دوسرے دن بھی جب اسے اسی قتل عام کی اطلاع ملی اور پتا یہ چلا کہ بہت سے افراد پھر شکار ہو گئے ہیں تو وہ شدید ہیجان کا شکار ہو گیا۔ اگر فیروز خان قتل عام میں ملوث ہے تو رات کو وہ اسے جل دے کر کیسے نکلے گا۔ ہو سکتا ہے کوئی چالاکی کی گئی ہو اور فیروز خان اسے جل دے کر نکل گیا ہو۔ لیکن اب اس سلسلے میں فیروز خان کی گرفت ضروری تھی۔ آج پانچواں اور آخری آپریشن تھا۔ جو اسے کرنا تھا۔ لیکن زبیر شاہ ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا۔ ان لوگوں کا قتل عام بہر حال اس کے مزاج کے خلاف تھا۔ وہ یقینی طور پر اس سلسلے میں بے گناہ تھے اور کسی بھی طور پر زبیر شاہ اس بات کو پسند نہیں کر سکتا تھا۔

فیروز خان اگر یہ کر رہا ہے تو وہ قانون کا مجرم بن چکا ہے۔ کسی کو اس طرح انسانوں کی زندگی سے کھیلنے کا حق نہیں ہے۔ بے شک

یہ لوگ مجرم تھے۔ لیکن فیصلے عدالتوں میں ہوا کرتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے فیصلے کرنا ایک مجرمانہ عمل ہی تھا۔ فیروز خان پہلے اس سلسلے میں ذاتی طور پر کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ لیکن اب جب اسے زبیر شاہ کی مدد حاصل ہوئی تو اس نے اس کی آڑ میں یہ خطرناک کھیل کھیل ڈالا۔ بے شک میں اسے بدنیت نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ وہ خود بھی قانون کی برتری چاہتا تھا۔ لیکن کچھ بھی ہو جائے۔ ہر شخص کا ایک اپنا مقام ہوتا ہے اور یہ عمل بالکل غلط ہے لیکن دور پوزیشن ایسی تھیں جو فیروز خان کو اس عمل کا ذمہ دار قرار نہیں دیتی تھیں۔

زبیر شاہ بہت دیر تک اُلجھن میں ڈوبا رہا۔ پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا ممکن ہے۔ فیروز خان اس سلسلے میں ملوث نہ ہو۔ بلکہ حالات کی بناء پر اس کو اس عمل کا مرتکب سمجھ لیا گیا ہو۔ کیا کوئی دوسری شخصیت بھی ایسی ہو سکتی ہے۔

پھر ایک بہت ہی غیر حقیقی سوچ زبیر شاہ کے ذہن میں ابھری دوسری شخصیت اگر اس سلسلے میں کوئی شک کا شکار ہو سکتی ہے۔ تو وہ مادام فرحت ہے کیونکہ مادام فرحت نے بھی اس سلسلے میں بڑی اہمیت کا ثبوت دیا تھا اور جو کچھ وہ کر رہی تھی وہ قابل قدر تھا۔ کیا مادام فرحت بھی اس سلسلے میں مشکوک ہو سکتی ہے۔ کسی بھی کام کو ذہن میں رکھ کر سوچنا ضروری ہوتا ہے۔ فیروز خان کا تعاقب تو وہ کر چکا تھا اور ابھی تک اس کے بارے میں ٹھوس ثبوت حاصل نہیں ہو سکے تھے۔ لیکن آج پانچواں اور آخری آپریشن تھا۔ اس کے بعد نئی منصوبہ بندیاں کرنا تھیں کیوں نہ مادام کو بھی ایک نگاہ دیکھ لیا جائے تاکہ شک کا کوئی خانہ خالی نہ رہے اور زبیر شاہ نے اس سلسلے میں فوری طور پر نئی منصوبہ بندیاں شروع کر دیں۔ اس کے لیے سب سے پہلے کارواں گروپ کے سب افراد کو مستعد کرنا تھا۔ کیونکہ اب کنڈالی کے چپے چپے پر مسلح افراد کو دیکھا جا رہا تھا۔ جو اس صورت حال کی نگرانی کر رہے تھے اور کوئی بھی لمحہ ایسا آ سکتا تھا۔ جب کارواں گروپ کے افراد کا نقصان پہنچ سکے چنانچہ زبیر شاہ نے کارواں گروپ کے افراد سے رابطہ قائم کر کے کہا۔

”آپریشن کی تیاریاں مکمل ہیں۔“

”جی مسٹر زبیر شاہ۔“

”سنو آج تم معمول کے مطابق آپریشن کے لیے نکلو گے۔ میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا۔ لیکن تھوڑی دیر اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد تم واپس جاؤ گے۔“

”کیا مطلب سر آپریشن نہیں ہوگا۔“

”آج نہیں اس کے بارے میں نئی ہدایات کا انتظار کرنا ہوگا تمہیں لیکن طریقہ کار میں ذرا بھی تبدیلی نہ ہو۔ کسی کو اس بات کا احساس نہ ہو کہ آج تم آپریشن نہیں کر رہے۔“

”جیسا آپ کا حکم زبیر شاہ صاحب۔“ فرید علی نے کہا۔

”سب لوگوں کو میرا پیغام دے دو۔ لیکن باقی کاموں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔“

زبیر شاہ بس یہ آخری دو قدم اُٹھا رہا تھا۔ اس کے بعد اسے مزید فیصلے کرنے تھے چنانچہ وقت کا انتظار کیا جاتا رہا اور پھر مقررہ

وقت پر وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں مادام فرحت نے اس سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا۔ وہ چند افراد اس کے ساتھ تھے۔ جن کا تعلق کارواں گروپ سے تھا۔ انہیں باقی سارے کام معمول کے مطابق ہی کرنے تھے۔ مادام فرحت نے مسکراتی نگاہوں سے زبیر شاہ کو دیکھا اور کہا۔

''تم اس قدر حیرت انگیز انسان نکلو گے، میں نے خواب وخیال میں بھی نہیں سوچا تھا..... تم یقین کرو جب بھی تمہارے بارے میں سوچتی ہوں، ذہن عجیب سی کیفیت کا شکار ہو جاتا ہے اصل میں ڈیئر زبیر شاہ جیسا کہ تمہارے علم میں ہے کہ میں خود ایک تنہا عورت ہوں۔ میرے دل میں جو جذبے پوشیدہ ہیں اس کے بارے میں میں تمہیں بتا بھی نہیں سکتی۔ البتہ ایک پیش کش کرنا چاہتی ہوں۔''

''کیسی پیشکش مادام۔''

''ہنسو گے تو نہیں میری بات پر۔''

''نہیں میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں۔''

''زبیر شاہ محکمہ پولیس میں یا تمہارا تعلق جس بھی ایجنسی سے ہے یقینی طور پر تمہیں بہت بڑی حیثیت حاصل ہوگی اور تم جیسی اعلیٰ کارکردگی کے مالک شخص کو سرآنکھوں پر بٹھایا جاتا ہوگا۔ پھر اس میں تمہارا ایک مستقبل بھی ہے۔ لازمی بات ہے کہ مستقبل تمہیں عزیز بھی ہوگا۔ محبِ وطن بھی ہو اور وطن کے لیے محنت کرتے ہو۔ مجھے ایک سوال کا جواب دینا پسند کرو گے۔''

''جی مادام۔'' زبیر شاہ نے کہا۔

''کیا اس ملازمت کے سلسلے میں تمہارے ذہن میں اس آمدنی کا بھی تصور ہے، جو تمہیں اس ملازمت سے حاصل ہوتی ہے۔''

''کیوں نہیں مادام۔'' زبیر شاہ نے جواب دیا۔

''مائی ڈیئر زبیر شاہ تمہیں تمام آسانیوں کے حصول کے ساتھ ساتھ ماہانہ آمدنی کم از کم کتنی ہو جاتی ہے۔''

''مردوں سے ان کی آمدنی نہیں پوچھی جاتی مادام۔'' زبیر شاہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ مادام ہنسنے لگی اور پھر بولی۔

''لیکن جو آمدنی تمہیں ہوتی ہے اسے اگر دس سے ضرب دے دیا جائے اور تمہیں پیش کش کی جائے کہ مسٹر زبیر شاہ اپنی وہ ملازمت چھوڑ کر ایک اور اعلیٰ حیثیت اختیار کر لیں تو کیا تم اس پر سوچ سکتے ہو۔''

''بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی مادام۔''

''فرض کرو میں تمہیں یہ پیش کش کرتی ہوں۔ تم سے دس سال کا معاہدہ کرتی ہوں اور کہتی ہوں تم میرے ساتھ کام کرو...... معمولی سے معمولی پیمانے پر تمہاری موجودہ آمدنی سے دس گنا آمدنی تو میں تمہیں اپنے طور پر پیش کیا کروں گی۔ اس کے علاوہ اس بات کے امکانات ہیں کہ ہم اور تم مل کر کوئی ایسا کام تلاش کریں جس میں ہمارا مشترکہ مفاد ہو۔ لاکھوں روپے ماہانہ کما سکتے ہو تم زبیر شاہ اس پیش کش کو ذہن میں رکھنا بظاہر مجھے خود بھی اس پر ہنسی آتی ہے۔ لیکن پھر بھی۔''

''سوچنے کی بات ہے مادام سوچا جا سکتا ہے اس پر۔'' زبیر شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بہتر ہے یہاں سے واپسی سے پہلے تم اس بارے میں سوچ لو اور میرے اور تمہارے درمیان کوئی عمدہ سا معاہدہ ہو جائے۔''

''نہیں واقعی ہم اس پر غور کر سکتے ہیں۔'' زبیر شاہ نے کہا۔

''گڈ...... وری گڈ...... اچھا یہ دیکھو! یہ مطلوبہ چیزیں موجود ہیں۔ انہیں اپنی تحویل میں لے لو وقت ہو رہا ہے۔'' مادام آپریشن سے پہلے ضرورت کی تمام چیزیں اس کے حوالے کرتی تھی۔ معمول کے مطابق زبیر شاہ کے ساتھیوں نے وہ اشیاء سمیٹیں اور خفیہ طور پر وہاں سے چل پڑے۔

زبیر شاہ بھی ان کے ساتھ ہی پلٹا تھا۔ ضروریات کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ چنانچہ زبیر شاہ نے مادام کو خدا حافظ کہا اور وہاں سے چل پڑا۔ لیکن آج کی کیفیت مختلف تھی...... زبیر شاہ جیسی شاندار شخصیت اس سلسلے میں اگر اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ نہ کرتی تو پھر اور کون کر سکتا تھا...... مادام کے پاس ایک شاندار لینڈ کروزر تھی۔ جسے وہ خود ہی ڈرائیو کرتی ہوئی آئی تھی۔

زبیر شاہ سے رخصت ہونے کے بعد وہ لینڈ کروزر کی جانب بڑھی تو زبیر شاہ نے بھی برق رفتاری سے لینڈ کروزر کی جانب دوڑ لگا دی۔ مادام کو احساس بھی نہ ہو سکا کہ لینڈ کروزر کی چھت پر کوئی چڑھ گیا ہے۔ زبیر شاہ کسی چھپکلی کی طرح لینڈ کروزر کی چھت سے چپکا ہوا تھا۔

رات کا وقت تھا اور فضاء میں تاریکیاں اُتری ہوئی تھیں۔ بس اتنی ہی کارکردگی کافی تھی کہ زبیر شاہ لینڈ کروزر تک پہنچ جائے اور مادام کو احساس تک نہ ہو۔ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لینڈ کروزر اچھلتی کودتی سفر کرتی رہی اور زبیر شاہ اپنی تمام تر مہارت کے ساتھ اس کی چھت سے چپکا رہا۔ باقی افراد واپس جا چکے تھے...... کچھ دیر کے بعد لینڈ کروزر مادام کی رہائش گاہ میں داخل ہو گئی۔ گیٹ کے چوکیدار نے گیٹ کھولا تھا لیکن لینڈ کروزر کی چھت اتنی بلند تھی کہ نیچے کھڑے ہوئے چوکیدار اس کی چھت پر کسی کو نہ دیکھ پائے۔ ہاں اگر کسی بلند جگہ سے کوئی لینڈ کروزر کی چھت پر نگاہ ڈال لیتا تو زبیر شاہ کا راز کھل سکتا تھا۔ بہرحال خطرات مول لیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

لینڈ کروزر پورچ میں جا کر رکی اور مادام اُتر کر اندر داخل ہو گئی۔ زبیر شاہ برق رفتاری سے پھسلتا ہوا نیچے آیا اور اس کے بعد ایسی آڑ تلاش کرنے لگا۔ جہاں وہ کسی کی نگاہوں میں نہ آ سکے۔ بہت بڑی عمارت تھی۔ زبیر شاہ کو اس میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ کچھ لمحے چھپے رہنے کے بعد جب اس نے ماحول میں خاموشی اور سناٹا محسوس کیا۔ تو عمارت کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا۔

پھر مختلف راہداریوں کی تلاشی لینے کے بعد اسے وہ کمرہ نظر آ گیا جو مادام کی آرام گاہ تھی...... ایک انتہائی خوب صورت بیڈ روم جس میں فرنیچر کا تذکرہ بیکار ہے چونکہ مادام فرحت جیسی مالدار عورت کے بیڈ روم کا فرنیچر جس انداز کا ہو سکتا تھا۔ یہ بالکل ویسا ہی تھا۔ زبیر شاہ کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا۔ جہاں سے وہ اندر کے ماحول کا جائزہ لے سکے۔ پھر اسے وہ روشن دان نظر آ گیا جو دوہری چھت کے درمیان بنا ہوا تھا۔ یعنی ایک چوڑا باڈر اس کے اوپر چھت، درمیان میں خالی حصہ اور اس خالی حصہ میں ایک بڑا روشندان۔ زبیر شاہ دل ہی دل میں ہنس پڑا۔

اس نے سوچا کہ اگر ایسے روشن دان نہ ہوں تو زندگی کتنی مشکل ہو جائے۔ ایسے روشن دان ہی تو کارآمد ہوا کرتے ہیں...... روشن

دان میں شیشے وغیرہ لگے ہوئے تھے۔ لیکن اس انداز کے کہ انہیں آسانی سے ہٹایا جا سکے اور اندر داخل ہونے میں کسی کو کوئی دقت نہ ہو......
زبیر شاہ نے بے آواز شیشہ ہٹا کر اوپر کر دیا اور پھر اس میں ڈبل چھتی پر لمبا لمبا لیٹ گیا۔ اس کا چہرہ روشن دان میں تھا۔ مادام ایک آرام کرسی پر دراز تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور کرسی آہستہ آہستہ جھول رہی تھی۔

زبیر شاہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ مادام اب یہاں سے کہاں جاتی ہے۔ ظاہر بات ہے۔ اسے اس بات کا علم تھا کہ آج پانچواں آپریشن ہو رہا ہے۔ اگر قتل عام میں اس کا کوئی ہاتھ ہے تو یقینی طور پر وہ یا تو خود یہاں سے باہر نکلے گی یا کسی سے کوئی رابطہ قائم کرے گی۔ بس ایک شبہ تھا جسے زبیر شاہ دور کر لینا چاہتا تھا۔ کیونکہ صرف ان دو کرداروں کے علاوہ ان منشیات فروشوں کا کوئی دشمن نہیں تھا۔ لیکن اگر مادام بھی اس سلسلے میں ملوث نہ ہوئی تو پھر کیا کرنا پڑے گا۔ اس نے ہمت نہیں ہاری۔ مادام بھی اس انداز میں اندر بیٹھی ہوئی تھی۔ جیسے اپنا کام ختم کرنے کے بعد آرام کرنا چاہتی ہو...... یہ چیز زبیر شاہ کو تھوڑی سی تقویت دے رہی تھی۔ کافی دیر اسی انداز میں گزر گیا...... مادام نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا اور اس کے بعد اچانک اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ زبیر شاہ چونک کر سنبھل گیا تھا۔

☆......☆......☆

خاصی بلند جگہ پر عمارت بنی ہوئی تھی اور اس تک پہنچنے کے لیے صرف ایک ہی راستہ تھا۔ ایک پتلی سڑک جو اوپر کی سمت آتی تھی۔ باقی عمارت کے چاروں طرف وسیع و عریض دیوار قائم کی گئی تھی۔ ایک مخصوص طرز تعمیر تھا۔ جو عام حالات میں دیکھنے میں نہیں آتا۔ سڑک کے دونوں سمت بھی کوئی آٹھ آٹھ فٹ اونچی پتھروں کی دیوار بنی ہوئی تھی۔ نیچے ایک چیک پوسٹ جیسی جگہ تھی۔ جس کے دونوں طرف کیبن بنے ہوئے تھے۔ ان کیبنوں میں مسلح افراد موجود ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس وقت یہ لوگ کیبنوں سے باہر تھے اور آنے والی ہر گاڑی کو اچھی طرح چیک کر کے اندر داخل ہو رہے تھے کئی گاڑیاں اس سڑک سے گزر کر عمارت کے احاطے میں جا چکی تھیں گیٹ کے چوکیدار کا اندر سے رابطہ تھا اور لمبے چوڑے قد و قامت کے مالک اس شخص کے سر پر سمور کی ٹوپی تھی۔ چوکیدار نے اندر موبائل پر رابطہ کیا۔

''جگو راجہ۔''

''کتنے افراد ہیں۔''

''تنہا۔'' اس شخص نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور چوکیدار نے موبائل بند کر دیا۔ پھر سڑک کی رکاوٹ ہٹا دی گئی اور کار فرسٹ گیئر میں اوپر چڑھنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد وہ پارکنگ میں دوسری کاروں کے درمیان جا کھڑی ہوئی۔

کار سے اُترنے والا جگو راجہ تھا۔ بالکل تنہا اپنے انداز سے عجیب و غریب کیفیت کا شکار بہر حال کار سے اُترنے کے بعد وہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا عمارت کی جانب بڑھ گیا۔ صدر گیٹ پر بھی دو مسلح افراد موجود تھے۔ جنہوں نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ جگو راجہ دروازے سے اندر داخل ہو کر چوڑی راہ داری سے گزر کر اس بڑے دروازے پر پہنچ گیا جو کھلا ہوا تھا اور یہاں بھی دو چوکیدار موجود تھے۔ انتہائی سخت

حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے۔ دروازے کے دوسری جانب ایک بڑا سا ہال تھا۔ جس میں تیز روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ ہال کے درمیان ایک میز پڑی ہوئی تھی اور اس میز کے گرد تقریباً چودہ افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ شاید یہ آخری ہی سیٹ خالی تھی جو جگو راجہ کے لیے تھی۔

جگو راجہ اندر داخل ہوا۔ کسی نے کوئی جملہ نہیں کہا تھا۔ جگو راجہ خالی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ سب خاموش تھے اور سب کے چہرے ایک عجیب سی کیفیت کا شکار نظر آ رہے تھے۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ان میں سے ایک شخص نے بھاری آواز میں کہا۔

''گیٹ بند کردو۔ ہمارے معزز مہمان پورے ہو چکے ہیں۔'' اور ہال کا گیٹ بند کر دیا گیا۔ ان سب کے چہرے لٹکے ہوئے تھے اور ان پر تشویش کے آثار نظر آ رہے تھے۔ جگو راجہ بھی خاموش تھا۔ جس شخص نے گیٹ بند کرنے کے لیے کہا تھا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہمارے پاس صرف بارہ منٹ باقی ہیں...... ٹھیک بارہ منٹ کے بعد۔''

''میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ نور شاہ کاروائی شروع کر دی جائے۔'' جس شخص کو نور شاہ کے نام سے پکارا گیا تھا۔ وہ عمر رسیدہ آدمی تھا۔ کلین شیو اور چہرے پر جھریاں لٹکی ہوئی تھیں۔ لیکن آنکھوں سے بڑی مکاری ٹپک رہی تھی۔ سادہ لباس میں ملبوس تھا۔ لیکن کافی تن و منند نظر آتا تھا۔ اس نے کہا۔

''ہم یہاں کوئی باقاعدہ اجلاس میں شریک نہیں ہوئے ہیں۔ ایک مشکل کا شکار ہیں اور فوراً ہی اس مشکل پر گفتگو کر دینا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے تو میں اس بات پر خوشی کا اظہار کرتا ہوں کہ آج وہ لوگ ایک میز پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جن کی دشمنیوں کی مثالیں نجانے کب سے چلی آ رہی ہیں۔ میں پہلے بھی یہ ہی چاہتا تھا اور اب بھی یہ ہی کہوں گا کہ ٹھیک ہے۔ کاروبار سب لوگ کرتے ہیں ایک بازار میں ایک ہی چیز کی درجنوں دکانیں ہوتی ہیں۔ سارے دوکاندار اپنی اپنی تقدیر کا انتظار کرتے ہیں۔ جس کے پاس گاہک کی پسند ہوتی ہے۔ وہیں سے وہ خریدتا ہے اور دوسرے دوکانداروں کو اعتراض نہیں ہوتا۔ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہیں ہو جاتے۔ بلکہ خاموشی سے اپنی تقدیر کا انتظار کرتے ہیں۔ کنڈالی میں سونا برستا ہے۔ سارا سونا ایک شخص کبھی جمع نہیں کر سکتا۔ جس کے حصے میں جتنا آئے اتنا ہی کافی ہوتا ہے۔''

''نور شاہ! ہم میں سے ہر ایک تقریر کر سکتا ہے۔ تقریر کرنے کی بجائے کام کی بات کرو۔'' نور شاہ نے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

''ٹھیک ہے۔ میں آج کوئی تلخ جملہ بھی نہیں کہوں گا۔ کیونکہ ہم سب جس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ اس میں تلخیوں کی نہیں مٹھاس کی ضرورت ہے۔ اگر آپ لوگ یہ سمجھتے ہو کہ میں تقریر کرنے کا شوق پورا کر رہا ہوں تو میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ آپ میں سے کوئی بھی اپنی تقریر شروع کر دے۔''

''ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا ہے۔ جب وہ خنزیر ہم سے مخاطب ہو۔''

''اور اس وقت تک بالکل خاموشی اختیار کر لی جائے۔'' نور شاہ نے سوال کیا۔

''نہیں آج جب ہم سب جمع ہو گئے ہیں تو ہمیں غور کرنا چاہیے ذرا اندازہ تو لگاؤ ہم میں سے مختلف گروہوں کے کتنے افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔''

''آہ، وہ خنزیر کسی طرح روشنی میں آجائے۔ پھر ہم اسے بتائیں گے کہ ہلاکت کیا چیز ہوتی ہے۔'' ایک اور شخص نے کہا۔

''اور اگر وہ خنزیر سامنے نہیں آتا تو ہم اسی طرح اپنے آدمیوں کو قتل کراتے رہیں۔''

''پھر کیا ہونا چاہیے۔''

''میں نے اسی پر تو بولنے کی کوشش کی تھی۔ جس کے لیے مجھے منع کر دیا گیا۔'' نور شاہ نے کہا۔

''نہیں نور شاہ گفتگو تو کرنا ہوگی۔ ہم پچھلے کافی دنوں سے اس مصیبت کا شکار ہیں۔ کیا وہ جو کچھ کہہ رہا ہم اسے تسلیم کرلیں۔''

''اب ان حالات میں تو یہ ہی فیصلہ کرنا ہے ہمیں۔''

''نہیں ایسا نہیں...... کاروبار بند کر دینا زیادہ اچھا ہے۔ کسی کا غلام بن کر رہنا ٹھیک نہیں۔''

''ہم میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا۔ لیکن ایک بات تم لوگ ذرا غور سے سن لو۔ جس طرح ہمارے آدمیوں کا قتل ہو رہا ہے اور جس طرح ہمیں نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ اگر کچھ اور واقعات ایسے ہو گئے۔ تو اس کے بعد کیا ہوگا۔ کیا ہم میں سے کوئی اس قابل رہے گا کہ اپنے آپ کو اس کاروبار میں جاری رکھ سکے۔''

''بالکل نہیں۔''

''تو پھر اس سلسلے میں کوئی اچھی تجویز تو سامنے لائی جائے۔''

''نور شاہ تمہارے خیال میں کیا تجویز ہو سکتی ہے۔''

''پہلی بات تو یہ کہ ہم آپس میں اتفاق کرلیں...... کتنا نقصان ہوا ہے۔ ہمارا، اربوں کا ڈالر کا، اربوں ڈالر کا ہم میں سے کچھ تو بالکل بیٹھ گئے ہیں اور اب شاید وہ کبھی کھڑے نہ ہو سکیں۔''

''یہ اپنا خیال ہے۔ بند کرو اسے ہمارے سامنے نہ پیش کرو۔'' ایک آدمی نے ترش لہجے میں کہا۔

''میں کسی کی دل آزاری نہیں کر رہا۔ بلکہ میں خود ان لوگوں کے لیے افسردہ ہوں۔ جن کے ڈپو تباہ کر دیے گئے ہیں اور جن کے افراد کو قتل کر دیا گیا ہے۔''

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب جو ہم نے یہ میٹنگ بلائی ہے۔ اس میں ہمیں کیا فیصلہ کرنا ہے۔ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ وہ ہم سے رابطہ قائم کرنے والا ہے۔ اسے کوئی نہ کوئی جواب دینا ہوگا۔''

''میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔'' نور شاہ نے کہا۔

''تو جلدی بولو یار۔'' دوسرے آدمی نے کہا۔

''دیکھو اس وقت وہ جو کچھ کر رہا ہے۔ وہ بہت خطرناک ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اندھیرے کا تیر ہے۔ کس طرف سے آتا ہے۔ کس کو ہلاک کرتا ہے۔ کدھر نکل جاتا ہے۔ یہ ہم میں سے کسی کو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن کیا خیال ہے۔ کیا ہم اسی طرح اپنے آدمیوں کو مرواتے رہیں گے۔ اس طرح تو ہم بالکل تباہ ہو جائیں گے۔ کتنے لوگوں کو نقصان پہنچ چکا ہے اور وہ کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہے ہیں۔''

''بات پھر وہیں آ گئی۔ نور شاہ میں کہتا ہوں ٹو دی پوائنٹ بات کرو۔''

''ٹو دی پوائنٹ بات یہ ہے کہ اس وقت اگر وہ ہم سے رابطہ قائم کرے اور کوئی تجویز پیش کرے تو ہم اس طرح کی تجویز منظور کر لیں۔ جیسے ہم اس سے شکست کھا چکے ہیں۔ ہم اس سے ہار مان چکے ہیں۔ ہم اس کی تجویز قبول کرنے کے بعد اس کی اطاعت کریں لیکن ہم میں سے ہر شخص کے دل میں جہنم کی آگ روشن رہنی چاہیے۔ ہم میں سے ہر شخص اس کے قریب آ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ آخر وہ ہے کون۔ اگر وہ کنڈالی میں ہے۔ تو آخر کار روشنی میں آ جائے گا۔ روشنی میں آنے کے بعد ہم ظاہر ہے۔ اسے نہیں چھوڑیں گے۔ کیونکہ وہ ہمارا وقت ہوگا۔''

''اس سلسلے میں آخری طور پر فیصلہ کر لو۔ دوستو میرے خیال میں تو نور شاہ کی بات بالکل درست ہے۔''

''ہاں بات تو واقعی درست ہے۔ ہم عارضی طور پر وقت سے سمجھوتہ کر کے بعد میں اس کو تلاش کر لیں گے۔ وہ خنزیر ہم سے بچ کر کہاں جائے گا۔''

''تو پھر متفقہ فیصلہ ہے...... اب ایسا ہے کہ ایک شخص اس سلسلے میں بات کرنے کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔''

''کیونکہ یہ تجویز تمہارے ذہن میں آئی ہے۔ نور شاہ اس لیے تم ہی اس موضوع پر اس سے بات کرو۔''

''آپ لوگوں کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔ جس کو بھی اعتراض ہو وہ ہاتھ اُٹھا دے۔'' لیکن اس کے جواب میں ایک بھی ہاتھ نہیں اُٹھا تھا تو نور شاہ نے کہا۔

''میرے بھائیو، میرے دوستو! ان برے حالات میں اس وقت یہ ہی مناسب ہے...... دشمن کو دشمن کی چال سے مارو اور وقت کا انتظار کر لو۔''

''ٹھیک ہے نور شاہ اب وہ رابطہ قائم کرے تو تم اس سے بات کرو۔'' پھر خاموشی چھا گئی۔ اب ایک ایک لمحہ دھڑکن بن کر گزر رہا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد ان کے سامنے رکھے ہوئے چوکور اور بڑے ٹرانسمیٹر سے ہلکی ہلکی آوازیں اُبھرنے لگیں اور ایک سرخ بلب کی روشنی جلنے بجھنے لگی۔ تبھی نور شاہ نے ہاتھ بڑھا کر ایک سوئچ آن کر دیا۔ پھر چند لمحوں کے بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہاں تم لوگ یہاں پہنچ چکے ہو۔''

''ہاں۔''

''تو لکھا تم سے مخاطب ہے۔''

''ہاں کہو......کیا کہنا چاہتے ہو تم۔'' نورشاہ نے کہا۔

''تمہارا نام۔''

''میرا نام نورشاہ ہے۔''

''ٹھیک ہے نورشاہ۔'' یہ بھاری سپاٹ گڑگڑائی ہوئی مردانہ آواز نے کہا۔ ''کیا تم تنہا ہو اس وقت۔''

''نہیں۔''

''تب مجھے ایک ایک شخص کی آواز سنواؤ۔ یہاں کتنے افراد موجود ہیں۔ ایسا کروان سے کہو کہ سب اپنی اپنی آواز میں مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلائیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' نورشاہ نے کہا اور اپنے برابر بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ کر کہا۔

''اگر تم نولکھا سے مخاطب ہونا پسند کرو تو اپنی موجودگی کے بارے میں اسے بتاؤ۔''

''میں نادر بیگ۔'' اور اس کے بعد لائن سے ایک ایک شخص نے اپنی یہاں موجودگی کے بارے میں نولکھا کو بتایا۔ اس کے بعد نولکھا کی آواز ابھری۔

''تم سب یہاں موجود ہو۔ کہو میں نے جو کچھ کہا تھا کر کے دکھا دیا یا نہیں میں نے تم سے کہا کہ اب کنڈالی پر میری حکمرانی ہے۔ تم لوگ یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے میں نہیں چاہتا تھا کہ یہاں اتنے لوگوں کو زندگی سے محروم کروں......تم لوگوں کو مالی طور پر قلاش کر دوں......اربوں ڈالر کا نقصان کیا ہے تم نے اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اربوں ڈالر نقصان کرنے والے ہو اور بے پناہ قیمتی زندگیاں تم نے میرے ہاتھوں ختم کرائیں مجھے خود بھی ان کا افسوس ہے۔ لیکن نولکھا جہاں ہوتا ہے۔ وہاں ماحول پر اس کی حکمرانی ہوتی ہے۔ وہ سب کا چیف بن کر رہنا چاہتا ہے۔ تم لوگوں نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا......حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں نے بھی اپنے بڑے بڑے گروہ بنا رکھے ہیں یہ لوگ یہاں کنڈالی میں موجود ہیں۔ ان کی بات میں نہیں کرتا۔ لیکن جو لوگ کنڈالی سے باہر رہ کر تم پر حکمرانی کر رہے ہیں ان کی حکمرانی کو قبول مت کرو۔''

''محنت تم لوگ کرتے ہو تھوڑا سا کام وہ کرتے ہیں، کیا دیتے ہیں وہ تمہیں پانچ فیصد بھی نہیں ملتا۔ تمہیں جب کہ خطرہ ساری محنت تمہاری ہوتی ہے۔ بولو میں غلط کہتا ہوں۔ تم ہر طرح کی خطرات مول لیتے ہو......کنڈالی کو تم لوگوں نے اپنی محنت سے محفوظ کیا ہے کیا تمہیں اس سے انکار ہے۔''

''نہیں۔'' کچھ لوگ بے اختیار بولے۔

''یہاں ہر طرح کے خطرات کسے مول لینا پڑتے ہیں۔'' نولکھا نے سوال کیا۔

''ہمیں۔''

''اور اس کا بڑا فائدہ کسے حاصل ہوتا ہے۔''

''دوسروں کو۔''

''اس میں تمہیں کیا ملتا ہے۔ صرف پندرہ فیصد تم سے کچھ لوگ بے شک اپنے طور پر کام کر رہے ہیں۔ تمہاری کہانی بہت اچھی ہے۔ لیکن جب کوئی کام ہوتا ہے تو جب تک بھرپور طریقے سے اس پر کنٹرول نہیں ہوتا کام خراب ہو جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم میں سے کچھ کو میری پیش کش پر بہت اعتراض ہوگا۔ لیکن اعتراض کرنے والے کو جو نقصانات اٹھانے پڑیں گے اگر وہ اس کے لیے تیار ہے تو ٹھیک ہے۔ یہ اندازہ بھی تم نے لگا لیا ہوگا کہ میں نے چار اسٹیشن ابھی تک تباہ کرائے ہیں اور پانچواں تباہی کے لیے جا رہا ہے۔ یہ انہی لوگوں کے ہیں۔ جو اپنے طور پر کام کریں گے۔ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ اس ساری کاروائی میں تمہیں پچاس فیصد پیش کش کرتا ہوں۔ جو باہر کی آمدنی ہوگی۔ اس میں سے آدھا تمہارا آدھا میرا ہوگا، اور اس کے نتیجے میں تم یہ سمجھ لو کہ کنڈالی کا مکمل تحفظ ہوگا۔ تمہارے کاروبار کا مکمل تحفظ ہوگا۔ تم جو کچھ باہر ایکسپورٹ کرتے ہو۔ اس کا بندوبست میں کروں گا۔ تم لوگ سارا مال میرے حوالے کر کے اس کی قیمت کا تعین کر کے پچاس فیصد مجھ سے نقد وصول کر لو گے۔ تمہارا اپنا کام ختم ہو جائے گا۔ اس سے زیادہ آسان کوئی اور بات ہو تو مجھے بتاؤ۔''

''لیکن تولکھا اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہی سچ ہوگا۔''

''زندگی میں انسان کو ہمیشہ خطرات مول لینا پڑتے ہیں۔ یہ خطرہ تمہیں مول لینا پڑے گا۔ پہلا تجربہ کر کے دیکھو۔ ویسے بھی سب کچھ کھوتے جا رہے ہو۔ ایک بار اپنے مال کو داؤ پر لگا کر دیکھو۔ اس کے بعد شاید تمہیں تولکھا سے کوئی شکایت نہ رہے۔''

''اس سلسلے میں ہم لوگوں کو مشورے کا موقع دو۔''

''مشورہ تو تم پہلے بھی کر چکے ہو۔ اس کے نتیجے میں تمہیں کچھ نہیں ملا۔ فیصلہ وقت پر ہونا چاہیے۔''

''مگر کیسے تولکھا۔''

''تم لوگ آپس میں مشورہ کر کے پندرہ منٹ کے بعد مجھے جواب دو۔ میں پندرہ منٹ کے بعد تمہیں دوبارہ پکارتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ ہم پندرہ منٹ بعد تمہاری کال کا انتظار کریں گے۔''

''او کے۔''

ٹرانسمیٹر سے آواز آنا بند ہو گئی اور نور شاہ نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا تھا۔ وہ سنسنی خیز نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

''اگر وہ خانہ خراب یہ بات سچ کہتا ہے تو بات تو ٹھیک ہے۔ پچاس فیصد اس کے حوالے کر کے باقی پچاس فیصد نقد ہمیں ملے گا۔ جب کہ اگر ہم اس سلسلے میں اخراجات اور خطرات کا اندازہ لگائیں تو ہمیں اخراجات ویسے بھی بہت زیادہ پڑ جاتے ہیں مال پکڑا جاتا ہے۔ انسان پکڑے جاتے ہیں نقصان ہوتے ہیں۔ تھوڑا بہت ہی فرق پڑتا ہوگا۔ پچاس فیصد نقد وصول کر کے ہماری جان چھوٹ جاتی ہے۔ تو

اس سے اچھی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر نولکھا اپنی بات کا پابند نہ رہے تو۔"

"اور دوسری بات یہ ہے کہ کیا ہم اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں۔"

"یہ فیصلہ کرنا تم لوگوں کا کام ہے۔ جتنے لوگ اس سلسلے میں اختلاف کرتے ہیں وہ اپنے ہاتھ اُٹھا دیں۔ پندرہ منٹ کے بعد جب نولکھا ہم سے رابطہ قائم کرے گا۔ تو ہم اسے بتا دیں گے کہ ہم میں سے کون کون تیار ہے اور کون کون تیار نہیں ہے۔" پھر خاصی دیر تک وہ آپس میں مشورہ کرتے رہے اور پھر اس کے بعد سبھی نے اس بات سے اتفاق کر ڈالا...... پندرہ منٹ کے بعد دوبارہ ٹرانسمٹیر پر اشارہ موصول ہوا تو نور شاہ نے کہا۔

"نولکھا ہم نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

"کیا...... مجھے بتاؤ۔"

"فیصلہ یہ ہے کہ ہم تمہاری بات پر عمل کرنے کو تیار ہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں نے ایک مسودہ تیار کر لیا ہے، کاغذ تمہارے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ تم اسے پڑھو اور اس پر اپنے اپنے دستخط کر دو۔ میری طرف سے تمام معاملہ طے ہے، فیصلہ کرنا تم لوگوں کا کام ہے۔"

"کاغذ ہمیں بھیج دو۔ ہم خلوص دل سے تمہارے ساتھ تعاون کرنے پر تیار ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تو پھر اب کیا کیا جائے۔"

"کسی ایک آدمی کو ہمارے پاس بھیج دو۔"

"کسے۔"

"ایسا کرو۔ جگو راجہ تم اس علاقے میں آ جاؤ جدھر سبزی لگائی ہے۔ سبزی لگائی کے آخری سرے پر جو پرانی عمارت ہے۔ تم کل شام کو ساڑھے سات بجے اِدھر پہنچ جاؤ میں مسودہ تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پہنچ جاؤں گا۔" جگو راجہ نے زور سے کہا تا کہ ٹرانسمٹیر پر اس کی آواز سن لی جائے۔

"بس میں سلسلہ منقطع کرتا ہوں اور آخری بات تمہیں یہ بتا رہا ہوں کہ تھوڑا وقت میرے ساتھ کام کر کے دیکھو۔ اس کے بعد تم لوگوں کو احساس ہوگا کہ اب تک تم نے جو کچھ کھویا ہے وہ تمہاری سب سے بڑی حماقت تھی اور کوئی خاص بات۔"

"نہیں۔" نور شاہ نے جواب دیا اور ایک بار پھر ٹرانسمٹیر بند ہو گیا۔ وہ سب ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔

☆......☆......☆

مادام فرحت ایک الماری کے پاس پہنچی تھی۔ الماری کا دروازہ کھول کر اس نے ایک چوکور سا بکس نکالا اور اسے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے صوفے کے قریب آگئی۔ بکس کو سینٹر ٹیبل پر رکھ کر اس نے اس میں سے ایک لمبا ایریل کھینچا اور زبیر شاہ نے ایک لمحے میں اندازہ لگالیا کہ وہ کوئی طاقتور ٹرانسمیٹر ہے۔ زبیر شاہ کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک پیدا ہوگئی تھی۔

اسے یوں محسوس ہورہا تھا۔ جیسے اس کی کاوش رنگ لا رہی ہے۔ مادام کا انداز بڑا مشکوک سا تھا۔

بہرحال اس نے ایریل کھینچنے کے بعد ٹرانسمیٹر کے ایک دو بٹن دبائے اور اس کے بعد کلائی پر بندھی گھڑی میں پھر وقت دیکھنے لگی۔ کسی خاص لمحے کا انتظار تھا۔ وہ خاموشی سے کلائی سامنے کیے ہوئے اس کی سوئیوں کو چلتا دیکھتی رہی اور پھر اچانک اس نے ایک بٹن دبا دیا اور اس کے بعد زبیر شاہ کے کانوں نے جو آواز سنی اس پر اس نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔ کمرے میں شاید مادام فرحت کے علاوہ اور بھی کوئی تھا۔ کیونکہ ایک بھاری سپاٹ اور دو چٹانوں کے آپس میں ٹکرانے والی مردانہ آواز سنائی دی تھی۔

''تو لکھا۔'' زبیر شاہ کی نگاہوں نے پورے کمرے کا جائزہ لیا تھا۔ لیکن دوسری کوئی شخصیت وہاں موجود نہیں تھی۔ تب اس کی حیران آنکھیں مادام پر جم گئیں اور اس کے بعد اس پر دنیا کا انوکھا ترین انکشاف ہوا۔ مادام فرحت کے حلق سے مردانہ آواز نکل رہی تھی اور وہ غالباً کچھ لوگوں سے گفتگو کر رہی تھی۔

زبیر شاہ کے حساس کان اس کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن رہے تھے۔ اس پر شدید حیرتوں کے دورے پڑ رہے تھے۔ حالات کا انکشاف ہوتا جا رہا تھا اور اس کے ذہن کی چرخیاں سخت گردش میں تھیں۔ وہ سن رہا تھا۔ سوچ رہا تھا۔ سمجھ رہا تھا۔ مادام جن لوگوں سے محو گفتگو تھی۔ ان کے بارے میں اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کنڈالی میں کام کرنے والے اسمگلر تھے اور غالباً یہ کوئی خفیہ میٹنگ تھی جس پر مادام ان سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے۔ لیکن مادام کے الفاظ اس کے انکشافات زبیر شاہ کے لیے درحقیقت بے حد سنسنی خیز تھے۔ ایک ایک صورت حال واضح ہوتی جا رہی تھی۔

مادام فرحت اس علاقے کی سب سے بڑی اسمگلر تھی۔ بلکہ وہ اسمگلر نہیں بلکہ اسمگلروں کی کنٹرولر تھی اور انہیں اپنے قبضے میں کیے ہوئے تھے۔ زبیر شاہ مادام کی شیطانی فطرت پر غور کرنے لگا۔ کس معصومیت کے ساتھ اس نے اپنے آپ کو محب وطن قرار دے کر اس دکھ کا اظہار کیا تھا کہ قوم کے نوجوان منشیات کے زہر کا شکار ہو کر اپنی صلاحیتیں کھو رہے ہیں اور وہ منشیات کے اسمگلروں کو ختم کرنے کے درپے ہے۔

زبیر شاہ کو ایک لمحے کے لیے افسوس سا ہوا۔ ویسے تو کام وہی تھا جو اسے کرنا تھا۔ لیکن افسوس اس بات کا تھا کہ وہ اس مکار عورت کے ہاتھوں کا کھلونا بن گیا۔ فیروز خان تو بیچارہ اس سلسلے میں ایک سادہ سا آدمی تھا۔ ابھی تو زندگی کے تجربات اسے یہ سکھائیں گے کہ مجرموں کو اندر سے شناخت کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ لیکن زبیر شاہ خود بھی تو دھوکہ کھا گیا تھا۔

مادام نے اسے ان اسمگلروں کو نقصان پہنچانے کا ایک ذریعہ بنایا تھا۔ اس نے ان کے چار اسٹیشن تباہ کر کے انہیں یہ بتانا چاہا تھا کہ وہ ان سب کو تباہ و برباد کرسکتی ہے۔ ورنہ وہ اس کی پناہ میں آجائیں اور اپنی آمدنی کا پچاس فیصد حصہ اس کے حوالے کریں۔ لیکن استعمال

اس کے لیے اس نے کارواں گروپ کو کیا تھا۔

زبیر شاہ نے اپنے گالوں پر تھپڑ لگائے اور دل ہی دل میں کہا کہ بیٹے کبھی اونٹ پہاڑ کے نیچے بھی آجاتا ہے۔ لیکن بہر حال اس پہاڑ کو بھی چھوڑا نہیں جا سکتا۔ مادام فرحت کے بارے میں یہ تمام انکشافات ہونے کے بعد اس کے ذہن میں ایک اور تصور ابھرا یہ آواز مادام کی نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ مادام کے روپ میں کوئی اور شخصیت ہے۔ اس بات کے امکانات ہیں کہ کسی نے مادام کے وجود پر قبضہ جمالیا ہو۔ کوئی ایسا شاطر جو زنانہ میک اَپ کر کے مادام کی شکل اختیار کر گیا ہو۔

بہر حال اب یہ تو بعد ہی میں اندازہ ہو سکتا ہے۔ زبیر شاہ منصوبے بنانے لگا کہ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔ زبیر شاہ سوچ بھی رہا تھا اور اس کی باتیں بھی سن رہا تھا۔ وہ خاموشی کے ساتھ تمام کاروائی دیکھتا رہا۔ بڑی حیرت ہو رہی تھی اسے پندرہ منٹ کے بعد مادام نے دوبارہ ان سے رابطہ کیا تھا اور زبیر شاہ نے بڑی محنت کے ساتھ ان کی گفتگو سنی تھی۔

جگو راجہ کا نام بھی آیا تھا اور زبیر شاہ تمام حقیقتوں سے واقف ہوتا جا رہا تھا۔ وہ درحقیقت اس وقت بڑی عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا، مادام یا اس کے روپ میں جو کوئی بھی ہے۔ اتنی چالاکی سے اسے دھوکا دے گا۔ اس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ کوئی شک وشبہ نہیں ہو رہا تھا۔ اب اس بات میں کہ مادام نے اسے آلہ کار بنا کر اپنا اُلو سیدھا کیا تھا۔ لیکن زبیر شاہ نے ایک فیصلہ کر لیا تھا کہ اتنی آسانی سے یہ سب کچھ نہیں ہونے دے گا۔ مادام کو کافی لا کر دے دی گئی تھی اور کافی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھی ہی تھی کہ دروازے پر پھر ہلکی سی دستک سنائی دی۔

”ہاں...... آجاؤ، کافی پی چکی ہوں میں۔“ مادام نے بے پروائی سے کہا۔ وہ یہ ہی سمجھی تھی کہ وہ ملازمہ جو کافی لے کر آئی تھی۔ برتن لینے کے لیے واپس آئی تھی۔ زبیر شاہ بھی یہی سمجھا تھا۔ لیکن چونکہ اس کی نگاہیں دروازے کی جانب ہی تھیں اس لیے اچانک ہی وہ اچھل پڑا۔ کیونکہ اندر داخل ہونے والی وہ خادمہ نہیں تھی۔ بلکہ بدن پر چست لباس پہنے ہوئے ایک نقاب پوش تھا۔ جو اندر داخل ہو گیا تھا۔ مادام نے رخ بدل لیا تھا۔

اس لیے نقاب پوش کو نہیں دیکھ سکی تھی، لیکن نقاب پوش نے پلٹ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا ایک اور سنسنی خیز لمحہ زبیر شاہ کو محسوس ہوا تھا۔ وہ شخص آہستہ آہستہ آگے بڑھا زبیر شاہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ وہ کون ہو سکتا ہے مادام اچانک ہی پلٹی تھی اور پھر اس کے بدن کو شدید جھٹکا لگا تھا۔

”تم۔“ مادام نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

”تمہارا خادم۔“ ایک منمناتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

”کون ہو تم۔“ مادام نے دروازے کی جانب دیکھا اور اسے ایک لمحے میں احساس ہو گیا کہ دروازہ اندر سے بند ہے۔

”میں مادام فرحت تمہارا ایک قدیم دوست ہوں۔ پہچانو گی تو نہیں اور پہچاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں کیونکہ تم سے میرے

ذرا الگ ہی رابطے رہے ہیں۔"

"کیوں آئے ہو۔"

"مادام ایک حساب ہے تم پر وہ حساب پورا کرنا ہے۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے کیا میں کہتی ہوں تم اس طرح غافل کیسے ہوئے"

"ہلومت، ہلومت، میں جانتا ہوں یہاں تم نے کیا کیا بندوبست کر رکھے ہیں لیکن زندگی چاہتی ہو تو ہلومت بیٹھو جاؤ اپنی جگہ۔"

"میں کہتی ہوں تم چاہتے کیا ہو۔"

"بس یوں سمجھ لو کہ تمہارا پرانا عاشق ہوں۔ ایک بار تمہیں سینے سے لگا کر اپنے دل کی بھڑاس پوری کرنا چاہتا ہوں۔"

"کتے، کتے کی موت مرنا چاہتا ہے کیا تو۔"

"ہاں، دل میں بڑی آرزو ہے کہ کبھی کتے کی موت مر کر دیکھا جائے۔ آج یہی چاہتا ہوں میں دو ہی باتیں ہیں یا تو ایک بار اپنی قربت کا موقع دے دو یا پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"مجھے تو کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے۔ چہرے سے نقاب ہٹا تا کہ میں تیری صورت دیکھ لوں۔"

"ارے صورت دیکھ لی تو پھر رہ کیا جائے گا۔ مادام فرحت صورت نہ دیکھو تو اچھا ہے اور یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ پسند آ گئے تو تمہارے اور نہ پسند آئے تو......تو۔" نقاب پوش بولا۔

"دیکھ میں اب بھی تجھے رعایت دے رہی ہوں۔ یہاں سے نکل کر تو خیر تو ویسے بھی نہیں جا سکتا۔ لیکن کم از کم اتنا تو بتا دے کہ تو ہے کون اور اس طرح تیری آمد کا مقصد کیا ہے۔"

"مادام بڑے عرصے سے حکمرانی کرتی رہی ہو۔ اپنی چالاکیوں کے ساتھ۔ ارے فیصلہ تو یہی کرنا ہے۔ کہ تو زیادہ چالاک ہے یا تیرا عاشق۔"

"پاگل ہے۔ بالکل دیوانہ قریب آ میرے قریب آ کم از کم صورت تو دیکھوں تیری۔"

"اگر اتنا ہی شوق ہے۔ میری صورت دیکھنے کا تو میرے چہرے سے نقاب ہٹا دے۔ مادام نجانے کب سے میرے دل میں یہ آرزو تڑپ رہی ہے۔"

"میرے قریب آ پاگل دیوانے میرے قریب آ۔"

مادام کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس مسکراہٹ میں محبوبیت کا انداز تھا۔ جیسے وہ اسے اپنے قریب آنے کی دعوت دے رہی ہو۔ سیاہ پوش آہستہ آہستہ چلتا ہوا مادام کے قریب پہنچ گیا۔

"اب مجھے اپنا چہرہ دکھا۔"

''نہیں مادام چہرہ دیکھنے سے پہلے ایک بار میرے اس جھلستے ہوئے وجود کو تسکین دے دے۔''

''پتا نہیں کون پاگل ہے۔ یہ ہی کہوں گی کہ خدا تجھے غارت کرے۔''

''ایک بار تو میرے سینے سے لگ جا مادام اس کے بعد خدا مجھے سو بار غارت کر دے مجھے اس کی پرواہ نہیں ہوگی۔'' سیاہ پوش نے کہا۔

زبیر شاہ اس دلچسپ منظر پر اپنی کھوپڑی کھجا رہا تھا۔ کیا ہی عجیب قسم کا عاشق ہے۔ لیکن مادام جیسی چالاک عورت کے بارے میں زبیر شاہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے قریب لانے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنے کے پس پردہ کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہے اور زبیر شاہ کا اندازہ درست نکلا، وہ سیاہ پوش مادام کے قریب آیا اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ مادام کی جھکی ہوئی گردن بتاتی تھی کہ وہ اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنے پر تیار ہے۔ لیکن معاملہ کچھ اور ہی تھا۔

سیاہ پوش نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ اس کے شانے پر رکھے اور اسے اپنے شانے سے بھینچا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے سر کی زوردار ٹکر مادام کے چہرے پر ماری اور مادام کے حلق سے ایک چیخ نکل گئی۔ اس نے اپنے آپ کو گرنے بچانے کے لیے کوئی غیر مرئی سہارا تلاش کیا تھا۔ لیکن نیچے گرتی چلی گئی تھی۔ سیاہ پوش پھرتی سے آگے بڑھا اور مادام کے سینے پر سوار ہو گیا۔ اس نے اس کی گردن دبوچ لی تھی۔ پھر اس کے منہ سے قہقہہ نکلا اور وہ بولا۔

''پرانی آرزو تھی۔ پرانی آرزو تھی کہ اپنی محبوب کو اپنے ہاتھوں سے قتل کروں یہ بھی عشق کی ایک منزل ہوتی ہے۔ مادام کہ محبوب سے کچھ فائدہ حاصل کرنے کے بجائے صرف اس کی زندگی لینے کو دل چاہا ہے۔'' مادام کی گردن غالباً بری طرح اس کی گرفت میں تھی۔ لیکن اچانک ہی مادام نے پوری قوت سے دونوں پاؤں اوپر اُٹھائے اور سیاہ پوش کی گردن میں پھنسا کر اسے اُلٹ دیا۔ اس کا اندازہ تو زبیر شاہ کو پہلے ہی ہو گیا تھا کہ مادام کے روپ میں کوئی مرد ہے کیونکہ مادام مردانہ آواز میں بول رہی تھی۔ اور یہ مرد آسانی سے سیاہ پوش کے قبضے میں آنے والا نہیں تھا۔

چنانچہ یہی ہوا۔ مادام نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ ادھر سیاہ پوش زمین پر اُلٹنے کے بعد الٹی قلابازی کھا کر سیدھا ہوا ہی تھا کہ اچانک ہی مادام نے اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ اچھل کر اس کے سینے پر فلائنگ کک ماری سیاہ پوش بری طرح سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا تھا اور مادام نے اس کی جانب دوڑ لگا دی تھی۔

لیکن جیسے ہی وہ سیاہ پوش کے قریب پہنچی سیاہ پوش اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا کہ زبیر شاہ نے اپنے بدن کو سکوڑا اور روشن دان سے اندر داخل ہو گیا پھر اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور سیدھا سیاہ پوش پر جا رہا۔ جو دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے اپنے سر کو جھٹک رہا تھا۔ زبیر شاہ کافی بلندی سے اس پر کودا تھا اور سیدھا اس کے جسم پر گر گیا۔ اس لیے سیاہ پوش پوری قوت سے فرش پر ٹکرایا اور غالباً یہ اس کے لیے آخری حربہ ثابت ہوا۔ اپنے تھکے ہوئے وجود کو سنبھالنے میں وہ پہلے ہی ناکام رہا تھا۔ لیکن اس وزنی بدن کے ساتھ زمین سے ٹکراتے ہوئے اس کے ہوش وحواس جواب دے گئے۔

وہ ایک لمحے میں لڑھک کر اس پر سے الگ ہو گیا تھا اور سیاہ پوش کی جانب سے ہر ممکن کاروائی کے لیے تیار تھا۔ لیکن سیاہ پوش نے آہستہ آہستہ گردن فرش پر ڈال دی اور اس کے بعد شاید وہ بے خبر ہو گیا تھا۔ زبیر شاہ نے پھرتی سے جھک کر اس کا جائزہ لیا اور اس کے سینے پر کان لگا کر سانسوں کی آمد و رفت کا اندازہ لگانے لگا تھا۔ سیاہ پوش صرف بے ہوش ہوا تھا...... ویسے مادام فرحت نے اسے جتنا مارا تھا اس کے بعد اس میں ویسے بھی نیم بے ہوشی کی سی کیفیت سمائی ہوئی تھی۔

لیکن اب وہ بالکل بے ہوش ہو گیا تھا۔

تاہم زبیر شاہ نے سب سے پہلے اس کے ہاتھ پشت پر کسے اور پھر اِدھر اُدھر کوئی چیز تلاش کرنے لگا لیکن اسے باندھنے کے لیے کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی۔ سوائے بستر کی اس کی چادر کے اور اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ خوب صورت قیمتی چادر تباہ کر دی جائے۔ تھوڑی دیر بعد زبیر شاہ نے نقاب پوش کے ہاتھ اور پاؤں کس دیے۔ اسے اب بھی یہ خطرہ تھا کہ کہیں ملازمہ برتن لینے کے لیے واپس نہ آ جائے۔ اگر آ بھی گئی تو پھر اس بے چاری کو بھی بے ہوش کرنا پڑے گا اور زبیر شاہ کا یہ اندازہ بھی بالکل درست نکلا۔

کیونکہ ایک بار پھر ہلکی سی آہٹ سنائی دی تھی۔

اور زبیر شاہ ایک سمت خاموشی سے کھڑا ہو گیا تھا۔ لیکن دوسرے لمحے اسے اندازہ ہوا کہ دروازہ سیاہ پوش نے اندر سے بند کر دیا تھا۔ اسے کھولنا ضروری ہے۔ چنانچہ وہ دبے قدموں آگے بڑھا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ اندر داخل ہونے والی وہی ملازمہ تھی۔ لیکن زبیر شاہ پہلے سے ہی اس کے لیے تیار تھا۔ اس کا کھڑا ہاتھ پڑا اور ملازمہ کے حلق سے آواز نکل گئی۔ وہ چند قدم دوڑی اور اس کے بعد اوندھے منہ زمین پر گر پڑی۔

زبیر شاہ نے بھی دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ ایک عجیب سی فضا کمرے کے ماحول پر طاری تھی۔ جو ہولناک اور سنسنی خیز ڈرامہ یہاں ہو رہا تھا۔ باہر اگر اس کا علم ہو جاتا تو غالباً مادام فرحت کی ساری فوج ہی اِدھر دوڑ پڑتی اور زبیر شاہ اور پھر لاش جس طرح غائب ہو گئی تھی۔ اس کا جواز ابھی تک زبیر شاہ کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ البتہ یہ سوچا جا سکتا تھا کہ نادر بیگ وہاں سے نکل گیا تھا اور پھر نجانے کس کس چکر میں لگا ہوا تھا، بڑے ذہین جھٹکے لگ رہے تھے۔ زبیر شاہ کو لیکن بہر حال جو کچھ بھی تھا۔ صورت حال کی دلچسپی سے وہ انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔

ایک بار پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اس وقت وہ جس خوفناک صورت حال سے دوچار تھا۔ اس کی کوئی مثال نہیں ملتی تھی۔

ایک لمحے میں کھیل بگڑ سکتا تھا۔ اس وقت کوئی اور آ جائے تو بہر حال یہ ایک اجنبی جگہ تھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کرے۔ روشن دان تک پہنچ مشکل تھی اور اس کے بعد بھی کیا کہا جا سکتا تھا کہ باہر نکلنے میں بھی کامیابی کس حد تک ہو سکتی ہے۔ یہاں جو انتظامات تھے۔ وہ معمولی نوعیت کے نہیں تھے۔ مادام کی موت کا اگر کسی کو علم ہو جائے تو پھر زبیر شاہ کے پاس کچھ کہنے کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔ باقی ساری باتیں تو بعد ہی کی ہیں۔ کوئی موثر عمل ہو تو اسے کیا جائے اور آخر کار اب ایک ہی خطرہ مول لیا جا سکتا تھا اور زبیر شاہ اس کے لیے تیار ہو گیا۔ اب اس کے نتیجے میں کچھ بھی کرنا پڑے کیا جائے گا۔ مجبوری ہے۔

کاروں گروپ کے افراد کو بھی اس وقت یہاں طلب کرنا ان کی زندگی کو خطرے میں ڈالنا تھا۔ یہاں تک کہ فیروز خان کو بھی اگر وہ پولیس آفیسر کی حیثیت سے بلائے تو سارے کے سارے مصیبت کا شکار ہو سکتے تھے۔ کنڈالی میں اس وقت جس طرح خطرناک صورت حال تھی اور لوگ جس طرح ان قاتلوں کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ اس سے کسی بھی وقت ان لوگوں کو فنا کے گھاٹ اُتارا جا سکتا تھا۔

بہرحال زبیر شاہ اپنے فیصلے کے تحت دروازہ کھول کر باہر نکل آیا دروازہ باہر سے بند کر کے اس نے راہ داری میں دور تک دیکھا اور پھر برق رفتاری سے آگے بڑھنے لگا، احتیاطاً وہ ستونوں کی آڑ لے رہا تھا تا کہ چلتا پھرتا کوئی شخص براہ راست اسے نہ دیکھ سکے۔ خاموشی اور سناٹا ہر طرف پھیلا ہوا تھا راہداری سے باہر نکلا اور صدر دروازے سے بھی باہر نکل آیا تو اسے وہ لینڈ کروزر نظر آ گئی۔ جسے مادام ڈرائیو کر رہی تھی اور اسی کے ذریعے یہاں تک لائی تھی۔ زبیر شاہ نے دور دور تک دیکھا صرف گیٹ پر چوکیدار مستعد نظر آ رہے تھے۔ باقی سب خیریت تھی۔ دوسرے چوکیدار جو یہاں ڈیوٹی پر ہوتے تھے۔ وہ شاید اس وقت چھٹی کر لیا کرتے تھے۔ پھر زبیر شاہ کے اندر ایک عجیب سی قوت ابھر آئی۔

مادام اب سیٹ پر بیٹھی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

چنانچہ زبیر شاہ نے اس کام سے فارغ ہونے کے بعد چابی اگنیشن میں لگائی اور اللہ کا نام لے کر لینڈ کروزر سٹارٹ کر دی۔ گیٹ پر کھڑے ہوئے چوکیداروں نے چونک کر اِدھر دیکھا تھا۔ زبیر شاہ نے لینڈ کروزر کی لائٹیں جلائی اور پھر اسے آگے بڑھانے لگا۔ دونوں چوکیداروں نے ٹارچیں نکال لیں اور گیٹ نہیں کھولا تھا۔ انہوں نے اپنی رائفلیں بھی سیدھی کر لی تھی۔

زبیر شاہ آہستہ آہستہ لینڈ کروزر کو گیٹ کی طرف لے گیا۔ دونوں طرف سے اس پر ٹارچوں کی روشنیاں پڑیں اور پھر جیسے ہی چوکیداروں کی نگاہ بیٹھی ہوئی مادام پر پڑی انہوں نے جلدی سے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا۔

زبیر شاہ خاموشی سے لینڈ کروزر کو آہستہ آہستہ آگے نکال لے گیا تھا۔ عقب نما آئینے میں اس نے چوکیداروں کو مطمئن ہی دیکھا تھا۔ وہ گیٹ بند کر رہے تھے۔ لیکن انہوں نے غالباً یہ غور نہیں کیا تھا کہ اس وقت لینڈ کروزر ڈرائیو کون کر رہا ہے بس وہ یہ دیکھ کر مطمئن ہو گئے تھے کہ برابر والی سیٹ پر مادام بیٹھی ہوئی ہے۔

چنانچہ انہوں نے گیٹ بند کر لیا تھا۔ زبیر شاہ نے تھوڑی دور تک تو لینڈ کروزر سست رفتاری سے آگے بڑھائی اور اس کے بعد اس نے اسے طوفانی رفتار میں دوڑانا شروع کر دیا۔ راستے اب مخدوش تھے۔ کیونکہ کنڈالی میں اب اسمگلروں کے گروہ پہرہ دے رہے تھے اور جگہ جگہ مسلح افراد کی ٹولیاں گردش کرتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

زبیر شاہ لینڈ کروزر ڈرائیو کرتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک لمبا چکر لگا کر آخر کار گھر پہنچ گیا۔ راستے میں اس نے تعاقب کا پورا پورا خیال رکھا تھا۔ لیکن شکر تھا کہ ایسی کوئی بات دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ یہاں پہنچ کر وہ برق رفتاری سے نیچے اُترا اور پھر دوڑتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ شیر جنگ، شہزاد زمر دخان وغیرہ جاگ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر سب چونک پڑے اور پھر زمر دخان نے کہا۔

''زبیر شاہ صاحب۔''

''زمرد خان پلیز فوراً باہر جاؤ۔ ایک لینڈ کروزر کھڑی ہے اس میں ایک بیہوش آدمی موجود ہے اور دوسری لاش جو لینڈ کروزر کی سیٹ سے بندھی ہوئی ہے۔ دونوں کو اندر لے آؤ۔ ویسے فیروز خان کہاں ہے۔''

''خان صاحب آئے تھے۔ آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ پھر چلے گئے۔''

''ہوں پھرتی سے یہ کام کر ڈالو'' وہ سب باہر دوڑ گئے۔ پھر وہ مادام کی لاش اور بے ہوش نادر بیگ کو اندر لے آئے۔ لیکن ان کی مسرتوں کی انتہائی ہی نہیں تھی۔ پھر انہوں نے کہا۔

''تم میں سے کوئی احتیاط کے ساتھ لینڈ کروزر کو یہاں سے لے کر نکل جائے اور اس کو اتنی دور چھوڑ آئے جہاں سے تم پیدل کا سفر آسانی سے کر سکو۔ لیکن بڑی ہوشیاری سے۔ اسٹیرنگ اور دروازے کے ہینڈل سے ہاتھوں کے نشانات وغیرہ مٹا دینا۔''

''میں جانتا ہوں۔'' راجو نے کہا اور مستعدی سے باہر نکل گیا۔ لینڈ کروزر کی چابی اگنیشن میں ہی تھی۔ اندر وہ سب حیران نگاہوں سے مادام فرحت اور نادر بیگ کو دیکھ رہے تھے۔ کسی نے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ زبیر شاہ نے خود ہی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''یارو بات ناجائز بے شک ہے۔ لیکن اس وقت میں جسم سے زیادہ اعصابی طور پر تھکا ہوا ہوں۔ اگر کافی مل جائے تو آپ لوگوں کا دلی شکر گزار ہوں گا۔''

''کوئی مسئلہ ہی نہیں جناب یہ گھر تو اپنی جاگیر ہے۔'' شمشاد نے ہنستے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔ بہر حال یہ لوگ بہترین تعاون کرنے والے تھے زبیر شاہ سے زیادہ بہر حال انہیں کون جان سکتا تھا۔ لیمپوآن کے حوالے سے زبیر شاہ سے رابطہ ہوا تھا۔ لیکن زبیر شاہ کو بھی وہ بڑی عزت دیا کرتے تھے۔'' فرید علی نے پوچھا۔

''شاہ صاحب یہ عورت مر چکی ہے نا۔''

''پہچانتے ہو اسے۔''

''ہاں۔''

''لل...... لیکن او ہو دیکھیے یہ ہوش میں آ رہا ہے۔''

شیر جنگ نے نادر بیگ کی طرف اشارہ کر کے کہا اور زبیر شاہ نادر بیگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

دلچسپ بات تھی کارواں اب چند لوگوں کی تحریک نہیں رہی تھی۔ جن لوگوں نے اس کی داغ بیل ڈالی تھی۔ انہیں بڑے بڑے سول اور فوجی اعزازات مل گئے۔ حکومتی انتظامی امور میں وہ خفیہ اداروں کے مشیر رہتے تھے۔ ان کے شہر کی شاندار عمارتوں میں دفاتر بنائے

گئے تھے انہیں باقاعدہ عہدے دیئے گئے تھے اور پولیس کے اہم عہدے داروں کو ان کے بارے میں ہدایات دی گئی تھیں کہ کاروان گروپ کے ہر ممبر کے ساتھ بھرپور تعاون کیا جائے۔ ان کے لیے بہترین اعزاز بھی مقرر کیے گئے تھے۔ اہم معاملات میں مداخلت کی پوری اجازت تھی۔

اب تک یہ سب بڑی عمدگی سے چل رہا تھا لیکن پھر کاروان گروپ کو ایک دھچکا لگا۔ کائی شائی اچانک بیمار ہوئی اور پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ کائی شائی کاروان گروپ کی ماں تھی۔ سب غمزدہ ہو گئے۔ اس کے بعد لیمپو آن ایک دم بوڑھا ہو گیا۔ اس نے سب کو جمع کر کے کہا۔

"وہ میرا آدھا جسم اور دماغ تھی اب میں ادھورا انسان ہوں' تم یوں سمجھو کہ میں نے اپنی تمام قوتیں تم میں سمو دی ہیں۔ میں اب چھٹی چاہتا ہوں۔ میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ تمہارے درمیان رہوں گا لیکن تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ میں پورے اعتماد سے شہروز کو اپنا جانشین مقرر کر رہا ہوں۔"

"لیمپو آن کو ایک راہنما کا درجہ حاصل تھا اور کاروان گروپ اپنی ذمہ داریاں نبھا رہا تھا۔ اس وقت بھی زبیر شاہ' شازیہ کے پاس بیٹھا تھا۔ اس نے شازیہ کے سوال کے جواب میں کہا۔

"نوشابہ کے قاتلوں کو گردن سے پکڑ کر لے آیا ہوں۔"

"ویری گڈ لیکن تفصیلات۔" شازیہ نے کہا۔

"یس باس۔" زبیر بولا اور پھر اس نے مختصراً تمام تفصیل بتا دی۔ شازیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"میرے خدا گویا اس کا مطلب ہے کہ اس معاملے میں۔"

"بے شمار افراد قتل ہوئے۔ شازیہ...... انسانی خون بہانا ظاہر ہے بدترین فعل ہے لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں تھا اور پھر وہ لوگ جو اپنے وطن میں اتنی گھناؤنی سازش کر رہے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ نوجوان کو منشیات کا عادی بنا کر ان کی زندگی سے کھیلنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے گھر کی دیواروں میں دیمک کو پالنا۔ یہ دیمک ہمارے وطن عزیز کی جڑیں کھوکھلی کر دے گی۔ مجھے ان لوگوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اور شازیہ ایسے بے شمار نام لے کر آیا ہوں جو اس سلسلے میں ملوث ہیں اور بہت بڑی حیثیت کے مالک ہیں۔ نیاز بیگ کا کہنا ہے کہ یہ اتنے بڑے لوگ ہیں کہ ان پر ہاتھ ڈالنا کسی طور مناسب نہیں ہوگا۔ اس سے بڑے خوفناک حالات پیدا ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ بذات خود اس قدر ذمہ دار انسان ہیں لیکن میں ان کی بات پر یقین رکھتا ہوں۔ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں لیکن جہاں تک میری بات ہے۔ میری لغت میں ایسا کوئی تصور نہیں ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ طریقہ کار بدلنا پڑے گا۔ ان لوگوں کو معاف کر کے میں خود بھی ذہنی طور پر مطمئن نہیں ہو سکتا شازیہ۔"

"میں جانتی ہوں۔ زبیر شاہ۔"

"خیر چھوڑو۔ یہ تو وہ باتیں جن کا ہماری زندگی سے تعلق نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے ہماری ذاتی زندگی سے۔"

''اور ذاتی زندگی کے لیے یہ آفس مناسب نہیں ہے۔''

''تو پھر اٹھو۔''

''اٹھ جا یار۔ میرا ماتحت ہے تو۔ اٹھ جا۔'' زبیر شاہ بے تکلفی سے بولا اور شازیہ ہنس پڑی۔ پھر بولی۔

''یس باس۔'' اس کے بعد وہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھے اور وہاں سے چل پڑے شازیہ نے ہنس کر کہا۔

''کہاں چل رہے ہو۔''

''بس۔ اتنی دور جہاں یہ سماج ہمارا پیچھا نہ کرے۔''

''تو میں وہ جگہ تمہیں بتاتی ہوں۔''

''ہاں۔ ہاں۔ بتاؤ۔''

''وہ ہوٹل جہاں اہم ملاقاتیں کرتے رہے ہیں۔''

''ارے واہ۔ زبردست بالکل ٹھیک ہے۔ وہاں سماج سے ہمارا پیچھا چھوٹ جاتا ہے۔''

''اور ایک اور دلچسپ بات ہے۔'' شازیہ نے کہا اور زبیر شاہ نے کار کا رخ اس ہوٹل کی جانب موڑ دیا۔

''ہاں۔ ہاں وہ دلچسپ بات بھی بتاؤ۔''

''اس ہوٹل میں ایک بار میں گئی تھی۔''

''تنہا۔''

''ہاں۔''

''ٹھیک ہے پھر۔''

''وہ ویٹر جو ہمارے کیبن کو سرو کرتا ہے۔ بڑا افسردہ نظر آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میرا تم سے جھگڑا ہو گیا ہے۔''

''ونڈرفل۔'' زبیر شاہ ہنس کر بولا۔

''بہت افسردہ وہ نظر آ رہا تھا۔ ڈرتے ڈرتے مجھ سے پوچھا تو میں نے اسے اطمینان دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بے چارہ کہنے لگا کہ مجھے تنہا دیکھ کر اسے بہت دکھ ہوا تھا۔''

''ہوتا ہے شازیہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی کچھ ایسے معاملات میں انسان کو انسان سے لگاؤ ہو جاتا ہے جس کا دوسرا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

دونوں یہ ہی باتیں کرتے ہوئے ہوٹل میں جا بیٹھے تھے اور وہی ہوا اس ویٹر نے انہیں دور ہی سے دیکھ لیا تھا۔ جلدی سے کیبن کی جانب لپکا اس کا پردہ سرکایا اور اندر گھس کر میزیں صاف کیں اور اس کے دروازے سے باہر نکل کر ان کا منتظر کھڑا ہو گیا۔

"کہئے کیا حال ہے۔ آپ کا بابا جی۔"

"صاحب اللہ کا شکر ہے۔ بڑی مہربانی صاحب جی آپ کہیں چلے گئے تھے۔"

"ہاں۔ بابا جی۔"

"بیگم صاحبہ اکیلی آئی تھیں۔ معاف کیجئے گا جی کسی کے ذاتی معاملے میں ہمیں دخل نہیں دینا چاہیے۔ مگر اللہ آپ لوگوں کو خوش رکھے۔" ویٹر خاموش ہوگیا۔

"شکریہ بابا چلیے۔ اب اپنی مرضی سے بتائیے کہ کیا پلائیں گے۔"

"کچھ کھائیں گے صاحب یا۔"

"نہیں بس اس وقت پئیں گے۔"

"میں کافی لے کر آتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" ویٹر چلا گیا۔ شازیہ اور زبیر شاہ اس کے خلوص پر متاثر ہوئے تھے۔ پھر وہ مہم کے بارے میں تفصیلی گفتگو کرنے لگے۔ دونوں ہی خوش تھے اور بہت عرصے بعد کی یہ ملاقات بڑی عجیب وغریب جذباتی کیفیتوں کی حامل تھی۔

☆......☆......☆

"سکندر زمان کو بڑے احترام اور اہتمام کے ساتھ اسٹیج پر بلایا گیا اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے انہیں نمایاں مقام پر بٹھایا گیا۔ ملک کے اور بھی بہت سے سربراہ لوگ وہاں موجود تھے سب سے تالیوں کی گونج میں سکندر زمان کا استقبال کیا تھا۔ سول سرجن نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ڈائس پر لگے ہوئے مائیک میں سکندر زمان کے بارے میں کہا۔

"اصولی طور پر کچھ ذمہ داریاں کچھ لوگوں کے کاندھے پر ہوتی ہیں۔ وہ جنھیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازتا ہے اور انہیں عام لوگوں کے درمیان ایک نمایاں مقام دیتا ہے۔ درحقیقت اپنے وطن اور وطن والوں کے لیے اگر دل میں احساس ہمدردی رکھیں تو رفتہ رفتہ ان مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ جو وسائل نہ ہونے کی بنا پر پیدا ہو جاتی ہیں۔ سرکاری طور پر ہمارے ہسپتال میں تقریباً سبھی کچھ ہوتا ہے اور حکومت فنڈ جاری کرتی ہے اس کے باوجود اگر صاحب ثروت اپنا فرض پہچانتے ہوئے اس شعبے کی طرف بھی توجہ دیں تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ بے شمار نیک کاموں میں یہ بھی ایک بہت بڑا اور نیک کام ہے۔ بیماریوں کی مختلف اقسام ہوتی ہیں۔

کچھ قدرتی آفات کچھ ماحول کی آلودگی کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جنھیں اہل وطن یا باہر کے لوگ ہمارے نوجوانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے خود بھیجتے ہیں' نشے کی لعنت بھی ایک ایسی ہی بیماری ہے۔ اگر ہم اس کے پس منظر میں جائیں اور گہرائیوں پر نگاہ ڈالیں تو درحقیقت یہ ایک خوفناک سازش ہے وطن کے رکھوالے یہی نوجوان تو ہوتے ہیں۔ معصوم بچے اور بوڑھے بھی اپنا اپنا کچھ نہ کچھ فرض ادا کرتے ہیں۔ آپ لاتعداد گھروں میں جھانکیں تو آپ کو بے شمار دردناک واقعات کا سامنا کرنا ہوگا۔

وہ عورتیں جو گھروں میں کام کاج کرتی ہیں ان کی صورتوں پر بے بسی اور بے بسی چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ پتا یہ چلتا ہے کہ بیٹا جوان ہے مگر نشے کی لعنت کا شکار شوہر کسی زمانے میں بہت اچھا تھا لیکن اب نشہ کرتا ہے گھر میں بیوی اور بچوں کو مارتا پیٹتا ہے اور وہ در در کی خاک چھاننے پر مجبور ہیں۔ بات صرف نچلے طبقے ہی کی نہیں ہے اس وقت نشے کی لعنت بری طرح پھیلتی جا رہی ہے۔ حکومت اس کے خلاف ہر ممکن عمل کر رہی ہے لیکن بہر حال بات صرف ایک مرد کی نہیں ہوتی۔ ہر شخص اپنے اپنے طور پر اس لعنت کے خلاف اگر مصروف عمل ہو جائے تو اس سے اچھی اور کوئی بات نہیں ہے۔ سکندر زمان نے سول ہسپتال میں پینتالیس لاکھ روپے کی لاگت میں ایک شعبہ تعمیر کرایا ہے اور یہ شعبہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو نشے کا شکار ہیں۔

اس شعبے میں ابھی دو سو بستر فراہم کیے گئے ہیں اور تمام ضروری سامان بھی مہیا کیا گیا ہے جو نشے کے عادی افراد کے لیے ہے اور ہم خوشی سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ آج ہمارے اس شعبے کا افتتاح ہو گیا ہے اور سکندر زمان اس کے روح رواں ہیں۔ ہم حکومت کی طرف سے اور ہسپتال کی انتظامیہ کی طرف سے سکندر زمان کے دلی شکر گزار ہیں۔ میں سکندر زمان سے درخواست کرتا ہوں کہ تشریف لا کر اپنے ان جذبات کا اظہار کریں۔ جو اس شعبے کی تکمیل میں ہمارے لیے اہمیت کے حامل ہیں۔"

سکندر زمان ایک تندرست و توانا لیکن سادہ لوح قسم کے آدمی آتے تھے۔ مسکراتے ہوئے ڈائس پر آئے اور کہا۔

"یہ ایک رسم ہے۔ ایک رواج ہے۔ لوگوں کی محبت ہے۔ ان کی خوش اخلاقی ہے۔ کوئی چھوٹا سا کام کر دینا اتنی اہمیت کا حامل نہیں ہوتا لیکن محبت کرنے والے چھوٹے چھوٹے کاموں کو بھی سراہتے ہیں۔ تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میری اس چھوٹی سی کاوش کو سراہا اور مجھے عزت بخشی جو کچھ میرے دل میں تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کی تشریح شروع کر دی ہے۔ اس لیے میری پاس اب کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ سوائے ایک چھوٹے سے اعلان کے' میں جانتا ہوں کہ یہ شعبہ تعمیر ہو گیا لیکن اس کے دیگر اخراجات بھی جانتا ہوں گے۔ میں اس کے لیے ایک حقیر سی رقم ہر سال ادا کرنے کی پیش کش کر رہا ہوں۔ میں اس شعبے میں ادویات وغیرہ کے لیے سالانہ ایک مخصوص رقم پیش کیا کروں گا اور اللہ نے مجھے جتنی زیادہ توفیق دی اتنی زیادہ رقم میں خود اور اپنے بزنس مین بھائیوں کی طرف سے بھی اس شعبے کی امداد کروں گا اور کوشش کروں گا کہ ایسے اور بھی شعبے قائم ہوں۔ جہاں آسانی سے ضرورت مندوں کو امداد مل سکے۔ شکریہ۔"

تالیوں کی گونج میں سکندر زمان واپس اپنی جگہ چلے گئے۔ پھر مختلف لوگوں نے ان کی اس محبت اور وطن دوستی کو سراہا اور اس کے بعد اس تقریب کا اختتام ہو گیا گھر والے تقریب میں شریک تھے۔ شہریار زمان' نور زمان' ذاکر زمان اور سکندر زمان کی بیٹی۔ توشین زمان اس کے علاوہ ان کی اہلیہ۔ یہ تمام لوگ تقریب میں شریک تھے۔ واپسی میں باپ کے ساتھ شاندار پجارو میں بیٹھے وہ بڑی خوشی کے عالم میں باپ کی اس پذیرائی پر گفتگو کرتے رہے تھے۔

"ارے بچو! بس اللہ نے جو عطا کیا ہے۔ میں تو اس میں اس کا حصہ ادا کرتا ہوں اور اس کے حصے کی ادائیگی بھی کیا۔ بس اپنی طرف سے معمولی سی کوشش مجھے خوشی ہے کہ تم سب نے اپنے اپنے طور پر بھی اپنے معاملات سنبھال رکھے ہیں۔ اپنے کاروبار پر قابو پانے

کے بعد اس قسم کے نیک کام کرتے رہا کرو۔" سکندر زمان کا ماضی کیا تھا۔ یہ تو شاید ان کے علاوہ اب کسی کو نا معلوم ہو۔ زیادہ سے زیادہ بیگم صاحبہ ان کی رازدار تھیں لیکن ماضی کی طرف سے بالکل خاموش اور ماضی ان دنوں حیثیت بھی نہیں رکھتا تھا۔ ہر صاحب حیثیت جو دولت مند اور اچھی شخصیت کا مالک ہو خاندانی ہو جاتا ہے اور اگر لوگوں کو اس کے خاندان کے بارے میں ساری تفصیلات بھی معلوم نہیں ہوتیں۔ تب بھی وہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ بڑے گھر کے بڑے لوگ اور بڑے لوگوں کا بڑا انداز بھلا ماضی تلاش کرنے کی زحمت کون کرے اور اس طرح سکندر زمان کا ماضی تلاش کرنے کی زحمت کسی نے کی تھی۔ بس اتنا کافی تھا کہ وہ ایک شاندار کاروباری آدمی تھے۔

شپ بریکنگ میں ان کا ایک نمایاں مقام تھا۔ اسکریپ کا کام کیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے سمندری جہاز خرید لیتے تھے اور پرائیویٹ طریقے سے انہیں سکریپ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خوب دولت دی تھی اور انہوں نے اپنے تمام بچوں کو باعمل کر دیا تھا۔

چنانچہ شہریار زمان ایک فیکٹری کا مالک تھا اور اپنے طور پر وہ فیکٹری کو سنبھالتا تھا۔ نور زمان اور ذاکر زمان یہ سب اپنے اپنے الگ کاروبار کرتے تھے۔ باپ کی طرف سے مکمل سپورٹ تھی۔ پھر بھلا کاروبار کیوں نہ چمکتے جس سے جو کہہ دیا اس نے وہ کر دکھایا۔ کون انکار کر سکتا ہے۔ چنانچہ سب کے سب شاندار زندگی گزار رہے تھے۔ ایک بیٹی تھی جس کے مستقبل کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ ایک ہلکا سا اشارہ بڑے بڑوں کو اس کے قدموں میں ڈال کر سکتا تھا۔ بعض گھرانے اس طرح بھی خوشحال ہوتے ہیں اور خوشیاں ان کے گھروں کی غلام اور پھر سکندر شاہ تو ویسے بھی نیک نام آدمی تھے۔ رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ سرکاری حلقوں میں بھی خوب بات بنی ہوئی تھی ان کی، وہ ایک کامیاب اور کامران زندگی کے مالک اپنے مسائل عیش و آرام سے حل کر رہے تھے لیکن بہت ہی نیک فطرت انسان تھے اور ان کے بچے جانتے تھے کہ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر عبادت کرتے ہیں ایک الگ تھلگ جگہ انہوں نے اپنی عبادت گزاری کے لیے بنا رکھی تھی۔ راتوں کو جاگتے تھے اور بچوں کے سوال پر انہوں نے ایک بار کہا تھا۔

"بیٹے سکون عیش و آرام ایک الگ حیثیت ہے تنہائیوں میں راتوں کو جاگنے سے قلب روشن ہوتا ہے۔" اپنی اس رہائش گاہ میں انہوں نے ننھے ننھے خوبصورت پرندے پال رکھے تھے۔ ایک بہت ہی نفیس قسم کا پنجرہ بنا ہوا تھا جس میں رنگ برنگی چڑیاں پھدکتی رہتی تھیں۔ ویسے بھی یہاں کے ماحول کو انہوں نے دیہاتی ماحول میں تبدیل کیا تھا یہ غالباً ماضی کا کچھ عکس تھا لیکن اس کی تشریح کبھی اس نے اپنے بیٹوں اور بیٹی کے سامنے کبھی نہیں کی تھی۔ بس اتنا ہی کیا تھا کہ شوق ہے میاں اور پھر یہ پرندے یہ تو بہت کچھ سکھاتے ہیں۔ انسان کو ان سے بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر گہری نگاہوں سے ان کا تجزیہ کیا جائے اور بس میں یہ کرتا ہوں اور اس سے میرا قلب روشن ہوتا ہے۔

چنانچہ تقریب سے فراغت کے بعد کافی دیر تک ان معاملات پر گفتگو ہوتی رہی اور اس کے بعد زمان صاحب نے اپنے بچوں سے اجازت طلب کر لی۔ اہلیہ بہت عرصے سے تنہا سونے کی عادی ہو گئی تھی۔ زمان صاحب کی عبادت گزاری ان کی نیند میں خلل انداز ہوتی تھی۔

چنانچہ بڑے خلوص سے زمان صاحب اپنے حجرے یا رہائش گاہ کی جانب چل پڑے۔ تالا اپنے ہی ہاتھ سے کھولتے تھے وہ اپنی

جگہ کے معمولات اپنے ہی ہاتھ میں رکھنے کے عادی تھے۔ تالا کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ ایک سادہ بستر لگا ہوا تھا فرش پر قالین بے شک بچھا ہوا تھا لیکن فرنیچر بہت اعلیٰ درجے کا نہیں تھا۔ سادگی کی زندگی انہیں ہمیشہ ہی سے پسند تھی اپنی قیام گاہ میں آنے کے بعد دروازہ اندر سے بند کیا۔ پھر الماری سے شب خوابی کا لباس نکالا اسے پہننے کے بعد بستر پر آکر بیٹھ گئے بستر کے ساتھ لگی سائیڈ ٹیبل پر ایک آدھی کھلی ہوئی کتاب رکھی ہوئی تھی۔ سائیڈ لیمپ جلایا اور چشمہ لگا کر کتاب کی ورق گردانی کرنے لگے۔

لیکن پھر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اچانک ہی پرندوں کے پنجرے میں ایک چڑیا کے چیخنے کی آواز سنائی دی اور انہوں نے چونک کر کتاب رکھ دی' چڑیا دوبارہ اسی مخصوص انداز میں چیخی اور پھر وہ پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ الماری کے قریب نیچے اسے کھولا اور اس میں ایک سگار بکس کر لے آئے۔ چڑیا تیسری بار چیخی تھی اور اس کے بعد خاموش ہو گئی تھی۔

انہوں نے سگار بکس کھولا اور اس کے اندر ایک عجیب سی مشینری کے کچھ بٹن دبانے لگے۔ چند لمحوں کے بعد اس سے ایک آواز ابھری تھی۔

''ایس، زیڈ، ایس زیڈ۔'' سکندر زمان صاحب نے ایک بٹن دبایا اور بولے۔

''ایس، زیڈ، کالنگ۔''

''سیریس رپورٹ ہے۔''

''جگو راجہ کی گرفتاری کی اطلاع ملی ہے۔''

''کیا؟''

''ہاں۔ جگو راجہ گرفتار ہو گیا ہے۔''

''کب اور کہاں۔'' سکندر زمان کے لہجے میں شدید تشویش پائی جاتی تھی۔

''اسے کنڈالی سے گرفتار کر کے لایا گیا ہے۔''

''کیا مطلب۔ وہ تو کنڈالی جا چکا تھا۔''

''ہاں۔ مکمل رپورٹ کے بارے میں ابھی تفتیش ہو رہی ہے لیکن کنڈالی کی طرف سے بھی بڑی خوفناک رپورٹ ملی ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔''

''بالکل صحیح۔ ظاہر ہے کوئی غلط رپورٹ نہیں دی جا سکتی۔''

''کنڈالی کی رپورٹ کیا ہے۔''

''بس آپس میں ٹکرا گئے ہیں۔ زبردست خونریزی ہوئی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہاں تمام ذخائر کے اسٹور تباہ ہو چکے ہیں۔''

''اوہ مائی گاڈ کہیں کسی نے نشے کے عالم میں تو یہ رپورٹ نہیں دی۔''

''نہیں غلطی ہماری ہے کہ ہم نے ادھر بھرپور نظر نہیں رکھی۔''

''مگر رپورٹ۔''

''رپورٹ یہی ہے۔ مزید تفصیلی رپورٹ کل شام کو سات بجے تک پہنچ جائے گی۔''

''بڑی خوفناک بات ہے۔ جگو راجہ کی بات تو بڑی ہی عجیب ہے۔ بھلا جگو راجہ جیسے شخص کو کوئی گرفتار کر سکتا ہے۔''

''مجھے خود حیرت ہے۔''

''میں نہیں مان سکتا۔''

''بلی کو دیکھ کر آنکھیں نہیں بند کی جا سکتیں مسٹر۔ جو کچھ ہو چکا ہے۔ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

''آہ۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔''

''ہمیں ابھی نتیجے پر غور نہیں کرنا۔ پہلے یہ سوچنا ہے کہ اب کیا کریں۔''

''میں جانتا ہوں۔'' سکندر زمان نے پُر خیال انداز میں کہا۔ پھر بولا۔ ''ویسے ہمیں فوری رپورٹ حاصل کرنی ہوگی۔ یہ ضروری ہے۔''

''کنڈالی کے بارے میں تو ابھی تفصیلی رپورٹ مہیا کر جا رہی ہے لیکن جگو راجہ کا معاملہ کسی شک وشبہ کا شکار نہیں ہے۔ وہ اس وقت مقامی پولیس کی تحویل میں ہے اور ہیڈ کوارٹر میں اس کے لیے خاصا زبردست بندوبست کیا گیا ہے۔''

''لیکن آخر یہ سب کیسے ہوا۔''

''مسٹر ایس زیڈ۔ کیا یہ تمام باتیں ان چند لمحات میں کی جا سکتی ہیں۔''

''تو پھر کیا پروگرام ہے۔''

''کل پانچوں کی میٹنگ کی ضرورت ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ ٹائم۔؟''

''اس سے بہتر جگہ اور کون سی ہوگی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ٹھیک ہے۔ پھر میں کلینک پہنچوں گا۔''

''ہوشیاری سے۔''

''اور کوئی خاص بات ایسی جو مجھے اس دوران معلوم ہونا ضروری ہو۔''

''نہیں اس کی ہدایت نہیں ہے۔''

''ایک اور سوال مسٹر جے کے۔''

''ہاں بولو۔''

''کیا یہ اطلاع ہمیں ہائی کمان سے وصول ہوئی ہے۔''

''ہاں۔ہم شرمندہ ہیں کہ ایک ایسے معاملے میں ہمیں ہائی کمان سے اطلاع ملی جو ہمارے گھر کا ہے۔کسی اور ملک کی بات ہوتی تو چلو ٹھیک بھی تھا لیکن یہ چیز ہمارے لیے کس قدر خوفناک ثابت ہوگی۔آگے چل کر اس کا تجزیہ آپ خود کر سکتے ہیں۔مسٹر ایس زیڈ او کے اوور اینڈ آل۔''

دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور سگار بکس سے دیر تک سنسناہٹ کی آوازیں ابھرتی رہیں پھر سکندر زمان چونکا اس نے ایک گہری سانس لی۔ٹرانسمیٹر کے تمام بٹن آف کیے اور اس کے بعد سگار بکس لاک کر دیا۔لاک سسٹم ایسا تھا کہ کوئی دوسرا اسے کھول نہیں سکتا تھا۔پھر سکندر زمان نے اپنی دونوں آنکھیں بھینچ لیں اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔بہت دیر تک وہ اسی کیفیت کا شکار رہا۔اس کے بعد اس نے سگار بکس واپس اس جگہ پر رکھا پھر دیر تک الماری کی نچلی سطح سے کچھ کاغذات نکالتا رہا تھا ان میں سے بیشتر کاغذات اس نے اکٹھے کیے۔واش روم میں پہنچا۔کاغذات کو جلا کر بیسن میں ڈال اور جب وہ جل کر راکھ ہو گئے تو واش بیسن کا نل کھول دیا اور پھر اسے اچھی طرح صاف کرنے کے بعد واپس آ گیا لیکن اس کے انداز میں شدید بے چینی پائی جاتی تھی۔وہ کافی دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا پھر بستر پر آ گیا لیکن لیٹنے کے بعد وہ کروٹیں ہی بدلتا رہا تھا اور کروٹیں بدلتے بدلتے صبح ہو گئی تھی۔صبح کو ملازم اس کے لیے چائے لے کر آیا تو سکندر زمان نے کہا۔

''نہیں میری طبیعت خراب ہے۔چائے نہیں پیوں گا۔تم ایسا کرو۔ذرا شہریار زمان کو بھیج دو۔میرے پاس۔'' ملازم چائے لے چلا گیا تھا۔تھوڑی دیر کے بعد نہ صرف شہریار بلکہ گھر کے تمام افراد کمرے میں داخل ہو گئے۔زمان صاحب کی کیفیت رات بھر کے جاگنے کی وجہ سے کافی خراب ہو گئی تھی۔وہ بستر پر لیٹ کر سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے سو رہا تھا شہریار زمان نے کہا۔

''خیریت ڈیڈی۔خیریت کیا بات ہے۔''

''کچھ نہیں بس ذرا گرانی سی محسوس کر رہا ہوں۔سینے میں درد بھی ہے۔''

''اوہو۔نہیں میں ڈاکٹر فیضی کو بلائے لیتا ہوں۔''

''نہیں میرا خیال ہے مجھے کلینک ہی پہنچا دو۔''

''ڈاکٹر فیضی سے مشورہ کر لوں۔ڈیڈی اگر آپ چاہیں تو۔'' شہریار نے کہا۔

''نہیں بیٹے اپنی کیفیت میں خود جانتا ہوں بجائے اس لیے کہ ڈاکٹر کو پریشان کرو۔میرا چلے جانا ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے۔میں گاڑی نکلواتا ہوں۔'' تمام بچے مستعد ہو گئے۔پھر سارے کے سارے بھر کے کلینک پہنچے تھے ڈاکٹر فیض ان کا فیملی ڈاکٹر تھا۔اس نے اپنا پرائیوٹ کلینک کھولا ہوا تھا۔جو بہت اچھی حیثیت رکھتا تھا۔پرائیویٹ کلینک پہنچنے کے بعد دوسرے ڈاکٹر زان

کے گرد جمع ہو گئے۔ شہریار نے کہا۔

''ڈاکٹر فیض۔''

''سر آنے ہی والے ہوں گے۔ پھر وہ سکندر زمان سے معلومات حاصل کرنے لگے اور سکندر زمان نے انہیں بتایا کہ سینے میں پھر درد ہو رہا ہے۔ دوسرے ڈاکٹر ای سی جی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ اتنی دیر میں ڈاکٹر فیض نے ای سی جی کیا اور اس کے بعد گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''نہیں۔ کوئی اہم بات نہیں ہے لیکن میں رکھنا چاہتا ہوں۔ ایک آدھا دن اس کے بغیر واپس جانے نہیں دوں گا۔''

''آپ دیکھ لیجیے۔ ڈاکٹر فیض نے نور زمان کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔۔

''ٹھیک ہے۔'' پھر ڈاکٹر فیض نے اپنے طور پر سکندر زمان کو ٹریٹ منٹ دیتا رہا۔ اس نے ایک مخصوص کمرہ خالی کرا لیا تھا۔ اور اس میں سکندر زمان کو منتقل کر دیا گیا۔ بچے تشویش زدہ تھے نور زمان نے کہا۔

''ڈاکٹر صاحب یہ تیسری بار ہوا ہے۔''

''آپ لوگ فکر نہ کریں ضرورت سے زیادہ کام بھی تو کرنے لگے ہیں۔ سکندر زمان حالانکہ میں نے کتنی ہی بار کیا ہے کہ اپنا زیادہ تر وقت آرام کرتے ہوئے گزارہ کریں۔''

''کیا کیا جائے ڈیڈی مانتے ہی نہیں۔''

''بہر حال کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ آپ لوگ جائیں آرام کریں میں ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ لوگ مجھ پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے لیکن پھر بھی۔''

''نہیں آپ جائیں چاہیں تو فون پر مجھ سے خیریت معلوم کرتے رہیں۔'' نوشین بھی بے چین تھی۔ اس نے کہا۔

''نہیں ڈاکٹر انکل میں تو ڈیڈی کے پاس رہوں گی۔''

''بیٹے ہمارے اصول توڑنے کی کوشش مت کرو۔ ہم مریض کے پاس کسی کو رکھتے نہیں ہیں۔ تم خود چاہو تو سارے کمروں کا جائزہ لے لو۔'' دوسرے لڑکوں نے بھی نوشین کو سمجھایا اور ڈاکٹر فیض نے ایک نرس کو سکندر زمان کے کمرے میں ڈیوٹی دینے کے لیے کہا۔ پھر بھی زمان صاحب کے بچے کئی گھنٹے تک کلینک پر رہے تھے اور جب انہوں نے زمان صاحب کی حالت بالکل بہتر دیکھی اور زمان صاحب نے خود ان سے کہا اب انہیں ہسپتال میں رہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ لیکن ڈاکٹر فیض کہہ رہے ہیں تو تھوڑا وقت گزار لیا جائے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ لوگ جائیں تب بچے گھر واپس پہنچے تھے۔ ڈاکٹر فیض ان کے نزدیک پہنچا اور کہا۔

''ویسے تھوڑی سی پریشانی ہے آپ کو میرا خیال ہے۔ ایک سکون آور گولی سے لیجیے اور کچھ وقت آرام کر لیجیے۔''

''نہیں ضرورت نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔'' زمان صاحب نے کہا اور ڈاکٹر فیض معنی خیز نگاہوں سے انہیں دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔ پونے سات بجے ڈاکٹر فیض سکندر زمان کے پاس پہنچا تھا سکندر اس وقت کچھ پھل کھا رہے تھے ڈاکٹر فیض نے کہا۔

''کنڈالی سے رپورٹ آگئی ہے اگر آپ کا دل چاہے تو مجھ سے کچھ وقت تبادلہ خیال کر سکتے ہیں مسٹر ایس زیڈ۔''

''جگہ مناسب ہے۔''

''ظاہر ہے۔ میرا کلینک ہے۔ نامناسب ہونے کا کیا خیال ہے۔''

''یہ ہوا کیا ڈاکٹر فیضی۔''

''نہیں ڈاکٹر فیضی نہیں۔ اس وقت آپ مجھے ڈی ایف کہیں۔''

''سوری۔ سکندر زمان نے کہا۔ پھر بولا۔''

''کیا رپورٹ ہے۔''

''کنڈالی میں ایک خوفناک زلزلہ آیا ہے ایسے ایسے لوگ ہلاک ہو گئے جن کے بارے میں سوچو تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں بڑی طاقتور قوتیں سرنگوں ہو گئی ہیں یقین کرو ڈیئر ایس زیڈ کوئی ایسی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ میں تمہیں کون کون سے نام بتاؤں۔ ایسے نام جو بہت بڑی حیثیت کے حامل تھے۔ سنو گے تو ششدر رہ جاؤ گے۔''

''مثلاً؟''

''مادام فرحت اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً وہاں کی ساری ٹیم ختم ہو گئی ہے اور اس طرح سے یوں سمجھ لو کنڈالی تاریک ہو چکا ہے۔ کیونکہ سب سے بڑی وجہ وہاں کے اسٹورز کی تباہی ہے۔ سب کچھ فنا کر دیا گیا۔''

''میرے خدا کیا کوئی سرکاری قدم ہے۔''

''نہیں اس کے نشانات بظاہر نہیں ملتے' کیونکہ بہر حال وہاں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات بھی حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ باقاعدہ وہاں کوئی سرکاری ریڈ نہیں ہوا ہے۔ بلکہ وہ لوگ آپس ہی میں لڑ پڑے ہیں اور یہ ساری تباہی آپس ہی کی جنگ کا نتیجہ ہے۔ ورنہ فرحت جیسی خوفناک عورت کو ہلاک کرنا معمولی بات نہیں تھی' لیکن وہ بھی ختم ہو چکی ہے۔''

''خدا کی پناہ واقعی میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس سال کی سب سے خوفناک رپورٹ ہے یہ۔''

''اس سال کی کہہ رہے ہو' تم...... میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ اگر نا معلوم ہوئی تو ہم لوگوں کو سارا کاروبار بند کرنا پڑ جائے گا اور پھر غازی کی گرفتاری' غازی ہماری ناک کا بال تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے اس قدر تحفظ نہیں دیا گیا جتنے تحفظ کا وہ حق دار تھا۔''

''وہ لڑکی جو راستہ بھٹک رہی تھی اور جس کے لیے غازی کو ہدایت کر دی گئی تھی۔''

''وہ تو مر چکی ہے' اس کا کوئی مسئلہ نہیں ہے' غازی اس کو ختم کرنے کے بعد ہی کنڈالی گیا تھا۔''

''کوئی ایسی بات جو سمجھ میں آ رہی ہو باقی لوگوں کی کیا پوزیشن ہے۔'' سکندر زمان نے پوچھا۔

''سب پہنچ چکے ہیں اور مختلف کمروں میں مقیم ہیں۔''

''میٹنگ کا وقت کیا رکھا گیا ہے۔''

''نو بجے۔''

''مجھے تشویش ہے۔''

''تم ایسا کرو آرام کرلو تھوڑی دیر۔''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے ڈاکٹر۔''

پھر ٹھیک آٹھ بجے دو وارڈ بوائے ایک اسٹریچر لے کر آئے۔ اس پر سکندر زمان کو منتقل کر دیا گیا اور ڈاکٹر فیض کے خصوصی کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جو نچلی منزل یعنی تہہ خانے میں تھا۔ یہاں تین مریض اور موجود تھے جو آرام سے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے چہروں پر تشویش کے آثار تھے۔ ڈاکٹر فیض نے تہہ خانے میں موجود دروازے کو ساؤنڈ پروف کیا اور اس کے بعد خود بھی ان کے درمیان آ بیٹھا۔ اس طرح پانچ افراد کا کورم ہو گیا تھا۔

''کنڈالی میں جو کچھ ہوا تھا اس کے بارے میں آخر کار بہت جلد ہمیں رپورٹ مل جائے گی۔''

''اور ظاہر ہے ہم کیا رپورٹ دے سکتے ہیں۔''

''ہمارے آدمی نے بھی ہمیں کوئی اطلاع نہیں دی۔''

''اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔'' ڈاکٹر فیضی بولا۔

''کچھ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔'' ظاہر ہے وہ لوگ بھی ان ہی کے درمیان وقت گزار رہے تھے اور ان ہی میں گھلے ملے ہوئے تھے۔''

''تمہارا مطلب ہے مسٹر ڈی ایف کہ وہ لوگ بھی اس جنگ میں کام آ گئے۔''

''اندازہ میرا بھی یہ ہی ہے لیکن ہم فوری طور پر وہاں کوئی تحقیقاتی مشن نہیں بھیج سکتے۔ جب تک کہ مکمل طور پر علم نہ ہو جائے کہ وہاں کیا ہوا ہے۔''

''اوہو...... اس سلسلے میں سب سے اہم مہرہ غازی ہی تھا اور اگر واقعی غازی ان لوگوں کی قید میں آ گیا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ پھانسی کا پھندہ ہماری گردن سے زیادہ دور نہیں ہے۔''

''خوفناک باتیں کرنے کے بجائے اس مشکل کا حل سوچا جائے۔'' سکندر زمان نے سرد لہجے میں کہا۔

''اس کے علاوہ وہ واقعے کا تصور ذہن سے نکال دیا جائے۔''

''کیا مطلب۔؟''

''کہا گیا ہے نا کہ اگر واقعی پولیس کے قبضے میں آ گیا ہے اس اگر...... واقعی کی کیا گنجائش ہے۔ کیا غازی جیسی شخصیت کے بارے میں صرف وہم سے کام چل جائے گا۔''

''نہیں مسٹر جی پی کے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ غازی کے بارے میں یقینی رپورٹ ہے۔''

''ہوں...... تو اب ہمارے لیے سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ایک لائحہ عمل بنایا جائے اور اس پر بحث کر لی جائے۔''

''جہاں تک میری رائے ہے ابھی کنڈالی میں اگر ہم اپنے افراد تحقیقات کے لیے بھیجتے ہیں تو اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ جن لوگوں نے وہاں یہ کام کر دیا ہے وہ اس کے منتظر ہوں گے کہ کون کون کنڈالی کے سلسلے میں ہونے والی کارروائیوں کی تحقیقات کرتا ہے۔''

''لیکن اس کی گنجائش بھی تو ہے کہ وہ لوگ خود ہی جنون کا شکار ہو گئے ہوں۔''

''میں نے اس امکان کو ذہن سے نہیں نکالا ہے لیکن ہم صرف امکانات پر تو بھروسہ نہیں کر سکتے۔''

''بے شک یہ بات درست ہے اور اسے تسلیم کیا جانا چاہیے۔ کنڈالی میں بالکل خاموشی رہنے دی جائے اور صرف ان رپورٹوں پر انحصار کیا جائے جو ہمیں دوسرے ذرائع سے حاصل ہو سکتی ہیں۔''

''اور غازی۔؟''

''آہ...... جگو راجہ کے معاملے میں سوچ کر ہی دکھ ہوتا ہے ہمارا سب سے اہم آدمی جسے ہم کسی بھی طور نظر انداز نہیں کر سکتے، وہ جس قدر شاندار صلاحیتوں اور کارکردگی کا مالک ہے اسے کسی طور پر نہیں بھلایا جا سکتا۔''

''لیکن اس وقت ہماری گردن میں پھانسی کا پھندہ باندھ دیا ہے۔''

''ہاں...... اس بات کا پورا، پورا احساس ہے، تو پھر۔''

''صرف ایک عمل کیا جا سکتا ہے۔''

''کیا۔''

''جگو راجہ اور اس کے ساتھ کوئی اور بھی گرفتار ہوا ہے تو اسے راستے سے ہٹا دیا جائے۔''

''یعنی قتل۔''

''بالکل۔''

''فائدہ۔''

''فائدہ یہ کہ ہمارے خلاف ایک اہم ثبوت ختم ہو جائے گا۔''

''اگر آپ کا خیال ہے مسٹر جی پی کے' کیا پولیس نے اب تک جگو راجہ سے بیانات نہ لیے ہوں گے۔''

''بات ابھی اگر ہے' بھی تو پولیس کی حد تک ہے' ویسے جگو راجہ اتنا کمزور آدمی نہیں ہے کہ فوراً ہی زبان کھول دے' اس کے دوسرے آدمیوں کو صحیح تفصیلات معلوم نہیں ہیں اور ہماری آرگنائزیشن کے بارے میں وہ زیادہ کچھ نہیں جانتے لیکن بات اگر پولیس کی حد سے نکل کر عدالت تک پہنچی اور جگو راجہ نے عدالت کے سامنے واقعی اعتراف کیا تو کیا یہ زیادہ خطرناک بات نہیں ہوگی۔''

''سو فیصد ہوگی۔''

''تو پھر آخری فیصلہ کیا ہے۔''

''سب سے پہلے عمل کے طور پر جگو راجہ کی ہلاکت۔''

''لیکن کیا یہ اتنا آسان ہوگا' پولیس نے جب جگو راجہ کو گرفتار کیا ہے تو کسی بنیاد پر ہی کیا ہوگا' کیا اس کے لیے آسان ذریعہ ہو سکتا ہے۔''

''ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ خود جگو راجہ کو کہاں سے گرفتار کیا گیا ہے' کیا کنڈالی سے۔'' سکندر زمان نے کہا۔

''ہاں...... یہ بھی سب سے اہم مسئلہ ہے۔ اگر اسے کنڈالی سے گرفتار کیا گیا ہے تو پھر تو یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ کنڈالی میں باقاعدگی آپریشن کیا گیا ہے اور نہایت ہی خفیہ پیمانے پر۔''

''یہ بھی اہم مسئلہ ہے اور اس سے بہت سی باتیں منظر عام پر آتی ہیں۔ یہ بات ہم جانتے ہیں کہ جگو راجہ کو اب کسی طرح حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی موت ہی ہمارے لیے سب سے بہتر ہے۔''

''مگر مرنا بھی تو اس کا اتنا آسان نہیں ہوگا۔''

''یہ ذمہ داری مجھے سونپ دی جائے۔'' ڈاکٹر فیضی نے کہا۔

''ہاں...... میں کچھ خصوصی ذرائع رکھتا ہوں' پہلے تو معلوم کرنا ہوگا کہ جگو راجہ کو رکھا کہاں گیا ہے۔ یقینی طور پر وہ لوگ اسے پولیس کی تحویل میں سے نکال کر جیل پہنچائیں گے۔''

''ہاں...... ضرور...... آہ...... کاش وہ جیل پہنچ جائے' تو میرے پاس ایک بہترین طریقہ کار ہے۔''

''وہ کیا۔؟''

''میں اس کا انتظام کر لوں گا۔''

''آپ جانتے ہیں کہ صرف یہ الفاظ کہہ دینے سے ہم مطمئن نہیں ہو سکتے' آپ ذرا سی وضاحت کر دیجیے مسٹر ڈی ایف۔''

''جیل کا ٹھیکے دار جو وہاں کھانا سپلائی کرتا' میرا اپنا آدمی ہے' اور یہ بھی جانتا ہوں میں کہ جیل کے لیے کھانا کہاں تیار ہوتا ہے۔''

''یعنی...... یعنی جیل کے باورچی خانے میں۔''

''جی ہاں...... وہیں کی بات کر رہا ہوں۔''

''اوہ...... میرے خدا' آئیڈیا بہت اچھا ہے' لیکن یہ کس طرح کارگر ہو سکتا ہے' کیا جیل میں موجود قیدیوں کو ہلاک کر دیا جائے گا۔''

''نہیں...... اس کے لیے ایک گراؤنڈ بنانا ہوگا' باقاعدہ جیل کو جو ٹھیکے دار کھانا سپلائی کرتا ہے' اس کا نام جلیل خان ہے' غیر تعلیم یافتہ آدمی ہے لیکن لالچی فطرت کا مالک' اس سے کہہ دیا جائے گا اور اسے اتنی رقم دی جائے گی کہ وہ یہ خطرہ مول لینے پر تیار ہو جائے گا۔''

''اگر آپ اس کام کو پوری ذمہ داری کے ساتھ قبول کر سکتے تھیں تو مسٹر ڈی ایف ہم آپ پر اطمینان کر سکتے ہیں۔''

''آج کل جتنے کام آپ لوگوں نے میرے سپرد کیے ہیں کیا میں نے انہیں ذمہ داری سے مکمل نہیں کیا۔''

''نہیں یہ بات نہیں ہے' ظاہر ہے اسی میں ہماری موت و حیات کا معاملہ ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے' سب سے پہلے جگو رلیے کے لیے انتظام کیا جائے اور معلومات فراہم کی جائیں کہ وہ لاک اب سے جیل کب تک پہنچایا جاتا ہے۔''

''یہ معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ اس کے لیے اتنی پریشانی کی ضرورت نہیں ہے۔''

''لیکن اس بات کو ذہن میں رکھا جائے کہ اگر ہم یہ کام نہیں کر پائے تو ابھی تو ایک مرحلے سے نمٹنا ہے' یعنی مقامی طور پر کہ ہم لوگ منظر عام نہ آسکیں لیکن دوسرے مسئلے کو یعنی ہائی کمان کی ہم سے جو جواب طلبی ہوگی اس کا جواب بھی ہمیں دینا ہوگا۔''

''اب اس کے لیے اتنا زیادہ مضطرب ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہائی کمان خود بھی جانتی ہے کہ سارا مجمع بے وقوفوں کا نہیں لگا ہوا۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں' اس کے خلاف بھی کام ہو رہا ہوگا' اب یہ اونچ نیچ تو چلتی ہی رہتی ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے' میرا خیال ہے ہمیں زیادہ الجھنے کی بجائے اس بات پر متفق ہو جانا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے۔'' اور اس کے بعد چار مریض اپنے اپنے کمروں میں منتقل ہو گئے۔ ان سب کو کوئی نہ کوئی تکلیف اچانک ہو گئی تھی' اور وہ ڈاکٹر فیض کے کلینک پہنچ گئے تھے۔ سکندر زمان بھی اپنے کمرے میں پہنچ گیا لیکن اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ پھر دوسرے دن اس نے اپنی صحت یابی کا اعلان کیا اور ڈاکٹر فیض نے اسے گھر جانے کی اجازت دے دی۔

☆......☆......☆

زبیر شاہ اور شازیہ رہائش گاہ میں داخل ہو گئے۔ گاڑی سے اتر کر زبیر شاہ نے پچھلی سیٹ سے ایک بڑا پیکٹ نکالا جو پیک کیا ہوا تھا۔ شازیہ نے اسے حیرت سے دیکھا' اس سے پہلے اس نے عقبی سیٹ کی جانب توجہ نہیں دی تھی۔ زبیر شاہ کے ساتھ نیچے اترتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''اس میں کیا ہے۔''

''اندر چل کر بتاتا ہوں۔'' زبیر شاہ نے جواب دیا اور شازیہ اس کے ساتھ قدم بڑھاتی ہوئی کوٹھی کے اندرونی حصے میں داخل ہو گئی۔ گل خان گیٹ بند کرنے کے بعد پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا' اس نے وہ پیکٹ زبیر شاہ کے ہاتھ سے لینے کی کوشش کی' لیکن زبیر شاہ نے کہا۔

''نہیں گل خان' ٹھیک ہے' رہنے دو' آؤ میرے ساتھ' نادر بیگ کا کیا حال ہے۔'' لیکن نادر بیگ کا حال سامنے ہی نظر آ گیا۔ کوٹھی کے خوب صورت برآمدے میں وہ ایک گوشے میں جائے نماز بچھائے بیٹھا ہوا تھا اور نماز پڑھ رہا تھا۔ زبیر شاہ نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر گل خان کو دیکھا' اور گل خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' زبیر شاہ کے چہرے پر بھی خوشی نظر آنے لگی تھی' وہ گل خان کے ساتھ اندر داخل ہو گیا' اس نے کہا۔

''گل خان اتنے مختصر وقت میں تم نے یہ کر ڈالا۔''

''میں نے کیا' کیا ہے صاحب جی' یہ تو اللہ کے کام ہیں۔ اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے' وہ سخت بے چین تھا' مضطرب تھا' اس نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا' میں نے اسے ساری تفصیل بتا دی تو وہ کہنے لگا کہ گل خان میں کیا کروں' مجھے کوئی مشورہ دو' یہ پولیس افسر صاحب کہاں پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے یہ انداز کیوں اختیار کیا ہوا ہے۔ یہ تو ایسا شعبہ ہے' جس میں کسی نرم آدمی کی گنجائش ہی نہیں ہے' یہ کیسا پولیس افسر ہے' صاحب میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی' لیکن وہ کسی طور پر ماننے کو راضی نہیں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ انتقام کی جو بھٹی ان کے وجود میں سلگ رہی ہے' اس پر کوئی پانی کے کچھ قطرے ڈال دے۔ تب وہ جائے' ورنہ زبانی بہلا دے تو بہت سے ہوتے ہیں۔ زبیر صاحب اپنا کام کر رہے ہیں' اپنی عاقبت روشن کر رہے ہیں' لیکن میری دنیا اور عاقبت جس طرح تباہ ہوئی ہے' میں اس کے لیے کیا کروں' تو صاحب پھر میں نے اس کو ایک مشورہ دیا' میں نے کہا کہ اس ایک مہینے میں تجھے سکون نہ مل جائے' تو پھر جو تیرا دل چاہے کرنا اور زبیر شاہ جو تجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں تو صرف اپنی محبت کی بنا پر' ورنہ تو جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ مجھے یہ ہدایات نہیں کی گئی ہے کہ میں تجھے یہاں پابند رکھوں۔''

''تو پھر۔'' زبیر شاہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''اس نے میری بات مان لی صاحب۔''

''معاہدہ کیا ہے۔''

''میں نے اس سے کہا ہے کہ صرف اور صرف نماز پڑھ' پانچوں وقت کی نماز پڑھ اور خدا سے دعا مانگ کہ وہ تیرے دل میں سلگتی آگ کو ٹھنڈا کر دے' اگر ایک مہینے میں تیرے دل کی یہ آگ ٹھنڈی نہ ہو تو پھر تیرا جو دل چاہے کر' مان گیا ہے' صاحب ہمیں جس قدر ٹوٹی پھوٹی نماز آتی ہے ہم نے اسے سکھا دی ہے۔ ہمارا تو یہ تجربہ ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ اب کبھی بے سکونی نہیں ہوتی۔''

''گل خان میں بڑے بڑے خطرناک مجرموں کو گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچاتا ہوں لیکن خدا کی قسم تم نے جو کام کیا ہے وہ میرے کام سے بہت بڑا ہے اور میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں کہ تمہاری یہ کاوش بار آور ہو۔ بہت اچھے انسان ہو تم' اس کا اجر ملے گا۔''

گل خان نے گردن جھکائی' پھر کہا۔ ''کوئی حکم صاحب۔''

''نہیں کچھ نہیں۔''

''چائے وغیرہ بنا دوں۔'' اس نے پوچھا اور زبیر شاہ نے شازیہ کی طرف دیکھا تو شازیہ بولی۔ ''نہیں گل خان' میں چائے بھی

بنالوں گی۔''

''واہ......بی بی صاحب' ہمارا کیا اچار پڑے گا۔'' گل خان نے کہا اور باہر نکل گیا۔ زبیر شاہ مسکراتی نگاہوں سے گل خان کو جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر شازیہ کی طرف متوجہ ہوا' اور بولا۔

''شازیہ واقعی میں نے یہ بات دل سے کہی ہے۔''

''کیا۔'' شازیہ نے پوچھا۔

''ہم لوگ بہت بڑے بڑے کام کرتے ہیں اور اپنی دانست میں سوچتے ہیں کہ بڑا تیر مارا ہے' ہم نے یہ کارنامہ سرانجام دے کر' لیکن ایک چھوٹا سا شخص ایک چھوٹا سا کام کر لیتا ہے تو کبھی کبھی اس کی حیثیت اتنی بڑی ہوتی ہے کہ ہم اپنی ساری کاوشوں کو اس کے سامنے ہیچ سمجھتے ہیں' پتا نہیں ان مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہم کوئی مذہبی فریضہ بھی سرانجام دے رہے ہیں یا نہیں لیکن گل خان ایک شخص کو راہ راست پر لا کر جو فرض سرانجام دے رہا ہے وہ ہماری تمام کاوشوں سے بہت بڑا ہے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے' برائی کے راستے پر اس حد تک نکل جانے کے بعد کہ واپسی کا تصور ختم ہو جائے۔ اگر کوئی واپس آ جاتا ہے اور نہ صرف خود واپس آ جاتا ہے' بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتا ہے' تو میں سمجھتی ہوں واقعی بہت بڑا کام سرانجام دے رہا ہے۔''

''ہاں......اس میں کوئی شک نہیں ہے۔''

''سنایئے۔ کیا ہو رہا ہے آج کل' لوگ بالکل خاموش بیٹھے ہوئے ہیں اور ہماری بے کاری کا دور چل رہا ہے۔''

''نہیں۔ شازیہ بات اصل میں یہ نہیں ہے' اصولی طور پر تو ہمیں دن رات مصروف عمل رہنا چاہیے۔ کیونکہ انسانی ذہن میں جرم گہرائیوں تک سرائیت کر گیا ہے۔ ماحول اور معاشرہ صرف اور صرف مجرم تخلیق کر رہا ہے۔ اب اس پر بحث تو طویل ہے اور کوئی فائدہ نہیں۔ جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ تم بھی جانتی ہو اور میں بھی جانتا ہوں' ہم اگر مجرموں کے خلاف ایک پوری ایسی فوج بنا لیں جو سرحدوں کی نہیں بلکہ ملک میں جرائم کے خلاف کام کرے تو یوں سمجھ لو کہ بہت بڑی آبادی کو کنٹرول کرنا ہوگا۔ بس اپنے لیے جو الفاظ استعمال کیے جا سکتے ہیں' میں انہیں استعمال کرنا چاہتا ہوں' بے کاری تلاش کر لو مل جائے گی' لیکن درحقیقت انتظامی محکمے میں ایک لمحہ بے کاری کے لیے نہیں ہے' ہم دن رات مصروف عمل رہیں' تب بھی ہمارا کام پورا نہ ہو۔''

''ہاں......یہ ایک المیہ ہے۔''

''اور یہ المیہ کسی جراثیم بم سے پیدا نہیں ہوا' بلکہ معاشرے نے جو انداز فکر اختیار کیا ہے یہ سب اسی کا نتیجہ ہے۔'' شازیہ سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ پھر وہ چونک کر بولی۔

''یہ کیا ہے' اس پیکٹ میں بتایا نہیں تم نے۔''

''بتاتا ہوں۔'' زبیر شاہ بولا' اور اس کے بعد اس نے پیکٹ کھول دیا۔ اس میں ایک رولیٹ پلیٹ رکھی ہوئی تھی' زبیر شاہ نے وہ

پلٹ نکال کر سینٹرل ٹیبل پر رکھ دی تو شازیہ مسکرا دی۔

''یہ کیا...... یہ رولیٹ پلیٹ کس لیے لائی گئی ہے' کیا جوا کھلنا ہے۔'' زبیر شاہ مسکرادی' پھر بولا۔

''ہاں جوا ہی کھیلنا ہے۔''

''اوہو...... جو کچھ تبدیلی بھی کی گئی ہے اس میں۔'' شازیہ رولیٹ مشین پر جھک گئی' مشین کے پانچ متوازن حصوں میں پانچ نام لکھ کر چپکا دیے گئے تھے۔ شازیہ دلچسپی سے ان ناموں کو دیکھنے لگی' پھر بولی۔

''اب کچھ سمجھا بھی دیں اس سلسلے میں جناب عالی۔''

''رولیٹ مشین چلاؤ۔'' زبیر شاہ نے سرد لہجے میں کہا اور شازیہ نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ کر مشین کا بٹن دبا دیا۔ سفید بال گردش کرنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک نمبر پر رک گیا۔

''دربارہ۔'' زبیر شاہ نے دونوں ہاتھ سیدھے کر دیے تو شازیہ بولی۔

''جناب یہ پانچوں نام۔''

''شازیہ میں نے تمہیں کنڈالی کے مکمل واقعات بتائے تھے۔ یہ بھی بتایا تھا کہ جگو راجہ کے پیچھے میں صرف نوشابہ کے قاتل کی تلاش میں گیا تھا۔ اور اس کا تعاقب کرتے ہوئے مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک انتہائی وحشی صفت آدمی ہے اور زندگی اور موت سے اسے کوئی دلچسپی نہیں' وہاں جا کر میں نے جگو راجہ کے گرد جال بنا لیکن اس کے بعد وہاں جو کچھ میرے علم میں آیا' شازیہ اس کے بارے میں' میں نے جو کچھ سوچا کہ یہ تو بڑا عجیب سلسلہ ہے' بات ایک نوشابہ کے قتل کی نہیں ہے۔ وہ بے چاری تو اپنی مشکلات کے جال میں پھنس کر ان لوگوں کی گرفت میں آ گئی تھی اور اس کے بعد جب اسے یہ احساس ہوا کہ یہ تو جرم کا ایک ایسا سلسلہ ہے جو زندگی کے آخری سانس تک ختم نہیں ہو گا تو اس نے ان کے چنگل سے نکلنے کی کوشش کی اور انہوں نے اسے ہلاک کر دیا' ہم نے جگو راجہ کو ایک لڑکی کے قتل کا مجرم سمجھ لیا لیکن جب ہمیں اس کا پس منظر معلوم ہوا' شازیہ تو بہت ہی خطرناک بات تھی۔

تم مجھے بتاؤ' جواب دو مجھے شازیہ قانونی طور پر منشیات فروشی جرم ہے' اس کا استعمال جرم ہے' کیونکہ وہ انسانوں کو ہلاکت دیتی ہے اور یہ ایک سچ ہے کہ وطن کے نوجوان اس کا شکار ہو کر بھلا وطن کے لیے کچھ کر پائیں گے۔ وہ تو وطن کی پیشانی کا ناسور بنتے جا رہے ہیں۔ بین الاقوامی طور پر ہمارے ملک کو منشیات کا سوداگر قرار دے دیا گیا ہے۔ کیا یہ ایک بدنما داغ نہیں ہے۔ ہمارے اس پیارے وطن کی پیشانی پر' شازیہ یہ بھی تو جرم ہے اور یہ جرم کرنے والے وہ ناقابل تسخیر لوگ ہیں جن کی زبردست پشت پناہی ہے' تو ایک جگو راجہ جس نے نوشابہ کو قتل کیا۔ جتنا خطرناک مجرم ہے اس سے زیادہ خطرناک تو یہ لوگ ہیں جو منشیات کا کاروبار کر رہے ہیں' تم مجھے بتاؤ کیا انہیں اس طرح گرفتار کر کے موت دلوانا ہمارا فرض نہیں ہے۔''

''ہے۔''

''لیکن انہوں نے اپنے گرد مضبوط حصار قائم کر رکھے ہیں' شازیہ ہم تو ہر طرح کے حصار توڑ کر ہی مجرموں کو ان کے خول سے نکال کر باہر لاتے ہیں' پھر ان لوگوں کے حصار کو نا قابل تسخیر کیوں سمجھ لیا جائے۔''

''یہ کون لوگ ہیں۔۔'' شازیہ نے اب تفصیل سے پانچوں نام پڑھتے ہوئے کہا۔

''یہ وہ لوگ ہیں جو کہ اس گینگ کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔''

''اوہ......شازیہ آہستہ سے بولی۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا نا'' کہ جگو راجہ سے دو دو ہاتھ کرتے ہوئے اتفاقیہ طور پر میرے ہاتھ وہ رجسٹر لگ گیا جس میں جگو راجہ اپنے حساب کتاب رکھا کرتا تھا اور اس رجسٹر سے مجھے بڑی مدد ملی ہے اور یہ نام میرے علم میں آئے جو اس سنڈیکٹ کی پشت پناہی کرتے ہیں اور بین الاقوامی اسمگلروں کے ہمراہ مصروف عمل میں ان کے آلہ کار ہیں۔ اربوں روپوں کی دولت انہوں نے بیرون ملک جمع کر رکھی ہے اور انہیں ہر طرح کا تحفظ حاصل ہے۔ شازیہ یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں' مگر مجھے بتاؤ کیا یہ سب کچھ ہونے کے باوجود جبکہ ہمارے علم میں ہے کہ یہ لوگ مجرم ہیں تو کیا میں انہیں چھوڑ دوں۔''

شازیہ نے گردن جھکائی' کچھ دیر سوچتی رہی' پھر بولی۔

''نیاز بیگ صاحب کیا کہتے ہیں۔''

''بہت اچھے انسان ہیں' وہ سب کچھ کرنے کے لیے تاب ہیں' لیکن شازیہ ہر شخص کے پاؤں میں زنجیریں پڑی ہوئی ہیں۔ ان سے بچ بچ کر اگر گزرا جا سکتا ہے تو ٹھیک ہے' لیکن جہاں بھی پاؤں کسی حلقے میں آیا انسان گرفت میں آ جاتا ہے' بے چارے نیاز بیگ صاحب بھی بہت سی ایسی ہی نادیدہ زنجیروں کی گرفت میں ہیں۔''

''بات ہوئی تھی ان سے۔''

''ہاں۔''

''کیا کہتے ہیں۔؟''

''بے بسی کا اظہار کرتے ہیں۔''

''نیاز بیگ صاحب۔؟''

''ان ہی کی بات کر رہا ہوں۔''

''حالانکہ وہ تو بہت مرد میدان ہیں۔''

''مانتا ہوں' مگر کہیں نہ کہیں مجبوریاں آڑے آ ہی جاتی ہیں۔''

''تو پھر تم نے کیا فیصلہ کیا۔''

''شازیہ ابھی تھوڑا سا انتظار کر رہا ہوں' نیاز بیگ صاحب نے بھی مجھ سے وقت مانگا ہے۔ لیکن یہ دیکھو اس کو کیا کروں' یہ جو دل میں ناسور ڈال دیتا ہے۔'' زبیر شاہ نے جیب سے ایک اخبار نکالا اور اسے کھول کر شازیہ کے سامنے رکھ دیا۔ شازیہ اخبار پر جھک گئی تھی۔

''کون سی خبر کی جانب اشارہ ہے۔''

''یہ دیکھو، یہ دیکھو، یہ دیکھو۔'' زبیر شاہ نے ایک سرخی اور ایک تصویر پر جوش انداز میں انگلی مارتے ہوئے کہا اور شازیہ اس پر جھک گئی۔ یہ ایک سماجی کارکن سوشل ورکرز شہر کے بہت بڑے آدمی کے بارے میں پریس کوریج تھی۔ تصویر چھپی ہوئی تھی۔ اس کی اور اس کے خاندان کی۔ اس شخص نے منشیات کے خلاف علم جہاد بلند کر رکھا تھا اور بڑے پُر جوش انداز میں اس بات کا اظہار کیا تھا کہ منشیات کی لعنت ملک سے ختم ہونی چاہیے۔ اس نے سرکاری ہسپتال میں پینتالیس لاکھ روپے کی زبردست رقم سے منشیات کے خلاف علاج کا ایک شعبہ تعمیر کرایا تھا اور اسی کے افتتاح کی تفصیلات موجود تھیں۔ نا صرف یہ بلکہ اس نے پچیس لاکھ روپے سالانہ اس ہسپتال کو ادویات وغیرہ کے سلسلے میں دینے کا وعدہ کیا تھا اور اخبارات نے اسے محبِ وطن اور محبِ قوم قرار دے کر اس کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے تھے' شازیہ نے پوری خبر پڑھی' پھر ایک دم چونک پڑی۔

''اس نے رولیٹ مشین کی طرف دیکھا۔ رولیٹ مشین پر چسپاں کاغذوں پر ہاتھوں سے جو نام لکھے ہوئے تھے ان میں سکندر زمان کا نام بھی تھا۔ شازیہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ اس نے سوالیہ نگاہوں سے زبیر شاہ کی جانب دیکھا۔ زبیر شاہ نے کربناک لہجے میں کہا۔

''ہاں...... شازیہ سینڈیکیٹ میں یہ شخص بھی شامل ہے۔ میرے خدا ایک طرف یہ منشیات کے خلاف اتنے زبردست بیانات دے رہا ہے اور دوسری طرف۔''

''یہ ہی...... یہ ہی تو سب کچھ ہے' شازیہ۔ یہ لوگ کاروبار کر رہے ہیں۔ پچیس لاکھ روپے کی رقم سے ایک شعبہ تعمیر کرانا' پچیس لاکھ روپے سالانہ اس ادارے کو دینا اور اس کے پس منظر میں کروڑوں کمانا۔ بتاؤ سودا برابر ہے۔ اپنے آپ کو چھپانے کی یہ کوشش کیا معمولی ہے۔ وہ ایک کروڑ خرچ کرتا ہے اور اس سے دس کروڑ کماتا ہے۔ کیا برا ہے شازیہ۔ کیا برا ہے' ایسی صورت میں بھلا صاحب اقتدار لوگ اس کے خلاف کوئی بات کہہ سکتے ہیں کیا۔ اس کے لیے کوئی ثبوت حاصل کر سکتے ہیں۔''

''میرے خدا یہ تو واقعی بہت خوفناک بات ہے۔ لیکن تمہیں یقین ہے' زبیر شاہ کہ رجسٹر میں جو نام اس حیثیت سے درج ہیں۔''

''بس شازیہ بس۔ بات مت کرو اس سلسلے میں۔ بات مت کرو' میرا خون کھول رہا ہے۔''

''زبیر شاہ نے کہا' اسی وقت گل خان چائے کا سامان لے کر اندر داخل ہوا تھا۔ شازیہ نے گل خان کے جانے کے بعد چائے بنائی اور پیالی زبیر شاہ کے سامنے رکھتی ہوئی بولی۔

''اپنے ذہن کو پُر سکون کرو زبیر شاہ' ظاہر ہے یہ بے سکونی یا انتشار تعمیری سوچ کو جنم نہیں دے سکتا۔ ہمیں غور کرنا پڑے گا۔ بہت

غور کرنا پڑے گا۔"

"میں نے غور کرلیا ہے شازیہ..... ٹھیک ہے' نیاز بیگ صاحب قانون کو ان لوگوں کے مقابلے میں بے بس پاتے ہیں۔ میں ان کی بے بسی کو تسلیم کرتا ہوں۔ میں' میں قبول کرتا ہوں اسے' لیکن لیپوآن...... لیپوآن کی تو تشکیل کا مقصد ہی یہ ہی تھا۔ قانون ان لوگوں کو معاف کر دے' لیکن لیپوآن کی فورس ان میں سے کسی کو معاف نہیں کرے گی۔"

"تو پھر۔"

"کام ہوگا' ان کے خلاف کام ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ نیاز بیگ کو اس سلسلے میں مجھ سے کسی شکایت کا موقع ملے۔ اس لیے کام کی رفتار میں نے سست کر دی ہے۔ تم نے جو قرعہ اندازی کی ہے اس میں سب سے پہلے سہیل رضا کا نام آتا ہے۔ ان ہی پانچ ناموں میں سے ایک اور ہمیں اپنی اس قرعہ اندازی کے نتیجے میں سب سے پہلے سہیل رضا پر توجہ دینا ہوگی۔" شازیہ خاموشی سے زبیر شاہ کی صورت دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے تھے۔ زبیر شاہ خاموشی سے چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا رہا۔ پھر اپنی پیالی خالی کرنے کے بعد بولا۔

"شازیہ مجھے اور چائے دو۔" شازیہ مستعدی سے اس کے لیے چائے کا دوسرا کپ بنانے لگی' پھر نرم لہجے میں بولی۔

"زبیر شاہ اپنے ذہن کو انتشار کا شکار مت کرو' ہم تو آج تک یہ ہی کرتے آئے ہیں' اپنا فرض تو ہمیں ہر حالت میں پورا کرنا ہی ہو گا۔ یہ صرف نوکری نہیں بلکہ وطن کا قرض ہے۔ قانون بے شک اپنی جگہ بہت بڑی حیثیت رکھتا ہے اور ایک قانونی آدمی کو قانون کو پاسداری کرنا ہوتی ہے لیکن بہر حال وطن کے زخمی وجود کو کبھی کبھی قانون کا مرہم نہ ملنے کی وجہ سے اپنے طور پر بھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ پتا نہیں یہ جائز ہے یا ناجائز' لیکن ہم یہ کرتے رہے ہیں اور اب بھی کریں گے' لیکن دیکھو خود کو سنبھال کر نیاز بیگ صاحب اگر کسی سلسلے میں بے بسی کا اظہار کرتے ہیں تو اس کا کوئی مطلب ہے۔ ایسی ہی وجوہات ہیں اس کی جہاں وہ بھی اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں۔

"ہاں...... شازیہ میں جانتا ہوں۔ خیر تم ٹھیک کہتی ہو۔ جذبات اپنی جگہ' لیکن عقل و دانش کے بغیر اندھی خودکشی نہیں کی جا سکتی۔ شازیہ یہ نام ہمارے سامنے آیا ہے۔ سہیل رضا کے بارے میں مجھے اچھی طرح علم ہے۔ اس دوران یہ بھی کرتا رہا ہوں۔ ان پونچوں ناموں کو جو مجھے حاصل ہوئے ہیں۔ میں نے بہتر طور پر رپورٹیں حاصل کرتا رہا ہوں۔ سہیل رضا ایک بہت بڑی فرم کا مالک ہے۔ اس کی تین فیکٹریاں کام کر رہی ہیں اور وہ مختلف اشیاء ایکسپورٹ کرتا ہے اور بڑے ایکسپورٹروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس فرم میں بہت بڑا اسٹاف ہے اور ضرورتیں نکلتی رہتی ہیں۔ تمہاری ایک ذمہ داری لگانا چاہتا ہوں شازیہ۔"

"ہاں...... کہو۔"

"کچھ وقت کے لیے تمہیں بالکل روپوش رہ کر اس فرم میں ملازمت حاصل کرنی ہے اور ذہانت کے ساتھ سہیل رضا تک پہنچنا ہے۔ اس کے بارے میں جو تفصیلات معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ حسن پرست آدمی ہے۔ کھل کر عیاشی نہیں کرتا لیکن در پردہ حسین چہروں کا

رسیا ہے اور آسانی سے ان کی گرفت میں آجاتا ہے۔ ایک نائٹ کلب میں آتا جاتا ہے اور وہاں کی مشہور شخصیتوں میں سے ہے۔ شازیہ اگر تم اس کی سیکریٹری کی حیثیت حاصل کرلو تو میرا خیال ہے بہت کچھ معلومات حاصل کرسکتی ہو۔ ہم بے شک سست روی سے کریں گے لیکن کام جاری رہنا چاہیے۔'' شازیہ نے چائے کی پیالی ہاتھ سے رکھ دی گئی۔ عجیب سے انداز میں زبیر شاہ کو دیکھنے لگی۔ زبیر شاہ کو پہلے احساس نہیں ہوا لیکن پھر وہ فوراً شازیہ کی جانب متوجہ ہوگیا۔

''کوئی خاص بات اس سلسلے میں۔ زبیر شاہ نے سوال کیا لیکن شازیہ خاموش رہی۔ وہ خاموشی سے زبیر شاہ کو دیکھتی رہی تھی۔ زبیر شاہ کو اس کی نگاہوں کی کیفیت خاصی بدلی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ اس وقت سوچ نہیں رہی تھی بلکہ ایک عجیب سی شکایت اس کی آنکھوں میں پیدا ہوگئی تھی۔

''شازیہ کیا بات ہے کیا سوچ رہی ہو تم۔'' شازیہ اب بھی خاموش رہی تو زبیر شاہ خاموش ہوگیا۔

''سوچ رہی ہوں زبیر شاہ۔''

''کیا؟''

''یہ کہ ایک بات جب زبان سے نکل جاتی ہے تو پھر وہ بے معنی نہیں ہے۔ کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر کو مٹایا جاسکتا ہے۔ پھاڑ کر پھینکا جاسکتا ہے لیکن زبان سے جو بات نکل کر کانوں تک پہنچتی ہے اسے کانوں سے نکال کر مٹایا نہیں جاسکتا۔''

''بات سمجھ میں آئی شازیہ۔'' زبیر شاہ نے کہا۔

''ایک سوال کرنا چاہتی ہوں زبیر شاہ۔''

''ہاں بولو۔''

''کیا تم مجھے بھی رولیٹ مشین سمجھتے ہو۔''

''کیا۔'' زبیر شاہ چونک کر بولا۔

''ہاں مجھے بتاؤ کہ ایک چھوٹا سا عمل کرنے کے لیے تم نے ایک رولیٹ مشین خریدی اور بات میں دلچسپی پیدا کردی۔ میں کیا ہوں زبیر شاہ۔''

''شازیہ کیا کہنا چاہتی ہو پلیز۔''

''دیکھو زبیر شاہ مجبور ہوں کچھ کہنے پر اور پہلے سے معافی مانگ رہی ہوں۔ اگر تم مجھ سے ناراض ہوگئے مجھ سے کنارہ کشی اختیار کرلی تم نے تو ٹھیک ہے تم مجھے اپنے آپ سے دور کردو گے لیکن زبیر شاہ میں تم سے دور نہیں ہوں گی۔

''اس بات کو ذہن میں رکھنا۔''

''شازیہ۔ تم مجھے پریشان کررہی ہو۔''

''نہیں۔ بلکہ خود پریشان ہوگئی ہوں۔''

''وجہ۔کوئی ایسی بات کہہ دی میں نے۔''

''نہیں۔زبیر شاہ میرا ایک احساس ہے۔''

''ہاں' کہو۔''

''زبیر شاہ تم کہتے ہو وہ حسن پرست ہے اور ایک خطرناک آدمی ہے۔''

''سہیل رضا۔''

''ہاں۔اسی کی بات کر رہی ہوں۔''

''ہاں...... یہ حقیقت ہے۔''

''اور تم مجھے اس حد تک پہنچانا چاہتے ہو۔''

''وہ شازیہ میں اس لیے کہ......۔''

''نہیں۔ مجھے اعتراض نہیں ہے اس پر۔ زبیر شاہ میں بہر حال اس پائے کی عورت نہیں ہوں۔ جس کا تم نے مجھے سمجھ لیا ہے بے شک تمہاری محبت میں دلیر ہوگئی ہوں۔ تھوڑا سا کام بھی کر لیا کرتی ہوں۔ خطرے مول لینا بھی آ گیا ہے لیکن اس کے باوجود میں عورت ہوں زبیر شاہ۔ اس قدر طاقت ور نہیں ہوں کہ ہر شخص کا مقابلہ کرسکوں۔''

''زبیر شاہ تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شازیہ نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد پھر کہا۔

''خدانخواستہ فرض کرو کہ اگر کہیں میری قوتیں میرا ساتھ نہیں دے سکیں اور میں کسی کی وحشت کی بھینٹ چڑھ گئی تو زبیر شاہ اس کے بعد میرا کیا ہوگا۔'' زبیر شاہ کے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا' اس نے کہا۔

''نہیں......شازیہ یہ میرا مقصد نہیں ہے۔''

''پھر کیا مقصد ہے۔؟''

''میں بالکل یہ نہیں چاہوں گا کہ تمہیں کوئی ذہنی یا جسمانی نقصان پہنچے۔''

''لیکن اس کے امکانات تو ہیں نا زبیر شاہ۔ میں اعتراف کر رہی ہوں زبیر شاہ کہ میں اس قدر طاقت ور نہیں ہوں کہ ہر شخص کا مقابلہ کرسکوں۔''

''میں جانتا ہوں۔''

''اس کے علاوہ زبیر شاہ مشرق میرے خون میں شامل ہے۔ پاکیزگی بھی میری فطرت کا ایک حصہ ہے۔ کیا تم اس بات کو تسلیم نہیں کرو گے۔''

''دل وجان سے شازیہ' کیوں نہیں۔''

''اگر خدانخواستہ میری پاکیزگی داغ دار ہوگئی۔ خدانخواستہ اگر میں کسی حملہ آور بھیڑیے سے مدافعت نہ کرسکی اور اس کے پنجے میں آگئی تو کیا اس کے بعد' زبیر شاہ میرے پاس اپنی کوئی سوچ رہے گی۔ کیا میں اس تصور کو دوبارہ اپنے دل میں زندہ رکھ سکوں گی جو تمہارے لیے میرے دل میں ہے۔''

''مم......مم......میرے لیے۔''

''ہاں......زبیر شاہ ایک عورت کو نگاہوں کو سامنے رکھ کر سوچو۔'' زبیر شاہ غور کرنے لگا پھر بولا۔

''میں سمجھ رہا ہوں شازیہ' میں سمجھ رہا ہوں۔''

''زبیر شاہ میں ایک بار پھر مشرق کا حوالہ دوں گی' خدانخواستہ اگر میں کسی درندے کی بھینٹ چڑھ گئی تو تم اطمینان رکھو میں خودکشی نہیں کروں گی۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلوں گی۔ میں کسی ایسے وجود کو لے کر زندہ نہیں رہوں گی جو داغ دار ہو۔''

''شازیہ......شازیہ......شازیہ......کیوں پریشان کررہی ہو مجھے۔''

''معافی چاہتی ہوں' زبیر شاہ اگر پریشان ہورہے ہو تو دل سے معافی چاہتی ہوں لیکن جو کچھ میں نے کہا۔ وہ ایک سچ ہے۔ تم پیشہ ورانہ طور پر یا ملی جذبات سے متاثر ہوکر میرے لیے ایک راہ منتخب کررہے ہو۔ اس راہ میں اگر مجھے موت آگئی تو مجھے غلط نہ سمجھنا۔ زبیر شاہ کیونکہ ایک مردہ جسم لے کر دوبارہ تمہارے پاس نہیں آؤں گی اور اس سلسلے میں اس سے زیادہ کوئی جذباتی بات کہوں گی بھی نہیں۔''

''زبیر شاہ سوچنے لگا' بہت دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ٹھیک ہے۔ شازیہ تمہاری بات میں نے سنی ہے کیا تم مجھے اس پر غور کرنے کا موقع دوگی۔''

''غور۔؟''

''ہاں۔ شازیہ میں نے ایک پیش کش کی تھی تمہیں کہ تم اس طرح کی قربت حاصل کرو اور یہ قربت تمہیں بہرحال حاصل کرنی ہے۔ یہ میری ضرورت ہے لیکن تمہاری بھی ایک ضرورت ہے۔ شازیہ تم سچ کہہ رہی ہو۔ واقعی تم سچ کہہ رہی ہو۔ ٹھیک ہے شازیہ ہم اس سلسلے میں بعد میں کوئی مناسب گفتگو کرلیں گے۔''

''میں جانتی ہوں' تمہیں میری بات پسند نہیں آئی۔'' زبیر شاہ ہنسنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

''عملے کی ڈیوٹی تبدیل ہوئی تھی۔ مختلف بلاک پر مختلف سپاہیوں نے جا کر اپنی اپنی ڈیوٹیاں سنبھالی تھیں اور رات کی ڈیوٹی دینے والے سپاہیوں کو فارغ کیا تھا۔ بلاک نمبر 16 میں بھی ڈیوٹی تبدیل کردی گئی تھی اور دو پہرے دار وہاں متعین کیے گئے' جن میں سے ایک کا نام رؤف اور دوسرے کا نام زمرد خان تھا۔ سورج آہستہ آہستہ طلوع ہوتا جارہا تھا اور روشنی پھیل گئی تھی۔ قیدیوں کے جاگنے کا وقت ہو گیا تھا۔ بلاک نمبر 16 میں گیلری میں گشت کرتے ہوئے رؤف اور زمرد خان نے کوٹھڑیوں کے سامنے سے گزرنا شروع کردیا۔ انہوں نے

قیدیوں کی گنتی کر لی تھی اور ان کا چارج لے لیا تھا اور اس کے بعد وہ اپنی رائفلیں سنبھالے راہ داری میں دونوں طرف جھانکتے ہوئے گزرتے رہے تھے۔ راہ داری کے آخری سرے پر پہنچنے کے بعد دونوں رکے' زمرد خان نے کہا۔

''کیا زندگی ہے یار' ان لوگوں کی بھی جرم کرتے ہیں اور دنیا سے الگ ہو جاتے ہیں۔''

''ہاں......بس انسان عجیب وغریب جانور ہے۔''

''دیکھو کیا مزے کی نیند سو رہے ہیں۔''

رؤف نے کہا اور زمرد خان اپنے داہنے ہاتھ کی کوٹھڑی پر نظر ڈالنے لگا۔ یہاں دو قیدی بند تھے لیکن وہ کچھ اس انداز میں سو رہے تھے کہ انہیں ذرا سی حیرت ہوئی۔ زمرد خان نے رؤف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''یار......رؤف۔''

''کیسی مست نیند سو رہے ہیں یہ' انہیں اتنی گہری نیند کیسے آ جاتی ہے۔''

''بس آ جاتی ہے۔''

''دیکھو تو کمبل کہاں بچھا ہوا ہے' اور خود کہاں پڑے ہوئے ہیں اور کیسے پڑے ہوئے ہیں۔'' زمرد خان ہنس دیا لیکن رؤف کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہونے لگی تھی۔ اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

''زمرد خان۔''

''ہاں۔''

''ادھر دیکھو۔'' زمرد خان نے گردن گھمائی اور دوسری طرف بنی ہوئی کوٹھڑی میں جھانکا۔ وہاں بھی تین قیدی اسی طرح مڑے تڑے پڑے ہوئے تھے۔

''یہ سب کو ایک ہی طرح سے نیند کیوں آ گئی آج۔''

''ذرا آگے چلو۔'' پھر دوسری کوٹھڑی میں دیکھا تو وہاں بھی دو قیدی دیوار سے لگے ہوئے ایک دوسرے کے اوپر پڑے ہوئے ہیں۔ سپاہیوں کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ باقی کوٹھڑیوں کا بھی جائزہ لینے لگے اور ایک دم ان کے دل میں ایک عجیب سا احساس ہوا۔ سارے کے سارے قیدی ایک ہی انداز میں نظر آ رہے تھے اور یہ بڑے تعجب کی بات تھی۔ پھر ایک قیدی کو انہوں نے دیکھا جو سلاخوں کے بالکل قریب پڑا ہوا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے سلاخ پکڑ رکھی تھی اور اس کا چہرہ بالکل سامنے ہی تھا۔ پہلے ہلکے سے اندھیرے میں انہوں نے غور نہیں کیا تھا۔ لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد روشنی صاف ہو گئی تھی اور اب اس قیدی کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر اس کا دل دہشت سے بند ہونے لگا۔ قیدی کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے اور اس کی آنکھیں خوفناک انداز میں پھٹی ہوئی تھیں۔ رؤف کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ بولا۔

''زمرد خان' کوئی حادثہ ہوا ہے' کوئی بہت بڑا حادثہ ہوا ہے۔''

''یہ...... یہ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہے ہیں۔''

''اور وہ دوسرے۔'' انہیں ایک دم احساس ہو گیا کہ وہ سب بہت ہی برے انداز میں پڑے ہوئے ہیں اور دوسرے لمحے انہوں نے سیٹی بجانا شروع کر دی۔ ان کی سیٹیوں کی آواز سے قرب وجوار کے علاقوں میں بھی سنسنی دوڑ گئی۔ پھر زمرد خان بھاگتا ہوا دروازے پر پہنچا اور چند سپاہی رائفلیں سیدھی کیے ہوئے اسی طرف آرہے تھے۔

''کیا ہوا' کیا ہو گیا۔'' انہوں نے پوچھا۔

''کیا قیدی بھاگ گئے۔'' دوسرے سپاہی نے سوال کیا۔

''نہیں جلدی سے ایس آئی صاحب کو بلاؤ' جلدی سے۔'' ایک سپاہی ایس آئی صاحب کو بلانے دوڑ گیا۔ دوسرے رؤف اور زمرد خان سے صورت حال معلوم کرنے لگے۔

''نہیں۔ کوئی قیدی نہیں بھاگا ہے' لیکن قیدیوں کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔ ساری کوٹھڑیوں میں قیدی بری طرح حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ دو چار کے منہ سے جھاگ نکل رہی ہے۔''

''کیا۔؟۔

''ہاں...... آؤ...... دیکھو۔'' اور سپاہی اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے قید خانے کی سلاخوں پر ڈنڈے بجائے' قیدیوں کو چیخ چیخ کر آوازیں دی۔ خاصا شور وغل مچ گیا تھا اور چاروں طرف سنسنی پھیل گئی تھی۔ جہاں جس کی ڈیوٹی تھی وہ رائفل لے کر مستعد ہو گیا تھا' کیونکہ ابھی صورت حال کا کسی کو علم نہیں تھا۔ پھر ایس آئی بھی سادہ لباس میں دوڑا چلا آیا تھا اور صورت حال معلوم کرنے لگا تھا۔ جب اسے تفصیل معلوم ہوئی تو وہ اندر بلاک میں داخل ہو گیا اور پھر اس نے بھی سلاخوں کے باہر ہی سے قیدیوں کو دیکھا اور خوف زدہ لہجے میں بولا۔

''میرے خدا مجھے تو یہ مردہ معلوم ہو رہے ہیں۔''

''کتنے قیدی ہیں اس بلاک میں۔''

''چوبیس قیدی ہیں اس بلاک میں۔''

''''چوبیس۔'' زمرد خان نے جواب دیا۔'

''تم نے ساری کوٹھڑیوں کا جائزہ لے لیا۔''

''ایک' ایک کا صاحب' سب اسی حالت میں پڑے نظر آرہے ہیں۔''

''اوہ میرے خدا میں جیلر صاحب کو اطلاع دیتا ہوں۔'' جیلر کو بھی سوتے ہوئے ہی جگایا گیا تھا اور وہ بے چارے پاگلوں کی طرح دوڑتا چلا آیا تھا۔ پھر اس کے اشارے پر احتیاط کے ساتھ ایک کوٹھری کا دروازہ کھولا گیا اور جیلر اندر داخل ہو گیا۔ لوہے کے جنگلے کے ساتھ پڑے ہوئے قیدی کا معائنہ کیا گیا۔ اس کا بدن سرد تھا اور اکڑ چکا تھا۔ آنکھیں وحشت ناک انداز میں پھٹی ہوئی تھیں۔ منہ سے

جھانک ابل رہا تھا۔ باقی اس کوٹھری میں دو قیدی پڑے ہوئے تھے ان کی حالت بھی مختلف نہیں تھی۔ ان کے چہروں پر نیلاہٹیں دوڑ گئی تھیں۔

''مر گئے...... مر گئے۔'' جیلر خوف زدہ انداز میں بڑبڑایا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ معمولی حادثہ نہیں ہے' یہ حادثہ تو زندگی اور موت کے مترادف ہے۔ کیونکہ قیدیوں کی ذمہ داری بہر حال جیلر پر ہوتی ہے۔ جیلر پاگلوں کی طرح وہاں سے باہر نکلا اور دوڑتا ہوا ایس پی آفس کی طرف جانے لگا۔ پوری جیل میں ہنگامہ ہو گیا تھا۔ زمرد اور رؤف کو باہر نکال لیا گیا تھا اور بلاک سولہ کا پوری طرح محاصرہ کر لیا گیا تھا۔ اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ چوبیس قیدیوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جو زندہ بچ گیا ہو۔ سپرنٹنڈنٹ نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

''اور یہ سب زہر کا شکار ہوئے ہیں۔ ان کے انداز سے یہ ہی پتا چلتا ہے۔''

''صاحب اب کیا' کیا جائے' کتے کی موت مارے جائیں گے ہم سب۔'' سپرنٹنڈنٹ جیلر کے سوال پر کہا۔

''مگر صاحب یہ...... یہ۔''

''تم یہ...... یہ کر رہے ہو۔ میں اعلیٰ حکام کو اطلاع دیتا ہوں۔ لگتا ہے کہ کوئی بہت بڑا گناہ ہو گیا ہم سے اس واقعہ کے نتیجے میں ہماری نوکریاں تو جائیں گی ہی لیکن بات شاید نوکریوں تک ہی نہیں رہے گی' اس سے آگے بھی بہت کچھ ہوگا۔''

سپرنٹنڈنٹ کے الفاظ جیلر کو لرزا رہے تھے لیکن بات غلط بھی نہیں تھی۔ چوبیس قیدیوں کی موت کوئی معمولی واقعہ نہیں اور آسانی سے نہیں ٹالی جا سکتی۔ بہر حال کارروائیاں ہونے لگیں۔ جیل میں خطرے کا سائرن بج چکا تھا اور قیدیوں کو ان کے علاقے میں محصور رکھا گیا تھا۔ کسی ایک کو باہر نہیں نکالا گیا تھا۔ جب تک کہ اس واقعے کی تحقیقات نہ ہو جائیں۔ ایک عجیب ہی فضا قائم ہو گئی تھی۔ ہسپتال کو فون کیا گیا۔ یہاں کے ہسپتال سے کام نہیں چل سکتا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد ساری صورت حال اعلیٰ حکام کے علم میں آ گئی اور قیدیوں کی لاشوں کو ہسپتال منتقل کیا جانے لگا۔ سول ہسپتال میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا تھا اور تمام ڈاکٹروں کو طلب کر لیا گیا تھا۔ چوبیس قیدیوں کا معائنہ کیا گیا لیکن ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچا تھا۔

ڈاکٹر نے رپورٹ دی کہ ان کی موت کو دس سے بارہ گھنٹے گزر چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی کچھ زیادہ وقت لگا ہو اور ان کے جسموں میں انتہائی مہلک زہر پایا گیا ہے۔ پھر اس سلسلے میں تحقیقات کا آغاز ہوا اور یہ صورت حال معلوم کی جانے لگی کہ قیدیوں کو زہر کس نے دیا۔ بات جیل کے ٹھیکے داروں تک پہنچی جو قیدیوں کو کھانا سپلائی کرتا تھا۔

ایک بہت بڑی جگہ باورچی خانہ بنا ہوا تھا اور ٹھیکے دار نے وہیں پر سارے انتظامات کیے ہوئے تھے۔ جو لوگ کھانا پکاتے تھے وہ جیل کے اس حصے میں رہا کرتے تھے۔ اعلیٰ حکام کی ہدایات پر ان سب کو حراست میں لے لیا گیا۔ البتہ سہیل رضا ٹھیکے دار باہر رہتا تھا لیکن پولیس اس کے گھر بھی پہنچ گئی اور اس کے گھر کا گھیراؤ کر کے سہیل رضا کو فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ ایک عجیب کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اخبارات سے ابھی بچاؤ کے انتظامات کیے گئے تھے اور اس صورت حال کے لیے ہسپتال کے ڈاکٹروں کو ہدایات کر دی گئی تھی کہ ایک لفظ بھی کسی اخباری رپورٹر کو نہ بتائیں۔ جب تک تحقیقات نہ ہو جائیں۔ وزیر جیل خانہ اور دوسرے تمام ذمے دار ارکان جیل پہنچ

گئے تھے اور اس سلسلے میں تحقیقات کی جا رہی تھیں۔ باورچی خانے کا بھی جائزہ لیا گیا اور پھر کھانا پکانے کی ایک دیگ میں رات کے بچے ہوئے سالن میں ایک مردہ سانپ پایا گیا۔

یہ سانپ کھانے میں پڑا ہوا تھا۔ اس کھانے کو فوراً لیبارٹری بھجوا دیا گیا اور اس کا وہاں ایمرجنسی میں تجزیہ کرایا گیا لیکن تجزیہ کرنے والوں نے یہ بات بھی بتائی تھی کہ یہ سانپ اس قدر زہریلا نہیں ہے۔ جس سے چوبیس آدمی آن کی آن میں ہلاک ہو جائیں۔ بلکہ سانپ کے زہر کے علاوہ کھانے میں ایک اور زہر بھی پایا گیا ہے۔ جس سے صحیح صورت حال کا اندازہ نہیں ہو رہا ہے' سہیل رضا سے سختی سے اس سلسلے میں جواب دینے کو کہا گیا۔

''صاحب پہلی بات تو یہ کہ کھانا پکانے والے میرے پرانے آدمی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر کھانے میں سانپ چلا گیا تو اس میں میرا کیا قصور' کہیں نہ کہیں سے سانپ آ گیا ہوگا۔ کیا ان لوگوں کو سزائے موت دے دیں جنہوں نے کھانا پکایا ہے۔ تحقیقات کر لیجئے۔ صاحب کہ وہ دیگ کس نے پکائی۔ ظاہر ہے جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا گیا ہوگا۔ سہیل رضا ٹھیکے دار کو حراست میں لے لیا گیا۔ اس کے علاوہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو معطل کر دیا گیا اور جیلر کو اور دوسرے چند افراد کو باقاعدہ ان لوگوں کی موت کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا' یہ سب وہ لوگ تھے جن کا واقعے سے کوئی گہرا تعلق نہیں تھا لیکن ذمہ داری بہرحال ذمہ داری ہوتی ہے اور اس کی جواب دہی انہیں کرنی ہوتی ہے۔ پھر سارا دن کی کارروائیوں کے بعد رات کو پریس رپورٹروں کو اس سلسلے میں تفصیل بتا دی گئی تھی۔''

''لیکن اس دوسرے زہر کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا تھا۔ جو دیگ میں پایا گیا تھا۔ ساری تفصیل یہ ہی تھی کہ جس دیگ کا کھانا زہر آلود تھا۔ وہی بیرک نمبر 16 کو سپلائی کی گئی تھی اور اس کا شکار وہ تمام قیدی ہو گئے جو اس بلاک میں قید تھے۔

شازیہ نے اس خوفناک حادثے کی اطلاع زبیر شاہ کو دی تھی اور زبیر شاہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''تم میرے پاس آ جاؤ' کوئی مشکل ہے تو مجھے بتاؤ میں آ جاتا ہوں۔''

''نہیں۔ میں آ رہی ہوں۔'' اور کچھ دیر کے بعد شازیہ زبیر شاہ کے پاس پہنچ گئی۔ اس دوران زبیر شاہ نے اخبارات منگوا لیے تھے۔ کافی سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اخبار کی خبر اس کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ سینٹرل جیل میں چوبیس قیدی ہلاک ہو گئے۔ یہ قیدی زہر خورانی کا شکار ہوئے تھے۔ کھانے کے برتن میں کہیں سے سانپ جا پڑا تھا۔

''کیا جیل کے باورچی خانے میں اس قدر گندگی ہے شازیہ۔''

''یہ سوال آپ مجھ سے کر رہے ہیں شاہ صاحب' ہلاک ہونے والوں کے نام بھی پڑھ لیے ہوں گے آپ نے۔''

''ہاں...... اور ان میں جگو راجہ کا نام بھی ہے اور اس کے دونوں ساتھیوں کا نام بھی۔'' آخر کار اس نے گردن اٹھا کر شازیہ کو دیکھا اور بولا۔ ''یہ ہونا تھا' شازیہ شازیہ آخر کار یہ ہونا تھا۔''

''کیا کہتے ہو اس بارے میں۔''

''قاتل جگو راجہ کے ساتھ اکیس اور افراد قتل کر دیے گئے اور یہ تو لازمی بات ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ کار ان کی سمجھ میں نہیں آسکا ہوگا لیکن کیا کر سکتے ہیں شازیہ۔ ہم نے تو اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب جیل میں ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کی نگرانی تو نہیں کی جا سکتی تھی۔''

''مجھے صرف ان بے گناہوں کا دکھ ہے جو جگو راجہ کی وجہ سے موت کا شکار ہوئے۔''

''میں نے کہا نا شازیہ ہر کام ہی ہمارا تو نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس بات کی نشان دہی میں نے نیاز بیگ صاحب کو کر دی تھی اور وہ بے چارے بھی کیا کریں یہ تو اس وقت کے پورے معاشرے کی الجھن ہے۔''

''بڑی سنگین صورت حال ہے' جیل کے عملے کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔''

''ہاں...... بعد میں کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ ایک منٹ......'' زبیر شاہ نے کہا اور پھر وہ براہ راست نیاز بیگ صاحب کو فون کرنے لگا۔ اصل میں یہ تمام معاملات لیمپو آن نے تقسیم کر دیے تھے اور اسی کی ہدایات تھیں کہ چونکہ ان لوگوں کا تعلق براہ راست اب اعلیٰ محکموں سے ہو چکا ہے۔ اس لیے ضروری امور میں وہ ان ہی سے رابطہ قائم کریں۔ نیاز بیگ صاحب شاید زبیر شاہ کے فون کا انتظار کر رہے تھے' کہنے لگے۔

''تم میرے پاس آجاؤ۔''

''ٹھیک ہے' میں پہنچ رہا ہوں سر!'' شازیہ سے رخصت ہو کر جب نیاز بیگ کے پاس پہنچا تو نیاز بیگ بھی کافی جذباتی نظر آرہے تھے۔ انہوں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''دیکھ لیا تم نے۔''

''جی سر! میں نے جگو راجہ کو جس طرح گرفتار کیا تھا۔ نہ وہ میرے فرائض پر احسان ہے' نہ میری ذمے داری پر۔ مجھے یہ سب کچھ کرنا تھا۔ البتہ جب انسان پوری محنت سے کوئی کام کرتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی محنت پر پانی نہ پھر جائے۔ دکھ تو مجھے یہ ہے کہ جگو راجہ کے ساتھ مزید بہت سے افراد قتل ہو گئے۔ حکام بالا نے یہی مناسب سمجھا ہوگا سر! میری محنت پر تو پانی پھر گیا۔ جگو راجہ سے آپ کیا معلوم کرنا چاہتے تھے۔ وہ جو کچھ آپ کو بتاتا ہوں وہ تو میں آپ کو بتا چکا ہوں اور جب اس کے بیان پر کوئی ایکشن نہیں لینا تھا تو میرے خیال میں اس کی شخصیت بے کار ہو جاتی تھی۔ بڑی لاپروائی سے اسے جیل کے لاک اپ میں چھوڑ دیا گیا۔ خیر مجھے اس اکیس افراد کا سخت صدمہ ہے لیکن یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔ یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔''

''تمہارے خیال میں جگو راجہ کے قتل کے سلسلے میں یہ سب کچھ کیا گیا ہے۔''

''سر...... معافی چاہتا ہوں' معافی چاہتا ہوں' میں اب اس بارے میں مزید کچھ کہہ سکوں گا۔'' نیاز بیگ صاحب گردن ہلانے لگے تھے۔

☆......☆......☆

کائی شائی موت کے بعد لیمپو آن بجھ گیا تھا۔ جب تک کائی شائی زندہ تھی ان لوگوں کی عمروں کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ دونوں کسی

مشن کو اپناتے تو دوسروں کو حیران کر دیتے تھے لیکن اب لیمپو آن گوشہ نشین ہو گیا تھا۔

اس نے شہروز سے کہا۔ ''شہروز میں پچھلے دنوں سے بہت الجھا ہوا ہوں۔''

''مجھے اندازہ ہے۔'' شہروز نے افسردگی سے کہا۔

''آدھا انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ کارواں گروپ اتنا طاقتور ہو چکا ہے کہ اب اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے وطن کی فوج، پولیس اور انتظامیہ کے دوسرے ادارے کارواں گروپ کی پوری طرح تسلیم کر چکے ہیں۔ اور ضرورت پڑنے پر ہم سے رجوع کرتے ہیں۔ تم لوگوں کو پولیس کے اسپیشل عہدوں سے نوازا گیا ہے اور ہر طرح کی آسانیاں فراہم کی گئی ہیں۔ میں اب آرام کرنا چاہتا ہوں۔''

''ہم مصروف ہیں مسٹر لیمپو آن۔ آپ جناب ہمیں اپنے سائے میں رکھیں۔''

''ہو سکتا ہے بس کہیں چلا جاؤں گا۔''

''کہاں۔؟''

''بس آوارہ گردی کے لیے۔''

''آپ جہاں بھی جائیں ہمیں آواز دیتے رہیں۔'' شہروز نے کہا اور لیمپو آن مسکرانے لگا۔

''تم شادی نہیں کرو گے۔''

''ضروری نہیں ہے۔''

''ناہید بہت اچھی لڑکی ہے۔''

''مجھے اندازہ ہے۔''

''اس سے شادی کر لو۔''

''ابھی دل نہیں چاہتا لیکن آخر کبھی شادی ضروری سمجھی تو میں اسی سے شادی کروں گا۔'' شہروز نے کہا۔ لیمپو آن خاموش ہو گیا تھا۔

سب کچھ ٹھیک تھا۔ وزارتِ داخلہ نے انہیں پولیس کے عہدے دے دیے تھے وردی اور اسپیشل دفتر فراہم کیے تھے جنہیں وہ ضرورت کے مطابق استعمال کرتے تھے۔ خاص جرائم کی انہیں خبر دی جاتی تھی اور وہ اس کی تفتیش کرتے تھے۔ شیر جنگ کو دوہرا عہدہ دیا گیا تھا اور وہی اس خفیہ سیل کو ہینڈل کرتا تھا اور یہ سیل گرانڈ آفیسر انسپکٹر جنرل کی ماتحتی میں کام کرتا تھا۔

''شہروز ایک نوجوان کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔'' شیر جنگ نے اسے فون کیا۔

''کون ہے سر۔؟''

''ایک قاتل ہے۔''

''جی.....۔''

''یار کہاں ہو۔؟''

''آفس میں بیٹھا ہوا ہوں۔''

''اکیلے نہیں اسپیشل ڈیپارٹمنٹ کا اسٹاف موجود ہے۔''

''وہ ایک قاتل ہے۔ تفصیل وہ تمہیں خود بتائے گا۔ کیس اسپیشل نہیں ہے' لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم اور تابی اس پر کام کریں۔''

''جی بہتر ہے۔'' شہروز نے کہا اور نوجوان کا انتظار کرنے لگا جو کچھ دیر کے بعد اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس کا ایک خاص ماتحت اس کو لے کر اس کے پاس پہنچا تھا۔ باہر پولیس کے جوان موجود تھے۔

''میرا نام شاہد علی ہے۔'' اس نے کہا۔

''جی آگے بولو۔'' شہروز نے افسرانہ رویہ اپنایا تھا جو پولیس کا ہوتا ہے۔ کیونکہ انہیں وہی حیثیت مل گئی تھی۔ وردی' پولیس پٹرول کار' با قاعدہ گھر اور دیگر عملہ گھر کی ذمہ داری ایک خاص آدمی جبرو نے سنبھال رکھی تھی جو عجیب وغریب خصوصیات کا حامل تھا اس کے علاوہ شہروز نے ایک شخص کا انتخاب کیا تھا جو ایک خطرناک شخص گرج خان تھا۔ گرج خان شہروز کی ماتحتی میں کام کرتا تھا لیکن وہ خود بے حد پراسرار شخصیت کا مالک تھا۔

''سر میں نے ایک قتل کر دیا ہے۔'' نوجوان نے کہا۔

''کس کا۔؟''

''سر وہ میری بھابی ہے۔''

''لاش کہاں ہے۔''

''گھر میں پڑی ہے۔''

''کیوں قتل کیا ہے تم نے اپنی بھابی کو۔''

''سر بس انسان ہوں۔ ایک نامکمل انسان پڑھا لکھا ہوں ایک جگہ ملازمت کرتا ہوں۔''

''میرا بھائی ہسپتال میں داخل ہے اور میری بھابی بہت خوب صورت تھی۔ بس میں چونکہ غیر شادی شدہ ہوں۔ اس لیے مجھ پر شیطان سوار ہو گیا۔ میں نے عالم جنون میں اپنی بھابی پر مجرمانہ حملہ کیا اور اس نے شدید مدافعت کی۔ اس کی مدافعت سے مشتعل ہو کر میں نے اس کی گردن ماردی اور وہ ہلاک ہو گئی۔''

''پتہ لکھواؤ اپنا۔'' شہروز نے کہا اور نوجوان اپنا پتہ دہرانے لگا۔ شہروز نے گرج خان سے کہا۔

''گرج خان موبائیل تیار کرو اور اسے اپنی تحویل میں لے لو۔''

گرج خان جلدی سے کھڑا ہو گیا اور اس نے ایڑیاں بجائیں اور نوجوان سے بولا۔

''آؤ'' پھر وہ نوجوان کی کلائی پکڑ کر اسے باہر لے گیا۔ شہروز آنکھیں بھینچ کر گردن جھٹکنے لگا تھا۔ اس کے ذہن میں نوجوان کی صورت گھوم رہی تھی۔

''یہ ایک عجیب و غریب واقعہ تھا لیکن انسانی فطرت کے لاتعداد کھیل سامنے آتے ہیں۔ نوجوان اپنی جنونی فطرت پر قابو نہ پا سکا اور ایک بھیانک جرم کر بیٹھا بعد میں ضمیر نے اسے سکون نہ لینے دیا ہوگا اور وہ ضمیر کی ضربیں برداشت نہیں کر سکا۔ حالانکہ وہ چہرے سے جرائم پیشہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ شہروز نے ابھی اس سلسلے میں اس سے زیادہ سوالات بھی نہیں کیے تھے۔ بہر حال کچھ دیر کے بعد وہ باہر نکل آیا۔ موبائل تیار ہو چکی تھی' کانسٹیبلوں نے نوجوان کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں ڈال دی تھیں اور اسے موبائل کی جانب لے جا رہے تھے۔

''گرج خان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ حالانکہ موبائل کا ڈرائیو بھی موجود تھا لیکن اسے پیچھے بٹھا دیا گیا تھا۔ گرج خان اصل میں اپنی پشیمانی اور محبت کا اظہار کر دیا تھا۔ موبائل چل پڑی اور شہروز خاموشی سے گرج خان کے برابر سامنے دیکھتا رہا۔ گرج خان بھی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ شہروز نے کہا۔

''کیا کہتے ہو اس سلسلے میں گرج خان۔''

''بس صاحب! انسانی وحشت' انسانی جنون' کبھی کبھی ایسے کھیل بھی دکھا دیتا ہے۔''

شہروز ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ نوجوان نے شاید گرج خان کو مکمل پتہ بتا دیا تھا۔

چنانچہ گرج خان اطمینان سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئے۔ جو درمیانے درجے کے لوگوں کا علاقہ تھا۔ قدیم آبادی تھی۔ مخصوص طرز کے مکانات بنے ہوئے تھے۔ جو پہلے غالباً کنسٹرکشن کمپنی نے بنائے ہوں گے۔ بعد میں لوگوں نے اسے اپنی مرضی کے مطابق۔ اپنے ڈیزائن کے مطابق تیار کروا لیا تھا لیکن پھر بھی بہت سے مکانات ایسے تھے۔ جو اپنی پرانی شکل میں ہی موجود تھے اور ایسے ہی ایک مکان کے سامنے موبائل رک گئی۔ غالباً ابھی اس واقعہ کا علم پڑوس کے لوگوں کو نہیں ہوا تھا۔ ورنہ مکان کے اردگرد مجمع ہوتا۔ البتہ پولیس موبائل کا کسی محلے میں چلے جانا ہی بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ لوگ اپنے اپنے دروازوں پر کھڑی پولیس کی کاروائی دیکھ رہے تھے۔ پھر جب شاہد علی کو موبائل سے اتارا گیا تو لوگوں نے حیرانی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھی شاہد علی دروازہ باہر سے بند کر گیا تھا۔ اس نے چابی اپنی جیب سے نکال کر ایک پولیس کانسٹیبل کو پیش کی اور پولیس کانسٹیبل نے دروازہ کھول دیا۔ شہروز گرج خان اور شاہد کو لے کر اندر داخل ہو گیا۔ سپاہی دروازے پر تعینات ہو گئے تھے۔

مکان کا ماحول برا نہیں تھا۔ اسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ مالی طور پر غیر مطمئن لوگ نہیں ہیں۔ اس کمرے میں جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ اعلیٰ درجے کا فرنیچر موجود تھا۔ کمرے میں بیڈ پڑا ہوا تھا۔ جس کی چادر بری طرح شکن آلود تھی۔ ایک تکیہ بیڈ سے نیچے گرا ہوا تھا۔ دوسرا دیوار سے جا لگا تھا۔ لاش کمرے کے وسط میں قالین پر پڑی ہوئی تھی اور بلاشبہ یہ حسین اور انتہائی دلکش عورت کی لاش تھی۔ جسے قدرت کی صناعی کا نادر نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ سیاہ گھنے بال' اور حسین سفید چہرہ جواب زندگی سے محروم ہو چکا تھا۔ اب بھی نہایت دلکش نظر

آرہا تھا۔ لاش کا بدن اکڑا ہوا تھا۔

گرج خان نے خونخوار نگاہوں سے شاہد علی کو دیکھا اور اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن جھکا لی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا بس خاموشی سے گردن جھکائے کھڑا ہوا تھا۔ شہروز نے ایک نگاہ چاروں سمت ڈالی اور اس کے بعد گرج خان سے کہا۔ ''فوٹو گرافر کو بلا لو۔''

کمرے کی تصاویر لی گئیں اور ابتدائی کارروائیاں مکمل کی جانے لگیں پھر لاش کو اٹھوانے سے پہلے شہروز نے کہا۔ ''گرج خان محلے کے چند معزز لوگوں کو گواہ کے طور پر لے آؤ۔''

''جی سر۔'' گرج خان باہر نکل گیا تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا تو چار آدمی اس کے ساتھ تھے جن میں دو بزرگ اک ادھیڑ عمر اور ایک جوان، ان کے چہرے حیرت کی تصویر بنے ہوئے تھے اور وہ ڈرتے ہچکچاتے اندر داخل ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے لاش کو دیکھا اور معمر شخص کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

''خدا غارت کرے۔ کس نے اس پیاری لڑکی کو مار دیا۔ خدا اسے فنا کرے۔''

''آپ کا نام۔''

''آل علی۔''

''کتنے عرصے سے آپ یہاں رہتے ہیں۔''

''بیس سال سے۔''

''علی صاحب' شاہد علی نے اپنی بھابی کو قتل کرنے کی ذمہ داری قبول کی ہے اور خود اپنی گرفتاری تھانے میں دی ہے۔ آپ لوگوں کو اس سلسلے میں گواہی دینی ہے۔ کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں۔''

''بھائی اس لڑکی سے مجھے دلی انسیت تھی۔ بہت اچھے اخلاق کی مالک تھی۔ بڑی ہی ہنس مکھ اور دوسروں کے کام آنے والی۔ بدنصیب کو ابھی زندگی کی بہاریں دیکھے ہوئے دن ہی کتنے گزرے تھے کہ موت کے گھاٹ اتر گئی۔ غم ہی غم ملے ہیں اور کیا ملا ہے اسے۔''

''علی صاحب! لاش کا اور جائے وقوعہ کا نقشہ بنایا جا رہا ہے۔ آپ لوگوں کی گواہی کی ضرورت ہوگی۔''

''دیکھو بھائی گواہی کیا ہم تو آخر تک ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں۔ بس پولیس کا رویہ کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ہر شریف آدمی اس سے بچنا چاہتا ہے لیکن بہرحال سماج سے دور تو نہیں رہا جا سکتا۔ میں تیار ہوں۔''

''اور ہم بھی تیار ہیں۔ اس مردود نے ایسی فرشتہ جیسی عورت کو قتل کر دیا۔ خدا اسے غارت کرے۔ ارے اس کا بھائی اسے کتنا چاہتا تھا۔ کیا ہمیں نہیں معلوم۔ وہ بے چارہ ہسپتال میں زندگی اور موت کی گھڑیاں گن رہا ہے اور اس نے یہاں یہ ظلم کر ڈالا تو بچ بھی نہیں پائے گا۔''

''بہر حال آپ تھانے میں چل کر مکمل بیانات دیں گے۔ میں لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا رہا ہوں۔ آپ لوگ بھی اس کا جائزہ لے لیجئے۔''

''ٹھیک ہے بھائی کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''گرج خان ایمبولینس کو فون کر دیا۔''

''جی سر! میں نے موبائل پر اطلاع دے دی ہے'' گرج خان نے جواب دیا اور شہروز نے گردن ہلا دی۔

شہروز گرج خان کے ساتھ مکان کا جائزہ لینے لگا تھا۔ ایک ایک چیز دیکھی جا رہی تھی۔ ہلکے پھلکے چند زیورات بھی تھے۔ کاغذات بھی تھے۔ ان تمام چیزوں کو قانون کی تحویل میں لے لیا گیا اور ان کی تفصیل تیار کر دی گئی۔ پھر مکان کو سیل کر کے وہاں کانسٹیبل چھوڑ دیے گئے۔ گواہی دینے والے چاروں افراد کو موبائل میں بٹھا کر شاہد علی سمیت تھانے میں لایا گیا تھا اور ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ ہیڈ محرر اور دوسرے افراد بھی آ گئے۔ شہروز اپنی کرسی پر جا بیٹھا پھر اس نے ایک اور ایس آئی کو اپنے آفس میں بٹھا کر کہا کہ اس وقت نہ تو کوئی فون وصول کرنا ہے نہ کسی سے ملنا ہے۔ ذرا اس کیس کے بیانات مکمل ہو جائیں۔ اس کے بعد صورت حال کا جائزہ لیں گے۔ پھر اس نے شاہد سے کہا۔

''ہاں شاہد علی اب تم ذرا تفصیل سے بتاؤ۔ مقتولہ کا نام بتاؤ۔''

''سائرہ ماجد۔''

''ماجد اس کے والد کا نام ہے۔''

''جی نہیں میرے بھائی کا۔''

''ماجد کہاں ہے۔''

''سر وہ ہسپتال میں ہے۔ اسے کینسر بتایا گیا ہے اور وہ ہسپتال کے کینسر وارڈ میں زیر علاج ہے۔''

''شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے ان دونوں کی۔''

''سر کوئی ساڑھے چار سال۔'' شاہد علی نے جواب دیا۔

''ہوں اس کے والدین کہاں ہیں۔''

''سر بس ایک معذور باپ ہے۔ دو بھائی تھے لیکن گھر کے اختلاف کی وجہ سے وہ علیحدہ ہو گئے اور اب ان کے بارے میں پتا نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ معذور والد صاحب بھی گھر چھوڑ کر مسجد میں رہتے ہیں۔ گھر' بار بیچ دیا ہے۔ انہوں نے اور ذہنی طور پر بھی معطل سے ہو گئے ہیں۔''

''گویا سائرہ کی طرف سے اس مقدمے کی پیروی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔''

''نہیں جناب۔''

''سائرہ کے والد کیا کرتے تھے۔''

''کسی زمانے میں ریلوے میں ملازمت کیا کرتے تھے۔ اب تو ظاہر ہے۔''

''ہوں ٹھیک ہے۔ اچھا اب تم آگے کی باتیں بتاؤ...... ماجد علی کتنے عرصے سے ہسپتال میں داخل ہے۔''

''کوئی سات مہینے ہو گئے ہیں۔''

''ظاہر ہے۔ اس کا مرض خطرناک نوعیت کا ہے۔''

''جی ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ جب تک زندگی ہے۔ وہ جی رہا ہے اور اس کے بعد کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

''تمہاری بھابی سے تمہارے تعلقات کیسے تھے۔''

''ہم دونوں ہی رہا کرتے تھے گھر میں اور ہمارے درمیان میرا مطلب ہے۔ میرے ذہن میں کبھی کبھی شیطان کا بسیرا ہو جاتا تھا۔''

''ہوں' شاہد علی تمہاری بھابی کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا تھا۔''

''آہ نہ پوچھیے۔ وہ مجھے بھائیوں کی طرح چاہتی تھی۔''

''او بے غیرت تم نے بہن پر ہاتھ ڈال دیا۔'' محلے کے بزرگ نے کہا اور شاہد علی نے گردن جھکالی۔ بہر حال شہروز کے سوالات کا سلسلہ جاری رہا۔ بات بڑی سادہ سی تھی اور شہروز نے گرج خان سے کہا۔

''ان معزز لوگوں کو ان کے گھروں تک پہنچا دیا جائے۔''

''ارے نہیں...... انسپکٹر صاحب ہم چلے جائیں گے نیک کام کے لیے آئے تھے۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے لیکن آپ بھی بہت اچھے آدمی ہو۔ ورنہ پولیس والے عام لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کہاں کرتے ہیں۔''

''جو نہیں کرتے وہ برا کرتے ہیں۔ اگر کوئی ان سے تعاون کرے تو انہیں ان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے یا کم از کم شریفانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔''

''چاہیے تو بہت کچھ ہے۔ جناب! ظاہر ہے۔ ہم قانون کا سہارا اسی وقت لیتے ہیں۔ جب ہمیں قانون کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے اور بڑا اعتماد کرتے ہیں ہم ان پر لیکن مشکلات کا حل پیش کرنے والے ہی اگر مشکل بن جائیں تو آپ سوچیئے کہ لوگ قانون پر کیا اعتماد کریں گے۔'' اس نوجوان شخص نے کہا۔ جو گواہی دینے آیا تھا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ بہر حال آپ بھی دعا کیجیے ہم بھی کوشش کرتے ہیں کہ پولیس اور عوام کے درمیان وہ تعلق اور رشتہ قائم ہو جو ملک میں قانون کی بالادستی قائم کرکے۔'' وہ چاروں باہر چلے گئے تو گرج خان نے کہا۔

''سر اس کے لیے کیا کیا جائے۔''

''لاک اپ کر دو اور کیا کر سکتے ہیں۔'' شہروز نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور گرج خان نے شاہد علی کو لاک اپ میں ڈال دیا۔

پھر گھر سے حاصل شدہ اشیاء کی دیکھ بھال ہونے لگی۔ شہروز کسی الجھن میں تھا۔ اس کے ذہن میں نجانے کیوں ایک کرید سی پیدا ہوگئی تھی۔ کاغذات کا جائزہ لیتے ہوئے اسے ایک بینک کی پاس بک ملی۔ جس میں اب سے کوئی دس دن پہلے کی تاریخ میں ایک لاکھ روپے کا چیک جمع کرلیا گیا تھا اور یہ چیک شاہد علی ہی کے نام تھا اور کسی فرم سے دیا گیا تھا۔

شہروز نے اس انٹری کو گہری نگاہوں سے دیکھا اور پاس بک کا وہ حصہ اپنے پاس محفوظ کرلیا۔ جس میں بینک کے جمع ہونے کا اندراج تھا۔ پھر وہ ان واقعات پر غور کرنے لگا۔ بظاہر سیدھی سادھی سی بات تھی اور اسی قسم کے واقعات اکثر جنم لے لیتے ہیں۔ چنانچہ کسی گہری تفتیش کا معاملہ نہیں تھا۔ شہروز نے اس کے بھائی کے بارے میں سوچا اور پھر گرج خان سے اس کے بارے میں مشورہ کیا۔

''کیا خیال ہے۔ گرج خان! ماجد علی جو اس وقت ہسپتال میں موجود ہے۔ اسے بھی اس بارے میں اطلاع دینا ضروری ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہوگا کہ لڑکی کا طبی معائنہ بھی کیا جائے کہ اس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے یا نہیں۔''

''میں فون کیے دیتا ہوں سر۔'' گرج خان نے کہا اور دوسرے کمرے میں جا کر فون کرنے لگا۔ شہروز نے آنکھیں بند کرلیں اور کرسی کی پشت سے گردن ٹکالی۔

بہر حال یہ ایک دکھ بھرا معاملہ تھا۔ لڑکی کے سلسلے میں دوسری جانب سے کوئی کاروائی بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ نہ ہی اس کی لاش کہیں پہنچائی جاسکتی تھی۔ اس کی تدفین بھی سرکاری طور پر ہی کرائی جاتی تھی۔ بہر حال اس سلسلے میں انتظامات کیے جاسکتے تھے۔ کیونکہ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ پھر وہ گرج خان کے ساتھ ہسپتال چل پڑا۔ ہسپتال پہنچ کر ان لوگوں نے ماجد علی کے بارے میں معلوم کیا اور اس کے کمرے میں پہنچ گیا۔

ماجد علی انتہائی خوب صورت آدمی تھا۔ یہ جوڑی جہاں بھی نکلتی ہوگی۔ لوگ انہیں دیکھنے پر مجبور ہوجاتے ہوں گے اور شاید ماجد علی کو کسی کی نظر کھا گئی کہ وہ اس موذی مرض کا شکار ہوگیا۔ بڑی دکھ بھری پچوایشن تھی۔ ماجد علی نے حیرت سے ان دونوں پولیس آفیسرز کو دیکھا تھا۔ شہروز نے پہلے اس سلسلے میں ڈاکٹروں سے مشورہ کیا اور انہیں تمام صورت حال بتائی تو ڈاکٹر نے کہا۔

''نہیں آپ اس کا بیان لے سکتے ہیں۔ بات کرسکتے ہیں۔ اس کا مرض آخری اسٹیج پر ہے۔ کوئی نہ کوئی لمحہ اس کے لیے موت کا لمحہ بن سکتا ہے۔ اب اس سلسلے میں اسے لاعلم تو نہیں رکھا جاسکتا اور پھر آپ کی تفتیش بھی متاثر ہوگی۔''

ماجد علی کو سامنے بٹھا کر شہروز نے کہا۔

''میں آپ کی صحت کے لیے دعا گو ہوں۔ ماجد علی صاحب لیکن تقدیر کبھی کبھی بڑے بھیانک کھیل کھیلتی ہے۔ ہم بعض اوقات اخلاقی جرات نہیں کرپاتے لیکن کسی بھی کیس کے سلسلے میں تفتیش کرتے ہوئے بعض مجبوریاں آڑے آجاتی ہیں۔ آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے میں بڑا دکھ محسوس کررہا ہوں کہ آپ کی بیوی سائرہ کو قتل کردیا گیا ہے۔''

ماجد علی نے پھٹی پھٹی نظروں سے شہروز کو دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔

''جو کچھ بھی ہو جائے کم ہے انسپکٹر صاحب پتا نہیں یہ اچھا ہوا ہے یا برا ہوا ہے لیکن مجھے حیرت ہے۔ سائرہ کا قاتل کون ہو سکتا ہے۔ ایک بے ضرر شخصیت ایک ایسی عورت جس نے صرف دکھ ہی دکھ اٹھائے کس کی وحشت اور درندگی کا شکار ہو سکتی ہے۔''

''بہر حال وہ ہلاک ہو گئی۔''

''کیسے آخر کیسے۔ آہ تو میں تو ویسے ہی اس سے دور ہو چکا تھا۔ کتنی بار میں نے اس کو پیش کش کی کہ وہ مجھ سے طلاق لے لے۔ کسی بہتر جگہ شادی کر لے۔ مگر وہ مجھ سے ناراض ہو جاتی تھی۔ ایسی باتوں پر۔ میرے ساتھ ہسپتال میں رہنا چاہتی تھی۔ ظاہر ہے اجازت نہیں مل سکتی تھی۔ چلو اچھا ہی ہوا۔ دنیا سے چھٹکارا حاصل ہو گیا اسے میرے لیے زندگی کی دعائیں مانگتی تھی۔ خود زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی۔''

ماجد علی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ شہروز اور گرج خان بھی غمزدہ ہو گئے تھے۔ بہر حال یہ ناخوشگوار فرائض ان لوگوں کو اکثر سر انجام دینا ہوتے تھے ماجد علی کے لیے یہ غم ہی کیا کم تھا کہ اس کی بیوی کا قتل کر دیا گیا لیکن ابھی اس پر ایک اور ناخوشگوار انکشاف کرنا تھا۔ چنانچہ شہروز نے کہا۔

''اور افسوناک عمل یہ ہے کہ آپ کی بیوی کو آپ کے بھائی نے قتل کیا ہے۔''

''کیا۔۔'' ماجد علی دہشت سے اچھل پڑا۔

''جی ہاں۔ شاہد علی نے خود اپنی گرفتاری پیش کرتے ہوئے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ اس نے اپنی بھابی کو قتل کیا۔''

''ناممکن جناب! ناممکن...... دنیا اتنی بری نہیں ہے ابھی۔ میرا بھائی کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ پولیس آفیسر صاحب! یہ بات ذہن میں رکھیے گا کہ وہ اپنی بھابی کو بے پناہ چاہتا تھا۔ دونوں بہت محبت کرتے تھے۔ ایک دوسرے سے بلکہ آپ یقین کیجیے کہ بارہا میں نے سوچا کہ کاش ایسا ہو جائے کہ میں سائرہ کو طلاق دے دوں اور شاہد اس سے شادی کرے۔ یہ بات درجنوں بار میرے ذہن میں آئی۔ اس انکشاف کے بعد کہ میری زندگی مختصر ہے لیکن میری ہمت نہیں پڑ سکی کہ میں شاہد علی سے دل کی بات کہہ سکتا حالات کسی بھی شکل میں آپ کے سامنے آئیں۔ آفیسر صاحب' ہاتھ جوڑ کر ایک درخواست کرتا ہوں وہ یہ کہ تفتیش کر لیجیے گا پوری' پورے پس منظر میں کیا ہے۔ اس کو ذہن میں رکھیے گا۔ خدا کے لیے خدا کے لیے شاہد کی زندگی بچانے کے لیے آپ یہ یقین ضرور کر لیجیے کہ اس نے ایسا کیا ہے یا نہیں۔ آہ کس طرح ممکن ہے۔' یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ تو بہت۔'' ماجد علی زار و قطار رونے لگا۔

شہروز نے کہا ''ماجد علی صاحب سائرہ کے بارے میں کچھ اور تفصیل بتائیے۔''

''ہم دونوں کالج کے ساتھی تھے۔ ہم نے گریجویشن ایک ساتھ ہی کیا۔ شاہد مجھ سے صرف ڈھائی سال چھوٹا ہے۔ گریجویشن کرنے کے بعد مجھے ایک فرم میں نوکری مل گئی۔''

''فرم کا نام۔'' شہروز نے سوال کیا اور ماجد علی نے فرم کا نام بتا دیا۔ جسے نوٹ کر لیا گیا۔

''جی۔''

''کچھ دن کے بعد شاہد بھی ملازم ہوگیا۔ ہم دونوں نے مل کر گھر کی حالت بہتر بنائی شاہد کو علم تھا کہ میں سائرہ کو چاہتا ہوں۔ سائرہ بے چاری بہت اچھی لڑکی تھی۔ ماں بچپن ہی میں مر چکی تھی۔ بھائیوں کی بے اعتنائی کا شکار تھی نہ جانے کس طرح اس نے اپنی تعلیم مکمل کی اور اس دوران اس کے والد صاحب ذہنی طور پر معذور ہو گئے۔ سائرہ ملازمت کے لیے کوششیں کرنے لگی۔ کئی جگہ اس نے انٹرویو دیے لیکن جیسے ہی شاہد ملازم ہوا اس نے قدم آگے بڑھایا اور سائرہ کے رشتے کی بات چیت کی۔ وہ اس گھر میں آبسی تھی لیکن بدنصیب خوش نہ رہ سکی اور اس کے نصیب کی سیاہی نے مجھے اس مرض کا شکار کر دیا۔ پھر اس کے بعد بہت سے المیوں نے جنم لیا ہوگا۔''

''شاہد کہاں ملازمت کرتا تھا۔''

''میں اس فرم کا نام بھی بتائے دے رہا ہوں۔ وہاں ایک محنتی نوجوان کے طور پر مشہور تھا اور اکثر اس فرم کے لیے نائٹ ڈیوٹی بھی کرتا رہتا تھا۔ اس کے دل میں بس ایک ہی خواہش تھی کہ کسی طرح ملک سے باہر لے جا کر میرا علاج کراوے۔''

''ہوں، بہر حال ماجد صاحب ہم اس سلسلے میں تفتیش کر رہے ہیں۔ اصل میں شاہد نے خود تھانے آکر اپنے جرم کا اعترام کیا ہے اور شاید پشیمانی کے عالم میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس سے بدترین غلطی ہوئی ہے اور اس نے اپنی وحشت کے ہاتھوں مجبور ہو کر جرم کر ڈالا اور اب وہ پشیمان ہے۔''

''خدا کی قسم نا قابل یقین بات ہے۔ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اس نے میری اس شادی کے لیے کتنی جدوجہد کی ہے۔ کوئی کر نہیں سکتا اگر اس کے ذہن میں کوئی بری بات ہوتی تو اس کا اظہار تو پہلے بھی ہو سکتا تھا' کیسے یقین کرلوں۔ میں کیسے یقین کرلوں۔''

''بہر حال آپ اطمینان رکھیں۔ ہر چند کہ اس نے اعتراف کر لیا ہے لیکن تفتیش بہر حال ضرور ہوگی اور اگر اس کے پس پردہ کوئی اور کہانی ہے تو اسے بھی منظر عام پر لایا جائے گا۔'' شہروز نے کہا۔

''آہ کاش! میں زندہ رہوں۔ یہ آہ کاش ایسا ہو جائے کم از کم زندگی مجھے اتنا موقع دے دے کہ میں اپنے بھائی کی رہائی دیکھ سکوں اور یہ حقیقت ثابت ہو جائے کہ اس نے قتل نہیں کیا۔ انسپکٹر صاحب کیا میں اپنے بھائی سے مل سکتا ہوں۔ آہ میں جدوجہد کرنے کے قابل بھی نہیں ہوں۔ کون اس کی پیروری کرے گا۔ کون اس کے لیے وکیل کرے گا۔ کوئی بھی نہیں ہے ہمارا۔''

''آپ فکر نہ کریں میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ کیس کی تفتیش کی جائے گی' عجیب کیس ہے یہ بدقسمتی سے نہ مقتولہ کی جانب سے کوئی مدعی ہوگا اور نہ ہی مجرم کی جانب سے سارے کام پولیس ہی کو کرنا ہوں گے لیکن اس کے باوجود آپ مطمئن رہیں میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے بھائی کے لیے خود بھی یہی کروں گا اور ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے ایک ایماندارانہ تفتیش بھی۔''

''خدا آپ کو خوش رکھے ایک خاندان کو مکمل طور پر بربار ہونے سے بچا لیجیے۔ ارے میں تو زندگی کی بازی ہار چکا ہوں۔ وہی کمبخت زندہ رہ جائے گا۔ کیا روگ لگا لیا اس نے اپنے آپ کو۔ کیوں کیا اس نے ایسا خدا ہی جانے۔'' کافی دیر تک یہ لوگ وہاں رہے اور اس کے بعد ماجد علی کو مزید دلاسے دے کر ہسپتال سے واپس تھانے آ گئے۔ شہروز نے تمام کاغذات کی نقلیں تیار کرائیں۔ روزنامچہ

ترتیب دیا گیا۔ گرج خان نے کہا۔

''سر ہمارے لیے کوئی ذمہ داری ہو تو بتایئے۔''

''ابھی اس سلسلے میں کوئی مناسب فیصلہ کرلوں میں۔ اس کے بعد گرج خان تمہارے سپرد کوئی ذمے داری کروں گا۔''

''جی سر!'' گرج خان نے جواب دیا اور شہروز نے اسے آرام کرنے کی ہدایت کردی پھر وہ اپنے تمام کاغذات سمیٹ کر وہاں سے اٹھ گیا اور جاتے ہوئے اس نے ہدایت کی کہ لاک اپ میں شاہد علی کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ وہ اقبالی جرم ہے اور اس سے کسی قسم کی تفتیش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ اس کے بعد وہ دفتر سے نکل آیا۔

☆......☆......☆

جبرو نے مسکراتے ہوئے ناہید کو خوش آمدید کہا اور ناہید کہنے لگی۔

''جبرو موٹے ہو رہے ہو۔ ورزش وغیرہ چھوڑ دی ہے کیا۔ اپنے آپ کو فٹ کرنے کی کوشش کرو۔''

''ہمیں تو تقدیر نے اچھی طرح فٹ کردیا ہے۔ میڈم بالکل فٹ ہیں۔'' جبرو بولا اور پھر ناہید بھی ہنسنے لگی۔

''تمہارے بارے میں میں شہروز سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں میں......''

''کوئی غلطی ہوگئی ہم سے۔''

''بالکل نہیں۔ مگر مجھے تمہاری تنہائی پسند نہیں آتی۔''

''مطلب۔؟''

''شادی کرلو۔ جبرو۔'' یہ ناہید نے کہا اور جبرو ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

''نہیں میڈم اصل میں میں شادی تو ہم ضرور کرتے لیکن اپنے گناہوں کا شکار ہوگئے جس شخص نے شادی کے نام پر ایک لڑکی کو ہمارے ہاتھوں برباد کرایا۔ وہ تو جہنم رسید ہوگیا لیکن ہمارے دل میں ہمیشہ کے لیے ناسور چھوڑ گیا۔ ہمیں اب بھی اپنے ان مظالم کا احساس ہے۔ جو ہم اس بیچاری لڑکی پر کرتے رہے ہیں۔''

''جبرو تم نے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کردیا ہے۔ جو کچھ تم نے کیا وہ بھی تو معمولی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں تمہیں مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا تم بے گناہ ہو۔ اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس کے لیے تیار کرو۔ میں بالکل سنجیدگی سے یہ کہہ رہی ہوں۔'' ناہید نے کہا اور جبرو پھیکی سی ہنسی ہنس کر خاموش ہوگیا...... ناہید اندر چل پڑی۔ شہروز اس کا منتظر تھا۔ ناہید نے سلام کیا تو شہروز مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

''آیئے ناہید۔''

''کیسے ہو شہروز۔''

''یہ تو تم ہی بتا سکتی ہو۔''

''جی۔؟''

''میں کیسا ہوں اپنے منہ سے کیا کہوں۔'' ناہید ہنس کر بیٹھ گئی۔

''کیوں بس بات ختم۔''

''نہیں شہروز۔''

''بہر حال ناہید آپ سنایئے۔''

''بس کیا کہوں شہروز! آپ نے ایسی عادتیں ڈال دی ہیں کہ اب ان کے بارے میں سوچنا پڑتا ہے۔''

''اب اتنا الزام تو نہ لگایئے گا۔''

''جی۔؟''

''میں نے کبھی آپ کو کوئی عادت نہیں ڈالی۔ بلکہ میں تو خود ترستا رہتا ہوں کہ آپ مجھے کوئی عادت ڈالیں۔''

''ایک بات کہوں آپ سے۔؟''

''جی جی فرمایئے۔''

''اس کوٹھی میں بڑی کمی محسوس ہوتی ہے۔ کبھی کبھی چائے وغیرہ بنانے کو دل نہ چاہے اور بس پینے کو چاہے تو پھر کیا کرنا چاہیے۔''

''حکم دینا چاہیے ہمیں۔''

''ارے توبہ توبہ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔''

''اوہو ایک منٹ ابھی آیا۔'' شہروز نے کہا جیسے اسے کچھ یاد آ گیا اور ناہید اسے دیکھتی رہ گئی۔ شہروز کمرے سے باہر نکل گیا۔ پتا نہیں کیا کام یاد آ گیا تھا اسے ناہید نے دل میں سوچا لیکن کوئی دو تین منٹ بعد شہروز ایک ٹرالی دھکیلتا ہوا لایا۔ جس پر بڑے اعلیٰ غیر ملکی بسکٹ اور چائے کے برتن سجے ہوئے تھے۔ ناہید چونک کر کھڑی ہو گئی۔

''یہ...... یہ کیا۔؟''

''چائے تین منٹ میں تیار نہیں ہوتی۔''

''مجھے معلوم ہے۔''

''مم مم مگر یہ۔''

''بھئی میں نے بنا کر رکھی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ناہید کا دل کبھی چائے بنانے کے بجائے پینے کو چاہے تو انہیں یہ احساس نہ رہ جائے کہ ان کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔''

''کیوں شرمندہ کرتے ہیں شہروز۔ یہ کام کیا آپ کا ہے۔''

''کام تو آپ ہی کا ہے لیکن وہ کہتے ہیں ناں کہ زندگی میں ہر کام نصف نصف ہو جائے تو بہتر رہتا ہے۔ میرا مطلب ہے' نصف بہتر۔'' شہروز نے کہا۔ اور ناہید ہنس پڑی۔ پھر وہ چائے بنانے لگی اور ایک پیالی شہروز کے سامنے رکھ کر بسکٹ کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی اور پھر خود چند بسکٹ لے کر بیٹھ گئی۔

''ہاں تو اس سلسلے میں کوئی خاص بات کہنا چاہ رہی تھیں آپ۔''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے جبرو سے یہی بات کر رہی تھی کہ وہ شادی کر لے۔''

''میں نے بھی کہا تھا اس سے لیکن شاید ہی وہ اس کے لیے تیار ہو۔ اس کے ذہن میں ایک احساس بیٹھا ہوا ہے۔''

''ہاں اس نے مجھ سے اس کا تذکرہ کیا تھا۔''

''خیر اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے۔ ناہید ایک کیس آ گیا ہے۔''

''ویری گڈ' میں بھی یہی کہہ رہی تھی ناں۔ شہروز کہ آپ نے مجھے ایسی عادت ڈال دی ہے کہ اب بیکار بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔''

''ناہید دل کی بات کہہ رہا ہوں تم سے کہ آئی جی صاحب نے مجھے بہت بڑا عہدہ بخش دیا تھا لیکن جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اس عہدے کے تحت ہمیں انہی معیاری کیسوں کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔'' جس کا کوئی خاص مقصد مقام ہو' ہم عام زندگی سے دور ہو گئے تھے۔ جبکہ تھانوں میں یہ بات نہیں ہے۔''

''میں جانتی ہوں شہروز۔''

''کیا جانتی ہو بتاؤ، بتاؤ مجھے۔''

''کیا بتاؤں۔'' ناہید نے حیرت سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے تم کچھ نہیں جانتیں پر پھر کیوں کہہ رہی تھیں کہ میں جانتی ہوں شہروز۔''

''شہروز نے ہنستے ہوئے کہا اور ناہید شرمندہ ہوتے ہوئے بولی۔''

''اچھا بابا...... معافی مانگ لیتی ہوں۔ معاف کر دو۔''

''اچھا' ٹھیک ہے' ٹھیک ہے معاف کیا۔'' شہروز نے اسے چڑاتے ہوئے کہا

''تھینک یو۔'' ناہید نے بھی بدستور ہنستے ہوئے کہا تو شہروز بولا۔

''اچھا بھئی۔ اب سنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ ایک کیس آیا ہے۔ میرے پاس بڑا عجیب و غریب کیس ہے۔''

''کیا۔'' ناہید نے سوال کیا اور شہروز ناہید کو اب تک کی تفصیلات بتانے لگا۔ ناہید نے دلچسپی سے ساری کہانی سن رہی تھی۔ شہروز نے کہا۔

''پوسٹ مارٹم رپورٹ آ چکی ہے۔ لڑکی کو سرکاری طور پر تدفین کے لیے سپرد کر دیا گیا ہے۔''

''پوسٹ مارٹم رپورٹ میں کیا ہے۔''

''کوئی خاص بات نہیں۔ گردن دبا کر مارا گیا ہے اور قتل کرنے سے پہلے اس کی آبروریزی بھی کی گئی ہے۔''

''ہاں ناہید لیکن یقین کرو۔ بعض اوقات ایسے الفاظ حماقت پر مبنی ہوتی ہیں اور انہیں کسی بھی طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا لیکن نہ جانے کیوں میرے دل میں کھوٹ ہے۔ ایک احساس ہے کہ اس کے پس پردہ کوئی اور بات ہے۔ یہ کوئی وقتی جنون نہیں ہے۔ بلکہ کچھ ہے۔ اس کے پیچھے' کوئی اہم بات' میں یہ نہیں کہتا کہ شاہد اس جرم کا مرتکب نہیں ہو سکتا لیکن بات صرف اتنی سی نہیں ہے۔''

''جی' شہروز ایک چیز میرے ذہن میں بھی کھٹک رہی ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ آپ نے خاص طور سے اس کی نشاندہی کی ہے۔''

''کیا' شہروز دلچسپی سے بولا۔''

''شہروز ایک لاکھ کا سادہ چیک جو بینک جمع کرایا گیا ہے۔'' شہروز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے تعریفی نگاہوں سے ناہید کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور اگر تم نہ ملتیں تو میرا کیا ہوا۔''

''جی۔؟''

''کچھ نہیں...... کچھ کہا ہے میں نے۔'' ناہید پھر ہنسنے لگی تو شہروز بولا۔

''یہ تم بار بار ہنسنے کیوں لگتی ہوں۔ بعض اوقات میرے منہ سے کچھ بے معنی جملے بھی نکل جاتے ہیں۔ کیا کہا تھا میں نے۔''

''پتہ نہیں شہروز۔''

''نہیں پلیز ناہید آپ بتایئے مجھے کیا کہا تھا میں نے۔ میں ان معنی جملوں کو جاننا چاہتا ہوں جو کبھی غیر اختیاری طور پر میرے منہ سے نکل جاتے ہیں۔''

''آپ نے کہا تھا کہ اگر تم مجھے نہ ملتیں تو کیا ہوتا۔''

''ہاں ناہید یہ غیر اختیاری طور پر نہیں کہا تھا۔ یہ ایک سچ ہے۔ اتنی ذہین ساتھی اگر انسان کو نہ ملے تو اس کے بہت سے عمل ادھورے رہ جائیں گے۔''

''میں تو آپ کا شکریہ ادا کرتے کرتے بھی تھک گئی ہوں' شہروز۔''

''تو پھر چائے کا ایک کپ اور ہو جائے۔''

شہروز نے کہا اور ناہید نے ہنس کر اٹھ گئی پھر دونوں بہت دیر تک خاموشی سے چائے پیتے رہے تھے۔ دونوں کی آنکھوں میں گہری سوچ کے آثار تھے۔ ناہید تھوڑی دیر کے بعد گردن اٹھا کر بولی۔

''شہروز! ایک تھوڑا سا کام ہمیں کرنا پڑے گا۔وہ یہ کہ پہلے تو بینک سے معلومات حاصل کی جائیں کہ شاہد کے اکاؤنٹ میں کتنی رقم جمع ہے۔ پھر یہ معلوم کیا جائے کہ ایک لاکھ روپے کا یہ چیک شاہد کو کس سلسلے میں ملا ہے اور کس نے دیا ہے تھوڑی سی بات ماجد علی اور مرحوم سائرہ کے ماضی پر بھی چلی جاتی ہے ذرا سی معلومات کرانی چاہیے۔''

''تو پھر اس سلسلے میں آپ کو اختیارات دیے جاتے ہیں۔آپ ذرا تفتیش کر کے ہمیں ساری تفصیل فراہم کریں۔''

''اوکے چیف میں حاضر ہوں۔ناہید نے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔

''نن' نن نہیں' خ' خدا کے لیے جملوں کے استعمال میں احتیاط برتا کیجیے ناہید۔''

''کوئی غلط بات کہہ دی میں نے شہروز صاحب۔''

''جی ہاں آپ نے بڑی فراخدالی سے فرمایا تھا کہ آپ حاضر ہیں۔ابھی بھلا آپ کی حاضری مکمل کیسے ہو سکتی ہے۔ہاں' ناہید! ایک کام ہمیں کرنا ہے مقتولہ کی طرف سے تو پولیس مدعی ہو ہی گئی لیکن میرے خیال میں محمود علی صاحب کو شاہد کے لیے وکیل مقرر ہونا چاہیے۔'' ناہید نے آنکھیں ہٹا کر اسے دیکھا اور بولی۔

''اس کا مطلب ہے۔مسٹر شہروز کہ آپ شاہد علی کی بے گناہی پر غور کر رہے ہیں۔''

''نہیں آپ نے یہ اندازہ کیسے لگایا مس ناہید۔''

''ڈیڈی کو کسی کا وکیل مقرر کر کے آپ انہیں پروانا تو پسند نہیں کریں گے۔''

''بخدا' یہ بات نہیں جرم کی سزا ہونی چاہیے۔ چاہے اس میں کوئی مقدمہ جیتنا پڑے یا ہارنا پڑے۔''

''یہ بات مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے۔آپ یقین کیجیے بڑی بری حالت کا شکار رہی ہوں۔اس رات کے بعد۔''

''میرا خیال ہے۔آپ اپنا کام کریں اور مجھے اجازت دیجیے۔''

''اوکے۔'' ناہید بولی۔دونوں ساتھ ساتھ ہی باہر نکل آئے تھے۔کاروان گروپ کے شہزاد علی نے ناہید کو رپورٹ دی۔

''میڈم میں نے معلومات حاصل کر لی ہیں اس کے اکاؤنٹ میں ایک لاکھ سات سو اسی روپے ہیں' ایک ہزار روپے سے یہ اکاؤنٹ اب سے تقریباً تین ماہ پہلے کھلوایا گیا تھا اور اس میں سے ایک چیک کے ذریعے تھوڑے سے پیسے نکلوائے گئے تھے۔بعد میں ایک لاکھ کا چیک جمع کرایا گیا۔جو کلیئر ہو کر اس کے اکاؤنٹ میں شامل ہو چکا ہے۔''

''چیک شوکت انٹر پرائز کا ہے۔''

''شوکت انٹر پرائز کیا کام کرتا ہے۔''

''میڈم یہ مختلف چیزوں میں ڈیل کرتا ہے امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار بھی ہے اس کا اور مقامی طور پر بھی یہ لوگ کچھ مینوفیکچر کرتے ہیں۔''

''مالک کے بارے میں کوئی رپورٹ۔''

''ایک نوجوان اور خوب صورت سیدھا سادھا سا آدمی ہے۔ہم نے اس سے زیادہ کام نہیں کیا۔ کیونکہ اسکی ہدایت نہیں ملی تھی۔''

''او کے تھینک یو۔'' دوسری رپورٹ رحمان نے دی تھی۔

''مس ناہید میرے پاس ایک دلچسپ رپورٹ ہے۔''

''تو پھر ہمیں بھی بتا دو۔'' ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا اور رحمان شاید جھینپ سا گیا کہنے لگا۔

''میڈم دونوں کالج کے رومانی جوڑے کی حیثیت سے مشہور تھے ایک دوسرے سے کافی قربت تھی ان کی جس کی اطلاع باقی لوگوں کو بھی تھی لیکن ایک رقیب کا نام بھی درمیان میں آتا ہے۔''

''گڈ......ویری گڈ وہ نام کیا ہے۔''

''خبیر بیگ' مسٹر خبیر بیگ' کچھ عرصے قبل ایک بینک میں ملازمت کرتے تھے۔ بینک کی طرف سے بھی انہیں تربیت کے لیے بیرون ملک بھیجا گیا تھا لیکن وہاں سے واپسی کے بعد انہوں نے بینک کے واجبات ادا کردیے اور خود ایک فرم بنائی جس کا نام انہوں نے اپنے والد کے نام پر شوکت انٹرپرائز رکھا اور اب یہ فرم اچھی خاصی حیثیت کی مالک ہے اور مسٹر خبیر بیگ اس کے ڈائریکٹر ہیں۔'' ناہید کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ یہ واقعی دلچسپ رپورٹ تھی۔

''تو مسٹر خبیر بیگ بھی سائرہ سے محبت کرتے تھے۔''

''نہ صرف محبت کرتے تھے بلکہ کالج میں انہیں خبیر بیگ کے بجائے، رقیب بیگ کہا جاتا تھا یا زیادہ بے تکلف دوست انہیں رقیب سائرہ کہہ لیا کرتے تھے۔''

''اور سائرہ کی توجہ اس کی جانب نہیں تھی۔''

''انسان اسی وقت رقیب بنتا ہے میڈم۔''

''گڈ رحمان اچھی معلومات ہیں تمہاری اس سلسلے میں گڈ۔''

''تھینک یو میڈم اور کوئی حکم۔''

''نہیں میرا خیال ہے۔تمہاری رپورٹ خاصی مکمل اور موثر ہے۔'' تیسری رپورٹ تفتیش رضا کی تھی۔ جسے اس فیکٹری میں معلومات کے لیے بھیجا گیا تھا۔ جس میں شاہد علی کا کام کرتا تھا۔ فیکٹری کی رپورٹ یہ تھی کہ شاہد علی ایک ذمے دار اور محنتی نوجوان تھا۔ ملازمت لگے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا لیکن تنخواہ سرف بائیس سو روپے لگی تھی۔ البتہ اس نے کوشش کرکے اسی فرم کی فیکٹری میں بھی اپنے لیے جگہ بنالی تھی اور خصوصی اجازت اسے فیکٹری کے منیجر سے ملی تھی فیکٹری منیجر کو یہ بات معلوم تھی کہ شاہد علی کا بھائی بیمار ہے اور زندگی اور موت کی کشمکش کا شکار ہے۔ شاہد علی اپنے بھائی کے علاج کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم کمانا چاہتا ہے اور اس کے لیے وہ یہ محنت کر

رہا ہے۔ چنانچہ اسے اجازت مل گئی۔ اس کے علاوہ میڈم جو سب سے اہم اور خاص رپورٹ ہے وہ یہ ہے کہ اتفاق سے مجھے اس کیس کی تفصیل معلوم ہے۔ آپ ہی کے ذریعے پتہ چلا تھا اس کے تحت ایک تھوڑی سی معلومات جو میں نے حاصل کی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق قتل کا وقت شاہد نے فیکٹری ہی میں گزارہ اور نائٹ شفٹ بھی کرتا رہا۔ وہاں کا سپروائزر میرا شناسا نکل آیا جواد نام ہے اس کا۔ میں نے بڑی تفصیل سے اس سے بات چیت کی ہے۔ جواد کا کہنا ہے کہ شاہد علی نائٹ شفٹ میں کام کرتا رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے میڈم کہ اس وقت وہ فیکٹری میں کام کرر ہا تھا۔ جب سائرہ کا قتل ہوا۔

''ویری گڈ یقینی طور پر اس ڈیوٹی کا کوئی نہ کوئی اندراج بھی ہوتا ہوگا۔''

''جی ہاں' باقاعدہ۔''

''ہوں بہت شاندار رپورٹ ہے۔''

''تھینک یو میڈم۔ نفیس رضا نے کہا۔

''اوکے' نفیس...... اس کے علاوہ فی الحال اور کوئی بات نہیں ہے آرام کرو۔''

ناہید نے بڑی محنت سے یہ تینوں رپورٹیں تشکیل دیں' ٹرانسمیٹر پر رپورٹ ملی تھی اور اس وقت وہ محمود علی صاحب کے پاس ہی بیٹھی ہوئی کام کر رہی تھی۔ ہر چند کہ یہ رپورٹیں خفیہ تھیں لیکن چونکہ محمود علی صاحب کو اب اس سلسلے میں باقاعدہ ملوث کرلیا گیا تھا اور شہروز کی ہدایت پر ہی انہیں تمام حالات سے آگاہ کیا گیا تھا۔ اس لیے رپورٹوں کی مکمل تشکیل کے بعد ناہید کی محمود علی صاحب سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی محمود علی کہنے لگے۔

''کمال ہے بھئی یعنی یہ تو باقاعدہ سنسنی خیز پوزیشن بن گئی اور اب خاص طور سے شوکت انٹرپرائز کی جانب توجہ دی جاسکتی ہے۔ اس شخص کی شخصیت اس لحاظ سے اور مشکوک ہو جاتی ہے کہ پہلے یہ کچھ بھی نہیں تھا اور اب ایک فرم کا مالک ہے اور پھر اس کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں سائرہ سے رہا ہے لیکن وہ ایک لاکھ روپے کا مسئلہ بڑا عجیب نہیں ہے۔''

''شہروز صاحب ہی اس مسئلے کی بنیادوں کو ٹٹول سکتے ہیں۔''

''ہاں قدرت نے اسے بڑی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔'' محمود علی صاحب نے کہا۔ ناہید نے آفس فون کیا تو گرج خان نے فون ریسیور کیا تھا۔

''آپ کون ہیں بی بی صاحب۔''

''میرا نام ناہید ہے۔ میں شہروز سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''شہروز صاحب ابھی موجود نہیں ہے۔ آپ میرے کو پیغام دو۔''

''نہیں شکریہ۔'' ناہید نے کہا اور پھر شام کو پانچ بجے آفس ہی میں اس کا رابطہ شہروز سے ہوا۔ فون کیا تھا فون شہروز نے ہی اٹھایا تھا۔

''شہروز کہاں ہو۔''

''ہیلو ناہید...... بس یوں سمجھ لو کہ کوئی دس سیکنڈ پہلے دفتر میں داخل ہوا ہوں اور داخل ہوتے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ چنانچہ اب تم سے بات کر رہا ہوں۔''

''رپورٹیں موصول ہو گئی ہیں۔''

''مصروفیت کیا ہے۔''

''کوئی خاص نہیں۔''

''تو پھر کیا خیال ہے کہاں ملاقات ہو رہی ہے۔''

''جہاں آپ کہیں۔

''فائیو اسٹار میں شام کے وقت بہت عمدہ اسنیکس بنائی جاتی ہیں۔ میرا خیال ہے وقت بھی ہو رہا ہے...... رسم دنیا بھی ہے اور دستور بھی ہے آ جاؤ۔''

''حاضر ہو رہی ہو شہروز۔''

''فائیو اسٹار معلوم ہے۔''

''آپ ہی نے دکھایا تھا۔''

''ارے ہاں صحیح ہے۔ آ جاؤ پھر میں انتظار کر رہا ہوں۔'' ناہید شہروز سے پہلے ہی فائیو اسٹار پہنچ گئی تھی۔ بڑی سنسنی کا شکار تھی۔ پر سکون ہوٹل کے ایک گوشے میں بیٹھ کر وہ شہروز کا انتظار کرنے لگی اور اسے بیٹھے ہوئے ابھی ایک منٹ گزرا تھا کہ شہروز اندر داخل ہو گیا۔ قریب پہنچ کر اس نے ناہید سے معذرت کی اور بیٹھ گیا۔

''جی ناہید اب چائے وغیرہ کے لیے کہہ دیجیے۔'' ناہید نے ویٹر کو طلب کر کے آرڈر دیے اور پھر شہروز کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''سرکئی رپورٹیں موصول ہوئی ہیں۔''

''جی سنائیے۔'' شہروز سنجیدگی سے بولا اور ناہید اسے تفصیل بتانے لگی۔ شہروز غیر متوقع طور پر آنکھیں بند کیے تفصیل سن رہا تھا۔ پھر ناہید خاموش ہو گئی۔ ویٹر نے ان کا آڈر سرو کر دیا تھا۔

''تینوں رپورٹیں اپنی جگہ جامع ہیں۔''

''بے شک۔''

''بحث کریں' ناہید۔''

''آپ سے شہروز۔'' ناہید مسکرائی۔

''ہوں۔'' شہروز کسی خیال سے چونک کر بولا۔ ناہید کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی اور اس کی آنکھوں میں شرارت کے آثار پھر اس کے الفاظ پر غور کیا اور اس کی رگ ظرافت بھی پھڑک اٹھی۔ پھر وہ مسکرا کر بولا۔

''ابھی کوئی حرج نہیں ہے۔ مس ناہید۔''

''جی۔''

''میں یہ کہہ رہا تھا کہ ابھی کوئی حرج نہیں ہے۔''

''کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔''

''میرا مطلب ہے۔ ابھی بحث کر سکتی ہو...... ہاں شادی کے بعد بیویوں کو شوہروں سے بحث نہیں کرنی چاہیے۔''

''جی۔'' ناہید اس براہ راست حملے سے بوکھلا سی گئی۔

''مشورے کے طور پر کہہ رہا ہوں کہ یہ تو ایک ضروری بحث ہے۔ لڑکیوں کی جب شادی ہو جائے تو انہیں شوہروں کے ساتھ بحث کرنی چاہیے...... ظاہر ہے۔ آپ کی بھی کہیں نہ کہیں شادی ہوگی مس ناہید۔ میں آپ کو آپ کے مستقبل کے لیے مشورے دے رہا ہوں۔'' ناہید ہنسنے لگی پھر بولی۔

''جانتی ہوں۔ شہروز صاحب کے سامنے ہوں۔''

''کیا مطلب۔'' شہروز نے پوچھا۔

''کچھ نہیں شہروز بس غلطی ہوگئی۔''

''اچھا حربہ آزما رہی ہو۔''

''کیسے۔؟''

''جب جواب نہیں دے سکیں تو شہروز...... شہروز کہہ کر دماغ خراب کرنا شروع کر دیا۔ ارے ناہید تم تو واقعی بہت چالاک ہو۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔''

''شہروز آپ موضوع سے ہٹ گئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے بابا ٹھیک ہے۔ آپ جو کچھ مرضی کہیں جو دل چاہے کہیں آپ کو نجانے کیا کیا اختیارات حاصل ہیں۔''

''یہ لیجیے۔'' ناہید نے مشروب کا گلاس شہروز کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا اور شہروز نے گلاس اپنی جانب گھسیٹ کر کہا۔

''اچھی بات ہے۔ اسے لولی پاپ کہتے ہیں۔''

''شہروز کیا اندازہ لگایا آپ نے ان رپورٹوں سے۔''

''بڑی سنسنی خیز رپورٹیں ہیں ناہید ذرا سا حالات پر پھر نگاہیں دوڑاتے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ اپنی بھابھی کے بارے میں

برے خیالات رکھتا تھا۔ جبکہ باقی معاملات سے پتا چلتا ہے کہ وہ ایک عقیدت مند دیور تھا اور اس لیے بہت مشکل تھا کہ وہ اپنی بھابی کے بارے میں اس انداز سے سوچے۔"

"جی سر بالکل ٹھیک ہے۔"

"ایسی شکل میں ناہید بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس مرحلے تک پہنچنا لیکن وہ کم بخت آتا ہے۔ اعتراف جرم کرتا ہے۔ پوسٹ مارٹم اس کے جرم کی تصدیق کرتی ہے۔ اس سے زیادہ الجھن کی بات اور کون سی ہو سکتی ہے۔"

"شہروز اب آ جاتے ہیں دوسری سمت۔ یعنی خبیر بیگ ایک لاکھ روپے کا چیک...... خبیر بیگ نے یہ چیک شاہد علی کو کیوں دیا۔"

"بہت ہی مشکل سوال ہے۔"

"جبکہ خبیر بیگ دوران طالب علمی سائرہ سے محبت بھی کرتا تھا اور سائرہ کی شادی ماجد علی سے ہو گئی۔ ایک انوکھا ربط ہے۔ اس کے درمیان بہت ہی مشکل کھیل ہے اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ خبیر بیگ نے یہ رقم کسی خاص مسئلے کے لیے شاہد علی کو دی تھی۔ تو یہ بات مانی جا سکتی ہے۔ شاہد علی رقم کا مالک بن گیا لیکن پھر پوسٹ مارٹم رپورٹ کیا ہم اس کا ذمہ دار خبیر بیگ کو ٹھہرائیں۔" اس نے کسی شیطانی جذبے سے مجبور ہو شاہد علی کو اپنے ساتھ ملایا اور اس کے بعد یہ ساری کاروائی کر ڈالی گئی۔

"لیکن ناہید! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاہد علی ایک لاکھ روپے کی وہ رقم لے کر کیا کرتا۔ چلو فرض کرو کہ وہ ایک لاکھ روپے اس کے حالات کو بہتر بنا دیتے تو اس کے بعد اسے اس بات کی کیا ضرورت تھی کہ سائرہ کو قتل کیا جاتا اور وہ قاتل کی حیثیت سے اپنے آپ کو تھانے میں پیش کرتا۔ نہ صرف قاتل کی حیثیت سے پیش کرتا بلکہ اپنے جرم کا اعتراف بھی کرتا جس کے بعد اس کی سزا میں مزید سنگینی پیدا ہو جاتی ہے۔"

"کہنے کو تو بہت سے عوامل سامنے آتے ہیں۔"

"مثلاً۔؟" "شہروز اس کا بھائی کینسر کا مریض ہے اور ہسپتال میں داخل ہے۔"

"ہاں یقیناً۔"

"اسے دولت کی ضرورت ہے۔"

"ہاں ہے۔"

"اس دولت کے لیے وہ نائٹ شفٹ تک کام کرتا ہے اور وہاں کی رپورٹ سے یہ پتا چل جاتا ہے وہ اس وقت وہاں کام کر رہا تھا۔ جب سائرہ کو قتل کیا گیا اور بعد میں اس نے اپنے آپ کو قاتل کی حیثیت سے کیوں پیش کر دیا۔ آخر کیوں۔"

"بڑے الجھے ہوئے سوال ہیں ناہید لیکن ہم اس کے خاکے تیار کر سکتے ہیں۔"

"جہاں تک میرے اپنے تجربے کا تعلق ہے۔ سر تو یہ خاکے ہی ہمیں حقیقتوں تک پہنچاتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک کہتی ہیں آپ ناہید۔"

''تو پھر ان خاکوں پر کیوں نہ بحث کریں۔''

''میرے ذہن میں ایک ترتیب بن رہی ہے شہروز۔''

''ہاں، کہو۔'' شہروز نے سامنے رکھے ہوئے گلاس سے مشروب کے چند گھونٹ لیے اور ناہید کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ناہید کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔

''ماجد علی، شاہد علی کا بھائی سائرہ سے محبت کرتا تھا۔ دونوں نے کسی نہ کسی طرح شادی کر لی۔ سائرہ کا بھی کوئی خاندان نہیں ہے۔ بظاہر کوئی نظر نہیں آتا۔ ورنہ اب تک اس سلسلے میں سامنے آچکا ہوتا پھر ماجد علی اچانک بیمار ہو جاتا ہے اور بیماری بھی ایسی جو جان لیوا ہے۔ گویا اس طرح سے ماجد علی کی زندگی کا خاتمہ ہی ہو چکا ہے۔ شہروز، ماجد علی کا بھائی شاہد علی جو اپنے بھائی کے علاج کے لیے دن رات محنت کر رہا ہے اور اس کی یہ خواہش ہے کہ کسی بھی طرح اس کا بھائی صحت یاب ہو جائے۔''

''بالکل۔''

''اسے علم ہے کہ کسی زمانے میں خبیر بیگ سائرہ سے محبت کرتا تھا۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔''

اس کے بعد شہروز اسے اپنے بھائی کی زندگی خطرے میں نظر آتی ہے۔ تو وہ خبیر بیگ سے ملاقات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے کچھ رقم دی جائے تاکہ وہ اپنے بھائی کے علاج پر خرچ کر سکے۔ خبیر بیگ اپنے شیطانی جذبوں سے مجبور ہو کر اس سے کہتا ہے کہ اگر وہ خبیر بیگ کو سائرہ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا موقع دے تو اس کے عوض وہ اسے ایک لاکھ روپے دے سکتا ہے۔''

''ویری گڈ'' شہروز نے مسکراتی نگاہوں سے ناہید کو دیکھا اور کہا۔

''اور اس کے بعد خبیر بیگ اپنے شیطانی جذبوں کی تسکین کر لیتا ہے اور پھر کسی ایسے انتقامی جذبے کے تحت وہ سائرہ کو قتل کر دیتا ہے جس کا تعلق ماضی سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ پوسٹ مارٹم رپورٹ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ شہروز۔''

''کہتی رہو، کہتی رہو۔''

''پھر اچانک ہی جب شاہد علی اپنی ڈیوٹی سے واپس پہنچتا ہے تو اسے سائرہ کی لاش ملتی ہے۔ محبت کرنے والی بھابی کو اس حال میں دیکھ کر اس کا ضمیر جاگ اٹھتا ہے اور وہ شدت جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیتا ہے۔ وہ یہ تو نہیں کہنا چاہتا کہ اس نے اپنی بھابی کا سودا کیا ہے۔ وہ سارا الزام اپنے سر لے کر قاتل کی حیثیت سے پھانسی پر چڑھ جانا چاہتا ہے۔ شہروز یہ حقیقت قرین قیاس ہے ایسا ہو سکتا ہے۔''

شہروز تعریفی نگاہوں سے ناہید کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''آپ یقین کیجیے ناہید اب تو آپ کو استاد کہنے کو جی چاہتا ہے۔''

''بات اس کی نہیں ہو رہی ہے۔ شہروز۔''

''پھر کس کی ہو رہی ہے۔'' شہروز نے شوخی سے کہا اور ناہید کو پھندا لگ گیا۔ اس نے رومال منہ پر رکھا دیر تک کھانستی رہی پھر بولی۔

''آپ ہر بات کو مذاق میں کیوں لے جاتے ہیں۔''

''چلو اچھا ٹھیک ہے۔ اب پوائنٹ کی بات کرتے ہیں اس سلسلے میں جو اہم بات رہ جاتی ناہید' وہ یہ ہے کہ خبیر بیگ کا ماضی کیا ہے۔ جیسا کہ علم ہوا ہے کہ وہ بینک میں ملازمت کرتا تھا۔ اور بینک نے اسے تربیت کے لیے بیرون ملک بھیجا واپس آنے کے بعد اس نے بینک کی ملازمت ترک کر دی' نہ صرف ترک کر دی بلکہ اس کے واجبات بھی ادا کر دیے اور اس کے بعد اپنی یہ شاندار فرم کھول لی اور اس قدر دولت مند ہو گیا کہ ایک لاکھ روپیہ ایک لڑکی یا اپنی کسی طلب کے عوض کسی نوجوان کو دے دیا۔ اس کے اچانک دولت مند ہونے کا راز کیا ہو سکتا ہے۔''

''اچھا پوائنٹ ہے۔ شہروز صاحب بہترین پوائنٹ ہے۔''

''ہوں' بہر حال' ناہید اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ نے جو کہانی ترتیب دی ہے۔ وہ اس قدر موثر ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے آپ ان لوگوں کی شریک کار رہی ہیں۔''

''ارے توبہ' تو یہ ایسے گھناؤنے کام میں آپ مجھے شریک کر رہے ہیں۔''

''نہیں مطلب ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے اس پلاننگ کا آپ کا پورا پورا علم تھا۔''

''بہر حال شہروز آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا یہ درست ہو سکتا ہے۔''

''ناہید اٹھانوے فیصد ہو سکتا ہے۔ ہم صرف دو فیصد مارجن رکھتے ہیں۔''

''جی شہروز۔'' ناہید نے مسرت سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''اور اس کا کوئی ریزن نہیں ہے ہمارے پاس ہم صرف ان الفاظ کو دو فیصد میں شامل کر رہے ہیں جن میں شاہد نے اپنے آپ کو سائرہ کا قاتل ظاہر کیا ہے۔''

''اور اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ اس کے بارے میں تحقیق سے ہی پتا چلے گا۔''

''جی۔''

''اب تم ایک کام کرو ناہید' خبیر بیگ کے بارے میں کسی شخص کو چھان بین کی ڈیوٹی پر متعین کر دو۔''

''کس کا نام لے رہے ہیں شہروز۔''

''کارواں گروپ کے تمام ارکان کسی بھی کام کو کرنے کے اہل ہیں...... میرا خیال ہے نواز کی ڈیوٹی لگا دو۔ اس کیس میں ابھی تک اس نے کچھ نہیں کیا ہے۔ وہ خوشی سے اس کام کو سر انجام دے گا۔''

''او کے۔ تو خبیر بیگ کے بارے میں ہمیں مکمل رپورٹ درکار ہے۔ ویسے اگر آپ کہیں تو میں خود اس سلسلے میں کوشش کر سکتی ہوں۔''

''ناہید کیوں میرے صبر کا امتحان لیتی ہیں۔''

''آپ کے صبر کا۔؟''

''تو اور کیا...... یاد نہیں ہے۔ آپ کو...... وہ تو خیر آپ نے خود ہی سارا حساب کتاب برباد کر دیا تھا۔ ورنہ ناہید آپ نے جس طرح اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا آپ یقین کریں اگر مجھے اختیارات حاصل ہوتے تو میں آپ کو اس کی سزا دیتا۔''

''ارے سوری...... مم میں سمجھ رہی ہوں لیکن سر...... آپ نے اس سلسلے میں میری تعریفیں بھی کی ہیں۔''

''ہاں بے شک لیکن ناہید انسان ہر وقت سرخرو نہیں ہو سکتا۔''

''نہیں شہروز امیں آپ کی بات مانتی ہوں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں میں کسی ایسے مسئلے میں آئندہ ملوث نہیں ہوں گی جس میں مجھے کوئی خطرہ ہو۔''

''یہ آپ کا مجھ پر احسان ہوگا ناہید۔''

شہروز نے کہا اور ناہید ایک لمحے کے لیے کھو سی گئی۔ اس نے مخمور نگاہیں اٹھا کر شہروز کو دیکھا اور پھر خالی گلاس کو اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

شہروز آفس میں اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا کاغذات دیکھ رہا تھا کہ کسی کے ایڑھیاں بجانے کی آواز سنائی دی اور شہروز نے کاغذات پر سے نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر زاہد شاہ کو دیکھ کر وہ اچنبھے میں رہ گیا۔ زاہد شاہ مسکرا رہا تھا۔

''ارے زاہد شاہ تم۔ آؤ بیٹھو خیریت۔''

''واہ صاحب واہ...... ساری دوستی خاک میں ملا دی آپ نے۔''

''ہمیں کوئی خیر خبر ہی نہیں ملی کہ آپ واپس اس آفس میں آگئے ہو۔''

''بیٹھو بیٹھو بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر اور خوب آئے تم...... واقعی زاہد شاہ بڑی خوشی ہوئی ماضی کی بہت سی باتیں یاد آگئیں۔''

''مگر ہمیں شکایت ہے صاحب۔''

''بس یار زاہد شاہ' آئی جی صاحب نے محبتوں کی بارش کی تھی۔ دوسرے آفسران آئے انہوں نے جو کچھ آئی جی صاحب نے دیا تھا وہ چھین لیا مگر بھئی ڈیوٹی تو ڈیوٹی ہوتی ہے چاہے کہیں بھی کی جائے۔ انہوں نے دوبارہ انچارج بنا کر بھیج دیا۔ ہم یہاں آگئے۔ ویسے شاید تم میری بات نہ مانو زاہد شاہ اور اسے کھسیانی بلی کھمبا نوچے والی بات سمجھو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس زندگی کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔''

''خدا کی قسم اس میں کوئی شک نہیں ہے یہاں زیادہ آزادی سے کام کر سکتا ہے۔ نوکری کرتے ہوئے بھی اگر خطرناک قسم کے

افسر سر پر بیٹھے رہیں تو نوکری کا مزہ جاتا رہتا ہے۔اپنی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی جبکہ صاحب ادھر آزادی کی زندگی ہوتی ہے۔مگر ایک بات کی شکایت ہے ہمیں آپ سے۔''

''وہ کیا۔؟''

''آپ نے رسول پور کا آفس کیوں نہیں لیا۔جس آفس میں میری تعیناتی کی گئی میں وہاں آگیا۔میں تو کسی طرح انکار کا عادی ہی نہیں ہوں۔ورنہ چھٹیاں لے لیتا اور اپنے کیس لڑتا جہاں انہوں نے بھیجا وہاں آگیا۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے صاحب کہ ہمیں اس وقت رسول پور آفس کا انچارج لگا دیا گیا ہے لیکن جو مزا آپ کے ساتھ ماتحتی میں تھا۔وہ افسری میں نہیں آرہا۔''

''تمہاری محبت ہے۔زاہد شاہ ویسے یار کچھ ہدایات دی تھیں میں نے اگر ان پر عمل ہوتا رہتا تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔''

''مانو گے ہماری بات شہروز صاحب۔''

''کیوں نہیں مانوں گا۔''

''ہم آپ کے جلائے ہوئے چراغوں کی روشنی میں ہی کام کر رہے ہیں۔''

''اچھا۔''شہروز نے خوش ہو کر کہا۔

''آپ یقین کر لو صاحب۔کسی غریب اور مظلوم کے گال پر تھپڑ نہیں لگایا آج تک اور کسی بدمعاش کو چھوڑا نہیں جاتا۔یہ ہم نے اپنا اصول بنایا ہے۔''

''اگر ان اصولوں پر قائم رہے گا زاہد شاہ تو یقین کرو اتنے برے انسان نہیں کہلاؤ گے جتنا برا پولیس کو کہا جاتا رہا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے صاحب لیکن وہ گر ہمیں سکھایئے جو انسان کے حالات درست کر دیتے ہیں۔انچارج بن کر وہ سب کچھ نہیں مل رہا۔جو اس وقت ماتحت بن کر آپ کے ذریعے حاصل ہو رہا تھا۔''

''ٹھیک ہے' گر تو خیر کیا ہی ہے۔وہ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ کسی سے کیا لینا ہے اس کا خاص طور سے حساب کتاب رکھو۔کسی مرے ہوئے کو مارنے سے کوئی فائدہ نہیں اور جو دے سکتا ہے اور اس کے جرم کی پردہ پوشی کیے بغیر اس سے لے سکتے ہو اسے نہ چھوڑو۔''

''جی صاحب سمجھ رہے ہیں ہم اور کر بھی یہ ہی رہے ہیں۔''

''کامیاب رہو گے۔اگر یہ عمل کرو گے تو۔''

''یہ ہی کریں گے صاحب آپ کو یقین دلا رہے ہیں۔''

''اچھا یہ بتاؤ کیا پیو گے۔''

''آپ کے مہمان ہیں جو دل چاہے پلا دیں۔''زاہد شاہ نے کہا اور شہروز اس کی خاطر مدارات کرنے لگا۔پھر اپنی جگہ سے اٹھا

اور آہستہ آہستہ لاک اپ تک پہنچ گیا۔ شاہد علی خاموشی سے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا اس کا رخ دوسری جانب تھا...... شہروز اسے دیکھتا رہا۔ لاک اپ کے پاس کھڑا سنتری اسے چونک کر دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کٹہرے کے پاس آ کھڑا ہوا۔

''کہو شاہد علی کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ یہاں۔''

شاہد علی نے نگاہیں اٹھا کر شہروز کو دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

''نہیں جناب بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہاں آنے کے بعد بہت سی روایات کا جھوٹ سامنے آ گیا ہے۔''

''روایات کا جھوٹ۔''

''جی ہاں...... پولیس لاک اپ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انسان کی آدھی زندگی چند روز میں وہیں ختم ہو جاتی ہے لیکن اگر میں کوئی پریس رپورٹر ہوتا تو ان تمام رپورٹوں کی نفی کرتا ہے جو پولیس کے بارے میں آج تک لکھی جاتی رہی ہیں۔ یہ صاف ستھرا لاک اپ جس میں ہر قسم کی سہولیات مہیا ہیں، ظاہر ہے نانی کا گھر تو نہیں ہے کہ لاڈ پیار سے پالا جائے لیکن ظاہر ہے۔ اس طرح کی ذہنی اذیت یا کوئی ایسا عمل یہاں نہیں ہوا۔ میرے ساتھ جو میرے لیے باعث تکلیف ہوتا اور اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔''

''ہوں' ہمیں بھی شکر گزار ہونے کا موقع دو شاہد۔''

''جی سر میں سمجھا نہیں۔''

''اگر ہمارے سامنے کچھ معلومات فراہم کر دو تو تمہاری مہربانی ہو گی۔''

''حکم دیجئے صاحب! اس سے زیادہ سچی معلومات میں اور کیا فراہم کر سکتا ہوں آپ کو کہ اپنے قتل کا اعتراف کر کے خود آپ کی خدمت میں پیش ہو گیا ہوں۔''

''ہاں' یہ تمہاری اچھائی کی دلیل ہے لیکن اس کے ساتھ کچھ اور سوالات بھی ہوا کرتے ہیں۔''

''آپ جو پوچھیں گے میں بتاؤں گا صاحب یہ میرا وعدہ ہے۔''

''تو پھر کھڑے کھڑے بات کرنا مناسب نہیں ہے آؤ' میرے کمرے میں آ جاؤ۔ میں سنتریوں کو ہدایت کرتا ہوں۔''

''تھوڑی دیر کے بعد اس دوسرے کمرے میں شاہد علی' شہروز کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ شہروز نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''جو کہانی تم نے سنائی ہے وہ سچ ہے شاہد علی۔''

''جی۔''

''میں کہہ رہا ہوں۔ جو کہانی تم نے سنائی ہے۔ وہ سچ ہے۔''

''اس سے زیادہ سچی کہانی اور کیا ہو سکتی ہے۔ صاحب کہ ہم نے اپنی زندگی کو موت کے حوالے کر دیا ہے۔''

''نہیں یہ کوئی سچ نہیں ہے۔''

''جی۔؟''

''ہاں۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''اگر چاہتے ہو تو سچ بولو۔''

''میں عرض کر رہا ہوں میں سمجھا نہیں۔''۔

''اچھا خیر چھوڑو۔ تم اپنے بھائی کو کتنا چاہتے ہو۔''

شہروز نے پوچھا اور شاہد علی کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی سرخی آ گئی۔ اس نے چند لمحات سوچنے کے بعد آہستہ سے کہا۔

''اصل میں ہم دونوں کے ماں' باپ بہت عرصہ پہلے اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ ماجد مجھ سے زیادہ بڑا نہیں ہے لیکن بہر حال اس نے اپنی بزرگی کو ہمیشہ قائم رکھا وہ کچھ کیا اس نے میرے لیے جو ایک بھائی ذرا مشکل ہی سے کر سکتا تھا۔ ایک روایتی سی بات ہو جاتی ہے۔ روایتی سی کہانی ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس نے میری تعلیم وغیرہ بھی مکمل کر دی۔ خود بھی پڑھتا تھا اس نے لیکن یہ خیر یہ ضمنی باتیں ہیں میں اپنے بھائی کو ان تمام عوامل کی روشنی میں بے پناہ چاہتا ہوں۔''

''اور تم اس بات کے خواہشمند تھے کہ تمہارا بھائی صحت مند ہو جائے۔''

''محبت یہ ہی تو چاہتی ہے صاحب اس کے علاوہ انسان کی طلب اور کیا ہو سکتی ہے۔ باقی ساری ضرورتیں پوری ہو ہی جاتی ہیں۔''

''اور تم لوگوں کے مالی حالات اس قابل نہیں تھے کہ اس علاج کو اپنی پسند کے مطابق کرا سکتے۔''

''جی صاحب' یہ ایک سچ ہے۔''

''اور اس کے لیے تم اپنی فرم کے فیکٹری میں بھی کام کیا کرتے تھے۔ راتوں کو۔''

''جی۔''

''پیسوں کے لیے ناں۔''

''جی۔''

''اس لیے کہ تمہارا بھائی ٹھیک ہو جائے۔''

''ٹھیک ہے شاہد' میں یہ ساری باتیں مانتا ہوں۔ تمہیں علم ہے کہ سائرہ' ماجد علی کی محبت تھی۔''

''جی۔'' شاہد علی آہستہ سے بولا۔

''بھائی کی اتنی چاہت کے بعد اور وہ بھی اس وقت جب کہ تمہارا بھائی زندگی اور موت کی کشمکش کا شکار تھا' تم نے سائرہ کی آبرو پر

حملہ کیا۔ اس وقت تمہارا بھائی تمہارے ذہن میں نہیں تھا۔ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ اگر تمہارے بھائی کو یہ بات معلوم ہو گی تو وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔''

''نہیں سر! مجھے یہ اندازہ نہیں تھا۔ اصل میں خالی گھر میں شیطان کا گھر ہوتا ہے۔ جنون لمحوں میں ابھرتا ہے اور لمحوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ مجھ پر جنون کے لمحات طاری ہوئے تھے۔ بہت سے ایسے مواقع آئے تھے۔ جب میں نے اپنی بھابی کو ایسی حالتوں میں دیکھا جس کا علم اسے نہیں تھا اور میرے دل میں گندے خیالات جنم لینے لگے۔ میں بار بار اپنے آپ کو سمجھتا رہا صاحب لیکن بس کیا کرتا۔ بھٹکنے کے لیے ایک لمحہ ہوتا ہے اور باقی زندگی پشیمانی کے لیے۔''

''جھوٹ بول رہے ہو۔ بکواس کر رہے ہو تم۔'' شہروز کا لہجہ اچانک سخت ہو گیا اور شاہد علی چونک پڑا۔

''جج...... جی۔؟''

''ہاں...... بہت صفائی سے جھوٹ بول رہے ہو اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھتے ہو۔ یہ اندازہ نہیں ہے کہ میں تمہاری کھال اتار کر رکھ دوں گا۔ بے وقوف سمجھتے ہو۔ یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے چہرے کے عضلات کو پڑھ نہیں سکتا۔ بولو جواب دو۔'' شہروز نے گرجتے ہوئے لہجے میں کہا اور شاہد علی بوکھلا کر رہ گیا۔

''مم' میں معافی چاہتا ہوں صاحب! اگر کوئی بات غلط زبان سے نکل گئی ہو۔''

''اتنی صفائی سے جھوٹ بول رہے ہو میرے سامنے۔'' شہروز آنکھیں نکال کر غرایا اور شاہد علی واقعی کانپنے لگا۔

''کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف کر دیجیے۔''

''سچ بولو...... سچ۔''

''کون سا سچ۔؟''

''یہ بتاؤ کہ تم نے یہ صرف یہ کہ اپنی بھابی کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اس کی آبرو اور عزت بھی نہیں لوٹی۔'' شہروز نے شاہد علی کے چہرے پر نگاہیں جمائے جمائے کہا۔ شاہد علی نے اس کی نگاہوں سے بچنے کے لیے آنکھیں جھکا لی تھیں۔

''یہ جھوٹ کیسے بولوں صاحب' تفتیش تو آپ ہی کر رہے ہیں۔ فیصلے بھی آپ ہی کر سکتے ہیں۔''

''گویا' تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ بالکل سچ کہہ رہے ہو۔''

''جی ہاں' اس سے بڑا سچ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ میں نے اپنی زندگی کو موت کے حوالے کر دیا ہے۔''

''وہ' وہ تم نے کیوں کیا ہے...... اس کا جواب بھی تم مجھے خود ہی دو گے۔ تم نے وہ ضروریات پیدا کر دی ہیں۔ میرے لیے جس کے لیے تم پر تشدد کروں۔''

''جی نہیں ایسا نہ کریں۔ آپ سیدھے سیدھے پھانسی پر چڑھا دیں ہمیں۔ تشدد کریں۔ تشدد تو ہم نے خود اپنے پر کر لیا ہے۔ جس

قدر کر سکتے تھے۔"

"دیکھو شاہد علی سچ سچ بولو۔ سچ بتا دو۔ مجھے اصل واقعہ کیا ہے۔"

"صاحب اصل واقعہ یہ ہی ہے۔ جو ہم نے آپ سے بیان کیا ہے۔ آپ بھی کمال کے انسان ہیں۔ ایک اقبالی مجرم سے اقبال کرار ہے ہیں۔"

"تم سمجھتے ہو کہ اپنے ضمیر کی آواز پر تم صرف پھانسی پر چڑھ جاؤ گے۔ نہیں یہ نہیں ہوگا۔ شاہد علی میں تمہیں اس طرح اذیتیں دے کر ماردوں گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ ورنہ سچ بول دو۔ کیا تم یہ جانتے ہو کہ شوکت انٹر پرائز کا مالک خبیر بیگ سائرہ سے محبت کرتا تھا۔"

"کون خبیر بیگ۔" شاہد علی نے سوال کیا۔

"وہ جس سے تم نے ایک لاکھ روپے وصول کیے ہیں۔" شہروز نے کہا اور شاہد علی کا چہرہ تاریک ہوگیا۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ایک ایک ایک۔"

"ہاں شاید اپنے بھائی کے علاج کے لیے خیر شاہد علی حقیقت تم ہی بتاؤ گے مجھے ایسے نہیں بتاؤ گے تو اس کے لیے دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے گا لیکن کیا اس سے انکار کرتے ہو کہ تمہارے اکاؤنٹ میں تمہاری اس جمع شدہ رقم کے علاوہ جو تم نے جس طرح بھی جمع کیے ہوں ایک لاکھ روپے کی رقم اور موجود ہے اور یہ رقم بذریعہ چیک تمہیں ادا کی گئی ہے اور یہ خبیر بیگ نے ادا کی ہے تمہیں۔

شاہد علی خاموشی سے اس کی شکل دیکھتا رہا۔ شہروز کی آنکھوں میں شرارے ناچ رہے تھے اور وہ تفتیش کے عالم میں شاہد علی کو گھور رہا تھا۔

"بتاؤ شاہد علی نے اس نے یہ رقم کس سلسلے میں ادا کی تھی۔"

"دیکھئے جناب اگر آپ مجھ پر تشدد کا کوئی جواز نکالنا چاہتے ہیں تو آپ یقین کیجئے میری طرف سے تو میرے کیس کی پیروی کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے اور میں چاہتا بھی نہیں ہوں۔ کیا فائدہ جب انسان کا ضمیر جاگ اٹھے اور اسے اپنے گناہ کی شدت کا اندازہ ہو جائے تو پھر باقی ساری چیزیں بے مقصد ہوتی ہیں۔ یہ احساس مجھے ہو چکا ہے سراب میں جینا نہیں چاہتا۔ بالکل نہیں جینا چاہتا میں آپ سمجھ رہے ہیں ناں میری بات نہیں ہے۔ تو پھر میں آپ کو ان تمام فضول باتوں کا بتا کر کیا کروں گا۔ بےکار ہے۔ صاحب بےکار ہے۔"

"کچھ مسئلے الجھے ہوئے ہیں شاہد علی میں یہ جاننا ہوں کہ جب تم اپنے بھائی کی محبت میں اتنے دیوانے ہو گئے ہو کہ اپنی بھابی کی آبرو کو بیچ سکتے ہو تو تم یہ کیوں نہیں سوچ رہے ہے کہ تمہاری پھانسی کے بعد تمہارے مرجانے کے بعد تمہارے بھائی کا نگران اور دیکھ بھال کرنے والا کون ہوگا۔ جاؤ شاہد سوچنا اس موضوع پر غور کرنا اور اگر ممکن ہو سکے تو مجھے سچ بتا دینا۔"

شاہد گردن جھکائے بیٹھا رہا تھا۔ شہروز نے گھنٹی بجائی اور شاہد علی کو دوبارہ لاک اپ میں پہنچا دیا گیا...... اس دوران وہ شاہد علی

کے بارے میں اندازے قائم کرتا رہا تھا اور اس کے ذہن میں مختلف تصورات بنتے بگڑتے رہے تھے...... بہرحال دن انہیں حالات میں گزرا...... شام کو اس کے دل میں ایک خیال آیا کہ شاہد علی کے گھر کی تلاشی دوبارہ لینی چاہیے ہوسکتا ہے کچھ ایسے شواہد مل جائیں جن سے پتا چل سکے کہ اس مسئلے کی اصل نوعیت کیا ہے۔ یہ بات اس نے اپنے ذہن میں بٹھالی۔ مکان کو سیل لگادی گئی تھی اور اب وہاں کسی سنتری کا وجود بھی نہیں تھا۔

چنانچہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہوتی۔ وہ اگر چاہتا تو سیل توڑ کر اندر داخل ہوسکتا تھا لیکن اس نے یہ ہی مناسب سمجھا کہ سرسری سی کاروائی کرے اور اپنے طور پر جائزہ لے لے۔ بہرحال رات کو سادہ لباس میں شاہد علی کے مکان پر پہنچ گیا۔

چاروں طرف خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ مکان تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے ایسی جگہ تلاش کی جہاں سے اندر داخل ہوا جاسکے اور اس جیسے آدمی کے لیے یہ کوئی مشکل کام ثابت نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ باآسانی گھر کے اندر داخل ہوگیا۔ سنسان جگہ کا جائزہ لینے کے لیے اس نے اپنے پاس ایک ٹارچ رکھ لی تھی۔ کیونکہ باقاعدہ خفیہ تلاشی کے موڈ میں نکلا تھا۔ غرض یہ کہ وہ اندر داخل ہوگیا تھا اور ابھی یہ طے ہی کررہا تھا کہ صورت حال کا اندر ہوکر جائزہ لے کہ اچانک ہی ایک کمرے میں چٹ کی آواز کے ساتھ روشنی ہوئی اور شہروز اچھل پڑا۔

ایک لمحے کے اندر اندر اس کے ذہن میں شدید تجسس جاگ اٹھا...... یہاں کون آسکتا ہے لیکن ظاہر ہے کوئی آیا تھا۔ شہروز نے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ دوسرے ہاتھ میں ٹارچ رکھی اور پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ بڑے سنسنی خیز لمحات تھے۔

معمولی سا کیس تھا۔ جس کی نوعیت بڑی سادہ سی تھی اور اسے آسانی سے حل کر کے ختم کیا جاسکتا تھا کیونکہ اس کے پیچھے کوئی بڑا آدمی موجود نہیں تھا اور کوئی ایسی الجھی ہوئی صورت حال پیش نہیں آئی تھی۔ جو باعث تردد ہوتی لیکن دلچسپیاں شروع ہوگئی تھیں اور یہ اندازہ ہورہا تھا کہ کیس اپنی نوعیت بدل رہا ہے۔

شہروز بلی کی طرح دبے قدموں چلتا ہوا آگے بڑھا اور اس کمرے کے سامنے پہنچ گیا جس سے روشنی جھلک رہی تھی۔ اس نے بہت ہی محتاط انداز میں دروازے کو تھوڑا دبا کر دیکھا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اس نے کوئی ایسا رخنہ تلاش کیا جہاں سے اندر کا جائزہ لیا جاسکے اور کی ہول ایسے مواقع پر انتہائی مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ کی ہول سے اس نے آنکھ لگادی اور اندر موجود شخص کو محسوس کرنے لگا۔ کوئی دبے پاؤں چل رہا تھا۔ پھر کسی الماری کے کھلنے کی آواز سنائی دی اور شہروز جائزہ لیتا رہا۔

وہ شخصیت سامنے نہیں تھی جو اندر موجود تھی لیکن دوتین بار اس نے ان پیروں کا جائزہ لیا تھا جو ادھر سے ادھر جارہے تھے۔ شہروز نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور پھر آخری فیصلہ کرلیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے دروازے کو زور سے کھولا۔ کمرے میں چونکہ روشنی تھی۔ اس لیے اسے ایک لمحے میں وہ چہرہ نظر آگیا۔ جو اندر موجود تھا لیکن شہروز سے ذرا چوک ہوگئی۔ اس نے یہ اندازہ نہیں لگایا تھا کہ بائیں سمت ایک ایسی بڑی کھڑکی موجود ہے۔ جس کے دروازے میں نہ سلاخیں ہیں اور نہ اور کوئی رکاوٹ اس سے باآسانی اندر یا باہر آیا' جایا جاسکتا ہے۔ اندر جو شخصیت موجود تھی اس نے ایک لمحے کے لیے حیران نگاہوں سے شہروز کو دیکھا اور دوسرے لمحے پلٹ کر کھڑکی سے چھلانگ

لگادی۔ کوئی بہت ہی پھرتیلا آدمی تھا لیکن کوئی کیوں شہروز نے اس کے چہرے کی ایک جھلک تو دیکھ ہی لی تھی اور ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا تھا۔

یہ شاہد علی کا بیمار بھائی ماجد علی تھا۔ جو ہسپتال کے کپڑے پہنے ہوئے تھا لیکن کینسر کا مریض اتنا پھرتیلا...... شہروز سن رہ گیا۔ پھر ایک دم ہوش میں آ کر وہ کھڑکی کی جانب دوڑ اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ دور دور تک تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ کسی انسانی وجود کا یہاں پتا نہیں تھا۔ شہروز کا ذہن بری طرح چکرا کر رہ گیا تھا۔ ایک نئے کردار کا اضافہ ہو گیا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ یقین نہ آئے۔ کیس واقعی الجھ گیا تھا۔

شہروز ٹھنڈی سانس لے کر واپس آ گیا۔

چھوٹی سی وہ الماری کھلی ہوئی تھی۔ جس کی تلاشی پہلے ہی لی جا چکی تھی اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو باعث پریشانی ہو۔ شہروز کے ذہن میں چرخیاں سی چلنے لگیں۔ یہ ایک نیا اشارہ تھا۔ اس کے لیے ماجد علی' ماجد علی۔

بہر حال اس نے پھر بھی الماری کی تلاشی لی۔ ماجد علی یہاں کیا تلاش کرنے آیا تھا اور کیا وہ بیمار نہیں ہے۔ کیا یہ سب کچھ ایک ڈھونگ ہے۔ ایک شدید سنسنی اس کے پورے وجود میں دوڑ رہی تھی۔ لوگ جرائم کرتے ہیں۔ کتنی ذہانت اور شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ ماجد علی کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ کوئی خطرناک شخصیت ہے لیکن شہروز کو اپنی آنکھوں پر یقین تھا ایک بات جو سمجھ میں آئی ہو پھر اس نے اس چھوٹے سے گھر کی ایک ایک چیز کی تلاشی لے ڈالی کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی اس نے لیکن کچھ بھی نہیں ملا۔ ماجد علی کس چیز کی تلاش میں یہاں آیا تھا اور اب اس کے بعد وہ کیا کرے گا۔ کیا طریقہ کار اختیار کرے گا وہ...... کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

شہروز نے لائٹ بجھائی اور اس کے بعد کھڑکی بند کی۔ پھر دروازے سے باہر نکل آیا اور اسی راستے واپس لوٹ آیا۔ جس سے گھر میں داخل ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار گھر کی جانب جا رہی تھی۔ اپنے بستر پر لیٹ کر وہ اس پیچیدہ مسئلے کی گتھیاں سلجھانے لگا۔ ماجد علی کا یہ انداز دیکھنے کے بعد اسے بڑی عجیب سی کیفیت کا احساس ہوا تھا۔ نجانے کس خیال کے تحت وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ اس کے ذہن میں اب یہ احساس تھا کہ ممکن ہے ماجد علی نے کوئی ایسا کھیل کھیلا ہو مگر کیا کھیل ہو سکتا ہے۔

ناہید نے ایک خاکہ پیش کیا تھا۔ اتنا موثر اتنا جامع کہ یقین نہ آئے۔ شہروز اب اس خاکے پر غور کرنے لگا لیکن اب اس میں ایک ترمیم خود بخود پیدا ہو رہی تھی اور وہ ترمیم یہ تھی کہ ممکن ہے کہ اس کے پس پردہ شاہد علی نہ ہو لیکن سائرہ کو ماجد علی نے کسی برائی کی بنا پر قتل کیا ہو۔ کسی ایسے شک کا شکار ہو کر جو پہلے اس کے ذہن میں نہ ہو ممکن ہے۔ اسے سائرہ کی ذات پر کوئی شبہ ہوا ہو۔ خبیر بیگ کا کیس تو معلوم تھا یہ ایک قرین قیاس بات تھی۔ بعد میں جب ماجد علی خراب حالات کا شکار ہوا تو ہو سکتا ہے۔ سائرہ کا ذہن جھکا ہو۔ ان دونوں کے درمیان کوئی چپقلش ہوئی ہو۔ سائرہ نے اس سے کہا ہو کہ اس نے ایک دولتمند آدمی کو چھوڑ کر ایک قلاش شخص سے شادی کی ایک بیمار آدمی سے ماجد علی اس بات پر مشتعل ہو گیا اور اس نے سائرہ کو قتل کر دیا اور محبت کرنے والا بھائی اپنے بھائی کو بچانے کے لیے خود محبت کی صلیب پر مصلوب

ہونے کے لیے تیار ہو گیا ہو۔

ہو سکتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے مگر اس نے وہ ایک لاکھ روپے کا چیک۔ شہروز نے فیصلہ کیا کہ کل وہ ان کاغذات کا ایک بار پھر جائزہ لے گا۔ اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ چالاک ماجد علی نے کسی شکل میں یہ چیک وصول کیا ہو اور شاہد کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیا ہو لیکن کوئی مؤثر اور کوئی جامع بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اب ماجد علی کیا کرے گا۔ کیا اس نے بھی اسی طرح دیکھ لیا ہے۔ جس طرح میں نے اس کی صورت دیکھی تھی۔ اگر اس نے مجھے پہچان لیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے بعد وہ کینسر ہسپتال میں نہیں ملے گا۔ پتا نہیں وہ کینسر کا مریض ہے بھی یا نہیں ان تمام چیزوں کا جائزہ لینا بہر حال ضروری تھا۔

کیس کی نوعیت ایک دم بدل گئی تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ بظاہر یہ سادہ سا کیس درحقیقت سادہ نہیں بلکہ اپنی نوعیت کا اچھا خاصا الجھا ہوا کیس ہے اور اس کے سلجھانے میں مزہ آجائے گا۔ ایسی چیزیں بہر حال شہروز کے لیے باعث خوشی، لیکن ہوتی تھیں اور یہ لیکن کچھ اور بڑھ چکی تھی۔

بہر حال فیصلے کرتا رہا اور اس کے بعد نیند آگئی۔

دوسرے دن آفس پہنچنے کے بعد کافی دیر تک مصروف رہا اور پھر آفس سے باہر نکل آیا۔ گرج خان کو ساتھ لیا اور اس ہسپتال کی جانب چل پڑا جس میں ماجد علی داخل تھا۔ کینسر وارڈ میں جانے کے بجائے وہ ڈاکٹرز روم میں پہنچا تھا۔ ایک آفیسر کی آمد ویسے بھی اپنی جگہ ایک مقام رکھتی ہے۔ چنانچہ اپنی جگہ موجود ڈاکٹروں نے اس کی پذیرائی کی اور ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر نے اس سے اس کی آمد کی وجہ پوچھی۔

”جی سر! آپ سے کچھ معلومات درکار ہیں امید ہے آپ تعاون کریں گے۔ یہ قتل کے کیس کا معاملہ ہے۔“

”فرمائیے، ہم ہر طرح حاضر ہیں۔“

”مجھے ماجد علی نامی کینسر کے مریض کی تفصیلی رپورٹ درکار ہے۔“

”جی بہتر، میں ابھی مہیا کیے دیتا ہوں۔“

”آپ کا نام کیا ہے۔ ڈاکٹر۔“

”مجھے سلیم احمد کہتے ہیں۔“

”سلیم احمد اصل میں میری خواہش ہے کہ اس سارے مسئلے کو صیغہ راز میں رکھا جائے اور کسی کو اس بارے میں تفصیل معلوم نہ ہو۔ آپ سمجھتے ہیں کہ پولیس کے معاملات ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔“

”جی میں سمجھتا ہوں۔“

”تو کیا آپ اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کریں گے۔“

”سو فیصد جناب۔“ ڈاکٹر سلیم احمد نے کہا پھر اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر تھوڑی دیر کے لیے معذرت کی اور غالباً کسی ایسی طرف

چل پڑا جہاں سے ماجد علی کی رپورٹیں حاصل ہو سکتی تھیں۔

ماجد علی کی رپورٹوں کا فائل تھوڑی ہی دیر میں آ گیا اور شہروز اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ تمام ریکارڈ موجود تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ بہت سے ڈاکٹروں کی متفقہ رائے کے مطابق ماجد علی کینسر کا خطرناک مریض تھا اور مرض پوری طرح شدت اختیار کر چکا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب کیا مریض کے مرض کو اس حد تک پہنچ جانے کے بعد اس کے جسم میں قوتیں بحال رہتی ہیں جن کی بنا پر وہ کوئی خطرناک جسمانی کارروائی سرانجام دے سکے۔''

''جی ہاں بے شک ماجد علی اندرونی طور پر بہت کمزور ہو چکا ہے لیکن وہ مشقت بھی کر سکتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ وہ مشقت کچھ وقت کے لیے اسے بری طرح نڈھال کر دے اور اس کے اثرات بھی دیرپا ہوں۔''

''کیا آپ نے ماجد علی کا جائزہ لیا ہے۔'' شہروز نے پوچھا اور ڈاکٹر چونک پڑا اس نے آہستہ سے کہا۔

''جی، آپ کوئی خاص بات کہنا چاہتے ہیں۔''

''ڈاکٹر کیا آپ کے خیال میں اس نے کوئی فوری مشقت کی ہے۔''

''میں آپ کو یہی بتانا چاہتا تھا۔ کل کی نسبت اس کی حالت آج خاصی بگڑ گئی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں راؤنڈ پر تھا اور میں نے اس کا جائزہ بھی لیا تھا۔ وہ کافی متاثر ہے لیکن اس وقت میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اس نے کوئی مشقت کی ہے کیا آپ اس سلسلے میں میری مدد کر سکتے ہیں۔''

''میرا مطلب ہے۔ تھوڑی سی بھاگ دوڑ یا کہیں آنا جانا ویسے ڈاکٹر کیا وہ رات کو اپنے کمرے سے کہیں جا سکتا ہے۔''

''دیکھیے اصل مسئلہ ہے کہ اس مریض کے لیے کہیں سے ایسی بڑی امداد حاصل نہیں ہے۔ جس کی بنا پر اس پر بہت توجہ دی جاتی ہو۔ اخراجات کے معاملات بھی کچھ ایسے ہی ہیں اور بس انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کام ہو رہا ہے۔ تھوڑے بہت اخراجات اس کے بھائی پورے کر دیتا ہے لیکن ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جس کے لیے ہم کہہ سکیں کہ اس پر کوئی خصوصی توجہ یا نگرانی رکھی جاتی ہے۔ آپ میری صاف گوئی کا برا نہ مانیں۔ یہ تو ایک بنیادی اصول ہے۔ سارے کھیل دولت کے بل بوتے پر ہوتے ہیں اور اس کو ایسی کوئی دلچسپی یا سپورٹ حاصل نہیں۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ وہ رات کو اپنے کمرے سے نکل سکتا ہے۔''

''جی ہاں...... اگر چوری چھپے کوئی نکل کر کہیں جانا چاہے اور خاموشی سے واپس آ جائے۔''

☆......☆......☆

''اس کا مطلب ہے وہ کمرے سے نکل سکتا ہے۔''

''جی ہاں۔ چونکہ میں ایک آفیسر کو بیان دے رہا ہوں۔ اس لیے میں اس میں کوئی غلط بیانی نہیں کروں گا۔ اور میرے خیال میں

باہر جانے والے کو اتنی وقت بھی نہیں ہوگی۔“

”جی بہتر ڈاکٹر صاحب یہی معلوم کرنا تھا۔“

”میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔ جناب کیا ماجد علی کو کہیں باہر دیکھا گیا ہے۔“

”جی۔“

”آئندہ کے لیے کوئی ہدایت ہے۔“

”نہیں ڈاکٹر صاحب۔ میرا خیال ہے۔ آپ اسے کسی قسم کے شک کا موقع نہ دیں بہر حال بہت بہت شکریہ اس یقین کے ساتھ واپس جا رہا ہوں کہ آپ میری دی ہوئی ہدایات کا خیال رکھیں گے اور ماجد علی کو یہ احساس نہ ہونے دیں گے کہ پولیس یہاں آئی تھی اور اس کے بارے میں تفتیش ہوئی ہے۔“

”آپ اطمینان رکھئے مجھ پر۔“ ڈاکٹر سلیم احمد نے کہا اور شہروز اس سے ہاتھ ملا کر واپس چل پڑا۔

☆......☆......☆

خبیر بیگ کی ملاقات بیرون ملک میں فرید اللہ سے ہوئی تھی۔ فرید اللہ مقامی کاروباری تھے اور خبیر بیگ بینک کی طرف سے ایک مختصر سے کورس کے لیے بیرون ملک گئے تھے۔ وہاں ایک ہوٹل میں ان کا قیام تھا اور ان کے سامنے والے کمرے میں فرید اللہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہم وطن ہونے کی وجہ سے دونوں کی ہیلو ہائے ہوئی اور اس کے بعد فرید اللہ کا ایک ایسا مسئلہ نکل آیا جو خبیر بیگ کی ذہانت سے حل ہو گیا۔ ایک مالیاتی معاملہ تھا۔ جس میں کسی ذہین بینکر کی ضرورت تھی۔ فرید اللہ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ خبیر بیگ ایک بینکر اور اکاؤنٹنٹ ہیں تو انہوں نے ان سے رجوع کیا اور بڑی احتیاط کے ساتھ انہیں اپنی مشکل بتائی۔ معاملہ کروڑوں کے نقصان کا تھا اور اسے فرید اللہ حل نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے خبیر بیگ کو ساری تفصیلات بتائیں اور ان سے کہا کہ اگر وہ ان کی مدد کریں تو وہ اسے معقول معاوضہ بھی دے سکتے ہیں۔

خبیر بیگ نے حامی بھر لی اور اس کے بعد وہ فرید اللہ کے کام میں مصروف ہو گیا۔ پھر اس نے اتنی خوش اسلوبی سے فرید اللہ کے مسئلے کو حل کیا کہ سارا کھیل ہی بدل گیا اور فرید اللہ ایک بڑے نقصان سے بچ گئے جو انہیں وہاں ہونے والا تھا۔ اس نوجوان کی ذہانت سے وہ اسقدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنے دل میں ایک فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی اکلوتی بیٹی شمسہ فرید کو اس سے منسوب کر دیں گے۔

خبیر بیگ کے تمام کوائف وہ معلوم کر چکے تھے اور اپنے دل میں یہ سوچ رہے تھے اگر کاروبار کا تاریک حصہ خبیر بیگ کے حوالے کر دیا جائے جس نے انہیں ذہنی طور پر ہمیشہ خوفزدہ رکھا ہے تو خبیر بیگ اتنا ذہین نوجوان ہے کہ وہ صورتحال کو سنبھال لے گا۔ چنانچہ وطن واپسی کے بعد انہوں نے اپنے اہل خاندان سے تذکرہ کیا اور خبیر بیگ ان دنوں بیرون ملک میں ہی تھا۔ جب فرید اللہ صرف ایک مہینے کے وقفے کے بعد دوبارہ وہاں پہنچ گئے۔

اس بار وہ اپنی بیٹی شمسہ فرید کو ساتھ لے کر گئے تھے۔ شمسہ فرید ایک قبول صورت لڑکی تھی۔ بدن قدرے فربہی کی جانب مائل تھا۔ اکلوتی بیٹی ہونے کی وجہ سے مزاج میں طوفانی شدت تھی۔ ہر چیز سے بہت جلد بیزار ہو جایا کرتی تھی۔ بے پناہ مغرور تھی۔ عیش وعشرت کی رسیا۔ کاہل الوجود ہر شخص پر حکم چلانے کی عادی لیکن بہر حال اسے خبیر بیگ پسند آیا اور ان کی خوب ملاقاتیں ہوتیں رہیں۔

فرید اللہ صاحب نے انہیں پوری طرح مواقع فراہم کئے تھے اور خبیر بیگ جو ایک سیدھا سادا نوجوان تھا' بری طرح شمہ فرید کے شکنجے میں آ گیا۔ وہ ایک مایوس محبت تھا۔

طالب علمی کے دور میں اس نے ایک لڑکی کو چاہا تھا لیکن لڑکی کی محبت حاصل نہیں کر سکا تھا۔

بہر حال شمسہ فرید اس کے ساتھ رہی اور وہیں پر فرید اللہ نے بڑی ذہانت کے ساتھ اس بات کا تذکرہ کر دیا کہ اگر خبیر بیگ چاہے تو وہ اسے اپنا داماد بنا سکتے ہیں۔ انہوں نے کچھ پیش کشیں بھی کیں۔ مثلاً یہ کہ خبیر بیگ کو ایک الگ فرم کھلوا دیں گے اور یہ فرم اسے جہیز میں دی جائے گی اور وہ اس کا مکمل مالک ہوگا اور زندگی عیش وعشرت سے گزرے گی۔

خبیر بیگ نے سوچا کیا حرج ہے۔ تقدیر اگر اس طرح بدل رہی ہے تو اس موقع سے فائدہ اٹھانا ہی بہتر ہوگا۔ چنانچہ اس نے تمام باتوں کو تسلیم کر لیا اور بیرون ملک ہی ان دونوں کا نکاح کر دیا گیا۔ وہ میاں بیوی کی حیثیت سے وطن واپس آئے تھے اور یہاں آنے کے بعد خبیر بیگ نے بینک کی نوکری چھوڑ دی اور وہ تمام واجبات ادا کر دیئے جو بینک کے سلسلے میں کیے گئے تھے۔ پھر شرکت انٹر پرائزز کا وجود عمل میں آیا۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن شمسہ فرید اللہ جو اب شمسہ خبیر بن گئی تھی۔ بڑی خطرناک بیوی ثابت ہوئی۔

شادی کے بعد تو اس نے اپنے آپ کو بالکل ہی چھوڑ دیا تھا۔ کھانے پینے کی بے حد شوقین تھی اور خبیر بیگ شروع میں تو بے حد بے چین رہا لیکن بعد میں وہ ان تمام چیزوں کا عادی ہو گیا۔ صرف بیوی ہی کی تو ناز برداری کرنی پڑتی تھی۔ ورنہ باقی زندگی میں اور کیا مشکل رہ گئی تھی۔ اعلیٰ درجے کی فرم، عزت، وقار، مقام سماج اور سوسائٹی میں اعلیٰ حیثیت، فطری طور پر وہ شاید برا انسان تھا۔

چنانچہ شمسہ فرید اس پر حاوی ہوتی چلی گئی اس کی تیز مزاجی اور بدن کی جسامت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ ایک موٹی تازی عورت تھی اور اپنی عمر سے کہیں زیادہ نظر آنے لگی تھی۔ جبکہ خبیر بیگ ایک سمارٹ نوجوان تھا۔ شمسہ فرید اللہ کو شک کرنے کی عادت تھی اور اپنی اس عادت کی بنا پر وہ بارہا مختلف مشکلات کا شکار ہو چکی تھی۔

بہر حال زندگی گزر رہی تھی اور کوئی ایسا الجھا ہوا معاملہ نہیں تھا جو بہت زیادہ تردد کا باعث ہوتا لیکن خبیر بیگ کو نہیں معلوم تھا کہ زندگی میں اب کچھ مشکلات شامل ہونے والی ہیں۔ چنانچہ اس کے ساتھ ایک ایسی مشکل پیش آ گئی۔ جس نے اسے ذہنی طور پر حواس باختہ کر دیا۔ خاص طور پر اسے شمسہ کا احساس' وہ ظالم اس قدر سنگدل تھی کہ بعض اوقات جو بھی ہاتھ میں آتا تھا اٹھا کر خبیر بیگ پر دے مارتی تھی۔ کئی بار خبیر بیگ اس سے مار کھا چکا تھا۔ اتنی خونخوار عورت تھی کہ خبیر بیگ ذرا بھی اس سے منحرف ہوتا تو اس کے لیے مشکل پیش آ سکتی۔ چنانچہ خبیر بیگ پر جب یہ نئی مصیبت ٹوٹی تو وہ بہت زیادہ پریشان ہو گیا یہ مصیبت وہ خطوط تھے جو کبھی خبیر بیگ نے اپنی محبوبہ کو لکھے تھے۔ ان خطوط

میں بے پناہ محبت کا اظہار تھا۔ اس سے محبت کی بھیک مانگی گئی تھی اور کچھ ایسے واقعات کا تذکرہ کیا گیا تھا جو اگر شمسہ کے علم میں آجاتے تو شاید وہ خیبر بیگ کی گردن ہی اڑا دیتی۔ اسی قسم کی عورت تھی وہ۔ یہ خطوط فوٹو اسٹیٹ کرا کرا سے بھیجے گئے تھے اور خطوط بھیجنے والے نے اسے اپنے نام کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

خیبر بیگ ششدر رہ گیا تھا۔ بہر حال بلیک میلر جو کچھ چاہ سکتا تھا وہ ہی چاہا گیا تھا۔ خیبر بیگ نے بلیک میلر کو ایک لاکھ روپے کی رقم ادا کر دی تھی اور بلیک میلر کی جانب سے کچھ اور دھمکیوں کا انتظار کرتا رہا تھا۔ پھر بلیک میلر کی طرف سے وہ دوسرا مطالبہ کیا گیا وہ خیبر بیگ کے لیے ناقابل قبول تھا۔ پچاس لاکھ روپے کی رقم معمولی نہیں ہوتی اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ایک لاکھ کے بعد اگر بلیک میلر کو پچاس لاکھ روپے دے دیئے جائیں تو یہ ناممکن عمل ہوگا اور اس کے بعد بھی کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس کی زبان بند ہو یا نہیں بہر حال بلیک میلر کے فون آتے رہے اور آخری بار خیبر بیگ نے اس سے کہا۔

''سنو تم ایک انتہائی بے غیرت اور کمینے انسان ہو۔ میں نے تمہیں ایک لاکھ روپے ادا کر دیئے ہیں اور اس کی ادائیگی کے بعد اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے تمام مطالبے پورے کرتا رہوں گا تو یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ تم زیادہ سے زیادہ میری ازدواجی زندگی خراب کر سکتے ہو لیکن میرے خیال میں تم یہ نہیں کر پاؤ گے۔ میری بیوی ایک متلون مزاج عورت ہے اور میں یہ بات جانتا ہوں کہ اگر یہ خطوط تم نے اس کے حوالے کر دیئے تو وہ میرے ساتھ بہت برا سلوک کرے گی لیکن زیادہ سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے۔ ہمارے درمیان طلاق ہو جائے گی۔ میں اس بات کا اقرار کر لوں گا کہ میری جوانی کی غلطی تھی۔ اس کے بعد تم کچھ بھی نہ کر سکو گے۔ اگر پچاس لاکھ کے اس مطالبے کے بجائے دو لاکھ مجھ سے اور چاہئیں تو میں ادا کر دوں گا لیکن اس سے زیادہ کی بات میرے لیے قابل قبول نہیں ہے۔''

''وہ تو آپ نے بالکل ٹھیک کہا خیبر صاحب لیکن اگر یہ خطوط کسی اور کو پہنچا دیئے جائیں تو آپ کا کیا خیال ہے۔''

''میں کسی بھی بات سے اب خوف زدہ نہیں ہوں۔''

''سوچ لیجئے میں نے آپ کو بڑی مشکل سے اپنا ٹارگٹ بنایا ہے اور آپ ہی سے مجھے اپنے مستقبل کا بندوبست کرنا ہے اور اگر آپ نہ مانے تو بہر حال میں تو ایسے راستے پر آ ہی چکا ہوں۔ آپ کو بہت سی مشکلوں میں گرفتار کر سکتا ہوں۔''

''اب میں تمہارا ایک روپے کا مطالبہ بھی پورا نہیں کروں گا۔ تم سے جو کیا جا سکتا ہے۔ کر لو۔''

نہیں کروں گا۔ خیبر بیگ نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا لیکن بہر حال الجھنوں نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ وہ بلیک میلر کی جانب سے خوفزدہ رہنے لگا تھا۔

شمسہ اس پر اس طرح نگاہ رکھتی تھی۔ جیسے دشمن نگاہ رکھ سکتا ہے۔ اس نے خیبر بیگ کو پریشان دیکھا اور صبح جب اس کی آنکھ کھلی اور اس نے خیبر بیگ کو سوچ میں گم دیکھا تو اس پر برس پڑی۔

''کیا ہو گیا ہے۔ خیبر بیگ تمہیں۔ کیا بات ہے۔ عشق کر بیٹھے ہو کسی سے......''

''خبیر بیگ سہم کر پلٹا۔شمسہ کی آنکھیں دیکھیں پھر مسکرا کر بولا۔

''ہاں۔''

''مبارک ہو۔تو پھر کیا خیال ہے۔''

''کچھ نہیں۔بس یہ ہی کہ اس سے عشق جاری رکھوں گا۔''

''کتنی عمر ہو گئی ہے تمہاری۔''

''کیوں۔؟''

''اللہ نے اتنی ہی لکھی تھی کیا۔''

''کیا مطلب۔''

''نہ گولی ماروں گی اور نہ ہی چھری سے ذبح کروں گی۔بلکہ ڈنڈا لے کر اتنا پیٹوں گی تمہیں کہ تمہارے بدن کی کوئی ہڈی سلامت نہیں رہے گی۔سمجھ رہے ہو ناں تم شمسہ ہے میرا نام۔''

''یہ تو تم نے ہی پوچھا ہی نہیں کہ عشق کس سے ہوا ہے مجھے۔''

''کیا مطلب۔؟''

''ان محترمہ کا نام شمسہ خبیر ہی تو ہے۔''

''سنو۔میں بھی کالج میں رہ چکی ہوں۔تعلیم حاصل کی ہے میں نے ریسرچ ہے میری ماں باپ سے انحراف اس لیے نہیں کیا کہ ماں باپ کی ایک ہی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد سعادت مند ہو۔وہ جو کہیں اولاد ان کی بات مان لے لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ میرے اپنے ذہن میں کچھ نہیں تھا۔میں نے تمہیں جس طرح اپنایا ہے ناں خبیر بیگ یقین کرو۔بہت کم لوگ اس طرح کرتے ہیں لیکن میں نے یہ سوچا کہ میرے ذہن میں اور کچھ نہیں ہے اور ماں باپ اس بات سے خوش ہیں تو چلو۔ان کی خوشی کے لیے یہ سب کچھ کر لیا جائے۔''

''ارے مگر تم یہ باتیں کر کیوں رہی ہو۔''

''اس لیے کہ تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔''

''کیا میرے اندر اتنی ہمت ہے۔''

''مرد۔مرد وہ چیز ہے خبیر بیگ کہ جس نے اس پر اعتبار کیا وہ کتے کی موت مارا گیا۔''

''تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو۔مجھے روزِ اوّل سے تم پر اعتبار نہیں ہے۔تم ایک ضرورت مند آدمی تھے اور تم نے مجھے اپنی ضرورت کے تحت اپنا لیا۔وہ چیز تم نے مجھے کبھی نہیں دی جو ایک شوہر اور بیوی کے درمیان ہوتی ہے۔میں نے بارہا محسوس کیا ہے کہ تم بیٹھے بیٹھے کھو جاتے

ہو۔وہ کون سا تصور ہے۔ آج جب بات نکل آئی ہے تو چلو اسے واضح کردو۔''

''شمسہ کیوں ایک بے معنی بات کا بتنگڑ بنا رہی ہو۔''

''میں بات کا بتنگڑ بناتی ہوں۔ میں۔'' شمسہ نے آنکھیں نکال کر کہا۔

''اچھا بابا چلو ٹھیک ہے لیکن وہ ٹھیک نہیں ہے جو تم سوچ رہی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کاروبار ملا ہے۔ مجھے ڈیڈی نے جو کچھ دیا ہے مجھ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس کی دیکھ بھال کروں۔ اس میں اضافہ کروں۔ میں ان لوگوں میں شامل ہونا نہیں چاہتا جو بیوی کی طرف سے حاصل شدہ دولت کو اڑانا پسند کرتے ہیں۔

شمسہ میں تو اس کاروبار کو وسعت دینے کے لیے ہر وقت سوچتا رہتا ہوں اور یہ ہی میری پرابلم ہے اور کچھ نہیں۔''

''سچ کہہ رہے ہو۔''

''تمہاری قسم۔''

''خبردار اس کے بعد میری قسم مت کھانا۔ مرد کبھی بیوی کی سچی قسم نہیں کھا سکتا۔''

''اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔'' خیبر بیگ نے بے بسی سے کہا۔

''تم مجھے سمجھانے کی کوشش مت کرو۔ میں خود سمجھ جاؤں گی۔ میرے بھی وسائل کم نہیں ہیں۔ سمجھ رہے ہوناں۔ میرے پاس بھی اپنے بے پناہ ذرائع ہیں۔ غور کرنا پڑے گا تم پر دیکھنا پڑے گا تمہیں۔''

''تو بابا۔ دیکھ لینا۔ میں نے کب منع کیا ہے۔'' خیبر بیگ نے کہا اور شمسہ اسے خوفناک نگاہوں سے گھورنے لگی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی لیکن خیبر بیگ کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہو گیا تھا۔ یہ ظالم عورت واقعی اگر اس نے کہیں سے بھی سن گن پالی تو مجھے زندہ دفن کردے گی۔ کیا ہونا چاہیے۔ وہ گہری سوچوں میں ڈوب گیا۔

☆......☆......☆

''ٹرانسمیٹر پر نواز کی آواز سنائی دی اور ناہید نے فوراً ہی ٹرانسمیٹر سنبھال لیا۔

''میڈم رپورٹ موصول ہو گئی ہے۔ نوٹ فرمایئے۔''

''جی۔''

''خیبر بیگ ایک ذہین نوجوان ہے۔ اس کا ماضی بے داغ ہے۔ زمانہ طالب علمی میں بھی وہ سیدھا سادا پڑھنے والا نوجوان رہا تھا۔ زندگی کی رنگینوں سے دور ہی رہا۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد اسے میرٹ پر ملازمت ملی۔ اور بینک میں اس کا گراف اونچا رہا جس کی بناء پر بینک نے اسے ایک خاص کورس کے لیے جرمنی بھیجا۔ بیرون ملک سے واپس آیا تو شادی شدہ تھا۔ فرید اللہ نامی ایک دولت مند آدمی نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے بیرون ملک میں ہی کردی تھی اور اس کے بعد خیبر بیگ نے اپنے والد کے نام پر شوکت انٹر پرائز کی بنیاد ڈالی۔

بس اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ مسز خبیر ایک تند مزاج اور خونخوار خاتون ہیں اور خبیر بیگ ان سے ڈرتا ہے اور اصولی طور پر اسے ڈرنا بھی چاہیے کیونکہ بیوی کے ذریعے ہی اسے یہ مقام ملا ہے۔ بس اتنی ہی رپورٹ حاصل ہو سکی ہے۔"

"گویا وہ جو اچانک دولت مند بنا ہے اس کی بنیاد اس کی بیوی ہے۔"

"جی میڈم بالکل۔"

"تھینک یو ناز۔ اور کچھ۔"

"نہیں میڈم بس اور کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"او کے۔ پھر یہ رپورٹ شہروز تک پہنچانا ناہید کی ذمے داری تھی۔" شہروز نے ٹیلی فون پر رپورٹ سننے کے بعد کہا۔

"ٹھیک ناہید بالکل صحیح ہے۔ گویا خبیر بیگ کی یہ پوزیشن واضح ہو گئی کہ دولت اس کے پاس کسی چور راستے سے نہیں آئی۔"

"جی شہروز۔"

"کیا ہو رہا ہے۔"

"کچھ نہیں۔"

"تو پھر آ جاؤ۔"

"کہاں۔"

"کہیں بھی تنہائی میں۔"

"جی۔"

"ہاں۔ میرا مطلب ہے کہ گھر آ جاؤ۔" شہروز نے حسب عادت کہا۔

"آپ حکم دیں تو حاضر ہو جاؤں گی شہروز۔"

"آپ جناب کر کے اگر آنا ہے تو مت آنا۔ زیادہ بہتر ہوگا۔"

"نہیں شہروز میں پہنچ رہی ہوں۔"

"ابھی نہیں۔"

"پھر۔"

"شام کو پانچ بجے کے بعد۔"

"بہتر ہے۔" شہروز نے ٹیلی فون بند کر دیا اور شام کو پانچ بجے ناہید کوٹھی میں داخل ہو گئی۔ جبرو بڑا خوش نظر آ رہا تھا۔ ناہید سے ملاقات ہوئی تو اس کے ساتھ ساتھ اندر تک آیا۔

''کیا بات ہے جبرو۔''

''کچھ نہیں ناہید بی بی۔ بس صاحب سے مذاق چل رہا تھا۔'' جبرو نے کہا۔

''اچھا موڈ بہت خوشگوار ہے۔''

''صاحب تو ہمیشہ ہی اچھے موڈ میں رہتے ہیں۔''

''ہوں۔'' شہروز نے ناہید کا استقبال کیا اور جبرو سے کہا۔'' ٹھیک ہے جبرو اب تم آرام کرو۔''

''جی صاحب۔''

''آیئے مس ناہید۔''

''سنا ہے بہت اچھا موڈ ہے آپ کا۔''

''نہیں ہونا چاہیے۔''

''واہ کیا لہجے کی تبدیلی سے مفہوم بدلا ہے۔ واہ واہ ناہید کبھی تم نے شاعری کی ہے۔''

''نہیں بالکل نہیں۔''

''کیوں۔؟''

''بس۔ میرا نظریہ ہے کہ شاعری کرنے کے بعد انسان کچھ اور نہیں کرتا۔''

''ارے تم قیامت ہو رہی ہو۔''

''کیوں شہروز صاحب۔'' ناہید نے کہا۔

''بہت خوبصورت جملے بول رہی ہو۔''

''شکریہ! بس آپ ہی کی محبت ہے۔'' ناہید نے ہنس کر کہا۔

''تو خبیر بیگ بیوی زدہ ہیں۔''

''جی شہروز یہ ہی سنا ہے۔ ویسے ایک بات بتایئے۔''

''جی۔''

''ایسے کیسے ہو جاتا ہے۔''

''کیسا۔؟''

''مرد اور عورت سے خوفزدہ ہو جائے''

''ہوتا ہے ناہید''

’’کیوں آخر‘‘

’’مختلف عوامل ہوتے ہیں۔‘‘

’’کیا مطلب۔؟‘‘

’’اب جیسے میں تم سے خوفزدہ ہوں۔‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’کیوں بھئی۔؟‘‘

’’بس ناہید، کہیں، کہیں اس میں محبت کا عنصر ملتا ہے۔ انسان اس احساس سے خوفزدہ رہتا ہے کہ کہیں اسے اس کی محبت حاصل نہ ہو۔ ایسا نہ ہو جائے۔‘‘

’’شہروز یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔‘‘

’’کوئی غلطی ہوگئی ناہید مجھ سے۔‘‘ شہروز نے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کی اور ناہید ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔

’’نہیں آج آپ مجھے بتا ہی دیجئے۔‘‘

’’کک۔ کیا۔‘‘ شہروز بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

’’یہی کہ آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں۔‘‘

’’ناہید کیا سوری کہوں۔‘‘

’’جو آپ کا دل چاہے کہہ دیجئے۔‘‘

’’پھر...... پھر وہی بات مجھے بتا دو کہ اگر میری بات سے ناراض ہوئی ہو تو کم از کم مجھے پتا تو چلنا چاہیے۔‘‘

’’نہیں میں ناراض نہیں ہوں۔‘‘

’’خوش ہوئی ہو۔‘‘ شہروز نے سوال کیا۔

’’دیکھو شہروز میں لڑکی ہوں۔‘‘

’’خ۔ خدا کی قسم میں نے تمہیں کبھی مرد نہیں سمجھا۔‘‘ شہروز نے کہا اور ناہید ہنس پڑی۔

’’شہروز میں سنجیدہ ہوں۔‘‘

’’میں بھی سنجیدہ ہوں۔ تم کچھ کہہ رہی تھیں۔‘‘

’’آپ پھر مجھے اس موضوع پر لے آئے۔‘‘

’’اچھا چلو چھوڑو۔‘‘

''نہیں آج نہیں چھوڑوں گی۔''

''ارے باپ رے۔ جج۔ جج جرو۔'' شہروز نے کہا۔

''دیکھئے آپ ٹالیے نہیں۔''

''کیا کہوں ناہید۔''

''جو آپ کہنا چاہتے ہیں۔''

''جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ وہ آہستہ آہستہ کہتا تو رہتا ہوں۔''

''مگر میں اسے نہیں سمجھ پائی۔''

''ناہید کچھ وقت لگ جائے تو کوئی حرج نہیں ہوتا۔ کسی اچھے کام میں۔ ہو نا خوش اسلوبی سے چاہیے۔ سب کی رضامندی سے۔ اس باعزت طریقے سے جس باعزت طریقے سے یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ اس کا مزہ ہی کچھ اور ہے اور اب مجھ سے اس سے زیادہ وضاحت مانگو گی تو میں نہیں کرسکوں گا۔ ہاں۔ مسترد کرنے کا حق تمہیں حاصل ہے۔ یہ حق میں تم سے کبھی نہیں چھینوں گا۔''

''شہروز تمہارا کیا خیال ہے اس سلسلے میں آپ نے کسی کو ٹارگٹ بنایا۔'' ناہید نے ایک دم موضوع بدل دیا اور شہروز اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

''گڈ ویری گڈ۔ آخر ہو نا میری ہی شاگرد۔''

''وہ تو ہوں نا۔ شروز صاحب۔''

''ہاں ناہید کچھ نئے مسائل سامنے آئے ہیں۔ ویسے تمہارا خبیر بیگ کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''ہم بہت سی باتیں سوچ سکتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ایک نظریہ قائم کیا تھا۔ اس نظریئے کے مطابق خبیر بیگ ہماری نگاہوں میں ایک مشکوک شخصیت تھی لیکن موجودہ حالات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ تو خود بیوی زدہ ہے۔ ایسا کوئی عمل نہیں کرسکتا۔ ایسا کوئی عمل کرنے کے بجائے دولت حاصل کرنے کے بعد وہ کوئی عمدہ منصوبہ بنا کر اپنی بیوی کو بھی قتل کرسکتا تھا۔''

''ہوں۔ بہرحال اسے ٹٹولنا ہے۔ وہ ایک اہم کردار ہے ہمارے سامنے۔''

''جی بالکل شہروز۔''

''لیکن ایک اور شخصیت میرے سامنے آئی ہے۔''

''کون۔؟''

''ماجد علی۔''

''کیا مطلب۔؟''

''میں بتاتا ہوں۔'' شہروز نے کہا اور پھر ماجد علی کے بارے میں ساری تفصیلات ناہید کو بتا دیں۔ ناہید کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ دیر تک شہروز کو دیکھتی رہی اور پھر اس نے کہا۔''اس کا مطلب ہے کہ کہ......کہ۔''

''ہاں۔ ایک کردار وہ بھی ہو سکتا ہے۔''

''کتنے الجھے ہوئے معاملات ہیں شہروز صاحب۔ آپ ذرا غور کیجئے۔ ایک شخص اپنے جرم کا اعتراف کر کے آتا ہے اور اپنے آپ کو پولیس کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔''

''ہاں ناہید۔''

''وہ مجرم نہیں ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہے وہ بھی بالکل درست ہے۔''

''جی۔''

''ایک بات اور کہوں شہروز صاحب مجھے براہ کرم اجازت دیجئے کیونکہ بات کچھ ایسی ہی ہے جو اصولی طور پر میرے منہ سے ادا نہیں ہونی چاہیے۔''

''نہیں ناہید یہ تو کیسی ہے۔ جو کچھ بھی کہنا ہے۔ بے دھڑک کہو۔''

''شہروز' پوسٹ مارٹم کی رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ جس جرم کا الزام شاہد علی نے کیا ہے وہ ہوا ہے۔ میرا مطلب ہے۔ اس کے قتل ہونے سے کچھ وقت پہلے۔''

''ہاں پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی یہ ہی بتاتی ہے۔''

''اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ کینسر کا وہ مریض اس عورت کا شوہر ہے ہسپتال میں داخل ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔ تم یہی کہنا چاہتی ہو کہ ماجد اس معاملے میں ملوث نہیں ہو سکتا۔''

''جی شہروز۔''

''ٹھیک ہے۔ آگے بولو۔''

''ایسی صورت میں وہ شخصیت تو بہر حال رہ جاتی ہے جس نے یہ جرم کیا۔''

''ہاں۔''

''اور حالات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ شاہد علی نہیں ہو سکتا۔''

''نہیں حالات نے ابھی یہ رخ تبدیل نہیں کیا۔''

''میرا مطلب ہے۔ ہم نے جو نظریہ قائم کیا ہے اس کے مطابق۔''

''ہاں۔ یہ تم کہہ سکتی ہو۔''

''تو پھر وہ شخصیت خیبر بیگ کے علاوہ کس کی ہو سکتی ہے۔''

''ہوں۔ اس سلسلے میں صرف ایک بات اور الجھی رہ جاتی ہے ناہید۔''

''کیا۔؟''

''جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ ماجد علی کو میں نے اس کے گھر میں دیکھا تھا۔''

''جی۔''

''اور وہ کینسر ہسپتال سے بھاگ کر آیا تھا۔''

''اوہ۔ جی ہاں۔ وقوعہ والی رات وہ آ سکتا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو پیش کچھ آیا۔ شاہد علی نے اپنے بھائی کی زندگی بچانے کے لیے وہ سب کچھ اپنے سر لیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وقوعہ والی رات ماجد علی نے وہاں جو کچھ دیکھا وہ اس سے برداشت نہیں ہو سکا یعنی خیبر بیگ کو اپنی بیوی کے قریب پا کر وہ مشتعل ہوا۔''

''لیکن شہروز اس میں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے۔''

''کیا۔؟''

''کیا وہ روزانہ اپنی بیوی کے پاس آیا کرتا تھا۔ اس پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ نہ وہ قیدی تھا۔ جب وہ ہسپتال سے وہاں تک آ سکتا تھا تو ہسپتال سے چھٹی بھی لے سکتا تھا۔ ڈاکٹر اسے زبردستی تو نہیں روکیں گے۔''

''ہوں۔ پوائنٹ یہ بھی ٹھیک ہے۔''

''بہر حال شہروز ابھی ہم کوئی بات حتمی لہجے میں نہیں کہہ سکتے۔''

''ہاں۔''

''پھر خیبر بیگ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔''

''خیبر بیگ سے ملاقات کرنی پڑے گی۔'' شہروز نے کہا۔

''میں بھی یہ ہی چاہتی ہوں۔''

''ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انہیں تین افراد میں سے ایک سائرہ کا قاتل ہے اور ہمیں اسے ٹریس کرنا ہے۔''

''حالانکہ اقبالی مجرم لاک اپ میں بند ہے۔''

''بس یہ ہی تو الجھی ہوئی بات ہے کہ وہ شخص قاتل معلوم نہیں ہوتا۔ وہ صرف جذبوں کا شکار ہے۔ جبکہ دوسرے اس کے جذبے نہیں سمجھ پا رہے۔''

''جی۔'' ناہید نے جواب دیا۔

''کیوں ملنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے۔'' خبیر بیگ کی آواز فون پر ابھری۔

''خبیر بیگ صاحب کوئی کسی سے ملنے کا خواہش مند ہوتا ہے تو اسکے پس پردہ کچھ نہ کچھ ہوتا ہی ہے۔ آپ یہ بتایئے کہ دفتری اوقات میں آپ کسی کو کتنا وقت دے سکتے ہیں۔''

''یہ حالات پر منحصر ہے کہ کون شخصیت مجھ سے ملنا چاہتی ہے اور اس کی ملاقات سے میرے کاروباری امور میں کیا مدد مل سکتی ہے۔''

''خبیر بیگ' اس معاملات میں کاروباری امور میں آپ کو بے شک کوئی مدد نہیں حاصل ہو سکتی لیکن زندگی کے امور میں کچھ ایسے معاملات ہوتے ہیں جن میں دوسروں سے تعاون کرنا ہی پڑتا ہے۔''

''پتا نہیں کیوں آپ مجھ پر منطق جھاڑ رہے ہیں۔ خیر آپ کون صاحب ہیں اور کتنی دیر میں تشریف لا رہے ہیں۔''

''ہم بہت جلد آ رہے ہیں۔''

''کتنے افراد ہیں۔؟''

''صرف دو۔''

''آ جایئے میں اپنی سیکریٹری سے کہہ دیتا ہوں۔ نام بتا دیجئے آپ اپنا۔''

''شہروز اور مس ناہید۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ تشریف لے آیئے۔''

''خبیر بیگ کی آواز سنائی دی اور شہروز نے فون بند کر دیا۔ وہ شوکت انٹر پرائزز کے سامنے ایک جنرل اسٹور سے فون کر رہا تھا۔ صرف سڑک عبور کر کے یہ لوگ شوکت انٹر پرائزز میں داخل ہو سکتے تھے۔ چنانچہ صرف سڑک عبور کر کے فرم کے دفتر میں داخل ہو گئے۔ سیکریٹری کو شاید ہدایات مل چکی تھیں۔''

''ایک سیکنڈ سر میں معلومات کر لوں۔'' اس نے خبیر بیگ سے انٹر کام پر اجازت لی اور پھر ان دونوں کو دیکھا اور پھر بیٹھنے کی اجازت دیدی تھی۔

''جی۔؟''

''خبیر بیگ یوں لگتا ہے کہ اپنی مسز کی معیت میں آپ بھی کافی بدمزاج ہو گئے ہیں۔'' خبیر بیگ نے ایک الجھی ہوئی نظر ان پر ڈالی اور بولا۔

''گویا آپ اپنی گفتگو سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ آپ مجھ سے نہیں میری مسز سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔''

''آپ یوں سمجھ لیجئے۔ ان ہی کے ایماء پر ہم یہاں آئے ہیں۔ شہروز نے کہا خبیر بیگ چونک پڑا۔

''اوہ' اوہ۔'' اس کا لہجہ اچانک نڈھال ہو گیا اور اس نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

"گویا۔ شمسہ وہ کر رہی ہے، جس کا اظہار اس نے مجھ سے کر دیا تھا۔"

"جی ہاں ۔یہ ہی بات ہے۔"

"سنیئے مسٹر شہروز خدا کے لیے مجھ کسی مصیبت میں ڈالنے سے گریز کیجئے۔ یقینی طور پر آپ اس کے پیڈ ہوں گے۔ میرا مطلب ہے۔اس نے آپ کو اس انوسٹی گیشن کے لیے کچھ رقم ادا کی ہوگی۔ آپ یہ بتایئے آپ کو مجھ سے اور کتنی رقم درکار ہے۔ میں دیئے دیتا ہوں اور آپ سے سچ کہہ رہا ہوں کہ میں کسی لڑکی وغیرہ کے چکر میں نہیں ہوں' میں ایک شریف آدمی ہوں اور میں نے ساری زندگی شرافت میں گزاری ہے۔ وہ غلط فہمیوں کا شکار ہے اور غلط فہمیاں مجھے ہی نہیں اسے بھی لے ڈوبیں گے۔ کیا ہو سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ میں اس کی ہر بری بات سہہ لیتا ہوں لیکن اس کا مقصد یہ نہیں کہ میں انسان ہی نہیں ہوں جس وقت اکتا جاؤں گا ان حالات سے اسے طلاق دے دوں گا۔ زیادہ سے زیادہ یہی کرنا پڑے گا کہ مجھے یہ فرم چھوڑنی پڑے گی۔ یہ عیش وعشرت چھوڑنا پڑے گا۔ یہ کروفر چھوڑنے پڑیں گے۔ چھوڑ دوں گا۔ میں تو ویسے ہی ملازمت کرلوں گا۔ کم از کم اس بھیانک زندگی سے تو نجات ملے گی مجھے۔"

"جی۔ جی۔ جی۔ بے شک لیکن سر قصور آپ کا ہے۔" شہروز نے کہا۔

"میرا۔؟"

"جی۔"

"بھلا کیا۔" وہ چونک کر بولا۔

"آپ نے اپنے طور پر ایک تعین کر لیا تھا اور اسی لائن پر چل پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی میں کبھی ہماری ملاقات مسز خبیر سے نہیں ہوئی ہم تو ایک اور ہی مسئلے میں آپ کے پاس آئے ہیں۔"

"تو پھر تم نے اس کا اعتراف کیوں کیا۔" وہ غصیلے انداز میں بولا۔

"آپ کی یہ ہی خواہش تھی آپ یہ ہی چاہتے تھے تو کیا کیا جا سکتا تھا۔"

"دیکھو مسٹر صورت شکل سے اچھے خاصے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ شریف بھی نظر آتے ہو اور پھر تمہارے ساتھ ایک معزز خاتون بھی ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ تم مجھ سے کہنا چاہتے ہو کہو اور مجھے میرا کام کرنے دو۔"

"اصل میں معاملہ آپ کے لیے اتنی اہمیت کا حامل ہے۔ خبیر بیگ صاحب کہ آپ نے ہم سے تعاون نہیں کیا تو پھر پچھتانے کے علاوہ آپ کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔"

"آپ آخر ہیں کون۔" خبیر بیگ نے سوال کیا اور شہروز نے جیب سے اپنا سروس کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ خبیر بیگ بری طرح چونک پڑا۔

"ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر خوف و دہشت کے آثار نظر آئے۔ اس نے برابر میں رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھایا اور اس پر

سے پیڈ ہٹا کر گلاس میں بچا ہوا پانی پی گیا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

''اوہو۔ تو آپ کا تعلق اسپیشل برانچ سے ہے۔''

''جی ہاں۔''

''سی آئی ڈی سے۔''

''جو کچھ بھی آپ سمجھ لیجئے۔''

''تو پھر آپ کو چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''بس ذرا آپ کو ٹٹولنا چاہتے تھے۔''

''میں ایک شریف آدمی ہوں اور قانون کے لیے پولیس سے تعاون کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں ہے۔ آپ مجھے پہلے بتا دیتے تو شاید اتنی باتیں ہی نہ ہوتیں بلکہ شاید ٹیلی فون پر بھی میں آپ کو فوراً ہی ہدایت دے دیتا۔''

''اصل میں اس وقت ہم ایک آفیسر کی حیثیت سے نہیں آئے بلکہ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ ایک ذاتی معاملہ ہے لیکن اس کا تعلق ہماری نہیں بلکہ آپ کی ذات سے ہے۔''

'خدا کی پناہ۔ آپ نے میرا دماغ چٹخا کر رکھ دیا ہے کیا بات ہے آخر کیا بات ہے۔''

''خبیر بیگ صاحب پہلی بات آپ یہ بتایئے کہ کیا آپ اپنی زندگی کے وہ راز ہم پر آشکار کر سکتے ہیں جنھیں آپ کبھی کسی پر ظاہر نہ کریں لیکن ہمیں بتا دیں۔''

''میرا خیال ہے کوئی بھی یہ وعدہ نہیں کر سکتا۔ بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں جو زندگی میں آتے ہیں انسان کے ساتھ ہی قبر میں دفن ہو جاتے ہیں۔''

''جی ہاں کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جو وقت سے پہلے قبر میں دفن کر دیتے ہیں۔ کیا آپ ان واقعات میں شامل ہونے سے گریز نہیں کریں گے۔''

''دھمکی دے رہے ہیں آپ۔''

''جی ہاں۔''

''ہوں۔ مگر میں نے ایسا کوئی جرم نہیں کیا۔ شہروز صاحب جو مجھے سزا دلوائے یا قبر میں دفن کرائے۔ موت کی سزا تو کسی کو قتل کرنے سے ہی ہوتی ہے ناں اور کسی جرم میں تو ایسی کوئی سزا نہیں ہوتی۔''

''میں قتل ہی کی بات کر رہا ہوں۔''

''کیا مطلب۔؟''

''قتل کی بات کا مطلب قتل کی بات ہے۔''

''انسپکٹر صاحب دیکھئے میں زیادہ مضبوط اعصاب کا مالک نہیں ہوں اور پھر کچھ ذہنی الجھنوں کا بھی شکار ہوں۔ خدا کے لیے جو کچھ کہنا چاہتے ہیں جلد کہہ ڈالیے' شاید زیادہ سسپنس برداشت نہ کرسکوں۔''

''لیکن آپ کو ہم پر سے وقت کی پابندی ہٹانی ہوگی ہم آپ کا زیادہ وقت بھی لے سکتے ہیں۔''

''جس الجھن میں آپ نے مبتلا کر دیا ہے۔ وہ مجھے زندہ درگور کر دے گی۔ آپ وقت کی بات کر رہے ہیں۔ میں تو آپ کو زندگی دینے کو تیار ہوں۔''

''ویری گڈ......اور آپ یہ وعدہ بھی کر رہے ہیں کہ آپ سچ بولیں گے۔''

''جی ہاں وعدہ کر رہا ہوں میں' یہ بتائیے' آپ کو کچھ پلاؤں۔''

''ضروری ہے۔''

''جی چائے، کافی، یا کوئی ٹھنڈا مشروب۔''

''کافی ایسے موقع پر ذہنی قوتوں کو تیز کر دیتی ہے۔ کیوں مس ناہید''

''تو کافی منگوا لیجئے۔''

''جی بہتر۔'' خبیر بیگ نے انٹر کام اٹھایا اور سیکریٹری کو کافی بھیجنے کی ہدایت کرنے لگا۔ پھر انٹر کام رکھ کر ان کی جانب دیکھ کر بولا۔

''جی اب فرمائیے۔''

''خبیر بیگ کچھ ایسے واقعات آ گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے آپ کی تحقیقات کی ضرورت پیش آئی ہے۔ آپ ایک نیک آدمی ہیں اور آپ کے نام کے ساتھ ابھی تک کوئی ایسا سکینڈل نہیں رہا جو ہمارے لیے باعث تشویش ہو۔ اس لیے ہم نے سوچا کہ آپ سے براہ راست گفتگو کرلی جائے لیکن یہ بہتر ہے کہ آپ صحیح جوابات دیں۔''

''کیا آپ نے تمہید کا سلسلہ طویل نہیں کر دیا۔''

''جی ہاں۔ کر دیا ہے۔''

''خدا کے لیے مجھے بتائیے کیا بات ہے۔''

''کچھ پیچھے لے جا رہے ہیں آپ کو۔ مثلاً کالج کے اس دور میں جب آپ طالب علم تھے۔''

''جی۔''

''اور ایک اچھے طالب علم کی حیثیت سے آپ کا شمار کیا جاتا تھا۔''

''جی۔''

''اس کے بعد آپ بینکنگ لائن میں آ گئے اور ایک ایک اچھے بینکر کی حیثیت سے آپ کو تسلیم کیا گیا۔''

''جی۔''

''پھر آپ نے بینک کی نوکری چھوڑ دی اور یہ فرم قائم کر لی۔''

''جی، لیکن ہیروئن کے کاروبار سے نہیں بلکہ یہ کاروبار میرے سسر فرید اللہ صاحب نے کرایا تھا۔ کیونکہ انہوں نے مجھ سے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی کر دی تھی۔''

''جی ہاں۔ جی ہاں اور یہ شادی بیرون ملک ہی میں ہو گئی تھی۔''

''گویا آپ نے کافی چھان بین کر لی ہے۔ میرے بارے میں۔''

''جی ورنہ ظاہر ہے۔ آپ کا وقت ضائع کرنا پسند کرتے نہ اپنا۔''

''ٹھیک ہے۔ آگے فرمایئے۔''

''اب ہم پھر کالج میں آ جاتے ہیں جہاں آپ سائرہ نامی لڑکی سے محبت کرتے تھے۔'' شہروز نے کہا اور خبیر بیگ نے کرسی سے سر اٹھا لیا۔ وہ تھکی تھکی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''اور اس لڑکی سے آپ کی شادی نہیں ہو سکی کیونکہ وہ ماجد علی نامی کسی شخص سے محبت کرتی تھی۔''

''جی ہاں کرتی تھی۔''

''خبیر بیگ صاحب کیا یہ بات آپ کی بیوی کو معلوم ہے۔''

''نہیں۔''

''ٹھیک تو آپ یہ بتایئے آپ کے وہ کون سے عوامل تھے۔ جن کی بنا پر آپ نے سائرہ کو قتل کر دیا۔'' شہروز نے کہا اور خبیر بیگ جلدی سے کرسی سے الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر شدید ہیجان کے آثار نظر آ رہے تھے۔ ایک لمحے کے لیے اس کا منہ کھلا پھر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے کسی قدر ہیجانی لہجے میں کہا۔

''یہ کارڈ بتاتا ہے کہ آپ واقعی ایک ذہین آفیسر ہیں لیکن کسی بھی شخص کو کسی کے جذبات سے اس طرح نہیں کھیلنا چاہیے۔ آپ کا دماغ خراب ہے یا آپ پاگل ہیں۔ یا آپ مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا چاہیے۔ آپ کو مجھے بتایئے اور فضول بکواس کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔''

''آپ کو اس بات کا علم ہے کہ سائرہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔''

''خبیر بیگ صاحب یہ سچ ہے۔''

''آہ۔ کیا واقعی۔ کیا واقعی۔'' خبیر بیگ کے لہجے میں ایک ایسا کرب تھا جسے ناہید اور شہروز نے بخوبی سمجھ لیا۔

''جی ہاں سائرہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ بات آپ کے علم میں نہیں ہے تو۔''

''لیکن کس نے قتل کر دیا اسے۔ کیوں قتل کر دیا۔'' خبیر بیگ کی آواز میں رندھی ہوئی تھی۔

''اس کی تفصیل بعد میں بتا دی جائے گی۔ آپ یہ بتائیے کہ سائرہ سے آپ کی ملاقات کب سے نہیں ہوئی۔''

''خدا کی قسم۔ خدا کی قسم میری ملاقات اس سے اس وقت سے نہیں ہوئی جب سے اس نے کالج چھوڑا ہے۔ حالانکہ میں نے بعد میں اس سے ملنے کی کوشش کی تھی۔ اپنا دردِ دل اس پر واضح کرنے کے لیے اس سے ملاقات کرنا چاہی تھی لیکن اس نے مجھ سے کہہ دیا کہ وہ کسی طور پر میری جانب راغب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ ماجد علی سے محبت کرتی ہے۔ بس اس کے بعد میرا اس کا کوئی رابطہ نہیں ہو سکا۔''

''آپ کو اس بات کا علم ہے کہ اس کی شادی ماجد علی سے ہو گئی۔''

''ہاں۔ اچھی طرح معلوم ہے مجھے۔ بہت کچھ جانتا ہوں میں اس کے بارے میں لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہی۔''

''اسے قتل کر دیا گیا اور آپ کو تعجب ہوگا کہ ایک شخص نے اسے قتل کر دیا اور اس کا اعتراف بھی کر لیا۔''

''جی۔''

''جی ہاں۔''

''کس نے۔؟''

''شاہد علی نے۔ ماجد علی کے بھائی نے جسے آپ نے ایک لاکھ روپے بذریعہ چیک عطا کیے تھے۔'' شہروز نے کہا اور خبیر بیگ کا چہرہ ایک بار پھر تبدیل ہو گیا۔ اس کے چہرے پر اب خوف کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر کہا۔

''اوہ میرے خدا۔ اوہ میرے خدا۔ کیا کیا واقعی۔ میں کسی بڑے عذاب میں گرفتار ہونے والا ہوں۔''

''شہروز اور ناہید اسے خاموشی سے دیکھتے رہے۔ شہروز نے اس سے اسی وقت ان کے الفاظ کی وضاحت نہیں مانگی تھی۔ بلکہ سوچنے کا موقع دیا تھا۔ خبیر بیگ نے کہا۔

''تو کیا کسی نے میرا نام اس کے قتل کے سلسلے میں لیا ہے۔''

''یہ جواب آپ کو نہیں دیا جا سکتا۔ خبیر بیگ جب تک کہ آپ تمام باتوں کی وضاحت نہیں کر دیں گے'' آپ کا کہنا ہے کہ آپ اس سے نہیں ملے۔''

''نہیں۔''

''آپ کو یہ معلوم ہے کہ ماجد علی کو کینسر ہو گیا ہے۔''

''اس موذی کو کینسر ہونا چاہیے تھا۔''

''کیا مطلب۔؟''

''اب میں آپ کو تمام حقیقتیں بتانے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ براہ کرم ایک بار پھر اپنا کارڈ دکھا دیجئے۔''

''یہ لیجئے۔'' شہروز نے اپنا سروس کارڈ ایک بار پھر اس کے سامنے کر دیا اور خبیر بیگ اس کی تصدیق کرتا رہا۔ پھر اس نے کارڈ واپس کرتے ہوئے کہا۔

''سوری مسٹر شہروز۔''

''کوئی بات نہیں ہے۔''

''مسٹر شہروز یہ ایک المناک داستان ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں سائرہ سے محبت کرتا تھا۔ بلکہ شاید اب بھی کرتا ہوں اور یہ سن کر مجھے دلی صدمہ پہنچا ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اسے کس نے قتل کیا' میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''جی' جی آپ بولتے رہیں۔''

''اس سے قطع تعلق ہونے کے بعد جب مجھے یہ علم ہو گیا کہ اس نے ماجد علی سے شادی کر لی ہے تو پھر میں نے ایک شریف آدمی کی حیثیت سے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ میرے دل میں ہمیشہ رہی لیکن اب وہ ایک ازدواجی زندگی گزار رہی تھی اور اس لیے ایک شریف آدمی کے لیے ضروری تھا کہ وہ اسے کسی طرح متاثر نہ ہونے دے۔ زمانہ طالب علمی میں' میں نے اسے کچھ غلط خطوط لکھے تھے۔ جن میں محبت کا اظہار اور ایسی ہی باتیں تھیں جن میں دھمکیاں بھی دی گئی تھیں کہ اگر اس نے مجھ سے شادی نہ کی تو میں اسے قتل کر دوں گا اور خودکشی کر لوں گا۔

''اس قسم کی بہت سی باتیں میں نے ان خطوط میں لکھی تھیں اسے۔ بہرحال بات ختم ہو گئی۔ پھر جرمنی چلا گیا۔ وہاں فرید صاحب مجھے ملے۔ انہوں نے اپنی بیٹی سے میری شادی کرنی چاہی اور میں نے یہ سوچ کر شادی کر لی کیا فرق پڑتا ہے۔ محبت تو مجھے حاصل نہیں ہو سکی۔ اس کے بعد ہر عورت' عورت ہی ہو گئی میرے لیے۔ بہرحال ایک اچھی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔

شمسہ سے میری شادی ہو گئی۔ شمسہ کس مزاج کی۔ کس ٹائپ کی عورت ہے۔ اس بات کا ان واقعات سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن تھوڑا سا تعلق ہے بھی اور وہ یہ شمسہ ایک انتہائی بدمزاج اور شکی قسم کی عورت ہے۔ اگر کوئی اسے وہ خطوط دکھا دے جو میں نے کبھی اس لڑکی کو لکھے تھے تو شمسہ میری زندگی بابرد کر دے گی۔ وہ بڑی جنونی عورت ہے اور اس تمام تفصیل سے واقف ہونے کے بعد ماجد علی نے جو زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔ ایک گیم کھیلا' ہو سکتا ہے وہ اپنی بیماری اور اپنے علاج سے مایوس ہو کر اس تخریب کاری پر اتر آیا ہو۔ اس نے مجھے ٹیلی فون کیا اور ان خطوط کی فوٹو اسٹیٹ بھیج کر اس نے کہا کہ اگر میں نے اس کے مطالبات پورے نہیں کیے تو وہ یہ خطوط میری بیوی تک پہنچا دے گا۔ میرے سسر تک پہنچا دے گا۔

میں سچی بات خوفزدہ ہو گیا۔ میں نے ایک لاکھ کا چیک اس کے مطالبے پر اسے ادا کر دیا اور زندگی بھر اس بات پر افسوس کرتا رہا کہ

میں کیا کر بیٹھا ہوں۔ مجھے اسے چیک نہیں نقد دینا چاہیے تھا لیکن جو غلطی ہونی تھی وہ ہو چکی تھی۔ ماجد علی نے ایک تجربہ کیا تھا کہ میں اسے رقم دے سکتا ہوں یا نہیں اور میں نے خوفزدہ ہو کر اسے رقم اسے دے دی تھی۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے پچاس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا۔

پورے پچاس لاکھ روپے کا آپ خود اندازہ کیجئے میں ایک دوسرے آدمی کی دولت سے کھیل رہا ہوں اور ابھی تک اس میں میرا کوئی اتنا بڑا ہاتھ نہیں ہے کہ میں کسی بھی قیمت پر اتنی بڑی رقم اسے دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ کیونکہ میں خود کوئی بہت بڑا آدمی نہیں ہوں اور مجھے دولت کو اس طرح لٹانے کا شوق نہیں ہے۔ پھر ایسی بات بھی نہیں ہے کہ کسی چیز کا کوئی حساب نہ ہو۔ میں یہ رقم اسے ادا نہیں کر سکتا تھا تو اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے اسے یہ رقم ادا نہیں کی تو وہ میرے خطوط دکھا دے گا۔ جس پر میں نے اس سے کہا کہ اب اس کا جو دل چاہتا ہے کرے۔ میں اسے رقم دینے پر آمادہ نہیں ہوں۔

لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ وہ بدنصیب وہ بدبخت ایسا کوئی کھیل کھیلے گا۔ آفیسر تفتیش کرنا آپ کا کام ہے۔ آپ میرے پاس آئے تو میری دوستی حاصل کرنے تو نہیں آئے ہوں گے میں آپ سے جھوٹ بول سکتا ہوں' سب کچھ کر سکتا ہوں لیکن ایک درخواست میں ضرور کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ براہ کرم گہرائی سے تفتیش کر لیجئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کسی بے گناہ کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ یقین نہ میں نے یہ قتل کیا ہے نہ میں نے اس سے ملا ہوں نہ اور کوئی ایسی بات ہے۔ جس میں میرا جرم شامل ہو۔"

"ہوں۔ خبیر بیگ صاحب۔ صرف ایک بات سے آپ کی گلوخاصی ہو سکتی ہے۔"

"کیا۔؟"

"آپ ان خطوط کی نقول ہمیں دکھا سکتے ہیں۔"

"میں نے محفوظ رکھی ہیں گھر میں نہیں رکھ سکتا تھا اس لیے آفس میں رکھی ہے وہ اس وقت میرے پاس محفوظ ہیں۔ میں ابھی دکھاتا ہوں آپ کو۔" خبیر بیگ کر کے اس پر پرائیویٹ کی مہر لگا دی گئی تھی۔ خبیر بیگ نے وہ لفافہ ہمارے سامنے کھول دیا اور ہم نے اس میں سے چند خطوط دیکھے۔ زیادہ تفصیل میں جانا بے مقصد تھا۔ خبیر بیگ کی سچائی اس کے الفاظ اور اس کے انداز سے ہو رہی تھی اور یہ سچائی ہمیں تسلیم کرنا پڑی۔ میں نے وہ خطوط خبیر بیگ کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

"بند کر لیجئے۔ انہیں بلکہ بہتر ہے کہ انہیں ضائع کر دیں تو...... ماجد علی نے آپ سے پچاس لاکھ روپے نہ پا کر یہ سازش کی آپ کے خلاف لیکن اگر یہ سازش ماجد علی کی ہے تو شاہد علی نے اپنے آپ کو قاتل کی حیثیت سے کیوں پیش کر دیا اور ایک اور تکلیف دہ بات آپ کو بتاؤں۔ قتل کرنے سے پہلے اس مظلوم عورت کے ساتھ زیادتی بھی کی گئی۔ جبکہ اس کا شوہر کینسر کا مریض گھر میں موجود نہیں تھا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ نے اس بات کی تصدیق کی ہے۔" خبیر بیگ منہ پھاڑے ہمیں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے لیکن شاہد شاید ایسا نہ کر سکے نہیں یہ ممکن نہیں ہے کمینے ماجد علی ہی نے کوئی چال چلی ہو گی۔ آہ۔ میں سمجھ گیا۔ اس کے دل میں انتقام کی آگ بھی سلگ رہی ہو گی وہ یہ سوچ رہا ہو گا کہ وہ تو کینسر کا مریض ہے مر جائے گا اور اس کے بعد لازمی امر

ہے سائرہ میری طرف رجوع کرے گی حالانکہ وہ نہ اس قسم کی عورت تھی اور نہ ہی میں کسی ایسی پوزیشن میں ہوں۔ اس نے اسے ہلاک کر کے اپنا وہ مقصد بھی پورا کرلیا لیکن بد بخت بد بخت زندگی اور موت کا شکار ہے وہ اس رقم کا کرتا کیا جو اسے کسی طور پر نہیں مل سکتی تھی۔''

''جی کہتے رہیئے۔''

''نہیں میں سمجھ رہا ہوں کہ اس نے اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے اور یہ ذلت آمیز قدم اٹھا کر اس نے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ اس جرم کا مرتکب میں ہی ہوں۔ در پردہ اس نے صرف ایک لاکھ روپے کے چیک کے ذریعے بنایا ہے۔ آہ۔ آفیسر صاحب تفتیش کرنا آپ کا کام ہے۔ آپ مکمل تفتیش کیجیے۔ اگر میری تقدیر میں بے گناہی کی موت لکھی ہے تو میں خدا کے حکم سے منکر نہیں ہوسکتا۔ میں نے یہ کیا نہیں، ذرا باریک بینی سے تفتیش کرلیجئے گا اور بہتر ہے کہ اس کے بعد آپ مجھے گرفتار کریں۔ وعدہ کرتا ہوں، جاؤں گا کہاں میری تو ساری زندگی کا سارا مسئلہ یہیں سے ہے۔''

''نہیں شبیر بیگ نہ ہم آپ کو گرفتار کررہے ہیں اور نہ ہی اس بات پر یقین کے لیے تیار ہیں کہ سائرہ کے قاتل آپ ہیں۔ لیکن کوئی اور ایسی اہم بات ہو تو ہمیں بتایئے جو اس کیس میں ہمیں مدد دے سکے۔''

''خدا کی قسم میرے علم میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں جتنا کچھ آپ کو بتا چکا ہوں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا میں۔''

''ہوں۔ بہرحال اس تعاون کے لیے ہم آپ کے دلی شکر گزار ہیں اور آپ یقین رکھیے کہ ہم کسی بھی شکل میں آپ کو اس جرم میں ملوث نہیں ہونے دیں گے۔ بشرطیکہ آپ ملوث نہ نکلے۔''

''میں نے سب کچھ خدا پر چھوڑ دیا ہے۔ آپ جو کچھ چاہیں کریں۔ جس طرح چاہیں تفتیش کریں۔''

''اچھا پھر اجازت۔'' شہروز نے کافی ختم کی۔ پیالی ختم کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ ناہید کے ساتھ وہاں سے اٹھ گیا۔ باہر نکل کر وہ دونوں کار میں آبیٹھے اور شہروز نے تھوڑی دیر کے بعد کار کا رخ ایک پبلک پارک کی طرف موڑ دیا۔ پبلک پارک کی خوبصورت بنچ پر بیٹھ کر اس نے کہا۔

''ناہید تمہیں چہچہاتی ہوئی چڑیاں پسند ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''لہلہاتے ہوئے پرندے۔''

''جی۔''

''اوہو شاید پرندے لہلہاتے نہیں ہیں۔''

''درخت لہلہاتے ہیں۔''

''ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ لہلہانا کیا مطلب، اگر ہم لہلہانا چاہیں تو کیا لہلہا سکتے ہیں۔''

''ویری گڈ، ویری گڈ، اچھا سوال ہے آپ کا ہم ہرگز نہیں لہلہا سکتے لیکن آپ یہ فرمایئے کہ یہاں تشریف کس سلسلے میں آئی ہے۔''

ناہید نے سوال کیا۔

''تبصرہ۔ برائے تبصرہ۔''

''کس پر۔''

''خبیر بیگ پر۔''

''سیدھا سچا آدمی ہے۔''

''ہاں۔ بالکل۔''

''اس نے جو کچھ کہا ہے کم از کم مجھے اس پر یقین ہے۔''

''مجھے بھی۔''

''ہوں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک لاکھ روپے کی رقم تو شاہد کے اکاؤنٹ میں جمع ہے۔''

''جی ہاں۔''

''دوسری بات یہ کہ ماجد علی آخر چاہتا کیا ہے۔''

''کیا کہا جا سکتا ہے۔ اوہو۔ ہوسکتا ہے وہ دونوں بھائیوں کے ایثار کا مسئلہ ہو۔ ہم پہلے بھی اس موضوع پر بات کر چکے ہیں۔ یعنی ماجد علی اپنے بھائی کو چاہتا ہو۔ بیوی کی طرف سے وہ بددل ہو اور کسی ایسی کیفیت کا شکار ہو گیا ہو۔ جس نے اسے جنون میں مبتلا کر دیا اور اس نے بیوی کو قتل کر کے خبیر بیگ کو پھنسانے کی کوشش کی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ یہ رقم شاہد کے مستقبل کے لیے چاہتا ہو اور جب شاہد کو اس بات کا علم ہوا ہو تو اس نے یہ جرم اپنے سر لے لیا۔''

''یقیناً غور کیا جا سکتا ہے اس بات پر ویسے ناہید کیا کہتی ہو اس کیس کے بارے میں۔''

''شہروز صاحب، بہت مزے دار کیس ہے۔ اس کیس نے ہمیں خاصی ذہنی ورزش کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔''

''لیکن ذرا خالی خولی قسم کا کیس ہے۔'' شہروز نے کہا اور ناہید ہنس پڑی پھر بولی۔

''نہیں جناب آپ کا یہ مزاج نہیں ہے اور پھر اتنے سارے پیسوں کا ہم کریں گے کیا۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے ہمارے کون سے زیادہ بچے ہوں گے صحیح کہتی ہو ناہید۔'' شہروز نے شرارت سے کہا اور ناہید مسکرانے لگی لیکن منہ سے کچھ نہیں بولی۔ ''تو فیصلہ یہی کرنا ہے کہ ماجد علی کس طرح ٹریپ کیا جائے۔''

''جی شہروز۔'' ناہید نے کہا اور دونوں کافی دیر تک اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔

☆......☆......☆

شہروز نے ایک بار پھر شاہد علی کو لاک اپ سے اپنے پاس بلایا۔ اور سامنے بٹھالیا۔ وہ گہری نگاہوں سے شاہد علی کا جائزہ لے رہا تھا۔ شاہد علی گردن جھکائے بیٹھا تھا۔

''اب وقت آ گیا ہے۔ مسٹر شاہد کہ میں آپ کا چالان پیش کردوں آپ براہ کرام اپنا اقبالی بیان دے دیجئے گا۔ کیونکہ عدالت آپ کو موت کی سزا دینے سے پہلے آپ کا اقبالی بیان ضرور دیکھے گی۔''

شاہد کانپ گیا۔ اس نے بے بسی کی نگاہوں سے انسپکٹر کو دیکھا اور بولا۔

''جی میں تیار ہوں۔''

''اس کے علاوہ اب بھی اگر آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں تو کہہ دیجئے۔ قتل کا مقصد کیا ہے۔ میرا خیال ہے جو طریقہ قتل اختیار کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ کیساتھ کسی رحم یا رعایت کا ذکر بے معنی ہے۔ ہائی کورٹ بھی عدالت کے اس فیصلے کی تصدیق کردے گی جو سزائے موت کا فیصلہ ہوگا۔''

''شاہد نے ایک بار پھر نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور آہستہ سے بولا۔''

''کیا کہوں۔ میں کیا کہوں۔ ہم دونوں میں سے ایک کی زندگی بچ جائے گی۔ میں اپنے بھائی پر قربان ہونے کے لیے تیار ہوں۔'' شہروز نے چونک کر شاہد کو دیکھا اور بولا۔

''کیا مطلب۔؟''

''کچھ نہیں جناب۔ میں اپنا اقبالی بیان دینے کے لیے تیار ہوں۔''

''یہ جاننے کے باوجود کہ ماجد علی کینسر کا شکار ہے اور اس کی زندگی بہت مختصر رہ گئی ہے۔ آپ اپنی زندگی بھی دے دینا چاہتے ہیں۔''

''تو پھر مجھے بتایئے۔ میں کیا کروں۔'' شاہد علی نے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ شہروز خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ شاہد بہت دیر تک روتا رہا۔ پھر بولا۔

''میں اپنی ہزار زندگیاں اپنے بھائی پر قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ بار بار مر سکتا ہوں۔ میں اس کے لیے موت سے پہلے مر جانا چاہتا ہوں۔ آپ میرا اقبالی بیان لکھ لیجئے۔ میں قاتل ہوں اپنی بھابی کا۔ کہہ دیا ہے میں نے آپ سے میں۔ میں اس سے پہلے مر جانا چاہتا ہوں۔''

''دیکھئے شاہد صاحب زندگی بڑی قیمتی شے ہے۔ ایک بار ملتی ہے۔ بار بار نہیں۔ آپ اسے کھونا چاہتے ہیں تو بے شک کھو دیں لیکن کم از کم اس لیے نہ کھوئیں کہ آپ کا بھائی زندگی پالے۔''

''تو پھر میں کیا کروں اسے موت کے گھاٹ اتار دوں۔''

''نہیں کم از کم ایک آبرومند عورت کی بے آبروئی تو نہ کریں۔ آپ اسے شرمندہ نہ کریں۔ جو مرگئی ہے۔''
''آہ۔ میں کیا کروں۔ میں کیا کروں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے۔'' اتنی دیر میں گرج خان نے آکر کہا۔
''سر ایک آدمی طارق خان آیا ہے۔ آپ سے ملنا چاہیے کہتا ہے کہ اتنا ضروری کام ہے کہ ایک منٹ ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔''
''کس سلسلے میں ملنا چاہتا ہے۔''
''شاہد علی کے سلسلے میں۔''
''بلاؤ۔ کون ہے۔ یہیں بلالو'' شہروز نے کہا اور آنے والا ایک لمبے چوڑے بدن کا ایک عجیب وغریب آدمی تھا۔ شکل وصورت سے وہ کوئی شریف آدمی نظر نہیں آتا تھا۔ اس نے کہا۔
''میرا نام طارق خان ہے۔ کیسے ہو شاہد۔ مجھے بتایا بھی نہیں۔ ذلیل، کمینے۔ کیا میں تیرا دوست نہیں تھا۔ کیا میں تیرے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ دیوانے آدمی کچھ تو مجھے بتا دیتا۔ مشورہ تو کر لیتا۔ آفیسر صاحب۔ یہ۔ یہ معافی چاہتا ہوں۔ میں آپ سے میں ایک ٹرانسپورٹر ہوں۔ ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں میرے دو ٹرک چلتے ہیں یہ میرا دوست ہے بچپن کا۔ میں سارا واقعہ سننے کے بعد یہاں آیا ہوں۔ یہ کہتا ہے اس نے اپنی بھابی کا قتل کیا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اس نے اپنی بھابی کی آبروریزی کی ہے۔ جناب جھوٹ بولتا ہے یہ۔ یہ تو ماں کی طرح اسے چاہتا تھا اور اس کی عزت کرتا تھا۔ اور یہ اپنے بھائی کو بھی پاگلوں کی طرح چاہتا تھا۔
جب اس کا بھائی بیماری کا شکار ہوا تو اس نے دن رات محنت کر کے اپنے بھائی کا علاج کرایا اور اس کے لیے دن رات کام کیا۔ اصل میں جو اصل قاتل ہے اسے آپ نظرانداز کررہے ہیں۔''
''بیٹھیے طارق صاحب اگر آپ اس شخص کی بے گناہی کے بارے میں کچھ جانتے ہیں تو آپ یقین کیجیے کہ ہم بھی کسی بے گناہ کو سزا دینا پسند نہیں کرتے۔''
''دعوے سے کہہ سکتا ہوں سر کہ یہ شخص کسی چڑیا کو بھی نہیں مار سکتا۔ یہ کیا کسی کو قتل کرے گا۔ سب جھوٹ ہے انسپکٹر سب جھوٹ ہے۔ میں کہتا ہوں اور میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔''
''ہاں۔ ہاں۔ کیوں نہیں آپ اس کے دوست ہیں آپ کے خیال میں کیا ہوسکتا ہے۔
''شہروز نے کہا۔
''میں آپ کو بتاتا ہو جناب خبیر بیگ نامی ایک شخص بہت عرصے سے سائرہ سے محبت کرتا تھا اور شادی ہونے کے باوجود بھی وہ سائرہ کو بہت عرصے تک تنگ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ بات کھل گئی اور ماجد علی کو بھی اس کے بارے میں معلوم ہوگیا۔ اس کمینے نے ماجد علی کو ایک لاکھ روپے دیئے اور اپنی آرزو کا اظہار کیا کہ سائرہ کے ساتھ اس کے ناجائز تعلقات استوار کرادیئے جائیں۔ ماجد علی کو طیش آگیا

اور اس نے اس آدمی کو بہت برا بھلا کہہ ڈالا۔ اس آدمی نے ماجد علی کو دھمکیاں دیں کہ وہ اسے دیکھ لے گا اور یہ بھی کہا تھا کہ اس نے نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری اور وہ بلی کی طرح سب کچھ لڑھکا دے گا۔ آپ اس پر ہاتھ ڈال لیجیے اسے پکڑ لیجیے۔ شاہد علی بے قصور ہے۔ وہ یہ ہی سمجھا ہے کہ ماجد علی نے مشتعل ہو کر اپنی بیوی کو قتل کر دیا اور یہ اپنے بھائی کو بچانے کے لیے مجرم بن گیا ہے اور آپ کے پاس پہنچ گیا ۔حالانکہ حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خبیر بیگ نے سائرہ کو قتل کیا ہے میں دعوے سے یہ بات کہتا ہوں۔''

''بہت خوب طارق صاحب آپ نے اچھا کیا کہ اتنا اہم انکشاف میرے سامنے کر دیا لیکن طارق صاحب آپ یہ بتائیے کہ آپ کو یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں۔''

''جس طرح میری شاہد علی سے دوستی ہے اسی طرح ماجد علی سے بھی میری دوستی ہے۔ آپ ماجد علی سے بھی بات کر سکتے ہیں۔ ماجد علی اور شاہد علی مجھ سے کچھ نہیں چھپاتے۔ میں آپ سے بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ آپ اس آدمی پر ہاتھ ڈال اور اس سے سب کچھ اگلوا لو سب کچھ پتا چل جائے گا۔ یہ جھوٹا ہے۔ قاتل اس کا بھائی نہیں ہے اور نہ ہی یہ ہے' قاتل خبیر بیگ ہے۔ آپ یقین کر لو جناب! کہ اس نے یہی سمجھا کہ اس کی بھابی کا قاتل اس کا بھائی ہے' اس لیے اس نے یہ سارا کھیل رچایا ہے۔''

شہروز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

''واقعی آپ نے بڑا زبردستی انکشاف کیا ہے لیکن ایک بات ہے اور ہے طارق صاحب۔ ماجد علی کی بیوی کو قتل تو بے شک کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے جو کچھ کیا ہے اسے ایسا کچھ کرنے کی ضرورت کیا تھی اور کیا وہ اس قابل ہے۔''

''مطلب نہیں سمجھے صاحب ہم۔''

''قتل سے پہلے اس کی آبروریزی بھی کی گئی ہے اور شاہد نے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔''

''جی چاہتا ہے۔ جوتا اتار کر اس کے منہ پر اتنے ماروں کہ اس کا جبڑہ ٹوٹ جائے یہ اس عورت کے بارے میں یہ الفاظ کہہ رہا ہے۔ جس کی یہ بے پناہ عزت کرتا ہے۔''

''ہاں۔ اس نے یہ ہی بیان دیا ہے۔''

''سر۔ جھوٹا ہے یہ آپ ایک کام کر لو۔ آپ خبیر بیگ کو گرفتار کر لو۔ اس نے ایک لاکھ روپے دیئے ہیں جو شاہد کے اکاؤنٹ میں جمع ہیں۔''

''روپے اس نے کس کو دیئے تھے۔''

''ماجد علی کو۔''

''تو ماجد علی نے شاہد علی کے اکاؤنٹ میں یہ روپے کیوں جمع کروا دیئے۔''

''اس لیے جناب کہ اسے اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرائے

اور مر جائے اور پیسے بھی جھگڑے میں پڑ جائے گے۔" طارق خان نے جواب دیا اور شہروز سوچ میں پڑ گیا۔

بہر حال یہ نیا الجھاؤ سامنے آیا تھا۔ اب اس میں کیا حقیقت تھی یہ تو اللہ ہی جانتا تھا۔ بہر حال وہ طارق خان کو ساتھ لے کر کمرے سے اٹھ گیا۔ شاہد کو بھی اس نے ساتھ لے لیا اور ہیڈ محرر کو بلا کر وہ طارق خان کا بیان قلم بند کرنے لگا۔

"طارق خان نے بیان قلم بند کرایا۔ اپنا مکمل پتہ وغیرہ لکھوایا۔ پھر بولا۔" آفیسر صاحب ہم بے پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ کسی زمانے میں بڑے برے حالات سے گزرے ہیں لیکن اب مولا کا فضل ہے۔ اچھی گزر رہی ہے۔ ہمارے یار کو اس مشکل سے نکالو۔ ہم سے تمہاری جو خدمت ہوگی کریں گے۔"

"طارق خان صاحب اچھے دوست ہی دوستوں کے کام آتے ہیں اور آپ تو سمجھتے ہی ہیں۔" شہروز صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ہاں۔ کیوں نہیں، آپ لوگ بھی تو محنت کرتے ہو۔ یہ تھوڑی سی رقم ہے۔" طارق خان نے جیب سے پانچ پانچ سو کے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور اسے کھولنے لگا لیکن شہروز نے جلدی سے اسے طارق خان کے ہاتھ سے لیا۔

"اوں۔ ہوں کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح کھلے عام یہ سب نہیں کیا جاتا۔ بہر حال آپ فکر نہ کریں آپ کے بیان کی روشنی میں کچھ کیا جا سکتا ہے۔"

"طارق خان کی آنکھیں خوف سے سکڑ گئیں۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔" وہ جی آفیسر صاحب۔ پورے پچاس ہزار ہیں۔"

"ہمیں آپ پر بھروسہ ہے اسی لیے نہیں گنے۔"

"یہ مطلب نہیں ہے جی۔"

"آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔ ہم سب ٹھیک کر لیں گے۔"

"وہ بھائی جی۔ میں بھی غریب آدمی ہوں۔ اس میں سے کچھ۔"

"گرج خان۔" شہروز نے آواز دی اور گرج خان اندر آ گیا۔ اس نے ایڑیاں بجائی تھیں۔ "طارق خان بہت معزز آدمی ہیں۔ انہیں با عزت باہر پہنچا دو۔"

"یس سر۔" گرج خان نے کہا۔

طارق خان طوعاً و کرہاً اٹھ گیا تھا لیکن اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ پھر وہ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل گیا۔ شہروز کے ہونٹوں پر شرارت بھری مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ پھر وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

طارق خان کے بیان نے اسے بری طرح اپ سیٹ کر دیا تھا۔ لیکن نہ جانے اس کی چھٹی حس اسے کیوں الجھا رہی تھی۔ کوئی ایسی بات تھی جس ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ کوئی ایسی بات ضروری تھی۔ نگر کیا۔

شام کو ناہید کے ساتھ چائے پیتے ہوئے اس نے طارق خان کی آمد اور اس کے بیان کے بارے میں بتایا اور ناہید بھی سوچ میں

ڈوب گئی پھر بولی۔

''ویسے اس بات میں کوئی شک نہیں شہروز صاحب کہ اس کیس میں ٹھیک ٹھاک ذہنی ورزش ہو رہی ہے۔''

''جی۔''

''کوئی بات۔ کوئی ایسی بات جو مجھے مستقل پریشان کر رہی ہے میں اسے تلاش نہیں کر پایا۔''

''کسی سلسلے میں۔''

''بس طارق خان کے بیان کے بعد الجھا ہوا ہوں۔''

''بالکل ٹھیک ہے۔ شہروز۔''

''کیا۔؟''

''خود طارق خان کی شخصیت الجھی ہوئی ہے۔ دیکھیے نا وہ شاہد علی کا اتنا گہرا دوست ہے اور اسے شاہد علی کا پرابلم نہیں معلوم۔ وہ اس کی مالی مدد بھی کر سکتا تھا اور پھر اسے ان لوگوں کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ اتنی تفصیل کے ساتھ۔ مشکل بات ہے۔''

شہروز حیرت سے ناہید کو دیکھنے لگا۔ اس کے ذہن میں ایک کلک کی آواز ابھری۔ یہ ہی ایک نکتہ میرے ذہن میں الجھا ہوا تھا اور میں اسے تلاش نہیں کر پا رہا تھا۔

وہ متعجب نظروں سے ناہید کو دیکھتا رہا اور ناہید اس کے دیکھنے کے انداز سے جھینپ گئی۔

''کوئی بیوقوفی کی بات کہہ دی ہے میں نے شہروز۔'' اس نے شرمائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''نہیں ناہید۔ تمہاری نظر اتارنے کو دل چاہتا ہے۔ تم میری پوری زندگی کے لیے واقعی بے حد ضروری ہو۔ پلیز ذرا ٹرانسمیٹر اٹھالاؤ۔''

''اوکے۔'' ناہید نے کہا۔

شہروز نے ٹرانسمیٹر آن کیا۔ دوسری طرف سے رحمان نے کال ریسیو کی تھی۔

''شہروز۔''

''رحمان عرض کر رہا ہوں جناب۔''

''اور کون کون موجود ہے۔''

''نواز اور نفیس بھی ہیں۔''

''نواز اور نفیس کو ساتھ لو اور ایک پتہ نوٹ کرو۔'' شہروز نے یادداشت پر زور دے کر طارق خان کا پتا اسے نوٹ کرا دیا۔ پھر بولا۔

''نام' طارق خان' خود کو ٹرانسپورٹ کمپنی کا منیجر کہتا ہے اور اس کا پارٹنر بھی ہے۔ اس شخص کے بارے میں مکمل رپورٹ درکار ہے۔ تفصیلات معلوم کرنے کے بعد مس ناہید کو اطلاع دو اور تم میں سے ایک سائے کی طرح اس کے پیچھے رہو۔''

''بہت بہتر سر۔''

''اونچ نیچ نہ ہونے پائے۔''

''آپ مطمئن رہیں۔'' مزید کچھ ہدایات دینے کے بعد شہروز نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

☆......☆......☆

خبیر بیگ کی سیکریٹری نے انٹر کام پر کہا۔

''سر ایک صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''کون صاحب ہیں۔''

''نام نہیں بتاتے۔ کہتے ہیں خبیر بیگ سے بات کراؤ۔''

''ہوں۔ ٹھیک ہے۔'' خبیر بیگ نے کہا اور فون اٹھالیا۔

''ہیلو۔ میں بول رہا ہوں۔''

''کیا حال ہے خبیر بیگ۔''

''کون بول رہا ہے۔''

''خادم کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔''

''اوہ۔ تم مگر تمہاری آواز بدلی ہوئی ہے۔''

''تمہاری سماعت متاثر ہے۔ بہر حال کام کی بات کرو۔ اب تو تمہیں صورتحال کا اندازہ ہو چکا ہوگا۔''

''کیا مطلب۔؟''

''تمہاری محبوبہ قتل ہو چکی ہے۔''

''ہاں۔ تم نے ایک معصوم لڑکی کو ہلاک کر دیا۔''

''وہ تمہاری محبوبہ تھی۔''

''تھی۔ بات ختم ہو گئی۔''

''تم نے کہا تھا کہ میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ زیادہ سے زیادہ تمہاری بیوی سے طلاق ہو جائے گی۔''

''ہاں۔ کہا تھا۔''

''میں نے تمہاری بات پر غور کیا اور صورتحال بدل دی۔''

''کیا مطلب۔'' خبیر بیگ کی آواز میں بوکھلاہٹ پیدا ہو گئی۔

''اس کے قاتل تم ہو۔تم نے اس کی آبروریزی کر کے اپنی توہین کا انتقام لیا اور اسے قتل کر دیا۔میں اس سلسلے میں تمام ثبوت مہیا کرنے میں سرگرداں ہوں۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو۔شاہد نے اس کے قتل کا اعتراف کیا ہے۔'' خبیر بیگ نے کہا اور دوسری طرف قہقہہ سنائی دیا۔

''نہیں خبیر بیگ۔شاہد اپنے بھائی کو رضا کارانہ طور پر بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔لیکن پولیس تو تفتیش کرے گی۔تمہارا ایک لاکھ روپے کا چیک سامنے آئے گا اور تفتیش کا رخ بدل جائے گا۔شاہد کو پتا چل جائے گا کہ اس کی بھابی کے قاتل تم ہو۔تو پھر وہ اپنا بیان بدل لے گا اور تم قاتل ثابت ہو جاؤ گے۔''

''ماجد علی تم کتنے ذلیل ہو۔کتنے ذلیل انسان ہو تم۔''

''کون ماجد علی۔دوسری طرف سے پھر ہنسی ابھری۔''

''تمہارا خیال ہے۔آواز بدلنے سے میں تمہیں پہچان نہیں سکوں گا۔''

''کن چکروں میں پھنس گئے خبیر۔آواز پہچاننے کی کوشش کرنے میں وقت ضائع کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔کام کی بات کرو۔اب مسئلہ صرف بیوی سے طلاق ہو جانے کا نہیں ہے۔اب تمہیں پھانسی کا پھندہ نظر آ جانا چاہیئے۔''

خبیر بیگ کی آواز بند ہوگئی۔اسکے چہرے پر مردنی چھا گئی تھی۔دوسری طرف سے پھر آواز سنائی دی۔

''خبیر بیگ۔''

''ہاں۔میں سن رہا ہوں۔''

''موت بے حد خوفناک چیز ہے۔زندگی ایک بار ختم ہو جائے تو دوبارہ نہیں ملتی اور پھر یہ وقت' صرف یہ تمہارے لیے ایک سنہری چانس ہے۔جانتے ہو کیا۔''

''نہیں۔''

''اس وقت میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔وہ آخری موقع ہے۔تمہارے لیے میں اس رقم کا پچاس فیصد ڈسکاؤنٹ کر رہا ہوں۔پورے پچیس لاکھ کی کمی لیکن صرف کل۔ورنہ کبھی نہیں۔''

''سنو۔ماجد علی۔سنو میں قسم کھاتا ہوں اتنی رقم میں کسی قیمت پر نہیں حاصل کر سکتا۔تم جانتے ہو یہ کاروبار میرے سسر کا ہے۔تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ میری بیوی بہت سنگدل ہے۔سب کچھ ہونے کے باوجود رقم کا حساب کتاب میرے سسر کے پاس رہتا ہے۔جوائنٹ اکاؤنٹس ہیں میں یہ رقم نہیں نکال سکتا۔''

''تمہارا ذاتی بینک بیلنس بھی ہے۔''

''ہاں۔''

''بارہ لاکھ روپے ہیں اس میں۔''

''اوہ۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے۔''

''کام کرتا ہوں۔ جھک نہیں مارتا۔ بہر حال باقی تیرہ لاکھ جن کا بندوبست کرنا ہے تمہیں۔''

''نہیں کر سکوں گا۔''

''بات سنو۔ تین لاکھ روپے کا مزید بندوبست تم ضرور کر سکتے ہو۔ یعنی کل پندرہ لاکھ۔ اگر اس پر کوئی اور بات کی تو میں فون بند کر دوں گا سمجھے۔''

''ٹھیک ہے۔ اس کے جواب میں تم کیا کرو گے۔''

''تمہارے خطوط واپس مل جائیں گے اور پھر وہ نہ ہوگا۔ جس کا خطرہ ہے۔ کیسے نہ ہوگا۔ یہ تمہیں بعد میں یہ بتاؤں گا۔''

''ہوں۔ یہ رقم مجھے کہاں دینا ہوگی۔'' خبیر بیگ نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا اور دوسری طرف سے ہنسی سنائی دی اور پھر آواز آئی۔

''ذہانت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔''

''کیوں۔؟''

''کیا یہ مجھے ابھی بتانا ہوگا۔''

''یہ تمہاری مرضی ہے۔ بہر حال کل میں رقم کا بندوبست کر لوں گا۔''

''کل ایک بجے میں تمہیں بتاؤں گا کہ یہ رقم تمہیں کہاں پہنچانی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا۔''

''خبیر بیگ۔ زندگی بچانے کی کوشش کرنا۔ کوئی دھوکہ دہی کرنے کی کوشش کی تو اوکے۔''

فون بند ہو گیا خبیر بیگ دیر تک ریسیو ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا۔ اس کے پورے بدن سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ پھر اس نے لرزتے ہاتھوں سے ریسیور رکھ دیا اور رومال تلاش کرنے لگا۔ رومال سے پسینہ خشک کر کے اس نے پانی کا گلاس اٹھایا اور پانی پینے لگا۔

وہ سخت اضطراب کا شکار تھا۔ اسے اپنا گلا گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ بہت دیر تک وہ اسی اضطراری کیفیت کا شکار رہا۔ پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک تصویر ابھری۔ یہ شہروز کا چہرہ تھا۔ اسکا ہاتھ ریسیو کی طرف بڑھا پھر رک گیا۔ بہت دیر تک سوچتا رہا۔ پھر کارڈ فائل میں اس نے شہروز کا کارڈ تلاش کیا اور کچھ دیر کے بعد وہ کانپتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''ہیلو'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''شہروز صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''بول رہا ہوں۔''

''شہروز صاحب' میں خبیر بیگ بول رہا ہوں۔شوکت انٹر پرائز سے۔''

''جی خبیر بیگ صاحب۔''

''آپ نے مجھے پہچان لیا۔''

''جی بالکل۔''

''میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''آفس آجائیے۔''

''نہیں شہروز صاحب۔بالکل پرائیوٹ ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

''خیریت۔؟''

''خیریت نہیں ہے۔''

''اوہ۔بتائیے کہاں ملنا چاہتے ہیں آپ۔''

''مہیش ریسٹورنٹ۔پرسکون ریستوان ہے۔آٹھ بجے آپ وہاں پہنچ سکتے ہیں۔''

''ضرور۔''

''لیکن براہ کرم سادہ لباس میں۔''

''ٹھیک ہے میں پہنچ جاؤں گا۔وقت کی پابندی کیجیے گا۔''

''میں منتظر رہوں گا۔''

''ٹھیک آٹھ بجے وہ مہیش ریسٹورنٹ میں شہروز کا انتظار کر رہا تھا۔وہ نہ جانے کہاں کہاں سے چکر لگا کر یہاں پہنچا تھا۔گاڑی کہیں اور کھڑی کی تھی اور وہ ٹیکسیاں بدل بدل کر یہاں آیا تھا۔تاکہ اگر کسی نے اس پر نگاہ رکھی ہو تو وہ اسے جل دے سکے' آٹھ بج کر ایک سیکنڈ ہوا تھا کہ شہروز اندر داخل ہو گیا۔سفید شلوار قمیض میں وہ بہت وجیہہ نظر آرہا تھا۔قریب آکر اس نے خبیر بیگ سے مصافحہ کیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''آپ چہرے ہی سے پریشان نظر آرہے ہیں۔''

''میری جان پر بنی ہوئی ہے شہروز۔''

''کیا بات ہے بتائیے۔'' شہروز نے کہا اور جواب میں خبیر بیگ نے اسے بلیک میلر سے ہونے والی پوری گفتگو سنا دی۔شہروز نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

''آپ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ماجد علی ہے۔''

''وہ آواز بدل کر بول رہا تھا۔''

''جب آپ نے اسے ماجد علی کہہ کر پکارا تو اس نے اس کی تردید نہیں کی کہ وہ ماجد نہیں ہے۔''

''نہیں۔''

''آپ کا کیا پروگرام ہے۔''

''میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں۔''

''آپ یہ رقم اسے دے سکیں گے۔''

''اس نے میرا بینک بیلنس بھی معلوم کر لیا ہے۔ یہ رقم اسے ادا کر کے بھی میں ایک طرح سے پھانسی پر لٹک جاؤں گا۔ ممکن ہے اس سے گلو خاصی ہو جائے لیکن۔''

''میں جو کچھ کہوں گا۔ آپ کریں گے''

''ضرور کروں گا آفیسر''

''کیا آپ کا بینک آپ کو چند گھنٹوں کے نوٹس پر بارہ لاکھ ادا کر دے گا۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن اگر میں رات کو منیجر کو فون کر دوں تو وہ انتظام کر دے گا۔''

''باقی تین لاکھ۔''

''وہ گھر پر ہیں۔''

''یہاں سے جانے کے بعد آپ اس رقم کا بندوبست کر لیں۔ کل بینک سے وہ رقم لیں اور آفس چلے جائیں۔ ایک بجے انتظار کریں کہ وہ آپ سے کیا کہتا ہے اس کے بعد وہ جو کچھ کہے اسی طرح کریں۔ ہم اسے گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔''

''اور اگر۔؟''

''خبیر بیگ۔ جان بچانی ہے تو آپ کو ہمت سے کام لینا ہوگا۔ ورنہ آپ بہتر سمجھتے ہیں۔''

''اگر اسے احساس ہو گیا کہ میں نے آپ سے مدد لی ہے تو وہ۔''

''زیادہ سے زیادہ کیا کرے گا۔''

''بھلا کر مجھے گولی بھی مار سکتا ہے۔''

''تو آپ مر جائیے۔'' شہروز نے بے دردی سے کہا۔

''جی۔'' خبیر بیگ کی آنکھیں حیرت سے ابل پڑیں۔

''مر جائیے آپ ورنہ دوسری صورت میں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کیجئے۔ آپ پوری ہمت اور ذہانت سے ان حالات کا سامنا

کریں۔ ہم صرف آپ کے تعاون سے ہی کچھ کر سکتے ہیں۔''

''بہتر ہے۔ ٹھیک ہے۔ جیسے آپ کہہ رہے ہیں میں ویسا ہی کروں گا۔'' خبیر بیگ نے آہستہ سے کہا۔

☆......☆......☆

رحمان نے رپورٹ دینے کے لیے کال کی۔ ''رحمان کالنگ۔''

''ریسونگ۔ اوور۔''

''رپورٹ۔''

''ہوں۔ بولو۔''

''طارق خان ٹرانسپورٹ کمپنی کا منیجر ہے۔ لیکن تعلیم یافتہ نہیں ہے اس نے اپنی معاونت کے لیے ایک کلرک رکھا ہوا ہے۔''

''پھر وہ منیجر کیوں ہے۔؟''

''اس لیے کہ غنڈہ ہے۔ کمپنی کے مالک نے اسے اپنے ساتھ غنڈے کے طور پر رکھا ہوا ہے۔''

''ٹھیک۔''

''پانچ سال سے اسی کمپنی میں ہے۔ پہلے اس کے ٹرک چلاتا تھا۔ اب وہ ٹرک اس کے اپنے ہیں۔''

''اس کے لواحقین۔''

''کوئی نہیں ہے۔''

''اور کوئی خاص بات۔''

''نہیں۔ نواز اس کے پیچھے ہے۔''

''او کے۔ اور کچھ۔''

''نہیں۔''

''دوسری ہدایت کا انتظار کرو۔'' ناہید نے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر بند کر کے اس پر شہروز سے رابطہ کرنے لگی۔

''فون استعمال کرو۔ کہاں ہو۔''

''راستے میں۔ آفس جا رہی تھی۔''

''آفس پہنچ کر فون پر بات کرو۔''

''او کے۔''

کچھ دیر کے بعد ناہید نے آفس کے فون سے شہروز کے تھانے کے نمبر ڈائل کیے۔ ''ہاں۔ ناہید۔''

”رحمان نے رپورٹ دی ہے۔ طارق خان کے بارے میں۔“

”بتاؤ۔“ شہروز نے کہا اور ناہید نے رپورٹ دہرا دی۔

”گڈ۔ نواز کی ڈائریکٹ رپورٹ نہیں ہے۔“

”نہیں شہروز۔“

”اچھا ناہید، اب یوں کرو کہ نفیس، شہزاد اور نواز کو خبیر بیگ کی کوٹھی کا پتہ بتاؤ۔ اس سے کہو کہ الگ الگ وہاں پہنچیں اور خبیر بیگ کا تعاقب کریں۔ خبیر بیگ بینک سے رقم نکالے گا۔ اس کی حفاظت کریں۔ اسے کوئی حادثہ پیش نہیں آنا چاہیے۔ پوری طرح خیال رکھا جائے۔

☆......☆......☆

”ٹھیک ہے۔“ ناہید نے کہا۔

”اس کے بعد زمان، نواز اور رحمان کو طارق خان کے پیچھے لگا دو۔ بلکہ پہلے نواز سے رجوع کرو اور پوزیشن معلوم کرو...... پھر زمان خان اور سلیم کو نواز کے پاس بھیج دو۔ یہ دونوں نواز کے ساتھ طارق خان کی نگرانی کریں گے۔ انہیں ہدایت کر دو کہ ہر گھنٹے کے بعد طارق خان کے بارے میں تمہیں رپورٹ دیں اور تم مجھے۔“

”ٹرانسمیٹر پر۔“

”ہاں جیسے بھی ممکن ہو۔ بلکہ ابھی آفس میں ہوں...... فون زیادہ بہتر رہے گا۔“

”او کے۔“ ناہید نے مسکرا کر کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر وہ ٹرانسمیٹر پر نواز کو کال کرنے لگی...... نواز کی طرف سے جواب ملنے پر کچھ دیر لگی تھی۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

”سوری سر نواز اسپیکنگ۔“

”ناہید بول رہی ہوں۔“

”سوری میڈم۔“

”خیریت ہے۔ نواز۔“

”ناشتہ کر رہا ہوں میڈم۔“

”کہاں ہو۔؟“

”ٹرک کے اڈے پر...... رات یہیں گزاری ہے۔“

”وہ کہاں ہے۔؟“

”موجود ہے...... یہیں رہتا ہے۔“

''ناشتہ کہاں کر رہے تھے۔''

''ہوٹل کی چارپائی پر بیٹھ کر چائے اور پراٹھا۔''

''ویری گڈ...... دو افراد تمہارے پاس آ رہے ہیں۔ یعنی زمان خان اور رحمان ...... ان کے ساتھ تمہیں سائے کی طرح طارق خان کے پیچھے رہنا ہے اور ہر گھنٹے بعد اس کے بارے میں رپورٹ مجھے دینی ہے۔''

''او کے ...... اوور اینڈ آل۔'' ناہید نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔ اسی وقت محمود علی صاحب آفس میں داخل ہو گئے تھے۔ ناہید نے ان کا خیر مقدم کیا تھا۔

''میرے ساتھ ہی کیوں نہ آ گئے سر۔''

''بس پہلے کچھ اور ارادہ تھا۔ بعد میں بدل دیا اور پھر بوڑھے لوگ جوانوں کا کہاں ساتھ دے سکتے ہیں۔'' محمود علی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ بوڑھے ہیں سر۔''

''تو پھر۔'' محمود صاحب اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''کون کہتا ہے۔؟''

''اعصاب، بدن، ہاتھ پاؤں۔'' محمود علی صاحب نے کہا۔

''نہیں سر...... ابھی نہیں...... ابھی تو آپ کو بہت کچھ کرنا ہے۔''

''ہاں کرنا تو ہے لیکن جو کرنا ہے۔ اس کے سلسلے میں ہماری ہمت ساتھ نہیں دے رہی ہے۔''

''کیا کرنا ہے سر۔''

''انسان اپنے محور سے نہیں ہٹ سکتا ناہید...... وہ کسی بھی حیثیت کا حامل ہو۔ اس کے مسائل یکساں ہوتے ہیں۔ ایک لگن تھی۔ جس کے لیے محنت کر رہے تھے۔ بیٹی کو اس کا گھر دیں۔ اس کے لیے پیسے اکٹھے کریں۔ پیسے آ گئے تو عقل چکرا گئی کہ اب کیا کریں اندازہ ہوا کہ اس گھر کا انتخاب تو پیسے جمع کرنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔''

''اوہ...... اسے کہتے ہیں زبردستی کی فکر...... کہ فکر یہ ہے کہ کوئی فکر کیوں نہیں ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔ ناہید۔''

''ہے...... سر...... ہے۔ آپ اپنی تمام فکریں مجھے دے دیں۔''

''صرف ایک یہ فکر ہے ناہید۔ باقی کوئی فکر نہیں ہے۔''

''میں نے لے لی۔''

''مجھے تم پر مکمل اعتبار ہے لیکن میرا حصہ مجھے ضرور ملنا چاہیے۔...... میں اپنے منصب کا تحفظ چاہتا ہوں۔''

''اگر آپ مجھ پر اعتبار ہے۔ سر! تو سمجھ لیں کہ میں آپ کے حقوق کا تحفظ کروں گی۔''

''او کے...... کیا ہو رہا ہے۔''

''اسی کیس پر کام کر رہے ہیں۔ سخت الجھے ہوئے معاملات ہیں...... آپ کو اس بار ایک ایسے شخص کے حق میں کیس لڑنا پڑے گا جو ایک قتل کا اعتراف کر رہا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔ مزید کیا پیش رفت ہوئی ہے۔'' محمود علی صاحب نے پوچھا اور ناہید انہیں تمام صورت حال بتانے لگی۔ محمود علی صاحب غور سے سن رہے تھے۔

☆......☆......☆

''خبیر بیگ بری طرح نروس تھا۔ بیوی کا رویہ الگ خراب رہتا تھا۔ زندگی خوشگوار تو ضرور ہوئی تھی لیکن مالی حد تک...... اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا تھا۔ اس سے تو وہ زندگی بہتر تھی۔ نوکری کرتا تھا۔ تنخواہ ملتی تھی۔ آرام سے گزارہ ہو جاتا تھا۔ اگر مالی پوزیشن یہ نہ ہوتی تو کوئی بلیک میلر نہ ہوتا۔ کسی کو بلیک میل کر کے کیا ملتا۔ اب زندگی عذاب بن گئی تھی نہ جانے کیا ہو۔ ویسے یہ کوئی بہتر بات نہیں ہے۔ یہ عذاب کب تک سہا جائے۔ بہتر تو یہ تھا کہ بلیک میلر وہ خطوط بیوی کے حوالے کر دیتا...... جھگڑا ہوتا اور طلاق ہو جاتی لیکن لعنتی ماجد علی نے بیچاری سائرہ کو قتل کر دیا تھا...... وہ اپنی بیماری سے جنونی ہو چکا ہے اور اس کا یہ جنون خطرناک تھا۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔

رات کو وہ آفیسر سے ملا تھا...... روشن آنکھوں اور صورت سے ذہین نظر آنے والے آفیسر نے انداز تو ایسا اختیار کیا تھا کہ کچھ ڈھارس بندھی تھی...... دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے...... رات ہی کو اس نے بینک آفیسر سے اپنے اکاؤنٹ کے بارہ لاکھ اریج کرنے کے لیے کہا تھا۔ فرم کا اکاؤنٹ بھی اسی بینک میں تھا...... اس لیے کوئی وقت نہیں ہوئی تھی۔

دوسرے دن وہ بینک پہنچا رقم وصول کی اور آفس آ گیا۔ آج کوئی کام کرنا ممکن نہیں تھا وقت بھی رو رو کر گزر رہا تھا اسے ایک بجنے کا انتظار تھا۔

اس وقت بارہ بج کر دس منٹ ہوئے تھے کہ باہر کے دروازے پر چپڑاسی کے کسی سے بات کرنے کی آواز سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک توانا آدمی اندر آ گیا...... چپڑاسی اس کے ساتھ ہی اندر آیا تھا۔

''سر یہ کہتے ہیں کہ آپ کی ان سے ملاقات ہے۔ رک ہی نہیں رہے۔''

''کون ہیں آپ کیا بات ہے۔'' خبیر بیگ نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''عبدالرشید ہے میرا نام۔ ایک بجے آپ سے فون پر بات ہوئی تھی۔ آپ بھول گئے۔''

''ایں۔'' خبیر بیگ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ توانا شخص نے اسے آنکھ ماری تھی۔

''او خدا کے بندے اب تو دفع ہو جا۔'' نو وارد نے چپڑاسی سے کہا۔

''جاؤ۔'' خبیر بیگ بولا چپڑاسی باہر نکل گیا۔ نو وارد مسکراتا ہوا خبیر بیگ کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

''ہماری آواز پہچان لی ہوگی۔ خبیر بیگ صاحب۔''

''تم...... تم کون ہو۔''

''اپنی پسند کا کوئی نام دے لو۔ ناموں میں کیا رکھا ہے۔''

''کیسے آئے ہو۔''

''بڑے آرام سے...... کوئی مشکل نہیں آئی۔ اصل میں ہم نے سوچا کہ فلموں والے انداز میں بلیک میلروں کی طرح تمہیں کسی سنسان مقام پر آفیسر کے ساتھ بلانے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ تم نے بندوبست کیا ہوا اور اب تم رقم لے کر چلو تو آفیسر تمہارا پیچھا کرے۔ پھر ویرانوں میں گولیاں چلیں۔ میں نے سوچا مک مکا کر لیا جائے۔''

''کیسا مک مکا۔''

''اوں ہوں، پوری تفصیل بتانا ضروری ہے۔''

''کون ہو تم آخر۔''

''وہ جس سے تمہاری بات ہوئی تھی۔ سنو کام کی بات کرو۔ اداکاری کرنے سے نہ تمہیں کچھ حاصل ہوگا نہ مجھے...... میرے پاس تمہارے اور یجنل خطوط موجود ہیں۔ باقی رہا دوسرا معاملہ تو جب میں راستے سے ہٹ رہا ہوں۔ تو تمہارے لیے یہ خطرہ ختم ہو جاتا ہے۔''

''تمہارے پاس وہ خطوط کہاں سے آئے۔''

''جہنم سے...... بس اتنا کافی ہے کہ وہ میرے پاس ہیں۔''

''سائرہ کو کس نے قتل کیا۔''

''قاتل اقرار کر چکا ہے اسے سزائے موت ہو جائے گی۔''

''تو وہ آفیسر بے وقوف ہے کیا۔''

''کیوں۔؟''

''اسے کوئی ثبوت نہیں ملے گا۔''

''میں نہیں مانتا۔''

''تو میں جاؤں۔''

''دیکھو میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام معاملات کے پس پشت ماجد علی ہے۔ کیا تم ماجد علی کے نمائندے ہو۔''

''پوچھنا ضروری ہے کیا۔؟''

''لیکن میری گلوخاصی کیسے ہوگی۔''

''پندرہ لاکھ سے جو تم مجھے دو گے۔''

''کیسے۔''

''بس اس سلسلے میں تمہاری کوئی نشاندہی نہ ہوگی۔ بصورت دیگر یہ خطوط قتل کے ثبوت کے طور پر پیش کیے جائیں گے۔ جن میں تم نے لکھا ہے کہ تم آخر کار اسے قتل کر دوں گے۔''

''خطوط کہاں ہیں۔؟''

''یہ موجود ہیں۔'' نووارد نے ایک براؤن لفافے سے خطوط نکال کر دکھائے۔ پھر بولا۔''اس کے بعد تم سے کسی رقم کا مطالبہ نہیں ہوگا۔''

''اور وہ الزام۔''

''تم پر نہیں آئے گا۔ کیونکہ میں تمہارے راستے میں ہٹ جاؤں گا۔''

''لاؤ خطوط مجھے دے دو۔''

''رقم کہاں ہے۔؟''

''یہ میرا آفس ہے۔ تم یہاں میرے خلاف کیا کر سکو گے۔''

''اس کا معقول انتظام ہے۔ میرے پاس...... احمق نہیں ہوں۔ کم از کم تم اس دنیا میں نہیں رہو گے۔'' وہ مسکرا کر بولا اور خبیر بیگ خوفزدہ ہوگیا۔ اس نے نوٹوں سے بھرا بیگ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''اسے کھولو۔'' نووارد بولا۔ خبیر بیگ نے بیگ کی زپ کھول دی۔

''گڈیاں نکال کر میز پر رکھو۔''

پھر پوری طرح سے مطمئن ہو کر اس نے بیگ سنبھالا۔ خطوط کا لفافہ خبیر بیگ کے حوالے کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

نہایت معقول طریقے سے سارا کام ہو رہا تھا۔ کارواں گروپ کی دونوں ٹیموں سرگرم عمل تھیں اور ناہید ان کے درمیان رابطہ تھی۔ ٹیم اے نے اسے اطلاع دی۔

''میڈم خبیر بیگ گھر سے نکل کر بینک گیا۔ وہاں سے اب اپنے آفس پہنچ چکا ہے۔ ہم لوگ آفس کے باہر تعینات ہیں۔''

''او کے اوور اینڈ آل۔''

ٹیم بی نے اطلاع دی۔ ''میڈم! وہ ٹرک اڈے سے چل پڑا ہے ہم اس کے تعاقب میں ہیں۔''

''مجھ سے رابطہ رکھو۔'' وہ ایک بینک کے سامنے موجود ہے۔''

''گاڑی میں ہے۔''

''ہاں سرخ رنگ کی ایف ایکس ہے۔''

''نمبر۔'' ناہید نے پوچھا اور اسے نمبر بتا دیا گیا۔'' مجھے اس سے باخبر رکھو۔ وقفہ دس دس منٹ کا رکھا جائے۔''

''اوکے میڈم۔''

اور یہ تمام رپورٹیں ناہید سے شہروز کو موصول ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ دیر قبل گرج خان اس کے پاس آیا تھا۔

''سر کوئی کام تو نہیں ہے۔''

''کیا بات ہے گرج خان۔''

''سر کہیں جانا ہے۔''

''ضروری کام ہے۔''

''اتنا ضروری بھی نہیں ہے...... کوئی حکم ہے تو بتایئے۔''

''بس تھوڑی دیر کا کام ہے...... ایک بندے کو پکڑ کے لانا ہے اور بس چھٹی۔''

''سر! مجھے کوئی زیادہ ضروری کام نہیں ہے۔ آپ جیسا حکم کریں۔'' گرج خان نے کہا اور شہروز نے کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا پھر بولا۔

''بس ایک موبائل تیار کرلو۔ چلتے ہیں۔'' شہروز کے حکم پر گرج خان باہر نکل گیا اور شہروز آخری رپورٹ کا انتظار کرنے لگے...... تفصیلات اسے مسلسل موصول ہو رہی تھیں اور ناہید عمدگی سے اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہی تھی۔ اس نے بتایا۔

''شہروز بڑی دلچسپ اطلاع ہے۔''

''خوب۔'' شہروز بولا تو ناہید نے جلدی سے کہا۔

''خبیر بیگ کے آفس میں داخل ہوا ہے۔''

''کون۔؟''

''طارق خان۔ شہروز اس کا خبیر بیگ کے آفس میں براہ راست داخل ہو جانا تعجب خیز نہیں ہے۔''

''اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ ناہید کہ تم نے اپنا کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا ہے۔'' ناہید خوش ہو گئی

اور اس نے آہستہ سے کہا۔

”شکریہ شہروز۔“

”تو اس میں شرمانے کی کیا بات ہے۔“

شہروز مسکرا کر بولا۔ ناہید نے شرم سے گردن جھکالی۔ غالباً شہروز کے ان الفاظ سے وہ کچھ نروس ہوگئی تھی۔ شہروز نے کہا۔

”او کے ناہید۔ یہ واقعی ایک حیرت ناک خبر ہے۔ مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔ میں تو ایک طویل پروگرام بنائے بیٹھا تھا۔“

”جی۔“ ناہید نے آہستہ سے کہا۔

”او کے تھینک یو...... ناہید...... میرا خیال ہے۔ اب میں تمہارے پیغامات موبائل پر وصول کروں گا خدا حافظ۔“ شہروز نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

یہ واقعی اس کے لیے ایک دلچسپ اور تعجب خیز اطلاع تھی...... وہ حیران رہ گیا...... گویا طارق خان بلیک میلر کی حیثیت سے خیبر بیگ کے سامنے آرہا تھا اور واقعی یہ کمال ہے۔ کچھ دیر کے بعد گرج خان نے اطلاع دی کہ سر! گاڑی تیار ہے۔ شہروز فوراً اٹھ گیا تھا۔ اس بات کا تو اسے علم تھا کہ ٹیم مسلسل نگرانی پر مامور ہے اور اسے کوئی بھی اطلاع مل جائے گی۔ چنانچہ وہ مطمئن تھا...... پھر تھوڑی دیر کے بعد گاڑی خیبر بیگ کے دفتر کی عمارت کے سامنے جا رکی اور شہروز' گرج خان' کو ہدایت دینے لگا اور تمام لوگ پوری طرح مستعد ہو گئے اور شہروز خود بھی خیبر بیگ کے دفتر کے قریب جا کھڑا ہوا۔ وہ انتظار کرتے رہے اور پھر زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔

طارق خان پر اطمینان قدموں سے چلتا ہوا عمارت کے بڑے دروازے سے باہر نکلا تھا۔ پھر وہ چند ہی قدم چلا تھا کہ شہروز اس کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے اس طرح طارق خان کا راستہ روکا کہ طارق خان بری طرح چونک پڑا۔ شہروز کو دیکھ کر اس کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔

”اوہو...... سر! میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ آپ اس آفس کے انچارج ہیں ناں۔ جہاں شاہد علی کو رکھا گیا ہے۔“

”جی ہاں' جی ہاں آپ کی یادداشت تو بڑے کمال کی ہے۔ طارق خان صاحب۔“

”اجی صاحب کیسی باتیں کرتے ہیں شاہد علی گہرا یار ہے۔ اس کے لیے اتنے پریشان ہیں ہم کہ آپ کو بتا نہیں سکتے۔ آپ اسے چھوڑ دو آفیسر صاحب! بڑا شریف آدمی ہے وہ اصل مجرم کو تلاش کرو۔ آپ نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔“

”اس کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ طارق صاحب آپ لوگ کچھ مدد کریں تو اصل بندہ ہاتھ آئے۔“

”ہم تو تیار ہیں صاحب جی! کوشش کرتے پھر رہے ہیں کہ اس بے چارے کی ضمانت ہی ہو جائے۔ آپ اس کی ضمانت لے لو۔ ہم دیں گے۔“

”اچھا واقعی۔“

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ اتنا گہرا یار ہے اپنا۔''

''تو پھر آیئے طارق خان آفس چلتے ہیں۔ آپ خانہ پری کیجئے۔ دیکھیں گے کیا صورت حال ہوتی ہے۔''

''اگر آپ تیار ہیں تو ہم بھی دل وجان سے تیار ہیں۔ یار کے لیے سب کچھ کیا جا سکتا ہے...... آپ کو اگر کوئی خاص کام نہ ہو تو آفس چلو ہم آدھے گھنٹے میں آتے ہیں۔''

''نہیں طارق خان! گیا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ اس وقت موقع ہے۔ فائدہ اٹھایئے۔'' شہروز بھی مزے لے رہا تھا۔ طارق خان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ میں اسے بہت لطف آ رہا تھا۔ طارق خان بے چین تھا اور یہ جاننا چاہتا تھا کہ شہروز کسی خاص وجہ سے یہاں آیا ہے یا صرف اتفاقیہ طور پر آمنا سامنا ہو گیا ہے لیکن شہروز کے انداز سے کوئی پتا چلانا مشکل ترین کام تھا۔ طارق خان کہنے لگا۔

''بس زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگ جائے گا ہمیں۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ طارق خان صاحب دوستی پر ایک گھنٹہ تو کیا لمحہ بھی نہیں لگنا چاہیے۔ ورنہ کام بگڑے ہی بگڑے۔''

''وہ تو ٹھیک ہم ہم آتے ہیں آپ چلیے بس۔''

''توبہ کریں صاحب اب تو اس بیچارے پر مجھے رحم بھی آنے لگا ہے...... سچ مچ بے گناہ ہی معلوم ہوتا ہے...... آپ فوراً میرے ساتھ چلیں اور اس کی ضمانت لے لیں۔''

''ہم ابھی کیسے جا سکتے ہیں۔''

''کیوں کوئی خاص کام ہے آپ کو۔''

''جی ہاں' کاروباری آدمی ہیں۔ آپ کو پتا ہے۔ ایک بڑی ڈیل ہے۔''

''اچھا اچھا۔ وہ ڈیل شاید آپ کے پاس اس بیگ میں موجود ہے۔''

''جی......'' طارق خان نے کہا۔

''جی ہاں۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''چھوڑیئے۔ آپ کو اطمینان سے ہی سمجھائیں گے۔ آیئے۔'' شہروز نے آگے بڑھ کر طارق خان کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تو طارق خان کو کچھ احساس ہو گیا۔ اس نے پھرتی سے جیب میں ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن عقب سے دو مضبوط اور طاقتور ہاتھ اس کی بغلوں سے باہر نکلے اور گردن کی پشت پر تنگ گئے۔ ایک خاص قسم کی قینچی ڈال لی گئی تھی اور طارق خان جیسا تنومند آدمی بھی ہلنے جلنے سے معذور ہو گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہ رہا...... شہروز نے دوسرے ہاتھ سے اس کے ہاتھ میں دبا ہوا بیگ چھین لیا۔ ایک ساتھی نے آگے بڑھ کر طارق خان کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دی اور طارق خان پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب دیکھنے لگا۔ گرج خان

پیچھے ہٹ گیا تھا۔ طارق خان نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہروز کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے کہا۔

''یہ سب...... یہ سب کیا ہے۔''

''آجاؤ۔'' شہروز نے اشارہ کیا اور طارق خان کو گھسیٹ کر گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ باقی سب بھی گاڑی میں سوار ہو گئے تھے اور گاڑی آفس کی جانب چل پڑی۔

طارق خان کو چکر آرہے تھے۔ وہ اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا جیسے آنکھوں میں نیند آرہی ہو لیکن تھانے کی عمارت میں پہنچتے پہنچتے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ پھر جب اسے اندر لے جایا جا رہا تھا تو اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کوئی چکر چل گیا ہے آفیسر! کوئی ایسا کیس آگیا ہے تمہارے پاس جس میں تمہیں کسی بے گناہ کی ضرورت ہو لیکن غلطی کی ہے تم نے شاید میرے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں تمہیں۔''

''اصل مسئلہ یہی ہے۔ طارق خان! تمہارے بارے میں بہت کم معلومات ہیں ہمیں اور یہ ہی معلومات حاصل کرنے کے لیے تمہیں یہاں بلایا گیا ہے۔''

''میں بھی ایک معزز آدمی ہوں اور بڑے تعلقات ہیں میرے۔ مصیبت آجائے گی تمہاری آفیسر۔''

''نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ طارق خان صاحب! آپ غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں بس تھوڑی سی معلومات اور اس کے بعد چھٹی۔''

''اس طرح معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔'' پھر طارق خان کو جو لوگ جس کمرے میں لائے۔ اسے دیکھ کر طارق خان کے چہرے پر ایک بار پھر خوف کے آثار پیدا ہو گئے تھے شہروز نے کہا۔

''اسے ڈرائینگ روم کہتے ہیں۔ کیسا لگا آپ کو۔''

''آخر بات کیا ہے۔ کیا جرم کیا ہے۔ میں نے کچھ تو بتاؤ۔''

''آپ تشریف رکھیے۔ آپ سے ایک معزز آدمی کی طرح ہی گفتگو ہوگی۔ اتنے پریشان آپ بلاوجہ ہو رہے ہیں۔''

''تم لوگوں کا طریقہ کار ٹھیک نہیں ہے۔ بہر حال۔''

''طارق خان اس بیگ میں کیا ہے۔''

''پندرہ لاکھ روپے۔''

''ارے گڈ...... وری گڈ'' گرج خان! ہم نے زندگی میں کبھی پندرہ لاکھ روپے اکٹھے نہیں دیکھے۔ ذرا کھول کر دکھو۔''

''جی سر! گرج خان بولا اور اس نے بیگ کی زپ کھول دی۔ پھر نوٹوں کی گڈیاں نکال کر چننے لگا اور پھر بولا۔

''کمال کی چیز ہیں صاحب! یہ کاغذ کے ٹکڑے بھی۔''

''ہاں واقعی کمال کی چیز ہیں۔ طارق خان یہ پندرہ لاکھ روپے کس سلسلے میں لیے پھر رہے ہو تم۔''

''بتا چکا ہوں تمہیں کہ ایک بڑا کاروباری ہوں۔ گھٹیا تو نہیں سمجھنا چاہیے کسی کو۔''

''توبہ توبہ۔ تمہیں گھٹیا سمجھنے والے خود گھٹیا۔ بڑے شاندار طریقے سے تم نے یہ بلیک میلنگ کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ آخر کار تم نے بیچارے خبیر بیگ سے پندرہ لاکھ روپے وصول کر ہی لیے۔''

''کک...... کیا بکواس ہے۔''

''وہ خبیر بیگ کے دفتر کی عمارت تھی ناں۔''

''خبیر بیگ سے میرے تعلقات ہیں۔''

''کیسے۔؟''

''بتانا ضروری ہے کیا۔''

''ہاں ایک آفیسر کسی سے سوال پوچھتا ہے تو بتانا ضروری ہوتا ہے۔''

''دیکھو غلطی کر رہے ہو۔ سنو کچھ آپس کی بات کر لیتے ہیں۔ پندرہ لاکھ میں سے دو لاکھ تم لے لو۔ طویل عرصے تک نہیں کما سکو گے اتنی رقم۔''

''کس سلسلے میں۔ اب تو یہ بتانا ضروری ہو گیا ہے۔ طارق خان صاحب۔''

''تب تم ایک ناکام آفیسر ہو۔''

''واہ اچھا نام دیا ہے۔ آپ نے مجھے واقعی میں ایک ناکام آفیسر ہوں اور خرابی یہی ہے میرے اندر کہ جو معلوم کرنا چاہتا ہوں' وہ ہر قیمت پر معلوم کر لیتا ہوں۔ اس سے پہلے یہ کام کر لیا کرتا تھا لیکن اب ہمارے یہ گرج خان صاحب ہیں۔ یہ اس کام کو مجھ سے زیادہ بہتر طریقے سے کر لیتے ہیں۔ گرج خان میں آفس میں دیکھتا ہوں۔ آپ طارق خان سے چند باتیں معلوم کر لیجیے۔ مثلاً یہ کہ شاہد علی سے ان کا کیا تعلق ہے اور سائرہ نامی عورت کو کس نے قتل کیا ہے۔ یہ تمام تفصیلات مجھے آدھے گھنٹے کے اندر مل جائیں۔ آپ تو ایسے کاموں میں ماہر ہیں۔ یہ نوٹ میں لیے جا رہا ہوں۔''

''تم بہت بڑا نقصان اٹھاؤ گے آفیسر! میری بات مان لو...... مجھ سے تعاون کرو۔ چلو میں تمہیں پانچ لاکھ روپے دے دیتا ہوں۔''

''افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ رقم ایک ایسے آدمی سے حاصل کی ہے آپ نے جو خود ایک مظلوم ہے اور اس رقم کے بدلے اسے نہ جانے کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کی پیشکش میں خوشی سے قبول کر لیتا مگر یہ تو پوری کی پوری رقم اسے واپس کرنی پڑے گی۔''

''تم اس کے حق دار نہیں ہو۔''

''میں خود حق دار کہاں ہوں یہ تو حق دار کو واپس چلی جائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔ پھر تم خود بھگتو گے۔''

''ہاں یہ ہی میں چاہتا ہوں کہ خود بھگتوں گرج خان میں چلتا ہوں۔''

''آپ اطمینان سے جاؤ صاحب ہم ابھی ساری تفصیل آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔''

گرج خان نے مسکرا کر کہا اور شہروز کمرے سے باہر نکل آیا۔ پھر وہ اپنے آفس میں داخل ہو گیا۔ اس نے دو افراد کو اشارہ کیا اور وہ اسی کمرے کے دروازے کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ جسے انہوں نے ڈرائنگ روم کہا تھا۔ اندر اپنی میز پر بیٹھنے کے بعد شہروز نے خبیر بیگ کو فون کیا۔ جو فوراً ہی ریسیو کر لیا گیا۔ شہروز نے کہا۔

''خبیر بیگ صاحب۔''

''ہاں میں بول رہا ہوں۔''

''میں شہروز۔''

''جی آفیسر صاحب! میں نے پہچان لیا ہے۔''

''کہیئے کیسے حال ہیں آپ کے۔''

''مجھے ایک اطلاع ملی ہے۔''

''کیا؟''

''آپ نے طارق خان کو گرفتار کیا ہے۔ میرے دفتر کے سامنے سے۔''

''اوہو۔ انسپکٹر صاحب آپ تصور نہیں کر سکتے۔ وہ وہ......''

''نہیں یہ اور وہ نہیں خبیر بیگ صاحب آپ تشریف لے آیئے۔ میرے آفس' سمجھ رہے ہیں ناں آپ کا انتظار کر رہا ہوں میں آپ کا۔''

''جی بس! دو منٹ میں حاضر ہوتا ہوں...... میں تو خود آنا چاہتا تھا۔ وہ کمبخت پندرہ لاکھ لے گیا ہے۔''

''جی ہاں۔ وہ میرے پاس میری میز پر رکھے ہوئے ہیں اور آپ سے تعاون کے طور پر میں ان کا اندراج نہیں کروں گا۔ کیونکہ اس کے بعد آپ کو ان پندرہ لاکھ کی واپسی میں دانتوں پسینے آ جائیں گے۔''

''میں آپ کے اس احسان کا صلہ کبھی نہیں دے سکوں گا۔''

''آ جایئے آ جایئے۔'' شہروز نے فون بند کر دیا۔

اب وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس وقت تک وہ خاموش ہی رہا۔ جب تک خبیر بیگ آ نہ گیا۔ گرج خان شاید طارق خان پر مسلسل محنت کر رہا تھا۔ خبیر بیگ سلام کر کے شہروز کے سامنے آبیٹھا...... اس نے وہ بیگ دیکھ لیا تھا۔ جس میں اس نے نوٹ بھر کر دیے تھے۔

''اگر ایسا ہو جائے آپ نے فرمایا تھا تو آپ یقین کیجئے کہ مجھے نئی زندگی مل جائے گی۔ میں نے یہ جو کچھ کیا ہے اور جس طرح کیا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔'' شہروز نے وہ بیگ خبیر بیگ کی طرف کھسکا دیا اور بولا۔

''زپ کھولیے۔''

''جی۔؟''

''بیگ کی زپ۔''

''ج، جی ہاں۔'' خبیر بیگ نے جلدی سے زپ کھول دی۔

''گڈیاں نکالیے۔''

''جی۔'' خبیر بیگ نے کانپتے ہاتھوں سے نوٹوں کی گڈیاں نکال دیں۔

''چیک کر لیجئے۔''

''کک...... کیا مطلب۔؟''

''خبیر بیگ صاحب وقت ضائع نہ کریں۔ گڈیاں چیک کریں۔''

''سب بالکل ٹھیک ہیں۔''

''واپس رکھ لیجئے۔''

''جی۔'' خبیر بیگ نے گڈیاں واپس رکھیں تو شہروز نے اسے بیگ کی زپ بند کرنے کا اشارہ کیا اور بولا۔

''یہ اب آپ کی تحویل میں پہنچ چکی ہیں۔ ان کا تحفظ آپ کی ذمہ داری ہے۔''

''شہروز صاحب...... مم میں۔''

''کچھ نہیں...... بیکار کی باتیں مت کیجیے۔ ایک بار پھر آپ سے یہ سوال کروں گا کہ کیا سائرہ کے قتل میں کوئی جذباتی فیصلہ تھا۔''

''کوئی بھی شے نہیں ہے۔ اس دنیا میں جس کی قسم کھا کر میں آپ کو اس بات کا یقین دلا سکوں کہ جو کچھ تھا۔ وہ ختم ہو چکا تھا اور اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ بس تقدیر کو مجھ پر ظلم ڈھانا تھا۔''

''نہیں، تقدیر نے آپ پر کوئی ظلم نہیں ڈھایا...... آپ بیگ اٹھایئے اور جایئے۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کا نام تک اس مقدمے میں نہ شامل ہونے دوں۔''

''اور اس کے سلسلے میں میں آپ کو کیا دوں گا۔''
''ممکن ہو تو دعائیں دے دیجئے۔''
''او کے شکریہ۔''
''میرا خیال ہے۔ آپ کا اب آفس کی حدود میں زیادہ دیر رہنا مناسب نہیں ہے۔'' شہروز نے کہا اور خبیر بیگ، بیگ اٹھا کر لرزتے ہوئے قدموں سے باہر نکل گیا۔
خبیر بیگ کی جو ہسٹری سامنے آئی تھی۔ وہ ایسی تھی۔ اس کے بعد اسے مزید دُکھ دینا اپنے آپ کو دکھ دینے کے مترادف تھا۔ چنانچہ شہروز نے اسے فارغ ہی کر دیا تھا اور کسی بھی طور پر اسے اس کیس میں ملوث نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اب طارق خان سے انکشاف ہونے کی توقع تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد گرج خان کمرے میں داخل ہوا اور شہروز نے محبت بھرے انداز میں اس سے کہا۔
''آؤ گرج خان! بیٹھو...... یقیناً کچھ معلومات حاصل کر کے آئے ہو گے۔''
''وہ بھی پکا بدمعاش ہے سر! اصل میں ٹرانسپورٹ لائن کا آدمی ہے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیئے ہوئے تھے اور کافی الٹے سیدھے کام کیے ہوئے ہے۔ ہم نے بھی اس سسرے کی پوری ہسٹری پوچھ لی۔''
''اگر گرج خان کو بھی ہسٹری نہ بتاتا تو کیا ہم جیسے لوگوں کو بتاتا۔ بتایئے کیا تفصیل سامنے آئی۔''
''سر! سائرہ کا قاتل وہی ہے اور اسی نے بے چاری کو مرنے سے پہلے بے آبرو کیا تھا۔''
''طارق خان نے۔'' شہروز حیرت سے بولا۔
''جی صاحب! بڑی گندی کہانی ہے۔ خدا غارت کرے ان بے ضمیر لوگوں کو جو دولت کے لیے انسانیت کو اس طرح شرمندہ کرتے ہیں کہ صاحب بس کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''
''شہروز سرد نگاہوں سے گرج خان کو دیکھتا رہا۔ گرج خان چند لمحات خاموش رہنے کے بعد بولا۔
''شاہد علی اور ماجد علی دو سگے بھائی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سائرہ اس گھر کے لیے بڑی نعمت تھی۔ شاہد علی درحقیقت سائرہ کو بہت چاہتا تھا لیکن وہ اپنی زندگی میں خوشیوں کا طلبگار تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ ایک پر آسائش زندگی بسر کرے۔ بڑے بھائی کو کینسر ہو گیا اور مستقبل کے دروازے اسے بند ہوتے محسوس ہوئے اور وہ بوکھلا گیا اور اس کے بعد اس کی سوچ میں خودغرضی پیدا ہوتی چلی گئی۔ وہ ہر قیمت پر دولتمند بننے کا خواب دیکھنے لگا۔
اسے بہت سی باتیں معلوم تھیں۔ یہ بھی معلوم تھا اسے کہ خبیر بیگ اور سائرہ کا عشق چلتا رہا ہے اور سائرہ نے ماجد علی کو پسند کر لیا تھا۔ بہرحال ماجد علی تو ہسپتال میں داخل ہو گیا اور شاہد اپنے طور پر ان فکروں میں سرگرداں رہا کہ کیا کرے چنانچہ اس نے خبیر بیگ کو بلیک میل کرنے کا فیصلہ کیا اور خطوط کا سہارا لیا جو سائرہ کے سامان میں سے اسے حاصل ہو گئے تھے۔ خبیر بیگ آسانی سے اسے رقم دینے پر آمادہ

نہ ہوا تو شاہد نے کچھ اور فیصلے کیے۔

اس نے طارق خان کو اپنے ساتھ شریک کیا اور اس کے بعد یہ ناپاک منصوبہ بنا ڈالا۔ اس نے خبیر بیگ پر سائرہ کے قتل کا الزام لگانے کی کوشش کی تا کہ خبیر بیگ اس کی مطلوبہ رقم اسے ادا کر دے اور جب خبیر بیگ نہ مانا تو اس نے طارق خان کے ذریعے سائرہ کو بے آبرو کر کے قتل کر ڈالا۔ وہ اس کا پورا پورا الزام خبیر بیگ پر لگانا چاہتا تھا اور یہی کوشش کر رہا تھا لیکن دال نہ گلی۔ اس نے آ کر اپنے آپ کو اس لیے گرفتاری کے لیے پیش کیا تھا کہ تحقیقات ہو تو خبیر بیگ کا نام سامنے آئے۔

خبیر بیگ بوکھلا جائے اور بیس لاکھ روپے کی رقم ادا کر دے...... طارق خان اس سلسلے میں اس کا پارٹنر تھا۔ بیس فیصد کا...... یہ ہے تمام کہانی جو طارق خان نے سنائی ہے۔"

شہروز دیر تک افسوس بھرے انداز میں گرج خان کی صورت دیکھتا رہا۔ پھر وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"ہاں گرج خان۔ دولت کے کھیل اتنے ہی ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ انسان اپنی سطح سے نیچے گر جاتا ہے کہ اسے انسان کہنا ہی مشکل لگے...... بہر حال بے چارہ خبیر بیگ بلا وجہ اس جرم میں ملوث ہو رہا تھا۔"

"جی سر! اب کیا پروگرام ہے۔"

"کچھ نہیں سیدھی سی بات ہے۔ چالان پیش کیے دیتے ہیں۔ تمام تر ثبوت اور شواہد کے ساتھ...... اس کم بخت شاہد اور اس کے ساتھی طارق خان کو کم از کم موت کی سزا ملنی چاہیے۔"

"بات تو کر لیں۔"

"جی سر! جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

"آؤ تھوڑی دیر کے بعد طارق خان کو بھی ذرا اس کے سامنے لانا ہے۔ دونوں کے بیانات لے لیں۔ بلکہ آؤ تھوڑی سی تفریح کرتے ہیں۔"

شہروز گرج خان کے ساتھ شاہد علی کے سامنے آ گیا۔ وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

"کہو شاہد! تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔" شاہد نے برا سا منہ بنایا اور آہستہ سے کہا۔

"مجھے تکلیف یہ ہے کہ مجھے یہاں کوئی تکلیف کیوں نہیں ہے۔"

"واہ...... بہت عمدہ فلسفہ ہے تمہارا۔"

"اسے فلسفہ نہ کہیں جناب! یہ زندگی سے مایوسی اور بیزاری کا اظہار ہے۔"

"تم زندگی سے اتنے مایوس کیوں ہو شاہد۔"

"کچھ نہیں رکھا اس زندگی میں جناب! کیا فائدہ۔"

''حقیقتوں کا اعتراف کرلو۔ شاہد کیا فائدہ اپنے آپ کو مصیبتوں میں ڈالنے کا...... زندگی ہر شخص کے لیے ہوتی ہے تم اپنی زندگی کھو کر میرے خیال میں بہتر تو نہیں کر رہے۔''

''جس زندگی کا کوئی مصرف نہ رہ جائے۔ آفیسر صاحب! اس کا کھو جانا ہی زیادہ اچھا ہوتا ہے۔''

''مصرف تو تم تلاش کر سکتے ہو۔''

''کوئی نہیں ہے میرا اس دنیا میں کسی کے لیے جیوں۔ کیا مصرف تلاش کروں۔ اپنی زندگی کا۔''

''اصل میں دنیا بڑی مطلبی ہے شاہد۔ دنیا صرف اپنے لیے سوچتی ہے۔ تم نے بھی اپنے لیے ہی سوچا۔ اگر تم سچ مچ اپنے بھائی اور بھابی کے لیے بھی سوچ لیتے تو آج نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔''

''بہت کچھ سوچا میں نے ان دونوں کے لیے...... بہت کچھ سوچا لیکن بس۔''

''تو کیا تم اب بھی اس بات پر قائم ہو کہ اپنی بھابی کو تم نے بے آبرو کیا ہے۔''

''خدا کے لیے مجھ سے بار بار یہ سوال نہ کریں جو اعتراف میں نے کیا ہے بس اس پر اکتفا کریں۔''

''حالانکہ تم اپنے اوپر ایک گندا اور گھناؤنا الزام لگا رہے ہو...... شاہد...... اس عورت کو تم' ماں اور بہن کا درجہ دے چکے ہو۔ دولت بے شک آنکھوں پر پردہ ڈال دیتی ہے لیکن زبان سے کہی ہوئی بات کی کوئی اہمیت تو ہوتی ہے۔ کم از کم اس قدر تو غلاظت میں نہ گرو۔''

شاہد نے آنکھیں بند کر لیں تو شہروز نے کہا۔

''طارق خان سب کچھ بتا چکا ہے۔ یہ بھی بتا چکا ہے شاہد کہ تمہاری بھابی کو اس نے تمہارے ایماء پر بے آبرو کیا ہے۔ بیس لاکھ کا قصہ بھی بتا چکا ہے۔ سارے انکشافات کر چکا ہے اور اب تم دونوں کے لیے پھانسی کا پھندہ تیار ہو رہا ہے۔ تم نے تو یہ سوچا تھا شاہد کہ آخر کار طارق خان تمہیں اس مشکل سے نکال لے گا۔ بیس لاکھ روپے میں سے تھوڑی بہت رقم خرچ کر کے تم قانون کے چنگل سے نکل جاؤ گے لیکن طارق خان نے اعتراف کر لیا ہے اور اب سچ مچ تمہارا چالان پیش کیا جانے والا ہے۔''

شاہد علی زمین پر گر پڑا۔ وہ کسی زخمی کبوتر کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اسے اس کی امید نہیں تھی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہروز کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانے لگا کہ جو کچھ شہروز کہہ رہا ہے۔ وہ سچ ہے' لیکن شہروز کا اندازہ بتا تا تھا کہ اب سچائیاں سامنے آ گئی ہیں اور وہ کھیل جو کھیل کے طور پر کھیلا گیا تھا۔ اب موت کا کھیل بن چکا ہے۔

شہروز نے پوری مہارت اور چابکدستی سے اس کھیل کا چالان پیش کر دیا۔ محمود علی صاحب کو اس نے اس میں ملوث نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس گھناؤنے کیس میں خود اسے ان کرداروں سے شدید نفرت کا احساس ہوا تھا اور وہ اس سلسلے میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں چاہتا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ اس کیس سے لاتعلق ہو گیا۔

زندگی کے شب و روز اسی طرح بیدار ہو گئے...... گھر' ناہید' محمود علی صاحب اور کھانا۔ باقی اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ شہروز

کا یہ مکمل فیصلہ تھا کہ اگر کچھ کرنا ہے تو کوئی اعلیٰ افسر ہونے کے بجائے ایک نچلے عہدے کا اہل کار ہونا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں زندگی کے ہر شعبے کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے' حقیقی مشکلات سامنے آتی ہیں اور اپنے فرائض ادا کرنے کا بہترین موقع ملتا ہے۔

ڈی آئی جی صاحب اپنے فرائض سرانجام سے رہے تھے۔ دو تین بار شہروز سے فون پر گفتگو ہوئی تھی اور شہروز نے نہایت عقیدت اور احترام کے ساتھ انہیں اپنے بارے میں تفصیلات بتائی تھیں اور کہا تھا کہ وہ ایک مطمئن زندگی گزار رہا تھا۔ جس پر ڈی آئی جی صاحب نے ہنس کر کہا تھا۔

''نہیں شہروز تم جیسے سیماب صفت لوگوں کو مطمئن زندگی گزارنے کا الزام دینا مناسب نہیں ہے۔ تم پرسکون اور مطمئن زندگی گزار ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ یہ تمہاری فطرت سے بہت مختلف ہے۔''

شہروز ہنس کر خاموش ہو گیا تھا اور اس نے اس سلسلے میں آئی جی صاحب سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ ظاہر ہے اپنے مسائل کی تفصیل وہ ان کے سامنے تو نہیں لا سکتا تھا۔ بہر حال وقت گزر رہا تھا...... ناہید سے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی۔ ابھی شہروز نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اس کی زندگی میں جب کبھی موقع ملا وہ ناہید کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کی خواہش نہیں کرے گا۔

یہ تمام باتیں لفظوں کی زبان میں تو نہیں ہوئی تھیں لیکن ذہنی طور پر دونوں اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ جب سکون کے لمحات آئیں گے تو دونوں ایک ساتھ ہی ہوں گے۔

آج بھی صبح سے موسم بہت خوشگوار تھا۔ شہروز نے ناہید کو فون کیا۔ ناہید آفس میں موجود تھی اس نے بتایا کہ محمود علی بھی آج کہیں نہیں گئے اور آفس کے کچھ کام نمٹا رہے ہیں۔ شہروز نے کہا۔

''یہ لوگ بوڑھے کیوں ہو جاتے ہیں۔ ناہید۔''

''کیا مطلب۔؟''

''بزرگی اختیار کرنے کے بعد ان کی اپنی مصروفیات کچھ نہیں رہتیں لیکن دوسروں کی مصروفیات میں بھی یہ حارج ہوتے ہیں۔''

''محمود علی صاحب کی بات کر رہے ہیں شہروز۔''

''تو اور کیا۔؟''

''نہیں آپ حکم دیں میں حاضر ہو جاؤں۔''

''ارے ارے یہ کس نے کہا۔''

''کہا نہیں لیکن میں جانتی ہوں۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ یہ سہارا ہی کیا کم ہے ہمارے لیے کہ تم جانتی ہو۔'' ناہید ہنس کر خاموش ہو گئی۔

شہروز سوچ رہا تھا کہ کچھ کرے۔ باہر مدہم مدہم بوندا بوندی ہو رہی تھی۔ گرج خان عمدہ قسم کی کافی بنا کر لے آیا اور شہروز کے ساتھ

بیٹھ گیا۔ کافی پیتے ہوئے شہروز اور گرج خان گفتگو کرتے رہے۔ پھر کچھ آوازیں سنائی دیں اور دونوں چونک کر دروازے کی جانب متوجہ ہو گئے۔ اردلی نے اندر سے جھانک کر کہا۔

''صاحب جی! ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ باہر کھڑی ہوئی ہیں۔''

''ارے تو بارش میں کیوں کھڑا کر رکھا ہے۔ ان کو انہیں اندر بلاؤ۔'' شہروز نے کہا۔

''جی سر۔''

آنے والی ایک خوب صورت عورت تھی۔ اس کے ساتھ دو بچے بھی تھے۔ لڑکے کی عمر کوئی چار سال ہوگی۔ لڑکی چھ سال کے قریب تھی۔ دونوں بچے خوب صورت اور پیارے تھے۔ عورت خود بھی حسین تھی لیکن مرجھائے ہوئے چہرے کی مالک۔ آنکھوں سے غم واندوہ کے آثار ٹپک رہے تھے۔ شہروز اور گرج خان دونوں ہی اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ شہروز نے نرم لہجے میں کہا۔

''آیئے، بہن، آجایئے۔ بیٹھیے۔'' یہ جملے نرم لہجے میں اور شریفانہ الفاظ پر مشتمل تھے اور ایسی باتیں دوسروں کا حوصلہ بڑھا دیتی ہیں۔

عورت نے نگاہیں اٹھا کر شہروز کو دیکھا۔ تو شہروز نے پر اخلاق انداز میں کہا۔ ''آیئے' بیٹھیے' بچوں کو بٹھا دیجیے۔ گرج خان پلیز۔''

''جی سر!'' گرج خان نے دونوں بچوں کو کرسیاں پیش کیں اور خود شہروز کے سامنے سے ہٹ گیا۔ تاکہ عورت اپنے آپ کو پرسکون محسوس کرے۔ وہ ایک طرف جا بیٹھا تھا۔ شہروز نے کہا۔

''جی آپ اچھی خاصی بھیگ گئی ہیں۔ تولیہ وغیرہ منگواؤں۔''

''نہیں شکریہ۔'' عورت نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں۔ جس سے احساس ہوتا تھا کہ وہ مسلسل روتی رہی ہے۔ شہروز نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''فرمایئے کیا خدمت کی جا سکتی ہے آپ کی۔''

''سر! میں بہت عذاب میں گرفتار ہو گئی ہوں۔ میرے شوہر کو اغواہ کر لیا گیا ہے۔ میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ دو بچے ہیں شوہر ہے اور میں بس یوں سمجھ لیجیے کہ اس کے بعد اللہ کی ذات ہے۔ ہم بے سہارا ہو گئے ہیں سر! آپ روایتی انداز میں نہیں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہماری مدد کریں۔ ورنہ سر! ہم زخم بن کر رہ جائیں گے۔ ہم جی نہیں سکیں گے سر۔''

''خودکشی کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ کار نہیں رہے گا۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ خودکشی حرام ہے۔ ہمیں حرام موت مرنے سے بچا لیجیے صاحب ہمارے پاس کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ ہم کسی کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ نہایت بے کسی کی زندگی گزار رہے ہیں ہم بس خدا کے سوا کوئی سہارا نہیں ہے۔ ہماری مدد کیجیے سر! ورنہ......ورنہ۔''

عورت کی آنکھوں سے پھر آنسو ٹپکنے لگے۔ شہروز نے ہمدرد لہجے میں کہا۔

''نہیں بی بی! آپ اطمینان رکھیں۔ آپ کے شوہر کو بازیاب کرانا ہماری ذمے داری ہے۔ آپ اس روایتی ذمے داری کو جانے

دیجیے جو پیسے لینے کے لیے پوری کی جاتی ہے۔ آپ یہی سمجھیں کہ آپ اپنے کسی عزیز کے سامنے ہیں۔ میں نے آپ کو بڑے خلوص سے بہن کہہ کر پکارا ہے۔ میں بن جانے والے رشتوں کا قائل نہیں ہوں لیکن زبان سے کسی کو کچھ دینا بھی بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ آپ براہ کرم مجھے پوری تفصیل بتایئے اور حوصلہ رکھیے۔ میں آپ سے صرف اتنا ہی عرض کروں گا جتنا کہ میرے لیے ممکن ہوسکتا ہے۔ میں آپ کے شوہر کی بازیابی کی کوشش کروں گا۔

''رضوان بسمل ہے میرے شوہر کا نام' ایک مقامی اخبار میں رپورٹر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ بڑے اچھے رپورٹروں میں شامل ہوتے ہیں۔ شاید کبھی آپ کی نگاہ سے ان کا نام گزرا ہو۔''

''ہاں سر! رضوان بسمل کی رپورٹیں میں نے اخبارات میں پڑھی ہیں۔'' گرج خان نے کہا۔

''سر! وہ میرے شوہر ہیں۔ سر! انہیں پچھلی رات اغواء کرلیا گیا ہے۔ کوئی ساڑھے نو بجے کا وقت ہوگا۔ ہم لوگ کھانا کھانے سے فارغ ہوئے تھے۔ کسی نے بیل بجائی اور رضوان دروازے پر پہنچ گئے۔ پھر وہ کسی سے باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد دروازے ہی سے چلے گئے۔ میں انتظار کرتی رہی کہ وہ واپس آجائیں گے اور آنے والے کے بارے میں بتائیں گے لیکن وہ واپس نہیں آئے۔ پندرہ بیس منٹ گزر گئے تو میں باہر نکلی۔ کچھ لوگ دروازے سے کچھ فاصلے پر جمع تھے۔ یہ پاس پڑوس کے لوگ تھے اور چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ مجھے حیرت ہوئی۔ سب میری جانب متوجہ ہوگئے تھے۔ پھر ایک بزرگ شخص نے آگے بڑھ کر کہا۔

''بیٹی کون تھے وہ لوگ۔''

میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''باباجی! کن لوگوں کی بات کر رہے ہیں۔'' تو بزرگ نے جواب دیا۔

''وہی جو کالی کار میں آئے تھے اور رضوان کو مار پیٹ کر کار میں ڈال کرلے گئے ہیں۔'' سر میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے مجھے ان ساری باتوں کا علم نہیں تھا۔ سر میں...... سر میں شدت غم سے دیوانی ہوگئی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ لوگ میرا ساتھ دینے سے کترانے لگے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں پولیس اسٹیشن جانا چاہتی ہوں لیکن کبھی نہیں گئی راستہ تک نہیں معلوم لیکن کوئی میرے ساتھ چلنے کو تیار نہیں ہوا۔ سر! میں نے اخبار کے دفتر ٹیلی فون کیا...... ایڈیٹر صاحب جاچکے تھے کسی اور سے رابطہ نہیں ہوسکا۔ میں نے بہت کوششیں کیں لیکن ایڈیٹر صاحب کے گھر کا نمبر مجھے معلوم نہیں تھا۔ کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔''

''سر! پھر صبح کو میں نے دوبارہ اخبار کے دفتر فون کیا۔ کوئی نہیں آیا۔ دس بجے ایڈیٹر صاحب آئے اور میں نے انہیں رضوان کے اغواء کی اطلاع دی۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے وہ دیکھیں گے کہ وہ کیا کرسکتے ہیں' سر! میں نے دوبارہ ٹیلی فون کیا تو ایڈیٹر صاحب نے فون ریسیو نہیں کیا۔ حالانکہ مجھے علم تھا کہ وہ موجود ہیں لیکن انہوں نے اپنے سیکریٹری سے منع کرادیا کہ وہ کسی کام سے گئے ہوئے ہیں۔ کسی نے میری نہیں سنی۔ آخر کار مجبور ہوگئی۔ اخبارات میں آپ کے کارناموں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا تھا۔ بس یہ سوچ کر پتہ معلوم کرتی ہوئی آپ کے پاس چلی آئی کہ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو ہی میرا مسیحا بنادے۔ سر! میں بے سہارا ہوں۔ رضوان بسمل اخبار میں ملازمت کرتے

ہیں۔ چھ سات سال ہو گئے ملازمت کرتے ہوئے اور بڑی میانہ روی کی زندگی گزار رہے ہیں ہم سر! ہمارے پاس کوئی وسائل نہیں ہیں کہ ہم آگے بڑھ کر کسی سے بات کریں۔ ہماری مدد کیجیے۔ آپ کو اللہ کا واسطہ۔"

وہ مدھم آواز میں رونے لگی۔ شہروز نے پھر کہا۔ "آپ کا نام کیا ہے۔"

"نوشین...... نوشین رضوان۔"

"دیکھئے، نوشین حوصلہ دنیا کی سب سے بڑی قوت ہے...... میں آپ کو خوب صورت الفاظ کہہ کر بڑے بڑے دلاسے دے سکتا ہوں لیکن میں آپ سے صرف ایک لفظ کہوں گا۔ اگر اللہ کی ذات پر مکمل یقین رکھتی ہیں تو پھر اس بات پر بھی بھروسہ رکھیے کہ اگر آپ کے شوہر بے گناہ ہیں اور انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ جس کے نتیجے میں انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو اللہ ان کی مدد کرے گا۔ اس تصور کو اپنا ایمان بنا لیجیے...... باقی جہاں تک وسیلے کا تعلق ہے تو یہ میرا فرض بھی ہے کہ آپ کی بھرپور مدد کروں اور میں ایسا ہی کروں گا لیکن آپ کو حوصلہ رکھنا پڑے گا۔

آنسو خشک کیجیے! یہ بچے کتنے خوفزدہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کو ان کی اور ان کو آپ کی ضرورت ہے۔ نوشین! اگر آپ نے حوصلہ ہار دیا تو یہ بے چارے تو مر ہی جائیں گے...... آپ اطمینان رکھیے جرم ہوتا ہے لیکن جرم بھی ختم ہو جاتیں ہے اور ظلم کا خاتمہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ختم ہو جائیں گی۔ بس آپ حوصلہ کریں اور اس قدر تر دو نہ کریں۔"

شہروز کے الفاظ پر نوشین کو حوصلہ ہوا۔ اس نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کیں اور بولی۔

"سر! ہم بڑے خوفزدہ ہیں بڑے ہراساں ہیں ہم۔"

"میں نے کہا ناں کہ جو کام اللہ کی طرف سے ہونے ہیں۔ وہ صرف اللہ کی ذات کرے گی۔ باقی جو میرا فرض ہے۔ میں اسے پورا کروں گا۔ آپ یہاں تک پہنچ گئی ہیں۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ آپ کا تحفظ میرا ایمان ہے اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اپنے اس ایمان میں ثابت قدم رہوں۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ آپ کے شوہر کی تلاش اس طرح کی جائے گی کہ آپ مطمئن ہو جائیں گی۔ ہم انہیں ضرور بازیاب کر لیں گے...... اب ذرا حوصلے کے ساتھ تھوڑی سی تفصیل بتایئے اور سنئے یہ کافی رکھی ہوئی ہے اور ایک پیالی آپ کو سکون دے گی گرج خان پلیز۔"

"سر میں۔"

"نوشین بہن کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ میں نے آپ کو...... تھوڑی سی تو لاج رکھ لیجیے۔"

"جی سر! اس نے گردن جھکا دی۔ پھر شہروز اس وقت تک خاموش رہا۔ جب تک کہ کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے کر اس نے کافی ختم نہ کر دی۔ پھر شہروز بولا۔

"رضوان بسمل ایک رپورٹر ہیں نوشین۔ آپ کی تعلیم کتنی ہے۔"

''سر! میں نے گریجوایشن کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ تھوڑا بہت اندازہ تو ہوگا آپ کو کہ رضوان کو کس وجہ سے اغواء کیا گیا ہے۔ کچھ ایسے شبہات' کوئی ایسا تذکرہ، جو انہوں نے آپ سے کیا ہو۔ اور اگر آپ اس کی نشاندی کریں تو ہمیں اس سلسلے میں مدد مل سکتی ہے۔ جس کالے رنگ کی کار کا تذکرہ پڑوسیوں نے کیا ہے۔ کیا ان میں سے کسی نے یہ بتایا ہے آپ کو کہ کالے رنگ کی اس کار کا نمبر بھی دیکھ لیا گیا تھا۔''

''میں نے پوچھا تھا لیکن کسی نے نمبر نہیں دیکھا۔''

''جس علاقے میں آپ رہتی ہیں کیا وہ پسماندہ لوگوں کا علاقہ ہے۔''

''ملی جلی آبادی ہے۔ تھوڑے بہت پڑھے لکھے لوگ رہتے ہیں اور تھوڑے بہت جاہل لیکن سب کے سب خود غرض لیکن میرا خیال ہے۔ آپ ان سے اس کے سوا کچھ نہیں معلوم کر سکیں گے کہ چند افراد نے رضوان بسمل کو اغواء کر لیا ہے۔''

''اور آپ کے ایڈیٹر صاحب نے بھی اس سلسلے میں آپ پر کوئی توجہ نہیں دی۔''

''جی سر! میرا یہی اندازہ ہے کہ وہاں سے بھی ہم لوگوں کو کوئی توجہ نہیں ملی۔''

''رضوان بسمل کتنے عرصے سے وہاں ملازم تھے۔''

''سر چھ سال ہو گئے۔''

''ان کے اغواء کی کوئی وجہ آپ کے ذہن میں آتی ہے...... میرا مطلب ہے کوئی دشمن۔''

''لاکھوں دشمن پال رکھے تھے انہوں نے اصل میں انہیں صحافت میں بے باک ہونے کا فخر حاصل کرنے کی خواہش تھی...... ہر وہ چیز لکھ دیا کرتے تھے۔ جس پر میں خوفزدہ ہوتی رہتی تھی۔ ان سے کہتی تھی کہ رضوان خدا کے لیے۔ اپنے آپ کو خطرے میں مت ڈالو' کہتے تھے کہ کوئی اور ملازمت مل گئی۔ تو صحافت ترک کر دوں گا۔ لیکن جو کر رہا ہوں وہ ایمان داری سے کروں گا۔ سر! ایڈیٹر صاحب سے بھی ان کا اختلاف ہی رہتا تھا۔ یہ دو چار باتیں بس دوران گفتگو میرے علم میں آجاتیں تھیں ورنہ دفتر کی باتیں گھر نہیں بتاتے تھے۔''

شہروز کے چہرے پر ہلکی سی سرخی آ گئی۔ نجانے کون سا تصور اس کے ذہن کے نہاں خانوں میں روشن ہو گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ اس کے جبڑوں کے مسلز ابھر آئے تھے۔ گرج خان خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ سر کو آہستہ سے جھٹکا اور بولا۔

''نوشین بہن ایک بات عرض کروں آپ سے۔''

''جی...... فرمایئے۔''

''آپ کے والدین کہاں ہیں''

''میرے والدین تو میرے بچپن ہی میں مر گئے تھے۔ چچا نے پرورش کی تھی۔ چچا کا بھی انتقال ہو گیا۔...... انہوں نے ہی میری

شادی رضوان سے کی تھی...... رضوان کا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں تھا لیکن بہر حال ہم کسی قدر مطمئن زندگی گزار رہے تھے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اس پر قانع تھے۔ یہ اُفتاد تو نا گہانی پڑی ہے سر! ہماری مدد کیجیے۔ خدا کے لیے اللہ آپ کو اس کا صلہ دے گا۔''

''کیوں نہیں کیوں نہیں۔ آپ براہ کرم میری بات غور سے سنیے...... رضوان کا اغواء کسی ایسے کام میں بھی ہو سکتا ہے جس کا تعلق کچھ خطرناک لوگوں سے ہو اور ہو سکتا ہے وہ خطرناک لوگ رضوان کے اغواء سے وہ فائدہ حاصل کر سکیں جو وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کو اور آپ کے بچوں کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ آپ کو خود بھی علم ہوگا کہ اس طرح کے واقعات اکثر پیش آتے رہے ہیں۔''

''جی سر! میں مسلسل یہ سوچتی رہی ہوں کہ میرے بچے بھی خطرے میں ہیں۔''

''یہ بچے پڑھتے ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''ان کا سکول گھر سے کتنے فاصلے پر ہے۔''

''کافی فاصلے پر ہے سر۔''

''وین سے جاتے ہیں۔''

''جی نہیں پیدل چھوڑ کر آتی ہوں۔'' نوشین نے کسی قدر زخجل لہجے میں کہا۔

''ہوں...... لیکن نوشین آپ کو کچھ عرصے کے لیے ان کی تعلیم معطل کرنا ہوگی۔''

''ہماری تو زندگی ہی معطل ہوگئی ہے۔ سر! کیا اب ان کی تعلیم اور کچھ اور۔''

''کیا ایک اجنبی شخص کی زبان پر بھروسہ کر سکتی ہیں آپ۔''

''میں کبھی نہیں سر۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ کو کچھ وقت کے لیے اپنے گھر میں نہیں رہنا چاہیے۔''

''جی سر۔'' وہ ہچکچا کر بولی۔ پھر کہنے لگی۔ ''میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔''

''تو میں آپ کو ٹھکانہ مہیا کر دیتا ہوں۔ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ اتفاق نے آپ کو ایک بھائی سے روشناس کرا دیا ہے۔ بھروسہ کر لیجیے مجھ پر نوشین بہن! آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ میرے لیے ایک معزز بہن کی حیثیت رکھتی ہیں۔''

وہ تذبذب کا شکار ہوگئی اور گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگی تو گرج خان کہنے لگا۔

''صاحب! خدا کا قسم میں نوشین بہن کو اپنے گھر میں جگہ دینے کے لیے تیار ہوں...... جان کی بازی لگا دوں گا۔ ان کے لیے کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے ان کا۔''

''میرے پاس ٹھکانہ ہے۔ گرج خان نہ ہوتا تو میں تم سے درخواست کرتا۔'' شہروز نے کہا...... نوشین مسلسل سوچ میں ڈوبی ہوئی

تھی۔ پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا۔

''جیسا آپ مناسب سمجھیں سر! میں کیا کروں۔ اب میرے پاس کہنے کے لیے کوئی کچھ نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ گرج خان۔ ایف آئی آر درج کروا دو۔''

''یس سر!'' گرج خان اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ ہیڈ محرر کو کمرے میں طلب کر لیا گیا تھا۔ نوشین نے اسے اپنے شوہر رضوان کے اغواء کی تفصیلات نوٹ کرا دی۔ پھر شہروز نے اپنی رہائش گاہ پر جبرو کو فون کیا اور اس سے کہا کہ وہ وہاں پہنچ رہا ہے۔ کچھ مہمانوں کو کوٹھی میں قیام کرانا ہے۔ چھوٹے موٹے انتظامات کر لے اس کے بعد ناہید کو فون کیا تھا۔ اس نے ناہید سے کہا۔

''ناہید میں آپ کو بالکل تکلیف نہ دیتا لیکن ایک کیس آ گیا براہ کرم آفس پہنچ جائیں۔''

''جی شہروز میں پہنچ رہی ہوں۔'' ناہید نے کہا۔

''اوکے۔'' تمام کام سرانجام پا گئے تو شہروز نے پرائیوٹ گاڑی منگوائی اور گرج خان سے کہا کہ نوشین نے اپنے گھر کا جو پتہ درج کرایا ہے۔ وہاں گاڑی لے کر پہنچ جائے اور گھر کو اپنے حصار میں لے لے۔ ''تھوڑی دیر کے بعد تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔'' شہروز نے گرج خان سے کہا اور اس کے بعد وہ نوشین کو ساتھ لے کر کار میں بیٹھ کر چل پڑا تھا۔ نوشین کی آنکھوں سے بار بار آنسو بہنے لگے تھے۔ راستے میں اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

''سر! آپ تو ایک آفیسر ہیں آپ کو معلوم ہو گا کیا اس طرح اغواء کیے جانے کے بعد انسان کو قتل کر دیا جاتا ہے۔''

''نوشین صرف خدا پر بھروسہ رکھیے اور اپنے شوہر کی زندگی کے لیے دعائیں کیجیے معلوم ہو جائے گا کہ رضوان کو اغواء کرنے والے کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ ہم پوری محنت سے ان کی بازیابی کی کوشش کریں گے۔''

رہائش گاہ پہنچ کر شہروز کو معلوم ہوا کہ ناہید پہنچ چکی ہے۔ شہروز نوشین اور دونوں بچوں کو ساتھ لے کر اندر داخل ہو گیا۔ ناہید نے دروازے کے پیچھے اس کا استقبال کیا تھا اور پھر نوشین کو دیکھا۔

''ناہید یہ نوشین ہیں۔ ان کے دونوں بچوں کے نام مجھے نہیں معلوم ہو سکے یہ تمام تفصیلات تمہیں بتا دیں گی۔ میں بعد میں آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔ فی الحال جا رہا ہوں۔ نوشین آپ مس ناہید کو اپنا پورا کیس بتا دیجیے اور یہی وہ جگہ ہے۔ جہاں آپ کو اس وقت تک قیام کرنا ہو گا۔ جب تک ہم آپ کے شوہر کو بازیاب نہیں کر لیتے۔ یہ جگہ آپ کے لیے بالکل محفوظ ہے۔''

''ناہید آپ نوشین کو تمام سہولتیں فراہم کیجیے۔ آئی ایم سوری! تفصیلات آپ کو انہیں سے معلوم ہو جائیں گی۔ میں ذرا جا رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے جناب! ناہید نے کہا اور شہروز اپنی کار میں اس علاقے کی جانب چل پڑا جس کا پتہ اس نے ذہن میں نشین کر لیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار اس علاقے میں داخل ہوگئی۔ درمیانے درجے سے بھی کچھ نچلے درجے کا علاقہ تھا۔ گرج خان کی گاڑی سامنے کھڑی نظر آ گئی جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ لوگ جگہ جگہ دو دو تین تین کی ٹولیاں بنا کر چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ اغوا کا واقعہ پورے علاقے کو معلوم ہو چکا تھا۔ شہروز نے گرج خان کی گاڑی کے پیچھے اپنی کار بھی روک دی اور نیچے اتر آیا۔

گرج خان نے ابھی تک مکان میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن چند ساتھیوں کو وہاں تعینات کر دیا گیا تھا۔ پھر اس نے گرج خان سے کہا کہ ان لوگوں کو جمع کرے اور ان سے بیان لے جنہوں نے رضوان کو اغواء ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور اس کے بعد وہ اس چھوٹے مکان میں داخل ہو گیا جو معمولی سے فرنیچر سے آراستہ تھا لیکن اس قدر صاف ستھرا کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ جو کچھ بھی اس مکان میں تھا۔ اس میں ایک قرینہ نظر آتا تھا۔ شہروز نے چھوٹے سے گھر کی تلاشی لے ڈالی۔

رضوان بسمل کے کاغذات دیکھے' فائل بنے ہوئے تھے۔ جن میں ان رپورٹوں کے تراشے موجود تھے جو رضوان بسمل نے خود دی تھیں۔ اس پر ریماکس بھی لکھے ہوئے تھے۔ بس ایسی ہی چند چیزیں یہاں دستیاب ہوئیں۔ شہروز نے وہ فائل اپنے قبضے میں کر لیے اور اس کے بعد مکان کو سیل کر کے وہاں سے باہر نکل آیا۔ جن لوگوں کو گرج خان نے جمع کیا تھا۔ ان سے کوئی خاص تفصیل معلوم نہیں ہو سکی تھی۔

گاڑی کا نمبر وغیرہ بھی پتا نہیں چل سکتا تھا۔ بس یہی معلوم ہوا کہ کچھ لوگ آئے۔ رضوان بسمل سے بات چیت کی۔ تھوڑی مار پیٹ ہوئی اور اس کے بعد وہ رضوان کو گاڑی میں ڈال کر ہوا ہو گئے۔

گاڑی کا رنگ کالا تھا۔ کوئی اس کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں بتا سکتا تھا۔

بہرحال ان لوگوں کو گواہ کے طور پر درج کر لیا گیا تھا۔ تین افراد نے رضا کارانہ طور پر اپنے نام لکھوائے۔ رضوان کے بارے میں پڑوسیوں کی رپورٹ یہ ہی تھی کہ وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ صرف اپنے کام سے کام رکھتا تھا اور کسی سے آج تک اس کا کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی اچھی شہرت کے حامل تھے۔ یہاں سے نکلنے کے بعد شہروز نے کہا۔

''تم آفس جاؤ اور ہاں کے معاملات دیکھو! میں کچھ کام کر کے واپس آتا ہوں۔''

کچھ دیر کے بعد شہروز اس اخبار کے دفتر کے سامنے جا رکا جس میں رضوان کام کرتا تھا۔ وہ تنہا ہی یہاں آیا تھا اور خود کار ڈرائیو کرتا ہوا پہنچا تھا۔ اخبار کے دفتر میں شہروز کی آمد کوئی ایسی حیران کن بات نہیں تھی۔ جس پر لوگ چونکتے...... شہروز ایڈیٹر کے کمرے میں پہنچ گیا۔ درمیانی عمر کا ایک اچھی خاصی شکل وصورت کا آدمی تھا۔ اس نے شہروز کو استقبالیہ انداز میں دیکھا اور بولا۔

''تشریف لائیے۔ شہروز صاحب! آپ کا تعلق کون سے محکمے سے ہے آج کل۔'' شہروز نے اپنے محکمے کے بارے میں بتایا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''جی فرمائیے کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی۔''

''ایڈیٹر صاحب آپ کے ہاں کا ایک صحافی اغواء ہو گیا ہے۔ آپ نے اس سلسلے میں پولیس سے رجوع کیا۔''

''نہیں ابھی تک نہیں۔ اصل میں آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ اخبارات کے لیے یہ وقت کس نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔ ہم لوگ سولی پر لٹکے ہوئے ہوتے ہیں اور ہماری یہ کوشش ہوتی ہے کہ کاپی وقت پر پہنچ جائے۔''

''وری گڈ۔ آپ کو اس بات کا ذرہ برابر احساس نہیں ہے۔ کہ آپ کے ہاں کا ایک پرانا کارکن نجانے کس کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔ آپ کو اس کارکن کی بیوی نے اطلاع بھی دی تھی اور رات ہی کو دی تھی۔ اس وقت سے لے کر اب تک آپ نے اس سلسلے میں پولیس تک سے رجوع نہیں کیا۔''

''جناب ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے اخبار کے مالکان کو اس بارے میں اطلاع دے دی تھی۔ چونکہ ادھر سے مجھے ابھی تک کوئی ہدایت نہیں ملی...... اس لیے میں نے بہت زیادہ سرگرمی دکھانے کی کوشش نہیں کی۔''

''کمال کرتے ہیں آپ۔ یعنی اول تو آپ کا فرض یہ ہے کہ ایسی کسی واردات کے واقعے کے بارے میں فوری طور پر رپورٹنگ کریں اور پولیس کو اس بارے میں اعتماد میں لیں۔ آپ نے سرے سے کچھ کیا ہی نہیں۔''

''میں نے عرض کیا ناں کہ ہماری اپنی کاروباری ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں کچھ۔ ہم پہلے ان کی تکمیل ضروری سمجھتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے۔ یہ غلط ہے۔''

''یہ آپ کا خیال ہے ناں سر۔''

''اس سلسلے میں آپ سے بازپرس بھی کی جا سکتی ہے''

''ضرور کیجیے۔ آپ کو بازپرس کا پورا پورا جواب دیا جائے گا۔''

''تو ٹھیک ہے۔ میں آپ کو کچھ دیر کے بعد اپنے آفس طلب کرتا ہوں۔ اغواء ہونے والے کی بیوی نے یہ کیس میرے سپرد کیا ہے اور اپنے بیان میں اس نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اس سلسلے میں اخبار کے دفتر کو اطلاع دے چکی ہے اور ایڈیٹر صاحب دوبارہ مل نہیں رہے۔''

''یہ فردِ جرم عائد کی جا رہی ہے مجھ پر۔'' ایڈیٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ابھی نہیں لیکن اس تحقیق کے نتیجے میں بے پروائی برتنے کے سلسلے میں آپ کو اپنے جرم کا جواب دینا پڑے گا۔''

''ٹھیک ہے جناب! جواب دے دیں گے آپ جو مناسب سمجھتے ہیں کیجیے گا۔''

''ایڈیٹر صاحب! آپ کے اس رویے کا کوئی پس منظر بھی ہو سکتا ہے۔ چلیے ٹھیک ہے۔ اگر پیشہ ورانہ کارروائی ہی آپ کو پسند ہے تو ہم یہ بھی کیے لیتے ہیں۔''

''او کے۔''

''آفیسر...... براہ کرم تشریف رکھیے۔ آپ کی ناراضگی میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''تب آپ انتہائی نامکمل آدمی ہیں۔ اگر یہ تمام بنیادی باتیں آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی تو پھر آپ یہ اخبار کیسے چلارہے ہیں۔''

''بس نوجوان آفیسر! یوں سمجھ لو اللہ کا کرم ہے۔ اخبار چل رہا ہے اور اخبار کے مالکان بھی مجھ سے ناخوش نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ ایڈیٹر صاحب اب میرے بیٹھنے کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔ صاف اندازہ ہو چکا ہے کہ آپ اس سلسلے میں تعاون نہیں کررہے ہیں اور آپ کو آپ کے کارکن کے اغواء ہو جانے کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے۔''

''کیا بات ہے آپ ایف آئی آر درج کروائیں گے۔'' ایڈیٹر صاحب نے پوچھا۔

''میں کیا کروں گا کیا نہیں کروں گا۔ اس کے بارے میں آپ کو یہاں سے بتا کر جاؤں۔''

''نہیں آفیسر! بہر حال ہمارے اور آپ کے درمیان تعاون چلتا ہے لیکن دیکھیے ناں۔ بڑی سادہ سی بات ہے۔ میں سخت مصروف ہوں اور پھر رضوان بسمل ڈیوٹی سرانجام دیتے ہوئے نہیں بلکہ گھر سے اس وقت اغوا ہوا ہے جب وہ کھانا کھا کر فارغ ہوا تھا۔ اس کی بیوی نے یہ ہی بتایا ہے مجھے۔ اس کا مجھے بے حد افسوس ہے اور میں یقیناً مالکان سے اس بارے میں درخواست کروں گا کہ وہ پولیس سے رابطہ کریں لیکن اس کے لیے اگر میری مصروفیات نے مجھے تھوڑا سا وقت نہیں دیا تو اس میں میرا قصور تو نہیں ہے۔ ظاہر ہے اخبار تو نہیں لیٹ کرسکتا میں کسی اخبار میں ایڈیٹر کے طور پر کام کر کے دیکھیے۔ میری طرف سے آپ کی تمام شکایات دور ہو جائیں گی۔ سولی پر لٹکے ہوتے ہیں ہم لوگ اپنا کام سرانجام دیتے ہوئے۔ آپ نے قبرستان کے اس کتبے کا ذکر تو شاید پڑھا ہو۔ جس پر لکھا ہوا تھا کہ آخری کاپی جا چکی ہے اور وہ قبر ایک ایڈیٹر کی تھی۔''

''ماشاءاللہ۔ آپ کافی لطفیہ گو ہیں بہتر ہے جناب اجازت دیجیے۔'' شہروز نے کہا۔

''ارے بیٹھیے، بیٹھیے کچھ اور باتیں ہو جائیں۔ آپ تشریف لائے ہیں تو کچھ چائے وغیرہ ہمارے ساتھ۔

''نہیں بے حد شکریہ۔'' شہروز نے کہا اور طیش کے عالم میں وہاں سے نکل آیا۔

ایڈیٹر کی یہ بے حسی اور بے پروائی اسے بہت عجیب محسوس ہوئی تھی لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے دشمنی پر آمادہ ہو جائے۔ بہر حال اس سلسلے میں تحقیق تو کرنی ہی تھی۔ وہ واپس دفتر پہنچ گیا۔ کچھ دوسرے امور بھی تھے جنہیں نمٹانا تھا۔ گرج خان واپس آچکا تھا۔ کافی دیر تک گرج خان کے ساتھ مصروف رہا۔ پھر وہ فائل کھول کر بیٹھ گیا۔ جو اس نے رضوان کے گھر سے حاصل کی تھی۔ رضوان کی رپورٹیں تھیں۔ اس نے پہلے تراشے سے آغاز کر دیا اور اس کے بعد صفحات الٹتا چلا گیا۔

رضوان بسمل کے بارے میں اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک بے باک شخص تھا۔ اس کی بیوی نوشین اور اس کے چھوٹے بچوں کی عمر سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ خود بھی ایک جوان آدمی ہوگا۔ جوش وجذبات میں ڈوبا ہوا۔ بہت کھل کر لکھتا تھا۔ بے تکان لکھتا تھا۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ کس کے بارے میں لکھ رہا ہے۔ اس کے تھوڑی سے آرٹیکل پڑھ کر ہی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے دشمنوں کی تعداد کم نہیں ہوگی۔

لیکن شہروز خاص طور پر اس کے تازہ ترین تاریخوں کے آرٹیکل دیکھ رہا تھا۔ یہ اندازہ لگانے کے لیے کہ اس کے تازہ دشمن کون ہو

سکتے تھے لیکن ان مضامین میں کسی خاص شخص کی نشاندہی نہیں ہو رہی تھی۔ رضوان بسمل نے سماج کے مختلف امور کے بارے میں کھل کر لکھا تھا اور ان پر اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ اس میں کوئی بھی ملوث ہو سکتا تھا۔ اس نے بڑے بڑے سیاستدانوں کے بارے میں بھی لکھا تھا اور اپنے فرائض انجام دینے والوں کے بارے میں بھی یہ تمام مضمون پڑھ کر شہروز کو اچھی طرح علم ہو گیا کہ صورت حال کیا ہو سکتی ہے۔

بہر حال اس کا اغواء برائے تاوان تو نہیں ہوا ہوگا۔ کیونکہ اغواء کرنے والے اور شہروز کو خود بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ رضوان جیسے بے باک آدمی دولت مند نہیں ہوتے۔ بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں اور شہروز کو اس سلسلے میں بڑی محنت سے کام کرنا تھا۔ پھر شام کو ساڑھے چار بجے وہ اپنے آفس کی عمارت سے باہر نکل آیا۔

لباس تبدیل کیا۔ اس کا سارا انتظام آفس پر ہی کر لیا تھا۔ اس کی اپنی گاڑی ہر وقت تیار کھڑی رہتی تھی کہ اگر کوئی ایمر جنسی پیش آ جائے۔ تو وقت نہ ہو۔ یہاں سے مختلف علاقوں میں گھومتا رہا۔ رضوان کے بچوں کے لیے کافی خریداری کی۔

کھلونے، ٹافیاں اور ایسی دوسری چیزیں جو بچوں کو پسند ہوتی ہیں۔ اسے رضوان کی بیوی سے کافی ہمدردی تھی اور وہ اس کے لیے دکھی تھا۔ بہر حال رہائش گاہ پہنچا اور نوشین کے ساتھ ناہید نے بھی اس کا استقبال کیا۔ نوشین بہت بہتر کیفیت میں نظر آ رہی تھی۔ اس نے ممنوع نگاہوں سے شہروز کو دیکھا تو شہروز نے ناہید سے کہا۔

''ناہید میرا خیال ہے کہ آپ نے نوشین بہن کو کافی حد تک یہ اطمینان دلایا کہ انشاء اللہ رضوان عزت آبرو کے ساتھ گھر واپس آ جائیں گے۔''

شہروز نے اپنی تمام لائی ہوئی چیزیں بچوں کے حوالے کر دیں اور نوشین حیران نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

''یہ سب کیا ہے۔؟''

''کیوں۔؟''

''نہیں بات اصل میں یہ ہے کہ ہم مہمان تو نہیں ہیں۔ ہم پناہ گزین ہیں۔''

''یہ آپ کی سوچ ہے۔ نوشین ہم نے آپ کو پناہ گزین نہیں سمجھا۔ بلکہ یہ تو اتفاقی بات ہے کہ تحفظ کے خیال سے آپ کو یہاں لے آیا گیا ہے۔''

''میں آپ کی شکر گزار ہوں لیکن آپ یقین کریں یہ بچے اتنی آسائشیں قبول نہیں کر سکیں گے ہم تو بڑے درمیانے درجے کے لوگ ہیں۔ آپ نے بہت خرچ کر دیا ہے ان پر۔''

''میرا خیال ہے یہ موضوع نہیں ہے۔ آپ بتایئے اور کوئی ایسی بات یاد آئی آپ کو جو رضوان کے سلسلے میں کارآمد ہو۔''

''نہیں میں نے بہت سی باتیں کر لی ہیں۔ میرا خیال ہے۔ انہیں کوئی خاص بات نہیں معلوم۔''

''او کے آپ فکر نہ کریں۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہاں مطمئن رہیں۔ دیکھیے جبرو بڑا قابل اعتماد آدمی ہے۔ اس عمارت

میں وہی رہتا ہے۔ آپ کی ہر ضرورت وہی پوری کرے گا۔ ناہید کو جیسے ہی فرصت ملے گی۔ وہ آپ کے پاس آجایا کریں گی۔ بس یہ چند روز ہمارے لیے مشکل ہیں۔ ان میں آپ یہاں گزارہ کرلیجیے۔"

"یہ جگہ میرے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے میں یہاں تنہا بھی گزارا کرسکتی ہوں۔"

"بس تھوڑا سا وقت' آپ کو پریشانی نہیں ہوگی۔"

"آپ میری جانب سے مطمئن رہیں۔ میں یہاں سے باہر نہیں نکلوں گی اور بچوں کو بھی نہیں نکلنے دوں گی۔"

"میں بھی یہ چاہتا ہوں۔" شہروز نے کہا۔ اس کے بعد اور کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہوتی۔ شہروز وہاں سے بھی باہر نکل آیا۔ ناہید نے کہا تھا کہ رات کے کھانے کے بعد وہ گھر چلی جائے گی اور اگر ممکن ہوسکا تو رات کو بھی یہیں آجائے گی۔ شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تب تو میں بھی آجاؤں گا۔" ناہید ہنس پڑی۔

شہروز نے ایک بار پھر آفس کا چکر لگایا۔ معلومات حاصل کیں کہ کوئی ایسا اہم مسئلہ تو نہیں ہے۔ سب ٹھیک تھا۔ دوسرے دن صبح ایڈیٹر نے شہروز سے ملاقات کی۔

"رضوان بسمل کے بارے میں تمہیں کچھ ایسے نام دینا چاہتا ہوں۔ جن پر اگر نظر رکھ لو یا کوشش کرلو تو اللہ کی عنایتوں کے ساتھ کامیابی کی توقع ہے۔ بشرطیکہ تم وہاں تک پہنچ جاؤ اور ان لوگوں پر قابو پاسکو۔"

"جی...... بہت بہت شکریہ۔"

"یہ کچھ تصویریں ہیں۔ انہیں اپنے پاس محفوظ کرلو...... یہ رضوان بسمل کی امانت ہیں لیکن اگر اس کی زندگی بچانے میں معاون ثابت ہوسکیں تو یوں سمجھ لو کہ اس کے سامنے شرمسار ہونے کے لیے تیار ہوں۔" ایڈیٹر سلمان نے جیب سے ایک براؤن رنگ کا لفافہ نکال کر شہروز کو دے دیا۔

کچھ عمارتوں کی تصویریں تھیں اور ان پر مختلف رنگوں کے نشانات لگے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ شہروز کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ تصویریں دیکھتا رہا۔ جو تعداد میں سات تھیں۔ ان میں بندرگاہ کی تصویر بھی تھی۔ ایک جہاز کی تصویر بھی تھی۔ شہروز یہ سب کچھ دیکھتا رہا پھر بولا۔

"میں سمجھا نہیں سلمان صاحب۔"

"اس کا کہنا تھا کہ یہ انتہائی قیمتی تصویریں ہیں اور ان کے ذریعے وہ ایک ایسا انکشاف کرنے والا ہے جو صحیح معنوں میں ایٹمی دھماکے سے کم نہیں ہوگا اس میں ایسے چہرے بے نقاب ہوں گے کہ حکومت دنگ رہ جائے گی۔ آپ یہ لفافہ محفوظ کرلیجیے۔ اس کا میرے پاس یا میرے گھر میں رہنا مناسب نہیں ہے۔ یہ الفاظ رضوان کے تھے اور اس کے بعد وہ اغواء ہوگیا۔"

"اوہ۔"

''ان کے بارے میں رضوان میرے اور تمہارے علاوہ کسی کو نہیں معلوم' میرا مطلب ہے۔ کسی شناسا کو ہم نامعلوم لوگوں کی بات نہیں کرتے۔''

''جی۔''

''اور اس کے بعد میں ایک نام تمہارے سامنے نہایت محتاط انداز میں لے رہا ہوں۔ اگر ان تصویروں کے سلسلے میں قدم آگے بڑھانا ہو اور معلومات حاصل کرنی ہوں تو سیٹھ انوار کا نام یاد رکھنا۔''

''جی۔''

''سیٹھ انوار مشہور نام ہے اور یہ ایک خاتون ہیں۔ شاید پولیس کے ریکارڈ میں یہ نام محفوظ ہو۔ یا اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ اگر کبھی یہ نام ریکارڈ میں آیا بھی ہوا تو اسے ہمیشہ کے لیے فائلوں سے خارج کر دیا گیا ہو...... کیا یہ نام تمہارے علم میں ہے۔''

''نہیں۔''

''گلشن ٹاؤن کی ایک عالی شان کوٹھی میں رہتی ہے۔ کوٹھی نمبر ایک سو بانوے ہے۔''

''گلشن ٹاؤن۔'' شہروز اچھل پڑا۔

''ہاں...... ان کا ایک دست راست بھی ہے نام ہے کریمو ہے۔''

''وری گڈ۔''

''یہ ماسٹر کلب میں پایا جاتا ہے اور وہاں اس کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو ناں۔ ویسے اسے ٹریس کیا جا سکتا ہے اس وقت رضوان کے اغواء کے سلسلے میں یہ ہی نام لیے جا سکتے ہیں۔ ویسے تو اس کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن یہ اس کے تازہ ترین دشمن ہیں اور ان تصویروں سے اس معاملے کا ضرور تعلق ہے۔ بخدا اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم ہوتا تو میں تمہیں بتانے سے گریز نہ کرتا۔ میں تو اس وقت بھی تم سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن تم شاید میری آنکھوں کے اشارے سمجھ نہیں پا رہے تھے کیونکہ اس وقت طیش میں تھے لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ تمہیں یہ تفصیل ضرور فراہم کر دوں گا۔ اس کے بعد میں نے تمہارے بارے میں تمہارا پتا لگا کہ یہاں تک پہنچا رضوان کی یہ امانت اب میں تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے۔ اگر کسی وقت بھی میرے کسی تعاون کی ضرورت پیش آئے تو مجھے کال کر سکتے ہیں۔''

''بہت بہت شکریہ سلمان صاحب۔''

''جی شہروز صاحب اب مجھے اجازت۔''

''نہیں سلمان صاحب ابھی بیٹھیں آپ چائے پئیں گے میرے ساتھ۔''

''بخدا نہیں۔ اس قدر خوفزدہ ہوں کہ سینے میں جلن ہو رہی ہے۔ بڑا بزدل آدمی ہوں۔ میری بزدلی کا احترام کرو اور مجھے خاموشی

سے جانے دو۔ جب تک کہ اس گھر سے دور نہیں جاؤں گا۔ دہشت میں مبتلا رہوں گا۔'' ایڈیٹر سلمان کی ان بے باک باتوں پر شہروز کو ہنسی آ گئی تھی۔ اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے جناب میں آپ کو نہیں روکوں گا۔''

''بہت بہت شکریہ۔ کم از کم یہ ہے کہ تھوڑے دن اس دنیا میں جی لوں گا۔ باقی اللہ مالک ہے۔ اچھا پھر مجھے ذرا گلی کے کونے تک چھوڑ آؤ۔''

شہروز نے ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ سلمان صاحب بڑی دلچسپ شخصیت کے مالک تھا۔ اور شہروز ان سے متاثر بھی ہوا تھا جو کچھ کہہ رہے تھے۔ حقیقت پر مبنی تھا لیکن جو انکشافات انہوں نے کیے تھے۔ انہوں نے شہروز کو سخت حیران کر دیا تھا۔

وہ واپس ڈرائینگ روم میں آ بیٹھا اور لفافہ نکال کر ان تصویروں کو دیکھنے لگا یہ ساری کی ساری تصویریں اجنبی اجنبی سی تھیں اور وہ ان عمارتوں کو بھی نہیں پہچان پا رہا تھا۔ دو نام اس کے ذہن میں تھے۔ کریمو اور سیٹھ انوارہ، یہ خاتون سیٹھ پہلی بار اس کے علم میں آئی تھی۔ کون ہے کیا ہے یہ تو معلوم ہو ہی جائے گا۔ دوسرا کردار کریمو کا تھا۔ ماسٹر کلب اور گلشن ٹاؤن میں شہروز کی کوٹھی اس کا مقصد تھا کہ تھوڑے بہت فاصلے کی بات ہے۔ سیٹھ انوارہ کو گلشن ٹاؤن میں ہی تلاش کیا جا سکتا تھا۔

بہت دیر تک وہ ڈرائینگ روم میں بیٹھا ان واقعات پر غور کرتا رہا۔ پھر گہری سانس لے کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

وہ اب اپنا لائحہ عمل مرتب کر رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلمان نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔

رات کو بارہ بجے اس نے کارواں گروپ کے رکن شہزاد کو کال کی...... شہزاد نے کال فوراً ریسیو کی تھی۔

''شہروز بول رہا ہوں۔''

''یس سر۔''

''کیا سو گئے تھے۔''

''نہیں سونے کے لیے لیٹ گیا تھا سر۔''

''سوری شہزاد۔''

''نہیں سر! آپ ایسے کیوں کہہ رہے ہیں۔''

''میرے خیال میں کارواں گروپ میں شامل ہو کر تمہارے لیے کچھ مشکل نہیں ہو گئی۔''

''آپ نے یہ سوال کیا ہے سر تو اس کا جواب دینے کی جسارت کر رہا ہوں' حقیقت یہ ہے کہ زندگی کو ایک مقصد مل گیا ہے۔ ورنہ لاتعداد لوگ بے مقصد زندگی گزارتے ہیں۔ دولت کما لینا اور عیش کی زندگی بسر کر لینا ہی زندگی نہیں۔ بلکہ وطن کے لیے کچھ کر کے بستر پر جانا سچی خوشی کا حاصل ہوتا ہے۔''

''کاش یہ سچ دوسروں کے سینوں میں بھی اتر جائے۔ خیر شہزادایک نام نوٹ کرلو۔''

''حکم سر!''

''گلشن ٹاؤن..... کوٹھی نمبرایک سو بانوے۔''

''جی سر۔''

''یہاں کوئی خاتون سیٹھ انوارہ کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ ان کی تفصیل درکار ہے۔ جلدی تمہیں کل کا پورا دن اس کے لیے دیا جاتا ہے۔''

''ابھی سے نہیں کل سے۔''

''جی سر۔''

''خدا حافظ۔''

دوسرا دن معمول کے مطابق تھا۔ گھر سے دیر سے نکلا تھا اور سیدھا محمود علی صاحب کے دفتر پہنچا تھا۔ اندر داخل ہوا تو ناہید نظر آئی۔ اسے دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گئی۔

''فال کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''جی.....''

''ہاں فال کے بارے میں۔''

''میں سمجھی نہیں۔''

''اچھا خاصا دفتر جا رہا تھا۔ راستے میں ایک صاحب سڑک کے کنارے بیٹھے مل گئے..... زمین پر لفافے پھیلائے ہوئے تھے اور پنجرے میں طوطا بند تھا۔''

''پھر۔'' ناہید نے مسکرا کر پوچھا۔

''بس مذاق ہی مذاق میں سوا سو میں ایک لفافہ نکلوالیا۔ جانتی ہو پرچے میں کیا لکھا ہوا تھا۔''

''لکھا تھا۔ وہ دفتر میں اکیلی ہے۔ چلے جاؤ۔'' ناہید بے اختیار ہنس پڑی۔ پھر بولی۔

''سر، واش روم میں ہیں۔''

''واقعی۔'' شہروز اچھل کر بولا۔ پھر دانت پیس کر بولا۔ ''واپسی میں اس سے اپنے پیسے واپس وصول کرلوں گا لیکن محمود صاحب کا بریف کیس کہاں ہیں ناہید۔''

''چلیے بیچارے کے پیسے بچ گئے۔ ویسے آپ کو مجھ سے تنہائی میں کیا کام تھا۔''

''تنہائیوں میں تو بہت سے کام ہیں مجھے تم سے ویسے محمود صاحب کورٹ گئے ہیں۔''

''جی۔''

''پھر جھوٹ کیوں بولا گیا۔''

''جھوٹ کے جواب میں۔''

''کمال ہے یار۔ اتنی کوئیک سروس' اچھا چائے پلواؤ۔''

''ابھی منگواتی ہوں۔'' ناہید نے کہا۔ پھر چائے کا انتظام کرنے کے بعد اس نے کہا۔'' آج آفس نہیں گئے آپ۔''

''اب جاؤں گا۔ پہلے اِدھر آ گیا۔''

''نوشین خیریت سے ہے۔ اس نے ایک پرسکون رات گزاری ہے۔ کہتی تو یہ ہی ہے لیکن اسے سکون کہاں تھا۔''

☆......☆......☆

شہروز مسکراتی نظروں سے ناہید کو دیکھتا رہا۔ ناہید دراز قد تیز طرار سہی لیکن کبھی کبھی وہ شہروز کی گہری نگاہوں سے شرما جاتی تھی۔ لیکن اسی وقت شہروز خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ ناہید کی کیفیت کو نظر انداز کر کے وہ بدستور پرخیال لہجے میں بولا۔

''فون کیا تھا۔''

''ہاں گھر سے ہی کیا تھا۔''

''بات کچھ آگے بڑھی ہے ناہید۔ کچھ خاص انکشافات ہوئے ہیں۔ شہروز سے سلمان کی آمد اور اس کے انکشافات کے بارے میں سن کر ناہید اچھل پڑی۔''

''کیا نام بتایا؟''

''سیٹھ انوارہ۔''

''یہ تو بہت مشہور نام ہے شہروز۔ تعجب ہے آپ نے نہیں سنا۔''

''ہاں واقعی یہ نام میرے لیے نیا ہے کون ہیں یہ سیٹھ صاحب۔''

''مجرموں، قاتلوں اور دوسرے جرائم پیشہ افراد کی پیر، مرشد، روحانی شخصیت سمجھی جاتی ہیں۔ ان کی دعاؤں سے بڑے بڑے مجرم رہا ہو جاتے ہیں۔ سیاست دانوں میں بے حد اہم ہیں۔''

''اوں...... کہاں رہتی ہیں۔''

''معلوم کیا جا سکتا ہے۔''

''ویری گڈ۔ کیس دلچسپ بنتا جا رہا ہے۔ چائے پلواؤ یار۔'' شہروز نے شگفتہ لہجے میں کہا اور ناہید اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ کچھ دیر

کے بعد چائے کے گھونٹ پیتے ہوئے ناہید نے کہا۔ ’’ہمیں اس بارے میں کافی محتاط رہنا ہوگا، شہروز درکار کے بارے میں تمہیں اندازہ ہوگیا ہوگا۔‘‘

’’بے فکر رہو۔ جب تک کم از کم آٹھ بچوں کا باپ نہ بن جاؤں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اچھا یہ دیکھو۔‘‘ یہ کہہ کر شہروز نے تصویروں کا لفافہ نکال کر ناہید کے سامنے رکھ دیا اور ناہید شہروز کے جملوں کا مزہ لیتی ہوئی تصویروں پر جھک گئی۔

’’یہ تصویریں۔‘‘

’’سلمان نے فراہم کی ہیں۔‘‘

’’گڈ۔‘‘

’’کسی عمارت کو پہچانتی ہو۔‘‘

’’نہیں۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔ یہ تصویریں کارواں گروپ کے اپنے سیکشن کے ممبروں کو پہنچا دو اور ان سے کہو کہ وہ ان عمارتوں کو تلاش کریں۔‘‘ ویسے میں تھوڑا سا اُلجھن میں ہوں۔‘‘

’’کوئی خاص وجہ۔‘‘

’’ہاں۔ ایک نام میں نے لیا ہے۔ اس پر ہاتھ ڈالنا پڑے گا۔ میں رضوان کے لیے پریشان ہوں۔ وہ ضدی ہے کبھی زبان نہیں کھولے گا۔ اسے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔‘‘

’’کس پر ہاتھ ڈالیں گے۔‘‘

’’کریمو پر۔ اسے پکڑنے سے دو فائدے ہوں گے۔ ممکن ہے اس سے رضوان کا پتا چل جائے دوسرا میں سیٹھ انوارہ سے بھی پنگا لینا چاہتا ہوں۔ تم اس کے بارے میں مجھے مزید معلومات فراہم کرو گی۔‘‘

’’او کے میں چلتی ہوں۔‘‘

دوپہر کو تین بجے ناہید نے شہروز کو تفصیل بتائی۔ ’’کوٹھی نمبر چوبیس، عالیہ سوسائٹی۔ وہ بے حد دولت مند عورت ہے۔ کسی انڈسٹریز کی مالک ہے بہت سے خیراتی ادارے چلاتی ہے۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں روحانیت کی آڑ میں خاص قسم کے ضرورت مند اپنی ضرورتیں پوری کراتے ہیں۔‘‘

’’کمال ہے۔ اور ہم ایسی باکمال شخصیت کی زیارت سے محروم ہیں۔‘‘ شہروز نے کہا۔ پھر اس نے گرج خان کو طلب کر لیا اور اسے کچھ سمجھانے لگا۔ پھر وہ اپنے ماتحت عملے سے دیر تک رابطے کرتا رہا تھا۔

☆......☆......☆

نامور ناول نگار ایم۔ اے۔ راحت کے دیگر ناول

1 گرین فورس (اول دوم)

2 بھید (3 جلد)

3 آتش زدہ

4 دیوتا کی واپسی

5 زہر (نیا ناول)

6 قانونِ وفا (نیا ناول)

7 دل کے آئینے میں (نیا ناول)

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔

فون: 37232336، 37352332 فیکس: 37223584

www.ilmoirfanpublishers.com

E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

کلب کی عمارت بہت خوب صورت تھی۔ اس میں بڑی بڑی تقریبات ہوتی رہتی تھیں۔ اس وقت بھی کلب کے کرسٹل ہال میں کوئی تقریب تھی کہ اچانک وہاں پولیس کا ایک خوبصورت سا پولیس آفیسر ایک خطرناک شکل اور گٹھے ہوئے دوسرے شخص کے قریب پہنچ گیا۔

''کھڑے ہو جاؤ۔'' پولیس آفیسر نے پستول نکال کر گٹھے ہوئے جسم والے شخص پر تانتے ہوئے کہا۔ خطرناک شکل والا پہلے تو حیران رہ گیا۔ پھر اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

''کیا تم نشے میں ہو آفیسر!'' غرایا۔

''تمہارا نام، کریمو ہے نا۔'' آفیسر نے کہا۔

''سر خان سمجھے۔''

''سمجھ گیا۔ کھڑے ہو جاؤ۔'' آفیسر پتھریلے لہجے میں بولا۔

''تمہاری زندگی کے دن شاید پورے ہو گئے ہیں۔'' کریم خان شدید طیش کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے نوجوان آفیسر کا گریبان پکڑنے کی کوشش کی لیکن اس کے گال پر پڑنے والا تھپڑ بھی شاید اس کی زندگی کا یادگار تھپڑ تھا۔ وہ اچھل کر ایک میز پر گرا پھر دوسری پر اُلٹ گیا۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے آفیسر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس دوران دوسرے پولیس والے اس کے سر پر پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے اسے قابو میں کر لیا۔

آفیسر نے وہاں بیٹھے لوگوں سے کہا۔

''معافی چاہتا ہوں۔ ایک مجرم کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ آپ لوگوں کو جو تکلیف ہوئی ہے اس کے لیے شرمندہ ہوں۔'' چلو اس نے کریمو کو دھکا دیا۔ جس کا چہرا انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ پولیس والے اسے دھکے دیتے ہوئے باہر لائے تھے۔

کریم خان یا کریمو کو شاید ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ شہروز کے آفس پہنچ کر اس نے خود کو سنبھالا اور بولا۔

''جو کچھ تم کر بیٹھے ہو آفیسر، تمہیں اندازہ نہیں کہ تمہیں اس کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔''

''رضوان بسمل اور کیا چاہیے۔'' پولیس آفیسر نے اُلٹا اس سے سوال کر دیا۔ اس سوال پر ایک لمحے کے لیے کریمو کا رنگ تبدیل ہوا تھا پھر اس نے خود کو سنبھال لیا اور بولا۔

''کون رضوان...... تب...... بب......'' اس کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ آفیسر کا اُلٹا ہاتھ کسی وزنی ہتھوڑے کی طرح اس کے منہ پر پڑا اور وہ زمین پر اُلٹ گیا۔ اس کے دانت ہل گئے تھے اور باچھوں سے خون کی لکیریں رینگ آئی تھیں۔

''آفیسر...... کیوں اپنی زندگی برباد کر رہے ہو۔ بات تمہاری ذات تک نہیں رہے گی۔ اپنے پورے خاندان کے لیے قید کھود رہے ہو۔'' وہ شخص بولا لیکن پولیس آفیسر کافی خونخوار تھا۔ اس نے دو چار ہاتھ اور اس کے رسید کر دیے۔

''کیا نام ہے تمہارا۔''

''بھیڑیا......'' آفیسر نے کہا۔ اس کے بعد وہ مشینی انداز میں کریمو کو مارتا رہا۔ کریمو کے پورے بدن پر نیل اور ضربوں کے نشان نظر آئے شاید نظر آئے شاید وہ بری طرح کراہنے لگا۔

''کریم خان ہے میرا نام اور کچھ۔''

''پانی پلاؤ گے۔'' کریمو بولا۔

''چائے بھی پلواؤں گا لیکن بعد میں۔'' کریم خان نے کہا۔

''کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''رضوان لبسمل کہاں ہے۔'' کریم خان نے کہا۔

''رنگ گڑھی والی کوٹھی میں۔'' کریمو نے کہا۔

''اس کے بارے میں تفصیل بتاؤ۔''

''میں تمہیں وہاں لے جا سکتا ہوں۔ تم تو بہت بہادر ہو۔'' کریمو نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور گرج خان تپ گیا۔ اس نے فوراً نفری تیار کی اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی گاڑی برق رفتاری سے کریمو کے اشارے پر سفر کر رہی تھی۔ خاصا فاصلہ طے کیا گیا تب وہ رنگ گڑھی پہنچ گئے۔ جس کوٹھی کے بارے میں کریمو نے بتایا وہ تاریک اور سنسان تھی۔ گرج خان کریمو کو پستول سے کور کیے ہوئے کوٹھی میں داخل ہوا تھا۔

جیسے ہی وہ چند قدم آگے بڑھے، اچانک کوٹھی روشن ہونے لگی اور پھر اندر سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ پولیس بھی ایکشن میں آ گئی مورچہ بنا کر جوابی فائرنگ شروع کر دی گئی۔ اندر تین چار سے زیادہ آدمی نہیں معلوم ہوتے تھے۔ تھوڑی دیر تک تو بڑی دھواں دھار فائرنگ ہوئی، اس کے بعد اندر والے پست ہونے لگے۔ گرج خان ایک تجربے کار آفیسر تھا۔ شہروز نے بلاوجہ ہی اس پر بھروسہ نہیں کر لیا تھا۔ اس نے کریمو کو پوری طرح قبضے میں کر رکھا تھا اور بڑی ہوشیاری سے اسے اندر لے جا رہا تھا۔

''سنو میری بات سنو۔'' اچانک کریموں کے منہ سے گھگھیائی ہوئی آواز نکلی۔

''ہاں...... بولو۔''

''اس طرح تو میں ان کی چلائی ہوئی گولیوں کا شکار ہو سکتا ہوں۔''

''وہ لوگ تمہیں جانتے ہیں۔'' گرج خان نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''تو ٹھیک ہے۔ انہیں آواز دے کر اس سے کہو کہ ہتھیار ڈال دیں۔ ورنہ تم مارے جاؤ گے۔''

''میں کہتا ہوں۔'' کریموں نے کہا اور پھر وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا۔ ''زمان، بندو، گولیاں چلانا بند کر دو، میں ان کے قبضے میں

ہوں، میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ میں کریمو بول رہا ہوں۔'' نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ فائرنگ بند ہوئی لیکن جس وقت یہ لوگ اندر داخل ہوئے تو عمارت سنسان تھی۔ غالباً اندر کے لوگ کسی اور رستے سے باہر نکل گئے تھے لیکن ایک کمرے میں انہیں ایک بندھا ہوا آدمی مل گیا تھا۔ وہ پوری طرح نڈھال تھا اور اس کے پورے جسم پر تشدد کے نشانات تھے۔

گرج خان اس کے پاس بیٹھ کر ہمدردی سے بولا۔ ''تم رضوان بسمل ہو۔''

''جی آفیسر۔''

''تم بہت زخمی ہو۔''

''نہیں سر، صرف میرا جسم زخمی ہے اور میں جسم کے زخموں کی پرواہ نہیں کرتا۔''

''ویری گڈ......'' گرج خان نے خود اس کے ہاتھ پاؤں کھولے تھے اور اسے سہارا دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا لیکن وہ کسی تندرست وتوانا آدمی کی طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ گرج خان نے ایک سروس ریوالور نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ ''استعمال کر سکتے ہو۔''

''وطن کا سپاہی ہوں سر، آپ فکر نہ کریں۔''

گرج خان پوری احتیاط کے ساتھ اسے باہر لایا تھا۔ کریمو کا چہرہ بری طرح تھکا ہوا تھا۔ گرج خان کے اشارے پر پولیس والوں نے کوٹھی کی سرسری تلاشی لی تھی۔

''کچھ بھی نہیں ہے سر! چند برتنوں کے علاوہ پانی کا ایک مٹکا رکھا ہوا تھا ایک گلاس تھا اور بس تھوڑے سے برتن ان کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ وہاں کوئی چادر کپڑا تک نہیں ہے۔''

''چلو آجاؤ'' گرج خان نے کہا اور تمام کانسٹیبل گاڑی میں آبیٹھے، گرج خان کے اشارے پر پولیس گاڑی سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی گئی تھی۔

بہرحال یہ کامیاب چھاپہ تھا۔ گرج خان نے جو شدید محنت کی تھی۔ اس کا پھل اسے حاصل ہو گیا تھا۔ رضوان بسمل کی بازیابی ایک بڑا کارنامہ تھا اور گرج خان اس پر خوش تھا۔ فاصلے طے ہوتے رہے...... رخ آفس ہی کی طرف تھا...... پھر نشتر اسٹریٹ سے گزرتے ہوئے وہ خوفناک واقعہ پیش آ گیا...... اچانک ہی کسی جانب سے گاڑی کے ٹائروں پر فائرنگ ہوئی گاڑی لنگڑی ہو گئی۔ ڈرائیور نے فوراً ہی بریک لگایا تھا اور گرج خان پستول سنبھالے ایک دم سے نیچے کودنے کے لیے آگے بڑھا تھا لیکن فوراً ہی ایک سفید سی چیز گاڑی کے پاس آ کر گری اور گرتے ہی پھٹ گئی۔ اس سے سفید دھوئیں کا ایک غبار نکلا اور آن کی آن میں فضا میں پھیل گیا۔ پھر ویسا ہی دوسرا گولہ سامنے کی سمت اور تیسرا بائیں طرف پھٹا۔ گرج خان نے ناک پر ہاتھ رکھنے کی کوشش کی اور چیخ کر اپنے ساتھیوں کو خبردار کرنا چاہا کہ خواب آور گیس ہے۔ سنبھلنے کی کوشش کرو لیکن وہ خود بھی نہیں سنبھل سکا تھا۔

گیس اتنی سریع الاثر تھی کہ ایک لمحے میں کام ہو گیا۔ گرج خان کو ہلکی سی کھانسی آئی اور اس کے بعد اس کا ذہن بوجھل ہوتا چلا

گیا۔ اس نے ہاتھ پاؤں مار کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن نہ سنبھل سکا، یہ رہائشی علاقہ تھا اور اطراف میں فلیٹ بنے ہوئے تھے۔ فلیٹوں کے چوکیدار اپنی ڈیوٹیوں پر مستعد تھے اور بعض جگہ فلیٹوں میں لوگ جاگ بھی رہے تھے۔ یہ شب خیزی کے عادی لوگ تھے۔ انہوں نے فائرنگ کی آواز بھی سنی تھی اور ٹائروں کے پھٹنے کی آواز بھی اس کے بعد انہوں نے فضاء میں ایک بو بھی محسوس کی تھی جس نے بہر حال انہیں تو متاثر نہیں کیا، یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ کسی قسم کی کوئی گیس پھیلی ہے۔

چاروں طرف سنسنی پھیل گئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کی روشنیاں جلانے لگے۔ پھر بہ مشکل تمام فضا میں یہ دھواں منتشر ہوا اور علاقے کے چوکیدار اور دوسرے لوگ گروہوں کی شکل میں نکل آئے۔ وہ گاڑی کے پاس جاتے ہوئے بھی ڈر رہے تھے لیکن بہر حال یہ بھی ضروری تھا کہ صورت حال کا جائزہ لیں۔ قریب پہنچنے پر انہوں نے دیکھا کہ کچھ...... نوجوان زمین پر اور گاڑی میں بری طرح بیہوش پڑے ہیں۔

☆......☆......☆

بات اس قدر اہمیت کی حامل نہیں تھی لیکن اچانک ہی اس نے اہم نوعیت اختیار کر لی تھی اور معاملہ بے حد سنگین ہو گیا تھا۔ ایک اخبار کے معمولی رپورٹر کا اغواء بہت بڑی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اس کی بیوی نے کسی بھی طرح کر کے شہروز سے ملاقات کی اور اسے تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔

اور شہروز نے اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا اور کیس کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک شخص کو گرفتار کیا اور اس کی نشاندہی پر گرین بلڈنگ پر چھاپہ مارا گیا اور کچھ لوگ گرفتار کیے گئے اور بعد میں سڑک پر اس گاڑی کو حادثہ پیش آیا جو مغوی کو بازیاب کر کے لا رہی تھی۔ مغوی کو دوبارہ اغواء کر لیا گیا اور گاڑی میں موجود دوسرے افراد کو گیس کے گولوں کے ذریعے بیہوش کر دیا گیا۔

اور پھر کچھ لوگ انہیں ہسپتال لے گئے۔ جہاں تھوڑی دیر کے بعد وہ ہوش میں آ گئے اور آخر کار آفس پہنچ گئے یہ سارا واقعہ تھا لیکن گاڑی پر گیس بموں کا حملہ اور کسی مغوی کا دوبارہ اغواء کر لیا جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ چنانچہ صبح ہی صبح تمام معاملات کی رپورٹ ملنے کے بعد شیر جنگ اور کچھ دوسرے افراد شہروز کے آفس پہنچ گئے۔

شہروز اپنی سیٹ پر پہلے ہی سے موجود تھا اور کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔ گرج خان بھی تھا اور دوسرے افراد بھی کریمو بھی موجود تھا۔ جسے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ آئی جی صاحب نے تمام تفصیلات طلب کر لیں۔

وہ بھی اس تمام صورت حال سے کافی متاثر نظر آ رہے تھے۔ شہروز نے پر اثر انداز میں رجسٹر اور روزنامچہ سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی ایک خاتون! اپنے دو بچوں کے ساتھ میرے پاس پہنچی...... آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں اور بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے شوہر رضوان بسمل کا اغواء کر لیا گیا ہے۔ یہ شخص ایک مقامی اخبار میں رپورٹر کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ انہوں نے کسی پر شبہ ظاہر نہیں کیا۔ ہم نے تمام معلومات حاصل کیں اور کسی مناسب نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ بہر حال ضابطے کی کارروائی کی گئی اور اس خاتون کو دلاسہ دلایا گیا کہ ان کے شوہر کو تلاش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جائے گی۔ ہمارے پاس کوئی ایسا واضح اشارہ

نہیں تھا۔ان سے سوالات کرنے پر بھی کوئی ایسی صورت حال علم میں نہیں آئی۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ صحافی کو اغواء کرنے والے کون ہو سکتے ہیں۔ پھر اخبار کے دفتر سے رجوع کیا گیا اور ایڈیٹر سلمان صاحب نے بتایا کہ رضوان بسمل ایک سخت گیر نوجوان تھا اور رپورٹنگ میں حد سے تجاوز کر جاتا تھا۔کھلی اور بے باک تحریریں لکھتا تھا۔ہم نے یہ ہی اندازہ لگایا کہ کسی ایسے شخص نے اسے اغواء کرایا ہے۔جس کے خلاف اس نے کوئی محاذ قائم کر رکھا ہوگا۔ کیونکہ تاوان وغیرہ کا مسئلہ تو اس لیے نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ بیچارہ خود ایک بے حیثیت آدمی تھا۔"

پھر کسی نے ٹیلی فون پر ہمیں اطلاع دی کہ رضوان کو کریمو نامی ایک شخص نے اغواء کیا ہے اور یہ شخص عموماً ماسٹر کلب میں نظر آتا ہے۔

چنانچہ شہروز نے اپنی مصروفیات کے پیش نظر گرج خان کو ہدایات دیں اور گرج خان نے کریمو کو ماسٹر کلب سے گرفتار کر لیا۔ اسے یہاں لانے کے بعد اس سے معلومات حاصل کی گئیں اور تھوڑا سا ڈرایا دھمکایا گیا تو اس نے بتا دیا کہ رضوان بسمل گرین بلڈنگ نامی عمارت میں اغواء کر کے لایا گیا ہے۔ گرج خان اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس عمارت پر پہنچ گیا اور رضوان بسمل دستیاب ہو گیا۔ گرج خان اور اس کے ساتھیوں پر شدید فائرنگ کی گئی لیکن پھر فائرنگ کرنے والے بھاگ گئے اور ہم نے رضوان بسمل کو حاصل کر لیا۔اس وقت تک اس معاملے کی نوعیت اس قدر سنگین نہیں تھی لیکن بعد میں گرج خان کی گاڑی پر گیس بموں سے حملہ کر کے رضوان کو دوبارہ اغواء کر لیا گیا۔ یہ کل کی تفصیل ہے۔

"آپ نے بذات خود اس مشن میں حصہ کیوں نہیں لیا۔شہروز صاحب۔"

"میں ایک دوسرے اہم سلسلے میں تفتیش کر رہا تھا اور آدھی رات سے زیادہ وقت تک وہاں مصروف رہا تھا۔گرج خان ایک ذمے دار آفیسر ہے اور میں نے اس پر مکمل بھروسہ کرنے کے بعد اسے اس مشن کی ذمہ داریاں سونپی تھیں۔"

"ہوں۔ بہر حال وہ شخص کریمو کہاں ہے۔" شیر جنگ نے سوال کیا اور شہروز نے گرج خان کو اشارہ کیا۔ گرج خان کریمو کو لانے کے لیے چند قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ شیر جنگ نے کہا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"کریمو کو لانے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ میں اس وقت جلدی میں ہوں۔ مجھے کسی ضروری کیس کے سلسلے میں کہیں جانا ہے۔ بہر حال اگر کسی بھی طرح میری ضرورت پیش آ جائے تو مجھے ضرور اطلاع کرنا۔"

"ضرور، ضرور۔"

"میں چلتا ہوں، خدا حافظ۔"

شیر جنگ آفس سے باہر نکل گیا اور شہروز اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

☆......☆......☆

رضوان نسبل کو ہوش آ گیا۔ کچھ دیر تو وہ صورت حال کا اندازہ لگاتا رہا یہ جگہ وہ نہیں تھی جہاں وہ قید تھا لیکن پھر ذہن نے کام شروع کر دیا۔ وہ جگہ، ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ پھر یہ کون سی جگہ ہے۔ اسے پوری طرح یاد آ گیا کہ کچھ لوگوں نے اسے اس جگہ سے آزاد کروایا تھا۔ جہاں وہ قید تھا۔ پھر ایک گاڑی انہیں لے کر چل پڑی تھی اور اس کے بعد راستے میں کچھ ہوا تھا۔ وہ زخمی تھا اور اس کے حواس قابو میں نہیں تھے۔

ہر چند اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بے انتہا کوششیں کی تھیں لیکن پھر بھی بہت سے معاملات میں اس کا ذہن ساتھ نہیں دے پایا تھا۔ وہ گاڑی میں جا رہا تھا کہ ایک تیز بو فضا میں منتشر ہوئی اور اس کے بعد اس کے حواس ساتھ نہ دے سکے اور اب یہاں آنکھ کھلی تھی۔ اس نے پہلے اپنے حواس مجتمع کیے اس کھڑکی کی جانب نظر دوڑائی جس سے مدہم مدہم روشنی آ رہی تھی۔ یہ روشنی سورج ہی کی معلوم ہوتی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ صبح ہو گئی ہے۔

صبح کا احساس کرنے کے بعد اس نے ہمت کر کے گردن گھمائی اور مدھم روشنی کے باوجود، جو کچھ اسے نظر آیا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے اسے واقعی ذہنی طور پر معطل کر دیا اور اس جیسے عملی آدمی نے بھی سوچا کہ یہ عالم ہوش میں ہے یا عالم خواب میں۔ ایک کرسی پر اسے اپنی بیوی سائرہ نظر آئی تھی۔ جو آنکھیں بند کیے اور گردن ٹیڑھی کیے کرسی پر سو رہی تھی۔

وہ بے اختیار اُٹھ گیا اور اس کے منہ سے وحشت بھری آواز نکلی۔

''نوشین۔'' جواب میں نوشین ہڑبڑا کر جاگ گئی تھی۔ بے اختیار ہو کر کرسی کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے وحشت بھرے انداز میں اس کے قریب بیٹھ کر اس کے پاؤں چھوتے ہوئے کہا۔

''ہوش آ گیا۔ آپ کو ہوش آ گیا۔'' نوشین کی آواز آنسوؤں اور مسرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور ہونٹ خوشی سے مسکرا اُٹھے۔

''ہوش آ گیا آپ کو۔ کیسی طبیعت ہے۔ آپ کی۔''

''یار نوشین طبیعت تو جیسی بھی ہے لیکن ذرا ایک چٹکی لو میرے جسم میں، بس ذرا یہ یقین دلا دو کہ ہوش میں ہوں یا اب بھی حالتِ خواب میں ہوں۔''

''طبیعت کیسی ہے۔ آپ کی۔''

''جولانی پر ہے۔ پورے بدن میں مستی دوڑ رہی ہے۔ یار میں کہتا ہوں ذرا چٹکی تو کاٹو میرے بدن میں۔''

''نہیں خدا کے لیے نہیں آپ کو کوئی اندرونی تکلیف تو نہیں ہے۔''

''اب نہیں ہے پہلے تھی اور خالص اندرونی کیفیت تھی اور وہ تکلیف یہ تھی کہ میں تم سے جدا ہوں اور تم اور بچے مجھے یاد کر رہے ہوں گے۔ مگر واقعی نوشین بھئی نوچ لو ناں یار۔''

''آپ کا پورا بدن زخمی ہے۔''

''ارے ہاں، اوہو، یہ میرے زخموں پر بینڈیج کس نے کر دی، نوشین بھئی میں سنجیدہ ہوں۔ اکثر قید کے دوران خواب دیکھتا رہا ہوں کہ اچانک تمہارے پاس پہنچ گیا ہوں اور اس وقت بھی مجھے یہ سب خواب ہی لگ رہا ہے۔ کیا خواب اتنے مضبوط بھی ہوتے ہیں۔''

''نہیں رضوان، آپ ہوش میں ہیں چائے بناؤں آپ کے لیے۔''

''ایں...... بابا یہ ہمیں اپنی حویلی تو نظر نہیں آ رہی۔ کمرے کا ڈیزائن بالکل مختلف ہے۔ ارے بچے کہاں ہیں۔''

''دونوں سو رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے ناں۔''

''جی بالکل۔''

''مم...... مگر پیاری بیوی ذرا پہلے کھوپڑی سیٹ کر دو۔ کون سی جگہ ہے یہ بھئی اٹھ کر بیٹھ رہا ہوں۔''

''لیٹے رہیں تو بہتر ہے۔''

''اور تم کہہ رہی ہو کہ تم چائے بھی بنا سکتی ہو۔''

''جی ہاں کچھ کھانا وغیرہ چاہیں تو وہ بھی مل سکتا ہے۔''

''یہ کمال الدین صاحب کہاں ہیں۔''

''جی۔''

''کمال الدین ...... کمال الدین...... یہ تو مجھے کچھ جادو کے چراغ کا کارنامہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ یوں لگتا جیسے کمال الدین صاحب سے ہمارا کوئی قدیم رشتہ ہے۔ مثلاً تمہارے بھائی وغیرہ۔ کیونکہ انہی سے ایسا کام لیا جا سکتا ہے۔''

''آپ ٹھیک ہو جائیے بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہیے مجھے۔''

''وہ تو مجھے معلوم ہے لیکن کمال الدین صاحب کی بات تو رہ گئی۔''

''واقعہ کمال الدین کے کمال یا جادو کے چراغ جیسا ہی ہوا ہے رضوان۔''

''تو پھر ایک کام کرو۔''

''ہاں...... بولو۔''

''ذرا جن صاحب سے کہو کہ چائے وغیرہ بنا لائیں۔ مجھے تو تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ حالانکہ میں ذہنی طور پر کمزور آدمی نہیں ہوں لیکن واقعات ہی کچھ ایسے ہیں۔ جن سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ چکر جادو کا ہی ہے۔ بھئی کمال ہے۔ یہ بینڈیج کس نے کی میرے زخموں پر تم نے بتایا نہیں۔''

''آپ اسی شکل میں یہاں لائے گئے ہیں۔''

''اور یہ جگہ کون سی ہے۔''

''یوں سمجھ لیجیے جنت ہے اور ایک فرشتے نے ہمیں اسی جنت میں پہنچایا ہے۔''

''گویا مابدولت، انا للہ ہو گئے۔''

''خدا نہ کرے۔''

''تو یہ جنت ارے باپ رے۔ تم بھی تو اسی جنت میں ہو۔ اچھا اب ایسا کرو۔ ہمارے دماغ کو زیادہ تکلیف نہ دو۔ خود ہی جلدی سے صورت حال بتا دو۔''

''نہیں پہلے چائے بناتی ہوں۔'' نوشین نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

''رضوان متحیرانہ انداز میں اسے دیکھتا رہا۔ یہ سب کچھ اس کے لیے ناقابل فہم تھا۔ پورے شہر میں اس کا کوئی ایسا ہمدرد نہیں تھا۔ جو اس کی غیر موجودگی میں اس کے بیوی بچوں کو اس طرح تحفظ دے سکتا۔ وہ تو عجیب سی کیفیت کا شکار تھا اور سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی جلدی اور اس طرح اسے اس قید سے نجات مل جائے گی اور وہ اپنے بچوں اور بیوی کو دیکھ سکے گا۔ کئی بار اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی کمزور اعصاب کا انسان نہیں تھا اور حقیقتوں کا ادراک رکھتا تھا۔ خواب جاگتے میں نہیں دیکھے جاتے۔ یہ جو نگاہوں کے سامنے ہے۔ ایک ٹھوس سچائی ہے۔ اپنی جگہ سے اٹھا اور بستر پر بیٹھ گیا۔ بستر بھی اسی معیار کا تھا کہ جگہ کوئی معمولی نہیں معلوم ہوتی تھی اور پھر یہ کمرہ اس کی سجاوٹ ہر چیز اعلیٰ پائے کی اور قیمتی تھی۔ کون سی جگہ ہے یہ آخر کون سی جگہ ہے۔ پھر زخموں کی بینڈ یج حالانکہ اسے چند لوگوں نے برآمد کر لیا تھا اور اس کے بعد پولیس کو بھی نقصان پہنچایا گیا تھا لیکن ہوش ایسی جگہ آئے گا یہ سوچا بھی نہیں تھا اور پھر نوشین یہاں بہتر حالت میں موجود تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ ناقابل یقین تھا۔ یہ سب کچھ ایک راہ داری میں ایک کمرے کا دروازہ تھا اور بھی کئی کمرے نظر آ رہے تھے۔ ایک جگہ سے ہلکی ہلکی آہٹیں ابھر رہی تھیں اسی جانب چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا۔

عالی شان کچن تھا۔ جس میں جدید ترین ساز و سامان نظر آ رہا تھا۔ خوب صورت کیبنٹ بنے ہوئے تھے۔ نوشین وہاں اس طرح کام کر رہی تھی جیسے اس جگہ سے بخوبی واقف ہو کسی کی آہٹ محسوس کر کے چونک کر پلٹی اور رضوان کو دیکھ کر متحیر رہ گئی۔

''ارے آپ چل کر یہاں آ گئے۔''

''بھائی الٹا کھڑے ہونے سے بہتر تھا کہ تھوڑا سا فاصلہ طے کر کے یہاں تک آ جایا جائے۔''

''جایئے ناں میں آ رہی ہوں۔''

''بچے کون سے کمرے میں ہیں۔''

''جس کمرے میں آپ تھے۔ اس کے برابر والے کمرے میں۔''

''گویا۔ اس پوری عمارت پر تمہارا قبضہ ہے۔'' رضوان بسمل نے کہا اور نوشین مسکرا دی۔

''آ جائیے آپ۔''

''پہلے بچوں کو دیکھ لوں۔''

''جاگنے والے ہوں گے' صبح جلدی جاگ جاتے ہیں۔''

''پڑھائی لکھائی کا کیا حال ہے۔''

''بھلا یہ پڑھنے لکھنے کے لمحات تھے۔''

''خدا کی پناہ......'' رضوان نے دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے کی کوشش کی اور ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ رک گیا۔ بالکل گنجائش نہیں تھی۔ سر میں بھی کئی جگہ ہلکے ہلکے زخم تھے۔ واپس پلٹا اور اندازہ لگاتا ہوا کمرے کے برابر والے کمرے میں آ گیا۔ اعلیٰ قسم کی مسہری بچھی ہوئی تھی اور مسہری پر دونوں دونوں بچے سکون کی نیند سو رہے تھے۔ وہ محبت بھری نظروں سے بچوں کو دیکھتا رہا۔ دل چاہ رہا تھا کہ بڑھ کر پیشانیاں چوم لے۔ مگر یہ مناسب نہ ہوتا۔ چنانچہ وہاں سے نکل آیا اور اپنے کمرے میں آ بیٹھا...... چند لمحات کے بعد نوشین ایک ٹرالی پر کافی چیزیں سجائے ہوئے اندر آ گئی۔ چائے کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ رضوان نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''دراصل یہ ایک طلسمی ماحول محسوس ہو رہا ہے مجھے یہاں جو کچھ تم استعمال کر رہی ہو۔ نوشین ہم تو اس کے خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔''

''اور اب بھی تم مجھے کچھ بتانا پسند نہیں کرو گی۔''

''چائے لیجیے بتا رہی ہوں کچھ کھائیے' یہ بتائیے' آپ کی طبیعت کیسی ہے اور یہ اتنے سارے زخموں کے نشان۔''

''اماں چھوڑو...... ہم تو ان لوگوں کے شکر گزار ہیں۔ جنہوں نے ہمیں یہ زخم لگائے ہیں۔ شکر گزار اس لیے ہیں کہ انہیں پر اکتفا کی ہلکے ہلکے زخم' اماں نوشین' ذرا غور کر کے بتاؤ زندگی میں کبھی زخموں کی پرواہ کی ہے۔ یہ تو سچ کے تمغے ہیں۔ جو ان لوگوں نے ہمیں عطاء کیے ہیں۔ قسمت والوں ہی کو یہ لمحات دیکھنا نصیب ہوتے ہیں۔ ورنہ لوگ مصلحت کے ہاتھوں بک جاتے ہیں اور کبھی کبھی خود ان کا اپنا ضمیر بھی انہیں اپنی فروخت پر قبول نہیں کرتا تو پھر بات وہیں پر آ کر رک گئی پہلے یہ بتاؤ۔ یہ کون سی جگہ ہے۔''

''ایک عمارت ہے' میں نہیں جانتی کس کی ملکیت ہے لیکن میں تمہیں تفصیل سے بتا رہی ہوں کہ تم ان ظالموں کے ہاتھ لگ گئے۔ میں نے سلمان صاحب سے رجوع کیا۔ بڑی خشک روی سے پیش آئے اور اس کے بعد ایک بھی تسلی کا لفظ نہیں کہا۔ میرے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہا تھا کہ پولیس اسٹیشن جاؤں لیکن میں جانتی تھی کہ پولیس اس سلسلے میں سست روی کا شکار رہے گی چنانچہ میں نے اخبارات میں پڑھتے ہوئے' ایک نام شہروز صاحب کی تلاش شروع کی جو اس طرح کے کیس حل کرنے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں اور تم نے بھی ان کا نام پڑھا ہو گا یا کم از کم سنا تو ضرور ہو گا اور اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی اور مجھے اس سے ملوا دیا۔''

کیا بتاؤں کیا شخصیت ہے اس کی' تعجب ہوتا ہے۔ میں تو عام زندگی میں ایسے نیک فطرت لوگوں کی توقع نہیں رکھتی تھی کہ دنیا میں

ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں اس نے مجھے بہن کہہ کر مخاطب کیا۔اور بہن کا روپ دے دیا۔

ساری معلومات حاصل کرنے کے بعد اسی نے اس تشویش کا اظہار کیا کہ اگر تم نے زبان نہ کھولی تو مجھے اور بچوں کو نقصان پہنچایا جائے گا اس نے مجھ سے کہا کہ کسی ایسی جگہ چلی جاؤں۔ جہاں تحفظ کی فضا حاصل ہو سکے۔ میں نے اسے بتایا کہ ایسی کوئی جگہ میرے لیے اس دنیا میں نہیں ہے تو اس نے خود ہی پیشکش کر دی اور کہا کہ اللہ کی ذات پر یقین ہے اور رشتوں پر بھی بھروسہ کرتی ہو تو ایک بھائی سمجھ کر اس کے تحفظ میں آجاؤ۔ اس وقت تک کے لیے جب تک کہ تم برآمد نہ ہو جاؤ۔ بس وہ مجھے یہاں لے آیا اور اس کے بعد سے میں یہاں پر ہوں۔

ناہید نامی کوئی لڑکی ہے۔ جو اس کی کوئی عزیز معلوم ہوتی ہے۔ یہاں آ کر میری دلجوئی کیا کرتی ہے۔ جبرو نامی ایک شخص بھی ہے۔ایک مہربان بزرگ جو اس قدر محبت سے گفتگو کرتا ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے رضوان' اس نے مجھ سے کہا ہے کہ جب تک ہم خطرے سے نہ نکل آئیں میں یہاں رہوں۔ دنیا کی ہر سہولت مہیا کر دی ہے مجھے اور کچھ ایسا ماحول مہیا کر دیا ہے مجھے اور کچھ ایسا ماحول چند ہی لمحوں میں پیدا ہو گیا ہے کہ مجھے اس کی ذات پر بھروسہ بھی ہو گیا اور......اور......بس یہ ہے۔ ساری داستان۔'

''مجھے یہاں وہی لایا تھا۔''

''نہیں بڑی حیران کن بات ہے سو رہی تھی میں اسی کمرے میں بچوں کے ساتھ اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی اور میں چونک پڑی......رات کے اس پہر کسی کی دستک میرے لیے انتہائی خوفناک تھی لیکن بہر طور پر دروازہ کھولنا پڑا۔ باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ بس کمرے کی روشنی جل رہی تھی اور دروازہ کھلا ہوا تھا۔''

میں سہمی ہوئی اس کمرے میں داخل ہوئی تو یہاں تمہیں بستر پر لیٹے ہوئے پایا۔ ابھی تک کسی نے رابطہ نہیں کیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ کچھ لوگ تمہیں پہچانے کے بعد دستک دے کر واپس چلے گئے تاکہ میں تم تک پہنچ جاؤں۔''

''یار لگتا ہے۔ واقعی کسی سامری صاحب کا پھیرا ہو گیا ہے۔ ہماری طرف مہربان ہو گئے ہیں۔ اللہ کے فضل کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے اسے۔''

''کیا کہوں' کیا نہ کہو۔ میں خود شدید حیران ہوں۔''

''کیا نام ہے۔ اس آفیسر کا۔''

''شہروز۔''

''اسی علاقے میں رہتے ہیں۔''

''یہ تو مجھے معلوم نہیں۔''

''یہ نام تو واقعی میں نے سنا ہوا ہے لیکن یہ یاد نہیں آ رہا۔ کس سلسلے میں کھوپڑی بھی ذرا سیٹ نہیں ہے۔ اس وقت چائے کی ایک پیالی اور دو۔'' رضوان نے کہا اور نوشین اس کے لیے چائے کا دوسرا کپ بنانے چلی گئی۔

''شام کے ساڑھے چھ بجے تھے۔ شہروز نے ناہید کو فون کیا اور ناہید نے ریسیور اٹھالیا۔

''ناہید۔''

شہروز صاحب بھی معافی چاہتی ہوں آپ نے یقیناً مجھے فون کیا ہوگا۔''

''طنز کر رہی ہوں ناہید۔''

''کیا مطلب۔''

''طنز کا مطلب طنز ہی ہوتا ہے۔''

''ہوتا تو ہے لیکن میرا خیال ہے۔ میری اس چیز سے کوئی واقفیت نہیں ہے۔''

''بھئی اصل معاملہ کیا ہے۔''

''اصلی معاملہ یہ ہے کہ آج سارا دن مصروف رہی ہوں۔ بالکل غیر متوقع طور پر میرے سپرد ایک ذمہ داری کر دی گئی ہے۔ ایک پرانا کیس ہے۔ جس کے کچھ معاملات اٹک کر رہ گئے تھے اور محمود علی صاحب کو انہیں پورا کرنا تھا لیکن کورٹ پہنچنے کے بعد کچھ ایسی الجھنیں پیش آئیں کہ ڈیڈی بھی الجھ کر رہ گئے اور میں بھی بس بار روم میں تھی تھوڑی دیر پہلے فرصت ملی ہے۔ آپ یقین کریں آفس ابھی ابھی پہنچی ہوں۔''

''چلو پھر تو عزت سادات رہ گئی۔''

''کیا مطلب۔''

''اتفاق سے میں بھی بہت مصروف رہا اور یہ سوچتا رہا کہ ناہید سے رابطہ کروں۔ مگر نہ کر پایا۔''

''آہ کاش پہلے پتا چل جاتا۔''

''تو کیا ہوتا۔''

''جھوٹ ہی بول دیتی اور شکایت کا موقع مل جاتا۔''

''کیا شکایت کرتی۔''

''یہی کہ آپ نے ٹیلی فون کیوں نہیں کیا۔''

''میرا خیال ہے۔ یہ تمام پریکٹس بعد کے لیے رہنے دو۔''

''بعد کے لیے۔''

''اچھا خیر یہ بتایئے کہاں سے فون کر رہے ہیں۔''

''آفس سے۔''

''مصروفیات کیا ہے۔''

''زبردست۔''

''ملاقات نہیں ہوگی۔''

''دل چاہ رہا ہے۔''شہروز نے سوال کیا اور ناہید چند لمحات کے لیے خاموش ہوگئی پھر بولی۔

''گھر سے کوئی رپورٹ بھی نہیں ملی ہوگی۔''

''یہی میں تم سے پوچھنا چاہتا تھا۔''

''نہیں میں فون بھی نہیں کرسکی وہاں بھی۔ ابھی تھوڑی دیر بعد کروں گی۔''

''جی نہیں آپ آرہی ہیں میرے پاس۔''

''بہتر ہے۔''

''کوئی کام تو نہیں ہے فوری طور پر۔''

''اب نہیں ہے۔''

''بات کرنے کا انداز بتا رہا ہے محمود علی صاحب بھی موجود نہیں۔''

''جی ہاں کچھ دوستوں کے ساتھ کہیں چلے گئے ہیں۔''

''ہم بھی تو دوست ہیں۔''

''جی میں سمجھی نہیں۔''

''مطلب یہ ہے کہ آپ سے ہماری دوستی ہے کہ نہیں۔''

''کیوں نہیں۔''

''تو پھر آپ ہمارے ساتھ کہیں چلیے۔''

''فرمایئے کہاں۔''

''کسی بھی پُر فضا رومانی مقام پر۔''شہروز نے کہا اور ناہید پھر خاموش ہوگئی۔ شہروز بولا۔

''یہ کمال کی بات ہے یعنی جب مطلب کی بات آتی ہے تو خاموش ہوجاتی ہیں۔''

''ہوٹل میں آجاؤں۔''

''اللہ آجایئے ناں۔''شہروز نے کہا اور ناہید کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔''شہروز بولا۔

''آدھے گھنٹے کے اندر اندر آپ کو وہاں پہنچنا ہے۔''

''بہتر ہے۔ پہنچ رہی ہوں۔

مخصوص ہوٹل کے دروازے پر دونوں کا ٹکراؤ ہوا تھا۔ دونوں مسکرا کر ایک دوسرے سے ملے تھے اور پھر اندر داخل ہو گئے تھے۔ یہ ان کا خاص اڈہ تھا اور اب یہاں کے ویٹر وغیرہ انہیں پہنچاننے لگے تھے......ان کی مخصوص میز بھی خالی تھی۔ جہاں وہ پر سکون بیٹھ کر گفتگو کر سکتے تھے......شہروز نے ناہید کو دیکھا اور کہا۔

''بہت محنت نہ کیجیے۔ آپ کے چہرے کا رنگ اتر جائے گا۔''

''مصنوعی رنگ تو نہیں ہے۔''

''ہاں ...... یہ بھی ٹھیک ہے اور سنایئے۔ جس مسئلے کے لیے کورٹ میں اتنا وقت صرف کیا وہ حل ہو گیا۔''

''جی ہاں محمود علی کی معاونت کرنی پڑی تھی اور مضطرب تھی کہ کہیں آپ کو کوئی کام درپیش نہ ہو۔ ویسے واقعی آپ کو بھی گھر سے کوئی رپورٹ نہیں ملی۔''

''کوئی خاص رپورٹ ہے۔'' شہروز نے سوال کیا۔

''نہیں' بس میں یہی پوچھنا چاہتی تھی کہ نوشین ٹھیک ہے۔''

''میرا خیال ہے۔ اب بہت زیادہ ٹھیک ہو گی۔'' شہروز نے کہا اور ویٹر کو اشارے سے بلا کر آرڈر سرو کر دیا۔ ناہید سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔

''رضوان بسمل کے سلسلے میں کوئی پیش رفت ہوئی۔''

''زبردست۔'' شہروز نے جواب دیا۔

''وری' گڈ' کیا۔''

''رضوان بسمل کو برآمد کر لیا گیا۔''

''اوہ میرے خدا' کیا واقعی۔'' ناہید خوشی سے اچھل پڑی۔

''ہاں ناہید' اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے بروقت اقدام کر کے اس کی زندگی محفوظ کر لی ورنہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کیا صورت حال درپیش ہوتی لیکن اس کے لیے محنت شدید کرنا پڑی ہے۔''

''پلیز' مجھے پوری تفصیل بتایئے۔'' ناہید نے کہا اور شہروز اسے گرج خان کا کارنامہ بتانے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

''اور جس وقت گرج خان کریمو سے معلومات حاصل کرنے کے بعد گرین بلڈنگ سے رضوان بسمل کو برآمد کر کے لا رہا تھا کہ راستے میں گاڑی پر بموں سے حملہ ہوا اور گرج خان اور اس کے ساتھیوں کو بے ہوش کر کے رضوان کو دوبارہ اغواء کر لیا گیا۔''

''کیا۔ ناہید کا چہرہ اتر گیا۔''

''ہاں اور اب وہ نوشین کے پاس ہماری رہائش گاہ میں ہے۔''

"کیا......" ناہید پھر چونک پڑی پھر بولی۔

"بھئی خدا کے لیے مجھے ذہنی طور پر جھٹکے نہ پہنچائیں۔"

اس کے جواب میں ایک ایسا دلچسپ فقرہ منہ پر آ رہا ہے جسے کہہ دینے کو دل بھی چاہتا ہے لیکن اخلاق اور آداب کے منافی ہے۔

"آپ فکروں کے چکر میں نہ پڑیے۔ مجھے بتائیے کیا کہہ رہے ہیں آپ۔"

"ہاں...... ناہید، جب گرج خان، رضوان کو وہاں سے برآمد کر کے واپس چلا تو کارواں گروپ کے افراد نے گیس بموں سے گاڑی پر حملہ کیا اور رضوان کو وہاں سے نکال لائے۔"

"اوہ مائی گاڈ...... مگر کیوں۔"

"میں اسے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ منظر عام پر آنے کے بعد وہ دوبارہ بھی خطرے میں پڑ سکتا تھا۔"

"اوہ...... اور کریمو کا کیا ہوا۔"

"اسے بھی فی الحال اپنے قبضے میں رکھا گیا ہے۔"

"مگر اسے اب کیوں اپنے پاس رکھا گیا ہے۔"

"یہی سب سے دلچسپ نکتہ ہے۔"

"وہ کیسے۔"

"میں سیٹھ انوارہ سے ایک چھوٹا سا رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ اگر کریمو کو چھوڑ دیا جاتا تو پھر شاید سیٹھ انوارہ میری جانب توجہ نہ دیتی لیکن کریمو کے سلسلے میں بڑی دلچسپ کشمکش شروع ہو چکی ہے۔"

"پہلے سیٹھ انوارہ والی لڑکی کلیئر کیجیے۔"

"کریمو کا میرے پاس رہنا اس بات کی ضمانت ہے کہ سیٹھ انوارہ یا اس کے ساتھی مجھ سے رابطہ قائم کریں گے اور یہ چاہیں گے کہ میں اس کیس میں کوئی تبدیلی پیدا کر دوں کیونکہ بظاہر کوئی امید نہیں ہے۔ کریمو کے ذریعے رضوان بسمل برآمد ہوا ہے اور پھر گرج خان نے کریمو کی ایسی مرمت کی ہے کہ وہ خاصا ٹوٹ پھوٹ گیا ہے۔"

"سیٹھ انوارہ کی طرف سے کوئی پیش رفت ہوئی۔"

"جی نہیں۔"

"پھر اب آگے کیا ہوگا۔"

"ابھی تو بہت سے پوائنٹ ہیں۔ ماسٹر کلب سے گرج خان نے جس طرح کریمو کو گرفتار کیا ہے۔ وہاں کے ممبر جو بڑے بڑے لوگ ہیں۔ برافروختہ ہوں گے۔ ان کی طرف سے بھی کارروائی ہو گئی اور پھر ابھی سیٹھ انوارہ کوئی لائحہ عمل ترتیب نہ پائی ہوگی۔ ویسے رضوان بسمل

کا دوبارہ اغواء انہیں الجھن میں ڈال دے گا اور ہمارے لیے بھی کچھ بچت کی راہیں نکل آئیں گی۔ پہلے تو اس کی برآمدگی کا معاملہ ہوگا۔"

"وہ ہے کہاں"

"پہلے تو اسے ہیڈ آفس لے جایا گیا۔ وہاں سے اس کی مرہم پٹی کی گئی اور اس کے بعد وہ بے ہوش ہی کے عالم میں کوٹھی میں منتقل کر دیا گیا اور اب وہ اپنی بیوی کے پاس ہے۔"

"خدا کی پناہ اتفاق ہے کہ میں کوشش کے باوجود نوشین سے رابطہ نہیں کر سکی۔ نوشین کی خوشیوں کا تو ٹھکانہ نہیں ہوگا۔"

"اس کا فیصلہ تو تم خود کر سکتی ہو۔"

"ہاں...... یقیناً۔"

"اگر میں اغواء ہو جاتا اور اس کے بعد اچانک تمہارے پہلو میں ملتا۔ میرا مطلب ہے اس کمرے میں جہاں تم موجود ہوتیں تو تمہاری کیا کیفیت ہوتی۔" ناہید ایک بار پھر شرمگیں نگاہوں سے مسکرانے لگی تھی۔

"نہیں بولو...... بتاؤ کم از کم تم ان جذبات کا اظہار کر سکتی ہو جو نوشین کے ہوں گے۔"

"بات آگے کیجیے ناں۔"

"کیا مطلب۔"

"اب آگے آپ کا کیا ارادہ ہے۔"

"بس میں نے ایک رابطہ کیا ہے۔ سیٹھ انوارہ نے چھیڑ چھاڑ تو رہے گی اور بات یقیناً آگے بڑھی گی۔ ابھی تو بہت سے راز راز ہائے سربستہ ہیں۔"

"یقیناً ویسے واقعی کمال کا ذہن پایا ہے۔ آپ نے شہروز" کس خوب صورتی سے آپ نے ان تمام واقعات کو انوکھے ٹرن دیے ہیں۔ میں تو سوچتی ہوں تو حیران رہ جاتی ہوں۔ آپ انتہائی ذہنی وسعتوں پر پہنچے ہوئے ہیں۔"

"ویٹر جو کچھ لے آیا ہے۔ فی الحال اسی پر اکتفا کرو۔ بعد میں جو کہو گی کھلاؤں گا۔" ناہید ہنسنے لگی تھی۔

چائے وغیرہ کا دور چلا اور اس کے بعد ناہید نے کہا۔

"کیا خیال ہے۔ نوشین کے پاس چلیں۔"

"اس انداز میں تو جہنم میں بھی جایا جا سکتا ہے، چلیے۔"

"جلدی سے یہ سب کچھ صاف کیجیے پھر چلتے ہیں۔ آہ نوشین کی خوشیوں کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔"

تمام امور سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ناہید اور شہروز اس کوٹھی کی طرف چل پڑے تھے جہاں نوشین کو رکھا گیا تھا۔

جبرو نے آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھولا تو ناہید نے جلدی سے کہا۔

''ارے ارے یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ جبرو۔''

''جی کیا ہو گیا۔ خیریت۔'' جبرو نے تعجب سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ آپ نے کار کا دروازہ کیوں کھولا۔''

''جبرو صاحب آپ شرمندہ کر رہے ہیں۔ یعنی میرے نیچے اترنے کے لیے آپ کار کا دروازہ کھول رہے ہیں۔''

''تو اس میں کون سی ایسی خاص بات ہو گئی۔''

''خاص بات ہے۔ جبرو صاحب!'' شہروز نے دوسری جانب سے اترتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں سمجھا صاحب۔''

''بھائی آپ محترم ہیں بڑے بھائی ہیں میرے آپ' آپ شرمندہ کر رہے ہیں مجھے۔''

''ارے نہیں شہروز صاحب بس دل میں جذبات ابھر آتے ہیں' آپ کے لیے کیا زندگی بدلی ہے۔ آپ نے میری' زندگی کا نعرہ دے دیا ہے۔ سچ کہہ رہا ہوں۔ بے وقت کی راگنی ہے لیکن الا اپنے پر مجبور ہوں۔ ایک زندگی کا رخ وہ تھا۔ جسے گزارتے ہوئے دل کو کبھی سکون نہیں ملا تھا۔ زندگی تو گزر رہی تھی صاحب لیکن اندر کی خوشی نہیں ملتی تھی۔ باہر سے سب کچھ ٹھیک تھا لیکن اندر کا حال خراب تھا۔ اور مزہ بھی نہیں آتا تھا جینے کا۔ اب تو جینے کا مزہ ہی کچھ اور ہے خاموشی' تنہائی' سکون' اللہ کی یاد' گناہوں کی توبہ...... زندگی ایسے سکون سے گزر رہی ہے کہ کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔''

''اصل میں بات کچھ اور تھی جبرو خان۔'' شہروز نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا۔'' جبرو خان بولا۔

''آپ نے صحیح راستہ نہیں پایا تھا۔ اس وقت آپ کے اندر ایک اچھا انسان بسا ہوا تھا۔ جو برائیوں کی جانب راغب نہیں ہوتا تھا لیکن بدقسمتی سے آپ کو غلط لوگوں کا ساتھ مل گیا تھا۔ جنہوں نے آپ کے راستے زبردستی بدل دیے تھے۔ خیر چھوڑیے۔ ان جذباتی باتوں کو آپ اس بات پر یقین کر لیجیے کہ آپ اس عمارت کے مالک ہیں بڑے بھائی کی حیثیت رکھتے ہیں میرے لیے۔ کبھی اپنے آپ کو کسی شکل میں ہلکا نہ محسوس کریں اور سب کچھ جو آپ نے ابھی کیا ہے۔ اس کے بعد نہ کریں۔ میں آپ کو قسم دیتا ہوں۔'' جبرو ہنسنے لگا پھر بولا۔

''میں نے کہا ناں یہ تو اندر کا پیار ہے۔ ناہید بی بی بھی مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ بہت اچھے ہو تم دونوں بس دل میں پیار منڈ آتا ہے۔ جی تو چاہتا ہے۔ سر پر ہاتھ پھیروں سینے سے لگاؤں لیکن بہر حال احترام بھی مانع ہے۔''

شہروز نے مسکراتے ہوئے جبرو سے معانقہ کیا اور بولا۔

''بڑے بھائیوں کا حق کوئی نہیں چھین سکتا۔ چھوڑیئے ان جذباتی باتوں کو یہ بتایئے ہمارے مہمانوں کا کیا حال ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے خیریت معلوم کی ہے۔ میاں بیوی بچے سب خوش ہیں۔''

''گڈ'' شہروز نے کہا اور ناہید کو اشارہ کر کے اندر کی جانب چل پڑا۔

سامنے والی راہداری میں ہی نوشین نظر آ گئی۔ کسی کام سے نکلی تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ساکت ہوئی پھر پلٹ کر واپس بھاگی چیختی ہوئی۔

''رضوان ...... شہروز بھائی آ گئے۔ رضوان شہروز اور ناہید آئے ہیں۔'' شہروز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُٹھی تھی۔ یہ نوشین کی معصومیت تھی۔

بہرحال دونوں اندر داخل ہو گئے اور آگے بڑھ کر اس کمرے کے سامنے پہنچ گئے۔ جس میں رضوان مقیم تھا۔ برابر والا کمرہ ناہید کے لیے تھا۔ دروازے پر کھڑے ہو کر شہروز نے پوچھا۔

''بھئی ہم اندر آ سکتے ہیں۔''

''آ ئیے...... آئیے' آپ اجازت لے کر آ رہے ہیں۔'' اندر سے نوشین کی آواز اُبھری اور شہروز اور ناہید داخل ہو گئے۔ رضوان بستر پر کمر لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہروز کو دیکھ کر جلدی سے تھوڑا سا کھسکا اور نیچے اتر آیا۔

''ارے ارے لیٹے رہو۔ رضوان لیٹے رہو۔ تمہیں اتنی تیزی سے ابھی موومنٹ نہیں کرنا چاہیے۔''

''موومنٹ میں سستی ہی تو مصیبت بن جاتی ہے۔ شہروز صاحب۔'' رضوان نے کہا اور اٹھ کر ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ شہروز نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''یہ بتاؤ کیسی طبیعت ہے۔''

''بہت اچھی اتنی اچھی کہ ساری، زندگی میں کبھی نہ رہی ہو۔ جانتے ہو کیوں۔'' رضوان بے باکی سے بولا۔

''نہیں جانتا۔''

''انسان کی شکل دیکھی ہے۔ بہت عرصے بعد اس ویران جزیرے میں انسان نظر آئے ہیں ورنہ یقین کرو۔ انسان کی شکل دیکھنے کو ترس گئے تھے۔ چاروں طرف ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ جس میں شارک مچھلیاں غوطے لگا رہی تھیں اور ہم تھوڑی سی خشکی پر کھڑے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ان سے خوفزدہ ہو رہے تھے۔ ان سے جان بچانے کے لیے سرگرداں تھے...... پھر انسانوں کی شکل نظر آئی تو خوشی کیوں نہ ہوتی۔''

''بیٹھ جاؤ' بیٹھو تم واقعی ایک پر جوش صحافی ہو۔'' شہروز نے ہنستے ہوئے کہا اور رضوان مسکراتا ہوا بستر پر بیٹھ گیا...... ناہید نوشین کے ساتھ بیٹھ گئی تھی اور شہروز بھی سامنے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ رضوان نے کہا۔

''سر بے تکلفی میں بہت سی باتیں کہہ گیا ہوں۔ کیا کروں کمبخت فطرت میں تھوڑا سا جنون ہے۔ غالباً میں اب نارمل ہوں تھوڑی سی دیوانگی ہے میرے اندر بے اتکا بول جاتا ہوں لیکن سر! میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ یقین کیجیے آپ کا نام سننے کے بعد ذہن میں ایک لہر

سرسراتی ہوئی گزر گئی تھی لیکن بلاوجہ تکے نہیں مارتا۔ اس لیے نوشین سے کچھ نہیں کہا۔ البتہ اب آپ کو دیکھنے کے بعد پورے ذوق سے کہتا ہوں کہ آپ کو جانتا ہوں۔"

"گڈ...... ویسے ایک صحافی کو مجھ جسے آفیسر کو جاننا ہی چاہیے۔"

"یہ الگ بات ہے کہ اتفاق سے صحافی کی حیثیت سے میں آپ کے آفس میں نہیں آیا اور آپ سے میں نے کوئی رپورٹ بھی نہیں لی لیکن ایک آفیسر کی حیثیت سے نہیں۔ میں آپ کو ایک اور حیثیت سے جانتا ہوں۔"

"وہ بھی بتا دیجیے۔ رضوان صاحب۔"

"آپ میرے بہت بڑے محسن ہیں۔ میری غیر موجودگی میں آپ نے میری بیوی بچوں کا جس طرح خیال رکھا ہے۔ یہ احسان میں کبھی نہیں اتار سکتا۔"

"ایسی باتیں نہ کریں رضوان صاحب! یہ کوئی احسان نہیں بلکہ میں نے نوشین کو اپنی بہن بنایا ہے اور یہ ایک بھائی کا فرض تھا۔"

"خدا آپ کی عمر دراز کرے۔ بہر حال جو کچھ آپ نے کیا وہ آپ ہی کر سکتے تھے۔ مجھے میرے بیوی بچوں کی صورت دکھا کر آپ نے جو نیک کام کیا ہے اس کا صلہ میری دعا ہے کہ آپ کو ایسی شکل میں کہ بس آگے زبان خاموشی ہی مناسب سمجھتی ہے۔"

"یہ بتایئے کہ آپ کے زخم کیسے ہیں۔"

"یہ میری آرزو ہے۔ شہروز صاحب! کہ ان زخموں کے نشانات میرے بدن سے کبھی نہ مٹیں۔ آپ یقین کیجیے۔ میں تو زخموں کی کیفیت بھی دائمی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کرب یہ اذیت' میرے کام میں آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوگی۔ کیونکہ جن زخموں کا ایک پس منظر نہ ہو۔ وہ بے شک خراب ہوتے ہیں لیکن جن زخموں کے پیچھے کہانیاں ہوں اور ایسی کہانیاں جن کا دلی جذبات سے تعلق ہو تو پھر ان زخموں کو کبھی ٹھیک نہیں ہونا چاہیے۔" شہروز مسکراتا رہا۔ رضوان کے بارے میں جو کچھ سنا تھا۔ ویسا ہی نظر آرہا تھا وہ' رضوان نے کہا۔

"جتنا آپ میرے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ اتنی ہی خواہش میرے دل میں بھی ہے کہ میں کم ازکم اس سلسلے میں آپ کی کارکردگی کی تفصیل معلوم کرسکوں۔"

"بھئی میری کارکردگی اس سلسلے میں کوئی خاص نہیں ہے۔ بس یوں سمجھو کہ نوشین میرے پاس آئیں۔ انہوں نے مجھے تفصیلات بتائیں اور میں باعمل ہوگیا۔ جو ذمہ داری میری تھی۔ بس اسے پورا کرنے کی کوشش میں مصروف ہوں۔"

"کسر نفسی سے کام لے رہے ہیں آپ شہروز صاحب! ورنہ ہم بھی اس دشت کے سیاح ہیں۔ بہت کچھ جانتے ہیں بس کہنا نہیں چاہتے۔ جس بات کو جانتے ہیں اس کے بارے میں کچھ کہنا بلاوجہ اپنی ہمہ دانی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔" شہروز پھر ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

"بہر حال اس کے بعد ہم نے سلمان صاحب سے رابطہ کیا۔ ابتدائی کاروائی یہ ہوسکتی تھی۔ سلمان صاحب نے بے اعتنائی سے کام لیا اور اپنے دفتر میں اس مسئلے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔"

''ان کا قصور نہیں ہے۔ ان کا قصور نہیں ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے باپ ہیں۔ جوان بیٹیاں ہیں ان کی اپنی مجبوریاں ہیں۔ جناب ورنہ وہ اتنے برے نہیں ہیں۔''

''ہاں، بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ رضوان' بہر حال رات کو سلمان صاحب میرے پاس گھر پہنچے اور انہوں نے کریموں کی نشاندہی کی۔''

''کیا واقعی۔'' رضوان اچھل پڑا۔

''ہاں بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔ آپ کو تعجب ہوا یہ سن کر۔''

''نہیں بالکل نہیں۔ مجھے تو یہ حیرت تھی کہ باقی ساری باتیں اپنی جگہ سلمان صاحب نے بعد میں بھی اس سلسلے میں کوئی کاروائی نہیں کی۔ حالانکہ مجھے ان پر بہت یقین تھا۔''

''پھر سلمان صاحب نے مجھے کچھ تصاویر دی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ تم کس اہم پروجیکٹ پر کام کر رہے تھے اور کچھ ایسی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جو کچھ لوگوں کے لیے نقصان دہ ہو سکتی تھیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے سیٹھ انوارہ اور کریمو کا نام بھی لیا اور کریمو کے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ وہ ماسٹر کلب میں مل سکتا ہے۔''

''رضوان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ وہ آہستہ سے بولا۔

''تصویریں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔''

''ہاں۔'' چند لمحات خاموش رہنے کے بعد وہ کہنے لگا۔

''لیکن آپ نے اتنی برق رفتاری سے کریمو پر ہاتھ ڈال دیا۔''

''ضروری تھا۔ رضوان مجھے یہ خوف تھا کہ یہ لوگ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔''

''آپ نے اسے ماسٹر کلب سے گرفتار کیا۔''

''میرا اسسٹنٹ گرج خان ایک شاندار آدمی ہے۔ ماسٹر کلب سے کریمو کو گردن سے پکڑ کر لایا تھا اور اس کے بعد کریمو کی جو حالت بنا دی تھی۔ وہ شاید تمہاری حالت سے مختلف نہیں تھی۔''

''آہ...... کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ بخدا بعد میں جو کچھ ہوا۔ وہ اپنی جگہ لیکن کریمو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ اگر ایسا ہوا ہے تو یہ میرے لیے منافع ہی منافع ہے۔'' رضوان واقعی دیوانہ قسم کا آدمی تھا۔ اسے اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ بلکہ وہ اس پر خوش تھا کہ کریمو کو اس کلب سے لایا گیا۔ شہروز نے سلسلہ گفتگو جوڑتے ہوئے کہا۔

''مجھے اندازہ تھا رضوان کہ تمہاری زبان کھلوانے کے لیے وہ نوشین اور بچوں کو بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے انہیں گھر سے یہاں منتقل کر دیا۔''

''بخدا میرے دل میں یہ ہی احساس تھا۔ وہ کمبخت مجھ پر تشدد کر رہے تھے۔ ان کے فرشتے بھی مجھ سے کچھ نہ اگلوا سکتے تھے لیکن

میرے دل میں یہ چور تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ نوشین اور بچوں کے ذریعے مجھے مجبور کرنے کی کوشش کریں میرے لیے یہ سب سے مشکل پہلو تھا۔ خیر شہروز صاحب یہ کام آپ ہی کر سکتے تھے۔ ورنہ معاف کیجیے گا۔ کون کسی مشکل میں ساتھ دیتا ہے لیکن یہاں تو جذبے خون سے منتقل ہوئے ہیں۔ بھلا انہیں کون قتل کر سکتا تھا۔"

"رضوان! اصل مسئلہ کیا تھا۔"

"سر! وہ میں بتاتا ہوں لیکن ایک درخواست میری بھی ہے۔ اسے صرف لفظی کارروائی نہ سمجھے۔"

"ہاں......کہو۔"

"سر! احتیاط رکھیے گا۔ بات بہت آگے کی ہے۔ آپ کو خود بھی محتاط رہنا ہو گا۔ سمجھ رہے ہوناں آپ۔"

"ہاں! اندازہ ہے مجھے۔ اب یہ بتاؤ کہ پورا قصہ کیا ہے۔"

"سر! ایک سیدھی سیدھی سی بات ہے۔ یہ وطن، یہ سرزمین کسی ایک شخص کی ملکیت تو نہیں ہے۔ کوئی کسی حیثیت کا مالک ہوتا ہے۔ کوئی کسی حیثیت کا۔ اگر ہم سے پوچھا جائے کہ ہماری قومیت، ہمارا وطن کون سا ہے۔ تو کیا بتائیں گے۔ سر ہم وہی سب کچھ کہیں گے جو دوسرے بڑے لوگ کہتے ہیں۔ پھر سر آپ یہ بتائیے کہ پورے ملک میں ان کی اجارہ داری کیوں ہے۔ وطن کی بہتری کے لیے کام کریں ہم ان کے گن گائیں گے۔ سپاس نامے پڑھیں گے ان کے لیے۔ ان پر شاعری کریں گے۔ مضمون لکھیں گے لیکن سرحدوں پر سینہ سپر ہمارے جوان جو ہمیشہ گولیوں کے زور پر رہتے ہیں۔ اس وطن کی حفاظت کے لیے سرگرداں ہیں اور وطن کے اندر وطن کے دشمن جو اس کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ وہ اپنے کاموں میں مصروف ہیں سر! کس کس کے ساتھ ناانصافی نہیں ہو رہی۔"

"آپ بتائیے سر! سرحد پار کر کے دشمنوں پر تو نظر رکھی جا سکتی ہے۔ ان کے خلاف ہماری بندوقیں تنی ہوئی ہیں۔ لیکن سرحد کے اندر کے دشمن سر! یہ تو اس سے بھی زیادہ خطرناک لوگ ہیں۔ انہیں کیوں آزادی دی گئی ہے۔ یہ کیوں وطن کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ وہ تصویریں کہاں ہیں سر! آپ مجھے دکھا سکتے ہیں وہ تصویریں۔"

"ہاں میرے پاس ہیں۔" شہروز نے کہا اور اپنے لباس کے اندرونی حصے سے وہ لفافہ نکال کر سامنے رکھ دیا۔ رضوان نے پُرجوش انداز میں ایک تصویر لے کر کہا۔

"اسے دیکھئے اسے دیکھئے یہ اعظم ہاؤس ہے، اعظم ہاؤس سر ذرا اسے اندر سے دیکھئے۔ آپ کو اس میں منشیات کے انبار نظر آئیں گے۔ دنیا بھر کی تمام منشیات اس کے اندر پوشیدہ ہیں اور کوئی اس کا مالک ہے سر! آپ بتا سکتے ہیں کہ منشیات کے یہ ذخائر کیوں جمع کیے گئے ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں۔ ان کا کیا مصرف ہے۔ میرے وطن کے نوجوان جنہیں سرحدوں پر بھی اپنی ذمے داریاں سنبھالنی ہیں۔ ملک کے اندرونی حصے میں ہمیں ان کے طاقتور وجود کی ضرورت ہے۔ سر! یہ منشیات ان سے ان کی قوتیں چھین رہی ہیں۔ یہ بڑے سائنٹیفک انداز میں فروخت ہوتی ہیں۔ ان سے سرمایہ حاصل کیا جاتا ہے اور غیر ملکوں میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔

منشیات کے سوداگر اپنے خاندانوں کو محفوظ کر چکے ہیں لیکن سران خاندانوں کا کیا ہوگا جوان منشیات کا شکار ہو کر بے کسی اور بے بسی کی زندگی گزار رہے ہیں اور گزاریں گے۔

سر! آپ مجھے بتایئے۔ یہ جگہ محفوظ کیوں ہے۔ اس کی سرپرستی کون کر رہا ہے۔ سر! یہ دیکھیے۔ یہ دیکھیے ادھر یہ پیراڈائز پیلس ہے۔ خوابوں کا محل، یہاں جو کچھ ہو رہا ہے سر! آپ ذرا ان میں اندر جا کر دیکھیے۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے۔ سر آپ کی آنکھیں برداشت نہیں کر سکیں گی۔ یہ بھی ایک بہت بڑی شخصیت کی سربراہی میں چل رہا ہے۔ کیوں آخر کیوں کیا اس میں سرحد پار کے لوگ آتے ہیں۔ ہمارے دشمن یہاں عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں۔ انہیں نقصان پہنچ رہا ہے یا اندر کے لوگوں کو یہ کیوں قائم ہے سر۔

آپ ذرا اس کے پس منظر میں تو جایئے۔ ذرا دیکھیے تو سہی کہ اس میں کیا ہو رہا ہے اور سرا سے دیکھیے۔ یہ آپ پارہ کا میچ ہے۔ سر اس میں زیر زمین تہ خانے اسمگل کی ہوئی ان اشیاء سے بھرے ہوئے ہیں۔ جن کی ملک میں قلت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد انہیں آہستہ آہستہ نکال کر انتہائی مہنگے داموں فروخت کیا جاتا ہے۔ مجبور لوگ انہیں خریدنے کے لیے مجبور ہوتے ہیں میں کہتا ہوں سر، یہ جرم ہے تو ختم کیوں نہیں کیا جاتا۔ مجھے آپ جواب دیجیے۔ اس کی سرپرستی کیوں کی جاتی ہے۔

سر! عوامی سرمائے سے ملک میں بے شمار ادارے قائم ہیں۔ جن کی ذمے داری یہ ہے کہ ملک سے برائیوں کا خاتمہ کریں۔ عوام سے ٹیکس تو لیے جاتے ہیں۔ عوام سے ہر طرح کی امداد تو لی جاتی ہے لیکن وہ امداد عوام ہی کے خلاف کیوں استعمال کی جا رہی ہیں۔

یہ ادارے پابہ زنجیر کیوں کر دیے گئے ہیں۔ سر! میں انہی کی چھان بین کر رہا ہوں اور ان کے بارے میں تفصیلی رپورٹ شائع کرنا چاہتا ہوں...... سر! ان لوگوں کو میری کارروائیوں کی بھنک مل گئی۔ میں کیا اور میری اوقات کیا۔ انہوں نے ایک پتنگے کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے اٹھا لیا گیا۔ وہ لوگ مجھ سے یہ معلوم کر رہے تھے کہ میں کیا کیا کارروائی کر رہا ہوں یہ تصویریں کہاں ہیں جو میں نے حاصل کی ہیں۔ مجھے کیا کیا رپورٹیں مل چکی ہیں۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"لیکن رضوان تم یہ رپورٹیں کیسے شائع کرتے۔ کیسے یہ سب کچھ ہوتا۔ تمہارا اختیار میں تو یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔"

"سر ایک اخبار آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہے اور اسے اوجھل ہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ چھپتا ہی بہت کم ہے۔ کامران گل اس کا مالک ہے۔ ہم سرپھروں میں سے ایک وہ ہم سب سے زیادہ سرپھرا ہے۔ اخبار نکالتا ہے۔ معافیاں مانگ کر جیل سے باہر آ جاتا ہے اور اس کے بعد تھوڑی دنوں کے لیے بیوی بچوں کے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہے اور پھر دوبارہ کسی مسئلے پر لکھ کر واپس جیل چلا جاتا ہے۔ سر! ہم سب یہ ہی تفصیل جمع کر رہے تھے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ لوگ خاموش بیٹھے ہوئے ہوں گے اور میرے لیے کارروائی کر رہے ہوں گے لیکن سران کے وسائل محدود ہیں۔"

"کون سا اخبار ہے۔" شہروز نے پوچھا اور رضوان نے مسکراتے ہوئے اخبار کا نام بتا دیا۔

"اتفاق ہے نظر سے نہیں گزرا۔"

''سر! بیچارہ کامران بڑی ترکیب سے کام لیتا ہے۔ وہ بات کو بیلنس کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ کبھی کسی کے بارے میں تعریف وتوصیف کے انبار لگا دیے اس کی محبت حاصل کی۔ تھوڑے دن کے لیے بحال ہوا اور پھر کچھ نہ کچھ لکھ کر دوبارہ غائب ہو گیا بہت مار پیٹ ہوئی ہے اس کے ساتھ لیکن سر! سر پھرا ہے۔ وہی یہ کام کرتا ہے۔''

''ہوں صبح کا اخبار ہے۔''

''جی سر۔''

''تو باقی تمام باتوں سے پہلے تم ٹیلی فون پر کامران گل سے رابطہ قائم کرو۔ باقی تفصیل میں تم سے بعد میں معلوم کروں گا۔ بلکہ رکو تھوڑا سا رک جاؤ۔ ویسے کیا تم کامران گل سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔''

''جی سر......''

''کیا تو نہیں ہے۔''

''نہیں سر...... بالکل نہیں اول تو ابھی ذرا میرے زخموں میں تھوڑی سی تکلیف ہے۔ بھاگ دوڑ کے لیے کچھ گھنٹوں کا توقف چاہتا ہوں۔ اس لیے بھی نہیں کیا سر اور پھر کسی کی عزت کا معاملہ بھی تھا۔ مجھ سے پوچھا جاتا میں کہاں ہوں اور کیسے یہاں تک پہنچا تو کیا جواب دیتا۔''

''گڈ، اچھا کیا تم نے ہاں۔ اب ذرا مجھے یہ بتاؤ کریمو کا مسئلہ تو حل ہوا یا نہیں ہوا۔ یہ سیٹھ انوارہ کون ہے۔'' رضوان بسمل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''کچھ نہیں ہے سر! بالکل کچھ نہیں ہے یوں سمجھ لیجیے کچھ بڑوں کی لے پالک ہے۔ انہوں نے اسے رابطے کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور ایک ٹرانسمیٹر ہے۔ کمپیوٹر ہے جس میں بہت بڑے بڑے لوگوں نے اپنے معاملات فیڈ کر دیے ہیں اور اس کا نشریاتی نظام عمل کرتا رہتا ہے۔ بڑے بڑے لوگ اسے اپنے درمیان رابطے کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ ایسے لے پالک کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ بس سر! یہ بات ہے۔''

''ہوں، اس کے اختیارات تو بہت وسیع ہوں گے۔''

''سر ہونے چاہئیں۔ اس کے اختیارات وسیع نہ ہوں گے تو کیا ہمارے اور آپ کے ہوں گے۔ سر ایک بات تو بتائیے آپ۔''

''ہاں، پوچھو۔''

''کریمو کہاں ہے۔''

''ہماری نگرانی میں۔ ہمارے پاس ہے۔''

''ابھی اس کو بازیاب کرنے کے لیے کوئی کوشش نہیں کی۔''

''ابھی تک براہ راست مجھ سے کسی نے رابطہ قائم نہیں کیا۔''

''سر اوپر سے کاروائی ہوگی۔ آپ اطمینان رکھیں۔ آپ اسے زیادہ عرصے اپنی قید میں نہیں رکھ سکیں گے اور سر! ایک بات اور بتایئے آپ۔''

''ہاں، پوچھو۔''

''یہ سب ہوا کیا تھا۔ پہلے تو کچھ لوگوں نے مجھے رہا کرایا۔ اور پھر اس کے بعد ہماری گاڑی پر حملہ ہوا اور پھر میں نے اپنے آپ کو یہاں دیکھا...... آپ ہی کے آفس سے وہ شخص وہاں پہنچا تھا ناں۔ جس نے وہاں چھاپہ مارا اور ہمیں بازیاب کیا تھا۔''

''ہاں۔''

''گاڑی پر حملہ کرنے والا کون تھا۔''

''اصل میں رضوان میں تم پر بہت اعتماد کر رہا ہوں۔ میں نے خود ہی اپنے خفیہ آدمیوں کے ذریعے تمہیں ان لوگوں سے حاصل کیا تھا اور بات صرف یہ ہی تھی کہ اگر تمہاری خفیہ نگرانی ہو رہی ہو تو تمہیں آسانی سے حاصل نہ کیا جا سکے اور وہ لوگ تذبذب کا شکار رہیں کہ تمہیں اغواء کرنے والے کون لوگ ہو سکتے ہیں۔''

باقی رہا کریمو کا معاملہ تو اسے جان بوجھ کر میں نے اپنے آفس کے ایک کمرے میں رکھا ہے تاکہ سیٹھ اتوارہ سے بھی باتیں پوشیدہ رکھی ہیں لیکن تم پر بھروسہ کیا۔'' رضوان بسمل کے چہرے پر ایک عجیب ہی کیفیت پھیل گئی۔

اور اس نے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ تکلیف سے کراہتا ہوا بولا۔

''زندہ باد، کچھ ہو جائے گا نوشین لکھ لو میری بات قلم لاؤ۔ ہو جائے گا کچھ چیز مقابلے کی لگتی ہے۔ آئی ایم سوری شہروز صاحب۔''

''اچھا تم ایک کام کرو۔ میں ایک رپورٹ تیار کرتا ہوں۔ ناہید کاغذ کا انتظام کرو۔ یہ بتاؤ رضوان یہ رپورٹ شائع ہو سکتی ہے۔''

''بالکل ہو سکتی ہے سر۔''

''اس واقعے کی اطلاع کسی اخبار نے نہیں چھاپی دوپہر کے اخبارات بھی خاموش ہیں اس کا مطلب ہے کہ اسے خاص طور سے محفوظ کیا گیا ہے۔ رضوان یہ خبر چھپنی چاہیے۔''

''معمولی سی بات ہے سر! آپ رپورٹ تیار کریں چھپ جائے گی۔''

''ویری گڈ۔ صبح ہی آ سکے گی۔''

''جی سر! پورا اخبار اس سے بھرا ہوا ہوگا۔ میں وعدہ کرتا ہوں آپ سے۔''

''ٹھیک ہے۔'' ناہید پیڈ اور قلم لے آئی اور اس کے بعد شہروز ایک رپورٹ لکھنے لگا۔ جس میں اس نے بے باک صحافی رضوان بسمل کے اغواء کی کہانی ماسٹر کلب سے کریمو نامی ایک شخص کے انکشافات اور پھر ایک عمارت سے رضوان بسمل کی برآمدگی اور اس کے بعد راستے میں اس کے اغواء کی وہ مکمل تفصیل ایسے موثر انداز میں لکھی کہ بعد میں اسے پڑھنے کے بعد رضوان بسمل نے کہا۔

''ونڈرفل شہروز صاحب ویری گڈ۔ بخدا آپ کے اندر اگر صحافت کے جراثیم نہ ہوتے تو مجھے بہت افسوس ہوتا۔ کتنی خوب صورت رپورٹ تیار کی ہے۔ اب ذرا اسے مجھے دیجیے اور ٹیلی فون آہ۔'' اس نے پھر کراہتے ہوئے کہا۔ ''بڑا مستانہ انسان تھا۔ شہروز کو بہت پسند آیا تھا اور اس کے ذہن میں ایک ہلکی سی گڑبڑ ہو رہی تھی لیکن بہرحال ابھی اس نے اپنے آپ پر قابو پائے رکھا۔''

ٹیلی فون پر نمبر ڈائل کیے گئے اور رضوان نے ریسیور کان سے لگا لیا۔ پھر بولا۔ ''ذرا کامران گل کو دو...... ہاں، یار باقی باتیں بعد میں، ہاں جلدی دو۔'' اس نے کچھ لمحے انتظار کیا اور پھر بولا۔

''کامران گل۔''

''کون رضوان واقعی یہ تم بول رہے ہو۔''

''ہاں، ہم ہی بول رہے ہیں۔''

''مگر سلمان صاحب تو کچھ اور ہی خبر دے رہے تھے۔''

''کیا۔''

''تم اغواء ہو گئے ہو۔''

''کب خبر دی۔''

''ابھی اتفاق سے تمہیں فون کیا تھا اور اب تمہارے ہی گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔''

''بھول کر بھی اِدھر کا رخ نہ کرنا۔''

''کیوں۔''

''بھیڑیے نگرانی کر رہے ہوں گے۔''

''بھابی اور بچے کہاں ہیں۔''

''اللہ کے فضل سے خیریت سے ہیں۔''

''تم کہاں سے بول رہے ہو۔''

''اغواء ہونے کے بعد بازیابی ہوئی، بازیابی کی جگہ سے بول رہا ہوں۔ میرا مطلب ہے جگہ جہاں اب پناہ گزین ہوں۔''

''قصہ کیا تھا۔''

''قصہ سیٹھ اتوارہ کا تھا۔''

''واہ...... وہ اُڑ گئے تھے۔''

''ہاں۔''

"کچھ ہاتھ لگا۔"

"بہت کچھ۔"

"زندہ باد مگر اکیلے اکیلے"

"یار کام شروع کرنا تھا۔ وہ لوگ ذرا تیزی دکھا گئے۔"

"پورا واقعہ بتاؤ۔"

"اغواء کر لیا تھا بھیا گھر سے بلا کر اور وہ مار لگائی کہ چھٹی کے ساتھ ساتھ باقی سارا دودھ بھی یاد آ گیا۔ جو پیا تھا۔"

"مذاق کر رہے ہو۔"

"یہ بھی کوئی مذاق کی بات ہے۔"

"پھر کیا ہوا۔"

"بس کچھ لوگوں نے برآمد کر لیا۔"

"ان کو کیسے خبر ملی۔"

"تمہاری بھابی کے ذریعے۔"

"اس لیے کہتا تھا کہ یار تھوڑے سے تعلقات بڑھاؤ۔ ہم غیر شادی شدہ سہی مگر دیور تو تھے اپنی بھابی کے۔"

"باہر کی باتیں گھر نہیں لانا چاہتا تھا۔ بس اسی کا شکار ہو گیا۔"

"تو پھر کیا ہوا۔"

"کچھ نیک لوگوں نے بازیاب کرا لیا۔" رضوان نے کہا۔

"رضوان کہاں ہو تم۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ناممکن بلکہ ڈبل ناممکن۔"

"کیوں۔"

"کہا ناں یار چھپا ہوا ہوں اور یقیناً پورے شہر میں بھیڑیے میری بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔ اب یہ سمجھ لو کہ تم پر بہت سی باتوں کا انحصار ہے۔"

"مجھے بتاؤ کیا کرنا ہے۔"

"میرے اغواء کی رپورٹ کی اخبار میں نہیں چھپی۔ اس رپورٹ کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی کہانی اور بھی ہے۔ ذرا کاغذ قلم نکال کر رکھ لو۔ یوں سمجھ لو اس وقت اس کی پبلسٹی ہی ہماری کامیابی کی ضمانت ہے۔ ورنہ اخبار تو چھاپیں گے نہیں اور سیٹھ انوار باقی ساری باتوں کو دبا لے گی۔"

''ایک منٹ۔'' کامران گل نے کہا اور اس کے بعد بولا۔

''ہاں پھر۔''

اور رضوان بسمل نے شہروز کی ترتیب ہوئی ساری رپورٹ کامران گل کو دہرادی، وہ خاموشی سے لکھتا رہا...... تفصیلی رپورٹ دینے کے بعد اس نے کہا۔

''کریمو پر ہاتھ ڈال دیا گیا ہے۔''

''اس کی خبر تو آنی ضروری ہے۔ ورنہ اگر سیٹھ انوارہ اس سے پہلے کام دکھا گئی تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔''

''ضمیمہ چھاپے دیتا ہوں۔ تم فکر ہی نہ کرو۔''

''ضمیمہ چھاپو گے مگر کب۔''

''اب سے چار گھنٹے کے اندر تم بازار سے منگوالینا۔''

کامران گل نے کہا۔

''تھینک یو، بھیا...... تھینک یو، بس یار جنگ شروع ہو گئی ہے اور ایک کمانڈر بھی مل گیا ہے۔ میرا خیال ہے۔ بہت اچھا کام بنے گا۔''

''کریمو ابھی تک بند ہے۔''

''ہاں۔''

''ویری گڈ، ویری گڈ، بہت بڑا ہاتھ پکڑا ہے۔ چلو ٹھیک ہے اب یہ بتاؤ کہ تم سے دوبارہ بات چیت کب ہوگی۔''

''خود ٹیلی فون کروں گا۔ تم پریشان مت ہونا۔ محفوظ جگہ ہوں تو شین اور بچے بھی میرے پاس ہی ہیں اور باقی سب خیریت ہے۔''

''او کے...... بند کر دو۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور رضوان بسمل نے فون بند کر دیا۔ کریمو دوسری طرف کی گفتگو تو نہیں سن رہا تھا لیکن اس گفتگو سے اس نے دوسری طرف کی پوری باتوں کا اندازہ لگا لیا تھا۔ ریسیور رکھنے کے بعد رضوان بسمل نے کہا۔

''کیوں چیف سب ٹھیک ہے ناں۔''

''ہاں بالکل۔''

''ضمیمہ آ جائے گا تھوڑی دیر کے بعد چار گھنٹے کی بات کر رہا ہے۔ مگر وہ ایسی اعلیٰ کارکردگی کا مالک ہے کہ چار گھنٹے سے پہلے پہلے ہی ضمیمہ نکال دے گا۔''

''ٹھیک ہے اچھا بھئی رضوان بسمل صاحب یہ تھی رہی سہی تفصیل اور اب میں چلتا ہوں۔ یہ تصویریں آپ کی اجازت سے اپنے پاس ہی رکھ رہا ہوں۔''

''حفاظت سے رکھیں انہیں پر ہماری ساری کامیابی کا دارومدار ہے۔''

''فکر ہی نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' شہروز نے کہا اور ناہید کو اشارہ کر کے اُٹھ گیا۔ چلتے وقت اس نے کہا۔

''اور نوشین بہن آخری بات آپ سے کہی جائے۔ جبرو آپ کے لیے حاضر ہے۔ آپ کی ہر وہ ضرورت پوری کرے گا۔ جو آپ اس سے کہیں گی اور اگر آپ تکلف کریں گی تو یہ آپ کا مسئلہ ہوگا۔''

''نہیں شہروز بھیا کیا تکلیف کروں گی۔'' نوشین نے کہا اور شہروز ناہید کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ناہید مسرور نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

''کمال ہے۔ واقعی شہروز انسان جو کچھ نہ دیکھے اس کے بارے میں اس کے تصور میں بھی نہیں آسکتا کوئی اگر سنا دے تو کہانی سنا دے تو کہانی محسوس ہو لیکن جب وہ اس کہانی میں داخل ہوتا ہے۔ تو اسے عجیب عجیب واقعات سننے کو ملتے ہیں ایسا بھی ہوتا ہے۔ بھئی کمال ہے۔ صحافت کا یہ شعبہ بڑا ہی دلچسپ ہے۔ میں تو مان گئی۔''

''ہاں صحیح معنوں میں اگر تسلیم کرو تو یہ اندرون وطن وہ سرفروش ہوتے ہیں جو اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے خلاف جنگ لڑتے ہیں اور اپنی زندگی کی داؤ پر لگائے رکھتے ہیں۔''

''اس میں کیا شک ہے۔'' ناہید نے متاثر انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''میڈم بات فی الحال یہاں ختم ہو گئی ہے ہوسکتا ہے کہ کچھ وقت کے بعد ہم لوگ ان کی نگاہوں میں آ جائیں اس لیے۔ اپنے علاقے کے سلسلے میں ذرا محتاط ہی رہنا ہوگا۔''

''میں سمجھتی ہوں۔''

''اب میں آپ کو آپ کے آفس کے نیچے اُتارے دیتا ہوں۔ آپ جانیں آپ کا کام مجھے اپنے آفس جانا ہے۔ ذرا وہاں کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔ کام جاری ہے۔''

''مجھے یہیں اُتار دیں میں ٹیکسی لے کر چلی جاؤں گی۔''

''ارے اب ایسا بھی کیا۔ ویسے آپ کو اُتارنے کو تو کبھی بھی دل نہیں چاہتا۔'' لیکن بہرحال شہروز نے ناہید کو اس کے آفس کے سامنے اُتارے اور خود اپنے دفتر کی جانب چل پڑا۔ کوئی آدھا گھنٹہ ہوا تھا۔ اسے آفس آتے ہی کسی کی آمد کی اطلاع ملی۔ اس کی میز پر ایک کارڈ رکھا ہوا تھا۔ جس پر لکھا ہوا تھا۔

''کامران گل مقتول۔''

''شہروز چونک پڑا۔ اس نے اُردلی سے کہا کہ آنے والے کو اندر بلا لے اور اردلی نے باہر کھڑے ہوئے آدمی کو اندر بھیج دیا۔''

اجڑی شکل وصورت کا مالک ضرورت سے زیادہ لمبا قد، دبلے پتلے ہاتھ پاؤں بکھرے بال، بڑھی ہوئی داڑھی، بس کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ نہ جانے کب سے پہنے ہوئے تھے اور اُتارنا بھول گیا تھا۔ شہروز نے کھڑے ہو کر اس کا خیر مقدم کیا اور وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑنے لگا۔

بہرحال اس نے اپنا سوکھا ہوا دبلا پتلا ہاتھ شہروز کے ہاتھ میں دے دیا اور شہروز نے اردلی سے کہا۔

''جس وقت تک میں اجازت نہ دوں کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔''

''آفیسر صاحب مار لگائیں گے کیا۔'' آنے والے نے ظریفانہ انداز میں کہا۔

''تشریف رکھیے۔ پہلی بار کسی مقتول سے مل کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔ آج تک مقتول کے ورثا قتل کی تفصیل بتانے آتے جاتے ہیں لیکن آج ایک مقتول سے ملاقات کر رہا ہوں۔''

''قتل کے مختلف طریقے ہوتے ہیں اور مختلف انداز ہوتے ہیں ہم تو وہ ہیں جو لحہ بہ لحہ قتل ہوتے ہیں۔ اب بلاوجہ اتنی ساری رپورٹیں کون درج کرائے۔ اسی لیے مکمل طور پر اپنے آپ کو مقتول سمجھ لیا ہے۔''

''دلچسپ بات ہے۔ ویسے اس کے علاوہ آپ کا کوئی اور تعارف بھی ہے۔''

''یہ ٹوٹا پھوٹا کیمرہ دیکھ رہے ہیں ناں آپ میرے گلے میں لٹکا ہوا ہے۔ بیس بار مرمت کرا چکے ہیں اسے۔ رپورٹنگ کرنے جاتے ہیں تو آپ جیسے کرم فرما کیمرہ چھین کر اس میں سے فلم نکال لیتے ہیں اور عہدہ اگر بڑا ہو تو کیمرہ ہی اُٹھا کر زمین پر دے مارتے ہیں۔ بس خدا کا شکر ہے بچپن میں کرکٹ کھیلنے کی عادت تھی اور کیچ پکڑنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ یہ کیمرہ ویسے تو کئی بار مرمت ہو چکا ہے لیکن کوشش یہ کرتے ہیں کہ زمین تک نہ پہنچنے پائے اور کیچ لے لیتے ہیں۔'' وہ آنکھ دبا کر بولا اور شہروز ہنس پڑا۔

''گویا آپ رپورٹر ہیں۔''

''بس جی کیا ہیں یہ تو اللہ ہی جانے۔ ایک اخبار سے تعلق ہے اور اتفاق کی بات ہے کہ آپ کے آفس...... آج تک آنا نہیں ہوا۔ اصل میں دفتر اس علاقے میں نہیں ہے ناں۔ ویسے ہمارے علاقے کے تھانہ انچارج آج کل جمشید صاحب ہیں نو بار پکڑ چکے ہیں۔ بے چارے بڑے شریف آدمی ہیں۔ اگر مار پیٹ کرنی ہو تو بس اخلاق مار دیا کرتے ہیں۔''

کافی دلچسپ آدمی تھا۔ شہروز کو پسند آیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''جناب رپورٹر صاحب! بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر کیا خاطر کی جائے آپ کی۔''

''اتنی عزت نہ دیجیے گا کہ غلط فہمی کا شکار ہو جاؤں۔ اصل میں عزت مجھے راس ہی نہیں آتی۔ کمبخت طوطے نے فال نکالا تھا اور لفافے میں یہی لکھا ہوا تھا کہ جس دن بھی تمہیں کہیں سے عزت ملی سمجھ لو بے عزتی کی گنجائش ختم ہو جائے گی۔ تو سر! میں یہ گنجائش ختم نہیں کرنا چاہتا۔''

''نہیں بھئی اب ایسی بات بھی نہ کرو۔ بہر حال میرے مہمان ہو اور میں واقعی تمہاری عزت کرتا ہوں۔'' شہروز نے متاثر لہجے میں کہا۔

اور وہ مسکرانے لگا۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولا۔ ''کچھ لوگ اس قدر منحوس ہوتے ہیں کہ کوئی خوشخبری سنا ہی نہیں سکتے۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ کچھ بری خبریں لے کر آیا ہوں جو اتفاق سے میرے ہاتھ لگ گئی ہیں۔'' اس نے کہا اور پھر کچھ کاغذات نکال کر سامنے رکھ لیے اور انہیں پڑھنے لگا۔ ان کاغذات میں کارواں گروپ کے ایک ایک ممبر کا نام تھا۔ زبیر، شاہ، شازیہ، ناہید شہروز، پھر ان دونوں کی ٹیم کی شیر جنگ اور باقی دوسرے تمام افراد سب کے نام اس میں شامل تھے۔ وہ ان ناموں کی فہرست دہراتا رہا۔ پھر بولا۔

''انتہائی اعلیٰ پیمانے پر کارروائی ہو رہی ہے۔ اس بار آپ لوگ جس شخصیت سے بھڑ گئے ہیں۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ وہ بادشاہ گر ہے اور بادشاہوں نے اس کے گرد حفاظتی گھیرا ڈال دیا ہے اور یہ اختیارات حاصل کر لیے ہیں کہ کارواں گروپ کے ایک ایک فرد کو چن چن کر گرفتار کر لیا جائے اور اس طرح گم کر دیا جائے کہ ان کا نام و نشان بھی نہ ملے۔ کوئی مقدمہ نہیں چلے گا جناب بس آپ ان لاپتہ افراد میں شامل ہو جائیں گے جن کے لاپتہ ہونے کے بعد پتہ نہیں چلتا۔ یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ آخر یہ کس قانون کے تحت ایک ایسا ادارہ قائم کیے ہوئے ہیں جس کی ہمارے ملک میں بالکل کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ یعنی پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ یہ ادارہ کس کی پشت پناہی پر قائم ہوا اور کس کی پشت پناہی پر چل رہا ہے۔ اس کی تحقیقات دیکھ لیں گے۔ اس کے پس منظر میں جو لوگ نکلے وہ بھی اتنے آسان نہیں تھے کہ انہیں معمولی پیمانے پر پسپا کر لیا جائے...... تو جناب بہت غور و خوض کے بعد آخر کار یہ فیصلہ کیا گیا کہ کارواں گروپ کے ایک ایک ممبر کو چن چن کر گرفتار کیا جائے اور اس کے بعد تڑی پار کر دیا جائے تڑی پار تو آپ سمجھتے ہی ہوں گے، خادم یہ تفصیلات لے کر آیا ہے۔ کتنی بڑی خوش نصیبی ہے کہ کارواں گروپ کے لیے کوئی رپورٹنگ کرنے کا کوئی موقع تو بیشک نہیں مل سکا لیکن اس کی تھوڑی دیر بہت خدمت کرنے کا موقع مل گیا۔ جس قدر جلد ممکن ہو سکے سر! آپ اپنے آپ کو محفوظ کر لیجیے گا۔ ایسی جگہوں پر منتقل ہو جائیے۔ جہاں سے آپ کا نام و نشان بھی نہ مل سکے۔ ان کی کارروائی دیکھیے۔ چند افراد کے نام پیشِ خدمت ہیں جو اس سلسلے میں پیش پیش ہیں۔'' اس نے یہ نام بھی شہروز کے سامنے پیش کر دیے۔ شہروز سکتے میں رہ گیا تھا۔ اس نے کہا۔

''اب میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ میں کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں میرے دوست۔''

''بس! جو عزت آپ نے دے دی وہ میرے لیے کافی ہے۔ میں تو آپ سے پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ میں نے اپنے آپ کو مقتول سمجھا ہوا ہے۔ کامران گل مقتول، کوئی کسی وقت مار نہ دے میرے لیے غیر متوقع بات نہیں ہو گی۔''

''خیر خدا کرے آپ جیتے رہیں۔ میں آپ کی اس اطلاع پر فوری طور پر کارروائی کرتا ہوں اور بلاشبہ یہ بہت بڑا احسان ہے اور میں آپ سے کھل کر یہ بات کہوں کہ مجھے اس بارے میں بالکل علم نہیں تھا۔ یہ صرف آپ ہی کے ذریعے پتا چلا ہے۔''

''غلط ہو تو بعد میں آپ مار دیجیے گا۔'' کامران گل نے ہنستے ہوئے کہا اور شہروز نے اسے گلے لگا لیا۔ تھوڑی دیر تک کامران گل اس کے پاس بیٹھا اور اس کے بعد چلا گیا لیکن شہروز کو فوری طور پر کوئی عمل کرنا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔

☆......☆......☆

کارواں گروپ کے ہیڈ کوارٹر میں کارواں گروپ کا ایک ایک ممبر موجود تھا۔ زبیر شاہ اور باقی تمام افراد بھی۔ لیمپو آن بھی متفکر بیٹھا ہوا تھا۔ رپورٹ لیمپو آن کو دے دی گئی تھی اور اس پر غور کیا جا رہا تھا۔ تب لیمپو آن نے کہا۔

''میں اپنے منہ سے کوئی بات نہیں کہوں گا لیکن یہ سچائی ہے کہ دنیا کا رنگ بہت تبدیل ہو چکا ہے۔ پہلے ہر چیز میں ایک نفاست تھی۔ سیاست کا اور اختیارات کا ایک الگ انداز تھا۔ قانون نام کی کوئی چیز تھی لیکن اب دنیا جانتی ہے کہ اس طرح کی چیزوں کا فقدان ہو گیا ہے اور

نفسا نفسی کا دور چل رہا ہے۔ ہر کام ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ قانونی ہو یا غیر قانونی۔ یہ رپورٹ مجھے بالکل ٹھیک لگتی ہے اور میں اب تم لوگوں کو کارواں گروپ کے سربراہ کی حیثیت سے یہ ہدایت کرتا ہوں کہ تم سب انڈر گراؤنڈ ہو جاؤ اور اس طرح سے ہو جاؤ کہ کسی کو تمہارا نام و نشان نہ ملے۔ تم لوگ اس قدر مستحکم ہو چکے ہو کہ اپنے طور پر دوسرے انداز میں بھی زندگی گزار سکتے ہو۔ ہم دوبارہ کارواں گروپ کو آرگنائز نہیں کر سکتے لیکن جو کچھ ہم نے کر لیا ہے۔ ہمارا ضمیر اس سے مطمئن ہے۔ نہ برے لوگوں کا کبھی خاتمہ ہوگا اور نہ اچھے لوگ اس دنیا سے واپس چلے جائیں گے۔ نیکی اور بدی کی یہ جنگ تو نجانے کب سے جاری ہے۔ یہ جاری رہے گی۔ تو پھر ہمیں ایک دوسرے سے رخصتی اختیار کر لینی چاہیے۔"

سب افسردہ ہو گئے تھے۔ پھر شہروز نے ہی کہا۔ "مسٹر لیمپوآن! آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"نہیں، میں کافی دن سے تم لوگوں سے ایک درخواست کرنا چاہتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کائی شائی کی موت کے بعد میں بالکل ختم ہو چکا ہوں۔ میری عمر بھی بہت زیادہ ہے اور میں اب گوشہ نشینی چاہتا ہوں۔ اس عمارت کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے۔ وہ تہہ خانہ میری بقیہ زندگی کے لیے کافی ہے۔ میں نے وہاں انتظام کر لیا ہے اور مجھ سے کوئی شخص یہ سوال نہیں کرے گا کہ میں آئندہ کیا کروں گا۔ اگر آپ لوگ یہ سمجھتے ہو کہ میں نے آپ کے ساتھ کچھ کیا ہے۔ تو میری اس آخری خواہش پر کسی قسم کی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش نہ کی جائے۔" بہرحال لیمپوآن نے کچھ اس انداز میں یہ سب کچھ کہا تھا کہ کسی کے پاس کہنے اور کرنے کو کچھ نہ رہا۔ لیمپوآن نے اپنے طور پر اس تہہ خانے کا دروازہ کھولا اور چند افراد نے اسے تہہ خانے کے دروازے تک رخصت کیا۔

لیمپوآن سیڑھیاں عبور کر کے نیچے چلا گیا اور تہہ خانے کا دروازہ بند ہو گیا۔ وہ سب کے سب عجیب سی کیفیت کا شکار تھے۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ لیمپوآن ایک پراسرار کردار تھا۔ اور شروع سے آخر تک پراسرار ہی رہا تھا۔ تہہ خانے کا دروازہ بند ہو گیا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا۔ وہ کامران گل کے کہنے کے عین مطابق تھا۔ پورے شہر میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ پولیس کے مسلح دستے کارواں گروپ کے ایک ایک فرد کو تلاش کرتے پھر رہے تھے لیکن ایک ہفتے کی مسلسل کاوشوں کے بعد بھی کوئی ایسا فرد گرفتار نہ ہو سکا جس کا شبہ کارواں گروپ پر ہوتا۔

یہاں تک کہ شیر جنگ جو ایک پولیس آفیسر تھا اور ایک نیک نام آفیسر کے طور پر مشہور تھا۔ اس طرح غائب ہوا کہ اس کا بھی نام و نشان نہیں مل سکا۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ ملک سے باہر نکل گیا۔ کچھ کا کہنا تھا کہ شمالی علاقوں کی طرف چلا گیا لیکن پولیس کارواں گروپ کے ایک بھی فرد کو گرفتار کرنے میں ناکام رہی تھی۔

ختم شد